مرتبہ

ملک عبدالرحمٰن صاحب خادم

مذہبی اِنسائیکلوپیڈیا

یعنی

مکمّل تبلیغی

مُرتّبہ

جناب ملک عبدالرحمٰن صاحب خادمؔ

بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی۔ ایڈووکیٹ گجرات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

جماعت احمدیہ کی ایک صدی سے زائد عرصہ پر محیط تاریخ کے مطابق ہر قسم کے ادوار اور دنیا جہان کے ہر حصہ میں جن خوش نصیب خادمانِ احمدیت کو دعوت الی اللہ کے میدان میں یادگار خدمات کی سعادت ملی۔ ان میں مرحوم محترم جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم بی۔ اے۔ ایل ایل بی ایڈووکیٹ امیر جماعتہائے احمدیہ شہر و ضلع گجرات کا اسم گرامی بہت نمایاں ہے۔ کالج کے زمانۂ طالب علمی سے لے کر قانون کی پریکٹس کے دوران تادم آخر پورے برصغیر کے میدانِ مناظرات میں آپ کا طوطی بولتا رہا۔ حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہٗ کی زبانِ مبارک سے آپ کو "خالدِ احمدیت" کا خطاب ملا۔ وفات پر روزنامہ الفضل نے آپ کو "احمدیت کے بہادر سپاہی اور سلسلہ کے دلیر اور نڈر مجاہد" کے نام سے یاد کیا۔ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن گجرات نے اپنی قرارداد میں لکھا کہ:-

"ایک عالم ہمارے درمیان سے اُٹھ گیا ہے جو ہمہ گیر لیاقت اور تخلیقی صلاحیتوں کا حامل تھا"۔

۱۹۳۶ء سے ۱۹۵۶ء تک آپ کو ہر سال جلسہ سالانہ پر خطاب کرنے کا اعزاز ملا۔ ۱۹۴۰ء میں امیر جماعت منتخب ہوئے۔ جماعتی خدمات کے ساتھ ساتھ آپ کو ہمیشہ مثالی رنگ میں علمی و ادبی، ملکی و ملی اور سماجی و فلاحی خدمات کی توفیق ملتی رہی۔ آپ فی الواقع ایک مثالی داعی الی اللہ تھے۔ ایک کامیاب مناظر کی حیثیت سے آپ نے سرزمین پنجاب کے گوشے گوشے میں نہایت شاندار مناظرے کئے۔ ۱۹۵۳ء کے فسادات پنجاب کی تحقیقاتی عدالت میں جماعتِ احمدیہ کے ایک وکیل کی حیثیت سے نہایت گرانقدر خدمات سرانجام دیں۔ آپ کی غیر معمولی قابلیت خصوصاً کتب قدیمہ کی تلاش و تجسس کے حوالہ سے فاضل جج صاحبان نے برملا تعریف کرتے ہوئے آپ کا شکریہ ادا کیا۔ ہفت روزہ لاہور نے ایک متعصب مخالفِ احمدیت کا بھری بزم میں یہ اعتراف درج کیا ہے کہ:-

"اسلام پر اعتراض کا جواب دے کر خادم کا چہرہ یوں کھل اُٹھتا ہے جیسے گلاب کا پھول"۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی وفات پر آپ کی مثال دیتے ہوئے اپنے تحریری نوٹ میں فرمایا:-

"پس اے وکیلو اور اے ڈاکٹرو اور اے تاجرو اور صناعو اور اے زمیندارو اور اے دوسرے پیشہ ورو! تم پر خادم مرحوم کی زندگی یقیناً ایک حجت ہے کہ تم دنیا کے کاموں میں مصروف رہتے ہوئے بھی دین کا علم حاصل کر سکتے اور دین کی خدمت میں زندگی گزار سکتے ہو!"

سینتالیس سال کی مختصر عمر (۱۹۱۰ء تا ۱۹۵۷ء) میں آپ نے جو شبہ حیرت انگیز اور معیاری خدمات جلیلہ کی توفیق پائی۔ "مکمل تبلیغی پاکٹ بک" آپ کا زندۂ جاوید تاریخی کارنامہ ہے۔ صرف سترہ اٹھارہ برس کی عمر سے ہی آپ نے پاکٹ بک ترتیب دینا شروع کی جو وقفہ وقفے سے مفید اضافوں کے ساتھ چھپتی رہی۔ آخری ایڈیشن چھوٹی تقطیع کے بارہ سو صفحات پر مصنف کی اجازت سے محترم منشی محمد رمضان صادق مرحوم پوسٹل پنشنر گجرات نے شائع کیا۔ یہ "مذہبی انسائیکلوپیڈیا" ادیانِ عالم کے میدانِ کارزار میں یقیناً ایک مؤثر و مجرب کارگر ہتھیار ہے۔ موجودہ ایڈیشن اسی کے مطابق ہے۔

محترم خادم صاحب نے ۳۱ دسمبر ۱۹۵۷ء کو حرکت قلب بند ہونے سے لاہور میں وفات پائی اور بہشتی مقبرہ ربوہ کے قطعہ خاص میں مدفون ہوئے۔ ؎

اے خدا بر تربتِ اُو ابرِ رحمت ہا ببار

خادم صاحب مرحوم کے جملہ لواحقین دلی شکریہ کے حقدار ہیں جنہوں نے صدقہ جاریہ کے طور پر اس کتاب کا حقِ اشاعت جماعت کو تفویض کیا ہے۔ فجزاھم اللہ۔

ناشر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

(از مؤلف)

میرے جسم کا ذرہ ذرہ جذباتِ تشکر سے معمور ہوکر اُس مالکِ حقیقی کے حضور سجدہ کناں ہے کہ اُس نے میری کمزوری اور بے بضاعتی کے باوجود محض اپنے فضل سے مجھے "پاکٹ بک" کے چھٹے ایڈیشن کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّ اٰخِرًا: ھُوَ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔

پچھلے سال ۲۰ر دسمبر ۱۹۵۱ء کو میرے والدِ ذی مرتبت حضرت ملک برکت علی رضی اللہ عنہٗ کی اچانک وفات کے المناک صدمہ کے باعث میری ذاتی ذمہ داریوں اور مصروفیتوں میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ لیکن "پاکٹ بک" کے کلیتہً نایاب ہونے کے باعث بزرگان واحباب کی طرف سے متواتر فرمائش تھی کہ نیا ایڈیشن جلد سے جلد شائع کیا جائے۔ اِدھر سالِ رواں کے دَوران "احراری فتنہ" میں بعض ایسے نئے اعتراضات اٹھائے گئے، جن کا جواب "پاکٹ بک" میں درج ہونا ضروری تھا۔ اس وجہ سے نئے ایڈیشن میں مضامین کا معتد بہ اضافہ ناگزیر ہو گیا۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی خوف تھا کہ مضامین کے بڑھ جانے سے حجم بہت بڑھ جائے گا۔ جو موجودہ سائز اور نام دونوں کی تبدیلی کا مقتضی ہو گا۔ اس مشکل کا حل اس طریق سے کیا گیا کہ سابق ایڈیشن کے مقابلہ میں اس ایڈیشن کے مسطر میں چار سطروں کا اضافہ کر دیا گیا۔ اس طریق سے موجودہ حجم میں ۲۴۰ صفحات کا نیا مضمون شامل کیا جا سکا۔ "انگریز کی خوشامد" تنسیخ جہاد۔ خود کاشتہ پودا کے الزامات اور بعض دوسرے اعتراضات کے جوابات میں نئے مضامین شامل کئے گئے ہیں۔

قلّتِ وقت کے باعث پروف خاکسار نہیں دیکھ سکا۔ سابق ایڈیشن کی طرح اس ایڈیشن کے بھی پروف اور اعراب کی درستی اور انڈکس کی تیاری کا کام بتمام وکمال برادرم مکرم مولٰنا محمد اسمٰعیل صاحب فاضل دیالگڑھی مبلغ سلسلہ نے بکمال مہربانی سرانجام دیا۔ جس کے لئے میں تہِ دل سے اُن کا شکر گذار ہوں۔ اللہ تعالیٰ مولوی صاحب موصوف کو جزائے خیر دے۔ اور صحت وعمر میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔ احباب سے بھی درخواست ہے کہ مولوی صاحب موصوف کی صحت وعافیت کے لئے دُعا فرمائیں۔

اِس ایڈیشن کی تیاری کے لئے بہت سے احباب وبزرگان نے نہایت مفید اور قیمتی مشورے دیئے ہیں میں اُن سب کا شکر گذار ہوں۔ جَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

پچھلا ایڈیشن زیرِ اہتمام صیغہ نشر واشاعت صدر انجمن احمدیہ دسمبر ۱۹۴۵ء میں قادیان سے شائع

ہوا تھا۔ اور دسمبر ۱۹۴۶ء تک نایاب ہو چکا تھا۔ لیکن ۱۹۴۷ء کے انقلاب عظیم سے پیدا شدہ حالات کے باعث نئے ایڈیشن کی اشاعت سال رواں سے پہلے نہ ہو سکی۔

بعض دوستوں نے مشورہ دیا۔ کہ غیر مسلموں خصوصاً سکھوں اور ہندوؤں سے متعلقہ حصّہ کو موجودہ ایڈیشن سے حذف کر دیا جائے لیکن کافی غور و خوض اور مشورہ کے بعد یہی مناسب خیال کیا گیا کہ اس حصّہ کو حذف نہ کرنا ہی زیادہ بہتر ہے۔

اس ایڈیشن میں قریباً آٹھ صد نئے حوالجات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

ہستی باری تعالیٰ کا مضمون سیّدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ایک مختصر رسالہ سے لیا گیا ہے۔

خاکسار کی معلومات کے علاوہ ویدک دھرم کے متعلقہ حصّہ میں جناب مہاشہ محمد عمر صاحب فاضل اور جناب ملک فضل حسین صاحب مہاجر کی معلومات بھی شامل ہیں۔ اسی طرح شیعہ مذہب کے متعلق حضرت میر محمد اسحٰق رضی اللہ عنہ کی قابل قدر معلومات بھی شامل ہیں۔

سکھ مذہب کے متعلق مضمون بتمام کمال جناب گیانی واحد حسین صاحب مبلغ سلسلہ کا لکھا ہوا ہے۔ بعض دوسرے دوستوں نے بھی قیمتی مشورے دئے۔ مَیں اُن سب بزرگوں اور دوستوں کا شکر گذار ہوں۔ فَجَزَاھُمُ اللّٰہُ اَحْسَنَ الْجَزَاءِ۔

ترتیب مضامین

اِس ایڈیشن میں سابقہ ایڈیشن کی ترتیب مضامین ہی بحال رکھی گئی ہے۔ قارئین کو چاہیئے کہ کتاب کی ترتیب کو ایک دفعہ ذہن نشین کر لیں۔ پھر حوالہ یا مضمون نکالنا چنداں مشکل نہ رہے گا۔ صداقت مسیح موعود پر اعتراضات کا مضمون چار* ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا باب الہامات اور وحی پر اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔ اس میں حضور کے الہامات و کشوف و رؤیا پر جس قدر اعتراضات کئے گئے ہیں اُن کا جواب دیا گیا ہے۔ مثلاً:۔

اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ۔ ٹیچی ٹیچی۔ کشف سُرخی کے چھینٹے وغیرہ۔

دوسرے باب میں پیشگوئیوں پر اعتراضات کا جواب ہے۔ مثلاً محمدی بیگم والی پیشگوئی۔ ثناء اللہ۔ عبد الحکیم۔ اپنی عمر۔ پانچواں بیٹا وغیرہ کے متعلق پیشگوئیوں پر بحث ہے۔

تیسرے باب میں اُن اعتراضات کے جوابات ہیں جو حضرت موعود علیہ السلام کی تحریرات کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً تناقضات، غلط حوالے۔ مبالغے یا تنسیخ جہاد۔ انگریز کی خوشامد۔ خود کاشتہ پودا وغیرہ سے متعلق جملہ اعتراضات جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی تحریر یا تقریر پر کئے گئے ہیں ان

---

* موجودہ ایڈیشن میں ان چار ابواب اور صداقت کے مضمون کو الگ الگ پانچ حصّوں میں کر دیا گیا ہے۔ (ناشر)

سب کا جواب اس تیسرے باب میں ملے گا۔

چوتھے باب میں اُن اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات یا حضورؑ کے کسی فعل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً پیدائش۔ جائے نزول۔ خوراک۔ لباس وفات۔ ورثہ وغیرہ۔ ان سب سے متعلقہ اعتراضات کا جواب اس چوتھے باب میں دیا گیا ہے۔

اس ترتیب کو مدِّ نظر رکھا جائے تو مضمون نکالنے میں بے حد آسانی رہے گی۔

علاوہ ازیں ایک مکمل انڈیکس بھی شامل کر دیا گیا ہے اس سے بھی مدد لی جا سکتی ہے۔

ضروری ہدایات

(۱) بعض دلائل نیز بعض اعتراضات کے بعض جواب عمداً چھوڑ دئے گئے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بزرگان سلسلہ اور ان کے اِس خادم کے تجربہ اور مشاہدہ کے رُو سے دلائل مندرجہ پاکٹ بک ہذا ہی زیادہ مفید اور مؤثر ثابت ہوئے ہیں۔ اِسی لئے حتی الامکان انہی دلائل اور جوابات کو پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

(۲) سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات کے متعلق بعض اعتراضات چھوڑ دئے گئے ہیں۔ اُن کے لئے یہ گُر یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جس کتاب کا معترض حوالہ دے اصل کتاب نکال کر اس کا سیاق و سباق دیکھ لینا چاہیئے۔ انشاء اللہ تعالیٰ وہیں اسکا جواب ہوگا۔

(۳) مخالفین احمدیت کے اکثر اعتراضات کی بنیاد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتب کی بجائے سیرت المہدی اور دیگر ایسی کتب پر ہوتی ہے جو سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خود تحریر فرمودہ نہیں بلکہ دوسرے بزرگان و احباب کی بیان کردہ روایات ہیں۔ ان اعتراضات کو بھی پاکٹ بک ہذا میں نہیں لیا گیا۔ کیونکہ مستند صرف حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی تحریرات ہیں۔ ان کے سوا جس قدر روایات ہیں۔ اُن میں غلطی کا امکان ہے۔ پس ہماری تمام بحث سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی تحریرات و کتب پر مبنی ہونی چاہیئے۔

(۴) کوشش کی گئی ہے کہ اعتراضات کے جوابات تحقیقی بھی ہوں اور الزامی بھی۔ خاکسار کا تجربہ یہ ہے کہ الزامی جواب اگر پہلے دیا جائے تو وہ معترض کو تحقیقی جواب کی طرف متوجہ ضرور کر دیتا ہے۔ اس لئے معترض کی حالت اور رویّہ کو مدِّ نظر رکھ کر عام طور پر پہلے الزامی جواب پیش کرنا چاہیئے۔

(۵) یہ بات بھی مدِّ نظر رکھنی چاہیئے کہ مبلغ کے لئے نہایت ضروری ہے کہ جو بات وہ دوسرے کو سمجھانا چاہتا ہے پہلے اُسے خود سمجھ لے۔ پس جو دلیل یا جواب اپنی سمجھ میں نہ آئے اُسے ہرگز دوسرے کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہیئے۔

(۶) اس ضمن میں نہایت ضروری بات یہ ہے کہ مخالف کے ساتھ گفتگو کرتے وقت گھبرانا قطعاً

نہیں چاہیئے۔ نہ مخالف کے ظاہری "علم" سے دبنا چاہیئے۔ بلکہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو بات حق کے خلاف ہے وہ "علم" نہیں بلکہ جہالت ہے۔ پس گفتگو سے پہلے اللہ تعالےٰ سے خاص طور پر دُعا کرنی چاہیئے اور اس کے بعد خدا تعالیٰ کی تائید اور نصرت پر کامل یقین رکھنا چاہیئے۔ اس کی تائید و نصرت کے نظارے تبلیغ و مباحثات و مناظرات میں ہم نے بے شمار دیکھے ہیں۔ پس یقین رکھنا چاہیئے کہ حق و صداقت کے رُعب کے مقابلہ میں مخالفین کا خشک اور زمینی علم کچھ کام نہیں دے سکتا۔

(۷) آپ کے علم اور تجربہ کے رُو سے اگر کوئی مفید مشورہ یا مزید حوالجات یا معلومات ہوں تو براہ کرم اُن سے خاکسار کو مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن کی تیاری کے وقت ان کو مدِنظر رکھ لیا جائے۔

(۸) پاکٹ بک ہذا میں جملہ حوالجات تحقیق اور صحت کے بعد درج کئے گئے ہیں۔ سوائے اس کے کہ کسی جگہ سہو کتابت سے ہندسے میں کوئی فرق پڑ گیا ہو۔ حوالجات نہایت صحیح ہیں یعنی جن کتابوں کے حوالے دیئے گئے ہیں۔ حتی الامکان مؤلف نے اُن کو دیکھ کر لکھا ہے۔

(۹) بالآخر ان تمام بزرگوں اور دوستوں سے جنہیں اس پاکٹ بک سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ ملے عاجزانہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ خاکسار کی دینی و دنیوی۔ رُوحانی و جسمانی ترقی کے لئے خلوص دل سے دُعا فرمائیں۔ خُدا تعالیٰ ہم سب پر اپنا فضل نازل فرمائے۔ تا حق کا بول بالا ہو۔ اور احمدیت جلد سے جلد اکنافِ عالم پر چھا جائے۔ اٰمین ثمّ اٰمین ؎

والسّلام

طالبِ دُعا

احقر ملک عبد الرحمٰن خادم

گجرات (پنجاب) ۲۰-۱۲-۵۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۞ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

حضرت ملک برکت علی رضی اللہ عنہ

سیّد الاوّلین والآخرین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضور کی آل و اصحاب، اہل بیت اور خلفاء۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے رفقاء اور خادمان سلسلہ پر لاکھوں لاکھ درود و سلام کے بعد میں اپنے والد مرحوم و مغفور حضرت ملک برکت علی رضی اللہ عنہ کا نام زیب عنوان کرتا ہوں۔ جن کا عشق دین اور جوشِ تبلیغ مجھے ورثہ میں ملا۔ اور جن کی تعلیم و تربیت سے میں خدام احمدیت میں شمار ہونے کے قابل بنا۔ اور جن کی وفات پچھلے سال آج کے دن ۲۰ دسمبر کو ہوئی۔

اللہ تعالےٰ اُن پر اپنے بے شمار فضل نازل فرمائے۔ اور جنّت کے اعلیٰ مقامات میں اپنے خاص محبوبوں اور پیاروں میں جگہ دے۔

(آمین)

احقر

ملک عبدالرحمٰن خادم

محلہ جٹاں گجرات (پنجاب) ۲۰ دسمبر ۱۹۵۲ء

تفصیلی فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ   نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

ہستی باری تعالیٰ کے دلائل

(از افاداتِ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ)

پہلی دلیل اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک جگہ فرماتا ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَکّٰی وَذَکَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰی۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا۔ وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔ اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی۔ صُحُفِ اِبْرَاھِیْمَ وَمُوْسٰی (سورۃ الاعلیٰ: ۱۵تا۲۰) یعنی مظفر و منصور ہوگیا وہ شخص کہ جو پاک ہوا۔ اور اس نے اپنے رب کا زبان سے اقرار کیا اور پھر زبان سے ہی نہیں بلکہ عملی طور سے عبادت کرکے اپنے اقرار کا ثبوت دیا، لیکن تم لوگ تو دُنیا کی زندگی کو اختیار کرتے ہو حالانکہ انجام کار کی بہتری ہی اصل بہتری اور دیر پا ہے۔ اور یہ بات صرف قرآن شریف ہی پیش نہیں کرتا بلکہ سب پہلی کتابوں میں یہ دعوےٰ موجود ہے۔ چنانچہ ابراہیمؑ و موسیٰؑ نے جو تعلیم دُنیا کے سامنے پیش کی اس میں بھی یہ احکام موجود ہیں"۔ اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مخالفینِ قرآن پر یہ حجت پیش کی ہے کہ اپنی نفسانی خواہشوں سے بچنے والے خدا کی ذات کا اقرار کرنے والے اور پھر اس کا سچا فرمانبردار بننے والے ہمیشہ کامیاب و مظفر ہوتے ہیں اور اس تعلیم کی سچائی کا ثبوت یہ ہے کہ یہ بات پہلے تمام مذاہب میں مشترک ہے۔ چنانچہ اس وقت کے بڑے مذاہب مسیحی۔ یہودی اور کفارِ مکہ پر حجت کے لئے حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کی مثال دیتا ہے کہ ان کو تو تم مانتے ہو۔ انہوں نے بھی یہ تعلیم دی ہے۔ پس قرآنِ شریف نے ہستی باری تعالیٰ کا ایک بہت بڑا ثبوت یہ بھی پیش فرمایا ہے کہ کل مذاہب اس پر متفق ہیں اور سب اقوام کا مشترکہ مسئلہ ہے چنانچہ جسقدر اِس دلیل پر غور کیا جائے نہایت صاف اور سچی معلوم ہوتی ہے۔

حقیقت میں کُل دُنیا کے مذاہب اِس بات پر متفق ہیں کہ کوئی ہستی ہے جس نے کل جہان کو پیدا کیا مختلف ممالک اور احوال کے تغیر کی وجہ سے خیالات و عقائد میں بھی فرق پڑتا ہے، لیکن باوجود اس کے جسقدر تاریخی مذہب ہیں سب اللہ تعالیٰ کے وجود پر متفق اللسان ہیں۔ گو اس کی صفات کے متعلق اُن میں اختلاف ہو۔ موجودہ مذاہب یعنی اسلام۔ مسیحیت۔ یہودیت۔ بُدھ ازم۔ سکھ ازم۔ ہندو ازم اور عقائدِ زرتشتی تو سب کے سب ایک اللہ۔ خدا۔ الوہیم۔ پرمیشور۔ پرماتما۔ ست گورو یا یزدان کے قائل ہی ہیں۔ مگر جو مذاہب کہ دُنیا کے

پردہ سے مِٹ چکے ہیں اُن کے متعلق بھی آثارِ قدیمہ سے پتہ چلتا ہے کہ سب کے سب ایک خدا کے قائل اور معتقد تھے خواہ وہ مذاہب امریکہ کے جُدا شدہ ملک میں پیدا ہوئے ہوں یا افریقہ کے جنگلوں میں خواہ روما میں۔خواہ انگلستان میں۔خواہ جاوا وسماٹرا میں۔خواہ جاپان وچین میں۔خواہ سائبیریا و منچوریا میں۔ یہ اتفاقِ مذاہب کیونکر ہوا اور کون تھا جس نے امریکہ کے رہنے والے باشندوں کو ہندوستان کے عقائد سے آگاہ کیا؟ پہلے زمانہ میں ریل و تار وڈاک کا یہ انتظام تو تھا نہیں جو اَب ہے۔نہ اس طرح جہازوں کی آمد و رفت کی کثرت تھی۔گھوڑوں اور خچروں وغیرہ کی سواری تھی اور بادبانی جہاز آجکل کے دنوں کا سفر مہینوں میں کرتے تھے۔اور بہت سے علاقے تو اس وقت دریافت بھی نہ ہوتے تھے۔پھر ان مختلف المذاق اور مختلف الرسُوم اور ایک دوسرے سے ناآشنا ممالک میں ایک عقیدہ پر کیونکر اتفاق ہوگیا؟ من گھڑت ڈھکوسلوں میں تو دو آدمیوں کا اتفاق ہونا مشکل ہوتا ہے۔پھر کیا اسقدر قوموں اور ملکوں کا اتفاق جو آپس میں کوئی تبادلۂ خیالات کے ذرائع نہ رکھتی تھیں اِس بات کی دلیل نہیں کہ یہ عقیدہ ایک امرِ واقعہ ہے اور کسی نہ معلوم ذریعہ سے جسے اسلام نے کھول دیا ہے ہر قوم اور ہر ملک میں اِس کا اظہار کیا گیا ہے۔اہلِ تاریخ کا اس امر پر اتفاق ہے کہ جس مسئلہ پر مختلف اقوام کے مؤرخ متفق ہوجائیں اُس کی راستی میں شک نہیں کرتے۔پس جب اِس مسئلہ پر ہزاروں لاکھوں قوموں نے اتفاق کیا ہے تو کیوں نہ یقین کیا جائے کہ کسی جلوہ گر کو دیکھ کر ہی سب دنیا اس خیال کی قائل ہوئی ہے۔

دوسری دلیل

دوسری دلیل جو قرآن شریف میں ہستی باری تعالیٰ کے متعلق دی ہے۔اِن آیات سے معلوم ہوتی ہے کہ تِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۔ (الانعام: ۸۴ تا ۸۷) پھر کچھ آیات کے بعد فرمایا کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ (الانعام: ۹۱) یعنی یہ ایک دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابل میں دی اور ہم جس کے درجات چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں تحقیق تیرا ربّ بڑا حکمت والا اور علم والا ہے اور ہم نے اُسے اسحٰقؑ اور یعقوبؑ دیئے۔ہر ایک کو ہم نے سچا راستہ دکھایا اور نوحؑ کو بھی ہم نے سچا راستہ دکھایا ان سے پہلے اور اس کی اولاد میں سے داوٗدؑ اور سلیمانؑ۔ایوبؑ۔یوسفؑ۔موسیٰؑ اور ہارونؑ کو بھی اور ہم نیک اعمال میں کمال کرنے والوں کے ساتھ اِسی طرح سلوک کیا کرتے ہیں۔اور زکریاؑ۔یحییٰؑ۔عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی راستہ دکھایا اور یہ سب لوگ نیک تھے۔اور اسمٰعیلؑ۔الیسعؑ۔یونسؑ اور لوطؑ کو بھی راستہ دکھایا اور اِن سب کو ہم نے اپنے اپنے زمانہ کے لوگوں پر فضیلت دی تھی۔اور پھر فرماتا ہے کہ یہ وہ لوگ تھے کہ جن کو خدا نے ہدایت دی۔پس تو اُن کے طریق کی پیروی کر۔اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اِس قدر

نیک اور پاک لوگ جس بات کی گواہی دیتے ہیں وہ مانی جاتے یا وہ بات جو دوسرے ناواقف لوگ کہتے ہیں۔ اور اپنے چال چلن سے ان کے چال چلن کا مقابلہ نہیں کرسکتے۔ سیدھی بات ہے کہ انہی لوگوں کی بات کو وقعت دی جائیگی جو اپنے چال چلن اور اپنے اعمال سے دُنیا پر اپنی نیکی اور پاکیزگی اور گناہوں سے بچنا اور پرہیز کرنا ثابت کرچکے ہیں۔ پس ہر ایک شخص کا فرض ہے کہ وہ انہی کا تتبع کرے اور اُن کے مقابل میں دوسرے لوگوں کی بات کا انکار کردے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس قدر نیکی اور اخلاق کے پھیلانے والے لوگ گزرے ہیں اور جنہوں نے اپنے اعمال سے دُنیا پر اپنی راستی کا سکہ بٹھا دیا تھا وہ سب کے سب اس بات کی گواہی دیتے ہیں کہ ایک ایسی ہستی ہے۔ جسے مختلف زمانوں میں اللہ یا گاڈ یا پرمیشور لکھا گیا ہے۔ ہندوستان کے راستباز رامچندر، کرشنؑ۔ ایران کا راستباز زرتشتؑ۔ مصر کا راستباز موسیٰؑ۔ ناصرہ کا راستباز مسیح۔ پنجاب کا ایک راستباز نانکؒ۔ پھر سب راستبازوں کا سرتاج عرب کا نُور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم جس کو اس کی قوم نے بچپن ہی سے صادق کا قول دیا اور جو کہتا ہے کہ فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا (یونس: ۱۷) میں نے تم میں اپنی عمر گزاری ہے کیا تم میرا کوئی جھُوٹ ثابت کرسکتے ہو؟ اور اُس کی قوم کوئی اعتراض نہیں کرسکتی۔ اور ان کے علاوہ اور ہزاروں راستباز جو وقتاً فوقتاً دُنیا میں ہوتے ہیں یک زبان ہو کر پکارتے ہیں کہ ایک خدا ہے اور یہی نہیں بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اس سے ملاقات کی اور اس سے ہم کلام ہوتے۔ بڑے سے بڑے فلاسفر جنہوں نے دُنیا میں کوئی کام کیا ہو۔ وہ اُن میں سے ایک کے کام کا ہزارواں حصّہ بھی پیش نہیں کرسکتے۔ بلکہ اگر ان لوگوں اور فلاسفروں کی زندگی کا مقابلہ کیا جائے تو فلاسفروں کی زندگی میں اقوال سے بڑھ کر افعال کے باب بہت ہی کم نظر آئیں گے۔ وہ صدق و راستی جو انہوں نے دکھلائی وہ فلاسفر کیوں نہ دکھلا سکے؟ وہ لوگوں کو راستی کی تعلیم دیتے ہیں مگر خود جھوٹ سے پرہیز نہیں کرتے لیکن اس کے مقابلہ میں وہ لوگ جن کا میں نام اوپر لے چکا ہوں صرف راستبازی کی خاطر ہزاروں تکلیفوں کو برداشت کرتے رہے ہیں لیکن کبھی انکا قدم اپنی جگہ سے نہیں ہلا، اُنکے قتل کرنے کے منصوبے [illegible] گئے۔ اُنکو وطنوں سے خارج کیا گیا۔ اُنکو گلیوں اور بازاروں میں ذلیل کرنیکی کوشش کی گئی۔ اُن سے کُل دُنیا نے قطع تعلق کرلیا مگر انہوں نے اپنی بات نہ چھوڑی [illegible] کبھی نہ کیا کہ لوگوں کی خاطر جھُوٹ بول کر اپنے آپ کو عذاب سے بچالیتے۔ اور اُن کے عمل نے، اُن کی دُنیا سے نفرت نے، نمائش سے علیحدگی نے اس بات کو ثابت کردیا ہے کہ وہ بے غرض تھے اور کسی نفسانی غرض سے کوئی کام نہ کرتے تھے۔ پھر ایسے صادق ایسے قابلِ اعتبار یک زبان ہو کر کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی۔ اس کی آواز سُنی اور اُس کے جلوے کا مشاہدہ کیا۔ تو اُن کے قول کا انکار کرنے کی کسی کے پاس کیا وجہ ہے۔ جن لوگوں کو ہم روز جھُوٹ بولتے سُنتے ہیں وہ بھی جب چند ملکر [illegible] بات کی گواہی دیتے ہیں تو ماننا ہی پڑتا ہے۔ جن کے احوال سے ہم بالکل ناواقف ہوتے ہیں وہ [illegible] باروں میں اپنی تحقیقاتیں شائع کرتے ہیں تو ہم تسلیم کرلیں گے مگر نہیں مانتے تو اُن راستبازوں کا کلام نہیں مانتے۔ [illegible] کہتا ہے کہ لنڈن ایک شہر ہے اور ہم اُسے تسلیم کرتے ہیں۔ جغرافیوں والے لکھتے ہیں کہ امریکہ ایک برا [illegible] اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں۔ سیاح کہتے ہیں کہ سائبیریا ایک وسیع اور غیر آباد علاقہ ہے اور ہم اس کا انکار

نہیں کرتے۔کیوں ؟ اِسی لئے کہ بہت سے لوگوں کی گواہی اِس پر ہوگئی ہے۔ حالانکہ ہم ان گواہوں کے حالات سے واقف نہیں کہ وہ جھوٹے ہیں یا سچے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے وجود پر عینی گواہی دینے والے وہ لوگ ہیں کہ جن کی سچائی روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ انہوں نے اپنے مال و جان، وطن، عزّت و آبرو کو تباہ کر کے راستی کو دُنیا میں قائم کیا۔ پھر اِن سیاحوں اور جغرافیہ والوں کی بات کو ماننا اور ان راستبازوں کی بات کا انکار کرنا کہاں کی راستبازی ہے۔ اگر لنڈن کا وجود چند لوگوں سے سن کر ثابت ہوسکتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا وجود ہزاروں راستبازوں کی گواہی پر کیوں ثابت نہیں ہوسکتا ؟

غرضیکہ ہزاروں راستبازوں کی شہادت جو اپنے عینی مشاہدہ پر خدا تعالیٰ کے وجود کی گواہی دیتے ہیں کسی صورت میں بھی ردّ کے قابل نہیں ہوسکتی۔ تعجب ہے کہ جو اِس کوچہ میں پڑے ہیں وہ تو سب بالاتفاق کہہ رہے ہیں کہ خدا ہے۔ لیکن جو رُوحانیت کے کوچہ سے بالکل بے بہرہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ اِن کی بات نہ مانو ہماری مانو کہ خدا نہیں ہے۔ حالانکہ اُصولِ شہادت کے لحاظ سے اگر دو برابر کے راستباز آدمی بھی ایک معاملہ کے متعلق گواہی دیں تو جو کہتا ہے کہ مَیں نے فلاں چیز کو دیکھا اُس کی گواہی کو اُس کی گواہی پر جو کہتا ہے مَیں نے اس چیز کو نہیں دیکھا ترجیح دی جائیگی۔ کیونکہ یہ ممکن ہے کہ اُن میں سے ایک کی نظر اس چیز پر نہ پڑی ہو لیکن یہ ناممکن ہے کہ ایک نے نہ دیکھا ہو اور سمجھ لے کہ مَیں نے دیکھا ہے۔ پس خدا کے دیکھنے والوں کی گواہی اس کے منکروں پر بہر حال حجّت ہوگی۔

تیسری دلیل

تیسری دلیل جو قرآن شریف سے معلوم ہوتی ہے یہ ہے کہ انسان کی فطرت خود خدا تعالیٰ کی ہستی پر ایک دلیل ہے کیونکہ بعض ایسے گناہ ہیں کہ جن کو فطرتِ انسانی قطعی طور پر ناپسند کرتی ہے۔ ماں، بہن اور لڑکی کے ساتھ زنا۔ پاخانہ، پیشاب اور اس قسم کی نجاستوں سے تعلق ہے۔ جھوٹ ہے۔ یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جن سے ایک دہریہ بھی پرہیز کرتا ہے۔ مگر کیوں ؟ اگر کوئی خدا نہیں تو کیوں وہ اپنی ماں، بہن اور دوسری عورتوں میں فرق جانتا ہے۔ جھُوٹ کو کیوں بُرا جانتا ہے ؟ کیا دلائل ہیں کہ جنہوں نے مذکورہ بالا چیزوں کو اس کی نظر میں بدنما قرار دیا ہے اگر کسی بالائی طاقت کا رُعب اُس کے دل پر نہیں تو وہ کیوں اُن سے احتراز کرتا ہے ؟ اس کے لئے تو جھوٹ اور سچ، ظلم اور انصاف سب ایک ہی ہونا چاہیئے جو دل کی خوشی ہوئی کرلیا۔ وہ کونسی شریعت ہے جو اُس کے جذبات پر حکومت کرتی ہے۔ وہ خدا کی حکومت ہے جس نے دل پر اپنا تخت رکھا ہے اور گو ایک دہریہ زبان سے اُس کی حکومت سے نکل جائے لیکن وہ اس کی بنائی ہوئی فطرت سے باہر نہیں نکل سکتا۔ اور گناہوں سے اجتناب یا اُن کے اظہار سے اجتناب اُس کے لئے ایک دلیل ہے کہ کسی بادشاہ کی جواب دہی کا خوف جو اس کے دل پر طاری ہے گو وہ اس کی بادشاہت کا انکار ہی کرتا ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ۔ (القیٰمۃ: ۲، ۳) یعنی جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں کہ نہ خدا ہے نہ کوئی جزا سزا ہے۔ ایسا نہیں بلکہ ہم ان اُمور کی شہادت کے لیے دو چیزیں پیش کرتے ہیں۔ ایک تو اس بات کو کہ ہر بات کے لئے ایک قیامت کا دن مقرر ہے

جس میں اس کا فیصلہ ہوتا ہے اور نیکی کا بدلہ نیک اور بدی کا بدلہ بدل جاتا ہے۔ اگر خدا نہیں تو یہ جزا سزا کیونکر مل رہی ہے اور جو لوگ قیامتِ کبریٰ کے منکر ہیں وہ دیکھ لیں کہ قیامت تو اس دُنیا سے شروع ہے۔ زانی کو آتشک و سوزاک ہوتا ہے۔ شادی شدہ کو نہیں ہوتا۔ حالانکہ دونوں ایک ہی کام کر رہے ہوتے ہیں۔ دوسری شہادت نفسِ لوامہ ہے۔ یعنی انسان کا نفس خود ایسے گناہ پر ملامت کرتا ہے کہ یہ بات بُری ہے اور گندی ہے۔ دہریہ بھی زنا اور جھوٹ کو بُرا جانیں گے۔ تکبر اور حسد کو اچھا نہ سمجھیں گے مگر کیوں؟ اُنکے پاس تو کوئی شریعت نہیں۔ اسی لیے ناکہ اُن کا دل بُرا مناتا ہے اور دل اسی لیے بُرا مناتا ہے کہ مجھے اس فعل کی ایک حاکمِ اعلیٰ کی طرف سے سزا ملیگی۔ گو وہ لفظوں میں اسے ادا نہیں کر سکتا۔ اسی کی تائید میں ایک اور جگہ قرآن شریف میں ہے کہ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا (الشمس ۹) اللہ تعالےٰ نے ہر نفس میں نیکی اور بدی کا الہام کر دیا ہے۔ پس نیکی بدی کا احساس خود خدا کی ایک زبردست دلیل ہے اگر خدا نہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ ایک چیز کو نیک اور ایک کو بد کہا جائے۔ اور لوگ جو دل میں آئے وہ کر لیا کریں۔

چوتھی دلیل

چوتھی دلیل جو قرآن شریف سے ذات باری کے متعلق ملتی ہے یہ ہے کہ: وَاَنَّ اِلٰى رَبِّكَ الْمُنْتَهٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَضْحَكَ وَاَبْكٰى ۝ وَاَنَّهٗ هُوَ اَمَاتَ وَاَحْيَا ۝ وَاَنَّهٗ خَلَقَ الزَّوْجَيْنِ الذَّكَرَ وَالْاُنْثٰى ۝ مِنْ نُّطْفَةٍ اِذَا تُمْنٰى۔ (النجم ۴۳ تا ۴۷) یعنی یہ بات ہر ایک نبی کی معرفت ہم نے پہنچا دی ہے کہ ہر ایک چیز کا انتہا اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہی جا کر ہوتا ہے اور خواہ خوشی کے واقعات ہوں یا رنج کے وہ خدا ہی کی طرف سے آتے ہیں اور موت و حیات سب اُسی کے ہی ہاتھ میں ہیں۔ اور اُس نے مرد اور عورت دونوں کو پیدا کیا ہے ایک چھوٹی سی چیز سے جس وقت وہ ڈالی گئی۔

اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس طرف متوجہ کیا ہے کہ ہر ایک فعل کا ایک فاعل ہوتا ہے اور ضرور ہے کہ ہر کام کا کوئی کرنے والا بھی ہو۔ پس اس تمام کائنات پر اگر غور کرو گے تو ضرور تمہاری رہنمائی اس طرف ہوگی کہ سب اشیاء آخر جا کر ذات باری پر ختم ہوتی ہیں۔ اور وہی انتہا ہے تمام اشیاء کی اور اسی کے اشارہ سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اُس کی ابتدائی حالت کی طرف متوجہ کر کے فرمایا کہ تمہاری پیدائش تو ایک نطفہ سے ہے اور تم جوں جوں پیچھے جاتے ہو کمزور ہی ہوتے جاتے ہو۔ تم کیونکر اپنے خالق ہو سکتے ہو؟ جب خالق کے بغیر کوئی مخلوق ہو نہیں سکتی اور انسان اپنا آپ خالق نہیں ہے کیونکہ اس کی حالت پر جسقدر غور کریں وہ نہایت چھوٹی اور ادنیٰ حالت سے ترقی کر کے اِس حالت کو پہنچتا ہے۔ اور جب وہ موجودہ حالت میں خالق نہیں تو اس کمزور حالت میں کیونکر خالق ہو سکتا تھا۔ تو ماننا پڑے گا کہ اس کا خالق کوئی اور ہے جس کی طاقتیں غیر محدود اور قدرتیں لاانتہا ہیں۔ غرضیکہ جس قدر انسان کی وجہ بدرجہ ترقی پر غور کرتے جائیں۔ اس کے اسباب باریک سے باریک تر ہوتے جاتے ہیں اور آخر ایک جگہ جا کر تمام دنیاوی علوم کہہ دیتے ہیں کہ یہاں اب ہمارا دخل نہیں اور ہم نہیں جانتے کہ یہ کیوں ہو گیا اور وہی مقام ہے کہ جہاں اللہ تعالےٰ

کا ہاتھ کام کر رہا ہوتا ہے اور ہر ایک سائنس دان کو آخر ماننا پڑتا ہے کہ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَھٰی (النجم:۴۳) یعنی ہر ایک چیز کی انتہا آخر ایک ایسی ہستی پر ہوتی ہے کہ جس کو وہ اپنی عقل کے دائرہ میں نہیں لا سکتے اور وہی خدا ہے۔ یہ ایک ایسی موٹی دلیل ہے کہ جسے ایک جاہل سے جاہل انسان بھی سمجھ سکتا ہے۔

کہتے ہیں کسی نے کسی بدوی سے پوچھا تھا کہ تیرے پاس خدا کی کیا دلیل ہے۔ اس نے جواب دیا کہ جنگل میں ایک اونٹ کی مینگنی پڑی ہوئی ہو۔ تو میں دیکھ کر بتا دیتا ہوں کہ یہاں سے کوئی اونٹ گزرا ہے، پھر اتنی بڑی مخلوق کو دیکھکر کیا میں معلوم نہیں کر سکتا کہ اس کا کوئی خالق ہے۔ واقعی یہ جواب ایک سچا اور فطرت کے مطابق جواب ہے اور اس مخلوقات کی پیدائش کی طرف اگر انسان توجہ کرے تو آخر ایک ہستی کو ماننا پڑتا ہے کہ جس نے یہ سب پیدا کیا۔

پانچویں دلیل

پانچویں دلیل ہستی باری تعالیٰ کی جو قرآن شریف نے دی ہے گو اسی رنگ کی ہے، لیکن اس سے زیادہ زبردست ہے۔ اور وہاں استدلال بالاَولیٰ سے کام لیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا ۚ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ ۝ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا ۖ مَا تَرَىٰ فِي خَلْقِ الرَّحْمَٰنِ مِنْ تَفَاوُتٍ ۖ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرَىٰ مِنْ فُطُورٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ إِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَهُوَ حَسِيرٌ۔ (الملک: ۲ تا ۵) یعنی بہت برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ملک ہے۔ اور وہ ہر ایک چیز پر قادر ہے۔ اُس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا ہے تاکہ دیکھے کہ تم میں سے کون زیادہ نیک عمل کرتا ہے اور وہ غالب ہے بخشندہ ہے۔ اُس نے ساتوں آسمان بھی پیدا کئے ہیں اور اُن کو آپس میں موافقت اور مطابقت رکھی ہے۔ تو کبھی کوئی اختلاف اللہ تعالیٰ کی پیدائش میں نہیں دیکھے گا۔ پس اپنی آنکھ کو لوٹا۔ کیا تجھے کوئی شگاف نظر آتا ہے۔ دوبارہ اپنی نظر کو لوٹا کر دیکھ تیری نظر تیری طرف تھک کر اور درماندہ ہو کر لوٹے گی۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تمام کائنات اتفاقاً پیدا ہو گئی۔ اور اتفاقی طور سے مادہ کے ملنے سے یہ سب کچھ بن گیا۔ اور سائنس سے ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ ہو سکتا ہے کہ دُنیا خود بخود جڑ کر آپ ہی چلتی جائے اور اس کی کل پھرانے والا کوئی نہ ہو۔ لیکن ان کا جواب اللہ تعالیٰ ان آیات میں دیتا ہے کہ اتفاقی طور پر جُڑنے والی چیزوں میں کبھی ایک سلسلہ اور انتظام نہیں ہوتا۔ بلکہ بے جُوڑی ہوتی ہیں۔ مختلف رنگوں سے مل کر تصویر بنتی ہے۔ لیکن کیا اگر مختلف رنگ ایک کاغذ پر پھینک دیں تو اس سے تصویر بن جائیگی۔ اینٹوں سے مکان بنتا ہے۔ لیکن کیا اینٹیں ایک دوسرے پر پھینک دینے سے مکان بن جائیگا؟ بفرضِ محال اگر یہ مان لیا جائے کہ بعض واقعات اتفاقاً بھی ہو جاتے ہیں، لیکن نظامِ عالم کو دیکھ کر کبھی کوئی انسان نہیں کہہ سکتا کہ یہ سب کچھ آپ ہی ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود مادہ پیدا ہو گیا۔ مانا کہ خود بخود ہی مادہ سے زمین پیدا ہو گئی۔ اور یہ بھی مان لیا کہ اتفاقاً ہی انسان بھی پیدا ہو گیا، لیکن تم انسان کی خلقت پر نظر تو

کرو کہ کیا ایسی کامل پیدائش کبھی خود بخود ہو سکتی ہے؟

عام طور سے دُنیا میں ایک صنعت کی خوبی سے اس کے صناع کا پتہ لگتا ہے۔ ایک عمدہ تصویر کو دیکھ کر فوراً خیال ہوتا ہے کہ کسی بڑے مصوّر نے بنائی ہے۔ ایک عمدہ تحریر کو دیکھ کر سمجھا جاتا ہے کہ کسی بڑے کاتب نے لکھی ہے۔ اور جس قدر ربط بڑھتا جائے اُسی قدر اس کے بنانے یا لکھنے والے کی خوبی اور بڑائی ذہن نشین ہوتی جاتی ہے۔ پھر کیونکر تصوّر کیا جا سکتا ہے کہ ایسی منظم دُنیا خود بخود اور یونہی پیدا ہو گئی!

ذرا اس بات پر تو غور کرو کہ جہاں انسان میں ترقی کرنے کے قوٰی ہیں وہاں اُسے اپنے خیالات کو عملی صورت میں لانے کے لئے عقل دی گئی ہے اور اُس کا جسم بھی اس کے مطابق بنایا گیا ہے چونکہ اس کو محنت سے روزی کمانا تھا۔ اس لئے اُسے مادہ دیا کہ چل پھر کر اپنا رزق پیدا کرے۔ درخت کا رزق اگر زمین میں رکھا ہے تو اُسے جڑیں دیں کہ وہ اس کے اندر سے پیٹ بھرے۔ اگر شیر کی خوراک گوشت رکھی تو اسے شکار مارنے کے لئے ناخن دیئے۔ اور اگر گھوڑے اور بیل کے لئے گھاس کھانا مقرر کیا تو ان کو ایسی گردن دی جو جُھک کر گھاس پکڑ سکے۔ اور اگر اونٹ کے لئے درختوں کے پتّے اور کانٹے مقرر کئے تو اس کی گردن بھی لمبی بنائی۔ کیا یہ سب کارخانہ اتفاق سے ہوا؟ اتفاق نے اس بات کو معلوم کر لیا تھا کہ اونٹ کو گردن لمبی دوں اور شیر کو پنجے اور درخت کو جڑیں اور انسان کو ٹانگیں۔ ہاں کیا یہ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ جو کام خود بخود ہو گیا اُس میں اِس قدر انتظام رکھا گیا ہو۔ پھر اگر انسان کے لئے پھیپھڑا بنایا تو اُس کے لئے ہوا بھی پیدا کی۔ اگر پانی پر اس کی زندگی رکھی تو سُورج کے ذریعہ اور بادلوں کی معرفت اُسے پانی پہنچایا۔ اور اگر آنکھیں دیں تو اُن کے کار آمد بنانے کے لئے سُورج کی روشنی بھی دی تاکہ وہ اس میں دیکھ بھی سکے۔ کان دیئے تو ساتھ اس کے خوبصورت آوازیں بھی پیدا کیں۔ زبان کے ساتھ ذائقہ دار چیزیں بھی عطا فرمائیں۔ ناک پیدا کیا تو خوشبو بھی مہیّا کر دی۔ ممکن تھا کہ اتفاق انسان میں پھیپھڑا پیدا کر دیتا لیکن اُس کے لئے یہ ہوا کا سامان کیونکر پیدا ہو گیا؟ ممکن تھا کہ آنکھیں انسان کی پیدا ہو جاتیں لیکن وہ عجیب اتفاق تھا کہ جس نے کروڑوں میلوں پر جا کر ایک سورج بھی پیدا کر دیا کہ تا وہ اپنا کام کر سکیں۔ اگر ایک طرف اتفاق نے کان پیدا کر دیئے تھے تو یہ کونسی طاقت تھی جس نے دوسری طرف آواز بھی پیدا کر دی۔ برفانی ممالک میں مان لیا کہ کُتّے اور ریچھ تو اتفاق نے پیدا کر دیئے لیکن کیا سبب کہ اِن کُتّوں یا ریچھوں کے بال اتنے لمبے بن گئے کہ وہ سردی سے محفوظ رہ سکیں۔ اتفاق ہی نے ہزاروں بیماریاں پیدا کیں اور اتفاق ہی نے ان کے علاج بنا دیئے۔ اتفاق ہی نے بچھو بُوٹی جس کے چھُونے سے خارش ہونے لگ جاتی ہے پیدا کی اور اُس نے اس کے ساتھ پالک کا پودا اُگا دیا کہ اس کا علاج ہو جائے۔ یہ دہریوں کا اتفاق بھی عجیب ہے کہ جن چیزوں کے لئے موت تجویز کی اُن کے ساتھ توالد کا سلسلہ بھی قائم کر دیا۔ اور جن چیزوں کے ساتھ موت نہ تھی وہاں یہ سلسلہ ہی نہ رکھا۔ انسان اگر پیدا ہوتا مگر نہ مرتا تو کچھ سالوں میں ہی دُنیا کا خاتمہ ہو جاتا۔ اس لئے اس کے لئے فنا دی۔ لیکن سورج اور چاند

اور زمین نہ نئے پیدا ہوتے ہیں نہ اگلے فنا ہوتے ہیں۔ کیا یہ انتظام کچھ کم تعجب انگیز ہے کہ زمین اور سُورج میں چونکہ کشش رکھی ہے اس لئے ان کو ایک دوسرے سے اِتنی دُور رکھا ہے کہ آپس میں ٹکرا نہ جائیں۔ کیا یہ سب باتیں اس بات پر دلالت نہیں کرتیں کہ ان سب چیزوں کا خالق وہ ہے جو نہ صرف علیم ہے بلکہ غیر محدود علم والا بھی ہے۔ اس کے قواعد ایسے منضبط ہیں کہ اُن میں کچھ اختلاف نہیں اور نہ کچھ کمی ہے۔ مجھے تو اپنی انگلیاں بھی اس کی ہستی کا ثبوت معلوم ہوتی ہیں۔ مجھے جہاں علم دیا تھا اگر شیر کا پنجہ مل جاتے تو کیا میں اُس سے لکھ سکتا تھا۔ شیر کو علم نہیں دیا اُسے پنجے دیئے۔ مجھے علم دیا۔ لکھنے کے لئے انگلیاں بھی دیں۔

سلطنتوں میں ہزاروں مدبّر اُن کی درستی کے لئے دن رات لگے رہتے ہیں۔ لیکن پھر بھی دیکھتے ہیں کہ اُن سے ایسی ایسی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں کہ جن سے سلطنتوں کو خطرناک نقصان پہنچ جاتا ہے۔ بلکہ بعض اوقات وہ بالکل تباہ ہو جاتی ہیں، لیکن اگر اس دُنیا کا کاروبار صرف اتفاق پر ہے تو تعجب ہے کہ ہزاروں دانا دماغ تو غلطی کرتے ہیں، لیکن یہ اتفاق غلطی نہیں کرتا۔ سچی بات یہی ہے کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے، جو بڑے وسیع عالم کا مالک اور عزیز ہے اور اگر یہ نہ ہوتا تو یہ انتظام نظر نہ آتا۔ اب جس طرف نظر دوڑا کر دیکھو تمہاری نظر قرآن شریف کے ارشاد کے مطابق خائب و خاسر واپس آئے گی اور ہر ایک چیز میں ایک نظام معلوم ہوگا۔ نیک جزا اور بدکار سزا پا رہے ہیں۔ ہر ایک چیز اپنا مفوضہ کام کر رہی ہے اور ایک دم کے لئے سُست نہیں ہوئی۔ یہ ایک بہت وسیع مضمون ہے لیکن میں اِسے یہیں ختم کرتا ہوں۔ عاقل را اشارہ کافی است۔

چھٹی دلیل

قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مُنکر ہمیشہ ذلیل و خوار ہوتے ہیں اور یہ بھی ایک ثبوت ہے ان کے باطل پر ہونے کا۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اپنے ماننے والوں کو ہمیشہ فتوحات دیتا ہے اور وہ اپنے مخالفوں پر غالب رہتے ہیں۔ اگر کوئی خدا نہیں تو یہ نصرت و تائید کہاں سے آتی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرعون اور موسیٰؑ کی نسبت فرماتا ہے:۔ قَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ فَاَخَذَهُ اللّٰهُ نَكَالَ الْاٰخِرَةِ وَالْاُوْلٰى (النّٰزعٰت: ۲۵، ۲۶) یعنی جب حضرت موسیٰؑ نے فرعون کو اطاعتِ الٰہی کی نسبت کہا۔ تو اُس نے تکبّر سے جواب دیا کہ خدا کیسا؟ خدا تو مَیں ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُسے اس جہان میں بھی اور اگلے جہان میں بھی ذلیل کر دیا۔ چنانچہ فرعون کا واقعہ ایک بیّن دلیل ہے۔ کہ کس طرح خدا کے مُنکر ذلیل و خوار ہوتے رہے ہیں۔ علاوہ ازیں دُنیا میں کبھی کوئی سلطنت دہریوں نے قائم نہیں کی۔ بلکہ دُنیا کے فاتح اور ملکوں کے مصلح اور تاریخ کے بنانے والے وہی لوگ ہیں کہ جو خدا کے قائل ہیں کیا جہان کی ذلّت و نکبت اور ایک قوم کی صورت میں کبھی حکومت نصیب نہ ہونا کچھ معنے نہیں رکھتا؟

ساتویں دلیل

ساتویں دلیل اللہ تعالیٰ کی ہستی کی یہ ہے کہ اُس کی ذات کے ماننے اور اس پر حقیقی ایمان رکھنے والے ہمیشہ کامیاب ہوتے ہیں اور باوجود لوگوں کی مخالفت کے اُن پر کوئی مصیبت نہیں آتی۔ خدا تعالےٰ کی ہستی کے منوانے والے ہر ایک ملک میں پیدا ہوتے ہیں اور جس قدر اُن کی مخالفت ہوئی ہے اتنی اور کسی کی نہیں ہوئی، لیکن پھر دُنیا اُن کے خلاف کیا کر سکی؟ ؟ چنانچہ

کو بَن باس دینے والوں نے کیا سُکھ پایا اور انہوں نے کونسی عشرت حاصل کرلی۔ کیا رام چندر کا نام ہزاروں سال کے لیے زندہ نہیں ہوگیا۔ اور ان کا نام ہمیشہ کے لیے بدنام نہیں ہوا؟ اور پھر کرشن کی بات کو ردّ کرکے کیا فائدہ حاصل کیا؟ کیا وہ کروچھتر کے میدان میں تباہ نہ ہوئے؟ فرعون سا بادشاہ جو بنی اسرائیل سے اینٹیں پتھواتا تھا اُس نے موسیٰؑ سے بےکس انسان کی مخالفت کی مگر کیا موسیٰؑ کا وہ کچھ بگاڑ سکا۔ وہ غرق ہوگیا اور موسیٰؑ بادشاہ ہوگئے۔ حضرت مسیحؑ کی دُنیا نے جو کچھ مخالفت کی وہ بھی ظاہر ہے اور ان کی ترقی بھی جو کچھ پوشیدہ نہیں۔ اُن کے دشمن تو تباہ ہوئے اور اُن کے غلام دُنیا کے بادشاہ ہوگئے۔ ہمارے آقاؐ بھی دُنیا میں سب سے زیادہ اِس پاک نام کے پھیلانے والے تھے۔ یہاں تک کہ ایک یورپ کا مصنّف کہتا ہے کہ اُن کو خُدا کا جنون تھا (نعوذ باللہ) ہر وقت خدا خدا ہی کہتے رہتے تھے۔ اُن کی سات قوموں نے مخالفت کی۔ اپنے پرائے سب دشمن ہوگئے۔ مگر کیا پھر آپ کے ہاتھ پر دُنیا کے خزانے فتح نہیں ہوئے؟ اگر خدا نہیں تو یہ تائید کس نے کی؟ اگر یہ سب کچھ اتفاق تھا تو کوئی مبعوث تو ایسا ہوتا جو خدا کی خُدائی ثابت کرنے آتا اور دُنیا اُسے ذلیل کر دیتی۔ مگر جو کوئی خدا کے نام کو بلند کرنے اُٹھا وہ معزز و ممتاز ہی ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ: وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ (المائدہ: ۵۷) اور جو کوئی اللہ اور اُس کے رسولؐ اور مومنوں سے دوستی کرتا ہے۔ پس یاد رکھنا چاہیئے کہ یہی لوگ خدا کے ماننے والے ہی غالب رہتے ہیں۔

آٹھویں دلیل

آٹھویں دلیل جو قرآن شریف سے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے ثبوت میں ملتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ دُعاؤں کو قبول کرتا ہے اور یہ بات کسی خاص زمانہ کے متعلق نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں اس کے نظارے موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ: اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۸۷) یعنی جب میرے بندے میری نسبت سوال کریں تو انہیں کہدو کہ مَیں ہوں اور پھر قریب ہوں اور پُکارنے والے کی دُعا کو سُنتا ہوں جب وہ مجھے پُکارتا ہے۔ پس چاہیئے کہ وہ بھی میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں۔ تاکہ وہ ہدایت پائیں۔ اب اگر کوئی شخص کہے کہ کیونکر معلوم ہو کہ وہ خدا سُنتا ہے۔ کیوں نہ کہا جائے کہ اتفاقاً بعض دُعا کرنے والے کے کام ہوجاتے ہیں۔ جیسے بعض کے نہیں بھی ہوتے اگر سب دُعائیں قبول ہوجاتیں تب تو کچھ بات بھی تھی لیکن بعض کے قبول ہونے سے کیونکر معلوم ہو کہ اتفاق نہ تھا بلکہ کسی ہستی نے انہیں قبول کرلیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دُعا کی قبولیت اپنے ساتھ ایک نشان رکھتی ہے۔ چنانچہ ہمارے آقا حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ثبوتِ باری کی دلیل میں یہ پیش کیا تھا کہ چند بیمار جو خطرناک طور سے بیمار ہوں چُنے جائیں۔ اور قرعہ سے بانٹ لیے جائیں۔ اور ایک گروہ کا ڈاکٹر علاج کریں اور ایک طرف مَیں اپنے حصہ والوں کے لئے دُعا کروں۔ پھر دیکھو کہ کس کے بیمار اچھے ہوتے ہیں۔ اب اِس طریقِ امتحان میں کیا شک ہوسکتا ہے چنانچہ ایک سگ گزیدہ جسے دیوانگی ہوگئی تھی اور

جس کے علاج سے کسولی کے ڈاکٹروں نے قطعاً انکار کر دیا تھا اور لکھ دیا تھا کہ اِس کا کوئی علاج نہیں۔ اُس کے لیے آپ نے دُعا کی اور وہ اچھا ہو گیا۔ حالانکہ دیوانہ کُتّے کے کٹے ہوئے دیوانے ہو کر کبھی اچھے نہیں ہوتے۔ پس دُعاؤں کی قبولیت اس بات کا ثبوت ہے کہ کوئی ایسی ہستی موجود ہے جو انہیں قبول کرتی ہے اور دُعاؤں کی قبولیت کسی خاص زمانہ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ہر زمانہ میں اِس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں۔ جیسے پہلے زمانہ میں دعائیں قبول ہوتی تھیں ویسی ہی اب بھی ہوتی ہیں۔

نویں دلیل نویں دلیل قرآن شریف سے وجودِ باری کی "الہام" معلوم ہوتی ہے۔ یہ دلیل اگرچہ میں نے نویں نمبر پر رکھی ہے لیکن درحقیقت نہایت عظیم الشان دلیل ہے جو خدا تعالےٰ کے وجود کو یقینی طور پر ثابت کر دیتی ہے چنانچہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ (ابراھیم: ۲۸) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اِس دُنیا اور اگلی دُنیا میں پکّی باتیں سُنا سُنا کر مضبوط کرتا رہتا ہے۔ پس جبکہ ہر زمانہ میں اللہ تعالیٰ ایک بڑی تعداد کے ساتھ ہمکلام ہوتا رہتا ہے۔ تو پھر اس کا انکار کیونکر درست ہو سکتا ہے اور نہ صرف انبیاء اور رسولوں سے ہی ہمکلام ہوتا ہے بلکہ اولیاء سے بھی بات کرتا ہے۔ اور بعض دفعہ اپنے کسی غریب بندہ پر بھی رحم کر کے اس کی تشفی کے لئے کلام کرتا ہے۔ چنانچہ اِس عاجز (حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ) سے بھی اُس نے کلام کیا اور اپنے وجود کو دلائل سے ثابت کیا۔ پھر یہی نہیں بعض دفعہ نہایت گندہ اور بد باطن آدمیوں سے بھی اُن پر حجّت قائم کرنے کے لئے بول لیتا ہے۔ چنانچہ بعض دفعہ چوہڑوں، چماروں، کنچنیوں تک کو خوابیں اور الہام ہو جاتے ہیں۔ اور اس بات کا ثبوت کہ وہ کسی زبردست ہستی کی طرف سے ہیں یہ ہوتا ہے کہ بعض دفعہ اُن میں غیب کی خبریں ہوتی ہیں جو اپنے وقت پر پوری ہو کر بتا دیتی ہیں کہ یہ انسانی دماغ کا کام نہ تھا اور نہ کسی بدہضمی کا نتیجہ تھا۔ اور بعض دفعہ سینکڑوں سال آگے کی خبریں بتائی جاتی ہیں تاکہ کوئی یہ نہ کہدے کہ موجودہ واقعات خواب میں سامنے آگئے۔ اور وہ اتفاقاً پورے بھی ہو گئے۔ چنانچہ توریت اور قرآن شریف میں مسیحیوں کی اِن ترقیوں کا جن کو دیکھ کر اب دنیا حیران ہے پہلے سے ذکر موجود تھا۔ اور پھر صریح لفظوں میں تفصیل کے ساتھ بلکہ ان واقعات کا بھی ذکر ہے جو آئندہ پیش آنے والے ہیں۔ مثلاً

اوّل :- اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ۔ (التکویر: ۵) یعنی ایک وقت آتا ہے کہ اونٹنیاں بے کار ہو جائیں گی۔ اور حدیث مسلم میں اِس کی تفسیر یہ ہے کہ وَلَیُتْرَکَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا یُسْعٰی عَلَیْھَا[1] یعنی اونٹنیوں سے کام نہ لیا جائے گا۔ چنانچہ اس زمانہ میں ریل کے اجراء سے یہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔ ریل کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں ایسے ایسے صاف اشارے پائے جاتے ہیں جن سے ریل کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا ہے اور یقین ہو جاتا ہے کہ کلامِ نبوت میں یہی سواری ہے جو حبس مارے چلے گی اور اپنے آگے دُھوئیں کا ایک پہاڑ رکھے گی۔ اور سواری و بار برداری کے لحاظ سے حِمار کی

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ مع شرح النووی ص۸۷، مسند احمد بن حنبل جلد ۲ ص۴۹۳

جابجا ہوگی۔ اور چلتے وقت ایک آواز کرے گی۔ وغیرذالک [۱]

دوم :- إِذَا الصُّحُفُ نُشِرَتْ۔ (التکویر : ۱۱) یعنی کتابوں اور نوشتوں کا بکثرت شائع ہونا۔ آجکل بباعث چھاپہ کی کلوں کے جسقدر اس زمانے میں کثرتِ اشاعت کتابوں کی ہوئی اس کے بیان کی ضرورت نہیں۔

سوم :- إِذَا النُّفُوسُ زُوِّجَتْ۔ (التکویر : ۸) نوع انسان کے باہمی تعلقات کا بڑھنا اور ملاقاتوں کا طریق سہل ہو جانا کہ موجودہ زمانے سے بڑھ کر متصوّر نہیں۔

چہارم :- تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ تَتْبَعُهَا الرَّادِفَةُ۔ (النّٰزِعٰتِ : ۷، ۸) متواتر اور غیر معمولی زلزلوں کا آنا۔ یہانتک کہ زمین کانپنے والی بن جائے۔ سو یہ زمانہ اس کے لیے بھی خصوصیت سے مشہور ہے۔

پنجم :- وَإِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ إِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ أَوْ مُعَذِّبُوهَا (بنی اسرائیل : ۵۹) یعنی کوئی ایسی بستی نہیں جس کو ہم قیامت سے کچھ مدت پہلے ہلاک نہیں کرینگے یا کسی حد تک اُس پر عذاب وارد نہیں کرینگے۔ چنانچہ اسی زمانہ میں طاعون اور زلزلوں اور طوفان اور آتش فشاں پہاڑوں کے صدمات اور باہمی جنگوں سے لوگ ہلاک ہو رہے ہیں۔ اور اس قدر اسباب موت کے اس زمانہ میں جمع ہوئے ہیں اور اس شدت سے وقوع میں آتے ہیں کہ مجموعی حالت کی نظیر کسی پہلے زمانہ میں پائی نہیں جاتی۔

پھر اسلام تو ایسا مذہب ہے کہ ہر صدی میں اس کے ماننے والوں میں سے ایسے لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں جو الہام الٰہی سے سرفراز ہوتے رہتے ہیں۔ اور خارق عادت نشانات سے ظاہر کرتے ہیں کہ ایک قادر و توانا مدبر بالارادہ عالم الغیب ہستی ہے۔ چنانچہ اس زمانہ کے مامور پر نہایت بےبسی و گمنامی کی حالت میں خدا نے وحی نازل کی کہ

اوّل۔ يَأْتِيكَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيقٍ۔ يَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُّوحِيْ إِلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَاءِ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ وَلَا تَسْئَمْ مِّنَ النَّاسِ۔ (دیکھو براہین احمدیہ مطبوعہ ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۴۱)

کہ ہر ایک راہ سے لوگ تیرے پاس آئیں گے اور ایسی کثرت سے آئیں گے کہ وہ راہیں جن پر وہ چلیں گے عمیق ہو جائینگی تیری مدد وہ لوگ کرینگے جن کے دلوں میں ہم آپ القا کریں گے مگر چاہیئے کہ تو خدا کے بندوں سے جو تیرے پاس آئیں گے بدخلقی نہ کرے اور چاہیئے کہ تو اُن کی کثرت دیکھ کر ملاقاتوں سے تھک نہ جائے۔ ایک شخص ایک ایسے گاؤں میں رہنے والا جس کے نام سے بھی مہذب دُنیا میں سے کوئی آگاہ نہیں یہ اعلان کرتا ہے۔ پھر باوجود سخت مخالفتوں اور روکوں کے ایک دُنیا دیکھتی ہے کہ امریکہ و افریقہ سے لے کر تمام علاقوں کے لوگ یہاں حاضر رہتے ہیں۔ اور آدمیوں کی کثرت کا یہ عالم ہے کہ ان سب سے

---

[۱] دیکھو کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲ ۔ تَخْرُجُ نَارٌ مِّنْ حَبْسِ سَيْلٍ أَمَامَهُ جَبَلُ دُخَانٍ نیز دیکھو بحار الانوار جلد ۱۴ صفحہ ۵۳ کہ رَكْبُ ذَوَاتُ السُّرُوجِ وَالْفُرُوجِ۔ کہ وہ ایسی سواریاں ہونگی جن میں بہت سے چراغ روشن ہونگے اور اُن کے اندر بہت سے دروازے کھڑکیاں ہونگی۔ خادم

معانقہ وملاقات کرنا کسی آدمی کا کام نہیں ہو سکتا۔ پھر ایک معتقد جماعت اپنے پیارے وطن چھوڑ کر یہاں رہنا اختیار کرتی ہے اور قادیان کا نام تمام دُنیا میں مشہور ہو جاتا ہے۔ کیا یہ چھوٹی سی بات ہے؟ اور کیا یہ ایسا نشان ہے جسے معمولی نظر سے ٹال دیا جائے؟

دوم:۔ عیسائیوں میں سے ڈوئی نے امریکہ میں نبوت کا دعویٰ کیا۔ اور اپنے یہ ناپاک کلمات شائع کئے کہ "میں خُدا سے دُعا کرتا ہوں کہ وہ دن جلد آئے کہ اسلام دُنیا سے نابود ہو جائے۔ اے خُدا! تُو ایسا ہی کر۔ اے خُدا! اسلام کو ہلاک کر۔" تو صرف یہ حضور مسیح موعود ہمارے امام علیہ السلام ہی تھے جنہوں نے اس کے مقابلہ میں اشتہار دیا کہ "اے جو مدعی نبوت ہے آ اور میرے ساتھ مقابلہ کر۔ ہمارا مقابلہ دُعا سے ہوگا اور ہم دونوں خدا تعالیٰ سے دُعا کریں گے کہ ہم میں سے جو شخص کذاب ہے وہ پہلے ہلاک ہو۔ (ٹیلیگراف امریکہ ۵ جولائی ۱۹۰۳ء) لیکن اُس نے رعونت سے کہا۔" کیا تم خیال کرتے ہو کہ میں ان مچھروں اور مکھیوں کا جواب دُونگا اگر میں اپنا پاؤں اُن پر رکھوں تو اُن کو کچل کر مار ڈالونگا۔" (ڈوئی کا پرچہ نیوز آف ہیلنگ دسمبر ۱۹۰۳ء) مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُسی اشتہار ۲۳ اگست ۱۹۰۳ء میں شائع کیا تھا کہ "اگر ڈوئی مقابلہ سے بھاگ گیا تب بھی یقیناً سمجھو کہ اس کے صیحون پر جلد تر آفت آنے والی ہے۔ اے خدا اور کامل خدا! یہ فیصلہ جلد کر۔ اور ڈوئی کا جھوٹ لوگوں پر ظاہر کر دے۔"

پھر اس کے بعد سنو کیا ہوا۔ وہ جو شہزادوں کی زندگی بسر کیا کرتا تھا۔ جس کے پاس سات کروڑ روپیہ تھا۔ اُس کی بیوی اور اُس کا بیٹا اس کے دشمن ہو گئے اور باپ نے اشتہار دیا کہ وہ ولد الزنا ہے آخر اُس پر فالج گرا۔ پھر غموں کے مارے پاگل ہو گیا۔ آخر مارچ ۱۹۰۷ء میں بڑی حسرت اور دُکھ کے ساتھ جیسا کہ خدا نے اپنے مامور کو پہلے سے اطلاع دی۔ اور جیسا کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے ۱۰ فروری ۱۹۰۷ء کے اشتہار میں شائع فرمایا تھا۔" خدا فرماتا ہے کہ میں ایک تازہ نشان ظاہر کرونگا جس میں فتح عظیم ہوگی۔ وہ تمام دُنیا کے لئے ایک نشان ہوگا۔" ہلاک ہو کر خدا کی ہستی پر گواہی دے گیا۔ یہ عیسائی دُنیا۔ پُرانی اور نئی دُنیا دونوں پر حضور کی فتح تھی۔

سوم:۔ آریوں کا ایک نامی لیڈر لیکھرام تھا۔ رسالہ کرامات الصادقین مطبوعہ صفر ۱۳۰۸ھ میں یہ پیشگوئی درج کی کہ لیکھرام کی نسبت خدا نے میری دُعا قبول کر کے مجھے خبر دی ہے کہ وہ چھ سال کے اندر ہلاک ہوگا۔ اور اس کا جُرم یہ ہے کہ وہ خدا کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا تھا اور بُرے لفظوں کے ساتھ توہین کرتا تھا۔ پھر ۲۲ فروری ۱۸۹۳ء کے اشتہار میں اُس کے مرنے کی صورت بھی بتادی عِجْلٌ جَسَدٌ لَّهٗ خُوَارٌ لَّهٗ نَصَبٌ وَّعَذَابٌ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء مشمولہ آئینہ کمالات اسلام) یعنی لیکھرام گوسالہ سامری ہے جو بے جان ہے اور اس میں محض ایک آواز ہے جس میں رُوحانیت نہیں۔ اس لئے اس کو عذاب دیا جائیگا جو گوسالہ سامری کو دیا گیا تھا۔ ہر ایک شخص جانتا ہے کہ گوسالہ سامری کو ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا تھا۔ اور پھر جلایا گیا اور دریا میں ڈالا گیا تھا۔ پھر ۲ اپریل ۱۸۹۳ء کو آپ نے ایک کشف دیکھا (برکات الدعا حاشیہ صفحہ ۳۳ طبع اوّل) کہ ایک قوی مہیب شکل جو گویا انسان نہیں ملائک شداد و غلاظ سے ہے وہ پوچھتا ہے کہ لیکھرام کہاں ہے؟

پھر کرامات الصادقین کے ایک شعر سے دن بھی بتادیا ؎

وَبَشَّرَنِیْ رَبِّیْ وَقَالَ مُبَشِّرًا ؎ سَتَعْرِفُ یَوْمَ الْعِیْدِ وَالْعِیْدُ اَقْرَبُ

یعنی عید سے دوسرے دن یعنی ہفتہ والے دن اور ؎

اَلا اے دشمنِ نادان و بے راہ ؎ بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

پانچ سال پہلے شائع کرکے قتل کی صورت بھی بتادی۔ آخر لیکھرام ۶ رمارچ ۱۸۹۷ء کو قتل کیا گیا اور سب نے متفق اللفظ ہو کر بیان کیا کہ یہ پیشگوئی بڑی صفائی کے ساتھ پوری ہوکر اللہ کی ہستی کے لئے حجّتِ ناطقہ ٹھہری۔ پس الہام ایک ایسی چیز ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے خدا کا انکار کرنا انتہائی ہٹ دھرمی ہے۔

دسویں دلیل

دسویں دلیل جو ہر ایک نزاع کے فیصلہ کے لئے قرآن شریف نے بیان فرمائی ہے اس آیت سے نکلتی ہے کہ وَالَّذِیْنَ جَاھَدُوْا فِیْنَا لَنَھْدِیَنَّھُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت : ۷۰) یعنی جو لوگ ہمارے متعلق کوشش کرتے ہیں۔ ہم اُن کو اپنی راہ دکھا دیتے ہیں۔ اور اس آیت پر جن لوگوں نے عمل کیا ہے۔ وہ ہمیشہ نفع میں رہے ہیں۔ وہ شخص جو خدا تعالیٰ کا منکر ہو اُسے تو ضرور خیال کر لینا چاہیئے کہ اگر خدا ہے تو اس کے لئے بہت مشکل ہوگی۔ پس اس خیال سے اگر سچائی دریافت کرنے کی اُس کے دل میں تڑپ ہو تو اُسے چاہیئے کہ گڑگڑا کر اور بہت زور لگا کر وہ اس رنگ میں دُعا کرے کہ اے خُدا! اگر تُو ہے اور جس طرح تیرے ماننے والے کہتے ہیں تو غیر محدود طاقتوں والا ہے تو مجھ پر رحم کر اور مجھے اپنی طرف ہدایت کر اور میرے دل میں بھی یقین اور ایمان ڈال دے تاکہ میں محروم نہ رہ جاؤں۔ اگر اس طرح سچے دل سے کوئی شخص دُعا کریگا اور کم سے کم چالیس دن تک اس پر عمل کریگا تو خواہ اُس کی پیدائش کسی مذہب میں ہوئی ہو۔ وہ کسی ملک کا باشندہ ہو رب العالمین ضرور اس کی ہدایت کریگا اور وہ جلد دیکھ لیگا کہ اللہ تعالیٰ ایسے رنگ میں اُس پر اپنا وجود ثابت کردیگا کہ اُس کے دل کی شک وشبہ کی نجاست بالکل دور ہوجائے گی۔ اور یہ تو ظاہر ہے کہ اس طریق فیصلہ میں کسی قسم کا دھوکہ نہیں ہوسکتا۔ پس سچائی کے طالبوں کے لئے اس پر عمل کرنا کیا مشکل ہے؟

گیارہویں دلیل

دُنیا میں تمام اشیاء جس قدر ہمیں دکھائی دیتی ہیں سب مرکب ہیں۔ ہوا کو لو وہ بھی مرکب ہے۔ پانی بھی مرکب ہے۔ لہٰذا جب سب مرکب ہوئیں تو ان کو ترکیب دینے والا بھی ضروری ہے۔ اگر کہو کہ وہ خود بخود مرکب ہوسکتی ہیں تو یہ بات مشاہدۃً غلط ہے مثلاً درخت سے پھل یا پتّے توڑ کر پھینک دیتے جائیں۔ تو وہی پھل اور پتّے دوبارہ خود بخود اس درخت سے نہیں لگتے جس سے ثابت ہوا کہ مرکب ہونا اُن کا خاصہ نہیں۔ ورنہ جب توڑے جاتے پھر لگ جاتے۔

بارہویں دلیل

نظامِ عالم میں ترتیب ہے مثلاً سُورج روشنی دیتا ہے۔ کھیتیاں پکاتا ہے۔ وغیرہ۔ جاندرات کی مشعل ہے۔ پانی پیاس بُجھاتا ہے۔ غرض دُنیا میں بہت سی چیزیں انسان کو فائدہ پہنچاتی ہیں۔ اب ان کے متعلق تین ہی صورتیں عقل میں آسکتی ہیں (۱) یا تو کہا جاتے کہ یہ سب اتفاقی ہیں لیکن یہ بات غلط ہے کیونکہ اتفاقی وہ ہوتی ہے جو کبھی ہو کبھی نہ ہو۔ (۲) دوسری صورت یہ ہے

کہ وہ سب اپنی مرضی سے ایسا کرتے ہیں۔ تو اس صورت میں بجائے ایک خُدا کے کئی خدا تسلیم کرنے پڑینگے (۳) تیسری صورت یہ ہے کہ ہم کہیں۔ نہ یہ سب اتفاقی ہیں۔ نہ اپنی مرضی سے کام کرتے ہیں۔ بلکہ سب کے سب ایک حکمران کے قبضۂ قدرت کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ غرض تینوں صورتوں سے دہریوں کا مذہب باطل ہے۔

تیرہویں دلیل دُنیا یا خود بخود ہے یا کسی نے بنائی ہے۔ اگر کہو کہ خود بخود ہے تو یہ بات درست نہیں کیونکہ عدم سے وجود میں آنا ایک فعل ہے اور کوئی فعل بغیر فاعل کے نہیں ہوتا اور فاعل کا وجود فعل سے پہلے موجود ہونا ضروری ہوتا ہے۔ سو اگر عدم سے وجود میں آنے کا فاعل دُنیا ہے تو اس کے یہ معنے ہوئے کہ دنیا اپنے خود بخود بننے سے پہلے موجود تھی جو بالبداہت باطل ہے۔ رہی دوسری بات کہ کسی نے بنائی ہے تو یہی درست ہے اور اس بنانے والے کو ہم خدا کہتے ہیں۔

چودھویں دلیل دہریوں کا یہ دعویٰ کہ ہم خود بخود ہیں ترجیح بلا مرجّح ہے۔ اگر وہ کہیں کہ ہم خود مرجّح ہیں تو یہ بات غلط ہے کیونکہ مرجّح ترجیح سے پہلے ہوتا ہے۔ اگر یہی بات ہے تو عدم سے وجود میں آنا کیسا؟ اور جب ہم نہ ہوتے تو کوئی اور مرجّح ہو گا۔ پس اسی کو ہم خُدا کہتے ہیں۔

پندرھویں دلیل دُنیا قدیم ہے یا حادث۔ اگر کہو قدیم ہے تو یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ قدیم وہ ہوسکتی ہے جو کسی کی محتاج نہ ہو۔ اور دُنیا کی ہر چیز دوسری کی محتاج ہے۔ مثلاً بارش نہ ہو تو زمین اکیلی کچھ نہیں اُگا سکتی۔ پس ثابت ہوا کہ دُنیا قدیم نہیں۔ جب قدیم نہ ہوئی تو حادث ٹھہری اور حادث کا کوئی مُحدِث چاہیئے۔ سو وہی خدا ہے۔

سولھویں دلیل دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مصنوع بغیر صانع کے نہیں۔ جو چیز بھی لو فطرت خود گواہی دیگی کہ ضرور بضرور کوئی نہ کوئی اِس کا پیدا کرنے والا ہے۔ سو اتنے بڑے عالم کو کہدینا کہ یہ خود بخود ہے درست نہیں۔

سترھویں دلیل (از خادم) ہمارا روزمرہ کا تجربہ ہے کہ انسان کسی چیز کے اجزاء اور مرکبات سے جتنا واقف ہو اس چیز کے مستقبل کے متعلق بھی اتنا ہی اس کو علم ہوتا ہے۔ مثلاً ایک گھڑی ساز ایک گھڑی بناتا ہے۔ وہ چونکہ اس کے اجزاء اور مرکبات سے واقف ہے اس لئے وہ بتا سکتا ہے کہ وہ گھڑی کتنا عرصہ کام دیگی۔ مگر چونکہ انسان اپنا خالق نہیں اس لئے اپنے وجود کے اجزاء اور دُنیا کی اشیاء کی ماہیت کامل طور پر نہیں جانتا۔ اس لیے عالم الغیب بھی نہیں۔ لیکن اگر کوئی ایسی ہستی ہو جو آئندہ کے تمام حالات جانتی ہو۔ تو یقیناً وہ خالقِ دُنیا (خدا) ہوگی۔ خدا تعالیٰ اپنے انبیاء کو دُنیا میں بھیجتا ہے (جو بوجہ انسان ہونے کے بذاتِ خود غیب نہیں جانتے) مگر خدا تعالیٰ اُن پر آئندہ کی خبریں کھولتا ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ (الجن: ۲۷، ۲۸) اور اس طریق سے اپنی ہستی کا ثبوت دیتا ہے۔ دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آج سے ساڑھے تیرہ

سو سال قبل بتایا تھا کہ فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْکَ بِبَدَنِکَ لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَةً (یونس:۹۳) کہ فرعون کے ساتھ جب وہ ڈوب رہا تھا خدا نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس کا جسم محفوظ رہیگا۔ تورات نے صاف الفاظ میں لکھا ہے کہ فرعون بمع اپنے رتھ کے سمندر میں پتھر کی طرح غرق ہوگیا۔ لیکن قرآن نے بتایا کہ اُس کی لاش محفوظ ہے۔ چنانچہ ہمارے زمانہ میں اس کا محفوظ جسم برآمد ہونا قرآن کی صداقت اور خدا تعالیٰ کی ہستی پر زبردست دلیل ہے۔ اسی طرح چاند سورج کو رمضان کے مہینہ میں ۱۳ اور ۲۸ تاریخ کو گرہن لگنا۔ اور اس کا امام مہدیؑ کی صداقت پر گواہ ہونا اور پھر اس نشان کا حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے زمانہ ۱۸۹۴ء میں بعینہٖ پورا ہوجانا خُدا کی ہستی اور آنحضرتؐ کی صداقت پر بُرہان قاطع ہے۔

(سنن دارقطنی باب صفۃ صلوٰۃ الخسوف والکسوف وھیئتھما ص۱۸۸۔ مطبع انصاری دہلی ۱۳۱۰ھ)

دہریوں کے اعتراضات معہ جوابات

(۱) چونکہ خدا نظر نہیں آتا اس لئے معلوم ہوا کہ اُس کا وجود وہم ہی وہم ہے؟

جواب اوّل:۔ دُنیا میں بہت سی چیزیں ہیں جو نظر نہیں آتیں۔ جیسے عقل۔ ہوا۔ رُوح۔ بجلی اور زمانہ وغیرہ۔ مگر دہریہ اِن چیزوں کے وجود کے مقر ہیں۔

جواب دوم:۔ اگر خدا لوگوں کو نظر آیا بھی کرتا۔ تب بھی اس کو ہر شخص تسلیم نہ کرتا۔ مثلاً اندھوں کو کس طرح نظر آتا؟ دہریہ اندھوں کو کیا جواب دیتے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ آنکھوں سے نظر آنا ایک ایسا امر نہیں جس سے ساری دُنیا کی تشفی ہوسکتی۔

جواب سوم:۔ اگر آنکھوں سے نظر آجاتے اور سب لوگ اُس جلال والی ہستی کا مشاہدہ کرلیں تو پھر دین کا کارخانہ ہی باطل ہوجاتے اور ایمان بالغیب پر جو ثواب مقرر ہیں وہ ضائع ہوجائیں۔ آنکھوں سے وہی چیز نظر آتی ہے جو کسی خاص سمت پر واقع ہو اور محدود ہو یا دیکھنے والے کی آنکھ سے دُور ہو۔ خدا تعالیٰ کی ہستی تو سمتوں سے پاک ہے سمتیں مخلوق کی ہیں اور یہ نہیں ہوسکتا کہ مخلوق اپنے خالق کا احاطہ کرے علاوہ ازیں جب اس کو آنکھ نے دیکھا اور اس کا احاطہ کیا تو وہ محدود ثابت ہوا اور محدود ہونا نقص ہے اور خدا نقصوں سے پاک ہے۔ نیز وہ ہر جگہ موجود ہے۔ آنکھ سے دور ہستی نہیں۔ سچ ہے۔ لَا تُدْرِکُهُ الْاَبْصَارُ وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ۔ (الانعام:۱۰۴)

(۲) اعتراض دوم:۔ اگر خدا کا کوئی وجود ہوتا تو مذہب میں اختلاف نہ ہوتا بلکہ سب مذہب آپس میں متفق ہوتے کیونکہ اُن کا اُتارنے والا بھی ایک مانا جاتا۔ لیکن چونکہ اختلاف ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ الہام وغیرہ وہم ہے اور خدا کا کوئی وجود نہیں۔

جواب اوّل:۔ مذہب کے اختلاف سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کا بھیجنے والا کوئی نہیں۔ کیونکہ مذاہب اور شریعت لوگوں کے لئے بطور نسخہ ہوتے ہیں جس طرح ایک ہی طبیب مختلف بیماریوں میں

مختلف بیماروں کی حالت کے مطابق مختلف نسخہ تجویز کرتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ بھی لوگوں کے مختلف حالات کے مطابق شریعت تجویز کرتا ہے۔ مثلاً بنی اسرائیل عرصہ دراز تک محکوم رہنے کی وجہ سے بے غیرتی کے مرض میں مبتلا ہو چکے تھے۔ اس وقت خدا نے نسخہ بھیجا کہ کان کے بدلے کان۔ ناک کے بدلے ناک۔ آنکھ کے بدلے آنکھ۔ غرض اس طرح پُرزور طریقوں سے اُن میں جوش انتقام پیدا کیا پھر جب چودہ سو برس کا لمبا عرصہ گزر گیا اور حضرت عیسٰیؑ کا وقت آیا۔ اس وقت یہودی نہایت انتقام گیر اور کینہ توز تھے۔ اس لئے اُن کے لئے جو نسخہ آیا اس میں درج تھا کہ اگر کوئی شخص تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اس کے آگے کر دو۔ اس کے بعد جب ایسے وسائل پیدا ہونے لگے اور وہ زمانہ آگیا کہ دُنیا کے لوگ دور دراز ملکوں کے آپس میں ملنے لگے۔ تب ایک مکمل نسخہ آیا۔ جس کی موجودگی میں کسی اور نسخہ کی ضرورت نہ رہی۔ اِس میں نسخہ لکھنے والے حکیم مطلق نے لکھا کہ موقع و محل کے مطابق عمل کرو انتقام کے موقع پر انتقام۔ عفو کے موقعہ پر عفو۔ غرض اختلاف مذاہب سے یہ بات ثابت نہیں کہ وہ ایک سرچشمہ سے نہیں نکلے بلکہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ لوگوں کی طبیعتوں اور حالتوں میں اختلاف ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو دُنیا میں جسقدر مذاہب ہیں اصول میں وہ سب متفق ہیں اور سب ایک اصول پر مجتمع ہیں اور جو اختلاف ہم کو نظر آتا ہے وہ بعد میں آنے والوں کی ملاوٹ اور تحریف کا نتیجہ ہے۔ ہاں اگر فروع میں کہیں کہیں کوئی فرق نظر آئے تو وہ قوموں کی حالتوں کی تبدیلی کی وجہ سے ہے ؛

(۳) اعتراض سوم :۔ اگر کوئی خدا ہوتا تو دُنیا میں یہ تفرقہ نہ ہوتا۔ کوئی غریب ہے۔ کوئی امیر۔ کوئی مریض اور کوئی تندرست۔ کوئی کمزور اور کوئی طاقتور۔

جواب اول :۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسا کہیں کہ ہندوستان یا پاکستان کا کوئی حاکم نہیں۔ کیونکہ یہاں تفرقہ ہے۔ کوئی ڈپٹی کمشنر ہے۔ کوئی گورنر۔

جواب دوم :۔ اللہ تعالیٰ نے چاند، سُورج، ہوا، پانی وغیرہ سب کو یکساں طور پر دئے ہیں پھر ترقی کرنے کے اصول اور قوانین مقرر کر دیتے ہیں۔ ایک شخص ان قانونوں پر عمل کر کے ترقی کر جاتا ہے۔ دوسرا شخص غفلت سے کام لے کر ان قواعد پر عمل پیرا نہیں ہوتا اور اس طور پر ترقی کرنے سے محروم رہ جاتا ہے۔ جیسا کہ گورنمنٹ نے سکول اور کالج کھولے ہیں۔ بعض اُن کے ذریعہ اعلیٰ تعلیم حاصل کرتے ہیں لیکن بعض اُن کے قواعد پر پوری طرح عمل نہ کر کے علم سے بے بہرہ رہ جاتے ہیں۔

جواب سوم :۔ دُنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ایک افسر کے ماتحت کئی مختلف ملازم ہوتے ہیں۔ کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ، کوئی باورچی اور کوئی باغ کا مالی اِسی طرح اُس کے اصطبل میں مختلف قسم کے گھوڑے اور جانور ہوتے ہیں مگر اس اختلاف سے افسر کی ہستی کا انکار نہیں ہو سکتا۔

(۴) اعتراض چہارم :۔ جو لوگ خدا کے مقر ہیں وہ بھی گناہ کرتے ہیں۔ اگر خُدا ہے تو اس کے قائل کیوں گناہ سے نہیں بچتے ؛

جواب اوّل :۔ نافرمانی سے یہ نتیجہ نکالنا غلط ہے، ہمارے ملک میں کئی چور اور ڈاکو ہیں۔ کیا اس سے

یہ نتیجہ نکل سکتا ہے کہ یہاں کوئی حاکم نہیں؟ حالانکہ وہ اس بات کا اعتقاد رکھتے ہیں کہ فلاں حاکم ہے۔

جواب دوم:- یہ کہنا کہ خدا پر ایمان لا کر لوگ گناہ کرتے ہیں یہ بالکل غلط ہے۔ صرف مونہہ سے کہدینا کہ ہم خدا کو مانتے ہیں۔ اس سے دل میں ایمان ثابت نہیں ہوتا۔ جو لوگ ایسا کرتے ہیں وہ صریحًا نافرمانی کرتے ہیں۔ اُن کے دل میں حقیقی ایمان نہیں بلکہ اُن کے ایمان میں ضعف ہے۔

(۵) اعتراض پنجم:- اگر خدا ہے تو کہاں ہے؟ اور کب سے ہے؟

جواب اوّل:- یہ سوال مہمل ہے۔ کب اور کہاں زمانہ اور مکان ہیں جو مخلوق ہیں۔ لہٰذا حادث میں قدیم کا محدود ہونا محال ہے۔

جواب دوم:- اسی طرح دہریوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ دُنیا کب سے ہے؟ اگر کہیں قدیم سے تو ہم کہیں گے کہ خدا بھی قدیم ہے۔ اگر کہیں فلاں زمانہ سے تو ثابت ہوا کہ دُنیا حادث ہے۔ بتاؤ اِس حادث کا مُحدِث کون ہے؟

اِسلام اور ویدک دھرم

خدا تعالیٰ جو علیم اور حکیم ہے اس نے دُنیا کو ظلمت و گمراہی کی تاریک و تار گھٹاؤں میں گھرا دیکھ کر اپنی سُنّتِ قدیمہ کے مطابق دُنیا سے جہالت کو منوّر کرنے کے لئے نورِ اسلام ظاہر کیا۔ یہ مذہب "فاران کی چوٹیوں پر" (بائبل استثنا۔ باب ۳۳ آیت ۲) سے تمام دُنیا پر چمکا۔ اور کروڑہا انسانوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرکے منزلِ مقصود تک پہنچایا۔ تمام دُنیا کی متحدہ طاقتوں نے اِس نورِ خداوندی کو بُجھانے کی کوشش کی لیکن یہ بچہ تلواروں کے سایہ میں پلا، پھلا اور پھُولا۔ حتیٰ کہ ایک وقت آیا جب دُنیا کا کونہ کونہ اس "سراجِ منیر" (الاحزاب: ۴۷) کی ظلمت سوز ضیاء سے منور ہوگیا۔ ہزار ہا مذاہب اس کے مقابل پر آئے مگر اسلام کے دلائل بیّنہ و براہین ساطعہ کے آگے سرنگوں ہوتے بغیر اُن کے لئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

وید جو ممکن ہے ابتدائے دُنیا میں جب انسانی دماغ نے ابھی منازلِ ارتقاء طے نہ کی تھیں (دیکھو ستیارتھ پرکاش م۸ دفعہ ۴، ص۲۱۰) ابتدائی تعلیم دینے کے لئے نازل ہوئے ہوں، لیکن آج جبکہ ترقیٔ علوم سے انسانی دماغ ارتقاء کے بلند ترین مقام پر پہنچ چکا ہے۔ اس ویدک تعلیم کو عالمگیر اور قابلِ تتبع قرار دینا دسمبر میں برف بیچنے کے مترادف ہے۔

(۱) عالمگیر کامل الہامی کتاب کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے عالمگیر اور الہامی ہونے کا پہلے خود دعویٰ کرے اور پھر اس کے دلائل بھی خود ہی بیان کرے۔ قرآن کریم فرماتا ہے: اِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔ (الشعراء: ۱۹۳) کہ یہ کتاب خُدا کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔ پھر فرمایا: نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ (سورۃ محمد: ۳) کہ یہ کتاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے۔ پھر فرماتا ہے: لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا۔ (الفرقان: ۲) کہ قرآن مجید اس لیے نازل کیا گیا ہے تاکہ تمام دُنیا کے لوگوں کے لئے موجبِ ہدایت ہو۔ مگر اِس کے مقابل وید نہ تو اپنے الہامی ہونے کے مدعی ہیں اور نہ وہ اپنے ملہمین کا کچھ اتا پتہ بتاتے ہیں کہ وہ تھے کون؟ انسان تھے یا آگ، پانی، ہوا، سُورج؟ ان کی زندگی کیسی تھی؟ انہوں نے وید کی تعلیم پر کس طرح پر عمل کیا؟ کس طرح تبلیغ کی؟ تاکہ ہمارے لئے وید کی تحقیق کرنے کے لئے آسانی ہوتی۔ مگر ویدوں نے ان سب باتوں کو نظر انداز کرکے اپنے غیر مکمل ہونے کا کافی ثبوت بہم پہنچا دیا ہے، اندریں صورت آریہ صاحبان کا وید کو کامل الہامی اور عالمگیر کتاب ثابت کرنا "مدعی سُست گواہ چُست" بلکہ "مدعی مفقود اور گواہ موجود" کا مصداق ہے۔

(۲) وہی کتاب مکمل الہامی کہلا سکتی ہے جو اُس منبع ہدایت (خدا) کے متعلق نہایت اعلیٰ اور اکمل تعلیم دے۔ جو کتاب خدا تعالیٰ کو نہایت بھیانک شکل میں پیش کرتی ہے وہ کبھی الہامی نہیں ہوسکتی۔ قرآن شریف نے خدا تعالیٰ کی مختلف صفات بیان کرکے فرمایا: فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى (بنی اسرائیل: ۱۱۱)

ہر قسم کی خوبیاں خدا تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں اور خدا تعالیٰ ہر قسم کی بُرائی سے پاک ہے کیسی اعلیٰ اور اکمل تعلیم ہے۔

ویدوں کی خدا کے متعلق تعلیم ملاحظہ ہو :-

لاعلم خُدا :- خدا کہتا ہے :- "اس دُنیا میں پاپ اور پُن بھوگنے کے دو راستے ہیں۔ ایک عارفوں یا عالموں کا۔ دوسرا علم و معرفت سے معرّا انسانوں کا۔ مَیں نے یہ دو راستے سُنے ہیں۔" (یجر وید ۱۹/۴۷ بحوالہ رگ وید آدی بھاش بھومکا مترجم نہال سنگھ ص۱۲۲) پھر خدا پوچھتا ہے :- "اے بیاہے ہوتے مرد عورتو! تم دونوں رات کو کہاں ٹھہرے تھے اور دن کہاں بسر کیا تھا۔ اور کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا۔ تمہارا وطن کہاں ہے۔ جس طرح بیوہ (نیوگن) اپنے دیور (نیوگی خاوند) کے ساتھ شب باش ہوتی ہے اسی طرح تم کہاں شب باش ہوئے تھے۔" (رگ وید اشٹک ۷ ادھیائے ۸ ورگ ۱۸ منتر ۲ بھومکا ص۱۲۵ و ستیارتھ پرکاش باب ۴ دفعہ ۱۳۰)۔

چور خُدا :- "اے اِندر دولتوں سے مالامال پرمیشور! ہم سے الگ مت ہو۔ ہماری مرغوب سامانِ خوراک مت چُرا۔ اور نہ کسی اور سے چُروا۔" (رگ وید اشٹک سوکت ۱۹ ترتی ۹ آریہ بھونی ص۵۸ مصنفہ دیانند) تفصیل دوسری جگہ درج ہے۔ ؎

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

(۴۳) ہمارا روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسانی ہاتھ کی ایجاد ہو دوسرا انسان اس کی تعمیر کی طاقت رکھتا ہے۔ مگر صانع قدرت کی مصنوعات کو بنانے کی کوشش تضیع اوقات ہے۔ پس الٰہی کلام میں یہی مابہ الامتیاز ہے کہ وہ بے مثل ہوتا ہے۔ قرآن شریف نے ببانگِ دہل تمام دُنیا کو اپنے مقابل پہ بلا کر کہا قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا (بنی اسرائیل : ۸۹) کہ اگر تمام جن اور انسان جمع ہو کر بھی قرآن کریم کی نظیر لانے کی کوشش کریں تو بھی اس کی مثل نہیں لاسکیں گے۔ چنانچہ واقعات نے بتا دیا کہ قرآن کا یہ دعویٰ کس قدر وزنی تھا اور ۱۳۰۰ سال تک کوئی اس مطالبہ کا جواب نہ دے سکا۔ پنڈت کالی چرن اور دھرم بھکشو نے چند غلط فقرات لکھ کر اندھوں میں کانا راجہ بننا چاہا مگر ایسی مونہہ کی کھائی کہ بولنے کا نام تک نہ لیا۔ مگر اس کے بالمقابل برہمنوں نے اتھر وید کو اپنے پاس سے بنا کر رگ وید۔ سام وید اور یجر وید کے ساتھ ایسا ملا دیا کہ آریہ صاحبان اتھر وید کو بھی باقی تینوں ویدوں کی طرح الہامی ماننے لگ گئے۔ حالانکہ باقی ویدوں میں اتھر وید کا کہیں ذکر نہیں بلکہ وہاں صاف طور پر تین ہی ویدوں کا ہونا لکھا ہے۔ ملاحظہ ہو :-

"ایک ایک وید کو .... بارہ بارہ سال ملکر چھتیس سال میں ختم کریں۔" (ستیارتھ پرکاش ب۳ دفعہ ۲۶) فرمائیے جناب! وید تین ہیں یا چار۔ بارہ سال میں ایک پڑھنے سے ۳۶ سال میں کتنے وید ختم ہوتے تین یا چار؟ اور سُنیے :- "جس سبھا میں رگ وید۔ یجر وید۔ سام وید کے جاننے والے تین سبھاسد ہو کر آئین باندھیں۔" (منو ۱۲-۱۱۲ بحوالہ ستیارتھ پرکاش ب۶ صفحہ ۱۲ و ۱۳۱)۔

پھر یجروید ادھیائے ۳۶ کے پہلے منتر میں "رگ وید۔ سام وید اور یجروید" کا نام ہے۔ مگر اتھر وید کا کہیں ذکر نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اتھر وید بعد میں برہمنوں نے باقی تینوں ویدوں میں ملا دیا ہے پس وید بے مثل نہ رہے۔

(۴) کامل الہامی کتاب وہی ہو سکتی ہے جو عین فطرت انسانی کے مطابق تعلیم دے۔ قرآن کہتا ہے فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِىْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا۔ (الروم ۳۱:) کہ اسلام عین فطرتِ انسانی کے مطابق تعلیم دیتا ہے۔ مگر اس کے بالمقابل ویدک دھرم کی تعلیم فطرتِ انسانی کے سخت خلاف ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

(ا) "بچوں سے لاڈ نہیں کرنا چاہیئے بلکہ تنبیہہ ہی کرتے رہیں"۔ (ستیارتھ ب۲ دفعہ ۱۲۰)

(ب) "پیدائش ہی سے گایتری منتر پڑھنا اچھا ہے"۔ (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۱۴ صفحہ ۵۹)

(ج) "بالکل شادی نہ کرنا اچھا ہے۔ ورنہ ۴۰ سال کی عمر میں"۔ (ستیارتھ ب۴ دفعہ ۳۴-۳۵)

(د) وید میں ہے:۔ "بادل جو بمنزلہ باپ کے ہے۔ زمین میں جو بمنزلہ دختر کے ہے۔ باران کی صورت حمل قائم کرتا ہے"۔ (رگ وید منڈل ۱ سوکت ۱۶۴ منتر ۳۳ بحوالہ رگ وید آدی بھاش بھومکا صفحہ ۱۶۳)۔

علاوہ ازیں نیوگ کا حیا سوز مسئلہ ایسا ہے کہ فطرتِ انسانی اسے دھکے دے رہی ہے۔ صرف ایک حوالہ نقل کرتا ہوں:۔

سوامی دیانند صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ جب ایک شادی ہوگی اور ایک عورت کے لئے ایک خاوند ہوگا۔ اگر مرد و عورت دونوں جوان ہوں اور عورت حاملہ ہو یا مرد مریض ہو۔ تو ان صورتوں میں اگر حاملہ عورت کے خاوند یا ایک مریض خاوند کی جوان عورت یا ایک مریض عورت کے جوان خاوند سے رہا نہ جائے تو کیا کرے"۔ سوامی جی کا جواب ملاحظہ فرمایئے:۔

"اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد سے یا دائم المریض مرد کی عورت سے رہا نہ جائے تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لئے اولاد پیدا کرے۔ لیکن رنڈی بازی یا زنا کاری کبھی نہ کریں"۔ (ستیارتھ ب۴ صفحہ ۱۳۶)۔

حضرات! انسانی کانشنس کیا ایک لمحہ کے لئے بھی یہ قبول کر سکتی ہے کہ ایسی حیا سوز تعلیم دینے والی کتاب کبھی خدا کا کلام ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ مندرجہ بالا فقرہ میں "اس کے لئے اولاد پیدا کرے" محض ڈھکوسلہ ہے۔ کیونکہ جس صورت میں عورت حاملہ ہوگی اولاد کے حصول کے لئے کہیں اور جا کر نیوگ کرنا تحصیل حاصل ہے۔ پس اصل علاج تو سوامی صاحب نے "رہا نہ جائے" کا بتایا ہے۔

ہمارے گجرات (پنجاب) میں سوامی جی تشریف لائے اور آ کر لیکچر دیا ایک شخص نے سوامی جی سے سوال کیا "جس عورت کا خاوند کنجری کے پاس جائے۔ اس کی عورت کیا کرے؟" انہوں نے فرمایا:۔ "اس کی عورت بھی ایک مضبوط آدمی رکھ لے"۔ (جیون چرتر مصنفہ لیکھرام و آتما رام صفحہ ۳۵۵) حیرت ہے کہ اس تعلیم کو کامل۔ مکمل بلکہ اکمل اور عالمگیر الہامی قرار دیا جاتا ہے۔

گر یہی دیں ہے جو ہے ان کے خصائل سے عیاں
مَیں تو اک کوڑی کو بھی لیتا نہیں ہوں زینہار

(۵) خدا علیم کُل ہے۔ اس کے لئے تینوں زمانے یکساں ہیں۔ وہ آئندہ کے حالات جانتا ہے کیونکہ وہی فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان: ۳) کا فاعل ہے۔ مگر انسان ضعیف البُنیان کمیٔ علم کی وجہ سے آئندہ کے حالات نہیں جان سکتا۔ پس انسانی اور الہامی کلام میں ایک یہ مابہ الامتیاز ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام میں پیشگوئیاں ہوتی ہیں جو اسے انسانی کلام سے ممتاز و بالا ثابت کرتی ہیں۔ ویدوں میں پیشگوئیوں کا نام تک نہیں۔ مگر اس کے بالمقابل قرآن شریف نے آئندہ زمانہ کی اخبار بیان فرما کر آئندہ زمانوں کے لئے قرآن کی صداقت کے نئے نئے ثبوت مہیا فرمائے۔ قرآن شریف نے فرمایا کہ جب فرعون مصر دریائے نیل میں غرق ہونے لگا۔ تو اس وقت خدا نے اُسے کہا، فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ (یونس: ۹۳) کہ اے فرعون! میں آج سے تیرے جسم کو محفوظ رکھوں گا نہ اس کو دریائی مچھلیاں یا پانی تلف کر سکے گا نہ زمین کے کیڑے یا مٹی اس کی تباہی کا موجب ہونگے۔ بلکہ یہ محفوظ رہے گا۔ تاکہ تیرے بعد کے آنے والوں کے لئے نشان بنے اور بہت سے لوگ ہمارے نشانوں سے غافل ہیں۔

قرآن شریف نے خدا تعالیٰ اور فرعون کی گفتگو کا ذکر فرمایا اور اس کے ثبوت میں اپنا معاہدہ بیان کر کے اس کو بطور پیشگوئی کے دنیا کے سامنے پیش کیا آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد فرعون کی لاش صحیح وسالم برآمد ہوئی اور مصر کے عجائب گھر کی زینت ہو کر لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً (یونس: ۹۳) کے مطابق ہمارے لئے بطور نشان بنی۔

کیا ایسی عظیم الشان پیشگوئی کے پورا ہونے کے بعد بھی قرآن کریم کے الہامی ہونے میں شک وشبہ کی گنجائش باقی رہ جاتی ہے؟ مبارک وہ جو حق کو قبول کرتے ہیں۔

تردید قدامت وید

(منقولی دلائل)

آریوں کا دعویٰ ہے کہ وید ابتدائے عالم میں اُترے تھے۔ ویدوں کے نازل ہونے سے پہلے کوئی مخلوق نہ تھی۔

(۱) "اے لوگو! جو عالم ہمارے بالتشریح کہتے تھے۔ مذکورہ بالا تعلیم کا اور بھی ... کام کئے تھے"۔ (یجروید ادھیائے ۴۰ منتر ۱۳)۔

(۲) "زمانہ قدیم کے دیو یعنی صاحب علم و معرفت راستی شعار گزر چکے ہیں"۔ (رگوید منڈل ۲ سوکت ۲۱)۔

(۳) "پہلے زمانہ میں جو عالم و فاضل اور بے گناہ (پاک) تھے۔ وے بہت جلدی عاجزی سے تعلیمی فائدہ کے لئے اپنی اولاد کی حفاظت کے لئے طلوع آفتاب یا صبح صادق کو (مکشیہ) مدنظر رکھ کر اپنے یگیہ آدی (مذہبی فرائض) شروع کرتے تھے۔" (رگ وید منڈل ۵ سوکت ۱۰ منترا) اس سے یہ معلوم ہوا کہ وید شروع دنیا میں نہیں اُترے۔

(۴) "اے دشمنوں کے مارنے والے۔ اصول جنگ میں ماہر۔ بے خوف و ہراس۔ پُرجاہ و جلال عزیز جوانمردو! تم سب رعایا کے لوگوں کو خوش رکھو۔ پرمیشور کے حکم پر چلو۔ اور بدفرجام دشمن کو شکست دینے کے لئے لڑائی کا سرانجام کرو۔ تم نے پہلے میدانوں میں دشمنوں کی فوج کو جیتا ہے۔ تم نے اپنے حواس کو مغلوب اور روئے زمین کو فتح کیا ہے؟"

(رگ وید بھاشا بھومکا صفحہ ۳۲ منقول از اتھروان وید کانڈ نمبر ۶۔ انواک ۱۰۔ ورگ ۹۷ منتر نمبر ۳)۔

خط کشیدہ عبارت ظاہر کرتی ہے کہ وید کے نزول سے پہلے لوگ گزرے اور لوگوں نے مخالفوں پر فتح پائی۔ ورنہ یہ عبارت الحاقی ثابت ہوگی۔

(۵) "اے سورج کی طرح الیشور ج اور ودیا اور سُکھ کے داتا مہاتما عالم انسان جیسے سُورج کے اکاش میں چلنے کے صاف راستے ہیں جو آپ کے پہلے مہاتماؤں کے عمل میں آتے۔ بلا گرد و غبار راستہ میں اُن پر آرام سے چلنے کے لائق راستوں سے آج ہم کو چلائیے اور ان طریقوں سے چلنے پر ہم لوگوں کی حفاظت بھی کیجئے اور ہم کو زیادہ تر ہدایت کیجئے اور اسی طرح سے سب کو خبردار کیجئے۔" (یجر وید صفحہ ۱۳۶ حصہ سوم ادھیائے ۴۴ منتر ۲۷)

(۶) پارسی لوگ ژند وستا کی ابتداء کروڑوں برس ویدوں سے پہلے بتاتے ہیں۔

وید کی حقیقت

وید اور قرآن کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ مقابلہ کے لئے میدان میں آنا ضروری ہے اور وید میدان میں نہیں آیا۔ کیونکہ خود تمہارا عقیدہ ہے کہ وید کی زبان کسی قوم کی زبان نہیں کیونکہ اس طرح پکش پات یعنی طرفداری ہوتی ہے اور اُس وقت بھی سنسکرت کسی ملک کی زبان نہ تھی اور نہ اُترتے وقت کسی ملک اور قوم کی زبان تھی۔

سوال (۱) خاص الیشور کی زبان ہے تو سوال یہ ہے کہ جب کسی ملک اور قوم کی زبان نہیں تو اُس کا انکشاف کیسے ہوا؟ اگر کہو کہ ترجمہ کیا ہے۔ تو پھر بھی طرفداری لازم آتی ہے کہ خدا نے کسی قوم کی زبان میں ترجمہ کیا۔ تو حاصل کلام یہ کہ وید کا انکشاف حقیقتً نہیں تو مقابلہ کیسے ہو۔

سوال (۲) سنسکرت مُردہ زبان ہے اور اب بھی اس کا فہم مشکل ہے اگر اس کے معنی میں اختلاف ہو تو حل کس طرح کریں۔

سوال (۳) وید پستک ایسے پراچین (پُرانے) زمانہ کی بتائی جاتی ہے جس کی کوئی تاریخ محفوظ نہیں جس سے یہ معلوم ہو سکے کہ وید کی کیا ضرورت تھی؟ کونسی گمراہی تھی جس کے دُور کرنے کے لئے آئی تھی کیونکہ تمہارے

خیالات کے مطابق ابتدائے آفرینش سے لوگ کتی خانہ سے نکلے تھے تو پھر اس کا اثر قوم پر کیا ہوا؟ پھر ہم کہتے ہیں کہ اُس کے نہ اُترنے سے کیا نقصان ہونا تھا۔ کیونکہ اگر اُترنے سے فائدہ ثابت نہ ہو تو ہم کہتے ہیں کہ اگر نہ ہوتا تو کوئی نقصان نہ ہوتا۔

سوال (۴) جن پر وید نازل ہوا تھا ان کا چال چلن کیسا تھا؟ کوئی تاریخ نہیں جس سے اُن کے ماں باپ اور قومیت اور چال چلن معلوم ہو سکے۔

سوال (۵) خود ہندوؤں کے ہاں اختلاف ہے کہ کس پر اُترے۔ سناتن دھرمی برہما پر نازل شدہ اور آریہ رشیوں پر نازل شدہ مانتے ہیں۔ پھر کہیں چار وید اور کہیں تین وید۔ پس جب اصل کتاب میں بھی اختلاف ہے تو وہ ہدایت کیا دے سکتا ہے؟

سوال (۶) وہ الفاظ جن سے وہ رشی کا ثبوت دیتے ہیں مثلاً اگنی۔ وایو۔ ادت۔ انگرا چار رشیوں کے نام پر جو الفاظ دلالت کرتے ہیں وہ کئی معانی میں مشترک ہیں۔ اگنی آگ پر اور پرمیشور کا نام اور تیسرے نیوگی کا نام بھی اگنی ہے۔ وایو ہوا پر۔ انگرا پانی پر بھی اور ادت سورج پر بھی بولا جاتا ہے تو آیا یہ عناصر اربعہ کے نام ہیں یا اجرام کے نام ہیں یا رشیوں کے نام ہیں؟ کوئی تاریخ ہوتی جو بتاتی کہ یہ رشیوں کے ہی نام ہیں۔

سوال (۷) وید کی تعداد میں اختلاف ہے کہ تین ہیں یا چار۔

سوال (۸) پھر وید یا اس کے حامل ناکام ہیں۔ کیونکہ اتنی میعاد اس کو ملی ہے کہ تمہارے قول کے مطابق ایک ارب یا ڈیڑھ ارب سال گزر چکے مگر اب تک نہ شائع ہوئی نہ ترقی ہوئی۔ اور خود ماننے والوں کی تعداد بھی تھوڑی ہے یہ دھوکہ نہ کھایئے کہ ۳۰ کروڑ ہندو ہے کیونکہ جینی لوگ۔ پھر برہمن لوگ جن سے بنگال بھرا پڑا ہے۔ پھر وام مارگی سانگی یہ سب وید کے منکر ہیں تو ان سب کو نکال کر محض چند لوگ ہی رہ جاتے ہیں۔

سوال (۹) پھر ماننے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک آریہ دوسرے سناتن ان کا باہم عقائد میں بہت اختلاف ہے۔ مسلمانوں میں خواہ کئی فرقے ہوں لیکن اصول میں کوئی اختلاف نہیں۔ کلمہ شہادت۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ قرآن وغیرہ سب ایک ہیں۔

ا۔ سناتن دھرم والے خدا کے حلول کے قائل مگر آریہ منکر۔

ب۔ سناتن دھرم روح و مادہ کو حادث اور آریہ لوگ انادی اور غیر حادث مانتے ہیں۔

ج۔ سناتن دھرمی مورتی پُوجا کے قائل اور آریہ منکر۔

د۔ سناتن دھرمی نیوگ کو زنا کاری اور خلاف وید اور آریہ عین جائز اور حلال اور ضروری اور وید کی مقدس تعلیم کے مطابق مانتے ہیں۔

آریہ سماج کے معیاروں کے مطابق وید الہامی نہیں

(از جناب مہاشہ محمد عمر صاحب مولوی فاضل)

(ا) ایشور کا گیان ابتدا میں ہونا چاہیئے کیونکہ جن چیزوں پر انسان کی زندگی کا دارو مدار ہے پرماتما نے ان کو انسان کی پیدائش سے پہلے پیدا کیا اور مکمل پیدا کیا۔ جیسے سورج۔

تردید لہ:۔ سورج کے ساتھ وید کی مثال نہیں دی جا سکتی۔ کیونکہ سورج سے ہر ایک بشر بالغ و نابالغ۔ بوڑھا۔ جوان یکساں فائدہ حاصل کرتا ہے۔ بخلاف وید کے جس کے پڑھنے کے لئے بڑے بڑے دھرماتما اور ودوان کوشش کرتے ہیں، لیکن کامیاب نہیں ہوتے۔

ب:۔ ویدوں میں ایسے سینکڑوں منتر ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وید ابتدائے دُنیا میں نہیں بنے بلکہ ویدوں کے نزول سے پہلے دُنیا میں مخلوق موجود تھی۔

ج:۔ ابتدا میں کامل گیان کا نازل ہونا پرماتما کے بتانے کے خلاف ہے کیونکہ ابتدا میں جبکہ پرماتما نے دُنیا کو پیدا کیا لوگوں کی حالت بچوں کی طرح تھی اور اس کو سوامی جی نے اپنی کتاب اپدیش منجری میں تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔ "ان سب کو صرف کھانا اور پینا اور بھوگ کرنا (جماع کرنا) صرف اتنا ہی یاد تھا۔ آدی سرشٹی میں سب انسانوں کی حالت بچوں کی تھی۔ اُن کو پاؤں سے چلنا اور آنکھوں سے دیکھنا اس کے بغیر اُن کو کچھ گیان نہ تھا" (اپدیش منجری ہندی ص۸۹)۔ پس پرماتما جو کہ علیم ہے کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ بچوں کو کامل گیان دے۔ ایسے بچوں کو جن کو سوائے کھانے اور بھوگ کے کچھ سمجھ ہی نہیں۔ اس لئے یہ ضروری ماننا پڑے گا کہ پرماتما نے اُن رشیوں کو گیان دیا لیکن کامل نہیں بلکہ ان کی عقل اور سمجھ کے مطابق۔

د:۔ سوامی جی نے اس کے آگے لکھا ہے کہ "یہ حالت ان رشیوں کی پانچ سال رہی۔ پھر پرماتما نے انکو ویدوں کا گیان دیا" (اپدیش منجری ہندی ص۸۹) یعنی پیدائش کے ساتھ ہی اُن کو ویدوں کا گیان نہیں دیا گیا بلکہ پانچ سال دُنیا بننے کے بعد اُن کو گیان ملا۔

اعتراض:۔ اس پر ہمارے آریہ بھائی کہا کرتے ہیں کہ واقعی انسانوں کو اُس وقت اتنا گیان نہ تھا کہ وہ کامل گیان کو جانتے، لیکن پرماتما کا گیان تو کامل ہے۔ اُس نے اپنے علم کے مطابق کامل گیان دیا۔

جواب:۔ یہ ٹھیک ہے کہ پرماتما کا گیان کامل ہے، لیکن سوال تو یہ ہے کہ جن لوگوں کو وہ گیان دیتا تھا وہ کامل نہیں تھے کہ اس کو سمجھ سکتے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک کالج کا پروفیسر جو کہ ایم۔ اے ہے۔ ایک بچے کے آگے جبکہ وہ تعلیم حاصل کرنے کے لئے اس کے پاس جائے تو وہ اس کے آگے ایم۔ اے کا کورس رکھدے اور کہے کہ یہ لڑکا واقعی اتنی لیاقت نہیں رکھتا کہ یہ ایم۔ اے کا کورس سمجھ سکے لیکن میں تو ایم۔ اے ہوں اور علم کے لحاظ سے کامل ہوں۔ تو سب لوگ اس کو بیوقوف کہیں گے اور جواب دینگے کہ تیرا علم واقعی کامل ہے، لیکن جس بچے کو تو نے پڑھانا ہے وہ اس قابل نہیں کہ ایم۔ اے کے کورس کو سمجھ سکے

اس کے لئے تو وہی پہلا قاعدہ چاہیئے۔ جو یہ سمجھا جاتے۔

دوسرا معیار:۔ الہامی کتاب کے لئے ضروری ہے کہ اس میں ایک لفظ کی بھی کمی وبیشی نہ ہو۔ اور وہ محفوظ چلی آتی ہو۔

وید اس اصول کے مطابق بھی الہامی ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ جب ہم ویدوں کو غور سے دیکھتے ہیں تو ان میں اس قدر اختلاف ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ چنانچہ ہم پہلے اتھروید کو لیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اس میں بھی لوگوں نے اپنے پاس سے منتر ملا دیئے ہیں۔

اتھر وید (۱) سوامی دیانند نے رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا ہندی کے ص۹۶ پر لکھا ہے کہ اتھروید کا پہلا منتر "اوم شنو دیوی" ہے۔

(۲) لیکھرام نے کلیات آریہ مسافر میں لکھا ہے کہ پہلا منتر "اوم شنو دیوی" ہے۔

(۳) مہا بھاشیہ کے مصنف کا یہ مذہب ہے کہ پہلا منتر "اوم شنو دیوی" ہے۔

لیکن موجودہ وید کو اٹھاؤ تو یہ منتر چھبیسواں [۲۶] ہے۔ تو کیا پہلے پچیس [۲۵] منتر کسی آریہ سماجی نے اتھروید میں ملا دیئے ہیں۔

اتھر وید کے منتروں کی تعداد میں اختلاف

سائین بھاشیہ ۵۹۷۷ ÷ سیوک لال ۵۹۴۷ ÷ ساتولیک ۷۰۰ ÷ ویدک سدھانت ۶۰۰۔

۔ یجروید میں ملاوٹ :۔ یجروید بمبئی والے میں ۲۵ ادھیاتے کے ۴۷ منتر ہیں، لیکن دیانند نے جو اجمیر میں چھپوایا ہے اس میں ۴۸ ہیں۔

۔ یجروید کے ۴۰ ادھیاتے میں "اوم کھم برہم" بمبئی والے میں منتر کا جزو نہیں ہے لیکن دیانند نے اس کو منتر میں شامل کر دیا ہے۔

تعداد منتروں میں اختلاف

یجروید کلپ تر	۱۹۷۵	دیانند جی	۱۹۷۵
سالولیک	۱۴۰۰	شوشنکر کاویہ تیرتھ	۹۸۷
ویدک مت	۱۰۰۰	(منقول از وید سروسو ص۱۵۲)	

سام وید تحریف :۔ سام وید اجمیر والے میں ۶۵ منتر زیادہ ہیں۔ دیکھو ص۲۳ اور کاشی میں چھپے سام وید میں یہ منتر نہیں۔ ص۵

منتروں کی تعداد میں اختلاف

دیانند کا وید	۱۸۲۴	جیوانند	۱۸۰۸
شوشنکر	۱۵۴۹	دیاشنکر	۲۱۹
ساتولیک	۷۰		

رگ وید میں تحریف :۔ سائیں اچاریہ ۱۰۰۰۰ سے کچھ زیادہ۔

پنڈت شونشکر	۱۰۴۰۲	سوامی دیانند جی	۱۰۵۸۹
انو واک انوکرمنی	۱۰۵۸۰	چھند سنگرہ شلوک کے مطابق	۱۰۴۰۲
گایتری وغیرہ کے مطابق	۱۰۱۴۲	پنڈت جگن ناتھ	۱۰۴۵۲
چرن ویوہ کا ٹیکا کار	۱۰۴۷۲	مہنتہ برت	۱۰۴۴۲
ورتمان سنگھتا کے مطابق	۱۰۴۴۰		

(وید سروسو مصنفہ پنڈت ویدک منی جی صفحہ ۹۵ مطبوعہ انند پریس دہلی)

تیسرا معیار :۔ اس میں عقل اور اخلاق کے خلاف تعلیم نہ ہو۔ اس اُصول کے مطابق بھی وید الہامی نہیں ہیں۔ کیونکہ کئی وید منتر ہیں۔ جن کی تعلیم انسانی اخلاق کو گرانے والی ہے۔ مثلاً

۱۔ رگ وید کے ایک منتر کا ترجمہ سوامی جی اس طرح کرتے ہیں :۔

"بادل بمنزلہ باپ قرار دیا ہے اور زمین کو بمنزلہ لڑکی۔ بادل زمین میں اس طرح پانی ڈالتا ہے جیسے باپ لڑکی میں نطفہ"۔ (رِگ وید آدی بھاشیہ بھومکا ہندی صفحہ ۲۹۹)

ب۔ لِنگ کا صاف کرنا: "اس لنگ کو صاف کرتا ہوں جس سے رکھشا کی جاتی ہے۔ اس گدا (پاخانہ کی جگہ) اِندری کو پَوِتر کرتا ہوں"۔

آگے لکھا ہے کہ "گورو پتنی (یعنی استاد کی عورت) کرتی ہے"۔

اس پر یہ اعتراض ہے کہ گورو کی عورت کس طرح لڑکے کے لِنگ اور گدا کو صاف کرے۔

ایک شُبہ کا ازالہ :۔ یہاں پر آریہ مناظر کہہ دیا کرتے ہیں کہ یہ چھوٹی عمر کے لئے ہے۔ حالانکہ یہ غلط ہے۔ کیونکہ جتنی دیر بچہ گُورُوکل میں رہتا ہے اس وید منتر پر ان کو عمل کرنا ضروری ہے اور گوروکل میں ۲۵ سال کا جوان بچہ بھی ہوتا ہے۔ اس کے لِنگ کو اُستاد کی عورت کس طرح صاف کرے گی۔

ج :۔ "ان دونوں منتروں کو پڑھ کر پُرُش اپنی گربھنی (حمل والی) اِستری کے گربھاشیہ پر ہاتھ رکھے"۔ (سنگار ودھی ہندی صفحہ ۵)

آریہ سماجی دوست بتائیں کہ وہاں پر ہاتھ رکھنے سے کیا فائدہ؟

د :۔ بیل سے بھوگ کرنا: "پانی کے لئے مینڈھا سے پرم ایشوریہ کے لئے بیل سے بھوگ کریں"۔ (یجروید ۲۱/۴۰)

ر :۔ "ہے انسان تو اتم مضبوط گدا اِندری (پاخانہ کی جگہ) کے ساتھ موجودہ اندھے سانپوں اور کُل (یعنی سخت موذی) سانپوں کو کام میں لاؤ"۔

س :۔ "ٹانگوں کے اوپر چڑھ۔ ہاتھ کا سہارا دے۔ اتم من کے ساتھ عورت کو دیر یہ ڈالے"۔ (اتھروید ۱،۲،۳۹)

غرض آریہ سماج کے اپنے اصولوں کے مطابق بھی وید الہامی ثابت نہیں ہوتے۔

عجیب وغریب پُرلطف ویدک دُعائیں

۱۔ "ہے پرمیشور وراجن ! آپ بہت بولنے والے کو نزدیک دویا والے کے لئے (اور) حد سے باہر والے کے لئے گونگے ظاہر کیجئے۔" (یجروید ادھیاتے ۳۰/۱۹)

دُعائیں ہمیشہ مفید اور نیک چیزوں کے حصول کے لئے کی جاتی ہیں، مگر یہ ویدک فلسفہ ہی اُلٹ ہے بھلا اگر ویدک ایشور بغیر کرموں کے اور کچھ دے ہی نہیں سکتا تو پھر دُعائیں سکھانا فضول اور لغو ٹھہرا۔ پھر دُعائیں سکھائی بھی تو وہ بھی ایسی کہ اگر قبول ہوجائیں تو ایک ہی سال میں آریہ سماجیوں کا خاتمہ اپنی ہی دُعاؤں کے طفیل ہوجاتے۔ (خادم)

۲۔ "اے پرمیشور وراجن ! آپ آگ کے لئے موٹی اشیاء کو زمین کے لئے بغیر پاؤں کے رینگنے والے سانپ وغیرہ کو پیدا کیجئے۔" (یجروید ادھیاتے ۳۰/۲۱)

ہم اس دُعا پر آمین کہتے ہیں۔ بشرطیکہ وہ صرف آریوں کے ہی گھروں تک محدود رہیں۔ (مؤلف)

۳۔ "ہے پرمیشور وراجن ! آپ زمین وآسمان کے درمیان کھیلنے کودنے اور بانس سے ناچنے والے نٹ وغیرہ پیدا کیجئے۔" (یجروید ادھیاتے ۳۰/۲۱)

(تاکہ وید کی حقیقت دُنیا پر ظاہر ہو۔ مؤلف)

۴۔ "ہے پرمیشور وراجن ! آپ بین بجانے والے اور ہاتھوں سے داد تر۔ بجانے اور تونو نامی باجے بجانے والے۔ ان سب کو ناچنے کے لئے اور خوشی کے لئے تالی وغیرہ بجانے والے کو پیدا و ظاہر کیجئے۔" (یجروید ادھیاتے ۳۰ منتر ۲۰)

وید کی تعلیم پرمیشور کے متعلق اور پرمیشور کا حُلیہ

پرمیشور ناقص اور کمزور:۔ "اے نہایت ہی قابل عبادت اور سب طرف سے روشن ایشور وعالم ! یہ جو آپ کا محیط ہونا اور پرورش کرنا ہے۔ اس سے آپ ترقی کو حاصل کریں اور دوسروں کو بڑھائیں آپ خود مضبوط ہوجیئے اور دوسروں کو مضبوط کیجئے۔" (یجروید ادھیاتے ۳۸ منتر ۲۱)

"وہ سدا بڑھنے والا۔ حیرت انگیز صفات، عادات سے متصف پرمیشور ہمارا کس طرح دوست ہوتے" الیٰ آخرہ (یجروید ادھیاتے ۳۶/۴)

پرمیشور کی بیوی:۔ "اے انسانو ! میں ایشور جیسے برہمن۔ کھتری۔ ویش۔ شودر اور اپنی استری سیوک وغیرہ کو چار وید روپی بانی کا اپدیش کرتا ہوں ویسے ہی آپ لوگ بھی اچھی طرح اپدیش کریں۔" (منقول از دیانند یجروید بھاشی ادھیاتے ۲۶۔ منتر ۲)

سُکھ کی خواہش:۔ پرمیشور کہتا ہے کہ میری یہ خواہش عمدگی سے بڑھے اور مجھے وہ غیر میسر غائبانہ سکھ

حاصل ہو" (یجروید ادھیائے ۲۶ منتر ۲)

پرمیشور کے برابر طاقتور راجہ :۔ "اے بیوقوف راجہ! بغیر دُودھ کی گائیوں کی طرح ہم لوگ اس متحرک وغیر متحرک کائنات کے منتظم سُکھ پورک کو دیکھنے لائق ایشور کے برابر طاقتور۔ آپ کی عزت و احترام کریں"۔ (یجروید ادھیائے ۲۷ منتر ۳۵)

ناچنے والے پیدا کرنے کی دُعا :۔ ہے پرمیشور وراجن! آپ بین بجانے والے اور ہاتھوں سے داد تر بجانے اور تونو نامی باجے کو بجانے والے اِن سب کو ناچنے کے لئے اور خوشی کے لئے تالی وغیرہ بجانے والے پیدا و ظاہر کیجئے"۔ (یجروید ادھیائے ۳۰ ۔منتر ۲۰)

پس لوگوں کو چاہیئے کہ ہنسی اور زنا وغیرہ عیوب کو چھوڑ کر اور گانے بجانے ناچنے وغیرہ کی تعلیم کو حاصل کر کے خوش ہوں۔ لیکن ستیارتھ ب۳ نمبر ۴۸ و باب ۶ نمبر ۱۶ میں اِن افعال کو شہوانی عیب لکھا ہے۔

آریوں کا پرمیشور فریبی :۔ "اے اِندر تو نے سوشا کو فریب سے قتل کیا"۔
(رگ وید اشٹک اول انوواک ۳ سکت ۴ شرتی ۷)

پرمیشور کھاؤ پیو پیٹو :۔ "اِندر کا شکم سوم کا رس کثرت سے پینے کے باعث سمندر کی مانند پھولتا ہے اور تالو کی نمی کی مانند ہمیشہ تر رہتا ہے انہیں کھانوں سے اِندر کا پیٹ بھرتا ہے اور قوت حاصل ہوتی ہے۔ اے خوبصورت زنخدان والے اِندر! ان تعریفوں سے خوش ہو"
(رگ وید اشٹک اول انوواک ۳ سکت ۱)

پرمیشور کی لاعلمی :۔ "اے بیاہے ہوئے مرد و عورتو! تم دونوں رات کو کہاں ٹھہرے تھے اور دن کہاں بسر کیا تھا۔ تم نے کھانا وغیرہ کہاں کھایا تھا۔ تمہارا وطن کہاں ہے جس طرح بیوہ عورت اپنے دیور (دوسرے خاوند) کے ساتھ شب باش ہوتی ہے یا جس طرح بیاہا ہوا مرد اپنی بیاہتی عورت کے ساتھ اولاد کے لئے شب باش ہوتا ہے۔ اس طرح تم کہاں شب باش ہوئے تھے"؟
(ستیارتھ پرکاش باب ۴ دفعہ ۱۴۰ ابھومکا ص۱۲۵ مترجم نہال سنگھ)

"اِس دُنیا میں پاپ اور پُن کا نتیجہ بھوگنے کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک عارفوں یا عالموں کا۔ دوسرا علم و معرفت سے مبرّا انسانوں کا۔ ان کو پتریاں اور دیویاں بھی کہتے ہیں۔ مَیں نے یہ دو راستے سُنے ہیں۔ یہ تمام دُنیا انہی دو راستوں پر چلی جا رہی ہے"۔
(یجروید ۱۹/۴۷ و رگوید آدی بھوش بھومکا مترجم نہال سنگھ ص۱۲۲ ۔بیان تناسخ)

ناک آنکھ کان والا پرمیشور :۔ "برہمن اس (ایشور) کا منہ تھا۔ ایشور کے بازوؤں سے کھشتری۔ رانوں سے ویش۔ پاؤں سے زمین اور کان سے طرفین پیدا ہوئیں۔ چاند من (دل) سے پیدا ہوا۔ آنکھ سے سورج پیدا ہوا۔ منہ سے اندر اور آگ اور سانس سے ہُوا پیدا ہوئی"۔ (رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۰ منتر ۱۲، ۱۳)

زرہ بکتر پہننے والا پرمیشور :۔ "ورن (ایشور) اپنی ساری رعایا میں سب پر حکومت کرنے کے لئے آکر بیٹھا ہے۔ سنہری کوچ کو پہنتا ہوا ورن (ایشور) چمکتے ہوئے لباس کو پہنتا ہے۔ اس کے جاسوس

چاروں طرف بیٹھے ہیں ۔" (رگ وید منڈل ۱ سوکت ۲۵ منتر ۱۳)

ایشور چوری کرتا ہے :۔ اے اِندر دولتوں سے مالا مال پرمیشور! ہم سے الگ کبھی مت ہو۔ ہمارے مرغوب سامان خوراک مت چُراؤ اور نہ کسی اور سے چُرواؤ۔

(رگوید اشٹک ۱ انوواک ۸ سوکت ۱۰۴ شرتی ۸ آریہ بھونے مصنفہ دیانند)

سُکھ دُکھ برداشت کرنیوالا پرمیشور :۔ "اے جگدیش ور! جس سبب آپ سب دُکھ سُکھ کے برداشت کرنے والے ہیں۔" (تفسیر یجروید سوامی دیانند)

خدا علم سیکھنے کا محتاج ہے :۔ "اے جگت ایشور! مَیں اور آپ پڑھنے پڑھانے والے دونوں محبت کے ساتھ رہ کر عالم اور دیندار ہوں کہ جس سے دونوں کی ترقی علم ہمیشہ ہووے۔"

(یجروید بھاشیہ جلد اوّل صـ ۱۳)

ایشور مجسم اور اس کا حُلیہ :۔ "ہزاروں سروں والا پُرش (ایشور) ہزاروں آنکھوں والا۔ ہزاروں پاؤں والا۔ وہ ترلوکی (کائنات) کو سب طرف سے گھیر کر ٹھہرا ہوا ہے۔ دس انگل پرے۔"

(رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۰ منتر ۱)

پرمیشور کے پاؤں :۔ "وشنو (ایشور) اس سارے جگت و کائنات پر پاؤں سے چلا۔ تین طرح پر اُس نے پاؤں رکھا۔ یہ جگت اس کے دھولی (دھول) والے پاؤں میں اکٹھا ہوا۔"

(رگوید منڈل ۱ سوکت ۲۲ منتر ۱۷)

وشنو جو سب کا محافظ ہے اور کسی سے دھوکا نہیں دیا جاتا۔ وہ سارے کاموں کو کرتا ہوا یہاں سے تین پاؤں چلا۔

خُدا کا دایاں ہاتھ :۔ ہے خزانوں کے مالک اِندر! تجھ سے دولت چاہتے ہوئے ہم نے تیرے دائیں ہاتھ کو پکڑا ہے۔" (رگ وید منڈل ۱۰ سوکت ۴۷ منتر ۱)

ایشور کی فرج :۔ پرجاپتی گربھ (حمل) میں وچرتا ہوا بہت طرح سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی یونی (فرج) کو عقلمند دیکھتے ہیں۔"

(یجروید ادھیائے ۳۱ منتر ۱۹)

ایشور کی ترقی :۔ "اے بہت اشیاء میں رہنے والے پرماتمن (خدا) جو یہ میری زبان ہے۔ آپ کو یقیناً بڑھاوے۔" (یجروید ادھیائے ۱۲ منتر ۱۸)

ایشور سوم رس پیتا ہے :۔ ہے پرمیشور وایو (ایشور)! اپنی الپ شکتی (محدود طاقت) سے سوم اوشدھیوں کا اتم (عمدہ) رس تیار کیا ہے اور بھی جو کچھ ہمارے عمدہ پدارتھ ہیں۔ وے آپ کے سرین (تقدم) کئے گئے ہیں۔ ان کو آپ قبول کریں اور سروآتما (فراخدلی) سے پان کریں۔"

(رگوید اشٹک ۱ ادھیائے ۱ ورگ ۲ منتر ۱)

ایشور کا ثانی :۔ "مَیں ایشور سب لوگوں کو حکم دیتا ہوں کہ میرے برابر دھرماتما صفات و افعال و عادات

والے آدمی ہی کی رعایا ہو۔"

ایشور سوتا ہے :" جو برہما (ایشور) تیز رفتار کو مضبوط کرتا ہوا جو کو کنپاتا اور گھروں یعنی جیوؤں (ارواح) کے بیچ قائم ہوتا ہوا سوتا ہے۔" (رگوید منڈل ۱ سوکت ۱۲۴ منتر ۳۰ - رگوید بھاشی جلد ۳ صفحہ ۹۱۳۳)

وید کی تعلیم خلافِ عقل وسائنس

۱- "ہے دینے ہارے (والے) جیسے لینے والے پڑھانے اور اپدیش کرنے والوں کا میل کرے۔ اور وہ آج بکرا وغیرہ جانوروں کے بیچ سے لینے لائق چیز کا چکنا حصہ یعنی گھی دودھ وغیرہ اُتلار (نکالا ہوا) کیا ہوا لیں" (اس سے بکرا گھی دینے والا ثابت ہوتا ہے) (تفسیر دیانندی بھاشا یجروید جلد ۲ ادھیائے ۲۱ منتر ۴۳)

نوٹ :- اس حوالہ کے پیش کرنے سے یہ مقصود نہیں کہ گویا ہمارے خیال میں بکرے کے لئے دودھ دینا ممکن ہی نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ کے قانونِ شاذ کے ماتحت یہ ممکن ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت صداقت مسیح موعود پر اعتراضات کی ذیل میں ایک اعتراض کے جواب میں موجود ہے۔ ہمارا اعتراض تو اس امر پر ہے کہ اس وید منتر سے معلوم ہوتا ہے کہ بکرے کا دودھ دینا قانونِ عام کے ماتحت ہے اور بجائے بکری اور گائے بھینس کے دودھ اور گھی بکرے سے حاصل ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ امر ہمارے روزمرہ کے مشاہدہ کے خلاف ہے۔ یہ تو ممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کبھی کبھی شاذ کے طور پر جو کہ اَلشَّاذُ کَالْمَعْدُوْمِ کے مطابق معدوم کا حکم رکھتا ہے اپنی سُنّتِ شاذہ کا ثبوت دے۔ مگر گھی دودھ وغیرہ کو عام طور پر گائے بھینس اور بکری کی بجائے "بکرے" کے ساتھ منسوب کرنا یقیناً خلافِ عقل وسائنس اور معارض مشاہدہ و تجربہ ہے۔ خادم

۲- "ہے رعایا کے مالک ایشور جو روح مادہ وغیرہ اشیاء ہیں یہ سب اچھا روپ وغیرہ (مراد خواہش) صفات سے متصف ہوں۔" (تفسیر دیانند بھاشا یجروید جلد ۱ ادھیائے ۱۰ منتر ۲۰)

اس سے مادہ میں خواہش کا ثبوت ملتا ہے۔ کیا سائنس سے یہ ثابت ہو سکتا ہے ؟

۳- "گرہست جنوں (عیالداروں) کو چاہیئے کہ اس طرح کوشش کریں کہ جس سے تینوں یعنی بھوت (ماضی) بھوشیت (مستقبل) اور ورتمان (حال) زمانہ میں بہت ہی سکھی ہوں۔"

(تفسیر ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۳۱)

اس سے آج کا کام کئے ہوئے کا پھل گذشتہ دنوں میں مل جانا چاہیئے حال و مستقبل کے لئے تو انسان کر سکتا ہے مگر آج کا پھل پہلے مل چکا ہے یہ کیسے ؟ بالکل خلافِ عقل ہے۔

۴- "میں جو سوم لتا وغیرہ بوٹیوں (کو) جو زمین وغیرہ سے تین برس پہلے مکمل سکھ دینے میں عمدہ ظاہر ہوئی ہیں جو حاصل کرنے والے بیماروں کے سو اور سات جنم اور ناڑیوں کے زخموں کو مفید ہیں۔ ان کو جلدی جانوں۔"

(تفسیر ایضاً جلد ۱ صفحہ ۴۱۶ ادھیائے ۱۲ منتر ۱۵)

نوٹ :- کیا زمین سے قبل بھی بوٹیاں تھیں۔ اور ان سے لوگوں نے فائدہ حاصل کیا ؟

آریوں کے ناقابلِ عمل اُصول

ضروری نوٹ :۔ ستیارتھ پرکاش مصنفہ پنڈت دیانند کے جو حوالے یہاں درج کئے گئے ہیں اُن میں نمبر صفحہ ستیارتھ پرکاش کے نویں ایڈیشن شائع کردہ راجپال منیجر آریہ پستکالیہ انارکلی لاہور کو مدنظر رکھکر دیا گیا ہے یہ ستیارتھ پرکاش کا وہ اُردو ترجمہ ہے جس کے مترجمین میں سوامی شردھانند پنڈت چموپتی ایم۔ اے اور ماسٹر آتمارام جیسے آریہ پنڈتوں کے نام ہیں اور آریہ پرتی ندھی سبھا پنجاب سندھ (بلوچستان) کی طرف سے یہ ترجمہ شائع کیا گیا ہے اور سر ورق پر لکھا ہے "صرف یہی ترجمہ مستند ہے"۔ (خادم)

۱۔ "بچے از خود الکنڈ (لامنتھر ازل) برہمچریہ رکھ کر اور تیسرا اعلیٰ درجہ کا برہمچریہ کر کے کمل یعنی چار سو سال تک عمر کو بڑھائیں"۔ (ستیارتھ پرکاش باب ۳۰ دفعہ ۳ صفحہ ۹۱) گویا نیک اور با ایمان آریہ کو چاہیئے کہ برہمچاری رہ کر چار سو سال کی عمر حاصل کرے۔ دیانند سے بڑھ کر تو با ایمان اور کامل برہمچاری اور کوئی آریہ نہ ہوگا مگر اس کی عمر بھی ساٹھ سال سے متجاوز نہ ہوتی۔ پس ثابت ہوا کہ یہ تعلیم باطل اور ناقابلِ عمل ہے۔

۲۔ بقول دیانند مُردہ دفن کرنے میں بہت اقتصادی نقصان ہوتا ہے (حالانکہ قبر کی کُھدائی ۸ر ہوتی ہے (خادم) لیکن جلانے میں صندل کی لکڑی، عود، کستوری ۳ سیر اور ڈیڑھ من روغن زرد وغیرہ وغیرہ اشیاء قیمتی سے تقریباً دوسو روپیہ کا زیر بار ہونا ضروری ہے۔ اگر میسر نہ آوے تو بھیک مانگے یا گورنمنٹ سے امداد طلب کرے۔ (ستیارتھ ب ۱۳ دفعہ ۲، صفحہ ۶۵)

مگر جنگ میں جہاں ہزاروں مرتے ہیں یہ عالمگیر اُصول دریا بُرد ہوجاتا ہے جیسے مہابھارت کی جنگ میں ہوا۔ کیونکہ وہاں یہ اشیائے قیمتی نہ مل سکیں اور نہ میسر آسکتی تھیں۔

۳۔ جس لڑکی کا خاوند مرجائے تو پھر اس کنیا کو چاہیئے کہ کسی شخص واحد سے بیاہ نہ کرے۔ وہ عمر بھر ایک کی نہ ہو رہے۔ بلکہ دس بارہ مختلف نوجوانوں سے تادم آخر مضبوط اولاد حاصل کرتی رہے۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۱۸ صفحہ ۱۹۱)

۴۔ آریہ عورت کے تیسرے نیوگی خصم کو اگنی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس میں حرارت زیادہ ہوتی ہے۔ (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۳۶ صفحہ ۱۹۶)

پہلے اور دوسرے خصم میں حرارت کیوں کم ہوتی ہے اور پانچویں دسویں وغیرہ میں کیوں کم وبیش نہیں؟ اس کی تشریح مطلوب ہے۔

۵۔ بموجب اعتقاد دیانندی روح و مادہ مع اپنی تمام قوتوں جستوں اور خاصیتوں کے ازلی ابدی خود بخود ہیں یعنی اپنے وجود کے آپ خُدا ہیں۔ اور پرمیشور کا کام صرف ارواح اور مادہ کو جوڑنے جاڑنے کا ہے لیکن اب معلوم ہوا کہ روحوں میں جوڑنے جاڑنے کی قوت انفصال و اتصال کی خواہش بھی ازل سے ہے۔ (ستیارتھ ب ۸ دفعہ ۵۳ صفحہ ۲۹۶) آریہ اور دہریہ میں کیا فرق ہوا۔ خاک

۶۔ نجات کے طالب اور سچے آریہ کو چاہیئے کہ قریباً پچاس سال کا ہو کر بیاہ کرے یا ۴۴ سال کے بعد۔ (ستیارتھ ۳ دفعہ ۴۴ صفحہ ۹۲)

مگر پچاس سال تک تو انسان بوڑھا ہو جاتا ہے۔ پھر بیاہ کس لئے اور کس کے لئے مضبوط اولاد کیونکر اور کون پیدا کریگا۔ اس میں کوئی غلطی یا راز ضرور ہے (غالباً اس عرصہ میں بذریعہ نیوگ اولاد پیدا کرنے کی مہلت دی ہوگی) ایسا بیاہ کرنے والا دوسو سال سے چار سو سال تک عمر حاصل کر سکتا ہے۔ (ستیارتھ ۳ دفعہ ۴۰ صفحہ ۹۱) مگر تجربہ اس اصول کا دشمن ہے۔ سوائے دیانند کے جو بجائے پچاس کے ساٹھ سال مجرد رہ کر سفید ریش ہو کر بڑھاپے کے نشان اور آثار دیکھکر راہئ عالم فنا ہوتے۔ چار سو سال کی عمر والے کو تو ستر سال میں ابھی ڈاڑھی بھی نہیں آنی چاہیئے۔ اسی لئے سوامی جی منہ سر اُسترے سے صاف رکھتے تھے۔ ملاحظہ ہو تصویر سوامی جی۔

۷۔ ممالک متوسط کی قسمت چھتیس گڑھ میں بعض قوموں کی عمر تیس سال تک ختم ہوتی ہے۔ پھر وہاں چار سو سال کی عمر حاصل کرنے کے لئے شرط کیا ہوگی اور نیک آریہ پچاس سال کا ہو کر کیونکر بیاہ کرے۔ (خوب عالمگیر اُصول میں)۔

۸۔ ۴۸ سال کے بعد شادی کرے۔ بالکل شادی نہ کرنا اچھا ہے۔ (ستیارتھ ۲ دفعہ ۳۵ صفحہ ۹۳)

ہندوستان کے آریہ اگر ۴۸ سال کے بعد بیاہ کرنا شروع کر دیں تو انشاء اللہ نصف صدی میں آریوں کا خاتمہ ہی ہو جاتے اور ہندو مسلم سوال بھی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جاتے۔

۹۔ ھون۔ (۱) ہون کرنا سب پر فرض ہے۔ ورنہ پاپ ہوتا ہے۔ (ستیارتھ پرکاش ۲ دفعہ ۲۰ صفحہ ۸۵)

(۲) ہون دن میں دو دفعہ صبح و شام کرنا چاہیئے۔ (ستیارتھ ۳ دفعہ ۱۵ صفحہ ۸۶)

(۳) ایک وقت کے ہون میں سولہ آہوتی فی کس گھی چاہیئے۔ (ستیارتھ ۲ دفعہ ۲۲ صفحہ ۸۸)

(۴) ہر آہوتی میں ۶ ماشہ گھی کم از کم جلانا چاہیئے۔ (〃 ۳ 〃 〃 〃 〃)

گویا ۶×۱۶ = ۹۶ ماشہ = ۸ تولے۔ قریباً ۱ ½ چھٹانک گھی ایک وقت آدمی کو جلانا چاہیئے۔ اور دو وقت کا کل گھی روزانہ ⅕ ۳ چھٹانک ہوا۔ ماہوار ⅕۱۶ × ۳۰ = ۹۶ چھٹانک۔ گویا اگر گھی کا نرخ چار چھٹانک فی روپیہ ہو تو ماہوار ۲۴ روپے کا صرف گھی ہی جلانا پڑیگا۔

آج کل کے نرخ ۱۲/۵۰ روپے فی سیر کے حساب سے یہ خرچ بڑھ کر ۶×۱۲۵ = ۷۵/۰ روپے ماہوار آئے گا۔ (مرتب)

(۵) گھی کے ساتھ کیسر، کستوری، خوشبو دار پھول عطر اور چندن۔ اگر تگر وغیرہ بھی جلانا چاہیئے۔

(ستیارتھ پرکاش ۳ دفعہ ۱۷، ۱۸ صفحہ ۸۵)

تو گویا اس حساب سے ہر آریہ کو ہون کرنے کے لئے کم از کم ۷۵/۰ روپلے تک ماہوار خرچ کرنا پڑتا ہے۔ غریب آدمی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ اور مشکل تو یہ ہے کہ اگر نہ کرے تو پاپ ہوتا ہے (جیسا کہ اوپر گزر چکا) مگر اسلام نے اپنے احکام میں بھی حکمت رکھی ہے کہ وہ اُنہی پر فرض کئے ہیں جو اُن کی استطاعت رکھتے ہوں۔

پس ویدک تعلیم عالمگیر الہامی نہ رہی۔

۱۰۔ نیک نیت اور مذہبی آریہ کو سندھیا اوپاسنا کرنا اور پانچ مہایگیوں کا ادا کرنا ایسا ضروری ہے۔ جیسا سانس پر سانس لینا ضروری ہے۔ (ستیارتھ باب۳ دفعہ ۲۰ ص۸۵) پس جو آریہ سانس پر سانس لیتا مگر سندھیا وغیرہ بطریق مذکورہ بالا نہیں کرتا اور چار سو سال کا نہیں ہوتا کیا وہ نیک آریہ ہے؟ یا وہ شودر ہے۔ (بقول ستیارتھ ب۳ دفعہ ۳۰) پانچ مہایگیوں (فرائض) میں سے دوسرا فرض ویدوں کو انگوں سمیت باقاعدہ پڑھنا اور سندھیا اوپاسنا کرنا فرض ہے۔ چھ انگ یہ ہیں (۱) سنکشا (علم قرأت) (۲) کلپ (سنسکاروں یعنی رسوم کے متعلق ہدایات اور ہر سنسکار کے متعلق ویدوں سے منتروں کا انتخاب) (۳) چھند (علم عروض (۴) دیاکرن (علم صرف ونحو) (۵) نرکت (علم لغت (۶) جوتش (علم ہندسہ وہیئت) جس میں ریاضی کی تمام شاخیں یعنی حساب۔ مساحت وغیرہ علم طبقات الارض وجیالوجی) اور جغرافیہ اور باقی تین فرائض اور ہیں جو ہم بخوف طوالت نہیں لکھ سکتے۔ جبکہ یہ لوگ عملاً آریہ ہی نہیں تو پھر ناحق تضیع اوقات ہے۔

۱۱۔ جو بطریق مذکورہ بالا سندھیا وغیرہ نہیں کرتا اور چھ سال کے اندر وید ختم نہیں کرتا۔ اُس کو گھر سے نکال کر شودروں کے گھروں میں بھیج دینا چاہیئے۔ (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۴۷ ص۹۷)

۱۲۔ بعدازاں بوڑھے والدین اپنی خدمت کے لیے غیروں کے لڑکے گھر رکھ لیں اور انہیں بیٹے تصور کریں۔ (ستیارتھ ب۴ دفعہ ۱۱۰ ص۱۸۹)

غیروں کے جوان لڑکے اس بوڑھے کے گھر میں رہ کر کیا کچھ نہ کرینگے۔ ناظرین خود سمجھ لیں۔

۱۳۔ ساز بجانا۔ ناچنا۔ گیت گانا۔ سُر لگانا وغیرہ آریوں کو ضرور سیکھنا چاہیئے (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۱۰۲ ص۲۷) مگر اسی ستیارتھ ایڈیشن چہارم میں سوامی جی ب۳ دفعہ ۴۸ ص۹۸ پر ساز بجانے ناچنے وغیرہ کو شہوانی عادات قرار دیتے ہیں۔

۱۴۔ برہمنوں کے گواہ برہمن اور شودروں کے گواہ شودر اور عورتوں کی گواہ عورتیں ہی ہوا کریں۔ (ستیارتھ ب۶ دفعہ ۶۳ صفحہ ۲۶۳)

اگر کوئی برہمن یا ویش شودروں کے محلہ میں جا کر کسی کنیا کو ناپاک کر نکلے یا کوئی عورت شودر برہمنوں کے محلہ میں کسی کا گلا گھونٹ جاتے تو کیا اس کو رہائی دیدیں۔ کیونکہ کوئی عورت یا اُس کی ذات کا گواہ میسر نہیں آسکتا؟ خدا اِس قانون والوں کو طاقت نہ دے۔

۱۵۔ جو کوئی وید کو بُرا سمجھے اور اس کی مذمت کرے یا کم ازکم وید کے موافق بنائی ہوئی عابد لوگوں کی تصانیف کی (یعنی ستیارتھ وغیرہ کی) تحقیر کرے اس منکر کو جلاوطن کر کے ملک اور گھربار سے خارج کر دینا چاہیئے۔ (ستیارتھ ب۳ دفعہ ۵۲ ص۱۰۰)

۱۶۔ جو دھرم پر قائم نہیں رہتا۔ خواہ اُستاد ہو یا مائی باپ اس کو راجہ بغیر سزا ہرگز نہ چھوڑے یعنی قید وقتل وغیرہ۔ (ستیارتھ ب۶ دفعہ ۲۷ ص۲۶۸)

آریہ عورتوں کو ویدک نصائح اور فرائض

۱۔ اے دیور نیوگی (دوسرے خاوند) کی خدمت کرنے والی عورت اور اے بیاہے ہوتے خاوند کی فرمانبردار بیوی (یعنی دو خاوند والی عورت۔ مؤلف) تو نیک اوصاف والی ہو۔ تو گھر کے کاروبار میں عمدہ اصول پر عمل کر اور اپنے پالے ہوئے جانوروں کی حفاظت کر۔ اور عمدہ کمال و خوبی اور علم و تربیت حاصل کر طاقتور اولاد پیدا کر اور ہمیشہ اولاد کی پرورش میں متحد رہ۔ اے نیوگ کے ذریعہ سے دوسرے خاوند کی خواہش کرنے والی۔ تو ہمیشہ سکھ دینے والی ہو کر گھر میں ہون وغیرہ کی آگ کا استعمال اور تمام خانہ داری کے کاروبار کو دل لگا کر بڑی احتیاط سے کر۔" (ستیارتھ پ ۴ دفعہ ۱۴۴ ص ۱۹۵)

تعدد ازدواج پر اعتراض کرنے والے دو خاوندوں والی بیوی پر غور کریں حالانکہ مرد دس کو نطفہ دے سکتا ہے مگر عورت دو کا نطفہ نہیں لے سکتی خلاف قدرت و فطرت تعلیم یہ نئی دلہن کو پہلی رات کو منانے کی ہدایت کی گئی ہے۔ کسقدر شرمناک تعلیم ہے۔

۲۔ استقرار حمل کی کارروائی کا وقت ایک پہر رات گزرنے کے بعد ایک پہر رہنے تک ہے جب منی کے رحم میں گرنے کا وقت آئے تب دونوں بے حرکت نہایت خوش دل۔ منہ کے ساتھ منہ۔ ناک کے سامنے ناک وغیرہ تمام جسم سیدھا رکھیں۔ مرد منی ڈالنے کا کام کرے۔ جب منی عورت کے جسم میں داخل ہو۔ اس وقت وہ اپنی مقعد اور جائے مخصوص کو اوپر کھینچے اور منی کو کھینچ کر عورت رحم میں قائم کرے۔

(سنسکار ودھی مصنفہ دیانند ص ۴۲ و ستیارتھ پرکاش ب ۴ دفعہ ۴۳ صفحہ ۱۶۰)

کروڑوں مخلوقات اس آسن سے بے خبر ہے۔ مگر اولاد خدا کے فضل سے اس آسن پر عمل کرنیوالوں سے کہیں زیادہ مضبوط پیدا ہوتی رہتی ہے۔

۳۔ جیون چرتر مصنفہ لیکھرام و آتما رام ص ۳۵۵ میں لکھا ہے کہ "دوسرے دن سوامی دیانند جی نے مورتی پوجا کے کھنڈن (تردید بت پرستی) پر لیکچر دیا۔ اور مندروں میں عورتوں کے جانے اور وہاں کی دُردشا (بُری حالت) کا بیان فرمایا اور فرمایا کہ سال میں ایک ہی بار اپنے پتی (خاوند) کے پاس جاوے یعنی و بچار (زنا کر) کسی شخص نے مکان کی چھت سے دریافت کیا کہ جس عورت کا پتی طوائف (کنجری) کے پاس جاوے اس کی عورت کیا کرے؟ انہوں نے کہا۔ اس کی عورت بھی ایک مضبوط آدمی رکھ لے۔" یہ تعلیم کسقدر ناقابل عمل اخلاق سوز اور بے حیائی پیدا کرنے والی ہے۔

۴۔ "اے بیوہ عورت! اپنے اس مرے ہوتے اصلی خاوند کو چھوڑ کر زندہ دیور یعنی دوسرے خاوند کو قبول کر۔ اس کے ساتھ رہ کر اولاد پیدا کر۔ وہ اولاد جو اس طرح پیدا ہوگی تیرے اصلی خاوند کی ہوگی۔" (ستیارتھ ب ۴ دفعہ ۱۴۳ ص ۱۹۵) کیونکہ دوسرے خاوند سے نکاح تو نہ ہوگا۔ بغیر نکاح کے ہی اولاد پیدا شدہ مردہ خاوند کی ہوگی۔ جائز ناجائز کا سوال نہیں صرف اولاد کے حصول کی غرض مدنظر ہے۔

۵۔ "پُرش کا لِنگ اِستری کی یونی میں گھسنے پر خصوصیت سے نطفہ چھوڑتا ہے مگر پیشاب اس سے علیحدہ چھوڑتا ہے۔ وہ نطفہ جھلی سے ڈھکا حمل کی شکل ہو کر پیدا ہوتا ہے اور پیدا ہونے پر اس ڈھکن کو چھوڑ دیتا ہے اور بیرونی ہوا جو جھلی کو چھوڑتا ہے وہی قسم قسم کی زندگی کے اسباب کی موجودگی یعنی روح کے متعلق ذہن اور اس رس کی برابر ناش رہت پر تیکش وغیرہ گیان کے اسباب آنکھ وغیرہ اعضاؤں سے ملتا ہے۔ یعنی ان کو ترقی دیتا ہے۔ مطلب مرد کا آلۂ تناسل عورت کے اندام نہانی سے ملنے پر نطفہ کو پیشاب سے علیحدہ چھوڑتا ہے"۔
(یجروید ادھیائے ۱۹ منتر ۷۶ صفحہ ۳۸۸)

۶۔ "عورت مرد حمل رکھنے کے وقت بالمقابل اور پریم میں چُور ہوں۔ منہ کے مقابل منہ۔ آنکھ کے سامنے آنکھ دھیان کے سامنے دھیان۔ جسم کے سامنے جسم کا انتظار کر۔ حمل قائم کریں۔ جس سے بدشکل یا ٹیڑھے عضووں والی اولاد پیدا نہ ہو"۔ (کو کا پنڈت کے بھی کان کتر رہے ہیں اور تناسخ کو باطل ٹھہرا رہے ہیں)۔
(یجروید ادھیائے ۱۹ منتر ۸۸ ص ۳۹۳)

۷۔ "اے مَنُشْیُو! جیسے بیل گایوں کو گابھن کر کے نسل بڑھاتا ہے ویسے ہی گرہستی لوگ استریوں کو حمل رکھا کر پرجا بڑھاویں"۔
(یجروید بھاشیہ حصہ سوم ادھیائے ۲۸ منتر ۳۲ ص ۹)

کیا لطیف مشابہت ہے اور طرز بیان کا کمال۔ بیل گائے ماں بہن کا امتیاز نہیں رکھتے۔ صرف نسل بڑھانا مقصود ہوتا ہے۔

۸۔ نیوگ شہوت مٹانے کا آلہ ہے۔ ملاحظہ ہوں حوالجات ذیل :۔

مرد عورت کے رنڈوے یا بیوہ ہونے سے قطع نسل سے بچنے کا علاج پنڈت دیانند جی مہاراج یوں فرماتے ہیں کہ :۔

"اگر خاندان کے سلسلے کو جاری رکھنے کے لئے کسی اچھی ذات کا لڑکا گود لے لیں گے اُس سے خاندان چلے گا اور زناکاری بھی نہ ہوگی۔ اور اگر برہمچریہ نہ رکھ سکیں تو نیوگ کر کے اولاد پیدا کریں"۔
(ستیارتھ ۴ دفعہ ۱۰ صفحہ ۱۸۹)

۹۔ زنا اور نیوگ کا طریق اور قواعد یکساں ہیں۔ ملاحظہ ہوں ذیل کے حوالے۔

"بیاہ کرنے میں لڑکی اپنے باپ کا گھر چھوڑ خاوند کے گھر جاتی ہے۔ اور اس کا باپ سے زیادہ تعلق نہیں رہتا۔ مگر نیوگ کی صورت میں عورت اُسی بیاہے خاوند کے گھر میں رہتی ہے"۔ (ستیارتھ ۴ دفعہ ۱۱۱ ص ۱۸۹)

یہی زنا میں ہوتا ہے۔ اور سنو :۔

۱۰۔ "اس بیاہی عورت کے لڑکے اسی بیاہے خاوند کے وارث ہوتے ہیں۔ مگر نیگتا عورت (جس نے نیوگ کیا ہو) کے لڑکے ویرج داتا کے نہ بیٹے کہلاتے ہیں (درانحالیکہ عورت سے نیوگ اپنی اولاد کے لیے کیا ہو) نہ اس کا گوتر ہوتا ہے اور نہ اس کا اختیار ان لڑکوں پر ہوتا ہے بلکہ وہ متوفی خاوند کے بیٹے کہلاتے ہیں۔ اسی کا گوتر ذات ہوتا ہے اور اُسی کی جائداد کے وارث ہو کر اسی گھر میں رہتے ہیں"۔
(ستیارتھ ۴ دفعہ ۱۱۹ ص ۱۸۹)

زنا میں بھی یہی ہوتا ہے۔ اگر کسی کی بیوی سے کسی کا ناجائز تعلق ہو تو اس عورت کی اولاد اپنے خاوند کی

اولاد سمجھی جاتی ہے اور اسی کی وارث ہوتی ہے۔ حالانکہ قانوناً اور اخلاقاً جس کا نطفہ ہو۔ اسی کی گوتر اور وارث ہوتا ہے۔ مگر مخفی یارانہ کی وجہ سے چونکہ ظاہر نہیں ہوتا اس لئے ایسا واقع ہوتا ہے۔ ورنہ دنیا کے کسی خطہ کا قانون ابھی تک اس قسم کے کرایہ کے نطفہ کو جائز قرار نہیں دیتا۔ بلکہ اس کو ناجائز اور حرام کی ولادت قرار دیتا ہے۔ اِس تعلیم کی رو سے تمام آریوں کی ولادت مشکوک ہو جاتی ہے ابھی اور سنو:۔

۱۱۔ "بیاہی عورت مرد کو باہم خدمت اور پرورش کرنی لازم ہے، مگر نیوگ شدہ عورت کا اس قسم کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔"

(ستیارتھ ب۴ دفعہ ۱۱۱ جواب ۳ ص۱۱۹)

۱۲۔ بیاہی عورت مرد کا تعلق دونوں کی موت تک رہتا ہے۔ مگر نیوگ شدہ عورت مرد کا تعلق کاریہ کے بعد چھوٹ جاتا ہے۔"

(ستیارتھ پرکاش باب ۴ دفعہ ۱۱۱ جواب ۴ ص۱۸۹)

ان دونوں حوالوں نے تو معاملہ بالکل صاف کر دیا۔ زنا میں بھی یہی ہوتا ہے۔

۱۳۔ بیاہی عورت مرد باہم گھر کے کاموں کو سرانجام دیتے ہیں۔ کوشش کرتے اور نیوگ شدہ عورت مرد اپنے اپنے گھر کے کام کرتے ہیں۔

(ستیارتھ باب ۴ دفعہ ۱۱۱ جواب ۵ ص۱۹۸)

زناکاری میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کام کیا اور الگ ہوتے اور نیوگ میں بھی یہی صورت ہے جس طرح زانی زانیہ کے پاس حق محبت ادا کر کے اپنی حاجت روائی کرتے اور پھر الگ ہو جاتے ہیں اور پھر اس کو کوئی حق نہیں رہتا کہ اس کو چھو بھی جائے۔ اسی طرح نیوگ میں بھی ہدایت کی گئی ہے۔ ہاں اگر کسی کا دل پھنس جائے تو پھر کوئی ہدایت نامہ کارگر نہیں ہوتا۔ کیونکہ دل بے اختیار ہے۔ پس ایسی بے تعلقی میں مجامعت کا نام بیاہ ہے تو ایسے بیاہ تو روزانہ چار چار آنہ میں ہو رہے ہیں۔ کوئی نئی اور اعلیٰ بات تو اس میں نہیں۔ بلکہ ان چار چار آنہ والیوں کی تو گورنمنٹ بھی بوقت ضرورت دادرسی کرتی ہے اور حق تلفی ہونے پر اُن کی فریاد کو سنتی ہے مگر نیوگ کے متعلق تو گورنمنٹ نے بھی خلاف فیصلہ دے کر زنا کاری قرار دیا ہے۔

(ملاحظہ ہو فیصلہ اسسٹنٹ کمشنر پشاور۔ سناتن دھرم گزٹ اپریل ۱۹۰۴ء)

۱۴۔ نیوگ بیوہ ہی کے لیے نہیں۔ بلکہ خاوند یا عورت کی موجودگی میں بھی ہو سکتا ہے۔ سنیئے فرمایا ہے:۔

"نیوگ جیتے جی بھی ہوتا ہے۔ جب خاوند اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تب اپنی عورت کو اجازت دے کہ اے نیک بخت اولاد کی خواہش کرنے والی عورت تو مجھ سے علاوہ دوسرے خاوند کی خواہش کر۔ کیونکہ اب مجھ سے تو اولاد نہ ہوسکیگی۔ تب عورت دوسرے کے ساتھ نیوگ کر کے اولاد پیدا کرلے۔"

"لیکن اب بیاہے عالی حوصلہ خاوند کی خدمت میں کربستہ رہے۔ ویسے ہی عورت بھی جب بیماری وغیرہ میں پھنس کر اولاد پیدا کرنے کے ناقابل ہو۔ تب اپنے خاوند کو اجازت دے کہ اے مالک! آپ اولاد کی اُمید مجھ سے چھوڑ کر کسی دوسری بیوہ عورت سے نیوگ کرکے اولاد پیدا کیجیئے۔"

(ستیارتھ ب۴ دفعہ ۱۳۸ صفحہ ۱۹۸)

اِس حوالہ میں الفاظ نیک بخت اور عالی حوصلہ قابلِ غور ہیں۔ اس سے بڑھ کر اور نیک بختی کیا ہوگی کہ خود ہی اپنی بیوی کو زنا کی تحریک کر کے اپنے لئے راستہ کھول رہا ہے۔ پھر اس سے بڑھ کر عالی حوصلگی

کیا ہوگی کہ اپنی غیرت وعزت کو خیر باد کہہ کر اپنے ننگ و ناموس اور اپنی محبوبہ کو دوسرے اگنی مُشٹنڈے کے سُپرد کر رہا ہے۔ یہ بے نظیر عالی حوصلگی قابل آفرین ہے۔ خاوند کی موجودگی میں دوسرے کی بغل میں جاکر سونا اور خالص کاریہ کرانا مذکورہ بالا زنا کے قواعد کے ماتحت آتا نہیں تو اور کیا ہے؟ ادم شیم! عورت کا نیوگی تلاش کرنا بھی نرالا قانون ہے۔

۱۵۔ بغیر اولاد کی ضرورت اور خواہش کے صرف شہوت رانی کے لئے نیوگ جب ثابت ہو۔ اور ہو بھی خاوند کی موجودگی اور اس کے نکاح میں ہونے کی حالت میں۔ تو سوائے زنا کے اور کیا نام رکھا جا سکتا ہے۔ سُنیئے:۔

"اگر بیاہا خاوند دھرم کی غرض سے غیر مُلک میں گیا ہو تو عورت آٹھ برس۔ اور اگر علم اور نیک نامی کے لئے تو چھ برس اور دولت وغیرہ کے لئے تو تین برس تک انتظار کر کے پھر نیوگ کر کے اولاد حاصل کرے۔ جب شادی شدہ خاوند آوے تب نیوگ شدہ خاوند سے قطع تعلق ہو جاوے۔"

(ستیارتھ باب ۴ دفعہ ۱۴۰ صفحہ ۱۹۸)

اِس حوالہ نے تو پردہ ہی اُٹھا دیا۔ مزید تشریح کا محتاج نہیں۔ صرف اِس قدر جتا دینا ضروری ہے کہ حوالہ ۱۲ میں سوامی جی نے فرمایا تھا کہ کاریہ یعنی مجامعت کرنے کے بعد تعلق نہیں رہتا۔ مگر اس میں بتایا گیا ہے کہ جب تک خاوند باہر سے واپس نہ آوے تب تک نیوگی اور نیوگن تعلق قائم رکھیں۔ اس کے واپس آنے پر قطع تعلق کریں۔ عجیب فراخدلی اور عالی حوصلگی ہے۔

۱۶۔ سب سے زبردست پرمان یعنی حکم سوامی جی کا جو پُکار پُکار کر کہہ رہا ہے کہ نیوگ ناجائز طور پر شہوت رانی کا زبردست آلہ ہے۔ لیجئے سُنیئے اور سُنایئے۔ فرماتے ہیں:۔

سوال: "جب ایک بیاہ ہوگا۔ ایک مرد کے لئے ایک عورت اور ایک عورت کے لئے ایک مرد رہیگا اس عرصہ میں عورت حاملہ۔ دائم المریض یا مرد دائم المریض ہو جاتے اور دونوں کا عالم شباب ہو اور رہا نہ جاتے تو پھر کیا کریں؟

جواب:۔ "اگر حاملہ عورت سے ایک سال صحبت نہ کرنے کے عرصہ میں مرد یا دائم المریض مرد کی عورت سے رہا نہ جاتے تو کسی سے نیوگ کر کے اس کے لئے اولاد پیدا کرے۔ لیکن رنڈی بازی یا زنا کاری نہ کریں۔"

(ستیارتھ پرکاش باب ۴ دفعہ ۱۴۶ صفحہ ۲۰۰)

"رہا نہ جاتے" کا جملہ قابل غور ہے۔ سوامی جی کا بطور ٹیپ کے مصرعہ کے ہر حکم نیوگ کے آخر میں یہ لکھ دینا کہ "نیوگ کر کے اولاد پیدا کرے" صرف نیوگ کی قباحت اور گندگی کا چھپانا ہے۔ ورنہ اِسی حوالہ میں ہی دیکھ لیں کہ جب اس کی عورت حاملہ ہے تو ضرور ہے کہ اس کے لئے کوئی نونہال جنے گی۔ پھر اولاد پیدا کرنے کی کیا ضرورت لاحق ہوئی۔ وہی "رہا نہ جاتے" والا مسئلہ ہی حل کرنا مقصود ہے اور یہی زنا اور شہوت رانی ہے۔ جو ثابت ہے۔ اب کہاں ہیں وہ جو اسلام کے پاک مسئلہ تعدد ازدواج پر اعتراض کرتے ہیں۔ تعدد ازدواج میں قدرتاً اور فطرتاً ایک آدمی کئی عورتوں سے کئی لڑکے پیدا کر سکتا ہے۔ مگر ایک

عورت کئی مردوں سے سوائے شہوت مٹانے کے اور کچھ حاصل نہیں کر سکتی۔ اگر مختلف اوقات میں نیوگ کے بہانہ دس مَردوں کے پاس گئی اور بد قسمتی سے کسی کا نطفہ ٹھہر گیا تو وہ مشترکہ اور معجون مرکب بچہ ہوگا۔ جس کا والی وارث وہی ہو سکتا ہے جو اسی طرح پیدا ہُوا ہو!

ویدک تہذیب کے نمونے

بعض دفعہ بعض بدزبان آریہ سماجی مسلم مناظرین کے سامنے بے سروپا روایات اور تفاسیر کے حوالے پڑھ دیتے ہیں۔ مگر جب ان کو کہا جاتا ہے کہ یہ تحریرات جماعت احمدیہ کے مسلمات میں سے نہیں ہیں۔ لہٰذا حجت نہیں تو آریہ سماجی جواب دیتے ہیں کہ یہ ترجمہ اور تفسیر ہماری طرف سے تو نہیں ہے خود تمہارے ہی "مسلمان بھائیوں" کی تحریر کردہ ہے۔ اس کے جواب میں ویدکی مندرجہ ذیل تفسیر پڑھی جا سکتی ہے جو پنڈت میدھر فاضل وید نے آج سے سینکڑوں سال قبل کی ہے جس طرح آریہ اس تفسیر کو تسلیم نہیں کرتے اسی طرح احمدیوں کے مقابلہ میں غلط اور بے بنیاد روایات اور تفاسیر بھی حجت نہیں ہو سکتیں۔ خادم

۱۔ "میشی (زن یجمان) رُو برُوئے جلہ متمان گیہ نزد اسپ افتادہ مے گوید۔ اے اسپ! من در رحم خود نطفہ تو کہ زو حمل قرار مے یابد میگیرم تو ہم آں نطفہ را در رحم من بینداز۔"

(یجروید ادھیائے ۲۳ منتر ۱۹ بحوالہ رگ وید آدی بھاش بھومکا مصنفہ پنڈت دیانند سرسوتی مترجم اُردو نہال سنگھ کرنالوی صفحہ ۱۸۰ بھومکا اصل ہندی صفحہ ۳۴۵)

۲۔ "کار پردازان گیہ زنان و دوشیزگان بہ انگشت ہائے خود شکل اندام نہانی ساختہ بطریق تمسخر میگویند کہ بوقت زود گامئے زنان آواز ھلہلا مے خیزد۔ وقتیکہ عضو مرد مثل کنجشک در اندام زن مے رود۔ زن آں نرا در جسم خود مے خورد و انزال میکند و در آں وقت آواز گلگلا مے خیزد و دوشیزگان بہ انگشت ھائے خود صورت عضو مرد نمایند و میگویند کہ روزنِ حشفہ باروتے تو مشابہت دارد۔"

(یجروید ادھیائے ۲۳ منتر ۲۲۔ رگ وید آدی بھاش بھومکا مترجم اردو ص۱۸۹ و ہندی ص۳۵۱)

۳۔ "اندام زن را دست کشیدہ فراخ بکند تاکہ آں کشادہ شود۔"

(یجروید ادھیائے ۲۳ منتر ۳۶ بھومکا اُردو ص۱۹۰)

قدامت روح و مادہ

آریوں کے دلائل کی تردید

دلیل اوّل:۔ خدا قدیم سے ہے اور اس کی صفات بھی قدیم سے ہیں اور منجملہ اس کی صفات کے مالک کی صفت بھی ہے اور مالک بغیر مملوک کے نہیں پایا جاتا۔ پس ساتھ اس کا کوئی مملوک قدیم سے ہونا ضروری ہے اور وہ رُوح و مادہ ہے۔

جواب:۔ ہم بھی مانتے ہیں کہ وہ قدیم سے مالک اور خالق ہے مگر مملوک کو رُوح و مادہ میں

مقید کرنا کونسی عقلمندی ہے۔ ہم بھی قدامتِ نوعی کے قائل ہیں۔ نہ قدامتِ شخصی کے یعنی مخلوق کی انواع میں سے کوئی نہ کوئی قدیم سے چلی آتی ہے اور خدا تعالیٰ کی تمام صفات کا تعطل ایک وقت میں ہم نہیں مانتے۔ یہ دلیل آریوں کی بعینہٖ عیسائیوں کی اس دلیل جیسی ہے جو وہ تثلیث کے ثبوت میں پیش کیا کرتے ہیں کہ وجود معلولات متعددہ علل متعددہ کو چاہتا ہے۔ پس علل کی کثرت ماننی پڑتی ہے پس تثلیث ثابت (زیادہ علل کیوں نہیں ؟ صرف تین کیوں ؟) اسی طرح آریہ لوگ بھی خدا کی صفت "مالک" ثابت کرنے کے لیے رُوح و مادہ کو پیش کرتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں رُوح و مادہ کے بغیر اور بھی اشیاء ہوسکتی ہیں۔

دلیل دوم :- ہمارا مشاہدہ بتاتا ہے کہ ہر چیز کی کوئی نہ کوئی علت مادی ضرور ہوتی ہے۔ پس روح و مادہ کی علت کیا ہے ؟

جواب نمبر ا :- ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر چیز کی صنع کے لئے آلات ضروری ہیں مگر تم خود پرمیشور کو آلات کے بغیر کام کرنے والا مانتے ہو (دیکھو رگ وید آدی بھومکا صفحہ ۹۰۶)

جواب نمبر ۲ :- علت مادی مرکبات کی ہوتی ہے۔ کیونکہ مرکب وہ ہے جو دُو سے بنے پس وہ دونوں اس کی علت ہونگے۔ مگر مفرد تو کسی سے بنا نہیں۔ اس لیے مرکبات کے قاعدہ کو اس پر چسپاں کرنا بالکل فضول ہے۔

دلیل سوم :- نیست سے ہست اس لئے نہیں ہوسکتا کہ نیستی کے معنے ہیں۔ کچھ بھی نہیں اور جو نہ ہو اس سے ہو جائے یہ محض ہنسی ہے۔

جواب نمبر ا :- ہمارا یہ کہنا کہ صندوق لکڑی سے بنا ہے اور یہ کہنا کہ مادہ خدا کی قدرت سے بنا ہے۔ دونوں میں فرق یہی ہے کہ پہلے میں علتِ مادی مراد ہے اور دوسرے میں علتِ فاعلی۔
(رگ وید بھاش بھومکا صفحہ ۸۰)

خدا کے لئے سب ہست ہے۔ نیست اور ہست تو ہم انسان اپنی نسبت سے بولتے ہیں۔ اُس کی علتِ فاعلی سب کچھ کر دکھاتی ہے۔

اس دلیل کے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب

قرآنِ مجید کی آیت کُنْ فَیَکُوْنَ (سورۃ البقرۃ : ۱۱۸) پر اعتراض کہ کُنْ کس کو کہا ؟

جواب نمبر ا :- زید کا نقشہ پرمیشور کو معلوم تھا یا نہ ؟ اگر معلوم تھا تو کس کا نقشہ معلوم تھا ؟ نیز یہ محاورہ ہے۔

جواب نمبر ۲ :- انسان جب اپنے ذہن میں کوئی نقشہ کھینچتا ہے۔ مثلاً کسی مکان بنانے کا نقشہ۔ تو بنانے کے وقت اسباب و آلات کی تلاش و پڑتال میں لگ جاتا ہے اور اُسے خارجی وجود میں لاتا ہے۔ مگر خدا چونکہ خود آلہ ہے۔ اس لئے وہ ایسا نہیں کرتا بلکہ وہ صرف امر کُنْ سے بنا دیتا ہے۔

دلیل چہارم :- ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہر خلق مادہ سے ہوتی ہے۔

جواب :- موجودہ قانون یا مشاہدہ دلیل نہیں کیونکہ :-

د۔ جس طرح اب ہر چیز مادہ سے بنتی ہے اور پہلے لازماً عدم سے وجود میں آتی تھی۔ اسی طرح اب انسان مرد اور عورت سے پیدا ہوتے ہیں۔ مگر پہلے بلاباپ و ماں۔ کیونکہ ابتدا ماننی لازم ہے۔
(ستیارتھ باب ۸ دفعہ ۴۲ صفحہ ۳۳۶)

دیکھو خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا (سورة الفرقان : ۳) یعنی ہر شے عدم سے وجود میں آتی ہے مگر بعد میں ایک اندازہ سے آتی ہے)۔

ب۔ الہام اب نہیں ہوتا۔ ہاں ابتداء میں ہوا بقول تمہارے۔ اسی طرح خلق کو قیاس کرلو۔

ج۔ ہمارے مشاہدہ میں پرے نہیں۔

د۔ ہمارے مشاہدہ میں مادہ اصل حالت میں نہیں۔ (ص۱ و دیباچہ ستیارتھ پرکاش) آریہ لوگ ابتداء میں مخلوق کا پیدا ہونا اسی طرح مانتے ہیں کہ کھیتوں کی طرح اُگ پڑے تھے۔ پس اگر یہ ایسا ہی ہوا تھا تو اس کی نظیر دو۔ ورنہ شرماؤ۔

عقلی دلائل حدوثِ رُوح و مادہ پر

دلیل اوّل :۔ وہ قادرِ مطلق ہے۔ سرب شکتیمان ہے۔ پس چونکہ وہ قادرِ مطلق ہے۔ اس لئے ہر کام وہ کرسکتا ہے۔ إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ (البقرة : ۱۴۹)

(اعتراض:۔ خدا اپنے جیسا خدا نہیں بنا سکتا۔ نہ وہ مر سکتا ہے؟

جواب نمبر۱:۔ تمام صفات مساوی ہیں۔ اپنی مثل بنانا قدرت نہیں بلکہ کمزوری ہے کیونکہ دوسری صفات کٹتی ہیں۔ چونکہ اس کی صفات میں سے حیّ ہونا اور واحد ہونا ہے۔ اگر وہ مثل بنائے تو واحد نہیں رہتا۔ اپنے آپ کو مار دے تو حیّ نہیں رہتا۔ مگر مادہ اور رُوح میں کونسی صفت کٹتی ہے؟

جواب نمبر۲:۔ کوئی معیار پیش کرو۔ ورنہ قادرِ مطلق نہ مانو۔ ہاں انسان سے زیادہ قادر مانو۔ اسی طرح انسان بمقابلہ حیوان کے اور ایک ڈاکٹر بمقابلہ کمپونڈر کے قادرِ مطلق ہے۔

دلیل نمبر۲:۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے: اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ (الرعد: ۱۷)

۱۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ کیونکہ اگر وہ بعض چیزوں کا خالق نہ ہو۔ تو واحد نہ ہوگا۔ یعنی واحد فی الصفات۔

۲۔ اگر وہ ہر چیز کا خالق نہیں تو وہ اُن اشیاء پر غلبہ جائز طور پر پانے کا مستحق نہیں۔ اسی کی تائید کرتی ہے یہ آیت وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً (الانعام : ۶۲)

اعتراض:۔ انسان بھی اکثر اشیاء کا مالک ہے اور اُسے غلبہ حاصل ہے۔ بدوں خَلق کے۔

جواب نمبر۱:۔ خدا کی اجازت سے۔ جواب نمبر۲:۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ (الشوریٰ : ۱۲)
پس اُس کی مِلک اور انسان کی مِلک میں فرق ہونا چاہیئے۔

اعتراض:۔ ہم بھی موجود ہیں۔ خدا بھی موجود ہے۔ ہم بھی ابدی ہیں۔ خدا بھی ابدی ہے تو توحید فی الصفات کیسے ہوئی۔ بلکہ اشتراک ثابت ہوا۔

جواب :- ہم اُس کے قائم رکھنے سے موجود ہوتے۔ وہ خود قدیم ہے مگر رُوح و مادہ کا وجود حادث ہے۔ دلیل یہ ہے کہ خدا چاہے تو قائم نہ رکھے یا ابدی نہ بناتے۔ مگر رُوح کو نہیں مٹاتے گا۔

(دیکھو سورۃ ہود رکوع ۹ آیت ۱۰۳ تا ۱۰۹)

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ۔ (البقرۃ: ۲۵۶) حيّ پر اعتراض تھا مگر قیُّوم نے دُور کر دیا۔

دلیل نمبر۳ :- خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۔ (سورۃ الفرقان: ۳) یعنی ہر چیز سوائے باری تعالیٰ کے مخلوق ہے۔ کیونکہ محدود ہے اور محدود کا محدِّد چاہیئے اور رُوح اور مادہ بھی محدود ہیں۔

(دیکھو ستیارتھ پرکاش دفعہ ا ص۳۱۵)

دلیل نمبر۴ :- اگر رُوح پیدا نہیں ہوسکتی۔ تو لازماً خدا نجات یافتہ لوگوں کو دُنیا میں بھیجے گا اور یہ ظُلم ہے۔ دیانندجی کو دقت پیش آئی تو وہ مکتی کو قید سے تعبیر کرنے لگے۔

دلیل نمبر۵ :- روح و مادہ کو اور ان کے خواص کو قدیم ماننے سے ذاتِ باری پر دلیل قائم نہیں رہتی کیونکہ جب بڑا کام خود ہوا تو چھوٹا کام کیوں نہ خود ہوا؟

دلیل نمبر۶ :- صفات کی فنا ذات کی فنا ہے۔ اس لئے آریوں کے نزدیک جس طرح رُوح کی ذات مخلوق نہیں۔ اسی طرح صفات بھی مخلوق نہیں۔

پس اگر ثابت ہو کہ صفات میں تغیّر ہے تو ذات میں بھی تغیّر ماننا پڑے گا اور ہر متغیّر قائم بالذات ہے صفات کا تغیّر۔ دیکھو نیک سے بد۔ اور بد سے نیک۔ جاہل سے عالم اور عالم سے جاہل۔

دلیل نمبر۷ :- خدا ظرف ہے۔ رُوح مظروف ہے، ظرف پہلے ہونا چاہیئے۔

دلیل نمبر۸ :- رُوح و مادہ محتاج الغیر ہیں یا نہیں؟ اگر محتاج ہیں تو قدیم نہ ہوتے۔ اگر محتاج نہیں تو پھر ماتحت نہیں ہوسکتے۔

دلیل نمبر۹ :- تین چیزیں ازلی ہیں۔ (ستیارتھ ص۲۴۰) پھر پانچ ازلی (ستیارتھ ص۲۴۵) دلیل کر اکاش ازلی ہے (ص۲۴۰ و ص۲۵۳ ستیارتھ) اکاش مخلوق ہے (بھومکا ص۲۶) پھر زمانہ فانی ہے (ص۱۲ ستیارتھ) اور اکاش فانی ہے (ص۲۵۳ ستیارتھ) سب سے پہلے خدا کا ہونا ضروری ہے۔ (ستیارتھ ص۵۱۵)

زمانہ جس طرح دوبارہ پیدا ہوتا ہے بغیر علّتِ مادی کے۔ اسی طرح مادہ بھی بغیر علّتِ مادی کے پیدا ہوسکتا ہے۔ (دیکھو حوالجات رگ وید بھومکا صفحہ ۵۳، ۷۳، ۷۰، ۷۸)۔

دلیل نمبر۱۰ :- اگر وہ خلق نہیں کرسکتا تو وہ عالم نہیں۔ اگر وہ عالم ہے تو خالق بھی ہے۔ وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيْمٌ۔ (یٰس: ۸۰)۔

پس جبکہ کامل علم خالق ہونے کا مقتضی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کا خالق نہ ہونا اُس کے نقص علم پر دلیل ہے۔

دلیل نمبر۱۱ :- ستیارتھ ص۲۶۵ جیو اور پرکرتی کے صفات اور فعل اور عادات ازلی ہیں۔

۲۔ خدا تو مرکب کو بھی بدل نہیں سکتا۔ (ستیارتھ ص۲۸۱)

۳- جو قدرتی اصول ہیں۔ مثلاً آگ گرم۔ پانی ٹھنڈا وغیرہ اس کی طبعی صفات کو پرمیشور بھی نہیں بدل سکتا۔(ستیارتھ ص۲۸۱)

جہاں جیو اور پرکرتی کے صفات دیئے گئے ہیں وہاں مادہ سے تعلق پیدا کرنے کا حق نہیں۔ یا طریق تعلق پیدا کرنے کا بتاؤ۔

دلیل نمبر ۱۲:۔ ستیارتھ۔ جس مادہ سے رُوح بنائی جاوے وہ آخر ختم ہو جائیگا۔

دلیل نمبر ۱۳:۔ اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ اَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ ۔ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بَلْ لَّا يُوْقِنُوْنَ۔(سورۃ الطّور: ۳۶، ۳۷) یعنی منکرین حدوثِ روح و مادہ کہتے ہیں کہ روحیں پیدا نہیں ہوئیں (۱) کیا وہ بغیر علل کے خود بخود ہیں؟ اور ظاہر ہے کہ یہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس سے ترجیح بلا مرجح لازم آتی ہے جو محال ہے (۲) دوسری شق یہ ہو سکتی تھی کہ خود علت ہوں، لیکن اگر ایسا ہو تو اس سے تقدم الشیء علیٰ نفسہٖ لازم آتا ہے جو محال ہے۔ (۳) جو علت العلل ہوں اور آسمانوں اور زمینوں کے مالک ہوں تو اس سے تعدد لازم آتا ہے جو محال ہے۔ علاوہ ازیں خالق مخلوق کا محتاج نہیں۔ مگر ہم زمین و آسمان کے محتاج ہیں۔ اگر یہ ہماری مخلوق ہوتے تو ہم ان کے محتاج نہ ہوتے۔

دلیل نمبر ۱۴:۔ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔(بنی اسرائیل: ۸۶) آریہ لوگ جو حدوث روح و مادہ کے منکر ہیں کسی زمانہ میں سوال کریں گے کہ رُوح کیا چیز ہے۔ آیا حادث ہے یا قدیم ہے۔ جواب میں کہدے کہ یہ میرے رب کی مخلوق میں سے ہے۔ لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ۔(الاعراف: ۵۵) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۔ (بنی اسرائیل: ۸۹) دلیل اس کا (رُوح کا) علم ناقص ہے۔ اگر قدیم سے ہوتی تو علم کامل ہوتا۔ جیسے خدا کا علم کامل ہے۔

پس ان دلائل سے حدوث ثابت ہوا۔ آریوں کے اعتراضات بالکل کچے ہوتے ہیں۔ جیسے دہریوں کے ہوتے ہیں۔ دہریہ بھی کہا کرتے ہیں کہ خدا اگر ہے تو بتاؤ وہ کیا چیز ہے؟ یہی سوال ایک دفعہ ایک کمہار کے لڑکے نے کیا جس کے جواب میں کہا گیا کہ خدا چیز نہیں کیونکہ چیزوں کو تو وہ پیدا کرتا ہے۔ اس کی ایسی ہی مثال ہے کہ تم سے پوچھا جاوے کہ تمہارا باپ کونسا برتن ہے۔ تو تم کہو گے کہ برتن تو میرا باپ بنایا کرتا ہے۔ وہ برتن نہیں۔ اسی طرح خدا بھی خالق الاشیاء ہے۔

دلیل نمبر ۱۵:۔ ارواح و مادہ صاحب علم و ارادہ نہیں۔ اگر صاحب علم و ارادہ ہیں تو پھر کیوں وہ آپس میں نہیں مل جاتے اور صاحب علم و ارادہ کے بغیر کوئی خلق نہیں ہو سکتی۔ پس روح و مادہ مخلوق ہیں نہ کہ خود بخود۔

دلیل نمبر ۱۶:۔ اگر روح و مادہ مخلوق نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ خالق نہیں بلکہ صرف ایک معمار کی حیثیت رکھتا ہے حالانکہ یہ بات مسلّماتِ آریہ کے خلاف ہے۔

دلیل نمبر ۱۷:۔ جب روح و مادہ اللہ تعالےٰ کے ماتحت ہیں تو پھر وہ خود بخود کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر

کہو کہ اللہ تعالیٰ کے ماتحت ہونا ان کی فطرتی اور ذاتی صفت ہے تو ہم کہیں گے کہ پھر وہ کیوں اطاعتِ الٰہی میں تکلیف محسوس کرتی ہیں۔

دلیل نمبر ۱۸:- روحوں کا اللہ تعالیٰ سے ذاتی محبت رکھنا جیسے ان کو ایک بچہ سے ذاتی محبت ہوتی ہے کیونکہ اس سے نکلا ہوا ہوتا ہے۔ یہی صاف دلیل ہے کہ یہ اس سے نکلا ہوا ہے اور وہ صرف مخلوق ہونے کی حالت ہے۔

دلیل نمبر ۱۹:- رُوحوں کی اپنی کمزوری کی وجہ سے ایک عالم اور فیاض ہستی کا محتاج ہونا بھی انکے مخلوق ہونے پر ایک زبردست دلیل ہے۔

دلیل نمبر ۲۰:- آریہ سماج کا یہ ادّعا کہ چونکہ مادہ "اجزاتے لایتجزیٰ" (ATOMS) کا نام ہے جو ناقابلِ تقسیم و تفریق ہیں اس لئے مادہ ازلی ہے موجودہ عالمگیر جنگ میں سائنس نے (ATOM BOMB) ایٹم بم کی ایجاد سے باطل ثابت کردیا ہے کیونکہ وہ ATOM جسے پہلے "لایتجزیٰ" یعنی ناقابلِ تقسیم خیال کیا جاتا تھا۔ اب تقسیم کے قابل ہی ثابت نہیں ہوا۔ بلکہ اسے فی الواقع تقسیم کرکے فنا کردیا گیا ہے۔ پس جب مادہ فانی ثابت ہوگیا تو وہ ابدی بھی نہ رہا اور معلوم ہوگیا کہ خدا تعالیٰ ہی مادہ کا پیدا کرنے والا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔
(خادم)

حدوثِ رُوح اور مادہ کے اثبات پر ویدوں اور اپنشدوں سے

نقلی دلائل

۱- "اے انسانو! مَیں ایشور سب سے پہلے موجود اور ساری دُنیا کا مالک ہوں۔ مَیں جگت کی پیدائش کا قدیم باعث ہوں۔ تمام مال و دولت پر غالب اور اس کا بخشنے والا ہوں۔"

(رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۴۸ منقول از ستیارتھ پرکاش باب دفعہ ۹ ص۲۷۵)

اِس سے معلوم ہوا کہ سب سے اوّل خدا تعالےٰ تھا۔ اُس نے سب کو پیدا کیا۔ وہی سب کی پیدائش کا قدیم باعث ہے۔

۲- "جس وقت یہ ذرّوں سے مل کر دُنیا پیدا نہیں ہوئی تھی اُس وقت یعنی کائنات سے پہلے است یعنی شونیا اکاش (فضا) بھی نہیں تھی۔ کیونکہ اُس وقت اس کا کاروبار نہ تھا۔ اُس وقت ست (پرکرتی) یعنی کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی۔ اور نہ پرمانو تھے اور وراٹ (کائنات) میں جو اکاش دوسرے درجے پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا بلکہ اُس وقت صرف پر برہم کی سامرتھ (قدرت) جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر و بے علت ہے موجود تھی۔" (بھاش بھومکا اُردو ص۲۰)

۳- "اُس پُرش (پرمیشور) نے پرتھوی یعنی زمین کے بنانے کے لئے پانی سے رس کو لے کر مٹی کو بنایا۔ اِسی طرح آگ کے رس سے پانی کو پیدا کیا۔ اور آگ کو ہوا سے اور ہوا کو اکاش سے اور اکاش کو پرکرتی سے اور پرکرتی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا۔" (بھاش بھومکا اُردو ص۲۰ پیدائش عالم کا بیان منتر ۱۷)

۴۔ "اُس پرش (پرمیشور) کی غایت درجہ قدرت ہی اس دُنیا کے بنانے کا مصالحہ و مواد ہے کہ جس سے یہ سب دُنیا پیدا ہوئی۔ سو پرمیشور سب کے چاہنے والا ہو کر اس دو قسم کی دنیا کو مرصّع و مسجّع کرتا ہے وہ ایشور اس کا دُنیا کا بنانے والا) دنیا میں محیط ہو کر دیکھ رہا ہے"۔
(بھاشیہ بھومکا ہندی صـ۱۲۲ بحوالہ یجر وید ۳۱/۴)

۵۔ "دیوتاؤں کے پہلے یُگ میں نیستی سے ہستی پیدا ہوئی"۔ (یعنی دیوتاؤں سے پیشتر زمانہ میں نیستی سے ہستی پیدا ہوئی۔
(رگوید منڈل ۱۰)

۶۔ "پرکرتی وغیرہ اعلیٰ و لطیف کائنات اور گھاس مٹی چھوٹے کیڑے مکوڑے وغیرہ ادنیٰ مخلوقات نیز انسان کے جسم سے لے کر اکاش تک متوسط درجہ کی کائنات یہ تینوں قسم کی دُنیا پرش (پرمیشور) نے اپنی قدرت سے پیدا کیں"۔
(اتھروَن وید کانڈ ۱۰ انوواک ۴ منتر ۳ منقول از بھومکا)

۷۔ "اس کائنات سے پہلے صرف ایک آتما (پرمیشور) ہی تھا۔ اور کوئی دوسری (قابل تمیز) چیز نہ تھی"۔
(رگ وید آدی بھاشیہ بھومکا صـ۵۳ منقول از نیک اُپنشد ادھیاتے ۱ کھنڈ ۱ اصلاح وید پر بحث)

۸۔ "اِس سے پہلے محیط کل پرمیشور ہی تھا"۔ (شت پتھ برہمن کانڈ ۱۱ ادھیائے رگوید صـ۵۳)

۹۔ "اس سے پہلے دُنیا کچھ بھی نہ تھی"۔ (شت پتھ برہمن کانڈ ۱۱ ادھیائے رگوید صفحہ ۵۳)

۱۰۔ "چونکہ وہ پرمیشور آگ یا مٹی وغیرہ کل کائنات فانی سے الگ اور جینے مرنے سے مبرا ہے اس لیے وہ بذاتہٖ غیر مولود اور سب کو پیدا کرنے والا ہے۔ وہی (خدا) اس کائنات کو اپنی قدرت سے بناتا ہے اس کی کوئی علت نہیں ہے بلکہ سب کی علتِ اولین علت فاعلی اِسی پرمیشور کو جاننا چاہیئے"۔
(رگ وید بھاش بھومکا صـ۴۳)

۱۱۔ "اے عزیزو! پرمیشور اس دُنیا میں پیشتر موجود تھا۔ وہ اپنی ذات سے ایک اور بے عدیل تھا"۔ (اس حوالہ سے صاف معلوم ہو گیا کہ سب سے اول صرف پرمیشور ہی اکیلا اور بے عدیل تھا۔ اگر روح و مادہ بھی اُس کی طرح قدیم ہوتے تو ان کا ساتھ ہی ذکر ہوتا)۔ (رگ وید آدی بھومکا اُردو صفحہ ۵۲ مترجم نہال سنگھ)

۱۲۔ "پرلے (قیامت) کے وقت یہ کائنات اسی کی قدرت میں سما جاتی ہے"۔ (بھومکا اردو صـ۴۳)

۱۳۔ "اور اُسی کی قدرت سے پھر یہ کائنات دوبارہ پیدا ہوتی ہے"۔ (ایضاً)

۱۴۔ "یہ تمام کاروبار عالم اور روئے زمین تیری قدرت میں اس طرح قائم ہے۔ جیسے ماں کے پیٹ میں بچہ ہوتا ہے"۔
(بھومکا اردو صـ۱۸۶)

۱۵۔ "وہی تمام دُنیا کا پیدا کرنے والا۔ قائم رکھنے والا۔ فنا کرنے والا"۔ (ستیارتھ صـ۴۹ نواں ایڈیشن)

۱۶۔ "مجھ پرمیشور کو ہی ساری دُنیا کا پیدا کرنیوالا سمجھو"۔ (ستیارتھ پرکاش صـ۲۰۴)

۱۷۔ "وہ بآسانی تمام بلا امداد غیرے تمام دُنیا کو بناتا ہے تو پھر ساتھ ہی اس کو رُوح اور مادہ کا محتاج ٹھہرانا دو متضاد باتیں ہیں"۔
(ستیارتھ پرکاش صـ۲۰۴)

۱۸۔ "اس جہان میں جو کچھ ہے اس تمام مخلوق کا بنانیوالا ہوں"۔ (ایضاً)

۱۹- "اس (خدا) کے دل میں خواہش ہوئی کہ اپنے بدن سے اس قسم کی خلقت پیدا کرنی چاہیئے۔ تو اُس نے پہلے پانی (روح) کو پیدا کیا۔ پھر اس نے پانی میں بیج ڈالا" (منوادھیائے ۱ شلوک ۸)

۲۰- "چونکہ وہ متحرک اور ساکن جہان کو زندہ اور قائم رکھتا ہے اس واسطے وہ تمام قادروں سے قادر ہے"۔ (ستیارتھ صفحہ ۱۴)

۲۱- "جو چیز ترکیب سے پیدا ہوتی ہے وہ ازلی ابدی کبھی نہیں ہوسکتی اور فعل بھی پیدائش اور فنا سے آزاد نہیں ہے" (ستیارتھ ۸ دفعہ ۲۸ ص ۳۲۹)

۲۲- رُوح میں ترکیب و تفریق ہے۔ (ستیارتھ پرکاش ۸ دفعہ ۵۳ ص ۲۹۶ و باب ۸ دفعہ ۶۰ ص ۳۰۳)

لہٰذا روح حادث ثابت ہوئی۔

رُوح و مادہ۔ زمانہ وخلا کے غیر حادث ہونے پر نو اعتراضات منطقی و علمی

ہم صرف صانع کو قدیم اور غیر حادث مانتے ہیں۔ مگر آریہ لوگ صانع کے علاوہ رُوح و مادہ زمانہ اور مکان یعنی خلا کو بھی قدیم مانتے ہیں۔ دیکھو! عقائد آریہ منتویہ ۱ انادی پدارتھ ص ۳۶۔

اعتراضات:- (۱) کہ سوائے صانع کے دوسروں کو قدیم ماننے سے صانع کی ضرورت نہیں رہتی۔ جب یہ مان لیا جائے کہ علاوہ صانع کے روح و مادہ مع اپنے خواص کے قدیم ہیں تو اتّصال وانفصال بھی منجملہ خواص کے ہے۔ پس ترکیب کے لئے حاجت صانع کی نہیں؟

(۲) جو چیز قدیم ہو۔ اس کی ذات ہی اس کی علت ہے۔ اور جس کی ذات اس کے وجود کی علت ہو۔ اُس میں کوئی نقص نہیں ہوسکتا کیونکہ وجود نقص علتِ قاصرہ کا مستلزم ہے اور قدیم میں علتِ قاصرہ ناممکن ہے۔

(۳) یہ کہ استحقاق صانع کے لیے رُوح و مادہ پر تصرف ثابت نہیں۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے وجود اور خواص میں اس کے محتاج نہیں تو یہ اُن پر تصرف کیوں کریگا۔ کیونکہ استحقاقِ تصرف کا باعث مِلک ہے۔ اور مِلک یا خَلق سے یا ورثہ سے یا بیع سے یا ہبہ سے یا کسی پر غلبہ پانے سے پیدا ہوتا ہے۔ خَلق کا عدم معروض ہے اور ورثہ اور بیع اور ہبہ کی شقوق جانب واجب ہیں۔ خود ساقط ہیں۔ باقی رہ گیا غلبہ سے مالک بن جانا۔ سو اس سے لازمی طور پر ماننا پڑیگا کہ خدا اور انسان کا مفہوم ایک ہے۔ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر چڑھائی کر کے ایک مُلک چھین کر اپنی ملکیت میں کرے۔ اسی طرح خدا بھی کرتا ہے۔ حالانکہ انسان اس کے صفات میں قطعاً کسی طرح بھی شریک نہیں۔ پس اس طریق سے کسی چیز کو اپنی مِلک میں لانا گویا انسان کے برابر خدا کو ٹھہرانا ہے اور وہ محال ہے۔

(۴) اگر ایسا ہی مان لیا جاتے تو علم ذات باری تعالیٰ ناقص رہیگا۔ اگر خالقِ کُل اسے تسلیم نہ کیا جائے اس لئے کہ کسی چیز کی خَلق سے وہ اسی لئے قاصر ہوگا کہ اسے اس چیز کی خلقی ترکیب معلوم نہیں اور جس چیز کا وہ خالق نہیں اس کے اصلاح وفساد سے بھی وہ باہر نہیں ہوسکتا۔ علی الخصوص جب علمِ ذاتِ باری کو نظری

مانا جائے پھر تو ذاتِ باری کو ہر روح اور ذرہ مادہ کی شاگردی کرنی پڑے گی۔

(۵) اگر باعث بعض اشیاء کے عدمِ خلق کا عدمِ قدرت ہے تو قادرِ مطلق سرب شکتیمان صانع نہ رہا۔ اس پر یہ سوال کہ وہ اپنی مثل پیدا نہیں کر سکتا صحیح نہیں ہے۔ اس لئے کہ مخلوق کو خالق کی مثل قرار دینا محال ہے اور صانع کا اپنے آپ کو فنا کرنا۔ علاوہ ازیں اور عیوب میں مبتلا کرنا قدرت نہیں کہلا سکتا بلکہ خلافِ قدرت ہے۔

(۶) رُوح اور مخلوق کے عدمِ مخلوق فرض کرنے سے ان کو بَطْشِ شَدِید کرنا ظلم ہے کیونکہ جسکو استحقاق ہے ہی نہیں۔ اس کو استحقاق بَطْش کیسے حاصل ہوا۔

(۷) سوائے واجب کے اور کوئی قدیم نہیں اور ماسوائے اُس کی قدرت سے وجود پذیر ہوتے۔ آریوں کی مسلمہ کتب سے ثابت ہے دیکھو حوالہ" پرکرتی کو اپنی قدرت سے پیدا کیا"

(رگوید بھاش بھومکا صفحہ ۸، طبع سوم و منوسمرتی ادھیائے ۱ شلوک ۸)

(۸) زمانہ اگر مقدارِ فعل کا نام ہے۔ تب زمانہ فعل کی عرض ہوا۔ اور فعل فاعل کا عرض ہوا پس زمانہ مخلوق ہوا۔ اسی طرح خلا سے مراد اگر وہ محل ہے جس میں کچھ نہیں تو موجود نہیں۔ اور اگر خلا اس محل کا نام ہو جس میں کچھ ہو تو وہ حال کی عرض ہے۔ پس حال کے مخلوق ہونے سے محل مخلوق ہوا۔ اور اگر خلا محض فرض کیا جائے تو وہ وجودی چیز نہیں بلکہ عدمی ہے ہماری کلام وجود میں ہے کہ سوائے واجب اور کوئی قدیم نہیں۔ نہ عدم میں۔ کیونکہ عدم اصلی پر موجود کا قدیم ہے۔ الّا الواجب تعالیٰ۔ کیونکہ اس کا کوئی عدم نہیں۔

(۹) قرآن شریف جو آخری الہامی کتاب ہے۔ وہ ماسوائے اللہ سب کو مخلوق قرار دیتا ہے جیسے فرمایا:

(۱) اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (سورۃ الرعد ۱۷) (۲) خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا (الفرقان: ۳) (۳) رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۔ (طٰهٰ: ۵۱) (۴) وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ وَّمَا مَسَّنَا مِنْ لُّغُوْبٍ۔ (قٓ: ۳۹) اِن آیات میں روح و مادہ وغیرہ ماسوائے اللہ تمام چیزیں آگئیں۔

تناسخ

تناسخ کے معنے ہیں گناہوں اور نیکیوں کے باعث بار بار جنم لینا۔ آریوں کی طرف سے اثباتِ تناسخ کی بڑی اور ایک ہی دلیل انسانوں میں اختلاف کا پایا جانا ہے۔ اس پر مندرجہ ذیل سوال پڑتے ہیں :۔

۱۔ ویدوں سے اس کا ثبوت دو۔ کہ تناسخ کا مسئلہ برحق ہے۔ نیز یہ کہ اس کی دلیل اختلاف ہے۔

۲۔ یہ دلیل دلیل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے کہ اختلاف کو دیکھکر یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ پہلے جنم کے اعمال ہیں مثلاً رات کو اگر کوئی جاتا ہو۔ تو اس کے متعلق خیال کیا جائے کہ اس وقت دفاتر۔ ڈاکخانہ جات۔ مدارس اور شفاخانے سب بند ہیں تو یہ شخص اس وقت سوائے چوری کرنے کے اور کہیں نہیں جارہا۔ تو جیسے یہ خیال

باطل ہے کیونکہ ممکن ہے کہ وہ کسی اور ضروری کام سے جارہا ہو۔ اسی طرح یہ خیال بھی باطل ہے کہ اختلافِ دُنیا کا باعث پچھلے جنم کے اعمال ہی ہیں۔

۳۔ اگر اختلاف کو دلیل مانا جائے تو پھر چاہیئے کہ جہاں دلیل پائی جائے وہاں دعویٰ بھی پایا جائے اور جہاں اختلاف پایا جائے وہاں پچھلے جنم کے اعمال کا اُسے نتیجہ مانا جائے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں کہ خدا میں تین صفتیں پائی جاتی ہیں (ست۔ چت۔ انند) اور رُوح میں (ست۔ چت) اور مادہ میں (ست) ہے۔ کیا ان کا اختلاف بھی پچھلے جنم کے اعمال کی وجہ سے ہے۔ کیا وجہ ہے کہ خُدا ہمیشہ حاکم اور روح ہمیشہ محکوم رہتی ہے۔

دوسری مثال:۔ پھر دیکھو فلکی اجرام میں کوئی سورج۔ کوئی ستارہ۔ کوئی چاند۔ کوئی سیارہ۔ کیا اِنکا اختلاف بھی وہی وجہ رکھتا ہے؟ یا کوئی اور۔

تیسری مثال:۔ بعض بعض ایسی زمینیں ہیں کہ ان سے ہیرا اور لعل نکلتا ہے اور کسی سے سنگِ خدا اور بعض سے کچھ بھی نہیں۔ کیا اس اختلاف کا باعث بھی پچھلے جنم کے اعمال ہیں۔

۴۔ جونوں کی نوع میں جو اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً پھلدار درختوں آم، کھجور اور بمبئی کے آم وغیرہ۔ پھر عرب کے گھوڑے اور ہندوستان کی گھوڑیاں۔ کشمیر کے سیب۔ یو پی کے آم وغیرہ کیا مختلف شہروں کے آموں وغیرہ میں مختلف ذائقہ اور خوبی اسی تناسخ کی وجہ سے ہے یا کسی اور وجہ سے۔ پھر پتھروں کی مختلف قسمیں۔ بعض بہت قیمتی اور بعض بالکل ردی پتھروں میں جونیں جاتی ہیں۔

(ستیارتھ پرکاش باب ۹)

۵۔ آریہ کہتے ہیں کہ مکتی خانہ میں سنسکرت بولی جاتی ہے بلکہ وید کنٹھ ہوتے ہیں۔ مگر جب دُنیا میں آتے ہیں تو وہ بھُول جاتے ہیں۔ سوال اس پر یہ ہے کہ اگر وہاں ایسے ازبر ہوتے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ یہاں آکر بالکل بھول جاتے اور عقل پر ایسے پتھر پڑ جاتے ہیں کہ کوئی حرف بھی یاد نہیں رہتا معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات ہی غلط ہے۔

۶۔ علمِ طب رائیگاں جاتا ہے کیونکہ اگر تمام امراض وغیرہ خدا کی طرف سے ہیں اور لُولا۔ لنگڑا۔ اندھا۔ کانا ہونا کسی پچھلے جنم کے اعمال کے نتیجہ میں ہے تو ہمیں ان کا علاج نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر علاج کریں تو اس میں خدا کا مقابلہ ہوگا۔ کیونکہ خدا تو انہیں سزا دینا چاہتا ہے مگر ہم اس سزا کو دُور کرنا چاہتے ہیں۔

۷۔ آریہ لوگ تناسخ کے مسئلہ کے اس لیے قائل ہیں کہ اگر وہ اُسے نہ مانیں تو وہ جانتے ہیں کہ ہمارا خدا ارواح کو پیدا تو کر سکتا نہیں۔ پس جب رُوحیں محدود اور پرمیشور پیدا کرنے سے عاجز ہے۔ پھر اگر وہ مکتی یافتہ روحوں کو بار بار جونوں کے چکر میں نہ لاتے تو دنیا کیونکر چلے۔ اس طرح تو آہستہ آہستہ تمام ارواح اس کے ہاتھ سے چلے جائیں گے اور وہ خالی ہاتھ ہو بیٹھے گا۔

(دیکھو ستیارتھ پرکاش بٍ دفعہ ۲۳، ۲۴ صفحہ ۳۵۸)

۸۔ مکتی خانہ سے کروڑہا سال کے بعد نکالا جاتا ہے۔ اگر یہ مسئلہ سچا ہوتا تو ہم کہتے ہیں کہ زمین بڑی ہونی

چاہیئے تھی ورنہ اتنے عرصہ کے لوگ اس پر آ ہی نہیں سکتے۔

۹۔ دُنیا کا کارخانہ جو انواع و اقسام کا بہت بڑے تناسب سے قائم ہے اگر اسے کرموں کا نتیجہ خیال کیا جائے تو پھر یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ ممکن ہے کہ کسی وقت میں تمام مرد عورتیں ہو جائیں یا تمام عورتیں مرد ہو جائیں۔ مگر ایسا ہوتا نہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تناسخ باطل ہے۔

۱۰۔ اگر تناسخ برحق ہے تو آریوں کا یہ دعویٰ کہ پرمیشور بڑا دیالو کرپالو ہے باطل ہے کیونکہ انسان کو جو کچھ مل رہا ہے۔ وہ اس کے پہلے کرموں کا نتیجہ ہے۔ خدا اُسے کچھ دے نہیں سکتا مگر وہی جو اس نے پچھلے اعمال کئے اور اس کا بدلہ اگر وہ کرم نہ کرتے تو وہ کچھ بھی نہ دیتا۔ پس پرمیشور کا ان پر کوئی احسان نہیں اور نہ ہی وہ دیالو اور کرپالو ہے۔ بلکہ مجبور ہے۔

۱۱۔ تناسخ کے ماننے سے دُنیا سے پیار محبت اور اخلاقِ فاضلہ اڑ جاتے ہیں۔ کیونکہ جو کسی کے ساتھ احسان کریگا۔ وہ یہی سمجھے گا کہ مجھے اپنے کرموں کے نتیجہ میں مل رہا ہے۔ دوسرا چاہے اپنی جان و مال، عزت بھی کیوں نہ قربان کر دے۔

۱۲۔ تناسخ کے ماننے سے لازم آئیگا کہ پرمیشور بہت ہی کمزور اور چھوٹی موٹی حکومت کے قابل بھی نہیں کیونکہ کسی ادنیٰ سے ادنیٰ داروغہ کے جیل خانہ میں سے کسی کو یہ ہمت نہیں ہوتی کہ اس کے قیدی کو بلا تحاشا آزاد کرتا چلا جائے اور وہ داروغہ جیل چوں تک بھی نہ کرے۔ مگر برعکس اس کے روزمرہ دیکھتے ہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں قیدی چھریوں اور بندوقوں کے ذریعہ مسلمان عیسائی اور ہنود آزاد کرتے جاتے ہیں اور کوئی ان کو روکتا تک نہیں۔ پس ایک رُوح ذبح کرنے والے لوگ اور بھیڑیئے۔ شیر اور چیتے وغیرہ تمام ان جانوروں پر جن کو وہ کھاتے ہیں اور اُن کی روحوں کو آزاد کرتے ہیں۔ اُن پر احسان کرتے ہیں اور مسلمان تو بہت ہی احسان کرتے ہیں۔

۱۳۔ منوسمرتی ادھیائے ۱۲ شلوک ۵۵ میں لکھا ہے کہ برہمن کو قتل کرنے کے نتیجہ میں سؤر۔ کُتا۔ گائے۔ بکرا اونٹ۔ بھیڑیا وغیرہ جونوں میں قاتل کو جانا پڑتا ہے۔ اس پر سوال یہ ہے کہ کیا وجہ ہے کہ برہمن کو قتل کر کے ایک تو سؤر بن جائے۔ دوسرا کُتا اور تیسرا بھیڑیا وغیرہ۔ اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ صورت اول یہ ہے کہ اختلافِ جون اس لئے ہے کہ نوعیت قتل میں فرق ہے اگر برہمن کو ننگا کر کے مارا جائے تو سؤر۔ اور اگر کپڑے سمیت مارا جائے تو بکرا اور اگر جوتے سے مارا جائے تو گائے اور اگر اُلٹا کر کے یا درخت پر لٹکا کر مارا جائے تو بھیڑیا اور اونٹ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ برہمنوں میں فرق ہے۔ اگر کسی برہمن بچہ کو مارا جائے تو فلاں جون اور اگر جوان برہمن کو مارا جائے تو فلاں جون۔ اور اگر بوڑھے کو مارا جائے تو فلاں جون۔ تو یا یہ اختلاف نوعیتِ قتل کی وجہ سے ہوگا یا نوعیتِ مقتول کی وجہ سے ہوگا۔ تیسری صورت یہ ہے کہ نوعیت قاتل میں فرق ہے۔ قتل کرنے والا بچہ۔ جوان یا بوڑھا ہو۔ یا نوعیت مقتول میں کہ عورت کو مارے یا مرد کو۔ غرضیکہ اس اختلاف کی وجہ بتائیں کیا ہے؟ (نیز ستیارتھ پرکاش ب ۹ دفعہ ۴۷ صفحہ ۳۷۶)

۱۴۔ ہم کہتے ہیں کہ جب ایشور نے ایک انسان کو اس کے اعمال کی وجہ سے سؤر بنایا تو سؤر کے لئے

ضروری ہے کہ وہ گوشت کھائے ۔ تو معلوم ہوا کہ تناسخ کے ماننے سے گوشت خوری اور جیو ہتیا ماننی پڑتی ہے
۱۵۔ اگر مختلف جونوں میں جانا بطور سزا و جزا ہے اور سزا اصلاح کے لئے دی جاتی ہے ۔ تو پھر سزا یا جزا یافتہ روح کو علم ہونا چاہیئے کہ مجھ کو فلاں عمل کی وجہ سے سزا مل رہی ہے تاکہ وہ آئندہ کو اس گناہ سے بچے ۔ ورنہ یہ اندھیر نگری والا حال ہوگا ۔ کیا کوئی آریہ بتا سکتا ہے کہ وہ اندھا یا کانا یا لنگڑا کس جُرم کی وجہ سے بنایا گیا ہے ۔ یا اس کی والدہ یا بیوی کس عمل کی سزا میں عورت بنائی گئی ہے ؟ ہرگز نہیں ۔
۱۶۔ "میں (خدا) خود ہی یہ کہتا ہوں جو دیوتاؤں یا انسانوں کا پیارا ہوں کہ میں جس کے لئے چاہتا ہوں اُس کو بُرا بناتا ہوں جس کو چاہتا ہوں اُسے برہما بناتا ہوں جس کو چاہتا ہوں رشی بناتا ہوں اور جس کے لئے چاہتا ہوں اُسے عقلمند بناتا ہوں" (اتھروید) اس حوالے سے تناسخ باطل ہوگیا ۔ کیونکہ پرمیشور کے اختیار میں ہوگیا ۔ اعمال کی ضرورت ہی نہ رہی ۔
۱۷۔ سوال :۔ جب اختلافِ دنیا کی وجہ یہ نہیں تو اَور کیا ہے ؟
جواب :۔ قرآن شریف فرماتا ہے : وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ ۔ (الشورٰی : ۲۸) یعنی ہم نے اختلاف دُنیا کا اِس لئے رکھا ہے تاکہ انتظامِ عالم میں خلل واقع نہ ہو ۔ اگر تمام ایک جیسے ہوں تو کبھی کا یہ سلسلہ درہم برہم ہو جاتا ۔
۱۸۔ اگر دُنیا کا تمام سلسلہ گناہوں کے سلسلہ پر چل رہا ہے تو پھر پرمیشور سرب شکتیمان کہاں رہا ۔ سب کچھ ہمارے گناہوں کے طفیل ہو رہا ہے ۔ پھر پرمیشور کی کیا ضرورت ہے ؟
۱۹۔ ایشور ۔ روح ۔ مادہ تین کیوں ہیں ؟ اس اختلاف کی کیا وجہ ہے ؟
۲۰۔ اگر پرمیشور کے عطیات پچھلے اعمال کے بدلے پر ہی موقوف ہیں تو پھر دیانند جی کا ستیارتھ پرکاش ص ۱۱۶ ب ۴ دفعہ ۴۳) میں بے نظیر اولاد حاصل کرنے کے لئے یہ طریق جماع لکھنا کہ جب ویرج (منی) گرنے کا وقت ہو اس وقت مرد عورت بے حرکت ناک کے سامنے ناک آنکھ کے سامنے آنکھ یعنی سیدھا جسم رکھیں اور نہایت خوش دل رہیں ۔ ہلیں نہیں ۔ مرد اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑے اور عورت ویرج حاصل کرنے کے لیے اپان وایو کو اوپر کھینچے جاتے مخصوص کو اوپر سکوڑ کر ویریہ کو اوپر کشش کرکے رحم میں ٹھہراتے وغیرہ وغیرہ اسقدر طول طویل آسن لکھنا فضول ٹھہرتا ہے کیونکہ پچھلے اعمال کی بدولت جو کچھ ملنا ہے وہ بہر حال ملنا ہے ۔ یہ مفت کی کوشش اور محنت کرنے سے کیا حاصل ؟
۲۱۔ بعض گناہ بتائے گئے ہیں جن سے خاص خاص جونوں میں انسان پڑتا ہے ۔ کاش سب گناہ بتا دیئے جاتے کہ فلاں گناہ سے فلاں فلاں جون میں ڈالا جاتا ہے تو ہمیں بہت آسانی ہوتی ۔ تاکہ ہمیں جس چیز کی ضرورت ہوتی وہی تیار کروالی جاتی ۔ دیکھو بعض جونوں کے گناہ منوسمرتی ادھیائے ۱۲ شلوک ۴۹ تا آخر)
۲۲۔ اگر تناسخ درست مانا جائے تو خدا تعالیٰ کی قدرتوں کا انکار کرنا پڑتا ہے ۔ اس طرح ماننا پڑیگا کہ خدا ارواح کو پیدا نہیں کر سکتا اور نہ ہی کچھ گناہ معاف کرتا ہے ۔ حالانکہ ایک شریف انسان کئی دفعہ قصور معاف کر دیتا ہے ۔ گویا دریں صورت خدا کو ایک بھیانک اور کینہ ور ماننا پڑیگا ۔

۲۳۔ اگر تناسخ درست ہے تو پھر ماننا پڑیگا کہ انسان جو نیک کام کرتا ہے اُن کا بدلہ نہیں مل سکتا۔ کیونکہ اگر اس نے ہزار نیکیاں کیں اور ایک بدی کی اور پھر اس بدی کے عوض میں مثلاً کُتے کی جون میں گیا تو پھر وہ درجہ بدرجہ گنہگار ہوتا جائیگا اور آخر کار نجات کا منہ نہ دیکھ سکے گا۔

۲۴۔ ہمیں بتایا جاتے کہ مدارِ زندگی کیا ہیں؟ پس ظاہر ہے کہ وہ ہوا۔ پانی۔ آگ۔ کھانا وغیرہ ہیں اور ان کا انسانی پیدائش سے پہلے پیدا ہونا ضروری ہے۔ اگر کہو کہ پہلے پیدا ہوگئی تھیں تو پھر بتلاؤ کہ وہ کن اعمال کے بدلہ میں تھیں۔

۲۵۔ انسان کے رہنے کے لیے جو زمین ہے وہ بھی اس کی پیدائش سے پہلے ہوگی۔ تو پھر وہ کس عمل کے بدلے مانی جائیگی؟

۲۶۔ اللہ تعالیٰ نے جب روح و مادہ کو مرکب کر کے مخلوق پیدا کی تو کیا اس وقت انسان بنایا گیا تھا یا کچھ اور؟ اگر انسان بنایا گیا تھا تو وہ کس عمل کے بدلے میں؟ اگر کوئی اور مخلوق بنایا گیا تھا تو پھر اس کا انسان بننا ایک موہوم بات ہے۔ کیوں کہ اُن میں اعلیٰ کی طرف ترقی کا مادہ نہیں۔

۲۷۔ تناسخ کو مان کر قبول کرنا پڑے گا کہ میوہ جات وغیرہ سب گناہوں کے بدلے میں ہیں۔ تو پھر انکے کھانے کے متعلق آریہ صاحبان کو خود غور کرنی چاہیئے اور نیز اگر کبھی ہند میں کوئی ایسا رشی آجاوے یا تمام ہندو ہی ہندو ہوں تو پھر کیا میوے نہیں پاتے جائیں گے؟ یا نہ پاتے گئے تھے۔

۲۸۔ اگر تناسخ کو صحیح مانا جاتے تو گویا ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالےٰ پلیدی اور خباثت کو پسند کرتا ہے۔ نعوذ باللہ۔ کیونکہ تناسخ کے رو سے ممکن ہے کہ ایک آدمی اسی سے شادی کرے جو پچھلی جون میں اس کی والدہ رہ چکی ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

آریہ جواب دیتے ہیں کہ رشتہ جسم سے ہوتا ہے۔ جون بدلنے سے رشتہ نہیں رہتا۔ اس پر اعتراض یہ پڑتا ہے کہ سات سال کے بعد یہاں جسم بدل جاتا ہے۔ کیا رشتے سات سال کے بعد نہیں رہتے۔ پھر اگر آریہ جواب دیں کہ نکاح کر لینگے تو اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ نکاح تو کر لیا ماں کو ماں کیسے بنائینگے؟

۲۹۔ اگر تناسخ کو درست مانا جائے تو پھر انسان سوشل تعلقات قائم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ امکان ہے کہ جو اس کا گھوڑا تھا وہ اس کا باپ ہو اور کسی صورت میں نہ اس کو مار سکتا ہے نہ اس پر سواری وغیرہ کر سکتا ہے۔

۳۰۔ تناسخ کو ماننے سے اللہ تعالیٰ سے ہرگز ہرگز محبت نہیں ہو سکتی کیونکہ انسان کو یقین ہوگا کہ وہ مجھ پر تو کچھ احسان نہیں کریگا۔

۳۱۔ اگر تناسخ مانا جاتے تو پھر ایک دفعہ گناہ کرنے کے بعد توبہ کا موقع نہ ملیگا اور وہ گناہ میں زیادہ بڑھتا جائیگا۔ کیونکہ جب انسان مایوس ہو جاتے تو پھر گناہ میں ترقی کرتا ہے۔

۳۲۔ پھر دُعا کرنا فضول ہوگا۔ حالانکہ یہ خلافِ واقعہ ہے۔

۳۳۔ ایک ہی گناہ سے گھوڑا پیدا ہوتا ہے۔ تو پھر چاہیئے تھا کہ تمام گھوڑے ایک قسم اور قد و قامت کے

ہوں حالانکہ عربی گھوڑے اور پنجابی گھوڑے میں فرق بیّن ہے۔پس بتایا جاوے کہ یہ اختلاف کن اعمال کا نتیجہ ہیں۔اگر یہ اعمال کا نتیجہ نہیں تو پھر انسان کا اختلاف کیونکر اعمال کا نتیجہ ہوگیا۔اسی طرح دیگر حیوانات کے متعلق قیاس کرلو۔

۴۴۔ طبقہ نباتات میں بھی باوجود ایک گناہ کے اختلاف ہے، جیسے کابلی چنے اور پنجابی چنے اور پھر دیگر نباتات میں اسی طرح ہے۔اگر یہ اختلاف کسی عمل کا نتیجہ نہیں اور فی الواقعہ بھی نہیں کیونکہ چنا وغیرہ بننا مطلقاً ایک گناہ سے ہوتا ہے تو پھر انسان کا اختلاف کیونکر اعمال کا نتیجہ ہوسکتا ہے۔پس ایشور اور روح اور حیوانات نباتات کا اختلاف جب کسی عمل کا نتیجہ نہیں تو کیونکر تسلیم کرلیا جاوے کہ انسان کا اختلاف اس کے اعمال کا نتیجہ ہے۔

۴۵۔ مندرجہ ذیل اشیاء مدار زندگی ہیں :۔

(۱) ہوا (۲) پانی (۳) سورج (۴) زمین (۵) کھانا وغیرہ

اب ہر ایک چیز کا پیدائش سے پہلے ہونا ضروری ہے کیونکہ دریں صورت زندگی محال ہے جب باقی اشیاء جو مدار زندگی ہیں بغیر اعمال کے ہیں۔تو پھر کھانا بھی بغیر عمل کے ہوا۔اور جب زندگی نہ ہوگی تو کھانا کیسے پیدا ہوسکتا ہے۔جبکہ اس نے کوئی عمل نہیں کیا اور پھر جب تک عمل کرتا ہوگا تو کیا کھاتا ہوگا؟

۴۶۔ اگر کسی وقت سارے لوگ نیک ہوجائیں اور بدعملیاں ترک کردیں تو پھر کیا آرام ہوسکتا ہے۔کیونکہ سب آرائش کے اسباب تو بدعملیوں سے پیدا ہوتے ہیں اور جب بدعملیاں نہ ہوں تو آرام مشکل ہے۔ معلوم ہوا کہ مدعیان تناسخ یہ نہیں چاہتے کہ تمام دُنیا نیک ہوجائے۔

لطیفہ :۔ پھر ہم گھوڑے وغیرہ کی جگہ زیادہ آرام کی سواری مثلاً موٹر وغیرہ بنالیں گے۔

احمدی :۔ گھوڑے کی جگہ تو موٹر بنالی۔لیکن عورت کی جگہ کیا بنالیں گے۔

۴۷۔ اگر چکر اواگون سزا ہے۔تو کیوں جرم نہیں بتایا جاتا تاکہ اس سے بچ سکیں۔

۴۸۔ اگر چکر اواگون کا سزا ہے تو پھر جب گدھا اس کو محسوس نہ کرے یا ہم تم محسوس نہ کریں تو پھر یہ سزا کیسی؟

۴۹۔ جب پرمیشور نے مثلاً کسی کو بکری کے قالب میں جانے کی تکلیف دی۔تو پھر ہم اس بکری کو ذبح کرکے اس سزا سے نکال سکتے ہیں۔تو یہ پرمیشور نے سزا کیسی دی۔دوسرے پھر گوشت خوری تو اجر اور ثواب کا موجب ہوگی کیونکہ ہم تو اس کو اس کی سزا سے نکال لیتے ہیں۔

۵۰۔ انسانی زندگی کا انحصار دو چیزوں پر ہے۔نباتات وحیوانات اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں چیزیں جونوں کے چکر کے نتیجہ ہی میں ملتی ہیں۔اگر نباتات وحیوانات نہ ہوتے تو دُنیا کا سلسلہ ہی ختم ہوجاتا۔

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

از روئے ویدک دھرم

از مہاشہ محمد عمر صاحب مولوی فاضل

۱۔ ایشوری گیان حاصل کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی زندگی پاک اور پوتر ہو۔ چنانچہ آریہ سماج کے بانی مہرشی دیانند سرسوتی جی نے ستیارتھ پرکاش میں لکھا ہے کہ چاروں رشیوں پر ہی کیوں وید کا گیان ہوا ؟

جواب:۔ "وہی تمام لوگوں سے اعمال اور اخلاق کے لحاظ سے پاک اور پوتر تھے۔ اس لئے پرماتما نے اُن کو ویدوں کا گیان دیا"

پس جو کوئی دعوٰی الہام کرے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کی آتما پوتر اور اس کا جیون پاک وصاف ہونا چاہیئے۔

حضرت مرزا صاحب:۔ "کون تم میں ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کرسکتا ہے"۔

(تذکرۃ الشہادتین ص۵۲ طبع اوّل)

۲۔ دوسرا معیار:۔ "جو پربھو کے بھگت اور اس کی سیوا میں لگے رہتے ہیں۔ اُن کا مقابلہ دشمن نہیں کرسکتے"

(رگ وید منڈل ۸ سوکت ۲۲)

لیکھرام کا آپ کے ساتھ مقابلہ کرنا اور مُباہلہ میں مارا جانا۔ گنگا بشن نامی ایک آریہ کا ہلاک ہونا جو پہلے آپ کے مقابلہ پر آیا۔ لیکن پھر ڈر کر کہیں بھاگ گیا۔ مگر خدا نے پھر بھی اس کو نہ چھوڑا۔

۳۔ تیسرا معیار:۔ "پربھو جس کا رکھشک (مددگار) ہوتا ہے۔ وہ مضبوط ہوتا ہے اور بل کو پراپت ہوتا ہے"

(رگوید منڈل ۸ سوکت ۳۲ منتر ۱۶)

یعنی خدا تعالیٰ جس کی حفاظت کرتا ہے۔ اس کو کوئی مٹا نہیں سکتا وہ دُنیا میں باوجود مخالفین کے زیادہ ہونے کے دُنیا میں ترقی کرتا جاتا ہے چنانچہ حضرت اقدس علیہ السّلام کے خلاف لوگوں نے کئی منصوبے کئے تاکہ آپ کو قتل کر دیں، لیکن خدا نے اس اصول کے مطابق آپ کی حفاظت کی اور آپ کو ان لوگوں کے منصوبوں سے بچا لیا۔ چنانچہ لیکھرام کے قتل پر آریوں اور ہندوؤں نے بزور کوشش کی کہ آپ کو نقصان پہنچے اور آپ کے قتل کے منصوبے سوچے گئے، لیکن خدا نے ان میں دشمنوں کو ناکام رکھا۔ جیساکہ آپ نے "سراج منیر" صفحہ ۲۱ پر مفصل لکھا ہے۔

۴۔ معیار چہارم:۔ سانپ۔ مفتری۔ ڈشٹ۔ دوسرے آدمیوں کا مال چُرانے والے کبھی دنیا میں کامیاب

نہیں ہوتے۔

اِس میں بتایا گیا ہے کہ مفتری اور ڈشٹ کبھی دُنیا میں بامراد اور کامیاب نہیں ہوتے۔ بلکہ وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ ان کا نام و نشان مِٹ جاتا ہے۔ اگر حضرت مرزا صاحب نعوذ باللہ اپنے دعویٰ میں سچے نہ ہوتے تو یقیناً آپ کبھی کامیاب نہ ہوتے۔

پانچواں معیار:۔ "دھرم ایو ہتو ہنتی دھرمو رکھشتی رکھشا"۔ منو دھرم ادھرمی کو مار دیتا ہے اور دھرمی کی رکھشا کرتا ہے۔ یعنی جو آدمی دھرم پر ہوتا ہے وہ تباہ و برباد نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس کی حفاظت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت اقدس علیہ السلام اگر دھرم پر قائم نہ ہوتے تو اس اصول کے مطابق یقیناً مٹا دیئے جاتے اور ادھرم ان کا سارا کام تباہ کر دیتا، لیکن انہوں نے ترقی کی۔ بخلاف لیکھرام کے کہ وہ چونکہ دھرم پر قائم نہ تھا۔ اس لئے ادھرم نے اس کو ناکام کر کے مٹا دیا۔ اور اس کی مدد نہ کی۔

چھٹا معیار:۔ آپ کی پیشگوئیوں کا پورا ہونا۔ لیکھرام کے قتل کی پیشگوئی۔ دیانند کی موت کی پیشگوئی، آریہ سماج کی موت کی پیشگوئی۔ دلیپ سنگھ کی پیشینگوئی۔ تقسیم بنگال۔ وغیرہ۔ آریہ سماج کی موت کے متعلق اخبارات میں بہت سے مضامین نکلتے ہیں۔ وہاں دیکھ لیں۔

سناتن دھرم

حضرت کرشن علیہ السلام کی آمد کی نشانیاں

(۱) شری کرشن جی خود فرماتے ہیں کہ:۔

"ہے بھارت! جب دھرم کی نیستی اور ادھرم کا دَور دَورہ ہو جاتا ہے تب میں اوتار لیتا ہوں۔"

(۲) پھر فرماتے ہیں:۔

"کہ نیک لوگوں کی حفاظت اور بدوں کو نیست و نابود کرنے اور صراط مستقیم یعنی دینِ خدا کو قائم کرنے کے لیے ہر ایک یُگ پر میرا اوتار ہوتا ہے۔" (گیتا ادھیائے ۴ شلوک ۷، ۸)

(۳) شری ویاس جی پہلی نشانی مہابھارت کے مصنف مقدس رشی بیان فرماتے ہیں کہ کلجگ کے دَور دَورے میں اندھا دھند ادھرمی (بیدینی) کی عملداری رہتی ہے۔ جھوٹ۔ فریب۔ ہتیا (ایذا رسانی) غصہ۔ لالچ۔ کا دَور دَورہ ہوتا ہے۔ انسان کو خراب افعال سے رغبت اور نیک اعمال سے نفرت ہو جاتی ہے۔ جپ تپ (عبادت۔ ریاضت) پوجا پاٹ۔ برت۔ ہون ایسے ایسے تمام نیک کام براہمن تک چھوڑ دیتے ہیں اوروں کا کیا ذکر۔ خوردنی اور ناخوردنی چیزوں کا امتیاز نہیں رہتا۔ چھوت چھات کو واہیات سمجھتے ہیں۔ کشتریوں کو رعیت پروری سے تنفر ہوتا ہے۔ جرأت اور بہادری کھو بیٹھتے ہیں۔ سنتوں کی خدمتگذاری سے کچھ کام نہیں رہتا۔ دولت ہی کی فکر میں اندھے رہتے ہیں۔ غلہ بے مزہ۔ پھل بے ذائقہ ہو جاتے ہیں۔ کم عمر صاحب اولاد ہو جاتی ہیں۔ آٹھ برس کی عمر میں حمل ٹھہر جاتا ہے۔ درختوں کی بار آوری کم ہو جاتی ہے۔ گایوں کا دودھ گھٹ جاتا ہے۔ اوقاتِ مناسب پر پانی نہیں برستا۔ امساکِ باراں سے قحط عالمگیر ہوتے ہیں۔ ناخن اور بال بڑھا کر لوگ مہاتما بن جاتے ہیں۔ برہمچاری مال خوب مارتے ہیں۔ عورتوں کا چلن بگڑ جاتا ہے۔ خاوندوں کے ہوتے ہوئے نوکروں سے ملتفت ہوتی ہیں۔ مرد حسین بی بی سے محبت نہیں کرتے۔ زنانِ بازاری کو گلے کا ہار بناتے ہیں۔ شراب خانے آباد رہتے ہیں۔ عبادت خانے سنسان۔ جہاں پہلے دھرم تھے وہاں بدفعلیاں اور بدعملیوں کی گرم بازاری رہتی ہے۔" (مہابھارت بن پرب صفحہ ۸۹، ۶۸۶، ۶۸۷)

(۴) جس وقت کلجگ آگیا سمجھ لیجئے کہ دُنیا کی ہوا پلٹ گئی۔ وہ وہ پاپ۔ وہ وہ گناہ ہونگے کہ زمین کانپ اُٹھے گی۔ لڑکے والدین کو بے وقوف سمجھیں گے۔ رضا جوئی فرمانبرداری کیسی؟ عورتیں لڑائی جھگڑے بکھیڑے سے خاوندوں کے ناک میں دم لائیں گی جب اس طرح سے دھرم کا پیالہ چھلکنے کو ہوگا تو بھگوان جی کو تکلیف کرنی پڑیگی کہ کلجگی اوتار میں جلوہ دکھلائیں کہ پاپ کی ناؤ ڈوبے گی۔ دھرم کی بیل ہری بھری ہوگی۔ (مہابھارت بن پرب ص ۴۸۹)

(۵) نہہ کلنکی کی طاقتیں غیبی ہونگی۔ طاقت میں بے نظیر عقلمندی میں یکتائے روزگار۔ یوں تو نہ کوئی ہتھیار پاس ہوگا (لڑائی کا اوزار) مگر ایک اشارے میں سب کچھ موجود ہو جائیگا۔ ذات مبارک دھرم کو از سرِ نو زندہ کریگی۔ بدکردار لُجے لقمۂ تیغ اجل ہو جائیں گے۔ دھرم کی خلاف ورزی عذاب میں سمجھی جائیگی۔ (ایضاً صفحہ ۶۰، ۴۹۰)

عیسائیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت

بائبل کی پیشینگوئیاں

۱۔ استثنا باب ۱۸ آیت ۱۵

"خداوند تیرا خدا تیرے لئے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے تیری مانند ایک نبی برپا کرے گا۔ تم اسی طرف کان دھریو۔"

۲۔ استثنا باب ۱۸ آیت ۱۷ تا ۱۹

"اور خداوند نے مجھے کہا کہ انہوں نے جو کچھ کہا سو اچھا کہا۔ میں ان کے لئے ان کے بھائیوں میں سے تجھ سا ایک نبی برپا کرونگا اور اپنا کلام اس کے مونہہ میں ڈالونگا اور جو کچھ میں اُسے فرماؤنگا۔ وہ سب ان سے کہیگا اور ایسا ہوگا کہ جو کوئی میری باتوں کو جنہیں وہ میرا نام لیکر کہے گا نہ سُنے گا۔ تو میں اس کا حساب اس سے لونگا۔"

۳۔ استثنا باب ۳۳۔ آیت ۱، ۲

"اور یہ وہ برکت ہے جو موسیٰ مرد خدا نے اپنے مرنے سے آگے بنی اسرائیل کو بخشی۔ اور اُس نے کہا کہ خداوند سینا سے آیا۔ شعیر سے اُن پر طلوع ہوا۔ فاران ہی کے پہاڑ سے وہ جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدسیوں کے ساتھ آیا۔ اور اس کے داہنے ہاتھ میں ایک آتشین شریعت ان کے لئے تھی۔"

۴۔ زبور ۳۵۔ آیت ۱ تا ۲۸۔

"اے خداوند ان سے جو مجھ سے جھگڑتے ہیں ----- اور میری زبان تیری صداقت اور تیری ستائش کی بات تمام دن کہتی رہے گی۔"

۵۔ یسعیاہ باب ۴۲۔ آیت ۹ تا ۲۵

"دیکھو تو سابق پیشینگوئیاں بر آئیں اور میں نئی باتیں بتلاتا ہوں اس سے پیشتر کہ واقع ہوں میں تم سے بیان کرتا ہوں۔ خداوند کے لئے ایک نیا گیت گاؤ۔ اے تم جو سمندر پر گزرتے ہو اور تم جو اس میں بستے ہو اے بحری ممالک اور ان کے باشندو! تم زمین پر سرتا سر اس کی ستائش کرو بیابان اور اس کی بستیاں۔ قیدار کے آباد دیہات اپنی آواز بلند کرینگے۔ سلع کے بسنے والے ایک گیت گائیں گے۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر

سے للکارینگے وہ خداوند کا جلال ظاہر کرینگے ...... کیونکہ انہوں نے نہ چاہا کہ اس کی راہوں پر چلیں اور وہ اس کی شریعت کے شنوا نہیں ہوتے۔ اس لیے اس نے اپنے قہر کا شعلہ اور جنگ کا غضب اُس پر ڈالا۔"

۶۔ غزل الغزلات باب ۵۔ آیت ۱۰ تا ۱۶

"میرا محبوب سُرخ و سفید ہے۔ دس ہزار آدمیوں کے درمیان وہ جھنڈے کی مانند کھڑا ہوتا ہے اس کا سر ایسا ہے جیسا چوکھا سونا۔ اُس کی زلفیں پیچ در پیچ ہیں۔ اور کوّے کی مانند کالی ہیں۔ اُس کی آنکھیں اُن کبوتروں کی مانند ہیں جو لبِ دریا دُودھ میں نہا کر تمکنت سے بیٹھتے ہیں اُس کے رُخسارے پھُولوں کے چمن اور بلسان کی اُبھری ہوئی کیاریوں کی مانند ہیں۔ اس کے لب سوسن ہیں۔ جن سے بہتا ہُوا مُر ٹپکتا ہے۔ اس کے ہاتھ ہیں جیسے سونے کی کڑیاں جس میں ترسیس کے جواہر جڑے ہیں۔ اس کا پیٹ ہاتھی دانت کا کام ہے جس پر نیلم کے گل بنے ہیں۔ اس کے پاؤں پر کھڑے کئے جائیں۔ اس کی قامت لُبنان کی سی ہے۔ وہ خوبی میں رشکِ سرو ہے اُس کا منہ شیرینی ہے۔ ہاں وہ سراپا عشق انگیز ہے۔ اے یروشلم کی بیٹیو! یہ میرا پیارا۔ یہ میرا جانی ہے۔"

۷۔ یسعیاہ باب ۵۳۔ آیت ۱۰ تا ۱۲

"لیکن خداوند کو پسند آیا کہ اُسے کُچلے۔ اُس نے اُسے غمگین کیا۔ جب اس کی جان گناہ کے لئے گزرانی جائے تو وہ اپنی نسل کو دیکھے گا اور اس کی عمر دراز ہوگی۔ اور خدا کی مرضی اس کے ہاتھ کے وسیلے بر آئے گی اپنی جان کا دُکھ اُٹھا کے وہ اُسے دیکھے گا اور سیر ہوگا۔ اپنی ہی پہچان سے میرا صادق بندہ بہتوں کو راستباز ٹھہرائیگا۔ کیونکہ وہ ان کی بدکاریاں اپنے اوپر اُٹھا لیگا۔ اس لیے مَیں اُسے بزرگوں کے ساتھ ایک حصّہ دونگا۔ اور وہ لوٹ کا مال زور آوروں کے ساتھ بانٹ لے گا کہ اس نے اپنی جان موت کے لئے انڈیل دی اور گنہگاروں کے درمیان شمار کیا گیا۔ اور اس نے بہتوں کے گناہ اُٹھا لیے اور گنہگاروں کی شفاعت کی۔"

۸۔ اعمال باب ۳۔ آیت ۲۲۔ ۲۳

"چنانچہ موسیٰ نے کہا کہ خداوند خدا تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لیے مجھ سا ایک نبی برپا کریگا۔ جو کچھ وہ تم سے کہے اُس کی سُننا۔"

۹۔ متی باب ۲۱۔ آیت ۴۲ تا ۴۴

"جس پتھر کو معماروں نے رد کیا۔ وہی کونے کے سرے کا پتھر ہوا یہ خداوند کی طرف سے ہوا۔ اور تمہاری نظروں میں عجیب ہے۔ اس لئے مَیں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی اور اُس قوم کو جو اس کے پھل لائیگی دے دی جائے گی۔ اور جو اس پتھر پر گریگا۔ اس کے ٹکڑے ہو جائینگے مگر جس پر وہ گرے گا اُسے پیس ڈالیگا۔"

۱۰۔ لوقا باب ۱۳ : آیت ۳۵

"دیکھو تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے۔ کیونکہ مَیں تم سے کہتا ہوں کہ اب سے مجھے پھر

ہرگز نہ دیکھو گے جب تک نہ کہو گے کہ مبارک ہے وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے؟

۱۱- یوحنا باب ۱۴- آیت ۱۶

"اور مَیں باپ سے درخواست کرونگا۔ تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے یعنی سچائی کی روح جسے دُنیا حاصل نہیں کر سکتی۔"

۱۲- یوحنا باب ۱۴- آیت ۳۰

"اس کے بعد میں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا۔ کیونکہ دُنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔"

۱۳- یوحنا باب ۱۵ آیت ۲۶، ۲۷

"لیکن جب وہ مددگار آئیگا جس کو مَیں تمہارے پاس باپ کی طرف سے بھیجونگا۔ یعنی سچائی کی رُوح جو باپ کی طرف سے نکلتا ہے۔ تو وہ میری گواہی دیگا۔ اور تم بھی گواہ ہو۔ کیونکہ شروع سے میرے ساتھ ہو۔"

۱۴- یوحنا باب ۱۶ آیت ۷، ۸

"میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر مَیں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آئیگا۔ لیکن اگر میں جاؤنگا تو اُسے تمہارے پاس بھیجدونگا۔ اور وہ آکر دُنیا کو گناہ اور راستبازی اور عدالت کے بارے میں قصوروار ٹھہرائیگا۔"

۱۵- یوحنا باب ۱۶ آیت ۱۲ تا ۱۴

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ سچائی کا روح آئیگا تو تم کو سچائی کی راہ دکھائیگا۔ اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا۔ لیکن جو کچھ سُنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دیگا۔ وہ میرا جلال ظاہر کریگا۔"

۱۶- لوقا باب ۲۰ آیت ۹ تا ۱۸

انگوری باغ کی تمثیل اور نوکر بیٹے اور خود خداوند کے آنے کا قصہ۔

۱۷- مکاشفہ باب ۵ آیت ۱ - قرآن مجید اور سورۃ فاتحہ کی پیشگوئی۔

تردیدِ الوہیتِ مسیح ناصری علیہ السلام

۱- "خدا ایک ہے۔"

و- حوالجات از عہدنامہ قدیم:

(۱) ۲-سلاطین ۱۹/۱۵ (۲) یسعیاہ ۴۵/۵،۶ (۳) زبور ۸۶/۸تا۱۰ (۴) ۲-سموئیل ۷/۲۲ (۵) زبور ۹۰/۲
(۶) استثنا ۶/۴ (۷) استثنا ۳۳/۲۶ (۸) ۱-سموئیل ۲/۲ (۹) ۱-سموئیل ۷/۳،۴ (۱۰) ۲-سموئیل ۲۲/۳۲
(۱۱) ۱-سلاطین ۸/۳۹ (۱۲) استثنا ۴/۲۹ (۱۳) استثنا ۷/۹ (۱۴) یسعیاہ ۴۳/۱۰ (۱۵) ۱-سموئیل ۱۷/۴۶

(۱۶) ۱-سلاطین ۸/۲۳ (۱۷) ۱-تواریخ ۱۶/۲۵ (۱۸) ۱-تواریخ ۱۷/۲۰ (۱۹) ۱-تواریخ ۲۹/۱۱ (۲۰) ۲-تواریخ ۶/۱۴
(۲۱) زبور ۱۸/۳۱ (۲۲) زبور ۴۸/۱۴ (۲۳) زبور ۵۰/۷

ب - از عہد نامہ جدید :-

۱- اعمال ۱۷/۲۳ "پس جس کو تم بغیر معلوم کئے پوجتے ہو۔ مَیں تم کو اُسی کی خبر دیتا ہوں۔"

۲- یوحنا ۵/۴۴ - "تم جو دوسروں سے عزت چاہتے ہو اور وہ عزت جو خدائے واحد سے ہوتی ہے کیونکر ایمان لا سکتے ہو۔"

۳- یوحنا ۱۷/۳ - "اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے - جانیں۔"

۴- مرقس ۱۲/۲۹-۳۰ "اول یہ کہ اے اسرائیل اس پر خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے - اور تُو خداوند سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری طاقت سے محبت رکھ۔"

۵- ۱-کرنتھیوں ۸/۴-۶ "اور سوا ایک کے اور کوئی خدا نہیں - اگرچہ آسمان و زمین میں بہت سے خدا کہلاتے ہیں - چنانچہ بہتیرے خدا اور بہتیرے خداوند ہیں، لیکن ہمارے نزدیک تو ایک ہی خدا ہے یعنی باپ۔"

۶- اِفسیوں ۴/۶ "اور سب کا خدا اور باپ ایک ہی ہے جو سب کے اوپر اور سب کے درمیان اور سب کے اندر ہے۔"

۷- یوحنا ۲۰/۱۷ - "میں اپنے باپ اور تمہارے باپ اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اوپر جاتا ہوں۔"

۲- عیسائیوں کی دلیلیں اور اُن کی تردید

پہلی دلیل :- پہلی دلیل جو عیسائی صاحبان کی طرف سے پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ مسیح کو تورات و انجیل میں خدا کا بیٹا کہا گیا ہے - اِس سے معلوم ہوا کہ وہ خدا کا بیٹا تھا۔

جواب ۱ - ابن اللہ کا لفظ توریت اور انجیل میں صرف مسیح کے واسطے نہیں بولا گیا - بلکہ یہ لفظ مسیح کے سوا سینکڑوں ہزاروں آدمیوں کے متعلق استعمال کیا گیا ہے، لیکن عیسائی صاحبان ان تمام لوگوں کو خدا کے بیٹے تسلیم نہیں کرتے - حالانکہ جیسا مسیح کو ابن اللہ کہا گیا ویسا ہی باقیوں کے حق میں ابن اللہ کا لفظ بولا گیا - (دیکھو ذیل کے حوالجات) :-

۱- اسرائیل خدا کا بیٹا ہے - خروج باب ۴ - آیت ۲۲
۲- داؤد خدا کا بڑا بیٹا ہے - زبور باب ۸۹ آیت ۲۶ - ۲۷
۳- سلیمان خدا کا بیٹا ہے - ۱-تواریخ باب ۲۲ آیت ۹ و ۱۰
۴- قاضی مفتی خدا کے بیٹے ہیں - زبور باب ۸۲ آیت ۶
۵- سب بنی اسرائیل خدا کے بیٹے ہیں - رومیوں باب ۹ - آیت ۴
۶- تمام یتیم بچے خدا کے لڑکے ہیں - زبور باب ۶۸ آیت ۵

۷- بدکار لوگ خدا کے لڑکے ہیں۔ یسعیاہ باب ۳ آیت ۱

جواب ۲:۔ اگر عیسائی صاحبان مسیح کو اس لئے خدا کا بیٹا تصور کرتے ہیں کہ اس کے لئے لفظ ابن اللہ بولا گیا ہے۔ تو پھر ہم اسے انسان سمجھتے ہیں اس لئے کہ انجیل میں اُسے انسان کا بیٹا کہا گیا ہے۔ دیکھو حوالے:۔

۱- یسوع ابن داؤد بن ابراہیم - متی باب ۱ - آیت ۱

۲- انسان کا بیٹا کھاتا پیتا آیا - متی باب ۱۱ - آیت ۱۹ و متی ۸/۲۰ و ۹/۶ و ۱۰/۲۳

۳- مَیں جو ابن آدم ہوں - انسان ہوں - متی باب ۱۶ - آیت ۴

جواب ۳:۔ خدا کا بیٹا ہونے سے مطلب "راستباز" اور خدا کا محبوب ہونا ہے۔

(۱- یوحنا ۱/۱۹ و ۱/۲ و متی ۵/۴۵)

معلوم نہیں کہ مسیح میں کونسی ایسی خصوصیت ہے جس کی وجہ سے اُسے تو خدا کا بیٹا بلکہ مجسم خدا سمجھا جاوے اور باقیوں کو محض عاجز انسان خیال کیا جاوے۔

دوسری دلیل:۔ مسیح نے عظیم الشان معجزے دکھائے۔ چونکہ وہ معجزے بشری طاقت سے بالا تر تھے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ مسیح انسان نہ تھا۔ خدا تھا۔

جواب ۱:۔ عیسائی صاحبان اگر معجزے دکھانا ہی الوہیت کی علامت سمجھتے ہیں تو پھر تمام انبیاء علیہم السلام خدا ہونے کے مستحق ہیں۔ اور کیوں نہیں؟ آپ لوگ موسیٰ۔ ایلیاہ وغیرہ کو خدا سمجھتے جنہوں نے آپ کے مسیح سے بھی بڑھ کر معجزے دکھائے۔ سُنیئے:۔

۱- پہلا معجزہ مسیح کا سب سے بڑا معجزہ مُردوں کو زندہ کرنا ہے۔ مگر اس میں بھی مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں مسیح کے علاوہ اور انبیاء علیہم السلام سے بھی یہ کرامت صادر ہوئی۔ دیکھو حوالے:۔

۱- الیسع نے مُردے زندہ کئے - ۲- سلاطین باب ۴ آیت ۳۵ تا ۳۷

۲- حزقیل نے ہزاروں پُرانے مُردے زندہ کئے۔ حزقیل ۳۷ آیت ۱ تا ۱۳

۳- ایلیاہ نے مُردے زندہ کئے۔ ۱- سلاطین باب ۱۷ - آیت ۲۲

۴- الیشع کی لاش نے مُردہ زندہ کر دیا - ۲- سلاطین ۱۳/۲۱

ناظرین خود انصاف فرما سکتے ہیں کہ اگر مسیح بسبب مُردے زندہ کرنے کے خدا ہو سکتا ہے تو الیسع۔ حزقیل اور ایلیاہ وغیرہ جنہوں نے ہزاروں مُردے زندہ کئے کیوں نہ خدا سمجھے جاویں۔ لیکن عیسائی ان کو محض انسان ہی سمجھتے ہیں۔

جواب ۲:۔ انجیل سے ثابت ہے کہ مُردوں سے مُراد رُوحانی مُردے ہیں نہ کہ جسمانی:۔

ا- یوحنا ۵/۲۱ و ۱- کرنتھیوں ۱۵/۲۱ تا ۵۱ و افسیوں ۲/۱ و ۲/۵

ب- مُردہ سے مراد شہوات - کلسیوں ۳/۵-۳

ج- زندگی سے مراد یسوع پر ایمان لانا - یوحنا ۱۴/۲

۲۔ دوسرا معجزہ:۔ بیماروں کو اچھا کرنا۔

جواب:۔ اِس میں بھی اور انبیاء مسیح کے شریک ہیں۔

۱۔ الیشع نے نعمان سپہ سالار کو جو کوڑھی تھا اچھا کیا۔ (۲۔سلاطین ۵ آیت ۱۴)

۲۔ یوسف نے اپنے باپ یعقوب کو آنکھیں دیں۔ دیکھو (پیدائش باب ۴۶ آیت ۴ تا ۳۰)

۳۔ بیماروں سے روحانی بیمار مراد ہیں۔ مرقس $\frac{۲}{۱۷}$ و پطرس $\frac{۲}{۲۴}$

رُوحانی اندھے بہرے۔ متی $\frac{۱۳}{۱۴}$ و $\frac{۱۵}{۱۴}$ و یوحنا $\frac{۹}{۳۹}$ و پطرس $\frac{۲}{۲۴}$

۳۔ تیسرا معجزہ:۔ تھوڑے کھانے اور شراب کو بڑھا دینا۔

جواب:۔ یہ کام بھی بہت سے انبیاء سے ظہور پذیر ہوا۔ بلکہ بعض انبیاء اس کام میں مسیح سے بھی بڑھے ہوتے ہیں۔ دیکھو حوالے:۔

۱۔ ایلیاہ نے مٹھی بھر آٹے اور تھوڑے تیل کو بڑھا دیا کہ وہ سال بھر تک تمام نہ ہوا۔

دیکھو (۱۔سلاطین باب ۱۷ آیت ۱۲ تا ۱۶)

۲۔ الیشع نے بھی ذرا سے تیل کو اسقدر بڑھا دیا کہ گھر والوں کے پاس اُس کے رکھنے کے لئے کوئی برتن نہ رہا۔ (۲۔سلاطین ۴ آیت ۲ تا ۶)

۴۔ چوتھا معجزہ:۔ بغیر کشتی کے دریا پر چلنا۔

جواب:۔ یہ بھی صرف مسیح کا کام نہ تھا بلکہ موسیٰ نے اس سے بڑھکر معجزہ دکھایا۔ اس نے سمندر کو ایسی لاٹھی ماری کہ وہ پھٹ گیا اور سیال پانی الگ الگ دونوں طرف کھڑا ہو گیا۔

۲۔ یُوشع نے یردن کو خشک کر دیا۔ (کتاب یُوشع $\frac{۳}{۱۷}$)

۳۔ ایلیاہ نے دریا کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ (۲۔سلاطین $\frac{۲}{۸}$)

۴۔ الیشع نے ناکارہ چشموں اور بنجر زمینوں کو ایک پیالہ پانی سے اُچھال دیا۔ (۲۔سلاطین $\frac{۲}{۱۹}$ تا ۲۲)

۵۔ الیشع نے چادر مار کر پانی کے دو ٹکڑے کئے۔ (۲۔سلاطین $\frac{۲}{۱۴}$)

۶۔ موسیٰ کی دُعا سے مینہ اور اولے تھم گئے۔ (خروج $\frac{۳}{۹}$)

۷۔ موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر مینڈک پھیلا دیئے۔ (خروج $\frac{۹}{۲۴}$)

۸۔ ہارون نے مینڈک مصر میں پھیلا دیئے۔ (خروج $\frac{۵}{۶ تا ۷}$)

۹۔ موسیٰ نے ہاتھ پھیلا کر سب مصر پر اندھیرا کر دیا۔ (خروج $\frac{۱۰}{۲۲}$)

۱۰۔ موسیٰ نے ہاتھ بڑھا کر سب سواریوں کو ہلاک کر دیا۔ (خروج $\frac{۱۴}{۲۶ تا ۲۹}$)

۱۱۔ یشوع نے چاند اور سُورج کو حکم دیکر کھڑا کر دیا۔ (یشوع $\frac{۱۰}{۱۲ تا ۱۴}$)

۱۲۔ یسعیاہ نے سورج کو دس درجہ پیچھے ہٹا دیا۔ (۲۔سلاطین $\frac{۲۰}{۱۱}$)

۱۳۔ تین شخص جلتی آگ میں ڈالے مگر نہ جلے۔ (دانیال $\frac{۳}{۲۱ تا ۲۵}$)

۵۔ پانچواں معجزہ:۔ مسیح نے پرندے بنائے۔ پس وہ خالق ٹھہرا۔

احمدی:۔ تورات میں ہے۔ ہارون نے جوتیں بنائیں۔ (خروج ۳۲/۴)
پس وہ بھی بقول شما خالق ٹھہرا۔ یک نہ شد دو شد۔
ایک اور بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت مسیح نے مُریدوں کو فرمایا کہ اگر تم میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو۔ تو تم میرے جیسے کام کر سکتے ہو اب عیسائی صاحبان سے سوال ہے کہ اگر معجزاتِ عظیم الشان کی وجہ سے آپ لوگ مسیح کو خدا مانتے ہو۔ تب تو حواریوں کو بھی شریکِ الوہیت ماننا چاہیئے۔ کیونکہ انہوں نے بھی معجزات دکھاتے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ حواریوں نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا۔ تو یہ ماننا پڑیگا کہ وہ بالکل ہی بے ایمان تھے۔

ایک اور جواب:۔ انجیل میں مسیح نے صاف فرما دیا کہ میرے بعد بہت سے جھُوٹے نبی پیدا ہونگے جو اتنے بڑے بڑے معجزات دکھائینگے کہ ہوسکتا ہے کہ وہ کاملین کو دھوکہ میں ڈال دیں۔ لیکن تم ان کے دھوکہ میں ہرگز نہ آنا۔ مسیح کے اِس قول سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کے نزدیک ایک جھُوٹا آدمی معجزات دکھا سکتا ہے تو پھر معجزات خُدائی کا معیار کس طرح ہوئے اور معجزات دکھانے سے مسیح کی خدائی کیسے ثابت ہوسکتی ہے؟

تیسری دلیل:۔ جس سے مسیح کی الوہیت ثابت کی جاتی ہے۔ وہ مسیح کا ایک قول ہے جو اس نے اپنے مخالف یہودیوں کو کہا۔ "کہ تم نیچے سے ہو۔ مَیں اُوپر سے ہوں۔ تم اس جہان کے ہو۔ مَیں اِس جہان کا نہیں۔"
جواب:۔ اس فقرہ کے معنے بالکل صاف ہیں کہ اے یہودیو! مَیں نبی ہوں میرے علوم آسمانی ہیں اور تم زمینی علوم پڑھتے ہوتے ہو۔ تم میرا مقابلہ کس طرح کر سکتے ہو۔ یہ ایک عام محاورہ ہے۔ اُردو میں بھی مستعمل ہے۔ دیکھو ہم ایک شخص کو زمینی یا دُنیا دار کہتے ہیں۔ اِس کے یہ معنی نہیں کہ وہ زمین میں اور دُنیا میں رہتا ہے کیونکہ زمین اور دُنیا میں تو نیک بھی رہتے ہیں۔ مسیح بھی تیس برس تک۔ (ہمارے نزدیک ۱۲۰ برس تک) اسی دُنیا میں رہا۔ بلکہ اس فقرہ کے یہ معنی ہیں کہ یہ شخص خدا سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ دنیا سے محبت کرتا ہے۔ اِسی طرح مسیح نے بھی یہودیوں کو کہا کہ مَیں تمہاری طرح تقلیدی علوم کا اور زمینی فنون کا وارث نہیں۔ بلکہ میں آسمانی علوم کا وارث ہوں۔ لیکن اگر کوئی عیسائی خواہ مخواہ ضد سے اس فقرے سے مسیح کی الوہیت ثابت کرنا چاہے تو وہ یاد رکھے کہ اس بات میں بھی مسیح کی خصوصیت نہیں بلکہ تمام نیک لوگ اور حواری اس بات میں شامل ہیں۔ دیکھو حوالے:
۱۔ مسیح حواریوں کے متعلق خدا سے دُعا میں عرض کرتا ہے:۔
"اس لئے کہ جیسا مَیں دُنیا کا نہیں ہوں۔ وے بھی دُنیا کے نہیں ہیں۔" (یوحنا باب ۱۷۔ آیت ۱۴)
اب اگر اس دُنیا کا نہ ہونے کی وجہ سے مسیح خدا ہو۔ تو پھر تمام حواری بھی اسی وجہ سے خدا سمجھنے چاہئیں۔
۲۔ ایک جگہ مسیح حواریوں کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں:۔
"اِس لئے کہ دُنیا کے نہیں ہو" (یوحنا باب ۱۵۔ آیت ۱۹)
چوتھی دلیل:۔ مسیح کہتا ہے کہ مَیں اور باپ ایک ہیں۔ مَیں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے۔
جواب:۔ یہ الفاظ اگر مسیح کی خدائی کا ثبوت بن سکتے ہیں تو تمام لوگ جن کے متعلق انجیل میں خود یسوع

نے ایسے الفاظ استعمال کئے ہیں وہ بھی خدائی کے مستحق ہیں۔ دیکھو حوالہ:۔

۱۔ مسیح خدا کے حضور حواریوں کی سفارش کرتا ہوا ایک جگہ کہتا ہے "تاکہ وہ سب ایک ہوجاویں۔ جیساکہ اے باپ تو مجھ میں ہے اور میں تجھ میں ہوں کہ وہ بھی ہم میں ایک ہوں۔"

(یوحنا باب ۱۷۔ آیت ۲۱ تا ۲۳)

اب اگر ایک ہوجانے کے لفظ سے کوئی خدا بن سکتا ہے تو تمام حواری بھی خدا ہونے چاہئیں۔ نیز دیکھو (۲) (یوحنا باب ۱۴۔ آیت ۲۰)۔

پانچویں دلیل :۔ مسیح نے کہا کہ "میں خدا سے نکلا ہوں۔" "تو مجھ سے پیدا ہوا۔"

(عبرانیوں ۱/۵ و یوحنا ۸/۴۲)

جواب :۔ ۱۔ پورا حوالہ پڑھو۔ "یسوع نے اُن سے کہا۔ اگر خدا تمہارا باپ ہوتا۔ تو تم مجھ سے محبت رکھتے۔ اس لیے کہ میں خدا سے نکلا اور آیا ہوں۔ کیونکہ میں آپ سے نہیں آیا۔ بلکہ اسی نے مجھے بھیجا۔" (یوحنا ۸/۴۲)

پس خود مسیح نے "نکلنے" کی تشریح کرکے بتادیا کہ اِس سے مراد تجسم الٰہی نہیں بلکہ صرف صفت ارسال المرسلین کا اظہار ہے چنانچہ مزید وضاحت کے لئے دیکھو:۔ (۱۔ یوحنا ۸/۱۴)

۲۔ "جو کوئی خدا سے ہوتا ہے۔ وہ خدا کی باتیں سُنتا ہے۔" (یوحنا ۸/۴۷)

۳۔ "جو اس کے نام پر ایمان لاتے ہیں...... خدا سے پیدا ہوتے ہیں۔" (یوحنا ۱/۱۲-۱۳)

۴۔ "جو کوئی راستبازی سے کام کرتا ہے وہ اس سے پیدا ہوا ہے۔" (۱۔ یوحنا ۲/۲۹)

۵۔ "جو کوئی خدا سے پیدا ہوا وہ گناہ نہیں کرتا۔" (۱۔ یوحنا ۳/۹)

۶۔ "جو کوئی محبت رکھتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔" (۱۔ یوحنا ۵/۱)

۷۔ "شاعروں میں سے بعض نے کہا کہ ہم تو اس کی نسل ہیں۔ پس خدا کی نسل ہو کر یہ خیال کرنا مناسب نہیں۔"

(اعمال ۱۷/۲۸، ۲۹)

۸۔ "سب ایک ہی اصل سے ہیں۔" (عبرانیوں ۲/۱۱)

چھٹی دلیل :۔ "یسوع کے لئے کل اور آج بلکہ ابد تک یکساں ہے۔" (عبرانیوں ۱۳/۸)

جواب :۔ لیکن لکھا ہے :۔

۱۔ "پیشتر اس کے کہ پہاڑ پیدا ہوئے اور زمین اور دُنیا کو تُو نے بنایا۔ ازل سے ابد تک تُو ہی خدا ہے۔"

(زبور ۹۰/۲)

۲۔ "مجھ سے آگے کوئی خدا نہ بنا۔ اور میرے بعد بھی کوئی خدا نہ ہوگا۔" (یسعیاہ باب ۴۳۔ آیت ۱۰)

۳۔ "ملک صدق بے باپ، بے ماں، بے نسب نامہ ہے۔ نہ اس کے دنوں کا شروع، نہ زندگی کا آخر، بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا۔" (عبرانیوں ۷/۳)

تحقیقی جواب :۔ مسیح کیلئے کل اور آج یکساں ہونا، بلکہ اس کے علم کا ازلی و ابدی ہونا محض دعویٰ ہے جو محتاج دلیل ہے۔ بلکہ خود انجیل سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ مثلاً :۔

۱۔ انجیر کے درخت کا علم نہ ہوا کہ اس میں پھل ہے یا نہیں۔ (متی ۲۱ باب ۱۸-۱۹ و مرقس ۱۱ باب ۱۲-۱۴)

۲۔ "میرے کپڑے کو کس نے چھوا؟" (لوقا ۸ باب ۴۵ تا ۴۷ و مرقس ۵ باب ۳۰)

سانویں دلیل:۔ حضرت مسیح کا بے باپ پیدا ہونا۔

جواب:۔ اگر مسیح اس وجہ سے خدا ہو سکتا ہے کہ وہ بے باپ تھا تو آدم تو ڈبل خدا ہونا چاہیئے کیونکہ مسیح تو صرف بے باپ ہی تھا مگر آدم بے باپ ہی نہ تھا بلکہ ماں بھی اس کی کوئی نہ تھی۔ اس طرح ملک صدق سالم بھی خدا مجسم ہونے کا حقدار نہ تھا کیونکہ وہ بھی بغیر ماں باپ کے تھا۔ دیکھو عبرانیوں باب ۷ آیت ۳۔

پھر علاوہ ازیں تمام وہ حیوانات جو ابتدائے آفرنیش میں خدا نے بے باپ اور ماں کے پیدا کئے سب کے سب خدا مجسم ہونے چاہئیں۔ اچھا ان کو جانے دیجئے۔ اب موجودہ لاکھوں کروڑوں کیڑے مکوڑے جو برسات آتے ہی بغیر ماں باپ ہوتے ہیں۔ کیا وہ مسیح کے ساتھ خدائی کے حقدار نہیں؟ بلکہ ان کا زیادہ حق ہے کیونکہ مسیح کے متعلق تو کوئی شبہ بھی کر سکتا ہے کہ اس کا کوئی باپ بھی ہو۔ مگر جس کی ماں بھی نہ ہو اُس پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ گو ہم مریم کو پاکباز و عصمت مآب سمجھتے ہیں۔ پر دُنیا کا منہ کون بند کرے اور یہودیوں کے الزامات کا جواب کون دے۔

آٹھویں دلیل:۔ آدم نے گناہ کیا۔ اس وجہ سے اس کی تمام نسل میں گناہ کا بیج بویا گیا۔ اور تمام انسان ہیں گرفتار ہوتے۔ مسیح چونکہ آدم کی پُشت سے نہیں تھا۔ اس لئے وہ گنہگار نہ ہوا۔ اور گناہ سے پاک صرف خُدا ہے۔ اس لئے مسیح خُدا ہوا۔

جواب:۔ اس دلیل میں جس قدر بھی دعوے ہیں سب کے سب سرے سے ہی غلط ہیں۔ نمبر وار سُنیئے:۔

۱۔ آدم کے گناہ کی وجہ سے اس کی نسل کا گنہگار ٹھہرنا خدا کے عدل کے بالکل خلاف ہے۔ کیسا یہی عیسائیوں کے خدا باپ کا عدل ہے کہ باپ کے گناہ کرنے سے بیٹا گنہگار سمجھا جاوے؟

۲۔ جو آدم کی پشت سے ہو وہ گنہگار ہوتا ہے۔ یہ بات بھی بالکل غلط ہے عقلاً بھی جیسا کہ اوپر ثابت کر آئے ہیں اور نقلاً بھی۔ اپنے گھر کی کتاب لوقا کھولیئے گا۔ باب ۱ آیت ۶۔ "وے دونوں خدا کے حضور راستباز اور خداوند کے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے"

دیکھیئے یہ زکریا اور اس کی بیوی کی تعریف ہے۔ اس عبارت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ دونوں میاں بیوی بالکل بے گناہ تھے۔ تو یہ دعویٰ کرنا کہ آدم کی اولاد میں سب گنہگار ہیں۔ خود لوقا کے نزدیک غلط ہے، کیونکہ زکریا اور اس کی بیوی بابا آدم ہی کی اولاد میں سے تھے۔

۳۔ یہ کہنا کہ جو آدم کی پشت میں سے نہ ہو وہ بے گناہ ہوتا ہے ایک نہایت ہی بدیہی البطلان قضیہ ہے، کیا شیطان گنہگار نہیں؟ اور کیا وہ آدم کی اولاد میں سے ہے؟ پھر سانپ نے گناہ کیا اور اسے مٹی کھانی پڑی کیا وہ آدم کی پشت سے ہے؟ پھر تمام وہ دیو یا بھوت جنہیں مسیح اور اس کے حواری نکالا کرتے تھے خبیث روحیں نہ تھیں؟ کیا وہ بھی آدم کی نسل سے تھے؟

۴ ۔ عیسائیوں کا یہ کہنا کہ مسیح بے گناہ تھا۔ مدعی سُست گواہ چُست والی بات یاد دلاتا ہے کیونکہ مسیح صاف اقرار کرتا ہے کہ مجھے نیک مت کہو۔ نیک صرف باپ ہے۔ پھر اگر خود مسیح بھی دعویٰ کرتا تو کیا ہوتا۔ دلیل کے بغیر تو کوئی شخص نہیں مانتا۔ گو ہم اُسے نیک سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ ہمارے قرآن نے اس تعریف کی۔ مگر یہودیوں کو کون لاجواب کرے۔ وہ فوراً الزام لگانے شروع کر دیتے ہیں کہ اُس نے یہ کیا اور وہ کیا۔ بدچلن عورت سے تیل ملوایا۔ یہودیوں کے عالموں کو گندی گالیاں دیں۔ بغیر اجازت لینے کے حواریوں سمیت ایک کھیت کے سِٹے توڑ کر نوش کرنے لگا۔ کھاؤ پیو اور شرابی تھا۔ غرض ان یہودیوں کا مونہہ کون بند کرے۔

عیسائیوں کی یہ دلیل کہ مسیح اس وجہ سے کہ وہ آدم کی نسل سے نہ تھا پاک اور بے گناہ ہے قطعی طور پر غلط ہے۔ کیونکہ :۔

۱۔ آدم کا گناہ جو بقول عیسائیوں کے موروثی طور پر اب تک آدم کی نسل میں چلا آتا ہے۔ اس کا اصل ذمہ وار (مطابق پیدائش $\frac{۳}{۱-۶}$) آدم نہ تھا بلکہ حوا تھی جس نے شیطان کے دھوکہ میں آکر آدم کو بہکایا۔ پس مسیح بوجہ حوا کی اولاد ہونے کے گنہگار ٹھہرا۔

۲۔ توارت میں لکھا ہے :۔

ا۔ "اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے وہ کیونکر پاک ٹھہرے"۔ (ایوب $\frac{۲۵}{۵}$)

ب۔ "اور وہ جو عورت سے پیدا ہوا ہے وہ کیونکر صادق ٹھہرے"۔ (ایوب $\frac{۱۵}{۱۵}$)

(۵) چونکہ مسیح بے گناہ تھا اس لئے وہ خدا ہوا۔ مگر اس خدائی میں مسیح اکیلا نہیں۔ زکریا بھی گناہ سے پاک تھا۔ اس لئے وہ بھی خدا ہوا۔ زکریا کی بیوی بھی گناہ سے پاک تھی۔ اس لئے وہ بھی خدا ہوئی اور خدا کی بیوی بھی۔ اِس حساب سے یحیٰ بھی خدا ٹھہرا۔ کیونکہ اس کی ماں بھی خدا۔ باپ بھی خدا۔ بلکہ یحیٰ مسیح سے بڑا خدا ہونا چاہیئے۔ کیونکہ مسیح کی ماں تو انسان تھی اور یحیٰ کے ماں باپ دونوں خدا تھے۔

ملک صدق سالم بھی خدا ہونے کا مستحق ہے۔ کیونکہ وہ آدم کی اولاد سے نہ تھا۔ اور جو آدم کی اولاد سے نہ ہو۔ وہ گناہ سے پاک ہوتا ہے۔ اور جو گناہ سے پاک ہو۔ وہ خدا ہوتا ہے۔ اس لئے ملک صدق سالم بھی خدا ہوا۔ پھر تمام فرشتے بھی خدا ہیں۔ کیونکہ وہ گناہ سے پاک ہیں۔ پھر تمام حیوانات چرند پرند خدائی کے حقدار ہیں کیونکہ وہ گناہوں میں آلودہ نہیں۔

نویں دلیل :۔ خود تین دن مُردہ رہ کر پھر زندہ ہوگیا۔

جواب :۔ مسیح جسمانی طور پر مر کر نہیں جیا۔ بلکہ رُوحانی طور پر زندہ کیا گیا۔

ا۔ ۱۔پطرس $\frac{۳}{۱۸}$ "۔ وہ جسم کے اعتبار سے مارا گیا۔ مگر رُوح کے اعتبار سے زندہ کیا گیا"۔

ب۔ "جس طرح یسوع مر کر جیا۔ اسی طرح ہم بھی مر کر جیتے ہیں"۔

(رومیوں $\frac{۶}{۱}$ و $\frac{۶}{۱۰-۱۱}$ و پطرس $\frac{۴}{۶}$)

۞ ۞ ۞

مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوا

مسیح دراصل صلیب پر فوت نہ ہوا تھا۔ بوجہ ذیل :-

(۱) مسیح کا اپنے واقعہ صلیب کو یونس نبی سے مشابہ قرار دینا۔ "مگر یونس نبی کے نشان کے سوا کوئی اور نشان ان کو نہ دیا جائیگا" (متی ۱۲/۳۹)

(۲) پلاطوس کی بیوی کو خواب آیا تھا کہ اگر مسیح ہلاک ہو گیا۔ تو پھر تم ہلاک کئے جاؤ گے۔ لیکن اُن کا تباہ و برباد نہ ہونا۔ (متی ۲۷/۱۹)

(۳) "پیلاطوس اس کے چھوڑنے کی کوشش کرنے لگا" (یوحنا ۱۹/۱۲)

(۴) حضرت مسیح کی دُعا ایلی ایلی لما سبقتنی بھی مانع ہے۔ (متی ۲۷/۴۶)

(۵) صرف ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ صلیب پر رہنا۔ (مرقس ۱۵/۲۴)

(۶) پہلو چھیدنے سے خون نکلنا۔ (یوحنا ۱۹/۳۴)

(۷) مسیح کی ہڈیاں نہ توڑی جانا۔ (یوحنا ۱۹/۳۳)

(۸) پیلاطوس کا تعجب کرنا کہ وہ اتنی جلدی مر گیا۔ (مرقس ۱۵/۴۴)

(۹) حواریوں سے ملنا اور زخم دکھانا۔ (یوحنا ۲۰/۲۵-۲۷)

(۱۰) مسیح علیہ السلام کا ملعون ٹھہرایا جانا۔ (گلتیوں ۳/۱۳)

(۱۱) ساری رات دُعا کرنا (متی ۲۶/۳۹)

(۱۲) مرہم عیسیٰ دوا کا بننا۔ (یوحنا ۱۹/۳۹-۴۰)

(۱۳) ابھی اور بھیڑوں کو جمع کرنا۔ (یوحنا ۱۰/۱۶)

دسویں دلیل :- چونکہ وہ آسمان پر چلا گیا۔ اس لیے خدا ہے۔

جواب نمبر ۱ :- ایلیاہ پیغمبر رتھ سمیت آسمان پر چلا گیا۔ (۲-سلاطین ۲/۱۱)

جواب نمبر ۲ :- مسیح آسمان پر نہیں گیا۔ (الف) "کوئی آسمان پر نہیں گیا" (یوحنا ۳/۱۳)

(ب) مسیح پہلے بھی آسمان ہی سے آیا تھا۔ (یوحنا ۶/۳۸ و ۶/۶۲-۶۳)

لہٰذا اب بھی رُوحانی طور پر وہ آسمان پر ہی ہے نہ کہ جسمانی طور پر۔

(ج) "مَیں تمہارے لئے جگہ تیار کرنے جاتا ہوں" (یوحنا ۱۴/۲،۳)

پس جہاں یسوع کے شاگرد گئے۔ وہاں یسوع بھی گیا۔

۱۔ چونکہ مسیح میں عوارض انسانیہ تھے۔ اس لئے وہ خدا نہیں۔

۲۔ چونکہ وہ قادر مطلق نہ تھا۔ کیونکہ وہ کہتا ہے۔ "دائیں بائیں بٹھانا میرا کام نہیں" (متی ۲۰/۲۳ مرقس ۱۰/۴۰) اور پھر صلیب پر سے کیوں نہ اُترا۔ حالانکہ دریں صورت یہودی ماننے کو تیار تھے۔ لہٰذا خدا نہ تھا۔

گیارہویں دلیل :۔ اور ضرور تھا کہ جو نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی اور اس کا نام عمانوایل رکھیں گے جس کا ترجمہ ہے "خدا ہمارے ساتھ" (متی ۱/۲۲-۲۳)

جواب نمبر۱۔ یسعیاہ ۷/۱۴ کی اصل عبارت نقل کرنے میں عیسائی انجیل نویسوں نے تحریف کی ہے۔ اصل الفاظ یہ ہیں :۔

"دیکھو ایک کنواری حاملہ ہوگی اور بچہ پیدا ہوگا اور وہ اُس کا نام عمانوایل رکھے گی" (یسعیاہ ۷/۱۴)

ج ۲ :۔ مریم نے اپنے بچے کا نام یسوع رکھا نہ کہ عمانوایل۔

ج ۳ :۔ یسعیاہ ۸ میں ایک لڑکے مہیر شالال حاش بز کی پیدائش کا ذکر ہے۔ پس وہی اس پیشگوئی کا مصداق ہے۔

ج ۴ :۔ عمانوایل کا ترجمہ "خدا ہمارے ساتھ" ہے۔ مگر یسوع کے ساتھ خدا نہ تھا۔ بوجوہات ذیل :۔

ا۔ یسوع کی ناکام زندگی۔

ب۔ خود اس کا ایلی ایلی لما سبقتنی کہکر اس کا اقرار کرنا۔

ج۔ چالیس دن اس کے ساتھ شیطان کا رہنا۔

د۔ اور پھر اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے اس سے جُدا ہونا۔ (لوقا ۴/۱۳) لہٰذا یسوع عمانوایل نہیں ہوسکتا۔

مسیح رُوح اللہ ہوکر خُدا نہیں بن سکتا

بارہویں دلیل :۔ قرآن مجید میں مسیح کو رُوح اللہ کہا گیا ہے۔ قرآن مجید میں مسیح کی نسبت رُوْحٌ مِنْهُ (النساء : ۱۷۲) کا لفظ آیا ہے دوسری جگہ آتا ہے۔ وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرَانَ الَّتِيْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ (التحریم : ۱۳) ایسا ہی تیسری جگہ آتا ہے۔ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ..... رُوْحٌ مِّنْهُ۔ (النساء : ۱۷۲)

جواب :۔ ہمارا یہ مذہب نہیں اور نہ اسلام نے ہمیں یہ تعلیم دی کہ سوائے خدا کے مسیح یا کسی اَور کو ہم خدا مانیں بلکہ اسلامی تعلیم اس کے صریح خلاف ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا آیات میں سے دوسری آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ۔ (النساء : ۱۷۲) کہ تین خدا مت کہو۔ ایسے عقیدہ سے باز آجاؤ کہ تمہارے لیے یہی بہتر ہے۔ اِسی طرح ایک جگہ فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ (المائدة : ۱۸ و ۷۳) نیز لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ۔ (المائدة: ۷۴) کہ ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح خدا ہے۔ نیز ان لوگوں نے بھی کفر کیا جنہوں نے کہا کہ خدا تین میں سے ایک ہے۔

علاوہ ازیں اگر کوئی رُوْحُ اللّٰهِ کے لفظ سے خدا بن جاتا ہے۔ تو اس میں حضرت مسیح کی خصوصیت نہیں۔ اس طرح سے تو پھر قرآن مجید کے رُو سے ہزاروں کروڑوں بلکہ سب ہی خدا بن جائیں گے۔ دیکھو :۔

و۔ خدا تعالیٰ آدم کے متعلق فرماتا ہے۔ ثُمَّ سَوّٰاهُ وَنَفَخَ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِهٖ (السجدة: ١٠)
فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ۔ (الحجر: ٣٠، ص: ٧٢)
گویا آدم میں بھی بعینہٖ مسیح کی طرح خدا کی رُوح پھونکی گئی۔ کیا وہ بھی خدا بن گیا۔
ب۔ جبرائیل کے حق میں فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ (مریم: ١٨)
ج۔ پھر حزقیال ۳۷/۱۴ عربی بائبل صفحہ ۱۲۲۶ میں ان لوگوں کے متعلق جو اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکالے گئے تھے اور ان کو مار دیا گیا تھا اور پھر زندہ کیا۔ تو اس زندہ کرنے کو اِن الفاظ میں ذکر کیا ہے فَاُعْطِيْ فِيْكُمْ رُوْحِيْ۔ (حزقیال ۳۷/۱۴ عربی بائبل صفحہ ۱۲۲۶) جس کے مقابل اُردو بائبل میں یہ الفاظ ہیں:۔
"اور مَیں اپنی رُوح تم میں ڈالوں گا اور تم جیو گے"۔ الغرض اس طرح صرف مسیح خدا نہ ہوا بلکہ سب سے پہلے آدمؑ پھر اس کی اولاد اور جبرائیلؑ وغیرہ تمام خدا ہوئے۔
د۔ خود بائبل میں "رُوح اللہ" اور "خدا کی رُوح" کا لفظ غیر خدا کے لیے بے شمار مرتبہ استعمال ہوا ہے بلکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اِس سے مراد نبوت ہے۔ ملاحظہ ہو:۔
۱۔ بادشاہ مصر نے حضرت یوسف کے متعلق کہا۔ کیا ہم ایسا جیسا کہ یہ مرد ہے کہ جس میں خُدا کی رُوح ہے پا سکتے ہیں"۔ (خروج ۴۱/۳۸)
۲۔ دیکھو خداوند نے بضلی ایل کو.... حکمت اور فہم اور دانش اور سب طرح کی کاریگریوں میں روح اللہ سے معمور کیا"۔ (خروج ۳۵/۳۱)
۳۔ نیز دیکھو حزقی ایل ۳۷/۱۴، گنتی ۲۴/۲، ۲۷/۱۸ و خروج ۳۱/۳ و دانیال ۴/۸، ۹، ۱۸ و لیسعیاہ ۴۱/۱ و نحمیاہ ۹/۳۰
نئے عہد نامے میں یہ الفاظ بکثرت استعمال ہوئے ہیں۔
۱۔ "بولنے والے تم (حواری) نہیں بلکہ تمہارے باپ کی رُوح مجھ میں بھی ہے"۔ (۱۔ کرنتھیوں ۷/۴۰)
۲۔ انجیل کا مندرجہ ذیل حوالہ سب سے صاف ہے:۔
"خدا نے کہا۔ آخری دنوں میں ایسا ہوگا کہ مَیں اپنی رُوح میں سے ہر بشر پر ڈالونگا اور تمہارے بیٹے اور تمہاری بیٹیاں نبوت کرینگی"۔ (اعمال ۲/۱۷)
۳۔ انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات دیکھو:۔
لوقا ۱/۳۵ و ۱/۴۱ و ۱/۶۷ و ۲/۲۵ و ۱/۱۵۔ اعمال ۲/۴ و ۱۔ کرنتھیوں ۱۲/۱۱ تا ۱۲

تیرھویں دلیل:۔ مسیح کو قرآن مجید میں کلمۃ اللہ کہا گیا ہے۔ لہٰذا وہ خدا ہے۔
جواب:۔ قرآن مجید میں ہے:۔ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (الکھف: ۱۱۰) پس خدا کے کلمات کی تو کوئی حد ہی نہیں۔ اگر خدا کے کلمے خدا ہونے لگے تو پھر دُنیا کا ذرّہ ذرّہ خدا بن جائیگا۔
خدا تعالیٰ ایک دوسری جگہ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ اگر تمام درخت قلمیں اور سب سمندر سیاہی بن جائیں مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ۔ (لقمٰن: ۲۸) پھر بھی کلماتُ اللہ شمار نہ ہو سکیں۔

چودھویں دلیل:۔ انجیل میں مسیح کی نسبت "وسیلہ" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ وہ خدا ہے۔ ایسا ہی نئے عہد کا درمیانی کہا گیا ہے۔

جواب:۔ چہ خوش گفت است سعدی درزلیخا ؎ اَلَا یا ایہا الساقی اَدِر کاسًا وناوِلہا

انجیل میں "وسیلہ" کا لفظ بمعنی معرفت استعمال ہوا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"کیونکہ اُس نے ایک دن ٹھہرایا ہے جس میں وہ راستی سے دُنیا کی عدالت اس آدمی کی معرفت کرے گا جسے اُس نے مقرر کیا ہے۔" (اعمال ۱۷/۳۱)

اب دیکھئے بائیبل میں کیا لکھا ہے:۔

"تب بھی تو بہت برس تک ان کی برداشت کرتا رہا اور اپنی روح سے یعنی اپنے نبیوں کی معرفت سے انہیں سمجھاتا رہا ہے۔" (نحمیاہ ۹/۳۰)

پس تمام انبیاء ہی خدا اور انسانوں کے درمیان وسیلہ ثابت ہوتے۔ مسیح کی خصوصیت کیا رہی؟ نیز ملاحظہ ہو۔

"تو نے رُوح القدس کے وسیلہ سے ہمارے باپ اپنے خادم داؤد کی زبانی فرمایا۔" (اعمال ۴/۲۵)

لغت میں بھی ہے:۔ اَلْوَسِیْلَۃُ : وَالْوَسِیْلَۃُ مَا یُتَقَرَّبُ بِہٖ اِلَی الْغَیْرِ۔ اَلْمَنْزِلَۃُ عِنْدَ الْمَلُوْكِ۔ اَلدَّرَجَۃُ (المنجد)

پس وسیلہ کے معنے مقربِ الٰہی اور صاحب درجہ ہونے کے ہیں۔ نہ کہ خدا ہونے کے۔

خُدا کا تجسم محال ہے

انجیل کا مندرجہ ذیل اقتباس عیسائی پادریوں کی تمام منطقیانہ موشگافیوں کے جواب کیلئے کافی ہے۔

"اگرچہ انہوں نے خدا کو جان لیا۔ مگر اس کی خدائی کے لائق اس کی بڑائی اور شکرگذاری نہ کی۔ بلکہ وہ باطل خیالات میں پڑ گئے اور ان کے بے سمجھ دلوں پر اندھیرا چھا گیا۔ وہ اپنے آپ کو دانا جتا کر بے وقوف بن گئے اور غیرفانی خدا کے جلال کو فانی انسان اور پرندوں اور چوپایوں اور کیڑے مکوڑوں کی صورت میں بدل ڈالا۔"

(رومیوں ۱/۲۱ تا ۲۳)

حواری خُدا کی عبادت کرتے تھے

۱۔ "ہم جو خدا کی رُوح سے خدا کی عبادت کرتے ہیں اور یسوع مسیح پر فخر کرتے ہیں۔" (فلپیوں ۳/۳)

۲۔ "مگر سچے پرستار روح اور راستی سے باپ کی پرستش کرتے ہیں۔" (یوحنا ۴/۲۳،۲۴)

۳۔ حواروں کا ایمان مسیح کا باپ سے کمتر ہونے پر بہت صاف تھا۔ چنانچہ پولوس کا کلام شرک سمجھا۔

تم مسیح کے ہو۔ مسیح خدا کا ہے۔ ہر ایک مرد کا سر مسیح ہے۔ اور مسیح کا سر خدا ہے۔

(کرنتھیوں ۳/۲۳ و ۱۱/۳)

۴۔ حواری سوائے باپ کے کسی کو خدا نہ کہتے تھے۔

"ہمارا ایک خدا ہے جو باپ ہے۔" (۱۔کرنتھیوں ۸/۶)

۵۔ اس اکیلے سچے خدا کی تعریف۔ وہ مبارک اور اکیلا حاکم۔ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خدا ہے۔ فقط اسی کو ہے۔ وہ اس نور میں رہتا ہے جس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ اور اسے کسی انسان نے نہ دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے اس کی عزت اور سلطنت ابد تک رہے۔ (۱۔تیمتھیس ۶/۱۵، ۱۶)۔

مسیح نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا

(اقبال ڈوگری)

مسیح نے خدا ہونے کا دعویٰ بالکل نہیں کیا۔ یہ صرف عیسائی صاحبان کی خوش فہمی ہے کہ اُن کو خدا بنا رہے ہیں۔ بلکہ اگر حضرت عیسیٰ نے اپنے متعلق خدا یا ابن کا لفظ استعمال بھی کیا ہے۔ تو صرف انہی معنوں میں کیا ہے جن معنوں میں تمام نبیوں اور بزرگوں پر اس لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے۔ ثبوت اِس کا سُنیئے:۔

ایک دفعہ حضرت مسیح نے یہودیوں کے سامنے دعویٰ کیا کہ میں ابن اللہ ہوں۔ یہودیہ سُن کر طیش میں آگئے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ مسیح پر پتھراؤ کریں۔ مسیح نے کہا کہ تم مجھے کس قصور پر سزا دیتے ہو انہوں نے کہا کہ تو انسان ہو کر اپنے تئیں خدا بناتا ہے۔ اس کفر بکنے کی ہم سزا دیتے ہیں۔ مسیح نے جواب یوں کہا: "کیا تمہاری شریعت میں نہیں لکھا کہ میں نے کہا۔ تم خدا ہو۔ جبکہ اُس نے انہیں جن کے پاس کلام آیا خدا کہا اور ممکن نہیں کہ کتاب باطل ہو۔" (یوحنا باب ۱۰۔ آیت ۳۴ تا ۳۶)

اِس عبارت کو سُنا کر مسیح نے اپنے ابن اللہ ہونے کی حقیقت کھول دی۔ کہ تم ناحق مجھے کافر کہتے ہو۔ جب کہ توریت میں لکھا ہے کہ تمام وہ لوگ جن کے پاس خدا کا کلام آیا۔ یعنی یہود خدا ہیں۔ تو پھر تم میرے ابن اللہ کہلانے پر خفا کیوں ہوتے ہو۔ جبکہ تمہارے ہاں کتب انبیاء میں لکھا ہے کہ قضاۃ اور بزرگ لوگ الوہیم یعنی خدا ہیں۔ اسی طرح انہی معنوں میں مَیں بھی ابن اللہ ہونے کا مدعی ہوں۔

الہامی منطق

(مسیح میں خدائی صفات نہ پائی جاتی تھیں)۔

۱۔ خدا آزمایا نہیں جاتا۔ (یعقوب ۱/۱۳)

مسیح آزمایا گیا۔ (متی ۴/۱ و عبرانیوں ۴/۱۵) لہٰذا مسیح خدا نہیں۔

۲۔ خدا نہیں مرتا۔ ۱۔تیمتھیس ۶/۱۶ و دانی ایل ۶/۲۶

مسیح مرا۔ (متی ۲۷/۵۰ و یوحنا ۱۹/۳۰ و رومیوں ۵/۶)

نتیجہ مسیح خدا نہیں۔

۳۔ خدا قیوم ہے۔

مسیح قیوم نہیں (متی ۲۰/۲۳ - اپنے دائیں بائیں بٹھانا میرا کام نہیں)۔

۴۔ اللہ تعالیٰ کسی سے دُعا نہیں مانگتا۔
مسیح نے دُعا مانگی۔ (لوقا ۵/۱۶ و ۲۲/۴۴)

۵۔ خدا قادرِ مطلق ہے۔ آپ سے ہر کام کر سکتا ہے (۲۔ کرنتھیوں ۶/۱۸)
مسیح قادرِ مطلق نہ تھا اور آپ سے ہر کام نہ کر سکتا تھا۔ (یوحنا ۵/۳۰ و ۸/۲۸)

صغریٰ:- اَلْمَسِیْحُ غَیْرُ قَادِرٍ
کبریٰ:- وَکُلُّ مَا ھُوَ غَیْرُ قَادِرٍ فَلَیْسَ ھُوَ بِاِلٰہٍ
نتیجہ:- فَالْمَسِیْحُ غَیْرُ اِلٰہٍ

۶۔ صرف خدا عالم الغیب ہے۔ (۱۔ سلاطین ۸/۳۹)
"تو ہاں تو ہی اکیلا سارے بنی آدم کے دلوں کو جانتا ہے"۔)
لیکن مسیح عالم الغیب نہ تھا۔ ثبوت کے لیے ملاحظہ ہو۔ (مرقس ۱۳/۳۲)
"لیکن اس دن یا اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں جانتا۔ نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا۔ مگر باپ"۔
ب۔ انجیر کا درخت۔ (متی ۲۱/۱۸، ۱۹)
ج۔ مجھے کس نے چھوا۔ (لوقا ۸/۴۵، ۴۶)
د۔ پطرس کو جنت کی کنجیاں۔ (متی ۱۶/۱۹)
مگر بعد میں پطرس شیطان (متی ۱۶/۲۳)

۷۔ خدا قائم بالذات ہے۔
مسیح قائم بالذات نہیں۔ (۲۔ کرنتھیوں ۱۳/۴ و رومیوں ۶/۱۰)

۸۔ خدا جو کہتا ہے ہو جاتا ہے۔ (حزقی ایل ۱۲/۲۵ و زبور ۵۰/۱ و مرقس ۱۴/۳۶)
مسیح جو کہتا ہے وہ نہیں ہوتا۔ (۱) متی ۲۰/۲۳ اپنے دائیں بائیں بٹھانا میرا کام نہیں۔
ب۔ یوحنا ۵/۳۰: "میں اپنے آپ سے کچھ نہیں کر سکتا"۔
ج۔ متی ۱۶/۲۸۔ شاگردوں سے کہا کہ تم میں سے کئی زندہ ہونگے کہ میں آسمان سے واپس آجاؤنگا۔
لیکن ابھی تک نہیں آیا۔ شاگرد سب مر گئے۔

۹۔ خدا نہیں تھکتا اور ماندہ نہیں ہوتا۔ (یسعیاہ ۴۰/۲۸ و یرمیاہ ۱۰/۱۰)
مسیح تھکا ماندہ ہوا۔ (یوحنا ۴/۶۔ چنانچہ یسوع سفر سے تھکا ماندہ ہو کر اس کوئیں پر بیٹھ گیا)

۱۰۔ "خدا تھکے ہوؤں کو زور بخشتا ہے اور ناتوانوں کی توانائی زیادہ کرتا ہے"۔ (یسعیاہ ۴۰/۲۹ و زبور ۱۴۵/۱۴)
مگر مسیح کا اپنا یہ حال ہے کہ:- "لومڑیوں کے بھٹ ہوتے ہیں اور پرندوں کے گھونسلے مگر ابن آدم کے لیے سر دھرنے کی جگہ نہیں"۔ (متی ۸/۲۰) لہٰذا مسیح خدا نہیں۔

وَتِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

معقولی دلائل در تردیدِ الوہیت مسیح

۱۔ ہندو لوگ کرشن جی مہاراج کو خدا کہتے ہیں۔کیا وجہ ہے کہ کرشن کو خدا نہ مانیں اور مسیح کو خدا مان لیں؟

۲۔ جب مسیح مر گیا (متی ۲۷/۵۰) اور دو رات دن مرا رہا۔تو کیا خدا مر جایا کرتے ہیں؟ خدا نہیں مر سکتا۔

۳۔ جب مسیح نے تجسّم اختیار کیا تھا تو ثلاثہ اقانیم اکٹھے یکجا تھے یا دو الگ اور اقنوم ثانی جسم میں تھا؟ اگر دو الگ الگ تھے۔تو مجموعہ الوہیت مکمل نہ رہا۔اور اگر ثلاثہ اقانیم یک جا تھے تو صرف اقنوم ثانی نے ہی تجسّم اختیار نہ کیا بلکہ ثلاثہ اقانیم نے۔

۴۔ مسیح دشمنوں کے مقابلہ میں مغلوب ہوا مصلوب و ملعون ہوا کیا خدا مغلوب و مصلوب و ملعون ہو سکتا ہے؟ اگر ہو سکتا ہے۔تو عاجز انسان اور خدا کے درمیان مابہ الامتیاز کیا شے ہے؟

۵۔ جب مسیح نے یہ کہا تھا کہ اے باپ میں اپنی روح تیرے ہاتھ میں سونپتا ہوں اور مر گیا تھا (لوقا ۲۳/۴۶) تب کونسی روح بول رہی تھی۔ انسانی یا الٰہی؟ اگر کہو انسانی فقط۔تو الٰہی روح کہاں گئی تھی؟ اور یہ بھی بتاؤ کہ روحیں دو ہیں؟ مگر مسیح ایک۔ایک الٰہی روح جو غیر محدود اور ایک انسانی جو محدود ہے تو یہ دونوں ایک جسم میں کس طرح حلول کر سکتی ہیں؟

۶۔ مسیح کہتا ہے جو عورتوں سے پیدا ہوتے یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا ظاہر نہیں ہوا (متی ۱۱/۱۱) مسیح بھی عورت سے پیدا ہوا تھا۔یوحنا سے چھوٹا ہوا۔پس یوحنا بڑا خدا ہوا۔کیونکہ جب یوحنا سے چھوٹا خدا ہو گیا۔تو یوحنا بڑا خدا ہو گا۔

۷۔ ایوب ۷/۹ میں لکھا ہے۔"جو گور میں اُترا۔پھر اوپر نہ آئے گا"۔ تو مسیح مر کر قبر سے کیونکر نکلا۔

۸۔ ایوب ۸/۲۰۔"خدا سچے آدمی کو نہیں چھوڑیگا۔وہ بدکاروں کی امداد نہیں کرتا"۔ اور مسیح مغلوب، مصلوب اور یہودی کامیاب ہوتے۔

۹۔ استثنا ۱۳/۵ میں ہے۔غیر معبودوں کی پرستش کی طرف بُلانے والا جھوٹا ہے۔وہ قتل کیا جاویگا"۔ مسیح نے آکر خود کو خدا کہا اور مقتول ہوئے تو جھوٹے ثابت ہوئے نہ کہ خدا اور سچا خدا۔

۱۰۔ اگر مسیح بغیر باپ ہونے کی وجہ سے خدا ہے تو ملک صدق سالم کیوں خدا نہیں۔(عبرانیوں ۷/۳)

۱۱۔ مرقس ۱۰/۱۸۔"اے نیک اُستاد! مگر مسیح کو خود نیک ہونے سے انکار ہے۔ (حوالہ مذکور)

کفارہ

مسیحی مفہوم: اوّل:۔ ہر انسان گنہگار ہے۔نہ صرف بلوغت سے لیکر بلکہ پیدائشی گنہگار ہے۔ دوم:۔ اس لئے کہ آدم و حوا نے گناہ کیا اور اولاد میں وراثتاً آیا۔اس لئے ہر انسان گنہگار ہے سوم صفات الٰہی میں چونکہ خدا عادل ہے۔بلا وجہ بخش نہیں سکتا۔اور وہ رحیم بھی ہے بوجہ عدل چھوڑ نہیں سکتا۔بوجہ رحم اقنوم ثانی کو تجسّم اختیار کرنا پڑا (نہ معلوم خود تجسّم اختیار کیا یا باپ کے حکم سے کیونکہ سب اقنوم الوہیت

میں مساوی ہیں (خادم) اور دوسری طرف خدا نے انسان بن کر اور مصلوب ہو کر جہان کے گناہ اُٹھائے ۔ جو کوئی اس پر ایمان لاتا ہے۔اس کے گناہ معاف ہوجاتے ہیں بوجہ مسیح کی اس تکلیف کے جو اس نے صلیب پر برداشت کی۔

بنیاد کفارہ : گناہ پیدائش سے ہے ۔ جملوں سے نہیں۔ تمام لوگ پیدائش سے (مرد و عورت سے پیدا ہوئے۔ اس لئے) گنہگار ہوئے۔ مسیح بے گناہ (صرف عورت سے پیدا ہوا) تھا۔ اس لئے قربان ہوا اور دُنیا کو گناہوں سے نجات دی۔

تعریف کفارہ : کفارہ کے لفظی معنے ڈھکنا۔ ڈھانپنا۔ خدا کا ایک بیٹا ہے۔ اور وہ ایک بیٹا ہے ۔ اُس خدا کے بیٹے نے مریم کے پیٹ میں حلول کیا۔ اور وہ خدا کا بیٹا۔ انسان کے بیٹے کی شکل میں پیدا ہوا۔ خُدائی کا دعویدار ہوا۔ یہودیوں نے پکڑ کے صلیب پر لٹکا کر جان نکال دی ۔ یہ تکلیف خُدا کے بیٹے نے محض انسان کے گناہوں کی وجہ سے اُٹھائی ۔ اور اب وہ گناہوں کا کفارہ ہوگئے۔ اب کسی قسم کی سزا انسان کو نہ دی جائیگی۔

ضرورتِ کفارہ : انسان گناہگار ہے اور گناہ کا نتیجہ موت ہے بلکہ جہنم کی سزا۔ مگر خدا رحیم ہے اس کا رحم چاہتا ہے کہ انسان سزا سے بچ جاوے۔ پھر وہ عادل ہے۔ عدل کا تقاضا ہے کہ سزا ضرور دی جاتے ۔ اب رحم اور عدل ایک جگہ کس طرح جمع ہوں۔ خدا کا بیٹا گناہوں کو اپنے اوپر لے کر اپنا مارا جانا قبول کرکے تمام جہانوں کے لئے نجات کا ذریعہ ہوگیا۔

کفارہ کی تائید میں حوالجات کی تردید جو یسوعیوں کی طرف سے پیش کئے جاتے ہیں

(۱) "اچھا گڈریا مَیں ہوں۔ اچھا گڈریا بھیڑوں کے لیئے اپنی جان دیتا ہے"۔

(۲) "یسوع کے صلیب دیئے جانے کا دن قریب آیا تو ایک دن روٹی کھانے کے وقت روٹی اور انگور کا رس جماعت میں تقسیم کرتے ہوئے کہا۔ کھاؤ یہ میرا بدن ہے اور پیؤ۔ یہ میرا لہو ہے۔

البطال ۱۔ آدم سے زیادہ گنہگار حوا تھی۔ اس لئے جو صرف عورت سے پیدا ہوا۔ وہ زیادہ گنہگار ہوا تو قربان کیسے ہوا؟ قربان تو معصوم ہوسکتا ہے بقول شما (دیکھو توریت۔ کہ سانپ نے بہکا کر حوا کو دانہ کھلایا جس پر حوا نے آدم کو بہکایا۔ پیدائش ۳/۲)۔

۲۔ انجیل میں لکھا ہے کہ یسوع کے مصلوب ہونے سے قبل یوحنا اور زکریا مع اپنی بیوی کے نہایت پاک اور راستباز تھے۔ ثابت ہوا کہ کفارہ پر ایمان لائے بغیر بھی آدمی راستباز ہوسکتا ہے۔ کفارہ ضروری نہ رہا۔ نیز یسوع سے پہلے جتنے انبیاء تھے ان کی نجات کس طرح ہوئی؟

الف: "زکریا اور اس کی بیوی وہ دونوں خداوند کے حضور راستباز اور خداوند کے سارے حکموں اور قانونوں پر بے عیب چلنے والے تھے" (لوقا ۱/۶،۵)

ب۔ "یوحنا خداوند کے حضور بزرگ" (لوقا ۱/۱۵)

ج۔ "یوحنا بپتسمہ دینے والے سے کوئی بڑا نہیں"۔ (متی ۱۱/۱۱)

د۔ "یوحنا نبی سے بھی بڑا تھا"۔ (لوقا ۷/۲۸)

۳۔ اگر کفارہ صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ یہودا اسکریوطی مسیح کے پکڑوانے والے کو جزائے خیر ملے اور نجاتِ ابدی کو پہنچے۔

۴۔ یہ عدل نہیں کہ گنہگار دُنیا میں اچھی طرح گناہ کریں اور عاقبت کو بھی جنت میں داخل ہوں اور ان کے عوض حضرت مسیح بے گناہ صلیب پر چڑھائے جائیں اور دوزخ میں بھی رہیں غرض یہ ظلم ہے۔

۵۔ اگر حضرت عیسیٰ اپنی خوشی سے کفارہ قبول کرتے تو صلیب پر کیوں پُکار پُکار کر کہتے کہ ایلی ایلی لما سبقتانی یعنی اے میرے خدا! اے میرے خدا! تُو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔ معلوم ہوا کہ جبراً صلیب دیا گیا۔ پس وہ کفارہ گناہوں کا کیسے ہوتے؟ (متی ۲۷/۴۶)

۶۔ جب مسیح نے سب گناہ اُٹھا لئے۔ تو گویا وہ مجموعہ گناہوں کا ہوئے پس گناہ گار آدمی اپنے گناہ سے عذاب ابدی میں رہیگا۔ تو کیا حال ہے اس کا جس نے سب کے گناہ اُٹھاتے۔

۷۔ بتقدیر تسلیم کفارہ انبیاء جو پہلے مسیح سے گذرے ہیں لازم آتا ہے کہ کفارہ کے بغیر دوزخ میں رہے ہوں۔ کیونکہ تب تک کفارہ نہ ہوا تھا۔

۸۔ ہم پوچھتے ہیں کہ کفارہ سب کا ہوا ہے یا کہ موجودین کا۔ بر تقدیر ثانی آئندہ اور گزشتہ کے واسطے نیا کفارہ چاہیئے۔ بر تقدیر اول جب لوگ اور گناہ پیدا نہ ہوتے تھے تو ان کے گناہ کیونکر ایک شخص نے اُٹھا لئے؟

۹۔ جب مسیح نے سب گناہ اُٹھا لئے تو وہ گویا اول نمبر پر گنہگاروں میں سے ہوتے۔ پس محتاج ہوتے طرف کسی مُنجی کے۔ کیونکہ بجز مُنجی کے نجات ممکن نہیں۔ پس وہ بھی محتاج کفارہ کا ہوگا اور تسلسل لازم آئیگا۔

۱۰۔ کفارہ سے لازم آتا ہے کہ قاتل اور چور وغیرہ مجرموں کو پھانسی کی سزا نہ دی جائے۔ حالانکہ مسیحی لوگ سزا دیتے اور لیتے بھی ہیں۔

۱۱۔ جب کفارہ ہوگیا۔ تو نیکی کرنے کی کیا حاجت رہی۔ باوجود اسکے مسیح نے چالیس روزے رکھے اور حواری بھی پابندی نیکی کی کرتے رہے۔

۱۲۔ اگر مسیح نے گناہ اُٹھاتے بھی ہیں تو لازم آتا ہے کہ امور غیر متناہی واقع ہوں۔

۱۳۔ مسیح اگر کفارہ ہونے کو آتے تھے تو آتے ہی کفارہ کیوں نہ ہوتے۔ بلکہ انجیل سے ثابت ہے کہ خلقت کو نصیحت کرنے آتے تھے۔ (لوقا: ۴/۱۸)

۱۴۔ اس کفارہ کے ہونے سے معافی گناہ کی تو نہیں ہوئی۔ بلکہ زیادتی وقوع میں آئی ہے کیونکہ یہودی مسیح کی تحقیر کرنے کے باعث مستحق عذاب کے ہوئے۔

۱۵۔ اگر کفارہ موافق مرضی خدا کے ہوتا تو علامات رحمت ظاہر ہوتیں حالانکہ چار انجیلوں سے ثابت ہے کہ بعد سُولی کے اس طرح کی علامات خدا کے قہر کی ظاہر ہوئیں کہ کبھی نہ ہوئی ہونگی۔ مثلاً جہان میں اندھیرا

ہو جانا۔ اور مُردوں کا قبروں سے نکلنا۔ زمین کا کانپنا۔ ہیکل کا پردہ پھٹ جانا۔ وغیرہ وغیرہ۔

۱۶۔ جبکہ باقرار مسیحیان حضرت عیسیٰ جزو خدا ہیں تو یہ ظاہر ہے کہ صلیب پر کھینچنے والا انسان تھا۔ پس اس سے غلبہ مخلوق کا خالق پر پایا جاتا ہے۔

۱۷۔ کفارہ کو ماننے سے لازم آتا ہے کہ کسی بخشش کرنے والے کی حاجت نہ رہے۔ حالانکہ کتاب اعمال میں موجود ہے کہ حواریین بخشیش دیتے تھے اور مسیح حواریوں کو فرماتے تھے کہ جس کو تم بخشوگے وہ بخشا جائیگا۔

۱۸۔ اناجیل سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ قیامت کو عدالت کرینگے اگر یہ سچ ہے تو بطلان کفارہ میں کیا شک ہے۔

۱۹۔ ہر ایک فرقے پر اطاعت و تقلید پیشوا اپنے کی لازم ہے پس اگر مسیح مصلوب ہوئے تو عیسائی کیوں صلیب پر نہیں چڑھتے۔

۲۰۔ اعتقاد کفارہ سے تحقیر شان متصور ہے یہ تحقیر ان کے پیرو پولوس بھی کرتے رہے۔ قطع نظر مخالف کے۔ چنانچہ گلتیوں کے خط میں لکھا ہے۔ جو سُولی دیا گیا وہ لعنتی ہے۔ گلتیوں ۳/۱۳۔ مصلوب خدا کا ملعون ہوتا ہے۔ استثنا ۲۱/۲۳۔

۲۱۔ اگر مسیح کفارہ ہونے آئے تھے تو دعا ردّ بلا کی نہ مانگتے۔ حالانکہ انجیل میں موجود ہے کہ مسیح نے رات بھر بہت تضرع سے یہ دُعا مانگی کہ یہ عذاب سُولی کا مجھ سے ٹل جاتے دیکھو متی ۲۶/۳۹ و مرقس ۱۴/۳۶ و لوقا ۲۲/۴۲۔

۲۲۔ مسیح من حیث الروح کفارہ ہوئے یا من حیث الجسم۔ بر تقدیر ثانی جسم انکا بشریت کا تھا اور کل بشر گنہگار ہیں۔ بر تقدیر اول رُوح کو آپ خدا سمجھتے ہیں وہ سُولی دیئے جانے سے مبرا ہے۔ دوسرے رُوح محسوس نہیں جو صلیب پر کھینچا جاتا۔ اپنے جسم کے متعلق مسیح خود کہتا ہے جسم کمزور ہے (مرقس ۱۴/۳۸)

۲۳۔ ا۔ جو ایمان لاتا ہے نجات پائیگا۔ یوحنا ۳/۱۶-۱۹ و رومیوں ۳/۲۵۔

ب۔ ایمانداروں کی علامتیں دیکھو متی ۱۷/۲۰ و ۱۸/۹ و ۲۱/۲۱ و مرقس ۱۶/۱۷ و یوحنا ۱۴/۱-۱۱۔ پہاڑ ہٹانا درخت سوکھانا۔ زہر کھانا۔ بیماروں کو شفا دینا وغیرہ وغیرہ۔ مگر چونکہ کسی عیسائی میں یہ علامتیں نہیں۔ لہٰذا کوئی بھی ایماندار نہیں۔ کسی کی نجات نہ ہوئی۔ کفارہ باطل۔

۲۴۔ مسیح کی قربانی خلافِ فطرت و عقل ہے۔ ہمیشہ چھوٹی چیز بڑی چیز پر قربان ہوتی ہے۔ لفظ قربانی "قُرب" سے نکلا ہے۔

۲۵۔ کفارہ پر ایمان لانے کے بعد مسیحی لوگوں سے گناہ سرزد ہی نہیں ہوتے یا ہوتے ہیں، لیکن معاف ہو جاتے ہیں اگر سرزد نہیں ہوتے مشاہدہ کے خلاف۔ ہو جاتے ہیں اور معاف ہوتے ہیں۔ دلیل دو۔

۲۶۔ مسیح نے اپنی مرضی سے کفارہ ہو کر اپنے ذمے بندوں کے گناہ لئے یا باپ کی مرضی سے۔ اگر باپ کی مرضی سے تو باپ غیر عادل۔ اگر اپنی مرضی سے تو خود غیر عادل۔

۲۷۔ انسان بوجہ گنہگار ہونے کے کفارہ ہو سکتا تھا۔ وہ فطرتاً گنہگار ہے۔ تمام لوگ ابن آدم ہیں، مگر مسیح ابن اللہ ہے اور پاک ہے۔ اس لئے کفارہ ہوا مگر ہم کہتے ہیں۔ وہ ابن آدم بھی ہے۔ پھر حوا

نے بھی گناہ کیا تھا بلکہ آدم سے پہلے اسی نے گناہ کیا۔ اور مریم بھی اولادِ آدم سے تھی۔ مسیح ان سے پیدا ہوتے ماں کے خواص بچے میں سرایت کرتے ہیں۔ مسیح کی ماں بے گناہ نہ تھی نسلِ آدم سے تھی۔ اس لیے مسیح گناہ سے کیسے پاک ہوتے؟ وہ بھی گنہگار ہوتے۔" جو عورت سے پیدا ہوا کیونکر پاک ٹھہرے۔ (ایوب ۲۵/۴ و ۱۵/۱۴)

۲۸۔ آدم کی وجہ سے ساری نسل کا گنہگار ہونا خدا کے عدل کے خلاف ہے۔

۲۹۔ موت گناہ کی سزا ہے۔ جب گناہ معاف ہو چکا تو پھر موت کیسی؟ رومیوں ۶/۲۳

۳۰۔ عورت دردِ زہ سے بچہ جنے گی۔ مرد پسینہ کی کمائی سے روٹی کمائے گا۔ مگر کفارہ پر ایمان لاکر بھی دردِ زہ ہوتا اور پسینہ کی کمائی سے روٹی نصیب ہوتی ہے۔

۳۱۔ یہودیوں نے احسان کیا کہ کفارہ ادا کر دیا۔ پھر لعنتی کیوں ہوئے؟

۳۲۔ چونکہ مسیح کا دعویٰ صرف بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے آنے کا تھا۔ اس کا کفارہ بھی صرف بنی اسرائیل کے لئے ہوگا۔ تمہارا اس کی تبلیغ کر کے لوگوں کو دھوکہ دینا کیونکر جائز ہے۔

ا۔ "میں بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔" (متی ۱۵/۲۴)

ب۔ "لڑکوں کی روٹی کتوں کے آگے ڈالنا اچھا نہیں۔" (متی ۱۵/۲۶)

ج۔ "اس نے شاگردوں کو ہدایت کی کہ بنی اسرائیلیوں کے سوا اور کسی کو تبلیغ نہ کرنا۔" (متی ۱۰/۵،۶)

د۔ پولوس کا یسوع کی وفات کے بعد غیر قوموں کو تبلیغ کرنا محض غصہ کی وجہ سے تھا (اعمال ۱۵/۱ تا ۷) اور یسوع کے دوسرے شاگرد پطرس سے جھگڑے کہ تو نے غیر قوموں کے پاس جا کر کیوں منادی کی۔ (اعمال ۱۱/۳) اور اس کے جواب میں اس نے ایک بے معنی سا خواب سنا کر ان کو ٹالنا چاہا۔ اگر یسوع نے کبھی غیر قوموں کی ہدایت کا بھی دعویٰ کیا ہوتا۔ تو پطرس اپنی خواب سنانے کی بجائے یسوع کا وہ قول پیش کرتا جس سے ثابت ہوا کہ غیر قوموں میں تبلیغ محض پولوس کی ایجاد ہے۔ پس جب کفارہ بنی اسرائیلیوں میں محدود ہو گیا۔ تو خدا کی باقی ساری مخلوق اس سے محروم ہو گئی اور خدا کے بیٹے کی اتنی بڑی قربانی "کوہ کندن و کاہ برآوردن" کی مصداق ہوئی۔

۳۳۔ قول عیسائی کہ انسان کمزور ہے۔ گناہ اٹھا نہیں سکتا۔ اس لئے خدا کے بیٹے نے وہ گناہ اٹھا لیے یہ عدل کے خلاف ہے۔ دوسروں کے عوض میں کسی کو سزا کیوں دی جاوے۔ اس موقع پر تو "اندھیر نگری چوپٹ راجہ" والی مثال صادق آئے گی۔

۳۴۔ قول عیسائی کہ اگر خدا گناہوں کی سزا نہ دیوے اور وہ بخشدے تو یہ عدل کے خلاف ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ لوگوں نے عدل کی تعریف غلط سمجھی ہے۔ عدل کہتے ہیں کسی کا حق نہ مارنا۔ جیسے مزدور کو ایک روپیہ کی بجائے دو دیدیں تو یہ عدل کے خلاف نہیں۔ ہاں ایک روپیہ کی بجائے آٹھ آنے دیدیں تو خلافِ عدل ہے۔ اسی طرح گناہ معاف کرنا عدل کے خلاف نہیں ہاں بڑھ کر سزا دینا عدل کے خلاف ہے ثواب میں انعام ہوتا ہے اگر اعمال سے زیادہ دیا جائے تو خلافِ عدل نہیں۔

اسکے متعلق انجیل کی شہادت ۔ صاحبِ مکان کے مزدوروں کا قصّہ

نقلی دلائل

۱۔ متی ۶/۱۴۔ "اگر تم آدمیوں کے گناہ بخشو گے تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمہیں بخشدیگا"۔ پس جب خود خدا نہیں بخش سکتا تو وہ بندوں کو کیسے کہتا ہے کہ تم بخشو؟

۲۔ استثنا ۹/۱۸-۱۹۔ "اسرائیلیوں کی ہلاکت کو نبی کی دُعا سے ٹال دیا"۔ معلوم ہوا کہ گناہ بغیر کفارہ بھی معاف ہو سکتے ہیں۔

۳۔ پیدائش ۲۰/۷۔ نبی کی دُعا ہمارے واسطے شفاعت کرتی ہے اور ہمیں زندگی بخشتی ہے"۔ کسی کفارہ کی ضرورت نہ رہی۔

کفارہ پر ایمان لانے سے خرابیاں

(۱) دُعا کا مسئلہ فضول جاتا ہے (۲) گناہ پر دلیری۔ عیسائی گناہ کرے یسوع بخشوا دیگا۔ یوحنا ۲/۱۔ (۳) نبی کو لعنتی ماننا پڑتا ہے (۴) توریت کا انکار کرنا پڑتا ہے۔ کیونکہ اس میں کفارہ کا ذکر نہیں (۵) خُدا غیر عادل ٹھہرتا ہے کہ ناحق اپنے بیٹے کو سُولی دی۔

۳۵۔ یسعیاہ ۵۵/۷۔ "وہ جو شریر ہے اپنی راہ کو ترک کرے اور بدکردار اپنے خیالوں کو۔ اور خداوند کی طرف پھرے کہ وہ اس پر رحم کریگا۔ اور ہمارے خدا کی طرف کہ وہ کثرت سے معاف کریگا"۔ اس میں گناہوں کی معافی کا ذریعہ ترکِ گناہ بتایا ہے نہ کہ کفارہ۔

۳۶۔ اگر کفارہ سچ ہے تو خدا رحیم نہیں۔ کیونکہ اس نے بہر حال سزا دے لی۔ پھر وہ رحم کہاں برتتا ہے؟ عیسائیوں کے مزعومہ عدل کو پورا کر لیا۔

۳۷۔ سزا کی غرض بندہ کی اصلاح ہے۔ بیٹے کو سزا دیکر بندے کی کیا اصلاح ہوئی۔ اس سے خدا تو خوش نہیں ہوتا۔ نہ نیکی سے اُسے فائدہ ہے اور نہ بدی سے کوئی نقصان۔ پس اصل غرض سزا کی اصلاحِ نفس ہے۔ جب وہ نہ ہوئی تو کفارہ بے فائدہ۔ نیز کفارہ سازِ گناہ کی سزا کی غرض سے ناواقف معلوم ہوتا ہے۔

۳۸۔ یسوعی کہتے ہیں کہ کفارہ ہو سکتا ہے۔ جیسے ایک بادشاہ کا قرضدار جب اپنا قرض ادا نہ کر سکے تو بادشاہ کا بیٹا اگر اس قرض کو ادا کر دے تو وہ چھوٹ جاتا ہے۔ اسی طرح جب لوگوں کے گناہ بیٹے نے اُٹھا لیے تو وہ سزا سے بری ہو گئے۔ مگر اتنا نہیں سوچا کہ جب بیٹا اِتنا اختیار رکھتا ہے کہ اپنے خزانے سے دیدے اور رحم کرتا ہے تو کیا بادشاہ رحم نہیں کر سکتا؟

۳۹۔ گناہوں کی معافی کے ذرائع ۲۔ تواریخ ۷/۱۴۔ اپنے تئیں عاجز کرنا۔ دُعا مانگنا۔ خدا کا مونھ ڈھونڈنا۔ بُرے راہوں سے پھرنا۔ اگر یہ ذرائع انسان اختیار کرے تو بغیر کفارہ گناہ معاف ہوتے ہیں۔

۴۰۔ متی ۱۲/۳۱۔ روح کے خلاف کا کفر معاف نہ ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یسوع کے نزدیک گناہ دو قسم کے ہیں۔ صغائر اور کبائر۔ کبائر بغیر سزا کے معاف نہیں ہو سکتے۔ پس کفارہ باطل۔ کیونکہ کفارہ سب گناہوں کو یکساں معاف کرتا ہے۔

۴۱۔ متی ۷/۱۴۔ نجات کی راہ مشکل اور تنگ بتایا ہے۔ جو بہت محنت اور جانفشانی کا کام ہے حالانکہ کفارے کی راہ تو تنگ نہیں جو مرضی آتے کرے پس کفارہ نجات کے لئے نہیں۔

۴۲۔ خدا قربانی پسند نہیں کرتا بلکہ رحم پسند کرتا ہے۔ (متی ۱۲/۷) لہذا کفارہ باطل ہے۔

۴۳۔ کفارہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ "اعمال" کی قطعاً ضرورت نہیں۔ مجرد "ایمان" ہی کافی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفارہ کے بانی (پولوس) نے شریعت کو "لعنت" قرار دیا ہے۔ جیسا کہ انجیل میں لکھا ہے:۔

ا۔ "مسیح جو ہمارے لئے لعنتی بنا۔ اس نے ہمیں مول لے کر شریعت کی لعنت سے چھڑایا کیونکہ لکھا ہے جو کوئی لکڑی پر لٹکایا گیا وہ لعنتی ہے۔" (گلتیوں ۳/۱۳)

ب۔ "اب ہم جانتے ہیں کہ شریعت جو کہتی ہے۔ اُن سے کہتی ہے جو شریعت کے ماتحت ہیں۔ تاکہ ہر ایک کا مُنہ بند ہو جاتے اور ساری دنیا خدا کے نزدیک سزا کے لائق ٹھہرے.... مگر اب شریعت کے بغیر خدا کی ایک راستبازی ظاہر ہوئی جس کی گواہی شریعت اور نبیوں سے ہوتی ہے۔ یعنی خدا کی وہ راستبازی جو یسوع مسیح پر ایمان لانے سے سب ایمان لانے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہ سب نے گناہ کیا اور خدا کے جلال سے محروم ہیں۔ مگر اس کے فضل کے سبب اس مخلصی کے وسیلے سے جو یسوع مسیح میں ہے مفت راستباز ٹھہرائے جاتے ہیں۔ اُسے خدا نے اس کے خون کے باعث ایک کفارہ ٹھہرایا جو ایمان لانے سے فائدہ مند ہو...۔ کونسی شریعت کے سبب سے؟ کیا اعمال کی شریعت سے؟ نہیں بلکہ ایمان کی شریعت سے۔ چنانچہ ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ انسان شریعت کے اعمال کے بغیر ایمان کے سبب سے راستباز ٹھہرتا ہے"

(رومیوں ۳/۱۹-۲۸)

ج۔ جھوٹ جائز:۔ یہی وجہ ہے کہ پولوس کہتا ہے:۔ "اگر میرے جھوٹ کے سبب سے خدا کی سچائی۔ اس کے جلال کے لئے ظاہر ہوئی۔ تو پھر کیوں گنہگار کی طرح مجھ پر حکم لگایا جاتا ہے" (رومیوں ۳/۷)

گویا اگر جھوٹ بول کر عیسائیت کی تبلیغ کی جائے تو کوئی حرج نہیں۔

د۔ کفارہ کی آزادانہ تعلیم ہی کا نتیجہ تھا کہ یسوع کے معاً بعد ہی عیسائیوں میں خطرناک طور پر بدکاری شروع ہو گئی تھی۔ چنانچہ پولوس رسول عیسائیوں کو مخاطب کر کے لکھتا ہے:۔

"یہاں تک سُننے میں آیا ہے کہ تم میں حرامکاری ہوتی ہے بلکہ ایسی حرامکاری جو غیر قوموں میں بھی نہیں ہوتی۔ چنانچہ تم میں سے ایک شخص اپنے باپ کی بیوی کو رکھتا ہے اور تم افسوس تو کرتے نہیں تاکہ جس نے یہ کام کیا۔ تم میں سے نکالا جائے بلکہ شیخیاں مارتے ہو" (۱۔ کرنتھیوں ۵)

پس عیسائیوں کا یہ دعویٰ کہ کفارہ گناہ کو جڑ سے کاٹتا ہے باطل ہے۔

عیسائی:۔ قرآن میں بھی کفارہ ہے جیسا کہ لکھا ہے: فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ (المائدۃ: ۹۰)

احمدی :- قرآن مجید میں لفظ کفارہ سزا کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص قسم توڑے اس کو سزا یہ ہے کہ وہ دس مسکینوں کو کھانا کھلاتے۔ یا ان کو کپڑے پہناتے۔ یا ایک غلام آزاد کرے۔ مگر کفارہ کی سزا تو بے گناہ مسیح کو دی جاتی ہے۔ اور گناہ کرنے والا آرام اور مزے سے پھرتا ہے۔

نوٹ :- بعض عیسائی "حج بدل" کو بھی پیش کر دیا کرتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ حج بدل میں روپیہ اسی شخص کا ہوتا ہے جسکو حج بدل کا ثواب ملتا ہے۔ لیکن یسوعی کفارہ میں خون تو مسیح کا بہایا گیا اور گناہ عیسائیوں کے معاف ہوئے۔ پس فرق ظاہر ہے۔ (خادم)

ابطالِ تثلیث

۱۔ تثلیث کا عقیدہ مسیح سے پہلے کسی نبی نے بیان نہیں کیا اور نہ خود مسیح نے مشرح ذکر کیا۔ اگر مسیح کو معلوم تھا کہ یہود نے انہیں سُولی دے دینا ہے۔ تو انہوں نے اپنا عقیدہ کیوں نہ ظاہر کیا؟

۲۔ تین ایک اور ایک تین۔ یہ آپس میں ضدین ہیں۔ اگر مان لیا جاوے کہ ایک تین ہیں اور تین ایک ہے تو تقسیم الشیٔ الی نفسہٖ لازم آتی ہے۔ اور وہ محال ہے۔ کیونکہ ایک کی تقسیم اِلیٰ اجزاءہٖ تو ہو سکتی ہے۔ مگر الیٰ نفسہٖ نہیں ہو سکتی۔

۳۔ تین اقانیم۔ اگر تینوں کامل ہیں تو ایک ہی کافی ہے تین کی ضرورت نہیں۔ اگر ناقص ہیں تو مجموعہ بھی ناقص ہوگا۔

۴۔ یوحنا $\frac{17}{3}$ "حقیقی اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں۔"

۵۔ مرقس $\frac{12}{29}$ "خداوند ہمارا خدا ایک ہی خداوند ہے۔"

۶۔ متی $\frac{22}{37-40}$ "خداوند ایک خدا سے محبت رکھ۔"

۷۔ استثنا $\frac{4}{35}$ "خداوند وہی خداوند ہے۔ اُس کے سوا کوئی ہے ہی نہیں۔"

۸۔ استثنا $\frac{4}{39}$ "خداوند وہی خدا ہے کہ جو اوپر آسمان کے ہے۔"

۹۔ استثنا $\frac{6}{4}$ "خداوند وہی خدا ہے۔ خدا ایک ہے۔"

۱۰۔ یسعیاہ $\frac{45}{5}$ و $\frac{46}{5}$ "میں ہی خداوند ہوں۔ اور میرے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اور نہ ہی میرے مشابہ ہے۔"

۱۱۔ مرقس $\frac{13}{32}$ ۔ علم میں مساوی نہیں۔

۱۲۔ متی $\frac{20}{23-29}$ ۔ قدرت میں مساوی نہیں۔

۱۳۔ تثلیث سے اللہ تعالیٰ کے لئے ترکیب ماننی پڑتی ہے۔ اور مرکب غیر کا محتاج ہوتا ہے۔ اس سے اس کا ممکن ہونا ثابت ہے جو اس کی عدم الوہیت کو ثابت کرتا ہے۔

۱۴۔ اقانیم ثلاثہ میں جو امتیاز ہے وہ یا صفتِ کمال ہوگی یا نہ ہوگی اگر صفتِ کمال ہے تو باقی دو اقنوم ناقص ہوتے۔ ورنہ وہ ناقص ہوا۔

۱۵۔ انسانیت محدود ہے۔ الوہیت بھی اس کے ساتھ مل کر محدود ہو جائیگی۔
۱۶۔ اگر الوہیتِ مسیح یا تثلیث درست ہو تو ہر ایک خدا کو مرکب فی الجزئین یعنی مابہ الاشتراک اور مابہ الامتیاز ماننا پڑے گا۔ اور مرکب خدا نہیں ہو سکتا۔
۱۷۔ اگر مسیح واقعی خدا اور ابن اور اقنوم ثالث تھے اور ان کے حق میں بائیبل میں پیشگوئیاں ہیں۔ تو بتاؤ یہود نے ان پیشگوئیوں کی کہاں تصدیق کی ہے؟ کیونکہ وہ انبیاء کے حقیقی وارث ہیں۔ اگر کہو۔ وہ تعصب سے پیشگوئیوں کو نہیں مانتے تو یہ فضول سی بات ہے۔ کیونکہ وہ متعصب تب ہوتے جب مسیح آچکے۔ جب آئے بھی نہ تھے اس وقت تو وہ مانتے ہونگے۔ اُس وقت کی تصدیق بتاؤ۔ کہ وہ مسیح ابن خدا کی آمد کے منتظر ہیں۔

تحریفِ بائیبل

قرآن مجید اہلِ کتاب کے متعلق فرماتا ہے:۔
۱۔ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ (المائدة ۱۴)

یعنی اہل کتاب کے متعلق تین باتیں یاد رکھو:۔
(۱) تحریف کرتے ہیں۔ (۲) دو قسم کی تحریف لفظی و معنوی (۳) تو ہمیشہ ان کی خیانت پر اطلاع پاتا رہیگا۔
سو یہ لوگ واقعی ان تینوں صفات سے متصف ہیں۔ خود بائیبل میں لکھا ہے:۔
"اِن لوگوں نے شریعتوں کو عدول کیا۔ قانونوں کو بدلا۔" (یسعیاہ ۲۴/۵ و یرمیاہ ۸/۸)
انجیل میں امکان تحریف۔ (مکاشفہ ۲۲/۱۸، ۱۹)
اب دیکھئے تحریف مشتے از خروارے۔ اولاً وہ حوالجات پیش کرتا ہوں جو پُرانی اناجیل ۱۸۹۶ء سے پہلے والی میں ہیں۔ مگر بعد کی مطبوعہ میں نہیں ہیں۔

۱۔ متی ۱۷/۲۱ "پر یہ جنس بغیر دُعا اور روزہ کے نہیں نکلتی۔"
۲۔ متی ۱۸/۱۱ "کیونکہ انسان کا بچہ کھوئے ہوؤں کو بچانے کے لئے آیا ہے۔"
۳۔ مرقس ۷/۱۶۔ "اگر کسی کے کان سُننے کے ہوں سُن لے۔"
۴۔ مرقس ۹/۴۴۔ "جہاں اُن کا کیڑا نہیں جاتا اور آگ نہیں بجھتی۔"
۵۔ مرقس ۱۱/۲۶۔ "پر اگر تم معاف نہ کرو تو تمہارا باپ بھی جو آسمان پر ہے تمہارا قصور معاف نہ کریگا۔"
۶۔ مرقس ۱۵/۲۸۔ "تب پورا ہوا وہ نوشتہ جو کہتا ہے کہ وہ بدکاروں میں گِنا گیا۔"
۷۔ لوقا ۱۷/۳۶۔ "دو کھیت میں ہونگے۔ ایک لیا جائیگا۔ دوسرا چھوڑا جائیگا۔"
۸۔ لوقا ۲۳/۱۷۔ "اور اُسے لازم تھا کہ ہر عید میں کسی کو اُن کے واسطے چھوڑ دے۔"
۹۔ یوحنا ۹/۴ "یونکہ ایک فرشتہ اس حوض میں اُتر کر پانی کو ہلاتا تھا۔ سو پانی کے ہلنے کے بعد جو کوئی پہلے

اس میں اُترتا تھا کیسی ہی بیماری میں گرفتار کیوں نہ ہو۔ چنگا ہو جاتا تھا۔"

۱۰۔ اعمال ۱۵/۳۴۔ "پرسیلاس کو وہاں رہنا پسند آیا۔"

۱۱۔ متی ۱۹/۱۷۔ پرانی انجیل کے الفاظ:۔ "اُس نے اُسے کہا۔ تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ نیک تو کوئی نہیں مگر ایک یعنی خدا۔"

نئی انجیل کے الفاظ:۔ "تو مجھ سے نیکی کی بابت کیوں پوچھتا ہے۔"

۱۲۔ یوحنا کا پہلا خط ۵/۷۔ تین ہیں جو آسمان پر گواہی دیتے ہیں۔ باپ۔ کلام۔ رُوح القدس۔ اور یہ تینوں ایک ہیں۔

۱۳۔ یوحنا انجیل ۷/۵۳۔ "اور ہر ایک اپنے گھر کو گیا۔"

۱۴۔ یوحنا ۸/۱۱، ۷/۵۳ تا ۸/۱-۱۱ قلمی نسخوں میں نہیں پائی جاتیں۔

۱۵۔ استثنا ۳۴/۵-۱۲۔ (یہ موسیٰ کی پانچویں کتاب ہے) اس میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ مرگئے۔ اگر یہ الہامی ہیں تو کس پر اُتریں۔ حضرت موسیٰ تو زندہ نہ تھے۔ یہ الحاق ہے۔

۱۶۔ (تازہ تحریف)

۱۹۳۱ء سے پہلے کی چھپی ہوئی تمام بائیبلوں میں استثنا ۳۳/۲ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی بایں الفاظ تھی کہ:۔

"خداوند سینا سے آیا اور شعیر سے ان پر طلوع ہوا۔ وہ فاران کی چوٹیوں سے ان پر جلوہ گر ہوا۔ دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا۔" اس آیت میں پیشگوئی تھی جو فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلعم کے ذریعہ پوری ہوئی۔ اس دن آپ کے ساتھ دس ہزار صحابہؓ تھے۔ مگر نئی بائیبل میں جو ۱۹۳۱ء میں چھپی ہے۔ "دس ہزار قدوسیوں کے ساتھ آیا" کی بجائے "لاکھوں قدوسیوں میں سے آیا" کر دیا ہے۔ ع کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ۔

۱۷۔ انجیل مطبوعہ ۱۸۹۶ء متی ۲۴/۷ یوں تھی:۔ "جگہ جگہ کال پڑیں گے مری پڑیگی اور بھونچال آئینگے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کشتی نوح میں "مری پڑے گی" کا حوالہ متی کے نام سے دیا ہے۔ عیسائیوں نے ۱۹۰۴ء کی شائع کردہ انجیل سے "مری پڑیگی" نکال دیا ہے۔ مگر لطف یہ ہے کہ انجیل لوقا ۲۱/۱۱ اردو میں اب تک موجود ہے ..... "جا بجا کال اور مری پڑیگی"۔ مگر چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حوالہ لوقا کا نہیں دیا اس لئے لوقا میں تحریف نہیں کی گئی اس سے بھی زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ انگریزی انجیل میں متی ۲۴/۷ میں اب بھی مری پڑنے کا ذکر موجود ہے:۔

"There shall be famines and pestelences and earth quakes." (بائیبل مطبوعہ لنڈن ۱۹۱۹ء)

۱۸۔ یشوع اور ایوب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یشوع مر گیا (یشوع ۲۴/۲۹) ایوب مر گیا (ایوب ۴۲/۱۶)

اس قسم کی سینکڑوں ہزاروں تحریفیں اور اضافے بائیبل میں موجود ہیں۔ پس یہ کتاب کس طرح الہامی کہلا سکتی ہے؟ (امریکن بائیبل کے نئے ایڈیشن میں سے مرقس کی آخری آیات کو جن میں مسیح کے آسمان پر اُٹھائے جانے کا ذکر ہے نکال دیا گیا ہے)۔

اختلافاتِ بائیبل

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۔ (النساء: ۸۳)

نوٹ :- تناقضات واختلافاتِ بائیبل کا مضمون دراصل تحریفِ بائیبل کے مضمون کا ضروری جزو ہے۔ کیونکہ الہامی کلام میں تناقضات کا وجود اس بات کو قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ ان دو مختلف اور متناقض بیانات میں سے ایک ضرور ہی انسانی تحریف یا بعد کا الحاق ہے۔ دونوں کلام خدا کے نہیں ہو سکتے پس پادری صاحبان کے لیے دو راستوں میں سے ایک راستہ کھلا ہے۔ یا تو ہمارے پیش کردہ حوالوں میں تطابق ثابت کریں۔ یا اس بات کا اقرار کریں کہ موجودہ بائیبل محرّف ومبدل ہے۔

۱۔ ۱۔سلاطین ۱۵/۳۲ میں لکھا ہے کہ آسا اور شاہ اسرائیل بعشا کے درمیان اُن کی تمام عمر لڑائی رہی۔ اور ۲۔تواریخ ۱۵/۱۹ میں لکھا ہے کہ آسا کی سلطنت کے پینتیسویں برس پھر لڑائی نہ رہی۔

۲۔ ۱۔سموئیل ۲۱/۱-۵ میں لکھا ہے کہ داؤد اکیلا اخیملک کاہن کے پاس آیا۔ مگر مرقس ۲/۲۵-۲۶ میں لکھا ہے کہ داؤد اپنے ساتھیوں سمیت ابیاتار کاہن کے گھر گیا۔

۳۔ پیدائش ۴۶/۲۶-۲۷ میں لکھا ہے کہ یعقوب اپنی صُلب سے پیدا شدہ اولاد اور اولاد کی بیویوں سمیت کل چھیاسٹھ مردوں کے ساتھ آیا۔ مگر خروج ۱/۵ میں لکھا ہے کہ صرف یعقوب اپنے صلبی بیٹوں کے ساتھ جن کی تعداد ۷۰ تھی آیا۔

۴۔ پیدائش ۲۲/۱۴ میں لکھا ہے کہ ابراہیم نے خدا کو دیکھا اور اُس جگہ کا نام یہوواہ یری رکھا مگر خروج ۶/۲-۳ میں لکھا ہے۔ خدا موسیٰ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ میں نے ابراہیم و اسحاق و یعقوب پر اپنا یہوواہ نام ظاہر نہیں کیا۔

۵۔ یرمیاہ ۳۴/۴-۵ میں لکھا ہے کہ اے صدقیا! تو تلوار سے نہیں مریگا۔ بلکہ آرام سے۔ اور تجھ پر خوشبوتیاں سُلگائی جائینگی۔ مگر یرمیاہ ۵۲/۱۰-۱۱ میں لکھا ہے کہ صدقیا کے سامنے اس کے بیٹوں کو مارا گیا۔ پھر اسکی آنکھیں نکالی گئیں اور پیتل کی زنجیروں سے جکڑا گیا اور مرنے کے دن تک قید خانہ میں رہا۔

۶۔ ۲۔سلاطین ۲۴/۶ میں لکھا ہے۔ یہویقیم بادشاہ باپ دادوں میں شامل ہو کر سو رہا۔ اور اس کی جگہ اُس کا بیٹا بادشاہ ہوا۔ مگر یرمیاہ ۳۶/۳۰ میں لکھا ہے کہ وہ بمع خاندان کے تباہ کیا جائیگا۔ اس کی نسل سے کوئی تخت نشین نہ ہوگا اور اُس کی لاش پھینکی جاتے گی تاکہ گرمی اور سردی میں باہر رہے۔

۷۔ مرقس ۱۰/۴۶-۵۲ میں لکھا ہے کہ یریحو سے نکلتے وقت راستے میں ایک اندھا نکلا۔ مگر متی ۲۰/۲۹-۳۰ میں لکھا ہے کہ دو اندھے تھے۔

۸۔ مرقس ۵/۱،۲ کہ یسوع کو ایک بدرُوح والا ملا۔ مگر متی ۸/۲۸ میں دو کا ذکر ہے۔

۹۔ مرقس ۱۶/۵ میں مسیح کی قبر میں ایک سفید پوش آدمی۔ مگر لوقا ۲۴/۴ میں دو آدمیوں کا ذکر ہے۔

۱۰۔ مرقس ۱۵/۳۲ و متی ۲۷/۴۴ دونوں میں ہے کہ مسیح کے ساتھیوں یعنی دونو چوروں نے مسیح کو ملامت کی۔

اور طعنہ کیا۔ مگر لوقا ۲۳-۳۹ میں لکھا ہے کہ ایک نے طعنہ دیا اور دوسرے نے اپنے ساتھی کو اس بات سے باز رکھا۔

۱۱۔ یوحنا ۲۰/۱۷ میرے بھائیوں کو کہدو کہ میں اب خدا اور باپ کے پاس آسمان پر جاتا ہوں لیکن متی ۲۸/۱۰ میں ہے کہ میرے بھائیوں کو کہو کہ گلیل کو جاویں۔ وہاں مجھے دیکھیں گے۔

۱۲۔ متی ۲۷/۳-۵ کہ مسیح کو پکڑوانے والے یہودا اسکریوطی نے مسیح کی گرفتاری پر جو روپیہ لیا تھا۔ اس کو ہیکل میں واپس آکر پھینک دیا۔ مگر اعمال ۱/۱۸ میں لکھا ہے کہ اس نے اُس روپیہ سے ایک کھیت مول لیا۔

۱۳۔ متی ۱۲/۴۰ میں ہے کہ مسیح نے یونس جیسا معجزہ دکھانے کا اظہار کیا۔ مگر متی ۲۸/۱-۶ اور یوحنا ۲۰/۱ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اپنی قبر میں صرف ایک ہی دن رہا اور پھر غائب ہوگیا۔

۱۴۔ متی ۲۶/۳۴ و یوحنا ۱۳/۳۸ ان دونوں حوالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس کو مُرغ کی بانگ سے قبل ہی مسیح کا انکار کرنا پڑیگا۔ مگر مرقس ۱۴/۷۲-۳۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ مُرغ کے دو بار بانگ دینے کی شرط ہے نہ کہ مطلق بانگ سے قبل کی۔ اور ایسا ہی ہوا۔

۱۵۔ لوقا ۲۲/۱۴و۱۶ میں مسیح نے اپنے حواریوں کے ساتھ بیٹھ کر عیدالفطر کے دن جس میں فسح کرنا ضروری تھا بیٹھ کر کھانا کھایا اور یوحنا ۱۹/۱۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح بے چارا تو عدالت میں رہا۔

۱۶۔ یوحنا ۱۴/۲۸ میں مسیح اپنے آپ کو باپ سے چھوٹا کہتا ہے مگر فلپیوں ۲/۶ میں خدا کے برابر ہونے میں غنیمت نہ جانا۔

۱۷۔ یوحنا ۵/۳۱ میں مسیح نے اپنے متعلق اپنی گواہی کو سچا قرار نہیں دیا اور یوحنا ۸/۱۴ میں اپنی گواہی کو سچا قرار دیا۔

۱۸۔ متی ۵/۳۹ میں لکھا ہے کہ ظالم کا مقابلہ نہ کرنا۔ بلکہ اگر کوئی طمانچہ مارے تو دوسری گال آگے کردو۔ مگر لوقا ۲۲/۳۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے اپنے حواریوں کو بٹوے اور جھولی اور کپڑے بیچ کر تلوار خریدنے کا اپنی حفاظت کے لئے حکم دیا۔

۱۹۔ متی ۸/۵ سے معلوم ہوتا ہے کہ کفرنحوم میں داخل ہوتے ہی ایک صوبیدار نے اپنے لڑکے کے علاج کے لئے بڑی منت سماجت کی اور لوقا ۷/۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ صوبیدار پاس آیا ہی نہیں یہودیوں نے سفارش کی تھی۔

۲۰۔ اعمال ۹/۷ سے معلوم ہوتا ہے کہ سوس (جو پولوس ہی ہے) پر نُور آیا اور ساتھیوں نے آواز سنی مگر کسی نے نہ دیکھا۔ مگر اعمال ۲۲/۹ سے معلوم ہوتا ہے کہ ساتھیوں نے نُور دیکھا۔ مگر آواز نہ سُنی۔

۲۱۔ ۱۔سموئیل ۳۱/۴،۵ میں ہے کہ ساؤل نے خودکشی کی مگر ۲۔سموئیل ۱/۵،۱۰ میں ہے کہ ایک عمالیقی نے ساؤل کو مارا۔

۲۲۔ لوقا ۲۳/۲۶ کہ شمعون نام کرینی یسوع کے پیچھے پیچھے صلیب لیے پھرتا رہا اور یوحنا ۱۹/۱۷ میں ہے یسوع آپ اپنی صلیب اُٹھا کر کھوپڑی مقام تک لے گیا۔

۲۳۔ پیدائش ۵۰/۱۳ میں ہے کہ یعقوب کا مدفن مکفیلہ کے کھیت کے کنارے میں جس میں ابراہام نے گورستان کی ملکیت کے لئے عفرون حتی سے مرے کے مقابل مول لیا تھا گاڑا اور اعمال ۷/۱۶ میں ہے۔ اس مقبرے میں جس کو ابراہام نے حمور سے لیا تھا گاڑا۔

۲۴- گنتی ۳۳/۳۸، ۳۷ میں ہے کہ ہارون کی وفات کوہ ہور اردم میں ہوئی۔ مگر استثنا ۱۰/۶ میں لکھا ہے کہ موسیرہ میں ہوئی۔

۲۵- رومیوں ۲/۱۳ میں لکھا ہے کہ شریعت پر چلنے والا راستباز اور رومیوں ۳/۲۰ میں لکھا ہے راستباز نہیں۔

۲۶- پیدائش ۱/۲۵-۲۷ میں لکھا ہے کہ انسان کو حیوانات کے بعد پیدا کیا مگر پیدائش ۲/۱۸-۲۰ میں لکھا ہے کہ انسان حیوانات سے پہلے پیدا ہوا۔

۲۷- پاک جانور سات سات نر و مادہ اور ناپاک دو دو نر اور انکی مادہ کشتی نوح میں چڑھائے۔ پیدائش ۷/۲ اور پیدائش ۶/۱۹، ۷/۸، ۷/۱۴ میں لکھا ہے پاک جانور بھی دو دو کشتی میں رکھے۔

۲۸- ۱- سلاطین ۷/۱۵ ہر ایک ستون ۱۸ ہاتھ اونچا اور ہر ایک گھیر سوت کا بارہ ہاتھ۔ مگر ۲- تواریخ ۳/۱۵ میں ۲ ستون ۳۵ ہاتھ لمبے۔

۲۹- خروج ۲۴/۹-۱۰ تب موسیٰ اور ہارون اوپر گئے اور بنی اسرائیل کے خدا کو دیکھا۔ مگر خروج ۳۳/۲۰-۲۳ میں ہے۔ اور بولا۔ تو میرا چہرہ نہیں دیکھ سکتا اِس لیے کوئی انسان نہیں کہ مجھے دیکھے اور جیتا رہے یعنی کوئی خدا کو نہیں دیکھ سکتا۔

۳۰- خروج ۳۱/۱۷ کہ چھ دن میں خداوند نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اور ساتویں دن آرام کیا اور تازہ دم ہوا۔ پھر یسعیاہ ۴۳/۲۴ اور اپنی خطاوں سے مجھے تھکایا۔ مگر ۴۰/۲۸ میں ہے۔ خداوند ابدی خدا ہے۔ زمین کے کناروں کو پیدا کرنے والا۔ وہ تھک نہیں جاتا اور ماندہ نہیں ہوتا۔

۳۱- یسعیاہ ۴۵/۲۳ ہر ایک زبان میری قسم کھائیگی۔ مگر متی ۵/۳۴-۳۵ پھر میں تمہیں کہتا ہوں کہ ہرگز میری قسم نہ کھانا۔

۳۲- پیدائش ۱۷/۱ میں خدائے قادر ہوں۔ متی ۱۹/۲۶ پر خدا سے سب کچھ ہوسکتا ہے مگر قاضیوں ۱/۱۹ میں ہے۔ خدا نے کوہستانیوں کو خارج کیا۔ پر نشیب کے رہنے والوں کو خارج نہ کر سکا۔ کیونکہ انکے پاس لوہے کی لاٹھیں تھیں۔

۳۳- گنتی ۲۳/۱۹ خدا انسان نہیں جو جھوٹ بولے نہ آدم زاد ہے۔ کہ پشیمان ہو۔ نیز ۱- سموئیل ۱۵/۲۹ مگر پیدائش ۶/۶ میں ہے۔ تب خداوند زمین پر انسان کے پیدا کرنے سے پچھتایا اور نہایت دلگیر ہوا۔

۳۴- یوحنا ۳/۳۵ باپ بیٹے کو پیار کرتا ہے اور سب چیزیں اس کے ہاتھ میں دی ہیں۔ مگر مرقس ۶/۵ میں ہے اور وہ کوئی معجزہ وہاں نہ دکھا سکا۔

۳۵- ۲- سموئیل ۲۴/۱ و ۲ بعد اس کے خداوند کا غصہ اسرائیل پر بھڑکا۔ کہ اس نے داؤد کے دل میں ڈالا۔ کہ ان کا مخالف ہو۔ مگر ۱- تواریخ ۲۱/۱ میں ہے کہ شیطان نے داؤد کو بھڑکایا۔

۳۶- امثال ۳۰/۵۔ خدا کا ہر ایک سخن پاک ہے مگر ہوسیع ۱/۲۔ خدا نے ہوسیع کو فرمایا کہ جا اور ایک زناکار عورت اور زنا کے لڑکے اپنے واسطے لے۔

۳۷- ۲۰/۴ خروج۔ تو اپنے لئے مورت یا کسی چیز کی صورت جو اوپر آسمان پر یا پانی میں یا زمین کے نیچے

ہے مست بنا۔ مگر خروج ۲۵/۴۔ تصویریں بنائی گئیں۔

۳۸۔ ۱۔ تیمتھیس ۶/۱۶۔ خدا نور میں رہتا ہے اور اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ مگر ۱۔ سلاطین ۸/۱۲۔ تب سلیمان نے کہا کہ خداوند نے فرمایا تھا کہ مَیں گھٹا کی تاریکی میں رہونگا۔

۳۹۔ ۲۔ تواریخ ۳۶/۹۔ یہویکین آٹھ برس کی عمر میں بادشاہ ہوا۔ مگر ۲۔ سلاطین ۲۴/۸ میں ہے کہ یہویکین جب تخت پر بیٹھا اس وقت وہ اٹھارہ برس کا تھا۔

۴۰۔ ۲۔ سلاطین ۲۴/۸۔ یہویکین نے تین مہینے بادشاہت کی۔ مگر ۲۔ تواریخ ۳۶/۹ میں تین ماہ دس روز سلطنت کی۔

۴۱۔ ۲۔ سلاطین ۲۵/۱۹۔ پانچ آدمی جو بادشاہ کا منہ دیکھتے تھے پکڑے۔ مگر یرمیاہ ۵۲/۲۵ میں ہے۔ بادشاہ کے مصاحبوں میں سے سات شخصوں کو پکڑا گیا۔

۴۲۔ زبور ۹۲/۱۲۔ صادق کھجور کے درخت کی مانند لہلہائے گا۔ مگر یسعیاہ ۵۷/۱ میں ہے۔ کہ راستباز ہلاک ہوتا ہے۔

۴۳۔ امثال ۱۲/۲۱۔ صادق پر کوئی بڑا حادثہ نہ پڑیگا مگر عبرانیوں ۱۲/۶ خداوند جسے پیار کرتا ہے اسے تنبیہ کرتا ہے اور جس کو بیٹا بنالیتا ہے اس کو کوڑے بھی لگاتا ہے۔

۴۴۔ ۵۵ زبور آیت ۲۳۔ خونی اور دغا باز لوگ اپنی آدھی عمر کو نہ پہنچیں گے مگر ایوب ۲۱/۷، ۹ میں شریروں کی عمر زیادہ بتلائی ہے۔

۴۵۔ زبور ۷۳/۱۲۔ دیکھو یہ شریر جو سدا اقبال مند رہتے ہیں۔ وہ اپنی دولت بڑھاتے جاتے ہیں۔ مگر ایوب ۱۸/۵، ۹ میں ہے۔ ہاں شریر کا چراغ ضرور بجھایا جائیگا۔

۴۶۔ امثال ۲۰/۱ مے یعنی شراب مسخرا بناتی اور مست بنانے والی ہے۔ نیز امثال ۲۳/۳۱-۳۲ مگر استثنا ۱۴/۲۶ میں ہے۔ جس چیز کو تیرا جی چاہے مول لے مے ہو یا مسکر یا اور کوئی چیز۔

۴۷۔ ۲۔ سموئیل ۶/۲۳۔ ساؤل کی بیٹی میکل مرتے دم تک بے اولاد رہی۔ مگر ۲۔ سموئیل ۲۱/۸ میں ہے۔ میکل بنت ساؤل کے پانچ لڑکے۔

۴۸۔ یوحنا ۸/۱۴۔ یسوع نے کہا اگر مَیں اپنی گواہی دیتا ہوں تو بھی میری گواہی سچ ہے۔ مگر یوحنا ۵/۳۱۔ اگر مَیں اپنی گواہی آپ دوں تو میری گواہی حق نہیں۔

۴۹۔ یسوع ملعون (گلیتوں ۳/۱۳) ملعون نہیں۔ ۱۔ کرنتھیوں ۱۲ باب آیت ۳)۔

۵۰۔ متی ۲/۲۳۔ تاکہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو کہ وہ ناصری کہلائیگا مگر عہد قدیم کے کسی صحیفہ میں یہ پیشگوئی نہیں ملتی۔ یا تو یہ ماننا پڑیگا کہ پہلے صحیفوں میں یہ پیشگوئی موجود تھی مگر بعد میں نکالدی گئی یا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ متی میں غلط بیانی کی گئی ہے۔ دونوں صورتوں میں سے کوئی بھی صورت ہو بائبل کا پایۂ اعتبار سے گرنا ثابت ہے۔

من نہ گویم کہ ایں مکن آں کن — مصلحت بین و کار آساں کن

۵۱۔ اور اس وقت جو یرمیاہ نبی کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہوا کہ انہوں نے اس کی قیمت کے وہ تیس روپیہ لے لئے (متی ۲۷/۹) حالانکہ یہ یرمیاہ کی معرفت نہیں کہا گیا تھا بلکہ زکریا نبی کی معرفت کہا گیا تھا (دیکھو زکریا ۱۱/۱۲-۱۳)

۵۲۔ یہودا اسکریوطی نے جاکر اپنے آپ کو پھانسی دی (متی ۲۷/۵) لیکن اعمال ۱/۱۸ "وہ سر کے بل گرا۔ اس کا پیٹ پھٹ گیا اور ساری انتڑیاں نکل پڑیں۔"

۵۳۔ ایک سردار (یائیر نامی) نے آکر کہا کہ میری بیٹی مر چکی ہے (متی ۹/۱۸) لیکن لوقا ۸/۴۲ و مرقس ۵/۲۳ میں ہے کہ "میری بیٹی مرنے کو ہے تو چل تاکہ وہ نہ مرے۔"

خلاف عقل و مشاہدات اُمور

۱۔ خدا پچھتاتا۔ پیدائش ۶/۶ علیم کل پھر پچھتایا خلاف عقل ہے۔

۲۔ خرگوش جگالی کرتا ہے (احبار ۱۱/۶) خلاف مشاہدہ ہے۔

۳۔ پرلوع جنگلی چوہا جگالی کرتا ہے۔ استثنا ۱۴/۷

۴۔ باپ سے بیٹا دو سال بڑا۔ یہورام بادشاہ کا باپ چالیس سال کی عمر میں مرا۔ ۲۔ تواریخ ۲۱/۵۔ تو اس کا بیٹا ۴۲ سال کی عمر میں تخت پر بیٹھا۔ ۲۔ تواریخ ۲۲/۱، ۲۔

عیسائیت میں عورت کی حیثیت

اسلام :- (۱) عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ[1] (۲) هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ[2] (۳) خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ[3] (۴) خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا[4] (۵) اَلْجَنَّةُ تَحْتَ اَقْدَامِ اُمَّهَاتِكُمْ[5] (۶) وَلِنَفْسِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ وَلِزَوْجِكَ عَلَيْكَ حَقٌّ[6]

مگر انجیل :- (۱) عورتیں کلیسا کی مجلس میں نہ بولیں۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱۴/۳۴)

۲۔ عورتیں سر نہ گوندھیں۔ سنگار نہ کریں۔ اچھے اور قیمتی کپڑے نہ پہنیں۔ (۱۔ پطرس ۳/۳ و ۱۔ تیمتھیس ۲/۸-۱۰)

۳۔ عورتیں لمبے بال رکھیں۔ بال نہ کٹوائیں۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱۱/۵-۱۴-۱۶)

۴۔ مرد عورت کے لیے نہیں بلکہ عورت مرد کے لیے پیدا ہوئی۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱۱/۹)

۵۔ عورت اپنے خاوند ہی سے پڑھے۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱۴/۳۵)

۶۔ عورت معلمہ نہ بنے۔ (۱۔ تیمتھیس ۲/۱۱-۱۲)

۷۔ مرد کے لئے اچھا ہے کہ وہ عورت کو نہ چھوئے۔ (۱۔ کرنتھیوں ۷/۱ و ۷/۸)

۸۔ شادی کرنے سے شادی نہ کرنا بہتر ہے۔ (۱۔ کرنتھیوں ۷/۸، ۲۸، ۲۵، ۳۲ تا ۴۰)

---

[1] النساء: ۲۰ ÷ [2] البقرة: ۱۸۸ ÷ [3] حدیث۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ باب النکاح ÷ [4] النساء: ۲
[5] حدیث ÷ [6] حدیث

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

از روئے بائیبل

پہلی دلیل :- و " وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اُسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے " (استثنا ۱۸/۲۰)

ب - " خداوند یوں کہتا ہے کہ اُن نبیوں کی بابت جو میرا نام لیکر نبوت کرتے ہیں جنہیں میں نے نہیں بھیجا .... یہ نبی تلوار اور کال سے ہلاک کیئے جائیں گے " (یرمیاہ ۱۴/۱۴ تا ۱۶)

ج - " اور وہ جھوٹا نبی یا خواب دیکھنے والا قتل کیا جائیگا " (استثنا ۱۳/۵)

د - " اور میرا ہاتھ اُن نبیوں پر جو دھوکہ دیتے ہیں اور جھوٹی غیب دانی کرتے ہیں چلیگا ... میں اپنے غضب کے طوفان سے اُسے توڑونگا اور میرے قہر سے جھاجھم مینہہ برسے گا - اور میرے خشم کے پتھر پڑیں گے - تاکہ اُسے نابود کریں " (حزقی ایل باب ۱۳ آیت ۹ تا ۱۳)

ھ - چنانچہ انجیل اعمال ۵/۳۶، ۳۷ میں دو جھوٹے نبیوں کا ذکر بھی ہے جو مارے گئے اور اُن کے متبعین تتر بتر ہو گئے - پہلے کا نام تھیوداس اور دوسرے کا نام یہودہ گلیلی تھا -

دوسری دلیل :- یسوع کہتا ہے " تم میں کون مجھ پر گناہ ثابت کر سکتا ہے " (یوحنا ۸/۴۶) نیز یوحنا ۱۴/۱۹ " میں اتنی مدت سے تمہارے ساتھ ہوں "

حضرت مرزا صاحب :- " کون تم میں ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے " (تذکرۃ الشہادتین ص ۶۲)

تیسری دلیل :- قبولیتِ دُعا - " جو دُعا ایمان کے ساتھ ہوگی اس کے باعث بیمار بچ جائیگا - اور خداوند اُسے اُٹھا کھڑا کریگا - اور اگر اس نے گناہ کئے ہوں تو ان کی بھی معافی ہو جائیگی پس تم آپس میں ایک دوسرے سے اپنے اپنے گناہوں کا اقرار کرو - اور ایک دوسرے کے لئے دُعا مانگو - تاکہ شفا پاؤ - راستباز کی دُعا کے اثر سے بہت کچھ ہو سکتا ہے " (یعقوب ۵/۱۵-۱۷ و یوحنا ۹/۳۱)

" میں کثرتِ قبولیتِ دُعا کا نشان دیا گیا ہوں - کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے - میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میری دُعائیں تیس ہزار کے قریب قبول ہو چکی ہیں - اور ان کا میرے پاس ثبوت ہے " (ضرورت الامام ص ۲۲)

مثالیں[1] :- عبدالکریم - عبدالرحیم ابن نواب محمد علی خانؓ صاحب - و عبدالحی صاحبزادہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ -

---

[1] تفصیل نشانات دیکھو مضمون صداقت مسیح موعود علیہ السلام مشمولہ ہذا - خادم

چوتھی دلیل :- "اے اسرائیلیو! یسوع ناصری ایک شخص تھا جس کا خدا کی طرف سے ہونا تم پر ان معجزوں اور عجیب کاموں اور نشانوں سے ثابت ہوا جو خدا نے اس کی معرفت تم کو دکھاتے۔"
(اعمال ۲/۲۲ و یوحنا ۳/۲ و ۹/۱۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام :- (۱) "اور میرے مقابلہ سے خواہ اعجاز کلام میں اور خواہ آسمانی نشانوں میں تمام لوگوں کا عاجز آجانا اور میری تائید میں خدا تعالیٰ کی لاکھوں پیشگوئیوں کا پوری ہونا یہ تمام نشان اور علامات اور قرائن ایک خدا ترس کے لیے میرے قبول کرنے کے لئے کافی ہیں۔" (تذکرۃ الشہادتین صـ ۳۸)

(۲) "اور جن نشانوں نے اس حکم پر گواہی دینی تھی۔ وہ نشان ظہور میں آچکے ہیں اور اب بھی سلسلہ نشانوں کا شروع ہے۔ آسمان نشان ظاہر کر رہا ہے۔ زمین نشان ظاہر کر رہی ہے اور مبارک وہ جنکی آنکھیں اب بند نہ رہیں۔" (ضرورت الامام صـ ۲۲)

پانچویں دلیل :- ؎ کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو

(ا) پولوس رسول کہتا ہے :- "کیونکہ یہ تدبیر کا کام اگر آدمیوں کی طرف سے ہوا تو آپ برباد ہو جائیگا۔ لیکن اگر خدا کی طرف سے ہے تو تم ان لوگوں کو مغلوب نہ کرسکوگے۔" (اعمال ۵/۳۹) (ب) "جو پودا خدا نے نہیں لگایا۔ وہ جڑ سے اکھاڑا جائیگا۔" (متی ۱۵/۱۳ و زبور ۳۷/۱۵ تا ۲۰ و ۹۲/۱۲ و امثال ۱۲/۲۱ و یسعیاہ ۹/۱۴)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ؎

یہ اگر انساں کا ہوتا کاروبار اے ناقصاں! ✿ ایسے کاذب کے لئے کافی تھا وہ پروردگار
کچھ نہ تھی حاجت تمہاری نے تمہارے مکر کی ✿ خود مجھے نابود کرتا وہ جہاں کا شہریار
(براہینِ احمدیہ حصہ پنجم صـ ۱۴۱ طبع اوّل)

چھٹی دلیل :- دانیال نبی کہتا ہے :-

"جس وقت سے دائمی قربانی موقوف کی جائیگی اور وہ مکروہ چیز جو خراب کرتی ہے قائم کی جائیگی۔ ایک ہزار دو سو نوے دن ہونگے مبارک وہ جو انتظار کرتا ہے ۱۳۳۵ روز تک آتا ہے۔" (دانیال ۱۲/۱۱،۱۲)

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ۱۲۹۰ھ ہی میں مبعوث ہوتے :"یہ عجیب امر ہے اور میں اس کو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک ۱۲۹۰ھ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرف مکالمہ مخاطبہ پاچکا تھا۔" (حقیقۃ الوحی صـ ۱۹۹)

ساتویں دلیل :- "مسیح موعود مشرق سے آئے گا اور مغرب کی طرف بجلی کی طرح اس کی تبلیغ پہنچے گی۔" (متی ۲۴/۲۷) حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

"خدا نے محض اپنے فضل سے نہ میرے کسی ہنر سے مجھے چُن لیا۔ میں گمنام تھا۔ مجھے شہرت دی۔ اسقدر جلدی شہرت دی کہ جیسا کہ بجلی ایک طرف سے دوسری طرف اپنی چمکار ظاہر کرتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی صـ ۲۳۴)

آٹھویں دلیل :- (۱) "ستارے گرینگے اور چاند اور سورج تاریک ہو جائینگے۔" (متی ۲۴/۲۹) یہ چاند اور سورج گرہن ۱۸۹۴ء بمطابق رمضان ۱۳۱۱ھ میں ظاہر ہوا۔

(۲) "چاند، سورج اور ستاروں میں نشان ظاہر ہونگے۔" (لوقا ۲۱/۲۵)

نویں دلیل:۔ لڑائیاں ہونگی۔ بھونچال آئیں گے اور مری پڑیگی (طاعون) (لوقا ۲۱/۱۱ و زکریا ۱۴/۱۲) چنانچہ بائبل انگریزی زکریا ۱۴/۱۲ میں تو لفظ پلیگ "PLAGUE" بھی موجود ہے۔ ۱۸۹۲ء میں یہ طاعون بھی پڑی ؎

تو نے طاعوں کو بھی بھیجا میری نصرت کیلئے   تا وہ پورے ہوں نشاں جو ہیں سچائی کا مدار

دسویں دلیل:۔ "تو جان رکھ کہ جب نبی خداوند کے نام سے کچھ کہے اور وہ جو اس نے کہا ہے وہ واقع اور پورا نہ ہو تو وہ بات خدا نے نہیں کہی۔" (استثنا ۱۸/۲۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہزاروں پیشگوئیاں پوری ہوئیں تفصیل دیکھو مضمون "حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں" مشمولہ کتاب ہذا۔

گیارہویں دلیل:۔ یسوع نے جھوٹے اور سچے نبی میں امتیاز یہ بتایا ہے:۔

"درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔" (متی ۷/۱۶ تا ۲۰ و لوقا ۶/۴۴-۴۵ و متی ۲۰/۴۴ و یوحنا ۱۵/۱۶-۲۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کی عملی حالت دیکھو۔

بارھویں دلیل:۔ "پیادوں نے جواب دیا کہ انسان نے کبھی ایسا کلام نہیں کیا جیسا کہ یہ انسان کرتا ہے۔" (یوحنا ۷/۴۶)

گویا مسیح کا بے مثل کلام مسیح کے منجانب اللہ ہونے کی دلیل تھی اور یہی دلیل قرآن مجید نے اپنی صداقت کی پیش کی ہے:۔ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ وَلَوْ کَانَ بَعْضُھُمْ لِبَعْضٍ ظَھِیْرًا۔ (بنی اسرآئیل: ۸۹) حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

۱۔ "میں قرآن شریف کے معجزہ کے ظل پر بلاغت فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے۔" (ضرورت الامام ص۲۵ طبع اول)

۲۔ "اعجاز احمدی" لکھکر دس ہزاری انعام شائع فرمایا۔ لکھا کہ "خدا تعالیٰ ان کے قلموں کو توڑ دیگا اور ان کے دلوں کو غبی کر دیگا۔" (اعجاز احمدی ص۳۷ طبع اول)

۳۔ "اعجاز المسیح" وغیرہ ؎

خدا کے قول سے قولِ بشر کیونکر برابر ہو   وہاں قدرت یہاں درماندگی فرقِ نمایاں ہے

تیرھویں دلیل:۔ نبی ہی غالب آتے ہیں۔

"میں نے یہ باتیں تم سے اس لئے کہیں کہ تم مجھ میں اطمینان پاؤ۔ دنیا میں مصیبت اٹھاتے ہو، لیکن خاطر جمع رکھو میں دنیا پر غالب آیا ہوں۔" (یوحنا ۱۶/۳۳) نیز ۱۔ یوحنا ۵/۴۔ قرآن مجید میں بھی ہے۔ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ (المجادلۃ: ۲۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔ "ٹھٹھا کرو جسقدر چاہو۔ گالیاں دو جسقدر چاہو اور ایذاء اور تکلیف دہی کے منصوبے سوچو جسقدر چاہو۔ اور میرے استیصال کے لئے ہر ایک قسم کی تدبیریں اور مکر سوچو جسقدر چاہو۔ پھر یاد رکھو کہ عنقریب خدا تمہیں دکھلا دیگا کہ اس کا ہاتھ غالب ہے۔" (اربعین ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۱۱)

چودھویں دلیل:۔ انبیاء کی جماعتیں تدریجاً ترقی کرتی ہیں۔ "دیکھو جہان اس کا پیرو ہو چلا۔" (یوحنا ۱۲/۱۹)

جماعتِ احمدیہ کی تدریجی ترقی کو دیکھو۔

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

پر عیسائیوں کے اعتراضات

پہلا اعتراض :۔ مسیح ناصری نے آسمان سے آنا تھا۔ مرزا صاحب مسیح کیسے ہو سکتے ہیں ؟

الجواب ۱ :۔ یہ کہنا کہ مسیح ناصری خود آئیگا غلط ہے۔ خود مسیح نے کہدیا ہے کہ میں اب واپس دُنیا میں نہیں آؤنگا۔ بلکہ جو کوئی آئیگا "میرے نام پر" آئیگا۔ دیکھو یوحنا ۱۶/۱۰ "میں باپ کے پاس جاتا ہوں اور تم مجھے پھر نہ دیکھو گے"۔ متی ۲۳/۳۹ میں ہے۔ "اب سے مجھے پھر ہرگز نہ دیکھو گے جب تک نہ کہو گے کہ مبارک وہ جو خداوند کے نام پر آتا ہے"۔ (متی ۲۳/۳۹)

جواب ۲ :۔ جس طرح یوحنا ایلیاہ ہو سکتا ہے حضرت مرزا صاحبؑ بھی مسیح ہو سکتے ہیں۔

توریت میں ہے :۔ "ایلیاہ رتھ سمیت آسمان پر چڑھ گیا"۔ (۲۔ سلاطین ۲/۱۱) پھر لکھا ہے :۔ ایلیاہ دوبارہ دُنیا میں آئے گا"۔ (ملاکی ۴/۵)

مگر وہ آسمان سے نازل نہ ہوا۔ یسوع نے یوحنا کو جو پیدا ہوا تھا "ایلیاہ" قرار دیا۔ (متی ۱۱/۱۴) اسی طرح آج تم کہتے ہو کہ مسیح آسمان سے آئیگا۔

جوابؑ ۳ : انجیل سے ثابت ہے کہ مسیح موعود پیدا ہوگا۔ چنانچہ لکھا ہے کہ جب ابن آدم (یسوع) نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا۔ (متی ۱۹/۲۸)

دوسرا اعتراض :۔ مسیح تو جلال کے ساتھ آسمان سے اُترے گا اور سب لوگ اس پر ایمان لے آوینگے۔

الجواب :۔ غلط ہے۔ (۱) یسوع نے تو صاف کہا ہے :۔ "لیکن میں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آ چکا انہوں نے اس کو نہ پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اسی طرح ابنِ آدم بھی اُن کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھائے گا"۔ (متی ۱۷/۱۲) گویا جس طرح انہوں نے ایلیاہ کو جو آنیوالا تھا "یوحنا" کی شکل میں نہ پہچانا۔ اور اس کی تکذیب کی۔ اس طرح مسیح موعود کی بھی تکذیب کریں گے اور وہی پُرانا اعتراض پیش کرینگے کہ اس نے آسمان سے نازل ہونا تھا۔

(ب) پھر یسوع کہتا ہے :۔ کہ خدا کی بادشاہت ظاہری طور پر نہ آئیگی (لوقا ۱۷/۲۰) لہٰذا آسمان سے جلال کے ساتھ نازل ہونا چہ معنی دارد۔

(ج) مسیح کی آمد چور کی طرح ہوگی۔ (۲۔ پطرس ۳/۱۰ و ۱۔ تھسلنیکیوں ۵/۲ و لوقا ۱۲/۳۹ و متی ۲۴/۴۳) چور رات کو چھپ کر اور لباس بدل کر آتا ہے یا جلال کے ساتھ اپنی اصلی شکل میں۔ اسی طرح مسیح نے بھی بھیس بدل کر اپنے مثیل کے رنگ میں آنا تھا۔ مگر تم نے اس کے کلام کو نہ سمجھا۔

تیسرا اعتراض :۔ مسیح نے کہا : بہت سے جھوٹے مسیح آئینگے تم اُن پر ایمان نہ لانا مرزا صاحب بھی انہیں میں سے ہیں۔ خواہ کتنے نشان دکھائیں ہم نہیں مانیں گے۔

الجواب:۔ یسوع نے جن جھوٹے مدعیان مسیحیت و نبوت کا ذکر کیا ہے وہ وہی ہیں جو یسوع کو "خداوند" کہتے ہیں اور اُس کے نام سے بدروحوں کو نکالنے کے اور اس کے فیض اور اسی کی برکت سے مسیحیت کے مدعی ہیں چنانچہ لکھا ہے :۔

"جھوٹے نبیوں سے خبردار رہو جو تمہارے پاس بھیڑوں کے لباس میں آتے ہیں مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیے ہیں۔ اُن کے پھلوں سے تم انہیں پہچان لوگے...... جو مجھ سے اے خداوند! اے خداوند! کہتے ہیں۔ اُس دن بہتیرے مجھ سے کہیں گے اے خداوند اے خداوند کیا ہم نے تیرے نام سے نبوت نہیں کی؟ اور تیرے نام سے بدروحوں کو نہیں نکالا۔ اور تیرے نام سے بہت سے معجزے نہیں دکھاتے" (متی $\frac{۷}{۱۵ تا ۲۲}$) گویا وہ جھوٹے نبی (۱) بُرے پھلوں والے (۲) یسوع کو خداوند کہنے والے (۳) اُسی کی برکت سے سب کچھ کرنے والے ہونگے۔ مرزا صاحب میں یہ تینوں باتیں نہیں پائی جاتیں۔ آپ تو یسوع کی الوہیت کے سب سے بڑے دشمن تھے۔ آپ نے تحفۂ قیصریہ میں مسیح کے نام سے آنے والا اپنے آپ کو کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ مسیح موعود ہیں۔ اصل مسیح چونکہ فوت ہوگیا ہے اس لئے آنے والا مثیل مسیح حضورؑ ہی کا وجود باجود ہے ورنہ آپ نے یسوع کے فیض سے نبوت پانے کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ ہاں یسوع کی عبارت مندرجہ متی $\frac{۷}{۱۸}$ میں ڈوئی جیسے عیسائی مدعیانِ مسیحیت و نبوت شامل ہیں جو الوہیتِ مسیح کے قائل اور اُسی کے نام سے سب کچھ کرنے کے مدعی ہیں (مثلاً تھیوداس اور یہوداہ گلیلی دیکھو اعمال $\frac{۵}{۳۶-۳۷}$)۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اس پیشگوئی کو چسپاں کرنا سراسر ظلم ہے۔ آپ کی اولاد اور جماعت کو دیکھو۔

چوتھا اعتراض :۔ مری پڑنا۔ لڑائیوں کا ہونا۔ بھونچال آنا۔ چاند سُورج کا تاریک ہونا وغیرہ۔ یہ نشان تو مسیح کی آمد ثانی کے پہلے ہوتے ہیں نہ کہ اُس کی آمد کے بعد۔

الجواب :۔ یہ عقلاً غلط ہے۔ سزا ہمیشہ قانون کی خلاف ورزی کے بعد ہوتی ہے نہ کہ اس سے قبل؛ دنیا میں عالمگیر عذاب ہمیشہ نبی کی بعثت اور اس کی تکذیب کے بعد ہی آیا کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرآئیل : ۱۶) اور یہی بات آپ کی توریت میں بھی لکھی ہے "اور یہ ہوگا کہ جو شخص اُس نبی کی نہ سُنے گا۔ وہ اُمّت میں سے نیست و نابود ہو جائے گا"

(استثنا $\frac{۱۸}{۱۹}$ و اعمال $\frac{۳}{۲۳}$)

لہٰذا آپ کی انجیل کے کاتب نے اتنی غلطی کی ہے کہ پیچھے واقع ہونے والی بات کو پہلے لکھدیا۔ پس کاتب کا قلم باطل ہے۔ (یرمیاہ $\frac{۸}{۸}$)

اور انجیل میں لکھا ہے کہ مسیح موعود کی آمد اچانک ہوگی اور اس کا اس سے قبل کسی کو علم نہ ہوگا۔ پس اس سے پہلے بیماریاں وغیرہ پڑنا غلط ثابت ہوا۔ (متی $\frac{۲۴}{۳۲ تا ۴۴}$ و مرقس $\frac{۱۳}{۳۲ تا ۳۷}$)

پانچواں اعتراض :۔ مرزا صاحب کو اُن کے گھر میں قبولیت نہ ہوئی۔ قادیان میں بھی سب لوگ احمدی نہیں ہوئے۔ پنجاب اور ہندوستان نے ان کو قبول نہیں کیا۔

الجواب :۔ یہ حضرت مرزا صاحب کی صداقت کی دلیل ہے نہ کہ کذب کی۔ خود یسوع کہتا ہے

(د) مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ کوئی نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا (لوقا ۴/۲۴) (ب) نبی اپنے وطن اور اپنے گھر کے سوا کہیں بے عزت نہیں ہوتا (متی ۱۳/۵۷) (ج) یہی تو مسیح ناصری کی پیشگوئی تھی کہ مسیح کی آمد ثانی کے وقت اس کی تکذیب ہوگی اور لوگ اسے نہیں مانیں گے۔

۱۔ لیکن پہلے ضرور ہے کہ بہت دُکھ اُٹھائے اور اس زمانہ کے لوگ اُسے رد کریں ۔۔۔۔ ابنِ آدم کے ظاہر ہونے کے دن بھی ایسا ہی ہوگا" (لوقا ۱۷/۲۵)

۲۔ لیکن مَیں تم سے کہتا ہوں کہ ایلیاہ تو آچکا اور انہوں نے اُس کو نہیں پہچانا بلکہ جو چاہا اس کے ساتھ کیا۔ اِسی طرح ابن آدم بھی اُن کے ہاتھ سے دُکھ اُٹھائے گا" (متی ۱۷/۱۲)

(د) نئے عہد نامے میں صاف لفظوں میں موجود ہے کہ تکذیب ہونا اور دُکھ پہنچنا سچے نبیوں کی علامت ہے۔ ملاحظہ ہو۔ یعقوب ۵/۱۰ "جن نبیوں نے خداوند کے نام سے کلام کیا۔ اُن کو دُکھ اُٹھانے اور صبر کرنے کا نمونہ سمجھو۔۔۔۔ تم نے ایوب کے صبر کا حال تو سُنا ہی ہے"

چھٹا اعتراض :۔ مرزا صاحب کی پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ محمدی بیگم وغیرہ۔

الجواب :۔ محمدی بیگم وغیرہ پیشگوئیاں تفصیل سے دوسری جگہ درج ہیں یہ سب پیشگوئیاں انذاری تھیں اور پوری ہوئیں، لیکن تمہاری بائبل سے ثابت ہے کہ انذاری پیشگوئیاں ٹل جایا کرتی ہیں۔ یونس نبی کی چالیس یومی پیشگوئی دیکھو یوناہ باب ۳ آیت ۴۔ اسی طرح اپنے پولوس رسول کی پیشگوئی دیکھو اعمال ۲۷/۱۰-۲۵ پہلے کہا :۔ "اس سفر میں تکلیف اور بہت نقصان ہوگا۔ نہ صرف مال اور جہاز کا بلکہ ہماری جانوں کا بھی" (اعمال ۲۷/۱۰) لیکن بعد میں کہا۔ خاطر جمع رکھو کیونکہ تم میں سے کسی کی جان کا نقصان نہ ہوگا مگر جہاز کا۔۔۔۔ اِن سب کی خدا نے تیری خاطر جان بخشی کی۔ (اعمال ۲۷/۲۲-۲۴)

یسوع کی پیشگوئیوں کا حال مضمون "قرآنی مسیح و انجیلی یسوع" میں مذکور ہے۔ دیکھو ص ۹۸

تم یسوع کی ایک پیشگوئی انجیل سے سچی ثابت کردو۔ ہم اُس کے مقابلہ میں حضرت مرزا صاحبؑ کی دو پیش کریں گے۔ آؤ میدان میں نکل کر مقابلہ کرو۔ دیدہ باید۔

جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عیسائیوں کو انعامی چیلنج بھی دیا مگر کسی عیسائی کو مقابلہ پر آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ حضرت علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

"میرا یہ بھی دعویٰ ہے کہ یسوع کی پیشگوئیوں کی نسبت میری پیشگوئیاں اور میرے نشان زیادہ ثابت ہیں۔ اگر کوئی پادری میری پیشگوئیوں اور میرے نشانوں کی نسبت یسوع کی پیشگوئیاں اور نشان ثبوت کے رو سے قوی تر دکھلا سکے تو مَیں اُس کو ایک ہزار روپیہ نقد دُونگا"

(اشتہار مشمولہ رسالہ انجام آتھم ۔ تبلیغ رسالت جلد ۶ ص ۱)

ساتواں اعتراض :۔ مرزا صاحب کی وفات کے بعد ان کی جماعت میں اختلاف پھیل گیا۔

الجواب :۔ ذرا انجیل پڑھو۔ یسوع کی وفات کے تھوڑا ہی عرصہ بعد پولوس کرنتھیوں کو یوں مخاطب کرتا ہے:
"اے بھائیو! ۔۔۔۔۔ تم میں جھگڑے ہو رہے ہیں" (۱۔ کرنتھیوں ۱/۱۱)

"تم میں بڑا نقص یہ ہے کہ آپس میں مقدمہ بازی کرتے ہو۔" (۱۔کرنتھیوں ۶/۷)

آٹھواں اعتراض :۔ مرزا صاحب نے اپنے آپ کو مریم قرار دیا۔ وہ عورت کس طرح بن گئے ؟

الجواب :۔ انجیل پڑھو۔ پولوس عیسائیوں کو مخاطب کرکے کہتا ہے :۔

۱۔" مَیں نے ایک ہی شوہر کے ساتھ تمہاری نسبت کی ہے۔ تاکہ پاکدامن کنواری کی مانند تم کو مسیح کے پاس حاضر کروں۔" (۲۔کرنتھیوں ۱۱/۲)

گویا عیسائی یسوع کی بیویاں ہیں۔

۲۔" مَیں تجھے دلہن کے برّے کی بیوی دکھاؤں" (مکاشفہ ۲۱/۹) اِس میں یسوع کے بارہ شاگردوں کو یسوع کی بیویاں قرار دیا گیا ہے۔

۳۔ یسوع نے اپنے شاگردوں کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا ہے۔ یہ ہے میری ماں۔ (لوقا ۸/۲۱)

نواں اعتراض :۔ مرزا صاحب نے اپنے متعلق حمل۔ حیض۔ دردِ زہ وغیرہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ جو مردوں کے لئے جائز نہیں۔

الجواب :۔ یہ سب استعارات ہیں (انکی تشریح غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جوابات میں دیکھو) یہاں پر مختصر طور پر ذرا انجیل کے مندرجہ ذیل مقامات پڑھ لو :۔

۱۔ پولوس عیسائیوں کو کہتا ہے :" کاش تم میری تھوڑی سی بیوقوفی برداشت کرسکتے۔ ہاں تم میری برداشت کرتے تو ہو مجھے تمہاری بابت خدا کی سی غیرت ہے کیونکہ مَیں نے ایک ہی شوہر کے ساتھ تمہاری نسبت کی ہے تاکہ تم کو پاکدامن کنواری کی مانند مسیح کے پاس حاضر کروں۔" (۲۔کرنتھیوں ۱۱/۱۔۲) گویا تمام عیسائی کنواری عورتیں تھیں اور پولوس نے ان کی شادی مسیح سے کردی۔

نوٹ :۔ اِس عبارت میں پولوس نے اپنی بیوقوفی کا ذکر کیا ہے اور رومیوں ۷/۲۴ میں اپنے آپ کو کمبخت آدمی بھی قرار دیا ہے۔

"پھر خواہش حاملہ ہوکر گناہ کو جنتی ہے۔" (یعقوب ۱/۱۵)

۲۔ پطرس عیسائیوں سے کہتا ہے :" تم فانی تخم سے نہیں بلکہ تم غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلے نئے سرے سے پیدا ہوئے ہو۔" (۱۔پطرس ۱/۲۳)

۳۔" جس طرح کہ پیٹ والی عورت جس کے جننے کا وقت نزدیک ہو درد کھاتی ہے اور اس پیڑ سے جو اُسے لگی چیخیں مارتی ہے۔ اے خداوند ہم تیری نگاہ میں ویسے ہی ہیں۔ ہم حاملہ ہوتے۔ ہمیں دردِ زہ لگا۔ پر گویا ہوا جنے۔" (یسعیاہ ۲۶/۱۷۔۱۸) یہ "ہوا جننے" کا محاورہ قابل غور ہے۔

۴۔" یروشلم ان کے درمیان حائض عورت کی طرح ہے۔" (یرمیاہ کا نوحہ ۱/۱۷ پرانا عہد نامہ)

۵۔" اری اے بانجھ تو جو نہیں جنتی خوشی سے للکار.......کیونکہ تیرا خالق تیرا شوہر ہے۔" (یسعیاہ ۵۴/۱تا۵)

۶۔ بنی اسرائیل کو کہا ہے :" تمہارے پیٹ میں گوڑے کا حمل ہوگا تم گرگٹ جنوگے۔" (یسعیاہ ۳۳/۱۱)

۷۔ خدا کی "بیویوں" کے پستان وغیرہ :۔

ہے۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ شعر جس پر اعتراض کیا گیا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کے سامنے عجز انکسار اور دُعا کا حال ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی دُعا (بحوالہ زبور) اوپر درج ہو چکی ہے۔ بلکہ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی یہ مناجات لفظاً لفظاً حضرت داؤد کی دُعا کا ترجمہ ہے۔ پس جو شخص اس پر اعتراض کرتا ہے یا اس پر تمسخر اُڑاتا ہے وہ حد درجہ کا شقی اور مُتَفَنِّی انسان ہے اور اپنی بدفطرتی کے مظاہرہ کے سوا اور کچھ نہیں کرتا۔

(ح) حضرت اقدس علیہ السلام کا یہ قول محمول بہ انکسار ہے۔ جیسا کہ خود حضورؑ فرماتے ہیں:۔

اِنَّ الْمُهَيْمِنَ لَا يُحِبُّ تَكَبُّرًا
مِنْ خَلْقِهِ الضُّعَفَاءِ دُوْدِ فَنَاءٖ

(انجام آتھم صفحہ ۲۷۱۔ درثمین عربی صفحہ ۱۴۶)

کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق سے جو کہ ضعیف اور کیڑے ہیں تکبر پسند نہیں کرتا۔ اس میں حضورؑ نے تمام مخلوق کو کیڑے قرار دیا ہے اور تکبر سے اظہارِ نفرت فرمایا ہے۔ پھر فرماتے ہیں:۔

وَمَا نَحْنُ اِلَّا كَالْفَتِيْلِ مَذَلَّةً
بِاَعْيُنِهِمْ بَلْ مِنْهُ اَدْنٰى وَاَحْقَرُ

(درثمین عربی صفحہ ۲۹۳۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۱۶ طبع اوّل)

کہ ہم اپنے مخالفوں کی نظر میں ایک ریشۂ خرما کی طرح ہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ حقیر اور ذلیل۔ پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِس آیت میں ان نادان موحدوں کا ردّ ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دوسرے انبیاء پر فضیلت کُلّی ثابت نہیں اور ...... کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مجھ کو یُونس بن متّٰی سے بھی زیادہ فضیلت دی جائے یہ نادان نہیں سمجھتے کہ .... وہ بطور انکسار اور تذلّل ہے جو ہمیشہ ہمارے سیّد و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی عادت تھی۔ ہر ایک بات کا ایک موقع اور محل ہوتا ہے۔ اگر کوئی صالح اپنے خط میں احقر العباد لکھے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ شخص درحقیقت تمام دنیا یہاں تک کہ بُت پرستوں اور تمام فاسقوں سے بدتر ہے اور خود اقرار کرتا ہے کہ وہ احقر العباد ہے۔ کس قدر نادانی اور شرارتِ نفس ہے۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۱۶۳ طبع اوّل)

قرآن کا مسیح اور انجیل کا یسوع

تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام

۱۔ "ہمیں پادریوں کے اور اُن کے یسوع اور اس کے چال چلن سے کچھ غرض نہ تھی۔ انہوں نے ناحق ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیکر ہمیں آمادہ کیا کہ اُن کے یسوع کا کچھ تھوڑا سا حال اُن پر ظاہر کریں۔ چنانچہ اسی پلید نالائق فتح مسیح نے اپنے خط میں جو میرے نام بھیجا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زانی لکھا ہے (نعوذ باللہ) اور اس کے علاوہ اور بہت گالیاں دی ہیں۔ اگر پادری اب بھی اپنی پالیسی بدل دیں اور عہد کرلیں کہ آئندہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں نہیں نکالیں گے۔ تو ہم بھی عہد کریں گے کہ آئندہ نرم الفاظ کے ساتھ ان سے گفتگو ہوگی ورنہ جو کچھ کہیں گے اُس کا جواب سُنیں گے۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۸ حاشیہ طبع اوّل)

۲۔ "مسلمانوں کو واضح رہے کہ خدا تعالےٰ نے یسوع کی قرآن شریف میں کچھ خبر نہیں دی کہ وہ کون تھا؟ اور پادری اس بات کے قائل ہیں کہ یسوع وہ شخص تھا جس نے خدائی کا دعویٰ کیا اور حضرت موسیٰؑ کا نام ڈاکو اور بٹمار رکھا اور آنے والے مقدس نبی کے وجود سے انکار کیا اور کہا کہ میرے بعد سب جھوٹے نبی آئیں گے۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص۹ حاشیہ)

۳۔ "ہم اس بات کے لئے بھی خدا تعالےٰ کی طرف سے مامور ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ کا سچا اور پاک اور راستباز نبی مانیں اور اُن کی نبوت پر ایمان لاویں۔ سو ہماری کتاب میں کوئی ایسا لفظ موجود نہیں ہے جو اُن کی شانِ بزرگ کے خلاف ہو۔ اور اگر کوئی ایسا خیال کرے تو وہ دھوکہ کھانے والا اور جھوٹا ہے۔"

(ایام الصلح ٹائٹیل پیج ص۲ و تبلیغ رسالت مجموعہ اشتہارات جلد ۷ ص۸۸)

۴۔ "مَیں یقین رکھتا ہوں کہ کوئی انسان حسینؓ یا حضرت عیسیٰؑ جیسے راستباز پر بدزبانی کرکے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور وعید مَنْ عَادَ لِیْ وَلِیًّا دست بدست اس کو پکڑ لیتا ہے۔" (اعجاز احمدی ص۳۳ طبع اوّل)

۵۔ "موسیٰ کے سلسلہ میں ابن مریم مسیح موعود تھا اور محمدی سلسلہ میں مَیں مسیح موعود ہوں۔ سو مَیں اس کی عزت کرتا ہوں جس کا ہمنام ہوں اور مفسد اور مفتری ہے وہ شخص جو کہتا ہے کہ مَیں مسیح ابن مریم کی عزت نہیں کرتا۔" (کشتی نوح ص۱۶ طبع اوّل)

۶۔ "جس حالت میں مجھے دعویٰ ہے کہ مَیں مسیح موعود ہوں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے مشابہت ہے تو ہر ایک شخص سمجھ سکتا ہے کہ مَیں اگر نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بُرا کہتا تو اپنی مشابہت اُن سے کیوں بتلاتا؟ کیونکہ اس سے تو خود میرا بُرا ہونا لازم آتا ہے۔"

(اشتہار ۲۷ دسمبر ۱۸۹۸ء حاشیہ و تبلیغ رسالت جلد ۷ ص۸۴ حاشیہ)

۷۔ "ہمارا جھگڑا اُس یسوع کے ساتھ ہے جو خدائی کا دعویٰ کرتا ہے نہ اُس برگزیدہ نبی کے ساتھ جس کا ذکر قرآن

کی وحی نے مع تمام لوازم کے کیا ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد ۶ صـ۳۲)

۸۔ هٰذَا مَا كَتَبْنَا مِنَ الْاَنَاجِيْلِ عَلٰى سَبِيْلِ الْاِلْزَامِ وَاِنَّا نُكْرِمُ الْمَسِيْحَ وَنَعْلَمُ اِنَّهٗ كَانَ تَقِيًّا وَّمِنَ الْاَنْبِيَاءِ الْكِرَامِ۔ (ترغیب المومنین صـ۱۹ حاشیہ)

۹۔ "ہمیں حضرت مسیح علیہ السلام کی شانِ مقدس کا بہرحال لحاظ ہے اور صرف (پادری) فتح مسیح کے سخت الفاظ کے عوض میں ایک فرضی مسیح کا بالمقابل ذکر کیا گیا ہے۔ اور وہ بھی سخت مجبوری سے کیونکہ اس نادان (پادری فتح مسیح) نے نہایت ہی شدت سے گالیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالی ہیں۔ اور ہمارا دل دکھایا ہے۔" (رسالہ فتح مسیح صـ۱)

۱۰۔ "ہم اُس سچے مسیح کو مقدس اور بزرگ اور پاک جانتے ہیں اور مانتے ہیں جس نے نہ خدائی کا دعویٰ کیا نہ بیٹا ہونے کا۔ اور جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خبر دی اور اُس پر ایمان لایا۔" (فتح مسیح صـ۱۳)

۱۱۔ "اس میں کچھ شک نہیں کہ وہ نیک انسان تھا اور نبی تھا مگر اُسے خدا کہنا کفر ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صـ۲۷ و تبلیغ رسالت جلد ۶ صـ۱۱)

۱۲۔ "قرآن شریف میں فقط اس مسیح کے معجزات کی تصدیق ہے جس نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ کیونکہ مسیح کئی ہوئے ہیں۔" (تصدیق النبی حاشیہ صـ۳۴)

نیز دیکھو رسالہ آریہ دھرم ٹائیٹل پیج آخری صفحہ و حقیقۃ الوحی صـ۲۷ و جنگ مقدس صـ۵ و انوار اسلام صـ۳۴)

غیر احمدی علماء کی تحریرات

۱۔ جناب مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی اپنی کتاب ازالۃ الاوہام صـ۳۷ میں فرماتے ہیں:۔

"ہمراہ جناب مسیح بسیار زناں ہمراہ مے گشتند و مال خود مے خورانیدند و زنان فاحشہ پاہیا آنجناب رامے بوسیدند و آنجناب مرتا و مریم را دوست مے داشت و خود شراب برائے نوشیدن دیگر کساں عطا مے فرمودند۔"

۲۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند لکھتے ہیں:۔

"یہ نصاریٰ جو دعویٰ محبت حضرت عیسیٰ سے کرتے ہیں تو حقیقت میں اُن سے محبت نہیں کرتے کیونکہ دار و مدار ان کی محبت کا خدا کے بیٹے ہونے پر ہے۔ سو یہ بات حضرت عیسیٰ میں تو معدوم، البتہ اُن کے خیال میں تھی۔ اپنی خیالی تصویر کو پُوجتے ہیں۔ اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خداوند کریم نے اُن کی واسطہ داری سے برطرف رکھا ہے۔" (ہدایۃ الشیعہ صـ۲۴۴ و صـ۲۴۵)

۳۔ جناب مولوی آل حسن صاحب فرماتے ہیں:۔

"حضرت عیسیٰ کا معجزہ احیاء موتیٰ کا بعض بھان متی کرتے پھرتے ہیں کہ ایک آدمی کا سر کاٹ ڈالا بعد اس کے سب کے سامنے دھڑ سے ملا کر کہا اُٹھ کھڑا ہو۔ وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔" (استفسار صـ۳۳۶)

۴۔ "اشعیا اور ارمیاہ اور عیسیٰ علیہ السلام کی بہت سی غیب گوئیاں قواعد رمل و نجوم سے بخوبی نکل سکتی

ہیں۔ بلکہ اس سے بہتر" (استفسار ص۳۳۶)

۵- حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہودیوں کو حد سے زیادہ جو گالیاں دیں۔ تو ظلم کیا" (استفسار ص۴۱۹)

حضرت مسیح علیہ السّلام اور یسوع کے دو حلیئے

موجودہ انجیل نے یسوع کی ایسی گندی تصویر کھینچی ہے کہ اُسے دیکھکر کوئی منصف مزاج انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ خُدا کے اس برگزیدہ نبی کی تصویر ہے جسے قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مسیح ابن مریم کے نام سے موسوم کیا ہے۔

۱۔ نسب نامہ

قرآن مجید حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نسب نامہ کو بالکل پاک اور مطہر قرار دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا ہے، مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا۔ (مریم: ۲۹) مگر انجیل کے یسوع کا نسب نامہ سخت ناپاک اور گندہ ہے۔ چنانچہ انجیل متی ۱/۱ میں یسوع کا نسب نامہ" کے عنوان کے نیچے تین عورتوں تامار۔ راحاب اور اوریاہ کی بیوی (بنت سبع) کا ذکر ہے (متی باب ۱ آیت ۳ - ۵ - ۶) اور تورات میں لکھا ہے کہ یہ تینوں بدکار اور زنا کار عورتیں تھیں۔ ملاحظہ ہو:-

راحاب فاحشہ تھی۔ (یشوع ۲/۱-۲)

تامار نے اپنے خسر سے زنا کیا۔ (پیدائش ۳۸/۱۶، ۱۹)

بنت سبع زوجہ اوریاہ نے (نعوذ باللہ) داؤد سے زنا کیا۔ (۲-سموئیل ۱۱/۲-۵)

تورات میں ہے :- بدکاروں کی نسل کبھی نام آور نہ ہوگی۔ (یسعیاہ ۱۴/۲۰)

"حرامی بچہ دس پشت تک خدا کی بادشاہت میں داخل نہ ہوگا" (استثنا ۲۳/۱)

۲۔ مریم کا صدیقہ ہونا

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو صدیقہ قرار دیا ہے۔ فرمایا: وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ۔ (سورۃ المائدۃ: ۷۶) نیز فرمایا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا۔ (التحریم: ۱۳) گویا وہ حضرت عیسیٰ پر کامل طور پر ایمان لائی اور خدا کی باتوں پر کماحقہٗ عمل کرتی تھی۔

مگر انجیلی یسوع کے متعلق انجیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکی ماں اُس پر ایمان نہ لائی تھی۔ چنانچہ متی ۱۲/۴۶-۵۰ و مرقس ۳/۳۱-۳۵ میں ہے کہ اس کی ماں اور اس کے بھائی جب یسوع کو ملنے آئے تو وہ اپنے شاگردوں میں کھڑا تھا۔ کسی نے جب اس کو بتایا کہ تیری ماں اور تیرے بھائی تجھ سے ملنا چاہتے ہیں۔ تو اس نے جواب دیا۔ "کون ہے میری ماں؟ اور کون ہیں میرے بھائی؟ اپنے شاگردوں کی طرف منہ کرکے کہا: میری ماں اور میرے بھائی تو یہ ہیں جو خدا کا کلام سنتے اور اُس پر عمل کرتے ہیں" (لوقا ۸/۲۱) گویا اس کی ماں اور اس کے بھائی خدا کے کلام کو سنتے اور اس پر عمل نہ کرتے تھے۔ کیونکہ اگر وہ واقعی

خدا کی مرضی پر چلنے والی اور اس کی باتوں پر عمل کرنے والی ہوتی تو وہ یسوع کے بیان کردہ معنوں کی رُو سے اُس کی رُوحانی ماں بھی ٹھہرتی۔ تو اُس صورت میں یسوع پر اُس کی دونی عزت لازم آتی۔ مگر اس کا "کون ہے میری ماں" کہنا اور پھر ماں کے معنے بیان کرکے اپنے شاگردوں کو اس میں شامل کرنا اور جسمانی ماں کو اس سے باہر نکالنا صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ اس کی ماں اُس پر ایمان نہ لائی۔ لہٰذا انجیلی یسوعؑ اُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ کا مصداق نہ رہا۔

مندرجہ بالا استدلال انجیل کی اس عبارت سے اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے بھائی بھی اُس پر ایمان نہ لاتے تھے۔ (یوحنا ۷/۵) کیا کوئی عیسائی موجودہ انجیل میں سے کوئی ایک ہی حوالہ ایسا پیش کر سکتا ہے کہ جس میں یہ لکھا ہو کہ یسوع کی ماں مریم یسوع پر ایمان لائی تھی؟ ہرگز نہیں۔

۳۔ ماں سے بدسلوکی

قرآن مجید نے اپنے مسیح علیہ السلام کو بَرًّا بِوَالِدَتِيْ (مریم ۳۳) قرار دیا ہے اور یوں بھی لَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ (بنی اسرآئیل: ۲۴) کے عام حکم سے انبیاء علیہم السلام کا استثنا نہیں۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی والدہ کے کامل طور پر وفادار تھے اور اس سے انتہائی طور پر نیک سلوک کرتے تھے۔ مگر انجیل کا یسوع اپنی ماں کو "کون ہے میری ماں!" (متی ۱۲/۴۶ و مرقس ۳/۳۲) "اے عورت مجھے تجھ سے کیا کام" (یوحنا ۲/۴) کے الفاظ سے یاد کرتا ہے۔ گویا اپنے آپ کو اس سے کلّی طور پر مستغنی اور بے تعلق قرار دیتا ہے اور اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ ایسا آدمی تو یسوع کے فتوے کے مطابق واجب القتل ہے (متی ۱۵/۴ و رومیوں ۱/۲۹-۳۲) لہٰذا وہ بَرًّا بِوَالِدَتِيْ (مریم: ۳۳) کا مصداق نہ رہا۔

۴۔ پاک انسان ہونا

قرآنِ مجید نے اپنے مسیح علیہ السلام کے متعلق اَيَّدْنَاهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرۃ: ۲۵۴) فرمایا ہے گویا وہ بہت پاک اور مقدس انسان تھے جس طرح کہ خدا تعالیٰ کے تمام انبیاء ہوتے ہیں۔ مگر انجیل کا یسوع انجیل کے رو سے ایک پاک کیریکٹر کا انسان ثابت نہیں ہوتا۔

۵۔ ایک بدکار عورت سے محبت

(ا) اس کے پاؤں پر ایک بدچلن عورت نے عطر ڈالا (لوقا ۷/۳۷) (ب) عطر ڈالنے والی بدچلن عورت کا نام مریم تھا جو مرتھا اور لعزر کی بہن تھی (یوحنا ۱۱/۱،۲ و ۱۲/۳) (ج) یسوع اس بدچلن عورت سے محبت رکھتا تھا (یوحنا ۱۱/۵) (د) اس بدچلن عورت کو بھی یسوع سے محبت تھی۔ (لوقا ۷/۴۷) (ہ) وہ بدچلن عورت روئی تو یسوع بھی گھبرا کر رونے لگا (یوحنا ۱۱/۳۵) (و) یسوع اُس بدچلن عورت کے گھر گیا اور اُس سے تنہائی میں باتیں کرتا رہا (لوقا ۱۰/۳۸-۴۲) (ز) اس کے ساتھ عورتیں رہتی تھیں (لوقا ۸/۱-۳ و متی ۲۷/۵۵)۔ (ش) ایک بدچلن سامری عورت سے جو کئی خاوند کر چکی تھی یسوع نے تنہائی میں معنی خیز گفتگو کی (یوحنا ۴/۷-۱۹)

(ص) یہ فقرہ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔" اتنے میں اُس کے شاگرد آگئے اور تعجب کرنے لگے کہ وہ عورت سے باتیں کر رہا ہے پس عورت اپنا گھڑا چھوڑ کر شہر کو چلی گئی (یوحنا ۴/۲۷، ۲۸) (ض) ایک نوجوان لڑکے سے محبت (یوحنا ۲۱/۲۰ و ۱۹/۲۶) (ط) اُس کو گود میں بٹھانا اور چھاتی سے لگانا (یوحنا ۱۳/۲۳، ۲۶ و ۲۱/۲۰-۲۱) گویا اس لڑکے سے یسوع کو محبت تھی اور شاگرد یسوع سے جب کوئی راز کی بات پوچھنا چاہتے تو براہِ راست پوچھنے کی بجائے اُس لڑکے کے ذریعہ سے دریافت کرتے اور یسوع بتا دیتا۔ یوحنا ۲۱/۲۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ پطرس کو یہ فکر تھا کہ یسوع کے چلے جانے کے بعد اس لڑکے کا کیا حال ہوگا اور اس کا کون پُرسانِ حال ہوگا مگر یسوع نے مہمل سے فقرہ میں بات کو ٹال دیا۔ یہی اور اسی قسم کی اور باتیں تھیں جن کی بنا پر جب پیلاطوس نے یہودیوں سے پُوچھا کہ تم یسوع پر کیا الزام لگاتے ہو تو انہوں نے جواب میں اس سے کہا کہ "اگر یہ بدکار نہ ہوتا تو ہم اسے تیرے حوالے نہ کرتے۔" (یوحنا ۱۸/۳۰) بایں ہمہ جناب کا اپنا حال یہ تھا کہ ایک "خونِ حیض" والی عورت کے چھُونے سے قوت نکل گئی۔ (مرقس ۵/۳۰ و لوقا ۸/۴۶)

۶- بدنمونہ

قرآن مجید نے اپنے مسیح کو مَثَلًا لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (الزخرف: ۶۱) یعنی بنی اسرائیل کے لیے اچھا نمونہ قرار دیا ہے مگر انجیلی یسوع کا نمونہ اس کے اخلاق و عادات قطعاً اس قابل نہیں تھیں کہ کوئی منصف مزاج انسان اس کو نمونہ کہہ سکے۔

۱۔ گالیاں دینا۔ زناکار لوگ (متی ۱۲/۳۹) "اے سانپو! افعی کے بچو! (متی ۲۳/۳۳) اے بدکارو! (متی ۷/۲۳) اندھو (متی ۲۳/۱۷تا۱۹، ۲۴) وغیرہ

۲۔ گندے ہاتھوں سے کھانا کھانا۔ اُس کے بعض شاگردوں نے جب اس کی موجودگی میں ناپاک یعنی بن دھوئے ہاتھوں سے روٹی کھائی (مرقس ۷/۲) تو اس پر بعض فقیہوں اور فریسیوں نے اعتراض کیا۔ اسکے جواب میں بجائے اپنے شاگردوں کو تادیب کرنے کے اُلٹا یہودیوں سے بحث کرنا شروع کر دیا اور کہا کوئی چیز باہر سے آدمی میں داخل ہو کر انسان کو ناپاک نہیں کر سکتی۔ (مرقس ۷/۱۵) بغیر ہاتھ دھوئے کھانا کھانا آدمی کو ناپاک نہیں کرتا۔ متی ۱۵/۲۰

۳۔ مغلوب الغضب تھا۔ (۱) یہودیوں کو گالیاں دیں۔ ب۔ انجیر کے درخت پر بلاوجہ غصہ کھایا۔ (مرقس ۱۱/۱۴ و متی ۲۱/۱۹)

۴۔ غیر کی چیز پر بلا اجازت ہاتھ صاف کرنا جائز سمجھتا تھا۔ اس کے شاگردوں کا بالیں توڑنا اور اس کا حمایت کرنا۔ (متی ۱۲/۱، ۵ و مرقس ۲/۲۳)

۵۔ بُزدل ہونا۔ خدا تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے بندوں کی عموماً اور انبیاء کی خصوصاً یہ صفت بتائی ہے کہ وہ بزدل نہیں ہوتے۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَاخَوْفٌ عَلَیْھِمْ (یونس: ۶۳) کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلہ: ۲۲)

گجا غوغائے شاں بر خاطرِ من وحشتے آرد
کہ صادق بُزدلے نبود وگر بیند قیامت را (درثمین فارسی)

چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے نبی تھے۔ لہٰذا بزدل نہ تھے۔ مگر انجیل کا یسوع بزدل تھا ملاحظہ ہو:۔
۱۔ قتل کا مشورہ سن کر چھپ کر چلا گیا اور کہا کسی کو میرا نام نہ بتانا (متی ۱۲/۱۵)
۲۔ ایک شہر میں تمہیں ستائیں تو دوسرے میں بھاگ جاؤ۔ (متی ۱۰/۲۳)
۳۔ اسی تعلیم کے نتیجے میں پولوس رسول قید خانہ سے سیواجی مرہٹے کی طرح ٹوکرے میں بیٹھ کر بھاگا تھا۔ (۲۔کرنتھیوں ۱۱/۳۲، ۳۳)
۴۔ جب یہودیوں نے مارنے کو پتھر اُٹھائے تو ڈر کر کہا۔ سب لوگ خدا کے بیٹے ہیں۔ (یوحنا ۱۰/۳۱ تا ۳۵)

۷۔ مفسد ہونا

خدا کے انبیاء دُنیا میں اصلاح کی غرض سے آتے ہیں۔ جیسا کہ اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ (ھود: ۸۹) لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی بوجہ نبی اور رسول ہونے کے بنی اسرائیل کی اصلاح ہی کے لئے آئے تھے۔ مفسد ہونا تو قرآن مجید نے منافق کی نشانی قرار دی ہے۔ مگر انجیل کا یسوع دُنیا میں اصلاح کے لئے نہیں بلکہ فساد کے لیے آیا تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

ا۔ "یہ نہ سمجھو کہ میں زمین پر صُلح کرانے آیا ہوں۔ صلح نہیں بلکہ تلوار چلانے آیا ہوں (متی ۱۰/۳۴-۳۶) اور کہا کپڑے بیچ کر تلوار خریدو (لوقا ۲۲/۳۶)

ب۔ "میں زمین پر آگ ڈالنے آیا ہوں۔ اور اگر آگ لگ چکی ہوتی تو میں کیا ہی خوش ہوتا۔ تم گمان کرتے ہو کہ میں صُلح کرانے آیا ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ نہیں میں جُدائی کرانے۔ کیونکہ اب سے ایک گھر کے پانچ آدمی آپس میں مخالفت رکھیں گے۔ باپ بیٹے سے مخالفت رکھے گا۔ اور بیٹا باپ سے"۔ (لوقا ۱۲/۵۲، ۵۳)

ج۔ "میرا وہی شاگرد ہو سکتا ہے جو اپنے ماں باپ۔ بیوی بچوں۔ بہنوں بھائیوں کا دشمن ہو"۔ (لوقا ۱۴/۲۶)

د۔ اور خود ہی کہتا ہے جس گھر میں پھوٹ پڑے وہ برباد ہو جاتا ہے (لوقا ۱۱/۱۷)

عیسائی:۔ خدا کے نبی جب آتے ہیں۔ کچھ لوگ اُن کی مخالفت کرتے ہیں۔ کچھ ایمان لے آتے ہیں۔ اس طرح تفریق پڑ جاتی ہے۔

احمدی:۔ خدا کے انبیاء کی آمد سے دو مخالف جماعتوں کا ہو جانا انبیاء کی آمد کی غرض نہیں قرار دی جا سکتی گو اس کو بعثت نبوت کے متعلق قرار دے لیا جائے۔ مثلاً ایک طالبعلم بی۔ اے کا امتحان دے اور اُس میں فیل ہو جائے۔ امتحان دینے سے اس کی غرض تو پاس ہونا تھی۔ مگر وہ خلافِ منشاء فیل ہو گیا۔ اب اگر کوئی یہ کہے کہ فلاں لڑکے نے بی۔ اے کا امتحان اس لیے دیا تاکہ وہ فیل ہو جائے تو یہ خلافِ عقل ہوگا۔ اِسی طرح یہ کہنا کہ فلاں نبی دُنیا میں اِس لیے آیا کہ تا دُنیا میں لڑائیاں ہونے لگ جائیں بالکل خلافِ عقل بات ہے۔

۸۔ شیطان کا ساتھی

قرآن مجید کہتا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا (النحل: ۱۲۹) کہ متقیوں کے ساتھ خدا تعالیٰ ہوتا

ہے اور انبیار کے ساتھ تو بوجہ اُن کے اتقی الناس ہونے کے سب سے زیادہ۔ لہٰذا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی خدا تھا۔ مگر انجیل میں جو یسوع کی سوانح زندگی درج ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالےٰ اس کے ساتھ نہ تھا۔

۱۔ اُس کی ناکام زندگی۔

۲۔ اُس کا ایلی ایلی لما سبقتانی کہنا۔ (متی ۲۷/۴۶)

۳۔ شیطان کا اس کے ساتھ چالیس روز رہنا اور پھر کچھ عرصہ کے لئے اس سے جُدا ہونا (لوقا ۴/۱۳)

۹۔ جھوٹ بولنا

قرآن مجید سے ثابت ہے کہ خدا تعالیٰ کے انبیار سب سے زیادہ سچے اور سچ بولنے والے اور راستباز ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی راست گو اور سعادت شعار انسان تھے مگر انجیل کا یسوع راست گو نہ تھا۔

۱۔ بھائیوں کو کہا کہ تم عید پر جاؤ۔ میں نہیں جاتا۔ مگر جب وہ چلے گئے تو اُن کے پیچھے پیچھے چھپ کر خود بھی چلا۔ یوحنا ۷/۸-۱۰

۲۔ یوحنا ۔۔۔ چاہو تو مانو۔ ایلیاہ جو آنیوالا تھا یہی ہے (متی ۱۱/۱۴) مگر یوحنا کا انکار (یوحنا ۱/۲۱)

۳۔ داؤد ۔۔۔ سردار کاہن ابیاتار کے عہد میں خدا کے گھر میں گیا اور نذر کی روٹیاں کھائیں (مرقس ۲/۲۶) حالانکہ وہ سردار ابیاتار نہیں بلکہ اخیملک تھا۔ (۱ سموئیل ۲۱/۱)

۱۰۔ غلط پیشگوئیاں

قرآن مجید کی آیت۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن ۲۷، ۲۸) کے مطابق انبیار کی صداقت کا معیار اُنکی سچی پیشگوئیاں ہیں اور ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی سچے نبی ہونیکی وجہ سے اس میں داخل ہیں مگر انجیلی یسوع کی تمام پیشگوئیاں غلط نکلیں۔ ① تم میں سے کئی زندہ ہونگے کہ میں آجاؤنگا۔ متی ۱۶/۲۸ و مرقس ۹/۱ ② شاگردوں کو کہا تم میرے ساتھ حکومت کروگے۔ متی ۱۹/۲۸ ③ ساتھ مصلوب ہونے والے چور کو کہا۔ تو میرے ساتھ آج ہی جنت فردوس میں ہوگا لوقا ۲۳/۴۳ مگر وفات کے تین دن بعد کہتا ہے کہ میں ابھی تک خدا کے پاس اوپر نہیں گیا۔ یوحنا ۲۰/۱۷ ④ پطرس کو جنت کی کنجیاں (متی ۱۶/۱۹) مگر پھر اس کو شیطان کہا متی ۱۶/۲۳۔ ⑤ ا۔ صرف یونس کا معجزہ اُن کو دیا جائیگا۔ متی ۱۲/۳۹۔ ب۔ یونس تین دن اور تین رات مچھلی کے پیٹ میں رہا (یوناہ ب۱ آخری آیت پُرانی بائیبل) ج۔ یسوع صرف ایک ہی دن زمین میں رہا (لوقا ۲۴/۱ و متی ۲۸/۱) د۔ یونس مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہا مگر بقول عیسائیاں یسوع مر کر رہا۔

۱۱۔ ملعون

قرآن مجید نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ (مریم: ۳۲) کے الفاظ میں

مبارک قرار دیا ہے۔ مگر انجیلی یسوع بروئے انجیل لعنتی تھا۔

۱۔ و۔ مسیح لعنتی تھا کیونکہ صلیب پر لٹکایا گیا۔ (گلتیوں ۳/۱۳)

ب۔ جو صلیب دیا جاتے وہ خدا کا ملعون ہے۔ (استثنا ۲۱/۲۳)

۲۔ پطرس کو کہا۔ جو تو زمین پر باندھیگا۔ آسمان پر وہی بندھیگا۔ (متی ۱۶/۱۹ و ۱۸/۱۸)

پطرس نے یسوع کو لعنت کی۔ (متی ۲۶/۷۴)

۱۲۔ مکذب انبیاء

قرآن مجید۔ مسیح تمام پہلے انبیاء کا مصدق تھا اور اپنے بعد بھی انبیاء کی آمد کا مبشر تھا۔ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ (الصف : ۷) مگر انجیلی یسوع تمام انبیاء کو چور اور ڈاکو کہتا تھا اور بعد میں آنیوالوں کو جھوٹا کہتا تھا:۔

"جتنے مجھ سے پہلے آتے سب چور اور ڈاکو ہیں" (یوحنا ۱۰/۸)

اور بہت سے جھوٹے نبی اُٹھ کھڑے ہونگے"۔ متی ۲۴/۱۱۔ پس قرآن کا مسیح، موجودہ انجیل والا یسوع نہیں ہوسکتا۔ فَافْهَمُوْا اَیُّهَا الْعَاقِلُوْنَ الطَّالِبُوْنَ لِلْحَقِّ !

شراب: (۱) یسوع نے سب سے پہلے جو معجزہ دکھایا وہ شراب بنانا تھا۔ (یوحنا ۲/۷،۹ و ۴/۴۶)

۲۔ پھر کہا نئی مے نئی مشکوں میں بھرنی چاہیئے۔ (لوقا ۵/۳۷)

۳۔ پولوس کہتا ہے: "تھوڑی سی شراب پی لیا کر"۔ (۱۔ تیمتھیس ۵/۲۳)

بھائی اور بہنیں: "اُس کے بھائی اس کے پاس آئے"۔ (لوقا ۸/۱۹ و مرقس ۳/۳۱ و یوحنا ۷/۵)

"اُس کی بہنیں"۔ (متی ۱۳/۵۵-۵۶)

دلائل فضیلتِ مسیح بمقابلہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب

عیسائی پادری غیر احمدیوں کے عیسائیت نواز عقائد کو پیش کر کے مسلمانوں کو حلقۂ عیسائیت میں پھنساتے چلے جاتے ہیں اور اسی غرض سے ایک رسالہ بنام "حقائق قرآن" بھی انہوں نے شائع کر رکھا ہے۔ غیر احمدیوں کے عقائد پر تو بیشک اس رسالہ کے مندرجہ اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں مگر خدا کے فضل سے جماعت احمدیہ کے سامنے اُن مزعومہ دلائل کی کچھ حقیقت نہیں۔ چند چیدہ اعتراضات کے جوابات درج کئے جاتے ہیں:۔

دلیل ۱ۓ حضرت مسیح کا معجزانہ طور پر پیدا ہونا

الجواب:۔ بیشک قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوتے اور ہمارا اس پر ایمان ہے مگر بغیر باپ کے پیدا ہونے والے کو باباپ کے پیدا ہونیوالے پر فضیلت دینا غلطی ہے قرآن مجید نے خود اس کا جواب دیا ہے: اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ (آل عمران: ۶۰) کہ عیسیٰ کی مثال آدم کی

ہے۔ اب آدمؑ تو بغیر ماں اور باپ کے پیدا ہوئے۔ عیسائی بھی آپکو مانتے ہیں پس اگر بغیر باپ کے پیدا ہونا فضیلت ہے تو بے ماں و باپ کے پیدا ہونا تو اس سے بھی بڑھ کر درجۂ فضیلت ہونا چاہیئے۔ پھر عیسائی صاحبان کیوں آدمؑ کو حضرت عیسیٰ سے افضل نہیں مانتے؟ اسی طرح انجیل میں لکھا ہے: "ملک صدق۔۔۔۔ بے باپ، بے ماں بے نسب نامہ ہے۔۔۔۔ بلکہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا۔" (عبرانیوں ۷: ۳) کیا عیسائی صاحبان ملک صدق کو حضرت عیسیٰؑ سے افضل مانتے ہیں؟ اگر نہیں تو کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ بے باپ پیدا ہونا وجۂ فضیلت نہیں۔ لہٰذا اس وجہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو افضل قرار دینا غلطی ہے۔

جواب ۲:۔ اگر بے باپ پیدا ہونا وجہ فضیلت ہے تو کیا ہم ان تمام کیڑوں مکوڑوں کو جو برسات کے دنوں میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں بے ماں اور بے باپ پیدا ہوتے ہیں تمام انسانوں سے افضل قرار دے سکتے ہیں؟

جواب ۳:۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ ہونا کس طرح موجب فضیلت ہو سکتا ہے جبکہ ان کی ولادت سے لیکر آج تک ساڑھے اُنیس سو سال گزر جانے تک اُن پر اور انکی والدہ صدیقہ پر پے بہ پے کفار نا ہنجار نا جائز ولادت کا الزام لگاتے ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام عمر اسی اعتراض کا جواب دیتے رہے یہاں تک کہ آنحضرت صلعم کو بذریعہ وحی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بریت اَیَّدْنَاہُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ (البقرۃ ۸۸ - ۲۵۴) کے الفاظ سے کرنی پڑی۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے متعلق کبھی کسی نے کوئی اعتراض کیا؟ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنۂ زنی کا نشانہ بنانا پڑا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بے باپ پیدا نہ ہونا بذاتِ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر آپ کی فضیلت کو ثابت کرتا ہے۔

جواب ۴:۔ قرآن مجید کے پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بے باپ پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی۔ قرآن مجید میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا۔ قَالَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالَ لَا یَنَالُ عَھْدِی الظّٰلِمِیْنَ۔ (البقرۃ: ۱۲۵) کہ اے ابراہیم! تجھے لوگوں کا مقتدا، اور راہنما (نبی) بناتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے خدا! میری نسل میں بھی (نبوت رکھ) تو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ہاں تیری نسل میں جو ظالم ہونگے وہ اس نعمت سے محروم کر دیئے جائینگے۔ دوسری جگہ فرمایا: وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِہِ النُّبُوَّۃَ (العنکبوت: ۲۸) کہ ہم نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں نبوت رکھی۔ اب حضرت ابراہیمؑ کی اولاد کی دو شاخیں تھیں۔ بطریق ذیل:۔

حضرت ابراہیمؑ

حضرت اسمٰعیلؑ - بنی اسماعیل (عرب) | حضرت اسحاق - یعقوب اسرائیل - بنی اسرائیل

چنانچہ حضرت اسحٰقؑ کی نسل سے (بنی اسرائیل میں) پے بہ پے نبی ہوتے۔ حضرت موسیٰؑ۔ داؤد و سلیمان۔ یحییٰ۔ زکریا علیہم السلام سب انبیاء بنی اسرائیل سے ہوئے۔ لیکن بالآخر بنی اسرائیل ظالم ہوگئے اور اُس وعدہ کے مستحق نہ رہے جو خدا تعالیٰ نے ابراہیمؑ سے کیا تھا۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرکے بتا دیا کہ اب حضرت اسحٰقؑ کی نسل میں نبوت کا خاتمہ ہے۔ اب چونکہ بنی اسرائیل ظالم ہوگئے ہیں اسلئے خدا کے وعدہ کے

مطابق نبوت بنی اسمٰعیل کی طرف منتقل کر دی جائیگی۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بغیر باپ کے پیدا ہوتے ان کے بعد نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی جو بنی اسرائیل سے نہ تھے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے محض اپنی قدرت مجردہ سے بغیر باپ کے پیدا کر کے یہودیوں کو ایک نمونہ سے سمجھایا کہ تم اس پاک مولود کو جس کی والدہ ہر طرح سے بدکاری کی آلائش سے پاک ہے ولد الزنا قرار دیتے ہو اور حالت یہ ہے کہ تم میں سے ہزاروں بچے بدکاری کے نتیجہ میں ایسے پیدا ہوتے ہیں جن کے باپوں کا پتہ نہیں اور ہم نے تمہاری عملی حالت کے اظہار کے لئے عملی نمونہ قائم کیا ہے۔ گو خدا تعالیٰ نے اس بچہ کو محض روح القدس کے وسیلہ سے بغیر باپ کے پیدا کیا مگر تم میں اب کوئی نہیں جو نبی کا باپ بن سکے۔ لہٰذا تم اس قابل نہیں رہے کہ تم کو اُس عہد کے مطابق جو خدا تعالےٰ نے ابراہیم کے ساتھ کیا تھا نبوت کی نعمت سے مشرف کیا جاتے۔ اس لئے اب وہ عظیم الشان نبی جو دس ہزار قدوسیوں کی جمعیت کے ساتھ اپنے داہنے ہاتھ میں آتشی شریعت کے کر آنیوالا تھا۔ مکہ کی لبستی میں بنی اسمٰعیل کے گھرانے میں پیدا ہوگا اور تم سے نبوت چھین کر ان کو عنایت کی جائیگی تاکہ مسیح علیہ السلام کی یہ پیشگوئی پوری ہو کہ "جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوا اور تمہاری نظروں میں عجیب ہے۔" (متی ۲۱/۴۲)

غرض یہ حکمت تھی جس کی بناء پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بے باپ پیدا کیا تاکہ یہودیوں کی عملی حالت پر گواہ رہے۔ پس اس کو وجہ فضیلت قرار دینا کسی صورت میں بھی قرینِ قیاس نہیں ہوسکتا۔ بنی اسرائیل کی زنا کاری کے ثبوت کے لئے ملاحظہ ہو حزقیل ۱۶/۴۲ و حزقیل ۲۳/۱تا۵ و ۲۳/۱۷،۲۰ و یرمیاہ ۳/۹)

دلیل ۲ حضرت مسیح کی والدہ کا تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہونا

الجواب :- قرآن مجید میں حضرت مریم کے متعلق اِصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ (آل عمران: ۴۳) تو بے شک آتا ہے مگر اس جگہ اَلْعٰلَمِیْن سے دُنیا میں قیامت تک پیدا ہونے والی عورتیں مراد لینا درست نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قرآن مجید کے شارع اول بلکہ معلم اعظم اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (البقرۃ: ۱۳۰) کے مصداق ہیں۔ اس آیت کی تفسیر فرمائی ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں یہ روایت درج ہے فَقَالَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَكِ شَبِیْهَةَ سَیِّدَةِ النِّسَآءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ۔ (بیضاوی تفسیر سورۃ آلِ عمران ع۴ زیر آیت اِنَّ اللّٰهَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت مریمؑ بنی اسرائیل کی عورتوں کی سردار تھیں۔ اب جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مریم صدیقہ کو سیدۃ النساء بنی اسرائیل قرار دیا ہے۔ انکی آنحضرت صلعم کی والدہ پر فضیلت کیسے ثابت ہوتی ؟

ہاں اتنا ضرور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو سَیِّدَةُ النِّسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب فاطمہ جلد ۲ صفحہ ۱۹۱ مطبع البہیہ مصر) سب جنتی عورتوں کی سردار قرار دیا ہے۔ اب حضرت مریمؑ یقیناً نِسَآءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ میں سے ہیں پس فاطمہؓ ان سے افضل ٹھہریں۔ اس سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہوئی۔ کیونکہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ اپنے زمانہ کی عورتوں میں سب سے افضل تھیں تو اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کمال کا کیا دخل ؟ ہاں یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی

قوتِ قدسی کا کمال تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نظیر تربیت کے نتیجہ میں آپ کی بیٹی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر سبقت لے گئیں۔

قرآن مجید میں جہاں حضرت مریمؑ کے متعلق زیر بحث الفاظ آتے ہیں وہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور خبر یہ نہیں بتایا گیا کہ حضرت مریمؑ کو خدا تعالیٰ نے تمام جہاں کی عورتوں میں سے چن لیا ہے تا یہ نتیجہ نکل سکے کہ گویا حضرت مریمؑ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں سے بھی افضل ہیں۔ بلکہ قرآن مجید میں ذکر یہ ہے کہ فرشتے نے جب وہ حضرت مریمؑ کو ولادتِ مسیح کی خوشخبری دینے آیا۔ اس وقت اُن سے کہا کہ اللہ تعالےٰ نے دُنیا کی سب عورتوں میں آپ کو چُنا ہے۔ پس اس آیت سے اتنا ہی ثابت ہو سکتا ہے کہ اس وقت جب فرشتے نے یہ کہا کہ جس قدر عورتیں موجود تھیں اُن میں سے حضرت مریمؑ کو ایک نبی کی ماں بننے کے لیے خدا تعالیٰ نے چُنا۔ بعد میں پیدا ہونے والی عورتوں کا نہ وہاں ذکر ہے اور نہ یہ مناسب تھا نیز حضرت مریمؑ کے متعلق قرآن مجید میں جو تعریفی الفاظ آتے ہیں۔ وہ یہودیوں کے بہتانات کی تردید کی غرض سے ہیں جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا (النساء: ۱۵۷) کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مطہرہ پر بھی کوئی الزام لگا؟ تا اس سے بریت کی ضرورت ہوتی۔

دلیل نمبر ۳

مسیح کی پیدائش کے وقت خارق عادت امور وقوع میں آئے مثلاً نخل خشک ہرا بھرا ہو کر پھل لایا۔ چشمہ جاری ہو گیا۔ مریمؑ کی تسکین کے لئے فرشتے نازل ہوئے۔

الجواب: مسیح کی پیدائش کے وقت کسی خارق العادت امر کے وقوع کا قرآن مجید میں ذکر نہیں۔ قرآن مجید میں کہیں نہیں لکھا کہ نخل خشک ہرا بھرا ہو گیا۔ بلکہ قرآن مجید سے تو ثابت ہے کہ وہ کھجور کا درخت پہلے ہی ہرا بھرا تھا۔ چشمہ کا جاری ہونا کوئی خارق عادت امر نہیں ہے۔ ہزاروں چشمے دُنیا میں جاری ہوتے ہیں۔ خارق عادت کے معنی تو یہ ہیں کہ ایسا واقعہ ظہور میں آئے جو کبھی دیکھا نہ گیا ہو۔ نیز حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ یعنی ہاجرہؓ زوجہ ابراہیم علیہ السلام کی سخت گھبراہٹ کے وقت چشمۂ زمزم جاری ہوا جسکا ذکر (بخاری کتاب الانبیاء باب يَزِفُّوْنَ النَّسَلَانِ فِي الْمَشْيِ جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ مصری) میں ہے اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کو عرب میں چھوڑ جانا یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کا ہی پیش خیمہ تھا۔ نیز قرآن مجید کی آیت فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا (مریم: ۲۴) یعنی حضرت مریم کو دردِ زہ کھجور کے تنا کے پاس لے گئی اور حضرت مریم نے شدتِ درد سے چلّا کر کہا کہ اے کاش میں اس سے پہلے ہی مر چکی ہوتی اور دُنیا سے بے نام ہو چکی ہوتی۔ صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ حضرت مسیح کی ولادت کے وقت کوئی خارق عادت امر واقع نہیں ہوا۔ خارق عادت امر تو جب ہوتا۔ اگر حضرت مریم کو اس تکلیف اور شدت سے دردوکرب نہ ہوتا۔

نیز ایک بچہ جننے والی عورت کو هُزِّيْٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ (مریم: ۲۶) کہنا کہ خود

کھجور کا تنا ہلا اور جو کھجوریں نیچے گریں اُن کو کھا ے ، جہاں اُس کی قابلِ رحم حالت کا نقشہ کھینچ دیتا ہے وہاں اس بات کی مزید تائید بھی کرتا ہے کہ کوئی خارق عادت امر اس موقع پر ظہور میں نہیں آیا ۔ بھلا جو فرشتہ تسکین دینے آیا تھا وہ کھجور کے درخت سے کھجوریں اُتار کر بھی دے سکتا تھا ۔ پھر حضرت مریم کو زچگی کی حالت میں کھجور کے تنے کو ہلانے کی تکلیف دہی کی کیا ضرورت تھی ؟

پس اِن آیات سے کہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر فضیلت ثابت ہوتی ہے ۔ بھلا حضرت مریمؑ بے چاری تو اپنے مخصوص حالات کی بنا پر جب قوم کی طرف سے مقطوع ہو جانے پر مجبور ہو چکی تھیں اور کوئی انسان ان کی تسکین کے لیئے وہاں موجود نہ تھا ۔ نہ کوئی دائی تھی نہ عورت ۔ ایسے موقع پر اگر خدا تعالیٰ نے اس پاک عورت کو آواز دے کھجور کا تنا ہلا کر کھجوریں کھانے کی ہدایت فرمائی تو ایک لابدی امر کیا ۔

مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ایسے حالات میں نہ ہوئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ کے لئے کوئی امر اپنی قوم کی نظروں میں استحقار سے دیکھے جانے کے قابل ہو ۔ ہاں آپ کی جدہ حضرت ہاجرہؓ جب کہ وہ بے کس و بے بس تھیں ۔ اور کوئی انسان اُن کی تسکین کے لئے وہاں موجود نہ تھا ۔ وہاں بھی فرشتہ نازل ہوا (بخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ مصری) مزید برآں مریمؑ کے متعلق جس قدر قرآن مجید میں الفاظ ہیں بطور " ذَبّ " کے ہیں نہ کہ بطور مدح ۔ لہٰذا اُن کی فضیلت ثابت نہیں ہو سکتی ۔

دلیل نمبر ۴

مسیح کا تکلم فی المھد و ایتاء کتاب و نبوت بزمانۂ شیر خوارگی

الجواب :- قرآن مجید میں حضرت مسیح علیہ السلام کا نہ صرف تکلم فی المھد بلکہ تکلم فی الکہل بھی مذکور ہے ۔ یعنی فرشتے نے حضرت مریم کو کہا کہ تیرا بیٹا مَھد (چھوٹی عمر) میں بھی کلام کرے گا اور کہل (چالیس سال کی عمر) میں بھی ۔ اب اگر مھد کے معنے گہوارہ لے کر اس کو معجزہ قرار دیا جاتے تو کہل (تیس چالیس سال کی عمر) میں کیا سب لوگ باتیں نہیں کرتے ۔ پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہوئی ؟

اصل بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو چالیس سال کی عمر میں نبوت ملتی ہے ۔ باتیں چالیس سال کی عمر میں سب ہی انسان کرتے ہیں ۔ مگر نبی چالیس سال کی عمر میں نبوت کی باتیں کرتا ہے ۔ جو اس کو دوسرے لوگوں سے ممیز کرتی ہیں ۔ پس تکلم فی المھد (بچپن کی عمر میں باتیں کرنے کا) مطلب یہ ہوگا کہ بچپن میں باتیں تو سب بچے کرتے ہیں ۔ مگر خدا کے نبی بچپن ہی سے عقل کی باتیں کرتے ہیں ۔

ع ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات

چنانچہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے متعلق اسی سورۃ مریم میں ہے اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا (مریم : ۱۳) کہ ہم نے اس کو بچپن ہی کی عمر میں دانائی دی ۔ یعنی وہ بچپن ہی میں دانائی کی باتیں کرتے تھے ۔ چنانچہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ان لوگوں کی جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن کا زمانہ دیکھا شہادت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بچپن ہی میں عام بچوں سے بہت ممیز تھے اور لغویات میں حصہ نہ لیتے تھے اور لغو کھیل کود کی طرف خیال نہ

تھا جیساکہ عام بچوں کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ ورقہ بن نوفل نے آپ کی دانائی کی باتوں سے معلوم کرلیا کہ آپ بڑے ہوکر انبیاء کا سردار بنیں گے۔ (بخاری باب کیف بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)

باقی رہا یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن ہی میں نبوت اور کتاب مل گئی تھی یہ قرآن سے ثابت نہیں۔ سورۃ آل عمران نکال کر دیکھئے۔ وہاں فرشتہ حضرت مریمؑ کے پاس آکر خوشخبری دے رہا ہے کہ تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوگا اور یہ امر خدا کی قدرت کاملہ کے آگے ناممکن نہیں۔ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَاةَ وَالْإِنْجِيلَ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ۔ أَنِّي قَدْ جِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِنْ رَبِّكُمْ (آل عمران ۴۹،۵۰) کہ وہ بچہ جو پیدا ہوگا اس کو اللہ تعالیٰ کتاب سکھائیگا۔ پھر حکمت سکھائیگا۔ پھر تورات کا سبق پھر اس کے بعد انجیل اور وہ ہوگا بنی اسرائیل کی طرف رسول۔ یہ کہ میں آیا ہوں خدا کی طرف سے نشان لے کر یعنی حضرت مسیح کا اپنا کلام شروع ہوجاتا ہے۔ فرشتہ نے قبل از وقتِ ولادت پیشینگوئی کو بیان کرتے کرتے بغیر کسی وقفہ کا ذکر کرنے کے اس پیدا ہونے والے کا اپنا کلام ذکر فرمادیا ہے۔ پیدائش کا ذکر بھی نہیں کیا۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن مجید صرف ضروری باتوں کا ذکر ضروری جگہ پر فرمادیتا ہے۔ چنانچہ اتنے بڑے وقفہ کا ذکر نہیں کیا اور اسلوب بیان اور بیان پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام اُس زمانہ کا ہے جب آپ نبوت کی عمر کو پہنچ کر نبی بن چکے تھے اور معجزات دکھاتے تھے۔ بچپن کا آیات مذکورہ میں کہیں ذکر نہیں۔ سورۃ مریم میں مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا (مریم ۳۰) کا مطلب یہ ہے کہ جو ابھی کل کا بچہ ہے اس کے ساتھ ہم کیسے گفتگو کریں۔ یہ تو ہمارے ہاتھوں میں پلا ہے۔ جیساکہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کہا أَلَمْ نُرَبِّكَ فِينَا وَلِيدًا (الشعراء ۱۹) کہ کیا تو بچپن کی حالت سے میرے ہاتھوں میں نہیں پلا؟ آج تو مجھے ہی نصیحتیں کرنے آگیا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی یہودی عمائد حضرت مریمؑ کو جواب دیتے ہیں۔ "كَانَ" ہمارے معنوں کی تائید کرتا ہے۔ فَأَتَتْ بِهِ قَوْمَهَا۔ (مریم ۲۸) کی "ف" سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ ولادت کے معاً بعد کا واقعہ ہے درست نہیں۔ عربی زبان میں "فا" نتیجہ کے لئے بھی آتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بچہ جو رَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ (آل عمران ۵۰) ہونے والا تھا۔ جب بڑا ہوگیا تو اُن کی ماں اُن کو ساتھ لے کر بنی اسرائیل کی طرف آئیں۔ تاکہ وہ اُن کو تبلیغ حق کریں جو اُن کی پیدائش کا مقصد تھا۔ چنانچہ اسی رکوع میں ہے فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهِ مَكَانًا قَصِيًّا (مریم ۲۳) پس حضرت مریم حاملہ ہوگئیں اور ایک دُور کے مکان میں چلی گئیں پس دردِ زہ ان کو کھجور کے تنے کی طرف لے گئی۔ اب حمل کے بعد ہی دردِ زہ کا ذکر ہے اور فَأَجَاءَهَا الْمَخَاضُ پر "ف" استعمال ہوئی ہے۔ کیا اِس کا مطلب یہ ہے کہ حمل ہوتے ہی دردِ زہ شروع ہوگیا؟ پس "ف" سے معاً بعد لینا درست نہیں۔

۲۔ قرآن مجید سورۃ آل عمران کی آیت اوپر نقل کر آیا ہوں کہ فرشتہ نے آکر مریمؑ کو بتایا کہ حضرت مسیحؑ کو پہلے علم کتاب عطا ہوگا پھر علم حکمت، پھر علم تورات اور اس کے بعد ان کو اپنی کتاب (انجیل) عطا ہوگی۔ اور یہی اللہ تعالیٰ کا باقی سب انبیاء کے ساتھ دستور ہے۔ یعنی پہلے ان کو فہم کتاب عطا ہوتا ہے۔ پھر انہیں کتاب ملتی ہے۔

پھر قرآن مجید میں ہے: إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَ .... عِيسَىٰ۔ (النساء ۱۶۴) یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)! ہم نے آپ پر اُسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح نوح

علیہ السلام اور دیگر انبیاء حضرت عیسیٰ و ایوب وغیرہم علیہم السلام پر وحی نازل کی تھی۔ اب قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اسی طرح وحی کا نزول بیان فرماتا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ہوا۔ اور اس میں کسی قسم کا فرق قرار نہیں دیتا۔ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کوئی خصوصیت بیان فرماتا ہے بلکہ باقی انبیاء کے ساتھ ان کا بھی ذکر کر دیتا ہے۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کو تو چالیس برس کے قریب حَتّٰٓی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ (الاحقاف ۱۶) کے ماتحت نبوت عطا ہوئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس میں شامل ہیں۔ چنانچہ انجیل سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ۳۱ برس کی عمر میں منادی شروع کی۔ "جب یسوع خود تعلیم دینے لگا تو برس تیس ایک کا تھا۔" (لوقا ۳/۲۳)

دلیل نمبر ۵

از روئے قرآن عیاں ہے کہ جس وقت مسیح کے دشمنوں نے آپ کو پکڑنا چاہا تو آسمان سے فرشتے نازل ہوئے اور اُسے آسمان پر اُٹھا لے گئے، لیکن حضرت محمد صاحب کو بچانے کے لئے کوئی فرشتہ نازل نہ ہوا؟

الجواب:۔ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں کہیں نہیں لکھا کہ حضرت مسیح کو خدا کا کوئی فرشتہ آسمان پر اُٹھا کر لے گیا۔ قرآن مجید کی تیس آیات سے حضرت مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کی آیت بے شک موجود ہے۔ مگر رفع کا ترجمہ آسمان پر اُٹھا لینا قطعاً غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے یَرْفَعُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ۔ (المجادلۃ ۱۲) کہ خدا تعالیٰ رفع کرتا ہے تمام ایمان والوں کا اور ان لوگوں کا جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے علم عطا ہوا ہو۔ کن معنوں میں؟ فرمایا، دَرَجٰتٍ یعنی مقامات اور درجات بلند کرنے کے معنوں میں۔ اس سے آسمان پر اُٹھانا مراد نہیں ہوتا۔

اسی طرح حدیث میں بھی ہے۔ اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَۃِ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۲۵) کہ جب انسان خدا تعالیٰ کے آگے گر جاتا ہے اور انکساری اختیار کرے تو خدا تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان پر رفع کرتا ہے۔ اب اس حدیث میں ساتویں آسمان کا بھی لفظ ہے مگر پھر بھی اس کے معنے آسمان پر اُٹھانے کے نہیں بلکہ درجات کے بلند ہونے کے لئے جاتے ہیں۔ مگر قرآن مجید میں جو لفظ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق آتے ہیں بل رفعہ اللّٰہ (النسآء: ۱۵۹) ان میں تو آسمان کا نام بھی نہیں۔

اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِدْرِیْسَ اِنَّہٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا وَّ رَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا (مریم: ۵۸) کہ حضرت ادریسؑ سچے نبی تھے اور ہم نے ان کا بلند مکان پر رفع کیا۔ اب حضرت ادریس علیہ السلام کے متعلق بھی رفع کا لفظ استعمال ہوا ہے اور مَکَانًا عَلِیًّا بھی۔ کیا وہ بھی آسمان پر زندہ ہیں؟

۲۔ قرآن مجید میں لکھا ہے: یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ وَ رَافِعُکَ اِلَیَّ (آل عمران: ۵۶) خدا تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ اے عیسیٰ! پہلے تجھ کو وفات دُوں گا پھر تیرا رفع کروں گا۔ بل رفعہ اللّٰہ نے بتایا کہ اُن کا رفع ہو چکا ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اُن کی وفات بھی ہو چکی ہے کیونکہ رفع سے پہلے وفات کا وعدہ ہے اور متوفیک کے معنے وفات دینے ہی کے ہیں جیسا کہ بخاری میں لکھا ہے۔ قَالَ ابْنُ

عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيْكَ مُمِيْتُكَ (بخاری کتاب التفسیر۔ تفسیر سورۃ مائدہ جلد ۳ صفحہ ۹۵ مصری) کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ متوفیک کے معنے موت دینے ہی کے ہیں ؎

ابنِ مریم مرگیا حق کی قسم　　　داخلِ جنت ہوا وہ محترم
مارتا ہے اس کو فرقاں سربسر　　　اُس کے مر جانے کی دیتا ہے خبر (درثمین اُردو)

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے۔ کیونکہ نہ صرف یہ کہ انکی طبعی زندگی کا خاتمہ ہوگیا۔ بلکہ اُن کی تعلیم بھی مرگئی۔ اُن کی تعلیم کے ثمرات مٹ گئے۔ مگر ہمارا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہے۔ اس کی تعلیم زندہ ہے۔ اس کے فیوض رُوحانیہ کی نہر اَب بھی جاری ہے اور اس کی اطاعت اور فرمانبرداری انسان کو اعلیٰ ترین مقامات پر پہنچا سکتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اِس زمانہ کے مامور حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام نے فرمایا ؎

قَدْ مَاتَ عِیْسٰی مُطْرِقًا وَنَبِیُّنَا　　　حَیٌّ وَ رَبِّیْ اِنَّهٗ وَافَانِیْ

کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہوگئے، لیکن ہمارا نبی زندہ ہے۔ خدا کی قسم میں نے اس کے فیوض کو خود تجربہ کیا ہے (تفصیل کے لیے دیکھو مضمون در بارہ وفات مسیح علیہ السلام صفحہ ۱۸)۔

دلیل نمبر ۶

مسیح کا مُردوں کو زندہ کرنا اہلِ اسلام نے از روئے قرآن تسلیم کیا ہے؟

الجواب ــــــــــــــــــ قرآن نے جن معنوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مُردہ زندہ کرنے کا محاورہ بولا ہے انہی معنوں میں آنحضرت صلعم کے متعلق بھی تو مُردے زندہ کرنے کا ذکر فرمادیا ہے: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ۔ (الانفال: ۲۵) اے مومنو! اللہ اور رسول کا کہا مانو جب وہ تم کو بلائے تاکہ تم کو زندہ کرے۔ اب یہی لفظ اُحْیِیْ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق استعمال ہوا ہے اور یہی یُحْیِیْ آنحضرت صلعم کے متعلق۔ یہ ہمارے علماء کی بدقسمتی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیئے تو جسمانی مُردے زندہ کرنا مراد لیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے رُوحانی مُردے۔

۲۔ پھر قرآن میں موتیٰ (یعنی مُردوں) کا مفہوم بیان کردیا ہے فرمایا۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (الروم ۵۳۱) کہ تو مُردوں کو نہیں سُنا سکتا۔ اس کے متعلق حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی اپنے ترجمۂ قرآن میں لکھتے ہیں: "غرض یہ ہے کہ کافر مُردے اور بہرے ہیں۔ اُن میں سُننے اور سمجھنے کی صلاحیت نہیں اور نہ سُننا چاہتے ہیں۔"

(ترجمۃ القرآن صفحہ ۲۵۵ حاشیہ از حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی)

۱۔ "تلخیص المفتاح" صفحہ ۲ میں جو عربی بلاغت کی کتاب ہے لکھا ہے: اَوَمَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ اَیْ ضَالًّا فَهَدَیْنٰهُ (صفحہ ۲) یعنی وہ شخص جو مُردہ تھا ہم نے اُسے زندہ کیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گمراہ تھا ہم نے اُسے ہدایت دی۔

پس ثابت ہوا کہ بلغاء کے نزدیک احیاءِ موتیٰ کے معنے گمراہوں کو ہدایت دینا ہے اور یہی کام خدا کے انبیاء علیہم السلام کا ہے۔

۴۔ انجیل میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوا ہے :۔

ا۔ "اور اُس (یسوع) نے تمہیں بھی زندہ کیا ہے جب اپنے قصوروں اور گناہوں کے سبب مُردہ تھے"۔
(اِفسیوں ۲/۱)

ب۔ "جب قصوروں کے سبب مُردہ ہی تھے تو ہم کو مسیح کے ساتھ زندہ کیا"۔ (اِفسیوں ۲/۵)

ج۔ پولوس رسول کہتا ہے :۔ "اے میرے بھائیو! مجھے اُس فخر کی قسم جو ہمارے خداوند یسوع مسیح میں تم پر ہے مَیں ہر روز مرتا ہوں"۔ (۱۔ کرنتھیوں ۱۵/۳۱)

ہاں ہم مانتے ہیں کہ حضرت مسیح نے بارہ مُردے زندہ کئے۔ یہوداہ اسکریوطی وغیرہ۔ مگر ان کی زندگی کیسی تھی؟ اس کے لیے جس کو ضرورت ہو وہ انجیل کا مطالعہ کرے مگر ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسے مُردے زندہ کئے جن پر پھر موت نہیں آئی۔ ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم وہ مُردے تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ کیا اور ایک وہ بھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرمانبرداری کے طفیل نبوت کے مقام پر سرفراز کیا گیا۔

دلیل نمبر ۷

صفتِ خلق حقیقی بھی خاصۂ رب العالمین ہے اور یہ وصف بھی صرف حضرت مسیحؑ میں پایا جاتا تھا۔

الجواب :۔ یہ بالکل درست ہے کہ صفتِ خلقِ حقیقی خاصۂ رب العٰلمین ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں صفتِ خالقیت نہ تھی۔ خدا کے انبیاء ایسے وقت میں آتے ہیں جبکہ لوگ زمین کی طرف جُھک چکے ہوتے ہیں اور دُنیا ہی دُنیا انکی نظروں میں ہوتی ہے۔ انبیاء کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ ان لوگوں کو جو زمینی مٹی میں مل کر مٹی ہو چکے ہوتے ہیں۔ بلندی کی طرف رفعت و منزلت کی طرف پرواز کر جانا چاہتے ہیں اور وہ اُن میں رُوحانیت اور للٰہیت کی ایسی رُوح پھُونک دیتے ہیں کہ وہی زمینی لوگ پرندوں کی طرح اُڑ کر آسمانی انسان بن جاتے ہیں۔ پھر وہ اس شعر کے مصداق ہوتے ہیں ؎

ہم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں　　　آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نقار

یہی معنی ہیں اس آیت کے :۔ اَنِّیْٓ اَخْلُقُ لَکُمْ مِّنَ الطِّیْنِ کَھَیْئَۃِ الطَّیْرِ فَاَنْفُخُ فِیْہِ فَیَکُوْنُ طَیْرًاۢ بِاِذْنِ اللّٰہِ۔ (آل عمران : ۵۰) اَخْلُقُ کے معنے "پیدا کرتا ہوں" کرنا قطعاً درست نہیں۔ کیونکہ خلق کے معنے پیدا کرنے، کسی چیز کی ابتداء کرنے اور تجویز کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ مگر اوّل الذکر معنوں میں یعنی "پیدا کرنے کے" معنوں میں سوائے خدا تعالیٰ کے یہ لفظ اور کسی کے لیے نہیں بولا جاتا۔ جیسا کہ مفرداتِ راغب جو عربی لغت کی معتبر کتاب ہے لکھا ہے۔ پس اس جگہ اَخْلُقُ لَکُمْ کے معنے ہونگے مَیں تمہارے فائدہ کے لیے تجویز کرتا ہوں چنانچہ کتاب الشعر والشعراء لابن قتیبہ کے صفحہ ۲۹ پر مشہور عربی شاعر کعب بن زہیر بن سلمیٰ کا یہ قول درج ہے :۔

لَاَنْتَ تَفْرِیْ مَاخَلَقْتَ وَبَعْضُ　　　الْقَوْمِ یَخْلُقُ ثُمَّ لَایَفْرِیْ

اور لانت تفری ما خلقت کا ترجمہ ما قَدَّرْتَ لکھا ہے۔ اسی طرح تفسیر بیضاوی تفسیر سورۃ آل عمران زیر آیت اخلق لکم" لکھا ہے اَخْلُقُ لَکُمْ اُقَدِّرُ لَکُمْ۔ پس اس آیت کے وہی معنے درست ہیں جو ہم

نے کئے۔ قرآن مجید صاف لفظوں میں فرماتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ (الحج ۷۴) جن لوگوں کو خُدا کے سوا تم پکارتے ہو وہ ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے خواہ وہ سب جمع ہو کر بھی بنانے کی کوشش کریں۔ یہاں تک کہ اگر مکھی اُن کی کوئی چیز اُٹھا کر لے جائے تو وہ اُس کو اُس سے بھی نہ چھڑا سکیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی انہی معبودانِ باطلہ میں سے ہیں۔ جیسا کہ فرمایا: لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ۔ پس قرآن مجید تو یہ کہتا ہے کہ حضرت مسیح ایک مکھی بھی نہ بنا سکتے تھے چہ جائیکہ اُن کے متعلق چمگادڑیں اور پرندے بنانے کا اِدّعا کیا جائے۔ ایسا دعویٰ کرنے والوں کو قرآن مجید کی یہ آیت پڑھنی چاہیئے: اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ (الرعد: ۱۷) کہ اِن لوگوں نے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں (جن کے متعلق کہتے ہیں) کہ انہوں نے بھی اُس کی طرح پیدا کیا اور پھر اُن کی پیدائش کی ہوئی چیزیں خدا کی بنائی ہوئی چیزوں کے ساتھ مل جُل گئیں۔ ان کو کہدو کہ صرف اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے اور اس کے سوا اور کوئی پیدا کرنے والا نہیں ہے۔

پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ کہنا کہ: اَخْلُقُ لَكُمْ (آل عمران: ۵۰) والی آیت میں لفظ خَلق انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے جن معنوں میں خدا تعالیٰ کے لئے بالبداہت باطل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہودیوں کے پاس اُس وقت آئے جبکہ وہ دُنیا داری میں پھنس کر مٹی ہو چکے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چاہا کہ وہ پرندوں کی طرح خدا کی طرف اُڑنے لگ جائیں۔ پھر اُن میں رُوحانیت کی رُوح پھونکی جس سے وہ خدا کی طرف اُڑنے لگ گئے۔ یہی معنے اس آیت کے ہیں: اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ (فاطر: ۱۱) کہ خدا ہی کی طرف اوپر چڑھتے ہیں پاک کلمات اور نیک کام وہ ان کو بلند کرتا ہے۔ ہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پطرس اور یہوداہ اسکریوطی جیسے پرندے بنائے۔ جو اُڑے اور اُڑ کر پھر زمین پر گر پڑے۔ مگر خدا کے برگزیدہ رسول محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوبکر۔ عمر۔ عثمان و علی رضی اللہ عنہم جیسے پرندے بنائے۔ جنہوں نے فضائے رُوحانیت کی لا انتہا بلندیوں کی طرف پرواز کی۔ دنیوی نگاہوں نے اپنی پستی سے اُن کی بلندی کو ناپنا چاہا۔ مگر نگاہیں ناکام واپس آئیں۔ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا بنایا ہوا ایک پرندہ (مسیح موعود) اس بلندی پر پہنچا۔ کہ خدا تعالیٰ نے اُس کے متعلق "اَنْتَ مِنِّيْ بِمَنْزِلَةٍ لَا يَعْلَمُهَا الْخَلْقُ۔ (تذکرہ ایڈیشن سوم الشرکۃ الاسلامیہ ص۱۰۰ الہام ۱۸۸۳ء) کا ارشاد فرمایا۔

دلیل نمبر ۸

اندھوں کو بینائی بخشنا اور بہروں کو شنوائی عطا کرنا اور کوڑھی کو شفا بخشنا بھی قرآن نے مسیح کے اقتداری نشانات و معجزات تسلیم کئے ہیں۔ کیا آنحضرتؐ نے بھی کوئی ایسا معجزہ دکھایا؟

الجواب: ۔ قرآن مجید میں "اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ (آل عمران: ۵۰) آیا ہے جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ مَیں بری کرتا ہوں اندھے اور کوڑھے کو۔ اُبْرِئُ مضارع واحد متکلم کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے

کہ میں بُری کرتا ہوں"۔ اُشْفِیْ کا لفظ نہیں جس کا ترجمہ یہ ہو کہ "میں شفا دیتا ہوں"۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اندھوں اور کوڑھوں پر کوئی قید تھی جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اُن کو بُری کیا۔

یاد رہے کہ توراۃ میں یہ لکھا ہوا تھا کہ اندھے، کوڑھے، لنگڑے ہیکل میں داخل نہ ہوں کیونکہ وہ ناپاک ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آکر ان کی اِس قید کو ہٹا دیا۔ ملاحظہ ہو توراۃ :۔

"کیونکہ وہ مرد جس میں کچھ عیب ہے نزدیک نہ آتے جیسے اندھا یا لنگڑا ..... یا داد کھجلی بھرا ..... وہ عیب دار ہے ..... وہ اپنا کھاتے۔ مگر پردے کے اندر داخل نہ ہو۔ میرے مقدس کو بے حرمت نہ کرے"۔ (احبار ۲۱ : ۱۸ - ۲۳) "پھر خداوند نے موسیٰ کو مخاطب کرکے فرمایا بنی اسرائیل کو حکم کر کہ ہر ایک مبروص اور جریان والا اور جو مُردہ کے سبب ناپاک ہے۔ انکو خیمہ گاہ سے باہر کر دیں۔ کیا مرد اور کیا عورت دونوں کو نکال دو کہ اپنی خیمہ گاہوں کو جن میں مَیں رہتا ہوں ناپاک نہ کریں"۔ (گنتی ۵ : ۱ تا ۳) پس یہ وہ قید تھی جس سے مسیح نے ان کو بُری کیا۔ ہاں خدا کے انبیاء رُوحانی اندھوں کو بصارت و بصیرت عطا کرتے آتے ہیں۔ اندھا وہ ہے جو خدا کے انبیاء کی صداقت کو شناخت نہیں کرتا۔ فرمایا مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ (بنی اسرائیل : ۷۲) کہ جو یہاں اندھا ہے وہ اگلے جہان میں بھی اندھا ہے۔ قرآنِ مجید نے اپنی تمام آیات کو "مُبْصِرَةً" (بینائی بخشنے والا) قرار دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بیشک پطرس یوحنا۔ یہوداہ جیسے اندھوں اور کوڑھوں کو بینائی دی اور کام کرنے کے قابل بنایا۔ مگر اُن کی یہ بینائی اور قوت عارضی تھی۔ مسیح کے گرفتار ہوتے ہی اُن کی یہ سب طاقتیں مسلوب ہو گئیں۔ مگر ہمارے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اندھوں کو آنکھیں دیں اور کوڑھوں کو کام کرنے والا بنایا کہ جو شخص ان سے وابستہ ہوا۔ اُس نے بھی بینائی پائی۔

دلیل نمبر ۹

قرآن میں بھی یہ لکھا ہے کہ لوگ اپنے گھروں میں جو کچھ کرتے اور کھاتے پیتے تھے حضرت مسیح ان کو وہ سب کچھ بتا دیتے تھے۔

الجواب :۔ قرآن میں یہ نہیں لکھا کہ حضرت مسیح لوگوں کو یہ بتایا کرتے تھے کہ آج تم گوشت کھا کر آئے ہو۔ اور تم دال۔ بلکہ آیت یُوں ہے۔ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ۔ (آل عمران : ۵۰) کہ مَیں تم کو بتاتا ہوں (احکام) اُن چیزوں کے متعلق جو تم کھاتے ہو اور جو تم اپنے گھروں میں ذخیرہ رکھتے ہو یعنی جمع و خرچ کے احکام بیان کرتا ہوں۔ جیسا کہ آنحضرت صلعم نے بھی کہا كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا۔ (الاعراف : ۳۲) کہ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔ ورنہ یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ یہ بتا دیا کرتے تھے کہ آج زید سبزی کھا کر آیا ہے اور بکر کدو اور عمر نے اپنے گھر میں مکی اور باجرہ جمع کر رکھا ہے۔ مضحکہ خیز ہے۔

❊ ❊ ❊

دلیل نمبر۱۰

قرآن میں تمام انبیاء کے گناہوں کا ذکر ہے خصوصاً حضرت محمد صلعم کو حکم ملتا ہے کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگ ہم نے تجھے گمراہ پایا اور ہدایت کی۔

الجواب: سائل نے دو آیات پیش کی ہیں (۱) وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ (محمد: ۲۰) (۲) وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى (الضحیٰ: ۸) پہلی آیت کا جواب۔ ذنب کا لفظ آنحضرت صلعم کے لئے قرآن میں پانچ مرتبہ آیا ہے اور پانچوں مرتبہ جنگ اور فتوحات کے ذکر کے بعد ہی آیا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ لَا تَكُنْ لِلْخَائِنِينَ خَصِيمًا (النساء: ۱۰۶)۔ سورۃ مومن: ۸ میں پہلے نصرت کا ذکر ہے بعد میں استغفار کا۔ سورۃ محمد: ۲۰ میں بھی جنگ کے ذکر کے ساتھ۔ اسی طرح سورۃ نصر میں بھی فتوحات کے ذکر کے ساتھ استغفار کا حکم ہے۔ سورۃ فتح میں بھی إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا (الفتح: ۲) کے بعد استغفار کرنے کا حکم ہے۔ پس معلوم ہوا کہ استغفار اور ذنب کا فتوحات اور نصرت الٰہی کے ساتھ گہرا واسطہ ہے۔ خدا تعالےٰ کی نصرت کبھی گنہگاروں اور بدکاروں کو نہیں ملا کرتی۔

ع کبھی نصرت نہیں ملتی درِ مولیٰ سے گندوں کو

پھر ذنب کے ساتھ فتوحات اور نصرت کا کیا جوڑ؟ نیز یہ کہنا کہ اے نبی! تو اپنے اور مومنوں کے لئے استغفار کر، صاف طور پر بتا رہا ہے کہ اس آیت میں ذنب کے معنی إِثْمٌ یعنی گناہ نہیں۔ بلکہ بشری کمزوری کے ہیں۔ قرآن مجید میں آنحضرت صلعم کے لیے اثم کا لفظ نہیں بلکہ ذنب کا لفظ ہے جس کے معنی بشری کمزوری کے ہیں۔ قرآن میں آنحضرت صلعم کے متعلق لکھا ہے کہ حضورؐ پاک اور بے لوث انسان تھے۔ إِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ (القلم: ۵) کہ اے نبی! تو اخلاق کے بلند ترین مقام پر فائز ہے۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی، کہ اے خدا اسمٰعیلؑ کی نسل میں سے ایک ایسا عظیم الشان نبی پیدا کر جو يُزَكِّيهِمْ (البقرۃ: ۱۳۰) کا مصداق ہو یعنی اُن کو پاک کرے۔ قرآن مجید آنحضرت صلعم کے متعلق فرماتا ہے يُزَكِّيهِمْ کہ آنحضرت صلعم تمام مسلمانوں کو پاک بناتے ہیں۔ پھر فرمایا کہ بِأَيْدِي سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ (عبس: ۱۷) کہ یہ مومن جن کے ہاتھ میں خدا تعالیٰ نے قرآن دیا ہے نہایت ہی پاک لوگ ہیں۔ گویا آنحضرت صلعم نے ان لوگوں کو پاک بنا بھی دیا پس ایسے عظیم الشان انسان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ خود گنہگار تھا سراسر بے انصافی ہے پس ذنب کے معنے یہی ہیں کہ چونکہ نبی عالم الغیب نہیں ہوتا۔ اس لیے فتوحات اور لڑائیوں کے بعد بعض دفعہ محض بشریت کی وجہ سے بعض ایسے فیصلے سرزد ہو جاتے ہیں جن سے موجود لوگ تو مستفید ہو جاتیں۔ مگر بعد میں آنے والے لوگ جو بوقتِ فیصلہ موجود نہیں ہوتے نقصان اُٹھالیں۔ خدا تعالےٰ نے فرمایا کہ اے نبی! تو ایسی بشری کمزوریوں کے غلط نتائج سے بچنے کے لئے خدا تعالیٰ سے استغفار کر لے۔ یعنی یہ دعا کرے۔ کہ اس کمی کو خدا تعالیٰ پورا کر دے۔ کیونکہ وہ عالم الغیب ہے تاکہ نبوت کے عظیم الشان مقصد میں کوئی امر روک نہ ہو۔

ذَنَبَ ذَنَبًا کے معنے لغت میں پیچھے آنے کے بھی ہیں۔ اگر ان معنوں کو مدِنظر رکھا جائے تو آیت کا

مطلب یہ ہوگا کہ اے نبی! تو اپنے متبعین اور آئندہ آنے والے مومنین کے لیے مغفرت کی دُعا کر دو بس۔

دوسری آیت کا جواب :۔ ضَالّ بمعنی گمراہ نہیں بلکہ ضالّ بمعنی متلاشی ہے۔ جیساکہ سورۃ یُوسف کی آیت إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ الْقَدِيمِ (یوسف: ۹۶) میں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے تجھ کو دُنیا کے لیے ہدایت کا متلاشی پایا اور تجھ کو ہدایت عطا کی۔ دوسرا قرینہ اس سورۃ (الضحیٰ) کی ترتیب ہے اس میں وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَىٰ (الضحیٰ: ۸) کے نتیجے میں اس کے بالمقابل وَأَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْهَرْ (الضحیٰ: ۱۱) یعنی اے نبی! تو ضالّ تھا ہم نے تجھ کو ہدایت عطا کی پس تو بھی کسی سائل کو مت ڈانٹ۔ اس آیت کی بناوٹ ہی بتا رہی ہے کہ یہاں ضَالًّا کے معنے سائل اور متلاشی کے ہیں۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صاف طور پر قرآن میں آیا ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوَىٰ (النجم: ۳) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ کبھی گمراہ ہوتے اور نہ راہ راست سے بھٹکے۔ باقی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے گناہ (ہم تو سب انبیاء کو گناہ سے پاک مانتے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ جن کے متعلق خدا تعالیٰ نے ثُمَّ دَنَا فَتَدَلَّىٰ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ (النجم: ۹،۱۰) فرمایا۔

دلیل نمبر ۱۱

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قربِ قیامت میں فتنۂ دجّال کو فرو کرنے کیلئے آئینگے۔

الجواب :۔ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کا زندہ آسمان پر ہونا قرآن اور احادیثِ صحیحہ سے ثابت نہیں۔ جیساکہ سوال نمبر ۵ کے جواب میں بیان ہوا۔ اور جس شخص کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ وہ آخری زمانہ میں فتنۂ دجّال کو فرو کرنے کے لیے مبعوث ہوگا۔ اُس نے اسی اُمّتِ محمدیہ میں سے پیدا ہونا تھا چنانچہ بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ باب نزولِ عیسیٰ و مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۶ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وَإِمَامُكُمْ مِنْكُمْ کہ مسیح موعود اُمّتِ محمدیہ کا امام ہوگا جو اس اُمّت ہی میں سے ہوگا۔ پھر بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو مسیح ناصری کا حُلیہ بیان فرمایا ہے وہ سُرخ رنگ اور گھنگھریالے بال ہے۔ مگر آنے والے مسیح کا حُلیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گندمی رنگ اور سیدھے بال بیان فرمایا ہے (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۹ مطبع الہیہ مصر) دو حُلیے ایک آدمی کے نہیں ہوسکتے۔ پس اختلافِ حُلیتین بتاتا ہے کہ پہلا مسیح فوت ہو چکا اور آنے والا مسیح اسی دُنیا سے پیدا ہونا تھا۔

حضرت محی الدین ابن عربیؒ نے بھی لکھا ہے:۔ "وَجَبَ نُزُولُهُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِهِ بِبَدَنٍ آخَرَ" (تفسیر عرائس البیان جلد ۱ صفحہ ۲۶۲) کہ آخری زمانہ میں پہلا مسیح واپس نہیں آئیگا۔ بلکہ اب وہ ایک نئے وجود کی صورت میں ہی ظہور پذیر ہوگا۔ پس یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ قدسی کا کمال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ایک انسان کو مسیح بنا سکتی ہے بلکہ اس سے بھی اگلے مقام پر لے جا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ مقدر تھا کہ وہ دجّالی فتنہ سے جو پہلے مسیح کی بگڑی ہوئی اُمّت کی طرف سے کھڑا کیا جانا تھا۔ جس کی بنیادیں پہلے مسیح کی خُدائی پر مستحکم اور استوار کی جانی تھیں اُس کو مٹانے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی قوتِ قدسی ایک محمدی مسیح کھڑا کرے جو اس فتنہ کو عصائے محمدیؐ سے پاش پاش کر دے اور الوہیتِ باطلہ و تثلیثِ نادرہ

کی دھجیاں فضائے آسمان میں بکھیر کر رکھ دے۔

برتر گمان و وہم سے احمدؐ کی شان ہے
جس کا غلام دیکھو مسیح الزمان ہے (درثمین اُردو)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی پیشگوئیوں کے عین مطابق وہ آنے والا قادیان کی سرزمین میں ظاہر ہوا۔ اور اپنی باطل شکن صدا سے تثلیثِ باطلہ کے قصرِ عظیم المنظر میں اضمحلال پیدا کر گیا۔

وہ آیا جس کی آمد دیکھنے کو نگاہِ شوق سوئے آسماں ہے
مسیحِ وقت آیا قادیاں میں جبھی تو قادیاں دارالاماں ہے

مُبارک وہ جو اُسے قبول کریں اور اس کے دامنِ اطاعت کے ساتھ وابستہ ہو کر افواجِ باطل کے ازہاق کا ہمت آفرین کام کریں۔ (خادم)

سکھ مذہب

حضرت بابا نانکؒ صاحب مسلمان ولی اللہ تھے

ہمارا عقیدہ ہے کہ جناب بابا نانک صاحب رحمۃ اللہ علیہ پکے مسلمان اور ولی اللہ تھے اور اس کی بنیاد ہمارے آقا و پیشوا سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وہ کشف ہے جس میں حضورؑ کو بابا صاحبؒ بحالتِ اسلام دکھائے گئے (نزول المسیح صفحہ ۲۰۳ تا صفحہ ۲۰۵ و تذکرہ صفحہ ۱۵ چوتھا ایڈیشن) اور پھر وہ دلائل ہیں جو آپؑ نے بابا صاحب کے اسلام کے ثبوت میں ۱۸۹۵ء میں کتاب "ست بچن" اور اس کے بعد "چشمہ معرفت" (روحانی خزائن جلد ۲۳ صفحہ ۳۲۵ تا صفحہ ۳۶۸) میں تحریر فرمائے۔ علاوہ ازیں سلسلہ احمدیہ کے علماء کی طرف سے بھی کئی ایک ٹریکٹ اور کتابیں اس موضوع پر شائع ہو چکی ہیں۔ ذیل میں ہم یکجائی طور پر بغیر کسی حاشیہ آرائی کے وہ امور درج کرتے ہیں جو اس مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔

بابا صاحبؒ کے مسلمان ہونے کے عقیدہ کی ابتداء

بابا نانک صاحبؒ کے مسلمان ہونے کا عقیدہ آپ کے زمانۂ زندگی ہی سے مسلمانوں میں چلا آتا ہے۔ یعنی بابا صاحب کی زندگی میں مسلمان آپ کو ولی اللہ کہتے تھے (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۲ و جنم ساکھی منی سنگھ صفحہ ۱۰۸ و صفحہ ۱۱۰ و تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲۲۴ و صفحہ ۲۴۴ مصنفہ پروفیسر سندر سنگھ) بلکہ آپ کو ولی عارف یقین کرتے تھے (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۴۰۳) اور نانک درویش کے نام سے پکارتے تھے (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۶ و جنم ساکھی سری گورو سنگھ سبھا صفحہ ۲۴۸)

مسلمانوں میں بابا صاحبؒ کی یادگاریں

پھر لکھا ہے کہ آپ حاجی درویش بن کر مکے میں حج کے لئے گئے (جنم ساکھی بھائی بالا صفحہ ۱۳۱ ایڈیشن دوم ساکھی نمبر ۳۵ صفحہ ۲۱۶) اور ممالک اسلامی میں آپ کے مقامات کو نانک قلندر یا ولی ہند کے دائرہ کے نام سے پکارا جاتا ہے (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۲۹۶ مصنفہ گیانی گیان سنگھ) قلندر مسلمان فقیروں کے لئے مشہور لفظ ہے (ناداں نے تھا واں داگوش مصنفہ ماسٹر متاب سنگھ) اور گیانی گیان سنگھ صاحب نے لکھا ہے کہ مکّہ شریف میں بابا نانکؒ کا مکان مسجد کی شکل پر بنا ہوا ہے۔ جو ولی ہند کے نام سے مشہور ہے (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۴۴۲) اور عرب میں بابا صاحب ولی ہند کے نام سے مشہور ہیں۔ اور آپ کے مکانات مسجدوں کی شکل میں بنے ہوتے ہیں (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۴۴۵ و ناداں نے تھا واں داگوش صفحہ ۳۵) اور بغداد کے مسلمان بابا صاحب کو مسلمان پیر خیال کرتے ہیں (تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۴۵ مصنفہ گیانی گیان سنگھ مطبوعہ ۱۸۹۱ء) اور

ہزارہ کے علاقہ میں ایسے لوگ آباد ہیں جو اپنے آپ کو نانک ولی کے مُرید بتلاتے ہیں۔ (تواریخ گورو خالصہ ص۴۹)

بابا صاحب کی وفات پر مسلمانوں کا دعویٰ

بابا صاحب کی وفات پر بھی مسلمانوں نے پُرزور اصرار کیا کہ ہم آپ کی لاش مبارک کو جلانے نہیں دینگے اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ آپ پکّے مسلمان اور حاجی ہیں (تواریخ گورو خالصہ ص۴۳ مصنفہ پروفیسر سندر سنگھ) سردار خزان سنگھ صاحب نے بھی مسلمانوں کے اس اصرار کی وجہ یہی بتائی ہے کہ وہ آپ کو مسلمان یقین کرتے تھے۔
(ہسٹری اینڈ فلاسفی آف دی سکھ ریلیجن ص۱۰۱)

بابا نانکؒ صاحب کے اسلام پر ایک شہادت

گورودوارہ ٹربیونل کے ججوں نے مقدمہ مانک کے فیصلہ میں لکھا۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے (دیکھو ہیوز صاحب کی ڈکشنری آف اسلام ص۵۸۳ تا ص۵۹۱) کہ گورونانک صاحب نے اپنے خاص اُصول اسلام سے لئے ہیں۔ یہ بات بچی ہے کہ بابا صاحب نے اپنے آپ کو اسلام کا مخالف ظاہر نہیں کیا اور اُس نے ایک مسلمان فقیر کی شکل میں مکّے کی یاترا کی۔ (اُداسی سکھ نہیں ص۲۳)

بابا نانکؒ صاحب کا نام مسلمانوں کا سا تھا

گیانی گیان سنگھ صاحب لکھتے ہیں:۔ کہ مسلمان بابا صاحب کو "نانک شاہ" کے نام سے پکارتے تھے (تواریخ گورو خالصہ ص۱۲۵) اور جنم ساکھی بالا میں "نانک شاہ ملنگ" لکھا ہے۔ (جنم ساکھی بالا ص۲۰۸) یاد رہے کہ ملنگ مسلمان فقیروں کے ایک فرقہ کا نام ہے (دھاں گوشٹ مصنفہ سردار کاہن سنگھ صاحب آف نابھہ) اور ولی اللہ۔ درویش۔ ملنگ یہ سب مسلمان فقیروں کے مخصوص القاب ہیں (ملاحظہ ہو وراں بھائی گورداس وار۔ ۲۳۔ پوڑی ۳۰)

بابا نانک صاحب کی تعلیم

گیانی گیان سنگھ صاحب کا بیان ہے کہ مسٹر کننگھم نے اسلامی تاریخوں کے حوالجات سے تحریر کیا ہے کہ بابا نانک صاحب کے ہمسایہ میں سیّد میر حسن صاحب نے جو اس علاقہ میں اولیاء کرام میں صلح کل اور بے لاگ پیر مانے ہوئے تھے اپنا سارا دینی و دنیاوی علم بابا نانکؒ صاحب کو پڑھایا اور بڑے بڑے راہِ حق کے بھید بتائے (حاشیہ تواریخ گورو خالصہ ص۵۸) اور یہ بھی لکھا ہے کہ جناب بابا نانکؒ صاحب نے سرسہ شریف میں خواجہ عبدالشکور صاحب کے مزار پر چلّہ کیا۔ (تواریخ گورو خالصہ ص۲۲۴)

بابا نانک صاحب کا السلام علیکم کہنا

قرآن شریف میں مرقوم ہے۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا (النساء: ۹۵)

یعنی نہ کہو اس شخص کو جو تمہیں السلام علیکم کہے کہ تو مسلمان نہیں۔ اس ارشاد کے مطابق جو ہم کو السلام علیکم کہے گا ہم اُسے مسلمان کہنے پر مجبور ہیں۔ بھائی گورداس جی نے بھی لکھا ہے کہ آپس میں ملتے وقت السلام علیکم کہنا مسلمانوں کا کام ہے (وار ۲۳ - پوڑی ۳۰) اور یہ ثابت ہے کہ جناب بابا صاحب نے مسلمانوں کو ملتے وقت السلام علیکم کہا جس کے جواب میں ہر دو فریق نے وعلیکم السلام کہا۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۶ و صفحہ ۲۷۶ و صفحہ ۵۱۲ و جنم ساکھی میکالف والی صفحہ ۱۳۹) اس سے صاف ثابت ہے کہ مسلمان بابا نانک صاحب کو مسلمان یقین کرتے تھے اور وہ بھی اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے۔ یاد رہے کہ گورو گوبند سنگھ صاحب سے پہلے گورو صاحبان اور اُنکے سکھوں میں پَیری پونا کہا جاتا تھا (وار ۲۴۔ پوڑی ۲۰۔ مصنفہ گورداس و گورمت سدھاکر صفحہ ۱۲۵ مصنفہ سردار کاہن سنگھ) یہ بالکل ثابت نہیں کہ جناب بابا صاحب نے کبھی "پَیری پونا" استعمال کیا ہو۔

بابا نانکؒ صاحب کا اذان کہنا

اذان دینا بھی ایک پکے مسلمان کی علامت ہے۔ بابا صاحب کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان کہی (جنم ساکھی بالا صفحہ ۲۰۱) نیز بھائی گورداس نے آپ کا بغداد اور مکہ شریف میں اذان کہنا بتایا ہے۔ ملاحظہ ہو (وار پہلی صفحہ ۱۳ و صفحہ ۱۴) اور مسٹر میکالیف نے لکھا ہے کہ:۔

"جب کبھی وقت آیا تو گورونانکؒ صاحب نے حضرت محمدؐ صاحب کے ماننے والے پکے مسلمانوں کی طرح بانگ دی"۔ (میکالف اتہاس صفحہ ۱۴۷)

اذان کہنے والا بلند آواز سے خدا تعالیٰ کی بزرگی اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہوا مسلمانوں کو نماز کے لئے مسجد کی طرف بُلاتا ہے۔ پس بابا نانک صاحبؒ کے اذان دینے سے ثابت ہوا کہ وہ رسالتِ محمدیہ کے اقراری تھے۔

بابا صاحبؒ اور نماز

آپ فرماتے ہیں:۔

خصم کی نذرے ولیہ پسندے جنی کر ایک دھیایا
تیہہ کر رکھے پنج کر ساتھی ناؤں شیطان مت کٹ جائی

(گرنتھ صاحب صفحہ ۲۲ سری راگ محلہ ۱)

یعنی خدا کی نگاہ اور دل میں وہی لوگ پسندیدہ ہیں جنہوں نے اُس کو ایک جانا۔ تیس روزے رکھے۔ پانچ نمازیں ادا کیں۔ علاوہ ازیں سری گورو گرنتھ صاحب میں بعض اور کئی مقامات پر بھی نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے بلکہ جنم ساکھیوں میں بابا صاحب نے نماز نہ پڑھنے والے کو لعنتی قرار دیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے۔

ل لعنت بر سرتناں جو ترک نماز کرین   تھوڑا بُہتا کھٹیا ہتھو ہتھ گوین

(جنم ساکھی بالا صفحہ ۲۲۰ و جنم ساکھی ولایت والی صفحہ ۲۴۷) اور جنم ساکھی منی سنگھ صفحہ ۱۰۱ میں بابا صاحب کا حکم نماز باجماعت ادا کرنے کا درج ہے۔

بابا نانکؒ صاحب اور زکوٰۃ

اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں بابا صاحب کا ارشاد جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۹۹ پر درج ہے۔

دین نہ مالِ زکوٰۃ جو تس دا سُنو بیان   اِک یون چور لٹ اک آفت پوے اجان

پھر لکھا ہے:۔

ل لعنت بر سر تناں جو زکوٰۃ نہ کڈھدے بیان   دھکا پوندا غیب دا ہوندا سب زوال

(جنم ساکھی منی سنگھ صفحہ ۱۴۱) نیز تواریخ گورو خالصہ صفحہ ۴۱ میں زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم درج ہے۔

باباصاحبؒ اور روزہ و حج

آپ نے روزہ رکھنے کا حکم بھی دیا ہے۔ ملاحظہ ہو گرنتھ صاحب صفحہ ۲۲ و جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۴۳ و صفحہ ۱۶۸) بابا صاحب کو الہام ہوا کہ اے نانک مکے مدینے حج کر۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۶ و جنم ساکھی بالا اردو صفحہ ۱۵۳) اور باوا صاحب مردانہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں: کہ اگر ہمارے نصیب میں حج کعبہ ہے تو ہم بھی جائیں گے۔" جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۰۳ پھر لکھتا ہے کہ آپ حاجی درویش بن کر مکے کے حج کو حاضر ہوئے اور سورہ کلام (سورۃ کلام سے قرآن شریف کی کوئی سورۃ مُراد ہے) کی صفت کرنے لگے۔ (جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۳۱) اور آپ فرماتے ہیں "جو صدقِ دل سے حج کرے۔ اُس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ ایسا ہو جاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والا بے گناہ بچہ۔ مردانہ خوب یاد رکھو۔ جو کوئی مکہ شریف کو نہ مانے وہ کافر ہے۔ خواہ کوئی ہو۔" (جنم ساکھی بالا اُردو صفحہ ۱۷۶ و ۱۷۷) بابا صاحب نے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کی تاکید فرمائی ہے۔ جیسا کہ گرنتھ صاحب سری راگ محلہ ا میں لکھا ہے:۔

برکت تن کو اگلی پڑھدے رہن درودؐ

یعنی اُن لوگوں کو اگلے جہان میں برکت ملے گی۔ جو حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے رہتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:۔

ص صلاحیت محمدیؐ مکھ تھیں آکھو نت   خاصہ بندہ ربدا سرمتراں ہوں رست

صلوٰت گذشت کو آکھو مکھ تے نت   خاصے بندے رب دے سر متراں دے مت

(جنم ساکھی بالا والی صفحہ ۲۲۱)

یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ہمیشہ زبان سے کرتے رہو کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کے خاص بندے اور پیاروں سے پیارے ہیں اور لکھا ہے:۔

م محمدؐ مَن توں مَن کتیباں چار   مَن خُدائے رسول نوں سچّا ای دربار

(جنم ساکھی سری گورو سنگھ سبھا صفحہ ۲۴۷)

یعنی محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ اُن کا دربار سچا ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے آنحضرت صلعم کے معراج

کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ حضور کو جبرائیلؑ لے گیا اور آپ پردہ میں خدا تعالےٰ سے ہمکلام ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ اے پیغمبر! تیرا شیشہ صاف ہے جس میں میری شکل نظر آتی ہے (جنم ساکھی بالا ص۵۶۱ وجنم ساکھی منی سنگھ ص۴۲۳) پھر لکھتا ہے کہ بابا صاحب نے مردانہ کو کہا کہ یہ مقام بزرگوں کا ہے۔ اس جگہ فرشتہ پیغمبری کی آیات لایا کرتا تھا جن میں ایک آیت یہ ہے۔ لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (نزھۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر حاشیہ ص۱۳ از محمد عبداللہ ٹونکی تحت ادارہ السید محمد عبدالاحد ۱۳۲۳ھ فی مطبع المجتبائی دہلی) یعنی اے پیغمبر! اگر میں تجھے پیدا نہ کرتا تو زمین آسمان پیدا نہ کرتا۔" (جنم ساکھی منی سنگھ ص۴۱۵) اور پوراتن جنم ساکھی ص۱۱۱ میں بابا صاحب کا قول درج ہے کہ رسول اللہ صلعم خدا تعالیٰ کے دربان ہیں۔

بابا صاحب اور قرآن شریف

گرنتھ صاحب رام کلی محلہ ا ص۹۳۶ میں لکھا ہے۔ "کل پروان کتیب قرآن" یعنی کل یگ میں خدا تعالیٰ نے دنیا کی ہدایت کے لیے قرآن شریف کو منظور فرمایا ہے اور ایک شخص کے سوال پر بابا صاحب فرماتے ہیں۔ "قرآن کتیب کما ہیئے۔" یعنی قرآن شریف پر عمل کرو۔ "کرجانن صاحب ایویں ملے۔" اس سے جو روشنی پیدا ہوگی۔ اس میں خدا ملیگا۔ (جنم ساکھی سنگھ سبھا ص۱۲۹ وجنم ساکھی بالا ص۴۱۲)

بابا صاحب کا ایک قول یہ ہے:۔

توریت انجیل زبور تریہہ پڑھ سُن ڈٹھے وید۔ رہیا قرآن شریف کل جگ میں پروار

(جنم ساکھی بالا ص۱۴۷ وچشمہ معرفت ص۳۶ جلد ۲۳) یعنی میں نے توریت انجیل زبور اور وید پڑھ اور سُن کر دیکھ لئے ہیں قرآن کتاب ہی کل یگ کی ہدایت کے لئے خدا تعالیٰ نے منظور فرمائی ہے۔ اور جناب بابا صاحب کا وہ قرآن شریف جس کو آپ سفر میں اپنے ساتھ رکھا کرتے تھے گورو ہر سہائے ضلع فیروز پور کے گوردوارہ میں آجتک موجود ہے۔

بابا صاحب اور قیامت

آپ قیامت کے قائل تھے جیسا کہ لکھا ہے:۔

" آسمان دھرتی چل سی مقام وہی ایک
دن رو چلے نِس سس چلے تارکا لکھ پلوتے
مقام وہی ایک ہے نانکؒ سچ بگوتے"

(سری راگ محلہ ا ص۶۰ گرنتھ صاحب آد)

یعنی آسمان اور زمین بھی فنا ہو جائینگے۔ وہ ایک یعنی خدا ہی ہمیشہ قائم رہیگا۔ دن اور سورج فنا ہو جائینگے رات اور چاند بھی فنا ہو جائینگے۔ اور لاکھوں ستارے بھی نیست و نابود ہو جائیں گے وہ ایک ہی ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ نانک سچ کہتا ہے (جنم ساکھی بالا ص۱۳۹ وص۱۵۲ وص۲۴۳ وجنم ساکھی سنگھ سبھا ص۲۵ میں قیامت کو برحق تسلیم کیا گیا ہے۔

باباصاحبؒ اور بہشت دوزخ کا عقیدہ

باباصاحب نے اسلامی بہشت اور دوزخ کے عقیدہ کو بھی تسلیم کیا ہے (دیکھو راگ ماجھ محلہ ا صفحہ ۱۳۱ و جنم ساکھی بالا صفحہ ۱۹۱ و صفحہ ۱۳۹ و صفحہ ۲۴۴ و گرنتھ صاحب آسا محلہ ا صفحہ ۴۳۶) جنم ساکھیوں اور گرنتھ صاحب میں عقیدہ شفاعت کو برحق یقین کیا گیا ہے۔ طوالت کے ڈر سے صرف ایک حوالہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ باباصاحب نے فرمایا ہے:۔

عملاں والے تت دن ہوسن بے پرواہ سٹی چھٹے نانکا حضرت جناں پناہ	}	جنم ساکھی سنگھ سبھا صفحہ ۲۵

یعنی قیامت کے دن وہ لوگ جن کے اعمال نیک ہونگے بے فکر ہوں گے نانک کہتا ہے وہی لوگ نجات پائیں گے جن کی پشت پناہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہونگے۔

باباصاحبؒ کی شادی

آپنے اپنی دوسری شادی مسلمان حیات خان نامی کی دختر سے کی جس سے دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ دسکھاندے راج دی وتھیا صفحہ ۱ مصنفہ پنڈت سردہارام) جنم ساکھیوں کے قلمی نسخوں میں بھی یہ واقعہ درج ہے۔

باباصاحبؒ کا چولہ

پھر ایک زبردست ثبوت باباصاحب کے مسلمان ہونے کا آپ کا چولہ مبارک ہے۔ جو آجتک ڈیرہ بابا نانک میں آپ کی اولاد کے پاس بطور یادگار چلا آتا ہے۔ اس چولہ مبارک پر قرآن شریف کی آیات لکھی ہوئی ہیں۔ اور گورو گرنتھ صاحب میں آپ کو بارگاہِ خداوندی سے چولہ ملنے کا ذکر مذکور ہے چنانچہ لکھا ہے:

ڈھاڈی سچے محل خصم بلایا سچی صفت صلاح کپڑا پایا	}	گرنتھ صاحب راگ ماجھ محلہ ا صفحہ ۱۴۰

یعنی مالک (خدا تعالیٰ) نے ڈھاڈی یعنی خدا تعالیٰ کی تعریف کرنیوالے نانک کو اپنے حضور بلایا اور سچی صفت اور تعریف کا بھرا ہوا کپڑا (لباس عطا کیا اور گرنتھ صاحب کی لغت میں جو سکھوں کی ایک مشہور" خالصہ ٹریکٹ سوسائٹی" نے شائع کی ہے بتایا ہے: کہ گورو گرنتھ صاحب میں گورو نانک صاحب کو خدا تعالےٰ کی درگاہ سے قباء ملنے کا ذکر ہے۔ کوش صفحہ ۸۹۱ بھائی گورداس کے کلام کا مرتبہ گرنتھ صاحب کے بعد دوم درجہ پر بتایا جاتا ہے۔ اس میں بھی باباصاحب کو بارگاہِ الٰہی سے ایک خلعت پہنایا جانا لکھا ہے۔ چنانچہ بھائی صاحب لکھتے ہیں:۔

بھاری کری تپسیا بڑے بھاگ ہر سیو بن آئی بابا پیدھا سچے کھنڈ نوں ندھ نام غریبی پائی	}	وار ۲۴ پوڑی صفحہ ۲۲

گیانی ہزار سنگھ صاحب نے اس کلام کا ترجمہ حسب ذیل کیا ہے "یعنی بابا صاحب نے بہت عبادت کی اور بہت خوش قسمتی سے خُدا کے ساتھ بن آئی یعنی خُداوند باری آپ پر بہت خوش ہوتے۔ گورو جی کو سچے کھنڈ (خدا کے دربار) سے ایک پوشاک ملی۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ وہی پوشاک ہے جس کا ذکر گرنتھ صاحب میں کیا گیا ہے، جنم ساکھی بالا ص۴۳۴ و نانک پرکاش اُتر آردھ ادھیاتے ۲۷ مصنفہ بھائی سنتوکھ سنگھ و بابا گنیش سنگھ نے اپنی کتاب سری گورو نانک سورلوے جنم ساکھی ص۲۹۵ میں چولہ صاحب کے متعلق تحریر کیا ہے کہ جب بابا صاحب کو بارگاہ الٰہی سے چولہ ملا تو بینکر شہر کے دروازہ پر کھڑے ہوگئے۔ لوگوں نے بادشاہ کے حکم سے آپ کے گلے سے چولہ اُتارنا چاہا، لیکن چولہ آپ کے جسم کے ساتھ چمٹ گیا اور وہ اُتارنے میں ناکام ہوئے وغیرہ اور جنم ساکھی کا بیان ہے کہ بابا صاحب نے اپنا چولہ اُتار کر رکھدیا اور اپنے بیٹوں کو اُس کے اُٹھانے کا حکم دیا لیکن وہ کراماتی چولہ کو نہ اُٹھا سکے بلکہ ہلا بھی نہ سکے (ص۵۸۶) پس معلوم ہوگیا کہ یہ وہی چولہ تھا جس کا ذکر جنم ساکھی بالا میں بھی کیا گیا ہے۔

سکھوں کے اُداسی فرقہ کا بیان ہے کہ بابا نانک صاحب کی وفات کے بعد وہ عربی میں لکھا ہوا چولہ لکھمی داس کو پہنایا گیا (جیونی سری چندر جی مہاراج ص۱۲) اسی طرح جنم ساکھی بالا و نانک پرکاش و سری گورو نانک سورلوے جنم ساکھی و خورشید خالصہ مصنفہ باوا نہال سنگھ وغیرہ میں چولہ صاحب کو کرامت والا بتایا ہے اور خورشید خالصہ کے مصنف نے یہ تو تسلیم کیا ہے کہ جو چولہ ڈیرہ بابا نانک میں ہے وہ جنم ساکھی کا بیان کردہ ہے لیکن یہ کہنا کہ چولہ صاحب پر دیگر زبانوں کے حروف بھی درج ہیں۔ سراسر واقعہ کے خلاف ہے۔ سردار کرتار سنگھ صاحب ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر نے جغرافیہ ضلع گورداسپور[ؔ] میں چولہ صاحب کا خاکہ شائع کرکے یہ حقیقت آشکار کردی کہ اس پر سوائے آیات قرآنی کے اور کسی زبان کا کوئی حرف نہیں۔ اصل خاکہ درج ذیل ہے۔ یہ مقدس چولہ اب تک ڈیرہ بابا نانک میں آپ کی اولاد کے پاس محفوظ ہے۔ جسے دیکھنے کے لئے ہر سال ہزارہا کی تعداد میں لوگ دُور دراز سفر کرکے آتے ہیں۔ جو شخص چاہے اب بھی تصدیق کرسکتا ہے کہ اس پر قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ مذکورہ بالا تحقیق سے ثابت ہے کہ بابا صاحب کو یہ چولہ خُدا کی طرف سے ملا۔ اور یہ چولہ بڑا بابرکت تھا۔ جو بابا صاحب کو آفات اور تکالیف سے بچاتا تھا۔ بابا صاحب اسے زیب تن فرماتے تھے اور اس پر قرآن شریف کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں چنانچہ اس کی بزرگی کو ہندو اور سکھ سب تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ پنڈت میلا رام صاحب وفا لکھتے ہیں :-

کہنا پڑتا ہے یہ سب کو تیرا چولہ دیکھ کر　　کی تجھی پر قطع قدرت نے قبائے معرفت

(افضل انبیاء ص۳۲ مصنفہ بھائی سیوا سنگھ)

اور لالہ سنت رام جی لکھتے ہیں :-

ؔ یہ جغرافیہ بطور ریڈر سکولوں میں پڑھایا جاتا ہے اور گورنمنٹ آف انڈیا سے رجسٹری شدہ ہے اسے ملک راج ڈِل بک سیلرز و پبلشر بٹالہ نے شائع کیا ہے۔
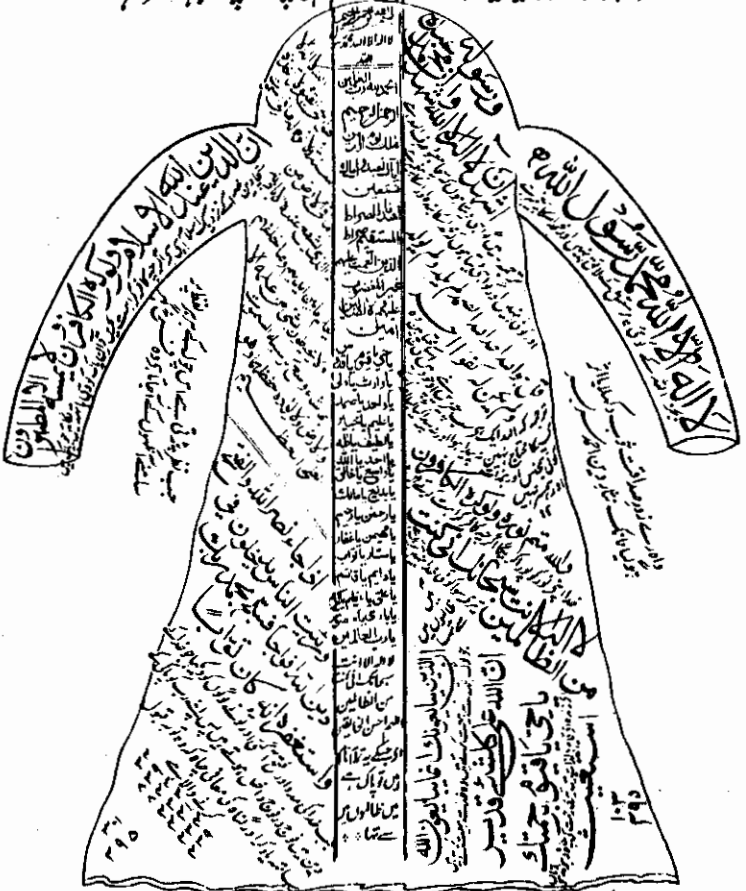
چولہ گورو نانک دے تن دا ایہہ سب کشٹ مٹاوے من دا
ٹوٹ رہن نہ دیندا دھن دا دیندا جنم سدھار جی

میلہ چولے صاحبدا آیا ویکھ رہیا سنسار جی
چلو چلئے درشن کریئے کُھلا ہے دربار جی

جو اِک واری درشن کردا وہ نر دوہیں جہانیں تردا
ہو جائے امرناں جمدا مردا سچی ہے گفتار جی

میلہ چولے صاحبدا آیا ویکھ رہیا سنسار جی
چلو چلئے درشن کریئے کھلا ہے دربار جی

ہو رہی چولے دی روشنائی اندر چار کوٹ دے بھائی
دُنیا سب درشن کو آئی ہو رہی جے جے کار جی

میلہ چولے صاحبدا آیا ویکھ رہیا سنسار جی
چلو چلئے درشن کریئے کُھلا ہے دربار جی

عربی اس پر لکھی تمام پڑھ پڑھ دیکھے خلقت عام
ہو رہیا درس صبح اور شام سب کر رہے دیدار جی

میلہ چولے صاحبدا آیا ویکھ رہیا سنسار جی
چلو چلئے درشن کریئے کُھلا ہے دربار جی

جو جو دُکھنا دُکھ دُکھ آون منگیاں کل مُراداں پاون
جو جو درس کرن ترجاون کدی نہ آوے ہار جی

میلہ چولے صاحبدا آیا ویکھ رہیا سنسار جی
چلو چلئے درشن کریئے کُھلا ہے دربار جی

(قصہ اُستت میلہ چولہ صاحب جیدی ص۳)

ان تمام اُمور سے صاف ثابت ہے کہ بابا نانک صاحبؒ ایک مسلمان ولی تھے۔

فقط
خاکسار گیانی واحد حسین مبلغ

ﷲ ﷲ ﷲ

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

ازروئے سکھ ازم - پرگنہ بٹالہ کا گورو

ہندو، مسلمان اور سکھوں کی کتابوں میں ایک اوتار کی آمد کی پیشگوئی درج ہے۔ کسی نے اس کا نام نہہ کلنک اور کسی نے امام مہدی یا مسیح رکھا ہے۔ دراصل یہ سب ایک ہی مہان پُرش کے نام ہیں جیسا کہ ہندو صاحبان نے بھی تسلیم کیا ہے:-

نہہ کلنک اوتار آ اے امام دوجہاں — منتظر ہیں ہم کہ اب ہوتا ہے تیرا کب ظہور
تو مسلمانوں کا مہدی تو نصاریٰ کا مسیح — تو شۂ سُکّانِ پستی تو شہنشاہِ طیور

(از پریتم ضیائی اخبار دیر بھارت لاہور کرشن نمبر اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۱۶)

اسی طرح سوامی بھولا ناتھ جی لکھتے ہیں:-
"ہندو کہتے ہیں کہ وہ پُورن برہم نش کلنک اوتار دھارن کرینگے مسلمانوں کا وشواش ہے کہ امام مہدی کا پراور بھاؤ ہوگا۔ سکھوں کا وشواش ہے کہ کلکی اوتار ہوگا اور عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ السلام سے ایک ہوکر پدھارینگے۔ پرنتو اب یہ جاننا شیش ہے کہ ساری ستائیں پرتھک پرتھک ہونگی۔ یا ایک ہی! اِس کا اُتر یہ ہے کہ نہیں یہ ایک ہی ہونگی۔ ہندو اُسے اپنی درشٹ سے دیکھیں گے۔ مسلمان اپنی سے۔ سکھ یا عیسائی اُسے اپنی درشٹ سے دیکھیں گے۔" (رسالہ ست یگ ستمبر ۱۹۴۱ء صفحہ ۱۳)

موہن مغول

سری گور بھگت مال صفحہ ۲۵۲ و دیگر سکھ کتب میں مرقوم ہے کہ سری کرشن جی مہاراج نے بھگت نام دیو جی کو مغل روپ میں درشن دیئے جس پر بھگت جی نے کہا۔

"دوارکا کی نگری میں کا ہے کے مگول" (گرنتھ صاحب صفحہ ۱۶۹) یعنی ہے بھگوان دوارکا نگری میں مغل کہاں سے آگئے۔ اسی شبد میں کرشن جی کو "میر مکند" کہا گیا ہے جس کا ترجمہ ہے "مغل کرشن" کیونکہ "میر" میرزا کا مخفف ہے اور گورو گرنتھ صاحب میں بابر بادشاہ کے لئے استعمال ہوا ہے۔

"کوئی ہو پیر درج رہاتے جان "میر" سنیا دھایا" (راگ آسا محلہ ۱ صفحہ ۴۱۷)

یعنی میر بابر کی چڑھائی کو سُنکر کروڑوں پیر اُس کو روک کر رہ گئے اور جنم ساکھی بالا صفحہ ۴۰۰ میں بابر کے لیئے میر لفظ آیا ہے اور "مکند" کا ترجمہ ہے مکتی داتا اور کرشن۔ پس صاف ظاہر ہے کہ نہہ کلنک اوتار کا ظہور مغل کے جامہ میں ہی ہوگا۔ پھر لکھا ہے:-

"کل کلوالی شرع نبیڑی قاضی کرشنا ہوآ" (آدگرنتھ صاحب صفحہ ۹۰۳)

بابا نانک صاحب فرماتے ہیں کہ کلجگ کے جھگڑوں کا فیصلہ کرنے کے لیے شری کرشن جی قاضی کے روپ

میں پرگٹ ہوں گے۔ بابا نانک صاحب فرماتے ہیں :۔

آد پُرکھ کو اللہ کہیے شیخاں آئی واری	دیول۔دیوتیاں کر لاگا ایسی کیرت چالی
کوزہ بانگ نماز مصلا نیل روپ بنواری	گھر گھر میاں سبھناں جیاں بولی اور تماری
جے تو میر مہیت صاحب قدرت کون جاری	چارے کونٹ سلام کریں گے گھر گھر صفت تماری
تیر تھ سمرت پن دان کچھ لاہا ملے دیہاڑی	نانک نام ملے وڈیائی میکا گھڑی سمائی

(بسنت منڈول محلہ اصفہ ۱۱۹۱ گرنتھ صاحب آد)

ترجمہ :۔ اَب آد پُرکھ کو اللہ کہا جاتے۔۔ شیخوں کی باری آگئی ہے۔ مندر اور دیوتوں پر خدا نے ٹیکس لگا دیا ہے۔ یہی رواج ہو گیا ہے۔ اے اللہ کوزہ بانگ نماز مصلا نیل روپ ورسے بنواری یعنی کرشن کے سپرد کیا ہے اور ہر گھر میں میاں میاں اور ہر ایک زبان پر یہی ہے اے اللہ تیری بولی بھی اور ہو گئی ہے اگر تو نے میر یعنی میرزا کو زمین کا مالک بنایا ہے تو "قدرت کون ہماری" ہماری کیا طاقت ہے یعنی ہم کون ہیں۔ اُس کو چارے کونٹ سلام کریں گے اور گھر گھر میں تیری صفت ہو گی۔ تیر تھ پر جانے اور پُن دان کرنے سے جو پھل ملتا تھا وہ ایک گھڑی میں مل گیا۔

نوٹ :۔ یاد رہے۔ بنواری یا بن والی یہ شری کرشن جی کا نام ہے (مہان کرشن صفحہ ۲۵۰۸) بابا نانک صاحب فرماتے ہیں :۔ ۷۲۳ " آون اٹھترے جان ستانویں ہور بھی اُٹھسی مرد کا چیلہ" آد گرنتھ صاحب ۷۲۳ یعنی بابر مغل نے سمت ۱۵۷۸ بکرمی میں ایمنا آباد پر حملہ کیا اور سمت ۱۵۹۷ بکرمی میں مغل راج کا خاتمہ ہو جائیگا[1]
" ہور بھی اُٹھسی مَرد کا چیلہ" اس کا ترجمہ یہ ہے کہ ایک مغل پہلے ہے اور ایک اور اُٹھے گا۔ پرکے ارتھ پد کرن کے مطابق ہوتے ہیں مضمون بابر کا ہے اور وہ "مرد کا چیلہ" بھی بابر کی طرح مغل ہی ہونا چاہیئے۔

۱۔ آنے والا گورو نہہ کلنک مسلمان ہو گا

نقل مطابق اصل :۔

چکنا چور کرے گر پورا نانکا لیکھ نہ مٹیا جائی
مسلمان صفت شریعت سچے کی وڈیائی

ارتھ :۔ ایہہ ورتارا ادرت جاویگا۔ سنسار کے بیچ کون کون گورو کہاوینگے۔ جوگی سنیاسی جنگم۔ برہمچاری برہمن کلجگ کے پیچھے گورو کہاون گے۔ تنہاں کے باب ایہہ ہووے گی۔ چکنا چور کرے۔ گور پورا نانکا لیکھ نہ مٹیا جائی۔ انہاں وسے باب ایہہ ہووے گا۔ سو مٹنے کا نہیں۔ اور اک جو بندہ صاحب کا اُٹھیگا۔ تسدا نام رسیدہ ہوگا (یعنی خدا رسیدہ رشی ہوگا۔ سو گورو کے حکم سے اُٹھیگا۔ پر جامہ اس کا مسلمان ہو ویگا۔[2] خدا تعالیٰ اُس نوں اپنی بندگی بخشن گے۔ اوا کا پرکھ نوں جانیگا۔
جہاں جہاں جھوٹ ہو جائیگا سو اس کو جواب کریگا۔ سو پابرہم کے حکم کے ساتھ چکنا چور کریگا جتنیاں جھوٹیاں

---

[1] تواریخ گورو خالصہ ص۳۴ مصنفہ گیلانی گیان سنگھ صاحب۔ [2] یہ پیشگوئی نئے ایڈیشن میں سے نکال دی گئی ہے۔

ٹھوراں ہن۔ تیرتھ۔ مڑیاں دیہورے۔ پیراں دے ٹھکانے۔ راج رنگ کٹیاں ٹھوراں ہن۔ جہاں جہاں جھوٹ ہوویگا۔ سو سزا پاون گے۔ اس وقت دھندوکاروورت جاویگا۔ پڑھن گے پر کماون گے نہیں۔"

(وڈی جنم ساکھی صفحہ ۶۳۴)

اُردو ترجمہ:۔ کامل گورو ڈشٹوں کا ناس کریگا۔ کیونکہ نوشتہ تقدیر ٹل نہیں سکتا۔ وہ گورو مسلمان ہوگا۔ اور صادق ہوگا صدق کی ہی بڑائی ہوا کرتی ہے۔ گورو صاحب خود تفسیر کرتے ہیں کہ زمانہ کی یہ حالت ہوگی کہ ہر قسم کے لوگ گورو کہلائیں گے۔ یعنی جوگی۔ سنیاسی۔ جنگم۔ برہمچاری۔ برہمن وغیرہ یہ سب کلجگ کے گورو کہلائیں گے۔ ان کے ساتھ ایسا سلوک ہوگا کہ سچا اور کامل گورو اُن کو ملیا میٹ کریگا۔ یہ نوشتہ تقدیر کا ٹل نہیں سکتا۔ اس وقت ایک بندہ خُدا کا مبعوث ہوگا۔ جسے خدا تعالیٰ بندگی کی توفیق بخشے گا وہ خُدا پر ہی توکل کریگا اور دوسرے پر اُس کا تکیہ نہ ہوگا۔ جہاں جہاں جھوٹ ہوگا اُن کے منہ پر مارے گا۔ سو خدا تعالیٰ کے حُکم سے مخالفوں کو پیس ڈالے گا۔ جتنے جھوٹ کے اڈے ہونگے یعنی تیرتھ۔ مڑیاں۔ دیہورے۔ پیروں کے مقام راگ رنگ رلیوں کے مقام اور جہاں جہاں جھوٹ ہوگا۔ وہاں جھوٹوں کی گت ہوگی اور کاذبوں کو سزا دی جائیگی۔ اس وقت ظلم و فساد سے آسمان دھواں دھار ہوجائے گا۔ اس پیشگوئی کو اکثر لوگ پڑھیں گے مگر اس کے آگے سر تسلیم خم کرنے والے خوش قسمت تھوڑے ہوں گے۔

اے خالصہ جی! مسلمانی لباس میں گورو مرزا غلام احمد قادیانی پرگنہ بٹالہ میں آگیا ہے اسے مان کر گورو جی کے پیارے بن جاؤ اور بے مکھ ہو کر اسکے سراپوں کا شکار نہ ہو جاؤ۔

۲۔ نہہ کلنک اوتار مسلمان ہوگا پیشگوئیاں کریگا اور کتابوں کے ذریعہ خلق اللہ کی اصلاح کریگا

(نقل مطابق اصل)

دھندو کار۔ جو ورتسی نہ ہندو نہ مسلمان	رام رحیم نہ جان نہ کہے کلام
ناں گاتیری نہ ترپنوں نہ فاتحہ نہ درود	نہ تیرتھ نہ دیہورا نہ دیوی کی پوج
گورمکھ کوئی نہ جان سن نہ کرے اپدیش	اکو ورتن ورتنے نہ کو کرے اویس
بید کتیب نہ جان سن نہ دوارہ نہ مسیت	روزہ بانگ نہ ورت نہ نیم نہ کو کڈھے حدیث
کوئی نہ کسی کی جان سی نہ کو کرے سلام	نانک شبد ورتدا اس کوئی مدھی جان

اس کا مطلب خود گورو صاحب فرماتے ہیں کہ ایسا زمانہ جور و ظلم کا آنے والا ہے کہ ہندو مسلمان اپنے دین دھرم کو ترک کر دینگے۔ ہندو گاتیری اور ترپن کو بھول جاوینگے۔ اور مسلمان فاتحہ اور درود کی حقیقت سے بے خبر ہونگے دیوی اور تیرتھ یاترا کو ترک کر دینگے۔ ست گورو کو کوئی بھی نہ پہچانے گا اور نہ کوئی نصیحت لیگا۔ سب پر ایک ہی طرح کی اباحتی حالت وارد ہو جائیگی۔ ہندو اور مسلمان اپنی اپنی کتب اور مقامات مقدسہ کو یکسر فراموش کر دینگے مسلمان نماز روزہ کو جواب دے دینگے اور مسجد کو دُور سے سلام کرینگے یہ تقدیر اسی طرح پر جاری وساری ہوگی۔

(تسدا پرمارتھ) بھائی اجیتیا! جدوں گوروایس دھرتی پراوشٹ ہو جاوینگے تاں تیجھے سنسار وچ ایسی ورت جاویگی۔ کوئی کسے نوں جائیگا نہیں۔ اتے دھندوکار ورت جاسی اجیہے من مکھ ہوں گے۔ جو کوئی نہ ہندو رہیگا نہ مسلمان رہیگا نہ رام کو منن گے نہ رحیم کو منن گے۔ نہ گاتیری ترپن۔ اشنان دھرم نہ نیم نہ تیرتھ نہ پوجا۔ نہ دیوی نہ دیورا۔ نہ دھرمسالہ نہ مسیت۔ نہ بانگ نہ نماز نہ فاتحہ نہ دعا سلام۔ نہ کو کسے دھیاتے سی۔ نہ دیوی کی پوجا سنسار کریگا تس سمے جو کوئی کتے جائیگے پرمیشور دا نام لویگا تس کو مارن گے۔ ایسا ورتارا ورت جاویگا۔ دو ہاں دھراں دا ناش ہو جاویگا۔ تاں اس سمے اک بھگت پیدا ہو جاویگا سو نیل بستر پھریگا۔ اتے انتر شبد پوتھیاں اوچاریگا۔ تاں اس دے واسطے پرمیشور آپ اتاری ہوتے کر سہاتا کریگا اتے شبد الپ رہ جاوے گا کوئی ورلا ہی جانے گا۔ اس پاس کوئی ورلا ہی جاویگا۔ تاں اجیتے رندھاوتے ارداس کیتی۔ سچے بادشاہ جی! اوہ کون بھگت ہوویگا؟ تاں بچن ہویا اے بچہ اجیتیا توسن!

شلوک:-

نہ کلنک ہوئے اترسی مہاں بلی اوتار
سنت رچھیا جگ جگ وشنان کرے تنگار
نواں دھرم چلائسی جگ ہوم ہوتے وار
نانک کلجگ تارسی کیرتن نام اودھار

(جنم ساکھی بالا کلاں صفحہ ۲۹۶)

ارتھ۔ گورو صاحب خود فرماتے ہیں کہ:۔ تسدا پرمارتھ بھائی اجیتیا جو گورو کلجگ وچ آیا ہے اتے جاں گورو جا ماں پہن سی۔ تاں دھندوکار ورت جاویگا۔ اس سمے اک بھگت پرمیشور دی پوجا کریگا اسدے گھر اک استری بہت چندری ہووے گی۔ اوہ نار جاتے لوکاں اگے چغلی کرے گی۔ تت کرکے سنت کو دیت دکھ دیون گے۔ تاں اوہ سنت واسطے گورو جامہ پہن سی۔ جہاں تک اس سنت دے دوکھی دشٹ ہوون گے۔ انہاں نوں چن چن کر مارے گا۔

مطلب:۔ اے اجیتیا جب گورو اس سرزمین سے گزر جائیں گے۔ تو باہمی ہمدردی درمیان سے اٹھ جاویگی۔ ظلم سے آسمان ایسا تاریک ہو جاویگا کہ ہندو اور مسلمان دونوں قومیں اپنے فرائض منصبی کو بالائے طاق رکھ دیں گے اور جو کوئی الگ ہو کر یاد الٰہی میں مشغول ہوگا۔ لوگ اسے ایذا دیں گے ایسا زمانہ آجاویگا کہ ہر دو فریق کا ناش ہوگا۔ یعنی ہندو مسلمان دونو آپس میں لڑ لڑ کر مرمٹیں گے۔ پس ایسے زمانہ میں ایک بھگت پیدا ہوگا۔ جو مسلمانی لباس پہنے گا۔ یعنی مسلمان جامہ میں گورو آئیگا اور غیب کی باتوں والی کتابیں تالیف کریگا۔ یعنی پیشگوئیوں کی اشاعت کرکے نبی اللہ کہلائیگا۔ پھر اللہ تعالیٰ خود زمین پر اتر کر اس گورو کی نصرت فرمائیگا۔ اس کی تعلیم اور حقائق اور معارف جاننے والے قدرے قلیل لوگ ہونگے اور اس کے پاس جانیوالے بھاگوان بہت تھوڑے ہونگے۔ پھر اجیتے رندھاوے نے دست بستہ عرض کی کہ اے سچے بادشاہ! وہ بھگت کون ہووے گا؟ تب گورو نانک نے فرمایا۔ ترجمہ شلوک:۔ وہ آنیوالا گورو

لہ حق کے قبول کرنے میں بخیل ہوگی۔

شری نہہ کلنک اوتار ہوگا۔ بھلے لوگوں کی بھلائی کریگا اور ڈشٹوں کو چُن چُن کر ہلاک کریگا وہ از سر نو مذہب جاری کریگا۔ کیونکہ دوسری قومیں اپنے اپنے مذہب کو فراموش کرچکی ہونگی۔ اس گورو کی بعثت کے قریب فساد عظیم برپا ہوگا۔ ایسے وقت میں وہ بھگت ایشور کی پوجا کریگا۔ اُس کی بڑی بیوی چندری یعنی حق کی مخالف ہوگی اور لوگوں اور شریکوں کے ہاں جاجا کر غیبت کیا کریگی۔ اور بُرے لوگ اس بھگت کو ایذا دینگے اور وہ گورو ڈشٹوں کو چُن چُن کر (دُعائے مباہلہ سے) ہلاک کریگا۔ چنانچہ امریکہ کا ڈوئی اور لیکھرام آریہ مباہلہ سے ہلاک ہوئے۔

۳۔ مرزا مہدی ہوگا اور کرشن اوتار
(دسم گرنتھ گورو گوبند سنگھ جی کا)

تومر چھند

جگ جیتیو جب سرب　　تب باڑھیوات گرب
دیا کال پُرکھ بسار　　ایہہ بھانت کیں بچار
جگت جیت کیں غلام　　اپنا جپاوت نام

دجّال کا حال

یعنی دُنیا میں دجال عام طور سے غلبہ حاصل کرے گا اور بہت غصہ میں آکر سب کو زیر کر کے غلام بنالیگا۔ اور خُدا کو چھوڑ کر اور دُنیا کو غلام بنا کر اپنا نام جپاوے گا۔

جگ ایس ریت چلائے　　سر اتر پتر پھرائے
نہیں کال پرکھ جپنت　　نہیں دیو جاپ بھنت
تب کال دیو رسائے　　اک اور پرکھ بنائے
رچے انس مہدی میر　　رسونت ہاٹھ ہمیر
نہ توں کو بدھ کیں　　پن آپ موکیلیں
جگ جیت آپ نہ کیں　　سب انت اکال اوھین
ایہہ بھانت پورن سدھار　　بھئے چوبیس اوتار

(مرزا امام مہدی اور کرشن اوتار ہوگا۔ دجال کو قتل کریگا) مہدی میر سے مہدی مرزا مراد ہے۔ کیونکہ جنم ساکھی کے صفحہ ۴۰۰ پر ساکھی میر بابر میں بابر مغل بادشاہ کو سری گورو نانک جی نے میر بابر کئی بار کہا ہے۔

مطلب :۔ گورو گوبند سنگھ جی دسم گرنتھ میں فرماتے ہیں کہ جب دُنیا میں لوگ خُدا کو چھوڑ دیں گے اور ہر ایک اپنی بڑائی کریگا۔ اور وہ دوسرے کو حقارت سے دیکھے گا۔ اور لوگ خدا کی عبادت چھوڑ دینگے اور دہریہ ہو جائیں گے۔ تب خُدا کی صفت قہاریت جوش میں آوے گی۔ اور وہ ایک شخص کو اصلاحِ خلق کے لیے مبعوث فرمائیگا۔

۴۔ امام مہدی قوم مُغل سے ہو گا

وہ مستقل مزاج اور خلیق ہوگا۔ دجال کو یدھ یعنی قتل کر دیگا۔ آخر کار لوگ عاجز آجائیں گے۔ اور وہ آہستہ آہستہ دُنیا پر فتح پائے گا۔ اور چوبیسواں اوتار (کرشن ثانی) یعنی شری نہہ کلنک اوتار وہی ہوگا جس کی قومیں منتظر ہوں گی جیسے کہ خود حضرت مسیح موعود قادیانی نے لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۳۴ میں دعوےٰ کیا کہ مَیں مسلمانوں کے لئے مسیح موعود ہوں اور ہندوؤں وغیرہم کیلئے نہہ کلنک اور کرشن ثانی ہوں۔

گرنتھ صاحب میں لکھا ہے کہ:۔

"بلے چھلن سبل ملن بھگت پھلن کاہن کر، نہہ کلنک بجے ڈنکہ چڑھے چڑھو دل روند جیو۔"

(دیکھو گرنتھ صاحب صفحہ ۱۲۹۸)

بھاٹ جی فرماتے ہیں کہ مہاراج نے بادن روپ ہو کر راجہ بل کو چھلن کیا۔ اور پاپیوں اور ظالموں کا نشٹ کیا اور بھگتوں یعنی تابعداروں کو ترقی دی سرسبز کیا۔ اور مہاراج کرشن جی جب نہہ کلنک ہو کر دوبارہ تشریف لاویں گے تو اس وقت رد (سورج اور اندر یعنی چاند ان کے ساتھ ہونگے یعنی اس کے گواہ ہونگے یہ پیشگوئی ۱۸۹۴ء میں پوری ہو چکی ہے۔

۵۔ آنے والے گورو کا مقام

"تاں مردانے نے پچھیا۔ گورو جی۔ کبیر بھگت جیہا کوئی ہور بھی ہوئیا ہے۔ سری گورو نانک جی آکھیا مردانیاں۔ اک جٹیٹا ہوسی۔ پر اساں توں پچھے سو برس توں ہوسی۔ پھر مردانے پچھیا۔ جی کیہڑے تھائیں اتے ملک وچ ہوسی؟ تاں گورو نے کیہا۔ مردانیاں وٹالے دے پرگنے وچ ہوسی۔ سُن مردانیاں نرنکار دے بھگت سب اکو روپ ہُندے ہن۔ پر اُوہ کبیر بھگت نالوں وڈا ہوسی (دیکھو ساکھی بھائی بالا والی وڈی ساکھی صفحہ ۲۵۱ مطبوعہ مفید عام پریس منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز) ترجمہ: تب مردانے نے پُوچھا۔ گورو جی اکوئی بھگت کبیر جیسا بھی ہوا ہے؟ گورو صاحب نے فرمایا۔ اے مردانے ایک زمیندار ہوگا لیکن ہم سے سو سال کے بعد ہوگا پھر فرمایا کہ وہ گورو پرگنہ بٹالہ یعنی تحصیل بٹالہ میں ہوگا۔ اے مردانے سنو! خدا کے بھگت سب ایک جیسے ہی ہوتے ہیں لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (البقرہ: ۲۸۶) لیکن وہ بھگت کبیر سے بڑا ہوگا۔ (فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرہ: ۲۵۴) یعنی ہم نے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ پس یہ گورو مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود ہیں جو حسب حدیث وَحَارِثٌ حَرَّاثٌ (سنن ابوداؤد۔ کتاب المہدی حدیث ۹) معزز زمیندار ہیں۔

اعتراض: بھائی سیوا سنگھ جی کہتے ہیں کہ بابا ہندال جٹ کے چیلوں نے یہ ساکھی جنم ساکھی میں ڈال دی اور آنیوالا گورو ہندال جٹ ہوگا۔ اسکے مصداق حضرت مرزا صاحب قادیانی نہیں ہیں۔ جواب: صفحہ ۲۵۱ میں ہندال کا نام ونشان بھی نہیں۔ باقی رہا یہ کہ ہندال نے یہ پرسنگ خود ڈالدیا ہے تو یہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ ہندال جنڈیالہ ضلع امرتسر میں ہوا۔ نہ کہ پرگنہ بٹالہ میں۔ دیکھو تاریخ گورو خالصہ صفحہ ۶۶ پس اس پرسنگ سے ہندال اور اس کے مریدوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔

بابی یا بہائی مذہب

یہ فتنہ اگرچہ پُرانا ہے۔ مگر چونکہ کبھی مقابل پر نہیں آیا۔ اس لئے دبا رہا۔ اور اس کی تردید و تنقید کی بھی چنداں ضرورت پیش نہ آئی۔ مگر چند سالوں سے دو تین شخصوں کے بابی ہو جانے کے باعث اس کا چرچا ہوا ہے اور چونکہ بابیوں کا وطیرہ ہے کہ ظاہر کچھ اور باطن کچھ۔ بظاہر بھیڑ اور صلح کُل بنتے ہیں لیکن باطن میں بھیڑ یئے۔ اور نسلِ انسانی اور حق کے دشمن قاتل ہیں۔ اور بالخصوص اسلام اور بانئ اسلام کے دشمن ہیں۔ اور بظاہر اپنے تئیں مسلمان بتاتے ہیں۔ اس لئے ان کے کذب اور ملمع سازی کی پردہ دری کرنے کے لئے ان کی کُتب سے ان کے مذہب کی حقیقت بیان کی گئی ہے تاکہ لوگ ان کے دھوکہ میں نہ آویں۔

اِن میں ایک بڑا مرض یہ بھی ہے کہ اپنی کتب کی اشاعت عام نہیں کرتے جس طرح قرآن کریم بوجہ ایک کامل اور سچی شریعت ہونے کے دُنیا کے ہر گوشہ میں اور صدہا زبانوں میں اشاعت پا رہا ہے اور کوئی مسلمان بھی قرآن کریم کو پیش کرنے سے نہیں ہچکچاتا۔ اس طرح بابی اپنی کتابوں کو شائع نہیں کرتے بلکہ ڈرتے ہیں تاہم بڑی دقت اور مشکل سے جناب مولوی فضل دین صاحب وکیل نے ان کی کُتب کو دستیاب کر کے یہ ذخیرہ بہم پہنچایا ہے۔

بہاء اللہ کا دعویٰ خُدائی

بابی یا بہائی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں حالانکہ بہاء اللہ کی اصل کتابوں کی رو سے وہ اسلام سے کوسوں دُور ہیں۔ اِس کے ثبوت میں ہم اولاً بہاء اللہ کا دعویٰ خُدائی کے ۲۰ حوالجات پیش کرتے ہیں دعویٰ خُدائی اور اسلام ایک جگہ ہرگز جمع نہیں ہو سکتے۔

۱۔ کتاب اقدس مطبوعہ مطبع ناصری بمبئی کے صفحہ ۱۶۲ پر جناب بہاء اللہ اپنے ایک مُرید کو خطاب کر کے لکھتے ہیں:۔

یَا اَکْبَرُ یَذْکُرُكَ مَالِكُ الْقَدَرِ فِیْ حِیْنٍ اَحَاطَتْهُ الْاَحْزَانُ مِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالرَّحْمٰنِ

کہ اے اکبر! تجھ کو قضا و قدر کا مالک ایسے وقت میں یاد کرتا ہے جبکہ اس کو غموں نے گھیرا ہوا ہے۔

اِس عبارت میں قضا و قدر کے مالک سے مراد بہاء اللہ خود ہے اگر دعویٰ خُدائی نہ ہوتا تو اپنے تئیں قضا و قدر کا مالک نہ کہتے۔

۲۔ کتاب اقدس صفحہ ۲۲۵۔

اَلَّذِیْ یَنْطِقُ فِی السِّجْنِ الْاَعْظَمِ اَنَّهٗ لَخَالِقُ الْاَشْیَاءِ وَمُوْجِدُ الْاَسْمَاءِ قَدْ حَمَلَ الْبَلَاۤیَا لِاِحْیَاۤءِ الْعَالَمِ وَاِنَّهٗ لَهُوَ الْاِسْمُ الْاَعْظَمُ الَّذِیْ کَانَ مَکْتُوْبًا فِیْ اَزَلِ الْاَزَالِ۔ کہ وہ شخص جو

عکہ کے بڑے قیدخانہ میں ہوتا ہے (یعنی خود بہاء اللہ) وہ تمام چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے اور وہی ان کا ایجاد کرنے والا بھی ہے۔ اس نے مصیبتوں کو دُنیا کے زندہ کرنے کے لیے اپنے اوپر اُٹھایا اور اسم اعظم ہے جو ہمیشہ سے مخفی تھا۔

۳۔ یہ بہاء اللہ خود عکہ کے قیدخانہ میں سے اپنے متعلق لکھ رہا ہے یہ الفاظ قابل غور ہیں :۔
وَ الْكِتٰبُ يَقُوْلُ قَدْ جَآءَ مُنْزِلِیْ (کتاب اقدس ص۲۴) کہ کتاب بیان پکار کر کہہ رہی ہے کہ میرا اُتارنے والا آگیا ہے۔

یہ کتاب بیان خُدا کی طرف سے اُتاری ہوئی بتلائی جاتی ہے بہاء اللہ کہتا ہے کہ اس کے اُتارنے والا میں آگیا ہوں۔

۴۔ يَا عِيْسٰى اِفْرَحْ بِمَا يَذْكُرُكَ مَالِكُ الْعَرْشِ وَ الثَّرٰى (کتاب اقدس ص۵) یہ بہاء اللہ کے خط بنام مُرید کا ایک فقرہ ہے۔ اس میں عرش و فرش کا مالک بہاء اللہ اپنے تئیں قرار دیتا ہے۔

۵۔ کتاب اقدس صفحہ ۶۹ پر بہاء اللہ نے محیط کل ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔ جو خدا کی صفت ہے۔

۶۔ کتاب اقدس صفحہ ۵۸ پر مُہیمن۔ قیوم۔ رسولوں کو بھیجنے والا اور معبود ہونے کا دعویٰ کیا ہے

۷۔ کتاب اقدس صفحہ ۱۸۸ پر عالم کل یعنی محیط کل عالم ہونے کا دعویٰ کیا ہے۔

۸۔ کتاب اقدس باب شریعت میں عیسائیوں کے عقیدہ کی طرح انسانی ہیکل میں خدا تھے کیونکہ وہ ظاہر کرتے ہیں کہ انسانوں کی ہر حال میں مدد کرنے پر قادر ہوں۔ اور یہ صرف خُدا کا کام ہے۔

۹۔ کتاب اقدس باب شریعت میں تمام بادشاہوں کو پیدا کنندہ قرار دیا ہے۔ اور یہ صفات خدائی ہیں۔

۱۰۔ کتاب اقدس صفحہ ۱۱۵ پر ہے يَذْكُرُوْنَ نُقْطَةَ الْبَيَانِ وَ يَفْتُوْنَ عَلٰى رُسُلِهٖ وَيَقْرَءُوْنَ الْاٰيَاتِ وَيُنْكِرُوْنَ مُنْزِلَهَا۔ اس میں بہاء اللہ بابی گروہ کے اس حصہ کو جو بہاء اللہ کے دعاوی کو تسلیم نہیں کرتا۔ مخاطب کر کے اپنی حیثیت یہ قرار دیتے ہیں کہ باب کو بھیجنے والے اور اس پر کتاب بیان اُتارنے والے خود بہاء اللہ ہیں اور کتاب اور رسول کا اُتارنا خُدا کا کام ہے۔

۱۱۔ کتاب مبین پہلا باب سورۃ الہیکل ص۳۸ میں بہاء اللہ اپنے منکروں کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اِيَّاكُمْ اَنْ تَفْعَلُوْا بِیْ مَا فَعَلْتُمْ بِمُبَشِّرِیْ اِذَا نُزِّلَتْ عَلَيْكُمْ اٰيَاتُ اللّٰهِ مِنْ شَطْرِ فَضْلِیْ لَا تَقُوْلُوْا اَنَّهَا مَا نُزِّلَتْ عَلَى الْفِطْرَةِ اِنَّ الْفِطْرَةَ قَدْ خُلِقَتْ بِقَوْلِیْ۔ اس میں بہاء اللہ نے اپنے تئیں خالق فطرت بیان کیا ہے اور یہ صفت خُدائی ہے۔

۱۲۔ کتاب مبین ص۲۹۵ میں بہاء اللہ کہتے ہیں۔ حَمَلْنَا الشَّدَائِدَ مِنْ كُلِّ دَنِیٍّ بَعْدَ اِذْ كَانَ فِیْ قَبْضَتِنَا مَلَكُوْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرَضِيْنَ کہ ہم نے ہر ایک ذلیل سے ذلیل آدمی سے تکلیفیں اُٹھائی ہیں باوجودیکہ تمام آسمانوں اور زمینوں کی بادشاہت ہمارے ہاتھ میں ہے۔

۱۳۔ کتاب مبین ص۳۴۴ (الاقدس الاعظم) میں بہاء اللہ لکھتے ہیں کہ ؛۔ یہ کتاب اتاری گئی ہے

عزیز حکیم کی طرف سے جو کہتا ہے کہ میں عکہ کے قید خانہ میں قید ہوں۔ (۱۴) اقتدار صفحہ ۳۶ پر لکھتے ہیں کہ قلم اعلیٰ نے اسی طرح پر نطق فرمایا جبکہ مخلوق کا قدیمی مالک ظالموں کی شرارت سے قید خانہ میں پڑا تھا۔ اس میں بہاء اللہ مالک قدیم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔

۱۵۔ اقتدار صفحہ ۱۱۴ میں لکھتے ہیں کہ:۔ بہاء اللہ کو دیکھنے والا شخص ظاہر میں اس کو انسانی شکل میں دیکھتا ہے لیکن جب کوئی شخص اس کے باطن کی طرف غور کریگا تو آسمانوں اور زمینوں کی کل مخلوق کا اس کو محافظ پاتا ہے۔ ۱۶۔ اقتدار صفحہ ۱۶۲ پر لکھتے ہیں۔" اے مخاطب دیکھ! خدا کا فضل اس حد تک پہنچا ہے کہ تو اپنے گھر میں آرام سے ہے اور خدا تعالیٰ جو بے حد مصیبتوں میں مبتلا ہے قید خانہ میں تجھ کو یاد کرتا ہے"۔

مشتے از خروارے حوالجات سے بخوبی ظاہر ہے کہ جس طرح عیسائی مسیح کی طرف منسوب کرتے ہیں کہ وہ کامل انسان بھی تھے اور کامل خدا بھی تھے۔ جو دُنیا کو نجات دینے کے لئے انسانی شکل میں ظاہر ہوتے تھے اسی طرح بہاء اللہ بھی اپنے تئیں پیش کرتا ہے۔

اس بات سے کبھی دھوکا نہ کھانا چاہیئے کہ بہاء اللہ کی کتابوں میں ایسی عبارتیں بھی موجود ہیں جن میں وہ اپنے تئیں انسان بھی ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ خدائی کا دعویٰ کرنے والے جیسا کہ بہاء اللہ سے پہلے کئی گزر چکے ہیں اسی رنگ میں دعویٰ کرتے ہیں کہ اس میں کچھ نہ کچھ معقولیت کا رنگ بھی لوگوں کو نظر آتے۔ کیونکہ ان کی ظاہری حالت کھانے پینے مگنے موتنے اور بشری لوازمات ایسے موانع ہیں جکے ہوتے ہوئے خصوصاً اس زمانہ میں کوئی بھی خالص خدا نہیں منوا سکتا۔ جیسا کہ عیسائی اب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق انسانی ہیکل اور خدائی صفات ملا جلا کر ایسا گورکھ دھندا پیش کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ زیادہ تر بہائی امریکہ اور یورپ کے علاقہ میں پائے جاتے ہیں۔ اسی دو عملی کے رنگ سے بہاء اللہ نے فائدہ اُٹھا ہے۔ اپنی کتاب مبین صفحہ ۵۳ پر لکھتا ہے

قَدْ ظَهَرَتِ الْكَلِمَةُ الَّتِيْ سَتَّرَهَا الْاِبْنُ اِنَّهَا قَدْ نَزَلَتْ عَلٰى هَيْكَلِ الْاِنْسَانِ فِيْ هٰذَا الزَّمَانِ تَبَارَكَ الرَّبُّ الَّذِيْ هُوَ الَّذِيْ قَدْ اَتٰى بِمَجْدِهِ الْاَعْظَمِ بَيْنَ الْاُمَمِ۔ کہ وہ کلمہ ہے جسے بیٹے نے پردہ میں رکھا تھا وہ ظاہر ہو گیا ہے اور وہ اس زمانہ میں ہیکل انسانی پر اُترا ہے۔ مبارک ہے وہ رب جو اپنی عظمت کے ساتھ امتوں کے درمیان آیا ہے۔

اِس حوالہ میں بہاء اللہ نے وہی باپ۔ بیٹے۔ روح القدس کا گورکھ دھندہ پیش کرکے خدا اور انسان کو ہر دو حالتوں میں پیش کرکے دھوکہ دیا ہے۔ پس جہاں باقی لوگ بہاء اللہ کی انسانیت والی عبارتیں پیش کریں وہاں ان کو یہ حوالہ پیش کرکے ملزم کرنا چاہیئے اور یہ سب کچھ عیسائیوں کی کاسہ لیسی ہے یا عیسائیوں کو پھنسانے کی ترکیب ہے کیونکہ وہ اس قسم کا لچر عقیدہ رکھنے کے عادی ہیں۔

۱۷۔ کتاب ادعیہ ۱۵۹، ۱۶۷ میں بہاء اللہ ملاء اعلیٰ کو حکم کرتا ہے اِن دنوں تمام مخلوقات کے رب بہاء اللہ کی زیارت کر لو۔ اس کا طواف بھی۔

۱۸۔ الواح مبارکہ صفحہ ۱۱۴ میں ایران کے بادشاہ سے ملاقات کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے بہاء اللہ لکھتے ہیں:" حال آنکہ شانِ حق نیست کہ بہ نزد احدے حاضر شود چہ کہ جمیع از برائے اطاعت او خلق شدہ اند

ولکن نظر باین اطفال صغیر و جمعی از نساء کہ ہمہ از یار و دیار دُور ماندہ اند۔ ایں امر را قبول نمودیم" یعنی خدا کی شان نہیں کہ کسی کے پاس جاتے۔ مگر دُور افتادہ بچوں اور عورتوں کی خاطر میں نے ایسا کرنا پسند کیا ہے۔

۱۹۔ اقتدار کے ص۱۳۱ پر لکھتے ہیں:۔ "ونفسی عندی علم ما کان وما یکون" کہ مجھے اپنی ذات کی قسم ہے کہ مجھے گزشتہ اور آئندہ سب کا علم ہے۔ اس میں عالم الغیب ہونے کا دعویٰ ہے۔

۲۰۔ الواح مبارکہ کے صفحہ ۱۵۴ میں اپنے مُریدوں کو کہتے ہیں:۔

(ترجمہ یہ ہے) "اے اللہ کے دوستو! تم فرش راحت پر آرام نہ کرو۔ جب تم نے اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان لیا۔ اور جو مصائب اس پر وارد ہیں۔ اُن کو سن لیا۔ تو اس کی مدد کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

بہاء اللہ کے نزدیک آنحضرتؐ اور دوسرے انبیاءؑ کا درجہ

بابی یا بہائی عوام کو دھوکہ دیتے ہیں کہ وہ مسلمان ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان رکھتے ہیں یا آپ کو افضل الانبیاء مانتے ہیں۔ مگر چونکہ ان میں بھی شیعوں کی طرح تقیہ جائز ہے۔ اس لئے اس دھوکا دہی کو بھی وہ مذہباً جائز سمجھتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب بالکل جھوٹ ہے۔ اس کے لئے ذیل کے حوالہ جات ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ کتاب ایقان صفحہ ۲۰۲ میں بہاء اللہ علی محمد باب کے متعلق لکھتا ہے:۔

قدر و رتبہ آنحضرت باب را ملاحظہ فرما کہ قدرش اعظم از کل انبیاء و امرش اعلیٰ و ارفع از عرفان و ادراک کل اولیاء است"۔ اس میں باب کو بہاء اللہ نے اپنے متعلق صرف بشارت دینے والا ظاہر کیا ہے۔ تو جب خود دعویٰ خدائی کیا۔ تو ظاہر ہے کہ اپنے تئیں اولیاء سے کس قدر بزرگ تر سمجھتا ہوگا۔ چنانچہ ذیل کے حوالہ جات سے ظاہر ہے۔

۲۔ بہاء اللہ اپنی کتاب مبین لوح رئیس میں صفحہ ۱۴۵ کی ایک طویل عبارت میں لکھتا ہے کہ آنحضرتؐ کا قول مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ کہ اے خدا جیسا حق تھا۔ ہم نے تجھے نہیں پہچانا اگر وہ پُرانے زمانے میں ہوتے۔ تو فوراً بول اُٹھتے کہ اے رسولوں کے مقصود! ہم نے تجھ کو پہچان لیا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کا یہ قول کہ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى (البقرۃ: ۲۶۱) کہ اے رب دکھا کہ تو کس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے تو ان کو جواب ملا۔ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؟ (البقرۃ: ۲۶۱) کیا تو اس بات پر ایمان نہیں لایا؟ عرض کیا۔ وَلٰكِنْ لِيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (البقرۃ: ۲۶۱) اطمینان قلب کے لئے۔ اگر ابراہیمؑ میرے زمانے میں ہوتے تو اقرار کرتے کہ میرا دل مطمئن ہو گیا۔ اسی طرح حضرت موسیٰؑ نے کہا تھا کہ رَبِّ أَرِنِيْ وہ بھی میرے زمانے میں ہوتے تو اُن کی مراد پوری ہوتی"۔

اس حوالہ سے ظاہر ہے کہ بہاء اللہ تمام نبیوں کے متعلق اپنا زمانہ مبارک قرار دیتا ہے۔ (۲) مبین ص۹ لوح مُلک روس میں بہاء اللہ لکھتے ہیں: "قَدِ ارْتَفَعَتْ أَيَادِي الرُّسُلِ لِلِقَائِيْ" کہ تمام رسولوں کے ہاتھ میری زیارت کے لئے اُٹھتے ہیں۔

۳۔ مبین صفحہ ۹۷۔ "مَا نَزَلَتِ الْکِتَابُ اِلَّا لِذِکْرِیْ" کہ رسولوں پر جو تمام کتابیں نازل ہوئی ہیں ان کے نازل کرنے سے صرف میری ذات کا ذکر کرنا مقصود تھا۔ (۴) مبین صفحہ ۱۲۸۔ ظَھَرَ بِشَانٍ مَا ظَھَرَ فِی الْاِبْلَاءِ شِبْھَہٗ کَمَا رَئَیْتُمْ وَسَمِعْتُمْ۔ کہ بہاء اللہ اس شان سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ بےنظیر ہے۔ جیسا کہ خود تم نے اس کو دیکھا اور سنا ہے۔

۵۔ المبین پہلا باب سورۃ الہیکل ص۵۔ "یَعْتَرِضُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ شَعْرَۃٌ مِّنْہُ خَیْرٌ عِنْدَ اللّٰہِ مِمَّنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" کہ تم اس پر اعتراض کرتے ہو کہ جس کا ایک بال خدا کے نزدیک آسمانوں اور زمینوں کی تمام مخلوقات سے بہتر ہے۔ (آسمان و زمین کی مخلوقات میں ملائکہ رسل سے افضل ہونے کا دعویٰ)۔

۶۔ مبین ۴۶ الوح رئیس۔ "مَا لَکُمْ اَعْرَضْتُمْ عَنْ ذَا الَّذِیْ خُلِقْتُمْ لِاَمْرِہٖ" اے لوگو تمہیں کیا ہوگیا۔ جو اس ذات (بہاء اللہ) سے روگردانی کرتے ہو جس کے حکم سے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔

۷۔ کتاب اقدس صفحہ ۵۷۔ "اِنَّا خَلَقْنَا الْخَلْقَ لِھٰذَا الْیَوْمِ" کہ ہم نے تمام مخلوقات کو بہاء اللہ کے ظہور فرمانے کے دن کے لئے پیدا کیا ہے۔

۸۔ مبین صفحہ ۳۱۵ "لَوْلَاہُ مَا نُزِّلَ الْوَحْیُ فِی اَزَلِ الْاٰزَالِ" کہ اگر یہ بہاء اللہ نہ ہوتا۔ تو ازل سے ابد تک کسی پر بھی وحی کا نزول نہ ہوتا۔

۹۔ بہاء اللہ اپنی کتاب ادعیہ محبوب صفا ص۱۹۵ میں باب کی نسبت لکھتا ہے کہ "اِنَّہٗ سُلْطَانُ الرُّسُلِ" باب تمام رسولوں کا بادشاہ ہے یہ دوسری طرف باب کی عبارت الواح مبارکہ ص۱۱ میں بہاء اللہ نے نقل کی ہے کہ

"محمد رسول را مبعوث مے فرمودیم"

کہ آنحضرتؐ کو میں نے مبعوث کیا تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ باب رسولوں کا بادشاہ اور آنحضرت کو نبی بنا کر بھیجنے والا مانا جاتا ہے تو بہاء اللہ جو اپنی کتاب اقدس ص۱۱۵۔ ص۱۹۵ میں لکھتا ہے کہ باب کو بھیجنے والا میں ہوں۔ اس کے مقابلہ میں آنحضرتؐ اور دوسرے انبیاءؑ کا کیا درجہ ہو سکتا ہے؟

شریعت بابیہ نے شریعت محمدیہؐ کو منسوخ کر دیا

اہل بہاء کا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید میں جو وعدہ قیامت کا دیا گیا ہے وہ وعدہ پورا ہو چکا ہے۔ انکے نزدیک قیامت صغریٰ سے مراد علی محمد باب کا زمانہ ہے۔ جو ۱۲۶۶ھ میں مارا گیا۔ اور قیامت کبریٰ سے مراد بہاء اللہ (مرزا حسین علی ایرانی) کا زمانہ ہے۔ جو ۱۳۰۹ھ میں فوت ہوا۔ چنانچہ بہائیوں کی مسلمہ کتاب بحر العرفان کے صفحہ ۲۲ میں لکھا ہے۔ "قیامت صغریٰ ظہور حضرت اعلیٰ روح ماسوای فداہ بودہ کہ در سن ستین ظاہر شدہ و قیامت کبریٰ ایں ایام است کہ دریں قیامت جمال قدم جل ذکرہ الاعظم ظاہر گردیدہ" اسی طرح کتاب نقطۃ الکاف ص۲۹ میں جو بابیوں اور بہائیوں کی معتبر کتاب ہے۔ لکھا ہے کہ "مراد از قیامت قیام و ظہور اوست" کہ قیامت سے علی محمد باب کا ظاہر ہونا مراد ہے۔ تو اب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کریم کی مقررکردہ

قیامت باب اور بہاء اللہ کی آمد پر آگئی۔ تو اب جہاں کہیں بھی قیامت کا لفظ قرآن میں ہے۔ اس سے باب اور بہاء اللہ مراد ہے۔ اس سے آگے نیا دور ہوگا۔ اب وہ حوالے پیش کئے جاتے ہیں کہ جن سے باب اور بہاء اللہ کے آنے سے شریعت محمدیہ منسوخ ہوگئی۔

۱۔ بحر العرفان صفحہ ۱۱۵ :۔ "حَلَالُ مُحَمَّدٍ حَلَالٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَحَرَامُ مُحَمَّدٍ حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ" یعنی آنحضرتؐ کے حرام حلال کئے ہوئے قیامت یعنی آمد باب اور بہاء اللہ تک حرام حلال تھے۔ اب نیا دور ہے۔

۲۔ بحر العرفان صفحہ ۱۱۷ :۔ "میگویند قائم کہ ظاہر مے شود۔ بشریعت مقدسہ نبوی رفتار مے فرمایند واحکام را تغیر و تبدل نمے دہد و برہم نمے زند پس ظاہر مے شود از برائے چہ و شغلش چیست"
یعنی شیعہ جو کہتے ہیں کہ جب قائم آل محمد ظاہر ہوگا تو آنحضرت صلعم کی مقدس شریعت کا پیرو ہوگا اور احکام شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں کریگا تو ہم اہل بہاء کہتے ہیں کہ اگر قائم نے آکر شریعت میں کوئی تبدیلی نہیں کرنی تھی تو اس کا آنا کس لئے اور اُس کے آنے سے کیا مطلب ؟
مدعا یہ کہ قائم آل محمد (علی محمد باب) کے آنے کی تو غرض ہی یہ ہے کہ وہ شریعت اسلامی کو منسوخ کرکے ایک نئی شریعت کو قائم کرے۔

۳۔ بحر العرفان صفحہ ۱۱۸ :۔ "البتہ شکے نیست کہ بدیں وآئین جدید ظاہر مے شود" کہ اس میں ذرا شک نہیں کہ قائم آل محمد نیا دین اور نیا طریقہ لیکر آئے گا۔

۴۔ بحر العرفان صفحہ ۱۲۶ :۔ "اینکہ جمیع ادیان را یکے مے فرمایند یعنی نسخ مے فرمائید شریعت قبل را" یعنی وہ قائم آل محمد تمام دینوں کو ایک یعنی پہلی شریعت (شریعت محمدیہ) کو منسوخ کردیگا۔

۵۔ بحر العرفان صفحہ ۱۴۶ میں لکھا ہے کہ نماز کا حکم جو قرآن میں ہے وہ ۱۲۶۱ھ تک ہے۔ اس کے بعد اسلامی نماز کا حکم منسوخ ہوگا۔ اور اس وقت نئی شریعت اور نئے احکام جاری ہوں گے۔

۶۔ اسی طرح بحر العرفان صفحہ ۱۲۵ و کتاب الفرائد صفحہ ۲۸۲ و صفحہ ۳۰۲ و نقطۃ الکاف ص۱۵۰ سے ظاہر ہے کہ شریعت اسلامی منسوخ اور نئی شریعت بابیہ قابل عمل ہے۔

شریعت بابیہ وبہائیہ کی اتباع کرنے کی تاکید

۱۔ بہاء اللہ اپنی کتاب ادعیہ محبوب صفحہ ۱۹۵ میں لکھتے ہیں "یَا قَوْمِ فَاتَّبِعُوا حُدُوْدَ اللّٰہِ الَّتِیْ فُرِضَتْ فِی الْبَیَانِ مِنْ لَّدُنْ عَزِیْزٍ حَکِیْمٍ قُلْ اِنَّہٗ لَسُلْطَانُ الرُّسُلِ وَکِتَابُہٗ لَاُمُّ الْکِتَابِ" اس حوالہ میں کتاب البیان کو تمام کتابوں کی ماں اور اس کی اتباع کرنے کا حکم ہے۔

۲۔ کتاب ایقان مصر صفحہ ۱۶۲ پر بہاء اللہ لکھتے ہیں :۔ "در عہد موسیٰ تورات بود و در زمن عیسیٰ انجیل و در عہد محمد الرسول اللہ فرقان۔ و در ایں عصر بیان۔ صاف نسخ قرآن موجود ہے۔

۳۔ کتاب اقدس ص۱۲۶ میں لکھتے ہیں "کن.... اخذ اکتابی الذی اذا نزل خضعت لہ کتب العالم"

اے میرے متبع! میری کتاب کو پکڑ لے جس کے اُترنے پر دُنیا کی تمام کتابیں اس کے سامنے سرنگوں ہیں۔ یعنی اللہ کی کتابیں اس کے آنے سے منسوخ ہوگئی ہیں۔

۴۔ اسی طرح کتاب مُبین کے صفحہ ۴۲، وکتاب اقتدار صفحہ ۴۴ و مکاتب عبدالبہاء کی تیسری جلد صفحہ ۵۰۰ سے نسخ شریعت محمدیہ ثابت ہے۔

شریعت بابیہ و بہائیہ کے منکروں پر فتویٰ کفر

بابی صلح کل ہونے کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں مگر ذیل کے فتووں سے انکی حقیقت ظاہر ہے۔

(۱) علی محمد باب نے رُوح المعانی میں محمد بغداد شہاب الدین السید محمود السنوسی کے نام خط میں لکھا کہ جب تک تم البیان کی شریعت کے احاطہ میں داخل نہ ہوجاؤ خدا تمہارے اعمال کچھ بھی قبول نہ کریگا خواہ تم ہر ایک چیز قربان کردو۔ اور سب کچھ خرچ کردو تو خُدا ہرگز تم سے راضی نہ ہوگا۔ سوائے اس تعلیم کے ذریعہ جو مجھ پر نازل ہوئی ہے۔ جو لوگ میرے اس دین میں داخل نہ ہونگے۔ ان کی وہی حالت ہے جیسی اُن کی جو اسلام کے زمانہ میں اسلام میں داخل نہ ہوتے تھے (یعنی کفار) آج مسلمانوں کو اِن کا دین اور اعمال اس طرح نفع نہ دینگے جس طرح محمد رسول اللہ کے مبعوث ہونیکے بعد یہود و نصاریٰ کو ان کا دین کوئی نفع نہیں دے سکتا۔

۲۔ کتاب اقدس صفحہ ۲۴۸ میں بہاء اللہ لکھتے ہیں: "انهٗ یأخذ من کفر به و یعذب الذین انکروا ماظهر" کہ خدا ہر اس شخص سے مؤاخذہ کریگا جس نے اس بات کو نہ مانا اور انکو عذاب دیگا جنہوں نے اِن باتوں کا انکار کیا ہو اِسی طرح کتاب المبین صفحہ ۱۸۱ پر منکرین بہائیت کو گمراہ اور کتاب المبین کے صفحہ ۲۸۳ پر مکذبینِ بابیت کو خاسرین اور الواح مبارکہ ص۱۲ میں مکذبین کو دوزخی کہا ہے۔

چند احکام شریعت بابیہ

۱۔ (البیان باب دھم من الواحد الرابع باب ۱۰ جز ا ص۲۰) کہ کسی شخص کے لئے جائز نہیں کہ باب کی کتاب البیان کے سوا کوئی دوسری کتاب پڑھے یا پڑھائے اور یہ کہ جس قدر علوم متداولہ ہیں۔ انکو حاصل کرے۔ یا آگے اُن کی تعلیم دے۔

۲۔ سوائے اِن کتب کے جو بابیہ مذہب کی تائید میں ہیں۔ باقی سب کتب کو دُنیا سے نیست و نابود کردیا جائے۔ (البیان باب السادس من الواحد السادس باب ۶ جز ا ص۲۰)۔

۳۔ جو لوگ علی محمد باب پر ایمان نہیں لاتے وہ پلید اور واجب القتل ہیں۔ دیکھو نقطۃ الکاف مقدمہ ص۲۰۔ "ضربِ اعناق و حرقِ کتب و اوراق و ھدم بقاع و قتلِ عام اِلاّ مَن اٰمَنَ وَ صَدَّقَ بُوْدْ" کہ حضرت باب کا یہ حکم ہے کہ جو لوگ آپ پر ایمان نہیں لاتے۔ ان کی گردنیں اُڑادی جائیں۔ اُن کا قتل عام کیا جاوے۔ علوم و فنون اور مذاہب عالم کی سب کتابیں جلا دی جائیں۔ اور ان کا ہر ایک ورق نذر آتش کیا جاوے

اور تمام مقامات مقدسہ اور قبور انبیاء وغیرہ سب گرا دیئے جائیں۔ تاکہ بابی مذہب کے سوا اور کوئی مذہب دُنیا میں نہ رہے۔

۴۔ کتاب فروع میں علی محمد باب نے اپنے مُریدوں کو یہ حکم دیا ہوا تھا کہ "اے اصحاب ہر چہ را در بازار گرفتید۔ بیاورید من نظر نمایم تا حلال شود"۔ یعنی ہر ایک حرام چیز باب کے نظر کرنے سے حلال ہو جاتی ہے۔ اس حکم کی تفصیل نقطۃ الکاف صفحہ ۱۴۱ و صفحہ ۱۵۰ میں ملتی ہے کہ مریدین بغیر اجازت دُکانوں سے چیزیں اُٹھا لیتے تھے اور علی محمد باب کے سامنے لاکر اس کی نظر سے گذار کر حلال کرا لیتے۔

۵۔ دلائل العرفان صفحہ ۲۴۷ مصنفہ مرزا حیا علی بابی میں لکھا ہے۔ "الباب التاسع من الواحد التاسع فی حرمۃ صلوٰۃ الجماعۃ الا صلوٰۃ المیت"۔ برخلاف شریعت اسلام کے نماز باجماعت سوائے نماز جنازہ کے حرام ٹھہرائی گئی ہے۔

۶۔ نقطۃ الکاف صفحہ ۲۴۰ میں مرزا جانی بابی لکھتے ہیں کہ میں نماز جمعہ پڑھا کرتا تھا مگر جب علی محمد باب نے دعویٰ کیا اور اپنی کتاب فروع میں نماز جمعہ کو حرام ٹھہرایا تو میں نے نماز جمعہ چھوڑ دی۔

۷۔ کتاب اقدس حکم ۱۳۴ عربی میں لکھا ہے کہ باب نے لڑکے اور لڑکیوں کے معاملہ نکاح میں کسی ولی یا کسی وکیل یا گواہ کی ضرورت نہیں رکھی۔ بلکہ لڑکے لڑکی کی باہمی رضامندی کافی رکھی ہے لیکن بہاء اللہ ان کی رضامندی کے ساتھ والدین کی رضامندی بھی ضروری قرار دیتا ہے اور ہر دو متضاد حکموں سے ظاہر ہے کہ باب اور بہاء اللہ دونوں کے حکموں میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں کا منبع ایک نہیں ہے اور دونوں حکم خود ساختہ ہیں۔

اِن مشتے از خروارے احکام سے شریعت بابیہ کے غیر معقول ہونے کا بخوبی پتہ لگ جاتا ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ اِن سے نسخ شریعتِ محمدیہ کا ادعا بھی ثابت ہے۔ مزید چند حوالے بھی ذیل میں دیئے جاتے ہیں۔

بہاء اللہ کی تعلیم اسلام کے خلاف

اسلام کی تعلیم ہے کہ سوائے ایک خدا کے اور کوئی معبود نہیں۔ مگر اس کے بالمقابل بہاء اللہ کی تعلیم ملاحظہ ہو۔

۱۔ اطرازات طراز ششم صفحہ ۱۴ مطبوعہ آگرہ میں بہاء اللہ لکھتے ہیں۔ "اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا الْمُھَیْمِنُ الْقَیُّوْمُ"۔ پھر

۲۔ تجلیات (تجلی چہارم) صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں:۔ اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ وَ اِنَّ مَا دُوْنِیْ خَلْقِیْ اِنْ یَا خَلْقِیْ اِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ۔ کہ میں خدا ہوں۔ میرے سوا تمام مخلوق ہے اس لئے صرف میری ہی عبادت کرو۔

۳۔ کتاب مبین صفحہ ۲۸۶ میں بہاء اللہ لکھتا ہے:۔

لَا اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا الْمَسْجُوْنُ الْفَرِیْدُ۔ کہ کوئی خدا نہیں۔ مگر میں اکیلا (بہاء اللہ) جو قید ہوں۔ بہاء اللہ کے مرید بہاء اللہ کے روضہ کی پرستش کرتے ہیں۔ دیوان نوش ص۵ بہاء اللہ کے روضہ کو مخاطب کرکے کہا گیا ہے

۵ جز خاکِ آستانِ تو مسجودِ خلق نیست — اے سجدہ گاہ جان روان روضۂ بہا
گردید انبیاء ہمہ ساجد بر این تراب — اے قبلہ گاہِ کروبیاں روضۂ بہا۔

پھر صفحہ ۱۴۹ پر ہے: ع

اے مقصد و مقصود زماں روضۂ ابہیٰ — اے معبد و معبود جہاں روضۂ ابہیٰ
اے معنیٔ اسرار نہاں روضۂ ابہیٰ — اے سجدہ گاہ عالمیاں روضۂ ابہیٰ

اس شریعت اسلامیہ میں جن عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ انکی تفصیل دی گئی ہے مگر برخلاف اسکے شریعت بہائیہ کتاب الاقدس میں صرف ماں سے نکاح حرام کیا گیا ہے۔ باقیوں کا ذکر نہیں۔

۳۔ اسلامی شریعت میں چار تک نکاح کو جائز رکھا ہے مگر برعکس اس کے شریعت بہائیہ میں دو سے زیادہ عورتیں ناجائز ہیں۔ (دیکھو کتاب الاقدس صفحہ ۱۴۰)

۴۔ شریعت اسلامی میں مہر حسب توفیق وحیثیت جس قدر چاہیں مقرر کیا جا سکتا ہے مگر شریعت بہائیہ کتاب اقدس میں مہر کی مقدار شہروں میں ۱۹ مثقال سونا اور دیہات میں ۱۹ مثقال چاندی اور زیادہ سے زیادہ ۹۵ مثقال سونا اور ۹۵ مثقال چاندی علی الترتیب ہو سکتا ہے اس سے زیادہ مہر باندھنا حرام ہے (الاقدس ص۱۳۵)

۵۔ اسلامی شریعت میں تین طلاق کے بعد رجوع نہیں ہو سکتا مگر شریعت بہائیہ کتاب اقدس میں تین طلاق کے بعد رجوع ہو سکتا ہے۔ (الاقدس حکم ۱۴۳ عربی)

۶۔ اسلامی شریعت میں سود حرام اور خدا سے جنگ کرنے کے برابر ہے مگر شریعت بہائیہ میں جائز ہے (دیکھو اشراقات۔ اشراق نہم ص۷ نیا ایڈیشن ص۴۳)

۷۔ اسلامی شریعت میں مردوں کے لئے سونے چاندی کے برتنوں اور ریشمی لباس کا استعمال ناجائز ہے۔ مگر شریعت بہائیہ میں جائز ہے۔

"مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّسْتَعْمِلَ اَوَانِیَ الذَّھَبِ وَالْفِضَّۃِ لَا بَأْسَ عَلَیْہِ" (الاقدس)

۸۔ سر کا منڈوانا جو شریعت اسلامیہ میں جائز تھا اس کو شریعت بہائیہ نے ناجائز قرار دیا ہے لاتحلقوا رؤسکم قد زینھا اللہ بالشعر۔ یعنی اے اہل بہاء! اپنے سروں کو ہرگز نہ منڈوانا کہ بالوں سے اُن کی زینت ہے۔ (کتاب الاقدس حکم ۱۰۱ عربی)

۹۔ شریعت اسلامیہ میں کھلے طور پر گانے بجانے کی ممانعت ہے مگر برخلاف اس کے کتاب اقدس میں لکھا ہے: اِنَّا حللنا لکم اصغاء الاصوات و النغمات کہ ہم نے تمہارے لئے گانا بجانا جائز کر دیا ہے۔ (الاقدس عربی حکم ۱۱۴)

۱۰۔ شریعت بہائیہ کے رُو سے ایک خاوند جو سفر پر گیا ہوا ہو۔ اُس کی بیوی ۹ ماہ انتظار کرنے کے بعد نیا نکاح کر سکتی ہے۔ حالانکہ اسلامی شریعت میں یہ جائز نہیں۔ (الاقدس عربی حکم ۱۳۷)

❊ ❊ ❊

کتب شیعہ

کافی۔ مجمع البیان۔ عمدۃ البیان۔ الروضہ بہیہ۔ شرع عرشیہ۔ تاج البلاغتہ۔ شرح نہج البلاغتہ مؤلفہ عبدالحمید بن ابی الحدید شیعی۔ الصافی۔ بحارالانوار۔ کتب الخصال۔ غررالفوائد۔ اکمال الدین۔ اسرار التنزیل۔ امالی۔ انارۃ البصائر۔ بشریٰ بالحسن۔ حقایق لدنی۔ الصراط السوی۔ کشف الغمہ۔ کلینی۔ حیات القلوب۔ ناسخ التواریخ۔ حجاج السالکین۔ جلاء العیون۔ (ملا محمد باقر مجلسی) مجالس المومنین۔ روضۃ الصفا (تاریخ) استبصار۔ مہیج الاحزان۔

کتب ردّ شیعہ

سرّ الخلافۃ۔ خلافتِ راشدہ۔ تحفہ اثنا عشریہ۔ شرائط المذاہب۔ آیاتِ بینات۔ براہین قاطعہ۔ تشریف البشر۔ رسالہ فدک۔ معیار المذاہب۔ اسباب مقاطعہ درمیان سنّی وشیعہ۔ تحقیقات واقعاتِ کربلا۔

اسماءِ ائمہ شیعہ

(۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ، (۲) حضرت حسن رضؓ بن علی رضؓ (۳) حضرت حسین رضؓ بن علی رضؓ (۴) ابو محمد علی بن حسین رضؓ زین العابدین (۵) ابو جعفر محمد بن علی باقر (محمد باقر) (۶) جعفر صادق (۷) موسیٰ کاظمی (۸) علی رضا (۹) ابو جعفر محمد بن علی الجواد (۱۰) ابو الحسن علی بن علی بن محمد التقا (۱۱) ابو محمد حسن بن عسکری (۱۲) امام مہدی علیہ السلام۔

خلفائے ثلاثہ کا ایمان از روئے قرآن

۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ (البقرۃ ۲۱۹)

ترجمہ:۔ تحقیق جو ایمان لائے اور جنہوں نے جہاد کیا راہ خدا میں وہی اُمید رکھتے ہیں رحمتِ الٰہی کی اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

۲۔ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (مائدہ: ۵۷)

اور جو دوست رکھے اللہ اور اس کے رسول کو اور اُن کو جو ایمان لائے پس یقیناً گروہ اللہ ہی کا غالب ہے۔

۳۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ (توبہ ۲۰) جو کہ ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا راہ خُدا میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بڑے درجے ہیں اللہ کے حضور اور یہی ہیں مُراد پانے والے۔

ہر سہ خلفاء مہاجر اور مجاہد تھے۔ضروری تھا کہ اس وعدہ الٰہی کے مطابق ان کو وہ درجات ملتے۔ اور چونکہ وہ آخر تک کامیاب ہوئے اس لئے هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ کا وعدہ پورا ہوا۔

۴۔ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ ۔۔۔۔۔۔ الآیہ (آل عمران : ۱۹۶)

ترجمہ:۔پس جنہوں نے ہجرت کی اور انہیں ان کے گھروں سے نکالا گیا اور میری راہ میں تکلیف دی گئی اور انہوں نے جنگ کی اور مارے گئے۔ میں ان کی بدیوں (کے اثر) کو اُن (کے جسم) سے یقیناً مٹا دوں گا۔ اور میں انہیں یقیناً ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی (یہ انعام) اللہ کی طرف سے بدلہ کے طور پر ملے گا۔ اور اللہ تو وہ ہے جس کے پاس بہترین جزا ہے۔

۵۔ لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْمُرْجِفُوْنَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنُغْرِيَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُوْنَكَ فِيْهَآ اِلَّا قَلِيْلًا (احزاب : ۶۱) ترجمہ:۔اگر باز نہ رہیں گے منافق اور وہ کہ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور بدخبر اڑانے والے شہر میں البتہ لگا دینگے ہم تجھ کو انکے پیچھے۔ پھر نہ قریب پھٹکنے پاویں گے تیرے اس شہر میں مگر بہت کم۔

اگر خلفاء بخیال شیعوں کے منافق تھے تو ضرور تھا کہ آنحضرت ﷺ ان سے جہاد کرتے اور ان کو آنحضرت کے قریب رہنے کا موقع نہ ملتا۔

۶۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ (توبہ : ۷۳) مگر چونکہ اس قسم کا کوئی جہاد ثابت نہیں اور نہ ہی یہ خلفاء آپ کے تا وفات الگ ہوئے بلکہ وفات کے بعد بھی تا ابد تم قبر میں بھی ساتھ رہے۔اس لئے ثابت ہوا کہ موجب قرآن یہ مومن تھے۔

۷۔ لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا (فتح : ۱۹) چونکہ تحت الشجرۃ کے حاضرین میں سے یہ خلفاء بھی تھے۔اس لئے ثابت ہوا کہ آپ ہی کو رضی اللہ کا سرٹیفکیٹ ملا۔

۸۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ (نور : ۵۶) چونکہ آنحضرت صلعم کے بعد ان خلفاء کے عہد میں اسلام دُور دراز ملکوں میں پھیلا۔ اور اسلام نے وہ موعودہ زور اور عروج پکڑا۔ اور وعدہ الٰہی تھا کہ مومنوں کے ذریعہ اسلام تمکنت پکڑیگا۔ پس خلفاء کا ایمان ثابت ہے۔

۹۔ وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ (مجادلہ : ۲۳) جنکی رُوح القدس سے تائید کی ان میں یہ خلفاء بھی تھے اور یہی حزب اللہ ٹھہرے۔

۱۰۔ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلَيْهِ

وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا السُّفْلٰى وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ (توبہ ۴۰)

یہ یارِ غار حضرت ابوبکر صدیقؓ تھے جن پر اللہ تعالےٰ نے سکینت اُتاری اور آنحضرت صلعم نے انہی کو اپنا رفیق الطریق بنایا۔

شیعہ مفسرین نے بھی یہ تسلیم کیا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ ہی اُس وقت آنحضرت صلعم کے ساتھ غارِ ثور میں موجود تھے۔ اور صاحبہٖ سے مُراد آپ ہی ہیں (دیکھو تفسیر مجمع البیان وتفسیر صافی سورہ توبہ رکوع ۶ زیر آیت اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ (توبہ ۴۰)

اصحابِ ثلاثہ کے ایمان کے دلائل کُتب شیعہ سے

۱۔ اگر اصحابِ ثلاثہ مسلمان نہ تھے تو ان کے عہدِ خلافت میں قیصر وکسریٰ کے ساتھ جو جہاد ہوتے وہ بھی ناجائز ٹھہرے اور جو مالِ غنیمت اِن جہادوں میں مسلمانوں کے قبضہ میں آیا وہ بھی حلال نہ ہوا۔ اور جو لونڈیاں ان جہادوں میں بنائی گئیں وہ بھی حلال نہ ہوئیں۔ شہر بانو خسرو پرویز کی لڑکی جو حضرت حسینؓ کے قبضہ میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اسیر ہو کر آئی۔ وہ بھی جائز نہ ہوئی اور اُس سے جو اولاد ہوئی۔ اُسکے متعلق کیا فتویٰ شیعہ حضرات لگائیں گے؟

۲۔ قیصر وکسریٰ کے ساتھ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جو جہاد ہوا اور خدا کے حکم کے مطابق تھا جیسا کہ فروع کافی جلد ا باب مَنْ يَجِبُ عَلَيْهِ الْجِهَادُ ص۱۲ میں ابوعمیر زبیری نے حضرت امام جعفر صادقؒ سے روایت کی ہے وَ اِنَّهٗ لَيْسَ كَمَا ظَنَنْتَ وَلَا كَمَا ذَكَرْتَ وَلٰكِنَّ الْمُهَاجِرِيْنَ ظُلِمُوْا مِنْ جِهَتَيْنِ ظَلَمَهُمْ اَهْلُ مَكَّةَ بِاِخْرَاجِهِمْ مِنْ دِيَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ فَقَاتَلُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ لَهُمْ فِيْ ذٰلِكَ وَظَلَمَهُمْ كِسْرٰى وَقَيْصَرُ وَمَنْ كَانَ دُوْنَهُمْ مِنْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ بِمَا كَانَ فِيْ اَيْدِيْهِمْ مِمَّا كَانَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَحَقَّ بِهٖ مِنْهُمْ فَقَدْ قَاتَلُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ فِيْ ذٰلِكَ وَبِحُجَّةِ هٰذِهِ الْاٰيَةِ يُقَاتِلُ مُؤْمِنُوْا كُلِّ زَمَانٍ یعنی جس طرح تو نے سمجھا یا کہا۔ (یعنی یہ کہ قیصر وکسریٰ کے ساتھ مسلمانوں کی لڑائیاں ناجائز تھیں) کیونکہ انہوں نے مسلمانوں پر ظلم کیا تھا۔ ان پر اہلِ مکہ نے اُن کے گھروں اور مال ودولت سے نکال کر ظلم کیا۔ پس مسلمانوں نے ان کے ساتھ خدا کے حکم سے جہاد کیا۔ اسی طرح قیصر وکسریٰ اور دیگر عربی و عجمی قبائل نے مسلمانوں پر ظلم کیا۔ اس ملک اور حکومت پر قبضہ کرنے کی وجہ سے جس پر اُن سے زیادہ مسلمانوں کا حق تھا پس مسلمانوں نے ان کے ساتھ خُدا کے حکم کے ساتھ جنگ کی۔ اور اسی آیت کے مطابق (یعنی اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا (الحج ۴۰) ہر زمانہ کے مسلمان جہاد کرتے ہیں۔

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کھودتے وقت پہلی مرتبہ پتھر پر کدال مار کر فرمایا اللہ اکبر فارس کے ملک کی کُنجیاں مجھے دی گئیں (دیکھو حیات القلوب جلد ۲ صفحہ ۳۷۶ نولکشور و ناسخ التواریخ کتاب ۲

جلد ا صفحہ ۲۱۶ مطبوعہ ایران) یہ کنجیاں حضرت عمرؓ کے ہاتھ میں دی گئیں۔ گویا آنحضرت صلعم نے حضرت عمرؓ کو اپنا قائم مقام قرار دیا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی فضیلت

۴۔ وَكَانَ اَفْضَلَهُمْ زَعَمْتَ فِي الْاِسْلَامِ وَاَنْصَحَهُمْ لِلّٰهِ وَلِرَسُوْلِهٖ الْخَلِيْفَةَ وَالْخَلِيْفَةُ الْخَلِيْفَةِ وَلَعَمْرِيْ وَاِنَّ مَكَانَهُمَا فِي الْاِسْلَامِ لَعَظِيْمٌ وَاِنَّ الْمَصَائِبَ بِهِمَا لَجُرْحٌ فِي الْاِسْلَامِ شَدِيْدٌ فَرَحِمَهُمَا اللّٰهُ وَجَزَاهُمَا اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلَا (شرح نہج البلاغہ جلد ۲ جزء ۱۵ صفحہ ۲۱۹) فَاَرَادَ قَوْمُنَا قَتْلَ نَبِيِّنَا (نہج البلاغہ باب استناد صفحہ ۱۵ (اردو ترجمہ) خط نمبر ۹ شائع کردہ شیخ غلام علی اینڈ سنز) اور خلفاء میں سے اسلام میں سب سے افضل اور خدا اور رسول کے لئے سب سے زیادہ نصیحت کرنے والے حضرت ابوبکرؓ صدیق و خلیفہ فاروقؓ تھے۔ اسی طرح جس طرح تیرا خیال ہے۔ اور بخدا ان کا مقام اسلام میں بہت بلند ہے اور انکی جُدائی کی وجہ سے اسلام کو سخت زخم لگا ہے۔ ان دونوں پر خدا تعالےٰ کی رحمت ہو اور خدا تعالیٰ اُن کے اچھے اور اعلیٰ کاموں کا ان کو اجر دے۔

۵۔ وَلَارَيْبَ اِنَّ الصَّحِيْحَ مَا ذَكَرَهُ اَبُوْعُمَرَ اِنَّ عَلِيًّا كَانَ هُوَ السَّابِقُ وَاَنَّ اَبَا بَكْرٍ هُوَ اَوَّلُ مَنْ اَظْهَرَ اِسْلَامَهٗ (شرح نہج البلاغۃ مؤلفہ عبدالحمید ہبۃ اللہ بن محمد بن محمد بن حسین بن ابی الحدید شیعی جلد ا جزء ۲ صفحہ ۲۱۴) اور بے شک جس بات کا ابوبکر نے ذکر کیا ہے۔ سچ ہے کہ گو حضرت علیؓ نے پہلے اسلام قبول کیا، لیکن ابوبکرؓ نے سب سے پہلے اسلام کا اعلان کیا۔

۶۔ عَنْ اِبْرَاهِيْمَ النَّخَعِيْ قَالَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ اَبُوْبَكْرٍ (شرح نہج البلاغہ جلد ا جزو ۲ صفحہ ۲۱۳) ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ سب سے پہلے اسلام لائے۔

۷۔ عَنْ اَبِيْ نَصْرٍ قَالَ قَالَ اَبُوْبَكْرٍ لِعَلِيٍّ اَنَا اَسْلَمْتُ قَبْلَكَ فِيْ حَدِيْثٍ ذَكَرَهٗ فَلَمْ يُنْكِرْهُ عَلَيْهِ۔ (شرح نہج البلاغہ جلد ا جزو ۲ صفحہ ۲۱۳) ابونصر کہتے ہیں کہ کسی گفتگو میں حضرت ابوبکرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ میں آپ سے پہلے مسلمان ہوا تھا۔ مگر حضرت علیؓ نے اس کے خلاف کچھ نہ کہا۔

۸۔ وَقَالَ عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ مَا غَضِبْنَا اِلَّا فِي الْمَشْوَرَةِ وَاِنَّا نَرٰى اَبَا بَكْرٍ اَحَقَّ النَّاسِ بِهَا اِنَّهٗ لَصَاحِبُ الْغَارِ وَاِنَّا لَنَعْرِفُ لَهٗ سِنَّهٗ وَلَقَدْ اَمَرَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم بِالصَّلٰوةِ بِالنَّاسِ وَهُوَ حَيٌّ۔ (شرح نہج البلاغہ مؤلفہ ابن ابی الحدید شیعی جلد ا جزو ۲ صفحہ ۴۵) حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ نے فرمایا کہ ہم نے سوائے مشورے کے اور کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ کیونکہ ہم یقیناً حضرت ابوبکرؓ کو اپنوں میں سے سب سے زیادہ اس امر کا مستحق خیال کرتے ہیں کیونکہ آپ صاحب غار ہیں۔ اور ہم اُن کے اچھے طریقوں کو جانتے ہیں۔ اور آنحضرت صلعم نے جبکہ آپ زندہ تھے ابوبکرؓ کو لوگوں کو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا۔

۹۔کتاب کَشْفُ الْغُمَّةِ فِیْ مَعْرِفَةِ الْاَئِمَّةِ میں ہے۔ اِنَّهٗ سُئِلَ الْاِمَامُ اَبُوْجَعْفَرٍ عَلَیْهِ السَّلَامُ مِنْ حِلْیَةِ السَّیْفِ قَالَ نَعَمْ حَلّٰی اَبُوْبَكْرِ الصِّدِّیْقُ سَیْفَهٗ بِالْفِضَّةِ فَقَالَ الرَّاوِیْ تَقُوْلُ هٰكَذَا فَوَثَبَ الْاِمَامُ عَنْ مَكَانِهٖ فَقَالَ نَعَمْ اَلصِّدِّیْقُ فَمَنْ لَّمْ یَقُلْ لَهُ الصِّدِّیْقُ فَلَا صَدَّقَ اللّٰهُ قَوْلَهٗ فِی الدُّنْیَا۔ کہ امام جعفر سے پوچھا گیا کہ کیا تلوار کو سونا چڑھانا جائز ہے تو آپ نے فرمایا۔ ہاں جائز ہے کیونکہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اپنی تلوار کو سونا چڑھایا تھا۔ اس پر راوی نے متعجب ہوکر کہا کہ آپ ایسا (یعنی ابوبکر کو صدیق کہتے ہیں) تو امام اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہنے لگے ہاں وہ صدیق ہیں۔ ہاں وہ صدیق ہیں اور جو ان کو صدیق نہ کہے خدا دُنیا میں اس کی بات کو سچا نہیں کریگا۔

۱۰۔حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:۔

وَاللّٰهِ مَا اَدْرِیْ مَا اَقُوْلُ لَكَ مَا اَعْرِفُ شَیْئًا تَجْهَلُهٗ وَلَا اَدُلُّكَ عَلٰی اَمْرٍ لَا تَعْرِفُهٗ اِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نَعْلَمُ مَا سَبَقْنَاكَ اِلٰی شَیْءٍ فَنُخْبِرَكَ عَنْهُ ... وَقَدْ رَاَیْتَ كَمَا رَاَیْنَا وَسَمِعْتَ كَمَا سَمِعْنَا وَصَحِبْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ كَمَا صَحِبْنَا وَمَا ابْنُ اَبِیْ قُحَافَةَ وَلَا ابْنُ الْخَطَّابِ بِاَوْلٰی بِعَمَلِ الْحَقِّ مِنْكَ وَاَنْتَ اَقْرَبُ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ ...... وَقَدْ نِلْتَ مِنْ صِهْرِهٖ مَا لَمْ یَنَالَا۔ (نہج البلاغہ اردو ترجمہ حصہ اوّل صفحہ ۵۲۳)

بخدا میں نہیں جانتا کہ میں آپ کے سامنے کیا بیان کروں مجھے کوئی ایسی نئی بات معلوم نہیں جو آپ نہ جانتے ہوں اور میں آپ کو کوئی ایسی نئی بات نہیں بتا رہا جو آپ کو معلوم نہ ہو۔ کیونکہ میرا علم آپ سے زیادہ نہیں۔ ہم آپ سے کسی امر میں سبقت نہیں رکھتے کہ ہم آپ کو اس کی اطلاع دینے کے قابل ہوں اور نہ ہم کسی امر میں منفرد ہی ہیں کہ وہ امر آپ تک پہنچائیں۔ بے شک آپ نے وہ سب کچھ دیکھا اور سُنا۔ جو ہم نے دیکھا اور سُنا۔ اور آپ بھی اِسی طرح آنحضرت صلعم کے صحابی رہے جس طرح ہم تھے۔ ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ آپ سے کسی امر میں سبقت رکھنے والے نہ تھے اور آپ آنحضرت صلعم کی دامادی کے باعث آنحضرتؐ کے ان دونوں سے زیادہ مقرب ہیں۔

۱۱۔ وَمِنْ كِتَابٍ لَّهٗ اِلٰی مُعَاوِیَةَ اِنَّهٗ بَایَعَنِی الْقَوْمُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا اَبَابَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ عَلٰی مَا بَایَعُوْا هُمْ عَلَیْهِ ...... اِنَّهُمْ اُنَاسٌ اِنِ اجْتَمَعُوْا عَلٰی رَجُلٍ وَسَمَّوْهُ اِمَامًا كَانَ ذٰلِكَ لِلّٰهِ رِضًا۔ (نہج البلاغہ اردو ترجمہ حصہ دوم صفحہ ۲۲۷)

حضرت علیؓ نے حضرت معاویہ کو ایک خط میں (اپنی خلافت کا یہ ثبوت) لکھا کہ میری بیعت انہی لوگوں نے کی ہے جنہوں نے ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ کی بیعت کی۔ اور اسی امر پر کی ہے جس امر پر اُن کی کی تھی...... یہ ایسے لوگ ہیں کہ اگر ایک شخص پر مجتمع ہوکر اس کو اپنا امام کہدیں۔ تو یہی امر خُدا کے ہاں بھی موجب رضا ہوتا ہے۔

۱۲۔ لِلّٰهِ بَلَاءُ فُلَانٍ فَقَدْ قَوَّمَ الْاَوَدَ وَدَاوَی الْعَمَدَ وَاَقَامَ السُّنَّةَ وَخَلَّفَ الْفِتْنَةَ وَذَهَبَ نَقِیَّ الثَّوْبِ قَلِیْلَ الْعَیْبِ اَصَابَ خَیْرَهَا وَسَبَقَ شَرَّهَا اَدّٰی

اِلَی اللہِ طَاعَتَہٗ وَ اتَّقَا بِحَقِّہٖ۔ (نہج البلاغہ اُردو ترجمہ حصہ اول ص۔۔)

فلاں آدمی کیا ہی اچھا تھا کیونکہ اُس نے کجی کو درست کیا اور دلوں کی بیماریوں کا علاج کیا۔ فتنہ کو پیچھے ہٹایا۔ اور سنت کو قائم کیا اور انتقال کیا ایسی حالت میں کہ وہ پاک اور بے عیب تھا خلافت کا اچھا حصہ پایا۔ اور اس میں پیدا ہونے والے شر سے پہلے گزر گیا۔ اللہ کی اطاعت گزاری کی اور اس کے حقوق میں تقویٰ سے کام لیا۔"

یہ سب عبارت حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کی نسبت کہی۔ چنانچہ اس خطبہ کے حاشیہ میں عبدالحمید بن ابی الحدید شیعی نے لکھا ہے کہ فلاں سے مراد عمرؓ ہیں۔

۱۳۔ امام جعفر صادق سے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے متعلق کسی نے سوال کیا۔ تو اُنہوں نے جواب دیا:

ھُمَا اِمَامَانِ عَادِلَانِ قَاسِطَانِ کَانَا عَلَی الْحَقِّ وَمَاتَا عَلَیْہِ فَعَلَیْھِمَا رَحْمَۃُ اللہِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (رسالہ ادلہ تقیہ فی ثبوتِ تقیہ مؤلفہ سلطان العلماء سید محمد صاحب مجتہد) کہ وہ دونوں امام تھے عدل اور انصاف کرنے والے وہ دونو حق پر تھے اور حق پر ہی اُن کی وفات ہوئی۔ اور قیامت کے دن ان پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہوگی۔

نوٹ:۔ شیعوں کا اس قول کے متعلق یہ کہنا کہ امام جعفر نے دوسرے دن اس قول کی تاویل یہ کی تھی کہ "اِمَامَانِ" سے میری مراد اہل جہنم کے امام" تھی۔ غلط ہے بوجوہات ذیل۔

(۱) "ھُمَا اِمَامَانِ" سے مراد اہلِ جہنم کے امام نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ عربی زبان اس کی اجازت نہیں دیتی۔ ھُمَا اِمَامَا اَھْلِ النَّارِ کہنا چاہیئے تھا۔ کیونکہ تثنیہ یا جمع کا صیغہ جب مضاف ہو تو اس کے آخر سے نون گر جاتا ہے جیسے ھُمْ مُسْلِمُوْا مَکَّۃَ (یعنی وہ مکہ کے مسلمان ہیں۔ ھُمْ مُسْلِمُوْنَ مَکَّۃَ نہیں ہو سکتا۔

(۲) امام سے جس شخص نے فتویٰ پوچھا۔ اس کو تو آپ نے مندرجہ بالا صاف الفاظ میں جواب دے دیا وہ اب اس فتویٰ کے مطابق حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو مومن ہی سمجھے گا۔ اس کے چلے جانے کے بعد دوسرے دن اس قول کے الفاظ کی ظاہری مفہوم کے خلاف غلط تاویل کرنا بالکل غیر معقول ہے۔ اس شخص کی گمراہی (بقول شما) کا باعث تو حضرت امام جعفر ہی کا یہ قول ہوگا۔ امام جعفر نے اگر کوئی تشریح اپنے الفاظ کی کرنی ہوتی تو اس شخص کے سامنے ہی کرنی چاہیئے تھی۔

۱۴۔ علامہ کاشانی اپنی تفسیر خلاصۃ المنہج تفسیر سورۃ الفتح آیت ۱۹ میں لکھتے ہیں:۔

"آنحضرت فرمود بدوزخ نہ رَوَدْ یک کس ازاں مومناں کہ اُو زیر شجر بیعت کردند و ایں را بیعت الرضوان نام نہادہ اند۔ بجہت آنکہ حق تعالیٰ درحقِ ایشاں فرمود کہ لَقَدْ رَضِیَ اللہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ" (الفتح: ۱۹)

کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ درخت کے نیچے بیعت کرنیوالوں میں سے سب کے سب جنتی ہیں۔ کیونکہ خُدا نے رَضِیَ اللہُ عَنْھُمْ کا ان کو خطاب دیا ہے۔

۱۵۔ بکشف الغمۃ فی معرفۃ الائمہ میں بیعت رضوان کی شرح میں روایت ہے۔ "از جابر بن عبداللہ انصاری روایت است کہ ما در آں روز ہزار و چہار صد (یعنی چودہ سو) کس بودیم۔ دراں روز من از آنحضرت صلعم شنیدم کہ آنحضرت خطاب بحاضراں نمود و فرمود کہ شما بہترین اہل روئے زمین اند و ہمہ دراں روز بیعت کردیم و کسے از اہل بیعت نکث نہ نمود۔ مگر احد بن قیس کہ آں منافق بیعت خود را شکست"۔

گویا بیعت رضوان کرنے والے چودہ سو مسلمان تھے اور سوائے احد بن قیس کے سب کے سب جنتی ہیں۔ مگر شیعہ تو صرف پنجتن یا ساڑھے چھ تن کو جنتی مانتے ہیں۔

۱۶۔ حضرت عثمانؓ اس بیعت کے وقت موجود نہ تھے بلکہ بطور سفیر مکہ میں گئے ہوئے تھے۔ اُن کے متعلق لکھا ہے۔ فَلَمَّا انْطَلَقَ عُثْمَانُ وَبَايَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ الْمُسْلِمِيْنَ وَضَرَبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلْعَمْ بِاِحْدٰى يَدَيْهِ عَلَى الْاُخْرٰى لِعُثْمَانَ وَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ طُوْبٰى لِعُثْمَانَ قَدْ طَافَ بِالْبَيْتِ وَسَعٰى بَيْنَ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلْعَمْ مَا كَانَ لِيَفْعَلَ فَلَمَّا جَآءَ عُثْمَانُ قَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ اَطُفْتَ بِالْبَيْتِ فَقَالَ مَا كُنْتُ لِاَطُوْفَ بِالْبَيْتِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلْعَمْ لَمْ يَطُفْ بِهٖ (فروع کافی جلد ۳ کتاب الروضہ صفحہ ۱۱۵) حضرت عثمانؓ چلے گئے ۔۔۔۔ تو آنحضرتؐ نے مسلمانوں سے بیعت لی۔ اور آنحضرتؐ نے اپنا ایک ہاتھ اپنے دوسرے ہاتھ پر حضرت عثمان کی بیعت لینے کے لئے رکھا اور مسلمانوں نے کہا کہ عثمانؓ بڑا خوش قسمت ہے کہ اُس نے کعبہ کا طواف بھی کر لیا اور صفا اور مروہ کے درمیان سعی بھی کر لی۔ مگر آنحضرتؐ نے فرمایا۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔

نوٹ:۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے۔ حضرت عثمانؓ تو بطور سفیر مکہ چلے گئے اور باقی مسلمانوں کو مکہ میں داخل ہونے سے کفار نے روکا آنحضرت نے مسلمانوں کی یہ بات سنکر فرمایا کہ "عثمانؓ تو ایسا کرنے والا نہیں ہے" (یعنی اس نے ایسا نہیں کیا ہوگا) پس جب عثمانؓ واپس آئے آنحضرتؐ نے ان سے پوچھا۔ کیا آپ نے کعبہ کا طواف کیا؛ انہوں نے جواب دیا کہ یہ کس طرح ممکن تھا کہ میں طواف کر لیتا۔ اس حالت میں کہ آنحضرت نے طواف نہ کیا ہو۔ یہ حوالہ حضرت عثمانؓ کی شانِ ایمانی ثابت کرتا ہے۔

۱۷۔ اگر اصحاب ثلاثہ مومن اور خلفائے برحق نہیں تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اَسَدُ اللّٰهِ الْغَالِبِ عَلٰى كُلِّ غَالِبٍ کے مصداق ہیں ان کی بیعت کیوں کی؟ شیعوں کی معتبر کتاب ناسخ التواریخ جلد ۲ کتاب دوم صفحہ ۴۴۹ پر لکھا ہے:۔ "ثُمَّ مَدَّ يَدَهٗ فَبَايَعَ"

یعنی حضرت علیؓ نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا کر حضرت ابوبکرؓ کی بعیت کی۔ اگر کہو کہ انہوں نے "تقیہ" کر کے بباعث خوف بیعت کی تو اوّل تو یہ حضرت علیؓ جیسے "اَشْجَعُ النَّاسِ" "فَاتِحِ خَيْبَرْ" اور "شیرِ خدا" کی شان کے خلاف ہے۔ دوسرے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ایک "فاسق۔ غاصب اور خائن" کی مجبوراً بیعت کر لینا ایک مستحسن فعل تھا تو پھر حضرت امام حسینؓ نے اپنے جلیل القدر والد کی اس اچھی سنت پر عمل کر کے کیوں یزید کی بیعت نہ کی۔ اپنی اور خاندانِ نبوت کے بیسیوں معصوموں کی جانیں

کیوں قربان کروا ڈالیں؟ حالانکہ جہاں تک شجاعت اور مردانگی کا سوال ہے اس کے لحاظ سے اگر اس قسم کی کمزوری دکھانا ممکن ہو سکتا تھا تو امام حسینؓ کے لئے ممکن ہو سکتا نہ کہ حضرت علیؓ کے لئے پس ثابت ہے کہ چونکہ حضرت امام حسینؓ کے نزدیک یزید خلیفہ برحق نہ تھا اس لئے انہوں نے جان دے دی لیکن ایسے شخص کی بیعت نہ کی لیکن چونکہ حضرت علیؓ کے نزدیک حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ خلفائے برحق تھے اس لئے انہوں نے انکی بیعت کر لی۔

دلائل و مطاعنِ شیعہ کا جواب

شیعہ۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (مائدۃ: ۵۶) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے حضرت علیؓ مراد ہیں۔ لہٰذا وہ خلیفہ بلافصل ہوتے؟

الجواب ۱۔ اِنَّمَا کلمہ حصر ہے۔ اگر وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علیؓ ہوں۔ تو شیعوں کے باقی ائمہ کی امامت باطل ہوتی۔ کیونکہ پھر سوائے اللہ رسول اور علیؓ کے کسی اور کی امامت ممتنع ہو جائیگی۔

۲۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جمع کا صیغہ ہے۔ اس سے علیؓ (واحد) مراد نہیں لیا جا سکتا۔ (۳) اس کے آگے ہے يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ حضرت علیؓ کا زکوٰۃ دینا ثابت نہیں۔ (۴) وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مراد اگر حضرت علیؓ ہوں تو اس کے آگے اُن کے ساتھ دوستی کرنے والے گروہ کو غالب قرار دیا گیا ہے۔ مگر بقولِ شما علیؓ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔

۵۔ اہلِ سنت کی تفاسیر میں جہاں وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے مُراد حضرت علیؓ کو لکھا گیا ہے وہاں علماء اہلِ سنت نے شیعوں کا قول نقل کر کے اس کے آگے اس کی تردید کی ہے۔ پس وہ تمہارے لئے دلیل نہیں ہو سکتی (دیکھو الفوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعۃ مصنفہ امام شوکانی صفحہ ۱۰۴) فَاِنَّ ذَالِكَ مَوْضُوْعٌ بِلَا خَوْفٍ" کہ یہ روایات بلاشبہ وضعی ہیں۔

۶۔ لفظ "ولی" دوست۔ ناصر اور حاکم کے معنوں میں مشترک ہے اس کے معنے صرف حاکم لینا حُجت نہیں ہو سکتا۔ جب تک اس کے لئے دلیل نہ دی جائے۔ (۷) اس آیت میں "ولی" کے معنے محب و ناصر کے ہیں کیونکہ اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود اور نصاریٰ کی دوستی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور اس کے بعد اس آیت میں اللہ رسول اور مومنوں کو دوست بنانے کی تلقین کی گئی ہے (۸) یہ آیت اصحاب ثلاثہ پر صادق آتی ہے۔ کیونکہ اس آیت سے پہلی آیت میں يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ (مائدۃ: ۵۵) ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم میں سے کوئی مُرتد ہو جائے تو خدا ایک اور قوم کو لائے گا وغیرہ۔ آنحضرتؐ کی وفات "پر ظہور عرب" جو ہوا یعنی تمام عرب والے مُرتد ہو گئے ان کو حضرت ابوبکرؓ اور انکے اصحاب کے سوا اور کون مسلمان بنانے والا ہوا۔

۹۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے دوستی رکھنے والوں کو خُدا نے غالب گروہ قرار دیا ہے اور وہ اصحاب ثلاثہ اور اُن کے اصحاب ہیں۔

شیعہ :۔ "مَنْ کُنْتُ مَوْلَاہُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاہُ ۔" (الترمذی کتاب المناقب۔ مناقب علیؓ۔ ۱۹)

جواب ۱۔ اس حدیث کا ترجمہ یہ ہے ۔ "جو مجھ سے محبت کرے وہ علیؓ سے بھی محبت کرے" یا جس سے مَیں محبت کرتا ہوں۔ علیؓ بھی اس سے محبت کرتا ہے ۔"

"مولا" ظرف ہے جس کے معنی محلِ محبت کے ہیں ۔

۲۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی کے سامنے اعلان کیا تو اس کے دو تین ماہ ہی بعد آنحضرت صلعم کی وفات کے دن وہ ایک لاکھ چوبیس ہزار صحابی کہاں گئے تھے ؟ ان میں سے ایک بھی تو خلافت کے لئے حضرت علیؓ کا نام نہیں لیتا ۔ (۳) حضرت علیؓ بھی اپنی خلافت کے لئے اس حدیث کو پیش نہیں کرتے ۔ (۴) یہاں تک کہ جب حضرت عثمانؓ کی وفات پر حضرت علیؓ خلیفہ منتخب ہوتے تو حضرت معاویہ نے انکار کیا۔ حضرت علیؓ نے اپنی خلافت منوانے کے لئے متعدد دلائل دیئے مگر خم غدیر کے واقعہ کا کہیں ذکر نہیں کیا لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ بعد کی اختراع ہے ۔

(شیعہ) "اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُہَا ۔"

جواب ۱۔ (۱) یہ حدیث ضعیف ہے ۔ دیکھو (ترمذی جلد ۲ کتاب المناقب باب مناقب علی)

۲۔ اس حدیث کے متعلق لکھا ہے :۔

"ذَکَرَہُ ابْنُ الْجَوْزِیِّ فِی الْمَوْضُوْعَاتِ مِنْ عِدَّۃِ طُرُقٍ وَجَزَمَ بِبُطْلَانِ الْکُلِّ ۔"

(اللمعات برحاشیہ مشکوٰۃ مطبوعہ اصح المطابع دہلی صفحہ ۵۶۴) اس حدیث کو ابن جوزی نے متعدد طرق سے روایت کر کے موضوع قرار دیا ہے۔ نیز اس کے سب طریقوں کو باطل قرار دیا ہے۔

(نیز دیکھو فوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ مصنفہ امام شوکانی مطبوعہ محمدی پریس لاہور صفحہ ۱۱۸)

۳۔ اس کا ترجمہ ہے ۔ "مَیں علم کا شہر ہوں اور اس کا دروازہ بہت بلند ہے" کہاں ہے ذکر علیؓ ؟ (۴) ایک دروازہ والا بھی شہر ہوا ہے ؟ ہاں جیل خانے اور کوٹھڑی کا ایک دروازہ ہوتا ہے ۔ شہر کے کم از کم چار دروازے ہونے چاہئیں ۔ ہمارے نزدیک آنحضرت صلعم علم کا شہر ہیں اور ابوبکر و عمر و عثمان و علی رضی اللہ عنہم اس شہر کے چار دروازے ہیں حضرت علیؓ بھی ان میں سے ایک ہیں ۔ یاد رہے کہ مندرجہ بالا حدیث میں ایک دروازے کا حصر نہیں ۔

۵ ۔ خود حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا ۔ اِنَّکَ لَتَعْلَمُ مَا نَعْلَمُ (نہج البلاغہ مشہدی صفحہ ۱۱۲) کہ اے عثمان ! تو اتنا ہی عالم ہے جتنا میں ۔ پس حضرت عثمانؓ کی حضرت علیؓ سے مساوات علمی ثابت ہے ۔ اگر وہ علم کا دروازہ ہیں تو حضرت عثمانؓ بھی بوجہ مساوات علمی رکھنے کے علم کا دروازہ ہوئے

شیعہ : ۔ حضرت علیؓ کے لئے رجعتِ شمس کا معجزہ ظاہر ہوا اور یہ انکی فضیلت کی دلیل ہے ۔

جواب ۱ ۔ رجعتِ شمس والی روایت سراسر جعلی اور موضوع ہے ۔

(ملاحظہ ہو موضوعات کبیر ملّا علی قاری صفحہ ۸۹) نیز الفوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ مصنفہ امام شوکانی مطبوعہ محمدی پریس لاہور صفحہ ۱۱۸ و صفحہ ۱۱۹)

شیعہ:- "حدیث طیر" سے حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ خُدایا! اس آدمی کو بھیج دے جو تمام انسانوں میں سے تجھے سب سے زیادہ محبوب ہو تاکہ وہ میرے ہمراہ اس پرندے کا گوشت کھائے۔ تو حضرت علیؓ تشریف لے آئے۔

جواب:- یہ روایت بھی سراسر جعلی ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:-

لَهُ طُرُقٌ كَثِيْرَةٌ كُلُّهَا ضَعِيْفَةٌ وَقَدْ ذَكَرَهُ ابْنُ الْجَوْزِيُّ فِي الْمَوْضُوْعَاتِ (الفوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ ص۱۲۹) کہ یہ روایت جتنے طریقوں سے مروی ہے وہ سب ضعیف ہیں اور ابن جوزی نے کہا ہے کہ یہ روایت وضعی یعنی جعلی ہے۔

حضرت عثمانؓ کا جنازہ

اعتراض شیعہ:- حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا جنازہ نہیں پڑھا۔

جواب:- غلط ہے حضرت عثمانؓ کے جنازے پر حضرت علیؓ حاضر ہوئے۔ چنانچہ لکھا ہے:-

۱- وَقِيْلَ شَهِدَ جَنَازَتَهُ عَلِيٌّ وَطَلْحَةُ وَزَيْدُ ابْنُ ثَابِتٍ وَكَعْبُ ابْنُ مَالِكٍ (کامل ابن اثیر جلد ۳ ص۷۶) کہ حضرت عثمانؓ کے جنازہ پر حضرت علیؓ، طلحہؓ، زید بن ثابت اور کعب بن مالک رضی اللہ عنہم حاضر ہوئے۔

۲- اسی طرح شیعوں کی ناسخ التواریخ میں ہے:-

"حسن بن علی یا عبداللہ بن زبیر و ابوجہم بن حذیفہ و چند تن جسد اُورا بر تختہ پارہ نہادند ..... و حشن نام بستان است در آنجا خاک سپردند۔" (ناسخ التواریخ کتاب دوم جلد ۲ ص۴۳۳)

گویا حضرت علیؓ نے حضرت عثمانؓ کا جنازہ بوساطت امام حسنؓ کرایا۔ یاد رہے کہ جنازہ پڑھنا فرض کفایہ ہے) نیز جو امر حضرت علیؓ کو (بقول شما) جنازہ پڑھنے سے مانع تھا وہ حضرت حسنؓ کو کیوں مانع نہ ہوا۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا جنگ سے بھاگنا

اعتراض شیعہ:- حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ جنگ سے بھاگے۔

جواب ۱- غلط ہے۔ طبری میں ہے:-

وَنَهَضَ نَحْوَ الشِّعْبِ مَعَهُ عَلِيُّ ابْنُ اَبِيْ طَالِبٍ وَاَبُوْبَكْرِ ابْنُ اَبِيْ قُحَافَةَ وَعُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ۔ (طبری مطبوعہ یورپ جلد ۳ ص۱۴۰۷) اور گھاٹی کے پاس آنحضرت صلعم کے ساتھ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کھڑے (دشمن کے ساتھ) مقابلہ کرتے رہے۔

۲- عَنْ اَبِيْ بَكْرٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ اُحُدٍ انْصَرَفَ كُلُّهُمْ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَكُنْتُ اَوَّلَ مَنْ فَاءَ (تاریخ الخلفاء ص۳۵) حضرت ابوبکرؓ فرماتے ہیں کہ اُحد کے دن جب

آنحضرت صلعم کے پاس سے سب لوگ اِدھر اُدھر چلے گئے تو سب سے پہلے مَیں آپ کے پاس پہنچا۔

۳۔ وَ مِمَّنْ ثَبَتَ مَعَهٗ مِنَ الْمُهَاجِرِیْنَ اَلْوُبَکْرٍ وَ عُمَرُ۔ (تاریخ طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۶۰ مطبوعہ لندن) کہ جنگ حنین میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ آنحضرتؐ کے ساتھ ثابت قدم رہے۔

۴۔ وثَبَتَ (اَلُوْبَکْرٍ) یَوْمَ اُحُدٍ وَیَوْمَ حُنَیْنٍ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۴) کہ حضرت ابوبکرؓ جنگِ اُحد اور حُنین میں ثابت قدم رہے۔

۵۔ اسی طرح جنگ خیبر کے متعلق لکھا ہے:۔

وَ اِنَّ اَبَا بَکْرٍ اَخَذَ رَاْیَةَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ثُمَّ نَهَضَ فَقَاتَلَ قِتَالاً شَدِیْدًا ثُمَّ رَجَعَ فَاَخَذَهَا عُمَرُ فَقَاتَلَ قِتَالاً شَدِیْدًا هُوَ اَشَدُّ مِنَ الْقِتَالِ الْاَوَّلِ (طبری جلد ۳ صفحہ ۱۵۸۰ مطبوعہ لندن) کہ (جب آنحضرتؐ بیمار ہوگئے تو) حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ نے یکے بعد دیگرے آنحضرتؐ کا جھنڈا لیکر ایک دوسرے سے بڑھ کر کفار سے جنگ کی۔

۶۔ اسی طرح تاریخ الخلفاء میں حضرت ابوبکرؓ کے متعلق حضرت علیؓ کی شہادت موجود ہے۔

فَوَاللّٰهِ مَادَنٰی مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا اَبُوْبَکْرٍ شَاهِرًا بِالسَّیْفِ عَلٰی رَاْسِ رَسُوْلِ اللّٰهِ فَهُوَ اَشْجَعُ النَّاسِ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۲۵) کہ خدا کی قسم! حضرت ابوبکرؓ کے سوا اور کوئی ہم میں سے آنحضرتؐ کے قریب نہیں ہوا۔ حضرت ابوبکرؓ تلوار سونت کر آنحضرتؐ کے سر پر پہرہ دے رہے تھے۔ پس آپ سب سے زیادہ شجاع تھے۔

پس کتب اہلِ سنّت سے اصحابِ ثلاثہ کا جنگوں کے موقع پر ثابت قدم رہنا ثابت ہے۔ اس لئے اہلِ سنت کے بالمقابل یہ طعن کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ باقی رہیں اہلِ شیعہ کی روایات۔ سو وہ حجت نہیں!

حضرت عمرؓ کا اپنے مُردہ بیٹے کو کوڑے لگوانا

اعتراض شیعہ:۔ حضرت عمرؓ نعوذ باللہ اسقدر سخت دل تھے کہ انہوں نے اپنے ایک بیٹے ابوشحمہ نامی کو شراب پینے کے جُرم میں کوڑے لگوائے، اور جب وہ کوڑوں کی مقررہ تعداد کے پورا ہونے سے پہلے مرگیا تو آپ نے اس کی لاش پر کوڑے لگوانے کا حکم دیا۔

جواب:۔ یہ روایت سراسر جعلی اور موضوع ہے:۔

اِنَّ عُمَرَ اَقَامَ الْحَدَّ عَلٰی وَلَدٍ لَهٗ یُکْنٰی اَبَا شُحْمَةٍ بَعْدَ مَوْتِهٖ فِیْ قِصَّةٍ طَوِیْلَةٍ مَوْضُوْعَةٌ۔ (الفوائد المجموعة فی الاحادیث الموضوعة۔ مصنفہ امام شوکانی مطبع محمدی صفحہ ۶۹) کہ حضرت عمرؓ کے بارے میں وہ طویل قصہ جس میں یہ کہا گیا ہے کہ آپ نے اپنے ایک بیٹے کو جس کی کنیت ابوشحمہ تھی اس کے مرجانے کے بعد بھی کوڑے لگوائے، وضعی ہے۔

باغِ فدک

اعتراض ۱:۔ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو آنحضرتؐ کے ترکہ سے کچھ نہ دیا۔ حالانکہ حضرت ابوبکرؓ کے لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ والی حدیث کے پیش کرنے پر حضرت فاطمہؓ نے قرآن کی آیت پیش کی کہ "یُوْصِیْکُمُ اللّٰہُ فِیْٓ اَوْلَادِکُمْ لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ ۚ۔ (النساء ۱۲)

جواب ۱:۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے ضد سے ایسا نہیں کیا کیونکہ انہوں نے آنحضرتؐ سے حدیث سُنی ہوئی تھی اور قرآن کریم کو آنحضرتؐ ہی زیادہ سمجھتے تھے۔

جواب ۲:۔ اگر حضرت فاطمہؓ سے ضد تھی تو دیگر ازواج مطہرات اور خصوصاً اپنی لڑکی حضرت عائشہؓ کو وراثت دیتے، لیکن انہوں نے اس لیے نہ مانگی کہ انکو مندرجہ بالا حدیث مانع تھی۔ اگر یہ کہیں کہ انکو اس لیے نہ دی کہ حضرت فاطمہؓ دعویٰ نہ کر بیٹھیں۔ تو وہ تو بہت جلد فوت ہو گئیں، بعد ان کے دے دیتے، مگر ایسا نہ کیا۔

جواب ۳:۔ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ (بخاری کتاب الخمس۔ کتاب فضائل اصحاب النبیؐ۔ کتاب الفرائض۔ کتاب المغازی۔ مسند احمد بن حنبلؒ ۔ ۲ ۔ ۴۶۳) والی حدیث شیعوں کے نزدیک بھی درست ہے چنانچہ اسی مفہوم کی حدیث شیعوں کی کتاب (الاصول الکافی کتاب فرض العلم باب صفۃ العلم وفضلہ و فضل العلماء صـ۱۷ مطبوعہ نولکشور) میں محمد بن یعقوب راوی نے ابی البختری سے وہ ابوعبداللہ جعفر بن صادق سے روایت کرتے ہیں:۔

"اِنَّ الْعُلَمَآءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ وَ ذٰلِکَ اِنَّ الْاَنْبِیَآءَ لَمْ یُوْرِثُوْا فِیْ نُسْخَۃٍ لَمْ یَرِثُوْا دِرْھَمًا وَلَا دِیْنَارًا وَ اِنَّمَا اُوْرِثُوْا اَحَادِیْثَ مِنْ اَحَادِیْثِھِمْ فَمَنْ اَخَذَ بِشَیْءٍ مِنْھَا فَقَدْ اَخَذَ بِحَظٍّ وَافِرٍ" کہ علماء نبیوں کے وارث ہیں اور یہ اس لئے ہے کہ انبیاء نے وراثت نہیں چھوڑی۔ اور ایک نسخہ میں ہے: "نہ وارث ہوئے کسی درہم یا دینار کے بلکہ وارث کئے گئے ان کے کلام میں سے کلام کے۔ اور اگر اس میں سے کسی نے کچھ لیا تو اس نے بہت بڑا حصہ لیا۔ (نیز دیکھیں "منار الہدیٰ" از شیخ علی البحرانی صـ۲۳۲ باب منع فاطمۃ المیراث)

جواب ۴:۔ اگر حضرت ابوبکرؓ نے مذکورۃ الصدر حدیث آنحضرتؐ کے منہ سے نہیں سُنی تھی تو انکو حضرت فاطمہؓ کو ورثہ سے محروم کرنے سے کیا فائدہ تھا۔ کیا حضرت ابوبکرؓ نے وہ زمین خود لے لی یا اپنے خاندان کو دیدی۔ اگر ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکرؓ کا مقصد سوائے شریعت کے حکم کو پورا کرنے کے اور کچھ نہ تھا۔

جواب ۵:۔ اگر حضرت فاطمہؓ کو انہوں نے اس حدیث کی وجہ سے محروم کیا تو اس وجہ سے اپنی اور اپنے دوست حضرت عمرؓ کی بیٹی کو بھی محروم کیا۔

جواب ۶:۔ جب حضرت علیؓ خود خلیفہ ہوئے تو کیوں انہوں نے حضرت فاطمہؓ کی اولاد (حضرت امام حسنؓ و

حسینؓ) کو آنحضرتؐ کا ورثہ نہ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کے نزدیک بھی آنحضرتؐ کا ورثہ قابلِ تقسیم نہ تھا۔ اگر حضرت ابوبکرؓ اس واسطے غاصب ہیں کہ انہوں نے حضرت فاطمہؓ کو فدک کا حصہ نہ دیا تو بعینہٖ حضرت علیؓ بھی ایسے ہی غاصب ہیں۔

اعتراض ۲۷ :۔ آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؓ کے واسطے فدک کی وصیت کی مگر حضرت ابوبکرؓ نے بخلاف وصیت حضرت فاطمہؓ کو فدک پر تصرف نہ دیا۔ حضرت فاطمہؓ سخت ناراض ہوئیں حالانکہ آنحضرتؐ نے فرمایا ہے۔ مَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ (البخاری کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب مناقب فاطمہ رضی اللہ عنہا جزء ۵ مصری صفحہ ۳۶) یعنی جس نے فاطمہؓ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا۔

جواب ۱۔ شیعہ لوگ اسبات کو تسلیم کرتے ہیں کہ صرف حضرت ابوبکرؓ نے اس وصیت اور ہبہ نامہ کو جاری نہ فرمایا۔ بلکہ حضرت علیؓ نے بھی جاری نہ فرمایا تھا۔ ہم دریافت کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے تو اس واسطے اس کا اجراء نہ فرمایا کہ انکو یہ حدیث معلوم تھی کہ آنحضرتؐ نے فرمایا جو ہم چھوڑیں گے وہ صدقہ ہوگا لیکن پھر حضرت علیؓ نے اپنی چند روزہ خلافت میں کیوں اس کو جاری نہ کیا؟ پس معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کو بھی یہ روایت پہنچ چکی تھی اور وہ اس کو درست تسلیم کرتے تھے اسی واسطے آپ نے بھی اس کو ویسے ہی رکھا جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر، عمر، عثمان رضی اللہ عنہم کے عہد میں چلی آتی تھی۔

باقی ناراضگی کے متعلق یہ ہے کہ یہ الفاظ آپ نے اس وقت فرمائے تھے جب حضرت علیؓ نے ابوجہل کی لڑکی سے شادی کرنے کا ارادہ کیا اور حضرت فاطمہؓ حضورؐ کے پاس روتی ہوئی آئیں۔ آپ نے اس وقت کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں آپ نے فرمایا۔

اَلَا اِنَّ فَاطِمَةَ بِضْعَةٌ مِّنِّیْ یُؤْذِیْنِیْ مَا اٰذَاهَا وَ یُرِیْبُنِیْ مَا اَرَابَهَا فَمَنْ اَغْضَبَهَا اَغْضَبَنِیْ (بخاری کتاب النکاح باب ذَبّ الرجل اِبْنَتَهٗ فی الغیرۃ والانصاف جزء ۶ مصری صفحہ ۱۵۸ ومسلم کتاب فضائلِ صحابہ باب فضیلت فاطمہ رضی اللہ عنہا۔ ابوداؤد کتاب النکاح باب الغیرۃ۔ ترمذی المناقب باب فضیلت فاطمہ رضی اللہ عنہا) یعنی فاطمہ میرا ایک ٹکڑا ہے اگر اسے تکلیف ہوئی تو مجھے بھی ہوئی۔ پس جس نے اس کو ناراض کیا اس نے گویا مجھے بھی ناراض کیا۔

حدیث میں آپ نے ماضی کا صیغہ استعمال کیا کہ جس نے فاطمہؓ کو ناراض کیا اس نے گویا مجھے ناراض کیا اور صاف ظاہر ہے کہ اس وقت سے پہلے صرف حضرت علیؓ کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کو تکلیف پہنچی تھی کہ جس کے باعث آنحضرتؐ کو بھی تکلیف پہنچی اور آپ نے اس تکلیف کی شدت میں ایک خطبہ پڑھا جس میں پہلے مورد حضرت علیؓ ہی ہیں، حضرت ابوبکرؓ سے اگر وہ ایک بات پر جو واقعہ میں حق تھی ناراض ہوگئیں تو آپ اس حدیث کے نیچے نہیں آسکتے کیونکہ یہ بعد کا واقعہ ہے اور آپؐ نے یہ قانون نہیں باندھا بلکہ ایک خاص واقعہ پر فرمایا تھا

کہ فاطمہؓ کو جس نے تکلیف دی ہے اس نے مجھے بھی تکلیف دی ہے۔

جواب ۲۔ کتاب نہج البلاغۃ میں شیخ ابن مطہر نے ایک بات کی جس سے تمام جھگڑے دُور ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے:۔

"اِنَّہٗ لَمَّا وَعَظَتْ فَاطِمَۃُ اَبَا بَکْرٍ فِیْ فِدْلِکٍ کَتَبَ لَھَا کِتَابًا وَ رَدَّ عَلَیْھَا" یعنی جب فاطمہ نے ابوبکر کو فدک کے معاملہ میں بہت نصیحت وغیرہ کی تو انہوں نے اسکو نوشتہ لکھدیا یعنی فدک اس کو دیدیا۔ اگر یہ روایت درست ہے، تو پھر حضرت ابوبکرؓ پر طعن کا کوئی موقع ہی نہ رہا۔

فَاَقْسَمَ عَلَیْھَا لِتَرْضٰی فَرَضِیَتْ (تاریخ الخمیس جلد ۲ صفحہ ۱۹۳ مطبوعہ مصر) کہ حضرت فاطمہؓ کو راضی ہونے کے لئے قسم دی گئی۔ پس وہ راضی ہو گئیں۔

"فَمَشٰی اِلَیْھَا اَبُوْ بَکْرٍ بَعْدَ ذٰلِکَ وَشَفَعَ لِعُمَرَ وَ طَلَبَ اِلَیْھَا فَرَضِیَتْ عَنْہُ" (شرح نہج البلاغۃ جلد ۱ جزو ۲ صفحہ ۵۷)

کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت فاطمہؓ کے ہاں گئے اور حضرت عمرؓ کی سفارش کی۔ چنانچہ حضرت فاطمہؓ حضرت عمر سے بھی راضی ہو گئیں۔

پھر آیت" مَآ اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی فَلِلّٰہِ وَ لِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَ الْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَآءِ مِنْکُمْ وَ مَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَ مَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۔ (الحشر: ۸)

ترجمہ:۔ جو پہنچایا اللہ نے اپنے رسول کو ان بستی والوں میں سے پس اللہ اور رسول اور قرابت والوں اور یتیموں اور فقیروں اور مسافروں کے لئے ہے کہ نہ ہووے ہاتھوں ہاتھ لینا درمیان دولتمندوں کے تم میں سے اور جو کچھ دے تمکو رسول اسے لے لو اور جو منع کرے تم کو باز رہو۔ اور ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ سخت عذاب کرنیوالا ہے۔

اس سے ظاہر ہے کہ فدک کے مال میں کتنے حصّہ دار تھے۔ یہ باغِ فدک مال فَئے میں سے تھا اور مال فَئے میں" رسول" کا حصّہ تو ہے۔ مگر" محمدؐ" کا نہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق باغِ فدک سے حضورؐ کی ذاتی حیثیت میں نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب رسالت کے باعث تھا۔ پھر اس میں وراثت کا کیا سوال ؟

تردید دلائل تقیہ

تقیہ کی تعریف از کتب شیعہ

" جو مومن بہ اطمینانِ قلب موافق شرع کے رہ کر بخوفِ دشمنِ دین فقط ظاہر میں موافقت کرے دشمنِ دین کی، تو دیندار، ممدوح و متقی ہے۔" (قولِ فیصل مصنفہ مرزا رضا علی ص۳)

قولہٗ :- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تقیہ کیا جبکہ صلح حدیبیہ میں رسول اللہ اور بسم اللہ کا لفظ کاٹ دیا۔

{ بخاری کتاب الصلح باب کیف یکتب ھٰذا ما صالح فلان بن فلان
مسلم " " " " " " " " }

اَقُول :- یہ تقیہ نہیں بلکہ درحقیقت ایسا ہی ہونا چاہیئے تھا کیونکہ بوجہ معاہدہ فریقین دونوں فریقوں کا لحاظ ہونا تھا اس واسطے آپؐ نے کفار کا لحاظ رکھتے ہوئے بسم اللہ کی بجائے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ (احمد بن حنبل مصری جلد ۱ صفحہ ۸۶) لکھوایا۔ اور آپ نے یہ انکار نہیں کیا کہ میں رسول اللہ نہیں ہوں، بلکہ اقرار کیا ہے اور فرمایا تھا کہ " اَنَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ (بخاری کتاب الصلح)

قَولُہٗ :- اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِيْمَانِ الخ (النحل : ۱۰۷) کہ کافر کے غلبہ کے وقت تقیہ جائز ہے۔

اقول : جواب نمبر ۱ : کفر دو قسم کا ہے۔ (۱) عقائد (۲) اعمال۔ عقائد۔ انسان کے دل کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان میں اکراہ ممکن نہیں کیونکہ کسی کے عقائد کو کوئی دوسرا شخص جبراً نہیں بدل سکتا کیونکہ جبر اور اکراہ کے معنی تو یہ ہیں کہ " قوت فیصلہ" کو معطل کر دیا جائے۔ عقائد میں اکراہ اس لئے ممکن نہیں کہ ان کے بدلنے یا نہ بدلنے میں بہر حال قوتِ فیصلہ کا دخل ہوتا ہے۔ مثلاً زید اللہ تعالےٰ کی ہستی کا قائل ہے۔ بکر اسکو کہتا ہے کہ اگر تم خدا کا انکار نہ کروگے تو میں تمہیں قتل کر دوں گا۔ اب زید کو دو چیزوں کے درمیان فیصلہ کرنا ہے۔ یا تو خدا کی ہستی پر ایمان کو مقدم کرے یا اپنی زندگی کو۔ اگر وہ اپنی زندگی کو مقدم کر کے خدا کی ہستی کا انکار کر دیتا ہے تو وہ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ میں نہیں آتا کیونکہ یہ انکار اس کی " قوتِ فیصلہ" کے استعمال کے نتیجہ میں ظاہر ہوا ہے۔

کُفر کی دوسری قسم اعمال کے متعلق ہے اور اس میں " جبر اور اکراہ" کئی صورتوں میں ممکن ہے۔ یعنی ہو سکتا ہے کہ کسی شخص سے جبراً بعض ایسے اعمال سرزد کرائے جائیں جن میں اس کی قوتِ فیصلہ کا ایک ذرہ بھی دخل نہ ہو۔ مثلاً اگر زید و بکر او عمر پکڑ کر خالد کو جبراً شراب پلانا چاہیں یا اور کسی ناجائز فعل کا ارتکاب کرانا چاہیں تو گو خالد اس سے بچنے کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے کے لئے تیار ہو پھر بھی ممکن ہے کہ اسے لِٹا کر جبراً شراب اس کے مُنہ میں ڈالدی جائے۔ اب اس طریق پر

شراب پینے میں خالد کے ارادہ اور اسکی قوتِ فیصلہ کا ذرہ بھی دخل نہیں یوں تو شراب پینا یا زنا کرنا ایمان کے خلاف ہیں مگر مندرجہ بالا طریق پر انکا ارتکاب کرایا جانا یقیناً اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ کے تحت آتا ہے کیونکہ وہ باوجود اپنے کامل طور پر مصمم اور غیر متزلزل ارادہ کے اس سے بچ نہ سکا، لیکن کسی شخص کی زبان کو کوئی دوسرا شخص زبردستی پکڑ کر چلا نہیں سکتا کہ وہ اپنے عقائد کے خلاف کہے مگر اعمال کا صُدور جیسا کہ اوپر بیان ہوا ہے بعض اوقات جبراً کرایا جا سکتا ہے پس آیت مندرجہ بالا میں لفظ ایمان کفر کے بالمقابل ہے، اور کُفر کے معنی زبانی انکار ہی کے نہیں بلکہ اعمال کے رنگ میں بھی نافرمانی کے ہیں۔ جیسا کہ لغت میں ہے:-

"اَکْفَرَ لَزِمَ الْکُفْرَ وَ الْعِصْیَانَ بَعْدَ الطَّاعَةِ وَ الْاِیْمَانِ" (المنجد ص۴۹ زیر لفظ کفر) اس نے کفر کیا۔ یعنی کفر اور عصیان سے وابستہ ہوا فرمانبرداری اور ایمان کے بعد۔
گویا لفظِ کفر میں ہر قسم کا عصیان داخل ہے۔

ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں کہ "عقائد" کے متعلق "اکراہ" کیا ہی نہیں جا سکتا جو عقائد کے تبدیل کرانے کے لئے کسی شخص پر کیا جائے کیونکہ ایسی حالت میں دو مشکل راہوں میں سے ایک کو دوسری پر مقدم کرنے کا فیصلہ خود اس شخص کے ہاتھ میں ہوتا ہے جس پر جبر کیا جائے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ "ایمان" کے مقابلہ میں "جان" کی کوئی قیمت نہیں۔ پس جو شخص "جان" کے خوف سے "ایمان" کو چھوڑنے کا فیصلہ کرتا ہے یعنی بجائے دین کو دُنیا پر مقدم کرنے کے دُنیا کو دین پر مقدم کرتا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے یہ فیصلہ "اکراہ" کے ماتحت کیا ہے کیونکہ اکراہ تو اس صورت میں ہوتا جب وہ یہ کہہ سکتا کہ یہ جو کچھ ہوا میرے "فیصلہ" سے نہیں ہوا۔ ہاں بعض "اعمال" ایسے رنگ میں دوسرے شخص سے جبراً سرزد کرائے جا سکتے ہیں جن میں اس کے اپنے فیصلہ کا دخل نہ ہو۔ جیسا کہ اوپر مثال دی گئی ہے پس شیعوں کا تقیہ اس آیت سے ہرگز نہیں نکل سکتا کیونکہ وہ اعمال کے متعلق اس رنگ میں استثناء نہیں مانتے جس رنگ میں اوپر بیان ہوا بلکہ وہ عقائد کو کسی کے خوف سے چھپانے اور اس کے خلاف کہنے کا نام "تقیہ" کہتے ہیں۔

جواب نمبر ۲:- اگر عقائد کو اس طریق پر چھپانے کی اجازت مل جائے تو کسی نبی کی جماعت بھی ترقی نہ کر سکتی۔ اگر اس رنگ میں تقیہ جائز ہوتا تو حضرت علی، حضرت ابوبکر، حضرت بلال وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین صحابہ کرام جن کو محض اسلام لانے کی وجہ سے سخت تکالیف اور مصائب کا مقابلہ کرنا پڑا ضرور اس سے فائدہ اُٹھاتے اور اگر وہ ایسا کرتے تو پھر مسلمان کون ہوتا؟ پس ان بزرگوں کا انتہائی مصیبتیں اُٹھا کر بھی انکار نہ کرنا صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ انکے نزدیک "عقائد" کے متعلق "اکراہ" ممکن نہ تھا اور یہ کہ ڈر کر عقائد کو تبدیل کرنا اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ کی استثناء میں نہیں آتا۔

جواب نمبر ۳:- تقیہ کے متعلق ایک نہایت ضروری سوال ہے اور وہ یہ کہ
"تقیہ کرنا اچھا ہے یا بُرا"

اگر کہو بُرا تو (۱) یہ عقائد شیعہ کے خلاف (۲) حضرت علیؓ نے کیوں کیا (بقول شما) اگر کہو "اچھا" تو حضرت امام حسینؓ نے یزید کے بالمقابل کیوں نہ کیا؟

جواب نمبر ۴ :- اللہ تعالیٰ نے جو "اکراہ" اور جبر کے نتیجہ میں استثناء بیان فرمائی ہے جس کی تفصیل جواب نمبر ۱ میں بیان ہو چکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھی مستحسن قرار نہیں دیا، بلکہ اسے بھی ایک قسم کا گناہ ہی قرار دیا ہے جیسا کہ اس کے آگے ہی فرمایا ہے ۔ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النحل : ۱۱۱) کہ پھر اس اکراہ کے بعد تیرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔ پس معلوم ہوا کہ جو بعض اعمال اور افعال کے متعلق "جبر" اور "اکراہ" کے بارے میں استثناء ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو بخشش کے ماتحت رکھا ہے پس صاف طور پر ثابت ہے کہ یہ اکراہ اور جبر کی حالت اعلیٰ درجہ کے مومنوں کے متعلق نہیں۔ بلکہ عوام کے کمزور ایمان والوں کے متعلق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء اور خواص مقربین کی ملائکہ کے ذریعہ حفاظت کرتا ہے اس لیے کفار کو ان پر اس رنگ میں تصرف حاصل ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ جبراً از راہ "اکراہ" اعمال خلاف شریعت کا ارتکاب کرا سکیں۔

پس حضرت علیؓ جیسے عظیم الشان انسان کے متعلق یہ کہنا کہ انہوں نے اپنے مخالفین سے ڈر کر بیعت کر لی اور اپنے عقائد کے خلاف عقائد ظاہر کئے اور نعوذ باللہ جھوٹے، خائن اور غاصب خلفاء پر ایمان لے آئے، انتہائی طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ہتک ہے۔

جواب نمبر ۵ :- اگر فی الواقعہ حضرت علیؓ نے تقیہ کیا تھا (بقول شما) تو بعد میں انکو بطور احتجاج ہجرت کر کے خلفاء ثلاثہ کے خلاف جہاد کرنا چاہیئے تھا کہ جنہوں نے آپکو اپنی بیعت پر مجبور کیا تھا لیکن آپ نے ایسا نہیں کیا۔ ثابت ہوا کہ حضرت علیؓ نے کبھی تقیہ نہیں کیا۔ اور نہ ہی وہ اس کے قائل تھے۔ (خادم)

قولہٗ :- وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ ۖ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۔ (المومن : ۲۹) کہ آل فرعون میں سے ایک شخص حزقیل نامی نے تقیہ کیا۔ فرعون سے تو ود ممدوح خداوند ہوگیا۔ حالانکہ یہ تقیہ توحید خدا میں تھا۔ اور شیعہ کا تقیہ ولایت اور خلافت علیؓ میں تھا۔ تو اس سے بڑھ کر ممدوح خدا ہیں۔

اقول :- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے قتل کی دھمکی دی، حزقیل بول اٹھا۔ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا (المومن : ۲۹) تو اس وقت کیا حضرت موسیٰؑ نے تقیہ کیا؟ نہیں ہرگز نہیں۔ اس وقت بھی حضرت موسیٰؑ کو قتل کا خطرہ تھا اور اس وقت بھی انہوں نے تقیہ نہ کیا اور اگر تقیہ کوئی اچھی بات ہوتی تو حضرت موسیٰؑ بھی اسکو اختیار کرتے۔ اب رہا حزقیل تو اس نے زیادہ سے زیادہ کتم ایمان کیا نہ کہ تقیہ۔

کتم ایمان اور تقیہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗ (المومن ۲۹) کے یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ وہ آدمی اُس دن سے پہلے ایمان کو چھپاتا تھا اور اُس دن اگر اس نے

اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ تو اس نے اظہار ایمان کیا نہ کہ تقیہ اور یہ بھی اس کے معنی ہو سکتے ہیں کہ ایمان کی چنگاری ابھی تک مخفی تھی لیکن اسی وقت دربار میں حضرت موسیٰؑ کی تقریر و معجزات کے اثر کے ماتحت اس کے سینے میں ایمان کی چنگاری سُلگ اُٹھی اور جس وقت فرعون نے حضرت موسیٰؑ کو قتل کی دھمکی دی وہ فوراً بول اُٹھا کہ یہ ظلم ہے گویا اس نے اظہار ایمان کر دیا۔

قولہ:- جس طرح اللہ تعالیٰ اور حضرت ابراہیمؑ نے اصنامِ باطلہ کو الٰہ برحق تعبیر کیا اور فرمایا۔ فَرَاغَ اِلٰٓی اٰلِهَتِهِمْ (الصّٰفّٰت : ۹۱) اور ایسا کرنے میں الٰہ حق میں کوئی فرق نہ آیا۔ اسی طرح اگر امام حق نے مصلحتاً و شریعتاً خلیفۂ باطل کو خلیفہ یا امام کہا۔ تو نہ قائل کو کوئی ضرر ہے اور نہ خلیفہ باطل کو کوئی شرف حاصل ہوا۔ (قول فیصل مصنفہ مرزا رضا علی ص۱۲)

اقول:- اٰلِهَتِهِمْ میں هِمْ سے مراد وہ کافر ہیں جو اُن کو معبود سمجھتے تھے۔ تو یہ قیاس مع الفارق ہے کہ اٰلِهَتِهِمْ میں تو مشرک انکو معبود مانتے تھے۔ اب اگر حضرت علیؓ حضرت ابوبکرؓ کو امیر المومنین کہتے تھے تو آپ حضرت ابوبکرؓ کو حق مانتے تھے تو اس میں کوئی تقیہ نہیں۔ اگر کہو کہ آپ ان معنوں میں انہیں امیر المومنین کہتے تھے کہ آپ ان لوگوں کے خلیفہ تھے جو ان کی خلافت پر ایمان رکھتے تھے، تو اس صورت میں بھی آپ تقیہ نہ کرتے تھے، کیونکہ اُن کو خلیفہ برحق نہیں مانتے تھے۔ اور خلیفہ برحق نہ ماننے کی صورت میں تقیہ نہ رہا۔

۱۔ اگر حضرت علیؓ کا خلافتِ حضرت ابوبکرؓ سے لے کر حضرت عثمانؓ تک جو کہ ۲۵ سال کا عرصہ ہے کافر خلفاء کی بیعت کرنا اور ان کی اطاعت کرنا اور ان کو سچا خلیفہ ماننا بسبب تقیہ کے ہو سکتا ہے تو اگر کوئی خارجی یہ کہے کہ حضرت علیؓ کا ۲۰ برس تک رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا بھی تقیہ کے سبب سے ہے تو جو جواب اس کا شیعہ دیں گے وہی جواب ہمارا بھی ہو گا۔ پس تقیہ ماننے کی صورت میں دلیل اسلام حضرت علیؓ کی اُڑ جائے گی۔

۲۔ یہ طبعی قاعدہ ہے کہ ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں کسی کا بغض ہو لیکن ظاہر میں اس سے محبت کرے اور تعظیم سے پیش آئے تو آہستہ آہستہ وہ بغض دور ہو جائے گا۔ یہی حال ایمان کا ہے اگر اس کے مطابق نیک عمل نہ کیا جائے تو وہ آہستہ آہستہ دل سے مفقود ہو جاتا ہے۔ پس تقیہ اس لئے ناجائز ہوا کہ اس پر عمل کرنے کی صورت میں ایمان کے جاتے رہنے کا اندیشہ ہے۔

۳۔ عقلاً کفر اور ایمان کے بارے میں چار گروہ ہو سکتے ہیں:-

الف۔ دل میں اور ظاہر میں دونوں میں ایمان ہو۔

ب۔ دل میں کفر اور ظاہر میں بھی کفر۔

ج۔ دل میں کفر اور ظاہر میں ایمان۔

د۔ دل میں ایمان مگر ظاہر میں کفر۔

قرآن شریف نے پہلے تینوں گروہوں کا ذکر کیا ہے مگر چوتھا گروہ کہ دل میں ایمان اور ظاہر میں کفر ہو کا ذکر نہیں کیا۔ اس لئے کہ یہ گروہ ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ایمان ایسی چیز نہیں ہے جو دل میں چھپ سکے سوائے اس کے کہ وقتی طور پر ہو اور وہ بھی کمزور ایمان والا کرے گا اور وہ مجرم ہوگا۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ۔ اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (النحل: ۱۱۱)

۴۔ منافق اور کافر میں بلحاظ کفر کے کوئی فرق نہیں۔ مگر باوجود اس کے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النسآء: ۱۴۶) کہ منافقوں کو سب سے زیادہ سزا ملے گی۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان لوگوں نے دلی عقیدہ کو چھپایا۔ پس جب کفر کے چھپانے پر سزا بڑھ جاتی ہے تو ایمان کے چھپانے پر بدرجہ اولیٰ بڑھ جانی چاہیئے۔

۵۔ حضرت علیؓ نے مکہ کی زندگی میں دل میں اسلام رکھا اور ظاہر میں بھی اسلام رکھا۔ اگر تقیہ جائز ہوتا تو ظاہر میں بت پرستی کرتے کیونکہ وہاں زیادہ خطرہ تھا۔

۶۔ حضرت علیؓ کو جب مکہ میں کافروں کی طرف سے تکلیف پہنچی تو انہوں نے اپنے ایمان کو بچانے کے لئے وہاں سے ہجرت کرلی۔ اگر مدینہ میں بھی کسی وقت ان کو اپنے ایمان کے بچانے کی ضرورت پڑتی، تو وہ ضرور وہاں سے ہجرت کرتے۔ مگر انہوں نے وفات حضرت عثمانؓ تک وہاں سے ہجرت نہ کی۔ اس لئے معلوم ہوا کہ انکو وہاں ایمان بچانے کی ضرورت نہ پڑی۔ اگر کہو کہ انہوں نے کوفہ میں ہجرت کی تھی، تو وہ اپنی خلافت کے زمانہ میں کی تھی جب کہ ڈر نہیں رہا تھا۔

۷۔ جبر کی صورت میں ایمان چھپانا جائز ہے یا فرض؟ اگر کہو جائز ہے تو پھر وہ افضل ہے یا اس کا غیر افضل ہے؟ اور اگر فرض ہے تو اس کی عدم تعمیل یقیناً گناہ کا موجب ہوگی اور پھر اگر فرض ہے تو پھر حضرت امام حسینؓ نے یزید کی بیعت کیوں نہ کی؟

پس معلوم ہوا کہ تقیہ فرض نہیں۔ اور اگر جائز ہے تو وہ اولیٰ ہے یا اس کا غیر اولیٰ ہے۔ قرآن مجید تو اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (النحل: ۱۱۱) کہہ کر جبر کی وجہ سے تقیہ کرنے والوں کو گنہ گار قرار دیتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ تقیہ کا غیر اولیٰ ہے اور امام کو یہی سزاوار ہے۔ کہ وہ اولیٰ پر عامل ہو۔

۸۔ حضرت عمار بن یاسرؓ کو اگر تقیہ کی مثال میں پیش کیا جا سکتا ہے تو ان کے ماں باپ کو شیعہ کیا سمجھتے ہیں۔ یقیناً انکو نیک اور شہید جانتے ہیں۔ پس ایک بات جو کسی کی غلطی ہو اس کو ائمہ کے حق میں تجویز کرنے سے یہ بہتر ہے کہ ائمہ کے حق میں اولیٰ بات تجویز کرے۔

۹۔ جس طرح اسلام میں کمزوروں کی رعایت کے لئے ڈر کے مارے ایمان چھپانے کو کفر قرار نہیں دیا ہے۔ اسی طرح کامل مومنوں اور نبیوں کے لئے شجاعت اور بے خوفی کو لازم قرار دیا ہے جیسا کہ فرمایا۔ لَا یَخَافُوْنَ لَوْمَۃَ لَآئِمٍ (المائدہ: ۵۵) لَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ (الاحزاب: ۴۰) وَھُمْ مِّنْ خَشْیَتِہٖ مُشْفِقُوْنَ (الانبیاء: ۲۹) لَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ (النمل: ۱۱)

پس عجیب بات یہ ہے کہ جو بات کمزوروں کے لئے جائز ہے وہ حضرت علیؓ میں پائی جائے اور جو بات کامل مومنوں کے لئے لازم تھی وہ آپ میں مفقود ہو؟

۱۰۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ اٰمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ (النور:۵۶)

آیتِ استخلاف جس میں صرف خلفاء کا ذکر ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے خلفاء کی ایک پہچان بتائی ہے کہ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا (النور:۵۶) یعنی ایام خلافت میں خوف کے معاملے بھی پیش آئیں گے۔ مگر وہ دُور ہو جائیں گے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ (النور:۵۶) کہ ان کا دین پوشیدہ نہیں ہوگا اور فرمایا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا (النور:۵۶) یعنی میری عبادت میں کسی کو شریک نہیں کریں گے۔ پس اس آیت میں خلفاء کی تین علامتیں بیان فرمائی ہیں:۔

الف۔ ان سے خوف کا دُور ہونا۔

ب۔ ان کا اپنے دین کو ظاہر کرنا۔

ج۔ عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا۔

اگر ہم حضرت علیؓ کو تقیہ باز سمجھیں اور انکو پہلا خلیفہ سمجھیں تو ان تینوں میں سے کوئی علامت بھی حضرت علیؓ میں پوری نہیں ہوتی اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں یہ تینوں پوری ہوتی ہیں۔ اگر تقیہ نہ ہو تو پھر تینوں باتیں حضرت علیؓ میں پوری ہوتی ہیں۔

نوٹ:۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ (النحل:۱۰۷) اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مُکرَہ کو وہ سزا نہیں ملے گی جو کفر بعدالایمان اور کافر بالشرح صدر کو ملے گی۔ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ مکرہ کلمہ کفر کہے تو جائز ہے اور گناہ نہیں۔ آیت تو کہہ رہی ہے کہ گناہ ہے تبھی تو اس کا تدارک فرمایا کہ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ ....الخ (النحل:۱۱۱) اگر یہ گناہ ہی نہ ہوتا تو تدارک بتانے کی ضرورت تھی۔

مسئلہ وراثت

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ (النساء:۱۲)

استدلال شیعہ:۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایک اسلامی قانون پیش کیا ہے کہ ہر شخص کی وارث اسکی اولاد ہے۔ چونکہ تمام احکام قرآنی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ مساوی طور پر شریک ہیں اس لئے اس مسئلہ میں بھی آپ کا کوئی استثناء نہیں۔ بدیں وجہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت فاطمہؓ کو وراثت سے محروم کرکے انکی حق تلفی کی۔

جواب:۔ بیشک یہ آیت عام ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر عام میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک

ہوں جیسا کہ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ میں باوجودیکہ خطاب عام ہے پھر بھی آنحضرتؐ کی بیویاں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اسی طرح يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ (النساء: ۱۲) والی آیت میں آنحضرتؐ کا استثناء ہوسکتا ہے اگر کوئی کہے اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى والی آیت میں اس واسطے استثناء مانتے ہیں کہ اس استثناء کا خود قرآن کریم میں دوسری جگہ ذکر ہے جہاں فرمایا وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا (الاحزاب: ۵۴) لیکن يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ والی آیت کا استثناء قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ قرآن کریم کی عمومیت میں استثناء ضرور قرآن ہی کے ذریعہ ہو بلکہ حدیث یا تعامل کے ذریعہ سے بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا۔ (بنی اسرائیل: ۲۴) یعنی اپنے والدین کو اُف تک نہ کہو اور نہ ان کو جھڑکو۔ کے حکم سے آنحضرتؐ کا حکم عام ہے مگر اس میں آنحضرتؐ شامل نہیں۔ اور یہ استثناء قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں، بلکہ واقعات سے ثابت ہے کیونکہ حضورؐ کے والدین بچپن ہی میں فوت ہوچکے تھے۔ اسی طرح يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْۤ اَوْلَادِكُمْ (النساء: ۱۲) والی آیت میں جو استثناء ہے وہ آپ کی اسی صحیح حدیث کی بناء پر ہے جو بخاری و مسلم بلکہ تمام صحاح میں موجود ہے۔ نَحْنُ مَعَاشِرُ الْاَنْبِيَاۤءِ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ (بخاری کتاب خمس۔ فضائل اصحاب النبی۔ مغازی فرائض۔ مسند احمد بن حنبل: ج۲، ص۴۶۳) جیسا کہ اوپر بیان ہوچکا ہے۔

حدیث القرطاس

شیعہ اور سنیوں کے درمیان ایک بحث قرطاس کے نام سے مشہور ہے اس کی بناء بخاری کی ایک حدیث پر ہے جو یہ ہے (بخاری جلد ۳ ص۵۸ مصری باب مرض النبیؐ و وفاتہ)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا حَضَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي الْبَيْتِ رِجَالٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلُمُّوْا اَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ۔ فَقَالَ بَعْضُهُمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَلَبَ عَلَيْهِ الْوَجَعُ وَعِنْدَكُمُ الْقُرْاٰنُ حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰهِ فَاخْتَلَفَ اَهْلُ الْبَيْتِ وَاخْتَصَمُوْا فَمِنْهُمْ مَنْ يَّقُوْلُ قَرِّبُوْا يَكْتُبْ لَكُمْ كِتَابًا لَا تَضِلُّوْا بَعْدَهٗ وَمِنْهُمْ مَنْ يَقُوْلُ غَيْرَ ذٰلِكَ فَلَمَّا كَثُرَ اللَّغَطُ وَالْاِخْتِلَافُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا عَنِّيْ لَا يَنْبَغِيْ عِنْدَ النَّبِيِّ التَّنَازُعُ۔

{ بخاری۔ باب مرض النبی و وفاتہ۔ بخاری کتاب العلم، کتاب الجہاد، کتاب الجزیہ۔ کتاب المغازی }

جواب: ۱۔ یہ روایت صرف ابن عباسؓ کی ہے جن کی عمر اُس وقت صرف گیارہ سال کی تھی اس لیئے واقعات کے عدم انضباط کا امکان ہے۔

۲۔ حضورؐ کا مخاطب کوئی خاص شخص نہ تھا۔ لہٰذا حضرت علیؓ و عمرؓ عدم تعمیل کے ایک جیسے مجرم قرار

پائینگے بلکہ وہ فریق جو قلم دوات لانے کا حامی تھا وہ یقیناً مجرم ہے کہ باوجود سمجھنے کے کہ حضورؐ حکم دیتے ہیں قلم دوات نہ لاتے۔

۳۔ نبی کریمؐ نے فرمایا کہ "قُوْمُوْا عَنِّیْ لَا یَنْبَغِیْ عِنْدَ النَّبِیِّ التَّنَازُعُ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے قلم دوات نہ لانیکو نہیں بلکہ جھگڑا کرنے کو بُرا سمجھا۔

۴۔ اگر حضورؐ ضرور کچھ لکھوانا چاہتے تھے تو باوجود چار دن بعد میں زندہ رہنے کے کیوں نہ آپ نے لکھوا دیا۔ اگر موقعہ نہیں ملا تو کم از کم زبانی طور پر ہی آپ لوگوں کو وہ بات بتا دیتے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَآ اَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ (المائدۃ: ۶۸) یعنی کوئی ایک پیغام نہ پہنچانا بھی رسالت کے منافی ہے۔ پس اگر وہ قرطاس والی حدیث الٰہی منشاء کے ماتحت تھی اور حضورؐ اس کو پہلے نہیں پہنچا چکے تھے تو اب آپ کا فرض تھا کہ آپ باوجود حضرت عمرؓ کے روکنے کے لکھوا دیتے، یا کم از کم زبانی یہ پیغام پہنچا دیتے۔ اگر کہ حضرت عمرؓ کا ڈر تھا تو قرآن مجید فرماتا ہے وَاللّٰهُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ یعنی پیغام الٰہی کے پہنچانے میں تجھے کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔

۶۔ قرطاس میں ایسی بات حضرتؐ نے لکھوانی تھی جس سے مسلمان گمراہی سے بچیں۔ تو اگر کسی جگہ قرآن میں لکھا ہے کہ قرآن مجید ہی ایسی کتاب ہے جس سے لوگ گمراہی سے بچ سکتے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس قرطاس میں حضرتؐ نے قرآن کریم ہی کی طرف لوگوں کو متوجہ کرنا تھا۔ تبھی حضرت عمرؓ نے کہا حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰهِ۔ اور قرآن میں ہے یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمْ اَنْ تَضِلُّوْا (النساء: ۱۷۷) کہ قرآن کریم کے ذریعہ سے لوگ گمراہی سے بچ سکتے ہیں۔

۷۔ آنحضرتؐ اپنی وفات سے دو ماہ پیشتر حجۃ الوداع سے واپس آتے ہوئے خم غدیر کے مقام پر تمام مسلمانوں کو جمع کر کے فرماتے ہیں۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِیْ۔ (مسلم فضائل الصحابہ صفحہ ۳۶، ۳۷ جلد ۲ مصری) یعنی میں تم میں وفات پاکر دو چیزیں چھوڑ جاؤں گا۔ ایک قرآن مجید اور دوسرے اپنے حقیقی متبع (خلفاء) اس سے معلوم ہوا کہ رسول مقبولؐ اپنی وفات کے بعد اگر کسی تحریر کے پکڑنے کا حکم دیتے تو وہ کتاب اللہ ہے۔

۸۔ یہ عجیب بات ہے کہ کلام اللہ جو ۲۳ سال تک نازل ہوتا رہا ہے جس میں اختتام پر یہ کہدیا ہے۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ (المائدۃ: ۴) اس سے تو گمراہی کا سدِباب نہ ہوا، مگر آپکی تحریر سے گمراہی ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتی۔

۹۔ ہم تسلیم کر لیتے ہیں کہ رسول مقبولؐ حضرت علیؓ کو خلیفہ بنانے لگے تھے مگر اس میں لَنْ تَضِلُّوْا کی نفی غلط ٹھہرتی ہے۔ کیونکہ سُنی لوگ حضرت علیؓ کو خلیفہ اول نہیں سمجھتے مگر شیعہ سمجھتے ہیں۔ باوجود اس کے خود شیعوں کے آپس میں بیسیوں فرقے ہیں۔ مثلاً آغا خانی، بوہرے، زیدی، علی الٰہی، نصیری، اسمٰعیلی وغیرہ۔

(۱۰) اگر حضرت عمرؓ کا قلم دوات نہ لانا اس لئے کفر وفسق ہے کہ آپ نے حکم کی تعمیل نہ کی۔ تو حضرت علیؓ نے علاوہ اس حکم کی عدم تعمیل کے حدیبیہ کے موقعہ پر بھی ایک حکم کی قولاً وفعلاً عدم تعمیل کی ہے جہاں انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ میں ہرگز آپ کا نام نہیں مٹاؤں گا باوجودیکہ رسول اللہؐ نے حکم دیا تھا کہ اُمْحُ اِسْمِيْ مگر حضرت علیؓ نے کہا وَاللّٰہِ لَا اَمْحُوْكَ اَبَدًا حَتّٰی مَحَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ (بخاری کتاب الصلح باب کیف یکتب ھذا ما صالح فلان بن فلان) کہ خدا کی قسم میں آپ کا نام کبھی نہیں مٹاؤں گا۔ یہاں تک کہ خود آنحضرتؐ نے اسے مٹا دیا۔

تردیدِ مُتعہ

جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوتے تو عرب میں آٹھ دس قسم کے نکاح رائج تھے جن میں سے ایک متعہ یعنی میعادی نکاح بھی تھا۔ جس طرح باوجود خود اپنے نقائص کے شراب ایک مدت تک حرام نہیں ہوئی اسی طرح متعہ بھی جنگِ خیبر تک حرام نہیں ہوا۔ حضرت علی کرم اللہ کی روایت بخاری (بخاری کتاب النکاح باب النھی عن نکاح المتعۃ) میں پائی جاتی ہے کہ رسول کریمؐ نے اعلان کیا کہ متعہ حرام کر دیا گیا ہے۔ پھر جنگ اوطاس (ترمذی کتاب النکاح باب نکاحِ متعۃ) پر جو فتح مکہ کے دنوں میں ہوئی تھی رسول مقبولؐ نے متعہ کی اجازت ۳ دن کیلئے دی تھی۔ (مشکوٰۃ و ترمذی کتاب النکاح باب نکاح متعہ) اس کے بعد ابد تک حرام ہوگیا۔ (ابوداؤد کتاب النکاح۔ باب نکاح متعہ۔ وابن ماجہ کتاب النکاح باب النھی عن نکاح المتعۃ مصری حدیث ۱۹۶۱ تا ۱۹۶۳) اس لئے پہلی حرمت کے قبل کے واقعات یا تین دن کے واقعات حجت نہیں ہو سکتے ورنہ شراب پینا بھی اس دلیل سے جائز ہوگا۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ابن عباسؓ یا ابن مسعودؓ یا بعض اور اصحاب اخیر تک حلّتِ متعہ کے قائل تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ صحابہؓ کے دو گروہ ہیں ایک حرمت کا قائل اور ایک حِلّت کا قائل۔ چونکہ حرمت کا قائل گروہ بغیر آنحضرتؐ سے حُرمت کے سننے کے ایک حلّت کو حرمت میں تبدیل نہیں کر سکتا اور حلّت کا قائل گروہ حرمت کے فتویٰ کے نہ پہنچنے کی وجہ سے حلّت کا اظہار کر سکتا ہے اس لیے حرمت کے گروہ کو حلّت کے گروہ پر ترجیح دیجاویگی اور وہ احادیث جن میں لکھا ہے کہ آنحضرت کے عہد میں متعہ تھا مگر ایک شخص نے اپنی رائے سے جو چاہا کر دیا۔ وہاں متعۃ الحج مراد ہے نہ کہ مُتعۃُ النساء۔

اور حضرت عمرؓ کا یہ کہنا کہ مُتْعَتَانِ کَانَتَا عَلٰی عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَنَا اُحَرِّمُھُمَا (مسند احمد بن حنبل ۱۔ ۵۲۔ ج ۳۔ ص ۳۲۵) یہاں پر حرام سے مراد اعلان اور اظہار حرمت ہے جیسا کہ حدیث اَنَا اُحَرِّمُ الْمَدِیْنَۃَ کَمَا حَرَّمَ اِبْرٰھِیْمُ مَکَّۃَ (ابو داؤد۔ کتاب المناسک باب فضل مکہ و مدینہ۔ فردوس الاخبار جلد ۲ ص ۲۱۲ نیا ایڈیشن) میں ہے۔ یعنی متعۃ الحج اور متعۃ النساء کو جو حضرتؐ کے زمانہ میں ایک وقت تک ہوتے تھے مگر بعد میں وہ حرام ہوگئے اور کئی لوگوں کو اسکی حرمت معلوم نہ ہوئی اس لیے میں لوگوں پر ان دونوں کی حرمت ظاہر کرتا ہوں اور وہ احادیث جن میں جنگِ اوطاس کے تین دن کے متعہ کا ذکر ہے (مشکوٰۃ کتاب النکاح باب اعلان النکاح پہلی فصل) شیعوں کی کتب میں اس کے پہلے

ٹکڑے دیئے گئے ہیں۔ حالانکہ پوری حدیثیں یوں ہیں کہ تین دن کے بعد متعہ حرام قرار دیا گیا ہے فَهُوَ الْحَرَامُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (فردوس الاخبار نیا ایڈیشن جلد ا صفحہ ۹ روایت ۱۹۴ راوی سبرۃ الجہنی) اور یہ کہنا کہ اہل بیت کا اتفاق ہے کہ متعہ حلال ہے صحیح نہیں کیونکہ بارہ اماموں میں سے پہلے امام یعنی حضرت علیؓ کی حدیث بخاری شریف میں موجود ہے کہ متعہ حرام ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ خود آنحضرتؐ نے خدا تعالیٰ کے خاص حکم سے متعہ کو حرام قرار دیا۔ ملاحظہ ہو:۔

إِنِّي كُنْتُ أَحْلَلْتُ لَكُمُ الْمُتْعَةَ وَإِنَّ جِبْرِيلَ أَتَانِي فَأَخْبَرَنِي أَنَّهَا حَرَامٌ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ (فردوس الاخبار دیلمی پہلا ایڈیشن جلد ا صفحہ ۳ سطر ۳) کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے لئے متعہ حلال کیا تھا مگر جبرائیل میرے پاس آیا اور اس نے مجھے اطلاع دی کہ متعہ قیامت تک حرام ہے۔

نوٹ:۔ دیلمی کے صفحہ و سطر کا حوالہ "فردوس الاخبار" کے اس نسخہ کے مطابق ہے جو کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہے۔ (خادمؔ)

پس حضرت عمرؓ پر کوئی الزام نہیں۔ انہوں نے جو کچھ کیا آنحضرتؐ کے فتویٰ اور حکم کے مطابق کیا۔ اور یہ کہنا کہ متعہ کا رواج ہو جاوے تو زنا مفقود ہو جائیگا۔ ایسی ہی بات ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر شریعت نہ اتاری جاتی تو کوئی شخص گنہگار نہ ہوتا۔

اب ہم قرآن مجید سے پہلے وہ مقام دیکھتے ہیں جہاں سے شیعہ لوگ متعہ نکالتے ہیں اور وہ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (النساء: ۲۵) کے الفاظ ہیں لیکن اگر اس آیت کے ماقبل اور مابعد میں تدبر کیا جاوے تو یہ آیت متعہ کی تائید میں نہیں بلکہ متعہ کے برخلاف ہے۔ اس رکوع میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ (النساء: ۲۴) یعنی ماؤں اور ان تمام عورتوں سے ہمبستر ہونا جن کا ماؤں کے بعد ذکر ہے حرام ہے یعنی ان سے مجامعت حرام ہے۔ آگے فرمایا وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَٰلِكُمْ (النساء: ۲۵) یعنی ان عورتوں کے سوا باقی تمام عورتوں سے مجامعت کرنا جائز ہے۔ مگر مجامعت کے لئے کچھ شرائط ہیں پہلے وہ پوری کرو پھر مجامعت کرو یعنی

۱۔ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ (النساء: ۲۵) یعنی مہر مقرر کرو۔

۲۔ مُحْصِنِينَ (النساء ۲۵) اس عورت کو قید میں لانیوالے ہوں یعنی ایسا معاہدہ کریں کہ عورت پھر مرد سے چھوٹ نہ سکے۔

۳۔ غَيْرَ مُسَافِحِينَ (النساء: ۲۵) یعنی غرض اس معاہدہ کی شہوت فرو کرنا نہ ہو۔

اب ان تین شرطوں کے بعد جب مرد ہمبستر ہو جاوے تو وہ جو پہلی شرط ہے یعنی مال مقرر کرنا اب اس کی پوری ادائیگی ضرور ہوگی۔ اس لئے فرمایا فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ (النساء: ۲۵) یعنی چونکہ تم نے ان سے فائدہ اُٹھایا اس لئے ان کے مہر ادا کرو۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی عورت سے ہمبستر ہونے کے لئے تین شرطوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ چونکہ متعہ میں دوسری شرط یعنی عورت کا قید ہو جانا

مفقود ہے اس لیے معلوم ہوا کہ متعہ کے ذریعہ ہمبستر ہونا حرام ہے آگے وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ (النساء: ۲۶) اس کے بعد فرمایا ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ (النساء: ۲۶) یعنی لونڈی کو بیوی بنانا زنا سے بچنے کے لئے ہم نے جائز قرار دیا۔ ورنہ وَ اَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ (النساء: ۲۶) اِس سے معلوم ہوا کہ نکاح کی مشکلات کا حل متعہ نہیں ہے بلکہ لونڈیوں کو بیوی بنانا ہے۔

اب ہم غور کرتے ہیں کہ آیا میعادی نکاح عقلاً قابلِ عملدر آمد ہے یا کہ نہیں۔ غور کے بعد ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بہت سے نقائص ہیں اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ جو وفا داری خدا تعالیٰ نے عورت اور مرد کی طبیعت میں پیدا کی ہے وہ اس فعل سے مفقود ہو جائے گی۔

۲۔ شریعت کہتی ہے کہ اَبْغَضُ الْحَلَالِ عِنْدَ اللّٰهِ الطَّلَاقُ (سُنن ابوداؤد۔ کتاب الطلاق حدیث ۳) یعنی گو طلاق اپنے موقعہ پر جائز ہے مگر یہ سخت تکلیف دہ واقعہ ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ شریعت مرد و عورت کے تعلق کے بعد جُدائی کو ناپسند کرتی ہے۔ حالانکہ متعہ میں پہلے ہی سے جُدائی کی شرط کر لی جاتی ہے پس معلوم ہوا کہ متعہ عقلاً جائز نہیں ہے۔

۳۔ تیسرا نقص یہ ہے کہ قرآن کریم نے عدت کی صرف دو صورتیں رکھی ہیں۔ مطلقہ کی اور متوفی عنہا زوجہا کی۔ تیسری کوئی عدت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان نہیں فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ متعہ والی جدائی کی کوئی صورت ہی نہیں ہے اور جب کوئی صورت نہ ہوئی تو یہی متعہ کے ناجائز ہونے کی دلیل ہے۔

۴۔ متعہ میں اختلاطِ نسل کا ڈر ہے۔

۵۔ ایک شخص ایک عورت سے سفر میں تین دن کے لیے متعہ کرتا ہے اور تین دن کے بعد اپنے ملک میں واپس چلا جاتا ہے ممکن ہے کہ وہ عورت حاملہ ہو گئی ہو۔ ایسی صورت میں اولاد کے ضائع ہونے کا ڈر ہے۔

۶۔ جو دلیل نیوگ کے خلاف پیش کی جاتی ہے کہ اگر یہ فطرتِ صحیحہ کے مطابق ہوتا تو اس کا اعلان ہوتا۔ کیونکہ ہر شخص یہ کہتا ہے کہ مَیں نکاح کے نتیجہ میں ہوں۔ یہی دلیل بعینہٖ متعہ کے خلاف پیش کی جا سکتی ہے کہ اس ملک میں لاکھوں شیعہ ہیں مگر کوئی یہ نہیں کہتا کہ مَیں متعہ کے نتیجہ میں ہوں اور نہ یہ کبھی کسی سے سُنا ہے کہ مَیں اپنی لڑکی کا متعہ کرانا چاہتا ہوں۔ پس معلوم ہوا کہ متعہ فطرتِ صحیحہ کے خلاف ہے۔

۷۔ آنحضرتؐ نے گیارہ نکاح کئے۔ دوست اور دشمن آپ کی بیویوں کے نام جانتے ہیں مگر کوئی عورت ایسی نہیں جس سے آپ نے متعہ کیا ہو باوجودیکہ آپکو تعددِ ازدواج کی دوسرے مسلمانوں سے زیادہ ضرورت تھی۔ پس آپ کا متعہ نہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ متعہ مستحسن امر نہیں۔

۸۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ حضرت علیؓ نے متعدد نکاح کئے ہیں مگر کسی معتبر کتاب سے ثابت

نہیں کہ آپ نے کوئی متعہ کیا ہو۔ اگر کیا ہے تو عورت کا نام، متعہ اور مہر وغیرہ پوری کیفیت کے ساتھ بیان کیجئے۔

۹۔ ہمارے نزدیک ائمہ اثنا عشرہ میں سے کسی نے متعہ نہیں کیا اور ہم کسی مشتبہ، مبہم یا عمومی روایت کے قائل نہیں۔ ہم اس وقت ائمہ کے متعہ کو تسلیم کریں گے جبکہ شیعہ بالیقین کسی امام یا امام کی اولاد کو متعہ کی اولاد قرار دیں گے۔

۱۰۔ جو ماحصل زنا کا ہے اور جو نقائص زنا میں ہیں وہی متعہ کی صورت میں پیدا ہوتے ہیں شیعہ جو نقص زنا میں نکالیں گے اگر غور کیا جائے تو وہی نقص متعہ میں بھی پایا جاوے گا۔ پس بحث مباحثہ میں شیعوں سے نقائصِ زنا پوچھنے چاہئیں پھر جب چھان بین کی جاوے گی تو لازماً وہی نقائص متعہ میں بھی ثابت ہوں گے۔

۱۱۔ ممتوعہ کی کوئی عدت شریعت میں نہیں لہٰذا اختلاطِ نسل کا خطرہ ہے۔ عدت خاوند کے طلاق دینے یا مر جانے کی وجہ سے ہوتی ہے مگر متعہ میں نہ خاوند مرتا ہے اور نہ وہ طلاق ہی دیتا ہے۔ اس لئے اس کی کوئی شرعی عدت نہیں اور جب عدت نہیں تو معلوم ہوا کہ متعہ جائز نکاحوں میں سے کوئی نکاح نہیں ہے۔

قاتلین حضرت امام حسین رض کون تھے؟

اہل کوفہ پکے شیعہ تھے:۔

۱۔ "و بالجملہ اہلِ تشیع اہل کوفہ حاجت باقامتِ دلیل ندارد۔ و سُنی بودن کوفی الاصل خلافِ اصل محتاج بدلیل است" (مجالس المومنین مجلس اوّل ص۳۵ مطبوعہ ایران) یعنی اہلِ کوفہ کا شیعہ ہونا محتاج دلیل نہیں بلکہ ایک ثابت شدہ حقیقت ہے۔ ہاں کسی کوفی الاصل کو سُنی قرار دینے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے۔

۲۔ مجالس المومنین میں حضرت امام جعفر صادق ؒ سے روایت ہے:۔

اَلَا اِنَّ لِلّٰہِ حَرَمًا وَھُوَ مَکَّۃُ وَالَا اِنَّ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ حَرَمًا وَھُوَ الْمَدِیْنَۃُ وَالَا اِنَّ لِاَمِیْرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ حَرَمًا وَھُوَ الْکُوْفَۃُ (مجالس المومنین مجلس اول ص۳۶)

۳۔ کوفہ وہ زمین ہے جس نے حضرت علی رض کی محبت ابتدائے آفرینش سے قبول کی تھی (جلاء العیون ترجمہ اُردو جلد ۱۔ ب فصل ۳ ص۲۲۷)۔

۴۔ اہل کوفہ سلیمان بن خرد خزاعی کے گھر جمع ہوئے تو ان کو مخاطب کر کے سلیمان بن خرد نے کہا اَنْتُمْ شِیْعَتُہٗ وَشِیْعَۃُ اَبِیْہِ (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ ص۱۳) کہ اے اہل کوفہ تم امام حسین رض اور ان کے باپ حضرت علی رض کے شیعہ ہو۔

☆ ☆ ☆

اہلِ کوفہ کا خط حضرت امام حسینؓ کے نام

جب حضرت امام حسینؓ نے یزید کی بیعت سے انکار کیا تو پہلے مکہ کی طرف ہجرت کرنے کا ارادہ فرمایا۔ (جلاء العیون مترجم اُردو مطبوعہ لکھنو جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۲ صفحہ ۴۲۶) مگر شیعان اہل کوفہ کی طرف سے مندرجہ ذیل عریضہ حضرت امام حسینؓ کو پہنچا:۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ عریضہ شیعوں اور فدائیوں اور مخلصوں کی طرف سے بخدمت امام حسین بن علیؓ بن ابی طالب ہے۔ امابعد، بہت جلد آپ اپنے دوستوں، ہواخواہوں کے پاس تشریف لاتیے کہ جمیع مردمانِ ولایت منتظر قدوم میمنت لزوم ہیں اور بغیر آپ کے دوسرے شخص کی طرف لوگوں کو رغبت نہیں ہے۔ البتہ بہ تعجیل تمام ہم مشتاقوں کے پاس تشریف لے آیئے۔" (جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۳ مترجم اُردو صفحہ ۴۳۱)

اہل کوفہ کی طرف سے دعوت کے ۱۲ ہزار خطوط حضرت امام حسینؓ کو ملے تھے۔
(ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۱۳۱)

حضرت امام حسینؓ کا جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسین بن علیؓ کا مومنوں، مسلمانوں، شیعوں کی طرف ہے امابعد! بہت سے قاصدوں اور خطوط بیشمار کے جو تم نے مجھے لکھے، ہانی و سعید بھی ایک خط تمہارا لائے میں تمہارے سب خطوط کے مضامین سے مطلع ہوا۔ واضح ہو کہ میں بالفعل تمہارے پاس اپنے برادر مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں۔ اگر مسلم مجھے لکھیں کہ جو کچھ تم نے مجھے خطوط میں لکھا ہے بمشورۂ عقلاء و دانایان و اشراف و بزرگان قوم لکھا ہے اس وقت میں انشاء اللہ بہت جلد تمہارے پاس چلا آؤں گا۔"
(جلاء العیون ترجمہ اُردو صفحہ ۴۳۱ جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۳ و ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب دوم صفحہ ۱۳۱)

امام مسلم کا کوفہ پہنچنا امام مسلم کی اہل کوفہ میں سے ۸۰ ہزار آدمیوں نے بیعت کی۔ (بروایت ابومخنف دیکھو ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۱۳۳)

"بروایت ابو مخنف ہشتاد ہزار کس با مسلم بیعت کرد۔"

امام مسلم کی شہادت اور وصیت شیعانِ اہل کوفہ نے امام مسلم کے ساتھ کس طرح غداری کرکے ان کو اور ان کے دونوں بچوں کو شہید کیا۔ بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ امام مسلم نے بوقت شہادت عمر بن سعد کو مخاطب کرکے مندرجہ ذیل وصیت کی:۔

"میری وصیت اوّل یہ ہے کہ اس شہر میں سات سو درہم کا قرضدار ہوں لازم ہے کہ میری شمشیر و زرہ فروخت کرکے میرا قرض ادا کر دینا۔ دوسری وصیت یہ ہے کہ جب مجھے قتل کریں تو ابن زیاد سے اجازت لے کر مجھے دفن کر دینا۔ تیسری وصیت یہ ہے کہ امام حسین کو اس مضمون کا خط لکھیں کہ کوفیں

نے مجھ سے بے وفائی کی اور آپ کے پسر عم کی نصرت و یاوری نہ کی۔ ان کے وعدوں پر اعتبار نہیں ہے آپ اس طرف نہ آئیں۔" (جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۳ صفحہ ۴۴۲ و ۴۴۳ مترجم اردو)

ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۱۴۲ میں ہے:۔

وَالثَّالِثَةُ اَنْ تَكْتُبُوا اِلٰى سَيِّدِ الْحُسَيْنِ اَنْ يَرْجِعَ عَنْكُمْ فَقَدْ بَلَغَنِيْ اِنَّهٗ خَرَجَ بِنِسَآئِهٖ وَ اَوْلَادِهٖ نَيُصِيْبُهٗ مَا اَصَابَنِيْ ثُمَّ يَقُوْلُ اِرْجِعْ فِدَاكَ اَبِيْ وَاُمِّيْ بِاَهْلِ بَيْتِكَ فَلَا يَغُرُّكَ اَهْلُ الْكُوْفَةِ فَاِنَّهُمْ اَصْحَابُ اَبِيْكَ الَّذِيْ تَمَنّٰى فِرَاقَهُمْ بِالْمَوْتِ۔

کہ میری تیسری وصیت یہ ہے کہ تم میرے آقا حضرت امام حسینؓ کو لکھنا کہ وہ تمہارے پاس نہ آئیں کیونکہ میں نے سُنا ہے کہ وہ مع عورتوں اور بچوں کے تشریف لا رہے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ انکو بھی وہی مصیبت پہنچے جو مجھے پہنچی ہے۔ پھر انہیں لکھنا کہ مسلم کہتا ہے کہ اے امام حسینؓ! (میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں) اپنے اہلِ بیت سمیت واپس لوٹ جائیے اور اہلِ کوفہ کے وعدے آپ کو دھوکے میں نہ ڈالیں، کیونکہ وہ آپ کے والد (حضرت علیؓ) کے وہی صحابی ہیں جن سے جُدائی کے لئے آپ کے باپ نے موت کی خواہش کی تھی۔

امام حسینؓ کی روانگی جانب کوفہ

لیکن حضرت امام حسینؓ کوفہ کی طرف بڑھتے چلے آرہے تھے۔ ان کو امام مسلم کی شہادت کی خبر مقام ثعلبیہ پر پہنچی۔ منزل زبالہ پر اپنے قاصد عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر بھی آپ کو ملی۔ اس پر آپ نے اپنے تمام اصحاب کو جمع کر کے فرمایا:۔

"خبر پہنچی ہے کہ مسلم بن عقیل اور ہانی بن عروہ اور عبداللہ بن یقطر کو شہید کیا گیا ہے اور ہمارے شیعوں نے ہماری نصرت سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے جسے منظور ہو مجھ سے جُدا ہو جائے۔ کوئی حرج نہیں ہے۔" پس ایک گروہ جو بہ طمع مال و غنیمت و راحت و عزتِ دنیا حضرت کے رفیق ہوتے تھے ان اخبار کے استماع سے متفرق ہو گئے اور اہل بیت و خویشان آنحضرت اور ایک جماعت کہ از روئے ایمان و یقین رفیق حضرت تھے باقی رہ گئے۔ (جلاء العیون مترجم اردو جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۴ صفحہ ۴۵۲)

خلاصۃ المصائب میں ہے:۔

بَلَغَنِيْ خَبَرُ قَتْلِ مُسْلِمٍ وَعَبْدَ اللّٰهِ ابْنِ يَقْطُرَ وَقَدْ خَذَلَنَا شِيْعَتُنَا (خلاصۃ المصائب مطبوعہ نولکشور روایت ہفتم صفحہ ۵۶) کہ مجھے مسلم اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی خبر پہنچی ہے اور ہم کو ہمارے شیعوں نے ہی ذلیل و بیکس کیا ہے۔

نوٹ:۔ اس عبارت میں قَدْ خَذَلَنَا شِيْعَتُنَا کے الفاظ خاص طور پر یاد رکھنے کے قابل ہیں کیونکہ حضرت امام حسینؓ نے اپنی زبان سے فرما دیا ہے کہ ہماری ان تمام مصیبتوں کا موجب ہمارے شیعوں کے سوا اور کوئی نہیں۔

حضرت امام حسینؓ کا خط اہل کوفہ کے نام

امام مسلم بن عقیل اور عبداللہ بن یقطر کی شہادت کی اطلاع ملنے سے قبل حضرت امام حسینؓ نے مندرجہ ذیل خط اہلِ کوفہ کو لکھا: "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یہ خط حسین بن علیؓ کی طرف سے برادران مومن مسلم کو ہے۔ تم پر سلام الٰہی ہو۔ امابعد بدرستیکہ خط مسلم بن عقیل کا میرے پاس پہنچا۔ اس خط میں لکھا تھا کہ تم لوگوں نے میری نصرت اور دشمنوں سے میرا حق طلب کرنے پر اتفاق کیا ہے۔ میں خدا سے سوال کرتا ہوں کہ اپنا احسان مجھ پر تمام کرے اور تم کو تمہارے حُسنِ نیت و کردار پر بہترین جزائے ابرار عطا فرمائے۔ بدرستیکہ میں آٹھویں ماہ ذی الحجہ روز سہ شنبہ کو مکہ سے باہر آیا اور تمہاری جانب آتا ہوں۔ جب میرا قاصد تم تک پہنچے تم پر لازم ہے کہ کمر متابعت مضبوط باندھو اور اسباب کارزار آمادہ رکھو اور میری نصرت کے لئے مہیا رہو کہ میں اب بہت جلد آپ تک پہنچتا ہوں۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ" (جلاء العیون مترجم جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۲ ص ۴۴۶)

نوٹ:۔ اس خط سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں:۔

۱۔ بقول شیعیان امام حسینؓ کی روانگی بجانب کوفہ لڑائی اور کارزار کے لئے تھی نہ کہ پُرامن رہنے کی نیت سے۔

۲۔ امام حسینؓ کو علم غیب نہ تھا اور نہ انہیں امام مسلم بن عقیل کی شہادت کا علم ہوسکا اور نہ اہلِ کوفہ کی غداری کا علم ان کو ہوا۔ حالانکہ اس خط کی تحریر سے قبل امام مسلم بن عقیل انہی کوفیوں کے ہاتھوں شہید ہو چکے تھے۔

نزول کربلا اور اسکے بعد جب حضرت امام حسینؓ میدانِ کربلا میں اُترے تو ابنِ زیاد نے (جو یزید کی فوج کا سپہ سالار تھا) مندرجہ ذیل مکتوب حضرت امام حسینؓ کو لکھا:۔

"میں نے سُنا ہے کہ آپ کربلا میں اُترے ہیں اور یزید بن معاویہ نے مجھے لکھا ہے کہ آپکو مہلت نہ دوں یا آپ کی بیعت لوں۔ اور اگر انکار کیجئے تو یزید کے پاس بھیجدوں"۔

(جلاء العیون مترجم اُردو جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۴ صفحہ ۴۵۶)

نوٹ:۔ اس خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ابنِ زیاد کو یزید کی طرف سے حضرت امام حسینؓ کو شہید کرنے کی ہدایت یا اجازت نہ تھی۔

اس خط کو حضرت امام حسینؓ نے پھاڑ دیا۔ بعد ازاں جب قرۃ بن قیس کوفی آپ سے ملنے کے لئے آیا تو آپ نے فرمایا:۔

"تمہارے شہر کے لوگوں نے نامہ ہائے بیشمار مجھے لکھے اور بہت مبالغہ اور اصرار کرکے بلایا۔ اگر میرا آنا اب منظور نہیں تو مجھے واپس جانے دو"۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ ص ۱۷۵)

فرشتے لیٹ ہو گئے حضرت امام حسینؓ کی تکلیف اور بے بسی کو دیکھ کر ملائکہ نے خدا تعالیٰ سے بعد اصرار عرض کیا کہ حضرت امام حسینؓ کی مدد کرنے کی اجازت دی جائے بالآخر

اللہ تعالیٰ نے اجازت دی لیکن جب فرشتے زمین پر پہنچے تو اس وقت حضرت امام حسینؓ شہید ہو چکے تھے۔
(جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۵ صفحہ ۴۹۵ و صفحہ ۵۰۰ مترجم اردو)

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن • خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

پانی کا معجزہ ذاکرین عام طور پر کربلا میں پانی کا بند کیا جانا، کئی کئی دن تک امام حسینؓ اور آپ کے مصاحبین کی تشنگی اور اس کے ساتھ بیسیوں متعلقہ روایات بیان کر کے عوام کو رُلایا کرتے ہیں لیکن مندرجہ ذیل روایت ان سب روایات کی حقیقت کو آشکارا کرنے کے لئے کافی ہے۔
جلاء العیون اُردو جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۲ صفحہ ۴۵۹ پر ہے :۔

"امام حسین نے ایک بیلچہ اپنے ہاتھ میں لیا اور پشت خیمہ حرم محترم سے سمت قبلہ ۹ قدم کے فاصلہ پر جا کر بیلچہ کو زمین پر مارا۔ کہ بہ اعجاز آنحضرتؐ چشمۂ آبِ شیریں ظاہر ہوا اور امام حسینؓ نے معہ اصحاب وہ پانی نوش کیا اور مشکیں وغیرہ بھریں۔ پس وہ چشمہ غائب ہو گیا اور پھر اس کا اثر بھی کسی نے نہ دیکھا۔"
پس ایسے اعجازی بیلچہ کی موجودگی میں حضرت امام حسینؓ کی تشنگی کی روایات گھڑ گھڑ کر بیان کرنا کیونکر جائز ہے؟

کیا یزید حضرت امام حسینؓ کو شہید کرنا چاہتا تھا؟

اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل روایات اہل شیعہ سے نفی میں ملتا ہے :۔
۱۔ جلاء العیون اردو صفحہ ۴۵۶ کی وہ روایت جو "نزولِ کربلا اور اس کے بعد" کے عنوان کے نیچے اوپر درج ہو چکی ہے۔ (صفحہ ۱۷۱ پاکٹ بک ہذا)
۲۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۲۶۹ پر درج ہے کہ یزید کو تین شخصوں نے باری باری حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی اطلاع دی، اور ان تینوں کو یزید نے زجر و توبیخ اور تنبیہ کی۔ وہ اشخاص زجر بن قیس، محضر بن ثعلبہ اور شمر ذی الجوشن تھے۔
زجر بن قیس نے جب قتلِ حسینؓ کی اطلاع دی تو لکھا ہے کہ :۔
"یزید لختے سر فرو داشت و سخن نہ کرد، و پس سر بر آورد و گفت قَدْ كُنْتُ أَرْضَىٰ بِطَاعَتِكُمْ بِدُونِ قَتْلِ الْحُسَيْنِ۔ أَمَا لَوْ كُنْتُ صَاحِبَهٗ لَعَفَوْتُ عَنْهُ۔ اگر من حاضر بودم حسینؓ معفو می داشتم"
یعنی یزید دم بخود ہونے کے باعث سکتہ میں چلا گیا، اور بعد ازاں سر اُٹھا کر کہنے لگا کہ میں اس بات پر زیادہ راضی تھا کہ تم میرے حکم کی اطاعت کرتے اور امام حسینؓ کو قتل نہ کرتے۔ اور اگر میں وہاں موجود ہوتا تو انہیں چھوڑ دیتا۔
اسی طرح محضر بن ثعلبہ نے اطلاع دیتے ہوئے اہل بیت امام حسینؓ کی شان میں کچھ گستاخی کی تو یزید نے کہا :۔
مَا وَلَدَتْ أُمُّ مُحْضَرٍ أَشَدَّ وَأَلْأَمَ وَلٰكِنْ قَبَّحَ اللّٰهُ ابْنَ مَرْجَانَةَ یعنی محضر کی ماں

نے ایسا سخت ترین اور کمینہ بچہ نہ جنا ہوگا لیکن خدا ابن زیاد کا بھلا نہ کرے۔

اسی طرح شمر ذی الجوشن دربار یزید میں آیا اور طالب انعام ہوا تو یزید نے اسے بھی ناکام و نامراد پھیرا اور کہا کہ خدا تیری رکاب آگ اور ایندھن سے بھر دے۔ (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۲۶۹)

پہلا ماتم کرنے اور کرانے والا یزید تھا

۱۔ جب بعد از واقعۂ کربلا ممبران اہلِ بیت امام حسینؓ دمشق میں یزید کے ہاں بلائے گئے تو اس نے حکم دیا کہ ان کو فوراً حرم سرائے (زنانخانہ) میں لیجاؤ۔ یزید کے اپنے متعلق لکھا ہے:۔

كَانَ بِيَدِهٖ مِنْدِيْلٌ فَجَعَلَ يَمْسَحُ دُمُوْعَهٗ فَاَمَرَهُمْ اَنْ يَّحُوْلَنَّ اِلٰى هِنْدَ بِنْتِ عَامِرَ فَاِذَا دَخَلْنَ عِنْدَهَا فَسَمِعَ عَنْ دَاخِلِ الْقَصْرِ بُكَاءً وَنِدَاءً وَعَوِيْلًا۔

(خلاصۃ المصائب نولکشور صفحہ ۳۰۲)

یعنی یزید کے ہاتھ میں رومال تھا جس سے وہ اپنے آنسو پونچھتا جاتا تھا۔ یزید نے کہا کہ حرم محترم کو ہند بنت عامر کے ہاں ٹھہراؤ۔ چنانچہ جب وہ اندر داخل ہوئیں تو رونے اور چلانے کی صدا بلند ہوئی۔

۲۔ جب مخدرات اہلِ بیت عصمت و طہارت اس ملعون (یزید) کے گھر میں داخل ہوتے تو عورات ابوسفیان (خاندانِ یزید۔ ناقل) نے اپنے زیور اتار ڈالے اور لباس ماتم پہن کے آواز بہ نوحہ وگریہ بلند کی اور تین روز ماتم رہا۔ (جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۲۶)

۳۔ ہند بنت عبداللہ بن عامر جو یزید کی بیوی تھی کے متعلق لکھا ہے:۔

اس نے پردہ کا مطلق خیال نہ کیا اور گھر سے نکل کر مجلس یزید ملعون میں جس وقت کہ مجمع عام تھا آکے کہا، اے یزید! تو نے سرِ مبارک امام حسینؓ پسر فاطمہ زہراؑ کا میرے گھر کے دروازہ پر لٹکایا ہے۔ یزید نے دوڑ کر کپڑا اس کے سر پر ڈالدیا اور کہا کہ گھر میں چلی جا اور فرزندِ رسولِ خدا بزرگ قریش پر نوحہ وزاری کر کہ ابن زیاد نے ان کے بارے میں جلدی کی۔

(جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۲۶-۵۲۷)

میں انکے قتل پر راضی نہ تھا

"پس اہل بیت رسولِ خدا کو اپنے گھر میں رہنے کی جگہ دی اور ہر صبح و شام امام زین العابدین کو دسترخوان پر بلاتا تھا۔"

(جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۲۶ و ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۲۸۵ و ذبیح الاحزان صفحہ ۳۲۸)

نوٹ:۔ مندرجہ بالا حوالہ میں جو یہ ذکر آتا ہے کہ یزید نے حضرت امام حسینؓ کا کاستہ سر اپنے محل کے دروازہ پر آویزاں کر دیا تھا یہ اہلِ شیعہ کی دوسری روایات کے پیش نظر محض غلط اور مبالغہ آمیزی ہے کیونکہ دوسری روایت میں ہے کہ امام حسینؓ کا سر مبارک کوفہ کے راستہ میں شام تک جانے سے پہلے ہی بذریعہ ایک مخلص و خیر خواہ کے نجف اشرف میں پہنچ گیا تھا۔ دمشق میں تو پہنچا ہی نہیں۔ (فروع کافی جلد ۱ صفحہ ۵۹۴ مطبع نولکشور باب موضع راس الحسینؓ)۔

اس فروعِ کافی والی روایت کو صاحب ناسخ التواریخ نے بحوالہ کتاب کامل الزیارۃ امام جعفر صادق سے تسلیم کیا ہے۔ (ناسخ التواریخ صفحہ ۲۸۸ جلد ۶ کتاب ۲)

۴۔ "حضرت سکینہ دُختر امام حسینؓ نے ایک خواب دیکھا جو کہ یزید کے آگے بیان فرمایا۔ یزید نے جب یہ خواب سُنا تو اپنے مُنہ پر طمانچے مار کر گریہ کیا اور کہا۔ مجھے قتلِ حسینؓ سے کیا مطلب تھا۔"

(جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۵ ص ۵۲۸)

۵۔ "آں ملعون طمانچہ برروئے نحس خود زد وگفت مرا چہ کار با قتلِ حسینؓ بود"؟ (مہیج الاحزان مجلس ۱۳ ص ۲۳۵) کہ اس ملعون (یزید) نے اپنے منحوس چہرہ پر طمانچہ مارا اور کہا کہ مجھے قتلِ حسینؓ سے کیا تعلق یا واسطہ تھا؟

۶۔ "یزید نے اہلِ بیتِ رسالت کو طلب کر کے انکو نہایت عزت و حرمت سے شام میں رہنے یا مدینہ منورہ کی طرف چلے جانے کا اختیار دیا، اور انہوں نے ماتم بر پا کرنے کی اجازت چاہی جو منظور ہوئی۔ اور ملک شام میں جسقدر قریش و بنی ہاشم تھے وہ ماتم و گریہ زاری میں شریک ہوتے اور سات روز تک آنحضرتؐ پر نوحہ وزاری کی۔ روزِ ہشتم یزید نے ان کو طلب کیا اور عذر خواہی کر کے انکو شام میں رہنے کی تکلیف دی۔ جب انہوں نے قبول نہ کیا تو محمل ہائے مزین ان کے واسطے آراستہ کئے اور خرچ کے لئے مال حاضر کیا اور ان سے کہا کہ یہ اس ظُلم کا عوض ہے جو تم پر ہوا۔"

(جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۳۱، ۵۳۲ و مہیج الاحزان مجلس ۱۳ ص ۲۳۵)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ یزید نے خود امام حسینؓ کے ماتم کی اجازت دی اور ملک شام میں جو ماتم ہوا وہ خود یزید کی اجازت سے ہوا تھا۔ دوسرے یہ کہ امام حسینؓ کے ساتھ جو سلوک ہوا اس کو یزید بھی ظلم سمجھتا تھا۔ پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ یزید باوجود اس کو "ظلم" قرار دینے اور سمجھنے کے خود اسے روا رکھتا۔

۷۔ "یزید نے امام زین العابدین کو طلب کیا اور بخیال رفع تشنیع کہا خدا ابن مرجانہ ابن زیاد پر لعنت کرے۔ اگر مَیں اس کی جگہ ہوتا تو امام حسینؓ جو کچھ وہ مجھ سے طلب کرتے مَیں ان کو دیتا۔ اور انکے قتل پر راضی نہ ہوتا۔ آپ ہمیشہ مجھ کو خط لکھا کریں اور جو حاجت ہو مجھ سے طلب فرمائیں کہ مَیں بجالاؤنگا۔"

(جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۵ ص ۵۳۲)

ایک سوال

خلاصۃ المصائب ص ۳۰۲ مطبوعہ نولکشور وغیرہ کتب کی روایات کی بناء پر یزید کا امام حسینؓ کے قتل پر آنسو بہانا ثابت ہے مگر جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۸ ص ۳۷۹ پر درج ہے کہ "جو امام حسینؓ کو یاد کرے اور اس کی آنکھ پر بقدر پرِ مگس آنسو نکلے، ثواب اس کا خدا پر ہے اور خدا اس کے لئے کسی ثواب پر راضی نہیں ہے بغیر بہشت عطا کرنے کے۔"

تو اندریں صورت یزید کے انجام کے متعلق کیا فتویٰ ہے؟

خود شیعہ ہی قاتلینِ امام حسینؓ ہیں

ناسخ التواریخ میں لکھا ہے کہ ابن زیاد سپہ سالار لشکر یزید جس نے امام حسینؓ کو شہید کیا۔ ۸۰ ہزار کوفیوں پر مشتمل

تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

"وابی مخنف لشکرابن زیاد راہشتاد ہزار سوار نگاشتہ وگوید ہمگاں کوفی بودند وحجازی و شامی باایشاں نہ بود" (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۱۴۷) یعنی ابو مخنف نے ابن زیاد کا لشکر اسی ہزار بتایا ہے اور کہا ہے کہ وہ سب کے سب کوفی تھے۔ ان میں نہ کوئی حجازی تھا اور نہ شامی۔

۲۔ فَتَكَمَّلَ الْعَسْكَرُ ثَمَانُوْنَ اَلْفًا فَارِسٍ مِنْ اَهْلِ الْكُوْفَةِ لَيْسَ شَامِيٌّ وَلَا حِجَازِيٌّ۔ (مرقع کربلا مطبوعہ ریاضی پریس امروہہ صفحہ ۲) کہ ابن زیاد کا لشکر سب کا سب ۸۰ ہزار کوفی سواروں پر مشتمل تھا۔ ان میں نہ کوئی شامی تھا نہ حجازی۔

اب دیکھئے اسی ابو مخنف کی دوسری روایت جس میں وہ کہتا ہے کہ امام مسلم بن عقیل کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے ۸۰ ہزار کوفی تھے۔

"بروایت ابو مخنف ہشتاد ہزار کس با مسلم بیعت کرد" (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۱۳۳)

۳۔ علامہ مجلسی تحریر فرماتے ہیں کہ کربلا میں جب وقتِ ظہر ہوا تو حضرت امام حسینؓ اپنے خیمہ سے باہر تشریف لائے اور ابن زیاد کے لشکر کے درمیان کھڑے ہو کر ابن زیاد کے لشکر کو مخاطب کر کے فرمایا۔

اَيُّهَا النَّاسُ! میں تمہاری طرف نہیں آیا مگر جبکہ تمہارے خطوط متواتر اور تمہارے قاصد پے در پے میرے پاس پہنچے۔ تم نے لکھا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لائیے کہ ہمارا امام پیشوا کوئی نہیں ہے شاید خدا ہم کو اور آپ کو حق و ہدایت پر متفق کرے، اگر تم اپنے عہد و گفتار پر برقرار ہو تو مجھ سے پیمان تازہ کر کے میرا دل مطمئن کرو۔ اور اگر اپنے گفتار سے پھر گئے ہو اور عہد و پیمان کو شکستہ کر دیا ہے اور میرے آنے سے بیزار ہو تو میں اپنے وطن کو واپس جاتا ہوں۔"

(جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۴ صفحہ ۴۵۳)

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت امام حسینؓ کے نزدیک بھی آپ کے قاتلین بھی وہی تھے جنہوں نے کوفہ سے بیشمار خطوط بھیج کر اور بیعتِ مسلم کر کے بلایا تھا۔

۴۔ ناسخ التواریخ (مکمل حوالہ اگلے صفحہ پر درج ہے) میں ہے کہ امام حسینؓ نے لشکر یزید کے قاصد قرہ بن قیس کو مخاطب کر کے فرمایا:۔

"تمہارے شہر کے لوگوں نے نامہ ہائے بیشمار مجھے لکھے، بہت مبالغہ اور اصرار کر کے مجھے بلایا۔ اگر میرا آنا اب منظور نہیں ہے تو مجھے واپس جانے دو۔" (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۱۷۵)۔

۵۔ جب حضرت امام حسینؓ دشتِ کربلا میں خیمہ زن تھے، ایک عراقی مکہ کو جا رہا تھا۔ دیکھا کہ خیمہ کے باہر کرسی پر بیٹھ کر خطوط کا مطالعہ فرما رہے تھے۔ جب اس نے وجہ بے کسی و بے وطنی کی دریافت کی تو امام نے فرمایا:۔

"بنو امیہ مرا بیم قتل دادند و مردم کوفہ مرا دعوت کردند، اینک مکاتیب ایشاں است، حالانکہ کشندہ من ایشانند" (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۱۵۹)

کہ بنو اُمیہ نے مجھے قتل کی دھمکی دی اور کوفہ والوں نے مجھے بلایا، یہ سب خطوط انہی کے ہیں، اور حالانکہ میرے قاتل یہی لوگ ہیں۔

نوٹ :۔ اس روایت میں تو خود حضرت امام حسینؓ نے اپنے قتل اور واقعاتِ کربلا کی تمام ذمہ داری یزید سے ہٹا کر اہلِ کوفہ پر رکھی ہے۔

۶۔ ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۱۶۶ میں بحوالہ کتاب نور العین مرقوم ہے :۔

"حضرت سکینہؓ دختر حضرت امام حسینؓ سے روایت ہے کہ میں اپنے خیمہ میں تھی، ناگاہ رونے کی آواز سنائی دی۔ میں چپکے سے اپنے پدرِ بزرگوار کے پاس چلی گئی، وہ رو رہے تھے اور اپنے اصحاب سے فرما رہے تھے۔ "اے جماعت! جس وقت تم میرے ساتھ باہر نکلے، تم نے ایسا جانا کہ میں ایسی قوم میں جاتا ہوں جس نے دل و زبان سے میری بیعت کر لی ہے۔ اب وہ خیال دگرگوں ہو گیا ہے۔ شیطان نے ان کو فریفتہ کر لیا، یہانتک کہ خدا کو بھول گئے ان کی ہمت اب اس پر لگی ہے کہ مجھ کو قتل کریں اور میرے مجاہدین کو قتل کریں"

حضرت زینبؓ و دیگر اہلِ بیتِ امام کی تقریریں

بعد از واقعہ کربلا جب خاندان امام حسینؓ کے بقیہ ممبران کو دمشق کی طرف بھیجا جا رہا تھا۔ تو جب یہ قافلہ کوفہ کے پاس سے گزرا تو کوفہ کے بہت سے لوگ دیکھنے کے لئے آئے اور ممبران اہلِ بیت امام حسینؓ کو دیکھ کر رونے اور ماتم کرنے لگے، اس پر حضرت زینبؓ ہمشیرہ حضرت امام حسینؓ نے حسب ذیل تقریر فرمائی :۔

اما بعد، اے اہلِ کوفہ! اے اہلِ غدر و مکر و حیلہ! تم ہم پر گریہ کرتے ہو اور خود تم نے ہم کو قتل کیا ابھی تمہارے ظلم سے ہمارا رونا موقوف نہیں ہوا اور تمہارے ستم سے ہمارا فریاد و نالہ ساکن نہیں ہوا اور تمہاری مثال اس عورت کی ہے جو اپنے رسّہ کو مضبوط بٹتی ہے اور پھر کھول ڈالتی ہے ۔۔۔۔۔ تم ہم پر گریہ و نالہ کرتے ہو حالانکہ خود تم نے ہی ہم کو قتل کیا ہے۔ سچ ہے واللہ! لازم ہے کہ تم بہت گریہ کرو اور کم خندہ ہو۔ تم نے عیب و عارِ ابدی خود خرید کیا۔ اس عار کا دھبہ کسی پانی سے تمہارے جامے سے زائل نہ ہو گا۔ جگر گوشہ خاتم پیغمبراں و سیدِ جوانانِ بہشت کے قتل کرنے کا کس چیز سے تدارک کر سکتے ہو! اے اہلِ کوفہ! تم پر وائے ہو!! تم نے کن جگر گوشہ ہائے رسولؐ کو قتل کیا اور کن پردگیانِ اہلبیتِ رسولؐ کو بے پردہ کیا؟ کسقدر فرزندانِ رسولؐ کی تم نے خونریزی کی، انکی حرمت کو ضائع کیا۔ تم نے ایسے بُرے کام کئے جن کی تاریکیوں سے زمین و آسمان گھر گیا"

(جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۰۵ نیز ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ صفحہ ۲۴۳ مطبوعہ لندن)۔

۲۔ بعد ازاں حضرت فاطمہؓ بنت حضرت امام حسینؓ نے بھی اہلِ کوفہ کو لعن طعن کی ہے لکھا ہے :۔

" در و دیوار سے صدائے نوحہ بلند ہوئی اور سامعین نے کہا اے دختر پاکان و معصوماں۔ بس کر دو کہ ہمارے دلوں کو تم نے جلا دیا، اور ہمارے سینہ میں آتش حسرت روشن کر دی اور ہمارے دلوں کو کباب

کر دیا" (جلاء العیون جلد۲ باب۵ فصل ۱۵ ص۵۰۵)۔

۲۔ اس کے بعد حضرت اُمّ کلثومؑ خواہر امام حسینؑ نے ہودج میں سے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی:۔

"اے اہلِ کوفہ! تمہارا حال بد ہو اور تمہارے منہ سیاہ ہوں! تم نے کس سبب سے میرے بھائی حسینؑ کو بُلایا اور ان کی مدد نہ کی اور انہیں قتل کر کے مال و اسباب ان کا لُوٹ لیا؟ اور ان کی پردگیانِ عصمت و طہارت کو اسیر کیا؟ وائے ہو تم پر اور لعنت ہو تم پر، کیا تم نہیں جانتے کہ تم نے کیا ظلم و ستم کیا ہے اور کن گناہوں کا اپنی پشت پر انبار لگایا اور کیسے خون ہائے محترم کو بہایا اور دخترانِ رسولِ مکرمؐ کو نالاں کیا؟ بعد اس کے مرثیہ سیّد الشہداء میں چند شعر انشاء فرمائے جن کے سننے سے اہلِ کوفہ نے خروش واویلا واحسرتا بلند کیا۔ ان کی عورتوں نے بال اپنے پریشان کئے، خاکِ حسرت اپنے منہ پر ڈال کے اپنے منہ پر طمانچے مارتی تھیں اور واویلا وَاثبورا کہتی تھیں اور ایسا ماتم برپا تھا کہ دیدۂ روزگار نے نہ دیکھا تھا" (جلاء العیون جلد۲ باب۵ فصل ۱۵ ص۵۰۶ و ناسخ التواریخ جلد۶ کتاب ۲ ص۲۴۶)۔

امام زین العابدینؑ کی تقریر

پھر امام زین العابدینؑ نے اہلِ کوفہ سے خطاب کیا اور فرمایا:۔

"مَیں تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں! تم جانتے ہو کہ میرے پدرِ بزرگوار کو خطوط لکھے اور ان کو فریب دیا۔ اور ان سے عہد و پیمان کیا اور ان سے بیعت کی۔ آخر کار ان سے جنگ کی اور دشمن کو ان پر مسلط کیا۔ پس لعنت ہو تم پر! کہ تم نے اپنے پاؤں سے جہنم کی راہ اختیار کی اور راہِ بد اپنے واسطے پسند کی۔ اب کن آنکھوں سے حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھو گے جس روز وہ تم سے فرمائیں گے کہ تم نے میری عزت کو قتل کیا اور میری ہتک کی۔ کیا تم میری اُمت میں سے نہ تھے؟" پس دوبارہ صدائے گریہ بلند ہوئی۔ آپس میں ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم لوگ ہلاک ہوتے۔

جب صدائے فغاں کم ہوئی، حضرتؑ نے فرمایا۔ خدا اس پر رحمت کرے جو میری نصیحت قبول کرے سب نے فریاد کی۔ یا ابن رسول اللہ! ہم نے آپ کا کلام سُنا ہم آپ کی اطاعت کریں گے جو آپ سے جنگ کرے ہم اس سے جنگ کریں گے اور جو آپ سے صلح کرے اس سے صلح کریں گے اگر آپ کہیں تو آپ کے ستمگاروں سے آپ کا طلبِ خون کریں۔ حضرتؑ نے فرمایا۔ ہیہات ہیہات!!! اے غدارو! اے مکارو!! اب پھر دوبارہ مَیں تمہارے فریب میں نہ آؤں گا اور تمہارے جھوٹ کو باور نہ کروں گا تم چاہتے کہ مجھ سے بھی وہ سلوک کرو جو میرے بزرگوں سے کیا۔ بحق خداوندِ آسمانہائے دوّار! مَیں تمہارے قول و قرار پر اعتماد نہیں کرتا اور کیونکر تمہارے دروغ بے فروغ کو باور کروں، حالانکہ ہمارے زخم ہائے دل ہنوز تازہ ہیں، میرے پدر اور ان کے اہل بیت کل کے روز تمہارے مکر سے قتل ہوتے اور ہنوز مصیبت حضرتِ رسول و پدر و برادر عزیز و اقرباء میں نہیں بھُولا اور اب تک ان مصیبتوں کی تلخی میری زبان پر ہے اور میرے سینہ میں ان محبتوں کی آگ بھڑک رہی ہے"

(جلاء العیون جلد۲ باب۵ فصل ۱۵ صفحہ ۵۰۶، ۵۰۷)

۵- ایک دوسری روایت میں ہے:-

"فَقَالَ عَلِیُّ ابْنُ الْحُسَیْنِ بِصَوْتٍ ضَعِیْفٍ، تَنُوْحُوْنَ وَتَبْکُوْنَ لِاَجْلِنَا فَمَنْ قَتَلَنَا- سید سجاد بآواز ضعیف فرمود، ہاں اے مردم برما گریند و برما نوحہ مے کنند پس کشندہ ماکیست؟ ماراکہ کشت وکہ اسیر کرد" (ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ ص ۲۴۳) کہ امام زین العابدینؓ نے کمزور آواز سے کہا تم ہم پر نوحہ و ماتم کرتے اور روتے ہو- تو پھر ہم کو قتل کس نے کیا ہے؟

۶- حضرت اُمِّ کلثومؓ نے اہل کوفہ کی عورتوں کے رونے پر محل پر سے کہا: "اے اہل کوفہ! تمہارے مردوں نے ہم کو قتل کیا اور اب تمہاری عورتیں ہم پر روتی ہیں؟ خداوند عالم بروز قیامت ہمارا تمہارا حاکم ہے"۔

(جلاء العیون جلد ۲ باب ۵ فصل ۵ صفحہ ۵۰۰ و ناسخ التواریخ جلد ۶ کتاب ۲ ص ۲۴۸)

نوٹ:- ان سب تقاریر سے تین باتیں ثابت ہیں- اوّل قاتلینِ امام حسینؓ شیعہ تھے اور حضرت امام حسینؓ کے مبایعین تھے جیسا کہ حضرت امام زین العابدینؓ کی تقریر میں بیعت کا لفظ بھی موجود ہے- دوم سب سے پہلے عالمگیر ماتم کرنے والے (یزید کے بعد) خود اہل کوفہ قاتلینِ امام حسینؓ ہی تھے جیسا کہ الفاظ "ایسا ماتم برپا تھا کہ دیدۂ روزگار نے نہ دیکھا تھا" سے ظاہر ہے- سوم- موجودہ ماتم محض حضرت زینبؓ کی بددعا کا نتیجہ ہے- "واللہ! لازم ہے کہ تم بہت گریہ کرو اور مت خندہ ہو"۔ سچ ہے ؎

قریب ہے یار روزِ محشر چھپے گا کشتوں کا قتل کیونکر
جو چپ رہیگی زبانِ خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

چار سوال چکڑالویوں سے
قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی ہے

اہلِ قرآن حضرات ہم سے قرآن مجید میں مندرجہ وحی الٰہی کے علاوہ کسی اور وحی کے ہونے کا ثبوت طلب کیا کرتے ہیں اور ان کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام وحی الٰہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ صرف قرآن مجید ہی ہے اس کے متعلق ہم ان سے مندرجہ ذیل چار سوالات کرتے ہیں:-

۱- وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُمْ (الانفال: ۸) یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے دو گروہوں میں سے ایک گروہ کا وعدہ کیا کہ وہ مسلمانوں کے لئے ہے- ہم پوچھتے ہیں کہ وہ وعدۂ الٰہی جو مسلمانوں سے ہوا قرآنِ پاک میں کہیں درج ہے اگر درج ہے تو کہاں؟ اور اگر درج نہیں تو ماننا پڑے گا کہ ایسی وحی الٰہی بھی ہے جو قرآن کریم میں درج نہیں۔

۲- مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوْھَا قَآئِمَۃً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ (الحشر: ۶)

یعنی اے مسلمانو! تم نے جو کھجور کے تنے کاٹے یا ان کو اپنی جڑوں پر قائم کھڑا رہنے دیا یہ خدا کے ہی حکم سے تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو کھجور کے تنوں کو کاٹنے یا چھوڑنے کا حکم دیا تھا جس کا ذکر فَبِاِذْنِ اللّٰہِ میں ہے کیا وہ قرآن میں درج ہے؟ اگر درج ہے تو کہاں؟ اگر درج نہیں تو ثابت ہوا کہ ایسی وحی بھی ہے جو قرآن میں درج نہیں۔

۳۔ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَاَظْھَرَہُ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَرَّفَ بَعْضَہٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَھَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْۢبَاَکَ ھٰذَا قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ o (التحریم ۳) یعنی جب رسول کریمؐ نے کوئی بھید اپنی بیوی کو بتایا تو اس نے راز فاش کر دیا۔ خدا تعالیٰ نے آپؐ کو بھید کا فاش ہونا بتا دیا تو آپؐ نے بیوی سے پوچھا، کچھ بات تو بتا دی اور کچھ چھپائی۔ تو اُس بیوی نے پوچھا کہ آپؐ کو کس نے بتایا۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے خدا تعالیٰ نے بتایا ہے۔ اس آیت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو اس واقعہ کی خبر دی تھی۔ اب سوال یہ ہے کہ وہ اظہارِ الٰہی کیا قرآن میں ہے اگر ہے تو کہاں؟ اگر نہیں تو کیا ثابت نہیں ہوتا کہ ایسی وحی بھی ہے جو آنحضرتؐ پر نازل ہوئی۔ مگر قرآن میں درج نہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ صُدُوْدًا (نسآء : ۶۲) کہ جب انہیں کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف کہ جسے خدا نے نازل کیا (قرآن) اور رسولؐ کی طرف۔ تو تُو منافقوں کو دیکھے گا کہ وہ تجھ (رسولؐ) سے رُکتے ہیں۔

اِس آیت میں اللہ تعالیٰ دو چیزیں منوانا چاہتا ہے (۱) مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ۔ یعنی قرآن۔ (۲) الرَّسُوْل یعنی رسولؐ۔ مگر فرمایا کہ منافق قرآن تو مان لیتے ہیں مگر رسولؐ سے بھاگتے ہیں۔

اب حل طلب سوال یہ ہے کہ وہ کون لوگ منافق ہیں؟ ظاہر ہے کہ وہی جو احادیث کے منکر ہوں اور صرف قرآن کریم کے ماننے کے مدعی ہیں۔ خادم

وفاتِ مسیح ناصری علیہ السلام

از روئے قرآنِ کریم

پہلی دلیل:۔ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ۝ (المائدة : ۱۱۸)

مطلب:۔ اللہ تعالیٰ کے اس سوال کے جواب میں کہ اے عیسیٰ! کیا تُو نے نصاریٰ کو تثلیث کی تعلیم دی تھی؟ آپ انکار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میں نے تعلیم تو کیا دینی تھی۔ میری زندگی میں اور میرے سامنے یہ عقیدہ ظاہر نہیں ہوا۔ میں ان کا نگران تھا مَا دُمْتُ فِيهِمْ جب تک میں ان میں تھا۔ پھر جب تُو نے میری توفّی کر لی تو تُو ہی ان کا نگہبان تھا اور تُو ہر چیز کا محافظ ہے۔

استدلال نمبر ۱:۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے دو۲ زمانے بتائے ہیں۔ پہلا اپنی قوم میں حاضری کا (مَا دُمْتُ فِيهِمْ) اور دوسرا غیر حاضری کا (كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ) اور ان دونوں زمانوں کے درمیان حدِ فاصل تَوَفَّيْتَنِي ہے۔ گویا انکی اپنی قوم سے غیر حاضری سے پہلے "وفات" ہے کیونکہ غیر حاضری کی وجہ تَوَفَّيْتَنِي ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ اپنی قوم میں حاضر ہیں یا غیر حاضر؟ چونکہ غیر حاضر ہیں لہٰذا ان کی توفّی ہو چکی ہے۔

استدلال نمبر ۲:۔ اس آیت میں حضرت عیسیٰؑ اقرار فرماتے ہیں کہ تثلیث پرستی کا عقیدہ میری زندگی میں نہیں پھیلا بلکہ میری توفّی کے بعد پھیلا ہے اور اس زمانہ میں عیسائیوں کی تثلیث پرستی ایک کھُلی حقیقت ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ (المائدة : ۷۴) لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدة : ۱۸) کہ ان لوگوں نے کُفر کیا جنہوں نے کہا کہ خُدا تین میں سے ایک ہے اور ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ مسیح ابن مریم ہی خُدا ہے۔

پس صاف نتیجہ نکلا کہ حضرت عیسیٰؑ کی توفّی ہو چکی ہے یعنی وہ فوت ہو چکے ہیں۔

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے چشمۂ معرفت ص۲۵۴ طبع اوّل پر لکھا ہے:۔

"انجیل پر ابھی تیس برس بھی نہیں گزرے تھے کہ بجائے خدا کی پرستش کے ایک عاجز انسان کی پرستش نے جگہ لے لی۔" (محمدیہ پاکٹ بک ص۴۰ طبع اوّل مارچ ۱۹۳۵ء، ص۵۲۹ طبع دوم)

جواب:۔ اس حوالہ میں انجیل کا ذکر ہے مسیح کی ہجرت کا ذکر نہیں اور انجیل اس وحی کے مجموعہ کا نام

ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام پر ان کی وفات تک نازل ہوتی رہی جس طرح قرآن مجید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے قریب زمانہ تک نازل ہوتا رہا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَ۔۔۔ عِیْسٰی (النسآء : ۱۶۴) یعنی اسے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ پر اس طرح وحی نازل کی ہے جس طرح نوح اور۔۔۔۔ عیسیٰ علیہم السلام اور دیگر انبیاء پر۔ پس چشمہ معرفت کی عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کی زندگی ہی میں مسیح کی پرستش شروع ہو گئی تھی۔

تَوَفِّیْ کے معنے

حضرت امام بخاریؒ نے فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ کا ارشاد نقل کیا ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ مائدہ زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ المائدۃ : ۱۱۸) کہ حضرت ابن عباسؓ کے فیصلہ کے بعد کسی دوسرے شخص کی بات قابل قبول نہیں۔ اس حالت میں کہ جب قرآن مجید و احادیث و لُغت و تفاسیر کے مندرجہ ذیل حوالجات بھی ان کی تائید میں ہیں۔ (تفسیر ابن عباسؓ کے متعلق نوٹ آگے ملاحظہ فرمائیں ص۱۸۳)۔

لفظ توفی باب تفعل کا مصدر ہے۔ سو قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی اس کا کوئی مشتق استعمال ہوا ہے، جب اللہ تعالیٰ یا ملائکہ اس کا فاعل ہوں یا صیغہ مجہول ہو اور غائب مفعول اس کا انسان ہو تو سوائے قبض رُوح کے اور کوئی معنے نہیں اور وہ قبضِ رُوح بذریعہ موت ہے۔ سوائے اس مقام کے کہ جہاں لیل یا منام کا قرینہ موجود ہو تو وہاں قبضِ رُوح کو نیند ہی قرار دیا گیا ہے۔ بہرحال قبضِ جسم کسی جگہ بھی مراد نہیں چنانچہ قرآن کریم میں علاوہ متنازعہ فیہ جگہ کے ۲۳ جگہ لفظ توفی کا مشتق استعمال ہوا ہے۔

۱۔ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ (دو مرتبہ البقرہ : ۲۳۵ ؛ ۲۴۱)
۳۔ تَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران : ۱۹۴)
۴۔ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ (النسآء : ۱۶)
۵۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (النسآء : ۹۸)
۶۔ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا (الانعام : ۶۲)
۷۔ یَتَوَفَّوْنَهُمْ (الاعراف : ۳۸)
۸۔ تَوَفَّنَا مُسْلِمِیْنَ (الاعراف : ۱۲۷)
۹۔ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ (الرعد : ۴۱)
۱۰۔ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ (یونس : ۴۷)
۱۱۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا (یوسف : ۱۰۲)
۱۲۔ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (دو مرتبہ النحل ۳۳)

۱۴۔ ثُمَّ يَتَوَفّٰكُمْ (النحل: ۷۰)

۱۵۔ مَنْ يُتَوَفّٰى (الحج: ۵)

۱۶۔ قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ (السجدة: ۱۲)

۱۷۔ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا (الزمر: ۴۳)

۱۸۔ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى (المومن: ۶۸)

۱۹۔ اَوْنَتَوَفَّيَنَّكَ (المومن: ۷۸)

۲۰۔ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ (محمد: ۲۸)

۲۱۔ يَتَوَفّٰكُمْ بِالَّيْلِ (الانعام: ۶۱)

۲۲۔ اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ (الانفال: ۵۱)

۲۳۔ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰكُمْ (یونس: ۱۰۵)

کتب احادیث سے اس کی مثالیں

بخاری میں ایک باب (بخاری کتاب المناقب باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہے "باب توفّی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم" پھر آنحضرتؐ نے صاف فرما دیا کہ حضرت عیسیٰؑ کی توفّی کے وہی معنے ہیں جو میری توفّی کے ہیں۔ فرمایا:-

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِنَّهٗ يُجَاءُ بِرِجَالٍ مِّنْ اُمَّتِيْ فَيُؤْخَذُ بِهِمْ ذَاتَ الشِّمَالِ فَاَقُوْلُ يَارَبِّ اُصَيْحَابِيْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ الْعَبْدُ الصَّالِحُ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِيْبَ عَلَيْهِمْ۔ فَيُقَالُ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَمْ يَزَالُوْا مُرْتَدِّيْنَ عَلٰٓى اَعْقَابِهِمْ مُنْذُ فَارَقْتَهُمْ (بخاری کتاب التفسیر جلد ۳ ص۹۱ مصری وجلد ۲ ص۱۵۹ کتاب بدء الخلق مصری)

ترجمہ:۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میری اُمّت کے کچھ لوگ دوزخ کی طرف لے جاتے جائیں گے تو میں کہوں گا کہ یہ تو میرے صحابہ ہیں۔ جواب ملے گا تو نہیں جانتا کہ تیرے پیچھے انہوں نے کیا کیا۔ اُس وقت میں وہی کہوں گا جو اللہ تعالیٰ کے صالح بندے عیسیٰؑ نے کہا تھا کہ میں ان کا اسی وقت تک کا نگران تھا جب تک اُن میں تھا اور جب تُو نے مجھے وفات دیدی تو تُو ہی اُن کا نگہبان تھا۔

نتیجہ:۔ اس حدیث سے صاف نتیجہ نکلا کہ حضرت علیٰ عیسیٰؑ کی توفّی کی صورت وہی ہے جو آنحضرتؐ کی توفّی کی ہے۔ ورنہ آپ کا یہ فرمانا فَاَقُوْلُ كَمَا قَالَ درست نہیں رہتا۔

اب دیکھو آنحضرتؐ نے بعینہٖ وہی لفظ تَوَفَّيْتَنِيْ جو مسیح کے لئے استعمال ہوا ہے اپنے لئے استعمال فرمایا ہے۔ پس تعجب ہے کہ آنحضرتؐ کے لئے جب لفظ توفّی آتے تو اس کے معنی "موت" لئے جائیں مگر جب وہی لفظ حضرت مسیحؑ کے متعلق استعمال ہو تو اس کے معنے آسمان پر اُٹھا لیے جائیں۔

ایک لطیفہ :۔ اس کے جواب میں مؤلف محمدیہ پاکٹ بک لکھتا ہے :۔

"ایک ہی لفظ جب دو مختلف اشخاص پر بولا جائے تو حسب حیثیت وشخصیت اس کے جُدا جُدا معنے ہوتے ہیں۔ دیکھئے حضرت مسیح اپنے حق میں نفس کا لفظ بولتے ہیں اور خدائے پاک بھی ..... اب کیا خدا کا نفس اور مسیح کا نفس ایک جیسا ہے ؟

جواب :۔ گویا آپ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مثال حضرت مسیح کے بالمقابل ویسی ہی ہے۔ جیسی مسیح کی اللہ تعالیٰ کے بالمقابل۔ اور گویا آپ کے نزدیک آنحضرتؐ کی حیثیت اور شخصیت مسیح کی حیثیت اور شخصیت سے مختلف نوعیت کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف محمدیہ پاکٹ بک بھی در پردہ الوہیتِ مسیح کا قائل ہے ورنہ آنحضرتؐ اور مسیح کی حیثیت نبوت اور بشریت کے لحاظ سے نوع ہرگز مختلف نہیں اور نہ خُدا کی مثال پر حضرت مسیح کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ پس غیر احمدی کا جواب محض نفس کا دھوکہ اور قیاس مع الفارق ہے۔ کیونکہ یہ تو درست ہے کہ انسان کا قیاس خدا پر نہیں کیا جا سکتا لیکن نبی کا قیاس نبی پر اور انسان کا قیاس انسان پر تو کیا جا سکتا ہے۔ خود قرآن مجید میں ہے مَاكُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ کہ اے محمد رسول اللہ! کہدے کہ میں بھی پہلے انبیاء کی طرح ایک نبی ہوں۔ نیز وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (آل عمران : ۱۴۵)

پس جو معنی آنحضرتؐ کی توفی کے ہیں بعینہٖ وہی معنی حضرت عیسیٰؑ کی توفی کے بھی لینے پڑیں گے۔

پھر بخاری میں ہے قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ مُتَوَفِّيكَ مُمِيتُكَ کہ حضرت ابن عباسؓ نے مُتَوَفِّيكَ کے معنی موت کئے ہیں۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ مائدہ زیر آیت فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي : ۱۱۸)

تفسیر ابن عباسؓ

نوٹ : بعض غیر احمدی مولوی "تفسیر ابن عباسؓ" کے حوالہ سے کہدیا کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباسؓ تو حیاتِ مسیح کے قائل تھے اور وہ آیت يٰعِيسَى إِنِّي مُتَوَفِّيكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ (آل عمران ۵۶) میں تقدیم تاخیر کے قائل تھے۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم نے حضرت ابن عباسؓ کا جو مذہب پیش کیا ہے وہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ یعنی صحیح بخاری میں درج ہے جس کی صحت اور اصالت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا مگر وہ مختلف اقوال جو دوسری تفاسیر یا "تفسیر ابن عباسؓ" کے نام سے مشہور کتاب میں درج ہیں وہ قابلِ استناد نہیں کیونکہ ان تمام تفاسیر کے متعلق محققین کی رائے ہے کہ وہ جعلی اور جھوٹی تفسیریں ہیں جو حضرت ابن عباسؓ کی طرف منسوب کر دی گئی ہیں چنانچہ لکھا ہے :۔

۱۔ وَمِنْ جُمْلَةِ التَّفَاسِيرِ الَّتِي لَا يُوثَقُ بِهَا تَفْسِيرُ ابْنِ عَبَّاسٍ فَإِنَّهُ مَرْوِيٌّ مِنْ طَرِيقِ الْكَذَّابِينَ۔

(فوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ مصنفہ علامہ شوکانی ۱۲۵۰ھ مطبوعہ در مطبع محمدی لاہور ۱۳۰۳ھ صفحہ ۱۰۴)

یعنی ناقابلِ اعتبار اور غیر معتبر تفسیروں میں سے ایک تفسیر ابن عباس بھی ہے کیونکہ وہ کذاب راویوں سے مروی ہے۔

۲- حضرت امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: هٰذِهِ التَّفَاسِيْرُ الطِّوَالُ الَّتِيْ اَسْنَدُوْهَا اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ غَيْرُ مَرْضِيَّةٍ وَرُوَاتُهَا مَجَاهِيْلُ (تفسیر اتقان جلد ۲ صفحہ ۱۸۹) یہ لمبی لمبی تفسیریں جن کو مفسرین نے ابن عباس کی طرف منسوب کیا ہے ناپسندیدہ اور ان کے راوی غیر معتبر ہیں (خادم)

توفّی کے معنی عرفِ عام میں

قرآن مجید اور احادیث کے علاوہ اگر عرفِ عام کو بھی دیکھا جائے تو بھی متوفّی کے معنی میت کے ہی ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر پٹواری کے رجسٹر اور دیگر دفاتر کو دیکھ لو۔ اور جنازہ کی دعا میں وَمَنْ تَوَفَّيْتَهٗ مِنَّا فَتَوَفَّهٗ عَلَى الْاِسْلَامِ کہ جس کو تو ہم میں سے وفات دے تو اس کو اسلام پر ہی وفات دے۔

توفّی کے معنی لغت سے

صحاح میں لفظ توفّی کے نیچے ہے تَوَفَّاهُ اللّٰهُ اَيْ قَبَضَ رُوْحَهٗ پھر لکھا ہے۔ تُوُفِّيَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ وَاَدْرَكَتْهُ الْوَفَاةُ پا لیا اس کو موت نے (اساس البلاغۃ جلد ۲ صفحہ ۳۴۱)

اَلْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ۔ قَبَضَ رُوْحَهٗ (قاموس جلد ۴ صفحہ ۴۰۳)

تَوَفَّـهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا قَبَضَ نَفْسَهٗ (تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۴)

اَلْوَفَاةُ الْمَنِيَّةُ وَالْوَفَاةُ الْمَوْتُ وَتُوُفِّيَ فُلَانٌ وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ اِذَا قَبَضَ نَفْسَهٗ وَفِي الصِّحَاحِ اِذَا قَبَضَ رُوْحَهٗ (لسان العرب جلد ۲۰ صفحہ ۲۸۰) جب اس کے نفس کو اللہ تعالیٰ قبض کرے۔ اور صحاح جوہری میں بجائے نفس کے روح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

تَوَفَّاهُ اللّٰهُ اَيْ قَبَضَ رُوْحَهٗ (صحاح جوہری زیر لفظ توفّی)

مُتَوَفّٰی۔ وفات یافتہ، مرا ہوا، انتقال کردہ شدہ جہان سے گزرا ہوا (فرہنگ آصفیہ جلد ۴ صفحہ ۲۸۲)

بعض تراجم میں توفّی کے معنے بھر لینے کے لکھے ہیں اور اس کا مطلب بھی موت دینا ہے۔

(فرہنگ آصفیہ " " ")

توفّی کا مادہ

کلیات ابو البقاء صفحہ ۱۲۹ پر لکھا ہے۔ اَلتَّوَفِّيْ - اَلْاِمَاتَةُ وَقَبْضُ الرُّوْحِ وَعَلَيْهِ اِسْتِعْمَالُ الْعَامَّةِ۔۔۔ وَالْفِعْلُ مِنَ الْوَفَاةِ تُوُفِّيَ عَلٰى مَالَمْ يُسَمَّ فَاعِلُهٗ لِاَنَّ الْاِنْسَانَ لَا يَتَوَفّٰى نَفْسَهٗ فَالْمُتَوَفِّيْ هُوَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَوْ اَحَدٌ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَزَيْدٌ هُوَ الْمُتَوَفّٰى۔ یعنی توفّی کے معنے مارنے اور قبض روح کرنے کے ہیں اور عام لوگوں کا استعمال اسی معنی پر ہے اور اشتقاق اس کا وفات سے ہے۔ توفّی مجہول استعمال کیا جاتا ہے کیونکہ انسان خود اپنی جان کو قبض نہیں کرتا کیونکہ مارنے والا اللہ تعالیٰ ہے یا کوئی اس کا فرشتہ ہے اور انسان وہ ہے جس کو موت دی جاتی ہے۔

توفّی کے معنی احادیث سے

۱- قَالَ اِنَّهٗ سَيَكُوْنُ مِنْ ذٰلِكَ مَا شَآءَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ رِيْحًا طَيِّبَةً

فَيُتَوَفّٰى كُلُّ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ مِنْ اِيْمَانٍ فَيَبْقٰى مَنْ لَاخَيْرَ فِيْهِ فَيَرْجِعُوْنَ اِلٰى دِيْنِ اٰبَائِهِمْ۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۸۴ و ۳۸۶)

۲۔ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا اِلَّا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَةَ مِنَ الثِّيَابِ۔ الخ (مسند امام احمد بن حنبل مطبوعہ جلد ۶ صفحہ ۳۰۲ مصری)

۳۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكٰى وَبَكٰى اَصْحَابُهٗ تُوُفِّيَ سَعْدُ ابْنُ مَعَاذٍ اِلٰى اٰخِرِهٖ رَوَاهُ ابْنُ جَرِيْرٍ۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۴۲)

۴۔ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اِذَا اشْتَكٰى نَفَثَ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ مَسَحَ عَنْهُ بِيَدِهٖ فَلَمَّا اشْتَكٰى وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ طَفِقْتُ اَنْفُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ بِالْمُعَوِّذَاتِ۔ الخ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۹۔ مصری)

۵۔ اِنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ رَاَيْتُ ثَلٰثَةَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِيْ حُجْرَتِيْ فَقَصَصْتُ رُؤْيَايَ عَلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدُفِنَ فِيْ بَيْتِهَا قَالَ لَهَا اَبُوْ بَكْرٍ هٰذَا اَحَدُ اَقْمَارِكِ وَهُوَ خَيْرُهَا۔ (موطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ مطبوعہ مصر)۔

۶۔ عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ وَالَّذِيْ تُوُفِّيَ نَفْسُهٗ تَعْنِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تُوُفِّيَ حَتّٰى كَانَتْ اَكْثَرُ صَلَاتِهٖ قَاعِدًا اِلَّا الْمَكْتُوْبَةَ۔ الخ

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۳۰۴ مصری)

۷۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّهَا قَالَتْ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ قَالَ لَهَا يَا بُنَيَّةُ اَيُّ يَوْمٍ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ الخ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۱۱۸ مصری)

۸۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ لِطَلْحَةَ اِبْنِ عُبَيْدِ اللّٰهِ مَالِيْ اَرَاكَ قَدْ شَعِثْتَ وَاغْبَرَرْتَ مُنْذُ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ الخ

(مسند امام احمد بن حنبل مصری جلد ۱ صفحہ ۲۸)

۹۔ عَنْ عُثْمَانَ اَنَّ رِجَالًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَزِنُوْا عَلَيْهِ حَتّٰى كَادَ بَعْضُهُمْ يُوَسْوِسُ وَكُنْتُ مِنْهُمْ فَقُلْتُ لِاَبِيْ بَكْرٍ تَوَفَّى اللّٰهُ نَبِيَّهٗ۔ الخ۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۴۷ مصری)

تَوَفِّیْ کے لئے انعامی اشتہار

چونکہ متنازعہ فیہ جگہ میں تَوَفِّیْ باب تَفَعُّل سے ہے اور اللہ تعالیٰ فاعل ہے اور ذی روح یعنی حضرت عیسیٰؑ مفعول ہیں اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایسی صورت میں تَوَفِّیْ کے معنے سوائے قبض روح کے دکھانے والے کو ایک ہزار روپیہ انعام مقرر فرمایا ہے مگر آج تک کوئی مردِ میدان

نہیں بنا جو یہ انعام حاصل کرتا، اور نہ ہی ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

بعض غیر احمدی مولوی کہا کرتے ہیں کہ تم نے توفی کے متعلق یہ قاعدہ کہاں سے لیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ فاعل اور کوئی ذی رُوح مفعول ہو۔ تو اس کے معنی قبض روح یا موت کے ہوتے ہیں؟ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ قاعدہ کوئی من گھڑت قاعدہ نہیں ہے، بلکہ کتب لغت میں مذکور ہے جیساکہ قاموس، تاج العروس اور لسان العرب میں ہے۔

۱۔ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ۔ قَبَضَ رُوْحَهٗ (قاموس جلد ۴ صفحہ ۴۰۳) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس ذی رُوح کی توفّی کی۔ یعنی اس کی روح قبض کرلی۔ اس حوالہ میں لفظ توفی باب تفعّل سے ہے۔ اللہ فاعل مذکور ہے اور ہٗ کی ضمیر بھی جو ذی روح کی طرف پھرتی ہے۔ اس کے معنے قبض روح صاف طور پر لکھے ہیں۔

اسی طرح تاج العروس جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۴ اور لسان العرب جلد ۲۰ صفحہ ۲۸ کے حوالے پہلے صفحہ ۱۸۱ پر درج ہو چکے ہیں۔

۲۔ تَوَفَّاهُ اللّٰهُ اَيْ قَبَضَ رُوْحَهٗ۔ اللہ تعالیٰ نے فلاں شخص کی توفّی کی، یعنی اس کی رُوح کو قبض کیا۔ (صحاح الجوہری)

۳۔ استقراء کے طور پر یہ قاعدہ ہے، اس کے خلاف ایک مثال ہی بموجب شرائط پیش کرو۔ جو یقیناً ناممکن ہے۔ (خادم)

غیر احمدیوں کے عذر کا جواب

محمدیہ پاکٹ بُک صفحہ ۵۱۴ پر جو توفّی کے معنے تفسیر بیضاوی اور تفسیر کبیر کے حوالہ سے اَلتَّوَفِّيْ۔ اَخْذُ الشَّيْءِ وَافِيًا اور تَوَفَّيْتُ مِنْهُ دَرَاهِمِيْ مذکور ہیں۔ ان ہر دو مثالوں میں توفّی کا مفعول ذی روح نہیں۔ بلکہ پہلی مثال میں شَيْء اور دوسری میں دراھم غیر ذی روح مفعول ہے۔ مگر يٰعِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ اور فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ میں مفعول حضرت عیسیٰؑ ذی روح ہیں۔

براہینِ احمدیہ کے حوالہ کا جواب

اسی طرح محمدیہ پاکٹ بُک صفحہ ۵۱۵ پر۔ براہینِ احمدیہ صفحہ ۵۱۹ حاشیہ کے حوالہ سے جو ترجمہ آیت: اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کا بدیں الفاظ درج کیا گیا ہے کہ "میں تجھ کو پُوری نعمت دوں گا" وہ حجت نہیں کیونکہ اسی براہین احمدیہ کے صفحہ ۵۵۵ پر اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ کا ترجمہ "وفات دوں گا" بھی درج ہے جو درست ہے۔ "نعمت دُونگا" والا ترجمہ لائق استناد نہیں کیونکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ وہ ترجمہ مستند نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں:۔

الف:۔ یاد رہے کہ براہین احمدیہ میں جو کلماتِ الٰہیہ کا ترجمہ ہے وہ بباعث قبل از وقت ہونے کے کسی جگہ مجمل ہے اور کسی جگہ معقولی رنگ کے لحاظ سے کوئی لفظ حقیقت سے پھیرا گیا ہے یعنی صرف عن الظاہر

کیا گیا ہے ..... پڑھنے والوں کو چاہیئے کہ کسی ایسی تاویل کی پرواہ نہ کریں"۔

(براہین احمدیہ حصہ پنجم حاشیہ صفحہ ۷۲)

ب۔ "مَیں نے براہین احمدیہ میں غلطی سے توفی کے معنی ایک جگہ پورا دینے کے کئے ہیں جس کو بعض مولوی صاحبان بطور اعتراض پیش کیا کرتے ہیں۔ مگر یہ امر جائے اعتراض نہیں۔ مَیں مانتا ہوں کہ وہ میری غلطی ہے، الہامی غلطی نہیں۔ مَیں بشر ہوں اور بشریت کے عوارض مثلاً جیساکہ سہو اور نسیان اور غلطی یہ تمام انسانوں کی طرح مجھ میں بھی ہیں۔ گو مَیں جانتا ہوں کہ کسی غلطی پر مجھے خدا تعالیٰ قائم نہیں رکھتا، مگر یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ مَیں اپنے اجتہاد میں غلطی نہیں کرسکتا۔ خدا کا الہام غلطی سے پاک ہوتا ہے مگر انسان کا کلام غلطی کا احتمال رکھتا ہے۔ کیونکہ سہو و نسیان لازمہ بشریت ہے"۔ (ایام الصلح ص۴۱)

ج۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ ایام الصلح کی عبارت میں تحریر فرمایا ہے وہ قرآن مجید و احادیث نبوی کے عین مطابق ہے کیونکہ یہی بات خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمائی ہے جیساکہ فرمایا:۔

مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ سُبْحٰنَهٗ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيْهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَ اُصِيْبُ (نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی ص۳۹۲) کہ جو بات مَیں اللہ تعالیٰ کی وحی سے کہوں تو وہ درست ہوتی ہے (یعنی اس میں غلطی کا امکان نہیں) لیکن جو بات میں اس وحی الٰہی کے ترجمہ و تشریح کے طور پر اپنی طرف سے کہوں تو یاد رکھو کہ میں بھی انسان ہوں، مَیں اپنے خیال میں غلطی بھی کرسکتا ہوں۔

تفصیل کے لیے دیکھو پاکٹ بک ہذا۔ الہامات پر اعتراضات کا جواب ص۴۱۸)

اسی طرح بخاری میں بھی ہے۔ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ اَنْسٰى كَمَا تَنْسَوْنَ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجہ الی القبلۃ جلد۱ ص۵۸) کہ مَیں بھی انسان ہوں، تمہاری طرح مجھ سے بھی نسیان ہوجاتا ہے۔

تَوَفِّیْ کے معنی تفاسیر سے

۱۔ تفسیر خازن جلد۱ ص۲۸۵ پر ہے۔ اَلْمُرَادُ بِالتَّوَفِّيْ حَقِيْقَةُ الْمَوْتِ۔ یعنی توفّی سے مراد موت کی حقیقت ہے۔ (تفسیر خازن نیا ایڈیشن جلد۱ ص۲۴۰)

۲۔ تفسیر کبیر جلد۶ ص۱۸۹ پر لکھا ہے۔ مُتَوَفِّيْكَ کے معنے ہیں۔ مُتَمِّمُ عُمْرِكَ فَحِيْنَئِذٍ اَتَوَفَّاكَ فَلَآ اَتْرُكُهُمْ حَتّٰى يَقْتُلُوْكَ۔ (تفسیر کبیر جلد۸ ص۷۲۔ آل عمران ۵۶)

۳۔ تفسیر درمنثور جلد۲ ص۳۶ مطبوعہ مصر پر لکھا ہے۔ اَخْرَجَ ابْنُ جَرِيْرٍ وَابْنُ الْمُنْذِرِ وَ ابْنُ اَبِيْ حَاتِمٍ مِنْ طَرِيْقِ عَلِيٍّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ فِيْ قَوْلِهٖ اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ يَقُوْلُ اِنِّيْ مُمِيْتُكَ۔ یعنی ابن عباسؓ مُتَوَفِّيْكَ کے معنی مارنے والا کرتے ہیں۔

۴۔ تفسیر فتح البیان جلد۳ ص۱۳۳ پر لکھا ہے۔ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ کے نیچے قِيْلَ هٰذَا يَدُلُّ

عَلٰی اَنَّ اللّٰہَ سُبْحٰنَہٗ تَوَفَّاہُ قَبْلَ اَنْ یَّرْفَعَہٗ یعنی خدا تعالیٰ نے عیسیٰؑ کو اُٹھانے سے قبل وفات دے دی تھی۔

۵۔و۔ تفسیر کشاف جلد ۱ صـ۳۶۶ پر مُتَوَفِّیْکَ کے معنے لکھے ہیں ، وَمُمِیْتُکَ حَتْفَ اَنْفِکَ یعنی طبعی موت سے مارنے والا ہے۔ (نیا ایڈیشن جلد ۱ صـ۳۲۵)

۶۔ب۔ تفسیر مدارک برحاشیہ خازن جلد ۱ صـ۲۸۴۔ ایضاً

۷۔ تفسیر سرسید احمد خاں صاحب جلد ۲ صـ۲۵۵ "پھر جب تُو نے مجھ کو فوت کیا، تو تُو ہی ان پر نگہبان تھا"

۸۔ تفسیر فتح البیان جلد ۲ صـ۴۹ پر ہے زیر آیت مُتَوَفِّیْکَ۔ قَالَ اَبُوْزَیْدٍ مُتَوَفِّیْکَ قَابِضُکَ .... وَالْمَعْنٰی کَمَا قَالَ فِی الْکَشَّافِ۔الخ اس نے بھی کشاف کے معنوں کو قبول کیا ہے اور وہ گزر چکے ہیں۔

۹۔ تاج التفاسیر جلد ۱ صـ۴۹ زیر آیت یَتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ (البقرۃ : ۲۳۵) اَیْ یَمُوْتُوْنَ مِنْکُمْ۔

۱۰۔ سراج التفاسیر جلد ۱ صـ۱۲۵ ، یُتَوَفَّوْنَ اَیْ یَمُوْتُوْنَ۔

۱۱۔ مجمع البیان جلد ۱ صـ۳۳۲ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ اَیْ یُقْبَضُوْنَ وَیَمُوْتُوْنَ ۔ (جزء ۲ صـ۳۲۸)

۱۲۔ فتح البیان جلد ۱ صـ۳ یَتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ وَالْمَعْنٰی الَّذِیْنَ یَمُوْتُوْنَ۔

۱۳۔ دُرالاسرار جلد ۱ صـ۴۰ یَتَوَفَّوْنَ لِوَرْوْدِ حِمَامِھِمْ۔

۱۴۔ ترجمۃ القرآن تفسیر عبداللہ چکڑالوی صـ۲۰۲ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ اور جو لوگ مر جاویں گے تم میں سے۔

۱۵۔ روح البیان جلد ۱ صـ۳۶۶ وَالَّذِیْنَ یُتَوَفَّوْنَ مِنْکُمْ اَیْ یَمُوْتُوْنَ وَیُقْبَضُ اَرْوَاحُھُمْ بِالْمَوْتِ۔ (نیا ایڈیشن جلد ۱ صـ۳۶۹)

۱۶۔ فتح البیان جلد ۵ صـ۲۲۶ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰھُمْ اَیْ تَقْبِضُ اَرْوَاحَھُمْ۔

۱۷۔ " " " ۸ صـ۱۹۰ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا اَیْ یَقْبِضُ الْاَرْوَاحَ عِنْدَ حُضُوْرِ اٰجَالِھَا۔

۱۸۔ روح المعانی جلد ۵ صـ۲۰۹ وَمِنْکُمْ مَنْ یُتَوَفّٰی اَیْ مِنْکُمْ مَنْ یَمُوْتُ مِنْ قَبْلِ الشَّیْخُوْخَۃِ بَعْدَ بُلُوْغِ الرُّشْدِ اَوْقَبْلَہٗ۔ ایضاً

۱۹۔ روح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۰۳ و ۳۰۴ ۔ اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا یُقَالُ تَوَفَّاہُ اللّٰہُ قَبَضَ رُوْحَہٗ کَمَا فِی الْقَامُوْسِ .... وَمَعْنَی الْاٰیَۃِ یَقْبِضُ اللّٰہُ الْاَرْوَاحَ الْاِنْسَانِیَّۃَ مِنَ الْاَبْدَانِ۔ الخ (نیا ایڈیشن جلد ۸ صـ۱۱۳)

۲۰۔ روح البیان جلد ۳ صـ۳۴ یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ قَالَ فِی الصِّحَاحِ تَوَفَّاہُ قَبَضَ

رُوْحَهٗ وَالْوَفَاۃُ اَلْمَوْتُ۔ (نیا ایڈیشن جلد ۸ ص ۱۱۳)

۲۱۔ روح البیان جلد ۳ ص ۴۶۸ وَمِنْكُمْ مَنْ یُتَوَفّٰی یُقْبَضُ رُوْحُهٗ وَیَمُوْتُ۔

۲۲۔ روح البیان جلد ۸ ص ۲۱۴ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ اگر بمیرانیم ترا پیش از ظہور آں عذاب۔

۲۳۔ روح البیان جلد ۲ ص ۳۱۶ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَیْ یَقْبِضُ اَرْوَاحَهُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ وَاَعْوَانُهٗ۔

۲۴۔ روح البیان جلد ۲ ص ۲۵۳ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ اَیْ نَقْبِضُ رُوْحَكَ الطَّاهِرَةَ قَبْلَ اِرَاءَةِ ذٰلِكَ۔ (نیا ایڈیشن جلد ۴ ص ۳۸۸ تفسیر سورۃ الرعد: ۴۱)

۲۵۔ روح البیان جلد ۲ ص ۶۴۳ وَمِنْكُمْ مَنْ یُتَوَفّٰی اَیْ یُقْبَضُ رُوْحُهٗ وَیَمُوْتُ بَعْدَ بُلُوْغِ الرُّشْدِ اَوْ قَبْلَهٗ ..... وَالتَّوَفِّیْ عِبَارَةٌ عَنِ الْمَوْتِ وَتَوَفَّاهُ اللهُ قَبَضَ رُوْحَهٗ۔

۲۶۔ روح البیان جلد ۲ ص ۲۱۶ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا اَیْ اِقْبِضْنِیْ اِلَیْكَ مُخْلِصًا بِتَوْحِیْدِكَ۔

۲۷۔ انوار التنزیل مصنفہ قاضی ناصر الدین عبداللہ البیضاوی ص ۳۳۰ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا اِقْبِضْنِیْ۔

مفسرین کو غلطی لگی ہے

فتح البیان جلد ۲ ص ۴۹ زیر آیت مُتَوَفِّیْكَ لکھا ہے:۔

وَاِنَّمَا احْتَاجَ الْمُفَسِّرُوْنَ اِلٰی تَاوِیْلِ الْوَفَاةِ بِمَا ذُكِرَ لِاَنَّ الصَّحِیْحَ اَنَّ اللهَ تَعَالٰی رَفَعَهٗ اِلَی السَّمَاءِ مِنْ غَیْرِ وَفَاتٍ كَمَا رَجَّحَهٗ كَثِیْرٌ مِّنَ الْمُفَسِّرِیْنَ وَاخْتَارَهُ ابْنُ جَرِیْرِ الطَّبَرِیُّ وَوَجْهُ ذٰلِكَ اَنَّهٗ قَدْ صَحَّ فِی الْاَخْبَارِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نُزُوْلُهٗ وَقَتْلُهُ الدَّجَّالَ۔ یعنی کہتے ہیں کہ مفسرین نے جو وفاتِ عیسیٰؑ کی نص کی تاویلیں کی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے حدیثوں میں ان کے لئے نزول کا لفظ دیکھا اور ان کے قتلِ دجال کا بیان پڑھا۔ حالانکہ نزول سے آسمان پر جانا اور قتلِ دجال کے ذکر سے بعینہٖ انکا زندہ رہنا ثابت نہیں ہوتا۔

(تفصیل اپنی جگہ پر دیکھیں)

دوسری دلیل۔ اِذْ قَالَ اللهُ یٰعِیْسٰٓی اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ وَرَافِعُكَ اِلَیَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ (آل عمران: ۵۶)

ترجمہ: جب فرمایا اللہ تعالیٰ نے اے عیسیٰؑ میں ہی تجھے وفات دینے والا ہوں اور عزت دینے والا ہوں تجھ کو اور یہود نامسعود کے اعتراضات سے تجھے بری الذمہ کرنے والا ہوں اور تیرے ماننے والوں کو قیامت تک نہ ماننے والوں پر غالب کرنے والا ہوں۔

استدلال:۔ اللہ تعالیٰ نے مُتَوَفِّیْكَ کو پہلے رکھا ہے، ہمارا کوئی حق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ترتیب کو بدلیں ورنہ اس کی حکمت پر الزام آئے گا کہ اس نے اس چیز کو جو پیچھے تھی بلاوجہ آگے کر دیا (نعوذ باللہ)

دوم:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ حضورؐ پہلے صفا کا طواف کریں گے یا مروہ کا۔ آپؐ نے فرمایا۔

اَبْدَأُ بِمَا بَدَأَ اللّٰهُ اس سے شروع کرتا ہوں جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔ پس ہمیں بھی وہی پہلے رکھنا چاہیئے جس کو اللہ تعالیٰ نے پہلے رکھا ہے (نیز دیکھو محمدیہ پاکٹ بک ص۵۹۱ بحوالہ مسلم وجلالین)

سوم:۔ اگر مُتَوَفِّيكَ کو پیچھے کیا جائے تو ساری ترکیب ہی درہم برہم ہو جائیگی اور صحیح طور پر مُتَوَفِّيكَ کی کوئی جگہ نہ ہوگی۔ کیونکہ وعدہ کا اب شروع ہے اور الیٰ یوم القیامۃ رہے گا۔ توفی کے معنے اوپر گذر چکے ہیں اور رفع کے معنے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ (النسآء: ۱۵۹) کی بحث میں ملاحظہ کریں۔

غیر احمدی:۔ واؤ ترکیب کے لئے نہیں ہوتی جیسا کہ قرآن مجید کی آیت وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ (النحل: ۷۹) میں ہے۔

جواب:۔ آیت محوّلہ میں تو نہایت پُر معارف ترتیب ہے کیونکہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس وقت اس کی آنکھیں بند ہوتی ہیں ہاں کان کُھلے ہوتے ہیں سن سکتا ہے اسی لئے سب سے پہلے اس کے کان میں اذان دینے کا حکم ہے۔ پس اس وجہ سے قرآن مجید میں سَمْع (سننے کو) پہلے رکھا گیا ہے دیکھنے کی قوت بعد میں ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے اَبْصَار کو بعد میں بیان کیا گیا ہے۔ اور چونکہ عقل اور سمجھ بہت بعد میں آتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اَفْئِدَةَ (دل) کو سب سے پیچھے رکھا ہے۔ "دل" عقل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا (الاعراف: ۱۸۰) کہ ان کے دل ہیں مگر ان دلوں سے یہ سمجھتے نہیں۔ پس آیت قرآنی میں حد درجہ ایمان افروز ترتیب ہے اس طرح وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ (البقرۃ: ۵۹) میں بھی ہر دو مقامات پر عدم ترتیب نہیں کیونکہ حِطَّةٌ کہنا دروازے میں داخل ہونے کے ساتھ ہی ہر دو مقامات میں بیان ہوا ہے یعنی دروازے میں داخل ہونا اور حِطَّةٌ کہنا قرآن مجید کی دونوں آیات وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ اور قُوْلُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا میں بیک وقت وقوع میں آنا بیان ہوا ہے۔ پس اس میں بھی تقدیم تاخیر کا کوئی سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پس حق اور سچ بات یہی ہے کہ انسان کے کلام میں تو واؤ عالیہ اگر بغیر صحیح ترتیب کے مستعمل ہو تو ممکن ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کا کلام بغیر ترتیب کے نہیں ہو سکتا۔ تعجب ہے کہ حیاتِ مسیح کے باطل عقیدہ نے تم کو قرآن مجید کے مرتب اور مسلسل کتاب ہونے کا بھی منکر بنا دیا۔ سچ ہے ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج تا ثریا مے رَوَد دیوار کج

تیسری دلیل۔ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (المائدۃ: ۷۶) ترجمہ:۔ نہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول اللہ آپ سے پہلے رسول سب فوت ہو چکے اور آپ کی والدہ راستباز تھی۔ وہ دونوں ماں بیٹا کھانا کھایا کرتے تھے۔ استدلال:۔ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ اور مریم کے ترکِ طعام کو ایک جگہ بیان فرما کر ظاہر کر دیا کہ دونوں کے یکساں واقعات ہیں۔ اب مریم کے ترکِ طعام کی وجہ موت مسلّم ہے تو ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیح کے ترکِ طعام کی بھی یہی وجہ تھی کیونکہ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ماضی استمراری ہے گویا اب نہیں کھاتے لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ (الانبیاء: ۹) یعنی ان (انبیاء)

کو ہم نے ایسا جسم نہیں بنایا جو کھانا نہ کھاتا ہو یا ہمیشہ رہنے والا ہو۔ حدیث میں بھی آنحضرتؐ فرماتے ہیں وَلَا مُسْتَغْنِیٌ عَنْهُ رَبَّنَا (بخاری کتاب الاطعمۃ باب مایقول اذا فرغ من طعامہ) اے ہمارے رب ہمارے لیے اس سے استغنا نہیں ہو سکتا۔ پس بشر بصورت زندگی تو محتاج طعام ہے پس مسیح کا احتیاج سے سوائے موت کے بَری ہونا کیونکر ممکن ہے؟

چوتھی دلیل:۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ (آل عمران: ۱۴۵)۔

ترجمہ:۔ آنحضرتؐ صرف ایک رسول ہیں آپ سے پہلے کے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ پس اگر یہ مر جائے یا قتل کیا جائے تو تم اپنی ایڑیوں پر پھر جاؤ گے۔

استدلال:۔ اِس آیت میں آنحضرتؐ سے پہلے تمام رسولوں کی نسبت گذر جانے کی خبر دی ہے اور گزر جانے کے طریق صرف دو قرار دیتے ہیں، موت اور قتل۔ یعنی بعض بذریعہ موت طبعی گزرے اور بعض بذریعہ قتل۔ اگر کوئی تیسری صورت گزرنے کی ہوتی تو اس کا بھی آیت میں ذکر ہوتا۔ مثلاً آسمان پر زندہ اُٹھائے جانے کی صورت جو مسیح کے متعلق خیال کی جاتی ہے۔ چنانچہ اس کی تائید تفسیروں کے ان حوالجات سے بھی ہوتی ہے جو زیر عنوان "خَلَا کے معنے تفسیر میں" درج ہیں۔ (دیکھو صفحہ ۱۹۳)

اس آیت میں صاف لکھا ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے سب رسول گزر چکے ہیں یعنی فوت ہو چکے ہیں جن میں حضرت عیسیٰؑ بھی شامل ہیں بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ چونکہ آیت مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (المائدۃ: ۷۶) میں سے بظاہر مسیحؑ باہر رہ جاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کی وفات کا بالتخصیص ذکر فرمانے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

غیر احمدی عُذرات کا جواب

مصنفِ محمدیہ پاکٹ بک نے اس ضمن میں صفحہ ۵۷۶، ۵۷۷ پر جو ترجمہ حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت خلیفۃ اوّلؓ کا جنگ مقدس، شہادۃ القرآن اور فصل الخطاب کے حوالہ سے دیا ہے کہ "کئی رسول" یا "بہت سے رسول"۔ یہ غیر احمدیوں کے چنداں مفید مطلب نہیں ہو سکتا کیونکہ اس ترجمہ سے باقی رسولوں کی نفی نہیں ہوتی۔ البتہ اگر چند رسول یا بعض رسول ہوتا تو کوئی بات بھی تھی ورنہ جس قدر رسول آنحضرتؐ سے قبل گزر چکے تھے۔ اس میں کیا شک ہے کہ وہ "کئی" اور "بہت سے" تھے۔

غیر احمدی:۔ قرآن مجید میں آتا ہے قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ (الرعد: ۷) اس سے پہلے بہت سے عذاب گزر چکے ہیں۔ کیا یہاں خلا کے معنے موت ہیں؟ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۷۶)

جواب:۔ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ خَلَا کا لفظ بصیغہ ماضی جب انسانوں کے متعلق استعمال ہو تو ہمیشہ وفات یافتہ انسانوں ہی کے متعلق آتا ہے۔ مگر کیا تمہاری پیش کردہ آیت میں مَثُلٰتُ (الرعد: ۷) (عذاب) ذی روح ہے؟

محمدیہ پاکٹ بک کی پیش کردہ دوسری آیت قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ (الرعد: ۳۱) میں ہلاک شدہ قومیں ہی مراد ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ رعد میں فرمایا:۔

اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۬ۛ وَالَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۭ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ (ابراھیم: ۱۰) یعنی کیا تمہیں ان قوموں کی خبر نہیں ملی جو تم سے پہلے تھیں یعنی قوم نوح، عاد، ثمود اور وہ لوگ جو ان کے بعد ہوئے جن کو سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا ان کے پاس رسول آئے تو انہوں نے ان کا انکار کیا۔

انہی اقوام کی تباہی اور ہلاکت کی تفصیل سورۃ ہود اور دوسری سورتوں میں متعدد مقامات پر قرآن مجید میں دی گئی ہے۔ پس تمہاری پیش کردہ سورۃ رعد والی آیت میں بھی خَلَتْ کے معنے ہلاک شدہ ہی کے ہیں نہ کچھ اور۔

خَلَا کے معنی ازروئے قرآن کریم

رَفْعٌ اِلَى السَّمَآءِ خَلَا کے اندر داخل نہیں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ اس قسم کا خلا کسی کا نہیں ہوا اگر کوئی کہے کہ چونکہ آنحضرتؐ نے آسمان پر نہ جانا تھا اس لئے وہ ذکر نہ کیا گیا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ آنحضرت نے تو قتل بھی نہ ہونا تھا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ وعدہ فرما چکا تھا وَ اللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدۃ: ۶۸) پھر قتل کا ذکر کیوں کیا۔ معلوم ہوا کہ رَفعَ اِلَى السَّمَاءِ خَلَا میں شامل نہیں۔

دوم:۔ بہت جگہ یہ لفظ قرآن کریم میں موت کے معنی میں استعمال ہوا ہے، ملاحظہ ہو:۔

۱۔ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ دو مرتبہ (البقرۃ: ۱۳۵، ۱۴۲)

۲۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (المائدۃ: ۷۶)

۳۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ (الرعد: ۳۱)

۴۔ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ حٰمٓ السجدۃ: ۲۶)

۵۔ وَقَدْ خَلَتِ الْقُرُوْنُ مِنْ قَبْلِيْ (الاحقاف: ۱۸)

۶۔ فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمْ (" : ۱۹)

۷۔ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖٓ (" : ۲۲)

۸۔ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ (یونس: ۱۰۳)

۹۔ وَمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ (النور: ۳۵)

۱۰۔ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ (الاحزاب: ۳۹)

خلاؔ کے معنی از لغتِ عرب

سوم :۔ لغت سے خلا کے معنی مات کے ثابت ہیں :۔

خَلَا فُلَانٌ اِذَا مَاتَ (لسان العرب) ۔ خَلَا الرَّجُلُ اَیْ مَاتَ (اقرب الموارد جلد ۱ صفحہ ۲۹۹) ۔

خَلَا فُلَانٌ اَیْ مَاتَ (تاج العروس ۔ شرح قاموس جلد ۱ صفحہ ۱۱۹) شعر کی مثال ۔

اِذَا سَیِّدٌ مِّنَّا خَلَا قَامَ سَیِّدٌ
قَؤُوْلٌ لِّمَا قَالَ الْکِرَامُ فَعُوْلٌ
{ دیوان الحماسہ صفحہ ۳۱ کلام اسموأل بن عادیا }

خلاؔ کے معنی از تفاسیر

۱۔ تفسیر مظہری جلد ۱ صفحہ ۴۸۵ ۔ قَدْ خَلَتْ ۔ مَضَتْ وَمَاتَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ فَسَیَمُوْتُ ھُوَ اَیْضًا ۔ (ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۳۱)

۲۔ تفسیر جامع البیان صفحہ ۶۱ ۔ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِہِ الرُّسُلُ بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ فَیَخْلُوْا مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ (ایضاً جزء ۱ صفحہ ۱۰۳)

۳۔ تفسیر بحر مواج جلد ۱ صفحہ ۴۱۳ ۔ معنی این است کہ بدرستی از وے پیغمبران گزشتہ اند و ہمہ از جہان رفتہ اند ۔

۴۔ تفسیر سراج منیر جلد ۱ صفحہ ۲۵۱ ۔ فَسَیَخْلُوْ کَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ یعنی پہلے رسول یا مرگئے یا قتل ہوگئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہوں گے ۔

۵۔ تفسیر خازن جلد ۱ صفحہ ۳۴۳ ۔ وَمَعْنَی الْاٰیَۃِ فَسَیَخْلُوْا مُحَمَّدٌ کَمَا خَلَتِ الرُّسُلُ مِنْ قَبْلِہٖ ۔

۶۔ حضرت امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔ وَحَاصِلُ الْکَلَامِ اِنَّہٗ تَعَالٰی بَیَّنَ اَنَّ قَتْلَہٗ لَا یُوْجِبُ ضُعْفًا فِیْ دِیْنِہٖ بِدَلِیْلَیْنِ (اَلْاَوَّلُ) بِالْقِیَاسِ عَلٰی مَوْتِ سَائِرِ الْاَنْبِیَآءِ وَقَتْلِھِمْ (وَالثَّانِیْ) اِنَّ الْحَاجَۃَ اِلَی الرَّسُوْلِ لِتَبْلِیْغِ الدِّیْنِ وَبَعْدَ ذٰلِکَ فَلَا حَاجَۃَ اِلَیْہِ فَلَمْ یَلْزِمْ مِنْ قَتْلِہٖ فَسَادُ الدِّیْنِ (تفسیر کبیر رازی جلد ۳ صفحہ ۹۳ مطبوعہ مصر)

کہ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں یہ بتایا ہے کہ آنحضرتؐ کے قتل ہوجانے سے آپ کے دین میں کوئی کمزوری واجب نہیں آتی ۔ اوّل اس وجہ سے کہ تمام گزشتہ انبیاء کی موت اور قتل پر قیاس کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے ۔ دوسرے اس وجہ سے کہ نبی کی بعثت کی غرض تو تبلیغ دین ہوتی ہے پس جب وہ تبلیغ دین کا فریضہ ادا کرچکے تو پھر اس کو زندہ رکھنے کی کوئی حاجت نہیں رہتی ۔

۷۔ حضرت داتا گنج بخش صاحبؒ اس آیت کا ترجمہ ان الفاظ میں فرماتے ہیں ۔ "یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم محض رسولِ خدا ہیں ۔ ان کے پہلے بھی رسول راہرو عالم آخرت ہوئے ۔ کیا اگر حضرتؐ انتقال

فرما گئے یا قتل کئے گئے تو تم پیچھے قدم ہٹ جاؤ گے۔ یعنی الٹی چال چلو گے۔

(کشف المحجوب مترجم اردو ص۳۷ تیسرا باب تصوف کے بیان میں)

۸۔ تفسیر مدارک برحاشیہ خازن جلد ۱ ص۳۴۱۔ خَلَتْ۔ مَضَتْ۔ فَسَيَخْلُوْا۔

۹۔ تفسیر کشاف جلد ۱ ص۳۲۸۔ فَسَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا۔ نبی کریمؐ کا خَلَا ویسے ہی ہوگا جیسے پہلوں کا ہو چکا ہے۔

۱۰۔ تفسیر قنوی علی البیضاوی ص۱۲۴ جلد۳۔ فَسَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا بِالْمَوْتِ اَوِ الْقَتْلِ۔۔۔ اِنَّهُمْ اعْتَقَدُوْا اِنَّهٗ رَسُوْلٌ كَسَائِرِ الرُّسُلِ فِيْ اِنَّهٗ يَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا رُدَّ عَلَيْهِمْ اِنَّهٗ لَيْسَ اِلَّا رَسُوْلًا كَسَائِرِ الرُّسُلِ فَسَيَخْلُوْا كَمَا خَلَوْا۔ یعنی لوگوں نے اعتقاد کیا کہ آنحضرتؐ فوت نہ ہوں گے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ باقی رسول جب فوت ہو گئے تو یہ کیوں نہ فوت ہوں گے۔

اس آیت سے وفاتِ مسیح پر صحابہ کرامؓ کا اجماع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات صدمہ آفات نے صحابہؓ کی کمر ہمت کو توڑ دیا۔ حتیٰ کہ حضرت عمرؓ نے کہنا شروع کیا کہ جو کوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فوت شدہ کہے گا اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ چنانچہ بخاری کتاب النبیؐ الیٰ کسریٰ وقیصر باب مرض النبیؐ ووفاتہ میں مندرجہ ذیل حدیث ہے:۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اَبَا بَكْرٍ خَرَجَ وَعُمَرُ يُكَلِّمُ النَّاسَ فَقَالَ اِجْلِسْ يَا عُمَرُ فَاَبٰى عُمَرُ اَنْ يَجْلِسَ فَاَقْبَلَ النَّاسُ اِلَيْهِ وَتَرَكُوْا عُمَرَ فَقَالَ اَبُوْ بَكْرٍ اَمَّا بَعْدُ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ قَالَ اللّٰهُ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اِلٰى قَوْلِهِ الشَّاكِرِيْنَ۔ وَقَالَ وَاللّٰهِ لَكَاَنَّ النَّاسَ لَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ حَتّٰى تَلَاهَا اَبُوْ بَكْرٍ فَتَلَقَّهَا مِنْهُ النَّاسُ كُلُّهُمْ فَمَا اَسْمَعُ بَشَرًا مِنَ النَّاسِ اِلَّا يَتْلُوْهَا۔ فَاَخْبَرَنِيْ سَعِيْدُ ابْنُ الْمُسَيَّبِ اَنَّ عُمَرَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا سَمِعْتُ اَبَا بَكْرٍ تَلَاهَا فَعَقَرْتُ حَتّٰى مَا تُقِلُّنِيْ رِجْلَايَ وَحَتّٰى اَهْوَيْتُ اِلَى الْاَرْضِ حِيْنَ سَمِعْتُهٗ تَلَاهَا اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ مَاتَ۔

یہ خطبہ مسند امام ابوحنیفہؒ ص۱۸۸ اور حمام الاسلامیہ ص۵۴ پر بھی موجود ہے۔ تو حضرت ابوبکرؓ نے خطبہ پڑھا جس میں بتایا کہ جس طرح اور رسول فوت ہو چکے ہیں آنحضرتؐ بھی فوت ہو گئے ہیں جس پر صحابہؓ میں سے کسی نے انکار نہ کیا اور حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ مجھے اتنا صدمہ ہوا کہ میں کھڑا نہ ہو سکتا تھا اور زمین پر گر گیا اور میں نے سمجھ لیا کہ آنحضرتؐ فی الواقعہ فوت ہی ہو چکے ہیں۔

اس سے یوں استدلال ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کے استدلال کو اس طرح توڑا ہے کہ آپؐ ایک رسول ہیں اور آپؐ سے پہلے سب رسول فوت ہو چکے ہیں۔ اگر حضرت عمرؓ یا کسی اور صحابی کے ذہن میں بھی یہ

بات ہوتی کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ بجسدہ العنصری ہیں تو وہ آگے سے فوراً کہہ دیتا کہ اجی عیسیٰؑ بھی تو رسول ہی تھے وہ پھر کیوں زندہ ہیں، لیکن کسی کا ایسا نہ کرنا اس بات کا بیّن ثبوت ہے کہ ان کے وہم میں بھی حیاتِ عیسیٰؑ کا عقیدہ نہ تھا بلکہ وہ سب کو وفات یافتہ تسلیم کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے سرِ تسلیم خم کیا اور بالکل چون وچرا نہ کی۔

اس اجماع سے ان روایات کی بھی حقیقت کھل جاتی ہے جو بعض صحابہ کرامؓ کی طرف حیاتِ عیسیٰؑ کے بارے میں منسوب کی جاتی ہیں۔ کیونکہ اگر کوئی ایسی روایت ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں (۱) یا تو وہ اس سے پہلے کی ہے (۲) یا بعد کی۔ صورتِ اوّل میں وہ قابلِ استناد نہیں، کیونکہ اجماع سے وہ گر جائیگی اور صورتِ ثانی میں بہرحال قابلِ ردّ۔

اعتراض:۔ اگر اَلرُّسُل کا الف لام استغراقی مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ آنحضرتؐ سے پہلے ہی تمام رسول فوت ہو جائیں کیونکہ مِنْ قَبْلِہٖ بوجہ مقدم ہونے کے اَلرُّسُل کی صفت نہیں بن سکتی ہاں خَلَتْ فعل کے ساتھ متعلق ہو سکتی ہے۔ لہٰذا لازم آیا کہ آنحضرتؐ سے پہلے ہی تمام رسول فوت ہوں۔ ورنہ آنحضرتؐ اور مرزا صاحبؑ دونوں کی نفی ہوتی۔

جواب:۔ "مِنْ قَبْلِہٖ" "اَلرُّسُلُ" کی صفت ہی ہے جس کے معنی ہیں کہ تمام وہ رسول فوت ہوگئے جو آنحضرتؐ سے پہلے تھے اور صفت کا موصوف سے پہلے آنا جائز ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ اللّٰهِ (ابراھیم: ۲، ۳)

عَزِیْزٌ اور حَمِیْدٌ اللہ کی صفات ہیں جو اس پر اس آیت میں مقدم مذکور ہیں چنانچہ لکھا ہے۔ وَيَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ الْعَزِيْزُ الْحَمِيْدُ صِفَتَيْنِ مُتَقَدِّمَيْنِ وَ يُعْرَبُ الْاِسْمُ الْجَلِيْلُ مَوْصُوْفًا مُتَاَخِّرًا (روح المعانی جلد ۴ صـ۲۰۸)۔ (نیا ایڈیشن جز ۱۳ صـ۱۸۲)

۲۔ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ ۙ اللّٰهَ رَبَّكُمْ (الصّٰفّٰت: ۱۲۶، ۱۲۷)

کیا تم بعل کو پکارتے (پوجتے) ہو اور اَحْسَنَ الْخَالِقِيْنَ (یعنی سب سے اچھا بنانے والے خدا کو جو تمہارا ربّ ہے چھوڑتے ہو۔ اس آیت میں اَحْسَنَ الخالقین صاف طور پر اللہ کی صفت ہے مگر موصوف یعنی اللہ بعد میں ہے، اور صفت اَحسن الخالقین اس پر مقدم مذکور ہے۔ اسی طرح مِنْ قبلہٖ بھی الرّسل کی صفت ہے اور اس پر مقدم مذکور ہے۔ فلا اعتراض۔

پانچویں دلیل:۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ۔ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ (النحل: ۲۱، ۲۲)

ترجمہ۔ یہ مشرک جن لوگوں کو اللہ کے سوائے پکارتے ہیں وہ ایسے ہیں کہ انہوں نے کچھ پیدا نہیں کیا وہ پیدا کئے گئے ہیں۔ مُردہ ہیں زندہ نہیں اور نہیں جانتے کہ کب وہ اُٹھائے جائیں گے۔

استدلال:۔ حضرت عیسیٰؑ بھی ان ہستیوں میں سے ہیں جن کو معبود مانا جاتا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدة : ۱۸) پس وہ بھی وفات یافتہ ہیں۔ ان کا کہیں استثناء نہیں۔

نوٹ:۔ بعض حیلہ ساز لوگ اس جگہ کہدیا کرتے ہیں کہ اَمْوَاتٌ۔ مَيِّتٌ کی جمع ہے یعنی مرنیوالے ہیں کسی وقت ضرور مریں گے۔

جواب:۔ یہ بالکل غلط ہے کہ اَمْوَاتٌ۔ مَيِّتٌ کی جمع ہے۔ اَمْوَاتٌ تو مَيْتٌ کی جمع ہے جس کے معنے ہیں "مرے ہوئے" اور مَيِّتٌ کی جمع مَيِّتُوْنَ ہے۔ دیکھو لغت کی کتاب المنجد زیر لفظ موت۔ اور آیت بھی اسی کی مؤید ہے کیونکہ اس میں ہے اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ (النحل ۲۲) یعنی ایسے اموات جو زندہ نہیں ہیں۔ پس اموات کو میت کی جمع قرار دینا زبان اور قرآن دونوں سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اگر ملائکہ اور جنوں کا اعتراض کرو تو یاد رہے کہ وہ عالم امر سے ہیں اور يُخْلَقُوْنَ (النحل : ۲۱) میں عالم خلق کا بیان ہے اس لئے ان کا یہاں ذکر نہیں۔ ہاں حضرت عیسیٰؑ کا ذکر ہے۔ ملائکہ اور جنوں کے نہ مرنے کا کیا ثبوت ہے ؟ كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ (العنکبوت ۵۸) کے کلیہ سے وہ کیونکر باہر رہ سکتے ہیں۔

چھٹی دلیل: آیت قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ (الاعراف : ۲۶)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ نے بنی آدم کو فرمایا کہ تم اسی زمین میں ہی زندگی بسر کرو گے اور اسی میں مرو گے اور پھر اسی سے اٹھائے جاؤ گے۔

استدلال:۔ یہ ایک عام قانونِ الٰہی ہر فرد بشر پر حاوی ہے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ فِيْهَا تَحْيَوْنَ کے صریح خلاف حضرت عیسیٰؑ آسمان پر زندہ موجود ہوں۔ اس آیت میں تَحْيَوْنَ (فعل) پر فِيْهَا (ظرف) مقدم ہے۔ پس ازروئے قواعدِ نحو اس میں حصر ہے جس سے استثناء ممکن نہیں۔

نوٹ:۔ اس آیت کی تائید میں یہ آیتیں بھی ہیں:۔ اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَآءً وَّ اَمْوَاتًا (المرسلات : ۲۶، ۲۷) کیا ہم نے زمین کو زندوں اور مُردوں کو سمیٹنے والی نہیں بنایا ؟

۲۔ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (البقرۃ : ۳۷) اور تمہارے لئے زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اٹھانا ایک مدت تک۔

ساتویں دلیل۔ آیت وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا (مریم : ۳۲)

ترجمہ:۔ (حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے مجھ کو تاکیدی حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں نماز پڑھتا اور زکوٰۃ ادا کرتا رہوں۔

استدلال:۔ حضرت عیسیٰؑ کا زکوٰۃ دینا ان کی تمام زندگی بھر فرض قرار دیا گیا ہے اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے پاس زکوٰۃ دینے کے لائق روپیہ بھی ہو اور مستحقینِ زکوٰۃ بھی زندہ رہیں۔ پس آسمان میں اگر وہ زندہ فرض کئے جاویں تو وہاں روپیہ اور زکوٰۃ لینے والوں کا ایک گروہ بھی ان کے ہمراہ ہونا ضروری ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر کہو کہ حضرت عیسیٰؑ کے پاس وہاں مال نہیں اس لئے ان پر زکوٰۃ فرض

نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے بعد ان کے پاس مال نہیں رہنا تھا تو مَا دُمْتُ حَيًّا (مریم: ۳۲) کی بجائے مَا دُمْتُ عَلَى الْاَرْضِ کہنا چاہیئے تھا جس کا مطلب یہ ہوتا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ "میں جب تک زمین پر رہوں" زکوٰۃ دیتا رہوں۔ پس حضرت عیسیٰؑ کو خدا تعالیٰ کا خاص طور پر زکوٰۃ دینے کا حکم بتاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ صاحب نصاب تھے اور جب تک زندہ رہے صاحب نصاب رہے۔

دوسرا سوال اِس آیت کے متعلق یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ آسمان پر جو نماز پڑھتے ہیں تو کس طرف منہ کرکے؟ اگر کہو کہ عرش خداوندی کی طرف منہ کرکے پڑھتے ہیں تو اس پر سوال یہ ہے کہ ان کو وہ کیسے معلوم ہوئی اگر کہو کہ اللہ تعالیٰ نے انکو بذریعہ وحی بتادی ہوگی تو معلوم ہوا کہ حضرت مسیحؑ اسلامی نماز اس لئے نہیں پڑھتے کہ یہ آنحضرتؐ پر نازل ہوئی تھی بلکہ اس لئے کہ یہ خود ان پر نازل ہوئی ہے پس ثابت ہوا کہ ابھی تک موسوی شریعت منسوخ نہیں ہوئی۔ اگر کہو کہ آنحضرتؐ نے حضرت عیسیٰؑ کو معراج کی رات عند الملاقات بتادی ہوگی۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ معراج کی رات جب حضرت عیسیٰؑ آنحضرتؐ سے ملے ہیں اس وقت تک ابھی نماز فرض ہی نہیں ہوئی بلکہ اس کے بعد فرض ہوئی۔ اور نماز کے فرض ہونے کے بعد آنحضرتؐ کے ساتھ انکی ملاقات ثابت نہیں۔

پھر سوال یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ دار العمل میں ہیں یا دار الجزاء میں؟ اگر کہو دار العمل میں تو پھر ان پر نماز و زکوٰۃ وغیرہ تمام اعمال کا بجالانا فرض ہے۔ اور اگر کہو دار الجزاء میں، تو وہ دو قسم کا ہے (۱) دوزخ۔ (۲) جنت حضرت عیسیٰؑ اول الذکر میں تو جا نہیں سکتے پس معلوم ہوا کہ وہ جنت میں ہیں اور جنت کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ (الحجر: ۴۹) کہ جنتی جنت سے نکالے نہیں جائیں گے۔ پس حضرت عیسیٰؑ اب دُنیا میں واپس نہیں آسکتے۔

آٹھویں دلیل: آیت وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا ۝

(سورۃ مریم ۳۴)

ترجمہ:۔ (حضرت عیسیٰؑ کہتے ہیں) کہ سلامتی ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن میں دوبارہ اُٹھایا جاؤں گا۔

استدلال:۔ سلامتی کے یہ تینوں اوقات بعینہٖ اس سورت میں حضرت یحییٰؑ کے لئے بھی آئے ہیں۔ اور اگر بفرضِ محال حضرت عیسیٰؑ زندہ ہیں، اور سیدنا مسعود کے زندہ ہے نیز آسمان پر جا بیٹھے ہیں تو اس سلامتی کا کہاں ذکر ہے؟ وہ تو زیادہ اظہارِ امتنان کا موقعہ تھا۔ ان مواقع مذکور میں تو سب ہی موردِ سلامتی بنتے ہیں، آپ کے شریک ہیں، لیکن دو اہم اور عظیم الشان واقعات کی حضرت مسیحؑ کے ساتھ خصوصیت ہے، یعنی آسمان پر جانا اور آسمان سے واپس آنا، یہ سلامتی کے ساتھ ذکر کرنے کے زیادہ قابل تھے بخصوصاً جب کہ یہ مسیح کا کلام ان کے اختیار سے نہیں، بلکہ وحی الٰہی کے ماتحت ہے۔

نویں دلیل:۔ آیت وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ

رَبِّیْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ (بنی اسرائیل: ۹۴)
کفار نے آنحضرتؐ سے جو نشانات طلب کئے ان میں سے ایک یہ بھی نشان انہوں نے طلب کیا، اور سب سے اس کو آخر میں رکھا، اور اپنے ایمانی فیصلہ کو اس پر ٹھہرایا کہ آپؐ آسمان پر جائیں اور وہاں سے کتاب لائیں جس کو ہم پڑھ کر ہم آپ پر ایمان لائیں۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ حکم دیا کہ کہو میرا رب پاک ہے۔ میں بندہ رسول ہوں۔ یعنی اللہ کی قدرت میں تو کسی قسم کا نقص نہیں، لیکن رسول کو آسمان پر لے جانا سُنت اللہ نہیں۔

جائے غور ہے کہ کفار کا یہ کہنا کہ تُو آسمان پر چڑھ جاوے اور کتاب لاوے تب ہم ایمان لائیں گے، تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو آسمان پر نہ اُٹھالیا تاکہ سب کفار ایمان لے آویں، بلکہ یہ فرمایا کہ ایسا نہ ہوگا جس کی وجہ یہ ہے کہ تُو ایک بشر رسول ہے اور بشر رسول آسمان پر نہیں جایا کرتے۔

بھائیو! غور کرو جب حضرت عیسٰیؑ بھی بشر رسول ہیں تو وہ کیونکر آسمان پر جا سکتے ہیں ؎

غیرت کی جا ہے عیسٰیؑ زندہ ہو آسمان پر
مدفون ہو زمین میں شاہِ جہاںؐ ہمارا

دسویں دلیل:۔ آیت وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ (الانبیاء: ۳۵) ترجمہ:۔ اور ہم نے تجھ سے پہلے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کسی انسان کو غیر طبعی زندگی نہیں دی کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تُو تو فوت ہو جائے اور وہ زندہ رہیں۔

استدلال:۔ مسلمانو! دیکھو اللہ تعالیٰ کس قدر غیرت سے فرماتا ہے کہ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ لیکن ایک تم ہو کہ عیسٰیؑ کو تو زندہ مانتے ہو مگر اُس سیّد المعصومینؐ کو فوت شدہ تسلیم کرتے ہو۔ استدلال صاف ہے، زیادہ وضاحت کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا کہ یہ ہو نہیں سکتا کہ تُو تو جو انفع للناس ہے دُنیا سے رحلت کر جائے اور اَور کوئی تجھ سے پہلے کا زندہ ہو۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح فوت ہو گئے۔

گیارہویں دلیل:۔ آیت وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِيْ مِنْۢ بَعْدِي اسْمُهٗۤ اَحْمَدُ (الصف: ۷)
حضرت عیسٰے علیہ السلام نے بشارت دی کہ میرے بعد ایک نبی آئے گا اس کا نام احمدؐ ہوگا۔

تم کہتے ہو کہ آنحضرت صلعم احمد ہیں، تو ثابت ہوا کہ حضرت عیسٰیؑ فوت ہو چکے ہیں کیونکہ احمد نے بہر حال مِنْۢ بَعْدِي ہی آنا ہے۔ اگر آج بقول تمہارے وہی عیسٰی ابن مریم واپس آجائیں تو آنحضرتؐ احمد ان سے پہلے ہو جائیں گے نہ کہ بعد۔ تو کیا اُس وقت قرآن میں سے مِنْۢ بَعْدِي کاٹ کر اس کی جگہ اور تبدیلی کر دو گے؟

پس ثابت ہوا کہ اب جبکہ احمدؐ آچکا ہے تو حضرت عیسٰیؑ واپس نہیں آسکتے۔

بارہویں دلیل:۔ آیت وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ اَنْتُمْ وَشُرَكَآؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ (یونس: ۲۹)

ترجمہ:- اور جس دن ہم انکو اکٹھا کریں گے اور پھر ہم ان سے جنہوں نے شرک کیا، کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ پھر ہم ان کے درمیان جُدائی ڈال دیں گے۔ اور ان کے معبود مشرکوں سے کہیں گے کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے۔ اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان کافی گواہ ہے۔ ہم تو یقیناً تمہاری عبادت سے غافل ہیں۔

(فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ (یونس: ۳۰)

ان آیات سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کے دن تمام معبودانِ باطلہ خدا کو گواہ رکھ کر کہیں گے کہ ہم کو معلوم نہیں کہ یہ لوگ ہماری عبادت کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰؑ بھی انہی معبودوں میں سے ہیں کہ جن کی خدا کے سوا عبادت کی جاتی ہے۔ جیسا کہ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (المائدہ: ۱۸) سے ثابت ہے۔ اب اگر بقول غیر احمدیان حضرت عیسیٰؑ دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں اور صلیبوں کو توڑیں تو وہ کس طرح قیامت کے دن خدا تعالیٰ کو گواہ رکھ کر یہ کہیں گے کہ مجھے معلوم نہیں کہ عیسائی میری عبادت کرتے اور مجھے خدا بناتے تھے؟

یا تو یہ کہو کہ نعوذ باللہ حضرت عیسیٰؑ غلط بیانی کریں گے، یا یہ تسلیم کرو کہ اب دوبارہ دُنیا میں وہ تشریف نہیں لائیں گے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ حضرت عیسیٰؑ نعوذ باللہ غلط بیانی سے کام لیں پس دوسری بات ہی درست ہے کہ وہ واپس دُنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔ وھٰذا ھُوالمراد۔

دیگر آیات:- ان مندرجہ بالا آیات کے علاوہ اس مسئلہ پر روشنی ڈالنے والی اور بھی بہت سی آیات ہیں جن میں سے چند یہ ہیں:-

۱- وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا (النحل: ۷۱)

ترجمہ:- اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو وفات دیتا ہے اور بعض تم میں رذیل ترین عمر (انتہائی بڑھاپے) کی طرف لوٹائے جاتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ جاننے کے بعد نہ جاننے والا بن جاتا ہے۔

ہمارے دوست بتائیں کہ کیا حضرت عیسیٰؑ کے اس قانون سے مستثنیٰ ہونے کا کوئی ثبوت ان کے پاس ہے؟ ہرگز نہیں۔

۲- وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا (الحج: ٦) ترجمہ اوپر گذر چکا ہے۔

۳- وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ (یٰس: ٦٩)

ترجمہ:- جس کو ہم لمبی عمر دیتے ہیں، ہم پھر اسکو خلقت میں الٹاتے ہیں یعنی وہ جوانی کے بعد بڑھاپے سے ہوتا ہوا نادان بن جاتا ہے، کیا حضرت عیسیٰؑ پر یہ قانون حاوی نہیں؟

۴- اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّشَيْبَةً (الروم: ۵۵)

ترجمہ۔ اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو ضعف سے پیدا کیا، اور پھر کچھ عرصہ کے لیے قوت عطا فرمائی اور پھر قوت کے بعد ضعف اور بڑھاپا بنایا۔

بقول مخالفینِ احمدیت بھی حضرت عیسیٰؑ نے آسمان پر جانے سے پیشتر قوت پائی تھی۔ اب اتنے عرصہ کے بعد ضرور ہے کہ آپ دوبارہ ضعف کا شکار ہو چکے ہوں اور دُنیا میں آکر بجائے خدمتِ دین کرنے کے اپنی ہی خدمت کرائیں۔

۵۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ ط (الفرقان: ۲۱)

ترجمہ:۔ ہم نے اے محمد صلعم! تجھ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا کھایا کرتے تھے اور بازاروں میں پھرا کرتے تھے۔

صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قبل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب رسولوں کو ایک ہی لڑی میں پرو دیا ہے منجملہ ان کے ایک حضرت عیسیٰؑ بھی ہیں۔ لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ بھی اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ (البقرہ: ۱۵۷)

وفاتِ مسیح از احادیث

۱۔ لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا اِلَّا اِتِّبَاعِىْ۔

{ تفسیر ابن کثیر زیر آیت آل عمران: ۸۱، اذا اخذ الله میثاق النبیین حاشیہ جلد ۱ ص ۵۶۶ والیواقیت والجواہر جلد ۲ ص ۲۲۔ شرح مواہب اللدنیہ جلد ۶ ص ۳۷۰ مصری پہلا ایڈیشن و فتح البیان حاشیہ جلد ۲ ص ۲۴۶ و طبرانی کبیر }

ترجمہ:۔ اگر موسیٰؑ و عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو ان کو میری پیروی کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

(نیز البحر المحیط جلد ۶ ص ۱۴۲ مصری استدلال بر وفات خضر)۔

۲۔ لَوْ كَانَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى فِىْ حَيَاتِهِمَا لَكَانَا مِنْ اَتْبَاعِهٖ (مدارج السالکین مصنفہ امام ابن قیم جلد ۲ ص ۳۱۳ و بشاراتِ احمدیہ مصنفہ علی حائری شیعہ ص ۲۳ و براہین محمدیہ بر حاشیہ۔ بشارات احمدیہ ص ۲۳)

ترجمہ:۔ اگر موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو ضرور آنحضرتؐ کے اتباع میں ہوتے۔

۳۔ لَوْ كَانَ عِيْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اِتِّبَاعِىْ (شرح فقہ اکبر مصری ص ۱۰۰ طبع اوّل)

ترجمہ:۔ اگر عیسیٰؑ زندہ ہوتا تو اُسے میری پیروی کے بغیر کوئی چارا نہ ہوتا۔

نوٹ:۔ غیر احمدی علماء نے اس حدیث میں يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ (النساء: ۴۷) کے مطابق یہودیانہ خصلت کو پورا کر کے تحریف کر دی ہے۔ شرح فقہ اکبر کا جو نسخہ ہندوستان میں چھپا ہے اس میں انہوں نے بجائے عیسیٰ کے موسیٰ کر دیا۔ اور اس تحریف کی وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ شرح فقہ اکبر مصری ایڈیشن میں کتابت کی غلطی سے "موسیٰ" کی بجائے "عیسیٰ" لکھا گیا تھا ہم نے ہندوستانی ایڈیشن میں درست کر دیا ہے، لیکن یہ عذر کسقدر غیر معقول ہے اس کا علم اس امر سے ہو سکتا ہے کہ شرح فقہ اکبر صفحہ ۹۹ و ۱۰۰ پر جہاں یہ

حدیث ہے موسیٰ کا ذکر ہی نہیں بلکہ بحث حضرت عیسیٰؑ اور امام مہدی کی آمد کی ہے۔ پھر موسیٰ کا نام اس موقعہ پر آنا قرینِ قیاس ہو ہی نہیں سکتا چنانچہ ہم مکمل حوالہ نقل کر دیتے ہیں۔

"يَجْتَمِعُ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ بِالْمَهْدِيِّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَقَدْ أُقِيْمَتِ الصَّلٰوةُ فَيُشِيْرُ الْمَهْدِيُّ لِعِيْسٰى بِالتَّقَدُّمِ فَيَمْتَنِعُ مُعَلِّلًا بِاَنَّ هٰذِهِ الصَّلٰوةَ أُقِيْمَتْ لَكَ فَاَنْتَ اَوْلٰى بِاَنْ تَكُوْنَ الْاِمَامُ فِيْ هٰذَا الْمَقَامِ وَيَقْتَدِيْ بِهٖ لِيُظْهِرَ مُتَابَعَتَهٗ لِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا أَشَارَ اِلٰى هٰذَا الْمَعْنٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقَوْلِهٖ لَوْ كَانَ عِيْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ"

(شرح فقہ اکبر ملا علی قاری صـ۱۱۰ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ "حضرت عیسیٰؑ مہدی کے ساتھ ملیں گے، نماز کی اقامت کہی جائیگی تب مہدی آگے کھڑا ہونے کے لئے حضرت عیسیٰؑ کو اشارہ کریں گے، مگر حضرت عیسیٰؑ اس عذر پر انکار کریں گے یہ نماز آپ کی خاطر قائم کی گئی ہے پس اس وجہ سے آپ امامت کے زیادہ حقدار ہیں پس حضرت عیسیٰؑ امام مہدی کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے تاکہ حضرت عیسیٰؑ اس بات کو ظاہر کر دیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہیں جیسا کہ آنحضرت نے فرمایا ہے کہ "اگر عیسیٰؑ زندہ ہوتا تو اس کو میری پیروی کے سوا کوئی چارا نہ ہوتا"

اب دیکھ لیں اس موقعہ پر حضرت عیسیٰؑ کے آنحضرتؐ کی متابعت کرنے کا ذکر ہے نہ کہ موسےٰ کی متابعت کا؟

پس مصری ایڈیشن میں جو عیسیٰ کا لفظ ہے وہ "کاتب کی غلطی" نہیں بلکہ ہندوستانی ایڈیشن میں "موسیٰ" کا لفظ لکھنا یقیناً تمہاری خیانت کا نتیجہ ہے۔ (خادم)

۴۔ اَخْرَجَ الطَّبْرَانِيُّ فِي الْكَبِيْرِ بِسَنَدٍ رِجَالٍ ثِقَاتٍ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ...... اِنَّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَمِائَةَ سَنَةٍ رَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ۔ (بحوالہ حج الکرامہ صـ۴۲۸ و مواہب اللدنیہ جلد ۱ صـ۴۲ وجلالین زیر آیت يَا عِيْسٰى اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ راوی ابن عمرؓ حاشیہ)۔

ترجمہ:۔ تحقیق عیسیٰ بن مریمؑ ایک سو بیس سال تک زندہ رہے۔ نیز دیکھو ابن کثیر بر حاشیہ فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹۔

۵۔ اِنَّ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَاشَ عِشْرِيْنَ وَمِائَةً وَ اِنِّيْ لَا اُرَانِيْ اِلَّا ذَاهِبًا عَلٰى رَأْسِ سِتِّيْنَ۔ (کنز العمال نیا ایڈیشن جلد ۱۱ صـ۴۷۹، جلد ۶ صـ۱۶۰ راویہ فاطمۃ الزہراؓ)

ترجمہ:۔ فرمایا حضرت نبی کریمؐ نے کہ تحقیق عیسیٰ ابن مریم ۱۲۰ سال تک زندہ رہا تھا۔ اور میں غالباً ۶۰ سال کی عمر کے سر پر کوچ کروں گا۔

غیر احمدی:۔ "اس روایت کا ایک راوی ابن لہیعہ سخت ضعیف ہے" (محمدیہ پاکٹ بک صـ۵۹۱)

جواب:۔ یہ حدیث ایک طریق سے نہیں بلکہ کم از کم تین طریقوں سے مروی ہے، یعنی حضرت عائشہؓ، حضرت ابن عمرؓ

اور حضرت فاطمۃ الزہرا سے۔ اور یہی امر اس حدیث کے صحیح ہونے کا ثبوت ہے ابن لہیعہ تو ایک طریق کا راوی ہے مگر دوسرے طریقوں کے متعلق تمہارا کیا جواب ہے؟ خصوصاً اس کا کیا جواب جو لکھا ہے۔

اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ فِی الْکَبِیْرِ بِسَنَدٍ رِجَالٍ ثِقَاتٍ (حجج الکرامہ ص۴۲۵) اس حدیث کے راوی سب کے سب ثقہ ہیں۔

۲۔ باقی رہا ابن لہیعہ۔ سو اس کی نسبت اسی تہذیب التہذیب میں جس کا حوالہ تم نے دیا ہے لکھا ہے۔

سَمِعْتُ الثَّوْرِیَّ یَقُوْلُ عِنْدَ ابْنِ لُہَیْعَۃَ الْاُصُوْلُ وَعِنْدَنَا الْفُرُوْعُ۔ قَالَ یَعْقُوْبُ ابْنُ عُثْمَانَ سَمِعْتُ اَحْمَدَ ابْنَ صَالِحٍ وَکَانَ مِنْ خِیَارِ الْمُتَّقِیْنَ وَیُثْنِیْ عَلَیْہِ۔۔۔۔ وَقَالَ الْحَاکِمُ اِسْتَشْہَدَ بِہٖ مُسْلِمٌ فِیْ مَوْضِعَیْنِ۔۔۔۔ وَحَکَی السَّاجِیُّ عَنْ اَحْمَدَ ابْنِ صَالِحٍ کَانَ ابْنُ لُہَیْعَۃَ مِنَ الثِّقَاتِ۔۔۔۔ قَالَ ابْنُ شَاہِیْنَ قَالَ اَحْمَدُ ابْنُ صَالِحٍ ابْنُ لَہِیْعَۃَ ثِقَۃٌ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۳۷۵)

یعنی ثوری نے کہا کہ ابن لہیعہ کے پاس اصول ہیں اور ہمارے پاس فروع۔ اور بقول یعقوب بن عثمان ابن لہیعہ کی تعریف احمد بن صالح نے کی ہے، اور امام حاکم نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ سے امام مسلم نے بھی دو مواقع پر استشہاد کیا ہے اور ساجی اور ابن شاہین کہتے ہیں کہ احمد بن صالح نے کہا ہے کہ ابن لہیعہ ثقہ راوی ہے۔

نیز لکھا ہے۔ قَالَ اَبُوْ دَاؤدَ عَنْ اَحْمَدَ وَمَا کَانَ مِثْلَ ابْنِ لُہَیْعَۃَ بِمِصْرَ فِیْ کَثْرَۃِ حَدِیْثِہٖ وَضَبْطِہٖ وَاِتْقَانِہٖ (تہذیب جلد ۵ ص۳۷۵)

کہ ابوداؤد نے احمد سے نقل کیا ہے کہ تمام مصر میں ابن لہیعہ کے برابر کوئی شخص بھی حدیث کی کثرت اور مضبوطی روایت اور تقویٰ کے لحاظ سے نہ تھا۔

باقی مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے جو قول احمد کا ابن لہیعہ کے غیر ثقہ ہونے کی تائید میں نقل کیا ہے اس کے آگے ہی لکھا ہے وَھُوَ یَتَقَوّٰی بَعْضُہٗ بِبَعْضٍ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۳۷۵) کہ ابن لہیعہ کی ایک روایت کو دوسری روایت سے تقویت پہنچتی ہے۔

پس حدیث متنازعہ ایسی ہی ہے جو صرف ایک طریق سے مروی نہیں بلکہ تین مختلف طرق سے مروی ہے پس نہایت ثقہ اور مضبوط ہے وہوالمراد۔

۶۔ مَا مِنْ مَنْفُوْسَۃٍ فِی الْیَوْمِ یَاْتِیْ عَلَیْہَا مِائَۃُ سَنَۃٍ وَّھِیَ یَوْمَئِذٍ حَیَّۃٌ۔

(کنز العمال جلد ۷ ص۱۷۱ راوی جابر و مسلم کتاب نمبر ا)

ترجمہ۔ آج کوئی جاندار ایسا نہیں کہ اس پر سو سال آوے اور وہ فوت نہ ہو بلکہ زندہ ہو۔ یعنی سو سال کے اندر ہر جاندار انسان جانور وغیرہ مر جائیں گے۔ پس حضرت عیسیٰؑ بھی فوت ہوگئے۔

۷۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلّٰہِ رِیْحًا یَبْعَثُہَا عَلٰی رَأْسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ تَقْبِضُ رُوْحَ کُلِّ مُؤْمِنٍ۔ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحُ الْاِسْنَادِ۔ (مستدرک کتاب الفتن جلد ۴ ص۴۵۷)

ترجمہ:- حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر سو سال کے بعد ایک ایسی ہوا بھیجتا ہے جو ہر مومن کی رُوح قبض کر لیتی ہے۔ اِس حدیث کی سند صحیح ہے۔

پس حضرت مسیح بھی بوجہ مومن ہونے کے اس ہوا کی زد سے نہیں بچ سکتے۔ یاد رہے کہ اس حدیث میں زمین یا آسمان کی کوئی قید نہیں ہے۔

۸- ابن مردویہ نے ابو سعید سے روایت کیا کہ:-

اٰدَمُ فِي السَّمَآءِ الدُّنْيَا تُعْرَضُ عَلَيْهِ اَعْمَالُ ذُرِّيَّتِهٖ وَ يُوْسُفُ فِي السَّمَآءِ الثَّانِيَةِ وَ ابْنَا الْخَالَةِ يَحْيٰى وَ عِيْسٰى فِي السَّمَآءِ الثَّالِثَةِ وَ اِدْرِيْسُ فِي السَّمَآءِ الرَّابِعَةِ وَ هَارُوْنُ فِي السَّمَآءِ الْخَامِسَةِ وَ مُوْسٰى فِي السَّمَآءِ السَّادِسَةِ وَ اِبْرَاهِيْمُ فِي السَّمَآءِ السَّابِعَةِ۔ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲۰)

ترجمہ:- آنحضرتؐ نے فرمایا کہ آدم پہلے آسمان پر ہے، اس پر اس کی اولاد کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں۔ اور یوسف دوسرے آسمان پر ہے اور پھوپھی زاد بھائی یحیٰی و عیسٰی دونوں تیسرے آسمان پر ہیں اور حضرت ادریس چوتھے آسمان میں اور ہارون پانچویں میں اور موسٰی چھٹے میں اور حضرت ابراہیم ساتویں آسمان پر ہیں۔

اگر حضرت عیسٰیؑ بجسدِ عنصری زندہ آسمان پر ہیں تو کیا باقی انبیاء کو بھی اسی جسم سے زندہ ماننے کے لیے تیار ہو؟ جب نہیں اور ہرگز نہیں تو اکیلے حضرت عیسٰیؑ کی کیا خصوصیت ہے کہ آپ سب سے نرالے زندہ ہیں؟

۹- اِختلافِ حُلیتین

آنحضرتؐ نے پہلے مسیح کا حُلیہ فَاَمَّا عِيْسٰى فَاَحْمَرُ جَعْدٌ (بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۵ مصری مطبع الہیہ مصر) ترجمہ:- سرخ رنگ، گھنگریالے بال۔

اور مسیح قاتلِ دجال کا حُلیہ:-

فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ كَاَحْسَنِ مَا يُرٰى مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهٗ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجِلُ الشَّعْرِ۔ (ایضاً)

ترجمہ:- یعنی ایسا آدمی جو گندم گون آدمیوں میں سے خوبصورت تر، اس کے بال اس کے کندھوں پر پڑتے ہیں اور وہ سیدھے بالوں والا ہے۔

ایک آدمی کے دو حُلیے نہیں ہو سکتے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ دو الگ الگ آدمی ہیں۔ مسیح ناصری اور مسیح موعود۔

پس پہلا مسیح فوت ہو چکا ہے اور آنیوالا مسیح اسی اُمت میں سے ہے جیسا کہ "اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ" سے ثابت ہے۔

۱۰- (الف) اَوْحَى اللّٰهُ تَعَالٰى اِلٰى عِيْسٰى اَنْ يَا عِيْسٰى اَنْتَقِلْ مِنْ مَكَانٍ اِلٰى مَكَانٍ لِئَلَّا تُعْرَفَ فَتُؤْذٰى۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۳۴)

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کی طرف وحی کی کہ اے عیسیٰ! تو ایک جگہ سے دوسری جگہ چلا جا۔ تا ایسا نہ ہو کر تو پہچانا جائے اور تجھے تکلیف دی جائے۔

(ب) (عَنْ جَابِرٍ) كَانَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يَسِيْحُ فَاِذَا اَمْسٰى يَاْكُلُ بَقْلَ الصَّحْرَاءِ وَيَشْرَبُ مَاءَ الْقَرَاحِ۔ (کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۷۱)

ترجمہ:- حضرت عیسیٰ بن مریمؑ زمین کی سیاحت کیا کرتے تھے اور جنگل کی سبزیاں اور چشموں کا صاف پانی پیا کرتے تھے۔

وفاتِ مسیح پر اقوال ائمہ سلف سے استنباط

۱- امام بخاری (بخاری کتاب التفسیر سورۃ مائدہ باب مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَائِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ۔ مصری صفحہ ۹۱) نے فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِيْ والی مفصل حدیث اور حضرت ابوبکرؓ کا خطبہ اور حضرت ابن عباسؓ کے معنے مُمِيْتُكَ کو اپنی صحیح میں درج فرما کر اپنا عقیدہ دربارہ وفاتِ مسیح وضاحت سے بیان کر دیا۔

۲- امام مالکؒ کے متعلق صاف لکھا ہے۔ قَالَ مَالِكٌ مَاتَ (مجمع البحار الانوار جلد ۱ صفحہ ۲۸۶) یعنی حضرت امام مالکؒ نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰؑ فوت ہو گئے ہیں۔

نیز لکھا ہے۔ فِي الْعُتْبِيَّةِ قَالَ مَالِكٌ مَاتَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ۔

(اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۶۵)

۳- امام ابو حنیفہؒ کا امام مالکؒ پر انکار ثابت نہیں۔

۴- صاحبین حضرت امام ابو یوسف، و محمدؒ اور حضرت احمد بن حنبلؒ اور امام شافعیؒ نے اس مسئلہ میں سکوت اختیار کر کے بتا دیا کہ ہم اس مسئلہ میں امام مالکؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔

۵- جلالین معہ کمالین صفحہ ۱۰۹ مطبع مجتبائی کے حاشیہ بین السطور پر ہے وَتَمَسَّكَ ابْنُ حَزْمٍ بِظَاهِرِ الْاٰيَةِ وَقَالَ بِمَوْتِهٖ امام ابن حزم نے آیت اِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ والی آیت کو ظاہر پر محمول کر کے حضرت عیسیٰؑ کے فوت ہو جانے کے عقیدہ کو بیان کیا، اور وفات کے قائل ہوئے۔

۶- عبد الحق صاحب محدث دہلویؒ اپنے رسالہ مَا ثَبَتَ بِالسُّنَّةِ صفحہ ۴۹ و صفحہ ۱۱۸ پر فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰؑ ۱۲۵ برس تک زندہ رہے۔ (قَدْ عَاشَ عِيْسٰى خَمْسًا وَّعِشْرِيْنَ سَنَةً وَّ مِائَةً)۔

۷- نواب صدیق حسن خانصاحب نے ترجمان القرآن جلد ۲ صفحہ ۵۱۳ پر لکھا ہے کہ سب انبیاء جو نبی کریمؐ سے پہلے مر چکے ہیں اور مسیح کی عمر ۱۲۰ برس تھی (نیز عمر مسیح ۱۲۰ سال کے لیے دیکھو حج الکرامہ صفحہ ۴۲۸)۔

۸- حافظ لکھو کے والے لکھتے ہیں ؎

یعنی جو ہیں پیغمبر گزرے زندہ رہیا نہ کوئی

(تفسیر محمدی جلد ۱ صفحہ ۳۲۰)

۹۔ حضرت محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں:۔
وَجَبَ نُزُولُہٗ فِی اٰخِرِ الزَّمَانِ بِتَعَلُّقِہٖ بِبَدَنٍ اٰخَرَ۔ حضرت عیسیٰؑ آخری زمانے میں کسی دوسرے وجود میں نازل ہوں گے۔ (تفسیر عرائس البیان مطبع نولکشور جلد ا صفحہ ۲۶۲)
۱۰۔ بعض صوفیاء کرام کا مذہب ہے کہ مسیح موعود کا بروز کے طور پر نزول ہوگا۔ (اقتباس الانوار صفحہ ۵۳) عبارت یہ ہے:۔
"وبعضے برآنند کہ روح عیسیٰؑ در مہدی بروز کند ونزول عبارت ازیں بروز است"
۱۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے گواہی دی کہ حضرت مسیح کی عمر ۱۲۰ برس تھی۔ (زرقانی جلد ا صفحہ ۴۲)
۱۲۔ تفسیر محمدی منزل اول صفحہ ۲۴۷ پر وفاتِ عیسیٰ بزبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بوقت بحث نجران یوں رقمطراز ہے ؎

جو پیو دے نال مشابہ بیٹا ہوندا شک نہ کوئی
بی زندہ رب ہمیش نہ مرسی، موت عیسیٰؑ نوں ہوئی

۱۳۔ قَدْ مَاتَ عِیْسٰی۔ عیسیٰؑ فوت ہوگیا ہے۔ (ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۰۶)
۱۴۔ امام جبائیؒ۔ اللہ نے مسیح کو وفات دی اور اپنی طرف بلایا۔
(تفسیر مجمع البیان زیر آیت فلما توفیتنی المائدۃ: ۱۱۷)
۱۵۔ تاریخ طبری جلد ۲ صفحہ ۷۳۹ پر مسیح کی قبر کے کتبہ کی عبارت نقل کی گئی ہے:۔
"ھٰذَا قَبْرُ رَسُوْلِ اللّٰہِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ"
۱۶۔ حضرت علیؓ کی شہادت کی رات حضرت امام حسنؓ نے خطبہ پڑھا اور اس میں کہا۔ لَقَدْ قُبِضَ اللَّیْلَۃَ عُرِجَ فِیْہِ بِرُوْحِ عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ لَیْلَۃَ سَبْعٍ وَعِشْرِیْنَ مِنْ رَمَضَانَ۔ (طبقات کبیر جلد ۳ صفحہ ۲۱) کہ آپ (حضرت علیؓ) اس رات فوت ہوتے ہیں جس رات حضرت عیسیٰؑ کی روح آسمان پر اٹھائی گئی تھی یعنی ۲۷ رمضان کو۔
اس حوالہ میں حضرت امام حسنؓ نے صاف طور پر فیصلہ فرما دیا کہ حضرت عیسیٰؑ کا جسم آسمان پر نہیں گیا۔ صرف روح اٹھائی گئی۔
۱۷۔ حضرت داتا گنج بخشؒ تحریر فرماتے ہیں:۔
"اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے معراج کی رات آدم صفی اللہؑ اور یوسف صدیق اور موسیٰ کلیم اللہ اور ہارون اور عیسیٰ روح اللہ اور ابراہیم خلیل اللہ صلوۃ اللہ علیہم اجمعین کو آسمان پر دیکھا۔ ضرور وہ ان کی روحیں ہونگی"
(کشف المحجوب مصنفہ حضرت داتا گنج بخشؒ چھٹی فصل مترجم اردو صفحہ ۲۱۴ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ)
پس اگر حضرت عیسیٰؑ جسم سمیت آسمان پر زندہ ہوتے تو آنحضرتؐ ان کے جسم کو دیکھتے نہ کہ روح کو۔
۱۸۔ حضرت امام رازیؒ اپنی تفسیر میں حضرت ابومسلم اصفہانیؒ کا یہ قول نقل کرتے ہیں۔

وَكُلُّ الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ يَكُونُونَ عِنْدَ بَعْثِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زُمْرَةِ الْأَمْوَاتِ وَالْمَيِّتُ لَا يَكُونُ مُكَلَّفًا۔

(تفسیر جلد ۲ صفحہ ۳۳ مطبوعہ مصر آل عمران ع زیر آیت وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ)

یعنی کُل انبیاءؑ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت فوت ہوکر زمرۂ اموات میں شامل ہوچکے تھے اور کسی حکم پر عمل کرنے کے لیے وہ مکلف نہ رہے تھے۔

۱۹۔ حضرت خواجہ محمدؒ پارسا اپنی کتاب فصل الخطاب کے صفحہ ۴۷۲ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

وَمُوسٰى وَعِيْسٰى عَلٰى نَبِيِّنَا وَعَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ لَوْ أَدْرَكَاهُ لَزِمَهُمَا الدُّخُولُ فِيْ شَرِيْعَتِهٖ۔ کہ اگر حضرت موسیٰؑ و حضرت عیسیٰؑ آنحضرتؐ کے زمانہ کو پاتے تو ان پر آپ کی شریعت میں داخل ہونا لازم تھا۔

حیاتِ مسیح کا عقیدہ مسلمانوں میں کیونکر آیا؟

فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۴۹ پر لکھا ہے:۔ فَفِيْ زَادِ الْمَعَادِ لِلْحَافِظِ ابْنِ قَيِّمٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى مَا يُذْكَرُ أَنَّ عِيْسٰى رُفِعَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَثَلَاثِيْنَ سَنَةً لَا يُعْرَفُ بِهٖ أَثَرٌ مُتَّصِلٌ يَجِبُ الْمَصِيْرُ إِلَيْهِ قَالَ الشَّامِيُّ وَهُوَ كَمَا قَالَ فَإِنَّ ذٰلِكَ إِنَّمَا يُرْوٰى عَنِ النَّصَارٰى۔

ترجمہ:۔ حافظ ابن قیم کی کتاب زاد المعاد میں لکھا ہے کہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ ۳۳ کی عمر میں اُٹھائے گئے اس کی تائید کسی حدیث سے نہیں ہوتی تا اس کا ماننا واجب ہو۔ شامی نے کہا ہے کہ جیسا کہ امام ابن قیم نے فرمایا ہے فی الواقعہ ایسا ہی ہے۔ اس عقیدہ کی بناء حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں بلکہ یہ نصاریٰ کی روایات ہیں اور ان سے ہی یہ عقیدہ آیا ہے۔

تردید حیاتِ مسیح ناصری علیہ السّلام

<u>پہلی دلیل اور اسکی تردید</u>

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ۔۔۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ (النساء: ۱۵۸، ۱۵۹) ترجمہ۔ نہ انہوں (یہود نامسعود) نے مسیح کو قتل کیا اور نہ صلیب پر مارا، بلکہ اللہ نے مسیح کو اُٹھالیا۔

بَلْ ابطالیہ کا ابطال

استدلال علماء:۔ (۱) بَلْ اضرابیہ ابطالیہ ہے جو ابطال جملہ اُولیٰ و اثبات جملہ ثانیہ کی غرض سے آتا ہے جب نہ قتل ہوتے اور نہ مصلوب ہوتے تو یقیناً زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے۔

جواب:۔ آسمان پر جانے اور مقتول و مصلوب ہونے میں کوئی ضدیت نہیں۔ کیا جو نہ مقتول ہو، نہ مصلوب

وہ آسمان پر اُٹھایا جاتا ہے؟ کیا آنحضرتؐ و حضرت موسیٰؑ کو زندہ آسمان پر مانتے ہو؟ کیونکہ نہ وہ مقتول ہوئے اور نہ مصلوب۔

جواب ۲ :۔ آیت مذکورہ میں بَلْ کو ابطالیہ قرار دینا غلط ہے بوجوہاتِ ذیل۔ قرآن کریم میں ہے وَمَا يَشْعُرُونَ اَيَّانَ يُبْعَثُونَ ۝ بَلِ ادّٰرَكَ عِلْمُهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ (النمل ۶۶، ۶۷)

الف۔ اس آیت میں تین دفعہ بَلْ آیا ہے اور تینوں جگہ ابطالیہ نہیں بلکہ ترقی (اِنْتِقَالٌ مِنْ غَرْضٍ اِلٰى اٰخَرَ) کے لیے آیا ہے بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ والی آیت میں بَلْ کا ماقبل اور مابعد کلام خدا ہے۔ پس بَلْ ابطالیہ نہیں ہو سکتا۔

ب۔ نحویوں نے لکھا ہے کہ قرآن کریم میں بَلْ ابطالیہ نہیں آ سکتا۔ ہاں جب خدا تعالیٰ کفار کا قول نقل کرے تو بغرض تردید اس میں بَلْ ابطالیہ آ سکتا ہے ورنہ اصالتاً خدا تعالیٰ کے کلام میں ابطالیہ وارد نہیں ہو سکتا۔ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ مشہور نحوی ابن مالک کہتا ہے۔ اِنَّمَا لَا تَقَعُ فِي التَّنْزِيْلِ اِلَّا عَلٰى هٰذَا الْوَجْهِ (اَيْ لِلْاِنْتِقَالِ مِنْ غَرْضٍ اِلٰى اٰخَرَ) (القصر المبنی جلد ۱ صفحہ ۵۸۲) کہ قرآن کریم میں بَلْ سوائے ترقی کے اور کسی صورت میں (یعنی بغرض ابطال) نہیں آتا۔

۲۔ قَالَ السَّيُوْطِيُّ بَعْدَ اَنْ نَقَلَ غَيْرَ ذٰلِكَ اَيْضًا فَهٰذِهِ النُّقُوْلُ مُتَضَافِرَةٌ عَلٰى مَا قَالَ ابْنُ مَالِكٍ مِنْ عَدَمِ وُقُوْعِ الْاِضْرَابِ الْاِبْطَالِيِّ فِي الْقُرْاٰنِ (القصر المبنی جلد ۱ صفحہ ۵۸۳) کہ سیوطی نے بہت سے اقوال اور مثالیں نقل کر کے کہا ہے کہ یہ تمام مثالیں ابن مالک کے اس قول کی تائید کرتی ہیں کہ قرآن میں بَلْ ابطالیہ نہیں آتا۔

۳۔ فَاِنَّ الَّذِيْ قَرَّرَهُ النَّاسُ فِي اِضْرَابِ الْاِبْطَالِ اِنَّهُ الْوَاقِعُ بَعْدَ غَلَطٍ اَوْ نِسْيَانٍ اَوْ تَبَدُّلِ رَأْيٍ وَالْقُرْاٰنُ مُنَزَّهٌ عَنْ ذٰلِكَ (القصر المبنی جلد ۱ صفحہ ۵۸۲) کہ نحویوں نے لکھا ہے کہ بَلْ ابطالیہ یا تو غلطی یا نسیان کے بعد آتا ہے اور یا تبدیلی رائے کے موقعہ پر۔ اور قرآن مجید میں یہ تینوں باتیں نہیں پائی جا سکتیں۔ اس لیے قرآن میں ابطالیہ نہیں آ سکتا۔ فَجَوَابُ اِنَّهٗ يُحْكٰى (برحاشیہ مغنی اللبیب) کہ ابن مالک کے قول کا مطلب یہ ہے کہ حکایۃً عن الغیر بَلْ ابطالیہ آ سکتا ہے ورنہ نہیں۔

استدلال ۲ :۔ قَتَلُوْهُ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ مع الجسم ہیں تو رَفَعَهُ میں بھی حضرت عیسےٰ مع الجسم اُٹھائے گئے ہیں۔

جواب ۱ :۔ اول تو رَفَعَ کے معنی یہ نہیں لیکن اگر ہوں بھی تب بھی یہ ضروری نہیں کہ رَفَعَهُ والی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰ مع الجسم ہی ہوں۔ چنانچہ دیکھئے قرآن مجید میں ہے لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ (البقرۃ: ۱۵۵) نہ کہو اُن لوگوں کو مُردہ جو خدا کی راہ میں شہید کئے گئے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس۔ اب اَحْيَاءٌ کا مبتدا محذوف هُمْ ہے

اس کا مرجع مَنْ یُّقْتَلُ ہے مگر کوئی نہیں کہتا کہ وہ اسی جسم کے ساتھ زندہ ہیں۔ حالانکہ لفظ مَنْ میں یہی جسم مراد ہے۔ پس کیا ضرور ہے کہ ہم رَفَعَ میں جسم بھی مرادلیں۔

پھر سورۃ عَبَس میں ہے قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَآ اَکْفَرَهٗ ۝ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ۝..... ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۝ (عبس : ۱۸ تا ۲۲)

اَمَاتَهٗ اور فَاَقْبَرَهٗ کی ضمائر کا مرجع اَلْاِنْسَانُ ہے۔ جو روح اور جسم سے مرکب ہے مگر کیا قبر میں روح اور جسم دونوں اکٹھے رکھے جاتے ہیں ؟

موت تو نام ہی اِخْرَاجُ الرُّوْحِ مِنَ الْجَسَدِ کا ہے۔ اگر روح مع الجسم مدفون ہو تو پھر زندہ دفن ہوا، جو محال ہے پس یہاں اَقْبَرَهٗ کی ضمیر کا مرجع انسان بمعنی مجرد جسم ہوگا۔

ب۔ علم بدیع کی اصطلاح میں اسے صنعتِ استخدام کہتے ہیں۔ وَمِنْهُ الْاِسْتِخْدَامُ وَهُوَ اَنْ یُّرَادَ بِلَفْظٍ لَهٗ مَعْنَیَانِ اَحَدُهُمَا ثُمَّ بِضَمِیْرِهٖ الْاٰخَرُ اَوْ یُرَادُ بِاَحَدِ ضَمِیْرَیْهِ اَحَدُهُمَا ثُمَّ بِالْاٰخَرِ الْاٰخَرُ (تلخیص المفتاح ص۸۲) کہ ایک لفظ جو دو معنی ہو اس کی طرف دو ضمیریں پھیر کر اس سے دو الگ الگ مفہوم مراد لینا۔ مثالیں اوپر درج ہیں۔

پھر بھی اگر کوئی کہے کہ عیسیٰؑ تو جسم اور روح دونوں کے مجموعہ کا نام ہے پھر تم اکیلی روح کا رفع کیوں مراد لیتے ہو؟

تو اوّل تو اسے کہنا چاہیئے کہ کسی کا نام مختلف حیثیتوں سے ہوتا ہے مثلاً کہیں زید سیاہ ہے تو صرف جسم مراد ہوگا۔ حالانکہ ہم نے لفظ زید بولا تھا جو جسم اور روح دونوں کا نام تھا مگر قرینہ حالیہ نے اس جگہ اس معنے کو روک دیا۔ یا کہیں زید نیک ہے تو صرف روح مراد ہوگی۔ اسی طرح رفع ہمیشہ روح کا ہوتا ہے۔ اس خاکی جسم کے متعلق توازل سے یہی قانون الٰہی ہے فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ۝ (الاعراف : ۲۶)

لفظ رَفَعَ کی بحث

دوم :۔ ہم حضرت عیسیٰؑ کے رفع کے قائل ہیں، مگر وہ رفع تھا روحانی جو کہ جسم سے اعلیٰ ہے جس طرح کہ روح جسم سے اعلیٰ ہے۔

جواب ۳ :۔ بندہ کے لیے جب لفظ رفع استعمال ہو تو ہر جگہ درجات کا رفع مراد ہوتا ہے خصوصاً جب رفع اللہ تعالیٰ کی طرف ہو کیونکہ اس کی شان اعلیٰ ہے۔

قرآنِ مجید اور لفظ رَفَعَ

۱۔ وَهُوَ اللّٰهُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ (الانعام ۴) کہ وہ خدا آسمان میں بھی ہے اور زمین میں بھی۔

۲- اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰہِ (البقرہ ۱۱۶) کہ جدھر تم منہ کرو اُدھر ہی اللہ ہے۔
۳- نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ (ق ۱۷) کہ ہم انسان کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں۔" تو اس کی طرف رفع کے لیے آسمان پر جانا ضروری نہیں، بلکہ وہ رفع اسی زمین پر ہوتے ہوتے ہو جاتا ہے۔ چنانچہ سب مسلمان جانتے ہیں کہ آنحضرتؐ بین السجدتین (دو سجدوں کے درمیان) جو دُعا پڑھا کرتے تھے اس میں ایک لفظ وَارْفَعْنِیْ بھی ہے۔ یعنی اے اللہ میرا رفع کر۔
(کتاب ابن ماجہ)

سب مومن مانتے ہیں کہ آپؐ کا رفع ہوا مگر زمین پر ہی رہ کر۔ بھا تیو! جب وہی لفظ رَفَعَ آنحضرتؐ کے لیے آتا ہے تو اس سے آسمان پر جانا مراد نہیں لیتے اور جب عیسیٰؑ کے لیے آوے تو وہاں مراد لیتے ہو۔ ایں چہ بوالعجبی است!

پھر طرفہ یہ کہ تمام قرآن و احادیث میں کہیں بھی اس لفظ رَفَعَ کے معنی آسمان پر جانا نہیں۔ چنانچہ دیکھئے فرمایا:-
۱- وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰہُ بِھَا وَلٰکِنَّہٗ اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ (الاعراف: ۱۷۷) اور اگر ہم چاہتے تو اس کا رفع کر لیتے لیکن وہ جُھک گیا زمین کی طرف۔ اس جگہ بالاتفاق درجات کی ترقی مراد ہے۔ آسمان پر لے جانے کا ارادہ بتانا مدِ نظر نہیں۔
۲- وَرَفَعْنٰہُ مَکَانًا عَلِیًّا (مریم: ۵۸) یعنی ہم نے ادریسؑ کا رفع بلند مکان پر کیا۔
۳- فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ (النور: ۳۷)
۴- فِیْ صُحُفٍ مُّکَرَّمَۃٍ مَّرْفُوْعَۃٍ (عبس: ۱۴،۱۵)
۵- وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَۃٍ (الواقعہ: ۳۵)
۶- یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ---- دَرَجٰتٍ (المجادلۃ: ۱۲)
گویا جب بھی کسی مومن اور عالم کے متعلق اللہ تعالیٰ یہ کہے کہ میں نے اس کا رفع کیا ہے تو اس سے مراد آسمان پر جانا نہیں ہوتا بلکہ درجات کا بلند ہونا ہوتا ہے۔ حضرت عیسیٰؑ سے زیادہ ان کے زمانہ میں اَور کون مومن اور عالم تھا؟ پس آپ کے رفع سے مراد بھی ترقی درجات ہے۔

احادیث اور لفظ رَفَعَ

۱- اِذَا تَوَاضَعَ الْعَبْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَی السَّمَآءِ السَّابِعَۃِ (کنز العمال جلد ۲ ص۲۵)
کہ جب بندہ فروتنی کرتا ہے (خدا کے آگے گرتا ہے) تو اللہ تعالیٰ اس کا ساتویں آسمان پر رفع کر لیتا ہے۔
نوٹ:- یہ حدیث محاورۂ زبان کے لحاظ سے بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کے معنے سمجھنے کے لیے واضح نص ہے کیونکہ اس میں لفظ رفع بھی موجود ہے۔ رفع کرنے والا بھی اللہ ہے اور خاص بات جو اس میں موجود ہے وہ یہ کہ رفع کے فعل کا صلہ بھی اِلٰی ہی آیا ہے۔ جیسا کہ آیت بَلْ رَّفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ میں ہے

اور زائد بات یہ کہ اس میں ساتویں آسمان کا لفظ بھی موجود ہے (اَلسَّمَآءِ السَّابِعَةِ) حالانکہ آیت بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ میں آسمان کا لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ وہاں رفع اللہ کی طرف ہے اور ہم ثابت کر چکے ہیں کہ وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ (الانعام : ۴) کہ اللہ تعالیٰ زمین میں بھی ہے اور آسمان میں بھی۔ مگر مندرجہ بالا حدیث میں تو لفظ آسمان بھی موجود ہے مگر پھر بھی مولوی صاحبان اس کا ترجمہ رُوحانی رفع یعنی بلندی درجات ہی لیتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت عیسیٰؑ کے لیے جو لفظ رفع استعمال ہوا ہے اس میں بھی رفع کے معنی بلندی درجات ہی کے ہیں نہ کہ آسمان پر چڑھ جانے کے۔

۲۔ "مَا تَوَاضَعَ اَحَدٌ لِلّٰهِ اِلَّا رَفَعَهُ اللّٰهُ" (مسلم جلد ۲ ص۳۲۱ مصر) یعنی کوئی ایسا شخص نہیں کہ وہ اللہ کے آگے گرا ہو اور پھر اللہ نے اس کا رفع نہ کیا ہو (یعنی جو اللہ کے آگے گرے اللہ اس کا رفع کرتا ہے)۔

۳۔ آنحضرتؐ اپنے چچا حضرت عباسؓ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ رَفَعَكَ اللّٰهُ يَا عَمِّ (کنز العمال جلد ۷ ص۶۰) اے میرے چچا اللہ آپ کا رفع کرے۔

۴۔ اَلتَّوَاضُعُ لَا يَزِيْدُ الْعَبْدَ اِلَّا رِفْعَةً فَتَوَاضَعُوْا يَرْفَعْكُمُ اللّٰهُ (کنز العمال جلد ۲ ص۲۵) کہ خاکساری انسان کو رفعت میں بڑھاتی ہے۔ پس تم انکساری کرو، اللہ تعالیٰ تمہارا رفع کریگا۔

۵۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (کنز العمال جلد ۲ ص۲۵) کہ جو شخص اللہ کے آگے گر جاتے اللہ اس کا رفع کرتا ہے۔

۶۔ مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ تَخَشُّعًا لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ (کنز العمال جلد ۲ ص۲۵ حدیث ۵۹۵ زیر حرف الھمزۃ فی الاخلاق من قسم الاولیٰ) کہ جو انکساری کرتے ہوئے اللہ کے آگے گرے تو اللہ اس کا رفع کرتا ہے۔

لغاتِ عرب اور لفظ رَفَعَ

۱۔ صحاح جوہری جلد ۱ ص۵۹۴۔ اَلرَّفْعُ تَقْرِيْبُكَ الشَّيْءَ۔ رفع سے مراد کسی چیز کو قریب کرنا ہے۔ گویا رفع کے معنے قرب کے ہیں۔

۲۔ اقرب الموارد جلد ۱ ص۴۱۸۔ رَفَعَهُ اِلَى السُّلْطَانِ اَيْ قَرَّبَهُ۔ قریب کیا اس کو بادشاہ کے یعنی اس کا مقرب بنایا۔

۳۔ لسان العرب جلد ۹ ص۴۸۵۔ فِيْ اَسْمَآءِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَلرَّافِعُ۔ هُوَ الَّذِيْ يَرْفَعُ الْمُؤْمِنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِيَآءَهُ بِالتَّقْرِيْبِ۔ وَالرَّفْعُ تَقْرِيْبُكَ الشَّيْءَ مِنَ الشَّيْءِ وَفِي التَّنْزِيْلِ وَفُرُشٍ مَّرْفُوْعَةٍ مُقَرَّبَةٍ لَهُمْ۔ وَيُقَالُ نِسَاءٌ مَرْفُوْعَاتٌ اَيْ مُكَرَّمَاتٌ مِنْ قَوْلِكَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ مَنْ يَّشَآءُ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰى فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ۔ قَالَ الزَّجَّاجُ قَالَ الْحَسَنُ تَاْوِيْلُ اَنْ تُرْفَعَ اَنْ تُعَظَّمَ کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں رافع

کا لفظ ہے کیونکہ وہ بلند کرتا ہے مومن کو سعادت کے ساتھ اور اپنے دوستوں کو قرب کیساتھ۔ اور رفع کسی چیز کو کسی چیز کے قریب کرنا اور قرآن کریم میں ہے یعنی ان کی عزت کی جاتے گی۔

۴۔ تاج العروس جلد ۵ صفحہ ۳۵۵ ۔ اَلرَّفْعُ ضِدُّ الْوَضْعِ وَمِنْهُ حَدِيْثُ الدُّعَاءِ۔ اَللّٰهُمَّ ارْفَعْنِیْ کہ رفع وضع کی ضد ہے۔ جیساکہ حدیث دُعا میں ہے کہ اے میرے رب میرا رفع کر۔

۵۔ منتہی الارب جلد ا صفحہ ۱۷۱ ۔ رَفَعْتُهٗ اِلَى السُّلْطَانِ رُفْعَانًا بِالضَّمِّ اَیْ قَرَّبْتُهٗ۔

۶۔ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ يَحْتَمِلُ رَفْعَهٗ اِلَى السَّمَآءِ وَرَفْعَهٗ مِنْ حَيْثُ التَّشْرِيْفِ۔
(مفردات راغب برحاشیہ نہایہ ابن الاثیر جلد ۲ صفحہ ۹)

تفاسیر سے رَفَعَ کے معنے

آنحضرت صلعم کیلئے رَفَعَهٗ اِلَيْهِ کا استعمال

۱۔ یہ عجیب بات ہے کہ رَفَعَهٗ اِلَيْهِ کے الفاظ بعینہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی استعمال ہوتے ہیں اور اس استعمال سے آیت متنازعہ فیہ کے معنی بالکل واضح ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ تفسیر صافی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

حَتّٰى اِذَا دَعَى اللّٰهُ نَبِيَّهٗ وَرَفَعَهٗ اِلَيْهِ (تفسیر صافی جلد ۱ زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) یعنی حتیٰ کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنے پاس بُلایا اور آپ کا اپنی طرف رفع کیا (یعنی آپ کو وفات دی)۔

بعینہٖ اسی طرح آنحضرتؐ کے لئے رفعہٗ الیہ کا لفظ بمعنی وفات کتاب "وَمَا ثبت بالسنۃ" صفحہ ۳۹ پر بھی ہے۔ اِن ہر دو حوالوں میں لفظ رفع بھی ہے۔ اللہ فاعل مذکور ہے اور صلہ اِلیٰ ہے مگر معنی موت کے ہیں۔

۲۔ تفسیر سرسید احمد خان جلد ۲ صفحہ ۴۲ "پہلی آیت میں اور چوتھی آیت میں لفظ رفع کا بھی آیا ہے جس سے عیسیٰؑ کی قدر و منزلت کا اظہار مقصود ہے نہ یہ کہ ان کے جسم کو اُٹھا لینے کا۔"

۳۔ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۱ ۔ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ اَیْ وَرَافِعُ عَمَلِكَ اِلَيَّ وَهُوَ كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى۔ اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْمُرَادُ مِنْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ اَنَّهٗ تَعَالٰى بَشَّرَهٗ بِقَبُوْلِ طَاعَتِهٖ وَاَعْمَالِهٖ۔۔۔ الخ۔ رَافِعُكَ اِلَيَّ کے معنے ہیں کہ میں تیرے اعمال کو اُٹھانے والا ہوں، یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرح اشارہ ہے اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ اور اس آیت سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو ان کی نیکیوں کے قبول کرنے کی بشارت دی۔

وَرَافِعُكَ اِلَيَّ۔ هُوَ الرِّفْعَةُ بِالدَّرَجَةِ وَالْمَنْقَبَةِ لَا بِالْمَكَانِ وَالْجِهَةِ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۹۱) یعنی اس آیت سے جو مسیح کا رفع ثابت ہوتا ہے یہ درجات کی ترقی اور عزت کا رفع مُراد ہے۔ رفع مکانی (جیساکہ غیر احمدی مانتے ہیں) اور جہت والا مراد نہیں۔

۴۔ تفسیر جامع البیان صہ۵۔ رَافِعُكَ اِلَيَّ اَيْ مَحَلِّ كَرَامَتِيْ۔ یعنی اپنے عزت کے مقام کی طرف تیرا رفع کرنے والا ہوں۔ گویا جنت میں داخل کروں گا۔ بفرمودہ يَآاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ۔

۵۔ تفسیر روح البیان جلد ا صہ۲۳۔ رَافِعُكَ اِلَيَّ اَيْ اِلٰى مَحَلِّ كَرَامَتِيْ وَمَقَرِّ مَلَائِكَتِيْ وَجَعَلَ ذٰلِكَ رَفْعًا۔ اِلَيْهِ لِلتَّعْظِيْمِ وَمِثْلُهٗ قَوْلُهٗ (اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ)، وَاِنَّمَا ذَهَبَ اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ مِنَ الْعِرَاقِ اِلَى الشَّامِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا اپنی طرف رفع فرمانا صرف تعظیم کے لیے ہے جیسا کہ اس قول میں ہے اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ۔ حالانکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام صرف عراق سے شام کی طرف گئے تھے۔

لفظ رَفَعَ کے متعلق چیلنج

مندرجہ بالا تحقیق سے ثابت ہے کہ قرآن مجید، احادیث، تفاسیر اور عرب کے محاورہ کے رو سے لفظ رَفَعَ جب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی انسان کی نسبت بولا جائے، تو اس کے معنی ہمیشہ ہی بلندیِ درجات اور قربِ رُوحانی کے ہوتے ہیں۔ ہم نے غیر احمدی علماء کو بارہا یہ چیلنج دیا ہے کہ وہ کلامِ عرب سے ایک ہی مثال اس امر کی پیش کریں کہ لفظ رفع کا فاعل اللہ تعالیٰ مذکور ہو اور کوئی انسان اس کا مفعول ہو، اور رفع کے معنی جسم سمیت آسمان پر اُٹھا لینے کے ہوں، مگر آج تک اس کی ایک مثال بھی پیش نہیں کی جا سکی اور نہ ہی آیندہ پیش کی جا سکے گی۔

غیر احمدی علماء کے مطالبہ کا جواب

ہمارے مندرجہ بالا چیلنج کا منہ چڑانے کے لئے مؤلف محمدیہ پاکٹ بک نے بھی اپنی پاکٹ بک کے صہ۵۱۶ پر یہ لکھ کر اپنی جہالت کا مظاہرہ کیا ہے۔

"جب رَفَعَ يَرْفَعُ رَفْعًا فَهُوَ رَافِعٌ میں سے کوئی بولا جائے جہاں اللہ تعالیٰ فاعل ہو اور مفعول جوہر ہو (عرض نہ ہو) اور صلہ اِلٰی مذکور ہو اور مجرور اس کا ضمیر ہو، اسم ظاہر نہ ہو اور وہ ضمیر فاعل کی طرف راجع ہو، وہاں سوائے آسمان پر اُٹھانے کے دوسرے معنی ہوتے ہی نہیں۔"

جواب۱:۔ تم نے یہ من گھڑت قاعدہ کہاں سے اخذ کیا ہے۔

کیونکہ جس طرح تم نے رفع کے متعلق اپنے چیلنج میں ایک قاعدہ خود ہی بنا لیا ہے، اسی طرح ہم نے بھی بنا لیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہم لفظ رفع کے متعلق چیلنج مندرجہ بالا میں جو شرائط درج کی ہیں وہ ہمارے خود ساختہ یا خود تراشیدہ نہیں بلکہ لغتِ عرب میں درج ہیں۔ چنانچہ لسان العرب میں لکھا ہے:۔

فِيْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى اَلرَّافِعُ هُوَ الَّذِيْ يَرْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ بِالْاِسْعَادِ وَاَوْلِيَاءَهٗ

بالتقریب:
کہ رافع اللہ تعالیٰ کا نام ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ وہ مومنوں کا رفع ان معنوں میں کرتا ہے کہ انکو سعادت بخشتا ہے اور اپنے دوستوں کا رفع ان معنوں میں کرتا ہے کہ انکو اپنا مقرب بنالیتا ہے۔
گویا اللہ کے رفع کا فاعل اور انسان (مومن اولیاء) کے مفعول ہونے کی صورت میں لفظ رفع کے معنی بلندی درجات وحصول قرب الٰہی ہے۔ بس ہمارے چیلنج کی شرائط تو مندرجہ بالا حوالہ لغت پر مبنی ہیں۔ مگر تم بتاؤ کہ تم نے جو قاعدہ درج کیا ہے اس کی سند محاورۂ عرب میں کہاں ہے؟

جواب ۲:۔ تمہارے من گھڑت قاعدہ کی تغلیط کے لئے مندرجہ ذیل دو مثالیں کافی ہیں:۔
۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ حَتّٰی اِذَا دَعَی اللّٰہُ نَبِیَّہٗ وَرَفَعَہٗ اِلَیْہِ (تفسیر صافی ص۱۱۳ زیر آیت وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ) یعنی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلالیا، اور ان کا اپنی طرف رفع کرلیا۔
۲۔ حضرت شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلویؒ، حافظ عبدالبر کا مندرجہ ذیل قول آنحضرتؐ کی وفات کی نسبت نقل کرتے ہیں:۔
کَانَ الْحِکْمَۃُ فِیْ بَعْثِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھِدَایَۃَ الْخَلْقِ وَتَتْمِیْمَ مَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَتَکْمِیْلَ مَبَانِی الدِّیْنِ فَحِیْنَ حُصِلَ ھٰذَا الْاَمْرُ وَتَمَّ الْمَقْصُوْدُ رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ۔ (ما ثبت بالسنۃ ص۹۲ طبع عمدی لاہور ص۲۹)
یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت میں حکمت محض یہ تھی کہ مخلوق کو ہدایت ہو اور اخلاق اور دین کی تکمیل ہو۔ پس جب یہ مقصود حاصل ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی طرف رفع فرمالیا۔
ان ہر دو حوالجات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نسبت رَفَعَہُ اللّٰہُ اِلَیْہِ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ جن میں اللہ فاعل، مفعول جوہر ہے عرض نہیں، صلہ بھی اِلیٰ مذکور ہے اور مجرور اسم ظاہر نہیں بلکہ ہٗ کی ضمیر ہے اور یہ ضمیر فاعل کی طرف راجع ہے مگر یہاں معنی آسمان پر مع جسم عنصری اُٹھائے جانے کے نہیں، بلکہ متفقہ طور پر فوت ہوجانے کے معنی ہیں۔
(لفظ رفع کی دوسری مثالیں پہلے گزر چکی ہیں)۔

قرآن کریم اور لفظ اِلیٰ

۱۔ اِنِّیْ ذَاھِبٌ اِلٰی رَبِّیْ (الصّٰفّٰت: ۱۰۰)
۲۔ اِنِّیْ مُھَاجِرٌ اِلٰی رَبِّیْ (العنکبوت: ۲۷)
۳۔ اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ (یونس: ۵ و الانعام: ۶۱)
۴۔ فَفِرُّوْا اِلَی اللّٰہِ (الذّٰریٰت: ۵۱)

۵- اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ - (البقرۃ :۱۵۶)

۶- اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ - (" : ۲۹)

اس استدلال پر چند اعتراضات اِس آیت سے اگر حضرت عیسیٰؑ کا آسمان پر جانا مراد ہو سکتا ہے تو ماننا پڑیگا کہ اللہ تعالیٰ آسمان پر محدود ہے اور وہ بھی دوسرے آسمان پر حالانکہ محدودیتِ باری تعالیٰ محال ہے۔ پس عقیدہ حیاتِ مسیح بھی محال ہے۔

دوم :- کتبِ نحو میں اِلیٰ کے معنی لکھے ہیں کہ یہ انتہاء غایت کے لئے آتا ہے تو اب اگر آسمان پر جانے کے معنی درست ہوں تو ماننا پڑے گا کہ (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ساتھ پہلو بہ پہلو بیٹھے ہیں اور درمیان میں کچھ بھی فاصلہ نہیں۔ ورنہ پورے طور پر اِلیٰ کے معنی متحقق نہیں ہو سکتے۔ پس ان معنوں پر ضد کرنا سراسر جہالت ہے۔

استدلال نمبر۳ "کَانَ اللّٰہُ عَزِیْزًا حَکِیْمًا" (النسآء : ۱۵۹) خدا تعالیٰ نے خود اپنی طاقت اور قدرت کا ذکر کرکے بتا دیا ہے کہ یہاں آسمان پر جانا ہی مراد ہے۔

جواب الف :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہجرت کے موقعہ پر غارِ ثور میں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو دشمنوں سے بچایا تھا تو اس کا ذکر سورۃ التوبہ : ۴۰ میں کرکے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اَللّٰہُ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ کیا اس موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی آسمان پر اُٹھائے گئے تھے؟ یا زمین پر ہی رکھ کر خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو محفوظ رکھا۔ اور اپنی قدرت کا ثبوت دیا۔

ب :- قدرت کسی چیز کو چھپانے میں نہیں بلکہ دشمن کے سامنے رکھ کر محفوظ رکھنے میں ہے۔ لہٰذا تمہارے اعتقاد کی رُو سے خدا تعالیٰ بُزدل ٹھہرتا ہے۔ کیا زمین پر حضرت عیسیٰؑ کو رکھنے میں یہودیوں کا خوف تھا؟ (نعوذ باللہ)

حیاتِ مسیحؑ کی دوسری دلیل وَ اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِھَا (الزخرف : ۶۲)
ترجمہ بقول غیر احمدیان :- حضرت عیسیٰؑ قیامت کی نشانی ہیں۔ پس تم اس میں مت شک کرو، بلکہ اس پر ایمان لاؤ۔

جواب ۱ :- اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع حضرت عیسیٰؑ کا ہونا ضروری نہیں بلکہ اس کا مرجع قرآن کریم یا آنحضرت ماننے چاہئیں۔ چنانچہ تفسیر معالم التنزیل میں زیر آیت ہذا لکھا ہے :-

قَالَ الْحَسَنُ وَجَمَاعَۃٌ اِنَّہٗ یَعْنِیْ اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ کہ حضرت امام حسنؓ اور ایک جماعت کا قول ہے کہ اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع قرآن کریم ہے۔

پھر تفسیر جامع البیان میں بھی اس آیت وَ اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ (الزخرف : ۶۲) کے نیچے لکھا ہے کہ وَقِیْلَ الضَّمِیْرُ لِلْقُرْاٰنِ کہ بعض نے اس ضمیر کا مرجع قرآن کریم کو ٹھہرایا ہے۔

پھر تفسیر مجمع البیان میں اس آیت وَ اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ (الزخرف : ۶۲) کے ماتحت لکھا ہے۔ وَقِیْلَ اِنَّ مَعْنَاہُ اَنَّ الْقُرْاٰنَ لَدَلِیْلٌ لِّلسَّاعَۃِ لِاَنَّہٗ اٰخِرُ الْکُتُبِ کہ بعض نے اس کے یہ معنی کئے

ہیں کہ قرآن کریم قیامت کی دلیل ہے کیونکہ وہ آخری کتاب ہے۔

اگر تمہاری بات ہی کو درست فرض کر لیا جائے تو اس صورت میں اِنَّہٗ کی ضمیر کا مرجع "ابن مریم مثلاً" (یعنی مثیل مسیح) ماننا ہوگا۔

مَثَلٌ کے معنی لغت میں اَلشِّبْہُ وَ النَّظِیْرُ (المنجد) مانند اور نظیر کے ہیں یعنی مثیل۔

"وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْیَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُکَ مِنْہُ یَصِدُّوْنَ (الزخرف: ۵۸) کہ جب ابن مریمؑ کا مثیل بھیجا جائے گا تو خود آنحضرت کی قوم کہلانے والے لوگ اس پر تالیاں بجائیں گے۔

نیز منتہی الارب فی لغات العرب میں بھی مَثَل کے معنے مانند اور ہمتا اور نظیر کے لکھے ہیں چنانچہ ہمارے بیان کردہ ان معنوں کی تائید شرح لشرح لعقائد المسمّٰی بالنبراس (جو اہل سنت کے عقائد کی معتبر کتاب ہے) کے حاشیہ کی مندرجہ ذیل عبارت سے ہوتی ہے:۔

قَالَ مُقَاتِلُ ابْنُ سُلَیْمَانَ وَ مَنْ تَابَعَہٗ مِنَ الْمُفَسِّرِیْنَ فِیْ تَفْسِیْرِ قَوْلِہٖ تَعَالٰی وَ اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ قَالَ ھُوَ الْمَھْدِیُّ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَ بَعْدَ خُرُوْجِہٖ تَکُوْنُ اَمَارَاتُ السَّاعَۃِ. (شرح لشرح العقائد المسمّٰی بالنبراس ص۴۴۴ حاشیہ لحافظ محمد عبد العزیز الفرھاروی ۱۳۱۴ھ) کہ مقاتل بن سلیمان اور اس کے ہم خیال مفسرین نے لکھا ہے کہ اِنَّہٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَۃِ سے مراد مہدی ہے جس کی آمد کے بعد قیامت کی نشانیاں ظاہر ہوں گی۔

نوٹ:۔ تالیاں بجانے کی قرآنی پیشگوئی کو غیر احمدی قریباً ہر مناظرہ کے موقعہ پر پورا کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِنَّمَا التَّصْفِیْقُ لِلنِّسَاءِ (بخاری کتاب الصلوٰۃ جلد ۱ ص۱۵۰ مصری و تجرید بخاری مترجم حدیث ص۳۵۸) یعنی تالیاں بجانا صرف عورتوں کا کام ہے۔ (خادم)

غیر احمدی:۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباسؓ سے مسند احمد جلد ۱ ص۳۱۷ و دُرِّ منثور جلد ۶ ص۲۰ و فتح البیان جلد ۸ ص۳۱۱ و ابن کثیر جلد ۹ ص۱۴۴ میں مروی ہے کہ اس آیت میں نزولِ مسیح قبل از قیامت مراد ہے۔ ایسا ہی ابن جریر جلد ۱۵ ص۴۸ میں ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک ص۵۳۴)

جواب:۔ دُرِّ منثور اور فتح البیان میں تو تمہاری پیش کردہ روایت کی سند درج نہیں ہے۔ البتہ ابن کثیر اور ابن جریر میں جس قدر سندات سے یہ تفسیر مروی ہے، وہ سب کی سب موضوع ہیں۔ ابن کثیر میں یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں کا راوی عاصم بن ابی النجود ہے جو ضعیف ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے:۔

ثَبَتَ فِی الْقِرَاءَۃِ وَ ھُوَ فِی الْحَدِیْثِ دُوْنَ الثَّبْتِ ..... قَالَ یَحْیَی الْقَطَّانُ مَا وَجَدْتُ رَجُلًا اِسْمُہٗ عَاصِمٌ اِلَّا وَجَدْتُہٗ رَدِیَّ الْحِفْظِ وَ قَالَ النَّسَائِیُّ لَیْسَ بِحَافِظٍ وَ قَالَ الدَّارُ قُطْنِیُّ فِیْ حِفْظِ عَاصِمٍ شَیْءٌ ..... وَ قَالَ ابْنُ خِرَاشٍ فِیْ حَدِیْثِہٖ نُکْرَۃٌ ..... وَ قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ لَیْسَ مَحَلُّہٗ اَنْ یُّقَالَ ثِقَۃٌ (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۵ مصنفہ علامہ ذہبی (شمس الدین ابی عبد اللہ محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذہبی) کہ یہ راوی قرآن مجید اچھا پڑھتا تھا

لیکن حدیث میں مضبوط راوی نہ تھا۔ یحییٰ کہتے ہیں کہ عاصم نام کا میں نے کوئی راوی اچھے حافظہ والا نہیں دیکھا۔ امام نسائی نے بھی اس راوی کے متعلق کہا ہے کہ یہ اچھا راوی نہ تھا۔ ابن خراش نے کہا ہے کہ یہ منکرۃ الحدیث تھا اور ابو حاتم نے کہا ہے کہ ثقہ نہ تھا۔

ابن جریر کے طریقوں میں سے پہلے تین میں تو یہی عاصم بن ابی النجود راوی ہے جو منکر الحدیث اور غیر ثقہ ہے۔ علاوہ ازیں پہلے طریقہ میں ابن عاصم کے علاوہ ایک راوی ابو یحییٰ مصدع بھی ہے۔ جس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ غیر ثقہ تھا۔ نیز لکھا ہے کہ :۔

قَدْ ذَکَرَهُ الْجُوْزَجَانِيُّ فِي الضُّعَفَاءِ ۔۔۔۔ وَقَالَ ابْنُ حَبَّانٍ فِي الضُّعَفَاءِ كَانَ يُخَالِفُ الْاِثْبَاتَ فِي الرِّوَايَاتِ وَيَنْفَرِدُ بِالْمَنَاكِيْرِ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۸) کہ یہ راوی ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔ ابن جریر کے دوسرے طریقہ میں عاصم کے علاوہ ایک راوی غالب بن فائد ہے۔ اس کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں :۔

قَالَ الْاَزْدِيُّ يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ وَقَالَ الْعُقَيْلِيُّ يُخَالِفُ فِيْ حَدِيْثِهٖ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۲۸۹) کہ اس راوی کے ثقہ ہونے میں محدثین کو کلام ہے اور عقیلی نے کہا کہ اس کی حدیث کو قبول نہیں کیا جاتا۔

اس طرح حافظ ابن حجر نے لسان المیزان جلد ۲ صفحہ ۲۸۹ پر عُقیلی کا قول اس راوی کی نسبت نقل کیا ہے کہ صَاحِبُ وَهْمٍ کہ یہ وہمی آدمی تھا۔

اسی طرح ابن جریر کی چوتھی روایت کا ایک راوی فُضَیل بن مرزوق الرقاشی ہے جو شیعہ تھا اس کے متعلق ابو حاتم کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اس راوی کی روایت حجت نہیں اور قَالَ النَّسَائِيُّ ضَعِيْفٌ نیز ابن حبان نے اسے خطا کار اور ضعیف قرار دیا ہے۔ نیز ابن معین نے بھی اسے ضعفاء میں شمار کیا ہے۔

(تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۲۹۹ و ۳۰۰)

پس یہ ہے تمہاری پیش کردہ "تفسیر ابن عباسؓ" کی حقیقت باقی رہی تمہاری شب معراج میں انبیاء کی چار کونسل والی ابن ماجہ کی روایت سو اس کی حقیقت حیات مسیح کی پندرہویں دلیل کے جواب میں دیکھو صفحہ ۳۷۸

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے اعجاز احمدی صفحہ ۲۱ اور حمامۃ البشریٰ پہلا ایڈیشن کے صفحہ ۹ پر اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع مسیح کو مانا ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳۵)

جواب ۱:۔ حضورؑ نے بھی اسی صورت میں مانا ہے جس صورت میں ہم نے ایسا ہی مان کر جواب نمبر ۲، ۳ میں اس کا مفہوم بیان کیا ہے۔ یعنی اس رنگ میں کہ اگر اِنَّهٗ کی ضمیر کا مرجع مسیح بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی اس سے حیات مسیح ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس صورت میں اس سے مراد مسیح کے بن باپ پیدا ہونے کی یا ہلاکت بنی اسرائیل کی پیشگوئی لی جائے گی۔

جواب ۲:۔ علم کے معنی ہیں جاننا۔ یہ مصدر ہے اور مصدر کبھی کبھی مبالغہ کے لئے بھی آجاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں زَيْدٌ عَدْلٌ۔ زید بہت عادل ہے۔ اس طرح بیان ہے کہ مسیح قیامت کا

اچھی طرح جاننے والا تھا، یعنی اس کو یقین تھا کہ قیامت ہوگی اور وہاں وہ اپنے دشمنوں کو پابہ زنجیر دیکھے گا۔ اس میں یہود پر بھی ایک حجت ہے۔ کیونکہ ان کا ایک گروہ منکرِ قیامت تھا، یا وہ یہود نامسعود کی ہلاکت کے وقت کو جانتا تھا۔

اگر "نشانی" بھی تسلیم کیا جائے تو ساعت سے مراد قیامت کبریٰ تو ہو نہیں سکتی ۔ جیساکہ جواب نمبر ا میں گزر چکا ہے ہاں یہود کی ہلاکت کی گھڑی مراد ہو سکتی ہے اور مطلب یہ بن جائے گا کہ عیسیٰ بن مریم کا بے باپ پیدا ہونا یا مبعوث ہونا اس بات کا بدیہی نشان تھا کہ سب بنی اسرائیل گندے ہو چکے ہیں اور ان کی ہلاکت دروازے پر کھڑی ہے۔

جواب ۵ :۔ ساعت سے مراد ہلاکت بنی اسرائیل کی گھڑی بھی ہو سکتی ہے۔

جواب ۶ :۔ اگر فی الواقعہ یہ معنی درست ہوتے جو ہمارے دوست کرتے ہیں، تو اگلے حصہ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا (الزخرف:۶۲) کالا لغو بن جاتا ہے۔ کیونکہ یہ بات معقولیت سے بعید ہے کہ ابھی وہ نشانی آئی بھی نہیں مگر خدا تعالیٰ آنحضرتؐ کے منکروں کو فرماتا ہے کہ تم اس میں شک نہ کرو۔ ظاہر ہے کہ جب ابھی نشانی نے ایک نامعلوم مدت کے بعد آنا ہے تو ان کو شک سے ابھی کس بنا پر روکا جاتا ہے پس معلوم ہوا کہ اس جگہ مسیح قیامت کی نشانی ہونے کا تذکرہ نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مجید کو قیامت کی نشانی ٹھہرایا گیا ہے ورنہ یہ حصہ بے معنی بنتا۔

جواب ۷ :۔ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا ۔ کے بعد ہے وَاتَّبِعُوْنِ کہ میری پیروی کرو۔ اگر قیامت کی نشانی مسیح تھے، تو اس کی مناسبت میں یہ فرمانا چاہیئے تھا کہ تم اُس کی پیروی کرنا۔ یہ کہنے کے کیا معنی کہ میری اتباع کرو۔ اس میں یہ کہہ کر کہ میری پیروی کرو، صاف بتا دیا کہ کوئی مسیح ناصری نہ آئے گا بلکہ تم اے مسلمانو! خود مسیح بنو اور اس کا طریق یہ ہے کہ تم میری اتباع کرو۔

لطیفہ :۔ یہ متنازعہ فیہا آیت سورۃ زخرف کی ہے جس سے استدلال کیا جاتا ہے کہ مسیح چونکہ علم للساعۃ ہیں اس لئے وہ ضرور قیامت سے پیشتر تشریف لائیں گے لیکن اگر مسیح کو علم للساعۃ مان بھی لیا جاوے تب بھی آپ اُمتِ محمدیہ میں نہیں آسکتے۔ کیونکہ اس سورۃ کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے۔ وَعِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ (الزخرف:۸۶) کہ وہ علم الساعۃ جسے تم دوبارہ زمین پر اتار رہے ہو وہ اب اللہ کے پاس بیٹھا ہے وہ تو تمہارے پاس ہرگز نہ آئے گا ہاں تم ہی اس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ پس اس کی انتظار فضول ترک کر دو۔

حیاتِ مسیح کی تیسری دلیل

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (النساء:۱۶۰) ترجمہ:۔ اور کوئی اہلِ کتاب (یہودی) نہیں مگر وہ حضرت عیسیٰؑ پر ضرور ایمان لائے گا اس کی موت سے پیشتر، یعنی حضرت عیسیٰؑ کے مرنے سے پہلے سب یہود ایمان لائیں گے۔ چونکہ فی زمانناً وہ سب ایمان نہیں لا رہے اس لیے ماننا پڑے گا کہ آپ اسی جسم کے ساتھ آسمان پر زندہ موجود ہیں اور آخری زمانہ میں تشریف لا کر کفارے منوائیں گے۔

جواب :- غیر احمدیوں کا مندرجہ بالا استدلال بہ این وجوہ باطل ہے۔

وجہ اوّل :- یہ وہ ایمان ہے جس میں اہلِ کتاب کا ہر فرد شامل ہے کیونکہ لفظ اِنۡ مِنۡ حصر کیلئے آتے ہیں اور جو ایمان غیر احمدی مراد لیتے ہیں وہ ہزارہا مرنے والے اہلِ کتاب میں نہیں پایا جاتا۔ پس اگر یہ معنی ہیں تو اللہ تعالیٰ ضرور ان سب اہلِ کتاب کو حضرت عیسیٰ کی آمد ثانی تک زندہ رکھتا تا وہ ایمان لے آویں اور خدا کا فرمودہ ثابت ہو۔ لیکن جب ایسا نہیں تو معلوم ہوا کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

اس جگہ اگر کوئی یہ کہے کہ وہ سب یہودی ایمان لائیں گے جو اس وقت موجود ہوں گے۔ تو اوّل تو اس آیت میں اس کا ذکر نہیں۔ دوم احادیث میں صاف لکھا ہے کہ اصفہان کے ۷۰ ہزار یہود دجال کے ساتھ ہوں گے جو مارے جائیں گے اور کنز العمال کتاب القیامۃ من قسم الاوّل الفصل الثالث فِیۡ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ جلد ۷ صفحہ ۱۷۱ مصری۔ مطبوعہ حیدر آباد جلد ۷ صفحہ ۱۷۱ پر لکھا ہے کہ ۱۲ ہزار یہودی عورتیں حضرت مسیح کا اتباع کریں گی۔ پس یہ معنی بھی غلط ہیں۔

وجہ دوم :- یہ معنی اس لئے غلط ہیں کہ آگے پیچھے اس کے سب یہود کی بدیاں بھری ہوئی ہیں۔ اور جو ان میں سے نیک ہیں ان کی نیکیوں کا ذکر لٰكِنِ الرّٰسِخُوۡنَ (النسآء :۱۶۳) سے شروع ہوتا ہے۔ تو اب یہ طریق حکمت کے خلاف ہے کہ ایسی عظیم الشان نیکی کے بعد بھی ان کی بدیاں مذکور ہوں اور معاف نہ کی جائیں۔ پھر جس طرح یہ بات حکمت کے برخلاف ہے اسی طرح یہ قرآن کریم کے طرزِ بیان کے بھی برعکس ہے۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

وجہ سوم :- اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لَوۡ كَانَ مِنۡ عِنۡدِ غَيۡرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوۡا فِيۡهِ اخۡتِلَافًا كَثِيۡرًا (النسآء : ۸۳) کہ اگر یہ قرآن اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اتنی بڑی کتاب میں ضرور کوئی اختلاف (قوانین قدرت کے مضامین وغیرہ میں) ہوتا۔ ایسا نہ ہونے کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی صداقت پر دلیل بیان فرمایا ہے، لیکن اگر غیر احمدیوں کے معنی صحیح تسلیم کئے جائیں تو قرآن کریم میں اختلاف پڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اس آیت سے ماقبل فرمایا ہے" فَلَا يُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِيۡلًا" (النسآء :۴۷) کہ یہ تھوڑا مانیں گے بلکہ مانیں گے ہی نہیں، لیکن یہاں کہہ دیا کہ "سب ایمان لے آئیں گے" (بقول غیر احمدی صاحبان)۔

وجہ چہارم :- خدا تعالیٰ حضرت عیسیٰ کو فرماتا ہے۔ وَجَاعِلُ الَّذِيۡنَ اتَّبَعُوۡكَ فَوۡقَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ (آل عمران : ۵۶) کہ میں تیرے متبعین کو یہود پر قیامت تک غلبہ دوں گا۔ اور پھر فرماتا ہے وَاَغۡرَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ (المائدۃ : ۱۵) کہ ہم نے ان میں قیامت تک بغض اور عداوت ڈال دی ہے اور پھر المائدۃ : ۶۵ میں ہے وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ .... اب ذرا سوچو کہ اگر سب اہل کتاب ایمان لے آئیں اور سب یہودی حضرت عیسیٰ کے متبع ہو جائیں تو پھر ان پر تا قیامت غلبہ کیونکر ؟ اور ان میں بغض و عداوت کیسی ؟ پس ماننا پڑے گا کہ یہ معنی ہی غلط ہیں۔

وجہ پنجم:۔ مَوْتِہٖ میں ہ کی ضمیر کی بجائے دوسری قرآت میں ھُم کا لفظ آیا ہے جو جمع ہے اور جس سے صرف اہلِ کتاب ہی مراد لیے جاسکتے ہیں ھُم کے لیے دیکھیں عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ قَالَ ھِیَ فِیْ قِرَأَۃِ اُبَیٍّ قَبْلَ مَوْتِھِمْ۔ (ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۵) یعنی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ابی بن کعبؓ کی قرآت میں مَوْتِہٖ کی جگہ مَوْتِھِمْ آیا ہے۔

قَبْلَ مَوْتِھِمْ کے راوی

غیر احمدی:۔ قَبْلَ مَوْتِھِمْ والی قرآت جو ابن عباسؓ سے مروی ہے کذب محض ہے اس میں دو راوی خصیف اور عتاب بن بشیر مجروح ہیں۔ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳ بار دوم)

جواب ۱۔ ابن جریر نے ابن عباس سے پانچ روایات قَبْلَ مَوْتِھِمْ والی قرآت کی نقل کی ہیں جن میں سے چار راویات ایسی ہیں جن میں یہ دونوں راوی نہیں ہیں۔ پس دوسری راویات تو تمہارے نزدیک بھی قابل اعتراض نہ ٹھہریں۔ تو ابن عباس سے مَوْتِھِمْ والی قرآت تو ثابت ہو گئی۔ اعتراض کیا رہا؟

۲۔ باقی رہی پانچویں روایت جس کے راوی خصیف اور عتاب بن بشیر ہیں تو یہ روایت بھی درست ہے خصیف بن عبدالرحمٰن کے متعلق لکھا ہے:۔

قَالَ ابْنُ مُعِیْنٍ لَیْسَ بِہٖ بَاْسٌ وَقَالَ مَرَّۃً ثِقَۃٌ ۔۔۔۔ قَالَ ابْنُ سَعْدٍ کَانَ ثِقَۃً ۔۔۔۔۔ قَالَ السَّاجِیُّ صَدُوْقٌ (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۴۳ و ۱۴۴) کہ خصیف ثقہ راوی تھا۔ جن لوگوں نے خصیف پر اعتراض کیا ہے ان کے نزدیک وہ روایت جو خصیف سے عبدالعزیز بن عبدالرحمٰن روایت کرے وہ ناقابل اعتبار ہوتی ہے کیونکہ لکھا ہے وَالْبَلَاءُ مِنْ عَبْدِ الْعَزِیْزِ لَا مِنْ خَصِیْفٍ (ایضاً) یعنی نقص عبدالعزیز میں ہے نہ کہ خصیف میں۔ لیکن روایت متنازعہ میں عبدالعزیز راوی نہیں ہے۔

اس طرح اس روایت کا دوسرا راوی عتاب بن بشیر بھی قابل اعتبار اور ثقہ ہے، جیسا کہ لکھا ہے:

قَالَ عُثْمَانُ الدَّارِمِیُّ عَنْ اَبِیْ مُعِیْنٍ ثِقَۃٌ ۔۔۔۔ ھٰذَا اَرَّخَہٗ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ ۔۔۔۔۔ قَالَ الْحَاکِمُ عَنِ الدَّارِقُطْنِیِّ ثِقَۃٌ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۹۱) یعنی عتاب بن بشیر کو ابن معین اور ابن حبان اور دارقطنی نے ثقہ قرار دیا ہے۔

غیر احمدی:۔ ابن جریر میں ابن عباسؓ کا قول قَبْلَ مَوْتِ عِیْسٰی سعید بن جبیر کے طریق سے باسنادِ صحیح درج ہے۔ بحوالہ ارشاد الساری شرح صحیح بخاری (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳۸)۔

جواب:۔ ابن جریر میں سعید بن جبیر کے طریق سے صرف دو راویات درج ہیں۔ پہلی راویت محمد بن بشار نے ابن مہدی عبدالرحمٰن سے اور اس نے سفیان سے اور اس نے ابی حصین سے اور اس نے

سعید بن جبیر سے۔ سو یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ لکھا ہے:-

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَیَّارٍ سَمِعْتُ عَمْرَو ابْنِ عَلِیٍّ یَحْلِفُ اَنَّ بُنْدَارًا یُکَذِّبُ فِیْمَا یَرْوِیْ عَنْ یَحْیٰی۔۔۔۔ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ عَلِیِّ ابْنِ الْمَدِیْنِیْ سَمِعْتُ اَبِیْ وَسَئَلْتُہٗ عَنْ حَدِیْثٍ رَوَاہُ بُنْدَارٌ عَنِ ابْنِ مَھْدِیٍّ۔۔۔۔ فَقَالَ ھٰذَا کَذِبٌ ۔۔۔۔ فَرَاَیْتُ یَحْیٰی لَا یَعْبَاءُ بِہٖ وَیَسْتَضْعِفُہٗ قَالَ وَرَاَیْتُ الْقَوَارِیْرِیَّ لَا یَرْضَاءُ بِہٖ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۷۱) کہ عبداللہ بن محمد کہتے ہیں کہ عمرو بن علی نے حلف اُٹھا کر کہا کہ محمد بن بشار بندار جھوٹ بولتا تھا، ان روایات میں جو اس نے یحییٰ سے روایت کی ہیں۔ اسی طرح سے علی بن المدینی سے محمدؐ بن بشار کی ایک روایت جو ابن مہدی سے لی ہے پوچھی گئی تو انہوں نے اس روایت کو کذب محض قرار دیا۔ اس طرح یحییٰ بن معین محمدؐ بن بشار کو اچھا نہیں سمجھتے تھے (اس کی پروا نہ کرتے تھے) بلکہ اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ اسی طرح قواریری بھی اسے پسند نہ کرتا تھا۔

یہ تو حال ہے پہلی روایت کا۔ (یاد رہے کہ یہ روایت بھی محمد بن بشار نے ابن مہدی سے روایت کی ہے)۔ دوسری روایت کا ایک راوی ابی بن العباس بن سہل الانصاری ہے جس کے متعلق لکھا ہے:

قَالَ اَبُوْ بِشْرٍ الدَّوْلَابِیُّ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ قُلْتُ وَقَالَ ابْنُ مَعِیْنٍ ضَعِیْفٌ وَقَالَ اَحْمَدُ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ۔ وَقَالَ النَّسَائِیُّ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ وَقَالَ الْعُقَیْلِیُّ لَہٗ اَحَادِیْثُ لَا یُتَابَعُ عَلٰی شَیْءٍ مِنْھَا۔۔۔۔ قَالَ الْبُخَارِیُّ۔ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ (تہذیب التہذیب جلد۱ ص۱۸۶) کہ ابو بشر الدولابی نے کہا ہے کہ یہ راوی ثقہ نہیں۔ ابن معین نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے اور امام احمدؒ کے نزدیک منکر الحدیث تھا اور نسائی نے بھی غیر قوی قرار دیا ہے۔ عقیلیؒ نے لکھا ہے کہ اس راوی کی حدیث قابلِ اتباع نہیں ہوئی۔ امام بخاری کے نزدیک بھی یہ راوی قوی نہیں ہے۔

ابن جریر میں قَبْلَ مَوْتِ عِیْسٰی والی روایت ابن عباسؓ سے صرف ایک ہی روایت ہے، اگرچہ وہ سعید بن جبیر کے طریق سے تو نہیں لیکن پھر بھی ضعیف ہے کیونکہ اس میں بھی یہی ابی ابن العباس راوی ہے جو ضعیف ہے۔

پھر لکھا ہے وَتَدُلُّ عَلَیْہِ قِرَاءَۃُ اُبَیٍّ اِلَّا لَیُؤْمِنُنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِھِمْ بِضَمِّ النُّوْنِ عَلٰی مَعْنٰی وَاِنْ مِنْھُمْ اَحَدٌ اِلَّا سَیُؤْمِنُوْنَ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِھِمْ (تفسیر کشاف جلد۱ ص۳۹۶) یعنی ان معنوں پر حضرت ابی بن کعب کی یہ قرأت دلالت کرتی ہے اِلَّا لَیُؤْمِنُنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِھِمْ جس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہوگا جو اپنی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے۔

حضرت ابی ابن کعب کی قرأت کی اہمیت بخاری کی اس حدیث سے ظاہر ہے سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ خُذُوا الْقُرْاٰنَ مِنْ اَرْبَعَۃٍ مِنْ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فَبَدَأَ بِہٖ وَسَالِمٍ مَوْلٰی اَبِیْ حُذَیْفَۃَ وَمُعَاذِ ابْنِ جَبَلٍ وَاُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ (بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بن کعبؓ

جلد ۲ صـ۱۹۴ مصری) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن شریف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت سالمؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابی ابن کعبؓ سے سیکھو۔

اب متقی مومن کا فرض ہے کہ وہ دونوں قراتوں کو مدِ نظر رکھ کر معنے کرے اور وہ یہی ہونگے کہ یہود کا ہر فرد اپنے مرنے سے پہلے حضرت عیسیٰؑ کے مصلوب ہونے پر ایمان لائیگا اور لاتا ہے ورنہ وہ یہودیت کو ترک کر کے صداقتِ عیسیٰؑ کا قائل ہوجائیگا جو باطل ہے۔

وجہ ششم:۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍؓ قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى وَعَنْهُ اَيْضًا قَالَ قَبْلَ مَوْتِ الْيَهُوْدِيِّ ...... وَقِيْلَ الضَّمِيْرُ الْاَوَّلُ لِلّٰهِ وَقِيْلَ اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ بِهٖ عِكْرَمَةُؓ۔ (فتح البیان جلد ۲ صـ۲۴۴) کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ عیسیٰؑ کی موت سے پہلے اور انہی حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ یہودی کی موت سے پہلے ..... اور کہا گیا ہے کہ پہلی ضمیر اللہ کی طرف پھرتی ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ آنحضرتؐ کی طرف پھرتی ہے اور حضرت عکرمہؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔

اس آیت میں دو ضمیریں ہیں، ایک بِہٖ اور دوسری بِھِمْ۔ اِن دونوں ضمیروں کے مرجع کی تعیین میں مفسرین کا اختلاف ہے۔ پہلی ضمیر کا مرجع عیسیٰؑ، اللہ، نبیؐ اور قرآن بتاتے ہیں اور دوسری ضمیر کا مرجع عیسیٰؑ اور کتابی بتاتے ہیں۔ پس یہ دلیل غیر احمدیوں کی تب صحیح ہوسکتی ہے کہ تعیین مرجع میں مسیح پر اتفاق ہوتا، لیکن ایسا نہیں۔ بس اس قرأت کے ہوتے ہوئے بھی غیر احمدیوں کے بیان کردہ معنی درست نہیں ہو سکتے۔

وجہ ہفتم:۔ اس کے بعد فرمایا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا (النسآء: ۱۶۰) کہ وہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوگا، یعنی ان کے خلاف گواہی دے گا اور اگر اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ وہ سب مان جائیں گے تو گواہی کیسی اور اس گواہی کی کیا ضرورت؟ کیونکہ گواہی کی ضرورت تو ہمیشہ انکار کے بعد ہوتی ہے۔ قیامت کے ساتھ گواہی کو مخصوص کرنا بتاتا ہے کہ مسیح دُنیا میں نہیں آئیگا۔ ورنہ کہنا چاہیئے تھا کہ وہ دُنیا میں آکر گواہی دے گا۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے نون ثقیلہ کے معنی حال کے بھی کئے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ (النسآء: ۷۳) کا ترجمہ "کوئی تم میں سے سستی کرتا ہے"۔ (تفسیر ثنائی سورۃ نساء: ۷۳)

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ نے جو اس آیت کا ترجمہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قَبْلَ مَوْتِهٖ سے مراد حضرت مسیحؑ کی وفات لیتے تھے، لیکن یہ صریحاً مغالطہ ہے۔ حضرت خلیفۃ اوّلؓ مَوْتِهٖ کی ضمیر کا مرجع "کتابی" ہی لیتے تھے اور جو ترجمہ غیر احمدی "فصل الخطاب جلد ۲ صـ۸۰" کے حوالہ سے پیش کرتے ہیں، اس میں "اسکی موت سے پہلے" کے الفاظ ہیں۔ یہ تصریح موجود نہیں ہے کہ اس سے مراد کتابی ہے یا حضرت مسیحؑ۔ ورنہ حضرت خلیفۃ اوّلؓ کا مذہب وہی ہے جو ہم نے اوپر بیان

کیا ہے۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ۔ الخ (النساء : ۱۶۰) کا ترجمہ یہ ہے اور نہیں کوئی اہلِ کتاب مگر ضرور ایمان لائے گا ساتھ اس قتل کے قبل موت اپنی کے۔" (الحکم جلد ۵ نمبر ۳۳ - ۱۰ استمبر ۱۹۰۱ء صاا حاشیہ)۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا اجتہاد

بعض غیر احمدی علماء حضرت ابو ہریرہؓ کا اجتہاد بخاری کے حوالہ سے پیش کیا کرتے ہیں کہ انہوں نے نزولِ مسیح کی حدیث کو وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ والی آیت کے ساتھ منطبق کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت سے نزولِ مسیح ہی مراد ہے نہ کچھ اور۔

جواب : اس کا یہ ہے کہ یہ حضرت ابو ہریرہؓ کا اپنا اجتہاد ہے جو حجت نہیں کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ راوی تو اعلیٰ درجہ کے ہیں مگر مجتہد نہیں۔ ملاحظہ ہو :۔

ا۔ وَالْقِسْمُ الثَّانِیْ مِنَ الرُّوَاۃِ ھُمُ الْمَعْرُوْفُوْنَ بِالْحِفْظِ وَالْعَدَالَۃِ دُوْنَ الْاِجْتِھَادِ وَالْفَتْوٰی کَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَ اَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ (اصول نظام الدین اسحاق بن ابراہیم الشاشی البحث الثانی۔ فصل فی اقسام الخبر والقسم الثانی من الرواۃ۔ مطبوعہ نول کشور ص۷۵ و کتب خانہ رشیدیہ دہلی ص۷۵) کہ راویوں میں سے دوسری قسم کے راوی وہ ہیں جو حافظہ اور دیانتداری کے لحاظ سے تو مشہور ہیں مگر اجتہاد اور فتویٰ کے اعتبار سے قابلِ اعتبار نہیں، جیسے ابو ہریرہؓ و انس بن مالک۔

ب۔ مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی اپنی تفسیر بنام تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں :۔

تَاْوِیْلُ الْاٰیَۃِ بِاِرْجَاعِ الضَّمِیْرِ الثَّانِیْ اِلٰی عِیْسٰی مَمْنُوْعٌ اِنَّمَا ھُوَ زَعْمٌ مِّنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ لَیْسَ ذٰلِکَ فِیْ شَیْءٍ فِی الْاَحَادِیْثِ (تفسیر مظہری جلد ۲ ص۲۴۳ زیر آیت وان من اھل الکتب) یعنی آیت زیر بحث میں ضمیر ثانی (یعنی مَوْتِہٖ کی ضمیر کو) حضرت عیسیٰؑ کی طرف پھیر کر آیت کے معنی کرنا غلط ہے، جائز نہیں۔ یہ تو محض ابو ہریرہؓ کا اپنا زعم ہے جو احادیث کے بالمقابل وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ حدیث سے ایسا ثابت نہیں ہوتا۔

پس اہلِ اصول اور محدثین کے نزدیک حضرت ابو ہریرہؓ ثقہ راوی ہیں اور انکی روایت درست مگر ان کا اپنا خیال اور قول ہرگز حجت نہیں خصوصاً جبکہ قرآن مجید کی ۳۰ آیات، متعدد احادیث اور رہبرانِ اُمت کے بیسیوں اقوال اس کے خلاف ہوں۔ چنانچہ اسی بخاری شریف میں حضرت ابو ہریرہؓ کا ایک اور اجتہاد درج ہے۔ آنحضرتؐ کی حدیث وَمَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ وَالشَّیْطَانُ یَمَسُّہٗ حِیْنَ یُوْلَدُ۔ (بخاری کتاب الانبیاء۔ باب ۴۴ و مسلم کتاب الفضائل باب ۱۴۶) (کہ ہر بچہ کو بوقتِ پیدائش شیطان مس کرتا ہے بجز مریم اور ابن مریم کے، کہ وہ دونوں مسِ شیطان سے پاک ہیں) کے متعلق حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں۔ فَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَ ذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ آل عمران

جلد ۳ مطبع البہیہ مصر) کہ آنحضرتؐ کی اس حدیث کے سمجھنے کے لئے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھو کہ حضرت مریمؑ کی والدہ نے کہا کہ مَیں مریم اور اس کی ذرّیت کے لئے شیطان الرجیم سے خدا کی پناہ مانگتی ہوں۔ حالانکہ حضرت ابوہریرہؓ کا یہ اجتہاد قطعی طور پر غلط ہے، کیونکہ حضرت مریمؑ کی والدہ کی مندرجہ بالا دعا حضرت مریمؑ کی ولادت کے بعد کی ہے اور حدیث میں جس مسِ شیطان کی نفی ہے وہ وقتِ ولادت کی ہے پس جس طرح ابوہریرہؓ کا اس آیت کے متعلق اجتہاد مندرجہ بخاری غلط ہے اس طرح ان کا وَ اِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتَابِ (النسآء: ۱۶۰) والی آیت کے متعلق اجتہاد مندرجہ بخاری بھی غلط ہے اور ناقابلِ استناد۔

اگر ان کا یہ قول اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِیْحَ (النسآء: ۱۵۸) اس ضمیر کا مرجع ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ باوجود اس کے کہ خدا نے یہودیوں کے اس قول کی تردید پوری طرح کر دی ہے پھر بھی وہ اپنے اس قول پر ایمان رکھیں گے کہ ہم نے مسیح کو قتل کر دیا، ورنہ ان کا مذہب ہی درہم برہم ہو جاتا ہے مثلاً دیکھ لو اگر ایک یہودی حضرت عیسیٰؑ کو غیر مصلوب تسلیم کرے تو پھر وہ آپ پر ایمان لائیگا اور اسی طرح اگر ایک عیسائی مصلوبیت مسیح کو چھوڑ دے تو پھر ان کے مذہب کا بھی کچھ نہیں رہتا۔ اور کفارہ معہ دیگر اصولوں کے رخصت ہو جاتا ہے پس یہی معنی ہیں۔ ان کے ایمان سے حقیقی اور قابلِ قبول ایمان مراد نہیں۔

حیاتِ مسیح کی چوتھی دلیل

مَنْ یَّمْلِکُ مِنَ اللّٰہِ شَیْئًا اِنْ اَرَادَ اَنْ یُّھْلِکَ الْمَسِیْحَ ابْنَ مَرْیَمَ (المائدۃ: ۱۸) کہ خدا کو کون روک سکتا ہے اگر وہ عیسیٰ بن مریم کو مارنے کا ارادہ کرے۔ ثابت ہوا ابھی تک خدا تعالیٰ نے ان کو مارنے کا ارادہ نہیں کیا۔

جواب:۔ اس کے آگے وَ اُمَّہٗ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (المائدۃ: ۱۸) بھی پڑھو کہ اگر خدا چاہے عیسیٰؑ اور ان کی والدہ اور موجوداتِ ارضی کو ہلاک کرنا۔ تو کیا حضرت مریمؑ بھی زندہ ہیں اور کیا دُنیا کی کوئی چیز ہلاک نہیں ہوتی؟ حالانکہ کوئی سیکنڈ اور سیکنڈ کا کوئی حصہ نہیں گزرتا جب دُنیا میں کوئی جاندار نہیں مرتا۔

اصل مطلب یہ ہے کہ اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو مسیحؑ، مریمؑ اور موجوداتِ ارضی کو جمیعاً (یکدم) ہلاک کر دیتا مگر خدا تعالیٰ آہستہ آہستہ دُنیا کو ہلاک کرتا ہے۔ "اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُھَا مِنْ اَطْرَافِھَا" (الانبیاء: ۴۵)

حیاتِ مسیح کی پانچویں دلیل

یُکَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَھْدِ وَکَھْلًا (آل عمران: ۴۷) کہ عیسیٰؑ مہد اور چالیس سال کی عمر میں کلام کریں گے، انہوں نے مہد میں تو کلام کیا مگر ۳۳ سال کی عمر میں چونکہ آسمان پر اُٹھائے گئے اس لئے ابھی تک انہوں نے کہل کی عمر میں کلام نہیں کیا۔ لہٰذا آسمان سے واپس آکر وہ کہل میں بھی کلام کریں گے۔

جواب ۱: کَھْل کے معنی لغت سے ۳۰ سے ۴۰ سال کی عمر کے (مجمع البحار جلد ۴ صفحہ ۲۲۶ زیر لفظ کَھَلَ) بقول تمہارے جب وہ ۳۳ سال کی عمر میں اُٹھائے گئے تو تین سال انہوں نے کَھْل میں بھی

کلام کرلیا۔ واپس لانے کی کیا ضرورت ہے۔

۲۔ ہم تو احادیثِ صحیحہ کی بناء پر ایمان رکھتے ہیں کہ وہ ۱۲۰ سال تک زندہ رہے، لہٰذا ان کا کہل کی عمر میں بھی کلام کرنا ثابت ہوگیا۔

حیاتِ مسیح کی چھٹی دلیل وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (آل عمران: ۴۹) الکتاب اور اَلحِکمَۃَ سے قرآن میں ہر جگہ قرآن اور حدیث مراد ہے۔ ثابت ہوا کہ خداتعالیٰ عیسیٰؑ کو قرآن و حدیث سکھائے گا۔ آمدِ ثانی ثابت۔

جواب:۔ یہ قاعدہ ہی غلط ہے، قرآن کریم میں ہے فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ (النساء: ۵۵) لہٰذا یہ تمہارا خودساختہ قاعدہ غلط ہے۔

حضرت امام فخرالدین رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اَلْمُرَادُ مِنَ الْكِتٰبِ تَعْلِيْمُ الْخَطِّ وَ الْكِتَابَةِ ثُمَّ الْمُرَادُ مِنَ الْحِكْمَةِ تَعْلِيْمُ الْعُلُوْمِ وَ تَهْذِيْبُ الْاَخْلَاقِ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ) یعنی (تمہاری پیش کردہ آیت میں) کتاب سے مراد خط و کتابت (یعنی لکھنا پڑھنا) اور حکمت سے مراد علوم رُوحانی و اخلاقی ہیں۔

حیاتِ مسیح کی ساتویں دلیل اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَنْكَ (المائدہ: ۱۱۱) یعنی اے عیسیٰؑ جب مَیں نے بنی اسرائیل کا ہاتھ تجھ سے روک لیا، اس آیت سے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں کے ہاتھ لگے ہی نہیں۔ اگر یہ مانا جائے کہ وہ صلیب پر لٹکائے گئے اور ان کے ہاتھوں سے خون بہا، اور پھر اس قدر مصیبتیں جھیلنے کے بعد صلیب پر سے زندہ اُتارے گئے تو اس سے اس آیت کی تکذیب لازم آتی ہے۔

جواب:۔ کَفَّ، عَنْ کا جو ترجمہ کیا گیا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ (المائدہ: ۱۲) کہ اے مسلمانو! تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جبکہ قوم (کافرین) نے تمہاری طرف اپنے ہاتھ دراز کرنے کا ارادہ کیا تھا، پس خدا نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا۔

کیا جنگوں کے موقعہ پر کبھی کوئی مسلمان زخمی یا شہید نہیں ہوتا تھا پس درحقیقت کفِ ید سے مراد حقیقی فتح سے کافروں کو روکنا ہے، یعنی یہ کہ کافر مسلمانوں پر حقیقی فتح نہیں پا سکتے۔

حیاتِ مسیح کی آٹھویں دلیل وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (آل عمران: ۵۵) کہ خداتعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے وعدہ کیا تھا کہ مَیں تم کو کافروں سے پاک کروں گا یعنی کامل طور پر یہودیوں کے ہاتھوں سے بچاؤں گا۔ اگر احمدیوں کا مذہب مانا جائے کہ حضرت عیسےٰؑ صلیب پر لٹکائے گئے مگر زندہ اُتر آئے، تو اس سے اس وعدہ کی تکذیب ہوتی ہے۔

جواب:۔ تَطْهِيْر سے مراد اس آیت میں کافروں کے الزامات سے بری کرنا ہے نہ کہ انکے ہاتھوں

سے زخمی ہونے سے بچاتا۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب: ۳۴) کہ اے اہل بیت اللہ تعالےٰ چاہتا ہے کہ تم سے پلیدی کو دور کرے اور تم کو اچھی طرح پاک کرے۔

اب یہ تو ظاہر ہے کہ ازواج نبوی کے علاوہ حضرت امام حسینؓ بھی اہل بیت میں سے ہیں۔ انکی بھی تطہیر ہوئی؟ کیا انکو یزیدیوں کے ہاتھ سے جسمانی طور پر کوئی گزند نہیں پہنچا۔ پس حضرت عیسیٰؑ کے لئے تطہیر کے اور معنے لینا خلاف اسلوب قرآن ہے۔

حیاتِ مسیح کی نویں دلیل لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ (النساء: ۱۷۳) کہ مسیح خدا کی عبادت سے انکار نہیں کرے گا۔

جواب:۔ ہاں بیشک حضرت مسیحؑ نے خدا تعالیٰ کا عَبْد ہونے سے نہ کبھی پہلے انکار کیا اور نہ خدا کی عبادت کرنے اور کرانے سے قیامت کے دن منکر ہوں گے۔ چنانچہ دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (المائدۃ: ۱۱۷) کہ جب اللہ تعالیٰ قیامت کے دن حضرت مسیح سے پوچھیگا کہ کیا آپ نے لوگوں کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو معبود بنا کر ہماری عبادت کیا کرو؟ تو مسیح اس کے جواب میں کہیں گے۔ مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِيْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ (المائدۃ: ۱۱۸) کہ میں نے ان سے وہی کچھ کہا جس کا آپ نے مجھے حکم دیا یعنی یہ کہ تم بھی اسی اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے۔ غرضیکہ لَنْ يَّسْتَنْكِفَ والی آیت میں جس عدم انکار از عبادت کا ذکر ہے وہ قیامت کے دن ہوگا، جیسا کہ قرآن مجید نے دوسری جگہ خود اس کا ذکر بالتفصیل کر دیا ہے یعنی سورۃ مائدہ آخری رکوع میں جس کا اوپر حوالہ دیا گیا ہے۔

لطیفہ

مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے حیات مسیحؑ کی نویں دلیل یہ لکھی ہے "قرآن مجید میں جہاں کہیں کسی شخص کو مقرب فرمایا ہے۔ سب جگہ مذکور ساکنینِ آسمان ہیں چنانچہ سورۃ واقعہ میں جنتیوں کے حق میں لفظ مقرب وارد ہے اور قرآن و حدیث سے ظاہر ہے کہ جنت آسمان پر ہے، دوسرے موقعہ پر حضرت مسیح کے "وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ" آیا ہے۔ مطلب ظاہر ہے کہ حضرت مسیح آسمان پر ہیں۔"

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۴۰ بار دوم)

احمدی:۔ جنت زمین پر ہو یا آسمان پر لیکن ہم یہ ضرور تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ فی الواقعہ "جنتیوں" میں سے ہیں۔ کیونکہ بقول تمہارے لفظ مقرب جہاں کہیں قرآن مجید میں آیا ہے وہاں اس سے مراد یا تو فرشتے ہیں یا جنتی۔ حضرت مسیح فرشتے تو نہیں لہٰذا جنتی ضرور ہیں۔ بہر حال انکی وفات ثابت ہے کیونکہ جنت کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۔ (الحجر: ۴۹)

۲۔ باقی تمہارا یہ لکھنا کہ "قرآن مجید میں مقرب کا لفظ صرف ساکنین آسمان کے لئے آیا ہے" تمہاری قرآن دانی کی دلیل ہے۔ سورہ اعراف اور سورہ شعراء میں فرعون کے جادوگروں کی نسبت لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (الاعراف: ۱۱۵ و الشعرآء: ۴۲) کا لفظ آیا ہے۔ تمہارے نزدیک کیا فرعون کا دربار "آسمان" پر منعقد ہوتا تھا۔

۳۔ ذرا یہ بھی بتا دینا کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تمہارے نزدیک اپنی وفات تک اللہ تعالیٰ کے مُقرب تھے یا نہیں؟

۴۔ حضرت مسیحؑ کے لیے جہاں مقرب کا لفظ آیا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (آل عمران: ۴۶) کہ وہ دُنیا میں بھی وجیہہ ہوگا اور آخرت میں بھی وجیہہ اور مقرب ہوگا۔ پس حضرت مسیح کا مقرب ہونا اَلْاٰخِرَةِ کے بعد ہے نہ کہ پہلے۔ لہٰذا اگر تمہارا خود ساختہ قاعدہ مان بھی لیا جائے تب بھی حضرت مسیحؑ کی وفات ہی اس سے ثابت ہوتی ہے۔ معلوم نہیں کس طرح تم نے اسے حیاتِ مسیحؑ کی دلیل ٹھہرا لیا ہے؟

غیر احمدی:۔ حضرت مسیحؑ کا صلیب پر لٹکایا جانا ان کے "وجیہہ" ہونے کے منافی ہے۔

جواب:۔ جی نہیں! صلیب پر اپنے دشمنوں کے ہاتھوں مارے جانا بے شک وجاہت کے خلاف تھا کیونکہ عہد نامہ قدیم میں صلیب پر مارے جانے والے کو لعنتی کہا گیا ہے نہ کہ صلیب پر لٹکائے جانے والے کو۔ پس مسیح کا محض صلیب پر لٹکنا اور زخمی ہونا ان کے وجیہہ ہونے کی نفی نہیں کرتا۔ آنحضرتؐ کا دانت مبارک جنگِ اُحد میں شہید ہوگیا۔ حضورؐ دشمنوں کے ہاتھوں زخمی ہوکر بے ہوش ہوگئے، لیکن کیا تمہارے نزدیک حضورؐ وجیہہ نہ تھے؟

حیاتِ مسیحؑ کی دسویں دلیل

كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ و جلد ۲ صفحہ ۲۳۰ مصری) کہ اے مسلمانو! تمہاری کیسی خوش قسمتی ہوگی کہ جب تم میں ابن مریم نزول فرما ہوں گے۔

جواب:۔ اِس حدیث میں مِنَ السَّمَآءِ کا لفظ تو آیا نہیں۔ ہاں دو لفظ ہیں جن سے ہمارے دوستوں کو مغالطہ لگا ہے۔ ایک نَزَلَ اور ایک ابن مریم۔ نزول کے متعلق یاد رہے کہ اس کے لئے آسمان سے اُترنا ضروری نہیں۔ ملاحظہ ہو۔

لفظ نُزُول قرآن میں

۱۔ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَّسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْكُمْ (الطلاق: ۱۱، ۱۲) کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف محمد رسول اللہؐ کو نازل فرمایا ہے جو تم پر اللہ کی نشانیاں پڑھتا ہے۔ کیا آپؐ آسمان سے آئے تھے؟

۲۔ اَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ (الزمر: ۷) اللہ نے تمہارے واسطے جانور نازل کئے۔

۳- اَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ (الحدید: ۲۶) ہم نے لوہا نازل کیا۔

۴- وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُہٗ وَمَا نُنَزِّلُہٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ (الحجر: ۲۲) اور کوئی چیز بھی نہیں مگر ہمارے پاس اس کے خزانے ہیں اور نہیں اُتارتے ہم اس کو مگر ایک مقررہ اندازہ پر۔

۵- قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا (الاعراف: ۲۷) ہم نے لباس نازل کیا۔

لفظ نُزُول اور احادیث

۱- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَزَلَ تَحْتَ شَجَرَۃٍ (کنز العمال ص۵۹ جلد ۷) آنحضرتؐ ایک درخت کے نیچے اُترے۔

۲- کَانَ اِذَا نَزَلَ مَنْزِلًا فِیْ سَفَرٍ لَمْ یَرْتَحِلْ حَتّٰی یُصَلِّیَ فِیْہِ رَکْعَتَیْنِ۔ (کنز العمال جلد ۴ ص۹۱ کتاب شمائل من قسم الاقوال والافعال باب آداب السفر حدیث ۳۳۴) آنحضرتؐ سفر میں مقام کرنے کے بعد دو رکعتیں پڑھ کے کوچ کرتے تھے۔

۳- لَمَّا نَزَلَ الْحَجَرَ (فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ ص۹۶۵) جب آنحضرتؐ حجر کی زمین میں اُترے۔

اُمّتِ محمّدیہ کے لئے نُزُول کا لفظ

لَتَنْزِلَنَّ طَائِفَۃٌ مِّنْ اُمَّتِیْ اَرْضًا یُقَالُ لَھَا الْبَصْرَۃُ (کنز العمال جلد ۷ ص۱۸۰ کتاب القیامۃ من مسلم الاقوال (الاکمال) حدیث ۱۸۲۴) میری اُمّت کا ایک گروہ ایسی زمین میں اُترے گا جس کا نام بصرہ ہوگا۔

دجّال کیلئے نُزُول کا لفظ

یَأْتِی الْمَسِیْحُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ وَھِمَّتُہُ الْمَدِیْنَۃَ حَتّٰی یَنْزِلَ دُبُرَ اُحُدٍ (مشکوٰۃ کتاب الفتن باب علامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال۔ کنز العمال جلد ۶ ص۲۵) فَیَنْزِلُ بَعْضَ السِّبَاخِ (بخاری کتاب الفتن باب لا یدخل الدجال المدینہ جلد ۴ ص۱۴۳ مصری۔ مشکوٰۃ کتاب الفتن باب علامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال)۔

ترجمہ:- کہ مسیح دجال مشرق کی طرف سے مدینہ کا قصد کرتے آئے گا۔ یہاں تک کہ اُحد کی پیٹھ کی طرف اُترے گا (۲) مدینہ کی ایک شور زمین میں اُترے گا۔

پس لفظ نزول سے دھوکہ نہ کھانا چاہیئے کہ ضرور حضرت مسیحؑ آسمان سے ہی آویں۔

بیہقی کا مِنَ السَّمَآءِ

نوٹ:- اس جگہ بعض جاہل امام بیہقی ۱۳۲۸ھ کی کتاب الاسماء والصفات ص۳۰۱ سے یہ حدیث پیش کر دیا کرتے ہیں۔ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَآءِ فِیْکُمْ وَاِمَامُکُمْ مِنْکُمْ۔

اوّل :- یاد رہے کہ امام موصوف اس کے بعد لکھتے ہیں۔ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ فِی الصَّحِیْحِ عَنْ یَحْیٰی بْنِ بُکَیْرٍ وَ اَخْرَجَہٗ مُسْلِمٌ وَمِنْ وَجْہٍ اٰخَرَ عَنْ یُوْنُسَ وَ اِنَّمَا اَرَادَ نُزُوْلَہٗ مِنَ السَّمَاءِ بَعْدَ التَّرْفِعِ اِلَیْہِ۔ صفحہ ۲۰۱ کہ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے اور امام مسلم نے ایک اور وجہ سے یونسؔ سے لیا ہے اور اس نے ارادہ نزول مِنَ السَّماء کا ہی کیا ہے۔
امام کہتا ہے رواہ البخاری۔ بخاری میں راوی اور الفاظ سب موجود ہیں مگر من السماء نہیں ہے پس معلوم ہوا یہ حدیث کا حصہ نہیں۔
دوم :- اس روایت کا ایک راوی ابوبکر محمد بن اسحاق بن محمد الناقد ہے جس کے متعلق لکھا ہے کَانَ یَدَّعِی الْحِفْظَ وَفِیْہِ بَعْضُ التَّسَاھُلِ۔ (لسان المیزان حرف المیم۔ ابن حجر جلد ۵ صفحہ ۶۹) کہ اس راوی میں تساہل پایا جاتا ہے۔ پس من السماء کے الفاظ کا اضافہ بھی اس راوی کا تساہل ہے اصل حدیث کے الفاظ نہیں۔ اس طرح اس روایت کا ایک اور راوی احمد بن ابراہیم بھی ضعیف ہے۔ دیکھو لسان المیزان جلد ۱۔ پس مِنَ السماء حجت نہیں۔
علاوہ ازیں اس روایت کا راوی یحیٰی بن عبداللہ ہے اس کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ اَبُوْحَاتِمٍ ..... لَا یُحْتَجُّ بِہٖ ..... وَ قَالَ النَّسَائِیُّ ضَعِیْفٌ ..... لَیْسَ بِثِقَۃٍ قَالَ یَحْیٰی ..... لَیْسَ بِشَیْءٍ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۲۳۷-۲۳۸ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۵۸۵ مطبع انوار محمدی) اس طرح اس روایت کا ایک اور راوی یونس بن یزید بھی ضعیف ہے۔ یہ روایت یونس بن یزید نے ابن الشہاب الزہری سے روایت کی ہے اور اس کے متعلق لکھا ہے کہ " قَالَ اَبُوْ زُرْعَۃَ الدِّمَشْقِیُّ سَمِعْتُ اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ اَحْمَدَ ابْنَ حَنْبَلٍ یَقُوْلُ فِیْ حَدِیْثِ یُوْنُسَ عَنِ الزُّھْرِیِّ مُنْکَرَاتٌ ... قَالَ ابْنُ سَعْدٍ ..... لَیْسَ بِحُجَّۃٍ ..... کَانَ سَیِّءَ الْحِفْظِ (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ صفحہ ۴۵۱-۴۵۲) کہ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا ہے کہ یونس کی اُن روایات میں جو زُہری سے اس نے روایت کی ہیں منکرات ہیں۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یونس قابلِ حجت نہیں ہے اور وکیع کہتے ہیں کہ اس کا حافظہ خراب تھا۔
اس کے متعلق میزان الاعتدال میں لکھا ہے کَانَ یُدَلِّسُ فِی النَّادِرِ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۴۴۵ مطبع انوار محمدی) کہ کبھی کبھی تدلیس سے کام لیا کرتا تھا۔ پس اس روایت میں بھی من السماء کے الفاظ کی ایزاد بھی اس کے حافظہ کی غلطی یا تدلیس کا نتیجہ ہو سکتی ہے۔
سوم :- بیہقی کا قلمی نسخہ پہلی مرتبہ ۱۳۲۸ھ میں چھپا ہے۔ یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ بلکہ وفات کے بعد۔ اس لئے مولویوں نے اس میں مِنَ السماء کا لفظ اپنے پاس سے ازراہِ تحریف اور الحاق زائد کر دیا ہے۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے بیہقی سے اس حدیث کو نقل کیا ہے مگر اس میں من السماء کا لفظ نہیں۔ چنانچہ وہ اپنی تفسیر (در منثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۲) پر اس حدیث کو یوں بیان کرتے ہیں :-
وَ اَخْرَجَ اَحْمَدُ وَ الْبُخَارِیُّ وَ الْمُسْلِمُ وَ الْبَیْھَقِیُّ فِی الْاَسْمَاءِ وَ الصِّفَاتِ قَالَ

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ وَ اِمَامُکُمْ مِنْکُمْ (درِ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۲)

امام مذکور کا باوجود اس محولہ بالا روایت کو دیکھنے کے مِنَ السَّمَاءِ چھوڑ دینا بتاتا ہے کہ یہ حدیث کا حصہ نہیں، بعد کی ایزاد ہے۔ بہر حال حدیث نہیں۔ فَانْدَفَعَ الشَّکُّ مِنْهُ۔

حیاتِ مسیح کی گیارھویں دلیل

حدیث میں ہے اِنَّ عِیْسٰی لَمْ یَمُتْ (جامع البیان ابن جریر جلد ۶ صفحہ ۱۹) کہ یقیناً عیسیٰ نہیں مرے۔

جواب ۱:- ابن جریر بلحاظ حوالہ حدیث قابلِ استناد نہیں بوجہ ذیل:۔
شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ اپنی تصنیف عجالہ نافعہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔
" اور طبقۂ رابعہ وہ حدیثیں ہیں جن کا نام و نشان پہلے قرنوں میں معلوم نہیں تھا اور متاخرین نے روایت کی ہیں تو ان کا حال دو شقوں سے خالی نہیں۔ یا سلف نے تفحص کیا اور ان کی اصل نہ پائی کہ انکی روایت سے مشغول ہوتے یا انکی اصل پائی اور ان میں قدح و علت دیکھی کہ روایت نہ کیا اور دونوں طرح یہ حدیثیں قابلِ اعتماد نہیں کہ کسی عقیدہ کے اثبات پر عمل کرنے کو ان سے سند لیں۔ اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کی راہزنی کی ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں بہت تصنیف ہوئی ہیں تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں:۔
کتاب الضعفاء لابن حبان۔ تصانیف الحاکم۔ کتاب الضعفاء للعقیلی، کتاب الکامل لابن عدی۔ تصانیف خطیب۔ تصانیف ابنِ شاہین اور تفسیر ابن جریر (عجالہ نافعہ صفحہ ۶)

مراسیل حسن بصریؒ

۲- یہ روایت مرفوع متصل نہیں بلکہ مرسل ہے اور حضرت حسن بصریؒ سے مروی ہے جو تابعی تھے صحابی نہ تھے۔ مراسیل حسن بصریؒ کے متعلق لکھا ہے:۔
" مَا اَرْسَلَ فَلَیْسَ بِحُجَّةٍ (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۶۶) یعنی حسن بصری کی مُرسل روایت حجت نہیں ہوتی۔ لہٰذا لَمْ یَمُتْ والی روایت بھی حجت نہیں۔ حضرت احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں:۔
لَیْسَ فِی الْمُرْسَلَاتِ اَضْعَفُ مِنَ الْمُرْسَلَاتِ الْحَسَنِ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۲۰۲ و صفحہ ۳۸۶ زیر لفظ عطاء بن ابی رباح)

غیر احمدی:۔ حضرت حسن بصریؒ کی مرسل میں تو وہی کلام کرے گا جس کو ان کے اقوال کا پورا علم نہ ہو۔ کیونکہ حسن بصریؒ نے جس قدر روایات صحابی کا نام لئے بغیر آنحضرتؐ سے کی ہیں وہ سب کی سب انہوں نے حضرت علیؓ سے لی ہیں، لیکن حجاج بن یوسف کے خوف سے انہوں نے حضرت علیؓ کا نام نہیں لیا۔

جواب ۱:۔ یہ تو حضرت حسن بصریؒ پر کسی انسان کے خوف سے حق نہ کہنے کا الزام ہے۔ ۲۔ یہ ثابت ہے کہ حضرت حسن بصریؒ نے حضرت علیؓ سے ایک حدیث بھی نہیں سنی۔ ملاحظہ ہو۔

سُئِلَ اَبُوْزُرْعَۃَ ھَلْ سَمِعَ الْحَسَنُ اَحَدًا مِنَ الْبَدْرِیِّیْنَ قَالَ رَآھُمْ رُؤْیَۃً رَأیِ عُثْمَانَ وَعَلِیًّا قِیْلَ ھَلْ سَمِعَ مِنْھُمَا حَدِیْثًا قَالَ لَا۔ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۲۶۶ و ص۲۶۷)
یعنی ابوزرعہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا حضرت حسن بصری نے کسی بدری صحابیؓ کو دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ کو صرف ایک نظر دیکھا ہے۔ پوچھا گیا کہ انہوں نے حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث بھی سُنی تھی؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس طرح لکھا ہے:۔
مَاحَدَّثَنَا الْحَسَنُ عَنْ اَحَدٍ مِنْ اَھْلِ بَدْرٍ مُشَافَھَۃً..... قَالَ التِّرْمِذِیُّ لَا یُعْرَفُ لَہٗ سِمَاعٌ مِنْ عَلِیٍّ (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۲۶۶، ص۲۶۷) کہ حضرت حسن بصریؒ نے کسی بدری صحابی سے بھی کوئی حدیث نہیں سنی۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ حسن بصری کا حضرت علیؓ سے کوئی حدیث سننا ثابت نہیں۔

۳۔ علامہ شوکانی لکھتے ہیں:۔ فَاِنَّ اَئِمَّۃَ الْحَدِیْثِ لَمْ یُثْبِتُوْا لِلْحَسَنِ مِنْ عَلِیٍّ سِمَاعًا (کتاب فوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ ص۸۳ مطبع محمدی لاہور) کہ ائمہ حدیث کے نزدیک حضرت علیؓ سے حضرت حسن بصریؒ کا کوئی حدیث سُننا ثابت نہیں (نیز دیکھو تکملہ مجمع البحار جلد ۳ ص۵۱۸)

۴۔ اس روایت کے چار راوی ضعیف ہیں (۱) اسحاق بن ابراہیم بن سعید المدنی نے اس کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ اَبُوْزُرْعَۃَ مُنْکَرُ الْحَدِیْثِ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ وَقَالَ اَبُوْحَاتِمٍ لَیِّنُ الْحَدِیْثِ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص۲۱۴ و میزان الاعتدال جلد ۱ ص۸۶) کہ ابوزرعہ نے کہا ہے کہ اس راوی کی حدیث قابل انکار ہے اور قوی راوی نہیں ہے۔ ابوحاتم نے کہا کہ اس کی روایت کمزور ہوتی ہے۔

(۲) دوسرا راوی عبداللہ بن ابی جعفر عیسٰی بن ماہان ہے۔ اس کی نسبت لکھا ہے۔ قَالَ عَبْدُالْعَزِیْزِ ابْنُ سَلَامٍ سَمِعْتُ مُحَمَّدَ ابْنَ حُمَیْدٍ یَقُوْلُ عَبْدُاللّٰہِ ابْنُ اَبِیْ جَعْفَرٍ کَانَ فَاسِقًا ..... یُعْتَبَرُ حَدِیْثُہٗ مِنْ غَیْرِ رِوَایَتِہٖ عَنْ اَبِیْہِ وَقَالَ السَّاجِیُّ فِیْہِ ضُعْفٌ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۱۷۶ و میزان الاعتدال جلد ۲ ص۲۶) یعنی عبدالعزیز بن سلام کہتے ہیں کہ یہ راوی فاسق تھا اور جو روایت یہ اپنے باپ سے کرے وہ لائق اعتبار نہیں ہوتی اور ساجی نے کہا ہے کہ اس راوی کی روایت کمزور ہے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ لَمْ یَمُتْ والی روایت اس راوی نے اپنے باپ سے ہی روایت کی ہے لہٰذا یہ روایت تو بہرحال مردود ہے۔

(۳) تیسرا راوی اس دوسرے راوی عبداللہ کا باپ ابوجعفر عیسٰی بن ماہان ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ عَبْدُاللّٰہِ ابْنُ اَحْمَدَ عَنْ اَبِیْہِ لَیْسَ بِقَوِیٍّ فِی الْحَدِیْثِ..... قَالَ عُمَرُ ابْنُ عَلِیٍّ فِیْہِ ضُعْفٌ..... قَالَ النَّسَائِیُّ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ (تہذیب التہذیب جلد ۱۲ ص۵۷ و میزان الاعتدال جلد ۲ ص۲۹۵) یعنی امام احمد کے نزدیک یہ راوی قوی نہیں، عمر بن علی کے نزدیک ضعیف ہے اور نسائی اور عجلی کے نزدیک بھی قوی نہیں۔ نیز اس راوی کو خطا کار اور سیّئ الحفظ بھی کہا گیا ہے۔

(۴) چوتھا راوی ربیع بن انس البکری المصری ہے، اس کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ ابْنُ مَعِیْنٍ

كَانَ يَتَشَيَّعُ فَيُفْرِطُ ..... اَلنَّاسُ يَتَّقُوْنَ مِنْ حَدِيْثِهٖ مَا كَانَ مِنْ رِوَايَةِ اَبِيْ جَعْفَرٍ عَنْهُ لِاَنَّ فِيْ حَدِيْثِهٖ عَنْهُ اِضْطِرَابًا كَثِيْرًا (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۲۳۹) کہ یہ راوی غالی شیعہ تھا اور جو روایت اس سے ابوجعفر عیسٰی بن ماہان کرے، اس روایت سے لوگ بچتے ہیں کیونکہ ایسی روایت سخت مخدوش ہوتی ہے ظاہر ہے کہ یہ لَمْ یَمُتْ والی روایت وہ ہے جو اس راوی سے ابوجعفر عیسٰی بن ماہان نے کی ہے لہٰذا قابلِ توجہ نہیں۔

پس اوّل تو یہ روایت مرسلاتِ حسن سے ہے اور اس وجہ سے حدیث مرفوع متصل نہیں۔ دوسرے اس کے پانچ میں سے چار راوی ضعیف اور غیر ثقہ ہیں اور بعض شیعہ بھی۔ پس سخت جھوٹی اور جعلی ہے۔

حیاتِ مسیح کی بارہویں دلیل

اِنَّ عِيْسٰى يَاْتِيْ عَلَيْهِ الْفَنَاءُ (جامع البیان ابن جریر جلد ۳ صفحہ ۱۶۳ مصری ۱۹۵۴ء)۔

جواب:۔ اس روایت کے راوی بھی وہی ہیں جو اِنَّ عِيْسٰى لَمْ يَمُتْ (جامع البیان ابن جریر جلد ۲ صفحہ ۱۹) والی روایت کے ہیں یعنی اسحٰق بن ابراہیم بن سعید، عبداللہ بن ابی جعفر ابوجعفر عیسٰی بن ماہان اور ربیع بن انس۔ جن پر جرح پچھلی روایت پر بحث کے ضمن میں درج ہو چکی ہے۔

حیاتِ مسیح کی تیرھویں دلیل

يُدْفَنُ مَعِيَ فِيْ قَبْرِيْ (۱۔ مشکوٰۃ کتاب الفتن باب نزولِ عیسٰی علیہ السلام بروایت ابن جوزی فی الکتاب الوفاء۔ ۱۔ مطبع مجیدی صفحہ ۴۸۰۔ ۲۔ مطبع احمدی صفحہ ۴۷۰) (۲۔ شرح لشرح العقائد المسمّٰی بالنبراس از حافظ محمد عبدالعزیز الفرھاری ۱۳۱۳ھ صفحہ ۵۸۶)۔

جواب:۔ اس کے دس جواب ہیں:۔

(۱) فرض کرو کہ آج حضرت عیسٰیؑ آسمان سے نازل ہو کر مدینہ میں تشریف لیجا کر فوت ہو جائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو کونسا سعید الفطرت مسلمان اکھاڑے گا؟ ہاں ممکن ہے کوئی احراری تیار ہو جاتے۔

(۲) حضرت عائشہ صدیقہؓ کا خواب اس حدیث کے ظاہری معنی لینے سے روکتا ہے جو یہ ہے:۔

"اِنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ رَاَيْتُ ثَلَاثَةَ اَقْمَارٍ سَقَطْنَ فِيْ حُجْرَتِيْ فَقَصَصْتُ رُؤْيَايَ عَلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِؓ۔ قَالَتْ فَلَمَّا تُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ دُفِنَ فِيْ بَيْتِهَا قَالَ لَهَا اَبُوْ بَكْرٍ هٰذَا اَحَدُ اَقْمَارِكِ وَهُوَ خَيْرُهَا۔

(موطا امام مالک جلد ۱ صفحہ ۱۲۱ مصری) کہ حضرت اُمّ المومنین عائشہؓ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تین چاند میرے حجرہ میں گرے ہیں۔ میں نے اپنا یہ خواب اپنے والد صاحب ابوبکر صدیقؓ سے بیان کیا۔ پس جب آنحضرتؐ فوت ہوتے اور حضرت عائشہؓ کے حجرہ میں مدفون ہوتے تو حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عائشہؓ سے کہا کہ یہ تیرے تین چاندوں میں سے ایک ہے جو سب سے بہتر ہے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ فوت ہوتے اور اسی حجرہ میں مدفون ہوتے گویا حضرت عائشہؓ کے خواب کے مطابق تین چاند ان کے حجرہ میں گر چکے اب اگر حضرت عیسٰیؑ بھی اس میں مدفون ہوں تو حضرت عائشہؓ کا خواب

غلط ہوتا ہے۔

(۳) آنحضرتؐ نے فرمایا ہے اَنَا اَوَّلُ مَنْ یُّنْشَقُّ عَنْہُ الْقَبْرُ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ مصری) میری خصوصیت یہ ہے کہ میں پہلا انسان ہونگا جس کی قیامت کے دن قبر پھاڑی جائے گی۔ اب اگر حضرت عیسیٰؑ بھی حضورؐ کی قبر میں ساتھ ہی مدفون ہوں تو جس وقت آنحضرتؐ کی قبر پھاڑی جاویگی تو وہ بھی اس خصوصیت میں شامل ہو جائیں گے۔

(۴) ترمذی میں ہے۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ تُنْشَقُّ عَنْہُ الْاَرْضُ ثُمَّ اَبُوْ بَکْرٍ ثُمَّ عُمَرُ ثُمَّ اٰتِیْ اَھْلَ الْبَقِیْعِ فَیُحْشَرُوْنَ۔ (ترمذی جلد ۲۔ ابواب المناقب مناقب عمرؓ) کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں پہلا انسان ہوں کہ جس کی زمین (قبر) پھاڑی جائے گی۔ پھر میرے بعد ابوبکرؓ اور ابوبکرؓ کے بعد عمرؓ اور عمرؓ کے بعد جنت البقیع کے باقی مومن۔ پس سب اکٹھے کئے جائیں گے۔

اگر حضرت عیسیٰؑ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی قبر میں یا بقول شما حضورؐ کے روضہ میں دفن ہونا ہوتا تو دوسرے تیسرے یا کم از کم چوتھے نمبر پر ہی ان کا نام آ جاتا۔ آنحضرتؐ نے اپنے روضہ (حجرہ عائشہؓ) میں مدفون ہونے والے اپنے سمیت "تینوں چاندوں" کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے بعد جنت البقیع (قبرستان) میں مدفون صحابہؓ کا ذکر فرمایا ہے حضرت عیسیٰؑ کا نام نہیں لیا۔ پس یہ اس بات کی قطعی شہادت ہے کہ آنحضرتؐ کی مدینہ والی قبر میں یا حضورؐ کے روضہ میں حضرت مسیح موعودؑ کے دفن ہونے کی کوئی صورت نہیں۔

(۴) ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ میں تیسرے دن کے بعد اپنی قبر میں نہ رہوں گا، تو جب آنحضرتؐ کی قبر میں حضرت عیسیٰؑ بقول تمہارے مدفون ہوں گے، اس وقت تو آنحضرتؐ وہاں موجود نہ ہوں گے تو پھر مَعِیَ کی شرط پوری نہ ہوئی۔

(۵) تم لوگ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹ کی روایت پیش کیا کرتے ہو کہ مَا تُوُفِّیَ اللّٰہُ نَبِیًّا اِلَّا دُفِنَ حَیْثُ یُقْبَضُ کہ نبی جہاں مرتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے (اور اسی وجہ سے تم حضرت مرزا صاحبؑ پر اعتراض کیا کرتے ہو اور اس کا جواب دوسری جگہ دیا ہے) اور تم مانتے ہو کہ اسی بناء پر آنحضرتؐ چونکہ حجرۂ عائشہ میں فوت ہوئے اور اسی میں مدفون بھی ہوئے۔ تو اب اگر حضرت عیسیٰؑ واقعی آسمان سے آ جائیں تو کیا وہ آنحضرتؐ کی قبر مبارک کے اندر جا کر فوت ہونگے۔

(۶) اسی حدیث میں ہے۔ فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۹) کہ پھر میں اور عیسیٰ بن مریم ایک ہی قبر میں جو ابوبکرؓ اور عمرؓ کے درمیان ہوگی کھڑے ہونگے تو گویا اس کے مطابق حضرت عیسیٰؑ جس قبر میں مدفون ہونگے وہ ابوبکرؓ اور عمرؓ کی قبروں کے درمیان ہونی چاہیئے اور ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی قبروں کے درمیان کوئی جگہ موجود نہیں ہے۔

(۷) اگر کہو کہ قبر سے مراد مقبرہ ہے تو یہ کسی لغت کی کتاب سے دکھاؤ اور انعام لو (ب) اندریں صورت
فَاَقُوْمُ اَنَا وَعِیْسٰی ابْنُ مَرْیَمَ فِیْ قَبْرٍ وَّاحِدٍ بَیْنَ اَبِیْ بَکْرٍ وَّعُمَرَ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۱۹)
قبر کا ترجمہ مقبرہ کرو گے؟ کیا حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کے درمیان ایک مقبرہ ہوگا؟

ج۔ مقبرہ تو کہتے ہی "موضعُ القبور" (المنجد لفظ مقبرہ) کو ہیں۔ پھر قبر کس طرح مقبرہ بن سکتی ہے۔

د۔ جب تم خود اس حدیث کے لفظی معنی نہیں کرتے بلکہ غلط تاویل کرتے ہو تو ہمارے لئے کیوں ناجائز ہے کہ ہم قرآن شریف و حدیث اور واقعات کی روشنی میں اس کے صحیح معنی بیان کریں؟

(۸) قرآن مجید میں ہے۔ قُتِلَ الْاِنْسَانُ مَا اَکْفَرَهٗ ۔ مِنْ اَیِّ شَیْءٍ خَلَقَهٗ ..... ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ ۔ (عبس: ۱۸ تا ۲۲) گویا ہر انسان خواہ وہ ہندو ہو خواہ پارسی مرکر "قبر" میں ہی جاتا ہے پھر بتاؤ کہ وہ لوگ جن کی لاشیں جلادی جاتی ہیں یا جن کو درندے کھا جاتے ہیں، یا جن کو مچھلیاں سمندر میں کھا جاتی ہیں، کیا وہ بھی اس آیت کے مطابق قبر میں جاتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہیں جاتے تو ثابت ہوا کہ (۱) وہ انسان نہیں (۲) ان (غیر مسلموں) کو عذابِ قبر نہیں ہوگا۔ اور اگر کہو کہ قبر میں جاتے ہیں تو ثابت ہوا کہ قبر سے مراد ظاہری قبر کی مٹی نہ رہی بلکہ کوئی رُوحانی حالت "قبر" کے نام سے موسوم ہوئی۔ پس کیوں "قبر" کے وہی معنی یُدْفَنُ مَعِیَ فِیْ قَبْرِیْ (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب نزول عیسٰی بروایت ابن جوزی فی الکتاب الوفا۔ مطبع مجیدی کانپور صفحہ ۴۸۰ و مطبع احمدی دہلی صفحہ ۴۷۲) والی حدیث میں نہ لئے جائیں۔ اس طرح حدیث میں بھی آتا ہے۔ اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّیْرَانِ (ترمذی۔ ابواب صفۃ القیامۃ ج۲ بروایت ابی سعید مطبوعہ نول کشور صفحہ ۱۵۸) کہ قبر جنت کے باغوں میں سے ایک باغیچہ یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔

(۹) اگر آج حضرت عیسٰیؑ آجائیں تو کیا تم اس وقت تک ایمان نہ لاؤ گے جب تک کہ وہ مرکر آنحضرتؐ کی قبر میں مدفون نہ ہو جائیں؟

(۱۰) اگر اس حدیث میں عیسٰی بن مریمؑ سے مسیح ناصری مراد لیتے ہو تو پھر اسی حدیث سے ثابت ہوا کہ وہ فوت ہو چکے ہیں۔ کیونکہ آنحضرتؐ نے فرمایا یُدْفَنُ مَعِیَ کہ وہ آنحضرتؐ کے ساتھ ہی دفن کر دیئے گئے گویا آنحضرتؐ نے فرمایا کہ دُنیا میں اگر کسی انسان کو اللہ تعالیٰ اتنا لمبا زمانہ زندہ رکھتا تو یقیناً ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوتے۔ آپؐ سے زیادہ خدا کو اور کون پیارا ہے؟ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ (الانبیاء: ۳۵) کہ خدا تعالیٰ کی غیرت یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ آنحضرتؐ تو فوت ہو جائیں اور آپ سے پہلے انبیاء اتنا عرصہ زندہ رہیں۔ پس آنحضرتؐ نے فرمادیا کہ یاد رکھو کہ جب تم مجھ کو دفن کر رہے ہو گے تو اسی وقت یہ ثابت ہو جائیگا کہ پہلا کوئی نبی زندہ نہیں رہا۔ (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ۔ المائدۃ: ۷۶) کم از کم اس وقت تو مانو گے کہ عیسٰیؑ بھی زندہ نہیں۔ گویا عیسٰی میرے ساتھ ہی دفن ہو جائیں گے۔ (فَافْهَمْ اَیُّهَا الْعَاقِلُوْنَ)۔

حیاتِ مسیح کی چودہویں دلیل

ترمذی جلد ۲ صفحہ ۵۴۲ ابواب المناقب باب ما جاء فی فضل النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک روایت ہے جس میں عبداللہ بن سلامؓ نے اپنے دادا سے یہ روایت کیا ہے کہ قَالَ مَكْتُوْبٌ فِي التَّوْرَاةِ صِفَةُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ يُدْفَنُ مَعَهُ قَالَ فَقَالَ أَبُوْ مَوْدُوْدٍ قَدْ بَقِيَ فِي الْبَيْتِ مَوْضِعُ قَبْرٍ. هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ غَرِيْبٌ۔

جواب ۱:- یہ آنحضرتؐ کا قول نہیں اس لئے حجت نہیں۔

۲- خود ترمذی نے اسے "غریب" قرار دیا ہے۔

۳- اس کا ایک راوی مسلم بن قتیبہ ہے۔ اس کے متعلق علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔ قَالَ أَبُوْ حَاتِمٍ كَثِيْرُ الْوَهْمِ (میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۶۲) کہ یہ بڑا وہمی آدمی تھا۔ اس روایت کا دوسرا راوی عثمان بن الضحاک ہے اس کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ الْآجُرِيُّ سَأَلْتُ أَبَا دَاوُدَ عَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ عُثْمَانَ الْخِزَامِيِّ فَقَالَ ثِقَةٌ وَابْنُهُ عُثْمَانُ ضَعِيْفٌ (تہذیب التہذیب جلد ۷ صفحہ ۱۲۳) کہ ابوداؤد کہتے ہیں کہ عثمان بن ضحاک خود ضعیف ہے لیکن اس کا باپ ثقہ تھا۔ نیز دیکھو میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۸۲ ضَعَّفَهُ أَبُوْ دَاوُدَ کہ اسے ابوداؤد نے ضعیف قرار دیا ہے۔

نوٹ ۱:- اس راوی کا باپ بھی بعض محدثین کے نزدیک ثقہ نہ تھا چنانچہ ملاحظہ ہو میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴۲۲۔ فِيْ حَدِيْثِهِ ضُعْفٌ ---- قَالَ أَبُوْ حَاتِمٍ لَا يُحْتَجُّ وَقَالَ أَبُوْ زُرْعَةَ لَيْسَ بِالْقَوِيِّ۔ اسی طرح ملاحظہ ہو تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۴۷ جہاں لکھا ہے قَالَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ كَانَ كَثِيْرُ الْخَطَاءِ لَيْسَ بِحُجَّةٍ۔ اسی طرح اس روایت کا تیسرا راوی محمد بن یوسف بن عبداللہ بن سلام ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے ذَكَرَهُ الْبُخَارِيُّ حَدِيْثًا وَقَالَ لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ وَلَا يَصِحُّ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۵۳۴) کہ اس راوی سے امام بخاری نے ایک حدیث نقل کی ہے اور امام بخاری نے اس کے متعلق کہا ہے کہ یہ راوی قابلِ اتباع نہیں اور نہ ثقہ ہے۔

پس چونکہ اس روایت کے تین راوی غیر معتبر ہیں لہٰذا حجت نہیں۔

حیاتِ مسیح کی پندرھویں دلیل

ابن ماجہ موقوفاً اور مسند احمد میں مرفوعاً مروی ہے کہ معراج کی رات انبیاء کی چار کونسل میں جب قیامت کا ذکر ہوا تو حضرت عیسیٰؑ نے فرمایا۔ فَذَكَرَ خُرُوْجَ الدَّجَّالِ قَالَ فَأَنْزِلُ وَأَقْتُلُهُ (ابن ماجہ باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ ابن مریم عن عبداللہ بن مسعود) (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۳۳)۔

جواب ۱:- یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا قول ہے حدیثِ نبویؐ نہیں۔

۲- اس روایت کا پہلا راوی محمد بن بشار بن عثمان البصری بندار ہے جس کے متعلق لکھا ہے قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ مُحَمَّدِ ابْنِ سَيَّارٍ سَمِعْتُ عَمْرَو ابْنَ عَلِيٍّ يَحْلِفُ إِنَّ بُنْدَارًا يَكْذِبُ فِيْمَا يَرْوِيْ عَنْ يَحْيٰى..... قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عَلِيِّ ابْنِ الْمَدِيْنِيِّ سَمِعْتُ أَبِيْ وَسَأَلْتُهُ

عَنْ حَدِیْثٍ رَوَاہُ بِنْدَارٌ عَنِ ابْنِ الْمَھْدِیِّ ...... فَقَالَ ھٰذَا کِذْبٌ وَاَنْکَرَہٗ اَشَدَّ الْاِنْکَارِ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ ابْنُ الدَّوْرَقِیُّ ...... فَرَءَیْتُ یَحْیٰی لَا یَعْبَاءُ بِہٖ وَیَسْتَضْعِفُہٗ قَالَ وَرَءَیْتُ الْقَوَارِیْرِیَّ لَا یَرْضَاءُ بِہٖ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۷۱، ۷۲)۔

یعنی عمر بن علی نے حلف اُٹھا کر کہا کہ یہ راوی ہر اس روایت میں جو وہ یحییٰ سے روایت کرتا تھا جھوٹ بولتا تھا۔ علی بن المدینی نے اس راوی کی اُس روایت کی جو اس نے ابن مہدی ؒ سے لی ہے کذب قرار دیا۔ یحییٰ ابن معین نے اس راوی کو بے وقعت اور ضعیف قرار دیا ہے اور اسے قواریری نے بھی پسندیدہ راوی قرار نہیں دیا۔ اسی طرح اس روایت کا دوسرا راوی یزید بن ہاروں ہے، اس کے متعلق یحییٰ بن معین کا قول یہ ہے کہ یَزِیْدُ لَیْسَ مِنْ اَصْحَابِ الْحَدِیْثِ لِاَنَّہٗ لَا یُمَیِّزُ وَلَا یُبَالِیْ عَمَّنْ رَوٰی۔ (تہذیب التہذیب ابن حجر عسقلانی جلد ۱۱ صفحہ ۳۶۸) کہ یہ راوی تو حدیث کے جاننے والوں میں سے تھا ہی نہیں۔ کیونکہ نہ یہ تمیز کرتا تھا اور نہ پرواکرتا تھا کہ کس سے روایت لے رہا ہے۔ پس یہ "چارکونسل" والی روایت بھی ناقابلِ اعتبار ہے۔

حیاتِ مسیح کی سولھویں دلیل

یَنْزِلُ اَخِیْ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ مِنَ السَّمَآءِ عَلٰی جَبَلِ اَفِیْقَ۔ (کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۸ مصری)

جواب ۱:۔ یہ بے سند قول ہے۔

۲۔ صاحب کنز العمال نے اسے ابن عساکر کی طرف منسوب کیا ہے کیونکہ اس کے آگے "کر" کے حروف درج ہیں اور ابن عساکر کے متعلق شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی اپنے رسالہ عجالہ نافعہ صفحہ ۷، ۸ پر تحریر فرماتے ہیں:۔ "وطبقہ رابعہ احادیثے کہ نام ونشان آنہا، در قرونِ سابقہ معلوم نبود و متاخران انرا روایت کردہ اند۔ پس حال آنہا از دوشق خالی نیست یا سلف تفحص کروند وآنہارا اصلے نیافتہ اند تامشغول بروایت آنہا مے شدند۔ یا۔ یافتند و دراں قدحے و علتے دیدند کہ باعث شد ہمہ انہارا بر ترکِ روایت انہا وعلیٰ کل تقدیر ایں احادیث قابل اعتماد نیستند کہ در اثبات عقیدہ یا عملے بآنہا تمسک کردہ شود وَلَنِعْمَ مَا قَالَ بَعْضُ الشُّیُوْخِ فِیْ اَمْثَالِ ھٰذَا ؎

فَاِنْ کُنْتَ لَا تَدْرِیْ فَتِلْکَ مُصِیْبَۃٌ
وَاِنْ کُنْتَ تَدْرِیْ فَالْمُصِیْبَۃُ اَعْظَمُ

وایں قسم احادیث راہِ بسیارے از محدثین زدہ است ...... دریں قسم [illegible] کتب بسیار مصنف شدہ اند برخے رابشماریم کتاب الضعفاء لابن حبان ...... تفسیر ابن جریر ...... تصانیف ابن عساکر"

یعنی طبقہ رابعہ وہ حدیثیں ہیں جن کا نام ونشان پہلے قرنوں میں معلوم نہیں تھا اور متاخرین نے روایت کی ہیں تو ان کا حال دو شقوں سے خالی نہیں۔ یا سلف نے تفحص کیا اور انکی اصل نہ پائی کہ ان کی روایت سے مشغول ہوتے۔ یا انکی اصل پائی اور ان میں قدح اور علت دیکھی کہ روایت نہ کیا اور دونوں طرح یہ حدیثیں قابل اعتبار نہیں کہ کسی عقیدہ کی اثبات پر یا عمل کرنے کو ان سے سند لیں اور کسی بزرگ نے ان جیسوں [illegible]

کیا خوب شعر فرمایا ہے کہ اگر تو تجھے علم نہ ہو تو یہ مصیبت ہے لیکن اگر تجھے علم ہو تو یہ مصیبت اور بھی بڑھ جاتی ہے
اس قسم کی حدیثوں نے بہت سے محدثین کی راہزنی کی ہے۔ اس قسم کی حدیثوں کی کتابیں بہت تصنیف ہوئی ہیں۔ تھوڑی سی ہم بیان کرتے ہیں۔ کتاب الضعفاء لابن حبان ...... تفسیر ابن جریر ...... ابن عساکر کی جملہ تصانیف۔

پس یہ روایت ابن عساکر میں ہونے کے باعث ہی کمزور ہے۔

۴۔ تمہاری وہ منارۂ دمشقی کے پاس نازل ہونے والی روایت مندرجہ ترمذی، مسلم، ابوداؤد وغیرہ کہاں گئی؟

حیاتِ مسیح کی سترہویں دلیل

معراج کی رات آنحضرت نے حضرت عیسیٰؑ کو دیکھا تو ان کا حلیہ عروہ بن مسعود کی طرح بیان فرمایا (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ کتاب الرویاء باب فی المعراج بروایت ابوہریرہ) (مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی السموٰت وفرض الصلوٰۃ بروایت جابر جلد ۱ صلہ) اور مسلم میں دوسری جگہ جہاں آخری زمانہ میں نزول مسیح کا ذکر کیا ہے، وہاں بھی اس کا حلیہ "كَاَنَّهٗ عُرْوَةُ ابْنُ مَسْعُوْدٍ" (عروہ بن مسعود کی طرح) بیان فرمایا ہے پس ثابت ہوا کہ مسیح ایک ہی ہے (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۵۵۲ بار دوم)۔

جواب:۔ تمہاری پیش کردہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں۔

پہلی روایت: یہ روایت مسلم جلد ۱ صلہ مصری میں ہے۔ اس کا ایک راوی ابوالزبیر محمد بن مسلم مکی ہے جو ضعیف ہے اس کے متعلق لکھا ہے۔ كَانَ اَيُّوْبُ يَقُوْلُ حَدَّثَنَا اَبُوالزُّبَيْرِ وَاَبُو الزُّبَيْرِ اَبُوالزُّبَيْرِ ...... كَانَ يُضَعِّفُهٗ ...... قُلْتُ لِشُعْبَةَ مَالَكَ تَرَكْتَ حَدِيْثَ اَبِي الزُّبَيْرِ قَالَ رَاَيْتُهٗ يَزْنِ ...... قَالَ شُعْبَةُ ...... قَدِمْتُ مَكَّةَ فَسَمِعْتُ مِنْ اَبِي الزُّبَيْرِ فَبَيْنَا اَنَا جَالِسٌ عِنْدَهٗ اِذْ جَاءَهٗ رَجُلٌ فَسَاَلَهٗ عَنْ مَسْئَلَةٍ فَرَدَّ عَلَيْهِ فَافْتَرٰى عَلَيْهِ فَقَالَ لَهٗ يَا اَبَا الزُّبَيْرِ تَفْتَرِيْ عَلٰى رَجُلٍ مُسْلِمٍ قَالَ اِنَّهٗ اَغْضَبَنِيْ قُلْتُ وَمَنْ يُغْضِبُكَ تَفْتَرِيْ عَلَيْهِ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۴۰ و ۴۴۱ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۴۴۶ و صفحہ ۴۴۷)۔

یعنی ایوب اور عینیہ کہا کرتے تھے کہ ہم سے ابوزبیر نے روایت کی ہے اور ابوزبیر بس ابوزبیر ہی ہے یعنی وہ اسے ضعیف قرار دیتے تھے۔ ورقاء کہتے ہیں کہ میں نے شعبہ سے پوچھا کہ آپ نے ابوزبیر کی روایت کو ترک کیوں کیا؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے اسے زنا کرتے دیکھا ہے ...... ایکدفعہ میں مکہ میں ابوزبیر کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرے سامنے ابوزبیر نے ایک شخص پر افتراء کیا، اس سے پوچھا گیا کہ کیا تم ایک مسلمان پر افتراء کرنے کی جرأت کرتے ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں نے اس پر افتراء اس لئے کیا ہے کیونکہ اس نے مجھے غصہ دلایا تھا۔ میں نے کہا کہ کیا جو شخص تم کو ناراض کرے گا تو اس پر افتراء کریگا۔

۲۔ اس روایت کا دوسرا راوی قتیبہ بن سعید الثقفی ہے یہ بھی ضعیف ہے چنانچہ لکھا ہے۔ قَالَ الْعُقَيْلِيُّ حَدِيْثُهٗ غَيْرُ مَحْفُوْظٍ مَجْهُوْلٌ فِي النَّسَبِ وَالرِّوَايَةِ وَاِسْنَادُهٗ لَا يَصِحُّ۔

(تہذیب التہذیب ابن حجر جلد ۴ ص۳۵۴ و میزان الاعتدال جلد ۲ ص۱۱۲)۔ یعنی عقیلی نے کہا ہے کہ اس راوی کی روایت بالکل غیر محفوظ ہوتی ہے۔ یہ اپنے نسب اور روایات کرنے اور سند دینے میں مجہول تھا اور اس کی حدیث نہ مستند ہوتی ہے نہ ہی درست۔

یہ تو تمہاری پہلی حدیث کا حال ہے باقی رہی دوسری روایت (حُلیہ بوقتِ نزول) سو وہ بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا ایک راوی شعبہ بن حجاج واسطی بصری ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے۔ كَانَ يُخْطِئُ فِيْ اَسْمَاءِ الرِّجَالِ كَثِيْرًا (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۳۴۵ و ص۳۴۶)۔ کہ عجلی کے نزدیک یہ راوی اسماء الرجال میں غلطی کیا کرتا تھا اور یہی خیال دارقطنی کا ہے۔

اس دوسری روایت کا دوسرا راوی عبیداللہ بن معاذ العنبری ہے سو اس کے متعلق ابن معین کہتے ہیں۔ اِبْنُ مُمَيْنَةَ وَشَهَابٌ وَعُبَيْدُ اللهِ ابْنُ مَعَاذٍ لَيْسُوْا اَصْحَابَ حَدِيْثٍ لَيْسُوْا بِشَيْئٍ۔ کہ ابن ممینہ اور شہاب اور عبیداللہ بن معاذ تینوں علم حدیث نہ جانتے تھے اور نہ یہ راوی کسی حیثیت کے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۷ ص۴۹)

پس جب سابق مسیح کا حلیہ جس حدیث میں بتایا گیا ہے وہی ضعیف ہے اور اسی طرح نزول والی حدیث بھی۔ تو اندریں حالات اس مزعومہ یگانگت کو دلیل ٹھہرانا عبث ہے۔

حیاتِ مسیح کی اٹھارہویں دلیل

کیا حضرت موسیٰؑ زندہ ہیں؟

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحبؑ نے نورالحق ص۵۰ پر تحریر فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کی نسبت قرآن مجید میں اشارہ ہے کہ وہ زندہ ہے۔ پس ہم پر فرض ہے کہ ہم ان کے آسمان پر زندہ ہونے پر ایمان لائیں۔ (محمدیہ پاکٹ بک ص۵۰۵)

جواب (۱):۔ اسی نورالحق میں تمہاری محولہ بالا عبارت سے سات ہی سطریں آگے لکھا ہے وَمَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا تُوُفِّيَ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِ عِيْسَى الرُّسُلُ۔ اور اس کا ترجمہ بھی اسی جگہ درج ہے کہ "اور کوئی نبی ایسا نہیں جو فوت نہ ہوا ہو، اور حضرت عیسیٰؑ سے پہلے جو نبی آئے وہ فوت ہو چکے ہیں۔" (نورالحق ص۵۰)

پس جہاں تک حضرت موسیٰؑ کی جسمانی وفات کا تعلق ہے اس کا فیصلہ تو اسی جگہ پر موجود ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور جماعتِ احمدیہ کا یہی مذہب ہے کہ سب کے سب نبی بلا استثناء جسمانی طور پر فوت ہو چکے ہیں ایک بھی زندہ نہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ نے جو حضرت موسیٰؑ کی حیات کا ذکر فرمایا ہے تو وہ الزامی طور پر ہے یعنی یہ کہ اگر نصوص صریحہ قرآنیہ و حدیثیہ و عقلیہ کے باوجود حضرت عیسیٰؑ کی وفات ثابت نہیں تو پھر کسی نبی کی بھی وفات ثابت نہیں ہوتی خصوصاً حضرت موسیٰؑ کی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے بعینہٖ یہی مضمون دوسری جگہ بالتفصیل تحریر فرمایا ہے:۔

"اب بتلاؤ کہ اسقدر تحقیقات کے بعد حضرت عیسیٰؑ کے مرنے میں کیا کسر رہ گئی؟ اور اگر باوجود اس بات کے کہ اتنی شہادتیں قرآن و حدیث اور اجماع اور تاریخ اور نسخہ مرہم عیسیٰؑ اور وجودِ قبر سرینگر ہیں۔ اور معراج میں بزمرۂ اموات دیکھے جانا اور عمر ۱۲۰ سال مقرر ہونا اور حدیث سے ثابت ہونا کہ واقعہ صلیب کے بعد وہ کسی اور ملک کی طرف چلے گئے تھے اور اسی سیاحت کی وجہ سے ان کا نام نبی سیاح

مشہور ہوا۔ یہ تمام شہادتیں اگر ان کے مرنے کو ثابت نہیں کرتیں تو پھر ہم کہہ سکتے ہیں کہ کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا۔ سب بجسم عنصری آسمان پر جا بیٹھے ہیں کیونکہ اس قدر شہادتیں ان کی موت پر ہمارے پاس موجود نہیں، بلکہ حضرت موسیٰؑ کی موت خود مشتبہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ انکی زندگی کی یہ آیت قرآنی گواہ ہے یعنی یہ کہ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ (تحفہ گولڑویہ ص ۱۵ بار سوم)

(ب) ایک اور مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔ انہی مولویوں کی ایسی ہی کئی مفسدانہ باتوں سے عیسائیوں کو بہت مدد پہنچ گئی۔ مثلاً جب مولویوں نے اپنے منہ سے اقرار کیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو نعوذ باللہ مردہ ہیں مگر حضرت عیسیٰؑ قیامت تک زندہ ہیں تو وہ لوگ اہل اسلام پر سوار ہو گئے اور ہزاروں سادہ لوحوں کو انہوں نے انہی باتوں سے گمراہ کیا، اور ان بے تمیزوں نے یہ نہیں سمجھا کہ انبیاء تو زندہ ہیں، مُردہ تو ان میں سے کوئی بھی نہیں۔ معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی کی لاش نظر نہ آئی، سب زندہ تھے۔ دیکھئے اللہ جلّ شانہٗ اپنے نبی کریمؐ کو حضرت موسیٰؑ کی زندگی کی قرآن مجید میں خبر دیتا ہے اور فرماتا ہے فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ۔ اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہونے کے بعد اپنا زندہ ہو جانا اور آسمان پر اُٹھائے جانا اور رفیق اعلیٰ کو جا ملنا بیان فرماتے ہیں۔ پھر حضرت مسیحؑ کی زندگی میں کونسی انوکھی بات ہے جو دوسروں میں نہیں۔ معراج کی رات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام نبیوں کو برابر زندہ پایا۔ اور حضرت عیسیٰؑ کو حضرت یحییٰؑ کے ساتھ بیٹھا ہوا دیکھا۔ خدا تعالیٰ مولوی عبدالحق صاحب محدث دہلوی پر رحمت کرے وہ ایک محدث وقت کا قول لکھتے ہیں کہ ان کا یہی مذہب ہے کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر کسی دوسرے نبی کی حیات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے قوی تر سمجھے تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہے یا شاید یہ لکھا ہے کہ قریب ہے کہ وہ کافر ہو جائے لیکن یہ مولوی ایسے فتنوں سے باز نہیں آتے اور محض اس عاجز سے مخالفت ظاہر کرنے کے لیے دین سے نکلتے جاتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان سب کو صفحۂ زمین سے اُٹھائے تو بہتر ہے تا دین اسلام انکی تحریفوں سے بچ جائے۔"

(اشتہار مشمولہ آئینہ کمالاتِ اسلام مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۸۹۲ء نیز تبلیغ رسالت جلد ۲ ص ۱۳۹)۔

ج:۔ اسی مضمون کو ایک اور جگہ اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

"ہاں اگر نصِ صریح سے ثابت ہو کہ حضرت عیسیٰؑ باوجود جسمانی حیات کے جسمانی تحلیلوں اور تنزلِ حالات اور فقدانِ قویٰ سے منزّہ ہیں۔ تو وہ نص پیش کریں، اور یونہی کہہ دینا کہ خدا ہر بات پر قادر ہے ایک فضول گوئی ہے اور اگر بغیر سند صریح کے اپنا خیال ہی بطور دلیل مستعمل ہو سکتا ہے تو ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بعد وفات پھر زندہ ہو کر مع جسم عنصری آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں، اور پیرانہ سالی کے لوازم سے مستثنیٰ ہیں اور حضرت عیسیٰ سے بدرجہا بڑھ کر تمام جسمانی قویٰ اور لوازم کاملۂ حیات اپنی ذات میں جمع رکھتے ہیں اور آخری زمانہ میں پھر نازل ہوں گے۔ اب تبلاؤ ہمارے اس دعویٰ اور تمہارے دعویٰ میں کیا فرق ہے۔" (ایام الصلح اردو ص ۱۴۱ طبع اوّل و ص ۱۶۰ طبع ثانی)

پس یہ تینوں مفصل حوالہ جات نور الحق حصہ دوم کی مجمل عبارت کی تشریح ہیں اور مطلب یہ ہے کہ موسیٰ

علیہ السلام بھی دوسرے انبیاء کی طرح جنت میں زندہ ہیں، اور ان کے ساتھ ہی حضرت عیسیٰ بھی ہیں۔ نیز یہ جواب غیر احمدی مولویوں کو ملزم کرنے کے لئے دیا گیا ہے یعنی بطور الزام خصم ہے نہ کہ اپنا عقیدہ۔

حیاتِ مسیح کی انیسویں دلیل

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:- اِنَّهٗ رُفِعَ بِجَسَدِهٖ وَاِنَّهٗ حَیٌّ اَلْاٰنَ (طبقات کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۶)

جواب ۱۔ یہ ایک جھوٹی اور جعلی روایت ہے چنانچہ اس کے سارے ہی راوی ضعیف ہیں پس یہ حضرت ابن عباسؓ کا قول نہیں ہو سکتا خصوصاً جب کہ بخاری شریف کی مستند روایات سے انکا مذہب مُتَوَفِّیْكَ مُمِیْتُكَ ثابت ہے تو اس کے بالمقابل یہ سراپا جعلی روایت کیا حقیقت رکھتی ہے؟

اس روایت کا پہلا راوی ہشام بن محمد السائب ہے قَالَ ابْنُ عَسَاکِرٍ رَافِضِیٌّ لَیْسَ بِثِقَةٍ عَنِ ابْنِ الْکَلْبِیِّ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۵۵) یعنی اس راوی کی تمام وہ روایات جو اس نے اپنے باپ سے ابو صالح کی معرفت ابن عباس سے روایت کی ہیں، سب ضعیف ہیں اور روایت متنازعہ بھی اسناد کے لحاظ سے بعینہٖ "عَنْ اَبِیْهِ عَنْ اَبِیْ صَالِحٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ" ہے، لہٰذا جھوٹی ہے۔

۲۔ دوسرا راوی محمد بن السائب الکلبی ہے۔ یہ تو کذاب سبائی جماعت میں سے تھا جنہوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا اس کے متعلق عبدالواحد بن غیاث کا قول ہے جو عن مہدی منقول ہے کہ یہ راوی کلبی کافر تھا معمر بن سلیمان کے باپ اور لیث بن ابی سلیم کا قول ہے:۔

کَانَ مِنْ کُوْفَةٍ کَذَّابَانِ اَحَدُھُمَا الْکَلْبِیُّ وَالْاٰخَرُ الْاَسَدِیُّ۔ کہ کوفہ میں دو کذاب تھے ایک تو یہی راوی کلبی اور دوسرا اسدی۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۷۹ و صفحہ ۱۸۱)[1]

۳۔ ابو صالح:۔ اس کے متعلق لکھا ہے:۔ اَبُوْ صَالِحٍ لَمْ یَسْمَعْ مِنِ ابْنِ عَبَّاسٍ (تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۴۱۶ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۸۳) کہ ابو صالح نے نہ حضرت ابن عباس کو دیکھا اور نہ ان سے کوئی حدیث سنی۔

پس یہ روایت از سرتا پا جعلی ہے۔

حضرت مسیح ناصری اُمتِ محمدیہ کا موعود نہیں ہو سکتے

حدیث نزول میں سے جس لفظ سے غلطی لگتی ہے وہ "ابن مریم" ہے۔ ابن مریم سے کیا مراد ہے؟ سو اسکی تشریح، صداقت حضرت مسیح موعودؑ پر اعتراضات کے جواب میں "ابن مریم بننے کی حقیقت" کے ذیل میں کی گئی ہے (صفحہ ۲۴۰) وہاں سے دیکھا جائے۔ علاوہ ازیں حضرت مسیح ناصری علیہ السلام اُمتِ محمدیہ کے موعود بوجوہ ذیل نہیں ہو سکتے۔

اوّل:۔ قرآن و حدیث سے مسیح کی وفات بالصراحت ثابت ہو چکی ہے اور وفات یافتہ ہستیوں کے متعلق

---

[1] یہ راوی "امام الوضاعین" تھا۔ (فوائد المجموعہ صفحہ ۱۴۷)۔

فرمانِ الٰہی ہے۔ فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهِ الْمَوْتَ (الزمر: ۴۳) کہ جس پر ایک دفعہ موت وارد ہو جاتے وہ دوبارہ دنیا میں نہیں آسکتا۔

دوم:۔ اگر مسیح ناصری اُمت محمدیہ یا ساری دُنیا کے لیے رسول ہو کر آئیں تو پھر قرآن مجید میں سے رَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (آل عمران: ۵۰) کے الفاظ کاٹ دینے چاہئیں کیا ایسی صورت میں قرآن مجید کی نعوذ باللہ اصلاح کروگے۔

پس جس صورت میں قرآن مجید قیامت تک واجب العمل ہے تو پھر حضرت مسیح ناصری اُمتِ محمدیہ یا غیر اسرائیلی دُنیا کی طرف نہیں آسکتے۔

سوم:۔ اُمتِ محمدیہ کو ارشاد ہوتا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران: ۱۱۱) کہ تم سب اُمتوں سے بہتر ہو۔ اب اگر اُمت محمدیہ میں سے کوئی عیسٰی بن مریم نہ بنے تو یہ فرمان بے معنی بن جاتا ہے، نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رُوحانیت کو بھی ناقص ٹھہرانا پڑیگا۔ کیونکہ آپکی قدوسیت ایک مسیح بھی نہ بنا سکی، بلکہ جب اُمت اصلاح کی محتاج ہوئی تو بنی اسرائیل کے ایک نبی کے زیر بارِ احسان ہونا پڑا (نعوذ باللہ منہ)

چہارم:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے مسیح اور مسیح ناصری کا جو حلیہ بیان فرمایا ہے۔ وہ بالکل متضاد اور متبائن ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ آنے والا مسیح اور ہے مسیح ناصری اور ہے چنانچہ آنحضرت فرماتے ہیں:۔

فَاَمَّا عِيْسٰى فَاَحْمَرُ جَعْدٌ عَرِيْضُ الصَّدْرِ (بخاری جلد ۲ کتاب بدء الخلق باب واذکر فی الکتاب مریم پارہ ۱۳ ص۱۲۱) کہ مسیح ناصری سرخ رنگ، گھنگریالے بالوں اور چوڑے سینہ والا تھا۔

پھر آنے والے موعود کے متعلق فرمایا فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ كَاَحْسَنِ مَا يُرٰى مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ تَضْرِبُ لِمَّتُهٗ بَيْنَ مَنْكِبَيْهِ رَجِلُ الشَّعْرِ (بخاری کتاب بدء الخلق باب واذکر فی الکتاب مریم پارہ ۱۳ جلد ۲ ص۳۵۱ مترجم) کہ اس کا رنگ گندمی ہوگا اور خوبصورت ہوگا۔ اس کے سر کے بال پیٹھ پر پڑتے ہوں گے۔ درمیانہ قد کا آدمی ہوگا۔

پس معلوم ہوا کہ علیحدہ علیحدہ دو مسیح ہیں۔

مسیح اور مہدی ایک ہیں

اب اس بات کو ثابت کرنے کے بعد کہ آنے والا مسیح ناصری نہیں، یہ بتا دینا بھی مناسب ہے کہ بعض مسلمانوں کا یہ خیال کہ مسیح و مہدی دو اشخاص ہیں نادرست ہے۔ اوّل:۔ اس لئے کہ آنحضرتؐ نے جہاں آخری زمانے کے مصلح کا ذکر فرمایا ہے وہاں پر صرف مسیح کا نام آتا ہے اور مہدی کا ذکر تک نہیں فرماتے ہیں:۔

كَيْفَ تَهْلِكُ اُمَّةٌ اَنَا اَوَّلُهَا وَعِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اٰخِرُهَا (مشکوٰۃ جزء ۲ ص۵۸۳ باب ثواب هذه الامة) (اکمال الدین ص۱۵۸ شیعہ کتاب) (کنز العمال جلد ۷ ص۲۰۳ کتاب القیامۃ باب نزول عیسٰی من قسم الاقوال۔) (حجج الکرامہ ص۴۲۸) کہ وہ اُمت کیسے ہلاک ہوسکتی ہے جس کا اوّل میں اور آخر مسیح ہے۔ اگر حضرت امام مہدی کوئی

علیحدہ وجود ہوتے تو ان کا بھی ذکر فرماتے۔ پس معلوم ہوا کہ دونوں ایک وجود ہیں۔

دوم:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح موعود کو مہدی بھی قرار دیا ہے جیسے فرمایا۔ يُوْشِكُ مَنْ عَاشَ مِنْكُمْ اَنْ يَّلْقٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اِمَامًا مَّهْدِيًّا وَّ حَكَمًا عَدْلًا۔ (مسند امام احمد بن حنبل جلد ۲ صفحہ ۴۱۱) کہ عیسیٰ بن مریم جو اُمّت کے موعود ہیں وہ امام مہدی بھی ہونگے اور حَکَم و عادل بھی ہوں گے۔

مہدی کی پیشگوئی کے لئے جو لفظ رکھے ہیں وہی یہاں رکھ کر بتا دیا کہ ہماری مراد وہی مہدی ہے۔

سوم:۔ محدثین نے باب مہدی کی سب احادیث کو مجروح قرار دیا ہے ملاحظہ ہو مقدمہ ابن خلدون لیکن اس ضمن میں یہ حدیث صحیح ہے۔ لَا مَهْدِيَّ اِلَّا عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ (ابن ماجہ جلد ۲ کتاب الفتن حدیث ۴۰۳۹ باب شدۃ الزمان) کیونکہ اس کا راوی محمد بن خالد الجندی معتبر ہے کیونکہ اس سے امام شافعیؒ جیسے نقاد نے روایت لی ہے اور ابن معین نے اس راوی کو ثقہ قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۴۴) اور پھر یحییٰ بن معین کوئی معمولی انسان نہیں بلکہ هُوَ اِمَامُ الْجَرْحِ وَالتَّعْدِيْلِ ہے اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ كُلُّ حَدِيْثٍ لَا يَعْرِفُهُ ابْنُ مَعِيْنٍ فَلَيْسَ هُوَ بِحَدِيْثٍ (تہذیب التہذیب ۱۸۱ تا ۱۸۸) کہ جس حدیث کو ابن معین نہیں جانتا وہ حدیث ہی نہیں پس ایسا شخص جس راوی کو ثقہ قرار دیتا ہو اس کی روایت میں کیونکر اشتباہ ہو سکتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ مسیح ہی مہدی ہے اور کوئی مہدی نہیں۔

چہارم:۔ مسیح موعود اور مہدی معہود کے حُلیہ، کام اور حالتِ نزول کے ایک ہونے سے ظاہر ہے کہ دراصل ایک ہی وجود ہے لیکن مختلف حیثیتوں سے جُدا جُدا ناموں سے پکارا گیا ہے۔

مسیح موعود کا حُلیہ

فَاِذَا رَجُلٌ اٰدَمُ كَاَحْسَنِ مَا يُرٰى مِنْ اُدْمِ الرِّجَالِ (بخاری کتاب الانبیاء باب "واذکر فی الکتاب مریم" جلد ۲ صفحہ ۱۶۱ مصری)۔

مہدی معہود کا حُلیہ

اٰدَمُ ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ (۱۔ رواہ ابونعیم کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۲۶۲، ۲۔ النجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۹۰، ۳۔ مسلم کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ صفحہ ۹۲ جلد ۱ مصری)۔

یعنی آنے والا موعود مسیح اور مہدی گندمی رنگ اور درمیانہ قد کا ہوگا۔

مسیح کی حالتِ نزول

يَنْزِلُ بَيْنَ مَهْرُوْدَتَيْنِ (ترمذی ابواب الفتن باب ماجاء فی علامات خروج الدجال جلد ۲ صفحہ ۱۱۹ مطبوعہ نول کشور لکھنو، ۲۔ مشکوٰۃ باب العلامات بین یدی الساعۃ و ذکر الدجال)۔

مہدی کی حالتِ نزول

عَلَيْهِ عَبَاءَتَانِ قُطْوَانِيَّتَانِ كَاَنَّهٗ مِنْ رِجَالِ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ (ابو داؤد) یعنی اس پر دو زرد چادریں ہونگی۔

مسیح کا کام

يُفِيْضُ الْمَالَ (مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم جلد ۱۔ و بخاری کتاب باب نزول عیسیٰ بن مریم)، وَلَيُدْعَوُنَّ اِلَى الْمَالِ۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ بن مریم و مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم جلد ۱)۔

مہدی کا کام فَيَقْسِمُ الْمَالَ وَيَعْمَلُ فِي النَّاسِ بِسُنَّةِ نَبِيِّهِمْ (سنن ابوداؤد۔ کتاب المہدی بروایت اُم سلمہؓ حدیث ۵) پس معلوم ہوا کہ مسیح اور مہدی ایک ہی وجود ہیں۔

اب جب مسیح ناصری اُمّتِ مرحومہ کا موعود نہیں تو سوال ہوگا کہ پھر ابن مریم کیوں فرمایا؟ تو یاد رہے کہ تشابہ صفات کی وجہ سے ایک شخص کا نام دوسرے کو دیا جاتا ہے جیسا بخاری مطبوعہ مصر جلد ا صٓ۸ و ص۸۵ اور ص۹۲ و ص۹۳ پر یہ حدیث ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی بیویوں کو فرمایا اِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ (نوٹ:۔ یہ مکمل الفاظ نسائی میں ہیں۔ باختلاف الفاظ بخاری اور ابن ماجہ میں بھی ذکر ہے)۔ کہ تم یوسف والیاں ہو۔ اس میں آپ نے اپنے آپ کو یوسفؑ اور اپنی ازواج مطہرات کو یوسف والیاں ٹھہرایا ہے۔ حالانکہ آپؐ یوسف نہ تھے۔

پس معلوم ہوا کہ مشابہت اور مماثلت کی وجہ سے ایک کا نام دوسرے کو دیدیا جاتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں شخص حاتم ہے یا بولتے ہیں، ابو یوسف، ابو حنیفہ۔ کیا ابو یوسف ابو حنیفہ ہے؟ کیونکہ ان میں غایت درجہ کی مماثلت تھی۔ اسی طرح مسیح موعود کا نام مثیل ابنِ مریم ہونے کی وجہ سے ابن مریم ہوگیا ؎

چوں مرا نورے پَے قومِ مسیحی دادہ اند ٭ مصلحت را ابنِ مریم نام من بنہادہ اند

(درثمین فارسی ص۱۳۹ نیا ایڈیشن مطبوعہ نظارت اشاعت)

اس طرح یہ بھی ہے ؎

چوں مرا حکم از پئے قومِ مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابن مریم نامِ من بنہادہ اند

(حقیقۃ الوحی ص۳۹۲ ایڈیشن اوّل)

عقیدہ حیاتِ مسیحؑ اور حضرت مسیح موعودؑ

بعض غیر احمدی خصوصیت سے براہین احمدیہ کی وہ عبارت پیش کیا کرتے ہیں جس میں حضرت اقدسؑ نے مسیح ناصریؑ کو زندہ تسلیم کیا ہے۔ ان کا اعتراض یہ ہے کہ کیا براہین احمدیہ کی تحریر کے وقت اللہ تعالیٰ نے آپکو قرآن مجید کا علم صحیح نہیں دیا تھا؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دیا تھا۔ چنانچہ براہین احمدیہ کی محولہ بالا عبارت نکال کر دیکھ لو۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ درباره حیات مسیح درج فرمایا ہے، مگر اس کے ساتھ ہی جو علم آپ کو اللہ کی طرف سے اس بارے میں دیا گیا تھا وہ بھی درج فرما دیا ہے۔ اس جگہ ہم وہ عبارت درج کرتے ہیں:۔

"جس غلبۂ کاملہ دینِ اسلام کا وعدہ دیا گیا ہے وہ غلبہ مسیح کے ذریعہ سے ظہور میں آئیگا اور جب حضرت مسیح علیہ السلام دوبارہ اس دنیا میں تشریف لائیں گے تو ان کے ہاتھ سے دینِ اسلام جمیع آفاق و اقطار میں پھیل جائے گا۔ لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ خاکسار اپنی غربت اور انکسار اور توکل اور

ایثار اور آیات اور انوار کے رو سے مسیح کی پہلی زندگی کا نمونہ ہے۔ اور اس عاجز کی فطرت اور مسیح کی فطرت باہم نہایت ہی متشابہ واقع ہوئی ہے گویا ایک ہی جوہر کے دو ٹکڑے یا ایک ہی درخت کے دو پھل ہیں اور بحدّے اتحاد ہے کہ نظر کشفی میں نہایت ہی باریک امتیاز ہے اور نیز ظاہری طور بھی ایک مشابہت ہے اور وہ یوں کہ مسیح ایک کامل اور عظیم الشان نبی یعنی موسیٰؑ کا تابع اور خادم دین تھا اور اس کی انجیل توریت کی فرع ہے اور یہ عاجز بھی اس جلیل الشان نبیؐ کے احقر خادمین میں سے ہے کہ جو سیّد الرسل اور سب رسولوں کا سرتاج ہے اگر وہ حامد ہیں تو وہ احمد ہے اور اگر وہ محمود ہیں تو وہ محمدؐ ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ سو چونکہ اس عاجز کو مسیح سے مشابہتِ تامہ ہے، اس لئے خداوند کریم نے مسیح کی پیشگوئی میں ابتداء سے اس عاجز کو بھی شریک کر رکھا ہے۔" (براہینِ احمدیہ ہر چہار حصص صفحہ ۴۹۹)

اب دیکھ لو کہ حضرت اقدسؑ نے کس صفائی سے اپنے خیال کو جو دوسرے مسلمانوں کے رسمی عقیدہ پر مبنی تھا، نہایت سادگی سے بیان فرما دیا ہے، لیکن جو علم اس کے خلاف اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا اس کو بھی نہایت صفائی سے بیان فرما دیا ہے۔ منقولہ بالا عبارت میں "لیکن اس عاجز پر ظاہر کیا گیا ہے" کے الفاظ خصوصیت سے قابلِ غور ہیں، کیونکہ "لیکن" کا لفظ بتاتا ہے کہ اس سے پہلے جو لکھا گیا اس کے خلاف اب کچھ لکھا جانے لگا ہے "ظاہر کیا گیا ہے" کے الفاظ بتاتے ہیں کہ جو اس سے پہلے لکھا گیا وہ اللہ تعالیٰ کے بتاتے ہوتے علم کی بناء پر نہیں، بلکہ عام انسانی خیال کی بناء پر ہے۔ لیکن مابعد جس مشابہتِ تامہ اور پیشگوئی مسیح موعود کا مصداق ہونے کا جو مذکور ہے وہ صحیح علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام "کشتی نوح" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی واسطے میں نے مسلمانوں کا رسمی عقیدہ براہین احمدیہ میں لکھ دیا تا میری سادگی اور عدم بناوٹ پر وہ گواہ ہو، وہ میرا لکھنا جو الہامی نہ تھا محض رسمی تھا۔ مخالفوں کے لئے قابلِ استناد نہیں کیونکہ مجھے خود بخود غیب کا دعویٰ نہیں۔" (کشتی نوح صفحہ ۴۷)

پس براہین احمدیہ کے حوالے حیاتِ مسیح کی سند میں پیش کرنا تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی یہودی اپنے قبلہ کی تائید میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے صحابہ کا بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بطور سند کے پیش کرے، حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وہ فعل محض رسمی تھا۔ کیونکہ سنتِ انبیاء یہی ہے کہ وہ پہلے نبی کی اُمت کے عام عقائد اور اصولی اعمال پر گامزن رہتے ہیں جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص حکم کے ذریعہ ان کو روکا نہ جائے۔ یہی حال یہاں ہے۔

(خادمؔ)

عدمِ رجوعِ موتیٰ

مُردوں کا اس دُنیا میں دوبارہ نہ آنا!

از روئے قرآن کریم

پہلی آیت
وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (الانبیاء: ۹۶) یعنی ہر ایک فوت شدہ بستی پر واجب ہے کہ وہ اِس دُنیا کی طرف واپس نہ آئیں گے۔

دوسری آیت
اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ اَنَّهُمْ اِلَيْهِمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (یٰس: ۳۲) کیا انکو معلوم نہیں کہ ہم نے کسقدر لوگ ان سے پہلے ہلاک کئے اور پھر وہ دوبارہ انکی طرف نہیں آتے۔

تیسری آیت
فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ تَوْصِيَةً وَّلَآ اِلٰٓى اَهْلِهِمْ يَرْجِعُوْنَ (یٰس: ۵۱) جب موت آجاتی ہے تو نہ وصیت کر سکتے ہیں اور نہ ہی دوبارہ اپنے اہل عیال کی طرف آسکتے ہیں۔

چوتھی آیت
حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ (المومنون: ۱۰۰و۱۰۱) کہ یہانتک کہ ان میں سے جب ایک مر جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس لوٹا دے تاکہ میں اعمال صالحہ بجالاؤں لیکن یہ بات ہرگز نہ ہوگی۔ یہ صرف ایک بات ہے جو وہ مُنہ سے کہہ رہا ہے اور ان کے پیچھے ایک روک ہے۔ قیامت کے دن تک۔ یعنی وہ دُنیا میں ہرگز نہیں آسکتے۔

پانچویں آیت
فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰىٓ (الزمر: ۴۳) اللہ تعالیٰ روکے رکھتا ہے اس نفس کو جس پر موت کو وارد کرتا ہے، اور سونے والے نفس کو واپس بھیجتا ہے۔ یعنی مُردہ نفس دوبارہ کبھی نہیں آتا۔

چھٹی آیت
وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا (البقرہ: ۱۶۸) یعنی کہیں گے وہ جنہوں نے پیروی کی بُتوں کی، کاش! ہمارے لئے بھی دُنیا میں لوٹنا ہوتا تو ہم بھی ان سے ایسے ہی بیزار ہو جاتے جیسے یہ (آج) ہم سے بیزار ہوتے۔ یعنی افسوس کہ دُنیا میں ہمیں دوبارہ نہ لوٹایا گیا۔

ساتویں آیت ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ۝ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ (المومنون: ۱۶،۱۷) پھر پیدائش کے بعد تم مروگے اور مرکر پھر قیامت کے دن ہی اُٹھائے جاؤ گے۔ اس سے پہلے ہرگز نہ اُٹھائے جاؤ گے۔

آٹھویں آیت وَلَوْ تَرٰى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الانعام: ۲۸) کہ جب کفار پر کھڑے کئے جائیں گے تو وہ کہیں گے اے کاش! ہم دوبارہ دُنیا میں لوٹائے جاتے، تو نہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے بلکہ مومنوں میں سے ہوتے۔

نوٹ:۔ اس جگہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ تو کفار کے لئے ہے مومن لوٹائے جا سکتے ہیں، تو یاد رہے کہ عقلاً اگر دُنیا میں کوئی لوٹایا جانا چاہیئے تو وہ کفار ہی ہیں تاکہ وہ اپنی اصلاح کرلیں۔ مومنوں کو تو آنے کی ضرورت ہی نہیں۔ پس جب کفار بھی لوٹائے نہ جائیں گے تو ماننا پڑیگا کہ کوئی بھی اس دُنیا میں (واپس) نہ آئے گا۔

ایک اور طرح سے استدلال قرآن کریم سے ثابت ہے کہ مرنے والے انسان کی رُوح بعد از مرگ فوراً اپنے اعمال کے مطابق جزا سزا پانے لگ جاتی ہے۔ مومنوں کی ارواح اعلیٰ علیین میں اور منکرین کی اسفل السافلین میں بھیج دی جاتی ہیں۔

ضرورت اِس مضمون کی دوجگہ ضرورت ہوتی ہے ایک تو تب جب وفاتِ مسیح عقلاً نقلاً ثابت ہونے پر لوگ کہہ دیتے ہیں کہ کیا ہوا اگر مر گئے تو خدا تعالیٰ پھر زندہ کر دے گا۔ دوسرے عجوبہ پسند لوگ حضرت عیسیٰؑ کو محی الاموات حقیقی معنوں میں مانتے ہیں۔ تو اس مضمون سے دونوں کی تردید ہوجاتی ہے۔

عدمِ رجوعِ موتٰی از احادیث

۱۔ قَالَ یَا عَبْدِیْ تَمَنَّ عَلَیَّ اُعْطِكَ قَالَ یَارَبِّ تُحْیِیْنِیْ فَاُقْتَلُ فِیْكَ ثَانِیَۃً قَالَ الرَّبُّ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی اِنَّہٗ قَدْ سَبَقَ مِنِّیْ اِنَّھُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ فَنَزَلَتْ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا۔الایۃ (رواہ الترمذی)، بحوالہ مشکوٰۃ مجتبائی ص۵۲۹ باب جامع المناقب)۔ کہ اللہ تعالیٰ نے شہید جابرؓ کے باپ کو فرمایا کہ کوئی آرزو کر۔ اس نے کہا، اے میرے رب مجھے دنیاوی زندگی بخش کہ تیرے راستہ میں دوبارہ قتل کیا جاؤں۔ فرمایا کہ یہ تو میرا قانون ہو چکا ہے کہ یہاں سے دُنیا کی طرف نہیں لوٹیں گے۔

۲۔ وَ قُلْنَا ادْعُ اللّٰہَ یُحْیِیْہِ لَنَا فَقَالَ اسْتَغْفِرُوْا لِصَاحِبِکُمْ۔۔۔۔۔۔اِذْھَبُوْا فَادْفِنُوْا صَاحِبَکُمْ (رواہ مسلم بحوالہ مشکوٰۃ مجتبائی ص۳۶۰ باب ما یحل اَکْلُہٗ وما یحرم) کہ ایک آدمی فوت شدہ کے متعلق صحابہؓ نے آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کی کہ حضورؐ! دُعا فرمائیں کہ یہ زندہ ہو جائے تو آپ نے فرمایا تمہیں چاہیئے کہ اب اس کے لئے دُعائے مغفرت کرو اور دفن کردو۔

اِس حدیث سے صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ مُردوں کو دوبارہ اس دُنیا میں زندہ کر کے نہیں بھیجتا، انبیاء بھی ایسا نہیں کر سکتے۔ احباب غور کریں کہ اگر حضرت عیسیٰؑ فی الواقعہ مُردوں کو زندہ کیا کرتے تھے تو سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کیوں نہ کیا؟ محض اس لئے کہ خدا کے قانون کے برخلاف ہے۔ ھٰذَا ھُوَ الْمُرَادُ۔

عدمِ رجوعِ موتٰی پر اجماع امت ہے

کیونکہ کسی حدیث اور تفسیر اور فقہ وغیرہ میں کسی مسلمان نے ایسے احکام بیان نہیں کئے کہ اگر مُردہ دوبارہ لوٹ آئے تو اس کا کیا حکم ہے؟ بیوی، مال وغیرہ اس کو ملیگا یا نہیں؟ پس شریعت کے باوجود مکمل ہونے کے اور فقہاء کا بھی اس کا ذکر نہ کرنا صاف بتاتا ہے کہ یہ عقیدہ ہی باطل ہے۔ وَہُوَ الْمَقْصُوْد۔

مسئلہ امکانِ نبوت

دلائل امکانِ نبوت از رُوئے قرآن مجید

پہلی آیت اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ (الحج : ۷۶) کہ اللہ تعالےٰ چُنتا ہے اور چُنے گا فرشتوں میں سے رسول اور انسانوں میں سے بھی۔

اِس آیت میں يَصْطَفِيْ مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور مستقبل دونوں زمانوں کے لئے آتا ہے پس يَصْطَفِيْ کے معنی ہوئے "چنتا ہے اور چُنے گا" اس آیت میں یصطفی سے مراد صرف حال نہیں لیا جاسکتا کیونکہ لہ۔ آیت کی ترکیب اصل میں اس طرح ہے۔

اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَاللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ النَّاسِ رُسُلًا کہ اللہ فرشتوں میں سے بھی رُسُل چُنتا ہے اور انسانوں میں سے بھی رُسل چُنتا ہے۔ لفظ رُسُل جمع ہے۔ اس سے مراد آنحضرتؐ (واحد) نہیں ہو سکتے۔ پس ماننا پڑے گا کہ آنحضرتؐ کے بعد رسالت کا سلسلہ جاری ہے اور يَصْطَفِيْ مستقبل کے لئے ہے۔

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی رُسل بصیغہ جمع کا اطلاق واحد پر ثابت کرنے کے لئے وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ (المرسلٰت : ۱۲) والی آیت پیش کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہاں رُسل کو بمعنی رسول واحد لیا ہے سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ شہادۃ القرآن کی عبارتِ محولہ میں حضرت مسیح موعودؑ نے جمع کا ترجمہ واحد نہیں کیا، بلکہ جمع ہی رکھا ہے۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۴۸ و ۱۴۹ پر اس آیت کا الہامی ترجمہ رقم فرمایا ہے:۔

"وہ آخری زمانہ جس سے رسولوں کے عدد کی تعیین کی جاتے گی یعنی آخری خلیفہ کے ظہور سے قضاء و قدر کا اندازہ جو مرسلین کی تعداد کی نسبت مخفی تھا ظہور میں آجاتے گا .... پس یہی معنی آیت وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ کے ہیں جن کو خدا تعالیٰ نے میرے پر ظاہر کیا اور یہ آیت اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ رسولوں کی آخری میزان ظاہر کرنے والا مسیح موعود ہے۔"

پس یہ عبارت صاف طور پر بتا رہی ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے اِس آیت میں رُسل سے مراد "مرسلین" اور "رسولوں" بصیغہ جمع ہی لیا ہے۔ ہاں اُقِّتَتْ کے لفظ سے میزان کنندہ (میزان ظاہر کرنے والا) کا وجود نکالا ہے۔ پس مخالفین کا شہادۃ القرآن کا حوالہ پیش کرنا سراسر دھوکہ ہے۔

ب:۔ يَصْطَفِيْ مضارع منسوب بذاتِ خداوندی ہے اور اس آیت کی اگلی آیت ہے يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ (الحج : ۷۷) خدا تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے) کیا خدا تعالیٰ اس آیت کے

نزول کے وقت جانتا تھا، اب وہ نہیں جانتا۔ یَعْلَمُ بھی مضارع ہے۔
غیر احمدی :۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم خود خدا کی اس قدیم سُنت سے ماہر ہو کہ وہ انسانوں میں سے رسول چُنتا ہے جو اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اسی سنّتِ قدیمہ کی رو سے اب بھی یہ رسول بھیجا گیا ہے، بجائے اس کے کہ ارسالِ رُسل کی سنّتِ الٰہیہ سے موجودہ نبوت کا استدلال کیا جاتا آیندہ نبوت کا خواہ مخواہ ذکر چھیڑ دیا گیا بیہودہ ترجمہ ہے۔" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۴۲۹)
جواب :۔ جب سنّتِ قدیمہ یہی ہے کہ وہ "تبلیغ" کے لئے رسول بھیجا کرتا ہے تو پھر اب بھی نبوت جاری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا (الاحزاب: ۶۳ - فاطر: ۴۴) کہ اللہ تعالیٰ کی سنت کبھی بدلا نہیں کرتی۔ اندریں حالات تمہارا "ارسالِ رسل" کا انکار کرنا "بیہودہ ہے" یا ہمارا اقرار؟
غیر احمدی :۔ تشریعی نبی بھیجنا بھی تو خدا کی سنت ہے وہ کیوں بدل گئی؟
جواب :۔ یہ کس نے کہا ہے کہ تشریعی نبی بھیجنے کی سنت بدل گئی ہے۔ تشریعی نبی بھیجنے کے لیے تو اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ جب سابقہ شریعت ناقص یا نامکمل ہو یا ناقص تو نہ ہو مگر محرف (مبدل) ہو گئی ہو تو نئی شریعت نازل فرماتا ہے اور غیر تشریعی نبی بھیجنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جس وقت ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے نہ سابقہ شریعت ناقص ہو اور نہ محرّف ہوئی ہو۔ بلکہ لوگوں میں بدعملی اور ضلالت و گمراہی پیدا ہو گئی ہو تو اللہ تعالیٰ ان میں "تبلیغ" اور اصلاح کے لئے غیر تشریعی نبی بھیجا کرتا ہے۔
پس چونکہ قرآن مجید مکمل شریعت ہے اور اس میں تحریف بھی نہیں ہوئی بلکہ یہ اپنی اصلی حالت پر قائم ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی سنّتِ قدیمہ کے عین مطابق یہ ضروری ہے کہ کوئی تشریعی نبی نہ آتے بلکہ غیر تشریعی نبی آتے۔ پس جب تک قرآن مجید میں تحریف ثابت نہ کرو، یا یہ ثابت نہ کرو کہ قرآن مجید (نعوذ باللہ) ناقص کتاب ہے، اس وقت تک تم یہ نہیں کہہ سکتے کہ قرآن مجید کے بعد تشریعی نبی کا نہ آنا سنّتِ قدیمہ کے خلاف ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مکمل اور غیر محرّف شریعت کی موجودگی میں نئی شریعت کا نہ بھیجنا ہی خدا کی سنت ہے جو اس وقت بھی جاری ہے لیکن کیا تم انکار کر سکتے ہو کہ اس وقت دُنیا میں ضلالت و گمراہی اور بدعملی کا دَور دورہ نہیں؟ اگر ہے اور ضرور ہے تو پھر تمہاری تسلیم کردہ "سنتِ ارسالِ رُسل" کے مطابق اس زمانہ میں کوئی غیر تشریعی نبی کیوں نہیں آ سکتا؟
غیر احمدی :۔ "رُسل" صیغہ جمع ہونے کا کیا یہ مطلب ہے کہ دس دس بیس بیس اکٹھے رسول آئیں؟
جواب :۔ نہیں! بلکہ صیغہ جمع کا مفاد صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اللہ تعالیٰ صرف ایک ہی رسول نہیں بھیجیگا بلکہ وقتاً فوقتاً نبی بھیجتا رہے گا۔ اور وہ رسول من حیث المجموع اتنے ہوں گے کہ اُن پر صیغہ جمع اطلاق پاتے۔
غیر احمدی :۔ صیغہ مضارع کبھی حال کے لئے اور کبھی استقبال کے لئے ہوتا ہے (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۴۳۱)

جواب :۔ اِس آیت میں استقبال کے لئے ہی ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو رسولِ واحد تھے۔ اُن پر "رسل" صیغۂ جمع کا اطلاق نہیں پاسکتا۔ نیز ان کا اصطفاء تو اس آیت کے نزول سے کئی سال پہلے ہو چکا تھا۔ نزول کے وقت تو نہیں ہو رہا تھا۔ اس لئے یہاں مضارع حال کے لئے ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ بہرحال مستقبل کے لئے ہے۔

اگر "حالِ ماضی" کے لئے ہوتا تو اس سے پہلے یا مابعد کسی واقعۂ ماضی کا ذکر ہوتا، لیکن اس آیت سے پہلے بھی اور بعد بھی آخر سورۃ تک کسی واقعۂ ماضی کی طرف اشارہ تک نہیں بلکہ سب جگہ موجودہ مخالفین ہی سے خطاب ہے لیکن اگر واقعہ ماضی ہوتو "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی" فرمایا ہوتا۔ جیسے "اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ" (آل عمران: ۳۴) وغیرہ آیات میں ہے۔ پس یہ آیت امکانِ نبوت کے لئے نصِ قطعی ہے جس کا تمہارے پاس کوئی جواب نہیں۔

نوٹ :۔ بعض دفعہ مخالفین کہا کرتے ہیں کہ آیت ہذا میں ایک عام قاعدہ بیان کیا گیا ہے کہ خدا ہمیشہ اپنے رسول بھیجا کرتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ مضارع سے عام قاعدہ صرف ایک ہی صورت میں مراد لیا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ مضارع استمرارِ تجددی کے طور پر استعمال کیا جائے لیکن استمرارِ تجددی کے لئے ضروری ہے کہ اُس میں زمانہ مستقبل بھی ضرور پایا جائے ہم مخالفین کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایسا استمرار تجددی دکھائیں جس میں زمانہ مستقبل شامل نہ ہو۔ صرف ماضی اور حال مراد ہو۔ استمرار تجددی کے لئے مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں۔

۱۔ وَقَدْ تُفِيْدُ الْاِسْتِمْرَارَ التَّجَدُّدِيَّ بِالْقَرَائِنِ اِذَا كَانَ الْفِعْلُ مُضَارِعًا كَقَوْلِ طَرِيْفٍ ؎

اَوَ كُلَّمَا وَرَدَتْ عُكَاظَ قَبِيْلَةٌ   بَعَثُوْا اِلَيَّ عَرِيْفَهُمْ يَتَوَسَّمُ

(کتاب قواعد اللغۃ العربیۃ صفحہ ۱۰ علم المعانی مطبوعہ قاہرہ)

اور کبھی جب فعل مضارع ہو۔ بعض قرائن سے استمرار تجددی کا بھی فائدہ دیتا ہے۔ جیسا کہ طریف شاعر کا یہ شعر ہے ؎

جب کبھی عکاظ کے میدان میں کوئی قبیلہ آکر اُترتا ہے تو وہ اپنے بڑے آدمی کو میری طرف بھیجتے ہیں جو گھاس کی تلاش کرتا رہتا ہے یا جو میری طرف دیکھتا رہتا ہے۔ یہاں یَتَوَسَّمُ مضارع ہے جس نے استمرار تجددی کا کام دیا (یہی مضمون بتغیر الفاظ تلخیص المفتاح صفحہ ۲ سطر ۳ پر ہے)۔

۲۔ تفسیر بیضاوی تفسیر سورۃ آل عمران رکوع ۴ زیر آیت اِنِّيْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ (آل عمران: ۳۷) لکھا ہے۔ اُعِيْذُهَا فِيْ كُلِّ زَمَانٍ مُسْتَقْبِلٍ۔ یعنی اُعِيْذُهَا میں استمرار تجددی ہے اور آیت کے معنے یہ ہیں کہ میں اس کے لئے پناہ مانگتی ہوں۔ ہر آنے والے زمانہ کے لئے" گویا استمرار تجددی میں زمانہ مستقبل بالخصوص پایا جاتا ہے۔

اسی طرح آیت اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ (الحج: ۷۶) میں استمرار تجددی ہو سکتا ہے اور

اس کے لیے قرینہ "الرسل" بصیغہ جمع اور فعل مضارع کا خدا کی طرف منسوب ہونا ہے۔ استمرار میں تینوں زمانے شامل ہوتے ہیں۔ کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا۔ خصوصاً زمانہ مستقبل جس کا ہونا اس میں لازمی ہے)

نوٹ:۔ اگر کوئی کہے کہ اگر استمرار تجددی تسلیم کر لیا جائے تو لازم آئیگا کہ ہر ایک سیکنڈ میں نبی اور رسول آتے رہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ استمرار کے لئے وقت اور ضرورت کی قید ہوتی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ (المائدۃ ۷۶) کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کھانا کھایا کرتے تھے "كَانَا يَاْكُلٰنِ" ماضی استمراری ہے (کیونکہ یاکلان مضارع پر کانا داخل ہوا) تو کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ تمام دن رات کھانا ہی کھاتے رہتے تھے۔ یہاں استمرار کا مطلب یہ ہے کہ عند الضرورت کھانا کھاتے تھے۔ اسی طرح اَللّٰهُ يَصْطَفِىْ کا مطلب ہے کہ عند الضرورت خدا تعالیٰ رسول بھیجتا رہے گا۔

پس خدا تعالیٰ نے اس آیت میں بتایا ہے۔ کہ میں انسانوں کو بھی نبوت کے لئے چنتا رہونگا اور فرشتوں کو بھی مختلف ڈیوٹیوں کے لئے بھیجتا رہوں گا۔ گویا سلسلہ نبوت جاری رہے گا۔ یاد رہے کہ ملائکہ صرف وحی لانے ہی کے لئے نہیں آتے بلکہ اللہ تعالیٰ کے جسقدر احکام ہیں اُن کے نفاذ کے لئے لاتعداد ملائکہ ہیں جنکو اللہ تعالیٰ حسبِ ضرورت ہمیشہ بھیجتا رہتا ہے پس منکرین نبوت کا یہ کہنا کہ انبیاء کی طرف ایک ہی فرشتہ وحی لایا کرتا ہے بے اثر ہے۔ یہاں صرف وحی لانے کا ذکر نہیں بلکہ عام طور پر احکام الٰہی کے نفاذ کے لیے فرشتوں کے چننے کا ذکر ہے۔

<u>دوسری آیت</u>:۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِىْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ (آل عمران : ۱۸۰) خدا تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا جس پر اے مومنو تم اس وقت ہو۔ یہاں تک کہ پاک اور ناپاک میں تمیز کر دیگا خدا تعالیٰ ہر ایک مومن کو غیب پر اطلاع نہیں دیگا (فلاں پاک ہے اور فلاں ناپاک) بلکہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہے گا بھیجے گا (اور ان کے ذریعہ سے پاک اور ناپاک میں تمیز ہو گی) پس اے مسلمانو! اللہ اور اُس کے رسولوں پر ایمان لانا۔ اور اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ اختیار کرو۔ تو تم کو بہت بڑا اجر ملیگا۔

سورۃ آل عمران مدنی سورۃ ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے کم ازکم تیرہ سال بعد نازل ہوئی جب کہ پاک اور ناپاک میں ابوبکرؓ و ابوجہل میں۔ عمرؓ اور ابولہب میں۔ عثمانؓ اور عتبہ و شیبہ وغیرہ میں کافی تمیز ہو چکی تھی۔ مگر خدا تعالیٰ اس کے بعد فرماتا ہے کہ خدا تعالیٰ مومنوں میں پھر ایک دفعہ تمیز کریگا۔ مگر اس طور سے نہیں کہ ہر مومن کو الہاماً بتا دے کہ فلاں مومن اور فلاں منافق ہے بلکہ فرمایا کہ رسول بھیج کر ہم پھر ایک دفعہ یہ تمیز کر دینگے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے ایک دفعہ یہ تمیز ہو گئی۔ اِس آیت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے بعد ایک اور تمیز کریگا۔ پس اس سے سلسلۂ نبوت ثابت ہے۔

تیسری آیت:۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیْقًا (النسآء: ۷۰)

جو اطاعت کریں گے اللہ کی اور اس کے اِس رسول (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی پس وہ اُن میں شامل ہو جائیں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی نبی، صدیق، شہید اور صالح اور یہ اُن کے اچھے ساتھی ہونگے۔

اِس آیت میں خدا تعالیٰ نے اُمتِ محمدیہ میں طریق حصول نعمت اور تحصیلِ نعمت کو بیان کیا ہے آیت میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی سے ایک انسان صالحیت کے مقام سے ترقی کر کے نبوت کے مقام تک پہنچتا ہے۔

دوسری جگہ جہاں انبیاء سابق کی اتباع کا ذکر کیا ہے وہاں اس کے نتیجہ میں انعام نبوت نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ فرمایا:۔ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ (الحدید: ۲۰) یعنی وہ لوگ جو ایمان لاتے اللہ تعالیٰ پر اور باقی تمام انبیاء پر وہ صدیق اور شہید ہوتے۔

یاد رہے کہ یہاں اٰمَنُوْا صیغہ ماضی اور رُسُلِہٖ صیغہ جمع ہے۔ بخلاف من یطع اللہ والی آیت کے کہ اس میں یُطِعِ مضارع ہے اور الرسول خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے۔

گویا پہلے انبیاء کی اطاعت زیادہ سے زیادہ کسی انسان کو صدیقیت کے مقام تک پہنچا سکتی تھی مگر ہمارے نبیؐ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ایک انسان کو مقام نبوت پر بھی فائز کر سکتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ والی آیت میں لفظ مع ہے۔ مِنْ نہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں گے وہ نبیوں کے ساتھ ہونگے۔ خود نبی نہ ہونگے تو اس کا جواب یہ ہے کہ:۔

۱۔ اگر تمہارے معنے تسلیم کر لئے جائیں تو ساری آیت کا ترجمہ یوں بنے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے والے نبیوں کے ساتھ ہونگے مگر خود نبی نہ ہونگے۔ وہ صدیقوں کے ساتھ ہونگے مگر خود صدیق نہ ہونگے وہ شہیدوں کے ساتھ ہونگے مگر خود شہید نہ ہونگے وہ صالحین کے ساتھ ہونگے مگر خود صالح نہ ہونگے۔ تو گویا نہ حضرت ابوبکرؓ صدیق ہوئے، نہ عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ و حضرت حسینؓ شہید ہوئے اور نہ اُمتِ محمدیہ میں کوئی نیک آدمی ہوا۔ تو پھر یہ اُمت خیر اُمت نہیں بلکہ شر اُمت ہوئی۔ لہٰذا اِس آیت میں مع بمعنی ساتھ نہیں ہو سکتا بلکہ مع بمعنی مِنْ ہے۔

۲۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰہِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَہُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وَسَوْفَ یُؤْتِ اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ اَجْرًا عَظِیْمًا (النسآء: ۱۴۷) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کی اور خدا کی رسّی کو مضبوط پکڑا

اور اللہ کے لئے اپنے دین کو خالص کیا۔ پس وہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں۔ اور خدا تعالیٰ مومنوں کو عنقریب بڑا اجر دیگا۔

کیا یہ صفات رکھنے والے لوگ مومن نہیں صرف مومنوں کے ساتھ ہی ہیں اور کیا ان کو "اجر عظیم" عطا نہیں ہوگا؟ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں آیت بالا کے الفاظ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ کا ترجمہ یہ کیا ہے " فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمِنْ عِدَادِهِمْ فِي الدَّارَيْنِ (بیضاوی جلد اصفحہ ۲۰۸ مطبوعہ مطبع احمدی سورۃ نساء ع ۲۰) یعنی وہ لوگ دونوں جہانوں میں مومنوں کی گنتی میں شامل ہیں۔ پس مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ کا ترجمہ بھی یہ ہوگا کہ" وہ دونوں جہانوں میں منعم علیہم یعنی انبیاء کی گنتی میں شامل ہونگے"

۳۔ وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آل عمران: ۱۹۴) کہ (مومن یہ دُعا کیا کرتے ہیں کہ) اے اللہ ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ وفات دے۔ اِس آیت کا کیا یہ مطلب ہے۔ اے اللہ! جب نیک لوگوں کی جان نکلے۔ ہماری جان بھی ساتھ ہی نکال لے؟ نہیں بلکہ یہ ہے کہ اے اللہ! ہم کو بھی نیک بنا کر مار۔

۴۔ ایک جگہ شیطان کے متعلق آتا ہے۔ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ (سورۃ الحجر: ۳۲) کہ وہ سجدہ کرنے والوں کے ساتھ نہ ہوا اور دوسری جگہ مِنَ السّٰجِدِيْنَ (الاعراف: ۱۲) آتا ہے۔

نوٹ:۔ مَعَ کے معنے معیت (ساتھ) کے بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ آیت اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۱۹۵، التوبہ: ۱۲۳) (کہ خدا نیک لوگوں کے ساتھ ہے) میں۔ اور مع کے معنے مِنْ بھی ہوتے ہیں جیسا کہ اوپر مثالیں دی گئی ہیں۔ اور مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ والی آیت میں تو اس کے معنے سوائے مِنْ کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ اگر یہ معنے نہ کئے جائیں تو اُمّتِ محمدیہ نعوذ باللہ شرّ اُمّت قرار پاتی ہے جو بالبداہت باطل ہے لہٰذا ہمارے جواب میں اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ: ۴۰) اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ (البقرۃ: ۱۹۵) پیش کرنا غیر احمدیوں کے لئے مفید نہیں۔

نبوّت موہبت ہے

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں نبوت ملے گی۔ تو اس سے یہ ماننا لازم آئے گا کہ نبوت ایک کسبی چیز ہے۔ حالانکہ نبوت موہبت الٰہی ہے نہ کہ کسبی۔ اور نبی تو ماں کے پیٹ سے ہی نبی پیدا ہوتا ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک نبوت وہبی ہے لیکن قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی موہبت نازل نہیں ہوتی جب تک کہ انسان کی طرف سے بعض اعمال ایسے سرزد نہ ہوئے ہوں جو اس موہبت کے لئے جاذب بن جائیں۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ (الشوریٰ: ۵۰) کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسکو لڑکیاں موہبت کرتا ہے اور جسکو چاہتا ہے لڑکے موہبت کرتا ہے۔ دوسری جگہ فرمایا وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ (مریم: ۵۰)

کہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق اور یعقوبؑ موہبت کئے۔ اِن آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اولاد موہبت ہے لیکن کیا اولاد کے حصول کے لئے کسی انسانی عمل کی ضرورت نہیں ؟

بیشک نبوت کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی اور اطاعت اور اعمالِ صالحہ شرط ہیں، لیکن اعمال صالحہ بھی تو خدا تعالیٰ کی طرف سے توفیق کے بغیر بجالاتے نہیں جا سکتے چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :-

"وہ نعمت بخشی ہے کہ جو میری کوشش سے نہیں بلکہ شکمِ مادر میں ہی مجھے عطا کی گئی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۶۰) "اعمال صالحہ کا صادر ہونا خدا تعالیٰ کی توفیق پر موقوف ہے"۔ (حقیقۃ الوحی ص۶۵ حاشیہ۔ ص۱۳۱ حاشیہ)

عورتیں کیوں نبی نہیں بنتیں ؟

بعض غیر احمدی وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ (النسآء : ۷۰) والی آیت و نیز صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحہ : ۷) والی آیت پر (جب یہ امکانِ نبوت کی تائید میں پیش کی جاتے) یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر نبوت کا ملنا "اطاعتِ نبویؐ" پر موقوف ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ عورتوں میں سے کسی کو نبوت نہیں ملتی۔ حالانکہ اطاعت نبویؐ تو عورتیں بھی کرتی ہیں۔ اسی طرح صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کی دعا اگر حصولِ نبوت کو مستلزم ہے تو یہ دُعا تو عورتیں بھی کرتی ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ عورتیں نبی نہیں بنتیں ؟ تو اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض محض آیاتِ مذکورہ بالا پر غور نہ کرنے کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہے حالانکہ اس کا جواب بھی اِن آیات میں موجود ہے اور وہ یہ کہ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ والی آیت میں یوں نہیں فرمایا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرینگے ہم اُن کو نبی بنائیں گے بلکہ فرمایا جو لوگ اطاعت کرینگے ہم اُن کو اُن لوگوں میں شامل کر دیں گے جن پر ہم نے انعام کیا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (النسآء : ۷۰) بصیغہ ماضی) یعنی نبی، صدّیق اور صالح۔ جس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ زمانۂ ماضی میں جس جس طرح ہم نے مندرجہ بالا انعامات تقسیم کئے تھے۔ اب ہم اطاعتِ نبویؐ کے نتیجہ میں وہی انعام اسی طریق پر اُمّتِ محمدیہ کے افراد میں تقسیم کریں گے۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ (النسآء : ۷۰) میں جو لوگ شامل ہیں اُن میں سے کوئی عورت بھی کبھی "نبی" ہوئی ؟ تو اِس کا جواب اللہ تعالیٰ خود دیتا ہے کہ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (الانبیاء : ۸) یعنی اے نبیؐ! ہم نے آج تک کسی عورت کو نبی نہیں بنایا۔ پس جب کبھی کوئی عورت نبوت کا انعام پانے والی کبھی ہوئی ہی نہیں۔ تو پھر اُمّتِ محمدیہ میں کس طرح ہو سکتی ہے ؟ کیونکہ اس اُمّت کو تو وعدہ ہی یہ دیا گیا ہے کہ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ (النسآء : ۷۰) کہ تم کو بھی وہی انعامات ملیں گے جو پہلی اُمتوں کو ملے۔ مَردوں کو نبوت ملی۔ عورتیں زیادہ سے زیادہ صدیقیت کے مقام تک پہنچیں۔ چنانچہ اِس اُمّت میں بھی انتہائی مقام مردوں کے لئے نبوت اور عورتوں کے

لیے صدیقیت مقرر ہوا۔

اسی طرح صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دُعا میں بھی اَنْعَمْتَ صیغہ ماضی ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ اے خدا! جو جو انعامات تو پہلی اُمتوں کے افراد پر نازل کرتا رہا ہے وہ ہم پر بھی نازل کر۔ پس چونکہ پہلی اُمتوں میں کبھی کوئی عورت نبی نہیں ہوئی اس لئے اب بھی کوئی عورت نبی نہیں ہو گی جب اُمتِ محمدیہ کا کوئی مرد صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دُعا کرتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے خدا! مجھ پر بھی وہ انعام نازل فرما جو تو نے پہلی اُمتوں کے مردوں پر کئے۔ اور جب کوئی اُمتِ محمدیہ کی عورت یہ دُعا کرتی ہے تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اے خُدا! تُو نے جو انعام پہلی اُمتوں کی عورتوں پر نازل کئے وہ مجھ پر بھی نازل فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے پُرحکمت کلام میں ماضی کا صیغہ رکھ کر اس اعتراض کو بیخ و بُن سے اُکھاڑ دیا۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔

ہر اطاعت کرنیوالا نبی کیوں نہیں بنتا؟

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ والی دُعا تو اُمتِ محمدیہ کے افراد کرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی کی۔ پھر مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ والی آیت کے ماتحت اُن سب کو نبوت ملنی چاہیئے تھی؟

الجواب ۱:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (الانعام: ۱۲۵) کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی سب سے بہتر جانتا ہے کہ کس کو نبی بناتے۔ کب نبی بناتے اور کہاں نبی بناتے؟

الجواب ۲:۔ اللہ تعالیٰ سورۃ نور میں فرماتا ہے، وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ (النور: ۵۶) کہ اللہ تعالیٰ ایمان لانے اور اعمال صالحہ بجالانے والے مسلمانوں کے ساتھ وعدہ کرتا ہے کہ اُن سب کو زمین میں خلیفہ بناتے گا۔

اب ظاہر ہے کہ آیت استخلاف مندرجہ بالا کی رُو سے خلیفہ صرف حضرت ابوبکر، عمر، عثمان و علی رضی اللہ عنہم ہی ہوئے۔ کیا تمام صحابہؓ میں صرف یہ چار مومن باعمل تھے؟ کیا حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، طلحہؓ، زبیرؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہ صحابہؓ نعوذ باللہ مومن نہ تھے؟ اس کا جواب یہی ہے کہ بیشک یہ سب مومن تھے لیکن خلافت اللہ کی دین ہے جس کو چاہے دے۔ لیکن وعدہ عام ہے جس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اب نبوت و خلافت صرف انہی لوگوں کو مل سکتی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانبردار ہوں۔ اس کے بغیر نہیں مل سکتی۔ علاوہ ازیں جب کسی قوم سے ایک شخص نبی ہو جاتے تو وہ انعام نبوت سب قوم پر ہی سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں ہے:۔

یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَۃَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ (المائدۃ: ۲۱) کہ اے

قوم اس نعمت کو یاد کرو جو خدا نے تم پر نازل کی جب کہ اس نے تم میں سے نبی بنائے۔

گویا کسی قوم میں سے کسی شخص کا نبی ہونا اس تمام قوم پر خدا تعالیٰ کی نعمت سمجھا جاتا ہے۔ پس صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ اور مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ والی آیات میں جس نعمت نبوت کا وعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دیا گیا ہے اس کا تقاضا یہ نہیں کہ ہر کوئی نبی بنے بلکہ صرف اس قدر ضروری ہے کہ اِس اُمت میں سے بھی ضرور نبوت کی نعمت کسی فرد پر نازل کی جائے۔

ہمارے ترجمہ کی تائید

حضرت امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے اِس آیت کے وہی معنے بیان کئے ہیں جو اوپر بیان ہوئے چنانچہ تفسیر بحر المحیط (مؤلفہ محمد بن یوسف اندلسی میں لکھا ہے:۔ وَقَوْلُہٗ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ تَفْسِیْرٌ بِقَوْلِہٖ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ...... وَالظَّاھِرُ اَنَّ قَوْلَہٗ مِنَ النَّبِیّٖنَ تَفْسِیْرٌ لِلَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ فَکَاَنَّہٗ قِیْلَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ مِنْکُمْ اَلْحَقَہُ اللّٰہُ بِالَّذِیْنَ تَقَدَّمَھُمْ مِمَّنْ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ۔ قَالَ الرَّاغِبُ مِمَّنْ اَنْعَمَ عَلَیْھِمْ مِنَ الْفِرَقِ الْاَرْبَعِ فِی الْمَنْزِلَۃِ وَالثَّوَابِ النَّبِیُّ بِالنَّبِیِّ وَالصِّدِّیْقُ بِالصِّدِّیْقِ وَالشَّھِیْدُ بِالشَّھِیْدِ وَالصَّالِحُ بِالصَّالِحِ وَاَجَازَ الرَّاغِبُ اَنْ یَّتَعَلَّقَ مِنَ النَّبِیّٖنَ بِقَوْلِہٖ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ اَیْ مِنَ النَّبِیّٖنَ وَمَنْ بَعْدَھُمْ (تفسیر بحر المحیط جلد ۳ صفحہ ۲۸۷ مطبوعہ مصر) یعنی خدا کا فرمانا کہ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ" یہ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی تفسیر ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ خدا کا قول مِنَ النَّبِیّٖنَ تفسیر ہے اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ کی۔ گویا یہ بیان کیا گیا ہے کہ تم میں سے جو شخص اللہ اور اس رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریگا۔ اللہ تعالیٰ اُس کو اُن لوگوں میں شامل کر دیگا جن پر قبل ازیں انعامات ہوئے اور امام راغبؒ نے کہا ہے کہ ان چار گروہوں میں شامل کریگا مقام اور نیکی کے لحاظ سے۔ نبی کو نبی کے ساتھ اور صدیق کو صدیق کے ساتھ اور شہید کو شہید کے ساتھ اور صالح کو صالح کے ساتھ۔ اور راغبؒ نے جائز قرار دیا ہے کہ اس اُمت کے نبی بھی نبیوں میں شامل ہوں۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ یعنی مِنَ النَّبِیّٖنَ (نبیوں میں سے)۔

اس حوالہ سے صاف طور پر حضرت امام راغبؒ کا مذہب ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس اُمت میں بھی انبیاء کی آمد کے قائل تھے۔ چنانچہ اس عبارت کے آگے مؤلف بحر المحیط (محمد بن یوسف بن علی بن حیان الاندلسی جو ۷۵۴ھ میں فوت ہوئے) نے امام راغبؒ کے مندرجہ بالا قول کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے کہ راغبؒ کے اس قول سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کی اُمت میں سے بعض غیر تشریعی نبی پیدا ہونگے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرینگے۔ اِس پر مصنف اپنا مذہب لکھتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔

لیکن ہمیں مؤلف بحر المحیط یعنی محمد بن یوسف الاندلسی کے اپنے عقیدہ سے سروکار نہیں ہمیں تو یہ دکھانا مقصود ہے کہ آیت مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ الخ کا جو مفہوم آج جماعت احمدیہ بیان کرتی ہے وہ نیا نہیں۔ بلکہ آج سے سینکڑوں سال قبل امام راغب رحمۃ اللہ علیہ بھی اس کا وہی ترجمہ کرتے ہیں جو آج جماعت احمدیہ کی طرف سے کیا جاتا ہے۔

غیر احمدی:۔ ترمذی میں حدیث ہے کہ "اَلتَّاجِرُ الصَّدُوْقُ الْاَمِيْنُ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ" آج تک کتنے لوگ تجارت کی وجہ سے نبوت حاصل کر چکے ہیں؟ (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۴۲۹)

جواب:۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اسے قبیصہ ابن عقبۃ الکوفی نے سفیان ثوری سے اور سفیان ثوری نے ابوحمزہ عبداللہ بن جابر سے۔ اس نے حسن سے اور اُس نے ابوسعید سے روایت کیا ہے۔

قبیصہ کے متعلق لکھا ہے:۔ قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ هُوَ ثِقَةٌ اِلَّا فِيْ حَدِيْثِ الثَّوْرِيْ وَقَالَ اَحْمَدُ كَثِيْرُ الْغَلْطِ ...... قَالَ ابْنُ مَعِيْنٍ لَيْسَ بِذَاكَ الْقَوِيِّ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۳۱۰) کہ ابن معین فرماتے ہیں کہ قبیصہ کی وہ روایت جو وہ سفیان ثوری سے روایت کرے کبھی قبول نہ کرنا احمد کے نزدیک یہ راوی کثرت سے غلط روایت کرتا تھا اور ابن معین کے خیال میں یہ قوی راوی نہ تھا۔ یہ روایت بھی اس راوی کی سفیان ثوری ہی سے ہے۔ لہٰذا جھوٹی ہے۔

۲۔ اگر درست بھی ہوتی تو بھی حرج نہ تھا کیونکہ التاجر الصدوق الامین تو خود ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسمائے مبارکہ ہیں۔ لہٰذا آپ ہی وہ خاص تاجر اور وہ سچ بولنے والے امین نبی تھے جن کی تعریف اس قول میں کی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ حضور نبی تھے۔

<u>چوتھی آیت</u>:۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (الاعراف: ۳۶) اے بنی آدم (انسانو!) البتہ ضرور آئیں گے تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں گے تمہارے سامنے میری آیتیں۔ پس جو لوگ پرہیزگاری اختیار کریں گے اور اپنی اصلاح کریں گے اُن کو کوئی غم اور ڈر نہ ہوگا۔

"اِمَّا يَاْتِيَنَّ" کا ترجمہ ہے "البتہ ضرور آئیں گے"۔ کیونکہ يَاْتِيَنَّ مضارع مؤکد بہ نون ثقیلہ ہے جو مضارع میں تاکید مع خصوصیت زمانہ مستقبل کرتا ہے جیسا کہ کتاب التصریف مؤلفہ حافظ عبدالرحمٰن امرتسری میں لکھا ہے:۔

"نون تاکید۔ یہ حرف آخر مضارع میں آتا ہے اور اس کے آنے سے مضارع کے پہلے لام مفتوح کا آنا ضروری ہوتا ہے۔ یہ نون مضارع کے آخر حرف پر فتحہ اور معنے تاکید مع خصوصیت زمانہ مستقبل کے دیتا ہے: جیسے لَيَفْعَلَنَّ (وہ البتہ ضرور کرے گا) اس کو مضارع مؤکد بلام تاکید و نون تاکید کہتے ہیں۔" اور اس پر حاشیہ

میں لکھا ہے :۔
اکثر تو لام مفتوح آتا ہے مگر کبھی اِمّا بھی آجاتا ہے۔ جیسے "اِمَّا یَبْلُغَنَّ"
(دیکھو کتاب الصرف ص۱۵ ایڈیشن نمبر ۹ ص۲۳)۔
نیز ملاحظہ ہو بیضاوی جلد ۲ ص۲۸۲ مطبع احمدی زیر آیت فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ (سورۃ زخرف ع۴ پارہ ۲۵) لکھا ہے۔
"وَمَا مَزِيدَةٌ مُؤَكِّدَةٌ بِمَنْزِلَةِ لَامِ الْقَسَمِ فِي اسْتِجْلَابِ النُّوْنِ الْمُؤَكِّدَةِ"
پس یَاْتِیْ" (آتے گا) مضارع کے آخر میں "نون تاکید" آیا۔ اور اُس کے شروع میں اِمّا آیا۔ پس اس کے معنے ہوتے "البتہ ضرور آئیں گے رُسُل" (ایک سے زیادہ رسول)۔
نوٹ :۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اور اس میں تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔ یہاں یہ نہیں لکھا ہوا کہ ہم نے گذشتہ زمانہ میں یہ کہا تھا۔ نیز اس آیت سے پہلے کئی مرتبہ "یَا بَنِیْ اٰدَمَ" آیا ہے اور اس میں سب جگہ آنحضرت صلعم اور آپ کے بعد کے زمانہ کے لوگ مخاطب ہیں جیسا کہ یَا بَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف : ۳۲) اے انسانو! ہر مسجد (یا نماز) میں اپنی زینت قائم رکھو۔
چنانچہ امام جلال الدین سیوطیؒ لکھتے ہیں :۔ فَاِنَّهٗ خِطَابٌ لِاَهْلِ ذٰلِكَ الزَّمَانِ وَلِكُلِّ مَنْ بَعْدَهُمْ (تفسیر اتقان جلد ۲ ص۳۶ مصری) کہ یہ خطاب اس زمانہ اور اگلے زمانہ کے تمام لوگوں کو ہے۔
(ب) تفسیر حسینی موسومہ بہ تفسیر قادری میں ہے :" یہ خطاب عرب کے مشرکوں کی طرف ہے اور صحیح بات یہ ہے کہ خطاب عام ہے۔" (تفسیر حسینی جلد ۱ ص۳۰۵ آخری سطر مطبوعہ نولکشور زیر آیت یا بنی آدم اِمّا یاتینکم رسل منکم)۔
(ج) امام فخر الدینؒ رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں :۔ وَاِنَّمَا قَالَ رُسُلٌ وَاِنْ کَانَ خِطَابًا لِلرَّسُوْلِ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَهُوَ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ عَلَیْهِ وَعَلَیْهِمُ السَّلَامُ۔۔ ۔۔۔۔ وَاَمَّا قَوْلُهٗ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیَاتِیْ فَقِیْلَ تِلْكَ الْاٰیٰتُ هِیَ الْقُرْاٰنُ ۔۔۔۔۔۔ ثُمَّ قَسَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی حَالَ الْاُمَّةِ فَقَالَ (فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ) (تفسیر کبیر جلد ۴ ص۲۹۹ مصر)۔
غیر احمدی :۔ یَا بَنِیْ اٰدَمَ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف : ۳۲) میں "مسجد" کا لفظ غیر مذاہب کے معبدوں کے لئے استعمال ہوا ہے نہ کہ مسلمانوں کی مسجدوں کیلئے۔
جواب :۔ آیت زیر بحث کے سیاق وسباق میں سوائے مسلمانوں کے کسی اور قوم کا ذکر ہی نہیں اور یہ تمام نصائح مسلمانوں کو کی گئی ہیں۔ چنانچہ یَا بَنِیْ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ (الاعراف : ۳۶) سے پہلی دو آیات یہ ہیں :۔ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِکُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطَانًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ وَلِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَاءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ

يَا بَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ (الاعراف: ۳۴ تا ۳۶)۔

ان آیات کا ترجمہ تفسیر حسینی سے نقل کیا جاتا ہے :۔

"کہہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! سوائے اس کے نہیں کہ حرام کئے رب تیرے نے گناہ کبیرہ کہ بڑے عذاب کے سبب ہیں جو ظاہر ہے ان میں سے جیسے کفر اور جو پوشیدہ ہے جیسے نفاق اور حرام کیا وہ گناہ جس پر حد مقرر نہیں ہے۔ جیسے گناہِ صغیرہ۔ اور حرام کیا ظلم یا تکبر ساتھ حق کے ...... اور حرام کیا یہ کہ شرک لاؤ تم ساتھ اللہ کے۔ اور شرک پکڑو اس کی عبادت میں اس چیز کو کہ خدا نے نہیں بھیجی ...... کوئی دلیل۔ اور یہ بھی حرام کیا ہے کہ کہو تم جھوٹ اور افتراء کرو خدا پر جو کچھ تم نہیں جانتے ہو۔ کھیتوں اور چارپایوں کی تحریم اور بیت الحرام کے طواف میں برہنہ ہونا اور واسطے ہر گروہ کے ایک مدت ہے جو خدا نے مقرر کر دی ہے۔ ان کی زندگی کے واسطے۔" (تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۳۰۵)

صاف ظاہر ہے کہ "قُلْ" کہہ کر خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور پھر حضورؐ کے ذریعہ سے یہ پیغام تمام بنی نوع انسان کو پہنچایا گیا ہے کہ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ۔ (الاعراف: ۳۶)

باقی رہا تمہارا کہنا کہ "مسجد" سے مراد اصحابِ کہف (عیسائیوں) کی مسجد ہے تو یہ محض مغالطہ آفرینی ہے۔ کیونکہ یہ آیت عیسائیوں کے گرجوں کے اندر اچھے اچھے کپڑے پہن کر جانے کی ہدایت نہیں دیتی بلکہ کعبہ شریف اور خصوصاً اور دوسری اسلامی مساجد میں عموماً نماز پڑھنے کے لئے جانے والوں کو مخاطب کرتی ہے چنانچہ تفسیر حسینی میں خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ (الاعراف: ۳۲) کی مندرجہ ذیل تشریح کی گئی ہے :۔

بعض مفسر اس بات پر ہیں کہ یہ خطاب عام ہے اور اکثر مفسر کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ خاص ہے۔ اس واسطے بنو ثقیف اور دوسری ایک جماعت عرب مشرکوں کی تھی کہ اُن کے مرد اور عورتیں برہنہ طواف کرتی تھیں۔ اور کپڑے اُتار ڈالنے سے یہ فال لیتے تھے کہ گناہوں سے ہم بری ہو گئے اور بنو عامر احرام کے دنوں میں حیوان کھانے سے پرہیز کرتے تھے اور تھوڑے سے کھانے پر قناعت کر کے اس فعل کو اطاعت جانتے تھے اور کعبہ کی تعظیم کا خیال باندھتے تھے۔ مسلمانوں نے کہا کہ یہ تعظیم و تکریم کرنا ہم کو تو بہت سزاوار اور لائق ہے۔ حق تعالیٰ نے انہیں منع فرمایا اور ارشاد کیا کہ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ اپنے کپڑے کہ ان کے سبب سے تمہاری زینت ہے عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ نزدیک ہر مسجد کے جس کا تم طواف کرتے ہو یا جس میں تم نماز پڑھتے ہو۔" (تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۳۰۴)

(ب) حضرت امام رازیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں :۔

قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اِنَّ اَهْلَ الْجَاهِلِيَّةِ مِنْ قَبَائِلِ الْعَرَبِ كَانُوْا يَطُوْفُوْنَ بِالْبَيْتِ عُرَاةً۔ اَلرِّجَالُ بِالنَّهَارِ وَالنِّسَاءُ بِاللَّيْلِ وَكَانُوْا اِذَا وَصَلُوْا اِلٰى مَسْجِدِ مِنًى طَرَحُوْا ثِيَابَهُمْ وَاَتَوُا الْمَسْجِدَ عُرَاةً وَقَالُوْا لَا نَطُوْفُ فِيْ ثِيَابٍ اَصَبْنَا فِيْهَا الذُّنُوْبَ ... فَقَالَ الْمُسْلِمُوْنَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَفْعَلَ ذٰلِكَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذِهٖ

اَلْاٰیَۃِ اَنْ اَلْبِسُوْا ثِیَابَکُمْ وَکُلُوا اللَّحْمَ۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۲۹۳ مصری)

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عرب قبائل بباعث جاہلیت کے خانہ کعبہ کا طواف ننگے بدن کرتے تھے۔ دن کو مرد اور رات کو عورتیں طواف کرتی تھیں۔ اور جب وہ مسجد منٰی کے قریب پہنچتے تھے۔ تو اپنے کپڑے اُتار کر مسجد میں ننگے بدن آتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ ہم ان کپڑوں کے ساتھ کبھی طواف نہیں کریں گے جن میں ہم گناہ کرتے ہیں۔ پھر جب اس بارے میں مسلمانوں نے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے استفسار کیا تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی یعنی یہ حکم دیا کہ اپنے کپڑے پہنو اور گوشت کھاؤ۔

(ج) تفسیر بیضاوی میں ہے:۔

خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ۔ ثِیَابَکُمْ لِمُوَارَاۃِ عَوْرَتِکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ بِطَوَافٍ اَوْ صَلٰوۃٍ۔ وَمِنَ السُّنَّۃِ اَنْ یَّاْخُذَ الرَّجُلُ اَحْسَنَ ھَیْئَتِہٖ لِلصَّلٰوۃِ وَفِیْہِ دَلِیْلٌ عَلٰی وُجُوْبِ سَتْرِ الْعَوْرَۃِ فِی الصَّلٰوۃِ۔

وَکُلُوْا وَاشْرَبُوْا:۔ مَاطَابَ لَکُمْ رُوِیَ اَنَّ بَنِیْ عَامِرٍ فِیْ اَیَّامِ حَجِّھِمْ کَانُوْا لَا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ اِلَّا قُوْتًا۔۔۔۔۔ فَھَمَّ الْمُسْلِمُوْنَ بِہٖ فَنَزَلَتْ (بیضاوی مجتبائی جلد ۱ صفحہ ۱۵۳)

پس ثابت ہوا کہ یہاں مسجد سے مُراد عیسائیوں کے گرجے نہیں۔ بلکہ کعبۃ اللہ اور مسلمانوں کی دوسری مسجدیں مراد ہیں۔ نیز یہ کہ حضرت آدمؑ کے زمانہ کا واقعہ بیان نہیں کیا جا رہا بلکہ مسلمانوں کو مخاطب کیا گیا ہے۔

غیر احمدی:۔ لفظ "رسول" نبی اور رسول اور محدث تینوں معنوں پر مشتمل ہے جیسا کہ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا ہے۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اصطلاح تو خاص تھی جس کے رُو سے لفظ محدث بالواسطہ غیر تشریعی نبی کا ہم معنی اور قائمقام ہے۔ اس لحاظ سے اگر لفظ "رسول" میں غیر تشریعی نبوت کا حامل شامل ہو تو پھر بھی امکان نبوت ثابت ہے۔

غیر احمدی:۔ لفظ رسول تو تشریعی و غیر تشریعی دونوں قسم کی نبوت پر مشتمل ہے پھر اس آیت سے تشریعی نبوت کا امکان بھی ثابت ہوا۔

جواب:۔ جی نہیں! بلکہ اس آیت میں تو اس کے بالکل برعکس یہ بتایا گیا ہے کہ اب جن رسولوں کی آمد کا وعدہ دیا جا رہا ہے وہ سب غیر تشریعی نبی ہونگے اور صرف یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ (الاعراف: ۳۶) وہ سابقہ نازل شدہ آیاتِ قرآنی ہی کو پڑھ پڑھ کر سُنایا کریں گے۔ ملاحظہ ہو حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد۔ فرماتے ہیں:۔

وَاَمَّا قَوْلُہٗ (تَعَالٰی یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیَاتِیْ) فَقِیْلَ تِلْکَ الْاٰیَاتُ ھِیَ الْقُرْاٰنُ:

(تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۲۹۹ مصری)

نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان موعودہ رسولوں کی بعثت کی غرض تو تقویٰ پیدا کرنا اور اصلاح کرنا ہوگی جیسا کہ فرمایا ہے فَمَنِ اتَّقٰی وَاَصْلَحَ (الاعراف: ۳۶) یعنی جو تقویٰ اختیار کریگا اور اپنی اصلاح

کریگا وہی امن میں ہوگا۔ دوسرا نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ اس آیت سے
"اِتْیَانُ الرُّسُلِ اَمْرٌ جَائِزٌ غَیْرُ وَاجِبٍ" (بیضاوی مجتبائی جلد ۲ صفحہ ۱۵۴ و مطبع احمدی جلد ا صفحہ ۲۸۶ نیز
تفسیر ابی السعود بر حاشیہ تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۲۹۹ مصری) یعنی یَا بَنِیْٓ اٰدَمَ اِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ سے
یہ ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسولوں کا آنا جائز ہے۔ اگرچہ ضروری نہیں کہ رسول
ضرور ہی آئیں۔

بہر حال "امکانِ نبوت" کو تسلیم کر لیا گیا ہے۔

پانچویں آیت:۔

اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ (الفاتحہ ۶، ۷)
کہ اے اللہ! ہم کو سیدھا راستہ دکھا۔ اُن لوگوں کا رستہ جن پر تُونے اپنی نعمت نازل کی، گویا ہم کو بھی
وہ نعمتیں عطا فرما۔ جو پہلے لوگوں کو تُونے عطا فرمائیں۔ اب سوال ہوتا ہے کہ وہ نعمتیں کیا تھیں؟ قرآن
مجید میں ہے:۔

یَا قَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا۔
(المائدہ ۴: ۲۱)

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا۔ اے قوم! تم خدا کی اس نعمت کو یاد کرو جب اُس نے تم میں
سے نبی بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا، ثابت ہوا کہ نبوت اور بادشاہت دو نعمتیں ہیں جو خدا تعالیٰ کسی قوم کو دیا
کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ فاتحہ میں صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ کی دُعا سکھائی ہے اور خود
ہی نبوت کو نعمت قرار دیا ہے اور دُعا کا سکھانا بتاتا ہے کہ خدا تعالیٰ اس کی قبولیت کا فیصلہ فرما چکا
ہے۔ لہٰذا اس سے اُمتِ محمدیہ میں نبوت ثابت ہوئی۔

چھٹی آیت:۔

یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (المومنون ۵۲) اے رسولو!
پاک کھانے کھاؤ اور نیک کام کرو۔ یہ جملہ ندائیہ ہے جو حال اور مستقبل پر دلالت کرتا ہے اور لفظ رُسُلٌ
بصیغہ جمع کم از کم ایک سے زیادہ رسولوں کو چاہتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو اکیلے رسول تھے۔ آپ
کے زمانہ میں بھی کوئی اور رسول نہ تھا۔ لہٰذا ماننا پڑیگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد رسول آئینگے
ورنہ کیا خدا تعالیٰ وفات یافتہ رسولوں کو یہ حکم دے رہا ہے کہ اُٹھو! اور پاک کھانے کھاؤ اور نیک
کام کرو۔

اس امر کا ثبوت کہ یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رسولوں کو نہیں ہے:۔
عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ
اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا وَاِنَّ اللّٰہَ اَمَرَ الْمُؤْمِنِیْنَ بِمَا اَمَرَ بِہِ الْمُرْسَلِیْنَ فَقَالَ
یٰٓاَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا۔ (المومنون: ۵۲) وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ۔ (البقرۃ : ۱۷۳)

(مسلم کتاب البیوع باب الکسب وطلب الحلال بحوالہ محمدیہ پاکٹ بک ص۲۴۲ ایڈیشن یکم مارچ ۱۹۳۵ء)

یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ کہ اللہ پاک ہے اور سوائے پاکیزگی کے کچھ قبول نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو بھی حکم دیا ہے جو اس نے نبیوں کو دیا ہے کہ اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور مناسب حال اعمال بجالاؤ۔ ایسا ہی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فرمایا کہ اے ایمان والو! اس پاک رزق سے کھاؤ جو ہم نے تم کو دیا ہے۔

یہ حدیث صاف بتا رہی ہے کہ جس طرح يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ (البقرہ : ۱۷۳) والا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے فوت ہو چکنے والے مومنوں کو نہیں بلکہ موجودہ یا بعد میں ہونے والے مومنوں کو دیا گیا ہے۔ اسی طرح يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ کا خطاب بھی گذشتہ انبیاء کو نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ یا آپ کے بعد آنے والے رسولوں سے ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تو کوئی اور رسول تھا نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بعد پیدا ہونے والے ایسے رسولوں سے خطاب ہے جو قرآن مجید کی شریعت کے تابع ہونگے۔

غیر احمدی:۔ آیت يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ الخ میں ذکر پہلی اُمتوں کا ہے جنہوں نے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خطاب نہیں ہے بلکہ پہلے انبیاء سے ہے۔

جواب:۔ جی نہیں! یہ خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے انبیاء کو ہرگز نہیں ہے جیسا کہ اوپر درج شدہ حدیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ اب تفسیر بھی دیکھ لو۔ لکھا ہے:۔

۱۔ امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:۔ کہ رُسُلُ اللّٰہ سے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں جیسے کہ يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ میں لفظ جمع کے ساتھ انہی کی طرف خطاب ہے اور یہ تعظیم کی راہ سے ہے شرح معارف میں لکھا ہے کہ جب تک حق تعالیٰ نے سب انبیاء علیہم السلام کے خصائل اور شمائل حضرت سید الانبیاء میں جمع نہیں کئے۔ حضرت کو آیت يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ سے خطاب نہیں فرمایا"

(تفسیر حسینی قادری جلد ۱ ص۲۸۵ زیر آیت مِثْلَ مَا اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ انعام ع۱۵ نیز دیکھو جلد ۲ ص۵۰ و ص۹۹)۔

۲۔ تفسیر اتقان مصنفہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ میں ہے:۔

خِطَابُ الْوَاحِدِ بِلَفْظِ الْجَمْعِ نَحْوَ يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبَاتِ .... فَهُوَ خِطَابٌ لَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَحْدَهٗ اِذْ لَا نَبِيَّ مَعَهٗ وَلَا بَعْدَهٗ" (تفسیر اتقان جلد ۲ ص۳۶ مصری)

یعنی اس آیت میں "يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ" کا خطاب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے کیونکہ بخیال مصنف آنحضرتؐ کے زمانہ یا مابعد کوئی نبی نہیں۔

۳۔ امام راغب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

"وَقَوْلُهٗ يَا اَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا قِيْلَ عُنِيَ بِهِ الرَّسُوْلُ وَصَفْوَةُ اَصْحَابِهٖ فَسَمَّاهُمْ رُسُلًا لِضَمِّهِمْ اِلَيْهِ" (مفردات راغب ص۱۹۳ حرف الراء مع السین

(یہ لفظ رُسُل) یعنی اس آیت میں خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے چیدہ اصحاب سے کیا گیا ہے اور اُن کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وابستگی کے باعث "رسول" کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔

پس یہ ثابت ہے کہ یہ خطاب انبیاء سالقہ علیہم السّلام کو نہیں باقی رہا یہ کہنا کہ لفظ رُسُل جو جمع کا صیغہ ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم واحد کے لئے آیا ہے۔ تو یہ محض خوش فہمی اور ایک کو سوالاکھ کے برابر کہنے کے مترادف ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسے شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد حضرت علی رضؓ ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے شریعت ہے اس لیے اِس میں تمام ایسے احکام بیان فرما دیئے گئے جن پر قیامت تک عمل کیا جانا ضروری تھا۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جو انبیاء آنے والے تھے۔ اُن کے لئے بھی مکمل ہدایات قرآن مجید میں نازل فرما دی گئیں۔ اِن ہدایات میں سے ایک ہدایت پر مشتمل یہ آیت بھی ہے۔

ساتویں آیت:۔

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا

(الاحزاب: ۵۴) تمہارے لئے یہ مناسب نہیں کہ تم اللہ کے رسول کو ایذاء دو۔ اور نہ یہ مناسب ہے کہ تم رسول کی وفات کے بعد اُس کی بیویوں سے شادی کرو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے رسول تھے حضور صلعم جب فوت ہوتے آپ کی بیویوں کے ساتھ کسی نے شادی نہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضورؐ کی ازواج مطہرات بھی فوت ہوگئیں اب اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سلسلۂ نبوت بند ہو گیا ہے۔ تو نہ کوئی نبی آئے گا اور نہ اُس کی وفات کے بعد اُس کی بیویاں زندہ رہیں گی اور نہ ان کے نکاح کا سوال ہی زیر بحث آئے گا۔

تو اب اگر اس آیت کو قرآن مجید سے نکال دیا جاتے تو کونسا نقص لازم آتا ہے؟ اور اس آیت کی موجودگی میں ہمیں کیا فائدہ پہنچتا ہے؟ لیکن چونکہ قرآن مجید قیامت تک کے لئے شریعت ہے اور کا ایک ایک لفظ قیامت تک واجب العمل اور ضروری ہے اس لئے ماننا پڑتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد نبوت کا سلسلہ جاری ہے اور قیامت تک کے انبیاء کی ازواج مطہرات اُنکی وفات کے بعد بیوگی کی حالت میں ہی رہیں گی۔

نوٹ:۔ یہ آیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے خاص نہیں بلکہ عام ہے۔ کیونکہ اس میں اَلرَّسُوْلُ یا اَلنَّبِیُّ" کا لفظ نہیں کہ خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں۔ بلکہ یہاں "رَسُوْلَ اللهِ" کا لفظ ہے جو عام ہے یعنی اس میں ہر رسول داخل ہے۔ لہٰذا دھوکہ سے بچنا چاہیئے۔ لفظ رَسُوْلَ اللهِ قرآن مجید میں دوسرے انبیاء کے لئے بھی استعمال ہوا ہے۔ (دیکھو الصف: ۲)۔

آٹھویں آیت:۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ يُوْسُفُ مِنْ قَبْلُ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا زِلْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّمَّا جَآءَكُمْ بِهٖ حَتّٰٓى اِذَا هَلَكَ قُلْتُمْ لَنْ يَّبْعَثَ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِهٖ رَسُوْلًا۔ كَذٰلِكَ يُضِلُّ اللّٰهُ

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ۔ اِلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطَانٍ اَتٰھُمْ الخ

(المومن: ۳۵، ۳۶)

کہ اس سے قبل تمہارے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کھلے کھلے نشان لے کر آئے مگر تم اُن کی تعلیم میں شک کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ فوت ہوگئے تو تم کہنے لگ گئے کہ اب خدا تعالیٰ اِن کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔ اِسی طرح سے خدا تعالیٰ گمراہ قرار دیتا ہے اُن لوگوں کو جو حد سے بڑھ جاتے ہیں اور (خدا کی آیات میں) شک کرتے ہیں۔ وہ لوگ آیاتِ الٰہی میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر اس کے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو کوئی دلیل عطا ہوئی ہو۔

قرآن مجید میں پہلے انبیاء علیہم السلام اور اُن کی جماعتوں کے واقعات محض قصے کہانی کے طور پر بیان نہیں ہوتے بلکہ عبرت کے لئے آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی اُمت کا جو یہ عقیدہ بیان کیا ہے۔ تو اس سے ہمیں کیا فائدہ ہے؟ نیز یُضِلُّ اور یُجَادِلُوْنَ مضارع کے صیغے ہیں۔ جو مستقبل پر حاوی ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ (حٰمٓ السجدۃ:۴۴) یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے متعلق بھی وہی کچھ کہا جائیگا جو آپ سے پہلے رسولوں کے متعلق کہا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق جیسا کہ بتایا جا چکا ہے لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا (المومن: ۳۵) کہا گیا۔ مولوی عبد الستار صاحب اپنی مشہور پنجابی منظوم کتاب "قصص المحسنین" (قصہ یوسف زلیخا) لکھتے ہیں ؎

جعفر صادق کرے روایت اِس وِچ شک نہ کوئی
اُس ویلے وِچ حق یُوسف دے ختم نبوت ہوئی

(قصص المحسنین ص۲۷۹ مطبوعہ مطبع کریمی لاہور ۵ رجنوری ۱۹۳۰ء بہ ایس سنت سنگھ تاجران کتب لاہور)

یعنی حضرت امام جعفر صادق روایت فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام پر نبوت ختم ہوگئی۔

پس ضرور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی کہا جاتا۔ کہ آپؐ کے بعد خدا تعالیٰ کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔

<u>نویں آیت</u>:۔

وَّ اَنَّھُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا (الجن: ۸)

بعض جن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سُن کر اپنی قوم کے پاس گئے۔ تو جا کر کہنے لگے۔ اے جنو! تمہاری طرح انسانوں کا بھی یہی خیال تھا کہ اب خدا تعالیٰ کسی نبی کو نہیں بھیجے گا" مگر (ایک اور نبی آگیا ہے)۔

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے تو آپ سے قبل پہلے نبیوں کی اُمتیں یہی عقیدہ

رکھتی تھیں کہ نبوت کا دروازہ ہمارے نبی پر بند ہو چکا ہے۔ "مَا يُقَالُ لَكَ" (حٰم السجدہ: ۴۴) کے مطابق ضرور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہی کہا جاتا۔ چنانچہ لکھا ہے:۔

د۔ إِجْمَاعَ الْيَهُوْدُ عَلٰى اَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَ مُوْسٰى۔ (مسلّم الثبوت صفہ ۱) کہ یہود کا اجماع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ب۔ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ:۔

إِنَّ الْيَهُوْدَ وَ النَّصَارٰى كَانُوْا يَقُوْلُوْنَ حَصَلَ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيْلِ اَنَّ هَاتَيْنِ الشَّرِيْعَتَيْنِ لَا يَتَطَرَّقُ إِلَيْهِمَا النَّسْخُ وَ التَّغْيِيْرُ وَ اَنَّهُمَا لَا يَجِيْئُ بَعْدَهُمَا نَبِيٌّ۔

(تفسیر کبیر جلد ۴ صفہ ۳۲ مصری زیر آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ انعام ۲۲) کہ یہود اور نصاریٰ یہ کہا کرتے تھے کہ تورات اور انجیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں شریعتیں کبھی منسوخ نہیں ہونگی۔ اور ان کے بعد کبھی نبی نہیں آئے گا۔

دسویں آیت:۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ٥ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ٥

(سورۃ الصّٰفّٰت: ۷۲،۷۳)

کہ پہلی اُمتوں کی جب اکثریت گمراہ ہوگئی تو ہم نے اُن کی طرف نبی بھیجے۔ گویا جب کسی اُمت کا اکثر حصہ ہدایت کو چھوڑ دے تو خدا تعالیٰ کے انبیاء ان کی طرف مبعوث ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کو پھر صراطِ مستقیم پر چلائیں۔

۲۔ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ (البقرۃ: ۲۱۴)

ہم نے انبیاء رُسل اور کتابیں بھیجیں تاکہ وہ (نبی) اُن اختلافات کا فیصلہ کریں جو اُن لوگوں میں پیدا ہو گئے تھے۔

ثابت ہوا کہ اختلاف اور تفرقہ کا وجود ضرورتِ نبی کو ثابت کرتا ہے۔

۳۔ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الجمعہ: ۳) کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا..... اور آپ کی آمد سے قبل یہ لوگ صریحاً گمراہی میں تھے۔

گویا جب گمراہی پھیل جاتی تو خدا تعالیٰ نبی بھیجتا ہے۔

۴۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲) کہ خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا یعنی عوام اور علماء یا غیر اہل کتاب اور اہل کتاب کی حالت خراب ہوگئی تو نبی بھیجا گیا۔

اِن چار آیات سے ثابت ہے کہ جب دُنیا میں گمراہی پھیل جاتی ہے۔ تفرقے پڑ جاتے ہیں۔ پہلے نبی کی اُمت کا اکثر حصہ اُس کی تعلیم کو چھوڑ دیتا ہے تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نبی اور رسول کو مبعوث فرماتا ہے۔

اَب سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ضلالت و گمراہی، اُمتِ محمدیہ کے اکثر حصہ کا آنحضرت صلعم کی

مَنْ هُوَ مُسْرِفٌ مُّرْتَابٌ۔ اِلَّذِیْنَ یُجَادِلُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِ اللّٰہِ بِغَیْرِ سُلْطٰنٍ اَتٰھُمْ الخ

(المومن: ۳۵، ۳۶)

کہ اِس سے قبل تمہارے پاس حضرت یوسف علیہ السلام کھلے کھلے نشان لے کر آئے مگر تم اُن کی تعلیم میں شک کرتے رہے۔ یہاں تک کہ جب وہ فوت ہو گئے تو تم کہنے لگ گئے کہ اب خدا تعالیٰ اِن کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔ اِسی طرح سے خدا تعالیٰ گمراہ قرار دیتا ہے اُن لوگوں کو جو حد سے بڑھ جاتے ہیں اور (خدا کی آیات میں) شک کرتے ہیں۔ وہ لوگ آیاتِ الٰہی میں جھگڑا کرتے ہیں بغیر اس کے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ان کو کوئی دلیل عطا ہوئی ہو۔

قرآن مجید میں پہلے انبیاء علیہم السلام اور اُن کی جماعتوں کے واقعات محض قصے کہانی کے طور پر بیان نہیں ہوتے بلکہ عبرت کے لئے آتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کی اُمت کا جو یہ عقیدہ بیان کیا ہے۔ تو اس سے ہمیں کیا فائدہ ہے؟ نیز یُضِلُّ اور یُجَادِلُوْنَ مضارع کے صیغے ہیں۔ جو مستقبل پر حاوی ہیں۔

خدا تعالیٰ فرماتا ہے:۔ مَا یُقَالُ لَکَ اِلَّا مَا قَدْ قِیْلَ لِلرُّسُلِ مِنْ قَبْلِکَ (حٰمٓ السجدۃ: ۴۴)
یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے متعلق بھی وہی کچھ کہا جائیگا جو آپ سے پہلے رسولوں کے متعلق کہا گیا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے متعلق جیساکہ بتایا جا چکا ہے لَنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ مِنْۢ بَعْدِہٖ رَسُوْلًا (المومن: ۳۵) کہا گیا۔ مولوی عبدالستار صاحب اپنی مشہور پنجابی منظوم کتاب "قصص المحسنین" (قصہ یوسف زلیخا) لکھتے ہیں ؎

جعفر صادق کرے روایت اِس وچہ شک نہ کوئی
اُس ویلے وچہ حق یوسف دے ختم نبوت ہوئی

(قصص المحسنین ص۲۷۹ مطبوعہ مطبع کریمی لاہور ۵ جنوری ۱۹۳۰ء بحوالہ ایس سنت سنگھ تاجران کتب لاہور)
یعنی حضرت امام جعفر صادق روایت فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام پر نبوت ختم ہو گئی۔

پس ضرور تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہی کہا جاتا۔ کہ آپؐ کے بعد خدا تعالیٰ کوئی نبی نہیں بھیجے گا۔

نویں آیت:۔

وَاَنَّھُمْ ظَنُّوْا کَمَا ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ یَّبْعَثَ اللّٰہُ اَحَدًا (الجن: ۸)

بعض جن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وعظ سُن کر اپنی قوم کے پاس گئے۔ تو جا کر کہنے لگے۔ اے جنو! تمہاری طرح انسانوں کا بھی یہی خیال تھا کہ اب خدا تعالیٰ کسی نبی کو نہیں بھیجے گا" مگر (ایک اور نبی آگیا ہے)۔

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو آپ سے قبل پہلے نبیوں کی اُمتیں یہی عقیدہ

رکھتی تھیں کہ نبوت کا دروازہ ہمارے نبی پر بند ہو چکا ہے۔ مَا یُقَالُ لَكَ (حم السجدہ : ۴۴) کے مطابق فرود تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی یہی کہا جاتا۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

د۔ اِجْمَاعُ الْیَھُوْدِ عَلٰی اَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَ مُوْسٰی۔ (مسلم الثبوت صلا) کہ یہود کا اجماع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

ب۔ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ :۔

اِنَّ الْیَھُوْدَ وَ النَّصَارٰی کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ حَصَلَ فِی التَّوْرَاۃِ وَالْاِنْجِیْلِ اَنَّ ھَاتَیْنِ الشَّرِیْعَتَیْنِ لَا یَتَطَرَّقُ اِلَیْھِمَا النَّسْخُ وَ التَّغْیِیْرُ وَ اَنَّھُمَا لَا یَجِیْئُ بَعْدَھُمَا نَبِیٌّ۔ (تفسیر کبیر جلد ۴ صلا۳۲ مصری زیر آیت وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا۔ انعام ع ۲) کہ یہود اور نصاریٰ یہ کہا کرتے تھے کہ تورات اور انجیل سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ دونوں شریعتیں کبھی منسوخ نہیں ہونگی۔ اور ان کے بعد کبھی نبی نہیں آئے گا۔

دسویں آیت :۔

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَھُمْ اَکْثَرُ الْاَوَّلِیْنَ ہ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِیْھِمْ مُّنْذِرِیْنَ ہ
(سورۃ الصّٰفّٰت : ۷۲، ۷۳)

کہ پہلی اُمتوں کی جب اکثریت گمراہ ہوگئی تو ہم نے اُن کی طرف نبی بھیجے۔ گویا جب کسی اُمت کا اکثر حصہ ہدایت کو چھوڑ دے تو خدا تعالیٰ کے انبیاء ان کی طرف مبعوث ہوتے ہیں۔ تاکہ ان کو پھر صراطِ مستقیم پر چلائیں۔

۲۔ فَبَعَثَ اللّٰہُ النَّبِیّٖنَ مُبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَھُمُ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِیَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ فِیْمَا اخْتَلَفُوْا فِیْہِ (البقرۃ : ۲۱۴)

ہم نے انبیاء رُسل اور کتابیں بھیجیں تاکہ وہ (نبی) اُن اختلافات کا فیصلہ کریں جو اُن لوگوں میں پیدا ہو گئے تھے۔

ثابت ہوا کہ اختلاف اور تفرقہ کا وجود ضرورتِ نبی کو ثابت کرتا ہے۔

۳۔ وَ اِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ (الجمعہ : ۳) کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا ..... اور آپ کی آمد سے قبل یہ لوگ صریحاً گمراہی میں تھے۔

گویا جب گمراہی پھیل جائے تو خدا تعالیٰ نبی بھیجتا ہے۔

۴۔ ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم : ۴۲) کہ خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا یعنی عوام اور علماء یا غیر اہل کتاب اور اہل کتاب کی حالت خراب ہوگئی تو نبی بھیجا گیا۔

اِن چار آیات سے ثابت ہے کہ جب دُنیا میں گمراہی پھیل جاتی ہے۔ تفرقے پڑ جاتے ہیں۔ پہلے نبی کی اُمت کا اکثر حصہ اُس کی تعلیم کو چھوڑ دیتا ہے تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نبی اور رسول کو مبعوث فرماتا ہے۔

اَب سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ضلالت و گمراہی، اُمتِ محمدیہ کے اکثر حصہ کا آنحضرت صلعم کی

تعلیم کو چھوڑ دینا۔ علماء اور عوام کا بگڑنا واقع ہوا یا نہیں؟

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں :۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم لَیَأْتِیَنَّ عَلٰی اُمَّتِیْ مَا اَتٰی عَلٰی بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ شِبْرًا بِشِبْرٍ) حَتّٰی اِنْ کَانَ مِنْھُمْ مَنْ اَتٰی اُمَّہٗ عَلَانِیَۃً لَکَانَ فِیْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّصْنَعُ ذٰلِکَ وَاِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی ثِنْتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً وَتَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً۔

(ترمذی بحوالہ مشکوٰۃ ص۳۰ مطبوعہ مطبع احمدی)

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ البتہ ضرور آئیگا میری اُمّت پر وہ زمانہ جیسا کہ بنی اسرائیل پر آیا تھا۔ یہ اُن کے قدم بقدم چلیں گے۔ یہاں تک کہ اگر کسی یہودی نے علانیہ اپنی ماں کے ساتھ بدکاری کی ہوگی تو میری اُمّت میں سے بھی ضرور کوئی ایسا ہوگا جو یہ کریگا۔ اور بنی اسرائیل کے بہتر۷۲ فرقے ہوگئے تھے اور میری اُمّت کے تہتر۷۳ فرقے ہوجائیں گے۔ سوائے ایک کے باقی سب کے سب جہنمی ہونگے۔

۲۔ عَنْ عَلِیٍّؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلعم یُوْشِکُ اَنْ یَّاْتِیَ عَلَی النَّاسِ زَمَانٌ لَا یَبْقٰی مِنَ الْاِسْلَامِ اِلَّا اسْمُہٗ وَلَا یَبْقٰی مِنَ الْقُرْاٰنِ اِلَّا رَسْمُہٗ مَسَاجِدُھُمْ عَامِرَۃٌ وَّھِیَ خَرَابٌ مِّنَ الْھُدٰی عُلَمَاءُ ھُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِیْمِ السَّمَاءِ مِنْ عِنْدِھِمْ تَخْرُجُ الْفِتْنَۃُ وَفِیْھِمْ تَعُوْدُ رَوَاہُ الْبَیْھَقِیُّ فِیْ شُعَبِ الْاِیْمَانِ۔

(مشکوٰۃ کتاب العلم ص۳۸ مطبع احمدی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریب ہے لوگوں پر ایسا زمانہ آئیگا جب اسلام میں سے کچھ باقی نہ رہیگا مگر نام۔ اور قرآن کا کچھ باقی نہیں رہے گا مگر الفاظ۔ مسجدیں آباد نظر آئیں گی مگر ہدایت سے کوری۔ اُن لوگوں کے مولوی آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہونگے اُنہی سے فتنے اُٹھیں گے اور اُن ہی میں واپس لوٹیں گے۔

ان ہر دو حدیثوں سے ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ضلالِ مبین پھیلے گی۔ اُمّتِ محمدیّہ میں تفرقے پڑیں گے۔ اسلام کا صرف نام رہ جائیگا اور قرآن کے فقط الفاظ۔ اور پھر علماء اور عوام کی حالت بھی ناگفتہ بہ ہوجائے گی۔ گویا کہ ظَھَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ۔ (الروم ۴۲) کا پورا نقشہ کھنچ جائیگا۔

پس قرآن کی بتائی ہوئی مندرجہ بالا سب ضروریات اور احادیث کی بتائی ہوئی سب جملہ علامات موجود ہیں جو بعثتِ رسول کو مستلزم ہیں۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد نبوت کا امکان ثابت ہے۔

گیارہویں آیت :۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا نَحْنُ مُھْلِکُوْھَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ اَوْ مُعَذِّبُوْھَا عَذَابًا شَدِیْدًا کَانَ ذٰلِکَ فِی الْکِتٰبِ مَسْطُوْرًا۔ (بنی اسرآئیل ۵۹)

کہ قیامت سے پہلے پہلے ہم ہر ایک بستی کو عذاب شدید میں مبتلا کریں گے اور یہ بات کتاب میں لکھی ہوئی ہے۔

ب۔ دوسری جگہ فرمایا:۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرآئیل : ۱۶) کہ جب تک ہم نبی نہ بھیج لیں۔ اُس وقت تک عذاب نازل نہیں کیا کرتے (یعنی نبی بھیجکر اتمام حجت کر کے پھر سزا دیتے ہیں)۔

ج۔ پھر فرمایا:۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا (القصص : ۶۰)۔

کہ خدا تعالیٰ بستیوں کو ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ اُن میں کسی رسول کو مبعوث نہ فرماتے۔ تاکہ (عذاب سے قبل) وہ اُن کو خدا تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سُناتے (اور اُن پر اتمام حجت ہو جاتے)۔

د۔ ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔ وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (طٰہٰ : ۱۳۵) کہ اگر ہم نبی کے ذریعہ نشان دکھانے سے قبل ہی ان پر عذاب نازل کر کے ان کو ہلاک کر دیتے تو وہ فوراً یہ کہہ سکتے تھے کہ اے ہمارے رب! تُو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا تا کہ ہم اُس رسول کی یوں ذلیل اور رسوا ہونے سے پہلے ہی پیروی کر لیتے (اس آیت کا مضمون سورۃ القصص : ۴۸ میں بھی بیان کیا گیا ہے)۔

اِن سب آیات کو ملانے سے یہ نتیجہ نکلا کہ خدا تعالیٰ انبیاء بھیجتا رہیگا۔ چونکہ عذاب سے قبل نبی آتا ہے۔ اور عذاب آئیگا تو نبی بھی آئیگا۔

بارہویں آیت:۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (المائدۃ : ۴) کہ آج کے دن ہم نے تمہارا دین کامل کر دیا ہے۔ گویا قرآن شریف کو مکمل شریعت قرار دیا ہے۔

شریعت کا کام دُنیا میں انسان کا خدا کے ساتھ تعلق قائم کرانا ہوتا ہے جسقدر شریعت ناقص ہو گی۔ اُسی قدر وہ خدا کے ساتھ انسان کا ناقص تعلق قائم کرائے گی اور جتنی وہ کامل ہو گی۔ اتنا ہی وہ تعلق بھی جو انسان کا خدا سے قائم کرائے گی کامل ہو گا۔ اب قرآن مجید مکمل شریعت ہے اس لئے ثابت ہوا کہ یہ خدا کے ساتھ ہمارا تعلق بھی کامل پیدا کرتی ہے اور سب سے کامل تعلق جو ایک انسان کا خدا کے ساتھ ہو سکتا ہے وہ نبوت ہے۔ اگر کہو کہ قرآن مجید کسی انسان کو نبوت کے مقام پر نہیں پہنچا سکتا تو دوسرے لفظوں میں یہ ماننا پڑے گا کہ قرآن مجید کامل نہیں بلکہ ناقص شریعت ہے اور یہ باطل ہے اور جو مستلزم باطل ہو وہ بھی باطل ہے۔ لہٰذا تمہارا خیال باطل ہے کہ قرآن نبوت کے مقام تک نہیں پہنچا سکتا۔

تیرھویں آیت :-

اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ (آل عمران : ۸۲) جب اللہ تعالٰے نے نبیوں سے عہد لیا کہ جب تم کو کتاب اور حکمت دیکر بھیجا جاتے اور پھر تمہارے پاس ہمارا رسول آتے تو تم اُس پر ایمان لانا اور اس کی امداد کرنا۔

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کی تشریح کرتے ہوتے فرماتے ہیں :-

"فَحَاصِلُ الْکَلَامِ اِنَّہٗ تَعَالٰی اَوْجَبَ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ الْاِیْمَانَ بِکُلِّ رَسُوْلٍ جَآءَ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَھُمْ" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۶ نچلی طرف سے آٹھویں سطر مطبوعہ مصر زیر آیت بالا)۔

یعنی خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے تمام انبیاء پر یہ بات واجب کر دی کہ وہ ہر اُس رسول پر ایمان لائیں جو اُن کی اپنی نبوت کا مصدِّق ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ عہد لیا گیا یا نہیں۔ قرآن مجید میں ہے :- وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِیّٖنَ مِیْثَاقَھُمْ وَمِنْکَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰھِیْمَ وَمُوْسٰی وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ (الاحزاب : ۸) کہ ہم نے جب نبیوں سے عہد لیا تو آپؐ سے بھی لیا اور حضرت نوح اور ابراہیم اور موسٰی اور عیسٰی بن مریم علیہم السلام سے بھی یہی عہد لیا۔

اگر آپؐ کے بعد نبوت بند تھی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ عہد نہیں لینا چاہیتے تھا مگر آپ سے بھی اس عہد کا لینا امکانِ نبوت کی دلیل ہے۔

امکانِ نبوت از رُوتے احادیث نبویؐ

پہلی حدیث: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْقُدُّوْسِ ابْنُ مُحَمَّدٍ۔ حَدَّثَنَا دَاؤُدُ ابْنُ شَبِیْبٍ الْبَاھِلِیُّ حَدَّثَنَا اِبْرَاھِیْمُ ابْنُ عُثْمَانَ حَدَّثَنَا الْحَکَمُ ابْنُ عُتَیْبَۃَ عَنْ مِقْسَمٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ لَمَّا مَاتَ اِبْرَاھِیْمُ ابْنُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ اِنَّ لَہٗ مُرْضِعًا فِی الْجَنَّۃِ وَلَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔

(ابن ماجہ جلد ا کتاب الجنائز باب مَا جَآءَ فِی الصَّلٰوۃِ عَلَی ابْنِ رَسُوْلِ اللّٰہِ ذِکْرُ وَفَاتِہٖ صفحہ ۲۳۷ مصری)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بیٹا ابراہیم فوت ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُس کی نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا کہ جنت میں اس کے لئے ایک انّا ہے۔ اور فرمایا کہ اگر یہ زندہ رہتا تو سچا نبی ہوتا۔

یہ واقعہ وفات ابراہیم ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۹ھ میں ہوا۔ اور آیت خاتم النّبیین ۵ھ میں نازل ہوتی۔ گویا آیت خاتم النّبیین کے نزول کے چار سال بعد حضورؐ فرماتے ہیں کہ اگر میرا بیٹا

ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوتا۔ گویا حضورؐ کے نزدیک اس کا نبی نہ بننا اُس کی موت کی وجہ سے ہے نہ کہ انقطاعِ نبوت کے باعث اگر آنحضرت اللہ علیہ وسلم "خَاتَمُ النَّبِيِّينَ" کا مطلب یہ سمجھتے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو آپؐ کو فرمانا چاہیئے تھا۔ لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَمَا كَانَ نَبِيًّا لِاَنِّيْ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ کہ اگر ابراہیم زندہ رہتا۔ تب بھی نبی نہ ہوتا۔ کیونکہ میں خاتم النبیین ہوں۔ جیسے کوئی آدمی کہے۔ کہ اگر میرا بیٹا زندہ رہتا تو بی۔ اے ہو جاتا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بی۔ اے کی ڈگری ہی بند ہے؟ نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ بی۔ اے کی ڈگری تو مل سکتی ہے لیکن اس کی موت اس کے حصول میں مانع ہوئی یہی مطلب اس حدیث کا ہے کہ نبوت تو مل سکتی ہے مگر ابراہیم کو چونکہ وہ فوت ہو گیا اس لئے اسے نہیں مل سکی۔

حدیث کی صحت کا ثبوت

۱۔ یہ حدیث "ابن ماجہ" میں ہے جو صحاح ستہ میں سے ہے۔

۲۔ اس حدیث کے متعلق شہاب علی البیضاوی میں لکھا ہے:۔ اَمَّا صِحَّةُ الْحَدِيْثِ فَلَا شُبْهَةَ فِيْهِ لِاَنَّهٗ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَغَيْرُهٗ كَمَا ذَكَرَهٗ اِبْنُ حَجَرٍ (الشہاب علی البیضاوی جلد ۷ صفحہ ۱) کہ اس حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ کیونکہ اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اور دوسروں نے بھی جیسا کہ حافظ ابن حجر نے ذکر کیا ہے۔

۳۔ ملا علی قاریؒ جیسا محدّث لکھتا ہے:۔
لَهٗ طُرُقٌ ثَلَاثٌ يُقَوِّيْ بَعْضُهَا بِبَعْضٍ (موضوعات کبیر صفحہ ۵۸) کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حدیث موضوع ہے مگر یہ موضوع نہیں کیونکہ یہ تین طریقوں سے مروی ہے اور اس کا ہر ایک طریقہ دوسرے طریقہ سے تقویت پکڑتا ہے انہوں نے اس کو اس قدر صحیح قرار دیا ہے کہ آیت خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ کی اس لئے تاویل کی ہے کہ وہ اس حدیث کے معارض نہ ہو چنانچہ فرماتے ہیں:۔
فَلَا يُنَاقِضُ قَوْلُهٗ تَعَالٰى خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ اِذِ الْمَعْنٰى اَنَّهٗ لَا يَأْتِيْ نَبِيٌّ بَعْدَهٗ يَنْسَخُ مِلَّتَهٗ وَلَمْ يَكُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ (موضوعات کبیر صفحہ ۵۹) کہ یہ حدیث خاتم النبیین کے مخالف نہیں ہے کیونکہ خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی ایسا نہیں آسکتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپؐ کی اُمت میں سے نہ ہو۔

۴۔ یہ حدیث جیسا کہ حضرت مُلا علی قاریؒ کی مندرجہ بالا تحریر سے ثابت ہے تین طریقوں سے مروی ہے یعنی صرف حضرت ابن عباسؓ ہی کی مندرجہ بالا روایت نہیں بلکہ حضرت ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت انسؓ اور حضرت جابرؓ سے بھی مروی ہے۔ حضرت حافظ ابن حجر العسقلانیؒ بحوالہ حضرت سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ والی روایت بھی صحیح ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔
وَبَيَّنَ الْحَافِظُ السُّيُوْطِيُّ اَنَّهٗ صَحَّ عَنْ اَنَسٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ اَنَّهٗ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ ابْنِهِ اِبْرَاهِيْمَ قَالَ لَا اَدْرِیْ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلٰی اِبْرَاهِيْمَ لَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا۔"

یعنی حضرت امام سیوطیؒ نے بیان کیا ہے کہ حضرت انسؓ سے صحیح روایت ہے کہ آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آنحضرت صلعم نے کسی کے سوال کے جواب میں یہ فرمایا تھا کہ (اگر وہ زندہ رہتا تو سچا نبی ہوتا) تو حضرت انسؓ نے فرمایا یہ تو مجھے یاد نہیں لیکن خدا کی رحمت ہو ابراہیم پر کہ اگر وہ زندہ رہتے تو یقیناً نبی ہوتے۔" (الفتاویٰ الحدیثیہ مصنفہ حضرت امام ابن حجر ہیثمیؒ صفحہ ۱۵۰ مطبوعہ مصر)۔

یہ روایت تیسرے طریقے سے حضرت جابرؓ سے مروی ہے جیسا کہ حضرت امام سیوطیؒ فرماتے ہیں:۔

"وَرَوَاهُ ابْنُ عَسَاكِرٍ عَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ"

(الفتاویٰ الحدیثیہ مصری صفحہ ۱۵۰)

پس یہ حدیث تین مختلف طریقوں سے اور تین مختلف صحابیوں سے مروی ہے۔ اس لئے اس کی صحت میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا۔

اسناد

اس حدیث کی اسناد میں چھ راوی ہیں:۔

۱۔ عبدالقدوس بن محمد۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر عسقلانی کی کتاب تہذیب التہذیب میں جو اسماء الرجال کی بہترین کتاب ہے لکھا ہے:۔

"قَالَ النَّسَائِیُّ ثِقَةٌ وَذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ"

(تہذیب التہذیب حرف عین جلد ۶ صفحہ ۳۷۰)

کہ نسائی نے کہا کہ یہ راوی ثقہ ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

۲۔ داؤد بن شبیب الباہلی:۔

قَالَ اَبُوْ حَاتِمٍ صَدُوْقٌ وَ ذَكَرَهُ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ (تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۱۸۸) کہ ابوحاتم نے کہا کہ سچا ہے اور ابن حبان نے اسے ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

۳۔ ابراہیم بن عثمان اس کے متعلق بعض لوگوں نے کہا کہ ضعیف ہے مگر اس کی کوئی وجہ نہیں بتائی یہ "واسط" کے شہر میں قاضی تھا اس کے متعلق بھی تہذیب التہذیب میں لکھا ہے:۔

قَالَ يَزِيْدُ ابْنُ هَارُوْنَ مَا قَضٰی عَلَى النَّاسِ رَجُلٌ يَعْنِیْ فِیْ زَمَانِهٖ اَعْدَلَ فِی الْقَضَاءِ مِنْهُ ..... قَالَ ابْنُ عَدِیٍّ لَهٗ اَحَادِيْثُ صَالِحَةٌ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنْ اِبْرَاهِيْمَ بْنِ اَبِیْ حَيَّةَ۔

(تہذیب التہذیب صفحہ ۱۴۵ و الکمال فی اسماء الرجال مصنفہ علامہ خزرجیؒ حاشیہ صفحہ ۲)

کہ یزید بن ہارون نے کہا ہے کہ اس کے زمانہ میں اس سے زیادہ عدل اور انصاف کے ساتھ کسی نے فیصلے نہیں کئے اور ابن عدی نے کہا ہے کہ اس کی حدیثیں سچی ہوتی ہیں۔ اور ابوحیہ سے اچھا راوی ہے

ابوحیہ کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھا ہے۔

قَالَ النَّسَائِیُ ثِقَة ...... وَوَثَّقَهُ الدَّارُقُطْنِیُ ..... اِبْنُ حِبَّانَ۔ (تہذیب التہذیب جلد ا ص۱۱۱) کہ دارقطنی ابن قانع اور ابن حبان نے اُسے ثقہ قرار دیا ہے اور نسائی نے کہا ثقہ ہے۔

ابراہیم بن عثمان جب ابوحیہ سے اچھا ہے اور ابوحیہ ثقہ ہے پس ثابت ہوا کہ ابراہیم بن عثمان اس سے بڑھ کر ثقہ ہے بھلا جو شخص اتنا عادل ہو کہ اس کے زمانہ میں اس کی نظیر نہ ملے اس کے متعلق بلاوجہ یہ کہدینا کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنایا کرتا تھا صریحاً ظلم ہے حقیقت یہ ہے کہ چونکہ وہ بڑا عادل اور با انصاف آدمی تھا۔ ناجائز طور پر کسی کی رعایت نہ کرتا تھا۔ بعض لوگوں نے کینہ کی وجہ سے اس کے متعلق یہ کہدیا کہ وہ بُرا ہے۔ پس جب تک کوئی معقول وجہ پیش نہ کی جائے اُس وقت تک اس کے مخالفین کی کوئی بات قابل سند نہیں۔

"عادل" تو کہتے ہی اس کو ہیں جو چیز کو اپنے محل پر رکھے۔ جب وہ "عادل" تھا تو وہ کس طرح جھوٹے اقوال آنحضرت صلعم کی طرف منسوب کرسکتا تھا۔ اور ہم اس کے متعلق تہذیب التہذیب ہی سے دکھا چکے ہیں کہ اِنَّہٗ اَحَادِیْثُہٗ صَالِحَۃٌ کہ اس کی احادیث قابل اعتبار ہیں علاوہ ازیں جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے کہ حدیث تین مختلف طریقوں اور تین مختلف صحابیوں سے مروی ہے۔ اس لئے اگر محض ایک طریق (الطریق حضرت ابن عباس) کے ایک راوی پر تم جرح بھی کرو پھر بھی حدیث کی صحت مشکوک نہیں ہوسکتی جیسا کہ حضرت ملا علی قاریؒ اور حضرت امام سیوطیؒ اور حضرت حافظ ابن حجرؒ کے اقوال سے اوپر ثابت کیا جاچکا ہے۔

بعض امثلہ تضعیف

کسی کے محض یہ کہدینے سے کہ فلاں راوی ضعیف ہے درحقیقت وہ راوی ناقابل اعتبار نہیں ہو جاتا۔ جب تک اس کی تضعیف کی کوئی معقول وجہ نہ ہو۔ کیونکہ اس امر میں اختلاف یسیر موجود ہے چنانچہ ۱۔ ابراہیم بن عبداللہ بن محمد کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھا ہے" زَعَمَ ابْنُ الْقَطَّانَ اِنَّہٗ ضَعِیْفٌ" کہ ابن قطان کے نزدیک ضعیف ہے اس کے آگے اسی صفحہ پر لکھا ہے:۔

۲۔ قَالَ الْخَلِیْلِیُّ کَانَ ثِقَۃً وَقَالَ مُسْلِمَۃُ بْنُ قَاسِمِ الْاَنْدُلِسِیُّ ثِقَۃٌ (تہذیب التہذیب جلد ا ص۱۳۶) کہ خلیلی نے کہا ہے کہ وہ ثقہ تھا اور مسلمہ بن قاسم اندلسی نے بھی اسے ثقہ قرار دیا ہے اسی طرح ابراہیم بن صالح بن درہم الباہلی ابومحمد البصری کے متعلق لکھا ہے:۔

۳۔ قَالَ الدَّارُقُطْنِیُّ ضَعِیْفٌ" کہ دارقطنی نے کہا کہ ضعیف ہے حالانکہ ذَکَرَہُ ابْنُ حِبَّانَ فِی الثِّقَاتِ (تہذیب التہذیب جلد ص۱۲۵ و ص۲۲۸) کہ ابن حبان نے اسے ثقہ قرار دیا ہے غرضیکہ بعض لوگوں کا ابراہیم بن عثمان کو محض ضعیف قرار دینا حجت نہیں۔ خصوصاً جبکہ ہم اس حدیث کی صحت کے متعلق "شہاب علی البیضاوی" اور "ملا علی قاری" جیسے محدث کی شہادت جو ناقابل تردید ہے پیش کرچکے ہیں۔

۴۔ اس حدیث کا چوتھا راوی اَلْحَکَمُ بْنُ عُتَیْبَۃَ ہے۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسِ الدَّوْرِیُّ کَانَ

صَاحِبَ عِبَادَةٍ وَّ فَضْلٍ وَقَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ مَاكَانَ بِالْكُوْفَةِ بَعْدَ اِبْرَاهِيْمَ وَالشَّعْبِيْ مِثْلُ الْحَكَمِ وَقَالَ ابْنُ مَهْدِيٍّ اَلْحَكَمُ بْنُ عُتَيْبَةَ ثِقَةٌ ثَبَتٌ (تہذیب التہذیب جلد ۲ صٓ ۴۳۳) کہ ابن عباس الدوری نے کہا کہ یہ راوی صاحب عبادت وفضیلت تھا اور ابراہیم وشعبی کو چھوڑ کر ایسا عبادت گذار اور صاحب فضیلت آدمی کوفہ میں نہ تھا۔ اور ابن مہدی نے کہا کہ یہ راوی ثقہ اور قابل اعتبار ہے۔

۵۔ مِقْسَمْ وَقَالَ ابْنُ شَاهِيْنَ فِي الثِّقَاتِ قَالَ اَحْمَدُ ابْنُ صَالِحِ الْمِصْرِيُ ثِقَةٌ ثَبَتٌ لَاشَكَّ فِيْهِ۔ ابن شاہین اور احمد بن صالح نے اسے ثقہ اور قابل اعتبار بتایا ہے۔

(تہذیب التہذیب حرف میم جلد ۱۰ صٓ ۲۸۹)

۶۔ عبداللہ بن عباسؓ:۔ ملا علی قاری کہتے ہیں:۔ حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ صَحِيْحٌ لَايُنْكِرُهُ اِلَّا مُعْتَزِلِيٌّ (موضات کبیر صٓ ۳۹) کہ ابن عباس کی روایت کا سوائے معتزلی کے سوا اور کوئی انکار نہیں کرتا۔ آپ آنحضرت صلعم کے چچا زاد بھائی تھے۔ شَاهَدَ جِبْرِيْلَ مَرَّتَيْنِ (اَلْاِكْمَالُ فِي اَسْمَاءِ الرِّجَالِ اردو ترجمہ صٓ ۶) کہ آپ نے دو مرتبہ جبرائیلؑ کی زیارت کی۔ یہ تو ہوئی اس حدیث کی صحت جو حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے (تہذیب التہذیب جلد ۵ صٓ ۲۷۹ حرف عین۔ عبداللہ بن عباس)۔

دوسری حدیث:۔ علامہ قسطلانی نے حضرت انس بن مالک سے ایک روایت نقل کی ہے وَقَدْ رُوِيَ مِنْ حَدِيْثِ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ قَالَ لَوْبَقِيَ يَعْنِيْ اِبْرَاهِيْمَ ابْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ لَكَانَ نَبِيًّا وَلٰكِنْ لَمْ يَبْقَ لِاَنَّ نَبِيَّكُمْ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ۔

(مواہب اللدنیہ جلد ۱ صفحہ ۲۰۰)

کہ حضرت انس بن مالک سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ اگر وہ (ابراہیمؑ) باقی رہتا تو نبی ہو جاتا۔ اس کے آگے (ناقل) اپنی رائے لکھتا ہے کہ مگر وہ زندہ نہ رہا۔ کیونکہ ہمارے نبی صلعم آخری نبی ہیں راوی کا اپنا اجتہاد حجت نہیں اور وہ کس قدر غلط ہے۔ اس کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں گویا خدا کو ڈر تھا کہ اگر ابراہیم زندہ رہا تو خواہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی ہوتا ہو یا نہ وہ ضرور نعوذ باللہ جبراً نبی بن جائیگا۔ اس لیے اسے بچپن میں مار دیا۔

نوٹ ۱:۔ مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے لکھا ہے کہ امام نووی اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں بلکہ اس کو رسول اللہ صلعم پر بہتانِ عظیم قرار دیتے ہیں؟

(محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۳۵۵ ایڈیشن یکم مارچ ۱۹۳۵ء)

جواب:۔ حدیث نبویؐ کے مقابلہ میں امام نووی کی رائے کیا حیثیت رکھتی ہے۔ پھر یہ کہ نووی نے سب سے بڑا اعتراض یہ کیا ہے کہ "مجھے سمجھ نہیں آتی کہ اس حدیث کے معنی کیا ہیں۔ اولادِ نوح نبی نہ تھے" اس کا جواب ایک تو ملا علی قاریؒ نے دیا ہے جو نقل ہو چکا۔ دوسرا جواب علامہ شوکانیؒ نے درج کیا ہے وہ یہ ہے:۔

"وَهُوَ عَجِيْبٌ مِنَ النَّوَوِيِّ مَعَ وُرُوْدِهٖ عَنْ ثَلَاثَةٍ مِنَ الصَّحَابَةِ وَكَأَنَّهٗ لَمْ يَظْهَرْ لَهٗ تَاوِيْلُهٗ" (فوائد المجموعہ ص۱۳۵)

کہ نووی کا یہ اعتراض تعجب خیز ہے حالانکہ اس حدیث کو تین صحابیوں نے بیان کیا ہے معلوم یہ ہوتا ہے کہ نووی کو اس حدیث کے اصل معنی سمجھ نہیں آتے۔"

نوٹ ۲:۔ یہ کہنا کہ "لو" محال کے لیے آتا ہے صریحاً دھوکا ہے کیونکہ "لو" جس جملہ میں آتے اس کی شرط تو محال ہوتی ہے مگر جزا ممکن ہوتی ہے جیسا کہ:۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (الانبیاء:۲۳) اگر خدا کے سوا اور بھی خدا ہوتے تو دونو (زمین و آسمان) خراب ہو جاتے۔ اب خدا کے سوا اور خدا کا ہونا تو ممکن نہیں۔ مگر زمین میں فساد کا ہونا ممکن ہے اسی طرح لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ والی حدیث میں ابراہیم کا زندہ رہنا محال ہے مگر اس کا نبی بننا ممکن۔

تیسری حدیث:۔ وَرَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِسَنَدِهٖ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّهٗ لَمَّا مَاتَ اِبْرَاهِيْمُ ابْنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لَهٗ مُرْضِعًا فِي الْجَنَّةِ تُتِمُّ رَضَاعَهٗ وَلَوْ عَاشَ لَكَانَ صِدِّيْقًا نَبِيًّا" (تاریخ ابن عساکر جلد ۱ ص۲۹۵ سطر ۴)

چوتھی حدیث: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ مَرْفُوْعًا لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِيْمُ لَكَانَ نَبِيًّا۔ (ابن عساکر جلد ۱ ص۲۹۴) نیز الفتاوی الحدیثیہ مصنفہ امام ابن حجر الہیثمی ص۱۵۰ مطبوعہ مصر)۔

پانچویں حدیث:۔ فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللّٰهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ (مسلم جلد ۲ ص۴۰۱، ص۴۰۲ مصری باب صفت الدجال) آنے والے مسیح کو نبی اللہ قرار دیا ہے، پہلا مسیح فوت ہو چکا اور اس کا حلیہ آنے والے مسیح کے حلیے سے مختلف ہے لہٰذا یہ آنے والا بخاری کی حدیث اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ (بخاری باب نزول عیسیٰ ابن مریم) اسی اُمت میں سے نبی ہونا تھا۔

چھٹی حدیث:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَبُوْ بَكْرٍ اَفْضَلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ نَبِيٌّ (کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق ص۴) کہ ابوبکرؓ اس اُمت میں سب سے افضل ہے سوائے اس کے کہ اُمت میں سے کوئی نبی ہو۔ یعنی اگر نبی ہو تو حضرت ابوبکرؓ اس سے افضل نہیں لہٰذا امکانِ نبوت فی خیر الامت ثابت ہے (نیز دیکھو جامع الصغیر السیوطی مصری حاشیہ ص۶)

ساتویں حدیث:۔ "اَبُوْ بَكْرٍ خَيْرُ النَّاسِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ نَبِيٌّ" (طبرانی و ابن عدی فی الکامل بحوالہ جامع الصغیر السیوطی ص۵) کہ ابوبکرؓ سب انسانوں سے بہتر ہیں۔ ہاں اگر کوئی نبی انسانوں میں سے ہو تو اس سے بہتر نہیں۔ (نیز کنز العمال جلد ۶ ص۱۳۷ عن سلمہ بن الاکوع)

اگر انسانوں میں سے کوئی نبی ہونا ہی نہ تھا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استثناء فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ نَبِيٌّ کے الفاظ صاف طور پر بتاتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے بعد نبی کی آمد کا امکان ہے۔

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ "نَبِيٌّ" حدیث مذکورہ بالا میں كَانَ يَكُوْنُ کی خبر واقع نہیں ہوا کہ یہ خیال کیا جا سکے کہ حضرت ابوبکرؓ کی نبوت کی نفی مقصود ہے اگر "كَانَ" کی خبر ہوتا تو "نَبِيٌّ" کی بجائے نَبِيًّا

ہونا چاہیئے تھا پس چھٹی اور ساتویں حدیث کا ترجمہ سوائے اس کے جو ہم نے بیان کیا قواعد عربیہ کے لحاظ سے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔

آٹھویں حدیث: "تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَاءَ اللّٰهُ۔۔۔۔ ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ مَا شَاءَ اللّٰهُ۔۔۔۔ ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًا فَتَكُوْنُ مَا شَاءَ اللّٰهُ۔۔۔ ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ" (رواہ احمد والبیہقی فی دلائل النبوۃ، مشکوٰۃ کتاب الرقاق۔ باب الانذار والتحذیر ص۴۶۱ مطبع اصح المطابع نیز محمدیہ پاکٹ بک ص۴۱۵) ترجمہ:۔ تم میں نبوت رہے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ پھر اس کے بعد منہاج نبوت پر خلافت ہوگی اور وہ رہے گی جب تک کہ اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر اس کے بعد بادشاہت شروع ہوگی اور وہ بھی رہے گی جبتک اللہ تعالیٰ نے چاہے گا۔ پھر اس کے بعد خلافت ہوگی منہاج نبوت پر۔

اس حدیث میں یہ بتایا گیا ہے کہ آخری زمانہ میں دوبارہ منہاج نبوت پر خلافت ہوگی جس طرح ابتدائے اسلام میں منہاج نبوت پر خلافت قائم ہوئی تھی۔ ظاہر ہے کہ منہاج نبوت پر خلافت نبی کریم صلعم کی وفات کے بعد ہی ہوئی تھی تو لازم آیا کہ آخری زمانہ میں بھی نبی ہو جس کی وفات پر دوبارہ خلافت شروع ہو۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مندرجہ بالا حدیث مندرجہ مشکوٰۃ کتاب الرقاق ص۴۶۱ مطبع اصح المطابع میں بین السطور لکھا ہے:۔ "اَلظَّاهِرُ اَنَّ الْمُرَادَ بِهٖ زَمَنُ عِيْسٰى وَ الْمَهْدِيْ"۔ کہ ظاہر ہے کہ منہاج نبوت پر دوبارہ خلافت قائم ہونے کا زمانہ مسیح موعود اور مہدی کا زمانہ ہوگا۔

دلائلِ امکانِ نبوت از اقوالِ بزرگان

۱۔ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔

(۱) اِنَّ النُّبُوَّةَ الَّتِيْ انْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلْعَمْ اِنَّمَا هِيَ النُّبُوَّةُ التَّشْرِيْعُ لَا مَقَامُهَا فَلَا شَرْعَ يَكُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِهٖ صَلْعَمْ وَلَا يَزِيْدُ فِيْ شَرْعِهٖ حُكْمًا اٰخَرَ وَ هٰذَا مَعْنٰى قَوْلِهٖ صَلْعَمْ اِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ اَيْ لَا نَبِيَّ يَكُوْنُ عَلٰى شَرْعٍ يُخَالِفُ شَرْعِيْ بَلْ اِذَا كَانَ يَكُوْنُ تَحْتَ حُكْمِ شَرِيْعَتِيْ وَلَا رَسُوْلَ اَيْ لَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ اِلٰى اَحَدٍ مِنْ خَلْقِ اللّٰهِ بِشَرْعٍ يَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ فَهٰذَا هُوَ الَّذِيْ انْقَطَعَ وَ سُدَّ بَابُهٗ لَا مَقَامُ النُّبُوَّةِ۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ ص۳)

کہ وہ نبوت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود پر ختم ہوئی۔ وہ صرف تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقام نبوت پس آنحضرت صلعم کی شریعت کو منسوخ کرنے والی کوئی شریعت نہیں آسکتی اور نہ اس میں کوئی حکم بڑھا سکتی ہے اور یہی معنی ہیں کہ آنحضرت صلعم کے اس قول کے کہ رسالت اور نبوت منقطع ہوگئی اور لَا رَسُوْلَ بَعْدِيْ وَلَا نَبِيَّ" یعنی میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو میری شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر ہو ہاں اس

صورت میں نبی آسکتا ہے کہ وہ میری شریعت کے حکم کے ماتحت آئے اور میرے بعد کوئی رسول نہیں یعنی میرے بعد دُنیا کے کسی انسان کی طرف کوئی ایسا رسول نہیں آسکتا جو شریعت لیکر آوے اور لوگوں کو اپنی شریعت کی طرف بلانے والا ہو پس یہ وہ قسم نبوت ہے جو بند ہوئی اور اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ ورنہ مقام نبوت بند نہیں۔

(ب) فَمَا ارْتَفَعَتِ النُّبُوَّةُ بِالْكُلِّيَّةِ لِهٰذَا قُلْنَا اِنَّمَا ارْتَفَعَتْ نُبُوَّةُ التَّشْرِيْعِ فَهٰذَا مَعْنٰى لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ فَعَلِمْنَا اَنَّ قَوْلَهٗ لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ اَیْ لَا مُشَرِّعَ خَاصَّةً لِاَنَّهٗ لَا يَكُوْنُ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ هٰذَا مِثْلُ قَوْلِهٖ اِذَا هَلَكَ كِسْرٰی فَلَا كِسْرٰی بَعْدَهٗ وَاِذَا هَلَكَ قَيْصَرُ فَلَا قَيْصَرَ بَعْدَهٗ۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ باب ۷۳ سوال ۱۵)

کہ نبوت کلی طور پر اُٹھ نہیں گئی۔ اسی وجہ سے ہم نے کہا تھا کہ صرف تشریعی نبوت بند ہوئی ہے یہی معنی ہیں لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ کے۔ پس ہم نے جان لیا کہ آنحضرت صلعم کا لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ فرمانا انہی معنوں سے ہے کہ خاص طور پر میرے بعد کوئی شریعت لانے والا نہ ہوگا۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے بعد اور کوئی نبی نہیں یہ بعینہٖ اسی طرح ہے جس طرح آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب یہ قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد قیصر نہ ہوگا اور جب یہ کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا۔

(ج) "فَاِنَّ الرِّسَالَةَ وَالنُّبُوَّةَ بِالتَّشْرِيْعِ قَدْ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدَهٗ صلعم وَلَا نَبِيَّ اَيْ لَا مُشَرِّعَ وَلَا شَرِيْعَةَ وَقَدْ عَلِمْنَا اَنَّ عِيْسٰى يَنْزِلُ وَلَا بُدَّ مَعَ كَوْنِهٖ رَسُوْلًا وَلٰكِنْ لَا يَقُوْلُ بِشَرْعٍ بَلْ يَحْكُمُ فِيْنَا بِشَرْعِنَا فَعَلِمْنَا اَنَّهٗ اَرَادَ اِنْقِطَاعَ الرِّسَالَةِ وَالنُّبُوَّةِ بِقَوْلِهٖ لَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِيَّ اَیْ لَا مُشَرِّعَ وَلَا شَرِيْعَةَ۔"

(فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳ سوال نمبر ۸۸)

۲۔ حضرت امام شعرانی فرماتے ہیں:۔

(ا) "وَقَوْلُهٗ صلعم لَا نَبِيَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ الْمُرَادُ بِهٖ لَا مُشَرِّعَ بَعْدِیْ۔" (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۴۲) کہ آنحضرت صلعم کا یہ قول کہ میرے بعد نبی نہیں اور نہ رسول اس سے مراد یہ ہے کہ میرے بعد کوئی شریعت لانے والا نبی نہیں۔

(ب) فَاِنَّ النُّبُوَّةَ سَارِيَةٌ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ فِی الْخَلْقِ وَاِنْ كَانَ التَّشْرِيْعُ قَدْ انْقَطَعَ فَالتَّشْرِيْعُ جُزْءٌ مِنْ اَجْزَاءِ النُّبُوَّةِ۔

(فتوحات مکیہ جلد ۲ باب ۷۳ سوال نمبر ۸۲ صفحہ ۱۰۰ مصر)

کہ نبوت قیامت کے دن تک مخلوقات میں جاری ہے لیکن جو تشریعی نبوت ہے وہ بند ہو گئی ہے۔ تشریعی نبوت۔ نبوت کا ایک جزو ہے۔

(ج) وَاَمَّا النُّبُوَّةُ التَّشْرِيْعُ وَالرِّسَالَةُ فَمُنْقَطِعَةٌ فِیْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فَلَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ مُشَرِّعًا ... اِلَّا اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى لَطَفَ بِعِبَادِهٖ وَاَبْقٰى

لَهُمُ النُّبُوَّةَ الْعَامَةَ الَّتِیْ لَا تَشْرِیْعَ فِیْهَا (فصوص الحکم فص حِکْمَةٍ قَدْرِیَّةٍ فِیْ کَلِمَةٍ عُزَیْرِیَّةٍ) کہ جو نبوت اور رسالت شریعت والی ہوتی ہے۔پس وہ تو آنحضرت صلعم پر ختم ہوگئی ہے پس آپؐ کے بعد شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔۔۔۔ ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مہربانی کرکے ان میں عام نبوت جس میں شریعت نہ ہو باقی رہنے دی۔

۳۔ عارف ربانی سید عبدالکریم جیلانی ابن ابراہیم جیلانی فرماتے ہیں:۔

فَانْقَطَعَ حُکْمُ النُّبُوَّةِ التَّشْرِیْعِ بَعْدَهٗ وَکَانَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ (الانسان الکامل باب ۳۶ ترجمہ اُردو خزینہ التصوف ص۶۶) کہ تشریعی نبوت کا حکم آنحضرت صلعم کے بعد ختم ہوگیا۔پس اس وجہ سے آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہوتے۔

۴۔ حضرت ملّا علی قاری فرماتے ہیں:۔

قُلْتُ وَمَعَ هٰذَا لَوْ عَاشَ اِبْرَاهِیْمُ وَصَارَ نَبِیًّا وَکَذَا لَوْ صَارَ عُمَرُ نَبِیًّا لَکَانَا مِنْ اَتْبَاعِهٖ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔۔۔۔ فَلَا یُنَاقِضُ قَوْلَهٗ تَعَالٰی خَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ اِذِ الْمَعْنٰی اَنَّهٗ لَا یَاْتِیْ نَبِیٌّ بَعْدَهٗ یَنْسَخُ مِلَّتَهٗ وَلَمْ یَکُنْ مِنْ اُمَّتِهٖ۔

(موضوعات کبیر صفحہ ۵۸ و ۵۹)

مَیں کہتا ہوں کہ اس کے ساتھ آنحضرت صلعم کا فرمانا کہ اگر میرا بیٹا ابراہیم زندہ رہتا تو نبی ہوجاتا اور اسی طرح اگر عمرؓ نبی ہوجاتا تو آنحضرت کے متبعین میں سے ہوتے۔پس یہ قول خاتم النبیین کے مخالف نہیں ہے۔کیونکہ خاتم النبیین کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا۔جو آنحضرت صلعم کی شریعت کو منسوخ کرے اور آپؐ کی اُمّت سے نہ ہو۔

۵۔ حضرت سید ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں:۔

خُتِمَ بِهِ النَّبِیُّوْنَ اَیْ لَا یُوْجَدُ مَنْ یَّاْمُرُهُ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ بِالتَّشْرِیْعِ عَلَی النَّاسِ۔ (تفہیمات الٰہیہ تفہیم ص۵۳)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نبی ختم ہوگئے۔یعنی آپؐ کے بعد کوئی ایسا شخص نہیں ہوسکتا جس کو خدا تعالیٰ شریعت دے کر لوگوں کی طرف مامور کرے۔

۶۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں:۔

"علمائے اہلسنت بھی اس امر کی تصدیق کرتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کے عصر میں کوئی نبی صاحب شرع جدیدہ نہیں ہوسکتا اور نبوت آپ کی تمام مکلفین کو شامل ہے اور جو نبی آپ کے ہمعصر ہوگا پس بہر تقدیر بعثت محمدیہ عام ہے۔" (دافع الوسواس فی اثر ابن عباس ص۳)

۷۔ جناب مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند "تحذیر الناس" میں فرماتے ہیں:۔

(۱) "سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپؐ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپؐ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم و تاخر زمانی میں بالذات کچھ

فضیلت نہیں پھر مقام مدح میں وَلٰکِن رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖن فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے۔(ص۳)
(ب) اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدیؐ میں کچھ فرق نہ آئیگا۔(ص۲۵)

۸۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔"قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَآءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ"
(درمنثور جلد ۵ ص۲۰۴ وتکملہ مجمع البحار جلد ۴ ص۸۵)

"کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں مگر یہ کبھی نہ کہنا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔"

حضرت امام ابن حجر الہیثمی حدیث" لو عاش ابراہیم لکان صدیقاً نبیاً " کی مفصل بحث میں اس حدیث کو صحیح ثابت کر کے لکھتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ حضرت ابراہیم نبی تھے چنانچہ وہ حضرت علیؓ کی روایت بدیں الفاظ نقل کرتے ہیں :۔

" وَاَدْخَلَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدَہٗ فِیْ قَبْرِہٖ فَقَالَ اَمَا وَاللّٰہِ اِنَّہٗ لَنَبِیٌّ اِبْنُ نَبِیٍّ وَبَکٰی وَبَکَی الْمُسْلِمُوْنَ حَوْلَہٗ " (الفتاوی الحدیثیۃ مصری ص۱۵۰)

"کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیمؑ کی تدفین کے وقت اُن کی قبر میں ہاتھ ڈالا اور فرمایا خدا کی قسم! وہ نبی ہے اور نبی کا بیٹا بھی ہے پس آپ بھی چشم پُرآب ہوگئے اور دوسرے مسلمان بھی حضور کے اردگرد رو پڑے"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بیٹے ابراہیمؑ کا جنازہ پڑھائے بغیر اس کو دفن فرمایا تھا۔
حضرت شیخ الاسلام علامہ ابن حجر العسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا مندرجہ ذیل قول حضرت امام ابن حجر ہیثمی نقل کرتے ہیں :۔

" اِنَّہٗ لَا یُصَلِّیْ نَبِیٌّ عَلٰی نَبِیٍّ وَقَدْ جَاءَ لَوْ عَاشَ لَکَانَ نَبِیًّا " (الفتاوی الحدیثیۃ ص۱۵۰)
یعنی علامہ زرکشی فرماتے ہیں کہ "نبی ۔ نبی کا جنازہ نہیں پڑھایا کرتے اور حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ اگر وہ زندہ رہتا تو ضرور نبی ہوتا"۔ اس کے بعد امام ابن حجر الہیثمی لکھتے ہیں :۔

" وَلَا بُعْدَ فِیْ اِثْبَاتِ النُّبُوَّۃِ لَہٗ مَعَ صِغَرِہٖ لِاَنَّہٗ کَعِیْسَی الْقَائِلِ یَوْمَ وُلِدَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَکَیَحْیَی الَّذِیْ قَالَ تَعَالٰی فِیْہِ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا " (الفتاوی الحدیثیۃ ص۱۵۰) کہ صاحبزادہ حضرت ابراہیمؑ کا بچپن کی عمر ہی میں نبی ہونا بعید از قیاس نہیں۔ کیونکہ وہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرح تھے۔ جنہوں نے اپنی پیدائش ہی کے دن کہا تھا کہ میں نبی ہوں اور نیز آپ حضرت یحییٰؑ کی طرح ہیں جن کی نسبت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو بچپن ہی کی عمر میں حکمت عطا فرمائی۔" پھر فرماتے ہیں :۔

وَبِہٖ یُعْلَمُ تَحْقِیْقُ نُبُوَّۃِ سَیِّدِنَا اِبْرَاھِیْمَ فِیْ حَالِ صِغَرِہٖ " (الفتاوی الحدیثیۃ ص۱۵۰)
کہ ان دلائل سے یہ بات پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی کہ حضرت صاحبزادہ ابراہیم بچپن کی عمر میں ہی نبی تھے۔
(صفحہ ۲۹۳)

گویا حضرت امام ابن حجر الہیثمی امام شیخ بدرالدین الزرکشی اور حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن حجر العسقلانی

کے مندرجہ بالا اقوال وتحریرات سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ ابن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کم از کم حضرت امام ابن حجر الہیثمی کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ آیت خاتم النبیین کے نزول کے بعد پیدا ہونے کے باوجود نبی تھے۔

مسیح موعود بعد نزول نبی اللہ ہوگا

۹۔ مَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهٖ كَفَرَ حَقًّا (حج الکرامہ ص۴۳۱) کہ امام جلال الدین صاحب سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بعد نزول نبی نہ ہونگے وہ پکا کافر ہے۔

پھر لکھا ہے" فَهُوَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ اِنْ كَانَ خَلِيْفَةً فِي الْاُمَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ فَهُوَ رَسُوْلٌ وَ نَبِيٌّ كَرِيْمٌ عَلٰى حَالِهٖ"(حج الکرامہ ص۴۲۶) کہ وہ باوجود اس بات کے کہ وہ اُمتِ محمدیہ کے ایک خلیفہ ہوں گے پھر بھی بدستور رسول اور نبی رہیں گے۔

پس یہ کہنا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بعد از نزول نبی نہ ہوں گے باطل ہے۔

۱۰۔ نواب نور الحسن خان ابن نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں۔

"حدیث لَا وَحْيَ بَعْدَ مَوْتِيْ بے اصل ہے لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ آیا ہے اس کے معنی نزدیک اہلِ علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرعِ ناسخ ۔ لاوے گا" (اقتراب الساعۃ ص۱۶۲ مطبوعہ ۱۳۲۲ھ)

مولانا روم اور ختمِ نبوت

مثنوی مولانا روم کے متعلق مولانا جامی کہتے ہیں کہ ؎

مثنوئ مولوئ معنوی — ہست قرآں در زبانِ پہلوی

{ ۱۔ "نفحات الانس" از عبدالرحمٰن بن احمد الجامی در ذکر الشیخ مولانا جلال الدین رومی۔ ۲۔ "الہام منظوم" دفتر اول ترجمہ مثنوی مولانا روم از شیخ عاشق حسین سیماب صدیقی الوارثی اکبر آبادی شائع کردہ فیروز دین، مقدمہ ص ۳ }

۱۔ مثنوئ مولانا روم کے مندرجہ ذیل اشعار مسئلہ ختم نبوت کی حقیقت واضح کرتے ہیں:۔

(ا) مَعْنِیْ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ ۔ ایں شناس ایں است راہرو را مہم کہ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ" کے معنی سمجھنے کی کوشش کرو کیونکہ یہ رسالت کے راستہ میں ایک مشکل ہے۔

(ب) تا ز راہِ خاتمِ پیغمبراں — بُو کہ برخیزد ز لب ختمِ گراں

یعنی تاکہ ممکن ہے کہ لب ہلانے سے خاتم النبیین کے راستے سے ایک بھاری ختم اُٹھ جاتے۔

(ج) ختمہائے کانبیاء بگذاشتند — آں بدینِ احمدی برداشتند

وہ بہت سے ختم جو پہلے نبی چھوڑ گئے تھے وہ سب دین احمدی میں اُٹھا دیئے گئے۔

(د) قفلہائے ناکشودہ ماندہ بود — از کفِ اِنَّا فَتَحْنَا برکشود

یعنی بہت سے تالے بند پڑے ہوتے تھے مگر آنحضرت صلعم نے اِنَّا فَتَحْنَا کے ہاتھ سے سب کھول دیئے۔

(ہ) او شفیع است ایں جہان وآں جہاں — ایں جہاں در دین وآنجا در جناں

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہانوں میں شفیع ہیں اس جہان میں دین کے اور اگلے جہان میں جنت کے۔

(و) پیشہ اش اندر ظہور و در مکون　　اِهْدِ قَوْمِيْ اِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ

ظاہر و باطن میں آنحضرت صلعم کا وظیفہ یہی تھا کہ اے خدا میری قوم کو ہدایت دے کہ انہیں علم نہیں ہے

(ز) باز گشتہ از دم اُو ہر دُو باب　　در دُو عالم دعوتِ اُو مستجاب

آپؐ کے دم سے دونوں دروازے کُھل گئے اور دونوں جہان میں آپؐ کی دُعا مستجاب ہوتی۔

(ح) بہر ایں خاتم شد است اُو کہ بجُود　　مثل اُو نے بود نے خواہند بود

آپؐ ان معنوں میں "خاتم" ہیں کہ بخشش میں نہ آپؐ کے برابر کوئی ہوا اور نہ ہوگا۔

(ط) چونکہ در صنعت برَد اُستاد دست　　نے تو گوئی ختم صنعت بر تو ہست

جس طرح جب کوئی اُستاد صنعت میں سبقت لے جاتا ہے تو کیا تم یہ نہیں کہتے کہ اے اُستاد! تجھ پر کارگیری ختم ہے؟

(ی) در کشادِ ختمہا۔ تُو خاتمی　　در جہان رُوح بخشاں حاتمی

اے نبی صلعم! تُو ہر قسم کے "ختموں" کو کھولنے کی وجہ سے "خاتم" (یعنی افضل) ہے اور رُوح پھونکنے والوں میں تو حاتم کی طرح ہے۔

(ک) ہست اِشارات محمدؐ المراد　　کُل کشاد۔ اندر کشاد۔ اندر کشاد

الغرض محمدؐ رسول اللہ صلعم کی تعلیم یہ ہے کہ سب رستے کُھلے ہی کُھلے ہیں کوئی بھی بند نہیں ہے۔

(ل) صد ہزاراں آفریں بر جانِ او　　بر قدوم و دَورِ فرزندانِ اُو

آنحضرت صلعم اور آپؐ کے فرزندوں کی تشریف آوری اور ان کے دَور پر لاکھوں آفریں۔

(م) آں خلیفہ زادگانِ مقبلش　　زادہ اند از عنصر جان و دلش

وہ اس کے اقبال مند جانشین اُس کے عنصر جان و دل سے پیدا ہوتے ہیں۔

(ن) گر ز بغداد و ہری و از رے اند　　بے مزاجِ آب و گِل نسلِ وے اند

وہ خواہ بغداد یا ہری یا رَے کے رہنے والے ہوں۔ مٹی اور پانی کے اثر سے بے نیاز ہو کر وہ حضورؐ ہی کی نسل سے ہیں۔

(س) شاخِ گُل ہر جا کہ روید ہم گُل است　　خُمِ مُل ہر جا کہ جوشد ہم مُل است

گلاب کی شاخ جہاں بھی اُگے وہ گلاب ہی ہے اور شراب کا مٹکا جہاں بھی جوش مارے وہ مٹکا ہی ہے۔

(ع) گر ز مغرب بر زند خورشید سر　　عین خورشید است نے چیزے دگر

اگر آفتاب مغرب سے نکلے تو بھی وہ آفتاب ہی ہے۔

(مثنوی مولانا رُوم دفتر ششم ص۸ مطبع نولکشور ۱۹۱۶ء)

ہ ہ ہ

ایک عذر اور اس کا جواب

بعض غیر احمدی مولوی نزول عیسیٰؑ والے اعتراض کے جواب میں یہ کہدیا کرتے ہیں کہ "خاتم النبیین" کا مطلب یہ ہے کہ کوئی نبی "پیدا" نہیں ہوگا۔

جواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ عذر تمہارے دماغ کی لایعنی اختراع ہے "خاتم النبیین" کا اگر وہی ترجمہ تسلیم کر لیا جائے جو تم کیا کرتے ہو۔ یعنی ختم کرنے والا۔ تو پھر بھی اس میں وہ کونسا لفظ ہے۔ جس کا ترجمہ تم "پیدا نہ ہوگا" کرتے ہو؟ اگر تمہارے لئے ناجائز طور پر تاویلیں کرنے کی گنجائش ہے تو ہمارے لئے قرآن و حدیث و اقوالِ آئمہ کی روشنی میں صحیح معنی کرنے کی کیوں گنجائش نہیں؟

(نیز موضوعات کبیر ملا علی قاریؒ ص۵۹ و تحذیر الناس ص۲۸ کے حوالے دیکھو برصفحہ ۲۷۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ختم کیا؟

پھر سوال یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ختم کیا کیا؟ آپ سے پہلے۔ آدمؑ۔ نوحؑ۔ ابراہیمؑ۔ لوطؑ اسمٰعیلؑ۔ اسحٰقؑ۔ یعقوبؑ۔ موسٰیؑ وغیرہم انبیاء علیہم السلام تو سب کے سب پہلے ہی فوت ہو چکے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا کیا ختم کیا۔ البتہ ایک نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایسے تھے جو بقولِ شما ابھی ختم نہ ہوتے تھے۔ سو وہ اب بھی ختم نہیں ہوتے بلکہ تمہارے خیال میں ابھی انہوں نے قیامت سے قبل آنا ہے۔ تو پھر تم ہی بتاؤ کہ تمہارے عقیدۂ ختم نبوت کی حقیقت کیا رہ گئی؟

تردید دلائل انقطاع نبوت از روئے قرآنِ مجید

پہلی آیت: مَا کَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ وَخَاتَمَ النَّبِیّٖنَ۔ (الاحزاب: ۴۱)

الجواب:۔ ۱۔ خَاتَمْ (تاء کی زبر کے ساتھ) کے معنی "ختم کرنیوالا" نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہ اسم فاعل نہیں بلکہ اسم آلہ ہے جس طرح "عَالَم" مَا یُعْلَمُ بِہٖ یعنی جس سے علم حاصل ہو، یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی معلوم ہو چونکہ دُنیا سے خدا کی ہستی معلوم ہوتی ہے اس لیے اسے عَالَمْ کہتے ہیں۔ اسی طرح "خَاتَمْ" ہے جس کے معنی یُخْتَمُ بِہٖ ہونگے۔ یعنی جس سے مُہر لگائی جائے۔

پس خَاتَمْ کا ترجمہ ختم کرنے والا نہیں ہو سکتا۔ اسم فاعل میں عین کلمہ مکسور ہوتا ہے۔ جیسے قاتِل ناصِر۔ فاعِل وغیرہ مگر خَاتَمْ میں عین کلمہ یعنی تاء مکسور نہیں بلکہ مفتوح ہے۔

۲۔ عربی زبان میں "خَاتَمْ" بفتحہ تاء جب کسی جمع کے صیغہ کی طرف مضاف ہو مثلاً خَاتَمُ الشُّعَرَاءِ خَاتَمُ الْفُقَہَاءِ۔ خَاتَمُ الْاَکَابِرِ۔ خَاتَمُ الْمُحَدِّثِیْنَ۔ خَاتَمُ الْاَوْلِیَاءِ۔ خَاتَمُ الْمُہَاجِرِیْنَ وغیرہ ہو۔ تو اس کے معنے ہمیشہ بعد میں آنے والوں سے "افضل" کے ہوتے ہیں ہمارا غیر احمدی

علماء کو چیلنج ہے کہ وہ عربی زبان کا کوئی مستعمل محاورہ پیش کریں جس میں "خاتم" کسی جمع کے صیغے کی طرف مضاف ہوا ہو اور پھر اس کے معنے بند کرنے والے کے ہوں کسی لغات کی کتاب لسان العرب۔ تاج العروس وغیرہ کا حوالہ دے دینا کافی نہ ہوگا جب تک اہلِ زبان میں اُس محاورہ کا استعمال نہ دکھایا جاوے لغت کی کتابیں لکھنے والے انفرادی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کی کتابوں میں اُن کے اپنے عقائد کا داخل ہو جانا یقینی ہوتا ہے۔ مثلاً "المنجد اور الفرائد الدریہ" دونوں عربی کی لغات ہیں جن کے مؤلف عیسائی ہیں اور انہوں نے "ثالوث" کا ترجمہ "تثلیث مقدس" The Holy Trinity کیا ہے۔ اب "مقدس" کسی لفظ کا ترجمہ نہیں بلکہ مؤلف کا اپنا اعتقاد ہے بعینہٖ اسی طرح ایک لغت لکھنے والا اگر اس عقیدہ کا حامی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت بند ہے تو وہ طبعاً خَاتَمُ النَّبِيِّينَ کا ترجمہ نبیوں کو ختم کرنے والا ہی کریگا قرآن مجید میں خدا تعالیٰ نے لغات لکھنے والوں کا ترجمہ مدِ نظر رکھ کر خَاتَمُ النَّبِيِّينَ کا لفظ نہیں بولا۔ بلکہ اُس اسلوب بیان کو مدِ نظر رکھا ہے جو اہلِ زبان کا ہے لہٰذا ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ ایک عرب جب "خاتم" کو کسی جمع کے صیغے مثلاً "شعرآء۔ الفقہاء۔ المہاجرین" وغیرہ کی طرف مضاف کرتا ہے تو اس سے اُس کی مراد کیا ہوتی ہے جس طرح یہ لفظ قرآن مجید میں مستعمل ہوا ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ اس طریق پر یہ لفظ ہمیشہ افضل کے معنوں میں آتا ہے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے استعمال فرمایا ہے۔ (۱) اِطْمَئِنَّ يَا عَمِّ فَإِنَّكَ خَاتَمُ الْمُهَاجِرِينَ فِي الْهِجْرَةِ كَمَا أَنَا خَاتَمُ النَّبِيِّينَ فِي النُّبُوَّةِ۔

(کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۷۸ حرف العین فی ذکر العباس)

"اے چچا (عباسؓ) آپ مطمئن رہیئے کہ آپ اسی طرح خاتم المہاجرین ہیں جس طرح میں خاتم النبیین ہوں"۔ اب کیا حضرت عباسؓ کے بعد کوئی مہاجر نہیں ہُوا؟ حضرت مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکّی کے علاوہ آج تک ہزاروں لوگوں نے ہجرت کی اور قیامِ پاکستان کے بعد تو ایسی "ہجرت" ہوئی جس کی مثال ہی نہیں ملتی۔

پس ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ کو ان معنوں میں خاتم المہاجرین قرار دیا دیا ہے کہ ان کے بعد ان کی شان کا کوئی مہاجر نہ ہوگا۔ اگر کہو کہ یہاں صرف مکّہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے والے مہاجرین کا حضرت عباسؓ کو خاتم قرار دیا گیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث میں تو مکّہ کا کوئی لفظ نہیں جس لفظ (یعنی الف لام) کی تخصیص سے تم مکّہ کی قید نکالتے ہو۔ اسی الف لام کی تخصیص سے ہم خاتم النبیین کے معنے صاحبِ شریعت نبیوں کا ختم کرنے والا کریں۔ تو اس پر اعتراض کیوں؟

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ اگر خاتم بمعنے "افضل" لیا جائے تو لازم آئیگا کہ حضرت عباسؓ ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ رضوان اللہ علیہم بلکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نعوذ باللہ افضل ہوں۔ کیونکہ یہ بھی سب مہاجرین ہیں۔

جواب:۔ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں کہ لفظ "خاتم" جب کسی صیغہ جمع کی طرف مضاف ہو تو اس میں موصوف کے بعد آنے والوں پر اس کی افضلیت مُراد ہوتی ہے۔ پس حضرت عباس رضی اللہ عنہ "خاتم المہاجرین" ہیں یعنی

اپنے بعد میں آنے والے سب مہاجرین سے افضل ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ اس طرح تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاتم النبیین ہونا بھی ان ہی معنوں سے ہوگا کہ آپؐ اپنے بعد میں آنے والوں نبیوں سے افضل ہیں۔ تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے انبیاء سے افضل نہیں ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک حضورؐ اپنے سے بعد میں آنے والے نبیوں سے بوجہ خاتم النبیین ہونے کے افضل ہیں، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سے پہلے انبیاء سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ حضورؐ خود فرماتے ہیں:۔

"اِنِّیْ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْتُوْبٌ خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ وَ اِنَّ اٰدَمَ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ"

{ ۱۔ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب فضائل سید المرسلین صلوات اللہ وسلام علیہ الفصل الاول۔
۲۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ حدیث العرباض بن ساریہ۔ ۳۔ کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۱۲ کتاب الرابع من حرف الفاء۔ کتاب الفضائل من قسم الافعال باب الاول الفصل الثالث فی فضائل متفرقہ تنبئ عن التحدیث بالنعم۔ }

کہ میں اللہ تعالیٰ کے ہاں اُس وقت سے خاتم النبیین ہوں جبکہ حضرت آدمؑ ابھی مٹی اور پانی میں تھے (نیز محمدیہ پاکٹ بک مطبوعہ ۱۹۳۶ء صفحہ ۴۰۲) گویا جس قدر انبیاء آتے وہ سب ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم النبیین بننے کے بعد آتے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء سے "افضل" ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

سب پاک ہیں پیمبر اک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیر الوریٰ یہی ہے

نوٹ ۷ :۔ اِس موقعہ پر بعض غیر احمدی لَاھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ (بخاری پارہ ۱۳ جلد ۲ واقعہ ہجرت۔ ۲۔ کنز العمال جلد اول صفحہ ۲۳۵، کتاب الاذکار بن قسم الافعال فصل فی تفسیر) والی حدیث بھی پیش کرتے ہیں تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ حدیث تو ہماری مؤید ہے۔ کیونکہ اس میں "لَا ھِجْرَۃَ" کا لفظ اسی طرح مستعمل ہوا ہے جس طرح لَانَبِیَّ بَعْدِیْ میں۔ اب کیا "لا ہجرۃ" کے معنی یہ ہیں کہ اب مطلقاً ہجرت ہی بند ہے؟ یا یہ کہ صرف ایک خاص ہجرت جو مکہ سے مدینہ کی طرف تھی وہ بند ہے؟ ظاہر ہے کہ مطلقاً ہجرت بند نہیں۔ کیونکہ یہ واقعات کے بھی خلاف ہے اور اس سے قرآن مجید کی آیات متعلقہ ہجرت کو منسوخ ماننا پڑتا ہے اب رہی دوسری صورت کہ خاص ہجرت بند کی گئی۔ تو بعینہٖ اسی طرح لَانَبِیَّ بعدی میں بھی قطعاً نبوت بند نہ ہوئی بلکہ ایک خاص قسم کی نبوت مراد لینی پڑے گی یعنی تشریعی نبوت یا بلاواسطہ نبوت وہو المراد۔

چنانچہ حضرت امام رازیؒ حدیث لَاھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔ وَاَمَّا قَوْلُہٗ "لَاھِجْرَۃَ بَعْدَ الْفَتْحِ" فَالْمُرَادُ الْھِجْرَۃُ الْمَخْصُوْصَۃُ" (تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۵ مطبوعہ مصر۔ مسند احمد بن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۶۶) یعنی اس حدیث میں مطلق ہجرت کی نفی نہیں بلکہ مخصوص ہجرۃ کی نفی مراد ہے اس طرح سے تمہارا "لا" نفی جنس بھی اُڑ گیا!

۲۔ "اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتَ یَا عَلِیُّ خَاتَمُ الْاَوْصِیَاءِ"
(کنوز الحقائق فی احادیث خیر الخلائق بر حاشیہ جامع الصغیر مصری جلد ۱ صفحہ ۸)
کہ میں خاتم الانبیاء ہوں اور اے علیؓ! تو خاتم الاوصیاء ہے کیا حضرت علیؓ کے بعد نہ کوئی موصی ہو سکتا ہے اور نہ کوئی وصی؟

ب:۔ ایک دوسری روایت میں ہے۔
اَنَا خَاتَمُ الْاَنْبِیَآءِ وَاَنْتَ یَا عَلِیُّ خَاتَمُ الْاَوْلِیَآءِ۔" (تفسیر صافی زیر آیت خاتم النبیین احزاب رکوع ۳) کہ اے علی! میں خاتم الانبیاء ہوں اور تُو خاتم اولیاء ہے۔

۳۔ فتوحات مکیہ کے ٹائیٹل پیج پر حضرت شیخ محی الدین ابن عربی کو خاتم اولیاء لکھا ہے۔

۴۔ خود دیوبندی علماء نے اس محاورہ کو استعمال کیا ہے چنانچہ مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کی وفات پر جو مرثیہ لکھا۔ اس کے ٹائیٹل پیج پر متوفی کو خاتم الاولیاء والمحدثین کہا ہے۔

۵۔ مولوی بدر عالم صاحب مدرس دیوبند نے اپنے رسالہ "الجواب الفصیح" کے صفحہ ۲ پر مولوی انور شاہ سابق صدر المدرسین دیوبند کو خاتم المحدثین وآیتہ السابقین لکھا ہے۔

۶۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی کے رسالہ "عجالہ نافعہ جلد اول) کے ٹائیٹل پیج پر حضرت شاہ صاحب موصوف کو خاتم المحدثین لکھا ہے۔

۷۔ حضرت غوث الاعظم "پیرانِ پیر" سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بِکَ تُخْتَمُ الْوِلَایَۃُ (فتوح الغیب مقالہ ۴ صفحہ ۲۳ نولکشور) اور اس کا ترجمہ شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی نے یہ کیا ہے:۔

"در زمانِ تو مرتبۂ ولایت وکمالِ تو فوق کمالاتِ ہمہ باشد و قدم تو بر گردن ہمہ افتد" (فتوح الغیب صفحہ ۴۳)
یعنی حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا کہ اے انسان تو خلقت سے مر جائے گا تو ترقی کرتے کرتے "خاتم اولیاء" ہو جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تو ولایت کے مرتبہ کے کمال پر پہنچ جائیگا اور تیرا مقام ولایت سب ولیوں سے بالا تر ہوگا اور تیرا قدم باقی ولیوں کی گردن پر ہوگا۔ چنانچہ ندائے غیب ترجمہ اردو فتوح الغیب مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور میں بِکَ تُخْتَمُ الْوِلَایَۃُ کا ترجمہ یہ لکھا "کہ تُو ایسا عزت دار ہو جائیگا کہ تیری مثل کوئی نہ ہوگا اور تُو یگانہ وتنہا پردۂ الٰہی میں چھپا لیا جائیگا۔ تیری مانند اولیاء وقت بھی نہ ہو سکیں گے بلکہ تو اُس وقت ہر ایک رسول اور نبی کا وارث ہو جائیگا۔ ولایت کاملہ تجھ کو مل جائے گی۔" (ندائے غیب صفحہ ۴۰)

پس خاتم النبیین کے بھی معنی یہی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درجہ کو کوئی رسول نہ پا سکے گا۔ اور آپؐ کو نبوت کاملہ مل گئی ہے۔

۸۔ مولوی بشیر احمد صاحب دیوبندی لکھتے ہیں:۔

خَاتَمُ الْاُکَابِرِ۔ حضرت گنگوہی کی وفات نے شہادت فاروقی کا نقشہ پیش کردیا۔"
(رسالہ القاسم جلد ۲ صفحہ ۵، ۹)

۹۔"خَاتَمَةُ الْحُفَّاظِ شَمْسُ الدِّیْنِ اَبِی الْخَیْرِ مُحَمَّد بن مُحَمَّد بن مُحَمَّد الجزری الدمشقی"۔ (دیباچہ التجرید الصریح ص۲ و ص۵)

۱۰۔ مولانا شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔
غالبؔ اور ذوقؔ جو خاتم الشعراء ہیں۔ ان کے ہاں وہ الفاظ بے تکلف ملتے ہیں جن کو شیخ ناسخؔ مدتوں سے چھوڑ چکے تھے۔" (موازنہ انیس و دبیر ص ۲۹)

۱۱۔ مولانا شبلی مرحوم کی نسبت لکھا ہے:۔
"خاتم المصنفین مولانا شبلیؒ"۔ (افادات مہدی ص ۲۹۴)

۱۲۔ مولوی عبدالستار صاحب اپنی مشہور پنجابی کتاب "قصص المحسنین" میں لکھتے ہیں ؎
جعفر صادق کرے روایت اس وچہ شک نہ کوئی
اُس ویلے وچہ حق یوسف دے ختم نبوت ہوئی
(قصص المحسنین مطبوعہ مطبع کریمی لاہور جنوری ۱۹۳۰ء ص ۲۷۹)

۱۳۔ مولانا حالیؔ لکھتے ہیں:۔
"قاآنی کو اہل ایران خاتم الشعراء سمجھتے ہیں"۔ (حیات سعدی حاشیہ ص ۴۴)
اور "شیخ علی حزیںؔ ۔۔۔۔۔ کو ہندوستان میں خاتم الشعراء سمجھتے ہیں"۔ (حیات سعدی ص ۱۰۱)

۱۴۔ فارس کا مشہور شاعر انوریؔ بادشاہ غیاث الدین محمد غوری کی تعریف میں کہتا ہے ؎
بر تو سلطانیت ختم و بر من مسکیں سخن چوں شجاعت بر علیؓ و بر مصطفیٰؐ پیغمبری
یہ شعر اس طرح بھی ہے ؎
ختم شد بر تو سخاوت بر من مسکیں سخن چوں شجاعت بر علیؓ، بر مصطفیٰؐ پیغمبری
(کلیات انوری مطبوعہ منشی نولکشور ۱۲۹۷ھ لکھنو پریس)

۱۵۔"خَاتَمُ الْحُفَّاظِ وَالْمُجْتَهِدِیْنَ مُجَدِّدُ الْمِائَةِ التَّاسِعَةِ الشَّیْخُ اَبِی الْفَضْلِ جَلَالُ الدِّیْنِ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ السَّخَاوِیُّ بْنَ اَبِی بَکْرٍ الشَّهِیْرُ بِالسُّیُوْطِیِّ"۔
(المصنوع فی احادیث الموضوع صفحہ ۳ مصنفہ شیخ محمد طاہر)

۱۶۔ ابوتمام الطائی مؤلف حماسہ کی وفات پر حسن بن وہب (ایک عربی شاعر) مرثیہ لکھتا ہے:۔
فُجِعَ الْقَرِیْضُ بِخَاتَمِ الشُّعَرَاءِ
وَغَدِیْرِ رَوْضَتِهَا حَبِیْبِ الطَّائِیْ
(وفیات الاعیان وابن خلکان جلد ۱ ص ۱۲۳ مصری)

ترجمہ:۔ کہ شاعری کو بہت رنج پہنچا ہے۔ خاتم الشعراء (یعنی ابوتمام) اور حبیب الطائی جو شاعری کے

صحن کا حوض تھا (کی وفات) سے اس شعر میں (ابو تمام) کو خاتم الشعراء قرار دیا گیا ہے کیا شاعر کا مطلب یہ ہے کہ ابو تمام کے بعد کوئی شاعر پیدا نہ ہوگا؟ یہ بحث نہیں کہ ابو تمام فی الواقع خاتم الشعراء ہے یا نہیں؟ بہر حال حسن بن وہب تو اُسے خاتم الشعراء کہتا ہے۔ حالانکہ وہ خود شاعر ہے اور یہ بھی شعر ہے بہر حال محاورۂ زبان ثابت ہے۔

۱۷۔ "خَاتَمُ الْمُحَدِّثِيْنَ وَالْمُفَسِّرِيْنَ مَوْلَانَا شَاہ عَبْدُ الْعَزِيْزِ عَلَيْهِ الرَّحْمَةِ"

(ہدیۃ الشیعہ مصنفہ محمد قاسم نانوتوی بانی دیوبند ص۴)

۱۸۔ حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں:۔

عِنْدَ هٰذِهِ الدَّرَجَةِ فَازُوْا بِالْخِلَعِ الْاَرْبَعَةِ الْوُجُوْدِ وَالْحَيَاةِ وَالْقُدْرَةِ وَالْعَقْلِ فَالْعَقْلُ خَاتَمُ الْكُلِّ۔ وَالْخَاتَمُ يَجِبُ اَنْ يَّكُوْنَ اَفْضَلَ اَلَا تَرٰى اَنَّ رَسُوْلَنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا كَانَ خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ كَانَ اَفْضَلَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالْاِنْسَانُ لَمَّا كَانَ خَاتَمَ الْمَخْلُوْقَاتِ الْجِسْمَانِيَّةِ كَانَ اَفْضَلَهَا كَذٰلِكَ الْعَقْلُ لَمَّا كَانَ خَاتَمَ الْخِلَعِ الْفَائِضَةِ مِنْ حَضْرَةِ ذِي الْجَلَالِ كَانَ اَفْضَلَ الْخِلَعِ وَاَكْمَلَهَا۔" (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۲۲، ۳۱، ۴۴ مصری)

یعنی اس مقام پر پہنچکر انسان چار خلعتوں سے ممتاز کیا جاتا ہے یعنی وجود حیات۔ قدرت اور عقل اور عقل ان سب کی خاتم ہے اور خاتم کے لئے ضروری ہے کہ "افضل" ہو۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ ہمارے رسول کریم صلعم بوجہ خاتم النبیین ہونے کے تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل تھے اور اسی طرح انسان بوجہ خاتم المخلوقات ہونے کے تمام مخلوقات جسمانی سے افضل ہے اسی طرح عقل بھی بوجہ ان چاروں خلعتوں کی خاتم ہونے کے سب خلعتوں سے "افضل" اور اکمل ہے۔ پس صاف ثابت ہوا کہ خاتم کے جو معنی ہم نے بیان کئے ہیں وہی درست ہیں۔

۱۹۔ امام زرقانیؒ "خاتم النبیین" کے معنی لکھتے ہیں۔

وَالْخَاتَمُ۔۔۔ اَمَّا بِفَتْحِهَا مَعْنَاہُ اَحْسَنُ الْاَنْبِيَاءِ خَلْقًا وَخُلُقًا لِاَنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَمَالُ الْاَنْبِيَاءِ كَالْخَاتَمِ الَّذِيْ يُتَجَمَّلُ بِهٖ وَاَمَّا بِالْكَسْرِ۔۔۔۔ فَمَعْنَاہُ اٰخِرُ الْاَنْبِيَاءِ"

(شرح مواہب اللدنیہ جلد ۳ ص۱۶۳ مطبوعہ مصر)

"ت کی زبر کے ساتھ خاتم النبیین کے معنی ہیں۔ "احسن الانبیاء" (یعنی سب نبیوں سے اچھا نبی) بلحاظ صورت وسیرت کے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کا جمال ہیں۔ انگوٹھی کی طرح جس سے خوبصورتی حاصل کی جاتی ہے اور ت کی زیر کے ساتھ ہو تو خاتم کے معنی ہیں آخری نبی"

یاد رہے قرآن مجید میں ت کی زبر کے ساتھ ہی خاتم ہے نہ کہ زیر کے ساتھ۔

۲۰۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند لکھتے ہیں:۔

"ہمارے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کا اقرار بشرط فہم وانصاف ضرور ہے علیٰ ہذا

القیاس جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ علم سے اُوپر کوئی صفت نہیں جس کو عالم سے تعلق ہو تو خواہ مخواہ اس بات کا یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام مراتب کمال اسی طرح ختم ہو گئے جیسے بادشاہ پر مراتب حکومت ختم ہو جاتے ہیں۔ اس لئے جیسے بادشاہ کو خاتم الحکام کہہ سکتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم الکاملین اور خاتم النبیین کہہ سکتے ہیں۔ مگر جس شخص پر مراتبِ کمال ختم ہو جائیں گے۔ تو ہاں وجہ کہ نبوت سب کمالاتِ بشری میں اعلیٰ ہے۔ چنانچہ مسلّم بھی ہے۔۔۔۔ سوائے آپؐ کے اور کسی نبی نے دعویٰ خاتمیت نہ کیا۔ بلکہ انجیل میں حضرت عیسیٰ کا یہ ارشاد کہ جہان کا سردار آتا ہے خود اس بات پر شاہد ہے کہ حضرت عیسیٰ خاتم نہیں۔ کیونکہ حسبِ اشارہ مثالِ خاتمیتِ بادشاہ خاتم وہی ہوگا جو سارے جہان کا سردار ہو اس وجہ سے ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب میں افضل سمجھتے ہیں پھر یہ آپؐ کا خاتم ہونا آپؐ کے سردار ہونے پر دلالت کرتا ہے اور بقرینہ دعویٰ خاتمیت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے یہ بات یقینی سمجھتے ہیں کہ وہ دو جہان کا سردار جن کی خبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دیتے ہیں۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں"

(دیکھو حجۃ الاسلام مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند صفحہ ۳۴، ۳۵)۔

ب۔ یہی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بانی دیوبند لفظ خاتم النبیین کی تشریح بایں الفاظ فرماتے ہیں:۔

"اول معنی خاتم النبیین معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلعم کا خاتم ہونا بایں معنیٰ ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء ماسبق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہلِ فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخرِ زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں پھر مقامِ مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ ہاں اگر اس وصف کو اوصافِ مدح میں سے نہ کہیئے اور اس مقام کو مقامِ مدح قرار نہ دیجئے تو البتہ خاتمیت باعتبارِ تاخرِ زمانی صحیح ہو سکتی ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی کہ (یعنی کیونکہ) اس میں ایک تو خدا کی جانب نعوذ باللہ زیادہ گوئی کا وہم ہے ۔۔۔۔۔۔ دوسرے رسول اللہ صلعم کی جانب نقصانِ قدر کا احتمال ۔۔۔۔۔ باقی یہ احتمال کہ یہ دینِ آخری دین تھا۔ اس لئے سدِ باب اتباعِ مدعیان نبوت کیا ہے جو کل جھوٹے دعویٰ کر کے خلائق کو گمراہ کریں گے البتہ فی حدِ ذاتہٖ قابلِ لحاظ ہے پر جملہ مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ اور جملہ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ میں کیا تناسب تھا۔ جو ایک دوسرے پر عطف کیا اور ایک کو مستدرک منہ اور دوسرے کو استدراک قرار دیا اور ظاہر ہے کہ اس قسم کی بے ربطی اور بے ارتباطی خدا کے کلام معجز نظام میں متصور نہیں۔ اگر سدِ باب مذکور منظور ہی تھا۔ تو اس کے لئے اور بیسیوں مواقع تھے بلکہ بناء خاتمیت اور بات پر ہے جس سے تاخرِ زمانی اور سدِ باب مذکور خود بخود لازم آجاتا ہے اور افضلیت نبوی دو بالا ہو جاتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے۔ جیسے موصوف بالعرض کا وصف بالعرض کا وصف موصوف بالذات

سے مکتسب ہوتا ہے۔ موصوف بالذات کا وصف..... کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔ مثال درکار ہو تو لیجئے! زمین و کہسار اور در و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی اور کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصفِ ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی...... سو اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتمیت کو تصور فرمائیے۔ یعنی آپ موصوف بوصفِ نبوت بالذات ہیں اور سوا آپکے اور نبی موصوف بوصف نبوت بالعرض۔ اوروں کی نبوت آپؐ کا فیض ہے۔ پر آپ کی نبوت کسی اور کا فیض نہیں آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہو جاتا ہے غرض آپ جیسے نبی الامۃ ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ بشہادت وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ........ الخ.

(آل عمران: ۸۲) اور انبیاء کرام علیہم السلام سے آپؐ پر ایمان لانے اور آپ کی اتباع اور اقتدا کا عہد لیا گیا اِدھر آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر حضرت موسیٰ بھی زندہ ہوتے تو میرا ہی اتباع کرتے علاوہ بریں بعد نزول حضرت عیسیٰ کا آپ کی شریعت پر عمل کرنا اسی بات پر مبنی ہے۔"

(تحذیر الناس صفحہ ۳ و ۴)

پھر فرماتے ہیں:۔

"جیسے خَاتَم بفتح التاء (یعنی مُہر۔ خادم) کا اثر اور فعل مختوم علیہ (یعنی مُہر۔ خادم) کا اثر اور فعل مختوم علیہ (یعنی جس پر مُہر لگائی جائے۔ خادم) پر ہوتا ہے۔ ایسے ہی موصوف بالذات کا اثر موصوف بالعرض میں ہوتا ہے۔"

حاصل مطلب آیت کریمہ (وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ۔ خادم) کا اس صورت میں یہ ہوگا کہ ابوتِ معروفہ تو رسول اللہ صلعم کو کسی مرد کی نسبت حاصل نہیں پر ابوتِ معنوی اُمتیوں کی نسبت بھی حاصل ہے اور انبیاء کی نسبت بھی حاصل ہے۔ انبیاء کی نسبت تو فقط خاتم النبیین شاہد ہے کیونکہ اوصافِ معروض و موصوف بالعرض۔ موصوف بالذات کی فرع ہوتے ہیں۔ موصوف بالذات اوصاف عرضیہ کی اصل ہوتا ہے اور وہ اُس کی نسل...... سو جب ذات بابرکاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم موصوف بالذات بالنبوۃ ہوئی اور انبیاء باقی موصوف بالعرض تو یہ بات اب ثابت ہو گئی کہ آپ والدِ معنوی ہیں اور انبیاء باقی آپؐ کے حق میں بمنزلۂ اولاد معنوی اور اُمتیوں کی نسبت لفظ رسول اللہ ہیں۔ غور کیجئے۔" (تحذیر الناس ص۱۰)

پھر فرماتے ہیں:۔

"جیسے انبیاء گذشتہ کا وصفِ نبوت میں حسبِ تقریر مسطور اس لفظ سے آپؐ کی طرف محتاج ہونا ثابت ہوتا ہے اور آپ کا اس وصف میں کسی کی طرف محتاج نہ ہونا اس میں انبیاء گذشتہ ہوں یا کوئی اور۔ اس طرح اگر فرض کیجئے آپ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصفِ نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا۔ اور اُس کا سلسلۂ نبوت بہر طور آپ پر مختتم ہوگا۔ اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہو گیا تو پھر سلسلۂ علم و عمل کیا چلے؟

غرض اختتام اگر بایں معنی تجویز کیا جاتے جو مَیں نے عرض کیا تو آپؐ کا خاتم ہونا انبیاء گذشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہو گا بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور کوئی نبی ہو جب بھی آپؐ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔" (تحذیر الناس صفحہ ۱۳، ۱۴)

پھر نتیجہ اس تمام بحث کا ان الفاظ میں نکالتے ہیں:۔

"ہاں اگر خاتمیت بمعنی اتصافِ ذاتی بوصفِ نبوت لیجئے جیسا اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے تو پھر سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اور کسی کو افرادِ مقصود بالخلق میں سے مماثلِ نبوی صلعم نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کی افرادِ خارجی ہی پر آپؐ کی افضلیت ثابت نہ ہو گی، افرادِ مقدرہ پر بھی آپ کی افضلیت ثابت ہو گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدیؐ میں کچھ فرق نہ آئے گا۔" (تحذیر الناس صـ۲۵)

نوٹ:۔ صفحات کا نمبر اس ایڈیشن کا دیا گیا ہے جو مطبع قاسمی دیوبند کا مطبوعہ ہے اور تحذیر الناس مطبوعہ خیر خواہ سرکار سہارنپور میں آخری عبارت بجائے صـ۲۵ کے صـ۲۸ پر ہے۔ (خادم)

ان سب عبارات سے روز روشن کی طرح ثابت ہوا کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے نزدیک خاتم النبیین کے معنی آخری نبی یا نبیوں کا بند کرنے والا نہیں۔ بلکہ افضل الانبیاء" نبی الانبیاء" ابوالانبیاء" اور" موصوف بوصفِ نبوت بالذات" کے ہیں۔

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی علماء یہاں پر یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کا بھی یہی عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا۔ سو اس مغالطہ کا جواب یہ ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے اپنے عقیدہ کی یہاں بحث نہیں بلکہ لفظ" خاتم" کے حقیقی اور اصلی معنوں کی ہے اور جیسا کہ اوپر ثابت کیا جارہا ہے لفظ" خاتم النبیین" کے معنی مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی بھی بعینہٖ وہی بیان کرتے ہیں جو ہم کرتے ہیں۔ پھر ان کی مندرجہ بالا عبارت میں لفظ" پیدا" ہو سب سے بڑھ کر قابل غور ہے۔ کیونکہ یہاں یہ تاویل پیش نہیں کی جاسکتی کہ نزول مسیح کے عقیدہ کے پیش نظر ایسا لکھا گیا۔ اس میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا پیدا ہونا بھی خاتمیت کے منافی نہیں۔ بشرطیکہ اس کی نبوت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے مستفاض ہو یعنی بالعرض ہو۔ بالذات نہ ہوں۔ پس ہماری بحث صرف اس امر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں اور حضورؐ کی غلامی اور متابعت میں کسی نبی کا آنا ہرگز لفظ" خاتم النبیین" کے خلاف نہیں ہے پھر یہ بات بھی غور کرنے کے لائق ہے کہ مولوی محمد قاسم صاحب فرماتے ہیں کہ" اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی بھی کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں فرق نہ آئیگا۔" ہم موجودہ دیوبندی علماء سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ بھی یہی الفاظ کہنے کے لیے تیار ہیں اور کیا آپ کا بھی یہی عقیدہ ہے؟ یقیناً نہیں۔ کیونکہ موجودہ دیوبندی علماء کا عقیدہ تو یہ ہے کہ اگر کوئی نبی آنحضرت صلعم کے بعد پیدا ہو خواہ آپ کا غلام اور اُمتی ہو۔ اور آپ کی پیروی کے تحت ہی نبی ہو اور حضورؐ اور حضورؐ کی شریعت کا تابع ہو۔ پھر بھی اس کی آمد سے" خاتمیت محمدی" تباہ ہو کر رہ

جاتی ہے۔ اسی لیے تو آنحضرت صلعم کے ایک غلام اور اُمتی بانی سلسلۂ احمدیہ کے خلاف تحفظ ختم نبوت" کا سنٹ کھڑا کر رکھا ہے۔ پس مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کے حوالے صرف لفظ خاتم کے حقیقی معنوں کی تحقیق کے سلسلہ میں پیش کئے ہیں نہ کہ ان کے ذاتی عقیدہ کے اظہار کے لیے۔

۲۱۔ حضرت مولانا رومؒ نے بھی خاتم کے معنی افضل ہی کئے ہیں۔ فرماتے ہیں ؎

بہر ایں "خاتم" شد است اوکہ بجود   مثل او نے بود نے خواہند بود

چونکہ در صنعت برد استاد دست   تو نہ گوئی ختم صنعت بر تو ہست

(مثنوی مولانا روم دفتر ششم صٹ مطبوعہ نولکشور ۱۸۹۶ء — مفصل دیکھو پاکٹ بک ہذا صفحہ ۲۴۴)

۲۲۔ تفسیر حسینی المعروف بہ تفسیر قادری میں ہے:۔

عین الاجوبہ میں لکھا ہے کہ ہر نوشتے کی صحت مُہر کے سبب سے ہے اور حق تعالیٰ نے پیغمبر کو مُہر کہا تاکہ لوگ جان لیں کہ محبتِ الٰہی کے دعویٰ کی تصحیح آپؐ کی متابعت ہی سے کر سکتے ہیں اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ ہر کتاب کا شرف اور بزرگی مہر کے سبب سے ہے تو سب پیغمبروں کو شرف حضرتؐ کی ذات سے ہے اور ہر کتبہ کی گواہ اُس کی مہر ہوتی ہے تو محکمۂ قیامت میں گواہ آپ ہونگے "

(تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ۲ صٹ ۲۶۵ زیر آیت خاتم النبیین سورۃ احزاب)

پس اس عبارت سے "خاتم النبیین" کے معنی مصدق الانبیاء اور افضل الانبیاء اور شاہد الانبیاء ثابت ہوتے۔ پس اگر اس آیت کے بقول تمہارے ایک معنی آخری کے بھی ہوتے تب بھی "اِذَا جَاءَ الْاِحْتِمَالُ بَطَلَ الْاِسْتِدْلَالُ" کے اصل کے ماتحت یہ آیت انقطاعِ نبوت پر دلیل نہیں بن سکتی تھی کیونکہ مندرجہ بالا حوالجات سے ثابت ہے کہ مہر تصدیق کے لئے بھی ہوتی ہے۔ توثیق کے لیے بھی ہوتی ہے۔ شرف اور عظمت کے لیے بھی ہوتی ہے۔ پس مُہر کو صرف ایک خاص مفہوم میں مقید کرنے والا تحکم سے کام لیتا ہے۔ نیز جو شخص یہ کہتا ہے کہ خاتم (مُہر) کے معنی اس آیت میں صرف اور بکلی بند کرنے کے ہیں اس ادعائے باطل کے اثبات کا بارِ ثبوت اس پر ہے۔ لیکن جیسا کہ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی کے مندرجہ بالا حوالہ از تحذیر الناس صٹ سے ثابت ہے آیت خاتم النبیین کا سیاق و سباق اور ترکیب قطعاً ان معنوں کی تائید نہیں کرتے۔ پس آیت کا صحیح مفہوم وہی ہے جو مندرجہ بالا حوالجات میں بیان کیا گیا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اہل عرب کے محاورۂ زبان کے مطابق خاتم النبیین کے معنی "افضل الانبیاء" کے ہیں ختم کے معنی پنجابی۔ اردو۔ فارسی میں آخری اور انقطاع کے بے شک ہوں جس طرح لفظ مکر کے معنے اُردو فارسی میں دھوکے کے ہیں۔ مگر عربی میں تدبیر کرنے کے اسی طرح "خاتم" کے جمع کے صیغے کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں عربی زبان میں بجز افضل اور صاحبِ کمال کے کوئی معنے نہیں آتے۔

نوٹ:۔ خاتم القوم عربی زبان کا کوئی محاورہ نہیں اور نہ کسی عرب نے کبھی اس کو استعمال کیا ہے

ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ محاورہ زبان ثابت کرو۔ آج اگر مؤلف لسان العرب یا تاج العروس ہمارے زمانہ میں زندہ ہوتے تو ہم اُن سے دریافت کرتے کہ آپ نے جو "خاتم النبیین" کے معنے "ختم کرنیوالا" کئے ہیں۔ اس کے لئے اہلِ زبان کے کونسے مستعمل محاورہ کی آپ کے پاس سند ہے اور وہ محاورہ کب اور کہاں استعمال ہوا ہے؟

پس آج جو شخص ان لوگوں کا قائم مقام ہو کر ہم سے ختم نبوت پر بحث کرتا ہے اس سے ہمارا حق ہے کہ یہ مطالبہ کریں کہ وہ اہل زبان کا محاورہ پیش کرے لغت کی کتابوں سے ہماری بھی تائید ہوتی ہے تکملہ مجمع بحارالانوار میں جو لغت کی کتاب ہے لفظ خاتم کے نیچے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول لکھا ہے:۔

"قُوْلُوْا اِنَّهٗ خَاتَمُ الْاَنْبِيَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِيَّ بَعْدَهٗ" (تکملہ مجمع بحارالانوار ص۸۵ نیز دیکھو دُرِّ منثور جلد ۵ ص۲۰۴) کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں۔ مگر یہ کبھی نہ کہنا کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہ آوے گا۔ اس کے آگے لکھا ہے:۔

هٰذَا نَاظِرٌ اِلٰى نُزُوْلِ عِيْسٰى وَ هٰذَا اَيْضًا لَا يُنَافِيْ حَدِيْثَ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ لِاَنَّهٗ اَرَادَ لَا نَبِيَّ يَنْسَخُ شَرْعَهٗ (تکملہ مجمع بحارالانوار ص۸۵) کہ یہ قول حضرت عائشہ صدیقہؓ کا نزول مسیح کا مؤید (محافظ) ہے اور لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ والی حدیث کا بھی مخالف نہیں۔ کیونکہ خَاتَمُ النَّبِيِّيْنَ والی آیت اور حدیث لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ کا مطلب تو یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو آنحضرتؐ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

۲۔ اسی طرح مجمع البحار جلد اص۳۲۹ پر لکھا ہے۔ "اُوْتِيْتُ ..... خَوَاتِمَهٗ اَيِ الْقُرْاٰنُ خُتِمَتْ بِهِ الْكُتُبُ السَّمَاوِيَّةُ وَ هُوَ حُجَّةٌ عَلٰى سَائِرِهَا وَ مُصَدِّقٌ لَهَا" کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اسی طرح قرآن بھی خاتم الکتب ہے ان معنوں میں کہ وہ سب کتابوں کی مصدق ہے۔

الجواب ۲ ؛۔ خَاتَم کے معنے انگوٹھی کے ہوتے ہیں اور انسان انگوٹھی زینت کے لئے پہنتا ہے پس "خاتم النبیین" کے معنے نبیوں کی زینت ہوتے۔ چنانچہ ان معنوں کی تائید تفسیر فتح البیان جلد ۷ ص۲۸۶ سے ہوتی ہے۔

"صَارَ كَالْخَاتَمِ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَمُوْنَ بِهٖ وَيَتَزَيَّنُوْنَ بِكَوْنِهٖ مِنْهُمْ" یعنی آنحضرت صلعم نبیوں کی انگوٹھی بن گئے یعنی اِس وجہ سے کہ آنحضرتؐ ان میں سے ایک ہیں وہ آپؐ کے وجود سے زینت حاصل کرتے ہیں۔

ب۔ مجمع البحرین میں زیر لفظ ختم ص۴۸۱ "خاتم النبیین" کے یہ معنی لکھے ہیں:۔

خَاتَمُ بِمَعْنَى الزِّيْنَةِ مَاخُوْذٌ مِنَ الْخَاتَمِ الَّذِيْ هُوَ زِيْنَةٌ لِلَابِسِهٖ" کہ خاتم کے معنے زینت کے ہیں اور یہ معنے انگوٹھی سے نکلے ہیں۔ جو پہننے والے کے لئے زینت کا موجب ہوتی ہے۔

ج۔ ان معنوں کی تائید عربی کے مشہور شاعر شہاب الدین الوسوی المعروف بابن معتوق کے قصیدہ میمیہ

کے اس شعر سے ہوتی ہے جو اُس نے آنحضرت صلعم کی مدح میں کہا ہے ؎

طَوْقُ الرِّسَالَةِ تَاجُ الرُّسُلِ خَاتَمُهُمْ
بَلْ زِيْنَةٌ لِعِبَادِ اللّٰهِ كُلِّهِمْ

{ کتاب المجموعۃ النبھانیۃ فی المدائح النبویۃ ۔ قافیۃ المیم مطبوعہ بیروت فی مطبعۃ المعارف ۱۳۲۰ھ مؤلفہ یوسف بن اسماعیل النبھانی جزو ۴ }

کہ آنحضرت صلعم نبوت کی مالا ہیں۔ آپ نبیوں کا تاج اور ان کی انگوٹھی (خاتم) ہیں نہیں (صرف نبیوں ہی کے نہیں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر) خدا کے تمام بندوں کے لئے زینت ہیں۔

اس شعر میں طوق (مالا) "تاج" اور خاتم (انگوٹھی) تینوں زینت کے معنوں میں استعمال ہوتے ہیں۔ چنانچہ لفظ "بل" کے ساتھ "زینت" کا لفظ خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے اس شعر میں لفظ "خاتم" آخری کے معنے میں نہیں بلکہ زینت کے معنے میں آتا ہے۔ نیز چونکہ انگوٹھی انگلی کو گھیر لیتی ہے۔ اس لئے اس لحاظ سے خاتم النبیین کے معنی ہونگے کہ تمام انبیاء کے کمالات کو اپنے اندر جمع کر لینے والا۔

۴۔ تذکرۃ الاولیاء مصنفہ جناب شیخ فریدالدین عطارؒ فارسی ص۲۷۲ میں لکھا ہے۔

"مجذوب کے بہت سے درجے ہیں۔ اُن میں سے بعض کو نبوت کا تہائی حصہ ملتا ہے اور بعض کو نصف اور بعض کو نصف سے زیادہ یہاں تک کہ بعض مجذوب ایسے ہوتے ہیں جن کا حصہ نبوت میں سے تمام مجذوبوں سے زیادہ ہوتا ہے اور وہ خاتم الاولیاء ہوتا ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور یہ مجذوب ممکن ہے کہ امام مہدی ہوں۔"

(تذکرۃ الاولیاء باب ۸۰ حضرت حکیم محمد علی الترمذی و اردو ترجمہ ظہیر الاصفیاء از مولانا سید اعجاز احمد مطبع شدہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور)

نوٹ:۔ مندرجہ بالا اُردو ترجمہ انوار الازکیاء و ترجمہ اُردو تذکرۃ الاولیاء مطبع مجیدی کانپور کے صفحہ ۵۳۷ سے لیا گیا ہے۔

لفظ "ختم" اور محاورۂ اہلِ عرب

لفظ "خاتم" کا صیغہ جمع پر مضاف ہو کر "افضل" ہونے کے معنوں میں ہونا بدلائل ثابت کیا جا چکا ہے۔ اب بعض مثالیں لفظ خَتَمَ کے فعل استعمال ہونے کی صورت میں محاورۂ اہلِ زبان سے پیش کی جاتی ہیں۔ کیونکہ بعض دفعہ بعض لوگ "خُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ" کی حدیث بھی پیش کر دیا کرتے ہیں اور اس کا جواب پہلے گذر چکا ہے۔

۱۔ یزید بن معاویہ کے متعلق لکھا ہے:۔

"كَانَ فَصِيْحًا كَرِيْمًا شَاعِرًا مُفْلِقًا قَالُوْا بُدِئَ الشِّعْرُ بِمَلِكٍ وَخُتِمَ بِمَلِكٍ [illegible] الْقَيْسِ وَإِلَيْهِ (کتاب الفخری لابن طقطقی باب الدولۃ الامویۃ ذکر یزید)

کہ یزید بہت فصیح شاعر تھا اور نہایت اچھے شعر کہتا تھا۔ مشہور مقولہ ہے کہ شعر ایک بادشاہ سے شروع ہوا اور بادشاہ پر ختم ہوا۔ اس سے مراد امراء القیس اور یزید ہیں۔ یعنی امراء القیس سے شاعری شروع ہوئی اور یزید بن معاویہ پر ختم ہوئی۔ کیا عربی کے اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ یزید کے بعد کوئی شاعر نہیں ہوا؟ نہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ یزید اپنے زمانہ کا بہترین شاعر تھا۔

۲۔ اسی طرح وفیات الاعیان لابی العباس شمس الدین احمد بن محمد بن ابی بکر لابن خلقان جلد ۲ ص۲۰ میں ابوالعباس محمد بن یزید المعروف بالمبرد نحوی کے ذکر میں لکھا ہے:۔ وَكَانَ الْمُبَرِّدُ الْمَذْكُوْرُ وَ اَبُو الْعَبَّاسِ اَحْمَدُ بْنُ يَحْيَى الْمُلَقَّبُ بِثَعْلَبٍ صَاحِبِ كِتَابِ الْفَصِيْحِ عَالِمَيْنِ مُتَعَارِضَيْنِ قَدْ خُتِمَ بِهِمَا تَارِيْخُ الْاُدَبَاءِ۔"

کہ مبرد اور ابوالعباس ثعلب مصنف کتاب الفصیح ۔ دونوں بڑے عالم تھے اور ان دونوں کے ساتھ ادیبوں کی تاریخ ختم ہوئی ۔

اب کیا ادباء کی تاریخ کے ختم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مبرد اور ثعلب کے بعد کوئی ادیب نہیں ہوا۔ نہیں۔ ہرگز نہیں مراد صرف یہ ہے کہ یہ دونوں اپنے زمانہ کے بہترین ادیب تھے۔

لفظ "ختم" اور قرآن مجید

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں کہ قرآن مجید میں لفظ "ختم" بند کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہے جیساکہ آیت اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰى اَفْوَاهِهِمْ (یٰس: ۶۶) میں کہ قیامت کے دن دوزخیوں کے منہ پر مُہر لگا دی جائے گی اور اُس کے ہاتھ پاؤں اُن کے خلاف گواہی دیں گے یعنی قیامت کے روز دوزخی منہ سے بات نہ کر سکیں گے پس ثابت ہوا کہ ختم یعنی مُہر سے مراد بند کرنا ہے۔

الجواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ گو لفظ "ختم" اور اُس کے مشتقات کے متعلق بحث نہیں بلکہ بحث خاص طور پر لفظ خاتم بفتحہ تاء کے صیغۂ جمع کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں آخری یا افضل کے معنوں میں ہونے کی ہے۔ لیکن آیت مذکورہ بالا سے بھی ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ نَخْتِمُ سے مراد مطلق بند کرنا ہے کیونکہ آیت محولہ کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت کے دن دوزخی زبان سے بات ہی نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ انسانی جسم میں زبان کو جو حیثیت حاصل ہے وہ تمام اعضاء اور جوارح کی نمائندہ ہونے کی ہے۔ یعنی اگر کوئی تکلیف انسان کے سر میں ہو تو اس کا اظہار بھی زبان کرتی ہے اور اگر ہاتھ یا پاؤں میں کوئی خرابی ہو تو وہ بھی زبان ہی بتاتی ہے تو بظاہر خیال ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے قیامت کے دن بھی صرف زبان ہی اپنے علاوہ دوسرے اعضاء کے گناہ بیان کر دیگی۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اُس دن ہر عضو اپنے گناہ خود بھی بیان کریگا۔ ہاتھ اپنے گناہ بیان کریں گے پاؤں اپنی بدیاں گنائیں گے، لیکن سوال یہ ہے کہ بدزبانی۔ غیبت اور جھوٹ وغیرہ گناہ جن کا ارتکاب خود زبان سے ہوا ہوگا وہ کون بیان کریگا؟ کیا ہاتھ بتائیں گے یا پاؤں؟ ظاہر ہے کہ زبان کے اپنے گناہ

خود زبان ہی بتائے گی۔

پس قیامت کے دن دوزخی کا منہ بند ہونا تو ثابت نہ ہوا۔ بلکہ دوزخی کا بولنا اور اس کے منہ کا کھلا رہنا ثابت ہو۔ اگر کہو کہ تمہارا یہ استدلال محض قیاسی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ استدلال قیاسی نہیں بلکہ خود قرآن مجید میں ہی موجود ہے کہ قیامت کے دن دوزخیوں کی زبان بند نہیں ہوگی۔ بلکہ وہ باتیں کریں گے۔ چنانچہ سورۃ نور رکوع [۳] میں ہے یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ (النور: ۲۵)

یعنی قیامت کے دن ان کی زبانیں ہاتھ اور پاؤں ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ ان اعمال کی جو وہ کیا کرتے تھے۔

پس صاف طور پر ثابت ہوا کہ قیامت کے دن باوجود منہ پر "مُہر" لگ جانے کے دوزخی باتیں کریں گے۔

چنانچہ ایک دوسری جگہ بھی ہے کہ جب جسم اور ہاتھ اور پاؤں دوزخیوں کے خلاف گواہی دیں گے تو لکھا ہے۔

وَقَالُوا لِجُلُودِهِمْ لِمَ شَهِدْتُمْ عَلَيْنَا (حٰمٓ السجدۃ ۲۲) وہ اپنے جسموں سے کہیں گے۔ کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی؟ گویا ان کی زبان بند نہ ہوگی۔

پس "اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ" والی آیت میں "ختم" کے معنی ہرگز بکلی بند کرنے کے نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک اس کے معنے یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن زبان پر تصدیق اور سچائی کی مہر لگا دیگا۔ پس وہ سچ سچ سب کچھ بیان کردے گی اور جو کچھ وہ اپنے خلاف کہے گی اس کے لیے تو کسی مزید تائید اور شہادت کی ضرورت نہ ہوگی، لیکن جو کچھ وہ دوسرے اعضاء کے خلاف کہے گی اس کی تصدیق کرنے کے لیے ہر ایک عضو اپنے اپنے کردہ گناہوں کا اقبال کرلے گا۔ اس طرح سے الٰہی مہر کی تصدیق ہو جائے گی۔

ان معنوں کی تائید مندرجہ ذیل احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

(۱) حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ:۔

"اَلدَّنَانِيْرُ وَالدَّرَاهِمُ خَوَاتِيْمُ اللهِ فِيْ اَرْضِهٖ فَمَنْ جَاءَ بِخَاتِمِ مَوْلَاهُ قُضِيَتْ حَاجَتُهٗ۔

(فردوس الاخبار دیلمی ص۱۶۲ و جامع الصغیر للسیوطی مصری جلد ۲ ص۱۴)

کہ زمین میں دینار اور درہم اللہ تعالیٰ کی مہریں ہیں پس جو شخص اپنے آقا کی مُہر لے کر آتا ہے۔ اس کی حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

(۲) "اٰمِيْنَ خَاتَمُ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ عَلٰى لِسَانِ عِبَادِهِ الْمُؤْمِنِيْنَ۔۔۔۔۔ مَعْنَاهُ طَابِعُ اللهِ عَلٰى عِبَادِهٖ لِاَنَّهٗ يُدْفَعُ بِهِ الْاٰفَاتُ وَالْبَلَايَا۔۔۔۔۔ اَلْحَدِيْثُ اٰمِيْنُ دَرَجَةٌ فِي الْجَنَّةِ قِيْلَ مَعْنَاهُ اَنَّهٗ طَابِعُ اللهِ عَلٰى عِبَادِهٖ وَقِيْلَ اِنَّهٗ كَلِمَةٌ يَكْتَسِبُ بِهَا قَائِلُهَا دَرَجَةً فِيْ

الجَنَّةِ" (فردوس الاخبار دیلمی صفحہ ۵۴ و ۵۵ وجامع الصغیر الامام سیوطی باب الالف جلد ۱ ص۴ مصری)
حدیث "آمین" خدا تعالیٰ کی مُہر ہے۔ خدا کے مومن بندوں کی زبان پر اس کے معنی یہ ہیں کہ "آمین" اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر مہر ہے کیونکہ اس سے آفات اور بلائیں خدا کے بندوں سے دُور ہو جاتی ہیں دوسری حدیث میں ہے کہ "آمین" جنت میں ایک درجہ ہے" کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ "امین" خدا کی ایک مُہر ہے اس کے بندوں پر اور کہا گیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں۔ کہ اس کا کہنے والا جنت میں درجہ حاصل کرتا ہے۔

پس ان احادیث کی روشنی میں (جو محض محاورۂ عربی ثابت کرنے کے لئے پیش کی گئی ہیں) آیات قرآنی کا مطلب یہی ہوگا کہ قیامت کے دن ان کی زبان پر مُہر لگا دی جائے گی۔ یعنی اس کو جھُوٹ بولنے سے محفوظ کیا جائے گا۔ سچ بولنے کی ممانعت نہ ہوگی۔ چنانچہ اس دن زبان جو کہے گی وہ سچ ہی ہوگا۔

(۱) ورنہ حوالہ مندرجہ بالا میں "خدا کے بندوں پر مُہر" لگنے کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوسکتا کہ مومن کی زبان بند ہو جاتی ہے۔ بلکہ ظاہر ہے کہ اس کے معنی الٰہی حفاظت اور تصدیق ہی کے ہیں۔

۲۔ اسی طرح خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ (البقرة : ۸) کی آیت پیش کیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے دلوں پر مُہر لگا دی ہے۔

الجواب :(۱) احادیث مندرجہ بالا سے خوب وضاحت ہو جاتی ہے۔

(۲) یہ آیت تو تمہاری تغلیط اور ہماری تائید کرتی ہے کیونکہ اگر "ختم" کے معنی بند کرنا ہو تو پھر اس آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کافروں کی حرکت قلب بند ہو گئی، لیکن ظاہر ہے کہ یہ غلط ہے۔

(۳) :۔ کیا ان کافروں میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوتا؟

(۴) :۔ زیادہ سے زیادہ تم اس کے یہی معنے کرو گے کہ کافروں کے دلوں پر خدا نے مہر کر دی۔ اب ان کے دل میں ایمان کی بات داخل نہیں ہو سکتی، لیکن سوال یہ ہے کہ کافروں کے دل میں کیا کوئی کفر اور بدی کی بات بھی داخل ہو سکتی یا ان کے دل پر اثر کر سکتی ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ جو چیز ان کے دل کے اندر موجود ہے (یعنی کفر) اس کی تائید اور تصدیق کرنے والی چیزوں کے داخل ہونے کے لئے انکے دل کے دروازے کھُلے ہیں بند نہیں ہوتے۔ ہاں اس کے خلاف (ایمان یا ہدایت وغیرہ) کی باتوں کے لئے دروازہ بند ہے۔

پس تمہارے معنوں کو تسلیم کرتے ہوئے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوا کہ جس چیز پر مُہر لگائی جائے اس کے مؤید کے لئے دروازہ بند نہیں ہوتا بلکہ اس کے مخالف کے لئے بند ہوتا ہے۔

پس اگر "خَاتَمَ النَّبِيِّيْنَ" کی آیت کے معنی بھی اس اصول کے ماتحت لیتے ہو۔ تو اس کا مطلب یہ بنے گا کہ آنحضرت صلعم کی نبوت کے خلاف کوئی نبی نہیں آسکتا، ہاں آپؐ کی تائید کے لئے نبی آسکتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ معنی ہم نے تمہارے معنوں کو تسلیم کر کے لکھے ہیں۔ ہمارے نقطۂ نگاہ سے اس کے معنوں کے لئے مندرجہ بالا حدیث پر غور کرو تو معنے یہ ہوں گے کہ کافروں کے دلوں میں جو گند ہے خدا اس کا اظہار اپنی مُہر کے ذریعہ کرتا ہے یعنی یہ تصدیق کرتا ہے کہ ان کے دلوں میں گند بھرا ہے اور یہ کہ " هُمْ لَا يُؤْمِنُونَ " (البقرۃ : ۷) وہ ایسے ہٹ دھرم ہیں کہ باوجود صداقت کے کھل جانے کے پھر بھی ایمان نہیں لاتے گویا ان کا ایمان نہ لانا خدا تعالیٰ کی مُہر کے نتیجہ میں نہیں۔ جیسا کہ تمہارا خیال ہے، کیونکہ اس طور پر خدا تعالیٰ کی ذات موردِ اعتراض بنتی ہے کہ اگر وہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اس میں ان کا کیا قصور؟ خدا نے ان کے دلوں پر مُہر لگا دی۔ اب وہ بیچارے کافر رہنے پر مجبور ہیں۔

لیکن ہمارے نزدیک یہ بات نہیں۔ بلکہ اس آیت میں خدا تعالیٰ نے ان کی اندرونی کیفیت کو بے نقاب کر دیا ہے اور اس کے گندہ اور قابلِ نفرت ہونے پر مُہر تصدیق ثبت کر دی۔

بہر حال تم قرآن مجید کی کوئی بھی آیت پیش نہیں کر سکتے جس میں " ختم " کا مشتق کلی طور پر بند کرنے کے معنوں میں استعمال ہوا ہو۔ اور اگر ایسا ہو بھی تو آیت خَاتَمَ النَّبِيِّينَ پر اس کا اثر نہیں کیونکہ وہاں لفظ " خاتم " تا۔ کی زبر کے ساتھ اسم آلہ ہے اور عربی میں جب یہ لفظ جمع کی طرف مضاف ہو۔ اس کے معنے بلا استثناء ہمیشہ افضل کے ہوتے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو ہمارے اس چیلنج کو توڑ سکے؟

نہ خنجر اُٹھیگا نہ تلوار اِن سے — یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

حضرت مسیح موعودؑ اور لفظ " خاتم " کا استعمال

بعض غیر احمدی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض اُردو کتب سے " خاتم الاولاد " اور " خاتم الخلفاء " وغیرہ کے محاورے پیش کیا کرتے ہیں تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ عربی زبان میں اگر لفظ " خاتم " صیغۂ جمع کی طرف مضاف ہو تو محاورۂ عربی کے مطابق اس کے معنی بجز افضل کے نہیں ہوتے اُردو۔ فارسی اور پنجابی میں اگر یہ لفظ " بند کرنے والے " کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہو تو اس سے مخالف کو کوئی فائدہ نہیں۔ جیسا کہ لفظ " مکر " کی مثال سے واضح کیا جا چکا ہے کہ یہ لفظ اُردو۔ فارسی اور پنجابی میں دھوکہ اور فریب کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے لیکن عربی میں محض تدبیر کے معنوں میں بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں " مَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ " (آل عمران : ۵۵) والی آیت میں لفظ " مکر " اللہ تعالیٰ کی نسبت استعمال ہوا ہے۔

۱۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ کی کسی اُردو عبارت میں لفظ " خاتم الاولاد " استعمال ہوا ہے تو اس کا اس بحث میں پیش کرنا مفید نہیں۔ کیونکہ ہماری بحث قرآن مجید کی آیت " خاتم النبیین " سے متعلق ہے جو اُردو میں نہیں بلکہ عربی زبان میں ہے۔

۲۔ تریاق القلوب صـ۱۵۷ طبع اوّل و صـ۳ طبع ثانی کی تمہاری پیش کردہ عبارت یہ ہے:۔

"میرے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی جس کا نام جنت تھا اور پہلے وہ لڑکی پیٹ میں سے نکلی تھی اور بعد اُس کے مَیں نکلا تھا۔ اور میرے بعد میرے والدین کے گھر میں اور کوئی لڑکی یا لڑکا نہیں ہوا اور میں اُن کے لئے خاتم الاولاد تھا۔"

اس عبارت میں "خاتم الاولاد" سے مراد اولاد کا سلسلہ بکلی منقطع کرنے والا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ کیا آپ کے والدین کی اولاد کا سلسلہ آپؑ کے بعد ختم ہوگیا؟ نہیں۔ بلکہ آپ کے والدین کی اولاد کا سلسلہ آپ کے ذریعہ سے چلا۔ اور آپ "خاتم الاولاد" ان معنوں میں ہوتے کہ آپ کے والدین کی اولاد کا سلسلہ آپ کے سوا دوسرے بچوں کے ذریعہ سے منقطع ہوگیا۔ لیکن صرف آپ کے ذریعہ سے آگے ان کی اولاد چلی۔ ظاہر ہے کہ "اِبنُ الاِبنِ اِبنٌ" حضرت مسیح موعودؑ کا ایک دوسرا الہام تھا۔

"یَنْقَطِعُ مِنْ اٰبَاءِکَ وَیَبْدَءُ مِنْکَ" (تذکرہ ۱۸۸۳ء)

"کہ تیرے والدین اور آباؤ اجداد کی نسل منقطع ہوجائیگی اور آیندہ تیرے ذریعہ سے شروع ہوگی۔"

پھر اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں یہ کلام الٰہی درج ہے۔

"ہر ایک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جاتے گی اور وہ جلد لاولد رہ کر ختم ہوجائیگی۔" (مجموعہ اشتہارات جلد اول ص۱۰۲)۔ "اور مَیں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤنگا اور برکت دُونگا۔ اندریں حالات "خاتم الاولاد" کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنے والدین کا ان معنوں میں آخری بچہ ہو کہ اس کے سوا ان کی اولاد کا سلسلہ کسی اور بچے کے ذریعہ سے نہ چلے بلکہ صرف اس کے ذریعہ سے اولاد کا سلسلہ چلے۔

پس "خاتم النبیین" کے بھی یہی معنی ہوتے کہ دوسرے نبیوں کا سلسلہ ختم ہوجاتے اور آئندہ نبیوں کا سلسلہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے چلے۔

جس طرح "خاتم الاولاد" کے بعد "اولاد" کا سلسلہ بند نہیں ہوا اسی طرح "خاتم النبیین" کے معنی یہ نہیں ہوسکتے کہ آئندہ نبیوں کا سلسلہ بکلی بند ہوجاتے۔ البتہ موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ یحییٰؑ۔ زکریاؑ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی نبوتیں حضرت محمد رسول اللہ صلعم کی بعثت سے ختم ہوگئیں اب "خاتم النبیین" کے ذریعہ توسط اور فیض سے نبوت کا سلسلہ شروع ہوگا۔ پس تریاق القلوب کے حوالے سے تمہارا مقصود حاصل نہیں ہوسکتا۔

۳۔ اس تریاق القلوب کے اگلے صفحہ یعنی طبع اول تقطیع کلاں کے ص۱۵۸ و طبع ثانی تقطیع خورد کے ص۳۰۲ پر عربی عبارت درج کر کے (جس میں لفظ خاتم الاولاد استعمال ہوا ہے) حضرت نے اس کا خود ہی اُردو ترجمہ بصورت ذیل درج فرمایا ہے۔ فَهُوَ خَاتَمُ الْاَوْلَادِ (فصوص الحکم نص حکمتِ نفثیہ کلمہ شیثیہ جزو دوم) اور وہ خاتم الاولاد ہوگا یعنی اس کی وفات کے بعد کوئی کامل بچہ پیدا نہیں ہوگا۔

پس ثابت ہوا کہ "خاتم الاولاد" کا محاورہ عربی کے لحاظ سے ترجمہ "کامل بچہ" ہے اور مراد یہ ہے کہ آپ کے والدین کے دوسرے بچے بھی تھے لیکن چونکہ آگے اُن کی نسل منقطع ہوگئی اس لئے وہ کامل بچے کہلانے

کے مستحق نہ تھے، لیکن چونکہ آپؑ ایسے بچے تھے جن کے ذریعہ آیندہ کے لئے آپ کے والدین کی اولاد کا سلسلہ چلا اس لئے "کامل بچہ" کہلانے کے آپ مستحق ہوتے۔ اس مفہوم کے لحاظ سے آنحضرت صلعم کے خاتم النبیین ہونے کا مطلب یہ ہوا کہ آپؐ "کامل نبی" ہیں۔ کیونکہ آپ کے آنے سے گذشتہ تمام نبیوں کا کا سلسلہ منقطع ہوگیا، لیکن آپ کے ذریعہ اور آپ کے طفیل سے آیندہ غیر تشریعی اور اُمتی نبیوں کا سلسلہ جاری ہوا۔

احراری:۔ "مَیں نکلا تھا" کا لفظ مضحکہ خیز ہے۔

احمدی:۔ یہ طرزِ کلام حضرت مسیح موعودؑ کا اپنا نہیں بلکہ قرآن مجید کی اس آیت کا لفظی ترجمہ ہے۔ وَاللّٰہُ اَخْرَجَکُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّھٰتِکُمْ (النحل: ۷۹) جس کا لفظی ترجمہ یہ ہے۔ اور اللہ نے نکالا تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹوں میں سے۔

پس اس "نکلنے" میں تو خود معترض بھی شامل ہے۔ یُوں بے حیا بن کر قرآنی محاورات پر جو چاہے اعتراض کرتا رہے!

۴۔ حضرت مسیح موعودؑ نے خاتم کا محاورہ جب بھی عربی عبارت میں استعمال فرمایا ہے وہاں اس کے معنی افضل ہی کے ہیں۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

"ھُوَ خَاتَمُ الْحَسِیْنِیْنَ وَالْجَمِیْلِیْنَ کَمَا اَنَّہٗ ھُوَ خَاتَمُ النَّبِیِّیْنَ وَالْمُرْسَلِیْنَ"

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۶۳)

"یعنی آنحضرت صلعم تمام حسینوں اور جمیلوں کے بھی خاتم ہیں جس طرح آپؐ رسولوں اور نبیوں کے خاتم ہیں۔"

الف۔ پس صاف طور پر ثابت ہوا کہ عربی محاورہ کے لحاظ سے حضرت مرزا صاحب "خاتم" کو افضل ہی کے معنوں میں استعمال فرماتے تھے۔

ب:۔ ایک دوسری جگہ یہ عربی عبارت لکھتے ہیں:۔ فَحِیْنَئِذٍ تَکُوْنُ وَارِثَ کُلِّ رَسُوْلٍ وَنَبِیٍّ وَبِکَ تُخْتَمُ الْوَلَایَۃُ" (تحفہ بغداد صفحہ ۲۴، رُوحانی خزائن جلد ۷، فتوح الغیب مقالہ ۲۳ صفحہ ۲۳ فارسی از شیخ عبدالحق محدث دہلوی، ندائے غیب صفحہ ۲۰ ترجمہ اُردو) اور اس عربی عبارت کا ترجمہ حضورؑ اپنی طرف سے یہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ تجھے اپنے نبیوں اور رسولوں کا وارث بنا دے گا یعنی اُن کے علوم و معارف اور برکات جو مخفی اور ناپدید ہوگئے تھے۔ وہ از سرِ نو تجھ کو عطا کئے جائیں گے اور ولایت تیرے پر ختم ہوگی یعنی تیرے بعد کوئی نہیں اُٹھے گا جو تجھ سے بڑا ہو۔" (برکات الدعا حاشیہ صفحہ ۱۴، ۱۵)

یہ دونوں عربی عبارتیں فیصلہ کن ہیں۔

❖ ❖ ❖

حضرت مسیح موعودؑ کی دیگر تحریرات

بعض غیر احمدی حضرت مسیح موعودؑ کی بعض اس قسم کی تحریرات پیش کرتے ہیں جن میں معترضین کے نزدیک حضور نے خاتم النبیین کا ترجمہ "بند کرنے والا" کیا ہے یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کو بند قرار دیا ہے۔

الجواب ۱۔ حضرت اقدس نے جس نبوت یا رسالت کو بند قرار دیا ہے وہ غیر تشریعی براہ راست نبوت ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔ "اور جس جس جگہ میں نے نبوت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف ان معنوں سے کیا گیا ہے کہ میں مستقل طور پر شریعت لانے والا نہیں ہوں۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص ۶)

۲۔ "یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور جس کے معنے یہ ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن مجید کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلعم کی اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں۔ یہ الزام میرے پر صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے ...... ہاں اُس (خدا) نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں ..... میں اس پر قائم ہوں۔ اس وقت تک جو اس دنیا سے گذر جاؤں۔"

(خط اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء، بدر ۱۱ جون ۱۹۰۸ء ص ۱ کالم ۲۔۱ تاریخ احمدیت جلد ۳ ص ۵۴۵)۔

۳۔ "اب بجز محمدی نبوت کے سب نبوتیں بند ہیں۔ شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔" (تجلیاتِ الٰہیہ ص ۲۵)

۴۔ "یہ لوگ اسلام کے دشمن ہیں۔ ختم نبوت کے ایسے معنے کرتے ہیں جس سے نبوت ہی باطل ہوتی ہے۔ کیا ہم ختم نبوت کے یہ معنے کر سکتے ہیں کہ وہ تمام برکات جو آنحضرت صلعم کی پیروی سے ملنی چاہئیں تھیں وہ سب بند ہو گئے۔" (چشمۂ مسیحی ص ۲۷ مطبوعہ مارچ ۱۹۰۶ء)

۵۔ "خدا تعالیٰ کا یہ قول وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ...... اس آیت کے یہ معنی ہیں کہ آنحضرت صلعم ..... نبیوں کے لیے مُہر ٹھہرائے گئے ہیں۔ یعنی آئندہ کوئی نبوت کا کمال بجز آپ کی پیروی کی مُہر کے کسی کو حاصل نہیں ہوگا۔"

(چشمۂ مسیحی صفحہ ۴۳، مطبوعہ مارچ ۱۹۰۶ء)

۶۔ "اللہ جل شانہٗ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صاحب خاتم بنایا۔ یعنی آپ کا افاضۂ کمال کے لئے مُہر دی۔ جو کسی اور نبی کو ہرگز نہیں دی گئی۔ اسی وجہ سے آپ کا نام "خاتم النبیین" ٹھہرا یعنی آپکی پیروی کمالاتِ نبوت بخشتی ہے اور آپ کی توجہ رُوحانی نبی تراش ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص ۹۷ حاشیہ)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب میں سینکڑوں حوالجات موجود ہیں۔ جن سے یہ واضح ہوجاتا ہے کہ حضرت اقدس نے جہاں آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کو بند قرار دیا ہے۔ وہاں محض تشریعی اور براہ راست نبوت مراد ہے اور جہاں حضرت اقدس نے نبوت کو جاری تسلیم فرمادیا ہے۔ وہاں صرف غیر تشریعی اور بالواسطہ نبوت مراد ہے فَلَا تَضَادَ۔

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے:۔

"اَلَا تَعْلَمُ اَنَّ الرَّبَّ الرَّحِیْمَ الْمُتَفَضِّلَ سَمّٰی نَبِیَّنَا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَاتَمَ الْاَنْبِیَاءِ بِغَیْرِ اِسْتِثْنَاءٍ"۔ (حمامۃ البشریٰ ص۲۰ مطبوعہ ۱۳۱۱ھ)

کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کا نام خاتم النبیین بلا استثناء رکھا ہے غیر تشریعی نبوت کہاں گئی؟

الجواب:۔ ہم آیت "خاتم النبیین" کی بحث میں بدلائل قویہ یہ ثابت کر آتے ہیں کہ "خاتم النبیین" کا ترجمہ "افضل النبیین" ہے۔

پس حضرت اقدس کی عبارت کا اُردو ترجمہ یہ ہوگا کہ "اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلعم کو افضل الانبیاء بلا استثناء قرار دیا ہے"

یعنی کوئی ایک بھی نبی ایسا نہیں جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل نہ ہوں اسی طرح "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" والی حدیث کے متعلق بھی ہم ثابت کر آتے ہیں کہ اس کے معنی بھی یہی ہیں کہ حضورؐ کے خلاف بلا حضورؐ کی اتباع کے نیز حضورؐ کی طرح صاحب شریعت کوئی نبی نہ آئے گا۔

پس اس حوالہ سے تمہارا مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کا جو ترجمہ ہم نے کیا ہے وہ خود تمہارے بزرگ قبل از احمدیت کر چکے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

"ہاں "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" آیا ہے۔ اس کے معنی نزدیک اہلِ علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہیں لاوے گا۔" (اقتراب الساعۃ ص۱۶۲ مصنفہ نواب نورالحسن خان)

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے مسیح ابن مریم کو سلسلہ موسویہ کا "خاتم الخلفاء" قرار دیا ہے اور اپنے آپ کو سلسلہ محمدیہ کا خاتم الخلفاء قرار دیا ہے۔

جواب:۔ "خاتم الخلفاء کے معنی افضل الخلفاء کے ہیں۔ آخری خلیفہ کے نہیں۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے آپ کو اسی طرح سلسلہ محمدیہ کا خاتم الخلفاء قرار دیا ہے جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سلسلہ موسویہ کا۔

اب سوال یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بعد سلسلہ خلافت تسلیم کیا ہے یا نہیں؟

۱۔ تو ظاہر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "حمامۃ البشریٰ" میں تحریر فرمایا ہے:۔

"یُسَافِرُ الْمَسِیْحُ الْمَوْعُوْدُ اَوْ خَلِیْفَۃٌ مِّنْ خُلَفَائِہٖ اِلٰی اَرْضِ دِمَشْقَ"

(حمامۃ البشریٰ ص۳۷ مطبوعہ ۱۳۱۱ھ)

کہ مسیح موعودؑ یا اس کے خلفاء میں سے کوئی خلیفہ دمشق کا سفر اختیار کریگا۔

(نیز دیکھو پیغام صلح ص۳۱ ونیز ڈائری ۱۴ اپریل ۱۹۰۸ء)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعد سلسلہ خلافت تسلیم فرمایا ہے۔ پس خاتم الخلفاء کے معنی آخری خلیفہ کے نہ ہوتے۔ بلکہ افضل الخلفاء کے ہوتے۔

ب:۔ زیادہ وضاحت کے لئے اُسی خطبہ الہامیہ میں حضرت اقدس فرماتے ہیں:۔ "اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَآءِ وَاَنَا خَاتَمُ الْاَوْلِیَآءِ لَاوَلِیَّ بَعْدِیْ اِلَّا الَّذِیْ ھُوَ مِنِّیْ وَعَلٰی عَھْدِیْ۔"

(خطبہ الہامیہ ص۳۵ مطبوعہ ۱۳۱۹ھ)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔ اور مَیں خاتم الاولیاء ہوں۔ میرے بعد کوئی ولی نہیں۔ مگر وہی جو مجھ سے ہو اور میرے عہد پر قائم ہو۔

غرضیکہ حضرت مرزا صاحب نے خاتم الانبیاء کا مفہوم بالکل واضح فرمادیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا۔ مگر وہی جو آپ میں سے ہو اور آپ کے عہد پر آئے یعنی بالواسطہ بغیر شریعت کے۔

سو یہی مذہب جماعت احمدیہ کا ہے۔ خلافت کے متعلق تو حضرت بانیٔ سلسلہ فرماتے ہیں:۔

"ولایت و امامت و خلافتِ حقّہ کبھی ختم نہیں ہوگی۔ یہ سلسلہ آئمہ راشدین خلفاء ربانیین کا کبھی بند نہیں ہوگا۔" (الحکم جلد ۲ ۳۵ ص۳ کالم ۱ ۸ دسمبر ۱۸۹۸ء قادیان)

دوسری آیت:۔ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا۔ (المائدۃ: ۴)

الجواب:۔ یہ آیت تو امکانِ نبوت کی دلیل ہے (تفصیل دیکھو دلائل امکان نبوت بارہویں دلیل ص۳۰۰)

اگر کہو کہ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ میں "نعمت" سے مراد نبوت ہے اور وہ تمام ہوگئی۔ یعنی ختم ہوگئی تو اس کا جواب یہ ہے۔

۱۔ قرآن میں تورات کے متعلق ہے تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ (الانعام: ۱۵۵) گویا تورات "تمام" تھی مگر اس کے بعد پھر کتاب آگئی (قرآن) پس جس طرح اِتمام کتاب کے بعد کتاب آگئی اسی طرح اِتمام نعمت کے بعد نعمت آگئی۔ فلا اعتراض!

۲۔ اس آیت میں تو اتمامِ نعمت کا ذکر ہے اور نعمت صرف نبوت ہی نہیں بلکہ بادشاہت۔ صدیقیت۔ شہادت۔ صالحیت یہ سب نعمتیں ہیں جیسا کہ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ (النساء: ۷۰) نیز یٰقَوْمِ اذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْکُمْ اَنْبِیَآءَ وَجَعَلَکُمْ مُّلُوْکًا (المائدہ: ۲۱) پس اگر اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرتؐ کے بعد نبوت بند ہوگئی ہے تو پھر اُمتِ محمدیہ میں بادشاہی۔ صدیقیت اور شہادت اور صالحیت سب بند ہوگئیں۔ مگر یہ خلاف واقعہ ہے۔ پس تمہارا ترجمہ غلط ہے اور صحیح

ترجمہ یہ ہے کہ تم کو پوری نعمت دی گئی۔

۲۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب حضرت یوسفؑ نے اپنا خواب حضرت یعقوبؑ کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے جواب دیا۔

يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ (یوسف : ۷) کہ خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ تجھ پر اپنی نعمت تمام کرے جس طرح اس نے تیرے باپ دادا ابراہیمؑ واسحاقؑ پر اپنی نعمت تمام کی تھی۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر بھی نعمت تمام ہوئی۔ پھر حضرت اسحٰق۔ یعقوب و یوسف علیہم السلام پر نعمت تمام ہوئی اور پھر آنحضرت صلعم کے ذریعہ مسلمانوں پر بھی نعمت تمام ہوئی۔ اس کے معنے بند کرنا کس طرح ہوئے ؟ کیا حضرت ابراہیمؑ اور اسحاقؑ پر نبوت بند ہوگئی تھی ؟ پس اس کے یہ معنے ہیں کہ میں نے تم کو پوری پوری نعمت دی ہے اس آیت کا ترجمہ تفسیر حسینی میں، مندرجہ ذیل درج ہے :۔

"اور پوری کریگا اپنی نعمت کہ نبوت ہے تجھ پر اور اولاد یعقوب پر یعنی تیرے بھائیوں پر ایک قول کے بموجب انہیں پیغمبر کہتے ہیں یا یعقوب علیہ السلام کی نسل پر کہ اس میں انبیاء علیہم السلام پیدا کریگا۔"

(تفسیر حسینی جلد ا صفحہ ۴۰۸ مترجم اُردو تفسیر سورۃ یوسف ع ۱)

پس "اتمام نبوت" بر اُمت محمدیہ" کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہ میں سے نبی پیدا کریگا جس طرح آل یعقوب پر اتمام نعمت سے مُراد اِن میں نبی پیدا کرنا تھی۔

تیسری آیت :۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ (سباء : ۲۸) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دُنیا کے رسول ہیں لہٰذا اب کوئی نبی نہیں آسکتا۔

الجواب :۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمام بنی اسرائیل کی طرف رسول تھے۔ کیا ان کے بعد بنی اسرائیل ہی کے لئے حضرت داؤد۔ سلیمان اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نبی ہوکر نہیں آتے ؟ پس آنحضرت صلعم چونکہ تمام دنیا کی طرف رسول ہیں (ب) آپ کے بعد جو رسول آپؐ کی اتباع میں آئے گا وہ بھی تمام دُنیا کی طرف ہوگا۔

۲۔ قرآن مجید تمام دُنیا کے لئے شریعت ہے پس جو نبی قرآن کی اشاعت کے لئے آئے گا وہ بھی ساری دنیا ہی کی طرف آئے گا۔

۳۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو بقول غیر احمدی آئیں گے وہ کن لوگوں کی طرف آئیں گے ؟

چوتھی آیت :۔ وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ (الانبیاء : ۱۰۸) چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمام دُنیا کے لئے رحمت ہوکر آئے ہیں۔ اس لئے اب کسی نبی کے لئے گنجائش نہیں۔

الجواب :۔ تیسری دلیل کا جواب پڑھو۔

پانچویں آیت :۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (الاعراف : ۱۵۸)

الجواب :۔ تیسری دلیل کا جواب پڑھو۔

چھٹی آیت :- یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ (البقرۃ : ۵) بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی وحی نازل نہ ہوگی۔

الجواب (۱) اوّل تو عدم ذکر سے عدمِ شئی لازم نہیں آتا، لیکن ذرا غور تو کرو کہ اسی آیت میں کیا۔ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ کا لفظ موجود نہیں جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے والی ساری وحی پر ایمان لانا ضروری قرار دیا گیا ہے اور اس "مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ" (قرآن مجید) میں متعدد مقامات پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتیوں اور غلاموں پر وحی الٰہی اور ملائکہ کے نزول کا ذکر موجود ہے اور بعد میں آنے والے اُمتی نبیوں کی بعثت کی خبر دے کر ان پر ایمان لانے کی تلقین کی گئی ہے (جن کی کسی قدر تفصیل دلائل امکانِ نبوت از روئے قرآن مجید میں دی گئی ہے وہاں سے ملاحظہ ہوں) لیکن بطور مزید مثال ایک آیت درج ہے۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا۔" (حٰمٓ السجدہ : ۳۱) کہ وہ مومن جو اسلامی توحید پر استقامت اختیار کرینگے ان پر فرشتے یہ پیغام لے کر نازل ہونگے کہ کوئی خوف نہ کرو اور مت حزیں ہو اور ہم تم کو جنت کی بشارت دیتے ہیں۔ ہم تمہارے اس دُنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی دوست ہیں۔ یہ آیت اس امر کے اثبات کے لیے نصِ قطعی ہے کہ قرآن مجید اور حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبعین پر اسی دنیا میں ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ چنانچہ۔

تفسیر بیضاوی جلد ۲ صفحہ ۲۶۷ مطبع احمدی دہلوی و تفسیر قادری المعروف بہ تفسیر حسینی جلد ۲ صفحہ ۳۰۸ مترجم اُردو پر اسی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ مومنوں پر اسی دُنیا میں الہام الٰہی کے نزول کا اس آیت میں وعدہ دیا گیا ہے۔ (۲) پھر اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:-

رَفِیْعُ الدَّرَجَاتِ ذُو الْعَرْشِ یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ لِیُنْذِرَ یَوْمَ التَّلَاقِ (المومن : ۱۶) اس کا ترجمہ تفسیر قادری سے نقل کیا جاتا ہے:-

"وہ ہے بلند کرنے والا درجے۔ خداوند عرش ہے ڈالتا ہے رُوح کو اپنے حکم سے یا بھیجتا ہے جبریل کو جس پر چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے یعنی جسے چاہتا ہے مرتبۂ نبوت عطا فرماتا ہے تاکہ ڈراوے وہ جس پر وحی آتے لوگوں کو ملاقات کے دن سے۔" (تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ۲ صفحہ ۳۶۰)

اس آیت میں "یُلْقِی" مضارع کا صیغہ ہے جو مستقبل کے زمانہ پر بھی دلالت کرتا ہے۔ پس اس مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ میں بھی آئندہ وحی اور نبوت کا اجراء بیان کیا گیا ہے۔ پس جو شخص یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ کا مصداق ہے۔ وہ طبعی طور پر اس وحی پر ایمان لاتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے طفیل حضورؐ کے غلاموں پر نازل ہوتی ہے۔ پھر اس شخص سے علیحدہ طور پر اقرار لینے کی کیا ضرورت تھی؟

(۳)۔ اس طرح تو کوئی شخص یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ اس آیت میں ایمان بالملائکہ کا بھی کوئی ذکر نہیں اسلئے

ثابت ہوا کہ ملائکہ پر ایمان لانا ضروری نہیں یا یہ کہ سرے سے ان کا کوئی وجود ہی نہیں۔ تو اس کا جواب بھی یہی ہوگا کہ ملائکہ پر ایمان مَآ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ کے اندر شامل ہے اور مذکور ہے۔ اس لئے علیحدہ طور پر اس کے ذکر کی ضرورت نہیں۔

(۴) اسی طرح اس آیت میں تمہارے خود تسلیم کردہ مسیح موعود اور مہدی کا بھی تو ذکر نہیں۔

آنحضرت صلعم کے بعد وحی

علاوہ مندرجہ بالا نیز دیگر آیاتِ قرآنی کے (جنکی تفصیل مضمون "دلائل امکان نبوت" میں درج کی گئی ہے) احادیث نبوی میں بھی اس وحی کی خبر دی گئی ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مسیح موعود اور امام مہدی پر نازل ہوگی دیکھو صحیح مسلم۔ کتاب الفتن و اشراط الساعۃ باب صفت الدجال و نزول المسیح جلد ۲ و مشکوٰۃ کتاب الفتن باب فی العلامات بین یدی الساعۃ ص۴۷۳ مطبع اصح المطابع کہ "اَوۡحَی اللّٰہُ تَعَالٰی اِلٰی عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ" کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ پر وحی نازل کریگا۔ نیز دیکھو حجج الکرامہ ص۴۳۱ و اقتراب الساعۃ ص۱۶۳۔ جہاں حضرت امام سیوطی حضرت حافظ ابن حجر اور دیگر بزرگان کی تصریحات کی بناء پر لکھا ہے کہ مسیح موعودؑ پر بعد نزول حضرت جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ وحی نازل ہوگی مفصل حوالجات ذیل میں درج ہیں:۔

۱۔ علامہ ابن حجر الہیثمی سے جب پوچھا گیا کہ جب مسیح موعودؑ آئیگا تو اس پر وحی نازل ہوگی؟ تو انہوں نے جواب دیا۔

نَعَمۡ یُوۡحٰی اِلَیۡہِ عَلَیۡہِ السَّلَامُ وَحۡیٌ حَقِیۡقِیٌّ کَمَا فِیۡ حَدِیۡثِ مُسۡلِمٍ۔ (روح المعانی جلد ۵ ص۶۵) ہاں خدا تعالیٰ ان پر وحی حقیقی نازل کریگا جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے۔

۲۔ حدیث مسلم میں ہے۔ یَقۡتُلُ عِیۡسَی الدَّجَّالَ عِنۡدَ بَابِ لُدِّ الشَّرۡقِیِّ فَبَیۡنَمَا ھُوَ کَذٰلِکَ اِذۡ اَوۡحَی اللّٰہُ اِلٰی عِیۡسَی ابۡنِ مَرۡیَمَ اِنِّیۡ قَدۡ اَخۡرَجۡتُ عِبَادًا مِّنۡ عِبَادِیۡ۔ (مسلم جلد ۲ ص۴۰۲ کتاب الفتن و اشراط الساعۃ باب ذکر الدجال، مشکوٰۃ ص۴۷۳ کتاب الفتن باب العلامات بین یدی الساعۃ) کہ مسیح موعودؑ دجال کو باب لُد شرقی پر قتل کرے گا اور جب وہ اس حالت میں ہونگے تو خدا تعالیٰ مسیح موعودؑ پر وحی کرے گا کہ میں نے اپنے بندوں میں سے بعض بندے تیری حمایت میں نکالے ہیں۔

۳۔ اس حدیث کو نقل کر کے نواب صدیق حسن خاں صاحب حجج الکرامہ میں لکھتے ہیں:۔

"وظاہر آنست کہ آرندہ وحی بسوئے او جبرئیل علیہ السلام باشد۔ بلکہ بہمیں یقین داریم و دراں تردد نمی کنیم چہ جبرائیل سفیرِ خدا است درمیان انبیاء علیہم السلام و فرشتہ دیگر برائے ایں کار معروف نیست" (حجج الکرامہ ص۴۳۱)

کہ ہمیں یقین ہے کہ مسیح موعودؑ کی طرف جبرائیل ہی وحی لے کر آویں گے کیونکہ انبیاء کی طرف خدا کی وحی لانے کے لئے وہی مقرر ہیں۔ اور ان کے سوا کوئی دوسرا فرشتہ اس کام پر مقرر نہیں ہے۔

۴۔ علامہ ابن حجر الہیثمی فرماتے ہیں:۔ وَ ذٰلِکَ الۡوَحۡیُ عَلٰی لِسَانِ جِبۡرِیۡلَ اِذۡ ھُوَ

السِّفِیْرُ بَیْنَ اللّٰہِ تَعَالیٰ وَاَنْبِیَآئِہٖ (روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۶۵)

علاوہ ازیں امام ابن حجر الہیثمی کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بیٹا ابراہیمؑ (جو آیت خاتم النبیین کے نزول کے بعد پیدا ہوئے) نبی تھا اور پھر یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ ان کی طرف حضرت جبرئیل علیہ السلام وحی لیکر نازل ہوئے جس طرح جبرئیلؑ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ماں کی گود میں وحی لیکر نازل ہوتے اور حضرت یحییٰ علیہ السلام پر تین سال کی عمر میں نازل ہوتے۔ لکھتے ہیں :-

"وَلَا بُعْدَ فِیْ اِثْبَاتِ النُّبُوَّۃِ لَہٗ مَعَ صِغَرِہٖ لِاَنَّہٗ کَعِیْسَی الْقَائِلِ یَوْمَ وُلِدَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ اٰتَانِیَ الْکِتَابَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَکَیَحْیٰی الَّذِیْ قَالَ تَعَالیٰ فِیْہِ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا" (الفتاوی الحدیثیہ مصنفہ امام ابن حجر الہیثمی صفحہ ۱۵۰)

"کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحبزادہ ابراہیمؑ چھوٹی عمر میں نبی ہوگیا تو اس میں کوئی بعید از عقل بات نہیں کیونکہ وہ حضرت عیسیٰؑ کی طرح ہیں جنہوں نے پیدائش کے دن کہا تھا کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ مجھے اللہ نے کتاب دی ہے اور نبی بنایا ہے نیز وہ حضرت یحییٰ کی طرح ہیں۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ان کو بچپن ہی کی عمر میں دانشمندی عطا فرمائی تھی"۔ پھر فرماتے ہیں :-

وَاِحْتِمَالُ نُزُوْلِ جِبْرِیْلَ بِوَحْیٍ لِعِیْسٰی اَوْ یَحْیٰی یَجْرِیْ فِیْ اِبْرَاھِیْمَ وَیُرَجِّحُہٗ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَوَّمَہٗ یَوْمَ عَاشُوْرَاءَ اَوْ عُمُرُہٗ ثَمَانِیَۃُ اَشْھُرٍ۔ (الفتاوی الحدیثیہ صفحہ ۱۵۰)

کہ جس طرح حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہ السلام پر بچپن میں جبرئیلؑ وحی لے کر نازل ہوتے اس طرح احتمال ہے کہ حضرت ابراہیمؑ ابن النبی صلعم پر جبرئیل وحی لیکر بچپن کی عمر میں نازل ہوتے اور یہ بات بدیں وجہ وزنی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بچہ ابراہیمؑ کو عاشورہ کے روزے رکھوائے حالانکہ ان کی عمر ابھی صرف آٹھ ماہ کی تھی۔

۵۔ علامہ ابن حجر مذکور فرماتے ہیں :- وَخَبَرُ لَا وَحْیَ بَعْدِیْ بَاطِلٌ وَمَا اشْتَھَرَ اَنَّ جِبْرِیْلَ لَا یَنْزِلُ اِلَی الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِیِّ صَلْعَمْ فَھُوَ لَا اَصْلَ لَہٗ۔

(رُوح المعانی جلد ۷ صفحہ ۶۵)

۶۔ اس کا ترجمہ فارسی میں نواب صدیق حسن خان صاحب نے یہ کیا ہے :-

"وآنکہ بر اَلسنۂ عامہ مشہور شدہ کہ نزول جبرائیلؑ بسوئے ارض بعد موت رسول خدا صلعم نشود بے اصل محض است" (حجج الکرامہ صفحہ ۴۳۱) کہ یہ حدیث کہ میرے بعد کوئی وحی نہیں باطل ہے (موضوع ہے) اور یہ جو عام طور پر مشہور ہے کہ جبرائیل وفاتِ نبویؐ کے بعد زمین پر نازل نہیں ہوں گے اس کی کوئی بنیاد نہیں۔

مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر مِنْ قَبْلِکَ سے غیر احمدیوں کا استدلال باطل ہے۔

<u>ساتویں آیت</u> :- عَلٰی فَتْرَۃٍ مِّنَ الرُّسُلِ (المائدۃ : ۲۰)

جواب :- "فَتْرَۃ" کے معنے ختم ہو جانا نہیں بلکہ اس کے معنی "وقفہ" کے ہیں جو دو رسولوں کے

درمیان ہوتا ہے چنانچہ لغت میں لکھا ہے :۔

"Interval between two fits of fever, between the missions of two prophets, truce."

(الفرائد الدریہ ص۴۴۵) یعنی فترۃ کے معنی ہیں بخار کے دو حملوں کا درمیانی وقفہ۔ دو نبیوں کا درمیانی زمانہ۔ عارضی صلح۔

پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے بعد جب ایک وقفہ پڑ گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی بنا کر بھیجا گیا۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

"وَ الْفَتْرَةُ الَّتِيْ كَانَتْ بَيْنَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ (البحر المحیط جلد۳ ص۴۵۲ مصری) کہ فترۃ سے مراد وہ زمانہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان گزرا۔"

۳۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ؎

نَبِيٌّ اَتَانَا بَعْدَ يَاسٍ وَ فَتْرَةٍ — مِنَ الرُّسُلِ وَالْاَوْثَانُ فِي الْاَرْضِ تُعْبَدُ

(دیوان حسان قافیہ الدال) یعنی ہمارے پاس محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یاس اور فترۃ کے بعد آتے ہیں (یعنی ایسے وقت جبکہ کافی عرصہ نبی کو مبعوث ہوتے گزر چکا تھا) اور حالت یہ ہے کہ زمین میں بتوں کی پرستش کی جاتی ہے۔

۴۔ یہ آیت تو امکانِ نبوت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اس میں بتایا گیا ہے کہ اس خیال سے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک لمبے عرصے تک کسی نبی کے مبعوث نہ ہونے کی وجہ سے لوگ یہ خیال نہ کرنے لگ جائیں کہ شاید خدا تعالیٰ نے اب نبی بھیجنا ہی بند کر دیا ہے اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجدیا۔ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ (المائدۃ : ۲۰) تا کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا۔ بعینہٖ یہی صورت حال اب بھی ہے۔

تردید دلائل انقطاع نبوّت از روئے حدیث

پہلی حدیث :۔ لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ۔ (بخاری کتاب الانبیاء باب ماذکر عن بنی اسرائیل جلد اول ص۴۹۱ مطبوعہ میرٹھ)

الجواب ۱ : اس حدیث کی دوسری روایت ہے۔

قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا عَلِيُّ اَمَا تَرْضٰى اَنْ تَكُوْنَ مِنِّيْ كَهَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى غَيْرَ اَنَّكَ لَسْتَ نَبِيًّا۔ (طبقات کبیر جلد ۵ ص۱۵)

کہ آنحضرتؐ نے فرمایا تھا کہ اے علی کیا تو خوش نہیں کہ تو مجھے ایسا ہی ہے جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو ہارون مگر فرق یہ ہے کہ میرے بعد تو نبی نہیں ہوگا۔ "لَا نَبِيَّ بَعْدِيْ" کی تشریح کر دی کہ آنحضرت صلعم کا خطاب عام نہیں۔ بلکہ خاص حضرت علیؓ سے ہے۔

الجواب ۲:۔ اسی بخاری میں آنحضرت صلعم کی بعینہ ایسی ہی ایک اور حدیث ہے ؟ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلْعَمْ اِذَا هَلَكَ كِسْرٰی فَلَا كِسْرٰی بَعْدَهٗ وَ اِذَا هَلَكَ قَیْصَرُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَهٗ (بخاری کتاب الایمان والنذور باب کیف کانت یمین النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد ۴ ص۱۹ مصری) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسریٰ مرے گا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہوگا اور جب یہ قیصر مرے گا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہ ہوگا۔

اپنے متعلق " لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ " اور قیصر کے متعلق " لَا قَیْصَرَ بَعْدَهٗ " فرمایا۔ کیا قیصر کے بعد کوئی قیصر نہیں ہوا؟ اور کیا کسریٰ شاہ ایران کے بعد اور کوئی کسریٰ نہیں ہوا؟ اگر ہوتے ہیں اور نسلاً بعد نسلٍ ہوتے رہے ہیں تو پھر حدیث لَا قَیْصَرَ بَعْدَهٗ اور لَا كِسْرٰی بَعْدَهٗ کے کیا معنے ہیں۔ اگر اس کے معنے یہ ہیں۔ کہ ان قیصر و کسریٰ کے بعد اس شان کے قیصر و کسریٰ نہ ہوں گے جیسا کہ فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ میں اس حدیث کا مطلب " مَعْنَاهُ فَلَا قَیْصَرَ بَعْدَهٗ یَمْلِكُ مِثْلَ مَا یَمْلِكُ هُوَ " کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب یہ قیصر مر جائے گا تو اس کے بعد کوئی ایسا قیصر نہ ہوگا جو اس طرح حکومت کرے۔ جس طرح یہ کرتا ہے تو لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا مطلب بھی یوں ہوگا کہ آپ جیسا نبی آپ کے بعد نہیں ہوگا۔ یہ " لَا " صفتِ موصوف کی نفی کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ مشہور مقولہ " لَا فَتٰی اِلَّا عَلِیٌّ لَا سَیْفَ اِلَّا ذُوالْفَقَارِ " (موضوعات کبیر صفحہ ۵۹، ۸۱) کیا حضرت علیؓ کے بعد کوئی جوان نہیں ہوا؟ اور کیا ذوالفقار کے بعد کوئی تلوار نہیں بنی؟ پس اس میں حضرت علی جیسے جوان کی اور ذوالفقار جیسی تلوار کی نفی ہے مطلق نفی نہیں۔ پس " لَا " نفی جنس کا نہیں۔ بلکہ صفت موصوف کی نفی کے لئے آیا ہے۔

۹:۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ حدیث لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ (بخاری۔ پارہ ۱۵ کتاب المناقب مناقب انصار جلد ۲ باب ہجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینۃ) کی تشریح میں فرماتے ہیں:۔

وَ اَمَّا قَوْلُهٗ عَلَیْهِ السَّلَامُ لَا هِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ فَالْمُرَادُ الْهِجْرَةُ الْمَخْصُوْصَةُ (تفسیر کبیر جلد ۴ ص۵۸ مطبوعہ مصر زیر آیت اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ هَاجَرُوْا وَ جَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ (الانفال: ۷۳)

یعنی حضورؐ کے ارشاد " لا ہجرۃ بعد الفتح " کا مطلب یہ نہیں کہ فتح مکہ کے بعد ہر قسم کی ہجرت بند ہوگئی بلکہ صرف ایک خاص ہجرت مراد ہے جو مکہ سے مدینہ کی طرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہوتی تھی۔

پس بعینہ اسی طرح " لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ " میں بھی ہر قسم کی نبوۃ مراد نہیں بلکہ صرف ایک مخصوص نبوۃ کا انقطاع مراد ہے جو شریعت جدیدہ کی حامل ہو اور جو قرآنی شریعت کو منسوخ کرے۔ نیز براہ راست ہو۔

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی ایام الصلح کے حوالہ سے کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ لَا نفی عام کے لئے ہے تو اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ حوالہ ایام الصلح پر حضرت اقدس بحث حضرت مسیح ناصری کی بعثت ثانی کے متعلق فرما کر یہ ثابت کر رہے ہیں کہ اب مسیح ناصری واپس

نہیں آسکتا۔ اور یہ کہہ کر غیر احمدیوں کو ملزم کرتے ہیں کہ جب لَآ نَبِیَّ بَعْدِیْ کے مطابق نبوت بند ہوگئی اور لَا نفی عام کے لیے ہے تو پھر کس طرح آنحضرتؐ کے بعد مسیح نبی اللہ کا واپس آنا مانتے ہو؟ لَا کا نفی عام ہونا غیر احمدیوں کو مسلم ہے اور یہی بتانا حضرت اقدسؑ کا مقصود تھا۔ کیونکہ جب بقول غیر احمدیاں لَا نبی بعدی سے کسی قسم کا استثناء جائز ہی نہیں تو پھر مسیح ناصری کی آمد ثانی کے لئے وہ استثناء کہاں سے نکالتے ہیں؟ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو اپنا عقیدہ دربارۂ امکانِ نبوت ایسا واضح کر دیا ہے کہ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ لَا نفی کمال جس کا ذکر ہم نے بعض مثالیں دیکر اوپر کیا ہے اس کو حضرت اقدس نے بھی تسلیم فرمایا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"یاد رکھنا چاہیئے کہ نفی کا اثر اسی حد تک محدود ہوتا ہے جو متکلم کے ارادہ میں متعین ہوتی ہے۔ خواہ وہ ارادہ صریحاً بیان کیا گیا ہو یا اشارۃً مثلاً کوئی کہے کہ اب سردی کا نام و نشان نہیں رہا تو ظاہر ہے کہ اس نے اپنے بلدہ کی حالتِ موجودہ کے موافق کہا ہے اور گو اس نے بظاہر اپنے شہر کا نام بھی نہیں لیا۔ مگر اس کے کلام سے یہ سمجھنا کہ اس کا یہ دعویٰ ہے کہ کُل کوہستانی ملکوں سے بھی سردی جاتی رہی اور سب جگہ سخت اور تیز دھوپ پڑنے لگی اور اس کی یہ دلیل پیش کرنا کہ جس لَا کو اس نے استعمال کیا ہے۔ وہ نفی جنس کا "لا" ہے۔ جس کا تمام جہان پر اثر پڑنا چاہیئے درست نہیں۔" (تصدیق النبیؐ صـ۱)

ب:۔ "لَا کِسْرٰی بَعْدَہٗ" یعنی...... دوسرا کسریٰ پیدا نہیں ہوگا۔ جو ظلم اور جور وجفا میں اس کا قائم مقام ہو۔ اس حدیث سے استنباط ہوسکتا ہے کہ...... پھر ایسی ہی خصلت کا انسان اس قوم میں پیدا ہونا محال ہے۔" (تریاق القلوب بڑی تقطیع صـ۱۰۱ وچھوٹا سائز صـ۲۹۵)

پس حضرت اقدس نے کمالِ موصوف کی نفی والا "لا" تسلیم فرمایا ہے بلکہ جو استنباط ہم نے لا کسریٰ بعدہٗ کی حدیث سے کیا تھا۔ اُس کی حرف بحرف تصدیق بھی فرما دی ہے۔

ایام الصلح کے حوالہ میں حضرت اقدس نے غیر احمدیوں کو الزامی طور پر اُن کے مسلمہ عقیدہ کے رُد سے ساکت کیا ہے کہ لا نبی بعدی کے لَا نفی عام سے حضرت عیسیٰؑ کی استثناء کس طرح ہو سکتی ہے؟ گویا یہ دلیل اس شخص کے لئے ہے جو حیاتِ مسیح کا قائل ہو۔ مگر نبوت کو آنحضرت صلعم کے بعد ختم مانتا ہو۔ مگر حضرت اقدس تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قطعی طور پر بروئے نصوص صریحہ قرآنیہ و حدیثیہ و وحیِ الٰہی وفات یافتہ تسلیم کرتے تھے۔ حضور کے نزدیک مسیح ناصری کا واپس آنا اس لئے محال نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ مُردہ واپس دُنیا میں نہیں آیا کرتا۔ حضرت اقدس کی یہ دلیل اس طرح کی ہے جس طرح ہم نے وفاتِ مسیح کے دلائل کے ضمن میں "اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ" والی پیشگوئی کو پاکٹ بک ہذا میں درج کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اگر حضرت مسیح ناصری دُنیا میں واپس آجائیں تو اندریں صورت وہ آنحضرت صلعم کے "بعد" اور آنحضرت صلعم سے "قبل" ہوجائیں گے۔ حالانکہ پیشگوئی اِسْمُهٗٓ اَحْمَدُ میں "احمد" رسول کو بہر حال حضرت مسیح سے "بعد" میں ہونا چاہیئے۔

اب کوئی تمہارے جیسا عقلمند ہمارے اس استدلال کو لے کر کھڑا ہو جائے اور شور مچاوے کہ دیکھو مصنف احمدیہ پاکٹ بک کا مذہب یہ ہے کہ اِسْمُہٗ اَحْمَدُ والی پیش گوئی کے مصداق حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نہیں۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ ہم نے اِسْمُہٗ اَحْمَدُ کی پیش گوئی سے وفات مسیح پر استدلال غیر احمدیوں کے عقیدہ کے رُو سے کیا ہے کیونکہ وہ اِسْمُہٗ اَحْمَدُ کی پیشگوئی کا مصداق آنحضرت صلعم ہی کو مانتے ہیں۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "لَانَبِیَّ بَعْدِیْ" سے وفات مسیح پر استدلال فرمایا ہے۔ کیونکہ غیر احمدی لَانَبِیَّ بَعْدِیْ کا ترجمہ "آخری نبی" ہی کرتے ہیں اور "لَا" کو نفی عام ہی کے لیے قرار دیتے ہیں۔ ورنہ حضرت اقدسؑ کا اپنا مذہب در بارۂ امکان نبوت دوسری جگہ پر ملاحظہ فرمائیں جس میں سے ایک حوالہ یہ ہے۔

"شریعت والا نبی کوئی نہیں آ سکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔"

(تجلیات الٰہیہ صفحہ ۴۵)

نیز "لا" کے متعلق حضرت اقدس کی تحریرات سے دو حوالے اور درج ہو چکے ہیں۔

(خادمؔ)

جواب ۳:۔ پھر اس حدیث میں لفظ بَعْدِیْ بھی غور طلب ہے قرآن مجید میں لفظ "بعد" مغایرت اور مخالفت کے معنوں میں بھی مستعمل ہوا ہے۔

۱۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ (الجاثیۃ: ۷) کہ اللہ اور اس کی آیات کے بعد کونسی بات پر وہ ایمان لائیں گے؟ اللہ کے بعد کیا مطلب؟ کیا اللہ کے فوت ہونے کے بعد؟ یا اللہ کی غیر حاضری میں؟ ظاہر ہے کہ یہ دونوں معنے باطل ہیں۔ پس "بعد اللہ" کا مطلب یہی ہوگا کہ اللہ کے خلاف۔ اللہ کو چھوڑ کر یا میرے خلاف رہ کر کوئی نبی نہیں ہو سکتا۔

۲۔ حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے فَاَوَّلْتُھُمَا کَذَّابَیْنِ یَخْرُجَانِ بَعْدِیْ اَحَدُھُمَا اَسْوَدُ الْعَنَسِیُّ وَالْاٰخَرُ مُسَیْلِمَۃُ (بخاری کتاب المغازی وفد بنی حنیفہ حدیث ابن عباس بروایت ابوہریرہ جلد ۳ ۴۹ مصری) یعنی آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ خواب میں مَیں نے سونے کے جو دو کنگن دیکھے اور ان کو پھونک مار کر اُڑایا۔ تو اس کی تعبیر مَیں نے یہ کی کہ اس سے مراد دو کذاب ہیں جو میرے بعد نکلیں گے۔ پہلا اسود عنسی ہے اور دوسرا مسیلمہ ہے اس حدیث میں آنحضرت صلعم نے یَخْرُجَانِ بَعْدِیْ فرمایا ہے کہ وہ دونوں کذاب میرے بعد نکلیں گے یہاں "بعد" سے مراد غیر حاضری یا "وفات" نہیں۔ بلکہ "مخالفت" ہے کیونکہ مسیلمہ کذاب اور اسود عنسی دونوں آنحضرت صلعم ہی کی زندگی میں مدعی نبوت ہو کر آنحضرت صلعم کے بالمقابل کھڑے ہوگئے تھے چنانچہ اسی بخاری میں آنحضرت صلعم کی دوسری حدیث درج ہے۔

"فَاَوَّلْتُھُمَا الْکَذَّابَیْنِ اَنَا بَیْنَھُمَا صَاحِبُ صَنْعَاءَ وَصَاحِبُ الْیَمَامَۃِ۔"

(بخاری کتاب التعبیر الرؤیا۔ باب النفخ فی المنام جلد ۴ صفحہ ۱۳۴ و کتاب المغازی باب وفد بنی حنیفہ جلد ۲ صفحہ ۲۰۲ مترجم اُردو)

پس میں نے اس سے مراد لی دو کذاب جن کے میں اس وقت درمیان ہوں یعنی اسود عنسی اور مسیلمۃ الیمامی۔ پس "اَنَا بَیْنَھُمَا" صاف طور پر بتاتا ہے کہ دوسری روایت میں یَخْرُجَانِ بَعْدِیْ میں "بعدی" سے مراد میرے مدمقابل اور میرے مخالف ہی ہے نہ کہ وفات یا غیر حاضری۔ پس لا نبی بعدی میں بھی "بعدی" سے مراد یہ ہے کہ میرے مدمقابل اور مخالف ہو کر کوئی نبی نہیں آ سکتا۔

نوٹ:۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حدیث ہذا میں "بعدی" سے مراد میرا مخالف ہونا نہیں۔ بلکہ یہاں "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے یعنی مراد بَعْدَ نُبُوَّتِیْ ہے کہ میری نبوت کے بعد۔ نیز اسی طرح سے قرآن مجید کی آیت میں "بَعْدَ اللّٰہِ" کے لفظ میں بھی "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے یعنی "بَعْدَ اٰیٰتِ اللّٰہِ" مراد ہے۔

الجواب ۱:۔ یہ محض عربی زبان سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کی محولہ بالا آیت اور حدیث "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" ہر دو میں "بعد" کا مضاف الیہ مذکور موجود ہے۔ چنانچہ آیت میں "بعد" کا مضاف الیہ "اللّٰہ" ہے اور حدیث میں "بعد" کا مضاف الیہ "ی" ہے۔ آیت مذکور میں تو "بعد" کا مضاف الیہ "اٰیٰتِ اللّٰہِ" یا "کِتٰبِ اللّٰہِ" کو قرار دینا اور بھی مضحکہ خیز ہے۔ کیونکہ اس سے نہایت قبیح تکرار آیت قرآنی میں ماننا پڑتا ہے۔ جو صریحاً ناقابل قبول ہے۔ یعنی آیت یوں بن جائے گی۔ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اٰیٰتِ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ (الجاثیۃ: ۷) کہ خدا تعالیٰ کی آیات اور آیات کے بعد کونسی بات کو مانو گے یا یوں ہو گا کہ خدا تعالیٰ کی کتاب اور آیات کے بعد کونسی چیز مانو گے۔

ظاہر ہے کہ آیات اور کتاب پر ایمان لانا کوئی الگ الگ چیز نہیں اور یہ بے معنی تکرار قرآن مجید میں محض اس لیے بنایا جاتا ہے کہ کہیں "بعد" کے معنی "خلاف" ثابت نہ ہو جائیں۔

جواب ۲:۔ دوسرا جواب اس کا یہ ہے کہ اگر بقول شما "یخرجان بعدی" میں "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے تو ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ میں "بعد" کا مضاف الیہ محذوف ہے اور وہ یہ ہے "بَعْدَ اِخْتِتَامِ زَمَانِ نُبُوَّتِیْ وَھُوَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَۃِ" یعنی میرے زمانہ نبوت (جو قیامت تک ہے) کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔ یعنی جو نبی آئے گا وہ میرے زمانۂ نبوت میں یعنی میرے ماتحت ہو کر آئے گا۔ صاحب شریعت نبی نہ ہو گا کہ میرے زمانۂ نبوت کو منسوخ کر سکے۔

لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ اور علماء گذشتہ

۱۔ ہم نے "لا نبی بعدی" کے جو معنے کئے ہیں۔ بزرگانِ اُمت نے بھی مختلف زمانوں میں اس کے یہی معنی بیان کئے ہیں۔ چنانچہ شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔

وَھٰذَا مَعْنٰی قَوْلِہٖ صَلْعَمْ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ صفحہ ۳ مصری مطبوعہ دار الکتب العربیہ الکبریٰ)

"یہی معنی ہیں حدیث اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ اور لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" کے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو مبعوث ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے خلاف کسی اور شریعت پر عمل کرتا ہو۔ ہاں اگر آنحضرت صلعم کی شریعت کے حکم کے ماتحت ہو کر آئے تو پھر نبی ہو سکتا ہے۔

۲۔ حضرت امام شعرانی اپنی کتاب الیواقیت والجواہر میں فرماتے ہیں :۔

"قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ اَلْمُرَادُ بِہٖ مُشَرِّعَ بَعْدِیْ۔" (الیواقیت والجواہر جلد ۲ صفحہ ۲۴)

کہ آنحضرتؐ کا یہ فرمانا کہ "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وَلَا رَسُوْلَ" اس سے مراد یہ ہے کہ میرے بعد صاحب شریعت کوئی نبی نہ ہوگا۔

۳۔ لُغت کی کتاب تکملہ مجمع البحار الانوار میں اس کے مصنّف امام محمد طاہر فرماتے ہیں :۔

"وَ ھٰذَا اَیْضًا لَا یُنَافِیْ حَدِیْثَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ لِاَنَّہٗ اَرَادَ لَا نَبِیَّ یَنْسَخُ شَرْعَہٗ" (تکملہ مجمع البحار الانوار صفحہ ۵)

کہ حضرت عائشہؓ کا قول قُوْلُوْا اِنَّہٗ خَاتَمُ الْاَنْبِیَاءِ وَلَا تَقُوْلُوْا لَا نَبِیَّ بَعْدَہٗ (دُرِّ منثور جلد ۵ صفحہ ۲۰۴ و تکملہ مجمع البحار صفحہ ۵) کہ یہ تو کہو کہ آنحضرت صلعم خاتم النبیین ہیں مگر یہ کبھی نہ کہنا کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئیگا، یہ آنحضرت صلعم کی حدیث لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کے مخالف نہیں ہے کیونکہ لا نبیّ بعدی سے مراد تو آنحضرت صلعم کی یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئیگا جو آپ کی شریعت کو منسوخ کرے۔

۴۔ نواب نور الحسن خان صاحب لکھتے ہیں :۔

"حدیث لَا وَحْیَ بَعْدَ مَوْتِیْ بے اصل ہے۔ ہاں "لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ" آیا ہے جس کے معنے نزدیک اہل علم کے یہ ہیں کہ میرے بعد کوئی نبی شرع ناسخ نہ لاوے گا" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۲)

دوسری حدیث :۔ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ (ترمذی کتاب المناقب۔ باب مناقب عمرؓ جلد ۲ صفحہ ۱۶۹ و مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب عمرؓ) کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہونا ہوتا تو حضرت عمرؓ ہوتے

الجواب :۔ (۱) ترمذی اور مشکوٰۃ دونوں میں یہ حدیث موجود ہے۔ مگر دونوں میں اس کے آگے ہی لکھا ہوا ہے۔ "ھٰذَا حَدِیْثٌ غَرِیْبٌ" (ترمذی حوالہ مذکورہ بالا و مشکوٰۃ کتاب المناقب باب مناقب عمرؓ اصح المطابع صفحہ ۵۵۸)۔

کہ یہ حدیث غریب ہے اور حدیث غریب جس کا ایک ہی راوی ہوتا ہے وہ قابل استناد نہیں ہوتی۔ صرف ایک گواہ کے کہنے سے کہ آنحضرت صلعم نے ایسا فرمایا تھا یہ بات ثابت نہیں ہو سکتی کہ فی الواقع آنحضرت صلعم نے ایسا ہی فرمایا تھا۔

غیر احمدی :۔ "کیا غریب حدیث ضعیف یا غلط ہوتی ہے۔ ہرگز نہیں صحیح ہوتی ہے"۔ (محمدیہ پاکٹ بک

صفحہ ۳۱۹ بار اوّل یکم مارچ ۱۹۳۵ء)۔

جواب :- امام ترمذی نے اس روایت کو غریب اس لئے کہا ہے کہ اس کا صرف ایک ہی راوی مشرح بن ہاعان کے طریقہ سے مروی ہے مشرح بن ہاعان کے متعلق لکھا ہے :- قَالَ ابْنُ حِبَّانَ فِی الضُّعَفَاءِ لَا يُتَابَعُ عَلَيْهَا فَالصَّوَابُ تَرْكُ مَا انْفَرَدَ بِهٖ قَالَ ابْنُ دَاؤُدَ اِنَّهٗ كَانَ فِیْ جَيْشِ الْحَجَّاجِ الَّذِيْنَ حَاصَرُوْا ابْنَ الزُّبَيْرِ وَرَمُوا الْكَعْبَةَ بِالْمَنْجَنِيْقِ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۱۵۵ و میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۴۷ و جلد ۳ صفحہ ۱۶۲) یعنی مشرح بن ہاعان کو ابن حبان نے ضعیف قرار دیا ہے اس کی روایات کا اعتبار نہیں کیا جاتا اور صحیح بات یہ ہے کہ جس روایت کا یہ اکیلا ہی راوی ہو وہ روایت درست تسلیم نہ کی جاتے بلکہ ترک کردی جاتے ابن داؤد کہتے ہیں کہ یہ راوی حجاج کے اس لشکر میں شامل تھا جنہوں نے حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کا محاصرہ کیا اور گھمانیوں سے کعبہ پر پتھر برساتے تھے۔

پس یہ روایت اس شخص کی ہے جس نے کعبہ پر سنگ باری کی، اور پھر وہ اس روایت میں منفرد ہے اور اس امر پر محدثین کا اتفاق ہے کہ مشرح بن ہاعان کی ایسی روایات جس میں وہ منفرد ہو۔ قابل قبول نہیں ہوتی۔ ترمذی نے یہ حدیث نقل کر کے لکھدیا ہے کہ روایات "لکان عمر" میں مشرح بن ہاعان منفرد ہے لہٰذا یہ حدیث صرف "غریب" ہی نہیں بلکہ ضعیف بھی ہے۔

ب :- مشرح بن ہاعان کے متعلق امام شوکانی لکھتے ہیں کہ وہ "متروک" ہے۔ فِیْ اِسْنَادِہٖ مَتْرُوْكَانِ هُمَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَاقِدٍ وَمِشْرَحُ بْنُ هَاعَانٍ۔

(الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ مطبوعہ محمدی پریس لاہور صفحہ ۱۱۳ سطر ۱)

ج :- چنانچہ حضرت امام سیوطی نے اپنی کتاب جامع الصغیر میں اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو جامع الصغیر مصری باب اللام جلد ۲ صفحہ ۱۳۱ جہاں پر یہ روایت نقل کر کے آگے (ض) کا نشان دیا ہے، جس کے معنی ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے۔

اسی طرح اس حدیث کا ایک اور راوی بکر بن عمرو المعافری بھی ہے اس کے متعلق تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۴۸۶ میں لکھا ہے کہ "قَالَ اَبُوْ عَبْدِ الْحَاكِمِ يُنْظَرُ فِیْ اَمْرِهٖ۔" کہ اس روایت کو مشکوک سمجھا جاتا ہے۔

پس یہ روایت ہی ضعیف اور ناقابلِ حجت ہے۔

غیر احمدی :- حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اوہام صفحہ ۹۸ پر یہ روایت لکھی ہے۔

جواب :- حضرت مسیح موعودؑ نے یہ کہاں تحریر فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے؟ محض کسی قول کا نقل کرنا تو اس امر کو مستلزم نہیں کہ نقل کرنیوالا اس قول کو مستند اور ثقہ بھی سمجھتا ہے۔

الجواب ۲ :- اس حدیث کی دوسری روایت میں یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا تھا "لَوْ لَمْ اُبْعَثْ لَبُعِثْتَ يَا عُمَرُ"

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۵۳۹ و برحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی باب مناقب۔ یہ حدیث صحیح ہے۔ (تعقبات سیوطی صفحہ ۲۸۷))

ب۔ لَوْ لَمْ اُبْعَثْ فِيْكُمْ لَبُعِثَ عُمَرُ فِيْكُمْ (کنوز الحقائق ص۱۰۳ وطبع جلد ۲)
یعنی اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو اے عمر! تو مبعوث ہو جاتا اور اگر میں مبعوث نہ ہوتا تو عمر تم میں مبعوث ہو جاتا
چونکہ آنحضرت صلعم نبی ہو کر مبعوث ہو گئے اس لئے عمر نبی نہ بنے۔
تیسری حدیث:۔ كَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ تَسُوْسُهُمُ الْاَنْبِيَاءُ كُلَّمَا هَلَكَ نَبِيٌّ خَلَفَهٗ نَبِيٌّ الخ (بخاری کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل جلد ۲)

الجواب:۔ سَيَكُوْنُ خُلَفَاءُ کے الفاظ جو حدیث میں آتے ہیں صاف بتا رہے ہیں کہ اس میں آنحضرت صلعم نے اپنے بعد قریب کا زمانہ مراد لیا ہے۔ جیسا کہ لفظ "س" سے ظاہر ہے جو مستقبل قریب کے لئے آتا ہے یعنی میرے معاً بعد خلفاء ہونگے اور معاً بعد نبی کوئی نہیں ہوگا۔

۲۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں قاعدہ یہ تھا کہ ان میں ہر نبی بادشاہ بھی ہوتا تھا جب کوئی نبی مرتا تو اس کا جانشین بھی بادشاہ نبی ہوتا تھا۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میری اُمت میں بادشاہت اور نبوت جمع نہیں ہوگی (مشکوٰۃ کتاب الرقاق باب الانذار والتحذیر) چنانچہ دیکھ لو۔ ابوبکرؓ عمرؓ عثمانؓ، علیؓ بادشاہ (خلیفے) تو ہوئے مگر نبی نہ تھے اور جو نبی ہوا (یعنی مسیح موعود) وہ بادشاہ نہ ہُوا۔

۳۔ اس حدیث سے یہ نکالنا کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلعم نے آنے والے مسیح موعودؑ کو مسلم کی حدیث میں "نبی اللہ" کر کے پکارا ہے (دیکھو مشکوٰۃ ص۴۶۹ مجتبائی (مشکوٰۃ اصح المطابع ص۴۷۳ و مسلم جلد ۲ ص۴۰۱ کتاب الفتن واشراط الساعۃ باب ذکر الدجال ونزول مسیح)

۴۔ یہ حدیث صرف آنحضرتؐ اور مسیح موعودؑ کے درمیانی زمانہ کے لئے ہے کیونکہ آنحضرت صلعم نے فرمایا ہے "لَيْسَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهٗ يَعْنِيْ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ نَبِيٌّ وَ اِنَّهٗ نَازِلٌ"

(ابوداؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال جلد ۲ ص۲۳۸)

کہ اُس نازل ہونے والے اور میرے درمیان کوئی نبی نہ ہوگا۔ بخاری میں بھی لَيْسَ بَيْنِيْ وَ بَيْنَهٗ نَبِيٌّ کے الفاظ آتے ہیں۔ (بخاری جلد ۲ ص۱۵۸ مصری کتاب بدء الخلق باب ذکر مریم پارہ ۱۳)

چوتھی حدیث:۔ "ثَلَاثُوْنَ دَجَّالُوْنَ كَذَّابُوْنَ"

(بخاری کتاب المناقب والفتن۔ مسلم کتاب الفتن)

الجواب ۱۔ تیس ۳۰ کی تعیین بتاتی ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی سچے نبی بھی آنے والے تھے ورنہ آنحضرت صلعم فرماتے کہ جو بھی آئیں گے جھوٹے ہی آئیں گے۔

۲۔ یہ حدیث بخاری۔ ترمذی اور ابوداؤد میں ہے اور جہاں تک اس حدیث کے راویوں کا تعلق ہے، یہ حدیث قابلِ استناد نہیں۔ کیونکہ بخاری نے اسے ابوالیمان سے بطریق شعیب والوالزناد نقل کیا ہے ابوالزناد کے متعلق ربیعہ کا قول ہے کہ "لَيْسَ بِثِقَةٍ وَلَا رَضِيٌّ" (میزان الاعتدال مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ ص۳۳) کہ یہ راوی نہ ثقہ ہے اور نہ پسندیدہ۔ ابوالیمان راوی نے یہ روایت شعیب سے لی ہے مگر لکھا ہے لَمْ يَسْمَعْ اَبُو الْيَمَانِ مِنْ شُعَيْبٍ (میزان الاعتدال جلد ا ص۲۷۲ مطبوعہ حیدرآباد)

کہ ابوالیمان نے شعیب سے ایک حدیث بھی نہیں سُنی۔ امام احمد بن حنبلؒ نے بھی یہی فرمایا ہے۔ پس یہ روایت قابلِ استناد نہ رہی۔

۳۔ تیس دجالوں والی حدیث کو ترمذی نے جس طریقہ سے نقل کیا ہے اس کی اسناد میں ابوقلابہؒ اور ثوبانؓ دو راوی ناقابلِ اعتبار ہیں۔ ابوقلابہ کے متعلق تو لکھا ہے کہ "لَيْسَ اَبُوْ قِلَابَةَ مِنْ فُقَهَاءِ التَّابِعِيْنَ وَهُوَ عِنْدَ النَّاسِ مَعْدُوْدٌ فِي الْبُلْهِ ۔ (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص۲۲۶)
"اِنَّهٗ مُدَلِّسٌ عَمَّنْ لَحِقَهُمْ وَعَمَّنْ لَمْ يَلْحَقْهُمْ" (میزان الاعتدال جلد ۲ ص۳۹ مطبوعہ حیدرآباد)
کہ ابوقلابہ فقہاء میں سے نہ تھا۔ بلکہ وہ لوگوں کے نزدیک ابلہ مشہور تھا۔ اور جو اسے ملا اس کے بارے میں اور جو اس سے نہیں ملا۔ اس کے بارے میں بھی وہ تدلیس کیا کرتا تھا۔ اسی طرح ثوبان کے متعلق ازدی کا قول ہے کہ يَتَكَلَّمُوْنَ فِيْهِ (میزان الاعتدال حیدرآباد جلد ۱ ص۱۶۳) کہ اس راوی کی صحت میں کلام ہے۔

ترمذی کے دوسرے طریق میں عبدالرزاق بن ہمام اور معمر بن راشد دو راوی ضعیف ہیں۔ عبدالرزاق بن ہمام تو شیعہ تھا۔ قَالَ النَّسَائِيُّ فِيْهِ نَظَرٌ۔۔۔ اِنَّهٗ لَكَذَّابٌ وَالْوَاقِدِيُّ اَصْدَقُ مِنْهُ قَالَ الْعَبَّاسُ الْعَنْبَرِيُّ۔۔۔۔ كَانَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ كَذَّابًا يَسْرِقُ الْحَدِيْثَ (تہذیب التہذیب جلد ۶ ص۳۱۴) کہ نسائی کے نزدیک قابلِ اعتبار نہیں۔ اور عباس عنبری کہتے ہیں کہ وہ کذاب تھا اور واقدی سے بھی زیادہ جھوٹا تھا یہ شخص کذاب تھا اور حدیثیں چورایا کرتا تھا۔

یہ روایت عبدالرحمٰن بن ہمام نے معمر سے لی ہے اور میزان میں لکھا ہے کہ قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ يُخْطِئُ عَلٰى مَعْمَرَ فِيْ اَحَادِيْثَ۔۔۔ قَالَ ابْنُ عُيَيْنَةَ اُخَافُ اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (میزان الاعتدال مطبع حیدرآباد جلد ۲ ص۱۲۶) کہ یہ ان روایات میں غلطی کرتا تھا جو یہ معمر سے لینا بیان کرتا تھا ابن عُیینہ کہتے ہیں کہ مجھے خوف ہے کہ یہ راوی قرآن مجید کی اس آیت کا مصداق تھا۔ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ (الکہف : ۱۰۵)

اسی طرح "معمر بن راشد" کے متعلق یحییٰ ابن معین کہتے ہیں کہ "ضعیف" تھا (میزان الاعتدال جلد ۳ ص۱۸۸ مطبوعہ حیدرآباد) اور ابن سعد کہتے ہیں کہ شیعہ تھا اور ابوحاتم کہتے ہیں کہ بصرہ میں اس نے جو روایات بیان کی ہیں ان میں غلط روایات بھی ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۲۴۴)

۴۔ ابوداؤد کے راویوں میں ابوقلابہ اور ثوبان بھی ہیں جن کے متعلق ضمن ب مندرجہ بالا میں بحث ہو چکی ہے۔ ان کے علاوہ سلیمان بن حرب اور محمد بن عیسیٰ بھی ضعیف ہیں۔ سلیمان بن حرب کے متعلق خود ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ راوی ایک حدیث کو پہلے ایک طرح بیان کرتا تھا، لیکن جب کبھی دوسری دفعہ اسی حدیث کو بیان کرتا تھا۔ تو پہلی سے مختلف ہوتی تھی اور خطیب کہتے ہیں کہ یہ شخص روایت کے الفاظ میں تبدیلی کر دیا کرتا تھا (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص۱۸۱) محمد بن عیسیٰ کے متعلق تو ابوداؤد کہتے ہیں۔ كَانَ رُبَمَا يُدَلِّسُ (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۳۹۴) کہ کبھی کبھی تدلیس کر لیتا تھا۔ ابوداؤد کے

دوسرے طریقہ میں عبدالعزیز بن محمد اور العلاء بن عبدالرحمٰن ضعیف ہیں۔ عبدالعزیز بن محمد کو امام احمد بن حنبلؒ نے خطار کار۔ ابوزرعہ نے "سَیِّئُ الْحِفْظِ" اور نسائی نے کہا ہے کہ "لَیْسَ بِالْقَوِیِّ" (یعنی قوی نہیں) ابن سعد کے نزدیک "کثیر الغلط" اور ساجی کے نزدیک "وہمی تھا (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۳۵۴) اسی طرح ابوداؤد کا دوسرا راوی العلاء بن عبدالرحمٰن بھی ضعیف ہے کیونکہ ان کے متعلق ابن معین کہتے ہیں۔

"هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَةِ لَیْسَ حَدِیْثُهُمْ حُجَّةً" (۱) سہل بن ابی صالح (۲) والعلاء بن عبدالرحمٰن (۳) وعاصم بن عبیداللہ (۴) ابن عقیل۔ (تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۱۴)

پس جہاں تک راویوں کا تعلق ہے یہ روایت قابل استناد نہیں۔

۵۔ اگر صحیح تسلیم کر لی جائے تو یاد رکھنا چاہیئے کہ مسلم کی شرح "اکمال الاکمال" میں لکھا ہے۔ هٰذَا الْحَدِیْثُ ظَهَرَ صِدْقُهٗ فَاِنَّهٗ لَوْعُدَّ مَنْ تَنَبَّأَ مِنْ زَمَنِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْاٰنَ لَبَلَغَ هٰذَا الْعَدَدُ وَیَعْرِفُ ذٰلِكَ مَنْ یُّطَالِعُ التَّارِیْخَ (اکمال الاکمال جلد ۷ صفحہ ۴۵۸ مصری) کہ تیس دجال آچکے ہیں.... اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک کے تمام نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنیوالوں کو گنا جائے تو یہ تعداد پوری ہو چکی ہے اور اس بات کو وہ شخص جو تاریخ کا مطالعہ کرے جان لے گا۔

اس کتاب کے لکھنے والا ۸۲۸ھ میں فوت ہوا۔ گویا چار سو سال گزرے کہ تیس۳۰ دجال آچکے ہیں مگر مولوی اب تک تیس۳۰ کے عدد کو طویل کئے جا رہے ہیں۔

۶۔ نواب صدیق حسن خانصاحب آف بھوپال حضرت مرزا صاحب کے دعویٰ سے قبل اپنی کتاب حجج الکرامہ میں تحریر فرماتے ہیں: کہ دجالوں کی تعداد پوری ہو چکی ہے چنانچہ ان کی اصل عبارت فارسی حسب ذیل ہے:۔

"بالجملہ آنچہ آنحضرت صلعم اخبار بوجود دجالین کذابین دریں اُمت فرمودہ بود، واقع شد" (حجج الکرامہ صفحہ ۲۳۹) کہ آنحضرت صلعم نے جو اس اُمت میں دجالوں کی آمد کی خبر دی تھی وہ پوری ہو کر تعداد مکمل ہو چکی ہے۔

غرضیکہ خواہ ۲۷ دجالوں کی آمد کی پیشگوئی ہو۔ خواہ تیس۳۰ کی ہر حال وہ تعداد پوری ہو چکی ہے۔

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ قیامت تک یا دُنیا کے اخیر تک یہ دجال آئیں گے۔" (انجام آتھم صفحہ ۴۶ وازالہ اوہام صفحہ ۱۹۹ چھوٹی تختی اول ایڈیشن وازالہ اوہام صفحہ ۱۹۱ بڑا سائز)

تم اس تعداد کا اب ہی پورا ہونا بتاتے ہو؟

الجواب:۔ اس کا جواب یہ ہے کہ بیشک قیامت سے پہلے ہی ان دجالوں نے آنا تھا اور اکمال الاکمال اور حجج الکرامہ کے حوالوں میں بھی یہی درج ہے۔ ان میں سے ایک بھی ایسا دجال نہیں جو قیامت کے بعد ہوا ہو۔ مثلاً ہم کہیں کہ "زید مرنے سے پہلے دو بیویاں کریگا"۔ اب اگر زید تیس سال کی عمر میں دو بیویاں کرے تو تمہارے جیسا کوئی عقلمند فوراً کہہ دیگا کہ چونکہ ابھی تک زید مرا نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ

اس نے دو بیویاں نہیں کیں ۔

نہ سمجھا تھک گئے ہم اس بُت خود سر کو سمجھاتے
سمجھ جاتا اگر اتنا کسی پتھر کو سمجھاتے

پانچویں حدیث :۔ سَبْعُوْنَ دَجَّالُوْنَ (فتح الباری شرح بخاری جزو ۲۹ صفحہ ۵۶۱ مطبوعہ دہلی از حافظ ابن حجرؒ ، طبرانی میں بروایت عبداللہ عمر ذکر ہے۔ حجج الکرامہ صفحہ ۲۳۳) ستر دجال آئیں گے ۔

الجواب ا۔ یہ حدیث ضعیف ہے (حجج الکرامہ صفحہ ۲۳۳) حافظ ابن حجر گفتہ سند ایں ہر دو حدیث ضعیف است ۔

۲ ۔ اس حدیث میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کریں گے بلکہ یہ مذکور ہے کہ وہ جھوٹی حدیثیں بنائیں گے ۔ پس یہ صرف واقدی جیسے وضاعوں کے متعلق ہے نیز ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے اتنا بڑا طومار جھوٹی حدیثوں کو کھڑا کر رکھا ہے ۔ پس مولویوں کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہیئے ۔

چھٹی حدیث :۔ مَثَلِیْ وَ مَثَلُ الْاَنْبِیَآءِ مِنْ قَبْلِیْ کَقَصْرٍ ۔

(بخاری ، مسلم ۔ مشکوٰۃ (فضائل سید المرسلین ۔ قصر نبوت والی حدیث) ۔

الجواب الاوّل :۔ یہ روایت قابل استناد نہیں ۔ کیونکہ بلحاظ روایت ضعیف ہے یہ دو طریقوں سے مروی ہے پہلے طریقہ میں زہیر بن محمد تمیمی ضعیف ہے اس کے متعلق لکھا ہے :۔

" قَالَ مَعَاوِیَۃُ عَنْ یَحْیٰی ضَعِیْفٌ وَ ذَکَرَہٗ اَبُوْزُرْعَۃَ فِیْ اَسَامِیْ الضُّعَفَآءِ قَالَ عُثْمَانُ الدَّارِمِیُّ لَہٗ اَغَالِیْطُ کَثِیْرَۃٌ وَ قَالَ النِّسَآئِیْ ضَعِیْفٌ وَ فِیْ مَوْضِعٍ اٰخَرَ وَ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ " (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۴۹)

کہ یحییٰ کے نزدیک اور ابو زرعہ کے نزدیک ضعیف ہے ۔ عثمان الدارمی کہتے ہیں کہ اس کی غلط روایات کثرت سے ہیں ۔ نسائی نے بھی اسے ضعیف قرار دیا ہے ۔

اس حدیث کے دوسرے طریقہ میں عبداللہ بن دینار مولیٰ عمر اور اور ابو صالح الخوزی ضعیف ہیں ۔ عبداللہ بن دینار کی روایت کو عقیلی نے مخدوش قرار دیا ہے (تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۲۰۲) اور ابو صالح الخوزی کو ابن معین قرار دیتے ہیں ۔

(تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صفحہ ۱۳۱ و میزان الاعتدال مطبع حیدر آباد جلد ۳ صفحہ ۳۶۵)

الجواب الثانی :۔ باوجود اس امر کے کہ اس روایت کے راوی ضعیف ہیں ۔ اگر بغرض بحث اس روایت کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر بھی تمہارا بیان کردہ مفہوم غلط ہے ۔ بلکہ تم حدیث کا جو مطلب لیتے ہو ۔ اگر وہ مطلب لیا جائے تو اس میں آنحضرت صلعم کی ہتک ہے کیونکہ تمہاری تشریح کے مطابق ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی اور آنحضرت صلعم نے آکر ایک اینٹ کی جگہ پُر کر دی گویا اگر آنحضرت صلعم تشریف نہ لاتے تو نبوت کے محل میں ایک موری یا سوراخ باقی رہ جاتا حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو خدا نے فرمایا ۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ (نزہۃ النظر فی شرح نخبۃ الفکر صفحہ ۱۳ حاشیہ از محمد عبداللہ ٹونکی

(موضوعات کبیر صفحہ ۵۹، ۱۰۰) کہ اگر آپؐ نہ ہوتے تو میں تمام جہان کو پیدا نہ کرتا۔

پس اس حدیث سے وہ مفہوم مراد نہیں ہے جو مولوی بیان کرتے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ اس حدیث میں شریعت کے محل کا ذکر ہے جس کو نبی تعمیر کرتے ہیں پہلے انبیاءؑ اپنے اپنے وقت میں ضرورت کے مطابق احکام شریعت لاتے رہے اور اس محل کی تکمیل کا سامان جمع ہوتا رہا۔ چونکہ عقلِ انسانی ارتقاء کے بلند ترین مقام پر ابھی تک نہیں پہنچی تھی۔ اس لیے وہ شریعتیں ناقص تھیں اور ان میں کمی باقی تھی۔ آنحضرت صلعم تشریف لائے تو اس وقت تکمیل عقلِ انسانی ہو چکی تھی اور احکام شریعت کو سمجھنے کی اہلیت پیدا ہو چکی تھی۔ اس لیے خدا تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا۔ آپؐ نے آکر پہلی شریعتوں کو بھی قرآن میں شامل کر لیا اور جو کمی باقی تھی۔ اس کو بھی پورا کر کے شریعت کے محل کو پورا کر دیا۔ قرآن مجید میں ہے فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ : ۴) گویا اس میں سب پہلی شریعتیں بھی شامل ہیں عقلِ انسانی کی وہ ترقی جو عیسےٰ علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلعم تک کے زمانہ میں ہوئی۔ اس کو آنحضرت صلعم نے "اینٹ کی جگہ" (موضع لبنۃٍ) قرار دیا ہے۔

الجواب الثالث۔ اس حدیث میں اَلْاَنْبِيَآءُ مِنْ قَبْلِيْ کا فقرہ بتاتا ہے کہ اس میں آنحضرتؐ نے صرف پہلے انبیاء ہی کا ذکر کیا ہے۔ بعد میں آنے والے انبیاء کا ذکر مقصود نہیں۔

الجواب الرابع۔ اب جبکہ عیسےٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے۔ تو وہ اینٹ کہاں لگے گی؟ جہاں سے ان کے لیے گنجائش نکالو گے۔ وہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیے بھی گنجائش ہوگی۔ اگر کہو کہ عیسےٰ علیہ السلام ابھی زندہ ہیں تو گویا معلوم ہوا کہ ابھی عیسٰی علیہ السلام والی اینٹ نہیں لگی۔ پھر آنحضرت صلعم کو فرمانا چاہیئے تھا کہ دو اینٹوں کی جگہ باقی ہے۔ ایک میں اور ایک عیسٰی بن مریم پس وفاتِ مسیح ثابت ہے۔

ساتویں حدیث :۔ اَنَا الْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ۔ (ترمذی جلد ۲ باب فضائل النبی صلعم)

جواب ۱ :۔ یہ روایت قابل حجت نہیں۔ کیونکہ اس کا ایک راوی سفیان بن عُیَیْنَہ ہے جس نے یہ روایت زہری سے لی ہے۔ سفیان بن عُیینہ کے متعلق لکھا ہے كَانَ يُدَلِّسُ قَالَ اَحْمَدُ يُخْطِئُ فِيْ نَحْوٍ مِنْ عِشْرِيْنَ حَدِيْثٍ عَنِ الزُّهْرِيْ عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدِ الْقَطَّانُ قَالَ اَشْهَدُ اَنَّ السُّفْيَانَ بْنَ عُيَيْنَةَ اخْتَلَطَ سَنَةَ سَبْعٍ وَّتِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ فَمَنْ سَمِعَ مِنْهُ فِيْهَا فَسَمَاعُهٗ لَا شَيْئٌ۔ (میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۹۷ حیدر آباد) یعنی یہ راوی تدلیس کیا کرتا امام احمدؒ کہتے ہیں کہ زہری سے بیسیوں روایات میں اس نے غلطی کی ہے (یہ عاقب والی روایت بھی اس نے زہری ہی سے لی ہے) یحیٰی بن سعید کہتے ہیں کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ سفیان بن عُیینہ کی ۱۹۷ھ میں عقل ماری گئی تھی۔ پس جس نے اس کے بعد اس سے روایت لی ہے وہ بے حقیقت ہے اس روایت کے دوسرے راوی زہری کے متعلق بھی لکھا ہے کہ "كَانَ يُدَلِّسُ فِي النَّادِرِ" (میزان الاعتدال مطبوعہ حیدر آباد جلد ۲ صفحہ ۱۴۶ و انوار محمدیؐ جلد ۲ صفحہ ۴۳۸) کہ یہ راوی کبھی کبھی تدلیس بھی کر لیا کرتا تھا پس اس روایت میں بھی اسی راوی نے ازراہ تدلیس وَ الْعَاقِبُ الَّذِيْ لَيْسَ بَعْدَهٗ نَبِيٌّ کے الفاظ بڑھا دیئے کیونکہ شمائل ترمذی شریف

مجتبائی میں جہاں یہ حدیث ہے وہاں وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ" کے الفاظ کے اوپر بین السطور لکھا ہے "ھٰذَا قَوْلُ الزُّھْرِیِّ" کہ یہ آنحضرت صلعم کا قول نہیں بلکہ علامہ زہری کا اپنا قول ہے۔
(شمائل ترمذی مجتبائی مطبوعہ ۱۳۴۲ھ صفحہ ۲۶)

۲۔ "عاقب" عربی لفظ ہے اور صحابہ جن کے سامنے آنحضرت صلعم کلام فرما رہے تھے وہ بھی عرب تھے پھر آنحضرت صلعم کو ترجمہ کرنے کی کیا ضرورت تھی یہ ترجمہ ہی صاف بتلا رہا ہے کہ یہ ترجمہ کسی ایسے آدمی نے کیا ہے جو اس حدیث کو ان لوگوں کے سامنے بیان کر رہا تھا جو عرب نہ تھے۔

۳۔ چنانچہ حضرت ملا قاری نے صاف طور پر فرمایا ہے۔ "اَلظَّاھِرُ اَنَّ ھٰذَا تَفْسِیْرٌ لِلصَّحَابِیِّ اَوْ مَنْ بَعْدَہٗ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ قَالَ ابْنُ الْاَعْرَابِیِّ اَلْعَاقِبُ الَّذِیْ یَخْلُفُ فِی الْخَیْرِ مَنْ کَانَ قَبْلَہٗ (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۵ صفحہ ۳۷۶ و برحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی باب اسماء النبی) کہ صاف ظاہر ہے کہ اَلْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ کسی صحابی یا بعد میں آنے والے شخص نے بطور تشریح بڑھا دیا ہے اور ابن اعرابی نے کہا ہے کہ "عاقب" وہ ہوتا ہے جو کسی اچھی بات میں اپنے سے پہلے کا قائم مقام ہو۔

<u>ضروری نوٹ</u>:۔ غیر احمدی "عُلَمَاءُ ھُمْ" نے ہمارے اس زبردست جواب کی تاب نہ لا کر ترمذی کے نئے ایڈیشن میں اس حدیث کے الفاظ میں بیہودیانہ مماثلت کو پورا کرنے کے لیے تحریف کر دی ہے چنانچہ ترمذی مجتبائی جو ۱۳۶۶ھ یا اس سے قبل چھپی ہوئی ہے اس میں وَالْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدَہٗ نَبِیٌّ کے الفاظ ہیں۔ (یعنی عاقب وہ جس کے بعد کوئی نبی نہ ہو) مگر بعد کی اسی مطبع کی چھپی ہوئی ترمذی میں الفاظ یوں ہیں اَلْعَاقِبُ الَّذِیْ لَیْسَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ (کہ عاقب ہوں کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں)۔

گویا بَعْدَہٗ " غائب کے صیغے۔۔۔ کو بدل کر بَعْدِیْ متکلم کا صیغہ بنا دیا ہے تاکہ متکلم کے صیغے سے یہ ثابت ہو سکے کہ یہ الفاظ بھی آنحضرتؐ ہی کے ہیں کسی دوسرے شخص کے نہیں۔ مگر خدا کے فضل سے ان کی چوری حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خادموں نے پکڑ لی۔

<u>آٹھویں حدیث</u>:۔ "اِنِّیْ اٰخِرُ الْاَنْبِیَاءِ وَاَنْتُمْ اٰخِرُ الْاُمَمِ"۔
(ابن ماجہ کتاب الفتن باب فتنۃ الدجال وخروج عیسیٰ ابن مریم۔ و کتاب الزہد باب صفت اُمۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

جواب ۱:۔ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ ابن ماجہ نے جن راویوں سے اسے نقل کیا ہے ان میں سے عبدالرحمٰن بن محمد المحاربی اور اسمٰعیل بن رافع (ابو رافع) ضعیف ہیں۔ عبدالرحمٰن بن محمد کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ ابْنُ مَعِیْنٍ یَرْوِیْ الْمَنَاکِیْرَ عَنِ الْمَجْھُوْلِیْنَ قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّ الْمُحَارِبِیَّ کَانَ یُدَلِّسُ۔۔۔۔ قَالَ ابْنُ سَعْدٍ کَانَ کَثِیْرُ الْغَلَطِ۔ (میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۱۵۔ و تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۲۶۵)
کہ ابن معین کہتے ہیں کہ یہ راوی مجہول راویوں سے ناقابل قبول روایات بیان کیا کرتا تھا۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں کہ یہ راوی تدلیس کیا کرتا تھا۔ ابن سعد کہتے ہیں کہ یہ راوی بہت غلط روایات کیا کرتا تھا۔ اس کا

دوسرا راوی ابو رافع اسمٰعیل بن رافع بھی ضعیف ہے کیونکہ لکھا ہے۔ ضَعَّفَهُ أَحْمَدُ وَيَحْيٰى وَ جَمَاعَةٌ قَالَ الدَّارُقُطْنِيُّ مَتْرُوْكُ الْحَدِيْثِ قَالَ ابْنُ عَدِيٍّ أَحَادِيْثُهُ كُلُّهَا فِيْهِ نَظَرٌ۔ (میزان الاعتدال جلد ا صفحہ ۱۰۵ حیدر آبادی)

یعنی امام احمد یحییٰ اور ایک جماعتِ محدثین نے اس راوی کو ضعیف قرار دیا ہے دارقطنی اسے متروک الحدیث کہتے ہیں اور ابن عدی کے نزدیک اس کی تمام کی تمام روایات مشکوک ہیں۔ اسی طرح اسے نسائی نے متروک الحدیث قرار دیا ہے اور ابن معین ترمذی اور ابن سعد کے نزدیک بھی ضعیف ہے۔ (تہذیب التہذیب جلد ا صفحہ ۲۹۴) پس یہ روایت بھی جعلی ہے۔

جواب نمبر ۲: حدیث کے الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ اس میں صرف ان انبیاء کا ختم ہونا مذکور ہے جو آکر نئی اُمت بناتے ہیں اور جو نئی شریعت لے کر آئیں اور آنحضرت صلعم کی اقتداء اور متابعت سے باہر ہو کر دعویٰ نبوت کریں۔

جواب نمبر ۳: اس حدیث کی تشریح مسلم کی دوسری حدیث کرتی ہے:۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّيْ آخِرُ الْأَنْبِيَاءِ وَ إِنَّ مَسْجِدِيْ آخِرُ الْمَسَاجِدِ (مسلم صفحہ ۲۵ باب فضل الصلوٰۃ فی مسجد المدینہ و مکہ و کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۲۵۶) کہ رسولِ کریم صلعم نے فرمایا کہ میں آخری نبی ہوں اور میری مسجد آخری مسجد ہے۔ کیا آنحضرت صلعم کی مسجد کے بعد اور کوئی مسجد نہیں بنی؟ بلکہ جتنی مسجدیں دنیا میں موجود ہیں سب آنحضرت صلعم کی مسجد کے بعد ہی تعمیر ہوئی ہیں کیا ان کی تعمیر ناجائز ہوئی ہے؟ نہیں بلکہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اب میری مسجد کے بعد کوئی ایسی مسجد نہیں بن سکتی۔ جو اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے نہ بنائی گئی ہو جو میری مسجد کا مقصد ہے یا جس میں وہ نماز نہ پڑھی جاتے جو میری مسجد میں پڑھی جاتی ہے یا جس کا قبلہ اور ہو غرضیکہ مغائرت اور مخالفت کے معنوں میں یہاں "آخِرُ الْمَسَاجِدِ" آیا پس یہی آخر الانبیاء کا مطلب ہے کہ میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آسکتا جو نئی شریعت لاتے یا میری شریعت کے خلاف ہو یا میری اتباع اور متابعت سے باہر ہو کر نبوت کا دعویٰ کرے۔

مگر ہماری بحث غیر تشریعی اُمتی نبوت میں ہے۔

"لفظ" آخر کی مثالیں

عربی نمبر ۱:۔ شَرٰى وُدِّيْ وَشُكْرِيْ مِنْ بَعِيْدٍ
لِآخِرِ غَالِبٍ أَبَدًا رَبِيْعٌ

("دیوان الحماسہ" لابی تمام حبیب بن اوس الطائی باب الحماسہ وقال قیس بن زہیر صفحہ ۱۲۵ مترجم اردو)

اس شعر کا ترجمہ مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبندی جو حماسہ کے شارح ہیں یوں کرتے ہیں۔ ربیع ابن زیاد نے میری دوستی اور شکر دور بیٹھے ایسے شخص کے لئے جو بنی غالب میں آخری یعنی ہمیشہ کیلئے

عدیم المثل ہے خرید لیا ہے گویا "آخر" کا ترجمہ "ہمیشہ کے لیے عدیم المثل" ہوا پس انہی معنوں میں آنحضرت صلعم بھی آخر الانبیاء یعنی ہمیشہ کے لیے عدیم النظیر ہیں۔

۷۔ امام جلال الدین سیوطی نے امام ابن تیمیہ کے متعلق لکھا ہے۔

سَیِّدُنَا الْاِمَامُ الْعَالِمُ الْعَلَّامَۃُ۔ اِمَامُ الْاَئِمَّۃِ قُدْوَۃُ الْاُمَّۃِ عَلَّامَۃُ الْعُلَمَاءِ وَارِثُ الْاَنْبِیَاءِ اٰخِرُ الْمُجْتَہِدِیْنَ۔

(الاشباہ والنظائر جلد ۳ صفحہ ۳۱۰ مطبوعہ حیدرآباد و محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۳۴۸ ایڈیشن یکم مارچ ۱۹۳۵ء)

گویا امام ابن تیمیہ آخر المجتہدین تھے۔ کیا ان کے بعد کوئی مجتہد نہیں ہوا؟

اُردو:۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال اپنے استاد داغ کا مرثیہ لکھتے ہوتے کہتے ہیں ؎

چل بسا داغ آہ میت اس کی زیب دوش ہے آخری شاعر جہاں آباد کا خاموش ہے

گویا داغ دلی کا آخری شاعر تھا۔ اسی مرثیہ میں آگے چل کر ڈاکٹر صاحب موصوف کہتے ہیں ؎

چل دیتے ساقی جو تھے مے خانہ خالی رہ گیا یادگار بزم دلی ایک حالی رہ گیا

(بانگ درا صفحہ ۵۵)

گویا داغ کے بعد حالی بزم دلی کی یادگار رہیں۔ نیز داغ کے بعد بھی دلی میں سینکڑوں شاعر ہوتے ہیں جلیل وغیرہ ان میں سے ممتاز ہیں۔

نویں حدیث:۔ اَنَا الْمُقَفّٰی (صحیح مسلم جلد ۲ باب فی اسماء النبی صلعم) مقفی کے معنی ہیں آخری نبی۔

الجواب:۔ آنحضرت صلعم بے شک مقفیٰ ہیں مگر مقفیٰ کا ترجمہ آخری نبی جو غیر احمدی علماء کرتے ہیں وہ قطعاً غلط ہے علامہ ابن الانباری فرماتے ہیں۔ مَعْنَاہُ الْمُتَّبِعُ لِلنَّبِیِّیْنَ (اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۶ صفحہ ۱۴۳) کہ مقفیٰ کے معنے ہیں کہ وہ جس کی انبیاء اتباع کریں گویا یہ نام بذاتِ خود اس امر کا مقتضی ہے کہ آنحضرت صلعم کے بعد انبیاء آویں جو آپ کی پیروی اور اتباع کریں اس کو انقطاع نبوت کی دلیل کے طور پر پیش کرنا نادانی ہے۔

دسویں حدیث:۔ یعفور نامی گدھے کا عقیدہ تھا کہ آنحضرت صلعم کے بعد کوئی نبی نہ آئیگا۔ چنانچہ ابن حبان اور ابن عساکر نے اس کو روایت کیا ہے کہ اُس نے کہا لَا مِنَ الْاَنْبِیَاءِ غَیْرُكَ کہ اے آنحضرت صلعم اب آپ کے سوا کوئی نبیوں میں سے باقی نہیں ہے

(دیکھو رسالہ حجۃ اللہ للعلمین صفحہ ۲۶ بحوالہ رسالہ ختم نبوت مصنفہ عبدالنبی الخبیر مولوی محمد بشیر کوٹلی لوہاراں صفحہ ۲۶ و ۲۷)۔

الجواب:۔ اس روایت کا جواب یہی ہے کہ اس کا کوئی جواب نہیں فی الواقع گدھے کا یہی خیال ہے کہ نبوت بند ہوگئی، لیکن تمہارا بیان کردہ گدھا تو ساتھ ہی ساتھ وفات مسیح کا بھی اعلان کر رہا ہے کیونکہ کہتا ہے کہ میری خواہش تھی کہ مجھ پر کوئی نبی سواری کرے۔ اب آپ کے سوا کوئی نبی نہیں رہ گیا اور میری نسل میں سے میرے سوا کوئی گدھا باقی نہیں اگر تمہارے نزدیک گدھے کا یہی مذہب درست ہے تو وفات مسیح کا بھی اقرار کرو۔ تمہاری اس مضحکہ خیز روایت کے پیش نظر وہ کون سے گدھے پر سواری کریں گے؟

تحقیقی جواب:۔ یہ روایت محض بے اصل اور بے سند ہے اور اس روایت کو پیش کرنا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں حد درجہ گستاخی کے مترادف ہے۔

گیارہویں حدیث:۔ حدیث میں ہے۔ "اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ"۔ (ترمذی مسند احمد عن انس۔ فتوحاتِ مکیہ جلد ۲ صہ ۳)

جواب ا:۔ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کے چار راوی حسنؒ بن محمد الزعفرانی ابوالعلی بغدادی عفانؒ بن مسلم البصری۔ عبدالواحدؒ بن زیاد اور المختارؒ بن فلفل المخذومی ضعیف ہیں۔ گویا سوائے حضرت انسؓ کے شروع سے لیکر آخر تک تمام سلسلۂ اسناد ضعیف راویوں پر مشتمل ہے حسن بن الزعفرانی کے متعلق علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔ "ضَعَّفَہٗ اِبْنُ قَانِعٍ وَقَالَ الدَّارَقُطْنِیُّ قَدْ تَکَلَّمُوْا فِیْہِ (میزان الاعتدال جلد ا صہ ۲۴۱ مطبوعہ حیدر آباد و مطبوعہ انوار محمدی جلد ا صہ ۲۱۲) یعنی ابن قانع کہتے ہیں کہ ضعیف تھا۔ دارقطنی کہتے ہیں کہ محدثین کے نزدیک اس راوی کی صحت کے بارے میں کلام ہے ابن عدی کہتے ہیں کہ اس راوی نے ایسی احادیث کی روایات کی ہیں جن کا میں نے انکار کیا۔

اسی طرح دوسرے راوی عفان بن مسلم البصری کے متعلق ابوخیثمہ کہتے ہیں:۔ اَنْکَرْنَا عَفَّانَ (میزان الاعتدال جلد ۲ صہ ۲۰۷ حیدر آبادی) کہ ہم اس راوی کو قابل قبول نہیں سمجھتے۔ تیسرے راوی عبدالواحد بن زیاد کے متعلق لکھا ہے:۔ فَقَالَ یَحْیٰی لَیْسَ بِشَیْءٍ (میزان الاعتدال جلد ۲ صہ ۱۵۸ مطبع حیدر آباد) کہ یحییٰ کہتے ہیں یہ راوی کسی کام کا نہیں ہے۔

اسی طرح چوتھے راوی مختار بن فلفل کے متعلق لکھا ہے کہ یُخْطِیُٔ کَثِیْرًا تَکَلَّمَ فِیْہِ سُلَیْمَانِیُّ فَعَدَّہٗ فِیْ رِوَایَۃِ الْمَنَاکِیْرِ عَنْ اَنَسٍ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صہ ۶۸) کہ یہ راوی روایت میں اکثر غلطی کرتا تھا۔ سلیمانی نے کہا ہے کہ یہ راوی انس سے ناقابل قبول روایات بیان کرنے والوں میں سے ہے چنانچہ روایت زیر بحث بھی اس راوی نے انس سے ہی روایت کی ہے لہٰذا محدثین کے نزدیک قابل انکار ہے اور حجت نہیں۔

۲۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں:۔ اِنَّ النُّبُوَّۃَ الَّتِیْ انْقَطَعَتْ بِوُجُوْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلْعَمْ اِنَّمَا ھِیَ النُّبُوَّۃُ التَّشْرِیْعُ لَا مُقَامَھَا فَلَا شَرْعَ یَکُوْنُ نَاسِخًا لِشَرْعِہٖ صَلْعَمْ وَلَا یَزِیْدُ فِیْ شَرْعِہٖ حُکْمًا اٰخَرَ وَھٰذَا مَعْنٰی قَوْلِہٖ صَلْعَمْ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ اَیْ لَا نَبِیَّ یَکُوْنُ عَلٰی شَرْعٍ یُخَالِفُ شَرْعِیْ بَلْ اِذَا کَانَ یَکُوْنُ تَحْتَ حُکْمِ شَرِیْعَتِیْ (فتوحات مکیہ جلد ۲ صہ ۳) کہ وہ نبوت جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوئی ہے وہ صرف تشریعی نبوت ہے نہ کہ مقامِ نبوت۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کو منسوخ کرنے والی کوئی شریعت نہیں آسکتی نہ اس میں کوئی حکم کم کرسکتی ہے نہ زیادہ۔ یہی معنی ہیں آنحضرت صلعم کے اس قول کے کہ اِنَّ الرِّسَالَۃَ وَالنُّبُوَّۃَ قَدِ انْقَطَعَتْ فَلَا رَسُوْلَ بَعْدِیْ وَلَا نَبِیَّ یعنی میرے بعد کوئی ایسا نبی نہیں جو میری شریعت کے خلاف کسی اور شریعت

پر ہو۔ ہاں اس صورت میں نبی آسکتا ہے کہ وہ میری شریعت کے ماتحت آئے (مفصل دیکھو دلائل امکانِ نبوت از اقوال بزرگان ص۴۲)

بارہویں حدیث :۔ لَا نُبُوَّۃَ بَعْدِیْ

(مسلم و فی ذکر غزوۂ تبوک حدیث بروایت سعد بن ابی وقاص و ترمذی کتاب فضائل صحابہ)۔

جواب (۱) یہ روایت بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کے چار راویوں میں تین ضعیف ہیں۔ قتیبہ۔ حاتم بن اسمٰعیل المدنی۔ بکیر بن مسمار الزہری۔ قتیبہ کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ الْخَطِیْبُ ھُوَ مُنْکَرٌ جِدًّا (تہذیب التہذیب جلد ۸ ص۳۶۱) کہ خطیب کہتے ہیں کہ وہ سخت ناقابل قبول راوی ہے۔ حاتم بن اسمٰعیل راوی کے متعلق نسائی کہتے ہیں کہ "لَیْسَ بِالْقَوِیِّ" (تہذیب التہذیب جلد ص۱۲۹) کہ یہ راوی ثقہ نہیں تھا۔ چوتھے راوی بکیر بن مسمار الزہری کے متعلق لکھا ہے۔ قَالَ الْبُخَارِیُّ فِیْہِ نَظَرٌ (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص۴۹۵ و میزان الاعتدال جلد ۱ ص۱۶۳) امام بخاری کہتے ہیں کہ اس راوی کے ثقہ ہونے میں کلام کیا جاتا ہے لہٰذا یہ روایت بھی حجت نہیں ہے۔

(ب)۔ لَا نُبُوَّۃَ بَعْدِیْ کے الفاظ ایک اور روایت میں بھی آتے ہیں۔ جس کو ابونعیم نے حضرت معاذؓ سے روایت کیا ہے، لیکن امام شوکانی فرماتے ہیں کہ یہ روایت "موضوع" ہے رَوَاہُ اَبُوْ نُعَیْمٍ عَنْ مُعَاذٍ مَرْفُوْعًا وَھُوَ مَوْضُوْعٌ اٰفَتُہٗ بِشْرُ بْنُ اِبْرَاھِیْمَ الْاَنْصَارِیُّ۔ (الفوائد المجموعۃ فی احادیث الموضوعۃ مطبوعہ محمدی پریس ص۱۱۶) کہ اس کا راوی بشر بن ابراہیم وضاع ہے اور یہ روایت جعلی ہے۔

تیرھویں حدیث :۔ "کُنْتُ اَوَّلَ النَّبِیِّیْنَ فِی الْخَلْقِ وَاٰخِرَھُمْ فِی الْبَعْثِ۔"
(موضوعات کبیر ص۱۱۱ و در منثور جزء ۵ ص۱۸۴)

جواب :۔ یہ روایت بھی موضوع ہے لکھا ہے :۔ قَالَ الصِّغَانِیُّ ھُوَ مَوْضُوْعٌ وَ کَذَا قَالَ ابْنُ تَیْمِیَّۃَ (الفوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ ص۱۰۸) کہ صغانی اور امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یہ روایت موضوع ہے۔

چودھویں حدیث :۔ "لَا یَبْعَثُ بَعْدِیْ نَبِیًّا" (الفوائد المجموعہ ص۱۵۲) کہ اللہ تعالیٰ میرے بعد کوئی نبی مبعوث نہیں کریگا۔

جواب :۔ یہ روایت بھی جھوٹی اور جعلی ہے۔ امام شوکانی اس روایت کو نقل کرکے لکھتے ہیں "ھُوَ مَوْضُوْعٌ" (الفوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعۃ ص۱۵۲ سطر ۱۰) کہ یہ روایت جعلی ہے۔

پس غیر احمدی علماء کی طرف سے جس قدر روایات اپنی تائید میں پیش کی جاتی ہیں ان میں سے ایک بھی اس امر کے اثبات کے لیے کافی نہیں کہ آنحضرت صلعم کی وفات کے بعد آپ کی پیروی اور غلامی میں آپ کی اُمت میں سے کوئی غیر تشریعی نبی نہیں آسکتا۔

پندرہویں حدیث :۔ "اِنَّ جِبْرِیْلَ لَا یَنْزِلُ اِلَی الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِیِّ صلعم۔"
(اقتراب الساعۃ ص۱۶۳) (روح المعانی جلد ۷ ص۶۵)

جواب :۔ یہ حدیث بے اصل ہے (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۳)

لکھا ہے :۔ "یہ حدیث اِنَّ جِبْرِیلَ لَا یَنْزِلُ اِلَی الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِیِّ صلعم بے اصل ہے۔ حالانکہ کتنی حدیثوں میں آنا جبریل کا آیا ہے۔" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۶۳)

۲۔ حضرت علامہ ابن حجرؒ فرماتے ہیں :۔

"وَمَا اشْتَهَرَ اَنَّ جِبْرِیلَ لَا یَنْزِلُ اِلَی الْاَرْضِ بَعْدَ مَوْتِ النَّبِیِّ فَهُوَ لَا اَصْلَ لَهٗ" (روح المعانی جلد ۷ صفحہ ۹۵ و نجم الکرام صفحہ ۲۳۱)

پس یہ روایت بھی حجت نہیں۔

شرک فی الرسالت کا الزام

احراری محض عوام کو دھوکہ دینے کی نیت سے کہا کرتے ہیں کہ ہم "شرک فی الرسالت" برداشت نہیں کر سکتے۔

جواب :۔ (۱) "شرک فی الرسالۃ" کے قابلِ اعتراض ہونے کی اصطلاح تم نے کہاں سے نکالی ہے؟ کیونکہ "شرک" تو اسلامی اصطلاح میں صرف اللہ تعالیٰ کی ذات یا صفات میں کسی کو ہم پلہ یا حصہ دار ماننے کا نام ہے کیونکہ وہ "واحد" ہے لیکن رسالت تو ایک ایسا انعام الٰہی ہے جس میں ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی شریک ہیں پس اگر شرک فی الرسالۃ کوئی قابلِ اعتراض چیز ہے تو ہر مسلمان ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ اس "شرک فی الرسالۃ" کا اقرار کرتا ہے۔

(۲) تم خود مسیح کی آمدِ ثانی کے قائل ہو جو نبی اللہ کا ہے۔ پھر شرک فی الرسالۃ کی غیرت کہاں گئی۔

(۳) قرآن مجید میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو وادیٔ طور میں اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ (طٰہٰ ۱۴) کی صدا لگائی اور دربارِ فرعون میں جانے کا حکم ملا تو حضرت موسیٰؑ نے یہ دُعا کی۔ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ وَاَشْرِکْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ (طٰہٰ : ۳۰ تا ۳۲)

اس آیت کا ترجمہ تفسیر قادری المعروف بہ تفسیر حسینی اُردو و فارسی سے نقل کیا جاتا ہے۔

"اور کردے میرے واسطے یعنی مقرر کر مدد دینے والا یا بوجھ بانٹنے والا۔ میرے لوگوں میں سے ہارون میرا بھائی مضبوط کر اس کے سبب سے میری پیٹھ اور شریک کر اُسے میرے کام میں یعنی انہیں نبوت میں میرا شریک کردے۔" (جلد ۲ صفحہ ۳۶)

(۴) حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں :۔ وَاَشْرِکْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ وَالْاَمْرُ هٰهُنَا النُّبُوَّةُ (تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۴۳ مصری) یعنی یہ شریک فی النبوۃ کرنے کی دُعا ہے۔

(۵) تفسیر ابی السعود میں ہے :۔ "اِجْعَلْهُ شَرِیْکِیْ فِیْ نُبُوَّتِیْ" (برحاشیہ تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۴۹ مصری) یعنی یہ دُعا کی کہ اے خدا! ہارون کو میری نبوت میں میرا شریک کردے پس یہ "شرک فی الرسالۃ" تو

وہ اعلیٰ اور عمدہ چیز ہے جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کر کے لجاجت سے حاصل کیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اسے بہت بڑا انعام اور فضل قرار دیا۔ جیسا کہ فرماتا ہے :۔

قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يَا مُوْسٰى وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى (طٰهٰ : ۳۸) کہ اے موسیٰ! ہم نے تیری "یہ شرک فی الرسالۃ" والی دُعا قبول کر لی اور صرف یہ نہیں بلکہ اس کے علاوہ ہم نے پہلے بھی ایک موقع پر تجھ پر ایک اور بڑا فضل کیا تھا۔ سورۃ مریم، ۵۴ میں ہے: "وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا" یعنی ہم نے اپنی طرف سے خاص رحمت کے طور پر حضرت موسیٰؑ کے بھائی ہارونؑ کو نبی بنایا۔ پس ثابت ہوا کہ جس طرح موسیٰؑ کے نبی بن جانے کے بعد اُن کے بھائی کا ان کے تابع نبی ہونا حضرت موسیٰؑ کی توہین نہیں بلکہ عزت افزائی اور فضل خداوندی ہے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے غلاموں میں سے کسی کا نبی ہونا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی میں بنا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی علوِ مرتبت اور شانِ عظمیٰ کو ثابت کرتا ہے نہ کہ باعث توہین ہے۔ چنانچہ لکھا ہے:

د۔ خاتم الرسل صلعم کے مرتبہ کو دیکھنا چاہیئے کہ ایسا پیغمبر جو کلمۃ خدا و روح اللہ ہے زمانِ آخر میں اُن کی امامت میں داخل شامل ہوگا۔ یہ رتبہ تو دنیا میں پایا جاوے گا آخرت میں پورا پورا رتبہ عزت سب انبیاء و رسل پر ظاہر ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ (اقتراب الساعۃ صفحہ ۹۴)

ب۔ "لَيْسَ فِي الرُّسُلِ مَنْ يَّتْبَعُهٗ رَسُوْلٌ اِلَّا نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَفٰى بِهٰذَا شَرَفًا لِّهٰذِهِ الْاُمَّةِ الْمُحَمَّدِيَّةِ (حج الکرامہ صفحہ ۴۲۶ سطر ۱) یعنی جملہ انبیاء علیہم السلام میں سے سوائے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی ایسا نبی نہیں ہے جس کے تابع کوئی دوسرا نبی ہو اور یہ اُمت محمدیہ کی ایک بہت بڑی فضیلت ہے۔" گویا جس چیز کو احراری معترض "شرک فی الرسالۃ" کی خود ساختہ اصطلاح کے نام سے ناقابل برداشت "توہین" قرار دیتا ہے علماء گذشتہ کے نزدیک یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی فضیلت ہے اور اُمتِ محمدیہ کے شرف اور مرتبہ کو ثابت کرنے والی ہے۔

حضرت موسیٰؑ کا جواب :۔

(۶) تورات میں ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے زمانے میں بھی یہ "شرک فی الرسالۃ" کی جھوٹی "غیرت" کا مظاہرہ کیا گیا تھا مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا وہی جواب دیا جو آج ہم احراریوں کو دیتے ہیں کہ تم خدا تعالیٰ کے انعام کے دروازے بند کرنے والے کون ہو؟

ملاحظہ ہو۔ توراۃ میں ہے :۔ "تب موسیٰؑ نے باہر جا کے خداوند کی باتیں قوم سے کہیں اور بنی اسرائیل کے بزرگوں میں سے ستر شخص اکٹھے کئے اور انہیں خیمہ کے آس پاس کھڑا کیا۔ تب خداوند بدلی میں ہو کر اُترا اور اُس سے بولا اور اُس رُوح میں سے جو اُس میں تھی کچھ لیکے اُن ستر بزرگ شخصوں کو دی۔ چنانچہ جب روح نے اُن میں قرار پکڑا تو وہ نبوت کرنے لگے اور بعد اس کے پھر نہ کی اور اُن میں سے دو شخص خیمہ گاہ ہی میں رہے تھے جن میں سے ایک کا نام اِلداد تھا اور دوسرے کا نام میداد۔ چنانچہ رُوح نے ان میں قرار

پکڑا اور وہ خیمہ گاہ ہی میں نبوت کرتے تھے۔ تب ایک جوان نے دوڑ کے موسیٰ کو خبر دی کہ الداد اور میداد خیمہ گاہ میں نبوت کرتے ہیں۔ سو موسیٰ کے خادم نون کے بیٹے یشوع نے جو اُس کے خاص جوانوں میں سے تھا موسیٰ سے کہا: کہ اے میرے خداوند موسیٰ! انہیں منع کر موسیٰ نے اُسے کہا کیا تجھے میرے لیے رشک آتا ہے کاش کہ خداوند کے سارے بندے نبی ہوتے اور خداوند اپنی رُوح اُن میں ڈالتا۔"
(گنتی باب ۱۱ آیت ۲۴ تا ۳۰)

غیر احمدی:۔ یہ تورات کا حوالہ ہے یہ بطور دلیل پیش نہیں ہوسکتا۔

جواب:۔ قرآن میں ہے:۔ فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْــٴَـلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ (یونس: ۹۵) صحیح حدیث میں ہے: حَدِّثُوْا عَنْ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ وَلَا حَرَجَ " (بخاری۔ ترمذی۔ مسند احمد بن حنبل۔ ابو داؤد بحوالہ جامع الصغیر امام سیوطی جلد اول ۱۲۶ مطبوعہ مصر باب الباء وجلد اول ۱۴۳ باب الحاء) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو بنی اسرائیل کی روایات بیان کرنے اور ان سے فائدہ اُٹھانے کی اجازت دی۔ اور فرمایا کہ بے شک بنی اسرائیل کی روایات اخذ کر لیا کرو۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے خیر یہ تو عام حکم ہے لیکن روایت زیر بحث میں تو جس مضمون کی طرف اشارہ کیا گیا ہے وہ نہ صرف یہ کہ قرآنی تعلیم کے خلاف نہیں بلکہ قرآنی تعلیم کے عین مطابق ہے اور خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس نظریہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سورۃ طٰہٰ کی مندرجہ بالا آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ پس اس کی صحت میں تو قطعاً کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔

"شرک فی الرسالۃ" کا نعرہ بلند کرنے والوں سے ایک سوال

جہاں تک حضرت مسیح موعودؑ کا تعلق ہے حضورؑ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے ایک ذرہ بھر بھی علیحدگی کو "خسران و تباب" قرار دیا، لیکن ذرا مندرجہ بالا حوالہ جات کو پڑھ کر پھر ان لوگوں سے جو شرک فی النبوۃ کا جھوٹا نعرہ بلند کرتے ہیں۔ پوچھئے کہ احمدیوں کے خلاف تو "تحفظ ختم نبوت" کے بہانے سے اشتعال انگیزی اور منافرت خیزی کی مہم چلا رہے ہو۔ لیکن قادری سلسلہ کے لوگوں کے خلاف کیوں محاذ نہیں بناتے۔ بلکہ اُن کے ساتھ تمہارا کامل اتحاد ہے۔ ملاحظہ ہوں حوالجات ذیل:۔

۱۔ "كَانَ فِیْ زَمَنِ الْغَوْثِ رَجُلٌ فَاسِقٌ مُصِرٌّ عَلَى الذُّنُوْبِ وَلٰكِنْ تَمَكَّنَتْ مَحَبَّةُ الْغَوْثِ فِیْ قَلْبِهِ الْمَحْجُوْبِ۔ فَلَمَّا تُوُفِّیَ دَفَنُوْهُ فَجَآءَ مُنْكَرٌ وَنَكِيْرٌ وَسَأَلَا مَنْ رَبُّكَ وَمَنْ نَبِيُّكَ وَمَا دِيْنُكَ فَاَجَابَهُمَا فِیْ كُلِّ سُؤَالٍ بِعَبْدِ الْقَادِرِ فَجَآءَهُمَا الْخِطَابُ مِنَ الرَّبِّ الْقَدِيْرِ يَا مُنْكَرُ وَنَكِيْرُ اِنْ كَانَ هٰذَا الْعَبْدُ مِنَ الْفَاسِقِيْنَ لٰكِنَّهٗ فِیْ مَحَبَّةِ مَحْبُوْبِی السَّيِّدِ عَبْدِ الْقَادِرِ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فَلِاَجْلِهٖ غَفَرْتُ لَهٗ " (کتاب مناقب تاج الاولیاء وبرہان الاصفیاء۔ القطب الربانی والغوث الصمدانی السید عبد القادر الگیلانی مصنفہ الشیخ عبد القادر القادری ابن محی الدین الاولی مطبوعہ مصر صفحہ ۲۳)

ترجمہ :۔ حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں ایک بدکار آدمی تھا جو گناہ پر گناہ کرتا چلا جاتا تھا، لیکن اس کے دل پر حضرت غوث الاعظم کی محبت غلبہ پا چکی تھی پس جب وہ شخص مر گیا تو اُسے دفن کر دیا گیا پھر اس کے پاس منکر نکیر آئے اور اس سے تین سوال کئے (۱) تیرا رب کون ہے (۲) تیرا نبی کون ہے (۳) تیرا دین کونسا ہے ؟ پس اُس شخص نے ان تینوں سوالوں میں سے ہر سوال کا جواب "عبدالقادر" دیا (یعنی یہ کہا کہ میرا رب عبدالقادر ہے۔ میرا نبی عبدالقادر ہے اور میرا دین بھی عبدالقادر ہے) پس رب قدیر کی طرف سے آواز آئی کہ اے منکر اور نکیر! سُنو! اگرچہ یہ شخص فاسق تھا۔ لیکن یہ میرے محبوب عبدالقادر کا سچا عاشق ہے پس اس محبت کی وجہ سے میں نے اسے بخش دیا ہے"

فرمایئے! کہیں "شرک فی التوحید" "شرک فی الرسالۃ" اور "شرک فی الدین" میں کوئی کسر تو باقی نہیں رہی۔

۲:۔ "فَقَالَ لِلْعِيْسوِيِّ إِنَّ نَبِيَّكُمْ بِأَيِّ كَلَامٍ كَانَ يُخَاطِبُ الْمَيِّتَ حِيْنَ إِحْيَائِهِ فَقَالَ فِيْ جَوَابِهِ كَانَ يُخَاطِبُهٗ بِقَوْلِهٖ قُمْ بِإِذْنِ اللّٰهِ ...... فَقَالَ لَهُ الْغَوْثُ إِنَّ صَاحِبَ هٰذَا الْقَبْرِ كَانَ مُغَنِّيًا فِي الدُّنْيَا إِنْ أَرَدْتَ أَنْ أُحْيِيَهُ مُغَنِّيًا فَأَنَا مُجِيْبٌ لَكَ فَقَالَ نَعَمْ فَتَوَجَّهَ إِلَى الْقَبْرِ وَقَالَ قُمْ بِإِذْنِيْ۔ فَانْشَقَّ الْقَبْرُ وَقَامَ الْمَيِّتُ حَيًّا مُغَنِّيًا" (کتاب مناقب تاج الاولیاء مطبوعہ مصر ص[۱۶])

"یعنی حضرت غوث الاعظم جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک عیسائی سے بحث کے دوران میں اس عیسائی سے دریافت کیا :۔ تمہارا نبی (عیسٰی) مُردوں کو کیا کہہ کر زندہ کیا کرتا تھا ؟ عیسائی نے جواب دیا۔ "قم باذن اللہ کہکر"۔ حضرت غوث الاعظم نے فرمایا کہ اس قبر میں مدفون شخص دُنیا میں مغنّی تھا اگر تو چاہے تو میں اس کو اس طرح زندہ کر سکتا ہوں کہ یہ گاتا ہوا زندہ ہو جائے۔ عیسائی نے کہا۔ بہت اچھا کر کے دکھلایئے۔ تو حضرت غوث الاعظم نے فرمایا "قُمْ بِإِذْنِيْ" (یعنی میرے حکم سے اُٹھ!) پس قبر پھٹ گئی اور وہ مُردہ گاتا ہوا زندہ اُٹھ کھڑا ہوا"

گویا مسیح ناصری تو خدا کے حکم سے مُردے زندہ کرتے تھے۔ مگر حضرت غوث الاعظم نے اپنے حکم سے مُردہ زندہ کیا۔

۳۔ ایک اور فضیلت ملاحظہ فرمایئے :۔ "لَمَّا عُرِجَ بِحَبِيْبِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْمِعْرَاجِ اسْتَقْبَلَ اللّٰهُ أَرْوَاحَ الْأَنْبِيَاءِ وَالْأَوْلِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ مِنْ مَقَامَاتِهِمْ لِأَجْلِ زِيَارَتِهٖ فَلَمَّا قَرُبَ نَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْعَرْشِ الْمَجِيْدِ رَاٰهُ عَظِيْمًا رَفِيْعًا لَابُدَّ لِلصُّعُوْدِ إِلَيْهِ مِنْ سُلَّمٍ وَمِرْقَاةٍ فَأَرْسَلَ اللّٰهُ إِلَيْهِ رُوْحِيْ فَوَضَعْتُ كَتِفِيْ مَوْضِعَ الْمِرْقَاةِ فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَّضَعَ قَدَمَيْهِ عَلٰى رَقَبَتِيْ سَأَلَ اللّٰهَ تَعَالٰى عَنِّيْ فَأَلْهَمَهٗ هٰذَا وَلَدُكَ اسْمُهٗ عَبْدُ الْقَادِرِ (کتاب مناقب تاج الاولیاء ص[۸])

حضرت غوث الاعظم جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ معراج کی شب جب حبیب خدا آنحضرت صلعم آسمان پر تشریف لے گئے تو اللہ تعالٰے نے جملہ انبیاء اور اولیاء کی روحوں کو اُن کے مقامات سے حضور صلعم کے

استقبال وزیارت کے لیے بھیجا پھر جس وقت آنحضرت صلعم عرش الٰہی کے قریب پہنچے تو آپ نے دیکھا کہ عرش الٰہی بہت بڑا اور بہت اونچا ہے اور اس پر سیڑھی کے بغیر چڑھنا مشکل ہے۔ پس آپ کو سیڑھی کی ضرورت پیش آئی تو یکدم اللہ تعالیٰ نے میری (غوث الاعظم کی) روح کو بھیج دیا چنانچہ میں نے اپنا کندھا سیڑھی کی جگہ کر دیا پس جب آنحضرت صلعم میرے کندھے پر پاؤں رکھنے لگے تو حضور صلعم نے اللہ تعالیٰ سے میرے بارے میں دریافت فرمایا کہ یہ کون ہے؟ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ آپ کا بیٹا ہے اور اس کا نام عبدالقادرؒ ہے۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرش الٰہی تک حضرت غوث الاعظم کی مدد سے پہنچ سکے۔ حضرت غوث الاعظم فرماتے ہیں:۔

۴۔ "وَمَا مِنْ نَبِيٍّ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَا وَلِيٍّ اِلَّا وَقَدْ حَضَرَ مَجْلِسِيْ هٰذَا الْاَحْيَاءُ بِاَبْدَانِهِمْ وَالْاَمْوَاتُ بِاَرْوَاحِهِمْ" (مناقب تاج الاولیاء مذکور ص۴۲ مصری) کوئی ایک نبی یا ولی ایسا نہیں جو میری اس مجلس میں حاضر نہ آیا ہو اُن میں سے جو زندہ ہیں وہ اپنے جسموں سمیت یہاں آتے اور جو فوت ہو چکے ہیں اُن کی روحیں حاضر ہوتیں۔

نوٹ:۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ تھے تو یقیناً وہ بھی آسمان پر سے اُتر کر حضرت غوث الاعظم کی مجلس میں حاضر ہوتے ہونگے۔ پس آنحضرت صلعم کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کم از کم ایک مرتبہ تو آسمان سے نزول فرما چکے ہیں۔ اب دوبارہ آسمان پر چڑھنے کے لئے کس نقل کی ضرورت ہے۔ اس حاضری سے آنحضرتؐ بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔

۵۔ حضرت غوث الاعظمؒ فرماتے ہیں:۔ "هٰذَا وُجُوْدُ جَدِّيْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وُجُوْدُ عَبْدِ الْقَادِرِ" (کتاب مناقب تاج الاولیاء مصری ص۳۵ و گلدستہ کرامات ص۱۰) کہ یہ میرا اپنا عبدالقادر کا وجود نہیں بلکہ میرے نانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہے۔

۶۔ "هُوَ مُتَصَرِّفٌ فِي التَّكْوِيْنِ بِالْاِذْنِ الْمُطْلَقِ" (مناقب تاج الاولیاء مصری ص۳) یعنی حضرت غوث الاعظم کو "کُن فیکون" کا تصرف حاصل ہے۔

۷۔ "لَهُ الْاَخْلَاقُ الْمُحَمَّدِيَّةُ وَالْحُسْنُ الْيُوْسُفِيُّ وَالصِّدْقُ الصِّدِّيْقِيُّ وَالْعَدْلُ الْعُمَرِيُّ وَالْحِلْمُ الْعُثْمَانِيُّ وَالْعِلْمُ وَالشَّجَاعَةُ وَالْقُوَّةُ الْحَيْدَرِيَّةُ" (مناقب تاج الاولیاء مصری ص۱۳) یعنی حضرت غوث الاعظم میں اخلاق محمدیؐ حُسنِ یوسفی صدق صدیقی۔ عدلِ عمر۔ حلم عثمان اور حضرت علی کا علم شجاعت اور قوت تھی۔

۸۔ "هُوَ فِيْ مَقَامِ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" (مناقب تاج الاولیاء ص۲۸) یعنی حضرت غوث الاعظم مقام دنا فتدلّٰی فکان قاب قوسین اَوْ ادنٰی میں ہیں۔

۹۔ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں:۔ لوگ جانتے ہیں کہ میں اُن جیسا ایک شخص ہوں اگر عالمِ غیب میں میری صفت دیکھیں تو ہلاک ہو جائیں اور فرماتے ہیں:۔

"میری مثال اس دریا کی طرح ہے جس کا نہ گہراؤ معلوم ہے نہ اوّل و آخر۔ ایک نے پوچھا عرش کیا

ہے؟ فرمایا مَیں ہوں" پوچھا "کُرسی کیا ہے فرمایا "میں ہوں" پوچھا خدا کیا ہے؟ فرمایا "میں" کہا خُدا عز و جل کے برگزیدہ بندے ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰؑ محمدؐ علیہم الصلوٰۃ والسلام فرمایا "سب میں ہوں" کہا کتے ہیں کہ خدا کے برگزیدہ بندے ہیں جبرئیلؑ۔ میکائیل۔ اسرافیل۔ عزرائیل علیہم السلام فرمایا! وہ سب میں ہوں"

(ظہیر الاصفیاء۔ ترجمہ اُردو تذکرۃ الاولیاء۔ چودھواں باب صفحہ ۱۵۴، ۱۵۵ و تذکرۃ الاولیاء۔ اُردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز مطبع علمی پرنٹنگ پریس بار سوم ص۱۲۸)۔

ب:۔ ابو یزید سے لوگوں نے کہا کہ فردائے قیامت میں خلائق لوائے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نیچے ہونگے کہا قسم خدا کی میرا لواء (جھنڈا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لواء سے زیادہ ہے کہ خلائق اور پیغمبر میرے لواء کے نیچے ہونگے۔ مجھ جیسا نہ آسمان میں پائیں گے اور نہ زمین میں۔

(ظہیر الاصفیاء۔ ترجمہ اُردو تذکرۃ الاولیاء مطبع اسلامیہ لاہور بار سوم ص۱۵۹ چودھواں باب)۔

نوٹ:۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بایزید بسطامی مجذوب تھے۔ کیونکہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بایزید بسطامی کے بارے میں لکھا ہے کہ بقولِ حضرت جنید بغدادی آپ کا مقام اولیاء اُمت میں ایسا ہے جیسے جبرئیل کا مقام دوسرے فرشتوں میں۔

(کشف المحجوب مترجم اردو ص۱۲۲ شائع کردہ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین ۱۳۲۲ھ مطبع عزیزی لاہور)

مستلزم کفر یا مدارِ نجات کی آمد!

غیر احمدی:۔ ایسا وجود جس کا انکار مستلزم کفر یا مدار نجات ہو اگر آجاتے تو اُمتِ محمدیہ میں تفرقہ پڑ جائیگا اس لئے ممتنع ہے۔

جواب ۱:۔ یہ ایک بلا دلیل مفروضہ ہے یہ کہاں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں سے کسی کو بھی عذاب نہیں دیگا یا اس اُمت میں تفرقہ نہیں پڑیگا۔ حدیث میں تو یہ لکھا ہے اِنَّ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ تَفَرَّقَتْ عَلٰی اِثْنَتَیْنِ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَسَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَاحِدَۃً۔ (مشکوۃ اصح المطابع ص۳۰ مطبع احمدی) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود کے بہتّر فرقے ہوتے تھے لیکن میری اُمت کے ۷۳ فرقے ہو جائینگے اُن میں سے ۷۲ دوزخی ہونگے سوائے ایک فرقہ کے پس تفرقہ بھی موجود ہے اور اکثریت کا "فی النار" ہونا بھی مسلم ہے پھر یہ "احتیاط" کس لئے ہے؟

۲:۔ مسیح موعودؑ اور امام مہدی کی آمد کا عقیدہ ایک اجماعی عقیدہ ہے اور یہ بھی مسلم ہے کہ اُن کا انکار کفر ہے ملاحظہ ہو:۔

ا۔ جو کوئی۔۔۔۔۔ تکذیب مہدی کی کرے گا وہ کافر ہو جائیگا۔ رَواہ ابو بکر الاسکاف فی فوائد الاخبار و ابو القاسم السہیلی فی شرح السیرۃ" (اقتراب الساعۃ ص۱۰۱)

ب۔ و ابوبکر بن ابی خیثمہ اسکاف چنانکہ سہیلی از وے نقل کردہ دریں باب تو نقل نمودہ در فوائد

الاخبار بسند خود از مالک بن انس از محمد بن منکدر از جابر آوردہ کہ گفت رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ كَذَّبَ بِالْمَهْدِيِّ فَقَدْ كَفَرَ (حجج الکرامہ ص۳۵۱) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مہدی کی تکذیب کرنیوالا کافر ہوگا۔ (ج) حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں!۔ وَمَنْ قَالَ بِسَلْبِ نُبُوَّتِهِ كَفَرَ حَقًّا كَمَا صَرَّحَ بِهِ السُّيُوطِيُّ فَإِنَّهُ النَّبِيُّ لَا يَذْهَبُ عَنْهُ وَصْفُ النُّبُوَّةِ فِي حَيَاتِهِ وَلَا بَعْدَ مَوْتِهِ .... وعیسیٰ را بعد نزول وحی الٰہی آید چنانکہ در حدیث نواس بن سمعان نزد مسلم وغیرہ آمدہ يَقْتُلُ عِيسَى الدَّجَّالَ عِنْدَ بَابِ لُدٍّ الشَّرْقِيِّ فَبَيْنَمَا هُمْ كَذَالِكَ وَإِذَا أَوْحَى اللهُ تَعَالَىٰ إِلَىٰ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ إِنِّي قَدْ أَخْرَجْتُ عِبَادًا مِنْ عِبَادِي لَا يَدَانِ لَكَ بِقِتَالِهِمْ فَحَرِّزْ عِبَادِي إِلَى الطُّورِ الحديث وظاہر آنست کہ آرندۂ وحی بسوئے او جبرئیل علیہ السلام باشد بلکہ ہمیں یقین داریم و دراں تردد نمی کنیم چہ جبرئیل سفیر خدا است درمیان انبیاء علیہم السلام وفرشتہ دیگر برائے ایں کار معروف نیست (حجج الکرامہ ص۴۳۱) (۳) یہ تو خیر امام مہدی یا مسیح موعود کا ذکر ہے لیکن انکے علاوہ بھی بعض ہستیاں ایسی ہیں جن پر ایمان لانا مدارِ نجات ہے ملاحظہ ہو (ا) قرآن مجید:۔ أَطِيعُوا اللهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء : ۶۰) (ب) مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي مِثْلُ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَهَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ (مستدرک امام حاکم بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی جلد ۲ ص۱۵۴ مطبوعہ مصر باب المیم) یعنی میرے اہلِ بیت کی مثال نوحؑ کی کشتی کی ہے جو کوئی اس پر سوار ہوگا نجات پائیگا اور جو پیچھے رہیگا وہ غرق ہوگا۔ (یہ حدیث ہے)

اس حدیث میں اہلِ بیت نبویؐ پر ایمان لانے کو مدار نجات ٹھہرایا گیا ہے (ج) حدیث میں ہے حُبُّ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ مِنَ الْإِيمَانِ وَبُغْضُهُمَا نِفَاقٌ " وَحُبُّ أَنْصَارٍ مِنَ الْإِيمَانِ وَبُغْضُهُمْ كُفْرٌ (ابن عساکر بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی باب حرف الحاء ص۱۴۶ جلد ۱) یعنی ابوبکرؓ وعمرؓ کی محبت ایمان میں سے ہے اور اُن سے بغض نفاق (کفر) ہے انصار کی محبت ایمان اور ان سے بغض کفر ہے! (د) "مَنْ سَبَّ أَصْحَابِي فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللهِ وَالْمَلٰئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ " (طبرانی بحوالہ جامع الصغیر جلد ۲ ص۱۶۲) یعنی جو کوئی میرے اصحاب کو گالی دے اُس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور جملہ انسانوں کو لعنت (ہ) اللہ تعالیٰ نے حضرت غوث الاعظم سید عبد القادر جیلانی کو الہام کیا۔ مَقْبُولُكَ مَقْبُولِي وَمَرْدُودُكَ مَرْدُودِي (کتاب مناقب تاج الاولیاء مصری ص۲۱/۲۲) کہ تیرا مقبول میرا مقبول اور تیرا مردود میرا مردود ہے۔ (و) "وَمَنْ يَنْحَرِفْ عَنْ طَاعَتِهِ يَقَعُ مِنْ ذُرْوَةِ الْقُرْبِ إِلَى أَسْفَلِ الْبُعْدِ وَالْحِرْمَانِ " (مناقب تاج الاولیاء ص۱۳) یعنی جس نے حضرت غوث الاعظم کی فرمانبرداری سے انحراف کیا وہ قرب کی بلندیوں سے گر کر اسفل السافلین میں جا گرا۔ (ز) حضرت غوث الاعظم کا منکر کافر ہے (مناقب تاج الاولیاء ص۱۳) (ح) شَيْخَيْنِ یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ کو بُرا کہنے سے کافر ہوتا ہے:

(مَا لَا بُدَّ مِنْهُ (اُردو) شائع کردہ ملک دین محمد اینڈ سنز مصنفہ مولوی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ص۹۸)

(ط) شیعوں کا عقیدہ ہے کہ بارہ اماموں پر ایمان لانا مدارِ نجات ہے۔ ملاحظہ ہو حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

نَحْنُ قَوْمٌ اَمَرَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی بِطَاعَتِنَا وَنَهٰی عَنْ مَعْصِيَتِنَا نَحْنُ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ عَلٰی مَنْ دُوْنَ السَّمَاءِ وَفَوْقَ الْاَرْضِ" (کافی کتاب الحجۃ باب ۵۲) کہ ہم (ائمہ) ایک ایسی معصوم جماعت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کو ہماری فرمانبرداری کرنے اور ہماری نافرمانی نہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ ہم حجتِ بالغہ ہیں اُن پر جو آسمان کے نیچے اور زمین کے اوپر ہیں۔

(۴) حدیث مجددین میں ہے کہ " اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَاْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُّجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا" (ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ مطبوعہ مطبع نولکشور۔ کتاب الملاحم باب " مَا يُذْكَرُ فِيْ قَرْنِ الْمِائَةِ " کی پہلی حدیث۔ نیز مشکوٰۃ مطبع اصح المطابع و مطبع مجتبائی صفحہ ۳۶ کتاب العلم)۔

(اس کی تفصیل دیکھو دلائل صداقت مسیح موعودؑ پندرہویں دلیل)۔

۵۔ حدیث میں ہے۔ مَنْ لَّمْ يَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِهٖ فَقَدْ مَاتَ مِيْتَةً الْجَاهِلِيَّةِ "رواہ ابوداؤد والطیالسی فی مسندہٖ وابونعیم فی حلیتہ عن ابن عمرؓ۔ (کنز العمال جلد ۳ صفحہ ۲۰۰)

نوٹ:۔ یہ حدیث اہلِ شیعہ کے ہاں بھی مسلّم ہے (ملاحظہ ہو کلینی صفحہ ۹۶ و صفحہ ۱۹۰) یعنی جو شخص اپنے زمانہ کے امام کو شناخت نہ کرے وہ جاہلیت کی موت مریگا "

۶۔ امام مہدی کے بارے میں ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۶ کتاب الملاحم مطبوعہ مطبع نولکشور کی حدیث میں ہے کہ " اِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَاعْرِفُوْهُ " یعنی جب تم امام مہدی کا زمانہ پاؤ تو تمہیں چاہیئے کہ اُسے شناخت کرو اور ایک دوسری روایت میں ہے " فَاِذَا رَأَيْتُمُوْهُ فَبَايِعُوْهُ وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الثَّلْجِ فَاِنَّهٗ خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ " (ابن ماجہ کتاب الفتن جلد ۲ باب خروج المہدی حدیث نمبر ۴۰۸۴)

یعنی جب تم امام مہدی کا زمانہ پاؤ تو اُس کی بیعت کرو خواہ تمہیں برف پر سے گھٹنوں کے بل ہی اُس کے پاس جانا پڑے کیونکہ وہ خلیفۃ اللہ ہے۔

۷۔ شیعوں کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت غوث الاعظم جیلانیؒ کے فتاویٰ کفر کی تفصیل ملاحظہ ہو مضمون بعنوان "حربۂ تکفیر" (آخری حصہ پاکٹ بک ہذا)۔

عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ

خادم

دلائل صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام

(حصہ اوّل)

پہلی دلیل فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ (یونس : ۱۷) کہ مَیں نے تم میں دعویٰ نبوت سے قبل ایک لمبی عمر گزاری ہے۔ کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ اگر مَیں پہلے جھوٹ بولتا تھا تو اب بھی بولتا ہوں لیکن اگر میری چالیس سالہ زندگی پاک اور بے عیب ہے تو یقیناً آج میرا دعویٰ الہام و نبوت بھی حق ہے ؎

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است

حضرت قطب الاولیاء ابواسحٰق ابراہیم بن شہریار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :-

"جو شخص جوانی میں اللہ تعالیٰ کا فرمانبردار ہوگا۔ وہ بڑھاپے میں بھی اللہ ہی کا تابعدار رہیگا"

(تذکرۃ الاولیاء۔ مصنفہ حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ باب ۴۸ حالات ابواسحٰق ابراہیم بن شہریار ترجمہ اردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز لاہور۔ وظہیر الاصفیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء شائع کردہ حاجی چراغ الدین سراج الدین صفحہ ۴۲۷)

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو صاحبانِ حق کے پیشرو اور امام ہوتے اور محبانِ خدا کے پیشوا۔ جبتک برہانِ حق اور رسالت نے اُن پر ظہور نہ پایا اور وحی نازل نہ ہوئی تب تک نیک نام رہے اور جب دوستی کی خلعت نے سرِ مبارک پر زیب دیا تو خلقت نے ملامت سے اُن پر زبان درازی کی بعض نے کاہن کہہ دیا۔ اور بعض نے شاعر اور بعض نے دیوانہ اور بعض نے جھوٹ کا الزام دیا۔ ایسی ہی اور گستاخی جائز رکھی۔" (کشف المحجوب باب چہارم "ملامت کے بیان میں" مترجم اردو شائع کردہ شیخ الٰہی بخش جلال دین لاہوری ۱۳۲۲ھ صفحہ ۹۵-۹۶)

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا۔ تو اس سے قبل ابولہب اور دوسرے کافر بھی کہتے تھے مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ الشعراء جلد ۳ صفحہ ۱۱ مصری) کہ ہم نے آپ سے سوائے سچ کے اور کبھی کچھ تجربہ نہیں کیا۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دعویٰ بیان فرمایا۔ فَإِنِّي نَذِيرٌ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيدٍ کہ مَیں خدا کی طرف سے نبی ہو کر آیا ہوں اور یہ کہ ایک خطرناک عذاب آنیوالا ہے۔ تو انہی مصدقین نے انکار کیا اور ابولہب نے تو تَبًّا لَّكَ بھی کہدیا کہ آپکو ہلاکت ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی لوگ جو پہلے مَا جَرَّبْنَا عَلَيْكَ إِلَّا صِدْقًا کہا کرتے تھے بعد از دعوائے نبوت جھوٹا کہنے لگ گئے۔ قَالَ الْكَافِرُونَ هَٰذَا سَاحِرٌ كَذَّابٌ (سورۃ ص : ۵) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ صرف جادوگر ہیں بلکہ نعوذ باللہ کذاب بھی ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ نبی کی قبل از دعویٰ زندگی دوست و دشمن کے تجربہ کے رو سے پاک ہوتی ہے۔

گو پاک تو اُس کی دعویٰ نبوت کے بعد کی زندگی بھی ہوتی ہے۔ مگر چونکہ دعویٰ نبوت کی وجہ سے لوگ اسکے دشمن ہو جاتے ہیں اس لیے وہ اس پر طرح طرح کے اعتراض "دشمن بات کرے انہونی" کے مطابق کیا کرتے ہیں۔ پس اگر کسی مدعی نبوت کی صداقت پرکھنی ہو۔ تو اس کی دعویٰ سے قبل کی زندگی پر نظر ڈالنی چاہیئے۔

حضرت مرزا صاحب علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"اب دیکھو خدا نے اپنی حُجت کو تم پر اس طرح پورا کر دیا ہے کہ میرے دعویٰ پر ہزار ہا دلائل قائم کر کے تمہیں یہ موقعہ دیا ہے کہ تا تم غور کرو کہ وہ شخص جو تمہیں اس سلسلہ کی طرف بلاتا ہے۔ وہ خود کس درجہ کی معرفت کا آدمی ہے اور کسقدر دلائل پیش کرتا ہے اور تم کوئی عیب۔ افترا۔ یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے۔ تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افترا کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔ کون تم میں ہے جو میری سوانح زندگی میں کوئی نکتہ چینی کر سکتا ہے؟ پس یہ خدا کا فضل ہے کہ جو اُس نے ابتدا سے مجھے تقویٰ پر قائم رکھا اور سوچنے والوں کے لیے یہ ایک دلیل ہے۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۲)

اس چیلنج کو شائع ہوتے ۶۵ سال گزر گئے مگر آج تک کسی شخص کو اس کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ ہاں مولوی محمد حسین بٹالوی نے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بچپن کے زمانہ سے جانتا تھا۔ یہ شہادت دی۔

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات و خیالات سے جسقدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں۔ بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھتے تھے) ہمارے ہم مکتب۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۶)

"مؤلف براہین احمدیہ مخالف و موافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے (وَاللّٰہُ حَسِیْبُہٗ) شریعت محمدیہ پر قائم و پرہیزگار و صداقت شعار ہیں۔" (اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۹)

"اب ہم اس (براہین احمدیہ) پر اپنی رائے نہایت مختصر اور بے مبالغہ الفاظ میں ظاہر کرتے ہیں۔ ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی ۔۔۔۔۔۔ اور اس کا مؤلف (حضرت مسیح موعودؑ) بھی اسلام کی مالی و جانی و قلمی و لسانی و حالی و قالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔"

(اشاعۃ السنۃ جلد ۷ صفحہ ۶)

اعتراض۔ مرزا صاحب نے براہین احمدیہ حصہ پنجم میں لکھا ہے کہ حیاتِ مسیح کا عقیدہ مشرکانہ عقیدہ ہے اور خود بارہ سال حیات مسیح کے قائل رہے۔

جواب (۱) حد ہمیشہ اتمام حجت کے بعد لگتی ہے جب تک نبی ایک بات کو ممنوع قرار نہیں دے دیتا اس وقت تک اس کی خلاف ورزی کرنے والا کسی فتویٰ کے ماتحت نہیں آتا۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قَدْ اَفْلَحَ وَ اَبِیْہِ اِنْ صَدَقَ (مسلم کتاب الایمان باب بیان

الصلوات التی ہی احد ارکان الاسلام) کہ اس کے باپ کی قسم اگر اس نے سچ بولا ہے تو وہ کامیاب ہوگیا۔ گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "باپ" کی قسم وَ اَبِیْهِ کے الفاظ میں کھائی ہے مگر دوسری جگہ فرمایا:۔

(۲) مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ (ترمذی و مشکوٰۃ مجتبائی ص۲۹۶ باب الایمان والنذور)
جو خدا کے سوا کسی کی قسم کھاتے وہ مشرک ہو جاتا ہے۔

چنانچہ مشکوٰۃ مجتبائی ص۳۰ میں ابوداؤد کی یہ روایت درج ہے:۔
"قَالَ صلی اللّٰہ علیه وسلم ذَاكَ وَ اَبِیْ الْجُوْعُ" کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے باپ کی قسم یہ بھوک ہے۔ اِس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے باپ کی قسم کھائی ہے اور اس کے متعلق حضرت ملا علی قاری فرماتے ہیں:۔ "وقوله وابی الجوع قِیْلَ لَعَلَّ هٰذَا الْحَلْفَ قَبْلَ النَّهْیِ عَنِ الْقَسْمِ بِالْاٰبَاءِ" (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی ص۳۰) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ "میرے باپ کی قسم" کہا گیا ہے کہ شاید باپوں کی قسم کی ممانعت سے قبل آنحضرت صلعم نے یہ قسم اُٹھائی ہے یا عادۃً آنحضرت صلعم کے منہ سے نکل گئی ہے۔

(۳) فَقَدْ لَبِثْتُ والی آیت میں تو چالیس سالہ قبل از دعویٰ زندگی میں جھوٹ اور فسق و فجور سے پاکیزگی کو بطور دلیل پیش کیا گیا ہے۔ ورنہ عقائد تو انبیاء کو خدا تعالیٰ کی وحی ہی آکر مکمل طور پر بتاتی ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اپنے چیلنج میں فرمایا:۔
"تم کوئی عیب افتراء یا جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے تا تم یہ خیال کرو کہ جو شخص پہلے سے جھوٹ اور افتراء کا عادی ہے یہ بھی اس نے جھوٹ بولا ہوگا۔"

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے فرمایا۔ مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذَبَ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ نساء باب اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْكَ کَمَا اَوْحَیْنَا الخ جلد ۳ ص۳۷ مطبع الیہ مصر) کہ جو یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بڑا ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے۔

پھر فرمایا۔ لَا تُفَضِّلُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی (صحیح بخاری۔ کتاب الانبیاء) کہ مجھ کو موسیٰ سے افضل نہ کہو۔ مگر بعد میں فرمایا۔ "اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ لَا فَخْرَ" کہ میں تمام انسانوں کا سردار ہوں۔ اور یہ بطور فخر نہیں بلکہ اظہار واقعہ ہے۔ پھر فرمایا "اَنَا اِمَامُ النَّبِیّٖنَ وَ اَنَا قَائِدُ الْمُرْسَلِیْنَ" کہ میں تمام نبیوں کا امام اور رہبر ہوں۔

نیز دیکھو مسلم جلد ۲ ص۳۰ مصری جہاں لکھا ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے کہا۔ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّةِ! تو آپ نے فرمایا۔ ذَاكَ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ۔ کہ میں تمام انسانوں سے افضل نہیں۔ بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تمام انسانوں سے افضل ہیں۔

(۵) آج اگر کوئی مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھے تو اس پر یہودی اور کافر ہونے کا فتویٰ لگ جائے۔ مگر خود آنحضرت صلعم نبوت کے بعد ۱۴ سال اور ۷ مہینے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب التوجہ نحو القبلہ جلد ۱ ص۵۵ مصری)
"کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم صَلّٰی نَحْوَ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ سِتَّةَ عَشَرَ شَهْرًا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ سولہ یا سترہ مہینے (ہجرت کے بعد)۔ اس تبدیلی پر اعتراض کرنے والوں کو خدا تعالیٰ نے سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ کہہ کر بیوقوف قرار دیا ہے۔

نوٹ ۱: بعض مخالف مولوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعض اس قسم کی عبارات پیش کر دیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ میں دعوے سے قبل گمنام تھا۔ مجھے کوئی نہ جانتا تھا وغیرہ وغیرہ اور ان عبارات سے یہ دھوکا دیتے ہیں کہ جب آپ کو ایک شخص بھی نہیں جانتا تھا پھر آپ کی پہلی زندگی پر اعتراض کون کرے؟ اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرنی چاہیئے:۔

"اور میں اپنے باپ کی موت کے بعد محروموں کی طرح ہو گیا۔ اور میرے پر ایک ایسا زمانہ گزرا ہے کہ بجز چند گاؤں کے لوگوں کے اور کوئی مجھ کو نہیں جانتا تھا۔ یا کچھ ارد گرد کے دیہات کے لوگ تھے کہ روشناس تھے اور میری یہ حالت تھی کہ اگر میں کبھی سفر سے اپنے گاؤں میں آتا تو کوئی مجھے نہ پوچھتا کہ تو کہاں سے آیا اور اگر میں کسی مکان میں اترتا تو کوئی سوال نہ کرتا کہ تو کہاں اترا ہے اور میں اس گمنامی اور اس حال کو بہت اچھا جانتا تھا اور شہرت اور عزت اور اقبال سے پرہیز کرتا تھا۔۔۔ پھر میرے رب نے مجھے عزت اور برگزیدگی کے گھر کی طرف کھینچا اور مجھے اس بات کا علم نہ تھا کہ وہ مجھے مسیح موعود بنائیگا اور اپنے عہد مجھ میں پورے کریگا اور میں اس بات کو دوست رکھتا تھا کہ گمنامی کے گوشہ میں چھوڑا جاؤں۔"

(ریویو اُردو فروری ۱۹۰۳ء جلد ۲ ۲ ص ۵۸، ص ۵۸)

۲۔ اگر معترض حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبل از دعویٰ زندگی کو نہیں جانتا تو مولوی محمد حسین بٹالوی تو جانتا تھا جس نے لکھا کہ:۔

"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات اور خیالات سے جسقدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین میں سے ایسے واقف کم نکلیں گے مؤلف صاحب ہمارے ہموطن ہیں بلکہ اوائل کے (جب ہم قطبی و شرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب بھی۔"

(اشاعۃ السنۃ جلد ۷ ص ۶)

۳۔ پھر اسی طرح مولوی سراج الدین صاحب (جو مولوی ظفر علی صاحب آف "زمیندار" کے والد تھے) نے شہادت دی کہ

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء و ۱۸۶۱ء کے قریب ضلع سیالکوٹ میں محرر تھے۔ اُس وقت آپکی عمر ۲۲، ۲۴ سال کی ہو گی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہتے ہیں کہ جوانی میں نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔" (زمیندار ۸ر جون ۱۹۰۸ء)

۴۔جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی یہ دلیل آریوں کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو وہ بھی یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم اُن کی قبل از دعویٰ زندگی کو نہیں جانتے اس پر اعتراض کیا کریں ؟ تو اس کا بھی یہی جواب ہے کہ اگر تم نہیں جانتے تو ابوجہل اور ابولہب تو جانتے تھے۔ ہم جب اُن کی گواہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا بے عیب اور پاک ہونا ثابت کر سکتے ہیں تو صداقت واضح ہے۔

بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت آپ کی قبل از دعویٰ زندگی کو دیکھنے والوں کی شہادت سے ثابت ہوتی ہے۔

نوٹ :۔ بعض مولوی جب کوئی جواب نہیں دے سکتے اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قبل از دعویٰ زندگی پر کوئی اعتراض کر سکتے ہیں تو کہدیتے ہیں کہ قبل از دعویٰ زندگی کا پاک ہونا دلیل صداقت نہیں۔کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ عمدہ چال چلن اگر ہو بھی تاہم حقیقی پاکیزگی پر کامل ثبوت نہیں ہو سکتا۔ شاید در پردہ کوئی اور اعمال ہوں۔

الجواب :۔ (۱) یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ محض دھوکہ ہے اور اس کا ازالہ خود آیت فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا (سورۃ یونس : ۱۷) میں موجود ہے۔ یعنی یہ تو ممکن ہے کہ کوئی شخص درحقیقت پاک نہ ہو بلکہ "در پردہ کوئی اور اعمال ہوں" اور کچھ عرصہ تک تو وہ لوگوں کی نظر میں پاکباز بنا رہے۔ جیسا کہ حضرت اقدسؑ نے فرمایا ہے، لیکن یہ ممکن نہیں کہ کوئی جھوٹا مدعیٔ نبوت ہو۔ اور درحقیقت اس کی زندگی ناپاک ہو اور وہ ایک لمبے عرصہ تک جو چالیس برس تک ممتد ہو پاکباز بنا رہے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت میں یوں نہیں فرمایا کہ " فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ " کہ مَیں تم میں رہا ہوں۔ بلکہ فرمایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا یعنی مَیں تم میں ایک لمبی عمر گذار چکا ہوں۔ پس لمبے عرصہ (عُمُرًا) تک اس کا پاکباز ہونا یقیناً حقیقی راستبازی کی دلیل ہے۔

(۲) ہم نے یہ نہیں کہا کہ محض عمدہ چال چلن حقیقی پاکیزگی پر گواہ ہے۔" اور نہ ہم نے یہ کہا کہ ظاہری راستبازی کے لیے صرف یہ دعویٰ کافی ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کے احکام پر چلتا ہے۔ بلکہ ہماری بحث تو ایک "مدعی الہام" کی قبل از دعویٰ زندگی کی پاکیزگی کے متعلق ہے۔ ہم نے یہ دلیل نہیں دی کہ جس شخص کو عام لوگ راستباز کہیں وہ ضرور حقیقی طور پر سچا ہوتا ہے۔ بلکہ ہم نے تو یہ کہا ہے کہ مدعیٔ نبوت کی دعویٰ سے پہلی زندگی پر دشمن سے دشمن کو بھی کوئی صحیح اعتراض کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ چنانچہ یہی حال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے کہ آپ کے مخالفین کو بھی حضورؑ کے دعویٰ سے پہلی زندگی پر اعتراض کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔ پس سوال عام راستباز کا نہیں۔ بلکہ مدعیٔ وحی و الہام کی قبل از دعویٰ پاکیزہ زندگی کا ہے۔

(۳) حضرت اقدس علیہ السلام نے حقیقی راستباز کے متعلق وہ عبارت تحریر نہیں فرمائی۔ بلکہ "ظاہری راستباز" کے متعلق تحریر فرمائی ہے جیسا کہ اس کا پہلا ہی جملہ یہ ہے۔"ایک ظاہری راستباز کے لیے۔"

(۴) اگر بفرض بحث اس عبارت کو مدعیٔ نبوت کے متعلق بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو حضورؑ نے تحریر

فرمایا ہے کہ محض دعویٰ پاکیزگی کافی نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ کوئی امتیازی نشان بھی ہونا چاہیئے۔ سو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پاکیزہ زندگی کے ثبوت میں ہم محض حضرت اقدس کا دعویٰ ہی پیش نہیں کرتے۔ بلکہ آپ کے اشد ترین دشمنوں کی شہادت کے علاوہ آسمانی نشان بھی حضورؑ کے اس دعویٰ کی تائید میں پیش کرتے ہیں۔ مثلاً پاکیزہ زندگی بسر کرنے میں تو خود انسان کا بھی دخل ہو سکتا ہے، لیکن اپنی زندگی کے بڑھانے یا گھٹانے میں انسان کا کوئی دخل نہیں ہو سکتا۔ پس "لَوْ تَقَوَّلَ" والے معیار کے مطابق (جس کو ہم نے دوسری دلیل کے ضمن میں تفصیل سے بیان کیا ہے) حضرت اقدس علیہ السلام کا بعد از دعویٰ وحی والہام ۲۳ برس سے زیادہ عرصہ تک زندہ رہنا یقیناً امتیازی نشان ہے۔ نیز اس کے علاوہ وہ لاکھوں نشانات بھی جو حضرت اقدس علیہ السلام کے ہاتھ پر اللہ تعالےٰ نے ظاہر فرماتے ہماری تائید میں ہیں۔ پس حضرت اقدسؑ کے نزدیک حضورؑ کی قبل از دعویٰ زندگی کا پاکیزہ ہونا یقیناً دلیل صداقت ہے۔ چنانچہ حضور خود تحریر فرماتے ہیں :-

"یہ پاک زندگی جو ہم کو ملی ہے۔ یہ صرف ہمارے مُنہ کی لاف وگزاف نہیں اس پر آسمانی گواہیاں ہیں " (سراج الدین عیسائی کے چار سوالوں کا جواب صفحہ ۲۱)

پس ؎

صوفیاء اب ہیچ ہے تیری طرح تیری تراہ ، آسماں سے آگئی میری شہادت بار بار

(المسیح الموعود)

دوسری دلیل

وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْاَقَاوِيْلِ لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِيْنَ (الحاقہ : ۴۵ تا ۴۷) کہ اگر یہ کوئی جھوٹا الہام بنا کر میری طرف منسوب کرتا (اور کہتا کہ یہ الہام مجھے خدا کی طرف سے ہوا ہے) تو ہم اس کا دایاں ہاتھ پکڑ کر اس کی شاہ رگ کاٹ دیتے۔

گویا اگر کوئی شخص جھوٹا الہام بنا کر خدا کی طرف منسوب کرے تو وہ قتل ہو جاتا ہے۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو صداقت کی کسوٹی ہیں۔ آپ ۲۳ سال دعویٰ وحی والہام کے بعد زندہ رہے اس لیے کوئی جھوٹا مدعیٔ الہام و وحی نبوت اتنا عرصہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ جتنا عرصہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رہے۔

۱- قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے ماتحت بدلیل استقراء ہمارا دعویٰ ہے کہ آج تک جب سے دُنیا پیدا ہوئی ہے کسی جھوٹے مدعیٔ نبوت والہام کو دعویٰ کے بعد ۲۳ سال کی مہلت نہیں ملی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اربعین میں ۵۰۰ سو روپیہ انعام کا وعدہ بھی کیا ہے مگر آج تک کسی کو جرأت نہیں ہوئی توریت میں بھی یہی لکھا ہے کہ "جھوٹا نبی قتل کیا جائیگا" (دیکھو مضمون صداقت مسیح موعود از روئے بائبل)

۲- شرح عقائد نسفی میں بھی (جو اہل سنت والجماعت کی معتبر کتابوں میں سے ہے) لکھا ہے:-

فَاِنَّ الْعَقْلَ يَجْزِمُ بِاِمْتِنَاعِ اِجْتِمَاعِ هٰذِهِ الْاُمُوْرِ فِيْ غَيْرِ الْاَنْبِيَاءِ وَاَنْ يَّجْمَعَ

اللهُ هٰذِهِ الْکَمَالَاتِ فِیْ حَقِّ مَنْ یَعْلَمُ اَنَّهٗ لِمَنْ یَفْتَرِیْ عَلَیْهِ ثُمَّ یُمْهِلُهٗ ثَلَاثًا وَّعِشْرِیْنَ سَنَةً (مبحث النبوات ص۱) کہ عقل اس بات کو ناممکن قرار دیتی ہے کہ یہ باتیں ایک غیر نبی میں جمع ہو جائیں۔ اُس شخص کے حق میں جس کے متعلق خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ وہ خدا پر افتراء کرتا ہے۔ پھر اس کو ۲۳ سال کی مہلت دے۔

۳۔ پھر شرح عقائد نسفی کی شرح نبراس میں لکھا ہے:۔

فَاِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ بُعِثَ وَعُمُرُهٗ اَرْبَعُوْنَ سَنَةً وَّتُوُفِّیَ وَعُمُرُهٗ ثَلَاثَةٌ وَّسِتُّوْنَ سَنَةً (ص۴۴۴) ۲۳ سال کی میعاد ہم نے اس لیے بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چالیس سال کی عمر میں نبی ہوتے اور ۶۳ سال کی عمر میں حضورؐ نے وفات پائی۔

۴۔ نبراس میں علامہ عبدالعزیز پرہاروی فرماتے ہیں:۔

"وَقَدِ ادَّعٰی بَعْضُ الْکَذَّابِیْنَ النُّبُوَّةَ کَمُسَیْلَمَةِ الْیَمَامِیِّ وَالْاَسْوَدِ الْعَنْسِیِّ وَسَجَاحِ الْکَاهِنَةِ فَقُتِلَ بَعْضُهُمْ وَتَابَ بَعْضُهُمْ وَبِالْجُمْلَةِ لَمْ یَنْتَظِمْ اَمْرُ الْکَاذِبِ فِی النُّبُوَّةِ اِلَّا اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ" (نبراس ص۴۴۴ مطبوعہ میرٹھ)

کہ بعض جھوٹوں نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ جیسا کہ مسیلمہ یمامی، اسود عنسی وغیرہ نے۔ پس ان میں سے بعض قتل ہو گئے اور باقیوں نے توبہ کر لی اور نتیجہ یہ ہے کہ جھوٹے مدعیٔ نبوت کا کام چند دن سے زیادہ نہیں چلتا۔

۵۔ امام ابن قیم ایک عیسائی سے مناظرہ کے دَوران میں آنحضرت صلعم کی صداقت کی یہ دلیل پیش کرتے ہیں:۔

"وَهُوَ مُسْتَمِرٌّ فِی الْاِفْتِرَاءِ عَلَیْهِ ثَلَاثَةً وَّعِشْرِیْنَ سَنَةً وَهُوَ مَعَ ذَالِكَ یُؤَیِّدُهٗ۔ (زاد المعاد جلد ۱ ص۵۰۰) کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ مدعی خدا پر ۲۳ سال سے افتراء کرتا ہے اور پھر بھی خدا اس کو ہلاک نہیں کرتا بلکہ اس کی تائید کرتا ہے۔ وہ پھر کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔

۶۔ پھر فرماتے ہیں:۔ نَحْنُ لَا نُنْکِرُ اَنَّ کَثِیْرًا مِّنَ الْکَذَّابِیْنَ قَامَ فِی الْوُجُوْدِ وَظَهَرَتْ لَهٗ شَوْکَتُهٗ وَلٰکِنْ لَّمْ یَتِمَّ لَهٗ اَمْرُهٗ وَلَمْ تَطُلْ مُدَّتُهٗ بَلْ سَلَّطَ عَلَیْهِ رُسُلَهٗ..... فَمَحَقُوْا اَثَرَهٗ وَقَطَعُوْا دَابِرَهٗ وَاسْتَاصَلُوْا شَافَتَهٗ هٰذِهٖ سُنَّتُهٗ فِیْ عِبَادِهٖ مُنْذُ قَامَتِ الدُّنْیَا وَاِلٰی اَنْ یَّرِثَ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَیْهَا۔ (زاد المعاد جلد ۱ ص۵۰۰)

"کہ ہم اس امر کا انکار نہیں کرتے۔ کہ بہت سے جھوٹے مدعیان نبوت کھڑے ہوتے اور اُن کی شان و شوکت بھی ظاہر ہوئی۔ مگر اُن کا مقصد کبھی پورا نہ ہوا۔ اور نہ اُن کو لمبا عرصہ مہلت ملی۔ بلکہ خدا نے اپنے فرشتے اُن پر مسلط کر دیئے جنہوں نے اُن کے آثار مٹا دیئے اور انکی جڑیں اکھاڑ دیں اور بنیادوں کو اکھاڑ پھینکا یہی خدا کی اپنے بندوں میں جب سے دُنیا بنی اور جب تک دنیا موجود رہے گی سنت ہے۔

۷۔ مفسّرین:۔ علامہ فخرالدین رازی اپنی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں:۔

هٰذَا ذِكْرُهٗ عَلٰى سَبِيْلِ التَّمْثِيْلِ بِمَا يَفْعَلُهُ الْمُلُوْكُ بِمَنْ يَتَكَذَّبُ عَلَيْهِمْ فَاِنَّهُمْ لَا يُمْهِلُوْنَهٗ بَلْ يَضْرِبُوْنَ رَقَبَتَهٗ فِي الْحَالِ۔" (جلد ۸ ص۲۹۱)

کہ یہ جو فرمایا کہ اگر یہ جھوٹا الہام بناتا تو ہم اس کی رگِ جان کاٹ دیتے یہ بطور مثال ذکر کیا ہے جس طرح بادشاہ اُس شخص کو جو جھوٹ موٹ اپنے آپ کو اُن کی طرف منسوب کرے مہلت نہیں دیتے۔

۸۔ پھر فرماتے ہیں:۔ هٰذَا هُوَ الْوَاجِبُ فِيْ حِكْمَةِ اللّٰهِ تَعَالٰى لِئَلَّا يَشْتَبِهَ الصَّادِقُ بِالْكَاذِبِ۔" (تفسیر کبیر جلد ۸ ص۲۹۱)

کہ خدا کی حکمت کے لئے یہی ضروری ہے (کہ جھوٹے کو جلدی برباد کر دیا جائے) تاکہ صادق کے ساتھ کاذب بھی نہ مل جائے (مشتبہ نہ ہو جائے)

۹۔ امام جعفر طبری تفسیر ابن جریر جلد ۲۹ ص۴۲ و مطبع میمنیہ ص۳۷ مصری میں لکھتے ہیں:۔

"اِنَّهٗ كَانَ يُعَاجِلُهٗ بِالْعُقُوْبَةِ وَلَا يُؤَخِّرُهٗ بِهَا۔"

کہ خدا تعالیٰ جھوٹے مدعیٔ نبوت والہام کو فوراً سزا دیتا ہے اور قطعاً تاخیر نہیں کرتا۔

۱۰۔ مولوی ثناء اللہ:۔ ﴿۔" نظام عالم میں جہاں اور قوانین الٰہی ہیں۔ وہاں یہ بھی ہے کہ کاذب مدعی نبوت کو سرسبزی نہیں ہوتی بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷)

ب۔ واقعات گزشتہ سے بھی اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ خدا نے کبھی کسی جھوٹے مدعی نبوت کو سرسبزی نہیں دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ دُنیا میں باوجود غیر متناہی مذاہب ہونے کے جھوٹے نبی کی اُمت کا ثبوت مخالف بھی نہیں بتلا سکتے۔ مسیلمہ کذاب اور عبید اللہ عنسی نے ... دعویٰ نبوت کئے اور کیسے کیسے جھوٹ خدا پر باندھے، لیکن آخر کار خدا کے زبردست قانون کے نیچے آ کر کچلے گئے ...... تھوڑے دنوں میں بہت کچھ ترقی کر چکے تھے۔ مگر تابکے۔" (مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷)

ج۔ "دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے۔ جو کوئی زہر کھائے گا ہلاک ہوگا۔" (ایضاً حاشیہ ص۱۷)

۱۱۔ تفسیر رُوح البیان جلد ۴ ص۴۶۲ پر ہے:۔

"فِي الْاٰيَةِ تَنْبِيْهٌ عَلٰى اَنَّ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَوْ قَالَ مِنْ عِنْدِ نَفْسِهٖ شَيْئًا اَوْ زَادَ اَوْ نَقَصَ حَرْفًا وَاحِدًا عَلٰى مَا اُوْحِيَ اِلَيْهِ لَعَاقَبَهُ اللّٰهُ وَهُوَ اَكْرَمُ النَّاسِ عَلَيْهِ فَمَا ظَنُّكَ بِغَيْرِهٖ۔"

کہ اس آیت میں تنبیہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پاس سے کوئی الہام بنا لیتے یا جو وحی خدا کی طرف سے نازل ہوئی اس میں ایک حرف بھی بڑھاتے یا کم کر دیتے۔ تو خدا تعالیٰ آپ کو سزا دیتا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی نظر میں سب دُنیا سے معزز ہیں۔ پھر اگر کوئی دوسرا (اس طرح پر) افتراء کرے تو اس کا کیا حال ہو؟

۱۲۔ یہی مضمون تفسیر کشاف ص۱۵۲۴ مطبوعہ کلکتہ و ابن کثیر جلد ۱۰ ص۱۱ برحاشیہ فتح البیان و فتح البیان جلد ۱۰ ص۲۷ و جلالین مجتبائی ص۴۷ و شہاب علی البیضاوی جلد ۸ ص۲۴۱ والسراج المنیر مصنفہ علامہ الخطیب

بغدادی جلد ۴ صفحہ ۳۶۳ پر بھی ہے۔

نوٹ ۱ :- بعض غیر احمدی مولوی ہمارے استدلال سے تنگ آکر کہا کرتے ہیں کہ "لَوْ" حرفِ شرط جب کسی جملہ میں مستعمل ہو تو اس کی جزا فوراً اُسی وقت محقق ہو جایا کرتی ہے پس "لَوْ تَقَوَّلَ" والی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ نبی کوئی جھوٹا الہام بناتا تو فوراً اسی وقت قتل کر دیا جاتا۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ قاعدہ "لَو" کے متعلق بالکل منگھڑت ہے۔ کسی کتاب میں مذکور نہیں۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ۔ (سورۃ الکہف : ۱۱۰) کہ اگر تمام سمندر خدا تعالیٰ کے کلمات کو لکھنے کے لئے سیاہی بن جائیں تو وہ سمندر ختم ہو جائیں مگر خدا کے کلمات ختم نہ ہونگے۔ کیا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ سمندر لکھنا شروع کرنے کے ساتھ ہی یکدم ختم ہو جاتے یا یہ کہ باری باری کرکے آہستہ آہستہ سب ختم ہو جاتے۔ جوں جوں خدا کے کلمات احاطۂ تحریر میں لاتے جاتے توں توں سیاہی بھی ختم ہوتی جاتی۔

نوٹ ۲ :- بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کئے گئے تھے۔ انکو ۲۳ برس کی مہلت بعد از دعویٰ نہ ملی تھی۔

جواب :- حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ تحریر فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید کئے گئے تھے اور یہی جماعت احمدیہ کا مذہب ہے، لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ بھی تو تحریر فرمایا ہے:

(۱) "عادت اللہ اس طرح پر ہے کہ اوّل اپنے نبیوں اور مرسلوں کو اس قدر مہلت دیتا ہے کہ دنیا کے بہت سے حصہ میں ان کا نام پھیل جاتا ہے اور ان کے دعویٰ سے لوگ مطلع ہو جاتے ہیں اور پھر آسمانی نشانوں اور دلائل عقلیہ اور نقلیہ کے ساتھ لوگوں پر اتمام حجت کر دیتا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی رُوحانی خزائن جلد ۲۲ صفحہ ۱۶۵ آخری سطر)

پس یہ تو درست ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام شہید ہوتے، لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ کہاں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السلام دعویٰ کے بعد ۲۳ برس گزرنے سے پہلے ہی شہید کئے گئے تھے؟ پس جب تک کوئی صریح حوالہ حضرت اقدس علیہ السلام کی کتاب سے پیش نہ کرو اس وقت تک ۲۳ سالہ معیار کے جواب میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کا نام نہ لو۔

(۲) اگر کوئی ایسا حوالہ ہو بھی (جس کا ہونا یقیناً ناممکن ہے مگر بغرض بحث) تو بھی ہماری دلیل پر کوئی اثر نہیں۔ کیونکہ ہمارا دعویٰ تو یہ ہے کہ جھوٹا مدعیٔ نبوت بعد از دعویٰ الہام و وحی ۲۳ برس کی مہلت نہیں پا سکتا۔ اور اگر کوئی مدعیٔ نبوت بعد از دعویٰ الہام و وحی ۲۳ برس تک زندہ رہے تو یقیناً وہ سچا ہے لیکن اس کا عکس کلیۃً نہیں۔

اس اعتراض کا مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے خوب جواب دیا ہے۔

"کاذب مدعیٔ نبوت کی ترقی نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ وہ جان سے مارا جاتا ہے۔"

اس پر مولوی صاحب حاشیہ میں لکھتے ہیں :-

"اِس سے کوئی یہ نہ سمجھے کہ جو نبی قتل ہوا جھوٹا ہے۔ بلکہ اِن میں عموم مطلق ہے۔ یعنی یہ ایسا مطلب ہے کہ جو شخص زہر کھاتا ہے مرجاتا ہے۔ اس کے یہ معنے ہرگز نہیں کہ ہر مرنے والے نے زہر بھی کھائی ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ جو کوئی زہر کھائیگا وہ ضرور مریگا۔ اور اگر اس کے سوا بھی کوئی مرے، ہو سکتا ہے کہ اُس نے زہر نہ کھائی ہو۔ یہی تمثیل ہے دعویٰ نبوت کاذبہ مثل زہر کے ہے جو کوئی زہر کھائیگا ہلاک ہوگا۔ اگر اس کے سوا بھی کوئی ہلاک ہو تو ممکن ہے۔ ہاں یہ نہ ہوگا کہ زہر کھانے والا بچ رہے۔"

(مقدمہ تفسیر ثنائی ص۱۷ حاشیہ)

سچ ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :۔

واہ رے جوش جہالت خوب دکھلائے ہیں رنگ
جھوٹ کی تائید میں حملے کریں دیوانہ وار

ایک وہم اور اُس کا ازالہ

بعض لوگ اس کے جواب میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیت قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا (یونس:۷۰،۷۱) سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتری کو دُنیا میں فائدہ ملتا ہے۔ یعنی اس کو لمبی مہلت ملتی ہے۔ (محمدیہ پاکٹ بک ص۳۱۳)

الجواب :۔ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا سے مراد لمبی مہلت نہیں۔ بلکہ تھوڑی مہلت ہے۔ چنانچہ خود تم نے اگلے ہی صفحہ پر قرآن مجید کی ایک دوسری آیت اس مقصد کے لئے نقل کر کے خود ہی اس کا ترجمہ کر کے اسے واضح کر دیا ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (النحل: ۱۱۷،۱۱۸) "تحقیق مفتری نجات نہیں پائیں گے۔ انہیں نفع تھوڑا ہے اور عذاب دردناک"

غرضیکہ قرآن مجید نے مفتری کے لئے لمبی مہلت کہیں بھی تسلیم نہیں کی جو ۲۳ سال تک دراز ہو جائے ہاں تھوڑی مہلت خواہ وہ ایک سال ہو یا دو یا پانچ سال یعنی ہماری بیان کردہ انتہائی مہلت سے کم ہو تو اس سے ہمیں انکار نہیں۔ اگر مفتری کو اتنی لمبی مہلت ملے جتنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی۔ تو آیت "لَوْ تَقَوَّلَ" کی دلیل باطل ہو جاتی ہے کیونکہ مخالف بآسانی کہہ سکے گا کہ فلاں مدعی نبوت بھی باوجود جھوٹا ہونے کے "تَقَوَّلَ" کرتا رہا اور ۲۳ سال تک خدا تعالیٰ نے اس کی قطع وتین نہ کی۔ تو حضورؐ کا ۲۳ سال تک زندہ رہنا کس طرح سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت اور "عدم تقول" پر دلیل ہو سکتا ہے؟

یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ آیت خاص ہے یعنی اگر باوجود اتنی بڑی نعمت کے آپ جھوٹا الہام بناتے تو ہلاک کئے جاتے۔ یہ تو قابل قبول نہیں۔ کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا کا کوئی نبی بھی (خواہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہزاروں حصہ کم انعام الٰہی ہوا ہو) اور خواہ وہ کتنے ہی کم درجہ

کا ہو۔ وہ خدا تعالیٰ پر افترا، کر سکے۔ یعنی اپنے پاس سے الہام گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کر سکے۔ چہ جائیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس کا امکان تسلیم کیا جاتے۔

پس جب یہ ممکن ہی نہیں کہ خدا کا کوئی سچا نبی جھوٹا الہام بناتے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ اگر فلاں سچا نبی جھوٹا الہام بناتے تو ہم اُسے ہلاک کر دیں اور پھر اس کو اس امر کی دلیل کے طور پر پیش کر لیا کہ یہ سچا ہے۔

اصل بات یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کا ابتدا، سے یہ قانون ہے کہ وہ جھوٹا دعویٰ نبوت کرنے والوں یا اپنے پاس سے جھوٹا الہام و وحی گھڑ کر خدا کی طرف منسوب کرنے والوں کو ۲۳ سال سے کم عرصہ میں ہی تباہ و برباد کر دیا کرتا ہے۔ اور اس مسئلہ پر تورات۔ انجیل اور قرآن مجید متفق ہیں۔

پس خدا تعالیٰ نے یہی دلیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی دی ہے کہ دیکھو جب ہمارا قانون جاری و ساری ہے اور تم کو بھی مسلّم ہے کہ جھوٹا نبی تباہ و برباد و ہلاک کیا جاتا ہے تو پھر اگر یہ نبی جھوٹا ہوتا اور الہام جھوٹا بنا کر میری طرف منسوب کرتا تو یقیناً ہلاک ہو جاتا۔

پس اس کا ۲۳ سال کی مہلت پانا اور اس عرصہ میں اس کا ہلاک نہ کیا جانا صریح طور پر اسکی صداقت کو ثابت کرتا ہے۔

باقی رہا سورۃ الانعام : ۹۴ کی آیت وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ الخ پیش کر کے یہ ثابت کرنا کہ افترا، علی اللہ کرنے والوں کو اس جہان میں سزا نہیں ملے گی۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمہاری عربی زبان سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔ عربی میں لفظ "موت" میں "قتل" اور "توفی" دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اور موت کے لفظ سے یہ سمجھنا کہ مفتری قتل نہیں ہو سکتا۔ یا اس کا قتل ہونا یا ہلاک ہونا ضروری نہیں۔ باطل ہے۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے ہماری تائید اور بھی واضح الفاظ میں فرما دی ہے۔ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ..... اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا (بنی اسرائیل ۷۴ تا ۷۶)

یعنی کافر تجھے اس وحی سے جو ہم نے تجھ پر نازل کی برگشتہ کرنے کی کوشش میں ہیں اور چاہتے ہیں کہ تو ہم پر افترا، کر کے کوئی اور وحی بنا لے۔ اور اگر تو ایسا کرے تو وہ تجھ کو اپنا دوست بنا لیں۔ اگر ہم نے تجھ کو ثابت قدم نہ بنایا ہوتا تو تو ان کے داؤ میں آجاتا۔ لیکن اس صورت میں ہم تجھے دنیا و آخرت میں دگنا عذاب چکھاتے اور کوئی شخص بھی تجھے ہم سے نہ بچا سکتا۔

(ترجمہ کا آخری حصہ تو مؤلف محمدیہ پاکٹ بک کو بھی مسلّم ہے دیکھو ص۲۷ ایڈیشن دوم)

دیکھو اس آیت میں بھی صاف الفاظ میں بتا دیا کہ اگر نبی اپنے پاس سے کوئی وحی بناتا۔ تو اسی دنیا میں عذاب الٰہی میں مبتلا کیا جاتا علاوہ اگلے جہان کے عذاب کے۔ یہ کہنا کہ یہ آیت بھی آنحضرت صلعم کے لئے خاص

ہے۔خوش فہمی ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ بنتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اور کوئی دوسرا نبی کفار کے کہنے پر لگ کر اپنے پاس سے وحی بنا لیتا اور افترا علی اللہ کرتا تو خدا اسے کوئی عذاب نہ دیتا۔ لیکن نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرتے تو اُن پر عذاب نازل کرتا ۔

گر ہمیں مکتب است و ایں مُلاں کارِ طفلاں تمام خواہد شد!

ایک اعتراض اور اسکا جواب

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں۔کہ "لَوْ تَقَوَّلَ" والی آیت تو مدعیان نبوت کے لئے ہے۔مگر مرزا صاحب نے دعویٰ نبوت ۱۹۰۱ء میں کیا ہے۔

الجواب ۱۔ یہ غلط ہے کہ یہ آیت صرف مدعیان نبوت کیلئے ہے۔اگرچہ مدعیان نبوت بھی اس میں شامل ہیں۔کیونکہ آیت کے الفاظ ہیں۔ لَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا کہ اگر یہ کوئی قول (الہام۔وحی) اپنے پاس سے بنا کر ہماری طرف منسوب کرے تو وہ ہلاک کیا جاتا ہے لَوْ تَنَبَّأَ کا لفظ نہیں۔کہ اگر یہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے۔

پس اس آیت میں ہر ایسے مفتری علی اللہ کا ذکر ہے جو اپنے پاس سے جان بوجھ کر جھوٹا الہام و وحی بنا کر خدا کی طرف منسوب کرے۔ہو سکتا ہے کہ ایسا مفتری علی اللہ مدعیٔ نبوت بھی ہو۔

۲۔ اگر بغرض بحث یہ مان بھی لیا جائے کہ یہاں صرف "مدعی نبوت" ہی مراد ہے تو پھر بھی تمہارا اعتراض باطل ہے۔کیونکہ حضرت اقدسؑ کا الہام "هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى" براہین احمدیہ میں موجود ہے جس میں حضور علیہ السلام کو "رسول" کر کے پکارا گیا ہے اور حضورؑ نے اس الہام کو خدا کی طرف منسوب فرمایا۔

اگر خدا تعالیٰ نے حضرت مرزا صاحب کو رسول نہیں کہا تھا تو پھر آیت زیر بحث کے مطابق ان کی "قطع وتین" ہونی چاہیئے تھی۔مگر حضرت مرزا صاحبؑ براہین کے بعد تقریباً ۳۰ سال تک زندہ رہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا یہ مذہب نہیں کہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام براہین کی تالیف کے زمانہ میں نبی نہ تھے بلکہ ہمارا عقیدہ تو یہ ہے کہ حضور علیہ السلام براہین کے زمانہ میں بھی نبی تھے ہاں لفظ نبی کی تعریف میں جو غیر احمدی علماء کے نزدیک مسلّم تھی جو یہ تھی کہ "نبی" کے لئے شریعت لانا ضروری ہے۔نیز یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی دوسرے نبی کا تابع نہ ہو۔اس تعریف کی رو سے نہ حضرت مرزا صاحب ۱۹۰۱ء سے پہلے نبی تھے اور نہ بعد میں۔کیونکہ آپ کوئی شریعت نہ لاتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع بھی تھے۔پس چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریعی نبی نہ تھے اس لئے اوائل میں حضور علیہ السلام اس تعریف نبوت کی رو سے اپنی نبوت کی نفی کرتے رہے جس سے مراد صرف اسقدر تھی کہ میں صاحب شریعت براہ راست نبی نہیں ہوں،لیکن بعد میں جب حضور علیہ السلام نے "نبی" کی تعریف سب مخالفین پر واضح فرما کر اس کو خوب شائع فرمایا کہ نبی کے لیے شریعت لانا ضروری نہیں اور

نہ یہ ضروری ہے کہ وہ صاحب شریعت رسول کا تابع نہ ہو۔ بلکہ کثرت مکالمہ و مخاطبہ مشتمل بر کثرت امورِ غیبیہ کا نام نبوت ہے۔ تو اس تعریف کی رو سے آپ نے اپنے آپ کو نبی اور رسول کہا۔ اب ظاہر ہے۔ کہ ۱۹۰۱ء سے پہلے کی تعریف نبوت کے رُو سے حضرت صاحب علیہ السلام کبھی بھی نبی نہ تھے اور نہ صرف حضرت صاحبؑ بلکہ آپ سے پہلے ہزاروں انبیاء مثلاً حضرت ہارونؑ۔ سلیمانؑ۔ یحییٰ۔ زکریا۔ اسحاق۔ یعقوبؑ۔ یوسفؑ وغیرہ علیہم السلام بھی نبی ثابت نہیں ہوتے۔ کیونکہ وہ بھی کوئی نئی شریعت نہ لائے تھے۔ لیکن ۱۹۰۱ء کے بعد کی تشریح کے رو سے (جو ہم نے اوپر بیان کی ہے) ۱۹۰۱ء سے پہلے بھی حضورؑ نبی تھے۔

غرضیکہ حضرت صاحبؑ کی نبوت یا اس کے دعوے کے زمانہ کے بارہ میں کوئی اختلاف یا شبہ نہیں۔ بلکہ بحث صرف "تعریف نبوت" کے متعلق ہے۔ ورنہ حضرت صاحب کا دعوے ابتداء سے آخر تک یکساں چلا آتا ہے۔ جس میں کوئی فرق نہیں۔ آپ کے الہامات میں لفظ نبی اور رسول براہین کے زمانہ سے لے کر وفات تک ایک جیسا آیا ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے جس چیز کو ۱۹۰۱ء کے بعد نبوت قرار دیا ہے اس کا اپنے وجود میں موجود ہونا حضورؑ نے براہین کے زمانہ سے تسلیم فرمایا ہے۔

پس حضور علیہ السلام کو دعوئے نبوت و الہام و وحی کے بعد تیس برس کے قریب مہلت ملی۔ جو آپ کی صداقت کی بیّن دلیل ہے۔

حق بر زبان جاری

چنانچہ خود مصنف محمدیہ پاکٹ بک کو بھی (جس نے یہ اعتراض کیا ہے) ایک دوسری جگہ اقرار کرنا پڑا ہے جیسا کہ لکھتا ہے:۔

"مرزا صاحب بقولِ خود براہین احمدیہ کے زمانہ میں "نبی اللہ" تھے"۔

(محمدیہ پاکٹ بک ایڈیشن دوم ۱۹۳۶ء صفحہ ۱۶۰ سطر ۱۴)

ع لو آپ اپنے دام میں صیاد آگیا

جھوٹے مدعیانِ نبوت اور اُن کا بدانجام

شرائط:۔ جھوٹے مدعیانِ نبوت کے لیے جو اس آیت کے ماتحت قابلِ سزا ہیں مندرجہ ذیل باتوں کا ہونا ضروری ہے:۔

۱۔ وہ مجنون نہ ہو۔ تَقَوَّلَ باب تَفَعُّل سے ہے جس میں بناوٹ پائی جاتی ہے۔

۲۔ وہ لفظی الہام کا قائل ہو۔ یعنی یہ نہ کہتا ہو کہ جو دل میں آتے وہ الہام ہے۔ کیونکہ آیت میں بَعْضَ الْاَقَاوِیلِ کا لفظ ہے۔

۳۔ وہ اپنے دعویٰ کا اعلان بھی لوگوں کے سامنے کرے۔ خود خاموش نہ ہو۔ کیونکہ آیت میں "تقول" کا فاعل خود مدعی ہے۔ کوئی دوسرا نہیں یعنی یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ مدعی خود تو نہ کوئی دعویٰ کرے۔ نہ الہام

پیش کرے۔ بلکہ اس کی بجائے کوئی اور شخص اپنے آپ سے بنا کر دعاوی اس کی طرف منسوب کر دے۔
نیز فَمَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ عَنْهُ حَاجِزِيْنَ (الحاقہ ۴۸) کے الفاظ یہ بتاتے ہیں کہ ایسے لوگ موجود ہونے چاہئیں جن کے متعلق یہ خیال ہو سکے کہ یہ ہر مشکل میں اس مدعی کے ممد و معاون ہونگے۔
۴۔ وہ مدعی الوہیت نہ ہو۔ گویا خدا کو اپنے وجود سے الگ ہستی خیال کرنے والا ہو۔ آیت زیر بحث میں لفظ عَلَيْنَا اس مضمون کو بیان کرتا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں خدائی کے دعویٰ کرنے والے کا علیحدہ طور پر ذکر موجود ہے۔ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ (الانبیاء: ۳۰)
کہ جو شخص کہے کہ میں خدا ہوں اللہ کے سوا تو ہم اس کو جہنم کی سزا دیتے ہیں۔ ایسے ظالموں کو ہم اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ مدعی الوہیت کے لئے ضروری نہیں کہ اُسے اس دنیا میں سزا دی جائے بلکہ یہ کاذب مدعی نبوت ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے لازمی اور ضروری قرار دیا ہے کہ اُسے اسی دنیا میں سزا دی جائے کیونکہ کوئی انسان خدا نہیں ہو سکتا۔ پس مدعی الوہیت کا دعوٰے عقلمندوں کو دھوکے میں نہیں ڈال سکتا۔ مگر نبی چونکہ انسان ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے جھوٹے مدعی نبوت سے لوگوں کو دھوکہ لگنے کا امکان ہے۔ اسی لئے خدا اسی دنیا میں اس کو سزا دیتا ہے۔
چنانچہ علامہ ابو محمد ظاہری نے بھی اپنی کتاب الفصل فی الملل و الاھواء و النحل جلد ا صفحہ ۱۰۹ میں لکھا ہے:۔
"وَمُدَّعِيُّ الرَّبُوْبِيَّةِ فِيْ نَفْسِ قَوْلِهٖ بَيَانُ كَذِبِهٖ۔ قَالُوْا فَظُهُوْرُ الْاٰيَةِ عَلَيْهِ لَيْسَ مُوْجِبًا بِضَلَالِ مَنْ لَهٗ عَقْلٌ۔ وَاَمَّا مُدَّعِيُّ النُّبُوَّةِ فَلَا سَبِيْلَ اِلٰى ظُهُوْرِ الْاٰيَاتِ عَلَيْهِ لِاَنَّهٗ كَانَ يَكُوْنُ مُضِلًّا لِكُلِّ ذِيْ عَقْلٍ"
کہ مدعی الوہیت کا دعویٰ ہی خود اس کے جھوٹ ہونے کی دلیل ہے لہٰذا اس سے کسی نشان کا ظہور کسی صاحب عقل کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ مگر کاذب مدعی نبوت سے نشان ظاہر نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ ہر صاحب عقل کو گمراہ کرنے کا باعث ہوگا۔
ب۔ یہی فرق نمبر اس شرح الشرح العقائد نسفی صفحہ ۴۴ "بحث الخوارق" میں مذکور ہے۔ نیز تفسیر کبیر امام رازیؒ جلد ۸ صفحہ ۲۹۱۔ حوالہ مندرجہ پاکٹ بک ہذا صفحہ ۳۳۶۔

۱۔ ابومنصور

جواب ۱۔ وہ مدعی نبوت نہ تھا۔ چنانچہ "منہاج السنہ" میں بھی جس کا حوالہ غیر احمدی دیا کرتے ہیں، اس کا دعویٰ نبوت مذکور نہیں۔
۲۔ علامہ ابومنصور البغدادی لکھتے ہیں:۔
وَادَّعٰى هٰذَا الْعَجَلِيُّ اَنَّهٗ خَلِيْفَةُ الْبَاقِرِ..... وَقَفَ يُوْسُفُ بْنُ عُمَرَ الثَّقَفِيُّ

وَاَتَی الْعِرَاقَ..... فَاَخَذَ اَبَا مَنْصُوْرَ الْعِجْلِیَّ وَصَلَبَہٗ (الفرق فی الفرق ص۲۳۴)
کہ ابومنصور عجلی نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ وہ باقرؒ کا خلیفہ ہے۔ پس جب یوسف ابن عمر الثقفی کو اس بات کا علم ہوا تو وہ عراق آیا اور ابومنصور کو پکڑ کر صلیب دیدی۔

۳۔ اس کا ۲۷ سال بعد دعویٰ زندہ رہنا شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی کتاب "منہاج السنۃ" میں (جسکا غیر احمدی حوالہ دیا کرتے ہیں) قطعاً نہیں لکھا۔

۴۔ غیر احمدی اس کا سن قتل ۳۶۵ھ بتایا کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ کیونکہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا۔ اس کا قاتل یوسف بن عمر الثقفی ہے۔ اور وہ خود ۱۲۷ھ میں مرا۔ جیسا کہ علامہ ابن خلکان کی کتاب "وفیات الاعیانؒ جلد ۲ ص۳۲۵ پر لکھا ہے:۔

وَ ذَالِكَ فِیْ سَنَةَ سَبْعٍ وَّعِشْرِیْنَ وَمِائَةٍ کہ یوسف بن عمر الثقفی کی موت ۱۲۷ھ میں ہوئی جبکہ وہ ۶۵ سال کی عمر کا تھا۔

اب قاتل تو ۱۲۷ھ میں مرگیا۔ اور مقتول بقول غیر احمدیاں ۳۶۵ھ میں مرا۔ العجب۔

۲۔ محمد بن تومرت

جواب:۔ ۱۔ اس کا دعویٰ نبوت کہیں بھی مذکور نہیں۔

۲۔ ہاں اس نے حکومت وقت کے خلاف بغاوت ضرور کی اور ۵۱۴ھ میں شاہ مراکش نے اسے دار السلطنت سے نکال دیا۔ اور وہ جبل سوس میں جا کر بغاوت کرتا رہا۔

۳۔ اس نے خود دعویٰ مہدویت بھی نہیں کیا۔ فَقَامَ لَہٗ عَشْرَةُ رِجَالٍ اَحَدُهُمْ عَبْدُ الْمُؤْمِنِ فَقَالُوْا لَا يُوْجَدُ اِلَّا فِيْكَ فَاَنْتَ الْمَهْدِيُّ (کامل ابن الاثیر جلد ۲ ص۲۱۰) کہ اس کے دس ساتھی ہو گئے۔ جن میں سے ایک عبد المومن تھا۔ انہوں نے اُسے کہا کہ تیرے سوا مہدی کی صفات اور کسی میں پائی نہیں جاتیں۔ لہٰذا تو ہی مہدی ہے۔

۴۔ اگر اس کا دعویٰ مہدویت ثابت بھی ہو جائے۔ تب بھی وہ لَوْ تَقَوَّلَ والی آیت کے نیچے نہیں آسکتا۔ جب تک کہ جھوٹے الہام یا وحی کا مدعی نہ ہو۔

۳۔ عبد المومن

جواب:۔ یہ محمد بن تومرت کا خلیفہ تھا۔ یہ بھی اس کے ماتحت آجاتا ہے۔

۴۔ صالح بن طریف

جواب:۔ ۱۔ اس نے اپنا کوئی الہام پیش نہیں کیا۔ لہٰذا تقوّل نہ ہوا۔

۲۔ اُس نے خیال کیا تھا کہ وہ خود مہدی ہے۔ ثُمَّ زَعَمَ اَنَّهُ الْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يَخْرُجُ

فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ۔" (مقدمہ ابن خلدون جلد ۶ صفحہ ۲۰) یعنی اُس نے خیال کیا کہ وہ مہدی جو آخری زمانہ میں ظاہر ہونے والا تھا وہ مَیں ہوں۔ مگر اس نے کبھی کوئی الہام پیش نہیں کیا۔

۳۔ اُس نے اپنے دعویٰ مہدویت کا بھی اعلان کبھی نہیں کیا۔ وَاَوْصٰی بِدِیْنِہٖ اِلٰی اِبْنِہٖ اِلْیَاسَ وَعَھِدَ اِلَیْہِ بِمُوَالَاۃِ صَاحِبِ الْاُنْدُلُسِ مِنْ بَنِیْ اُمَیَّۃَ وَبِاِظْھَارِ دِیْنِہٖ اِذَا قَوِیَ اَمْرُھُمْ وَقَامَ بِاَمْرِہٖ بَعْدَہٗ اِبْنُہٗ اِلْیَاسُ وَلَمْ یَزَلْ مُظْھِرًا لِلْاِسْلَامِ مُسِرًّا لِمَا اَوْصَاہُ بِہٖ اَبُوْہُ (ابن خلدون جلد ۶ صفحہ ۲۷) کہ اُس نے اپنے بیٹے الیاس کو وصیت کی کہ وہ اس کے مذہب پر قائم رہے اور اس سے عہد لیا کہ وہ حاکم اندلس کے ساتھ دوستی رکھے گا اور اپنے مذہب کا اظہار صرف اس وقت کریگا جب وہ طاقتور ہوجاتے۔ پس وہ اپنے باپ کے حکم پر قائم رہا اور یہی ظاہر کرتا رہا کہ وہ مسلمان ہے اور اپنا مذہب چھپاتا رہا۔ جیسا کہ اس کے باپ نے اُسے وصیت کی تھی۔

۵۔ عبید اللہ بن مہدی

جواب: ۱۔ اُس نے نبوت کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔

۲۔ اس نے اپنا کوئی الہام پیش نہیں کیا۔

۳۔ ابن خلکان نے وفیات الاعیان جلد ۱ صفحہ ۲۷۰ پر ایک روایت درج کی ہے کہ عبید اللہ ابو محمد الملقب بالمہدی کو دوسرے یا تیسرے سال الیسع نے جو سجلماسہ کا حاکم تھا۔ قید خانہ میں قتل کر دیا تھا اور پھر ایک شیعہ نے بعد میں جھوٹ موٹ ایک دوسرے آدمی کو عبید اللہ قرار دے دیا۔

۶۔ بیان بن سمعان

جواب: یہ نہ مدعی وحی۔ نہ مدعی نبوت۔ نہ مدعی الہام۔ ہاں اس کے بعض واہیات عقائد تھے مگر وہ تَقَوَّلَ کی آیت کے ماتحت کسی طرح نہیں آسکتا۔ سوال تو صرف تقوّل علی اللہ کا ہے نہ کہ غلط عقائد رکھنے کا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں:۔

بَیَانُ بْنُ سَمْعَانَ التَّیْمِیُّ الَّذِیْ تُنْسَبُ اِلَیْہِ الْبَیَانِیَّۃُ مِنْ غَالِیَۃِ الشِّیْعَۃِ اَنَّہٗ کَانَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی صُوْرَۃِ الْاِنْسَانِ وَاِنَّہٗ یَھْلِکُ کُلُّہٗ اِلَّا وَجْھَہٗ وَادَّعٰی بَیَانُ اَنَّہٗ یَدْعُوا الزُّھْرَۃَ فَتُجِیْبُہٗ وَاَنَّہٗ یَفْعَلُ ذٰلِکَ بِالْاِسْمِ الْاَعْظَمِ فَقَتَلَہٗ خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰہِ الْقَسْرِیُّ۔ (منہاج السنۃ جلد ۱ صفحہ ۲۳۸)

کہ بیان بن سمعان تمیمی وہ تھا جس کی طرف غالی شیعوں کا فرقہ بیانیہ منسوب ہوتا ہے اور وہ کہا کرتا تھا کہ خدا تعالیٰ انسان کی شکل کا ہے سارا خدا ہی آخر کار ہلاک ہوگا۔ مگر اس کا چہرہ بچ رہے گا اور یہ کہ وہ زہرہ (ستارے) کو بلاتا ہے اور وہ اس کو جواب دیتی ہے اور یہ بات وہ صرف اسم اعظم کی برکت سے کرتا ہے۔ پس خالد بن عبد اللہ قسری نے اُسے قتل کیا۔

۷۔ مُقنّع

جواب:۔ وہ ۱۵۹ھ میں ظاہر ہوا۔ اور ۱۶۳ھ میں یعنی ۴ سال بعد اُس نے زہر کھاکر خودکشی کر لی۔ اور اس کا سر قلم کیا گیا۔ (تاریخ کامل ابن الاثیر جلد ۶ صلا ۹)

۸۔ ابوالخطاب الاسدی

جواب:۔ وہ مدعیٔ الہام یا نبوت نہیں بلکہ مدعیٔ الوہیت تھا۔
۲۔ وہ قتل ہوا۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ منہاج السنۃ جلد ۱ صث ۲۳۹ پر فرماتے ہیں:۔
"وَعَبَدُوْا اَبَا الْخَطَّابِ وَزَعَمُوْا اَنَّهُ اِلٰهٌ وَخَرَجَ اَبُوالْخَطَّابِ عَلٰی اَبِیْ جَعْفَرَ الْمَنْصُوْرِ فَقَتَلَهٗ عِیْسٰی ابْنُ مُوْسٰی فِیْ سِجْنَةِ الْكُوْفَةِ" کہ لوگ ابوالخطاب کو خدا کر کے پوجنے لگے اور یہ خیال کیا کہ وہ خدا ہے۔ پھر ابوالخطاب نے ابوجعفر منصور پر حملہ کیا۔ پس عیسٰی بن موسٰی نے کوفہ میں اُسے قتل کر دیا۔ نیز دیکھو (کتاب الفصل فی الملل والنحل جلد ۲ صث ۱۱۴)

۹۔ احمد بن کیال

جواب:۔ ۱۔ اس نے نہ دعوٰی نبوت کیا، نہ دعوٰی وحی والہام۔
۲۔ وہ سخت ناکام و نامراد ہوا۔ کَمَا وَقَفُوْا عَلٰی بِدْعَتِهٖ تَبَرَّءُوْا مِنْهُ وَلَعَنُوْهُ" (الملل والنحل جلد ۲ صلا برحاشیہ الملل فی الملل والنحل) کہ اس کے متبعین کو جب اس کی بدعت کا علم ہوا تو انہوں نے اُس سے برأت کا اظہار کیا اور اس پر لعنت بھیجی۔

۱۰۔ مغیرہ بن سعد عجلی

جواب:۔ اس کے متعلق کہیں بھی نہیں لکھا کہ اس نے وحی والہام یا نبوت کا دعوٰی کیا ہو۔ پس اس کو پیش کرنا جہالت ہے۔
لَوْ تَقَوَّلَ والی آیت کے تحت وہی آئیگا جو مدعیٔ وحی والہام ہو اور اپنا الہام یا وحی کو لفظاً پیش کرے۔

تیسری دلیل

يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (البقرۃ: ۱۴۷) کہ نبی کو اس طرح سے پہچانتے ہیں جس طرح باپ اپنے بیٹے کو۔
گویا جس طرح بیوی کی پاکیزگی خاوند کے لئے اس امر کی دلیل ہوتی ہے کہ پیدا ہونے والا اُس کا ہی بچہ ہے۔ اسی طرح مدعی نبوت کی قبل از دعوٰی پاکیزگی اس کے دعوٰی کی صداقت پر دلیل ہوتی ہے۔ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کا چیلنج اور محمد حسین بٹالوی کی شہادت دیکھو دلیل نمبر ا میں۔

چوتھی دلیل

" یَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا " کہ جب صالح علیہ السلام نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ تو ان کی قوم نے کہا کہ اے صالحؑ! آج سے پہلے تیرے ساتھ ہماری بڑی بڑی اُمیدیں وابستہ تھیں۔ تجھ کو کیا ہو گیا کہ تو نبی بن بیٹھا۔ (ہود : ۶۳)

گویا جب نبی ابھی دعوٰے نہیں کرتا تو قوم اس کی مداح ہوتی ہے مگر جب دعویٰ کر دیتا ہے تو هُوَ كَذَّابٌ أَشِرٌ (القمر : ۲۶) کہنے لگ جاتے ہیں۔ کہ یہ اوّل درجہ کا جھوٹا اور شریر ہے۔

ایک شُبہ کا ازالہ

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ اگر مرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی یا مولوی ثناء اللہ صاحب نے حُسنِ ظن کا اظہار کیا تو وہ بھی اُسی طرح غلط تھا جس طرح خود مرزا صاحب کا خواجہ کمال الدین اور مولوی محمد علی صاحب وغیرہ کے متعلق اندازہ اُنکی بعد کی زندگی سے غلط ہو گیا۔

الجواب :- یہ قیاس مع الفارق ہے۔

ہماری دلیل تو یہ ہے کہ جو مدعیٔ نبوت ہو اُس کی پہلی زندگی کا پاکیزہ ہونا ضروری ہے۔ نیز یہ کہ مخالفین کی بھی اس سے اُمیدیں وابستہ ہوتی ہیں۔ ہم نے کب کہا ہے کہ جس کی زندگی کے متعلق کسی کو حُسنِ ظن ہو وہ ضرور نبی ہوتا ہے۔ خواہ وہ نبوت کا دعویٰ کرے یا نہ کرے۔

حیرت ہے کہ مخالفین کی عقلیں حق کی مخالفت کے باعث اس قدر مسخ ہو چکی ہیں کہ وہ اتنی موٹی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔ کیا خواجہ کمال الدین یا مولوی محمد علی صاحبان نے نبوت کا دعویٰ کیا؟ اگر نہیں تو پھر اُن کے متعلق حضرت اقدس علیہ السلام کے اظہار خیال کو پیش کرنا بے معنی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو خواجہ صاحب اور مولوی محمد علی صاحب کی تعریف کی ہے تو وہ بالکل ویسی ہی ہے جیسی کہ بیعت رضوان والوں کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: " شما بہترین از روئے زمین اند" کہ تم دُنیا کے بہتر انسان ہو۔ مگر اُن میں سے احد بن قیس بعد میں مُرتد ہو گیا تھا۔

لیکن احد بن قیس نے نبوت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ اِن لوگوں نے یہاں نبوت کا دعویٰ کیا ہے۔ جن کے نام تم لیتے ہو۔

پانچویں دلیل

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيَاتٍ وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللّٰهِ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ - فَإِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ

فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ (ھود: ۱۴، ۱۵) کہ کیا یہ کہتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام نہیں بلکہ اس نے اپنے پاس سے بنالیا ہے۔ اُن سے کہدے کہ پھر اس جیسی دس سورتیں ہی بنالاؤ۔ اور سوا خدا کے جسکو چاہو بطور مددگار بلالو پس اگر تم اور تمہارے مددگار بنانے پر کامیاب نہ ہوں۔ تو پھر جان لو کہ یہ انسانی علم کا نتیجہ نہیں بلکہ علم الٰہی سے ہے۔

قرآن مجید کا یہ چیلنج اس کے کلام الٰہی ہونے پر زبردست دلیل ہے اور پچھلی تیرہ صدیاں قرآن مجید کے اس دعویٰ کی صداقت پر گواہ ہیں مگر چودھویں صدی میں جو قلم کا زمانہ ہے اسلام پر طرح طرح کے اعتراضات ہونے شروع ہوگئے۔ مخالفین نے اپنی بدباطنی کا اظہار یہ کہہ کر کرنا شروع کیا کہ قرآن کا یہ چیلنج بدوؤں اور جاہل عربوں کو دیا گیا تھا اور ایسے زمانہ میں دیا گیا تھا جبکہ چاروں طرف جہالت کا دور دورہ تھا۔ پس اُن لوگوں کا قرآن شریف کی مثل لانے پر قادر نہ ہوسکنا قرآن کی صداقت کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ ہاں آج اگر ہمارے زمانہ میں جبکہ علوم و فنون کی ترقی سے انسانی دماغ ارتقاء کی انتہائی منازل طے کرچکا ہے کوئی شخص اس قسم کا چیلنج دے تو ایک نہیں ہزاروں انسان اس کا جواب لکھنے پر آمادہ ہوجائیں۔ اس اعتراض کو غلط ثابت کرنے اور مخالفین اسلام کا ایک دفعہ پھر مونہہ بند کرنے کے لیے خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کھڑا کیا اور آپ نے تمام دنیا کے سامنے بضرب دہل اعلان فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھ کو اپنے خاص مکالمہ مخاطبہ سے مشرف فرمایا ہے اور مجھ کو وہ علوم اور معارف عطا فرماتے ہیں کہ دنیا کا کوئی انسان اِن میں میرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "اعجاز احمدی" اور "اعجاز المسیح" وغیرہ عربی کتابیں لکھیں اور کہا کہ اگر اعجاز احمدی کا جواب وقت مقررہ کے اندر لکھو تو دس ہزار روپیہ انعام لو۔ اور فرمایا:۔

"خدا تعالیٰ ان کے قلموں کو توڑ دیگا اور انکے دلوں کو غبی کردیگا۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۷) پھر اگر بیس دن میں جو دسمبر ۱۹۰۲ء کی دسویں کے دن کی شام تک ختم ہوجائیگی انہوں نے اس قصیدہ اور اردو مضمون کا جواب چھاپ کر شائع کردیا تو یوں سمجھو کہ میں نیست و نابود ہوگیا اور میرا سلسلہ باطل ہوگیا۔ اس صورت میں میری تمام جماعت کو چاہیئے کہ مجھے چھوڑ دیں۔ اور قطع تعلق کریں۔"

(اعجاز احمدی صفحہ ۹۰ آخری)

اعجاز المسیح کے متعلق پانچ سو روپیہ انعام کا اشتہار دیا اور لکھا:۔

"فَاِنَّهٗ كِتَابٌ لَيْسَ لَهٗ جَوَابٌ وَمَنْ قَامَ لِلْجَوَابِ وَتَنَمَّرَ فَسَوْفَ يَرٰى اَنَّهٗ تَنَدَّمَ وَتَدَمَّرَ۔" (اعجاز المسیح سرورق)

کہ یہ وہ کتاب ہے جس کا کوئی جواب نہیں اور جو شخص اس کے جواب کے لئے کھڑا ہوگا۔ وہ دیکھے گا کہ وہ کس طرح نادم اور شرمندہ کیا جائیگا۔ پھر فرمایا:۔

وَاِنِ اجْتَمَعَ اٰبَآؤُهُمْ وَاَبْنَآؤُهُمْ وَاَكْفَآؤُهُمْ وَعُلَمَآؤُهُمْ وَحُكَمَآؤُهُمْ وَفُقَهَآؤُهُمْ عَلٰى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا التَّفْسِيْرِ فِيْ هٰذِهِ الْمُدَّةِ الْقَلِيْلِ الْحَقِيْرِ

لَا يَأْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا" (اعجاز المسیح ص۵۵)

اگر ان کے باپ اور ان کے بیٹے اور ان کے ہمسر اور ان کے علماء اور ان کے حکماء اور ان کے فقہاء (غرضیکہ چھوٹے بڑے) سب ملکر اس مدت میں جس میں مَیں نے اس کو لکھا ہے اس جیسی کتاب لکھنا چاہیں تو کبھی بھی نہ لکھ سکیں گے۔

چنانچہ جب مولوی محمد حسین فیض ساکن بھیں ضلع جہلم نے اس کا جواب لکھنا چاہا تو حضرت اقدس علیہ السلام کو الہام ہوا۔ مَنَعَهٗ مَانِعٌ مِنَ السَّمَاۗءِ" کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اسے جواب لکھنے سے روک دیا ہے۔ چنانچہ وہ ابھی نوٹ ہی تیار کر رہا تھا کہ ایک ہفتہ کے اندر مر گیا اور پیر گولڑوی نے اُس کے لکھے ہوئے نوٹوں کو میعاد مقررہ گذر جانے کے بعد سرقہ کر کے اپنے نام سے شائع کر دیا اور اس کا نام سیف چشتیائی رکھا۔ (تفصیل دیکھو نزول المسیح ص۵ و ص۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اعجازی کتب کے لئے میعاد اس لئے مقرر کی کہ (۱) یہ اعتراض نہ ہو سکے کہ قرآن کا مقابلہ کیا ہے اور اس طرح سے قرآن کے معجزہ میں کسی قسم کا شبہ پڑ سکے۔ کیونکہ حضرت اقدس نے فرمایا ہے کہ مجھے جو اعجازی کلام کا معجزہ دیا گیا ہے۔ وہ قرآن کے ماتحت اور اس کے ظل کے طور پر ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ہمارا تو دعویٰ ہے کہ معجزہ کے طور پر خدا تعالیٰ کی تائید سے۔ اس انشا پردازی کی ہمیں طاقت ملی ہے۔ تا معارف و حقائق قرآنی کو اس پیرایہ میں بھی دُنیا پر ظاہر کریں۔ (نزول المسیح ص۵۹)

ب۔ كُلَّمَا قُلْتُ مِنْ كَمَالِ بَلَاغَتِيْ فِي الْبَيَانِ فَهُوَ بَعْدَ كِتَابِ اللّٰهِ الْقُرْاٰنِ"
(لُجَّةُ النُّوْر ص۱۲ حاشیہ)

یعنی مَیں نے اپنے کمال فصاحت اور بلاغت کے متعلق جو کچھ کہا وہ سب قرآن مجید کے ماتحت ہے،

ج۔ ضرورۃ الامام ص۲ پر فرمایا:۔ "مَیں قرآن مجید کے معجزہ کے ظِل پر عربی بلاغت و فصاحت کا نشان دیا گیا ہوں۔ کوئی نہیں کہ جو اس کا مقابلہ کر سکے"۔

۲۔ میعاد کا مقرر کرنا معجزہ کی شان کو کم نہیں کرتا۔ جیسا کہ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"لَوْ قَالَ نَبِيٌّ اٰيَةُ صِدْقِيْ اَنِّيْ فِيْ هٰذَا الْيَوْمِ اُحَرِّكُ اِصْبَعِيْ وَلَا يَقْدِرُ اَحَدٌ مِنَ الْبَشَرِ عَلٰى مُعَارَضَتِيْ فَلَمْ يُعَارِضْهُ اَحَدٌ فِيْ ذَالِكَ الْيَوْمِ ثَبَتَ صِدْقُهٗ"

(الاقتصاد فی الاعتقاد ص۹۲) یعنی اگر مدعی نبوت یہ کہے کہ میری صداقت کا یہ نشان ہے کہ آج میں اپنی اُنگلی کو حرکت دیتا ہوں۔ مگر انسانوں میں سے کوئی میرے مقابلہ پر ہرگز ایسا نہیں کر سکیگا"۔ پس اگر فی الواقعہ اُس دن کوئی شخص اس کے مقابلہ میں اُنگلی نہ ہلا سکے تو اس مدعی کی صداقت ثابت ہو گئی۔

۳۔ چونکہ آپ نے اعجازی کلام کے جواب کے لئے انعام مقرر کیا تھا اس لئے اس کے واسطے کوئی میعاد مقرر ہونی چاہیئے تھی تاکہ انعام کا فیصلہ ہو سکے۔ کیونکہ زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔

اعجاز احمدی کی مزعومہ غلطیاں

باقی رہا یہ اعتراض کہ اعجاز احمدی میں غلطیاں ہیں ایسا ہی ہے جیسے عیسائیوں کا اعتراض قرآن مجید کی عربی پر ہے۔

اِنَّ فِیْہِ لَحْنًا نَحْوَ اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ عَلٰی قِرَآْءَۃِ اَنَّ الْمُشَدَّدَۃِ (نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی ۳۳۹)، طَعْنُ الْمَلَاحِدَۃِ فِیْ اِعْجَازِ الْقُرْاٰنِ (نبراس ۳۳۵) کہ ملحدین نے یہ اعتراض کیا ہے کہ قرآن میں غلطیاں ہیں۔ جیسا کہ اِنْ ھٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ والی آیت میں جو قراءۃ انّ مشدد والی ہے اس میں اِنَّ ھٰذَین چاہیئے۔

اسی طرح قرآن مجید میں آتا ہے لَمَّا سُقِطَ فِیْ اَیْدِیْھِمْ (الاعراف: ۱۵۰) اس کی ترکیب کے متعلق روح المعانی میں لکھا ہے:۔ ذَکَرَ بَعْضُھُمْ اِنَّ ھٰذَا التَّرْکِیْبَ لَمْ یُسْمَعْ قَبْلَ نُزُوْلِ الْقُرْاٰنِ وَلَمْ تَعْرِفُ الْعَرَبَ وَلَمْ یُوْجَدْ فِیْ اَشْعَارِھِمْ وَکَلَامِھِمْ (روح المعانی جلد ۳ ۱۳۷) کہ بعض نے کہا ہے کہ یہ ترکیب نزول القرآن سے قبل نہیں سُنی گئی اور نہ اس کو عرب جانتے تھے اور نہ اہل عرب کے اشعار اور کلام میں یہ ترکیب پائی جاتی ہے۔

پس غلطیاں نکالنا تو آسان ہے۔ صرف اس کی مثل بنانا ہی مشکل ہے جس طرح اہل عرب کا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ ھٰذَا کہنا کہ اگر ہم چاہیں تو قرآن جیسی کتاب بنا سکتے ہیں۔ نیز اعجاز احمدی کی غلطیاں نکال کر جن لوگوں نے اپنی جہالت کا ثبوت دیا ہے ان کی آنکھوں کو روشنی پہنچانے کیلئے حضرت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ہلال پوری مرحوم مولوی فاضل و منشی فاضل قادیان نے ایک کتاب "تنویر الابصار" کے نام سے شائع فرمادی ہوئی ہے جس میں مزعومہ اغلاط کی حقیقت کو آشکارا کیا گیا ہے۔

غیر احمدی:۔ مولوی غنیمت حسین مونگھیری اور قاضی ظفر الدین نے جواب میں قصیدے لکھے۔

الجواب:۔ کیا اُن لوگوں نے میعاد کے اندر یہ جواب لکھے؟ نہیں! بلکہ میعاد گذرنے کے سالہا سال بعد۔ پس۔ ع

مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید بر کلمہ خود باید زد

غیر احمدی:۔ بیس دن کی میعاد بہت تھوڑی تھی۔

الجواب:۔ (۱) حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الاقتصاد فی الاعتقاد ۹۴" کا حوالہ اوپر درج ہو چکا ہے کہ اگر نبی یہ کہے کہ میں اپنی انگلی کو آج حرکت دیتا ہوں اور کسی کو جرأت نہیں ہو سکتی کہ آج ...... وہ اپنی انگلی کو میرے بالمقابل حرکت دے سکے تو گویا اس میں میعاد ایک دن کی ہو صداقت کی دلیل ہے۔

(۲) محمدیہ پاکٹ بک کے مؤلف کا یہ لکھنا کہ بیس دن میں ایسی کتاب کا لکھنا قطعی طور پر ناممکن ہے اور یہ کہنا کہ بڑے سے بڑا زود نویس مصنف بھی صرف پانچ صفحہ روزانہ کا مضمون لکھ سکتا ہے محض ایک

بہانہ سازی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف "حقیقۃ النبوۃ" جس میں مسئلہ نبوت پر فیصلہ کن بحث ہے اور مولوی محمد علی صاحب امیر اہل پیغام کے تمام دلائل کا مکمل رد ہے۔ یہ کتاب تقریباً تین صد (۲۹۷) صفحات کی ہے مگر یہ بیس روز کے اندر اندر تصنیف اور طبع ہو کر شائع بھی ہو گئی۔ مضمون نویس نے مضمون لکھا۔ کاتب نے کتابت بھی کی۔ پریس میں بھی گئی۔ پروف بھی دیکھے گئے مگر تین سو صفحات کی معرکۃ الآراء تصنیف بیس یوم کے اندر تصنیف ہونے کے علاوہ شائع بھی ہو گئی مگر "اعجازِ احمدی" تو کُل نوّے صفحات کا رسالہ ہے۔ یعنی "حقیقۃ النبوۃ" سے تیسرے حصے سے بھی کم ہے۔ مگر عجیب بات ہے اور یہ بھی خدا کا ایک نشان ہے کہ بڑے بڑے مخالف جُبّہ دار مولوی اس کے جواب سے عاجز آگئے اور اب سوائے بہانہ سازی اور حیلہ جوئی کے اُن کو کوئی چارہ نظر نہیں آتا۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کی تصنیف "القول الفصل" جو خواجہ کمال الدین صاحب کے رسالہ "اندرونی اختلافاتِ سلسلہ احمدیہ کے اسباب" کا مکمل رد ہے اور مبسوط جواب ہے۔ یہ رسالہ ۷۸ صفحات پر مشتمل ہے اور بلحاظ مضمون کے "اعجاز احمدی" سے اس کا مضمون زیادہ ہے لیکن یہ رسالہ صرف ایک دن میں لکھا گیا۔ علاوہ ازیں اور بھی سینکڑوں مثالیں مل سکتی ہیں "حقیقۃ النبوۃ" اور "القول الفصل" کی میعاد معینہ کی اصالت اور صحت میں کوئی کلام نہیں کیونکہ میعاد ہذا بطور معجزہ یا نشان کے بیان نہیں کی گئی۔ بلکہ محض سرسری طور پر ایک واقعہ کا اظہار کیا گیا ہے لیکن پھر بھی یہ معجزہ نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے ساتھ دعویٰ اور تحدّی نہیں ہے لیکن باوجود اس کے کہ "اعجاز احمدی" کا مضمون ان دونوں کتابوں سے کم ہے اور میعاد بہت زیادہ۔ نیز حضرت اقدس علیہ السلام کی طرف سے دس ہزاری انعام اور تحدّی بھی ہے کہ "خدا ان کے قلموں کو توڑ دیگا" مگر کوئی بھی جواب نہ لکھ سکا۔ عقل کے اندھو! حیلہ سازی سے کیا بنتا ہے تمہیں دس ہزار روپیہ جو دیا جا رہا تھا۔ تو اِسی لئے کہ ۸۰، ۹۰ مُلّاں مل کر ہی بیٹھ جاتیں۔ اعجاز احمدی کا ایک ایک صفحہ آپس میں تقسیم کر کے اس کا جواب دو چار گھنٹے میں لکھ دیں۔ اسی طرح ۱۵-۲۰ کاتب لگا کر ایک ہی دن میں اس کی کتابت کروالیں اور مختلف پریسوں میں اس کو چھپوا کر دوسرے ہی دن اس کا جواب شائع کر دیں۔ اے دُنیا کے کیڑو! دس ہزار روپیہ میں ایک ۸۰ صفحہ کی کتاب کا جواب بیس یوم میں (تم لاکھوں مولویوں کا لکھنا) کونسی بڑی بات تھی۔ اور اگر تمہیں مال کا طمع نہ تھا تو کم از کم آرام طلبی چھوڑ کر لوگوں کی "ہدایت" ہی کے لئے کچھ محنت کرتے۔ مگر اس وقت خدا نے اپنے اعجازی ہاتھ سے تمہارے قلموں کو توڑ دیا۔ اور تمہارے دلوں کو غبی کر دیا تھا۔ اس لئے اُس وقت تو تم مبہوت ہو کر رہ گئے۔ لیکن اب جبکہ تیر ہاتھ سے نکل چکا ہے تم لاجواب ہونے کی صورت میں بھی مقولہ "مُلّاں آں باشد کہ چُپ نہ شود" کے مطابق قابل شرم اور مضحکہ خیز حیلہ سازیوں سے وقت گذارتے ہو ؎

کچھ تو خوف خُدا کرو لوگو
کچھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

❊❊❊

چھٹی دلیل

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِيَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ - وَلَا يَتَمَنَّوْنَهٗٓ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (الجمعة: ۷،۸)

یعنی یہودی کہتے ہیں کہ ہم خدا کے دوست ہیں۔ اور یہ کہ خدا ہم سے پیار کرتا ہے۔ (نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَ اَحِبَّآؤُهٗ) فرمایا۔ ان سے کہدو کہ اے یہودیو! اگر تم اپنے آپ کو خدا کے دوست سمجھتے ہو تو اپنے لیئے بد دُعا کرو موت کی تمنا کرو۔ مگر یاد رکھو کہ یہ لوگ کبھی موت کی تمنا نہیں کریں گے کیونکہ یہ اپنی بداعمالیوں کو اچھی طرح جانتے ہیں۔ اور خدا ظالموں کو اچھی طرح جانتا ہے۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ بُرے اعمال کرنے والے ظالم لوگ جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم خدا کے دوست ہیں وہ موت کی تمنا نہیں کرتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اللہ تعالیٰ کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں ؎

اے قدیر و خالقِ ارض و سما   اے رحیم و مہربان و راہ نما
ایکہ مے داری تو بر دِلہا نظر   اے کہ از تو نیست چیزے مستتر
گر تو مے بینی مرا پُر فسق و شر   گر تو دیداستی کہ ہستم بدگہر
پارہ پارہ کُن من بدکار را   شاد کن ایں زمرۂ اغیار را
آتش افشاں بر دَر و دیوارِ من
دشمنم باش و تباہ کن کارِ من

مگر اس کے باوجود آپ کی جماعت نے ترقی کی۔ آپ کو خدا نے لمبی عمر عطا فرمائی اور اپنے دعوے کی تبلیغ کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اولاد بڑھی۔ اور ہر قسم کے روحانی جسمانی فوائد حضور کو حاصل ہوئے۔

غیر احمدی:۔ ابوجہل نے بھی اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ کی بدُعا کی تھی۔ (الانفال: ۳۳)

جواب: سورۃ الجمعہ کی آیت میں تو یہ مذکور ہے کہ وہ شخص بد دعا نہیں کرتا جو خود اپنی ذات کے متعلق کوئی دعویٰ رکھتا ہو۔ مثلاً یہ کہتا ہو کہ خدا تعالیٰ میرا دوست ہے یا مجھ سے محبت کرتا ہے۔ یا اس نے مجھے مامور کیا ہے۔ مگر یہ کہنا کہ اے خدا! اگر قرآن سچا ہے تو مجھ پر عذاب آئے۔ یہ ایسی ہی بدُعا تھی۔ جس طرح ایک بچہ اپنی نادانی سے آگ کے کوئلے پر ہاتھ رکھ دیتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ سزا ہمیشہ اتمامِ حُجت کے بعد ہی مقرر فرماتا ہے۔

۲۔ یہ بدُعا ابوجہل نے کی تھی جیسا کہ بخاری کتاب التفسیر میں مذکور ہے اور ابوجہل جنگ بدر میں مقتول ہوا اور خدا تعالیٰ نے اس جنگ کے متعلق مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى کا ارشاد فرمایا ہے۔ گویا کفار ان آسمانی پتھروں کے ساتھ ہلاک کئے گئے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے

مارے گئے تھے۔ ابوجہل بھی انہیں کافروں میں سے تھا۔ اس نے ڈبل بددُعا کی تھی۔ (۱) اَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ (۲) اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ۔ پہلی بددُعا کے مطابق وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے نکلے ہوئے آسمانی پتھروں کا نشانہ بنا اور ہلاک ہوا۔ اور دوسری بددُعا کے مطابق وہ مقتول ہوا۔ اور قرآن مجید نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے مارے جانے کو عذاب قرار دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا۔ قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ (التوبة : ۱۴) کہ کافروں کو قتل کرو۔ خدا چاہتا ہے کہ اُن کو تمہارے ہاتھوں سے عذاب دے پس ابوجہل کی بددُعا کے مطابق خدا نے اس کو ڈبل ہی سزا دی۔ گویا آسمانی پتھر بھی اُس پر پڑے اور عذاب الیم بھی آیا۔ یاد رہے کہ آیت مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ (الانفال : ۳۴) میں یہ صرف وعدہ تھا کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں ہیں ان پر عذاب نہیں آئیگا، لیکن جب حضورؐ بعد از ہجرت مکہ سے مدینہ تشریف لے گئے تو اس کے بعد ابوجہل اور اس کے ساتھیوں پر عذاب آیا۔ اَنْتَ فِيْهِمْ سے مراد آنحضرت صلعم کا مکہ میں موجود ہونا ہے۔

ساتویں دلیل

فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (العنكبوت : ۱۶)

کہ ہم نے حضرت نوح علیہ السلام اور آپ کے ساتھ کشتی میں بیٹھنے والوں کو بچا لیا۔ اور اس بچنے کو تمام جہان کے لیئے بطور صداقت نوح علیہ السلام نشان مقرر کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کی پیشگوئی کے مطابق ہند میں سخت طاعون پڑی اور پنجاب میں بھی بشدت آئی۔ مگر حضور نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے فرمایا ہے۔ اِنِّیْ اُحَافِظُ كُلَّ مَنْ فِي الدَّارِ وَ اُحَافِظُكَ خَاصَّةً (الہام ۱۹۰۲ء نزول المسیح ص۲۲) کہ میں ان تمام لوگوں کو جو تیرے گھر کی چار دیواری کے اندر ہونگے طاعون سے محفوظ رکھونگا۔ خاصکر تیری ذات کو۔ چنانچہ آج تک حضور علیہ السلام کے گھر کے اندر کبھی کوئی چوہا بھی نہیں مرا۔ لہٰذا آپ کی صداقت ثابت ہے اور حضور علیہ السلام خود بھی طاعون سے اس تحدی کے باوجود محفوظ رہے۔

قادیان میں طاعون پڑنے کے متعلق تفصیل دوسری جگہ "پیشگوئیوں پر غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جواب" میں درج ہے۔ اِس جگہ صرف اتنا بیان کرنا ضروری ہے کہ حضرت اقدس نے کہیں بھی نہیں لکھا کہ قادیان میں طاعون نہیں آئے گی۔ بلکہ "دافع البلاء" میں تو صاف لکھا ہے کہ قادیان میں طاعون تو آئیگی۔ مگر طاعون جارف یعنی بربادی بخش نہیں آئیگی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

نوٹ :۔ بے شک ایمان کامل والوں کو بھی اس وعدہ میں شامل کیا گیا ہے، لیکن کامل اور ناقص ایمان والوں میں امتیاز مشکل ہے۔ مگر ظاہری مکان کی چار دیواری میں رہنے والوں کے لیے کامل ایمان کی شرط نہیں۔ لہٰذا اسی کو اس جگہ دلیل صداقت کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ جس کا تمہارے پاس سوائے بہانہ سازی کے کوئی جواب نہیں۔

آٹھویں دلیل

خدا تعالیٰ یہاں اپنے سچے انبیاء اور اُن کی جماعتوں کو علیٰ رَغمِ اَنفِ الاَعدَاءِ ترقیات اور پے بہ پے فتوحات عطا فرماتا ہے وہاں جھوٹے مدعیان نبوت کو ہرگز ترقی اور کامیابی نہیں ہوتی اور خُسران اور شکست کا طوق اُن کے گلے کا ہار ہو کر رہ جاتا ہے۔

قرآن مجید نے اس زبردست معیار صداقت کا ذکر متعدد مقامات پر فرمایا ہے:۔

۱۔ فرمایا: فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ (المائدۃ: ۵۷) یاد رکھو کہ خدا ہی کی جماعت ہمیشہ غالب اور کامیاب ہوتی ہے۔

۲۔ اور اس کے بالمقابل کذابوں کی جماعت کا ذکر اس طرح فرماتا ہے۔ اَلَاۤ اِنَّ حِزْبَ الشَّیْطٰنِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (المجادلہ: ۲۰) یاد رکھو کہ شیطانی گروہ ہمیشہ ناکام و نامراد ہوتا ہے اور گھاٹے اور خسارے میں رہتا ہے۔

اس جگہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس طرح معلوم ہو کہ "غالب" گروہ کونسا ہے۔ کیونکہ ہر ایک جماعت یہی دعویٰ کرتی ہے کہ وہ غالب ہے۔

۳۔ اس اہم سوال کو خدا تعالےٰ نے نہایت وضاحت کے ساتھ حل فرمایا ہے۔ فرمایا:۔ اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (الانبیاء: ۴۵) کہ یہ لوگ جو مدعیٔ نبوت کے مُنکر ہیں۔ ایک زمین کے ٹکڑے کی طرح ہیں۔ کیا وہ نہیں دیکھتے کہ ہم اس زمین کو آہستہ آہستہ چاروں طرف سے کم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ کیا اب بھی وہ یہ خیال کرتے ہیں کہ وہی غالب ہیں یعنی سچے نبی کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس کی جماعت تدریجاً بڑھتی ہے اور اس کے مقابل اس کے مخالفین کی جماعت بتدریج کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ مدعیٔ نبوت کی تدریجی ترقی اور اس کے بالمقابل اس کے مخالفین کا تدریجی تنزل اس مدعی کے صادق اور منجانب اللہ ہونے پر قطعی اور یقینی دلیل ہے۔

۴۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن: ۵۲) کہ ہم اپنے انبیاء اور اُن کی جماعتوں کی اِسی دُنیا میں مدد کرتے ہیں اور پھر قیامت کے دن بھی ہم ہی اُن کے مددگار ہونگے۔ گویا خدا تعالےٰ کا یہ ازلی اور ابدی قانون ہے کہ وہ اپنے رسولوں کی دشمنوں کے مقابلہ میں مدد اور نصرت فرماتا ہے اور ان کے مخالفین کی معاندانہ اور مخاصمانہ سرگرمیوں کو (جو انبیاء کی تباہی اور بربادی کے لئے کی جاتی ہیں) کبھی کامیاب ہونے نہیں دیتا۔

۵۔ چنانچہ ایک اور جگہ کھلے الفاظ میں اپنے اس اٹل قانون کا ذکر فرماتا ہے۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ (المجادلہ: ۲۲) کہ خدا نے روزِ ازل سے یہ لکھ چھوڑا اور مقرر کر دیا ہے کہ وہ اور اس کے رسول ہی ہمیشہ "غالب" رہیں گے۔ گویا ممکن نہیں کہ کوئی جھوٹا مدعی نبوت ہو اور پھر

اس کی جماعت دن بدن بڑھتی چلی جاتی ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کا غیر متغیر اور غیر متزلزل قانون ہے جو جھوٹے اور سچے مدعیان نبوت کے درمیان ایک واضح اور روشن فیصلہ کرتا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس اصول کی صداقت پر معتبر گواہ ہیں۔ آج دنیا میں موسیٰؑ اور ابراہیمؑ اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لیوا تو موجود ہیں۔ مگر فرعون۔ نمرود۔ مسیلمہ کذاب وغیرہم کی طرف منسوب ہونے کے لیے کوئی بھی تیار نہیں۔

۶۔ خدا تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ (النحل: ۱۱۷) کہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ پر افترا کرتے اور اپنے پاس سے جھوٹے الہامات بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ جھوٹے مدعیان وحی والہام کی ناکامی کا باعث یہ ہے کہ ایسے جھوٹے مدعیوں کے دعویٰ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت اور نصرت نہیں ہوتی جو خدا کے سچے نبیوں اور رسولوں کے شامل حال ہوتی ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس مضمون کو دوسرے مقام پر بیان فرمایا ہے۔

۷۔ لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الْکَاذِبِیْنَ (آل عمران: ۶۲) اَلَا لَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الظَّالِمِیْنَ۔ (ھود: ۱۹) کہ کذابوں اور اپنے پاس سے جھوٹے الہامات بنانے والے ظالموں پر خدا کی لعنت ہوتی ہے

۸۔ خدا کی لعنت کا خوفناک نتیجہ قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے۔ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰہُ فَلَنْ تَجِدَ لَہٗ نَصِیْرًا (النساء: ۵۳) کہ جس پر خدا لعنت کرے اس کا کوئی مددگار اور ممد ومعاون نہیں رہتا۔

پس صاف طور پر ثابت ہوا۔ کہ وہ لوگ جو جھوٹے طور پر نبوت اور رسالت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ خدا کی لعنت کے نیچے ہوتے ہیں۔ اور آخر کار وہ بے یار و مددگار ہو جاتے ہیں۔ اُن کا کوئی نام لیوا باقی نہیں رہتا۔ اور جلد سے جلد خدا تعالیٰ اُن کو جڑھ سے اکھاڑ دیتا ہے۔

۹۔ پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ قَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰی (طٰہٰ: ۶۲) کہ وہ شخص جو الہام کا جھوٹا دعوےٰ کرتا ہے۔ ناکام و نامراد رہتا ہے۔

۱۰۔ اسی طرح سورہ اعراف: ۱۵۳ میں بھی خدا تعالیٰ پر افتریٰ کرنے والوں کے متعلق اپنا قانون بیان فرما دیا ہے کہ اُن پر خدا کا غضب نازل ہوتا ہے اور وہ اِسی دُنیا میں ذلیل و رسوا اور خائب و خاسر رہتے ہیں۔ (کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ)

تِلْکَ عَشَرَۃٌ کَامِلَۃٌ

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ مندرجہ بالا دس آیات میں اللہ تعالیٰ نے جس معیار کا ذکر ہے۔ وہ یہ ہے کہ صادق مدعی نبوت تدریجاً آہستہ آہستہ ترقی پاتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ترقی یکدم اور فوری نہیں ہوتی۔ تاکوئی یہ نہ کہہ سکے کہ وہ اتفاقی طور پر کامیاب ہوگیا۔ اور یہ کہ ہمیں اس کے استیصال اور مقابلہ کے لئے پورا موقعہ نہیں ملا۔ ورنہ ہم اگر ذرا زیادہ زور لگاتے تو اس کو مٹا سکتے تھے اور اس طرح سے یہ امر دُنیا پر مشتبہ ہو جاتا کہ مدعی کی ترقی اتفاقی تھی یا خدا تعالیٰ کی خاص تائید اور نصرت اس کے شامل حال تھی۔ پس خدا تعالیٰ ان کے مخالفین کو کھلا کھلا موقعہ دیتا ہے تاوہ انفرادی طور پر بھی اس کو مٹانے کے

منصوبے کریں اور پھر اپنی تمام طاقتیں مجتمع کرکے بھی زور لگالیں۔ ایکبار کوشش کریں۔ پھر کریں۔ پھر کریں۔ تاکسی کو اس میں شبہ نہ رہ جائے کہ مخالفین کی ناکامی اور مدعی کی کامیابی میں خدا کا زبردست ہاتھ کام کر رہا تھا چنانچہ مسیلمہ کذاب کے گو دو سال کے عرصہ میں دو لاکھ کے قریب پیرو ہوگئے۔ مگر اسی عرصہ میں وہ انتہائی بے بسی کے ساتھ قتل ہوا جس سُرعت اور تیزی کے ساتھ وہ اُٹھا تھا۔ اسی کیساتھ وہ گرا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکیلے کھڑے ہوئے اور خدا نے آپ کو بتایا کہ یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ کہ تیرے پاس اس کثرت سے لوگ آئیں گے کہ سڑک میں گڑھے پڑ جائیں گے۔" میں تیری تبلیغ کو دُنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مسیلمہ کذاب کی جماعت ایک دو سال کے عرصہ میں یکدم کچھ بڑھ گئی۔ مگر وہ اور اس کی جماعت فوراً تباہ کر دیئے گئے۔ سچ کی نشانی یہی ہے کہ اس کی ترقی تدریجاً ہوتی ہے۔ جیسے کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جماعت کی ہوئی اور ہو رہی ہے اور آئندہ ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ۔

نویں دلیل

۱۔ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم: ۴۲)

۲۔ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (الجمعة: ۳)

کہ نبی اس وقت آتا ہے جب دُنیا پر کفر وضلالت کی گھنگھور گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ اختلافات پھیل جاتے ہیں۔ رُوحانیت مر جاتی ہے فسق و فجور عام ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ موجودہ زمانہ کی حالت کے متعلق شہادتیں ملاحظہ ہوں:۔

۱۔" سچی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے قرآن مجید بالکل اُٹھ چکا ہے فرضی طور پر ہم قرآن مجید پر ایمان رکھتے ہیں۔ مگر واللہ دل سے معمولی اور بہت معمولی اور بے کار کتاب جانتے ہیں۔"

(اہلحدیث ۱۴ رجون ۱۹۱۲ء)

۲۔" اب اسلام کا صرف نام، قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔ مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن ہدایت سے بالکل ویران ہیں۔ علماء اس اُمت کے بدتر اُن کے ہیں۔" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۲)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا خوب فرمایا ہے:۔

" نہ صرف یہ کہ میں اس زمانہ کے لوگوں کو اپنی طرف بلاتا ہوں۔ بلکہ خود زمانہ نے مجھے بلایا ہے۔"

(پیغام صلح آخری سطر)

جہاں میں چار سو گمراہیاں ہیں ؎ زمانہ خود ہی ہے طالب نبی کا (خادم)

دسویں دلیل

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

الظّٰلِمُوْنَ (الانعام:۲۲) کہ اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ باندھے۔ یا خدا کی آیات کا انکار کرے اور خدا اِن ظالموں کو کامیاب نہیں کرتا (نیز دیکھو یونس:۷۰ و النحل:۱۱۷)

ع کبھی نصرت نہیں ملتی درمولیٰ سے گندوں کو

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے مقصد میں کامیاب ہونا آپ کی صداقت کی زبردست دلیل ہے۔

گیارہویں دلیل

عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْھِرُ عَلٰی غَیْبِہٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ (الجن:۲۷، ۲۸) کہ خدا عالم الغیب ہے وہ اپنے غیب پر اپنے رسولوں کے سوا اور کسی کو کثرت سے اطلاع نہیں دیتا (یعنی اس پر غیب ظاہر نہیں کرتا)۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لاکھوں پیشگوئیاں بیان کیں جو پوری ہوئیں اور اس کا انکار مخالف بھی نہیں کر سکتے۔ مثلاً

سعد اللہ لدھیانوی اور اس کے بیٹے کے ابتر ہونے کی پیشگوئی (تفصیل کے لئے دیکھو انوار الاسلام ص۱۲ و تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶، ۷، ۱۳، ۱۸) چند اور پیشگوئیاں بطور نمونہ درج کرتا ہوں۔ تفصیلاً حقیقۃ الوحی میں دیکھو۔

۱۔ کرم دین جہلمی والے مقدمہ سے بریت اور اس کا مفصل حال پہلے سے شائع کیا۔ (مواہب الرحمٰن ص۱۲۹)

وَمِنْ اٰیٰتِیْ مَآ اَنْبَاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ فِیْ اَمْرِ رَجُلٍ لَئِیْمٍ وَبُھْتَانِہِ الْعَظِیْمِ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہٗ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَخَطَّفَ عِرْضَکَ ثُمَّ یَجْعَلُ نَفْسَہٗ عَرْضَکَ وَاَرَانِیْ فِیْہِ رُؤْیَا ثَلٰثَ مَرَّاتٍ وَاَرَانِیْٓ اَنَّ الْعَدُوَّ اَعَدَّ لِذٰلِکَ ثَلٰثَۃَ حِمَاۃٍ لِّتَوْھِیْنِیْ وَاِعْنَاتِیْ ...... وَرَاَیْتُ اَنَّ اٰخِرَ اَمْرِیْ نَجَاۃٌ بِفَضْلِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَلَوْ بَعْدَ حِیْنٍ۔

اور یہ مقدمہ چندو لال اور آتما رام کی کچہری میں چلتا رہا۔ جس میں آخر کار حضرت اقدس بَری ہوئے۔

۲۔ ڈوئی کی موت کی پیشگوئی۔ کہ اگر مباہلہ کرے یا اگر نہ بھی کرے تب بھی اُس کو اللہ تعالیٰ ہلاک کر دیگا۔ سو وہ ایک لاکھ کی ملکیت سے بے دخل ہوا اور پھر اس کی بیوی بچے اس سے علیحدہ ہو گئے اور آخر فالج کے ذریعہ بہت خراب حالت میں مرا۔ (تفصیل دیکھو تتمہ حقیقۃ الوحی ص۲۱۹)

۴۔ عبدالرحیم ابن نواب محمد علی خان کے متعلق۔ (حقیقۃ الوحی ص۲۱۹)

۵۔ دافع البلاء ومعیار اہل الاصفیاء میں چراغ الدین جمونی کے طاعون سے ہلاک ہونے کی پیشگوئی فرمائی تھی۔ سو وہ ۴ راپریل ۱۹۰۶ء کو معہ اپنے دونوں بیٹوں کے بمرض طاعون ہلاک ہوا۔ کیا یہ کم نشان ہے؟

۶۔ پیشگوئی "زلزلہ کا دھکا۔ عَفَتِ الدِّیَارُ مَحِلُّھَا وَمَقَامُھَا" یہ چار اپریل ۱۹۰۵ء کو کانگڑہ والے زلزلہ کے نام سے واقع ہوا۔

"آہ! نادر شاہ کہاں گیا"

۷۔
(الہام ۳ رمئی ۱۹۰۵ء شائع شدہ اخبار بدر جلد ۱ ۱۹۰۵ء صفحہ ۱ ومکاشفات صفحہ ۴۲ مطبوعہ ۱۹۱۳ء والبشریٰ جلد ۲ صفحہ ۹۶)
اس الہام میں بتایا گیا تھا کہ (۱) کسی ملک میں ایسے ایسے عظیم الشان انقلابات وقوع پذیر ہونگے کہ ہر طرف سے نادر خاں کو "المدد۔ المدد" کی پکار سے بلایا جائیگا اور جب لوگ اس کو "نادر خاں" کہہ رہے تھے خدا اس کو "نادر شاہ" کے نام سے پکارتا تھا۔ اس میں یہ پیشگوئی تھی کہ وہ "نادر خاں" تخت پر متمکن ہوکر "نادر شاہ" کے لقب سے حکومت کریگا۔
(۲) پھر اس الہام میں یہ بتایا گیا تھا کہ آخر کار وہ "نادر شاہ" کسی ہیبت ناک اور فوری حادثہ کے باعث طرفۃ العین میں صفحہ ہستی سے ناپید ہو جائیگا اور اس کا یہ قتل ایسے وقت میں ہوگا جبکہ ملک کو اس کی خدمات کی اشد ضرورت ہوگی اور چاروں طرف سے آوازیں آئیں گی کہ "آہ! نادر شاہ کہاں گیا"۔ چنانچہ اس پیشگوئی کا پہلا حصہ ۱۹۲۹ء میں پورا ہوا۔ جبکہ افغانستان میں امان اللہ کی حکومت کا تختہ الٹنے اور بچہ سقہ کے ہاتھ سے حکومت لے لینے کے لئے "نادر خاں" کو فرانس سے بلایا گیا۔ اور "نادر خاں" کابل میں آکر "نادر شاہ" کے لقب سے سربرآرائے سلطنت ہوا۔
اسی وقت جماعت احمدیہ کی طرف سے جہاں اس الہام کے ایک پہلو کے پورا ہونے پر اظہار مسرت کیا گیا۔ وہاں ساتھ ہی اس الہام کے دوسرے پہلو کی طرف بھی صاف طور پر اشارہ کر دیا گیا تھا۔ چنانچہ نادر خاں کے قتل سے ۳ ½ سال پہلے لکھا گیا کہ:
"دوسرے مفہوم میں ایک ایسا خیال جھلک رہا ہے کہ موسوم (نادر شاہ) کو کوئی خطرناک مصیبت پیش آئیگی اور اس کے نقصان پر بہت رنج وغم محسوس کیا جائیگا"...... اوپر لکھا جاچکا ہے کہ "آہ! نادر شاہ کہاں گیا" کا ایک اور مفہوم بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے ممکن ہے کہ یہ الفاظ کسی اور موقعہ پر کسی اور طرح بھی پورے ہوں، لیکن ہم نادر شاہ کی بہتری کے لئے دعا کرتے ہیں"۔
(الفضل ۳ رجنوری ۱۹۳۰ء صفحہ ۱۱ کالم ۱ و ۳)
چنانچہ ۸ رنومبر ۱۹۳۳ء کو عین دن کے وقت نادر شاہِ افغانستان ایک شخص "عبدالخالق" نامی کے ہاتھوں سینکڑوں آدمیوں کی موجودگی میں قتل کر دیا گیا اور افغانستان نہیں بلکہ تمام عالمِ اسلامی نے زبانِ حال سے پکارا۔ "آہ! نادر شاہ کہاں گیا"

۸۔ مندرجہ بالا الہام کے بعد اگلا الہام یہ تھا:۔
"پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی...... صَدَّقْتَ الرُّؤْیَا۔ اِنَّا کَذٰلِکَ نَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ"۔ یعنی (زلزلہ کی نسبت) تیرے رؤیا کو سچا کر دکھایا اور اسی طرح ہم صدقہ دینے والوں کو اجر دیتے ہیں"۔ (بدر جلد ۱ صفحہ ۵ والبشریٰ جلد ۱ صفحہ ۹۶)
وہ رؤیا جس کی طرف مندرجہ بالا عبارت میں اشارہ ہے یہ ہے:۔
"رؤیا میں دیکھا کہ بشیر احمد (ابن حضرت مسیح موعودؑ) کھڑا ہے۔ وہ ہاتھ سے شمال مشرق کی طرف

اشارہ کر کے کہتا ہے کہ زلزلہ اس طرف چلا گیا۔" (بدر جلد ۲ ش۱۰ ص۱ کالم ۱ ومکاشفات ص۵۹) مندرجہ بالا الہامات کی تشریح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس طرح فرمائی:۔

"اور آئندہ زلزلہ کی نسبت جو ایک سخت زلزلہ ہوگا مجھے خبر دی۔ اور فرمایا۔ پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی"۔......." لیکن راستباز اس سے امن میں ہیں" (الوصیت ص۴)

"خدا کے نشان ابھی ختم نہیں ہوتے۔ اُس پہلے زلزلہ کے نشان کے بعد جو ۴ر اپریل ۱۹۰۵ء میں ظہور میں آیا جس کی ایک مدت پہلے خبر دی گئی تھی پھر خدا نے مجھے خبر دی کہ بہار کے زمانہ میں ایک اور سخت زلزلہ آنے والا ہے۔ وہ بہار کے دن ہونگے۔ نہ معلوم کہ وہ ابتدا بہار کی ہوگی جبکہ درختوں میں پتہ نکلتا ہے یا درمیان اس کا۔ یا آخیر کے دن۔ جیسا کہ الفاظِ وحی الٰہی یہ ہیں:۔ "پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی" چونکہ پہلا زلزلہ بھی بہار کے ایام میں آیا تھا۔ اس لئے خدا نے خبر دی کہ وہ دوسرا زلزلہ بھی بہار میں ہی آئیگا۔ اور چونکہ آخر جنوری میں بعض درختوں کا پتہ نکلنا شروع ہوجاتا ہے۔ اِس لئے اسی مہینہ سے خوف کے دن شروع ہونگے اور غالباً مئی کے آخیر تک وہ دن رہیں گے۔"

(الوصیت دسمبر ۱۹۰۵ء ص۱۳)

"ایک سخت زلزلہ آئیگا۔ اور زمین کو یعنی زمین کے بعض حصوں کو زیر و زبر کردیگا۔ جیسا کہ لوطؑ کے زمانہ میں ہوا۔" (الوصیت ص۱۱)

مندرجہ بالا الہامات اور رؤیا اور عبارات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ (۱) کانگڑے والے زلزلے سے زیادہ شدید زلزلہ آئیگا (۲)۔ زلزلہ ہندوستان کے شمال مشرق میں آئیگا (۳) وہ زلزلہ بہار کے دنوں میں جو جنوری سے شروع ہونے ہیں آئیگا (۴) جنوری کے مہینہ میں خوف کے ایام شروع ہونگے (۵) وہ زلزلہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کی زندگی میں آئیگا (۶) صاحبزادہ صاحب موصوف سب سے پہلے شخص ہونگے جو اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی طرف متوجہ ہو کر دوسروں کو توجہ دلائیں گے (۷) وہ زلزلہ نادر شاہ کے قتل کے بعد جو پہلی بہار آئیگی۔ اُس میں آئیگا۔

چنانچہ جیسا کہ بیان ہوا۔ "نادر شاہ" ۸ نومبر ۱۹۳۳ء کو قتل ہوا۔ اور اُس کے بعد جو پہلی بہار آئی یعنی جنوری ۱۹۳۴ء میں شمال مشرقی ہندوستان میں قیامت خیز زلزلہ آیا جو "زلزلہ بہار" کے نام سے مشہور ہے وہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی زندگی میں آیا اور آپ ہی نے سب سے پہلے اس طرف توجہ دلائی اور ایک ٹریکٹ "ایک اور نشان" کے عنوان سے شائع کیا۔ اس پیشگوئی میں ایک لطیف امر قابلِ غور یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اس کے متعلق الہام ہوا کہ رَبِّ لَاتُرِنِیْ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ رَبِّ لَاتُرِنِیْ مَوْتَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ کہ اے میرے ربّ! مجھ کو وہ قیامت خیز زلزلہ نہ دکھانا۔ اے میرے ربّ! مجھے میری جماعت میں سے ایک آدمی کی موت نہ دکھانا۔ چنانچہ یہ زلزلہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں نہیں آیا۔ جیسا کہ حضرتؑ کا الہام تھا اَخَّرَهُ اللّٰهُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی۔ اس میں تاخیر ڈال دی (حقیقة الوحی ص۱۰۱ حاشیہ) اور پھر اس زلزلہ میں صرف ایک احمدی فوت ہوا۔

۹۔ پنڈت دیانند کے متعلق فرمایا کہ "انکی زندگی کا خاتمہ ہوگیا ہے"۔ اس الہام کا گواہ لالہ شرم پت ساکن قادیان ہے جس کو حضرت اقدسؑ نے قبل از وقوع یہ بات بتائی تھی۔ سو وہ اُسی سال مرگیا۔

۱۰۔ اپنی کتاب انوار الاسلام میں سعد اللہ لدھیانوی کے اعتراض کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہونے کی پیشگوئی کی جس کا حُلیہ بھی بیان فرمایا۔ خصوصاً یہ کہ اس کے جسم پر پھوڑے ہیں (دیکھو انوار الاسلام ص۲۶ حاشیہ مطبوعہ ستمبر ۱۸۹۴ء) چنانچہ اس کے قریباً پانچ سال بعد حضرت خلیفہ اوّل کے گھر عبدالحی پیدا ہوا جس کے جسم پر پھوڑے تھے۔

۱۱۔ لیکھرام کی موت کی پیشگوئی بہت ہی واضح طور پر بیان فرمائی ؎

الا اے دشمنِ نادان و بے راہ　　بترس از تیغِ بُرّانِ محمدؐ

اور پھر عِجْلٌ جَسَدٌ لَّهٗ خُوَارٌ لَهٗ نَصَبٌ وَّعَذَابٌ۔ اور پھر دن کی بھی تعیین فرمائی کہ

وَبَشَّرَنِیْ رَبِّیْ وَقَالَ مُبَشِّرًا + سَتَعْرِفُ یَوْمَ الْعِیْدِ وَالْعِیْدُ اَقْرَبُ

لیکھرام کے چھ سال کے اندر مرنے کی پیشگوئی کرامات الصادقین جو صفر ۱۳۱۱ھ میں مطبوع ہوئی۔ اور پھر ۲۲ر فروری ۱۸۹۳ء کے اشتہار میں جو آئینہ کمالاتِ اسلام میں ہے۔ اس کے ٹکڑے ہونیکے متعلق پیشگوئی کی تھی۔ پھر وہ ۶ر مارچ ۱۸۹۷ء کو قتل ہوا۔[1]

۱۲۔ یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ　　وَیَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

(براہین احمدیہ حصہ سوم ص۲۴۱ حاشیہ در حاشیہ)

۱۳۔ سرّ الخلافہ کے ۶۲ صفحہ پر مخالفوں پر طاعون پڑنے کے لئے دُعا کی۔ زیز حمامۃ البشریٰ ص۱ مطبوعہ ۱۸۹۳ء میں) اس پر الہام ہوا۔

"اے بسا خانۂ دشمن کہ تو ویراں کردی"۔ (حقیقۃ الوحی ص۲۲۵۔ تذکرہ ص۵۰۵ الہام ۱۷ر اپریل ۱۹۰۴ء) سو پھر طاعون ملک میں آئی اور ہزاروں دشمن ہلاک ہوئے۔ نمونۃً دیکھئے :۔

رُسل بابا امرتسری محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ۔ چراغ دین جمونی۔ نور احمد تحصیل حافظ آباد۔ زین العابدین مقرب مولوی فاضل انجمن حمایت الاسلام۔ حافظ سلطان سیالکوٹی۔ مرزا سردار بیگ سیالکوٹی۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲۵)

۱۴۔ مباہلہ کے طور پر لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کہنے پر مندرجہ ذیل منکرین مسیح موعود علیہ السلام ہلاک ہوئے :۔ رشید احمد گنگوہی پہلے اندھا ہوا۔ پھر سانپ کے ڈسنے سے مرگیا۔ مولوی عبدالعزیز۔ مولوی عبداللہ۔ مولوی محمد لدھیانوی۔ مولوی شاہ دین لدھیانوی دیوانہ ہوکر ہلاک ہوا۔ عبدالرحمٰن محی الدین لکھو کے والے بعد الہام ہذا ہلاک ہوگئے۔ کاذب پر خدا کا عذاب نازل ہوگیا۔

۱۵۔ مولوی غلام دستگیر قصوری بد دُعا کے بعد ہلاک ہوگیا اور نمونہ براے اخوان خود مولویان منکرین مسیح ہیں۔

---

[1] خاکسار خادمؔ کے والد حضرت ملک برکت علی اسی نشان کو دیکھ کر حضرت مسیح موعودؑ پر ایمان لاتے۔ (خادم)

۱۶- مواہب الرحمٰن صفحہ ۱۲۷، ۱۲۸ روحانی خزائن جلد ۱۹ صفحہ ۳۴۶، صفحہ ۳۴۹ میں محمد حسین بھیں کے متعلق پیشگوئی تھی۔ سو وہ مطابق وعید ہلاک ہوا۔

۱۷- یَعْصِمُكَ اللّٰهُ وَلَوْ لَمْ يَعْصِمْكَ النَّاسُ (براہین احمدیہ) حالانکہ بعد میں مارٹن کلارک وغیرہ نے مقدمہ بنایا۔ پھر بھی خدا نے بچایا۔

۱۸- اِنَّهٗ اٰوَى الْقَرْيَةَ اِس کے یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی قدر عذاب کے بعد اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیگا۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۳۲)

۱۹- دلیپ سنگھ والی پیشگوئی۔ (صفحہ ۲۳۶ حقیقۃ الوحی)

۲۰- عبد الحق غزنوی نے حضرت مسیح کو کافر کا فتویٰ دیا۔۔۔ تو حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے اصرارِ مباہلہ پر دُعا کی۔ کہ اگر میں کاذب ہوں تو کاذبوں کی طرح تباہ کیا جاؤں۔ اور اگر میں صادق ہوں تو خدا میری مدد اور نصرت کرے۔ (صفحہ ۲۴۰ حقیقۃ الوحی) سو یہ پوری ہوئی۔

۲۱- رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِيْنَ کی دُعا کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فدائی متجاوز از پانچ لاکھ ہیں اور یہ آپ کی صداقت کا بیّن ثبوت ہے۔

۲۲- مولوی محمد علی صاحب ایم۔ اے کو بخار ہوا۔ اور ان کو ظن ہوگیا۔ کہ یہ طاعون ہے چونکہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گھر میں رہتے تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا۔ کہ اگر آپکو طاعون ہوگئی۔ تو پھر مَیں جھوٹا ہوں۔ اور میرا دعویٰ الہام غلط ہے۔ پھر آپ نے اُن کی نبض پر ہاتھ رکھا تو بخار اُتر گیا۔

۲۳- شَاتَانِ تُذْبَحَانِ وَكُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ صاحبزادہ سید عبد اللطیفؓ مرحوم اور شیخ عبد الرحمٰنؓ مرحوم شہدائے کابل مُراد ہیں۔

۲۴- حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے مضمون متعلقہ جلسہ دھرم مہوتسو کے بارے میں فرمایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے الہام کیا ہے کہ "مضمون بالا رہا" سول اینڈ ملٹری گزٹ اور بھی بہت سے اُردو اخبارات نے اس کا اقرار کیا۔

۲۵- فروری ۱۹۰۴ء کو بنگال کی تقسیم کے متعلق پیشگوئی فرمائی پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا۔ اب ان کی دلجوئی ہوگی۔ پھر ۱۹۱۱ء میں ملک معظم جارج پنجم اس کے پورا ہونے کا باعث بنے۔

بارھویں دلیل

وَّاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (جمعة: ۴) کہ "آخرین" میں بھی جو ابھی تک صحابہؓ سے نہیں ملے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک رسول کی بعثت مقدر ہے۔ سورۃ جمعہ کی اس آیت کو پہلی آیات کے ساتھ ملا کر پڑھا جائے۔ تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲ دو بعثتیں مقرر کی گئی ہیں۔ پہلی بعثت آپ کی اُمیین میں ہوئی اور دوسری بعثت آخرین کی جماعت میں ہوگی۔ اس کی تفصیل خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی تفسیر فرماتے ہوئے بتائی ہے۔

چنانچہ بخاری شریف میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ كُنَّا جُلُوْسًا عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُنْزِلَتْ عَلَیْهِ سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ قَالَ قُلْتُ مَنْ هُمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! فَلَمْ یُرَاجِعْهُ حَتّٰی سَاَلَ ثَلَاثًا وَفِیْنَا سَلْمَانُ الْفَارِسِیُّ وَوَضَعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَدَهٗ عَلٰی سَلْمَانَ ثُمَّ قَالَ لَوْ كَانَ الْاِیْمَانُ عِنْدَ الثُّرَیَّا لَنَالَهٗ رِجَالٌ اَوْ رَجُلٌ مِنْ هٰؤُلَاءِ۔

{ (بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۃ جمعہ جلد ۳ صفحہ ۱۲۵ مصری۔ وتجرید البخاری مکمل معہ عربی ترجمہ شائع کردہ لاہور۔ فیروز الدین اینڈ سنز جلد ۲ صفحہ ۳۴۰۔ نیز مشکوٰۃ صفحہ ۵۰۶ باب جامع المناقب۔ }

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہم بیٹھے ہوئے تھے کہ سورۃ جمعہ آنحضرت صلعم پر نازل ہوئی جس میں یہ آیت بھی تھی۔ وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ۔حضورؐ سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! یہ کون لوگ ہیں۔جن کا اس آیت میں ذکر ہے یعنی اٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ سے کون لوگ مراد ہیں ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا۔ حتیٰ کہ حضورؐ سے تین دفعہ پوچھا گیا۔اسی مجلس میں حضرت سلمان فارسیؓ بھی بیٹھے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ حضرت سلمانؓ پر رکھ کر فرمایا۔کہ اگر ایمان ثریا کے پاس بھی ہوگا۔تو ان (اہل فارس) میں سے ایک شخص یا ایک سے زائد اشخاص اس کو پالیں گے۔

اس حدیث نے قرآن مجید کی اس آیت کی بالکل صاف اور واضح تفسیر کر دی ہے۔اس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ (۱) اس میں کسی شخص کی بعثت کی پیشگوئی کی گئی ہے جس کی آمد گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی آمد تصور کی جائیگی (۲) اس کے ماننے والے صحابہؓ کے رنگ میں رنگین ہو کر صحابی کہلانے کے مستحق ہونگے (۳) وہ شخص فارسی الاصل ہوگا (۴) وہ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوگا جبکہ اسلام دنیا سے اُٹھ جائیگا۔اور قرآن کے الفاظ ہی الفاظ دُنیا میں باقی رہ جائیں گے (۵) اس کا کام کوئی نئی شریعت لانا نہ ہوگا بلکہ قرآن مجید کو ہی دوبارہ دُنیا میں لاکر شائع کریگا اور اسی کی طرف لوگوں کو بلاتے گا۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حدیث میں ہرگز یہ نہیں بتایا گیا کہ وہ شخص حضرت سلمان فارسیؓ کی نسل میں سے ہوگا بلکہ بتایا یہ گیا ہے کہ "هٰؤُلَاءِ" ان میں سے ہوگا یعنی قوم فارس میں سے یعنی فارسی الاصل ہوگا۔اگر یہ کہنا ہوتا کہ وہ سلمان فارسیؓ کی نسل میں سے ہوگا تو بجائے مِنْ هٰؤُلَاءِ کہنے کے مِنْ هٰذَا فرماتے کہ "اس میں سے" ہوگا۔چنانچہ اسی حدیث کی دوسری روایت میں جو فردوس الاخبار دیلمی میں ہے۔اس موقعہ پر یہ الفاظ ہیں:۔ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ هٰؤُلَاءِ الَّذِیْنَ ذَكَرَهُمُ اللّٰهُ فَضَرَبَ عَلٰی فَخِذِ سَلْمَانَ فَقَالَ قَوْمُ هٰذَا (دیلمی صفحہ ۱۶۲ نسخہ موجودہ کتب خانہ آصفیہ نظام دکن) صحابہؓ نے پوچھا۔یا رسول اللہ! وہ کون لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ میں ذکر فرمایا ہے؟ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسیؓ کی ران پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ "اس کی قوم سے" پس مسیح موعودؑ کا فارسی الاصل ہونا ضروری ہے۔نہ کہ سلمانؓ کی نسل سے ہونا۔

دوسری بات جو قابلِ غور ہے۔ وہ یہ ہے کہ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسیح موعود کی بعثت کا زمانہ بتادیا ہے۔" وَلَوْ کَانَ الْاِیْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا " گویا جب ایمان دُنیا سے اُٹھ جائیگا یعنی عملی طور پر مسلمان زوال پذیر ہو رہے ہونگے۔

پس اس حدیث سے مراد "حضرت امام ابوحنیفہ" ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ دوسری صدی کے قریب پیدا ہوتے۔ اور وہ زمانہ عروج اسلام کا زمانہ تھا، لیکن یہ اُس زمانہ کے متعلق پیشگوئی ہے جس کے متعلق فرمایا کہ ایمان اُٹھ جائیگا۔ اور اس زمانہ کے متعلق نواب نور الحسن خاں صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"اب اسلام کا صرف نام قرآن کا صرف نقش باقی رہ گیا ہے۔" (اقتراب الساعۃ صہ ۱۲) نیز سچی بات تو یہ ہے کہ ہم میں سے قرآن مجید بالکل اُٹھ چکا ہے۔" (اہلحدیث امرتسر ۱۴ رجون ۱۹۱۲ء)

غرضیکہ یہی وہ زمانہ ہے جو خود پُکار پُکار کر کہہ رہا تھا کہ کسی مصلح ربانی کی ضرورت ہے، چنانچہ خدا تعالیٰ نے اس فارسی الاصل مرد فتح نصیب جرنیل کو عین ضرورت کے وقت قادیان کی مقدس بستی میں کھڑا کیا۔ جس نے ایمان اور قرآن کو دوبارہ دُنیا میں لانے کی ڈیوٹی کو کما حقہٗ سرانجام دیا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

آسماں بارد نشاں الوقت میگوید زمیں
ایں دو شاہد از پئے من نعرہ زن چوں بیقرار

(ب) "افسوس یہ نہیں سوچتے کہ یہ دعویٰ بے وقت نہیں۔ اسلام اپنے دونوں ہاتھ پھیلا کر فریاد کر رہا تھا کہ مَیں مظلوم ہوں اور اب وقت ہے کہ آسمان سے میری مدد ہو۔" (ضمیمہ اربعین نمبر ۳ و ۴ صہ ۵)

نوٹ:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ چونکہ مغل ہیں۔ اس لیے فارسی الاصل نہیں ہو سکتے؟ تو اس کے جواب میں شاہانِ اسلامیہ کی تاریخ کے متعلق مستند ترین کتاب میڈیول انڈیا مصنفہ مسٹر سٹینلے لین پُول (جو تاریخ کی مشہور کتاب ہے)۔

(Mediaeval India under Mohammadan Rule)

میں لکھا ہے کہ شاہانِ مُغلیہ کے زمانہ میں یہ عام طور پر قاعدہ تھا کہ جو شخص درّہ خیبر کے راستہ سے ہندوستان میں داخل ہوتا۔ خواہ وہ افغان ہو یا فارسی یا کسی اور قوم کے ساتھ تعلق رکھتا ہو پھر بھی "مغل" ہی کہلاتا تھا۔ اس لیے کسی کا محض "مرزا" یا "مغل" کہلانا اسے فارسی الاصل ہونے سے محروم نہیں کرتا۔

"The term Mughal .... came to mean any fair man from central Asia or Afghanistan as distinguished from the darker native, foreign invaders or governing Muslim class, Turks, Afghans, Pathans and Mughals eventually because so mixed that were indifferently termed Mughals."

(کتاب مذکور مطبوعہ ٹی فشران ون لمیٹڈ لندن پندرھواں ایڈیشن ۱۹۲۶ء صہ ۱۹۷ حاشیہ)

یعنی لفظ "مغل" ہندوستان کے کالے باشندوں کو ایشیا کے دوسرے باشندوں سے ممیز کرنے کے لئے بولا جاتا تھا۔ مختلف حملہ آور یا حکمران مسلمان ترک۔ افغان۔ پٹھان اور مغل کچھ اسی طرح مل جل گئے کہ سب کو بلا امتیاز "مغل" کے نام سے پکارا جانے لگا۔ ہر گورے شریف آدمی کو "مغل" کہا جاتا تھا۔

ناقابلِ تردید ثبوت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فارسی الاصل ہونے کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ بندوبست مال ۱۸۶۵ء میں حضرت صاحب کے دعویٰ سے سالہا سال پہلے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے والد ماجد اور دوسرے بزرگ زندہ موجود تھے قادیان کے مالکان کے شجرۂ نسب کے ساتھ "فٹ نوٹ" میں بعنوان "قصبہ قادیان کی آبادی اور وجہ تسمیہ" لکھا ہے:۔

"مورث اعلیٰ ہم مالکانِ دیہہ کا بعہد شاہانِ سلف (ملک فارس) سے بطریق نوکری ۔۔۔۔ آکر ۔۔۔ اس جنگل اُفتادہ میں گاؤں آباد کیا۔"

اور اس کے نیچے مرزا غلام مرتضیٰ صاحب و مرزا غلام جیلانی صاحب و مرزا غلام محی الدین وغیرہم کے دستخط ہیں۔ پس:۔

(ا) یہ سرکاری کاغذات کا اندراج حضرت صاحبؑ کے دعویٰ سے سالہا سال قبل کا حضرت صاحب کے فارسی الاصل ہونیکا یقینی ثبوت ہے۔

(ب) مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتا ہے:۔

"مؤلف براہینِ احمدیہ قریشی نہیں فارسی الاصل ہے۔" (اشاعة السنة جلد ۷ صفحہ ۱۹۳)

(ج) "جناب مرزا صاحب یافث بن نوحؑ کی اولاد سے ہیں۔"

(ٹریکیٹ امرِ بھائی اور قرآنِ حکیم مصنفہ ایم۔ اے لطیف صفحہ ۱۶)

یافث بن نوحؑ کے متعلق ملاحظہ ہو غیاث اللغات فارسی:۔

"شیخ ابن حجرؒ شارح صحیح بخاری گفتہ است کہ فارسی منسوب بفارس بن خامور بن یافث بن نوح علیہ السلام است۔"

پس حضرت اقدس علیہ السلام کا فارسی الاصل ہونا ثابت ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

(ا) "اِس عاجز کا خاندان دراصل فارسی ہے نہ مغلیہ۔ نہ معلوم کس غلطی سے مغلیہ خاندان کے ساتھ مشہور ہو گیا ۔۔۔۔ معلوم ہوتا ہے کہ میرزا اور بیگ کا لفظ کسی زمانہ میں بطور خطاب کے اُنکو ملا تھا۔ جس طرح خان کا نام بطور خطاب دیا جاتا ہے۔ بہر حال جو کچھ خدا نے ظاہر فرمایا ہے وہی درست ہے۔ انسان ایک ادنیٰ سی لغزش سے غلطی میں پڑ سکتا ہے۔ مگر خُدا سہو اور غلطی سے پاک ہے۔"

(حقیقة الوحی صفحہ ۲۰۱ حاشیہ)

(ب) "یاد رہے کہ اس خاکسار کا خاندان بظاہر مغلیہ خاندان ہے ۔۔۔۔ اب خدا کے کلام سے یہ معلوم

ہوا کہ ہمارا خاندان دراصل فارسی خاندان ہے۔ سو اس پر ہم پورے یقین سے ایمان لاتے ہیں کیونکہ خاندانوں کی حقیقت جیسی کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کسی دوسرے کو ہرگز معلوم نہیں۔ اسی کا علم صحیح اور یقینی ہے اور دوسروں کا شکی اور ظنی" (اربعین ۱ و ۲ ص۱۸ حاشیہ)

تیرھویں دلیل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "اَلْاٰیَاتُ بَعْدَ الْمِأَتَیْنِ" (مشکوٰۃ مجتبائی ص۴۷۱) کہ مسیح و مہدی کے ظہور کی نشانیاں بارھویں صدی کے گذرنے پر ظاہر ہونگی۔ چنانچہ ہم نے جو معنے کئے ہیں حضرت ملا علی قاری نے بھی ان کی تائید کی ہے۔ "وَیَحْتَمِلُ اَنْ یَّکُوْنَ اللَّامُ فِی الْمِأَتَیْنِ لِلْعَھْدِ اَیْ بَعْدَ الْمِأَتَیْنِ بَعْدَ الْاَلْفِ وَھُوَ الْوَقْتُ لِظُھُوْرِ الْمَھْدِیِّ" (مشکوٰۃ مجتبائی ص۴۷۱ حاشیہ نیز دیکھو حاشیہ ابن ماجہ جلد ۲ ص۲۶۱ مصری حاشیہ علامہ سندھی) کہ ممکن ہے اَلْمِأَتَیْنِ کا الف لام اس عہد کے لئے ہو۔ جو ایک ہزار کے دو سو سال بعد کا ہے (یعنی ۱۲۰۰) اور وہی وقت ظہور مہدی کا ہے۔

چنانچہ نواب صدیق حسن خانصاحب نے بھی اپنی کتاب حجج الکرامہ ص۱۴۱ و ص۲۹۴ و ص۲۹۵ پر بہت سی روایات نقل کرکے یہی نتیجہ نکالا ہے۔ کہ مہدی تیرھویں صدی میں نازل ہونا چاہیئے۔

نواب نور الحسن خاں لکھتے ہیں۔ "اس حساب سے ظہور مہدی علیہ السلام کا شروع تیرھویں صدی پر ہونا چاہیئے تھا۔ مگر یہ صدی پوری گذر گئی مہدی نہ آئے۔ اب چودھویں صدی ہمارے سر پر آئی ہے۔ اس صدی سے اس کتاب کے لکھنے تک چھ مہینے گذر چکے ہیں۔ شاید اللہ تعالیٰ اپنا فضل و عدل رحم و کرم فرماتے چار چھ برس کے اندر مہدی ظاہر ہو جاویں" (اقتراب الساعۃ ص۲۲۱)

"بَعْدَ الْمِأَتَیْنِ" کے رُو سے بارھویں صدی کے ختم ہونے پر تیرھویں صدی میں امام مہدی کا پیدا ہونا ضروری تھا۔ ایسے وقت میں کہ وہ چودھویں صدی کے سر پر چالیس سال کا ہو کر دعویٰ کر سکے۔ یہ تو ممکن نہیں کہ مہدی بارہویں صدی میں پیدا ہو۔ کیونکہ بَعْدَ الْمِأَتَیْنِ میں لفظ بعد بتاتا ہے کہ وہ بارہویں صدی کے ختم ہونے سے پہلے پیدا نہیں ہو سکتا۔ پھر اس وجہ سے کہ امام مہدی نے اپنی صدی کا مجدد ہونا تھا اس لیے اُسے تیرھویں صدی میں ایسے وقت میں پیدا ہونا تھا کہ اگلی صدی کے سر پر اس کی عمر چالیس سال کی ہو۔ پس یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی ہیں۔ جو ۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء بروز جمعہ پیدا ہوئے اور ۱۲۹۰ھ کو چودہویں صدی کے سر پر آپ عین چالیس برس کی عمر میں شرف مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہو کر دعوئے مہدویت کے ساتھ ظاہر ہوئے اور عین چودہویں صدی کے سر پر آپ نے دعویٰ کیا۔ گویا حدیث اور روایات کے عین مطابق آپؑ دنیا میں تشریف لائے۔ سچ ہے ؎

وقت تھا وقت مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا!

(مسیح موعودؑ)

چودھویں دلیل

حدیث شریف میں ہے :۔

"اِنَّ لِمَهْدِيِّنَا اٰيَتَيْنِ لَمْ تَكُوْنَا مُنْذُ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَنْكَسِفُ الْقَمَرُ لِاَوَّلِ لَيْلَةٍ مِّنْ رَمَضَانَ وَتَنْكَسِفُ الشَّمْسُ فِي النِّصْفِ مِنْهُ "

(دار قطنی ص۱۸۸)

کہ ہمارے مہدی کی صداقت کے دو نشان ہیں۔ اور یہ صداقت کے دونوں نشان کبھی کسی کے لئے جب سے دُنیا بنی ہے ظاہر نہیں ہوتے۔ رمضان میں چاند کو (چاند گرہن کی راتوں میں سے) پہلی رات کو اور (سُورج گرہن کے دنوں میں سے) درمیانے دن کو سورج کو گرہن لگے گا۔

چنانچہ یہ گرہن ۱۸۹۴ء میں لگا۔ یعنی چاند کی ۱۳۔۱۴۔۱۵ تاریخوں میں سے ۱۳ تاریخ کو رمضان کے مہینہ میں چاند (قمر) کو اور ۲۷۔۲۸۔۲۹ تاریخوں میں سے ۲۸ تاریخ کو ماہ رمضان میں سُورج کو گرہن لگا۔ رمضان کی پہلی رات کو چاند گرہن لگنا حدیث شریف میں مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ "قمر" بولا ہے اور "قمر" پہلی تین راتوں کے بعد کے چاند کو کہتے ہیں۔ پہلی رات کے چاند کو ہلال کہتے ہیں۔

يُسَمَّى الْقَمَرُ لِلَيْلَتَيْنِ مِنْ اَوَّلِ الشَّهْرِ هِلَالًا قَالَ الْجَوْهَرِيُّ اَلْقَمَرُ بَعْدَ ثَلَاثٍ اِلٰى اٰخِرِ الشَّهْرِ قَالَ ابْنُ السَّيْدَةِ وَالْقَمَرُ يَكُوْنُ فِي لَيْلَةِ الثَّالِثَةِ مِنَ الشَّهْرِ

(لسان العرب)

کہ جوہری کہتا ہے کہ قمر وہ ہوتا ہے جو دوسری رات کے بعد کا چاند ہو۔ اور اسی طرح ابن سیدہ نے بھی کہا ہے کہ مہینہ کی تیسری رات کو چاند قمر ہو جاتا ہے۔

۲۔ "وَهُوَ قَمَرٌ بَعْدَ ثَلَاثِ لَيَالٍ اِلٰى اٰخِرِ الشَّهْرِ وَ اَمَّا قَبْلُ ذَالِكَ فَهُوَ هِلَالٌ"

(اقرب الموارد و منجد)

کہ تین راتوں کے بعد چاند قمر ہو جاتا ہے اور اس سے پہلے جو چاند ہوتا ہے اس کو ہلال کہتے ہیں۔ پس حدیث میں اوّل اور درمیانے سے مراد وہی ہوسکتی ہے جو ہم نے بیان کی ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے کیونکہ اس کا پورا ہونا خود اس کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

۳۔ اس حدیث کو دار قطنی نے نقل کیا ہے جو خود ایک بڑا عالم اور علمِ حدیث میں یگانہ تھا۔ جیسا کہ ضمن ۱۲/۷ میں نخبۃ الفکر کے حوالہ سے بتایا گیا ہے۔ صد ۵۹

نوٹ :۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حدیث کی صحت کے متعلق خوب مفصل بحث "تحفہ گولڑویہ" میں تحریر فرمادی ہے۔ وہاں سے دیکھی جاتے۔

چاند کو یہ گرہن ۲۱ مارچ ۱۸۹۴ء کو لگا۔ دیکھو اخبار آزاد ۴ مئی ۱۸۹۴ء۔ نیز سول اینڈ ملٹری گزٹ

۶ اپریل ۱۸۹۴ء۔

۳۔ یہ حدیث مندرجہ ذیل کتب میں پائی جاتی ہے۔ جس سے اس کی صحت کا پتہ چلتا ہے۔

(۱) دار قطنی جلد ۸ صفحہ ۱۸۸

(۲) فتاویٰ حدیثیہ حافظ ابن حجر مکیؒ مصنفہ علامہ شیخ احمد شہاب الدین ابن حجر الہیثمی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱۔

(۳) احوال الآخرۃ حافظ محمد لکھوکے صفحہ ۲۳ مطبوعہ ۱۳۰۵ھ۔

(۴) آخری گت مصنفہ مولوی محمد رمضان حنفی۔ مجتبائی مطبوعہ ۱۲۷۸ھ۔

(۵) حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴۔ مؤلفہ نواب صدیق حسن خاں صاحب۔

(۶) عقائد الاسلام مصنفہ مولانا عبدالحق صاحب محدث دہلوی صفحہ ۱۸۲ و صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ ۱۲۹۲ھ۔

(۷) قیامت نامہ فارسی و علاماتِ قیامت اُردو مصنفہ شاہ رفیع الدین صاحب محدث دہلوی۔

(۸) اقتراب الساعۃ نواب نور الحسن خان صفحہ ۶۶ و صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ ۱۳۰۱ھ۔

(۹) مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد ۲ صفحہ ۱۳۲ مکتوب ۶۷

(۱۰) اکمال الدین صفحہ ۳۴۸

(۱۱) حجج الکرامہ میں لکھا ہے کہ نعیم بن حماد۔ ابوالحسن خیری۔ حافظ ابوبکر بن احمد اور بیہقی اس کے راوی ہیں (صفحہ ۳۴۴)

(۱۲) علاوہ ازیں یہ حدیث دار قطنی کی ہے اور دار قطنی اس بلند پایہ کا محدث ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب نخبۃ الفکر میں لکھتے ہیں:۔ قَالَ الدَّارُ قُطْنِیُّ یَا اَھْلَ بَغْدَادَ لَا تَظُنُّوْا اَنَّ اَحَدًا یَقْدِرُ اَنْ یَّکْذِبَ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ اَنَا حَیٌّ۔

(نخبۃ الفکر صفحہ ۵۶ حاشیہ)

کہ امام دار قطنی نے فرمایا کہ اے اہل بغداد! یہ خیال نہ کرو کہ کوئی شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کوئی جھوٹی حدیث منسوب کر سکتا ہے جبکہ میں زندہ ہوں۔

پندرہویں دلیل

حدیث شریف میں ہے:۔

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ مِائَۃِ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا"

(ابو داؤد جلد ۲[1] صفحہ ۲۱۲ و مشکوٰۃ مطبع نظامی دہلی صفحہ ۱۴ کتاب العلم و مطبع مجتبائی صفحہ ۳۶)

کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس امت کے لئے ہر صدی کے سر پر ایک مجدد مبعوث فرمایا کریگا جو آکر دین کی تجدید کریگا۔

---

[1] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۱۲ کتاب الملاحم باب ما یذکر فی قرن المائۃ مطبوعہ مطبع نولکشور

صحتِ حدیث

(ا) "وَقَدْ اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی تَصْحِیْحِ هٰذَا الْحَدِیْثِ مِنْهُمُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَدْخَلِ وَمِمَّنْ نَصَّ عَلٰی صِحَّتِهٖ مِنَ الْمُتَاخِرِیْنَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ" (حجج الکرامہ ص۱۳۳) کہ استادانِ حدیث کا اِس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے۔ اِن میں سے حاکم نے مستدرک میں بیہقی نے مدخل میں اس کو لکھا ہے اور متاخرین میں سے جن لوگوں نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اُن میں حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی ہیں۔

(ب) "هٰذَا الْحَدِیْثُ اتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلَی التَّصْحِیْحِ مِنْهُمُ الْحَاکِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَدْخَلِ" (مرقاۃ الصعود شرح ابن داؤد زیر حدیث ہذا) یعنی استادانِ حدیث کا اس حدیث کی صحت پر اتفاق ہے جن میں سے امام حاکم نے مستدرک میں اور بیہقی نے مدخل میں اس حدیث کی صحت کا اقرار کیا ہے۔

(ج) علامہ سیوطی اپنے رسالہ "تنبیہ" میں لکھتے ہیں:۔

"اِتَّفَقَ الْحُفَّاظُ عَلٰی صِحَّتِهٖ" کہ تمام محدثین اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔ نیز اپنی کتاب جامع الصغیر جلد ا صفحہ ۷۴ باب الالف میں بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

(د) حجج الکرامہ میں لکھا ہے:۔ "چنانچہ در حدیث مشہور آمدہ است اِنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ لِهٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰی رَأْسِ کُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ الخ رَوَاهُ اَبُوْدَاؤُدَ الْحَاکِمُ وَالْبَیْهَقِیُّ فِی الْمَعْرِفَةِ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ" کہ مشہور حدیث میں ہے کہ ہر صدی کے سر پر اللہ تعالیٰ مجدد مبعوث کیا کریگا۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور امام حاکم اور بیہقی نے معرفۃ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(ھ) یہ حدیث ابوداؤد میں ہے جو صحاح ستہ میں سے ہے۔

ضروری نوٹ:۔ بعض غیر احمدی دوست جب عاجز آجاتے ہیں تو کہہ دیا کرتے ہیں کہ مجدد کے لیے دعویٰ کرنا ضروری نہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ اس صدی کا مجدد دُنیا میں موجود ہو (رشید احمد گنگوہی وغیرہ) مگر اُس نے دعویٰ نہ کیا ہو۔ کیا کسی پہلے مجدد نے بھی دعویٰ مجددیت کیا ہے؟

اِس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ:۔

ا۔ تمام گذشتہ مجددین کی جملہ تحریرات ہمارے پاس محفوظ نہیں ہیں تاکہ ہم ہر ایک کا دعوےٰ اُن کی اپنی زبانی دکھا سکیں۔ ہاں جن مجددین کی بعض تحریرات محفوظ ہیں اُن میں سے تین کا دعویٰ درج کیا جاتا ہے۔

۱۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

صاحب ایں علوم و معارف مجدد ایں الف است کَمَا لَا یَخْفٰی عَلَی النَّاظِرِیْنَ فِیْ

عُلُوْمِہٖ وَ مَعَارِفِہٖ ...... و بدانند کہ بر سر مائۃ مجددی گذشتہ است، اما مجدد مائۃ دیگر است و مجدد الف دیگر۔ چنانچہ درمیان مائۃ والف فرق است، در مجددین اینہانیز ہما نقدر فرق است بلکہ زیادہ ازاں ۔ (مکتوبات امام ربانی جلد ۲ صفحہ ۱۴، ۱۵ مکتوب چہارم)

ب ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں :۔

"قَدْ اَلْبَسَنِیَ اللّٰہُ خِلْعَۃَ الْمُجَدِّدِیَّۃِ" (تفہیمات الٰہیہ بحوالہ حجج الکرامہ صفحہ ۱۳۹)

ج ۔ حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں :۔

"اِنِّیَ الْمُجَدِّدُ" (حجج الکرامہ صفحہ ۱۳۸)

۲۔ اگر فرض بھی کر لیا جائے کہ عام طور پر دعویٰ کرنا ضروری نہیں پھر بھی ہم کہتے ہیں کہ چودہویں صدی کے مجدد کے لئے دعویٰ کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ بقولِ شما "جھوٹا مجدد" (نعوذ باللہ) میدان میں کھڑا للکار رہا تھا۔

"ہائے یہ قوم نہیں سوچتی کہ اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہیں تھا۔ تو کیوں عین صدی کے سر پر اس کی بنیاد ڈالی گئی اور پھر کوئی بتلا نہ سکا کہ تم جھوٹے ہو اور سچا فلاں آدمی ہے۔" (ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴ صفحہ ۲)

"افسوس ان لوگوں کی حالتوں پر، ان لوگوں نے خدا اور رسول کے فرمودہ کی کچھ بھی عزت نہ کی۔ اور صدی پر بھی سترہ برس گذر گئے، مگر ان کا مجدد اب تک کسی غار میں پوشیدہ بیٹھا ہے۔" (اربعین ۳ صفحہ ۱۳)

پس اگر اُس وقت کوئی "سچا مجدد" بھی بقولِ شما بقیدِ حیات موجود تھا (جس کو خدا تعالےٰ نے اُمتِ محمدیہ کو گمراہی سے بچانے کے لئے مبعوث کیا ہوا تھا) تو اُس کا فرض تھا کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالمقابل دعوےٰ کر کے امتِ محمدیہ کو گمراہی سے بچاتا۔ ان حالات میں اس کا خاموش رہنا تو "اَلسَّاکِتُ عَنِ الْحَقِّ شَیْطَانٌ اَخْرَسُ"[1] کے مطابق اس کو "گونگا شیطان" قرار دیتا ہے۔ چہ جائیکہ اُس کو "مدعی مفقود اور گواہ موجود" کا مصداق بناتے ہوئے مضحکہ خیز طور پر "مجدد" قرار دیا جائے۔

فہرست مجددینِ اُمتِ محمدیہ

① پہلی صدی :۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (حجج الکرامہ صفحہ ۱۳۵)

② دوسری صدی :۔ حضرت امام شافعیؒ (احمد بن حنبل) (" " ")

③ تیسری صدی :۔ حضرت ابو شرحؒ و ابو الحسن اشعریؒ (" " صفحہ ۱۳۶)

④ چوتھی صدی :۔ حضرت ابو عبید اللہ نیشاپوری و قاضی ابو بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہم (حجج الکرامہ صفحہ ۱۳۶)

⑤ پانچویں صدی :۔ حضرت امام غزالیؒ (" " " ")

⑥ چھٹی صدی :۔ حضرت سید عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ۔

⑦ ساتویں صدی :۔ حضرت امام ابن تیمیہؒ و حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری (حجج الکرامہ صفحہ ۱۳۶)

[1] تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۳۹ باب ۵۔

(۸) آٹھویں صدی :- حضرت حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ و حضرت صالح بن عمر رحمۃ اللہ علیہ
(حجج الکرامہ ص۱۳۷)

(۹) نویں صدی :- حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ (" " ص۱۳۸)

(۱۰) دسویں صدی :- حضرت امام محمد طاہر گجراتی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱۱) گیارہویں صدی :- حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ۔

(۱۲) بارہویں صدی :- حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ (حجج الکرامہ ص۱۳۹)

(۱۳) تیرہویں صدی :- حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ (" " ")

(۱۴) چودھویں صدی :-

"در سر مائۃ چہار دہم کہ دہ سال کامل آنرا باقی است۔ اگر ظہورِ مہدی علیہ السلام و نزولِ عیسیٰؑ صورت گرفت۔ پس ایشاں مجدد و مجتہد باشند" (حجج الکرامہ ص۱۳۹)

کہ چودہویں صدی کے سر پر جس کو ابھی پورے دس سال باقی رہتے ہیں اگر مہدی اور مسیح موعودؑ ظاہر ہو گئے تو وہی چودھویں صدی کے مجدد ہونگے۔

ب۔ "پس تواں گفت کہ دریں دہ سال کہ از مائۃ ثالث عشر باقی است ظہور کند یا بر سر چہار دہم" (حجج الکرامہ ص۱۴۱)

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام عین وقت (چودھویں صدی کے سر) پر ظاہر ہوتے پس اگر آپ مجدد نہیں ہیں تو کوئی اور مجدد بتاؤ۔ جو چودہویں صدی کے سر پر آیا ہو۔ اگر کوئی غیر مسلم تم سے پوچھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق چودھویں صدی کا مجدد کہاں ہے۔ تو اُسے کیا جواب دوگے؟

اب تو چودھویں صدی میں سے بھی ۷۲ برس گذر گئے۔ سچ تو یہی ہے کہ ؎

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
مَیں نہ آتا تو کوئی اور ہی آیا ہوتا (مسیح موعودؑ)

پس خدا کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت پر تبر نہ چلاؤ اور مخالفینِ اسلام کو اسلام پر مزید اعتراضات کرنے کا موقعہ نہ دو۔

سولھویں دلیل

وَاِذْ قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰۃِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِی اسْمُہٗٓ اَحْمَدُ۔

(سورۃ الصّف : ۷)

اور جب عیسیٰ بن مریمؑ نے کہا۔ اے بنی اسرائیل! مَیں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں۔ تصدیق

کرتا ہوں اس کی جو میرے سامنے ہے یعنی تورات اور بشارت دیتا ہوں ایک رسول کی جو میرے بعد آئے گا۔ اس کا نام احمد ہوگا۔

اِن آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے احمد رسول کی آمد کی بشارت دی ہے۔ اور صرف اس کا نام بتانے پر ہی اکتفار نہیں کیا۔ بلکہ اس کی بعض نہایت ضروری علامات بھی بیان فرما دی ہیں۔ اس پیشگوئی کے حقیقی مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ آپ کا غلام حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اِس کی کئی وجوہ ہیں:۔

پہلی وجہ:۔ ان آیات کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ: وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ وَھُوَ یُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ (الصف: ۸) کہ اُس شخص سے بڑھ کر اور کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے (الہام کا جھوٹا دعویٰ کرے) اور وہ بلایا جائیگا اسلام کی طرف۔

اِس آیت میں یہ بتایا ہے کہ جب احمد رسول اللہ آئے گا تو لوگ اس کی مخالفت کریں گے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر احمد رسول اللہ (نعوذ باللہ) فی الواقعہ خدا کی طرف سے نہیں تو اندریں صورت وہ مفتری علی اللہ ٹھہرتا ہے اور مفتری علی اللہ سے بڑھ کر اور کوئی ظالم نہیں ہو سکتا۔ اور جو ظالم ہو اس کے متعلق خدا تعالیٰ کا قانون ہے کہ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (الانعام: ۲۲) کہ ظالم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے۔ نیز اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ (النحل: ۱۱۷) کہ وہ لوگ جو خدا تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں اور اپنے پاس سے جھوٹے الہامات بنا کر خدا کی طرف منسوب کرتے ہیں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے پس اگر احمد رسول فی الواقعہ اپنے دعویٰ میں سچا نہیں تو اندریں صورت اس کو اسلامی تعلیم کی رُو سے ناکام و نامراد ہو جانا چاہیئے مگر وہ اپنے تمام دشمنوں کی آنکھوں کے سامنے اپنے تمام مقاصد میں کامیاب و کامران ہوگا اور اس کی کامیابی اور کامرانی قطعی طور پر ثابت کردیگی کہ وہ اپنے دعویٰ میں صادق ہے اور اسلامی تعلیم کی رو سے وہ حق پر اور اس کے مخالفین ناحق پر ہیں۔ مگر باوجود اس واضح طریق فیصلہ کے پھر بھی اس کو اس کے مخالفین اُسے دعوتِ اسلام دینگے اور کہیں گے کہ تو دائرۂ اسلام سے خارج ہو چکا ہے۔ پس آ اور مسلمان ہو جا۔ اس طرح وہ احمد رسول جو اسلامی تعلیم کی رُو سے مفتری علی اللہ ثابت نہیں ہوا اُلٹا اسلام کی طرف دعوت دیا جائیگا۔ پس پہلی نشانی جو اس احمد رسول کی بتائی گئی ہے وہ ھُوَ یُدْعٰی اِلَی الْاِسْلَامِ کے الفاظ میں یہ ہے کہ وہ اسلام کی طرف دعوت دیا جائے گا۔ اس سے مندرجہ ذیل نتائج برآمد ہوتے ہیں:۔

ا۔ وہ احمد رسول ایسے زمانہ میں آئے گا جبکہ دُنیا میں اسلام کے علمبردار ہونے کا دعویٰ کرنے والے لوگ پہلے سے موجود ہوں گے گویا وہ خود بانیٔ اسلام نہیں ہوگا۔

ب۔ اُس کے مخالفین اُس پر کفر کا فتویٰ لگائیں گے اور خود کو حقیقی مسلمان قرار دیں گے۔

پس مندرجہ بالا علامات صاف طور پر بتا رہی ہیں کہ اس پیشگوئی کا حقیقی مصداق ہمارے سید و مولیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں بلکہ یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام۔ احمدؑ کے

متعلق ہے کیونکہ

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف اپنے آپ کو اسلام کے مدعی قرار نہیں دیتے تھے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بانی اسلام ہیں۔ آپ کے مخالفین نے اپنے آپ کو کبھی مسلمان قرار نہیں دیا اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیر مسلم قرار دیکر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسلام کی طرف دعوت دی۔

نوٹ :۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ هُوَ يُدْعىٰ میں هُوَ کی ضمیر کا مرجع خواہ مَنْ اَظْلَمُ" اور "مَنِ افْتَرٰى" کو قرار دیا جائے اور خواہ "احمد" کو قرار دیا جائے۔ دونوں صورتوں میں حقیقی مرجع "احمد" ہی بنتا ہے اور کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کیونکہ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ میں جس شخص کی طرف اشارہ ہے۔ وہ وہی ہے جس پر "مفتری علی اللہ" ہونے یعنی الہام کا جھوٹا دعویٰ کرنیکا الزام ہے اور جس کی اس الزام سے بریت مقصود ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ احمد رسول ہی ہے جس کے متعلق یہ اعتراض ہے کہ "قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ (النمل : ۱۴) کہ درحقیقت یہ خدا کا رسول نہیں بلکہ جادوگر ہے اور جادو کی مدد سے یہ نشانات دکھاتا ہے۔ پس مَنْ اَظْلَمُ میں احمد رسول کے منکروں کا ذکر نہیں بلکہ خود احمد رسول کی بریت کے لیے خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم اس احمد رسول پر مفتری ہونے کا الزام لگاتے ہو حالانکہ مفتری سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں ہوتا اور خدا تعالےٰ کی فعلی شہادت سے ثابت ہے کہ یہ "ظالم" نہیں۔ کیونکہ اپنے مقاصد میں کامیاب و کامران ہے۔ پس هُوَ يُدْعىٰ اِلَى الْاِسْلَامِ میں هُوَ کی ضمیر کا مرجع بہرحال "احمد رسول" ہی ہے نہ کوئی اور۔

دوسری قابل ذکر بات یہ ہے کہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کسی نے جادوگر قرار نہیں دیا۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کے دشمنوں نے "جادوگر"، "ساحر"، رمّال اور نجومی قرار دیا ہے۔ چند حوالجات درج ذیل ہیں :۔

۱۔ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اپنی سرقہ کردہ کتاب موسومہ "سیف چشتیائی" میں لکھتے ہیں :۔

"تمہارے تیس سال کے سحروں اور شعبدہ بازیوں کو دفعۃً ہی نگل گیا"

(سیف چشتیائی صفحہ ۱۰۷)

۲۔ "معلوم ہوا کہ اَب تک ساحر قادیانی کا گھر نحوستوں سے بھرا ہوا ہے"

(تکذیب براہین احمدیہ مصنفہ لیکھرام جلد ۲ صفحہ ۲۹۸)

۳۔ "یہی ساحر قادیانی ہے" (ایضاً صفحہ ۳۰۰)

۴۔ مولوی محمد حسین بٹالوی لکھتا ہے :۔

"اگرچہ یہ پیشگوئی (متعلقہ وفات احمد بیگ۔ خادم) تو پوری ہو گئی۔ مگر یہ الہام سے نہیں بلکہ علم رمل یا نجوم وغیرہ سے کی گئی تھی"

(اشاعۃ السنہ بحوالہ اشتہار ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء، مجموعہ اشتہارات جلد ۲ صفحہ ۳۹)

۵۔ایک مخالف مولوی پنجابی شعر میں کہتا ہے ؎

جادوگر ہے ساحر بھارا، مسمریزم جانے
رمل نجوم تے ہور بتیرے کسبی علم پچھانے

(بجلی آسمانی مصنفہ مولوی فیض محمد صفحہ ۱۲۳)

یعنی مرزا قادیانی (علیہ الصلوٰۃ والسلام) جادوگر اور ساحر ہیں اور مسمریزم اور رمل و نجوم وغیرہ علوم خوب جانتے پہچانتے ہیں۔

دوسری وجہ:۔ "یُرِیۡدُوۡنَ لِیُطۡفِـُٔوۡا نُوۡرَ اللّٰہِ بِاَفۡوَاہِہِمۡ"۔ (الصف:۹) کہ لوگ چاہیں گے کہ خدا کے نور کو اپنے منہ کی پھونکوں سے بجھا دیں۔ وَ اللّٰہُ مُتِمُّ نُوۡرِہٖ مگر خدا تعالیٰ اپنے نور کو پورا کریگا۔

اس آیت میں (جو اِسۡمُہٗۤ اَحۡمَدُ والی آیت کے ساتھ ہی ملحق ہے) اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ احمد رسول کا زمانہ وہ ہوگا جس میں اسلام کو تلوار کے زور سے مٹانے کی کوشش نہیں کی جائیگی۔ بلکہ مزعومہ دلائل کے ساتھ اسلام کا مقابلہ کیا جائیگا۔ گویا منہ کی پھونکیں ماری جائینگی۔ سو یہ علامت بھی صاف طور پر بتاتی ہے کہ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کی پیشگوئی کے مصداق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاص غلام۔ احمد رسول اللہ ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ منہ کی پھونکوں کا نہ تھا۔ بلکہ لوگ اسلام کو تلواروں کی طاقت سے مٹانا چاہتے تھے۔ لیکن آج دلائل مزعومہ کے زور یعنی منہ کی پھونکوں سے اسلام کو بجھایا جا رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حاسد سلسلہ رسوائے عالم اخبار "زمیندار" کے ٹائٹل پر بھی یہ شعر لکھا ہوا ہوتا ہے کہ ؎

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

تیسری وجہ۔ یہ ہے کہ اس سے اگلی آیت ہے:۔ "ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ الخ" کہ وہی اللہ ہے جس نے احمد رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اسلام کو تمام دوسرے دینوں پر غالب کردے۔

اس آیت کے متعلق تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ یہ آیت مسیح موعود کے متعلق ہے۔ کیونکہ اسلام کا یہ موعودہ غلبہ اسی کے زمانہ میں ہوگا۔ جیسا کہ حدیث میں ہے:۔

ا۔ "وَیُھۡلِكُ اللّٰہُ فِیۡ زَمَنِہِ الۡمِلَلَ کُلَّھَا اِلَّا الۡاِسۡلَامَ۔ (ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۶ مصری) کہ اللہ تعالیٰ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں تمام جھوٹے دینوں کو نیست و نابود کر کے صرف اسلام کو قائم کریگا۔

ب۔ ابن جریر میں ہے:۔

"ھُوَ الَّذِیۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَہٗ بِالۡہُدٰی وَ دِیۡنِ الۡحَقِّ لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ .... ذَالِكَ عِنۡدَ خُرُوۡجِ عِیۡسٰی" (ابن جریر جلد ۱۵ صفحہ ۳) کہ اس آیت میں جس غلبۂ اسلامی کا

ذکر ہے۔ وہ مسیح موعودؑ کی بعثت کے بعد واقع ہوگا۔

نیز دیکھو تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ۲ ص۵۳۸ سورۃ صف زیر آیت بالا۔

ج۔ نیز لکھا ہے:۔

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ فِیْ قَوْلِہٖ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ الخ

قَالَ حِیْنَ خُرُوْجِ عِیْسٰی " (ابن جریر جلد ۲۸ ص۵)

کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اِس آیت لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ کے متعلق فرمایا۔ کہ یہ غلبہ مسیح موعود کے ظہور کے بعد ہوگا۔ پس ثابت ہے کہ یہ آیت ساری کی ساری حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کی پیشگوئی ہے۔ نہ کسی اور کی۔

چوتھی وجہ:۔ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مثیلِ موسیٰؑ ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام مثیلِ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل کی پیشگوئی کی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے مثیل (مسیح موعودؑ) کی۔

پانچویں وجہ:۔ یہ کہ اِس پیشگوئی کا قرآن مجید میں ذکر کرنے سے مقصود بخیال غیر احمدیاں صرف عیسائیوں پر اتمام حجت کرنا اور احمد رسول کی صداقت کی ایک دلیل دینا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا والدین نے جو نام رکھا وہ (احمد نہیں بلکہ محمدؐ تھا۔ عیسائی تو ہرگز نہیں مانتے کہ آپؐ کا نام احمدؐ تھا۔ کسی مدعی کا یہ کہنا کہ اللہ نے میرا نام یہ رکھا ہے اُس کے ماننے والوں کے لیے تو حجت ہوسکتا ہے لیکن اُس کے منکروں پر ہرگز حجت نہیں ہوسکتا اور جو پہلے ہی مانتا ہے اُس کے لیے دلیل کی ضرورت نہیں اور جو نہیں مانتا اس کے لیے یہ دعویٰ دلیل نہیں بن سکتا۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اِس پیشگوئی کا مصداق قرار دیا جائے تو یہ عیسائیوں کے لیے کوئی حجت اور دلیل نہیں بن سکتی۔ لہٰذا اس کے بیان کرنے کا کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ پس اِس پیشگوئی کا مصداق وہی ہے جس کے نام کا ضروری حصہ احمد ہے۔ صفاتی نام نہیں بلکہ ذاتی نام (عَلَم) ہے۔

بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صفاتی نام "احمد" بھی ہے مگر یہ آپ کا تعلق انسانوں سے نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے ہے جس کو کوئی انسان خود بخود نہیں دیکھ سکتا۔ کیونکہ "احمد" کے معنی ہیں "سب سے زیادہ تعریف کرنے والا" اور "محمد" کے معنی ہیں "سب سے زیادہ تعریف کیا گیا" گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم چونکہ خدا تعالیٰ کی سب سے زیادہ حمد اور تعریف کرنے والے ہیں۔ اِس لیے آپ صفاتی طور پر احمد ہیں، لیکن دنیا کے ساتھ آپ کا تعلق محمدیت کا ہے۔ پس ایک عیسائی کے لیے آپ کی شانِ احمدیت کو سمجھ کر اس پر ایمان لانا ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انسانوں کے محمدؐ ہیں اور احمدؐ اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

نوٹ:۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام حضورؐ کے والدین نے یا حضورؐ کے دادا نے بوقتِ پیدائش احمد رکھا تھا۔ مگر ان تمام روایات کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے

کہ یہ سب "موضوع" روایات ہیں۔ ان میں سے اکثر "واقدی" کی ہیں۔ جو جھوٹی حدیثیں گھڑنے والوں کا اُستاد ہونے کی وجہ سے رئیس الوضاعین" کہلاتا ہے۔ چنانچہ ان روایات کے متعلق حضرت امام محمد شوکانی لکھتے ہیں :- وَمِنْهَا اَحَادِيْثُ الَّتِيْ تُرْوٰى فِيْ تَسْمِيَةِ اَحْمَدَ لَا يُثْبَتُ مِنْهَا شَيْءٌ -

(فوائد المجموعہ فی احادیث الموضوعہ للشوکانی صفحہ ۱۰۱)

یعنی بعض وہ روایات ہیں جن میں یہ ذکر آتا ہے کہ حضورؐ کا نام احمد رکھا گیا تھا، لیکن ان روایات سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا۔

چھٹی وجہ :- یہ ہے کہ لفظ محمد کے معنے ہیں کہ "سب سے زیادہ تعریف کیا گیا" پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے "محمد" ہونے کا یہ تقاضا ہے کہ کوئی شخص آپ کا "احمد" (سب سے زیادہ تعریف کرنے والا) ہو۔ گویا خود لفظ "محمد" میں یہ پیشگوئی ہے کہ کوئی انسان دُنیا میں احمد ہو کر آئیگا۔ جو اس نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے زیادہ تعریف کریگا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم صفاتی طور پر "احمد" مانتے ہیں۔ لیکن یہ تعلق آپؐ کا خدا سے ہے، مگر یہ پیشگوئی (اسمہٗ احمد والی) عیسائیوں پر اتمام حجت کے لئے بیان کی گئی ہے۔ اور عیسائی اس تعلق کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خُدا سے ہے جان یا مان نہیں سکتے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اِس پیشگوئی کا وہی مصداق ہو جو ظاہری طور پر احمد ہو یعنی جس کا عَلَم احمد ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام احمد تھا۔ "غلام احمد" کے لفظ میں لفظ "غلام" حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندان کے اکثر ناموں کے ساتھ پایا جاتا ہے۔ غلام مرتضیٰ۔ غلام قادر۔ غلام مجتبیٰ وغیرہ اور ظاہر ہے کہ عَلَم وہی ہوتا ہے جو تمیز [illegible] ہو اور "غلام احمد" میں سے تمیز احمد ہے۔ پس وہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عَلَم ہے۔

چنانچہ اس کا دوسرا زبردست ثبوت یہ ہے کہ آپ کے والد مرزا غلام مرتضیٰ صاحب بھی آپ کا نام احمد ہی سمجھتے تھے۔ جیسا کہ انہوں نے اپنے دونوں بیٹوں کے نام پر جو دو گاؤں آباد کئے ان کے نام "قادر آباد" اور "احمد آباد" علی الترتیب مرزا غلام قادر اور غلام احمد علیہ السلام کے نام پر رکھے۔

غیر احمدی :- فَلَمَّا جَآءَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ میں لَمَّا ماضی جَآءَ پر آیا ہے اور جب ماضی پر لَمَّا داخل ہو تو اس کے معنے ہمیشہ ماضی ہی کے ہوتے ہیں مستقبل کے نہیں ہو سکتے۔

احمدی :- یہ قاعدہ درست نہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَلَمَّا رَاَوْهُ زُلْفَةً سِيْٓـَٔتْ وُجُوْهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا (الملک : ۲۸) کہ جب وہ قیامت کو دیکھیں گے تو کافروں کے مُنہ خراب ہو جائینگے۔

اِس آیت میں رَاَوْهُ ماضی ہے اور اُس پر لَمَّا داخل ہوا ہے۔ مگر یہ مستقبل (یعنی قیامت) کے متعلق ہے۔ بعینہٖ اِسی طرح فَلَمَّا جَآءَهُمْ بھی مستقبل کے متعلق ہے۔

نوٹ :- حدیث "اَنَا بِشَارَةُ عِيْسٰى" میں جس بشارت کا ذکر ہے وہ سورۃ صف والی بشارت نہیں۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے درحقیقت دو نبیوں کی بشارت دی ہے۔ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی۔ (۲) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی۔ چنانچہ انجیل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے

متعلق جو بشارت ہے وہ اِن الفاظ میں ہے:"اس کے بعد مَیں تم سے بہت سی باتیں نہ کرونگا کیونکہ دُنیا کا سردار آتا ہے" (یوحنا ۱۴/۳۰ و یوحنا ۱۶/۱۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اسی بشارت کا اپنے آپ کو مصداق قرار دیا ہے (تفصیل مضمون "آنحضرتؐ کی نسبت بائیبل میں پیشگوئیاں" پاکٹ بک ہذا میں دیکھو)۔

سترھویں دلیل

خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:"لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ" (الواقعۃ:۸۰) کہ قرآن مجید کے مطالب و معانی اور حقائق و معارف انہی پر کھولے جاتے ہیں جو پاک اور مطہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت امام ربّانی مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"مساس نکنند اسرارِ مکنونۂ قرآنی را مگر جماعۃ را کہ از لوثِ تعلقاتِ بشریہ پاک شدہ باشند۔ ہرگاہ نصیب پاکاں مساس اسرار قرآنی بود بدیگراں چہ رسد؟"

(مکتوبات جلد ۳ صہ۱۱ مکتوب چہارم شروع)

پس قرآن مجید کے حقائق و معارف پر آگاہ ہونا صداقت کی ایک زبردست دلیل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعویٰ کیا کہ قرآن مجید کے علوم اللہ تعالیٰ نے مجھ پر کھولے ہیں۔ دنیا کا کوئی عالم میرا مقابلہ کرکے دیکھ لے۔ مگر مولویوں نے اپنی خاموشی سے ثابت کر دیا کہ آسمانی علوم انہیں پر کھولے جاتے ہیں۔ جو آسمان سے اپنے تعلقات وابستہ کر چکے ہوں۔ اور یہ کہ دُنیا کے مولویوں اور عالموں کا کوئی بڑے [illegible] سے بڑا اُستاد بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شاگرد کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب میں علاوہ مختلف آیات کی تفسیر لکھنے کے قرآن مجید کی تفسیر کے نہایت قیمتی اُصول بتائے اور خود ان اصول کے مطابق آیاتِ قرآنی کی تفسیر کرکے بتا دیا کہ آسمانی علوم آسمان کے ساتھ تعلق رکھنے والوں ہی کا حصّہ ہوتے ہیں۔ محض ضَرَبَ یَضْرِبُ ضَرْبًا کی گردان رٹا لینے اور عربی سیکھ لینے سے قرآن مجید نہیں آجاتا۔ اگر قرآن مجید کے حقائق و معارف کے سمجھنے کا معیار محض عربی زبان کا جاننا ہی ہوتا تو "جرجی زیدان" یا اس جیسے عیسائی دہریہ اور یہودی جو عربی زبان کے مسلّم اُستاد اور ادیب ہیں وہ قرآن مجید کے حقائق و معارف اور معانی و مطالب کے سب سے بڑے مفسّر ہوتے۔ مگر خدا تعالیٰ نے لَا یَمَسُّہٗٓ اِلَّا الْمُطَہَّرُوْنَ فرما کر بتا دیا کہ قرآن مجید کے علوم کو وہی مس کر سکتے ہیں جو پاک اور مطہر ہوں۔ گویا جتنی جتنی طہارت و پاکیزگی زیادہ ہوگی۔ اُتنا اُتنا علوم قرآنی کا دروازہ کھُلتا چلا جائے گا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سامنے علوم قرآنی کے مقابلہ میں تمام دنیا کے علماء و فضلاء و فصحاء و بلغاء کا صاف طور پر عاجز آجانا آپ کے صادق اور راستباز ہونے پر ناقابل تردید گواہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

پھر ایک اور پیشگوئی نشانِ الٰہی ہے جو براہین احمدیہ کے ص۲۳۸ میں درج ہے اور وہ یہ ہے :-
اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ (الرحمٰن : ۲، ۳) اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے علم قرآن کا وعدہ دیا تھا سو اس وعدہ کو اس طور سے پورا کیا۔ کہ اب کسی کو معارف قرآنی میں مقابلہ کی طاقت نہیں۔ مَیں سچ سچ کہتا ہوں کہ اگر کوئی مولوی اس ملک کے تمام مولویوں میں سے معارفِ قرآنی میں مجھ سے مقابلہ کرنا چاہے اور کسی سورۃ کی ایک تفسیر مَیں لکھوں اور ایک کوئی اور مخالف لکھے تو وہ نہایت ذلیل ہوگا اور مقابلہ نہیں کرسکے گا اور یہی وجہ ہے کہ باوجود اصرار کے مولویوں نے اس طرف رُخ نہیں کیا پس یہ ایک عظیم الشان نشان ہے مگر ان کے لئے جو انصاف اور ایمان رکھتے ہیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۵)

"میری طرف سے متواتر دنیا میں اشتہارات شائع ہوتے کہ خدا تعالیٰ کے تائیدی نشانوں میں سے ایک یہ نشان بھی مجھے دیا گیا ہے کہ مَیں فصیح بلیغ عربی میں قرآن شریف کی کسی سورۃ کی تفسیر لکھ سکتا ہوں اور مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے علم دیا گیا ہے کہ میرے بالمقابل اور بالمواجہ بیٹھ کر کوئی دوسرا شخص خواہ مولوی ہو یا کوئی فقیر گدی نشین ایسی تفسیر ہرگز نہیں لکھ سکیگا۔" (نزول المسیح ص۵۳)

"اب کسقدر ظلم ہے کہ اِسقدر نشانوں کو دیکھ کر پھر کہے جاتے ہیں کہ کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا اور مولویوں کے لئے تو خود اُن کی بے علمی کا نشان ان کے لئے کافی تھا۔ کیونکہ ہزار ہا روپیہ کے انعامی اشتہار دیئے گئے کہ اگر وہ بالمقابل بیٹھ کر کسی سورۃ قرآنی کی تفسیر عربی فصیح بلیغ میں میرے مقابل پر لکھ سکیں تو وہ انعام پائیں۔ مگر وہ مقابلہ نہ کرسکے۔ تو کیا یہ نشان نہیں تھا کہ خدا نے اُن کی ساری علمی طاقت سلب کردی۔ باوجود اس کے کہ وہ ہزاروں تھے۔ تب بھی کسی کو حوصلہ نہ پڑا کہ سیدھی نیت سے میرے مقابل پر آوے اور دیکھے کہ خدا تعالیٰ اس مقابلہ میں کس کی تائید کرتا ہے۔" (نزول المسیح ص۳۰)

"نشان کے طور پر قرآن اور زبان قرآن کی نسبت دو طرح کی نعمتیں مجھ کو عطا کی گئی ہیں (۱) ایک یہ کہ معارفِ عالیہ فرقانِ حمید بطور خارق عادت مجھ کو سکھلائے گئے۔ جن میں دوسرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ (۲) دوسرے یہ کہ زبانِ قرآن یعنی عربی میں وہ بلاغت اور فصاحت مجھے دی گئی ہے کہ اگر تمام علماء مخالفین باہم اتفاق کرکے بھی اس میں میرا مقابلہ کرنا چاہیں۔ تو ناکام اور نامراد رہیں گے اور وہ دیکھ لیں گے کہ جو حلاوت اور بلاغت اور فصاحتِ لسانِ عربی معہ التزام حقائق و معارف و نکات میرے کلام میں ہے وہ ان کو اور ان کے دوستوں اور اُن کے استادوں اور اُن کے بزرگوں کو ہرگز حاصل نہیں۔

اس الہام کے بعد مَیں نے قرآن شریف کے بعض مقامات اور بعض سورتوں کی تفسیریں لکھیں اور نیز عربی زبان میں کئی کتابیں نہایت بلیغ و فصیح تالیف کیں اور مخالفوں کو اُن کے مقابلہ کے لئے بُلایا۔ بلکہ بڑے بڑے انعام ان کے لئے مقرر کئے اگر وہ مقابلہ کرسکیں اور ان میں سے جو نامی آدمی تھے جیسا کہ میاں نذیر حسین دہلوی اور ابوسعید محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعت السنۃ۔ اِن لوگوں کو بار بار اس امر کی دعوت کی گئی کہ اگر کچھ بھی انکو علمِ قرآن میں دخل ہے یا زبان عربی میں مہارت ہے یا مجھے میرے دعویٰ مسیحیت میں کاذب سمجھتے ہیں تو ان حقائق و معارف پُر از بلاغت کی نظیر پیش کریں۔ جو مَیں نے کتابوں

میں اس دعویٰ کے ساتھ لکھے ہیں کہ وہ انسانی طاقتوں سے بالاتر اور خدا تعالیٰ کے نشان ہیں مگر وہ لوگ مقابلہ سے عاجز آ گئے۔ نہ تو وہ اُن حقائق و معارف کی نظیر پیش کر سکے جنکو میں نے بعض قرآنی آیات اور سورتوں کی تفسیر لکھتے وقت اپنی کتابوں میں تحریر کیا تھا اور نہ ان بلیغ و فصیح کتابوں کی طرح دو سطر بھی لکھ سکے جو میں نے عربی میں تالیف کر کے شائع کی تھیں۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں ص۱۴۳)

"خدا تعالیٰ اپنے مکالمہ کے ذریعہ سے تین نعمتیں اپنے کامل بندہ کو عطا فرماتا ہے۔ اوّل اُن کی اکثر دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور قبولیت سے اطلاع دی جاتی ہے۔ دوؔم اُن کو خدا تعالیٰ بہت سے اُمورِ غیبیہ پر اطلاع دیتا ہے۔ سوؔم یہ کہ اُس پر قرآن شریف کے بہت سے علوم حکمیہ بذریعہ الہام کھولے جاتے ہیں۔ پس جو شخص اس عاجز کا مکذب ہو کر پھر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ ہنر مجھ میں پایا جاتا ہے۔ میں اُس کو خدا تعالیٰ کی قسم دیتا ہوں کہ وہ اِن تینوں باتوں میں میرے ساتھ مقابلہ کرے اور فریقین میں قرآن شریف کے کسی مقام کی سات آیتیں تفسیر کے لئے بالاتفاق منظور ہو کر ان کی تفسیر دونوں فریق لکھیں۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۱۹ حاشیہ)

"میرے مخالف کسی سورۃ قرآنی کی بالمقابل تفسیر بناویں۔ یعنی روبرو ایک جگہ بیٹھ کر بطور فال قرآن شریف کھولا جاتے اور پہلی سات آیتیں جو نکلیں اُن کی تفسیر میں بھی عربی میں لکھوں اور میرا مخالف بھی لکھے پھر اگر میں حقائق و معارف کے بیان کرنے میں صریح غالب نہ رہوں تو پھر بھی میں جھوٹا ہوں۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۲۰)

"غرض [illegible] کو بلند آواز سے اس بات کی طرف مدعو کیا کہ مجھے علم حقائق اور معارف قرآن دیا گیا ہے تم لوگوں میں سے کسی کی مجال نہیں کہ میرے مقابل پر قرآن شریف کے حقائق و معارف بیان کر سکے سو اس اعلان کے بعد میرے مقابل ان میں سے کوئی بھی نہ آیا۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص۲۷)

"ہم ان کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ بیشک اپنی مدد کے لئے مولوی محمد حسین بٹالوی اور مولوی عبدالجبار غزنوی اور محمد حسین بھیں وغیرہ کو بُلالیں بلکہ اختیار رکھتے ہیں کہ کچھ طمع دیکر وہ چار عرب کے ادیب بھی طلب کر لیں۔" (اربعین ضمیمہ ۴ ص۶)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے علوم قرآن کے مقابلہ کے لئے تمام دُنیا کے علماء کو للکارا۔ مگر انہوں نے فرار اختیار کر کے اِس بات پر مہر ثبت کر دی کہ خدا کا پیارا مسیح آسمانی علوم لے کر دُنیا میں آیا تھا جس کے بالمقابل اُن کے زمینی اور خشک علوم کی حیثیت جہالت سے بڑھ کر نہ تھی۔

اٹھارہویں دلیل

خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ کہ اگر مخالفین باوجود زبردست دلائل اور عظیم الشان نشانات کے پھر بھی خدا کے فرستادہ پر ایمان نہ لائیں تو آخری طریق فیصلہ "مباہلہ" ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فریقین

اپنے جھگڑے کو اُس احکم الحاکمین خدا کی عدالت میں لے جائیں جو اپنے فیصلہ میں غلطی نہیں کرتا۔ چنانچہ فرماتا ہے:۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَل لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ۔ (آل عمران : ۶۲)

کہ اگر یہ لوگ باوجود دلائلِ بیّنہ اور براہین قاطعہ کے پھر بھی نہیں مانتے تو ان سے کہدے کہ آؤ! ہم دونوں فریق اپنے اہل وعیال اور جماعت کو لیکر خدا کے سامنے دُعا تے مباہلہ کریں اور جھوٹے پر لعنت اللہ کہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے منکرین نے بھی جب باوجود دلائل بیّنہ کے آپ کی مخالفت کو نہ چھوڑا تو آپ نے ان کو مباہلہ کا چیلنج دیا۔ لیکن حق کی کچھ ایسی ہیبت اُن کے دلوں پر طاری ہوئی کہ بجز فرار کے اُن کو کوئی چارہ کار نظر نہ آیا۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ "لَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارٰى حَتّٰى يَهْلِكُوْا كُلُّهُمْ"۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۱۹۹) کہ اگر وہ مباہلہ کرتے تو ایک سال کے اندر سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔ پس مذہبی اختلافات کیلئے آخری فیصلہ "مباہلہ" ہے۔ فریقین احکم الحاکمین خدا کی عدالت سے صحیح اور سچے فیصلے کے لئے ملتجی ہوتے ہیں۔ اور وہ ایک سال کے اندر جھوٹے کو برباد کر کے حق اور باطل میں ابدی فیصلہ صادر فرما دیتا ہے حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اپنے پیارے آقا و سردار محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اس سنت پر عمل کیا اور جب دلائلِ عقلی ونقلی اور نشاناتِ ارضی وسماوی غرضیکہ ہر طریق سے اُن پر اتمامِ حُجّت ہو چکی تو آپ نے ان کو آخری طریقِ فیصلہ (مباہلہ) کی طرف بُلایا اور تحریر فرمایا:۔

"سو اب اُٹھو! اور مباہلہ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ تم سُن چکے ہو کہ میرا دعویٰ دو باتوں پر مبنی تھا۔ اوّل نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ پر۔ دوسرے الہاماتِ الٰہیہ پر۔ سو تم نے نصوصِ قرآنیہ اور حدیثیہ کو قبول نہ کیا۔ اور خدا کے کلام کو یوں ٹال دیا جیسا کہ کوئی تنکا توڑ کر پھینک دے۔ اب میری بناء دعوے کا دوسرا شق باقی رہا۔ سو میں اُس ذاتِ قادر وغیور کی آپ کو قسم دیتا ہوں جس کی قسم کو کوئی ایماندار رد نہیں کر سکتا کہ اب اِس دوسری بنا کے تصفیہ کے لئے مجھ سے مباہلہ کر لو۔" (انجام آتھم ص ۶۵)

اور یُوں ہو کہ تاریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں اُن تمام الہامات کے پرچے کو جو لکھ چکا ہوں اپنے ہاتھ میں لے کر مُباہلہ میں حاضر ہونگا اور کہونگا کہ الٰہی! اگر یہ الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں میرا ہی افتراء ہے اور تو جانتا ہے کہ میں نے اِن کو اپنی طرف سے بنایا ہے۔ یا اگر یہ شیطانی وساوس ہیں اور تیرے الہامات نہیں تو آج کی تاریخ سے ایک سال گذرنے سے پہلے مجھے وفات دے یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر کہ جو موت سے بدتر ہو اور اس سے رہائی عطا نہ کر جب تک کہ موت آجائے تیری عزت ظاہر ہو اور لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں، لیکن اے خُدائے علیم وخبیر! اگر تو جانتا ہے کہ یہ تمام الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں تیرے ہی الہام ہیں۔ اور تیرے مُنہ کی باتیں ہیں۔ تو ان مخالفوں کو

جو اِس وقت حاضر ہیں ایک سال کے عرصہ میں نہایت سخت دُکھ کی مار میں مبتلا کر کسی کو اندھا کر دے کسی کو مجذوم۔ کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگِ دیوانہ کا شکار بنا۔ اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔ اور جب میں یہ دُعا کر چکوں تو دونوں فریق کہیں "آمین"۔ ایسا ہی فریق ثانی کی جماعت میں سے ہر ایک جو مباہلہ کے لئے حاضر ہو۔ جناب الٰہی میں یہ دُعا کرے ۔۔۔۔۔۔ اور یہ دُعا فریق ثانی کر چکے تو دونوں فریق کہیں "آمین"۔ اس مباہلہ کے بعد اگر مَیں ایک سال کے اندر مر گیا۔ یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا ہو گیا جس میں جانبری کے آثار نہ پائے جائیں۔ تو لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں گے۔ اور مَیں ہمیشہ کی لعنت کے ساتھ ذکر کیا جاؤنگا۔ لیکن اگر خدا نے ایک سال تک مجھے موت اور آفاتِ بدنی سے بچالیا اور میرے مخالفوں پر قہر اور غضب الٰہی کے آثار ظاہر ہو گئے اور ہر ایک اُن میں سے کسی نہ کسی بلا میں مبتلا ہو گیا اور میری بد دُعا نہایت چمک کے ساتھ ظاہر ہو گئی تو دُنیا پر حق ظاہر ہو جائیگا اور یہ روز کا جھگڑا درمیان سے اُٹھ جائیگا"

آپؑ نے یہاں تک لکھا کہ:۔

"مَیں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دُعا کا اثر صرف اُس صورت میں سمجھا جاتے کہ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آئیں ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں اگر ایک بھی باقی رہا تو مَیں اپنے تئیں کاذب سمجھونگا اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار اور پھر ان کے ہاتھ پر توبہ کرونگا" (انجام آتھم ۱۸۹۶ء ص ۶۷)

یہ دعوتِ مباہلہ تحریر فرما کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے مخالف علماء کو نہایت غیرت دلانے والے الفاظ میں مخاطب فرمایا۔

"گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اُس شخص پر کہ اِس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ میدان مباہلہ میں حاضر ہو۔ اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے" (انجام آتھم ص۶۷)

یہ وہ آخری طریق فیصلہ تھا جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مندرجہ بالا پُرشوکت الفاظ میں اپنے مکفّر علماء کو دعوت دی۔ رسالہ "انجام آتھم" اُن کو بذریعہ رجسٹری بھیجا گیا۔ مگر اُن میں سے ایک بھی میدان میں نہ آیا۔

انیسویں دلیل

حدیث میں ہے:۔ وَلَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا (مسلم باب نزول عیسٰیؑ) کہ مسیح موعودؑ کے زمانہ میں اونٹنیاں بیکار ہو جائینگی اور اُن پر تیز سفر نہیں کیا جائیگا۔

اِس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح موعودؑ ایسے زمانہ میں آئیگا۔ جبکہ ایسی ایسی سواریاں ایجاد ہونگی کہ جن کے باعث اونٹنیاں لمبے اور جلدی کے سفروں میں متروک ہو جائیں گی۔ بار برداری یا معمولی

مسافت کا کام اگر اونٹوں سے لیا جاتا رہے تو وہ خلاف حدیث نہیں کیونکہ یہ امر عقلاً محال ہے کہ کسی وقت کُلی طور پر سب کی سب اونٹنیاں بیکار کر دی جائیں۔ حدیث میں "فَلَا يُسْعٰى عَلَيْهَا" کے الفاظ واضح ہیں۔ اور قرآن مجید میں "اَلْعِشَارُ" کا لفظ ہے۔ جس کے معنی حاملہ اونٹنی کے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی ایسی اعلیٰ سواریاں نکل آئیں گی کہ ہر سفر کے لیے اونٹوں کا لابدی ہونا باقی نہ رہے گا۔ یعنی جیسا کہ زمانہ قدیم میں شدتِ ضرورت کے ماتحت حاملہ اونٹنیوں کو بھی کام کاج اور مشقت سے مستثنیٰ نہیں کیا جاتا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں ایسا نہ ہوگا نیز اس حدیث نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ قرآن مجید کی آیت "اِذَا الْعِشَارُ عُطِّلَتْ" بھی زمانہ مسیح موعود کے متعلق ہے۔ کیونکہ لَيُتْرَكَنَّ الْقِلَاصُ والی حدیث صریح طور پر مسیح موعود کے زمانہ کے متعلق ہے۔

بیسویں دلیل

مولوی ثناء اللہ مرحوم امرتسری جماعت احمدیہ کے مشہور معاندین میں سے تھے اور عام طور پر یہ دعویٰ کیا کرتے تھے کہ وہ جماعت احمدیہ کے لٹریچر سے خوب واقف ہیں۔ ہم اس جگہ اس بحث میں پڑنا نہیں چاہتے کہ اُن کا یہ ادعا کس حد تک درست تھا، لیکن بانگ بلند کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے ان کے اس دعویٰ کو بھی صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک روشن اور واضح نشان بنایا ہے۔

آج سے تیس ۳۰ سال قبل ۱۹۲۳ء میں جب وہ حیدر آباد دکن میں بغرض تردید احمدیت گئے ہوئے تھے۔ سیٹھ عبداللہ الٰہ دین صاحب آف سکندر آباد نے (جو جماعت احمدیہ کے ایک ممتاز فرد ہیں)۔ ایک اشتہار انعامی دس ہزار سات صد روپیہ شائع کیا جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری سے مطالبہ کیا کہ اگر وہ فی الواقعہ حضرت مرزا صاحب کو اپنے دعاوی میں سچا نہیں سمجھتے تو وہ حلف اُٹھا کر اس امر کا اعلان کر دیں۔ اگر اس کے بعد ایک سال تک زندہ رہ جائیں تو دس ہزار روپیہ اُن کی خدمت میں پیش کیا جائیگا۔ اور حلف اُٹھانے کے وقت نقد پانسو روپیہ ان کی نذر ہوگا۔ علاوہ ازیں اس شخص کو بھی جو مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس حلف کے اُٹھانے پر آمادہ کرے دو صد روپیہ انعام دیا جائے گا؟ اس اعلان کے بعد مولوی ثناء اللہ تقریباً ۲۶ سال زندہ رہے مگر مولوی صاحب موصوف نے حلف مؤکد بعذاب اُٹھانے کا نام نہ لیا اور ان کا اس سیدھے اور صاف طریق فیصلہ سے پہلوتہی کرنا قطعی طور پر ثابت کر دیتا ہے کہ اُن کو دل سے اس بات کا یقین تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کی طرف سے تھے۔ ہم ذیل میں جناب سیٹھ صاحب کا انعامی اشتہار نقل کر کے تمام اہلِ انصاف حضرات کی خدمت میں عرض کرتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہ حیرت انگیز مگر دانشمندانہ گریز بتاتا ہے کہ وہ صداقت کی بنا پر احمدیت کی مخالفت نہیں کرتے تھے بلکہ اس کا اصل موجب دُنیا طلبی کے سوا اور کچھ نہیں۔

جیسا کہ حضرت محی الدین ابن عربیؒ فرماتے ہیں:۔

إِذَا خَرَجَ هٰذَا الْإِمَامُ الْمَهْدِيُّ فَلَيْسَ لَهُ عَدُوٌّ مُبِيْنٌ إِلَّا الْفُقَهَاءَ خَاصَّةً فَإِنَّهُ لَا يَبْقٰى لَهُمْ تَمْيِيْزٌ عَنِ الْعَامَّةِ (فتوحات مکیہ جلد ۳ ص ۳۳۶) کہ جب حضرت امام مہدی ظاہر ہونگے تو اس زمانہ کے مولوی خاص طور پر ان کے دشمن ہونگے محض اس وجہ سے کہ وہ یہ سمجھیں گے کہ ان پر ایمان لانے سے عوام پر اثر اور رسوخ قائم نہیں رہے گا۔

نقل اشتہار مؤرخہ ۲۲ر فروری ۱۹۲۳ء

"مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو دس ہزار روپیہ انعام"

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مورخہ ۱۰ر فروری ۱۹۲۳ء کو ایک خاص مجلس میں جس میں کہ ہمارے شہر کے ایک معزز و محترم باوقار انسان یعنی عالی جناب مہاراجہ سرکرشن پرشاد بہادر بالقابہ بھی رونق افروز تھے۔ اس بات کا اظہار کیا ہے کہ میرے حیدر آباد آنے کا اصل مقصود سیٹھ عبداللہ الہ دین ہیں تاکہ ان کو ہدایت ہو جاتے۔ اس لئے میں اپنے ذاتی اطمینان اور تسلی کے لئے بذات خود یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب اس حلف کے مطابق جو میں اس اشتہار میں درج کرتا ہوں قسم کھا جائیں۔ مگر قبل اس کے کہ مولوی صاحب حلف اُٹھائیں ضروری ہوگا کہ ایک اشتہار کے ذریعہ صاف طور پر حیدر آباد و سکندر آباد میں شائع کر دیں کہ میں اس حلف کو جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور اپنے عقائد کے درمیان حق و باطل کے تصفیہ کا فیصلہ کن معیار قرار دیتا ہوں اور یہ کہ اس حلف کے بعد سال کی میعاد کے اخیر دن تک میں اپنے اس اقرار معیار فیصلہ کن کے خلاف کوئی تحریر یا تقریر شائع نہ کرونگا اور نہ بیان کرونگا۔ ہاں ویسے مولوی صاحب کو اختیار ہے کہ مرزا صاحب کی تردید بڑے زور سے کرتے رہیں۔ مگر اس حلف کے فیصلہ کن معیار ہونے سے حلف کے بعد سال بھر تک انکار نہ کریں۔ میری طرف سے یہ اقرار ہے کہ اس حلف کے بعد اگر مولوی صاحب ایک سال تک صحیح و سلامت رہے یا اُن پر کوئی عبرتناک و غضبناک عذاب نہ آیا تو میں اہل حدیث ہو جاؤنگا۔ یا مولوی ثناء اللہ صاحب کے حسب خواہش مبلغ دس ہزار روپیہ مولوی صاحب موصوف کو بطور انعام کے ادا کر دوں گا۔

حلف کے الفاظ یہ ہیں :۔ جو مولوی ثناء اللہ صاحب جلسہ عام میں تین مرتبہ دہرائیں گے اور ہر دفعہ خود بھی اور حاضرین بھی آمین کہیں گے۔

"میں ثناء اللہ ایڈیٹر اہلحدیث خدا تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر اس بات پر حلف کرتا ہوں کہ میں نے مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے تمام دعاوی و دلائل کو بغور دیکھا اور سُنا اور سمجھا اور اکثر تصانیف اُنکی میں نے مطالعہ کیں اور عبداللہ الہ دین کا چیلنج انعامی دس ہزار روپیہ کا بھی پڑھا۔ مگر میں نہایت وثوق اور کامل ایمان اور یقین سے یہ کہتا ہوں کہ مرزا صاحب کے تمام دعاوی و الہامات جو چودھویں صدی کے مجدد و امام وقت و مسیح موعود و مہدی معہود اور اپنے نبی ہونے کے متعلق ہیں وہ سراسر جھوٹ

و افترا اور دھوکا و فریب اور غلط تاویلات کی بنا پر ہیں۔ برخلاف اس کے عیسیٰ علیہ السلام وفات نہیں پاتے بلکہ وہ بجسد عنصری آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور ہنوز اسی خاکی جسم کے ساتھ موجود ہیں اور وہی آخری زمانہ میں آسمان سے اُتریں گے اور وہی مسیح موعود ہیں اور مہدی علیہ السلام کا ابھی تک ظہور نہیں ہوا۔ جب ہوگا تو وہ اپنے منکروں کو تلوار کے ذریعہ قتل کر کے اسلام کو دُنیا میں پھیلائیں گے۔ مرزا صاحب نہ مجدد وقت ہیں نہ مہدی ہیں نہ مسیح موعود ہیں، نہ اُمتی نبی ہیں بلکہ ان تمام دعاوی کے سبب میں انکو مفتری اور کافر اور خارج از اسلام سمجھتا ہوں۔ اگر میرے یہ عقائد خدا تعالیٰ کے نزدیک جھوٹے اور قرآن شریف و صحیح احادیث کے خلاف ہیں اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی درحقیقت اپنے تمام دعاوی میں خدا تعالیٰ کے نزدیک سچے ہیں تو میں دُعا کرتا ہوں کہ اے قادر و ذوالجلال خدا جو تمام زمین آسمان کا واحد مالک ہے اور ہر چیز کے ظاہر و باطن کا تجھے علم ہے۔ پس تمام قدرتیں تجھی کو حاصل ہیں تو ہی قہار اور منتقم حقیقی ہے۔ اور تو ہی علیم و خبیر و سمیع و بصیر ہے۔ اگر تیرے نزدیک مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنے دعاوی والہامات میں صادق ہیں اور جھوٹے نہیں اور میں اُن کے جھٹلانے اور تکذیب کرنے میں ناحق پر ہوں تو مجھ پر اُن کی تکذیب اور ناحق مقابلہ کی وجہ سے ایک سال کے اندر موت وارد کر یا کسی ایسے دردناک اور عبرتناک عذاب میں مبتلا کر کہ جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو۔ تاکہ لوگوں پر صاف ظاہر ہو جاتے کہ میں ناحق پر تھا اور حق و راستی کا مقابلہ کر رہا تھا جس کی پاداش میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ سزا مجھے ملی ہے۔ آمین! آمین!! آمین!!!"

نوٹ :۔ اس عبارت حلف میں اگر کوئی ایسا عقیدہ درج ہو جسے مولوی ثناء اللہ صاحب نہیں مانتے تو میرے نام ان کی دستخطی تحریر آنے پر اس عقیدہ کو اس حلف سے خارج کر دونگا۔

خاکسار عبداللہ الہ دین سکندرآباد

۱۲ر فروری ۱۹۲۳ء

نقل اشتہار مورخہ ۸ر مارچ ۱۹۲۳ء

مولوی ثناءاللہ صاحب امرتسری اور اُنکے ہم خیالوں پر آخری اتمامِ حجت

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری جو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے دعاوی والہامات کے مخالف اپنے عقائد ظاہر کرتے ہیں اور جن کے متعلق سکندرآباد و حیدرآباد میں انہوں نے بہت سے لیکچر دیتے ہیں اگر درحقیقت ان عقائد میں مولوی ثناء اللہ کے نزدیک حضرت مرزا صاحب حق پر نہیں ہیں اور جو عقائد مولوی ثناء اللہ صاحب بیان کرتے ہیں وہی سچے ہیں تو کیوں مولوی صاحب اپنے ان عقائد کو حلفاً بیان کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ مولوی ثناء اللہ صاحب خود اپنی تفسیر ثنائی جلد اول صفحہ ۱۹۳ میں لکھتے ہیں کہ گواہی نہ چھپاؤ۔ جو کوئی اس کو چھپائے گا خواہ وہ کسی غرض سے چھپاوے تو جان لو کہ اس کا دل بگڑا ہوا ہے"۔ یہ قرآن شریف کی آیت شریفہ کا ترجمہ ہے اور حکم الٰہی ہے کہ شہادت کو نہ چھپاؤ بلکہ ظاہر کرو۔ تو پھر مولوی ثناء اللہ صاحب اس حکم کی تعمیل کیوں نہیں کرتے۔ یہ شہادت ایسی تھی کہ اس

کے لئے مولوی صاحب کو محض ثواب کی خاطر بھی تیار ہو جانا چاہیئے تھا مگر جب انہوں نے ۷ر فروری ۱۹۲۳ء کے اشتہار میں دس ہزار روپیہ کا مجھ سے مطالبہ کیا۔ تو وہ بھی مَیں نے دینا منظور کیا۔ اب مَیں آخری اتمام حجت کے طور پر یہ اشتہار شائع کرتا ہوں کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب میرے اشتہار مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۲۳ء کے الفاظ و شرائط کے مطابق اب حلف اُٹھانے کو تیار ہو جائیں (ہاں اُس میں جو عقائدوہ نہ مانتے ہوں۔ وہ ان کی دستخطی تحریر آنے پر نکال دیئے جا سکتے ہیں) تو مَیں ان کو فوراً مبلغ پانسو روپیہ نقد بھی دینے کے لئے تیار ہوں جس کا مولوی صاحب حلف کے وقت ہی مطالبہ کرتے ہیں اور اگر وہ ایک سال تک موت یا عبرتناک عضبناک عذاب سے جس میں انسانی ہاتھ کا دخل نہ ہو۔ بچ جائیں تو پھر دس ہزار روپیہ انکو نقد دیا جائیگا۔ اس کے علاوہ مولوی صاحب کے ہمخیالوں میں جو کوئی صاحب ان کو اس بات کے لئے آمادہ کریں گے دو صد روپیہ ان کو بھی انعام دیا جائیگا۔ اگر اب بھی مولوی ثناء اللہ صاحب نے میرے اشتہار مورخہ ۱۲ر فروری ۱۹۲۳ء کے مطابق حلف اُٹھانے سے گریز کیا تو مولوی ثناء اللہ صاحب اور ان کے ہم خیالوں پر ہماری طرف سے ہر طرح اتمام حجت سمجھی جائیگی اور آئندہ کے لیے انکو کسی طرح کا حق حاصل نہ ہو گا کہ حضرت مرزا صاحب یا آپ کی جماعت کے عقائد پر بے جا حملے کریں مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس حلف کے لئے میں نے ابتداء سے اس لئے منتخب کیا ہے کہ انہوں نے حضرت مرزا صاحب کی کتابوں کا کافی مطالعہ کیا ہوا ہے۔ اور بذریعہ کئی مباحثات کے اُن پر حجت پوری ہو چکی ہے۔ فقط مورخہ ۱۹ر رجب ۱۳۴۱ھ مطابق ۸ر مارچ ۱۹۲۳ء۔

خاکسار عبداللہ الٰہ دین احمدی

مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو دس ہزار روپیہ انعام

پاکٹ بک کے سابق ایڈیشن کی اشاعت کے وقت جناب سیٹھ صاحب مذکور نے ہمیں اختیار دیا تھا کہ ہم اس انعامی اعلان کو پھر شائع کریں۔ "یہ خاکسار اُن کو وہی حلف اُٹھانے کی دعوت دیتا ہے اور پھر اُن کے لیے پہلے کی طرح ایک انعام پانصد روپیہ کا اور دوسرا دس ہزار روپیہ کا مقرر کرتا ہے۔ اور ہمارے غیر احمدی بھائیوں میں سے جو شخص بھی ان کو حلف اُٹھانے کے لئے آمادہ کریگا اس کے لیے بھی حسب سابق دوسو روپیہ انعام تیار ہے۔ اب بھی اگر مولوی ثناء اللہ صاحب نے حلف اُٹھانے سے گریز کیا۔ تو اے آسمان و زمین تم گواہ رہو کہ ہم نے ہر طرح سے سلسلہ عالیہ احمدیہ کے مخالفین و منکرین پر اتمام حجت کردی۔ اب ان کے اور خدا کے درمیان معاملہ ہے۔"

اُس وقت ہم نے لکھا تھا کہ "ہم اپنی بصیرت کی بناء پر کہتے ہیں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اب بھی اپنی مخصوص حیلہ بازی کے ذریعہ لیت و لعل کرتے رہیں گے اور ہرگز حلف مؤکد بعذاب اُٹھانے پر آمادہ نہیں ہونگے۔ چنانچہ ہماری بصیرت درست ثابت ہوئی۔ اس ایڈیشن کی اشاعت کے وقت وہ حسرتناک موت مر چکے ہیں۔ کیا کوئی ہے جو جماعتِ احمدیہ کی صداقت کے اس واضح اور کھلے نشان سے فائدہ

اُٹھاتے۔ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَشِیْدٌ۔ سچ ہے جیساکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"سنت اللہ یہی ہے کہ وہ ہزاروں نکتہ چینیوں کا ایک ہی جواب دے دیتا ہے یعنی تائیدی نشانوں سے مقرب ہونا ثابت کر دیتا ہے۔ تب جیسے نُور کے نکلنے اور آفتاب کے طلوع ہونے سے یکلخت تاریکی دُور ہو جاتی ہے ایسا ہی تمام اعتراضات پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ سو مَیں دیکھتا ہوں کہ میری طرف سے بھی خدا یہی جواب دے رہا ہے۔ اگر مَیں سچ مچ مفتری اور خائن اور بدکار اور دروغگو تھا تو پھر میرے مقابلہ سے اِن لوگوں کی جان کیوں نکلتی ہے؟ بات سہل تھی کہ کسی آسمانی نشان کے ذریعہ سے میرا اور اپنا فیصلہ خدا پر ڈال دیتے۔ اور پھر خدا کے فعل کو بطور ایک حَکَم کے فعل کے مان لیتے مگر ان لوگوں کو تو اس مقابلہ کا نام سُننے سے بھی موت آتی ہے"

(اربعین نمبر ۴ صفحہ ۱۹)

نوٹ:۔ سابق ایڈیشن محمدیہ پاکٹ بک میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے عذر کیا ہے کہ مَیں کئی کئی مرتبہ پہلے مطبوعہ حلف کھا چکا ہوں۔ سو یاد رہے کہ یہ صریحاً جھوٹ ہے، مولوی صاحب نے آجتک کبھی مؤکد بعذاب حلف نہیں اُٹھائی جس کا ان سے مطالبہ ہے، نیز ان کا یہ کہنا کہ مَیں اس شرط پر حلف اُٹھاؤنگا کہ حضرت امیر المومنین مجھے یہ بات لکھ دیں محض دفع الوقتی ہے۔ کیونکہ مطالبۂ حلف حضرت صاحب کی طرف سے نہیں جناب سیٹھ صاحب کا ذاتی مطالبہ ہے اور انعام بھی انہی کی طرف سے مقرر ہے۔

خادم

ضروری یادداشت

پاکٹ بک ہذا میں فردوس الاخبار دیلمی کے جس قدر حوالے ہیں اُن کا نمبر صفحہ اس نسخہ کے مطابق ہے جو کتبخانہ آصفیہ نظام حیدر آباد دکن میں موجود ہے اور جس کا نمبر "۲۱۴ فن حدیث" ہے۔ اس کا ثبوت کہ حوالے درست ہیں وہ مصدقہ نقل ہے جس پر مہتمم صاحب کتبخانہ آصفیہ کے دستخط ہیں جو خاکسار خادم کے پاس محفوظ ہے اس کی نقل مطابق اصل درج ذیل ہے۔

"نقل عبارت فردوس الاخبار صحیح ہے مقابلہ کیا گیا۔ دستخط سید عباس حسین مہتمم کتبخانہ آصفیہ سرکار عالی ۲۲ر جمادی الاوّل ۱۳۵۲ھ حیدر آباد دکن" اصل تحریر جو چاہے مجھ سے دیکھ سکتا ہے۔

۲۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ کتاب کا اصل نام "دیلمی" دال کے ساتھ ہے۔

۳۔ دیلمی مشہور محدث گذرا ہے۔ وفات ۵۰۹ھ علامہ ذہبیؒ نے تذکرۃ الحفاظ میں اسکے متعلق هُوَ حَسَنُ الْمَعْرِفَةِ فِي الْحَدِيْثِ لکھا ہے۔ نیز کشف الظنون جلد ا صفحہ ۱۸۲ پر بھی اسکا ذکر ہے اس سے مشکوٰۃ اور سیوطی وغیرہ نے روایت لی ہے۔ خادم

یادداشت ۲:۔ مَیں نے "حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر اعتراضات کے جوابات" کو چار ابواب پر تقسیم کیا ہے جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

باب اوّل :- "الہامات پر اعتراضات کے جوابات" اس باب میں الہامات پر تمام اعتراضات کے جوابات درج ہیں۔ اس حصہ کے آخر میں الہامات کے متعلق اعتراضات کے جوابات درج ہیں۔ مثلاً یہ کہ حضرت اقدسؑ کو غیر زبان میں کیوں الہامات ہوتے۔ بعض الہامات کے معنے سمجھ نہ سکے۔ آپ کو شیطانی الہام ہوتے تھے۔ آپ کو بعض دفعہ الہام بھول جاتا تھا۔ غرضیکہ الہامات کے متعلق اصُولی اعتراضات کے جوابات بھی اس باب اوّل کے آخر میں درج ہیں۔

باب دوم :- "پیشگوئیوں پر اعتراضات کے جوابات" اس میں پیشگوئیوں پر بحث ہے۔ مثلاً محمدی بیگم ثناء اللہ۔ عبدالحکیم۔ اپنی عمر کے متعلق۔ منظور محمد صاحب کے ہاں بیٹا ہونا۔ عبداللہ آتھم۔ ایمان بٹالوی۔ قادیان میں طاعون۔ محمد حسین بٹالوی کی ذلت اور نافلۃ لک والی پیشگوئی۔

باب سوم :- حضرت صاحب کی تحریرات پر اعتراضات اور انکے جوابات۔ اس باب میں تمام وہ اعتراضات درج ہیں جن کا تعلق حضرت صاحب کی تحریرات کے ساتھ ہے۔ مثلاً شعر کہنا۔ تحریرات میں صحت حوالجات۔ جھوٹ کا الزام براہین احمدیہ کا روپیہ یا وعدہ خلافی۔ سخت کلامی۔ و تناقضات۔ بعض ایسے امور کا آپ کی تحریرات میں ہونا جس کو مخالفین خلافِ قدرت و عقل قرار دیتے ہیں۔ مثلاً بکرے کا دودھ دینا وغیرہ۔ سو اس باب میں تمام ایسے اعتراضات کا جواب ہے۔ خصوصاً غلط حوالوں۔ جھوٹ اور تناقضات جہاد انگریز کی خوشامد کے الزامات یا توہین فاطمہؓ و حسینؓ و مریمؑ۔ یا دعوٰیٔ فضیلت بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ الزامات کا جواب اسی باب میں ہے۔

باب چہارم :- حضرت اقدسؑ کی ذات پر اعتراضات کے جواب۔ اس باب میں ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جن کا تعلق حضرت اقدسؑ کی ذات یا جسم کے ساتھ ہے۔ مثلاً آپ کا نام ابن مریم نہ ہونا۔ جائے نزول۔ آپ پر کُفر کا فتویٰ لگنا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر میں دفن نہ ہونا۔ بیمار ہونا۔ کسرِ صلیب۔ صاحبِ شریعت نہ ہونا۔ کسی کا شاگرد ہونا۔ حج نہ کرنا۔ الزام مراق۔ ملازمت۔ مخالفین کے لیے بد دُعا کرنا۔ ادویہ کا استعمال۔ سو ان اعتراضات پر بحث اسی باب چہارم میں ہے اگر آپ اس تقسیم کو ذہن نشین کر لیں تو آپ کو عندالضرورت حسبِ خواہش مضمون تلاش کرنے میں بہت آسانی رہے گی۔

خادمؔ

حصّہ دوم

صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

پر

غیر احمدی علماء کے اعتراضات کے جوابات

الہامات پر اعتراضات

۱- اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ -

●

جواب: ا- حضرت مسیح موعودؑ نے اِس کو "استعارہ" قرار دیا ہے (حقیقۃ الوحی ص۸۶ حاشیہ) "تَفْسِیْرُ الْقَوْلِ بِمَا لَا یَرْضٰی بِہٖ قَائِلُہٗ" درست نہیں ہوتی۔

ب - عربی زبان میں یہ محاورہ اتحاد و محبت کے معنوں میں مستعمل ہے۔ قرآن میں ہے۔ مَنْ شَرِبَ مِنْہُ فَلَیْسَ مِنِّیْ (البقرۃ: ۲۵۰) یعنی جو اس نہر میں سے پانی پئے گا وہ مجھ سے نہیں اور فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّہٗ مِنِّیْ (ابراھیم: ۳۷) یعنی جو میری پیروی کریگا وہ مجھ سے ہوگا۔

ج - حدیث شریف میں بھی ہے:- (۱) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو فرمایا۔ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْکَ (مشکوٰۃ باب المناقب ص۵۶۴ و بخاری جلد ۲ کتاب الصلح باب کَیْفَ یُکْتَبُ ھٰذَا)۔

(۲) اشعری قبیلہ کو فرمایا۔ "ھُمْ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْھُمْ" (بخاری جلد ۳ ص۱۰ باب قدوم الاشعرین قصہ عمان و البحرین۔ و ترمذی جلد ۲ ص۲۳۴ مجتبائی و بخاری جلد ۲ ص۲۷ کتاب المظالم باب شرکت فی الطعام) یعنی وہ مجھ سے ہیں اور مَیں اُن سے۔

(۳) حدیث میں ہے:- اَنَا مِنَ اللہِ عَزَّ وَجَلَّ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ فَمَنْ اٰذٰی مُؤْمِنًا فَقَدْ اٰذَانِیْ وَمَنْ اٰذَانِیْ فَقَدْ اٰذَی اللہَ عَزَّ وَجَلَّ (فردوس الاخبار دیلمی ص۱۱ باب الالف راوی حضرت عبداللہ بن جرادؓ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں خدائے عزّ و جلّ سے ہوں اور مومن مجھ سے ہیں پس جو شخص کسی مومن کو ایذا دیتا ہے وہ مجھ کو ایذا دیتا ہے اور جو مجھ کو ایذا دیتا ہے اُس نے گویا خدا کو ایذا پہنچائی۔

(۴) مندرجہ ذیل حدیث اِس سے بھی واضح ہے۔ یَقُوْلُ اللہُ عَزَّ وَجَلَّ اَلسَّخِیُّ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْہُ (فردوس الاخبار دیلمی ص۲۹۱ سطر ۴ باب الیا۔ راوی انسؓ بن مالک) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ سخی مجھ سے ہے اور مَیں سخی سے ہوں۔" اس حوالہ میں اللہ تعالیٰ "مِنْ" کا محاورہ انسانوں کے متعلق استعمال فرمایا ہے۔

(۵) ایک اور حدیث میں ہے۔ "اَلْعَبْدُ مِنَ اللّٰہِ وَھُوَ مِنْہُ" (بیہقی فی شعب الایمان بحوالہ جامع الصغیر امام سیوطیؒ باب العین جلد ۲ صفحہ ۶۵ مصری) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام یا بندہ خدا میں سے ہے۔ اور خدا بندے سے ہے۔

(۶) ایک اور روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اَبُوْ بَکْرٍ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْہُ" (فردوس الاخبار دیلمی بحوالہ جامع الصغیر امام سیوطیؒ باب الالف جلد ۱ صفحہ ۵)۔

(۷) ایک اور حدیث ہے:۔ "اِنَّ الْعَبَّاسَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْہُ" (مسند امام احمد بن حنبلؒ بحوالہ کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق مصنفہ امام عبدالروف المناوی باب الالف برحاشیہ جامع الصغیر جلد ۱ صفحہ ۵۹ مصری)۔

(۸) ایک حدیث میں ہے:۔ "بَنُوْ نَاجِیَۃٍ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْھُمْ" (کنوز الحقائق باب الباء برحاشیہ جامع الصغیر جلد ۱ صفحہ ۹۹)

د۔ دیگر حوالے:۔

(۱) تفسیر بیضاوی میں آیت مَنْ شَرِبَ مِنْہُ فَلَیْسَ مِنِّیْ (البقرۃ: ۲۵۰) کی شرح میں لکھا ہے:۔ "اَلَیْسَ بِمُتَّحِدٍ بِیْ" (بیضاوی زیر آیت بالا مطبوعہ مطبع احمدی جلد ۱ صفحہ ۱۸۱) یعنی جو پانی پیئے گا اُسکا مجھ سے اتحاد نہ ہوگا۔

(۲) تفسیر ابی السعود میں آیت بالا کے ماتحت لکھا ہے:۔

"لَیْسَ بِمُتَّصِلٍ بِیْ وَ مُتَّحِدٍ مَعِیْ مِنْ قَوْلِھِمْ فُلَانٌ مِنِّیْ کَانَّہٗ بَعْضُہٗ لِکَمَالِ اِخْتِلَاطِھِمَا" (برحاشیہ تفسیر کبیر امام رازی جلد ۲ صفحہ ۴۲۰)

(۳) حدیث کی شرح میں لکھا ہے:۔ قَوْلُہٗ ھُمْ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْھُمْ۔ یُرَادُ بِہِ الْاِتِّصَالُ اَیْ ھُمْ مُتَّصِلُوْنَ بِیْ (حاشیہ بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۲۹ مطبع ہاشمی میرٹھ) کہ اس سے مراد اتصال ہے یعنی وہ میرے قریب ہیں۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم حسن خلق اور پرہیزگاری کے متعلق فرمایا:۔ "ثَلَاثٌ مَنْ لَمْ تَکُنْ فِیْہِ فَلَیْسَ مِنِّیْ وَلَا مِنَ اللّٰہِ" (معجم صغیر طبرانی صفحہ ۱۲۶)

(۵) وفیات الاعیان لابن خلکان میں ہے:۔ بَلْ ھٰذَا کَمَا یُقَالُ مَا اَنَا مِنْ فُلَانٍ وَلَا فُلَانٌ مِنِّیْ یُرِیْدُوْنَ بِہِ الْبُعْدَ مِنْہُ وَ النُّفْرَۃَ وَ مِنْ ھٰذَا قَوْلُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَلَدُ الزِّنَا لَیْسَ مِنَّا وَ عَلِیٌّ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْہُ۔ (وفیات الاعیان جلد ۱ ذکر ابوتمام الطائی) کہ ابوتمام کا قول لَسْتُ مِنْ سَعُوْدٍ اسی طرح ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ میں فلاں آدمی سے نہیں ہوں۔ اور نہ وہ مجھ سے ہے۔ اہل زبان کی مراد اس سے اُس شخص سے بُعد اور نفرت کا اظہار ہوتا ہے اور ایسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ولد الزنا ہم میں سے نہیں اور یہ کہ علیؓ مجھ سے ہے اور میں علیؓ سے ہوں۔

(۶) عرب شاعر عمرو بن شاش اپنی بیوی سے کہتا ہے۔ ع

فَاِنْ کُنْتِ مِنِّیْ اَوْ تُرِیْدِیْنَ صُحْبَتِیْ۔ (حماسہ مجتبائی صفحہ ۳)

کہ اگر تو مجھ سے ہے اور میری مصاحبت چاہتی ہے۔

پس اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ کا مطلب یہ ہے کہ تجھے مجھ سے محبت ہے اور مجھے تجھ سے تیرا وہی مقصد ہے جو میرا ہے۔

(۷) مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری آیت مَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّیْ (البقرۃ: ۲۵۰) کا ترجمہ اپنی تفسیر ثنائی میں یوں کرتے ہیں:۔ "جو شخص اِس نہر سے پانی پئے گا وہ میری جماعت سے نہ ہوگا۔ اور جو نہ پئے گا تو وہ میرا ہی ہوگا۔" (تفسیر ثنائی جلد ا ص۱۹۵)

۲- ۵- اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ اَوْلَادِیْ

ب- اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ

جواب:۱۔ حضرت مرزا صاحبؑ فرماتے ہیں:۔

"خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ ص۸۹)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"یاد رہے کہ خدا تعالیٰ بیٹوں سے پاک ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ بیٹا ہے اور نہ کسی کو حق پہنچتا ہے کہ وہ یہ کہے کہ میں خدا ہوں۔ یا خدا کا بیٹا ہوں، لیکن یہ فقرہ اس جگہ قبیلِ مجاز اور استعارہ میں سے ہے۔ خدا تعالیٰ قرآن شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہاتھ قرار دیتا ہے اور فرمایا يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ (الفتح: ۱۱) ایسا ہی بجائے قُلْ يٰعِبَادِ اللّٰهِ (یعنی کہہ دے اے اللہ کے بندو! خادم) کے قُلْ يَا عِبَادِیْ (الزمر: ۵۴) (یعنی اے نبی! ان سے کہہ۔ اے میرے بندو!) اور یہ بھی فرمایا۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ (البقرۃ: ۲۰۱) پس اِس خدا کے کلام کو ہشیاری اور احتیاط سے پڑھو اور از قبیل متشابہات سمجھ کر ایمان لاؤ۔ اور یقین رکھو کہ خدا اتخاذ ولد سے پاک ہے اور میری نسبت بینات میں سے یہ الہام ہے جو براہین احمدیہ میں درج ہے۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰى اِلَیَّ اَنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَالْخَيْرُ كُلُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ (اربعین ۲ ص۴ بحوالہ براہین احمدیہ ص۱۱۷) (یعنی کہہ دے کہ میں بھی تمہاری طرح ایک انسان ہوں جس پر وحی ہوتی ہے۔ بیشک تمہارا ایک ہی خدا ہے اور سب خیر و خوبی قرآن میں ہے۔)" (دافع البلاء۔ حاشیہ ص۶ تذکرہ ص۳۹۷)

۲۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ کہ خدا کو اِس طرح یاد کرو جس طرح تم اپنے باپوں کو یاد کرتے ہو۔ گویا خدا ہمارا باپ نہیں ہے مگر بمنزلہ باپ ہے۔ جس طرح ایک بیٹا اپنا ایک ہی باپ مانتا ہے اور اس رنگ میں اُس کی توحید کا قائل ہوتا۔ اسی طرح خدا بھی چاہتا ہے کہ اس کو "وحدہٗ لاشریک" یقین کیا جائے اور جو اس رنگ میں خدا تعالیٰ کی توحید کا قائل اور اُس کے لئے غیرت رکھنے والا ہو۔ وہ خدا تعالیٰ کو بمنزلہ اولاد ہوگا

۳۔ الہام میں اَنْتَ وَلَدِیْ نہیں بلکہ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِیْ ہے۔ جو صریح طور پر خدا کے بیٹے کی نفی کرتا ہے۔

۴۔ حدیث میں ہے اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ فَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَى اللّٰهِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰى عِيَالِهٖ

(مشکوۃ باب الشفعۃ مطبع نظامی صـ۳۶۳ و مطبع مجتبائی صـ۴۲۵) کہ تمام لوگ اللہ کا کنبہ ہیں۔ پس بہترین انسان وہ ہے جو خدا کے کنبہ کے ساتھ بہترین سلوک کرے۔

(ب) "اِنَّ الْفُقَرَآءَ عِیَالُ اللّٰہِ" (تفسیر کبیر امام رازیؒ جلد ۴ صـ۶۲۳ مطبوعہ مصر) کہ غرباء خُدا کے "بال بچے" یا کنبہ ہیں۔ (نیز دیکھو جامع الصغیر امام سیوطیؒ مطبوعہ مصر جلد ۲ صـ۱۲)

۵۔ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی لفظ "ابن اللہ" کے متعلق لکھتے ہیں:۔ "اگر لفظ ابناء بجائے محبوبان ذکر شدہ باشد چہ عجب" (الفوز الکبیر صـ۶۔ نیز دیکھو الحجۃ البالغۃ باب ۳۶ جلد ا اردو ترجمہ موسومہ بہ شموس اللہ البازغہ مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور جلد ا صـ۱۰۹ فرماتے ہیں:۔ "فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ لَمْ يَفْطَنُوا الْوَجْهَ التَّسْمِيَةِ وَكَادُوْا يَجْعَلُوْنَ الْبُنُوَّةَ حَقِيْقَةً"۔ یعنی ابتدائی نصاریٰ کے بعد اُن کے ناخلف پیدا ہوئے۔ جنہوں نے مسیح علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کی وجہ تسمیہ کو نہ سمجھا۔ اور وہ بیٹے کے لفظ سے حقیقی معنوں میں بیٹا سمجھے۔"

۶۔ جناب مولوی رحمت اللہ صاحب مہاجر مکی اپنی کتاب "ازالۃ الاوہام" میں فرماتے ہیں:۔

"فرزند عبارت از عیسیٰ علیہ السلام است کہ نصاریٰ آنجناب را حقیقۃً ابن اللہ میدانند و اہلِ اسلام ہمہ آنجناب را ابن اللہ بمعنی عزیز و برگزیدۂ خدامی شمارند۔" (ازالۃ الاوہام صـ۵۲۰)

کہ فرزند سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ جن کو عیسائی خدا کا حقیقی بیٹا سمجھتے ہیں۔ مگر تمام اہلِ اسلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو "ابن اللہ" بمعنی خدا کا پیارا و برگزیدہ مانتے ہیں۔ گویا "ابن اللہ" کے معنے خدا کا پیارا اور برگزیدہ ہوئے۔ اور ان معنوں میں مسلمان بھی مسیح کو ابن اللہ مانتے ہیں۔

۳۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ تَوْحِيْدِیْ وَتَفْرِيْدِیْ

جواب (۱) "توحید" اور "تفرید" مصدر ہیں۔ جن کا ترجمہ ہوگا۔ "واحد جاننا" اور "یکتا جاننا"۔ پس الہام کا مطلب یہ ہے کہ تو خدا کو واحد اور یکتا جاننے کے مقام پر ہے۔ یعنی اپنے زمانہ میں سب سے بڑا موحد ہے۔ فلا اعتراض؟

(۲) حضرت مرزا صاحبؑ نے اس کے معنے یہ بیان کئے ہیں:۔

"تو مجھ سے ایسا ہی قرب رکھتا ہے اور ایسا ہی میں تجھے چاہتا ہوں جیسا کہ اپنی توحید اور تفرید کو۔" (اربعین ۳ صـ۲۵)

(۳) حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے:۔

"تاج کرامت میرے سر پر رکھ کر توحید کا دروازہ مجھ پر کھول دیا۔ جب مجھ کو میری صفات کے اُس کی صفات میں مِل جانے کی اطلاع ہوئی تو اپنی خودی سے مشرف فرما کر اپنی بارگاہ سے میرا نام رکھا۔ دُوئی اُٹھ گئی اور یکتائی ظاہر ہوگئی۔ پھر فرمایا کہ جو تیری رضا وہی میری رضا ہے۔۔۔۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ ظاہر و باطن سرائے بشریت کو خالی پایا۔ سینۂ ظلمانی میں ایک سوراخ کھول دیا۔ مجھ کو تجرید اور توحید کی زبان دی۔ تو اب ضرور میری زبان لُطفِ صمدی سے اور میرا دل نُورِ ربانی سے

اور آنکھ صنعت یزدانی سے ہے۔ اُسی کی مدد سے کہتا ہوں اور اُسی کی قوت سے پھرتا ہوں۔ جب اُس کے ساتھ زندہ ہوں تو ہرگز نہ مرونگا۔ جب اِس مقام پر پہنچ گیا۔ تو میرا اشارہ ازلی ہے اور عبادت ابدی میری زبان، زبانِ توحید ہے اور رُوح، رُوحِ تجرید۔ اپنے آپ سے نہیں کہتا کہ بات کرنے والا ہوں اور نہ آپ کہتا ہوں کہ ذکر کرنے والا ہوں۔ زبان کو وہ حرکت دیتا ہے۔ مَیں درمیان میں ترجمان ہوں حقیقت میں وہ ہے نہ مَیں "

{ ظہیر الاصفیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء۔ چودھواں باب۔ ذکر معراج شیخ بایزید بسطامیؒ مطبوعہ مطبع اسلامیہ لاہور "بارسوم" صفحہ ۱۵۶، ۱۵۷۔ و تذکرۃ الاولیاء۔ اردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز مطبوعہ مطبع علمی لاہور صفحہ ۱۳۰ }

نوٹ :۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم شخصیت کے متعلق نوٹ دوسری جگہ زیر عنوان "حجراسود منم" صفحہ ۶۶۲ و ۶۴۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

۴۔ اَنْتَ مِنْ مَّآءِ نَا وَهُمْ مِّنْ فَشَلٍ

جواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کا یہ مفہوم بتایا ہے :۔

"اس جگہ پانی سے مراد ایمان کا پانی۔ استقامت کا پانی۔ تقویٰ کا پانی۔ وفا کا پانی۔ صدق کا پانی حُبُّ اللّٰہ کا پانی جو خدا سے ملتا ہے۔ اور فشل بُزدلی کو کہتے ہیں جو شیطان سے آتی ہے "

(انجام آتھم حاشیہ ص۵۶)

۲۔ قرآن مجید میں ہے :۔ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ (الانبیاء: ۳۸) اس کی تفسیر میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ :۔

اِنَّهٗ لِكَثْرَةِ عَجَلِهٖ فِيْ اَحْوَالِهٖ كَاَنَّهٗ خُلِقَ مِنْهُ ۔ (جلالین مجتبائی ص۲۵)

کہ انسان اپنی مختلف حالتوں میں بڑی جلد بازی سے کام لیتا ہے۔ گویا کہ اُسی سے پیدا ہوا۔ یہ نہیں کہ انسان جلدی کا بیٹا ہے۔

۳۔ خدا کا پانی الہام الٰہی اور محبت الٰہی کو بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی نے فرمایا ہے ؎

ایک عالَم مرگیا ہے تیرے پانی کے بغیر
پھیر دے اَے میرے مولیٰ اِسطرف دریا کی دھار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۹)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

فَاِنْ شِئْتَ مَآءَ اللّٰهِ فَاقْصُدْ مَنَاهِلِيْ
فَيُعْطِيْكَ مِنْ عَيْنٍ وَّ عَيْنٌ تُنَوَّرُ

(کرامات الصادقین ص۳۹)

اگر تو خدا کا پانی چاہتا ہے تو میرے چشمے کی طرف آ۔ پس تجھ کو چشمہ دیا جائیگا۔ نیز وہ آنکھ بھی بخشی جو نورانی ہو گی۔ (نیز دیکھو درثمین عربی صـ۳۳) اس جگہ بھی "خدا کے پانی" سے مراد رضائے الٰہی ہے۔ پس الہام مندرجہ عنوان میں بھی یہی مُراد ہے۔

۵۔ رَبُّنَا عَاجٌّ

جواب:۔ یہ لفظ "عاج" (ہاتھی دانت) نہیں بلکہ "عَاجٌّ" بہ تشدید ج ہے جس کا ترجمہ پکارنے والا۔ آواز دینے والا ہے۔ یہ لفظ عج سے مشتق ہے۔ دیکھئے لُغت میں "عَجَّ۔ عَجًّا وَعَجِیْجًا آواز کرو۔ بانگ کرو۔ وَمِنْهُ الْحَدِیْثُ اَفْضَلُ الْحَجِّ اَلْعَجُّ وَالثَّجُّ۔ یعنی برداشتن آواز بہ تلبیہ وقربان کردن ہدیہ را (منتہی العرب والفرائد الدریہ) کہ عَجَّ عَجًّا وَعَجِیْجًا کے معنے آواز دینے اور پکارنے کے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ حج میں افضل ترین آواز دینا (تلبیہ اور لبیک کہنا) اور قربانی دینا ہے۔ الہام کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا خدا دنیا کو اپنی طرف بلاتا ہے۔

۶۔ اِسْمَعْ وَلَدِیْ

اے میرے بیٹے سن! (البشریٰ جلد ۱ صفحہ ۴۹)

جواب۔ ا۔ یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کا کوئی الہام اِسْمَعْ وَلَدِیْ ہے حضرت کی کسی کتاب سے دکھاؤ اور انعام لو۔

ب۔ حضرت اقدس علیہ السلام کا الہام تو اَسْمَعُ وَاَرٰی ہے کہ مَیں اللہ سُنتا بھی ہوں اور دیکھتا بھی ہوں (مکتوبات احمدیہ جلد ۱ صـ۲۳۔ نیز انجام آتھم صـ۵۴) (اَسْمَعُ وَاَرٰی قرآن مجید کی آیت ہے طٰہٰ:۴۷)

ج۔ معترض نے جس کتاب کا حوالہ دیا ہے وہ حضرت اقدس علیہ السلام کی تالیف یا تصنیف نہیں بلکہ بابو منظور الٰہی کی مرتبہ ہے۔ اس میں انہوں نے جلد ۱ صـ۴۹ پر حوالہ دیا ہے کہ حضرت مرزا صاحب کے مکتوبات جلد ۱ صـ۲۳ سے یہ الہام نقل کیا گیا ہے مگر اصل کتاب مکتوبات میں "اِسْمَعْ وَلَدِیْ" نہیں بلکہ "اَسْمَعُ وَاَرٰی" ہے۔ بابو منظور الٰہی صاحب کی مرتبہ کتاب البشریٰ میں کاتب کی غلطی سے وَاَرٰی کی بجائے وَلَدِیْ بن گیا۔ حضرت اقدسؑ کی کسی کتاب میں "وَلَدِیْ" نہیں ہے۔ بابو منظور الٰہی صاحب نے "الفضل" جلد ۹ صـ۹۶ میں اس غلطی کا اعتراف کیا ہے۔ کہ البشریٰ جلد ۱ صـ۴۹ سطر ۱۰ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام غلطی سے "اَسْمَعُ وَاَرٰی" کی بجائے اِسْمَعْ وَلَدِیْ چھپا ہے اور ترجمہ بھی غلط کیا گیا ہے۔

۷۔ اَنْتَ اِسْمِیَ الْاَعْلٰی

یعنی تو میرا سب سے بڑا نام یعنی خُدا ہے

جواب ا۔ ترجمہ غلط ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس کا ترجمہ کر دیا ہے۔ "تو میرے

اسم اعلیٰ کا مظہر ہے یعنی ہمیشہ تجھکو غلبہ رہیگا۔"

(تریاق القلوب ملہ تقطیع کلاں ص۱۹۲ مطبوعہ ۱۹۲۲ء وص۱۹۲ شائع کردہ بکڈپو)

۲۔ گویا اس الہام میں قرآن مجید کی اِس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ۔ خدا نے لکھ چھوڑا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ہی غالب رہیں گے۔

۳۔ حضرت غوث الاعظم سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو مندرجہ ذیل الہام الٰہی ہوا:۔

"فَجَاءَ الْخِطَابُ مِنَ الرَّبِّ الْقَدِیْرِ اُطْلُبْ مَا تَطْلُبُ فَقَدْ اَعْطَیْنَاکَ عِوَضًا عَنْ اِنْکِسَارِ قَلْبِکَ.... فَجَاءَہُ الْخِطَابُ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْقَدِیْرِ جَعَلْتُ اَسْمَاءَ لَکَ مِثْلَ اَسْمَائِیْ فِی الثَّوَابِ وَالتَّاثِیْرِ وَمَنْ قَرَأَ اِسْمًا مِنْ اَسْمَائِکَ فَھُوَ کَمَنْ قَرَأَ اِسْمًا مِنْ اَسْمَائِیْ۔" (رسالہ حقیقۃ الحقائق بحوالہ کتاب مناقب تاج الاولیاء و برہان الاصفیاء القطب الربانی والغوث الصمدانی السید عبدالقادر الکیلانی۔ مصنفہ علامہ عبدالقادر بن محی الدین الاربلی مطبوعہ مطبع عیسیٰ البابی الحلبی مصر ص۱۷) اللہ تعالیٰ نے حضرت سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ "تیرے دل کے انکسار کے باعث میں تجھے یہ کہتا ہوں کہ جو تُو چاہتا ہے مانگ وہ میں تجھے دُونگا۔ ..... پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو مخاطب کرکے فرمایا کہ (اے عبدالقادر!) میں نے ثواب اور تاثیر میں تیرے ناموں کو اپنے ناموں کی طرح بنا دیا ہے پس جو شخص تیرے ناموں میں سے کوئی نام لیگا۔ گویا اُس نے میرا نام لیا۔

۴۔ حضرت محی الدین ابن عربیؒ اپنی کتاب "فصوص الحکم" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"حضرت امیرالمومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہٗ.... خطبہ لوگوں کو سُنا رہے تھے کہ میں ہی اسم اللہ سے لفظ دیا گیا ہوں اور میں ہی اس اللہ کا پہلو ہوں جس میں تم نے افراط و تفریط کی ہے اور میں ہی قلم ہوں اور میں ہی لوح محفوظ ہوں۔ اور میں ہی عرش ہوں۔ اور میں ہی کُرسی ہوں اور میں ہی ساتوں آسمان ہوں اور میں ہی ساتوں زمین ہوں۔" (فصوص الحکم مترجم اُردو شائع کردہ شیخ جلال الدین سراج دین تاجران کتب لاہور ۱۳۲۱ھ مطبوعہ مطبع مجتبائی ص۶ وص۶۱ مقدمہ فصل ششم "عالم انسانی کی حقیقت")

۵۔ "اِسم" کے معنے اس الہام میں "صفت" کے ہیں۔ جیسا کہ اس حدیث میں "اِنَّ لِیْ اَسْمَاءَ.... اَنَا الْمَاحِیْ" کہ میرے کئی نام ہیں ..... میں ماحی ہوں جس سے کُفر کو مٹایا جائیگا۔ یہ آنحضرت صلعم کی صفت ہے۔ پس اس الہام میں اس صفت کی طرف اشارہ ہے جو "اعلیٰ" یعنی سب پر غالب آنے والی ہے۔ چونکہ ہر نبی خدا کی اِس صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اس صفت کا مظہر قرار دیا ہے۔

۸۔ اِعْمَلْ مَاشِئْتَ فَاِنِّیْ قَدْ غَفَرْتُ لَکَ

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ لَعَلَّ اللّٰہَ اِطَّلَعَ عَلٰی اَھْلِ بَدْرٍ فَقَالَ

اِعْمَلُوْا مَا شِئْتُمْ فَقَدْ وَجَبَتْ لَکُمُ الْجَنَّۃُ اَوْ قَدْ غَفَرْتُ لَکُمْ (بخاری کتاب المغازی باب فضل مَنْ شَہِدَ بَدْرًا جلد ۳ صہ مطبع الہیہ مصر۔ ومسلم باب فضائل اہل بدر جلد ۲ صفحہ ۳۵۹ و مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۵۷۶) کہ اللہ تعالیٰ اہل بدر پر واقف ہوا۔ اور کہا کہ جو چاہو کرو۔ اب تم پر جنت واجب ہوگئی یا یہ فرمایا کہ مَیں نے تم کو بخشدیا۔

ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کے مقبولوں پر ایک وہ حالت آتی ہے جب بدی اور گناہ سے اُن کو انتہائی بُعد ہو جاتا ہے۔ اور اس پر انتہائی کراہت اُنکی فطرت میں داخل کر دی جاتی ہے۔ فلا اعتراض۔

۲۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس الہام کی تفسیر فرمادی ہے۔ "اس فقرہ کا یہ مطلب نہیں کہ نہیاتِ شرعیہ تجھے حلال ہیں۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ تیری نظر میں نہیات مکروہ کئے گئے ہیں اور اعمالِ صالحہ کی محبت تیری فطرت میں ڈالی گئی ہے۔ گویا جو خدا کی مرضی ہے وہ بندے کی مرضی بنائی گئی ہے۔ اور سب ایمانیات اس کی نظر میں بطور فطرتی تقاضا کے محبوب کی گئیں۔ وَذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (المائدۃ: ۵۵)

(براہین احمدیہ جلد ۴ صفحہ ۵۶۱ حاشیہ در حاشیہ ۳ نیز تقریر حضرت اقدس الحکم جلد ۷ نمبر ۲۱ صفحہ ۲)

۹۔ کُنْ فَیَکُوْنُ

جواب ۱۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام تو ہے مگر اس کے پہلے "قُلْ" محذوف ہے جس طرح سورۃ الفاتحہ کے پہلے "قُلْ" محذوف ہے یعنی یہ خدا تعالیٰ نے اپنے متعلق فرمایا ہے۔ یہ اعتراض تو ایسا ہی ہے۔ جیسے کوئی آریہ یا عیسائی کہدے کہ دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ خدا بھی میری عبادت کرتا ہے۔ کیونکہ خدا اسکو کہتا ہے۔ اِیَّاکَ نَعْبُدُ۔ ماھو جوابکم فھو جوابنا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ خدا کا کلام ہے جو میرے پر نازل ہوا۔ میری طرف سے نہیں ہے"۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۰۴)

۲۔ اگر مندرجہ بالا جواب تسلیم نہ کرو۔ تو حضرت "پیرانِ پیر" جناب سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد پڑھ لو:۔

ا۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ بَعْضِ کُتُبِہٖ یَا ابْنَ اٰدَمَ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا اَقُوْلُ لِلشَّیْءِ کُنْ فَیَکُوْنُ اَطِعْنِیْ اَجْعَلْکَ تَقُوْلُ لِلشَّیْءِ کُنْ فَیَکُوْنُ وَقَدْ فَعَلَ ذٰلِکَ بِکَثِیْرٍ مِّنْ اَنْبِیَآئِہٖ وَخَوَاصِّہٖ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ۔

(فتوح الغیب مقالہ ۱۶ و بر حاشیہ قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱)

ب۔ ثُمَّ یُرَدُّ عَلَیْکَ التَّکْوِیْنُ فَتُکَوِّنُ بِالْاِذْنِ الصَّرِیْحِ الَّذِیْ لَا غُبَارَ عَلَیْہِ۔

(ایضاً)

ہر دو عربی عبارتوں کا ترجمہ: ندائے غیب ترجمہ اُردو فتوح الغیب مطبوعہ اسلامیہ سٹیم پریس لاہور کے صـ۲۴ پر یہ درج ہے:۔

"اللہ تعالیٰ نے بعض کتابوں میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اے بنی آدم مَیں اللہ ہوں اور نہیں میرے سوا کوئی دوسرا معبود۔ مَیں جس چیز کو کہتا ہوں کہ ہو جا۔ وہ ہو جاتی ہے۔ تُو میری فرمانبرداری کر تجھے بھی ایسا ہی کر دُونگا کہ جس چیز کو تو کہے گا ہو جا۔ وہ ہو جائیگی۔ اور اللہ تعالیٰ نے بنی آدم سے کئی نبیوں اور ولیوں کے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے۔

غرضیکہ اس کے بعد تجھ کو درجہ تکوین (یعنی کُن فیکون کرنے کا۔ خادم) عطا ہوگا۔ اور تُو اپنے ہی حکم اور اذنِ صریح سے پیدا کر سکے گا۔" (ندائے غیب صـ۲۴)

۲۔ جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال بالِ جبریل میں فرماتے ہیں:۔

خودی کو کر بلند اِتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خُدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

۱۰۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس الہام کی تشریح فرماتے ہیں:۔

۱۔ "ہر ایک عظیم الشان مصلح کے وقت روحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے۔ یعنی ملائک کو اس کے مقاصد کی خدمت میں لگایا جاتا ہے۔ اور زمین پر مستعد طبیعتیں پیدا کی جاتی ہیں۔ پس یہ اِسی کی طرف اشارہ ہے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صـ۹۹)

۲۔ حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ اور واصل باللہ لوگوں کی تعریف میں فرماتے ہیں جو فتوح الغیب میں درج ہے۔ "بِهِمْ ثَبَاتُ الْاَرْضِ وَ السَّمَاءِ وَ قَرَارُ الْمَوْتٰى وَ الْاَحْيَاءِ اِذْ جَعَلَهُمْ مَلِيكُهُمْ اَوْتَادًا لِلْاَرْضِ الَّتِىْ دَحٰى فَكُلٌّ كَالْجَبَلِ الَّذِىْ رَسَا۔" (مقالہ ۱۴ آخری سطور نیز قلائد الجواہر حاشیہ صـ۲۸)

ترجمہ:۔ انہیں ہی کی وجہ سے زمین و آسمان اور زندوں اور مردوں کا قیام ہے کیونکہ اللہ تعالےٰ نے ان کو گسترِدہ زمین کے لیے بطور میخ کے بنایا ہے اور اُن میں سے ہر ایک کوہ وقار ہے۔
(ندائے غیب ترجمہ از اُردو فتوح الغیب صـ۲۲)

۳۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔

"بِهِمْ تَمْطُرُ السَّمَاءُ وَ تُنْبِتُ الْاَرْضُ وَ هُمْ شِحْنَۃُ الْبِلَادِ وَ الْعِبَادِ۔ بِهِمْ يُدْفَعُ الْبَلَاءُ عَنِ الْخَلْقِ (رسالہ الفتح الربانی والفیض الرحمانی کلام الشیخ عبدالقادر جیلانی مطبوعہ میمنیہ مصر جلد ۱۲، ۱۴)، یعنی انہی اولیاء اللہ ہی کی وجہ سے آسمان بارش برساتا اور زمین نباتات اُگاتی ہے اور وہ ملکوں اور انسانوں کے محافظ ہیں اور انہی کی وجہ سے مخلوقات پر سے بلا ٹلتی ہے۔

۴۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔
"ایشاں امانِ اہلِ ارض اند و غنیمتِ روزگار اند۔ بِهِمْ يُمْطَرُوْنَ وَبِهِمْ يُرْزَقُوْنَ درشانِ شاں است" (مکتوبات جلد ۲ مکتوب ۹۲)

۵۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال فرماتے ہیں:۔

عالم ہے فقط مومنِ جانباز کی میراث
مومن نہیں جو "صاحبِ لولاک" نہیں ہے

(بالِ جبریل ص ۵۳ سطر ۵)

پھر فرماتے ہیں ؎

جہاں تمام ہے میراث مردِ مومن کی
مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

(بال جبریل ص ۹۷ آخری سطر)

۱۱۔ رَأَيْتُنِيْ فِي الْمَنَامِ عَيْنَ اللّٰهِ۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام ص ۵۶۴)

"میں نے کشف میں دیکھا کہ میں خدا ہوں" (کتاب البریۃ ص ۷۹)

جواب ۱۔ یہ خواب ہے اور خواب کو ظاہر پر محمول کرنا ظلم ہے۔ (حضرت یوسفؑ کا خواب) اگر کہو کہ خواب میں بھی ایسا کام نبی نہیں کرسکتا جو بیداری میں ناجائز ہو تو اس کے لئے مسلم کی مندرجہ ذیل حدیث پڑھو۔
ا۔ "رَأَيْتُ فِيْ يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ"۔ (مسلم کتاب الرؤیا جلد ۲ ص ۲۴۸)
ب۔ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بَيْنَنَا اَنَا نَائِمٌ رَأَيْتُ فِيْ يَدَيَّ سِوَارَيْنِ مِنْ ذَهَبٍ"۔ (بخاری کتاب الرؤیا باب النفخ فی المنام جلد ۴ ص ۱۳۴ مطبع الہیہ مصر و جلد ۳ ص ۴۹) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں نے اپنے دونوں ہاتھوں میں سونے کے کنگن پہنے ہوئے ہیں۔ بیداری میں سونا مرد کے لئے پہننا ناجائز ہے۔
ج۔ حضرت امام اعظم یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے بارہ میں حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"(ا) ایک رات خواب میں دیکھا کہ آپ (امام ابوحنیفہؒ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استخوان مبارک (یعنی ہڈیاں۔ خادم) لحد میں سے جمع کر رہے ہیں۔ اُن میں سے بعض کو پسند کرتے تھے اور بعض کو ناپسند۔ چنانچہ خواب کی ہیبت سے آپ بیدار ہوئے اور ابن سیرین کے ایک رفیق سے خواب کو بیان کیا انہوں نے جواب دیا کہ خواب نہایت مبارک ہے تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور حفظِ سنت میں اس حد تک پہنچ جاؤ گے کہ صحیح کو غیر صحیح سے علیحدہ کرو گے"۔ (تذکرۃ الاولیاء اٹھارواں باب ص ۱۴۵ و ص ۱۴۶ شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز مطبوعہ علمی پریس لاہور و ظہیر الاصفیاء ترجمہ اُردو تذکرۃ الاولیاء ص ۱۸۲ شائع کردہ

حاجی چراغدین سراجدین مطبوعہ جلال پرنٹنگ پریس لاہور)۔

(۲) اسی سلسلہ میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"پھر ایک رات انہوں (حضرت امام اعظمؒ) نے خواب میں دیکھا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہڈیاں مبارک آپ کی لحد سے جمع کرتے تھے اور اُن میں سے بعض کو اختیار کرتے تھے۔ ہیبت کے سبب خواب سے بیدار ہوتے۔ ایک اصحاب محمد ابن سیرین نام سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے علم اور جنابؐ کی سنّت کی حفاظت میں تو بہت بڑے درجے تک پہنچے گا۔ یہاں تک کہ اس میں تیرا تصرف ہو جائے گا کہ صحیح اور غلط میں فرق کرے گا۔"

(کشف المحجوب مترجم اردو شائع کردہ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین تاجران کتب کشمیری بازار لاہور ۱۳۲۲ھ صفحہ ۱۰۶)

۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس کے آگے ہی تعبیر بھی لکھی ہے اُس کو کیوں حذف کرتے ہو۔

"وَلَا نَعْنِیْ بِهٰذِهِ الْوَاقِعَةِ كَمَا يُعْنٰى فِیْ كُتُبِ اَصْحَابِ وَحْدَةِ الْوُجُوْدِ۔ وَمَا نَعْنِیْ بِذٰلِكَ مَا هُوَ مَذْهَبُ الْحُلُوْلِيِّيْنَ بَلْ هٰذِهِ الْوَاقِعَةُ تُوَافِقُ حَدِيْثَ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْنِیْ بِذٰلِكَ حَدِيْثَ الْبُخَارِیِّ فِیْ بَيَانِ مَرْتَبَةِ قُرْبِ النَّوَافِلِ لِعِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِيْنَ۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۶) نیز دیکھو تذکرہ صفحہ ۱۹۱ تا ۱۹۶) کہ میں اس خواب سے وحدت الوجودیوں کی طرح یہ معنے نہیں لیتا کہ گویا میں خود خدا ہوں۔ اور نہ حلولیوں کی طرح یہ کہتا ہوں کہ خدا مجھ میں حلول کر آیا۔ بلکہ میرے خواب کا وہی مطلب ہے جو بخاری کی قرب نوافل والی حدیث کا مطلب ہے کہ جب میرا بندہ نوافل میں میرے آگے گرتا ہے تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔"

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ صفحہ مطبع البہیہ مصر)

۳۔ نیز تعطیر الانام فی تعبیر المنام مؤلفہ علامہ سید عبدالغنی النابلسی مطبوعہ مصر میں جو تعبیر خواب کی بہترین کتاب ہے۔ لکھا ہے:۔

مَنْ رَأٰى فِی الْمَنَامِ كَاَنَّهٗ صَارَ الْحَقَّ سُبْحَانَهٗ تَعَالٰى اِهْتَدٰى اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ ص۹۔ کہ جو شخص خواب میں یہ دیکھے کہ وہ خدا بن گیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب خدا تعالیٰ اُس کو ہدایت کی منزل مقصود تک پہنچاتے گا۔

(یہ حوالہ تعطیر الانام کے نسخہ مطبوعہ مطبع حجازی قاہرہ کے ص۹ پر ہے)

۱۲۔ زمین اور آسمان کو بنایا

جواب ۱: یہ بھی مندرجہ بالا کشف ہی کا حصہ ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِسی خواب کے ضمن میں لکھا ہے کہ میں نے خواب ہی میں زمین و آسمان بنایا اور اس کی تعبیر بھی حضورؑ نے اپنی کتاب

آئینہ کمالاتِ اسلام کے صفحہ ۵۶۶ پر اس خواب کو نقل فرما کر یہ تحریر کی ہے۔

"اِنَّ هٰذَا الْخَلْقَ الَّذِیْ رَأَیْتُهٗ اِشَارَةٌ اِلٰی تَائِیْدَاتٍ سَمَاوِیَّةٍ وَّاَرْضِیَّةٍ" کہ یہ زمین و آسمان جو مَیں نے خواب میں دیکھے ہیں۔ یہ تو اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ آسمانی اور زمینی تائیدات میرے ساتھ ہونگی۔

۲: پھر آپ اپنی کتاب چشمۂ مسیحی صفحہ ۳۵ حاشیہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ کشفی رنگ میں میں نے نئی زمین اور نیا آسمان پیدا کیا اور پھر مَیں نے کہا کہ آؤ اب انسان پیدا کریں۔ اس پر نادان مولویوں نے شور مچایا۔ کہ دیکھو اب اس شخص نے خدائی کا دعویٰ کیا ہے حالانکہ اِس کشف کا مطلب یہ تھا کہ خدا میرے ہاتھ پر ایک ایسی تبدیلی پیدا کریگا کہ گویا آسمان اور زمین نئے ہو جائیں گے اور حقیقی انسان پیدا ہوں گے"۔

۳: پھر فرمایا:۔ "خدا نے ارادہ کیا ہے کہ وہ نئی زمین اور نیا آسمان بنا دے۔ وہ کیا ہے نیا آسمان؟ اور کیا ہے نئی زمین؟ نئی زمین سے وہ پاک دل مراد ہیں جن کو خدا اپنے ہاتھ سے تیار کر رہا ہے جو خدا سے ظاہر ہوتے اور خدا اُن سے ظاہر ہوگا۔ اور نیا آسمان وہ نشان ہیں جو اس کے بندے کے ہاتھ سے اُسی کے اِذن سے ظاہر ہو رہے ہیں"۔ (کشتی نوح صفحہ ۸)

"ہر ایک رُوحانی مصلح کے وقت میں رُوحانی طور پر نیا آسمان اور نئی زمین بنائی جاتی ہے"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵)

۴: انہی معنوں میں یہ محاورہ کتبِ سابقہ انجیل میں بھی مستعمل ہوا ہے۔

"اس وعدہ کے موافق ہم نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں۔ جن میں راستبازی بستی رہے گی"۔ (۲۔ پطرس ۳/۱۳)

جناب ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم فرماتے ہیں ؎

زندہ دل سے نہیں پوشیدہ ضمیرِ تقدیر — خواب میں دیکھتا ہے عالمِ نَو کی تصویر
اور جب بانگِ اذاں کرتی ہے بیدار اُسے
کرتا ہے خواب میں دیکھی ہوئی دُنیا تعمیر

(ضربِ کلیم نظم بعنوان "عالمِ نَو")

۱۲۔ ابنِ مریم بننے کی حقیقت

حیض۔ حمل اور دردِ زِہ کی تشریح

بخاری میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث ہے:۔

"مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ یُوْلَدُ اِلَّا وَالشَّیْطَانُ یَمَسُّهٗ حِیْنَ یُوْلَدُ فَیَسْتَهِلُّ صَارِخًا مِنْ مَسِّ الشَّیْطَانِ اِیَّاهُ اِلَّا مَرْیَمَ وَابْنَهَا"۔ (بخاری کتاب التفسیر سورۃ آل عمران جلد ۳ صفحہ ۶۹ وجلد ۲ کتاب

بدأ الخلق باب قول الله تعالیٰ و اذکر فی الکتاب مریم مطبع الہیہ مصر) کہ ہر پیدا ہونے والے بچے کو بوقتِ ولادت شیطان مس کرتا ہے۔ اور بچہ جب اُسے مسِ شیطان ہوتا ہے تو وہ چیختا ہے، چلاتا ہے۔ مگر مریم اور ابن مریم کو مسِ شیطان نہیں ہوتا۔

اِس پر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب صرف "مریم" اور "ابن مریم" ہی مسِ شیطان سے پاک ہیں تو پھر کیا باقی انبیاء کو عموماً اور آنحضرت صلعم کو خصوصاً مسِ شیطان ہوا تھا؟ اِس کا جواب علامہ زمخشری نے اپنی تفسیر کشاف میں یہ دیا ہے:۔ "مَعْنَاہُ اِنَّ کُلَّ مَوْلُوْدٍ یَطْمَعُ الشَّیْطَانُ فِیْ اِغْوَائِہٖ اِلَّا مَرْیَمَ وَ ابْنَہَا فَاِنَّہُمَا کَانَا مَعْصُوْمَیْنِ وَکَذٰلِکَ کُلُّ مَنْ کَانَ فِیْ صِفَتِہِمَا" (تفسیر کشاف جلد ا صفحہ ۳۰۲) کہ اس حدیث کے معنے یہ ہیں کہ شیطان ہر بچہ کو گمراہ کرنا چاہتا ہے بسوائے مریم اور ابن مریم کے۔ کیونکہ وہ دونوں پاک تھے اور اسی طرح ہر وہ بچہ (بھی اس میں شامل ہے) جو مریم اور ابن مریم کی صفت پر ہے۔

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں مریم اور ابن مریم سے صرف دو انسان ہی مراد نہیں۔ بلکہ دو قسم کے انسان مراد ہیں۔ گویا جو مریمی صفت میں اور ابن مریمی صفت میں مومن اور انبیاء ہوں وہ سب "مریم" اور "ابن مریم" کے نام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یاد کئے گئے ہیں۔ اِن صفات کی مزید تشریح قرآنِ مجید میں ہے:۔

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ اِذْ قَالَتْ رَبِّ ابْنِ لِیْ عِنْدَکَ بَیْتًا فِی الْجَنَّۃِ وَنَجِّنِیْ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَمَلِہٖ وَنَجِّنِیْ مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝ وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَہَا فَنَفَخْنَا فِیْہِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِکَلِمٰتِ رَبِّہَا وَکُتُبِہٖ وَکَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِیْنَ (التحریم ۱۲،۱۳)

کہ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں کی مثال فرعون کی بیوی (آسیہ) کے ساتھ دی ہے۔ جبکہ اُس نے دُعا کی۔ کہ اے میرے رب! میرے لیے جنت میں گھر بنا اور مجھ کو فرعون اور اس کے عمل سے نجات دے اور ان ظالموں کی قوم سے مجھ کو رہائی بخش۔ نیز (خدا نے مثال دی ہے مومن مردوں کی) مریم بنت عمران کے ساتھ جس نے اپنی شرمگاہ کی پوری حفاظت کی۔ پس ہم نے اُس میں اپنی رُوح پھونکی اور وہ خدا کے کلام اور اس کی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہوئی اور وہ فرمانبرداروں میں سے تھی۔

اِن آیات سے ماقبل کی ملحقہ آیات میں کافروں کو دو عورتوں نوحؑ اور لوط علیہما السلام کی بیویاں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔ کیونکہ اُن کے خاوند مومن تھے۔ مگر وہ دونوں کافرہ تھیں۔ مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ مومن دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) آسیہ (زوجہ فرعون) صفت (۲) مریمی صفت۔ پہلے وہ مومن جو کفر کے غلبہ کے نیچے دب چکے ہوں۔ اور وہ اس سے نجات پانے کے لیے دست بدُعا ہوں۔ اور دوسرے وہ مومن جن پر روزِ ازل سے ہی بدی غلبہ نہ پا سکی۔ اَلَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَہَا (الانبیاء: ۹۲) یہ دوسری قسم کا مومن قرآنی اصطلاح میں "مریم" کہلاتا ہے۔ پھر وہ مریمی حالت سے ترقی کرکے (فَنَفَخْنَا فِیْہِ

مِنْ رُّوحِنَا۔ الانبیاء ۹۲) کے مطابق "ابنِ مریم" کی حالت میں چلا جاتا ہے۔ کیونکہ مقام مریمی صدّیقیت ہے اور مقام ابنِ مریم مقامِ نبوت۔ گویا ہر نبی پر دو زمانے آتے ہیں۔ پہلے وہ مقامِ مریمی میں ہوتا ہے اور اسی حالت کے متعلق قرآنِ مجید نے فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ (یونس : ۱۷) میں اشارہ کیا ہے۔ اس کے بعد اس مریمی حالت سے ترقی کر کے نبوت کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے اور ان دونوں حالتوں میں وہ مسِّ شیطان سے پاک ہوتا ہے۔ یہی معنی ہیں بخاری کی مندرجہ عنوان حدیث کے۔

سورۃ تحریم کی آیات سے ثابت ہوا کہ جس طرح حضرت مریم صدّیقہ اپنی پاکیزگی کے انتہائی مقام پر پہنچکر حاملہ ہوئیں اور اس حمل سے حضرت عیسٰی علیہ السلام جو خدا کے نبی تھے پیدا ہوتے۔ اسی طرح ایک مومن مرد بھی پہلے مریمی حالت میں ہوتا ہے اور پھر ایک رُوحانی اور مجازی حمل سے گذرتا ہوا مجازی "ابن مریم" کی ولادت کا باعث ہوتا ہے۔ وہ مومن مرد مجاز اور استعارہ کے رنگ میں "مریم" ہوتا ہے اور مجاز اور استعارہ ہی کے رنگ میں حمل سے گذرتا ہے اور مجاز اور استعارہ ہی کے رنگ میں ابن مریم کی ولادت کا باعث ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے تمام کافروں اور مومنوں کو چار عورتوں ہی سے تشبیہ دی ہے مرد عورتیں تو نہیں ہاں استعارہ اور مجاز کے رنگ میں اُن کو عورتیں قرار دیا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عباسیہ طوسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

"قیامت کے دن جب آواز آئیگی کہ اے مَردو ! تو مَردوں کی صف میں سے سب سے پہلے حضرت مریم علیہا الصلوٰۃ والسلام کا قدم پڑیگا۔"

{ تذکرۃ الاولیاء۔ ذکر حضرت رابعہ بصریؒ نواں باب ص۵۱ شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز لاہور و ظہیر الاصفیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء ص۵۵ }

اِسی نکتۂ معرفت کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مندرجہ ذیل اشعار میں اشارہ فرمایا ہے ؎

مُدتے بودم برنگِ مریمی | دست نا دادہ بہ پیرانِ زمی
بعد ازاں آں قادر و ربّ مجید | رُوحِ عیسےٰ اندراں مریم دمید
پس بہ نفخش رنگِ دیگر شد عیاں | زاد زاں مریم مسیح ایں زماں

(حقیقۃ الوحی ص۳۳۹)

پھر فرمایا:۔ "یعنی وہ مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہو جائیگا۔"
(کشتی نوح صفحہ ۴۵)

اس موقعہ پر "کشتی نوح" کی اصل عبارت سیاق وسباق کے ساتھ پڑھنی چاہیئے۔

۱۴۔ رُوحانی حمل

روحانی حمل اور معنوی حمل کے لئے مندرجہ ذیل حوالے یاد رکھنے چاہئیں:۔

۱۔ "اَلْخَوْفُ ذَكَرٌ وَالرَّجَاءُ اُنْثٰى مِنْهُمَا يَتَوَلَّدُ حَقَائِقُ الْاِيْمَانِ"۔ (دیکھو شرح التعرف ۵۵)
مشہور صوفی حضرت سہل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خوف مذکر اور اُمید مونث ہے اور اِن دونوں کے ملنے سے حقائقِ ایمان پیدا ہوتے ہیں۔

۲۔ اسی طرح سے امام الطائفہ الشیخ سہروردی فرماتے ہیں :۔
"يَصِيْرُ الْمُرِيْدُ جُزْءَ الشَّيْخِ كَمَا اَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ الْوَالِدِ فِي الْوِلَادَةِ الطَّبْعِيَّةِ وَتَصِيْرُ هٰذِهِ الْوِلَادَةُ اٰنِفًا وِلَادَةً مَعْنَوِيَّةً"۔ (عوارف المعارف جلد ا ص۴۵)

۳۔ قرآن مجید میں "حمل" کا لفظ خدا تعالیٰ کے متعلق بھی ہے۔ فرمایا:۔ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ (مریم: ۵۹) پھر مومنوں کے متعلق بھی آیا ہے۔ لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا (البقرۃ: ۲۸۷) یہاں "حمل" اُٹھانے کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ پس محض لفظ "حمل" پر مذاق اڑانا جائز نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صاف طور پر لکھ دیا ہے:۔

"استعارہ کے رنگ میں مجھے حاملہ ٹھہرایا گیا"۔ (کشتی نوح ص۴۷)

اور "حمل" کے لفظ سے حقیقی اور عام معنے مراد نہیں لئے گئے۔ بلکہ "حاملِ صفتِ عیسوی" مُراد لیا ہے۔ فرمایا:۔

"مریمی صفات سے عیسوی صفات کی طرف منتقل ہونا"۔ (کشتی نوح ص۴۵)

تو پھر اس پر بے وجہ مذاق آڑانا شرافت سے بعید ہے۔

۱۵۔ حیض

مندرجہ ذیل حوالے پڑھو:۔

۱۔ "كَمَا اَنَّ لِلنِّسَاءِ مَحِيْضًا فِي الظَّاهِرِ وَهُوَ مُوْجِبُ نُقْصَانِ اِيْمَانِهِنَّ لِمَنْعِهِنَّ عَنِ الصَّلٰوةِ وَالصَّوْمِ فَكَذٰلِكَ لِلرِّجَالِ مَحِيْضٌ فِي الْبَاطِنِ وَهُوَ مُوْجِبُ نُقْصَانِ اِيْمَانِهِمْ لِمَنْعِهِمْ عَنْ حَقِيْقَةِ الصَّلٰوةِ"۔ (روح البیان جلد ا ص۲۳۶) کہ جس طرح عورتوں کو ظاہر میں حیض آتا ہے جو اُن کے ایمان میں نقص کا موجب ہوتا ہے انکو نماز اور روزہ سے روک کر اسی طرح مَردوں کو بھی باطن میں حیض آتا ہے اور وہ اُن کے ایمان میں نقص پیدا کرتا ہے۔ ان کو نماز کی حقیقت سے ناواقف کرنے کے سبب۔ گویا وہ شخص جو حقیقتِ نماز سے بے بہرہ ہو۔ صوفیاء کی اصطلاح میں کہیں گے کہ اُسے حیض ہے۔

۲۔ "جیسے عورتوں کو حیض آتا ہے ایسا ہی ارادت کے رستہ میں مریدوں کو حیض آتا ہے اور مریدوں کے رستہ میں جو حیض آتا ہے تو وہ گفتار کے رستہ سے آتا ہے اور کوئی مرید ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ اس حیض میں ٹھہرا رہتا ہے اور کبھی اس سے پاک نہیں ہوتا"۔

(انوار الاذکیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء مصنفہ شیخ فریدالدین عطارؒ مطبع مجیدی کانپور ص۴۵۔ در ذکر ابوبکر واسطیؒ)

نوٹ ۱۔ غیر احمدیوں نے اب جو نیا ترجمہ تذکرۃ الاولیاء کا شائع کیا ہے اُس میں سے یہ عبارت نکال دی ہے۔ مگر ۱۹۲۸ء سے پہلے چھپے ہوتے ترجموں میں یہ عبارت موجود ہے۔ گویا یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ کی مماثلت کو پورا کیا ہے۔ خادم

۳۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت شیخ فریدالدین عطارؒ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک دفعہ آپ (حضرت بایزید بسطامیؒ) مسجد کے دروازہ پر پہنچکر کھڑے ہوگئے اور رونے لگے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں اپنے آپ کو حیض والی عورت کی مانند پاتا ہوں جو مسجد میں جانے سے بوجہ اپنی ناپاکی کے ڈرتی ہے۔" (تذکرۃ الاولیاء۔ چودھواں باب ذکر خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز ص۱۰۱ وظہیر الاصفیاء ترجمہ اُردو تذکرۃ الاولیاء شائع کردہ حاجی چراغدین سراجدین ص۱۰۱)

حضرت بایزید بسطامیؒ کی عظیم شخصیت

یاد رہے کہ حضرت بایزید بسطامیؒ وہ عظیم الشان انسان ہیں کہ جن کی نسبت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"معرفت کا آسمان اور محبت کی کشتی ابو یزید طیفور بن علی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ یہ بہت بڑے مشائخ میں سے ہوا ہے اور اس کا حال سب سے بڑا اس کی شان بہت بڑی ہے۔ اِس حد تک کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اَبُوْ یَزِیْدَ مِنَّا بِمَنْزِلَۃِ جِبْرِیْلَ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ یعنی ابو یزید ہمارے درمیان ایسا ہے جیسا کہ جبریل فرشتوں میں ---- اس کی روایتیں بہت بلند ہیں جن میں احادیث پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور تصوف کے دس اماموں سے ایک یہ ہوتے ہیں۔ اور اس سے پہلے علمِ تصوف کی حقیقتوں میں کسی کو اِس قدر علم نہ تھا جیسا کہ اِس کو تھا۔ اور ہر حال میں علم کا محب اور شریعت کا تعظیم کنندہ ہوا ہے۔"

(کشف المحجوب باب ذکر اُن تابعین کا جو مشائخ طریقت کے امام ہوئے ہیں۔ ترجمہ اُردو مطبوعہ ۱۳۲۲ھ ص۱۲۲)

۴۔ بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ کیا کسی نبی نے بھی حیض کا لفظ مردوں کی طرف منسوب کیا ہے؟ تو اِس کے جواب میں مندرجہ ذیل حدیث یاد رکھنی چاہیئے۔ حدیث میں ہے۔ اَلْکَذِبُ حَیْضُ الرَّجُلِ وَالْاِسْتِغْفَارُ طَھَارَتُہٗ (فردوس الاخبار دیلمی ص۱۶۱ سطر ۱۷ راوی سلمانؓ) یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جھوٹ مرد کا حیض اور استغفار اس کی طہارت ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام کا مطلب صرف یہ ہے کہ دشمن تجھ کو جھوٹ یا کسی اور بدی میں مبتلا دیکھنا چاہتے ہیں لیکن خدا کے فضل سے تجھ میں کوئی بدی اور گندگی نہیں۔

۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کہیں نہیں لکھا کہ مجھے "حیض" آیا۔ بلکہ آپ نے تو اِس کی نفی کی ہے۔

۶۔ حضور علیہ السلام نے لفظ "حیض" کی نفی کرتے ہوتے ساتھ ہی اُس کا مفہوم بھی بیان کیا ہے:۔

"یہ لوگ خون حیض تجھ میں دیکھنا چاہتے ہیں یعنی ناپاکی۔ پلیدی اور خباثت کی تلاش میں ہیں۔"

(اربعین ۴ صفحہ ۱۹)

گویا یہاں عورتوں والا حیض مراد نہیں بلکہ "مَردوں والا حیض" مُراد ہے جیسا کہ حوالہ ۱ و ۲ و ۳ وغیرہ میں صوفیاء کرام کی تحریرات اور حدیث شریف سے دکھایا جا چکا ہے۔

۱۶۔ دردِ زِہ

اسی طرح دردِ زِہ کا محاورہ ہے جو "تکلیف" اور "مصیبت" کے معنوں میں ہزارہا سال سے مَردوں کے متعلق بھی بولا جاتا رہا ہے۔

۱۔ خود حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کی تشریح فرمائی ہے۔ "مخاض" دردِ زِہ سے مراد اس جگہ وہ اُمور ہیں جن سے خوفناک نتائج پیدا ہوتے ہیں۔ بامحاورہ ترجمہ یہ ہے۔ "درد انگیز دعوت جس کا نتیجہ قوم کا جانی دشمن ہو جانا ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۵۳ حاشیہ نیز دیکھو کشتی نوح حاشیہ صفحہ ۴۷۔)

۲۔ انجیل میں ہے:۔ "کیونکہ ہم کو معلوم ہے کہ ساری مخلوقات مل کر اب تک کراہتی اور دردِ زِہ میں پڑی تڑپتی ہے۔" (رومیوں ۸/۲۲)

۳۔ تورات میں ہے۔ خدا کہتا ہے:۔ "میں بہت مدت سے چُپ رہا۔ میں خاموش ہو رہا اور اپنے کو روکتا رہا۔ مگر اب میں اس عورت کی طرح جس کو دردِ زِہ ہو چلاؤں گا اور ہانپوں گا اور زور زور سے ٹھنڈی سانس بھی لوں گا۔" (یسعیاہ ۴۲/۱۴)

(تفصیل دیکھو صداقت مسیح موعودؑ پر عیسائیوں کے اعتراضات کا جواب صفحہ ۹۲)

موجودہ انجیل و تورات خدا کا کلام ہوں یا نہ ہوں مگر محاورہ تو ماننا پڑے گا۔ کہ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام نے ایجاد نہیں کیا بلکہ پہلی کتابوں میں پہلے سے ہی موجود ہے۔ پھر اس پر اعتراض کیا ہے خصوصاً جبکہ حضرت اقدسؑ نے خود ہی تشریح فرما دی ہے۔

۱۷۔ کشفِ سُرخی کے چھینٹے

جواب ۱: خواب میں خدا تعالیٰ کو انسانی صورت میں دیکھنا جائز ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "رَأَيْتُ رَبِّيْ فِيْ صُوْرَةِ شَابٍ اَمْرَدَ قِطَطَةٍ لَهُ وَفْرَةٌ مِنْ شَعْرٍ وَفِيْ رِجْلَيْهِ نَعْلَانِ مِنْ ذَهَبٍ" (الیواقیت والجواہر جلد ۱ صفحہ ۱ طبرانی و موضوعات کبیر صفحہ ۲۶) کہ میں نے اپنے ربّ کو ایک نوجوان بے ریش لڑکے کی صورت میں دیکھا۔ اُس کے لمبے لمبے گھنے بال ہیں۔ اور اس کے دونوں پاؤں میں سونے کی جوتیاں ہیں۔

یہ حدیث صحیح ہے۔ ملا علی قاریؒ جیسے جلیل القدر محدّث نے اسے درج کر کے اِس کی تائید میں یہ قول نقل کیا ہے۔ "حَدِيْثُ ابْنِ عَبَّاسٍ لَا يُنْكِرُهُ اِلَّا الْمُعْتَزِلِيُّ" (موضوعات کبیر صفحہ ۲۶) کہ یہ

حدیث حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے اور اس سے سوائے معتزلی کے اور کوئی انکار نہیں کر سکتا۔
اس حدیث کے معنی ملا علی قاریؒ نے کئے ہیں۔ اِنْ حُمِلَ عَلَی الْمَنَامِ فَلَا اِشْکَالَ فِی الْمَقَامِ"۔
(موضوعات کبیر صفحہ ۴۶)

(نوٹ:۔ موضوعات کے بعض ایڈیشنوں میں یہ حدیث اور اس کے متعلقہ حوالجات صفحہ ۳۹ پر ملتے ہیں)، یعنی اگر اس واقعہ کو خواب پر محمول کیا جاتے تو پھر کوئی مشکل نہیں رہتی۔ بات صاف ہو جاتی ہے)

۲۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی پیرانِ پیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔
"رَأَیْتُ رَبَّ الْعِزَّۃِ فِی الْمَنَامِ عَلٰی صُوْرَۃِ اُمِّیْ"۔ (بحر المعانی صفحہ ۶۴)
یعنی مَیں نے خدا کو اپنی والدہ کی صورت میں دیکھا۔

۳۔ جناب مولوی محمد قاسم صاحبؒ (نانوتوی بانی دیوبند) نے ایام طفلی میں یہ خواب دیکھا کہ گویا مَیں اللہ جلّ شانہٗ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں۔ اُن کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی۔ کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائیگا اور بہت بڑے عالم ہو گے اور نہایت شہرت حاصل ہوگی۔
(سوانح عمری مولوی محمد قاسم صاحبؒ مؤلفہ مولوی محمد یعقوب نانوتوی صفحہ ۳)

۴۔ پھر لکھا ہے:۔ "اِنَّکَ تَرٰی فِی الْمَنَامِ وَاجِبَ الْوُجُوْدِ الَّذِیْ لَا یَقْبَلُ الصُّوَرَ فِیْ صُوْرَۃٍ یَقُوْلُ لَکَ مُعَبِّرُ الْمَنَامِ صَحِیْحٌ مَا رَأَیْتَ وَلٰکِنْ تَاوِیْلُہٗ کَذَا وَکَذَا"۔
(الیواقیت والجواہر جلد ا صفحہ ۱۱۱) تم (اگر) خدا تعالیٰ کو جو کسی صورت میں مقید نہیں ہوتا خواب میں دیکھو۔ تو تعبیر بتانے والا تم سے کہیگا۔ کہ جو کچھ تم نے دیکھا صحیح ہے، لیکن اس کی تعبیر یہ ہے۔

۵۔ خواب میں واقعہ متمثل کس طرح ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے دیکھو مندرجہ ذیل عبارات:۔
تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۴۲ پر حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے حالات میں ایک واقعہ درج ہے کہ "آپ کا ہمسایہ شمعون نامی آتش پرست تھا۔ حضرت حسنؒ نے سُنا کہ وہ سخت بیمار اور قریب المرگ ہے آپ نے اُسے تبلیغ کی۔ اور وہ اس شرط پر مسلمان ہوا کہ حضرت حسنؒ اُسے جنت کا پروانہ لکھ دیں اس پر اپنے اور اپنے بزرگانِ بصرہ کے دستخط ثبت کر کے شمعون کی قبر میں (جب وہ مرجاتے تو) اس کے ہاتھ میں دیدیں۔ تاکہ اگلے جہان میں گواہ رہے چنانچہ حسنؒ نے ایسا ہی کیا۔ مگر بعد میں خیال آیا کہ مَیں نے یہ کیا کیا؟ اُس کو جنت کا پروانہ کیونکر لکھدیا۔ لکھا ہے کہ:۔ اِسی خیال میں سو گئے۔ شمعون کو دیکھا کہ شمع کی طرح تاج سر پر اور مکلف لباس بدن میں پہنے ہوتے بہشت کے باغوں میں ٹہل رہا ہے ..... اُس نے حضرت حسنؒ سے کہا۔ حق تعالیٰ نے اپنے فضل سے مجھے اپنے محل میں اُتارا ہے اور اپنے کرم سے اپنا دیدار دکھایا ..... اب آپ کے ذمہ کچھ بوجھ نہیں رہا۔ اور آپ سبکدوش ہو گئے۔ لیجیئے یہ اپنا اقرار نامہ۔ کیونکہ اب اس کی ضرورت نہیں۔ جب حضرت حسنؒ خواب سے بیدار ہوتے تو خط آپ کے ہاتھ میں تھا"۔
(انوار الاذکیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء صفحہ ۴۲ ذکر الحسن بصریؒ)

۶۔ قَالَ عَبْدُ اللهِ ابْنُ الْجَلَاءِ دَخَلْتُ مَدِيْنَةَ رَسُوْلِ اللهِ وَبِيْ فَاقَةٌ فَتَقَدَّمْتُ اِلٰى قَبْرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ وَعَلٰى صَاحِبَيْهِ ثُمَّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ بِيْ فَاقَةٌ وَاَنَا ضَيْفُكَ ثُمَّ تَنَحَّيْتُ وَنِمْتُ دُوْنَ الْقَبْرِ فَرَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اِلَيَّ فَقُمْتُ فَدَفَعَ اِلَيَّ رَغِيْفًا فَاَكَلْتُ بَعْضَهٗ وَانْتَبَهْتُ وَفِيْ يَدِيْ بَعْضُ الرَّغِيْفِ "

(منتخب الکلام فی تعبیر الاحلام مؤلفہ ابن سیرین وقشیریہ مصری ص۱۰)

اس عبارت کا ترجمہ شیخ فریدالدین عطارؒ کے الفاظ میں یہ ہے :۔

"حضرت عبداللہ بن جلاء فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ مدینۃ النبی صلعم میں گیا۔ اور مجھے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر پر میں گیا۔ اور حضورؐ اور حضورؐ کے دونوں ساتھیوں کو السلام علیکم کہا اور عرض کیا۔ کہ حضرت میں بھوکا ہوں۔ اور آپ ہی کا مہمان ہوں یہ کہہ کر میں قبر سے پرے ہٹ کر سو گیا۔ خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف تشریف لاتے۔ میں الغرض تعظیم کھڑا ہو گیا) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایک نان دیا۔ میں نے اس میں سے آدھا کھالیا جب بیدار ہوا تو نان کا باقی حصہ میرے ہاتھ میں تھا۔"

(تذکرۃ الاولیاء ذکر عبداللہ بن جلاء۔ ص۲۹۸ مصنفہ شیخ فریدالدین عطارؒ)

۷۔ حضرت سید اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب "صراط مستقیم" میں لکھا ہے کہ :۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم در منام دیدند و آنجناب سہ خرما بدستِ مبارک خود ایشاں را خورانیدند۔ و در نفس خود ذائقہ ازاں رؤیائے حقہ ظاہر و باہر یافتند۔" (صراط مستقیم مجتبائی ص۱۶۵)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ آپ تین کھجوریں ایک ایک کر کے کھا رہے ہیں۔ ۔۔۔جب بیدار ہوتے تو واقعی منہ میں ذائقہ موجود تھا۔

۸۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا ایک کشف ملاحظہ ہو :۔

"فَرَاٰى بَيْنَ النَّوْمِ وَالْيَقْظَةِ اِنَّ الْغَوْثَ قَدْ جَاءَ وَبِيَدِهٖ تَاجٌ اَحْمَرُ وَعَمَامَةٌ خَضْرَاءُ فَاسْتَقْبَلَ الشَّيْخُ اَحْمَدُ حَضْرَةَ الْغَوْثِ فَدَنَا اِلَيْهِ فَوَضَعَ التَّاجَ الْاَحْمَرَ عَلٰى رَاْسِهٖ وَلَفَّ عَلَيْهِ الْعَمَامَةَ الْخَضْرَاءَ بِيَدِهِ الْمُبَارَكَةِ فَقَالَ يَا وَلَدِيْ اَحْمَدُ اَنْتَ مِنْ رِجَالِ اللهِ وَغَابَ عَنْ نَظَرِهٖ فَاسْتَيْقَظَ الشَّيْخُ اَحْمَدُ فَوَجَدَ التَّاجَ وَالْعَمَامَةَ عَلٰى رَاْسِهٖ فَشَكَرَ اللهَ تَعَالٰى "

(مناقب تاج الاولیاء و برہان الاصفیاء مطبوعہ مصر مصنفہ علامہ عبدالقادر الاربلی ص۴۱)

ترجمہ :۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے نیند اور بیداری کی درمیانی حالت میں دیکھا کہ حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے ہاتھ میں سرخ تاج اور سبز عمامہ پکڑے ہوئے تشریف لاتے پس داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کمال ادب سے حضرت غوث الاعظمؒ کے سامنے کھڑے

ہو گئے۔ حضرت غوث الاعظمؒ نے داتا صاحبؒ کو اپنے پاس بُلایا۔ تو داتا صاحبؒ حضرت غوث الاعظمؒ کے قریب گئے۔ پس حضرت غوث الاعظمؒ نے وہ سُرخ تاج حضرت داتا گنج بخش کے سر پر رکھدیا اور اس کے اوپر سبز عمامہ اپنے دستِ مبارک سے لپیٹ دیا اور فرمایا۔ اے میرے بیٹے احمد! تُو اللہ تعالےٰ کے بندوں میں سے ہے۔ یہ کہہ کر حضرت غوث اعظمؒ غائب ہو گئے۔ پس داتا گنج بخش صاحب بیدار ہو گئے۔ تو تاج اور عمامہ اپنے سر پر پایا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

غیر احمدی معترض جو کشف میں سُرخ چھینٹوں پر اعتراض کیا کرتا ہے کہ وہ کاغذ کس کارخانے کا بنا ہوا تھا۔ سیاہی اور قلم کہاں کے بنے ہوئے تھے؟ وہ ذرا یہ بھی بتادے کہ وہ عمامہ کس کارخانے کے بُنے ہوئے کپڑے کا تھا اور تاج کی ساخت کیسی تھی؟

۹۔ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اولیاء کی وحی کے طریقے مختلف ہیں کبھی وہ خیال میں پاتے ہیں۔ اور کبھی وہ حِس میں دیکھتے ہیں اور کبھی اپنے دل میں پاتے ہیں اور کبھی لکھی ہوئی عبارت پاتے ہیں اور یہ اکثر اولیاء کو واقع ہوتا ہے۔ اور ابو عبداللہ قضیب البان اور تقی ابن مخلد شاگرد امام احمد رضی اللہ عنہ کو کتابت ہی کے ذریعہ سے مَلک الالہام کی زبان سے وحی آتی تھی اور جب وہ خواب سے بیدار ہوتے تھے تو ایک کاغذ پر کچھ لکھا ہوا پاتے تھے ۔۔۔۔۔۔ میں نے خود اس کتابت کو دیکھا ہے۔ وہ ایک فقیر پر مطاف میں اسی صفت پر اترا تھا۔ اس میں دوزخ سے اُس کی نجات لکھی ہوئی تھی۔ جب عام لوگوں نے اُسے دیکھا تو سبھوں نے یقین کیا کہ وہ مخلوق کی کتابت نہیں ہے ۔۔۔۔۔۔ یہی واقعہ ایک عورت فقیرہ پر ہوا جو میرے شاگردوں میں سے تھی۔ اُس نے خواب میں دیکھا کہ حق تعالیٰ نے اُس کو ایک ورق دیا۔ جب وہ بیدار ہوئی تو اُسکا ہاتھ بند ہو گیا اور کوئی اُسے کھول نہ سکا۔ مجھے الہام ہوا کہ میں اس کو یہ کہوں کہ جب تیرا ہاتھ کھلے تو فوراً اس کو نگل جاتے۔ پھر اُس نے یہ نیت کر کے ہاتھ کو منہ کے پاس لے گئی۔ پھر فوراً اُس کا ہاتھ کُھل گیا اور وہ فوراً نگل گئی۔ لوگوں نے مجھ سے کہا کہ تم نے اسے کیونکر جانا میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر الہام کیا کہ کوئی شخص اِس کو نہ پڑھے۔" (فتوحات مکیہ باب ۵۰ بحوالہ ترجمہ اُردو فصوص الحکم تذکرہ شیخ اکبر ابن عربی صفحہ ۲۲)

۱۰۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کشف سے مندرجہ ذیل باتیں مدنظر تھیں۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے اپنی خاص حکمت سے قلم کے ساتھ زیادہ سیاہی لگا کر اس کو چھڑکا:۔

(ا) خدا نیست سے ہست کر سکتا ہے اور آریوں کا عقیدہ غلط ہے کہ خدا نیست سے ہست نہیں کر سکتا۔ بلکہ مادہ ہی سے کوئی چیز بنا سکتا ہے۔

(ب) سُرخی کے چھینٹے لیکھرام کے قتل کی پیشگوئی کے طور پر تھے۔

(ج) دستخط کرانے سے مراد یہ تھی کہ خدا تعالیٰ نے لیکھرام کے قتل کا فیصلہ صادر فرمادیا ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

۱۱۔ حدیث شریف میں ہے:۔ خَلَقَ اللّٰہُ ثَلَاثَةَ اَشْیَاءَ بِیَدِہٖ خَلَقَ اٰدَمَ بِیَدِہٖ وَکَتَبَ

التَّوْرٰىةَ بِيَدِهٖ غَرَسَ الْفِرْدَوْسَ بِيَدِهٖ ؛ (فردوس الاخبار دیلمی ۲۱) کہ خدا تعالیٰ نے تین چیزیں خاص اپنے ہاتھ سے بنائیں ۔ حضرت آدمؑ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا ۔ تورات کو اپنے ہاتھ سے لکھا اور فردوس کو اپنے ہاتھ سے بویا ۔

اب تم جسقدر اعتراض سرخی کے چھینٹوں والے کشف پر کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے ہاتھ سے کاغذ پر لکھا بھی کرتا ہے ؟ وہ کاغذ کس کارخانے کا بنا ہوا تھا ؟ سیاہی کس کارخانے کی تھی ؟ قلم کیسا تھا ؟ وغیرہ وغیرہ ۔ یہ سب اعتراضات كَتَبَ التَّوْرٰىةَ بِيَدِهٖ پر بھی پڑ سکتے ہیں ۔ مَا هُوَ جَوَابُكُمْ فَهُوَ جَوَابُنَا ۔

۱۲ ۔ حضرت عبداللہ سنوریؓ جو موقع کا گواہ تھا ، نے حلفی بیان دیا کہ اُس وقت کوئی ایسی صورت نہ تھی کہ سُرخی کہیں سے آ سکتی ۔ بلکہ میں نے خود سیاہی حضرت اقدسؑ کے کُرتے پر گرتی دیکھی ۔
(الفضل ۲۶ ستمبر ۱۹۱۶ء جلد ۴ صفحہ ۲۴)

۱۸ ۔ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ ۔

جواب :۔ ۱ ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس سے خدا تعالیٰ کا جلال اور حق کا ظہور مراد لیا ہے ، آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۶۵ پر ہے :۔

يَظْهَرُ بِظُهُوْرِهٖ جَلَالُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۔

نیز حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۵ : جس کے ساتھ حق کا ظہور ہو گا ۔

۲ ۔ حدیث شریف میں ہے :" اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيْلَةٍ اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا ؛" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الدعا والصلوٰۃ من آخر اللیل جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ مطبع الٰہیہ مصر و مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۱۰۹) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارا رب ہر رات پہلے آسمان پر اُتر آتا ہے ۔ کیا معنے ؟ لکھا ہے :۔

ا ۔ اَلنُّزُوْلُ وَالْهُبُوْطُ وَالصُّعُوْدُ وَالْحَرَكَاتُ مِنَ الصِّفَاتِ الْاَجْسَامِ وَاللّٰهُ تَعَالٰى مُتَعَالٍ عَنْهُ وَالْمُرَادُ نُزُوْلُ الرَّحْمَةِ وَقُرْبُهُ تَعَالٰى ؛ (حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۱۰۹) کہ نازل ہونا ۔ اُترنا ۔ چڑھنا اور حرکات یہ تو اجسام کی صفات ہیں ۔ خدا تعالیٰ ان سے پاک ہے اللہ تعالیٰ کے نازل ہونے سے مراد اس کی رحمت کا نازل ہونا اور اُس کے قُرب کا حاصل ہونا ہے ۔

ب ۔ اِسی حدیث کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :۔
قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى اِلَى السَّمَآءِ الدُّنْيَا (الحدیث) قَالُوْا هٰذَا كِنَايَةٌ عَنْ تَهَيُّؤِ النُّفُوْسِ لِاسْتِنْزَالِ رَحْمَةِ اللّٰهِ ----- وَعِنْدِيْ اِنَّهٗ مَعَ ذٰلِكَ كِنَايَةٌ عَنْ شَيْءٍ مُتَجَدِّدٍ يَسْتَحِقُّ اَنْ يُعَبَّرَ عَنْهُ بِالنُّزُوْلِ ؛"
(الحجۃ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۳۰ مترجم اُردو مطبوعہ حمایت اسلام پریس باب النوافل)

ترجمہ از شموس اللہ البازغۃ :-

"اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَکَ وَتَعَالیٰ الخ یعنی جب رات کا تیسرا حصہ باقی رہتا ہے تو ہمارا پروردگار آسمانِ دُنیا کی طرف اُترتا ہے اور فرماتا ہے کہ کوئی ہے کہ مجھ سے کچھ طلب کرے تو مَیں اس کی مراد پوری کروں الخ علماء نے اِس حدیث کے یہ معنی کیے ہیں کہ نفس انسانیہ اس بات کے قابل ہو جاتے کہ رحمتِ الٰہیہ کے نزول کو برداشت کر سکے اور میرے نزدیک ایک اور معنی بھی ہو سکتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ دل کے اندر کوئی نئی چیز پیدا ہو جائے جس کو نزول کے ساتھ تعبیر کر سکتے ہیں۔" (حاشیہ ص۴۳ جلد ۲)

۳- مؤطا امام مالک ص۷۴ کے حاشیہ باب ما جاء فی ذکر اللہ میں لکھا ہے :-

"قَوْلُہٗ یَنْزِلُ رَبُّنَا اَیْ نُزُوْلُ رَحْمَۃٍ" کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمانا کہ خدا نازل ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی رحمت نازل ہوتی ہے۔

۴- تلخیص المفتاح کے ص۲۶ پر لکھا ہے :" وَقَدْ یُطْلَقُ الْمَجَازُ...... بِحَذْفِ لَفْظٍ اَوْ زِیَادَۃِ لَفْظٍ کَقَوْلِہٖ تَعَالیٰ جَآءَ رَبُّکَ...... اَیْ اَمْرُ رَبِّکَ" یعنی بعض دفعہ مجاز میں کوئی لفظ حذف کیا جاتا ہے یا زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ کا فرمانا جَآءَ رَبُّکَ کہ تیرا رب آیا اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا حکم آیا۔

پس کَاَنَّ اللّٰہَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ کا مطلب بھی صاف ہے کہ خدا کی رحمت۔ خدا کے فضل۔ خدا کے جلال اور اس کے حکم کا نزول ہوتا ہے۔

۱۹- یَتِمُّ اِسْمُکَ وَلَا یَتِمُّ اِسْمِیْ

تیرا نام پورا ہو جائیگا۔ مگر میرا (خدا کا) نام پورا نہ ہوگا۔

الجواب :- حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اِس الہام کی تشریح فرمائی ہے :-

۱- براہین احمدیہ حصہ دوم ص۲۴۲ حاشیہ در حاشیہ میں الہام یَا اَحْمَدُ یَتِمُّ اِسْمُکَ وَلَا یَتِمُّ اِسْمِیْ درج فرما کر اس کے آگے بین السطور تحریر فرماتے ہیں۔" اَیْ اَنْتَ فَانٍ یَنْقَطِعُ تَحْمِیْدُکَ وَلَا یَنْتَھِیْ مَحَامِدُ اللّٰہِ فَاِنَّھَا لَا تُعَدُّ وَلَا تُحْصٰی" یعنی اس الہام کا مطلب یہ ہے کہ اے احمد تُو فوت ہو جائیگا اور تیرے کمالات اور محامد ختم ہو جائیں گے۔ مگر خدا کے محامد ختم نہیں ہونگے۔ کیونکہ وہ لاتعداد اور بے شمار ہیں۔

۲- پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام خطبہ الہامیہ ص۱۰ پر تحریر فرماتے ہیں :" اِذَا اَنَارَ النَّاسُ بِنُوْرِ رَبِّہٖ اَوْ بَلَّغَ الْاَمْرَ بِقَدْرِ الْکِفَایَۃِ فَحِیْنَئِذٍ یَتِمُّ اِسْمُہٗ وَیَدْعُوْہُ رَبُّہٗ وَیُرْفَعُ رُوْحُہٗ اِلٰی نُقْطَتِہِ النَّفْسِیَّۃِ" یعنی جب انسانِ کامل لباسِ خلافت زیب تن کر لیتا ہے اور اس کے بعد یہ بندہ زمین پر ایک مدت تک جو اس کے رب کے ارادہ میں ہے توقف کرتا ہے تاکہ مخلوق کو نورِ ہدایت کے ساتھ منور کرے اور جب خلقت کو اپنے رب کے نور کے ساتھ روشن کر چکا یا امر تبلیغ کو بقدر کفایت پورا کر دیا

پس اُس وقت اُس کا نام پورا ہو جاتا ہے۔ اور اُس کا رب اس کو بُلاتا ہے اور اُس کی رُوح اس کے نقطۂ نفسی کی طرف اُٹھائی جاتی ہے۔" گویا وہ فوت ہو جاتا ہے۔

پس الہام یَتِمُّ اِسْمُكَ وَلَا یَتِمُّ اِسْمِیْ کا مطلب یہ ہے کہ تُو فوت ہو جائیگا مگر میں (یعنی خدا) فوت نہیں ہونگا۔ فلا اعتراض۔

۲۰۔ اَلْاَرْضُ وَالسَّمَاءُ مَعَكَ كَمَا هُوَ مَعِیْ

عربی غلط ہے هُوَ کی بجائے هُمَا چاہیئے۔ کیونکہ زمین و آسمان دو ہیں نہ کہ ایک۔

جواب :- یہ جائز ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ۔ (التوبة :۶۲) کہ اللہ اور اس کا رسول سب سے زیادہ حق رکھتے ہیں کہ اُن کو خوش کیا جاتے۔ آپ کے قاعدہ کے مطابق یہاں بھی یُرْضُوْهُ کی بجائے یُرْضُوْهُمَا چاہیئے تھا۔

۲۱۔ "تیرا تخت سب سے اوپر بچھایا گیا"

الجواب ا۔ اِس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اِس اُمت ہی کے تخت مراد ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں شامل نہیں چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

"غرض اس حصہ کثیر وحی الہٰی اور امورِ غیبیہ میں اِس اُمت میں سے مَیں ہی ایک فرد مخصوص ہوں اور جسقدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اِس اُمت میں سے گذرے ہیں اُن کو یہ حصہ کثیر اس نعمت کا نہیں دیا گیا پس اِس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لیے مَیں ہی مخصوص کیا گیا۔"

"یہ بات ایک ثابت شدہ امر ہے کہ جسقدر خدا تعالیٰ نے مجھ سے مکالمہ و مخاطبہ کیا ہے اور جسقدر امورِ غیبیہ مجھ پر ظاہر ہوتے ہیں تیرہ سو برس ہجری میں کسی شخص کو آجتک بجز میرے یہ نعمت عطا نہیں کی گئی۔"

(حقیقة الوحی صفحہ ۳۹۱)

۲۔ چنانچہ اربعین نمبر ۱ و ۲ (جو اکٹھے چھپے ہیں) اس کے صفحہ ۹ پر اور پھر اربعین نمبر ۴ (جو علیحدہ چھپا ہے) کے صفحہ ۶ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام "اِنِّیْ فَضَّلْتُكَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ" درج ہے۔ اس کا ترجمہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہر دو ایڈیشنوں کے صفحہ ۱ پر کیا ہے۔

"اور جسقدر لوگ تیرے زمانے میں ہیں سب پر مَیں نے تجھے فضیلت دی۔"

پس معلوم ہوا کہ آپ کا تخت جو سب سے اونچا بچھایا گیا تو اس سے مُراد بھی اُمتِ محمدیہ ہی کے تخت ہیں۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو خدا کے فضل سے نبی اللہ ہیں اور آپ کا مقام مسیح ناصری علیہ السلام سے بھی بلند ہے۔ مگر حضرت "پیرانِ پیر" سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

"اَنَا مِنْ وَّرَآءِ عُقُوْلِكُمْ فَلَا تَقِیْسُوْنِیْ عَلٰی اَحَدٍ وَلَا تَقِیْسُوْا اَحَدًا عَلَیَّ۔

(فتوح الغیب مترجم فارسی ص۲۲) یعنی میں تمہاری عقلوں سے بالا ہوں۔ مجھ کو کسی دوسرے پر قیاس نہ کرو اور نہ کسی دوسرے کو مجھ پر قیاس کرو۔

۲۲۔ ءَ تَعْجَبِیْنَ لِاَمْرِ اللّٰہِ

عربی غلط ہے۔ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ چاہیئے تھا۔ "عجب" کا صلہ لام نہیں آتا۔

جواب:۔ "عجب" کا صلہ لام آتا ہے۔ ملاحظہ ہو مشہور عرب شاعر جعفر بن علبۃ الحارثی جبکہ وہ مکہ میں قید تھا کہتا ہے:۔

عَجِبْتُ لِمَسْرَاھَا وَاَنّٰی تَخَلَّصَتْ
اِلَیَّ وَبَابُ السِّجْنِ دُوْنِیْ مُغَلَّقٗ (حماسہ ص۴)

کہ میں نے اپنی معشوقہ کے چلے جانے پر تعجب کیا کہ ایسی حالت میں کہ قید خانے کا دروازہ مقفل ہے پھر وہ کس طرح میرے پاس پہنچ گئی۔

اِس شعر میں عجب کا صلہ لام آیا ہے۔ پس تمہارا اعتراض باطل ہے۔

۲۳۔ یَحْمَدُکَ اللّٰہُ مِنْ عَرْشِہٖ

"حمد" کا لفظ سوائے خدا کے کسی اور پر بولا نہیں جاتا؟

جواب:۔ "حمد" کا لفظ غیر اللہ پر بھی بولا جا سکتا ہے۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہی محمدؐ تھا۔

۲۔ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی شخص نے کچھ سوال کیا۔ تو حضورؐ نے تھوڑی دیر ٹھہر کر فرمایا۔ اَیْنَ السَّائِلُ۔ کہ وہ سائل کہاں ہے؟ اِس کے متعلق بخاری و مسلم میں لکھا ہے کَاَنَّہٗ حَمِدَہٗ۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کی (حمد) تعریف کی۔

(بخاری باب الصدقۃ علی الیتامیٰ جلد ا ص۱۶۹ مصری و مسلم باب تخوف ماتخرج من زمرۃ الانبیاء جلد ا ص۳۸۷ مصری۔)

۳۔ "اِفْعَلْ ھٰذَا الَّذِیْ اَمَرْتُکَ بِہٖ لِنُقِیْمَکَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا یَحْمَدُکَ الْخَلَائِقُ کُلُّھُمْ وَخَالِقُھُمْ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی"۔ (تفسیر ابن کثیر جلد ۶ ص۹۲)

کہ یَبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کا مطلب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے۔ یہ جو میں نے تجھے حکم دیا اُس کو بجالا تاکہ میں تجھ کو قیامت کے دن مقام محمود پر کھڑا کروں۔ تمام دُنیا تیری حمد کریگی اور خالق کون و مکان (خدا تعالیٰ) بھی تیری حمد کریگا۔

۴۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"فَیَحْمَدُنِیْ وَاَحْمَدُہٗ وَیَعْبُدُنِیْ وَاَعْبُدُہٗ" کہ اللہ تعالیٰ میری حمد کرتا ہے اور میں اُس کی حمد کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ میری عبادت کرتا ہے اور میں اُس کی عبادت کرتا ہوں۔

حضرت امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ مندرجہ بالا ارشاد کی حسب ذیل تشریح فرماتے ہیں:۔

"اِنَّ مَعْنٰی یَحْمَدُنِیْ" اَنَّہٗ یَشْکُرُنِیْ اِذَا اَطَعْتُہٗ کَمَا فِیْ قَوْلِہٖ تَعَالٰی "اُذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ" وَاَمَّا فِیْ قَوْلِہٖ "فَیَعْبُدُنِیْ وَاَعْبُدُہٗ" اَیْ یُطِیْعُنِیْ بِاِجَابَتِہٖ دُعَائِیْ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی "لَا تَعْبُدُوا الشَّیْطَانَ" اَیْ لَا تُطِیْعُوْہُ وَاِلَّا فَلَیْسَ اَحَدٌ یَعْبُدُ الشَّیْطَانَ کَمَا یَعْبُدُ اللّٰہَ" (الیواقیت والجواہر ص۱۲ سطر، مطبوعہ مطبع میمنیہ مصر)

یعنی حضرت امام ابن عربی کا یہ فرمانا کہ اللہ میری حمد کرتا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ میری اطاعت و فرمانبرداری کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ جیسا کہ وہ فرماتا ہے کہ تم مجھے یاد کرو میں تم کو یاد کرونگا اور شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے جو یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ میری عبادت کرتا ہے اور میں اس کی عبادت کرتا ہوں۔ تو اس جگہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دعائیں قبول فرما کر میری بات مانتا (میری اطاعت کرتا) ہے جیسا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ شیطان کی عبادت نہ کرو۔ یعنی شیطان کا کہا نہ مانو۔ ورنہ دنیا میں کوئی بھی ایسا انسان نہیں ہے جو شیطان کی اس رنگ میں عبادت کرتا ہو جس رنگ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔

پس عبارت بالا میں لفظ "حمد" بعینہٖ اسی طرح استعمال ہوا ہے جس طرح حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کی مندرجہ بالا عبارت میں۔

۴۔ قرآن مجید میں ہے:۔ وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا (آل عمران: ۱۸۹) کہ وہ چاہتے ہیں کہ ان کی بغیر کسی کام کرنے کے ہی تعریف کی جائے۔

علیٰ ہذا القیاس متعدد مثالیں ہیں جنکو بخوف تطویل درج نہیں کیا گیا۔

۲۴۔ حجر اسود منم

حضرت فرماتے ہیں کہ خواب میں کسی شخص نے میرے پاؤں کو بوسہ دیا۔ میں نے کہا کہ حجر اسود میں ہوں۔

جواب ۱۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کی تشریح فرما دی ہے۔ "وَاِنِّیْ اَنَا الْحَجَرُ الْاَسْوَدُ الَّذِیْ وُضِعَ لَہُ الْقَبُوْلُ فِی الْاَرْضِ وَالنَّاسُ بِمَسِّہٖ یَتَبَرَّکُوْنَ"۔ اس پر حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ "قَالَ الْمُعَبِّرُوْنَ اَنَّ الْمُرَادَ مِنَ الْحَجَرِ الْاَسْوَدِ فِیْ عِلْمِ الرُّؤْیَا اَلْمَرْءُ الْعَالِمُ الْفَقِیْہُ الْحَکِیْمُ" (الاستفتاء عربی ص۳۱) کہ میں وہ حجر اسود ہوں جس کو خدا نے دُنیا میں مقبولیت دی ہے اور جس کو لوگ برکت حاصل کرنے کے لیے چھوتے ہیں۔

حاشیہ میں لکھتے ہیں:۔ کہ اُستادانِ فن تعبیر نے لکھا ہے کہ علم الرؤیا میں حجر اسود سے مراد عالم، فقیہہ اور حکمت والا انسان ہوتا ہے۔

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس رؤیا کی تعبیر بھی فرما دی ہے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت علیؓ کو فرماتے ہیں:۔ "یَا عَلِیُّ اَنْتَ بِمَنْزِلَۃِ الْکَعْبَۃِ"۔ (فردوس الاخبار دیلمی ص۳۱ باب الیاء) یعنی اسے علیؓ! تو بمنزلہ کعبہ کے ہے۔

۳۔ حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت امیر المومنین امام المتقین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہٗ ۔۔۔۔ خطبہ لوگوں کو کہہ رہے تھے کہ میں اسم اللہ سے لفظ دیا گیا ہوں ۔ اور میں ہی اُس اللہ کا حَنْب (پہلو) ہوں جس میں تم نے افراط و تفریط کی ہے اور میں ہی قلم ہوں ۔ اور میں ہی لوح محفوظ ہوں اور میں ہی عرش ہوں اور میں ہی کرسی ہوں اور میں ہی ساتوں آسمان ہوں اور میں ہی ساتوں زمین ہوں ۔"

(مقدمۂ فصوص الحکم فصل ہشتم مترجم اُردو صفحہ ۶۰ و ۶۱)

۴۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔

"میں مدت تک کعبہ کا طواف کرتا رہا ، لیکن جب خدا تک پہنچ گیا تو خانہ کعبہ میرا طواف کرنے لگا ۔"

(تذکرۃ الاولیاء باب ۱۴ ص ۲۹۷)

حضرت بایزید بسطامی کی عظمت شان

ممکن ہے کہ کوئی شخص یہ کہہ کر ٹالنے کی کوشش کرے کہ بایزید بسطامیؒ کا قول حجت نہیں لیکن یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت بویزید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اسقدر بلند ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کا اقرار فرمایا ہے ۔ چنانچہ حضرت داتا صاحب رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"معرفت کا آسمان اور محبت کی کشتی ابو یزید طیفور بن علی بسطامی رحمۃ اللہ علیہ یہ بہت بڑے مشائخ میں سے ہوا ہے اور اس کا حال سب سے بڑا اور اس کی شان بہت بڑی ہے اس حد تک کہ جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ :۔ اَبُوْ یَزِیْدَ مِنَّا بِمَنْزِلَۃِ جِبْرِیْلَ مِنَ الْمَلَائِکَۃِ یعنی ابو یزید ہمارے درمیان ایسا ہے جیسا کہ جبرائیل فرشتوں میں ۔۔۔۔ اور تصوف کے دس اماموں میں سے ایک یہ ہوتے ہیں اور اس سے پہلے علم تصوف کی حقیقتوں میں کسی کو اِس قدر علم نہ تھا جیسا کہ اِس کو تھا اور ہر حال میں علم کا محب اور شریعت کا تعظیم کنندہ تھا ۔"

(کشف المحجوب مترجم اردو ص ۱۲۲ ذکر امام مشائخ تبع تابعین)

۵۔ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب تذکرۃ الاولیاء میں حضرت رابعہ بصریؒ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں :۔

"ایک دوسری مرتبہ آپ (حضرت رابعہ بصریؒ) حج کو جارہی تھیں ۔ جنگل میں کیا دیکھتی ہیں کہ کعبہ مکرمہ آپ کے استقبال کو آرہا ہے ۔ رابعہؒ نے کہا ۔ مجھ کو مکان کی ضرورت نہیں صاحب مکان درکار ہے ۔ کعبہ کے جمال کو دیکھکر کیا کرونگی ۔" (تذکرۃ الاولیاء اردو نواں باب ص ۵۲ مطبوعہ علمی پریس)

۶۔ حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ حضرت شبلیؒ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں :۔

"ایک دفعہ آگ لے کر کعبہ کی طرف چلے اور کہنے لگے ۔ میں جا کر خانہ کعبہ کو جلاتا ہوں تاکہ لوگ خداوند کعبہ کی طرف متوجہ ہوں ۔" (تذکرۃ الاولیاء چودھواں باب ص ۱۲۲)

۷۔ حضرت ابوالقاسم نصیرآبادی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت لکھا ہے :۔
"ایک دفعہ مکہ میں لوگ طواف کر رہے تھے اور آپس میں باتیں بھی کر رہے تھے۔ آپ اُسی وقت باہر جاکر لکڑیاں اور آگ لے آتے۔ لوگوں نے پوچھا۔ یہ کیا حرکت ہے ؟ آگ اور لکڑیوں کا یہاں کیا کام ؟ فرمایا کہ کعبہ کو جلا دونگا تاکہ سب غافل لوگ خدا کی طرف رجوع کرلیں"
(تذکرۃ الاولیاء ترجمہ اردو باب ۹۴ صفحہ ۳۱۸)

۲۵۔ "ٹیچی ٹیچی"

سوال :۔ مرزا صاحب کا الہام ہے "ٹیچی ٹیچی"

جواب :۔ بالکل غلط ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا کوئی ایسا الہام نہیں۔ ایک خواب ضرور ہے جس میں حضورؑ نے ایک آدمی دیکھا جو فرشتہ معلوم ہوتا تھا۔ اور اُس نے اپنا نام "ٹیچی" بتایا۔ پنجابی زبان میں ٹیچی کے معنے ہیں "وقت مقررہ پر آنے والا"۔ پس اس خواب کی تعبیر یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بروقت امداد فرمائیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اور جو مشکلات لنگر کے اخراجات کی نسبت اس خواب کے دیکھنے سے پہلے درپیش تھیں۔ وہ اس خواب کے بعد جلد ہی دُور ہوگئیں۔ پس یہ کہنا کہ مرزا صاحب کو "ٹیچی ٹیچی" الہام ہوا محض شرارت ہے۔

سوال :۔ کیا "ٹیچی ٹیچی" بھی فرشتہ ہوتا ہے ؟

جواب :۔ اوّل تو جیسا کہ اوپر بتایا گیا ہے حضرت اقدسؑ نے کہیں بھی تحریر نہیں فرمایا کہ وہ "فرشتہ" تھا۔ بلکہ اُسے فرشتہ نما انسان قرار دیا ہے، لیکن تم ذرا یہ بتاؤ کہ کیا فرشتے کانے بھی ہوا کرتے ہیں ؟ بخاری میں ہے :۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ اُرْسِلَ مَلَکُ الْمَوْتِ اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ فَلَمَّا جَآءَہٗ صَکَّہٗ فَوَضَعَ عَیْنَہٗ فَرَجَعَ اِلٰی رَبِّہٖ فَقَالَ اَرْسَلْتَنِیْ اِلٰی عَبْدٍ لَا یُرِیْدُ الْمَوْتَ فَرَدَّ اللّٰہُ عَلَیْہِ عَیْنَہٗ وَقَالَ ارْجِعْ فَقُلْ لَہٗ یَضَعُ یَدَہٗ عَلٰی مَتْنِ ثَوْرٍ فَلَہٗ بِکُلِّ مَا غَطَّتْ بِہٖ یَدُہٗ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ سَنَۃٌ قَالَ اَیْ رَبِّ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْمَوْتُ۔

{ بخاری کتاب الصلوٰۃ باب مَنْ اَحَبَّ الدَّفْنَ فِی الْاَرْضِ الْمُقَدَّسَۃِ جلد ۱ صفحہ ۱۵۳ مطبع الہیہ مصر۔ نیز مشکوٰۃ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء صفحہ ۵۰۸ اصح المطابع }

اس کا ترجمہ تجرید بخاری اردو شائع کردہ مولوی فیروزالدین اینڈ سنز لاہور سے نقل کیا جاتا ہے۔
"حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ملک الموت حضرت موسیٰؑ کے پاس بھیجا گیا جب وہ آیا تو موسیٰؑ نے اُسے ایک طمانچہ مارا جس سے اُس کی ایک آنکھ پھوٹ گئی۔ پس وہ اپنے پروردگار کے پاس لوٹ گیا اور عرض کی کہ تُو نے مجھے ایسے بندے کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ اللہ نے اُس کی آنکھ دوبارہ عنایت کی اور ارشاد ہوا پھر جاکر اُن سے کہو کہ وہ اپنا ہاتھ ایک بیل کی پیٹھ پر رکھیں پس جس قدر بال اُن کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے۔ ہر بال کے عوض میں انہیں ایک ایک سال زندگی دی جائیگی۔ حضرت موسیٰؑ

بولے اے پروردگار! پھر کیا ہو گا؟ اللہ نے فرمایا پھر موت آئیگی جس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ تو پھر ابھی سہی۔"
(تجرید البخاری اُردو جلد ا صفحہ ۱۵!)

بھلا "ٹیچی" تو محض نام ہے۔ تم تو عملاً عزرائیل کو بھی کانا مانتے ہو۔

۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فرشتہ تھا بلکہ فرمایا ہے کہ "فرشتہ معلوم ہوتا تھا۔" (مکاشفات صفحہ ۳۸) نیز خواب میں جو اُس فرشتہ نما انسان نے جو اپنا نام بتایا ہے وہ صرف "ٹیچی" ہے۔ مگر تم محض شرارت سے "ٹیچی ٹیچی" کہتے ہو جو یہود کی مثل یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ کا مصداق بنتا ہے۔

(عزرائیل کو طمانچہ مار کر کانا کرنے کی حدیث بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۵۴ کتاب بدء الخلق باب وفات موسیٰ وذکرہٗ بعدہ۔ نیز مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ مطبع العامرہ مصری کتاب الفضائل باب فضائل موسیٰ۔ نیز مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۹ مطبع حیدری باب بدء الخلق ذکر الانبیاء فصل الاوّل میں بھی موجود ہے۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس کا ترجمہ بتایا ہے:۔
"ٹیچی پنجابی (زبان) میں "وقت مقررہ" کو کہتے ہیں۔ یعنی عین ضرورت کے وقت آنے والا۔"
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۳۲)

۴۔ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ وہ کوئی فرشتہ تھا تو اس پر کیا اعتراض ہے۔ یہ تو ایک صفاتی نام ہے۔ نبی کی اپنی زبان (پنجابی) میں۔ گویا خدا تعالیٰ نے الہام کیا ہے اور تم اس پر ہنستے ہو۔ اور مذاق اُڑاتے ہو اگر نبی کی اپنی زبان میں الہام نہیں ہوتا تو اس پر اعتراض کرتے ہو۔ کہ غیر زبان میں الہام کیوں ہوا خدا تعالیٰ نے تم کو اِسی کشف کے ذریعہ سے ملزم اور ماخوذ کیا ہے کہ تمہاری پنجابی زبان تو ایسی زبان ہے کہ غالباً اس کے اکثر حصّہ پر مذاق ہی مذاق اُڑایا جا سکتا ہے۔ اسی لیے عام طور پر خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو افصح الالسنہ (عربی) میں الہام کیا۔ کیونکہ ضرورت زمانہ اور ملہم کی فطرتی پاکیزگی مقتضی تھی کہ فصاحت اور بلاغت کا معجزہ اُسے دیا جاتا۔ مگر پنجابی زبان اس کی متحمل نہ ہو سکتی تھی۔ اس لیے آپ کو الہامات کا اکثر حصّہ عربی زبان میں ہوا۔

۵۔ باقی رہا تمہارا کہنا کہ اس نے جھوٹ بولا اور پہلے کہا میرا کوئی نام نہیں اور بعد میں دوبارہ پوچھنے پر اپنا نام بتایا۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ "ٹیچی" جیسا کہ بیان ہوا اس کا ذاتی نام (عَلَم) نہیں۔ بلکہ صفاتی نام ہے۔ گویا نفی ذاتی نام کی ہے اور اثبات صفاتی کا۔ جب اس سے کہا کہ میرا کوئی نام نہیں تو اس نے اپنے ذاتی نام (یعنی عَلَم) کی نفی کی۔ اور جب اُس سے کہا گیا کہ "کچھ" تو بتاؤ۔ تو اُس نے اپنی ڈیوٹی (یعنی وقت پر پہنچ کر مدد کرنا) کو مدِ نظر رکھکر اپنا صفاتی نام بتا دیا اب اس کو جھوٹ کہنا انہی لوگوں کا کام ہو سکتا ہے جو انبیاء کو بھی جھوٹ بولنے کا عادی قرار دیا کرتے ہیں۔ گویا ہر بات میں اُن کو جھوٹ ہی نظر آیا کرتا ہے (اس کی تفصیل آگے آئیگی)

۶۔ بخاری شریف کے پہلے باب کی دوسری حدیث میں ہے: "فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحْيَانًا يَأْتِيْنِيْ مِثْلَ صَلْصَلَةِ الْجَرَسِ" (بخاری۔ کتاب کیف کان بدء الوحی) کہ اکثر دفعہ فرشتہ وحی لیکر ٹن ٹن ٹلی کی آواز کی طرح آتا ہے۔

یہ اب "ٹلی ٹلی" کوئی فرشتہ نہیں۔ بلکہ اُس کی آمد کی کیفیت بیان کی گئی ہے۔ اسی طرح بیان بھی "ٹیچی" اُس کی صفت ہے۔

۷۔ ہاں فرشتوں کے نام "صفاتی" بھی ہوتے ہیں جو اُن کے ذاتی نام (عَلَم) کے سوا ہوتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: "اِسْمُ جِبْرِيْلَ عَبْدُ اللهِ وَاِسْمُ مِيْكَائِيْلَ عُبَيْدُ اللهِ وَاِسْمُ اِسْرَافِيْلَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ" (دیلمی ۵۵ باب الالف راوی ابو امامۃؓ) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جبریل کا نام عبداللہ ہے اور حضرت میکائیل کا نام عبید اللہ اور حضرت اسرافیل کا نام عبدالرحمٰن ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے:۔

> "ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا۔ جب میں بیت المقدس سے فارغ ہوا۔ اُس وقت مجھ کو معراج ہوئی...... جبرائیل جو میرے ساتھی تھے انہوں نے مجھ کو آسمانِ دنیا کے دروازہ پر چڑھایا جس کا نام باب الحفظہ ہے اور اُس کا دربان ایک فرشتہ اسمٰعیل نام ہے اس کے ماتحت بارہ ہزار فرشتے ہیں اور اُن میں سے ہر ایک کے ماتحت بارہ بارہ ہزار فرشتے ہیں۔"

(سیرت ابن ہشام جلد ۱ باب الاسراء والمعراج مترجم اُردو صفحہ ۱۴۰)

اس سے ثابت ہوا کہ فرشتوں کے صفاتی نام بھی ہوتے ہیں جو اُن کی ڈیوٹیوں کے اعتبار سے لگائے گئے ہیں۔ اب حضرت جبرائیلؑ کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "عبداللہ" بتایا ہے۔ اگر کوئی ازراہِ تمسخر شرارت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے متعلق یہ کہے کہ "میاں عبداللہ"۔ "میاں اسمٰعیل" یہ وحی لایا ہے۔ تو جو جواب تمہارا سو وہی ہمارا۔ سمجھ لو۔

۲۶۔ "کمترین کا بیڑا غرق ہو گیا"

(البشریٰ جلد ۲)

یہ مرزا صاحب کو اپنے متعلق الہام ہوا۔

جواب:۔ تم دھوکہ سے کام لیتے ہو۔ "البشریٰ" جس میں یہ الہام درج ہے۔ اُس کے آگے تشریح بھی موجود ہے:۔

> "کمترین کا بیڑہ غرق ہو گیا۔ یعنی کسی کے قول کی طرف اشارہ ہے یا شاید کمترین سے مراد کوئی شریر مخالف ہے۔" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۲۰)

تم لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ تو پڑھتے ہو۔ مگر وَاَنْتُمْ سُكَارٰى ہضم کر جاتے ہو۔ ع

پکھ تو لوگو خدا سے شرماؤ

۲۷۔ مَیں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا

جواب ا۔ "وَ اَنْتُمْ سُکَارٰی" بھی پڑھو۔ لکھا ہے:۔

"اِس وحی کے بعد ایک، ناپاک رُوح کی آواز آئی۔ مَیں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا۔"

(البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۹۵)

گویا تمہارے جیسی ناپاک روح کے متعلق ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت میں خدا تعالیٰ کے عذاب سے بے خبر ہے اور اسی حالتِ نیند میں ہی اپنے لئے سامانِ جہنم بہم پہنچا رہی ہے۔ فاعتبروا۔

حضرت اقدس علیہ السلام کا اپنے متعلق الہام ہے:۔

"خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود۔" (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۸۵)

۲۔ اس الہام کو حضرت اقدس علیہ السلام نے اُس زلزلہ کے متعلق قرار دیا ہے جو ۱۳ رمئی ۱۹۳۵ء کو کوئٹہ میں موسم بہار کے آخری دن (الوصیت صفحہ ۱۳ حاشیہ) میں آیا جبکہ رات کو لوگ غفلت کی نیند سوتے تھے مگر بعض بدکاروں کی بداعمالیوں کے باعث زلزلہ بھیجکر اُن کو ہلاک کر دیا اور اُن میں سے ناپاک روحیں سوتے سوتے واصلِ جہنم ہوئیں (مرنے والوں میں سے کئی نیک بھی تھے۔ جیسا کہ طوفانِ نوحؑ میں غرق ہونے والوں میں شیر خوار بچے، عورتیں اور جانور بھی شامل تھے) چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام اپنے اشتہار ۱۸ را پریل ۱۹۰۵ء متعلقہ زلزلہ مذکور میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"جب خدا تعالیٰ اِس وحی کے الفاظ میرے دل پر نازل کر چکا تو ایک رُوح کی آواز میرے کان میں پڑی۔ جو ایک ناپاک رُوح تھی اور مَیں نے اُس کو کہتے سُنا۔ مَیں سوتے سوتے جہنم میں پڑ گیا۔"

(دیکھو اشتہار ۱۸ را پریل ۱۹۰۵ء بعنوان "الانذار" آخری صفحہ)

پس اس الہام میں یہ بتایا گیا کہ وہ زلزلہ رات کو آئیگا جبکہ بعض بدکار سوتے سوتے واصل جہنم ہو جائیں گے۔ (تذکرہ صفحہ ۵۲۴)

۲۸۔ "ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں"

جواب:۔ اِس کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود یہ تشریح فرمائی:۔

"یعنی خائب و خاسر کی طرح تیری موت نہیں ہے اور یہ کلمہ کہ ہم مکہ میں مرینگے یا مدینہ میں۔ اسکے یہ معنے ہیں کہ قبل از موت مکّی فتح نصیب ہو گی جیسا کہ وہاں کے دشمنوں کو قہر کے ساتھ مغلوب کیا گیا تھا۔ اِسی طرح یہاں بھی دشمن قہری نشانوں سے مغلوب کئے جائیں گے۔ دوسرے یہ معنے ہیں کہ قبل از موت مدنی فتح نصیب ہو گی۔ خود بخود لوگوں کے دل ہماری طرف مائل ہو جائینگے۔ فقرہ کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیْ مکہ کی طرف اشارہ کرتا ہے اور فقرہ سَلَامٌ قَوْلًا مدینہ کی طرف (البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۰۶

وتذکرہ ۵۲۶ والحکم جلد ۱۰ ۱ ؎)

۲۹- خاکسار پیپرمنٹ

کیا پیپرمنٹ بھی بولتا ہے ؟

الجواب ۔ یہ حضرت اقدس علیہ السلام کا کشف ہے۔ آپ کو ایک شیشی دکھائی گئی جس کے لیبل پر لکھا تھا "خاکسار پیپرمنٹ" جس کا مطلب یہ تھا کہ اس بیماری کا جس میں آپ اُس وقت مبتلا تھے علاج پیپر منٹ ہے (تذکرہ ۴۸۶)۔ پیپرمنٹ تو نہیں بولا۔ مگر تم ذرا بخاری میں پڑھو۔ جہاں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ننگے نہا رہے تھے کہ پتھر جس پر آپ نے کپڑے رکھے ہوئے تھے۔ آپ کے کپڑے لیکر بھاگ گیا۔ اور آپ اس کے پیچھے دوڑے ۔ اُسے پکڑ کر سوٹیاں ماریں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ خدا کی قسم اب تک اس پتھر پر حضرت موسیٰؑ کی سوٹیوں کے نشان موجود ہیں۔ فَذَهَبَ مَرَّةً يَغْتَسِلُ فَوَضَعَ ثَوْبَهُ عَلَى حَجَرٍ فَفَرَّ الْحَجَرُ بِثَوْبِهِ فَخَرَجَ مُوسَى فِي أَثَرِهِ يَقُولُ ثَوْبِي الْحَجَرُ ثَوْبِي الْحَجَرُ (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من اغتسل عریانا جلد ۱ ص ۴۲ مطبع الٰہیہ مصر۔ نیز مشکوٰۃ مجتبائی ص ۵۰۸ باب بدء الخلق وذکر الانبیاء) کہ حضرت موسیٰؑ ایک دفعہ نہانے گئے اور اپنے کپڑے اُتار کر آپ نے ایک پتھر پر رکھے پس وہ پتھر بھاگ گیا اور موسیٰؑ اسکے پیچھے ننگے بھاگے۔ بھاگتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے "اے پتھر! میرے کپڑے دے جا، او پتھر میرے کپڑے دے جا" تمہارے ہاں پتھر کپڑے اُٹھا کر بھاگ سکتا ہے۔ مسجد نبوی ؐ کا شہتیر اور یعفور گدھا باتیں کر سکتے ہیں، لیکن اگر ہمارے ہاں عالم کشف میں کسی شیشی کے لیبل پر "خاکسار پیپرمنٹ" لکھا ہوا مل جائے تو اس پر بھی اعتراض کر دیتے ہو۔ حالانکہ اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔ یہ ایک کشفی نظارہ ہے جس میں علاج کی طرف توجہ دلائی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ اس میں کوئی امر محلِ اعتراض نہیں کیونکہ لکھا ہے کہ تمام علمِ طب اور علمِ تاثیر الادویہ الہامی ہے۔ ملاحظہ ہو :۔

"قَدْ ثَبَتَ أَنَّ عِلْمَ الطِّبِّ وَمَنَافِعَ الْأَدْوِيَةِ وَمَضَارَّهَا إِنَّمَا عُرِفَتْ بِالْوَحْيِ"

(نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی ص ۴۲۳)

کہ یہ امر ثابت ہو گیا ہے کہ علمِ طب۔ ادویہ کے فوائد اور نقصانات محض وحی الٰہی سے معلوم ہوتے ہیں۔ فلا اعتراض

۳۰- اُفْطِرُ وَ اَصُوْمُ

جواب ا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس کی تشریح فرماتے ہیں :۔

"ظاہر ہے کہ خدا روزہ رکھنے اور افطار کرنے سے پاک ہے اور یہ الفاظ اصلی معنوں کی رُو سے اُس کی طرف منسوب نہیں ہو سکتے پس یہ صرف ایک استعارہ ہے اور اس کا اصل مطلب یہ ہے کہ کبھی میں اپنا قہر نازل کرونگا اور کبھی کچھ مہلت دونگا۔ اُس شخص کی مانند جو کبھی کھاتا ہے اور کبھی روزہ رکھتا ہے۔ اور

اپنے تئیں کھانے سے روکتا ہے اور اس قسم کے استعارے خدا کی کتابوں میں بہت ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں لکھا ہے کہ "قیامت کے دن خدا کہے گا کہ میں بیمار تھا۔ میں بھوکا تھا۔ ننگا تھا" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۴)

۲۔ پھر فرماتے ہیں:۔ "میں اپنے وقتوں کو تقسیم کر دونگا کہ کچھ حصہ برس کا تو میں افطار کرونگا یعنی طاعون سے لوگوں کو ہلاک کرونگا اور کچھ حصہ برس کا میں روزہ رکھونگا یعنی امن رہیگا اور طاعون کم ہو جائیگی یا بالکل نہیں رہیگی"۔ (دافع البلاء صفحہ ۹،۸ نیز دیکھو تذکرہ صفحہ ۳۹۵ حاشیہ الف و ب)

۳۔ وہ حدیث جس کا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حوالہ دیا ہے مسلم میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ یَقُوْلُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ یَا ابْنَ اٰدَمَ مَرِضْتُ فَلَمْ تَعُدْنِیْ۔۔۔۔۔ یَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ۔۔۔۔۔ یَا ابْنَ اٰدَمَ اسْتَسْقَیْتُکَ فَلَمْ تَسْقِنِیْ" (مسلم عیادۃ المریض) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کو کہے گا۔ اے ابن آدم! میں بیمار تھا۔ تو نے میری تیمار داری نہ کی۔۔۔۔۔۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے کھانا مانگا تُو نے مجھے کھانا نہ کھلایا۔۔۔۔۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا مگر تُو نے مجھے نہ پلایا۔ الخ

(بحوالہ ریاض الصالحین صفحہ ۲۰۵ مصری)

پس خدا بیمار ہو سکتا ہے۔ بھوکا پیاسا ہو سکتا ہے۔ مگر روزہ نہیں رکھ سکتا۔

۳۱۔ اُخْطِئُ وَ اُصِیْبُ

جواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس کی مندرجہ ذیل تشریح فرمائی ہے:۔

"اپنے ارادہ کو کبھی چھوڑ بھی دونگا اور کبھی ارادہ پورا کرونگا۔۔۔۔ جیسا کہ احادیث میں لکھا ہے کہ میں مومن کے قبض روح کے وقت تردّد میں پڑتا ہوں۔ حالانکہ خدا تردّد سے پاک ہے۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ کبھی میں اپنی تقدیر اور ارادہ کو منسوخ کر دیتا ہوں اور کبھی وہ ارادہ جیسا کہ چاہا ہوتا ہے"۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۰۳ حاشیہ)

۲۔ وہ حدیث جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اشارہ فرمایا ہے۔ بخاری میں ہے:۔

"وَمَا تَرَدَّدْتُ عَنْ شَیْءٍ اَنَا فَاعِلُہٗ تَرَدُّدِیْ عَنْ نَفْسِ الْمُؤْمِنِ"۔

(بخاری کتاب الرقاق باب التواضع جلد ۴ صفحہ مصری)

خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے کسی چیز کے متعلق کبھی اتنا تردّد نہیں کیا۔ جتنا ایک مومن کی رُوح قبض کرنے کے وقت مجھے ہوتا ہے۔

۳۲۔ کرمہائے تو مارا کرد گستاخ

یہ حضرت مرزا صاحب کا الہام ہے مگر حضرت مرزا محمود احمد صاحب فرماتے ہیں:۔

"نادان ہے وہ شخص جس نے کہا "کرمہائے تو مارا کرد گستاخ" کیونکہ خدا کے فضل انسان کو گستاخ نہیں کرتے اور سرکش نہیں بناتے بلکہ اور زیادہ شکر گذار اور فرمانبردار بناتے ہیں۔"

(الفضل ۲۳ ر جنوری ۱۹۱۷ء)

الجواب :- یہ الہام تو ہے مگر حکایتاً عن الغیر خدا کا کلام ہے۔ جس طرح قرآن کریم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلق ہے۔ ءَ اِنَّا لَتَارِكُوْا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ نیز سَاحِرٌ كَذَّابٌ۔ وغیرہ اب سوال یہ ہے کہ کیا خدا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مخاطب کرکے کہہ رہا ہے ۔ "کرمہائے تو مارا کرد گستاخ" (نعوذ باللہ) یا کیا حضرت مسیح موعود علیہ السلام خدا کو کہہ رہے ہیں؟ ظاہر ہے کہ دونوں صورتیں باطل ہیں۔ لفظ "ما" ایک جماعت کو چاہتا ہے جس کا یہ قول حکایتاً نقل ہوا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جماعت جماعتِ مومنین نہیں۔ کیونکہ خدا کے فضل مومن کو گستاخ نہیں بناتے۔ پس یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق حضرت اقدسؑ کا ایک دوسرا الہام ہے کہ شَرُّ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ کہ شرارت اُن لوگوں کی جن پر تُونے انعام کیا۔ پس یہ اہلِ پیغام ہیں جنہوں نے حضرت اقدس علیہ السلام کی مہربانیوں اور لطف وکرم کا نتیجہ گستاخی اور استخفاف سے دیا اور حضرتؑ اور حضرت کے اہلِ بیت کے دشمن ہو گئے بمطابق الہام سَيَقُوْلُ الْعَدُوُّ لَسْتَ مُرْسَلًا (کہ دشمن کہے گا تو رسول نہیں)

حضرت اقدس علیہ السلام کا ایک اور شعر بھی ہے

وَمِنْ عَجَبٍ اُشَرِّفُكُمْ وَ اَدْعُوْ
وَ مِنْكَ الْمَشْرَفِيَّةُ وَ الرِّمَاحُ

(تحفہ بغداد ص۳۱)

کہ تعجب ہے کہ میں تمہاری عزت کرتا ہوں۔ اور تمہیں بُلاتا ہوں۔ مگر تمہاری طرف سے نیزے اور تیر ہیں۔

۳۳۔ "خیراتی"

مرزا صاحب کے پاس ایک فرشتہ آیا جس کا نام "خیراتی رام" تھا۔

الجواب :- لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہرگز "خیراتی رام" نہیں لکھا۔ بلکہ ایک فرشتے کا بحالتِ رؤیا آنے کا ذکر فرمایا ہے۔ جس نے اپنا نام "خیراتی" بتایا ہے۔ آگے یہ تمہارا کام ہے کہ تم لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ والی آیت کے مطابق اپنے پاس سے الفاظ کو بگاڑ کر کچھ کا کچھ بنا دو۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دشمن "رَاعِنَا" کو "رَاعِيْنَا" کرکے پکارتے تھے۔

باقی رہا فرشتے کا نام تو درحقیقت یہ لفظ "خیراتی" ہندی۔ پنجابی یا اُردو کا نہیں بلکہ عربی زبان کا لفظ ہے جو خَيْرَاتِيٌّ ہے جو خیر سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں "نیکیوں والا"۔ ی نسبتی ہے۔ یہ اُس فرشتے کا صفاتی نام ہے چنانچہ ہمارے مندرجہ بالا معنوں کی تائید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ ذیل تحریر سے ہوتی ہے :-

"اِتنے میں تین فرشتے آسمان سے آئے۔ ایک کا نام اُن میں سے خیراتی تھا۔۔۔۔ تب میں نے اُن فرشتوں کو کہا کہ آؤ میں ایک دُعا کرتا ہوں۔ تم آمین کرو۔ تب میں نے یہ دُعا کی کہ رَبِّ اَذْهِبْ عَنِّيَ الرِّجْسَ وَطَهِّرْنِيْ تَطْهِيْرًا۔ اس کے بعد وہ تینوں فرشتے آسمان کی طرف اُٹھ گئے اور میری آنکھ کھل گئی۔ اور آنکھ کھلتے ہی میں نے دیکھا کہ ایک طاقتِ بالا مجھ کو ارضی زندگی سے بلند تر کھینچ کر لے گئی۔ اور وہ ایک ہی رات تھی جس میں خدا نے تمام و کمال میری اصلاح کر دی اور مجھ میں وہ تبدیلی واقع ہوئی جو انسان کے ہاتھ سے یا انسان کے ارادہ سے نہیں ہو سکتی۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں صفحہ ۹۴ و صفحہ ۹۵ شائع کردہ بکڈپو صفحہ ۱۹۲)

حضرت اقدس علیہ السلام کا یہ رؤیا ۱۸۷۴ء میں یعنی ماموریت سے پہلے کا ہے۔ تم تو دو فرشتوں کے قائل ہو کہ ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ ایک نیکیوں والا اور دوسرا بدیوں والا۔ پھر اعتراض کیوں؟

۴۴۔ "جے سنگھ بہادر"

جواب:۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے طاقتور شیر کو فتح نصیب ہوگی اور "غلام احمد کی جے" کے نعرے بلند ہوں گے۔ جیسا کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے ایک دوسری جگہ فرمایا ہے ؎

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود   ندائے فتح نمایاں بنامِ ما باشد

اور دشمن کو بتایا گیا کہ وہ ناکام رہے گا۔ ع

ہاتھ شیروں پر نہ ڈال اے روبۂ زار و نزار

باقی لفظ "جے سنگھ" پر مذاق اُڑانا ایسی ہی جہالت ہے جیسے کوئی شخص خدا کے متعلق گاڈ یا پرمیشور کا لفظ سُن کر اُس کا مذاق اُڑاتے۔

۴۵۔ گورنر جنرل

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"مسیح جس کا دوسرا نام مہدی ہے دُنیا کی بادشاہت سے ہرگز حصہ نہیں پائیگا۔ بلکہ اُس کے لئے آسمانی بادشاہت ہوگی اور یہ جو حدیثوں میں آیا ہے کہ مسیح حَکَم ہو کر آئیگا اور وہ اسلام کے تمام فرقوں پر حاکم عام ہوگا جس کا ترجمہ انگریزی میں "گورنر جنرل" ہے۔ سو یہ گورنری اِس کی زمین کی نہیں ہوگی بلکہ ضرور ہے کہ وہ حضرت عیسٰی بن مریمؑ کی طرح غربت اور خاکساری سے آوے۔ سو ایسا ہی وہ ظاہر ہوا۔"

(تریاق القلوب تقطیع کلاں صفحہ ۹ مطبوعہ بکڈپو صفحہ ۱۵)

۴۶۔ آریوں کا بادشاہ

جواب:۔ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو "سَيِّدُ وُلْدِ آدَمَ" یعنی تمام انسانوں کا بادشاہ نہیں مانتے کیا آریہ انسان نہیں؟ تو گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آریوں، دہریوں، عیسائیوں اور یہودیوں غرضیکہ سب کے بادشاہ ہیں۔

۲۔ کیا کسی قوم کا بادشاہ ہونیکا مطلب یہ ہے کہ بادشاہ کا بھی وہی مذہب ہے جو رعایا کا ہو؟ کیا جارج ششم آریوں کا بادشاہ نہیں تھا تو کیا وہ بھی آریہ تھا۔ اورنگ زیب کیا ہندوؤں کا بادشاہ نہ تھا۔ تو کیا وہ بھی ہندو تھا؟ بادشاہ کی رعایا میں مومن بھی ہوتے ہیں اور کافر بھی۔ شریف لوگ بھی ہوتے ہیں اور بدمعاش بھی۔ وہ سب کا بادشاہ ہوتا ہے۔ آخر انسانوں میں بدمعاش بھی تو شامل ہیں۔ پھر اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ جو آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں سب انسانوں کا سردار ہوں تو اس کا کیا مطلب ہوا؟ خدارا اعتراض کرتے وقت کبھی خدا کا خوف بھی دل میں رکھا کرو۔

۳۷۔ اِنِّیْ بَایَعْتُکَ بَایَعَنِیْ رَبِّیْ

خدا نے مرزا صاحب کی بیعت کی (نعوذ باللہ) البشریٰ میں اس کا یہی ترجمہ لکھا ہے کہ "میں نے تیری بیعت کی۔"

الجواب ۱۔ بالو منظور الٰہی صاحب کا ترجمہ مندرجہ البشریٰ بالکل غلط ہے اور نہ جماعت احمدیہ پر حجت ہے بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کے ترجمہ کے بالمقابل کچھ حیثیت نہیں رکھتا۔ حضرت مسیح موعودؑ اپنی کتاب دافع البلاء کے صفہ پر اس الہام کا ترجمہ یوں فرماتے ہیں:۔

"مَیں نے تجھ سے ایک خرید و فروخت کی ہے۔۔۔۔ تُو بھی اِس خرید و فروخت کا اقرار کر اور کہدے کہ خدا نے مجھ سے خرید و فروخت کی۔" (نیز دیکھو تذکرہ صفحہ ۳۹۴)

۲۔ اس الہام میں خدا کے ساتھ اس خرید و فروخت کا ذکر ہے جو قرآن مجید کی اس آیت میں مذکور ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ (التوبۃ ۱۱۱) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ ایک سودا کیا ہے اور وہ یہ کہ اُنکے مال اور جانیں خرید لی ہیں اور ان کے بدلہ میں اُنکو جنت دی ہے۔

۳۸۔ "اَسْھَرُ وَاَنَامُ"

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اِس کے متعلق یہی فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ سونے سے پاک ہے مطلب اس الہام سے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ بعض گنہگاروں سے چشم پوشی کرتا ہے اور بعض دفعہ سزا بھی دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے متعلق بھوکا رہنے، کھانے پینے، کپڑا پہننے، ننگا رہنے وغیرہ کے اگر استعارات استعمال ہو سکتے ہیں (جیسا کہ ہم مسلم کی حدیث کے حوالہ سے "افطر و اصوم" کے جواب میں بیان کر آئے ہیں۔ تو سونے جاگنے کا استعارہ کیوں استعمال نہیں ہو سکتا؟

۳۹۔ اِصْبِرْ سَنَفْرُغُ یَا مِرْزَا

(مکاشفات صفحہ ۲۸)

کہ مرزا صبر کر ہم ابھی فارغ ہوتے ہیں:

جواب:۔ ہاں خدا تعالیٰ کبھی یہ بھی فرمایا کرتا ہے کہ اے بندو! ابھی ہم فارغ ہوتے ہیں۔ قرآن مجید

میں ہے:۔ سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ (الرحمٰن: ۳۲) اے دو مخلوقو! (یعنی جنو! اور انسانو!) ہم عنقریب تمہارے لئے فارغ ہونگے۔ فلا اعتراض

نوٹ:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں لفظ "لك" نہیں ہے۔ اس لئے اس میں تہدید کا پہلو نہیں ہے۔ نیز لفظ اِصْبِرْ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ کلام تسکین دہی کی غرض سے ہے پس مولوی محمد علی امیر پیغام کی کتاب بیان القرآن کا حوالہ قابل اعتنا نہیں اور نہ ہم پر حجت ہے۔

۴۰۔ قرآن خدا کا کلام اور میرے منہ کی باتیں ہیں

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے "قرآن مجید میرے منہ کی باتیں ہیں۔ الہام میں صیغہ غائب سے صیغہ متکلم کی طرف تشریحاً تبدیلی ہوتی ہے۔ جیسا کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو ملہم ہیں اس کی تشریح فرما دی ہے۔

" سوال پیش ہوا کہ الہام الٰہی (قرآن خدا کا کلام ہے اور میرے مُنہ کی باتیں ہیں۔ خادم) میں میرے کی ضمیر کس کی طرف پھرتی ہے ؟ یعنی کس کے منہ کی باتیں ؟ فرمایا:۔ "خدا کے مُنہ کی باتیں"۔ اس طرح کے اختلاف ضمائر کی مثالیں قرآن شریف میں موجود ہیں (بدر جلد ۶ نمبر ۲۹ ۱۱ جولائی ۱۹۰۷ء صفحہ ۶) چنانچہ بعینہٖ اسی طرح

۱۔ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ (الفاتحہ ۳ تا ۵) میں پہلے سب غائب کے صیغے ہیں اور پھر یکدم صیغہ حاضر شروع ہو جاتا ہے۔ کیا خدا تعالیٰ (نعوذ باللہ) آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے کہ "اِيَّاكَ نَعْبُدُ" ہرگز نہیں۔ فلا اعتراض۔

۲۔ قرآن مجید میں ہے: "وَاللّٰهُ الَّذِيْ اَرْسَلَ الرِّيٰحَ فَتُثِيْرُ سَحَابًا فَسُقْنٰهُ اِلٰى بَلَدٍ مَّيِّتٍ" (فاطر: ۱۰) اور اللہ ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں جو بادلوں کو اُٹھاتی ہیں۔ پس ہم اس کو ہانک لاتے ہیں مُردہ بستی کی طرف۔ اس آیت میں پہلے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بصیغہ غائب کیا گیا ہے پھر اسی آیت میں آگے چل کر یکدم سُقْنٰا صیغہ متکلم شروع ہو گیا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ بادل آلودہ ہواؤں کو اُٹھاتا تو اللہ تعالےٰ ہے مگر مُردہ بستی کی طرف ہانک کر لانے والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (نعوذ باللہ)۔

۳۔ وَالَّذِيْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا (الزخرف: ۱۲) اور وہ جس نے اندازہ کے مطابق آسمان سے پانی اُتارا اور پھر ہم نے زندہ کیا اس سے مُردہ بستی کو۔

۴۔ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ (الانعام: ۱۰۰) وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اُتارا۔ پھر ہم نے اُس میں سے ہر چیز کی سبزی نکالی۔

۵۔ قرآن مجید میں ہے:۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ (آل عمران ۱۸۰) کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اس حالت پر نہیں چھوڑے گا جس پر کہ تم اب ہو۔ اس آیت میں المومنین مفعول بصورت صیغہ غائب ہے مگر "انتم عليه" میں انہی مومنین کو ضمیر مخاطب سے ذکر کیا ہے حالانکہ اگر

معترض کا اسلوب بیان مدِنظر ہوتا تو علیٰ ما انتم علیہ کی بجائے عَلیٰ مَا ھُمْ عَلَیْہِ چاہیئے تھا۔ مگر صیغہ غائب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہی فقرہ میں صیغہ مخاطب میں تبدیل کر کے بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں ایسا ہو جایا کرتا ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

قرآن مجید میں اس اسلوبِ بیان کی بیسوں مثالیں ہیں مگر انہیں پر اکتفا کی جاتی ہے۔

جواب ۲:۔ اگر مندرجہ بالا جواب کو قبول نہ کرو۔ تو حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی زبان سے جواب سنو۔ فرماتے ہیں:۔

۱۔ "عارف ...... ذاتِ حق میں واصل ہو جاتا ہے۔ اُنکی گردش اللہ تعالیٰ کی گردش اور اُن کی باتیں اللہ تعالیٰ کی باتیں ہوتی ہیں اور اُن کی نظر خدا کی نظر ہوتی ہے۔ حضور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں کسی بندہ کو اپنا دوست بناتا ہوں تو میں اُس بندے کے کان آنکھیں اور زبان۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ بن جاتا ہوں۔ تاکہ وہ مجھ سے سُنے۔ دیکھے۔ بولے۔ کام کرے اور چلے"۔

{ تذکرۃ الاولیاء۔ اُردو باب ۱۴ ص۱۶۱ شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز۔ بار سوم مطبع علمی پرنٹنگ پریس لاہور۔ وظہیر الاصفیاء ترجمہ اُردو تذکرۃ الاولیاء۔ شائع کردہ حاجی چراغدین سراجدین مطبوعہ جلال پرنٹنگ پریس ص۱۱۷ }

نوٹ:۔ یاد رہے کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کی عظیم الشان شخصیت کا کسی مسلمان کو انکار نہیں۔ چنانچہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے کشف المحجوب مترجم اُردو ص۱۱۰ میں انکی عظمت و بزرگی کا خاص طور پر ذکر فرمایا ہے۔

۲۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور بندہ کی عزت اِس میں ہوتی ہے کہ اپنے فعلوں اور امکانِ مجاہدہ بجمالِ حق میں آفتِ فعل سے بچا ہو۔ اور اپنے فعلوں کو خدا تعالیٰ کے فضل میں مستغرق جانے اور مشاہدہ کو ہدایت کے پہلو میں منفی۔ پس اس کا قیام حق سے ہے۔ وہ تعالیٰ شانہٗ اس کے اوصاف کا وکیل ہو اور اس کے فعل کو سب اُسی کی طرف نسبت ہو تاکہ اپنے کسب کی نسبت سے نکل گیا ہو۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو جبرائیل سے خبر دی ہے اور جبرائیل نے خدا تعالیٰ سے۔ جیسا کہ فرمایا:۔ لَا یَزَالُ عَبْدِیْ یَتَقَرَّبُ اِلَیَّ بِالنَّوَافِلِ حَتّٰی اُحِبَّہٗ فَاِذَا اَحْبَبْتُہٗ کُنْتُ لَہٗ سَمْعًا وَّیَدًا وَّبَصَرًا وَّمُؤَیِّدًا وَّلِسَانًا فَبِیْ یَسْمَعُ وَبِیْ یُبْصِرُ وَبِیْ یَبْطِشُ وَبِیْ یَنْطِقُ" یعنی بندہ مجاہدہ کے ساتھ ہم سے تقرب کرتا ہے۔ ہم اُس کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ اُس کی ہستی کو اُس میں فنا کر دیتے ہیں اور اُس سے اُسکے فعلوں کی نسبت ہٹاتے ہیں۔ تاکہ جو کچھ سنے ہم سے سُنے جو کہے ہم سے کہے جو دیکھے ہم سے دیکھے اور جو کچھ پکڑے ہم سے پکڑے یعنی ہمارے ذکر میں مغلوب ہو اور اُسکا کسب اُسکے ذکر سے فنا ہو اور ہمارا ذکر اُسکے ذکر پر غالب ہو جائے اور آدمیت کی نسبت اُسکے ذکر سے قطع ہو جائے۔ تب اُسکا ذکر ہمارا ذکر ہوگا۔ حتّٰی کہ حالتِ غلبہ میں اُس صفت پر ہو جاتے جو کہ ابو یزیدؒ نے کہا۔ سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ اور جس نے اُن کی کلام کی تاک پر کہا وہ کہنے والا سچا ہوتا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَلْحَقُّ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ یعنی حق عمرؓ کی زبان سے

گویا ہے۔ اس کی اصلیت ایسی ہوتی ہے کہ حق کا قہر آدمیت پر اپنا غلبہ ظاہر کرتا ہے۔ اُس کو اُس کی ہستی سے نکال دیتا ہے۔ یہاں تک کہ اُس کے کلام استحالہ سے سب کلامِ حق ہوتی ہے۔"
(کشف المحجوب مترجم اُردو ص۲۸۷)

۴۱۔ انگریزی الہامات کی زبان پر اعتراض

مکتوبات جلد ا ص۶۸ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک الہام بایں الفاظ شائع ہوا ہے۔

(۱) "You have to go Amritsar" (یو ہیو ٹو گو امرتسر)

یعنی تمہیں امرتسر جانا ہوگا۔ اس پر اعتراض کیا گیا۔ کہ لفظ گو (go) اور امرتسر کے درمیان لفظ ٹو (to) چاہیے تھا۔ یعنی عبارت اس طرح ہونی چاہیئے تھی "You have to go to Amritsar"

اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ لفظ to کا اس الہام میں رہ جانا محض سہو کتابت کا نتیجہ ہے اصل الہام سے مفقود نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود اسی جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"فقرات کی تقدیم تاخیر کی صحت بھی معلوم نہیں اور بعض الہامات میں فقرات کا تقدم تاخر بھی ہو جاتا ہے۔ اس کو غور سے دیکھ لینا چاہیئے۔" (مکتوبات جلد ا ص۶۸ و تذکرہ ص۱۱۹)

پھر فرماتے ہیں:۔

"چونکہ یہ غیر زبان میں الہام ہے اور الہام الٰہی میں ایک سُرعت ہوتی ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ بعض الفاظ کے ادا کرنے میں کچھ فرق ہو۔" (حقیقۃ الوحی ص۳۰۴ حاشیہ)

اِس امر کا ثبوت کہ لفظ "go" کے بعد to کا رہ جانا محض سہو کتابت سے ہے یہ ہے کہ اس الہام سے قبل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس الہام سے بالکل مشابہ ایک اور الہام ہو چکا ہے۔ جس میں لفظ to کو go کے بعد استعمال کیا گیا ہے۔ وہ الہام براہین احمدیہ حصہ چہارم ص۴۶۹ و ص۴۷۰ پر حاشیہ ۳ و تذکرہ ص۵۴ پر ہے۔

"Then will you go to Amritsar." (دَین وِل یُو گو ٹو امرتسر)

یعنی تب تم امرتسر بھی جاؤ گے۔ اس الہام میں فقرہ go to Amritsar استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوا کہ مُلہِم (خدا تعالیٰ) کو تو go to کا محاورہ معلوم تھا مگر اس کے لکھنے میں سہو کتابت کے باعث لفظ to رہ گیا۔ اس قسم کا سہو اس قدر عام ہے کہ اس کیلئے کسی دلیل کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی لیکن ہم نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک دوسرے الہام کو بطور دلیل پیش کر کے یہ ثابت کر دیا ہے کہ معترضین کا اعتراض سراسر باطل ہے۔

لفظ "ضلع" کا استعمال انگریزی میں

مندرجہ بالا الہام سے اگلا الہام ہے:۔

(۲) "He helts in the Zilla Peshawar."

کہ وہ ضلع پشاور میں قیام کرتا ہے۔ (تذکرہ ص۱۱۹)

اس الہام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انگریزی میں لفظ "ضلع" استعمال نہیں ہوتا۔

جواب :- غلط ہے۔ انگریزی میں لفظ "ضلع" کا استعمال ہوتا ہے۔

۱۔ آکسفورڈ ڈکشنری ص۵ پر ہے :۔

ZILLAH :- ADMINISTRATIVE DISTRICT.

۲۔ دی پبلک سروس انکوائیریز ایکٹ کی دفعہ ۳ میں دو دفعہ یہ لفظ "ضلع" انگریزی میں استعمال ہوا ہے۔ دیکھو دی پنجاب کورٹس ایکٹ مرتبہ وشائع کردہ شمیر چند بیرسٹرایٹ لاء مطبوعہ ۱۹۳۳ء ص۹۳۔

علاوہ ازیں آکسفورڈ ڈکشنری ص۹۳۳ پر لفظ "ضلع" موجود ہے۔

۳۔ "بائی" بمعنے "ساتھ"

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام ہے :۔

GOD IS COMING BY HIS ARMY (گاڈ از کمنگ بائی ہز آرمی) (تذکرہ ص۹۳)

یعنی خدا اپنی فوج کے ساتھ آرہا ہے۔

اِس الہام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اس میں لفظ "بائی" کا استعمال درست نہیں۔ اسکی بجائے لفظ with (ساتھ) استعمال ہونا چاہیئے تھا۔ اِس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض انگریزی زبان کے نہ جاننے کے باعث پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ انگریزی زبان میں لفظ by بائی with کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ثبوت کیلئے ملاحظہ ہو۔ انگلش ڈایالکٹ ڈکشنری مصنفہ جوزف رائٹ ص۴۶۷۔ اُس میں لکھا ہے :۔

"By together with, in company with, I will go if you go by me, come along by me."

یعنی لفظ "بائی" کے معنے ہیں "ساتھ"۔ "ہمراہ"۔ جیسا کہ کہتے ہیں۔ مَیں تب جاؤنگا۔ اگر تم میرے ساتھ (بائی) جاؤ گے + تم میرے "ساتھ" آؤ۔

محولہ بالا ڈکشنری وہ ڈکشنری ہے جس کے متعلق لکھا ہے :۔

Complete vocabulary of all inglish dialect.

کہ یہ انگریزی زبان کے تمام محاورات کا خزینہ ہے۔

علاوہ ازیں انگریزی کی سب سے بڑی ڈکشنری مصنفہ ویبسٹر (WEBSTER) جس کا نام ہے۔ "انٹرنیشنل ڈکشنری آف انگلش سینگواج" مطبوعہ ۱۹۰۷ء کے ص۲۸۲ پر لفظ come کے نیچے لکھا ہے:

(Come by :- To pass " by way of ")

یعنی کم بائی (come by) کے معنے ہیں۔ بذریعہ۔ پس اِس الہامی فقرہ کے معنے ہونگے کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ افواج آرہا ہے۔ یعنی خدا کا آنا بذریعہ افواج قاہرہ ہوگا۔

پس انگریزی زبان میں لفظ by (باتی) with کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا الہام انگریزی زبان کے لحاظ سے بالکل بامحاورہ اور درست ہے۔

۴۔ ایکسچینج بمعنی چینج

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ایک الہام ہے:۔

"Words of God cannot exchange"

(ورڈز آف گاڈ کین ناٹ ایکسچینج) تذکرہ ص۱۰۱ و ص۱۰۹ یعنی خدا کے الفاظ تبدیل نہیں ہو سکتے۔

اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ اسمیں لفظ exchange (ایکسچینج) لفظ change کے معنے میں استعمال ہوا ہے حالانکہ بلحاظ قواعد و اسلوب اہل زبان یہ لفظ "change" کے معنے میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ اگر الہام میں لفظ ایکسچینج کی بجائے چینج ہوتا تو درست ہوتا۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ شبہ بھی انگریزی زبان سے ناواقفیت کے باعث پیدا ہوا ہے ورنہ انگریزی زبان میں exchange کا لفظ change کے معنے میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ انگریزی زبان کی مشہور اور مروج لغت آکسفورڈ ڈکشنری میں لفظ exchange کے معنے change لکھے ہیں۔

علاوہ ازیں Marrcy's Dictionary میں لفظ Exchange کے ماتحت لکھا ہے کہ یہ لفظ Change کے معنے میں استعمال ہوتا ہے اور اس کے استعمال کا ثبوت بطور مثال یہ فقرہ لکھا ہے:

"I return again just to the time, not with the time exchanged."

یعنی میں وقت مقررہ پر واپس آیا ہوں۔ تبدیل شدہ وقت پر نہیں۔ پس انگریزی زبان میں "ایکسچینج" کا لفظ "چینج" کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں ہوا۔ اور اس پر اعتراض کرنا انگریزی زبان سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔

ایک اور مفہوم

علاوہ ازیں ایکسچینج Exchange کا لفظ مسلمہ طور پر "Inter change" کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ اگر اس لحاظ سے الہام کے الفاظ کو دیکھا جائے تو الہام کے معنے یہ ہونگے کہ اللہ تعالےٰ کے الفاظ آپس میں بدل نہیں سکتے۔

مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کا کلام اس قدر افصح اور ابلغ ہوتا ہے کہ اس کا ہر لفظ اپنی جگہ پر نہایت موزوں ہو کر بیٹھتا ہے اور جو جہاں استعمال ہو۔ وہ وہاں ہی صحیح معنے دیتا ہے اور اگر کسی لفظ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر اس کی جگہ دوسرا لفظ وہاں رکھا جائے تو عبارت کا مفہوم بگڑ جائیگا۔ چنانچہ اعلیٰ کلام کی یہ خصوصیت مسلم ہے۔ کہ اس کا ہر لفظ بامعنی اور برمحل ہوتا ہے۔ خصوصاً قرآن مجید کا علم رکھنے

والے جانتے ہیں کہ اِس میں بلاغت کا یہ کمال اِس قدر نمایاں ہے کہ اگر اس کا ایک لفظ بھی بدل دیا جائے تو آیت کا مفہوم اس قدر بگڑ جاتا ہے کہ سیاق وسباقِ عبارت اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الہام میں خواہ لفظ "ایکسچینج" کو "چینج" کے معنے میں لیا جائے خواہ انٹرچینج (Inter change) کے معنے میں الہام کی زبان بالکل درست اور محاورۂ اہلِ زبان کے عین مطابق ہے اور اس پر اعتراض کرنے سے بجز اسکے کہ معترض کی اپنی علمی پردہ دری ہو اور کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔

۴۲۔ قابل تشریح الہامات

۱۔ قرآن مجید میں حروف مقطعات کھٰیٰعص۔ طٰس۔ طٰسمٓ۔ حٰمٓ۔ نٓ۔ قٓ۔ یٰسٓ وغیرہ وغیرہ کے متعلق بھی مخالفین تمہاری طرح گول مول الہام ہونے کا مضحکہ اُڑاتے ہیں۔

۲۔ تمہارے ہی جیسے دشمنانِ حق نے حضرت شعیبؑ سے بھی کہہ دیا تھا کہ تمہارے الہامات گول مول ہیں جن کی ہمیں کچھ سمجھ نہیں آتی۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔ یَاشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ کَثِیْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ۔ (هُود : ۹۲) کہ اے شعیبؑ! ہمیں اکثر باتوں کی جو تو کرتا ہے سمجھ نہیں آتی۔

۳۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ "الاقتصاد فی الاعتقاد" میں لکھتے ہیں:۔

"قرآن مجید کے سب معانی سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی ...... مقطعات قرآنی ایسے حروف یا الفاظ ہیں جو اہل عرب کی اصطلاح میں کسی معنے کے لیے موضوع نہیں۔"

(علم الکلام اُردو ترجمہ الاقتصاد فی الاعتقاد صفحہ ۹۶)

۴۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں قرآن مجید کی اُن آیات کے متعلق جن میں تخصیص نہ ہو لکھتے ہیں:۔

"اجتہاد را دریں قسم دخلے ہست و قصصِ متعددہ را آنجا گنجائش ہست۔" (الفوز الکبیر صفحہ ۴۰)

کہ اس قسم کے الہامات میں اجتہاد کا راستہ کُھلا ہے اور کئی قصوں کی اِن آیات کی تشریح میں شامل کئے جانے کی گنجائش ہے۔

۵۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں:۔

وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی "الٓمٓ" وَمَا یَجْرِیْ مَجْرَاهُ مِنَ الْفَوَاتِحِ قَوْلَانِ اِنَّ هٰذَا عِلْمٌ مَسْتُوْرٌ وَسِرٌّ مَحْجُوْبٌ اِسْتَأْثَرَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰی بِهٖ۔ قَالَ اَبُوْبَکْرِ الصِّدِّیْقُ فِیْ کُلِّ کُتُبٍ سِرٌّ وَسِرُّهٗ فِی الْقُرْاٰنِ اَوَائِلُ السُّوَرِ۔ (تفسیر کبیر جلد ۱ صفحہ ۲۲۶)

کہ الٓمٓ وغیرہ مقطعات کی نسبت دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ یہ چُھپا ہوا علم اور راز دارِ پردہ ہے جس کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی بھید ہر کتاب میں ہوتا ہے اور قرآن میں اس کا بھید قرآن مجید کی سورتوں کے ابتدائی مقطعات ہیں۔

۲- لَا يُبْعَدَ فِي تَكَلُّمِ اللهِ تَعَالَى بِكَلَامٍ مُفِيْدٍ فِي نَفْسِهِ لَا سَبِيْلَ لِاَحَدٍ اِلَى مَعْرِفَتِهِ اَلَيْسَتْ فَوَاتِحُ السُّوَرِ مِنْ هٰذَا الْقَبِيْلِ وَهَلْ يَجُوْزُ لِاَحَدٍ اَنْ يَقُوْلَ اِنَّهُ كَلَامٌ غَيْرُ مُفِيْدٍ وَهَلْ لِاَحَدٍ سَبِيْلٌ اِلَى دَرْكِهِ۔

(السراج الوہاج شرح مسلم جلد ۲ ص۔۔۔ مصنفہ نواب صدیق حسن خان)

یعنی یہ امر کوئی بعید نہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایسا الہام یا وحی نازل ہو جو اپنی ذات میں مفید تو ہو مگر اس کے معنے کوئی نہ سمجھ سکے۔ کیا قرآن مجید کے حرف مقطعات اِس طرح کے نہیں ہیں۔ کیا کسی کے لئے یہ کہنا جائز ہے کہ ان کا کوئی فائدہ نہیں۔ پھر کیا کوئی انکا علم حاصل کر سکتا ہے؟ (یعنی نہیں کر سکتا)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ الہامات جو خاص واقعات کے متعلق ہیں، انکی تشریح خود حضرت اقدسؑ نے فرما دی اور جو بعض آیندہ زمانہ کی پیشگوئیوں پر مشتمل ہیں وہ اپنے وقت پر پورے ہونگے اور انکے معنے واقعات کی روشنی میں کُھل جائینگے۔ جیساکہ قرآن مجید میں ہے:۔ سَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ فَتَعْرِفُوْنَهَا (النمل: ۹۴) کہ ہم تم کو اپنے نشان دکھائیں گے تو تم اُنکو پہچان لوگے۔

اور بعض الہامات جو عام ہیں انکی تشریح وتفسیر کے لئے اجتہاد کا دروازہ کُھلا ہے جیساکہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حوالہ سے اوپر درج کیا جا چکا ہے۔ بہر حال ان الہامات کو گول مول قرار دینا یا انکو غیر مفید بتانا اپنی شقاوتِ قلبی اور کور باطنی پر مہر تصدیق ثبت کرنا ہے۔

اب ذیل میں چند الہامات مع تشریح درج کئے جاتے ہیں:۔

۱۔ "غُثْمُ غُثْمُ غُثْمُ" بے معنی فقرہ ہے

جواب (۱) تمہارے جیسے داناؤں نے حضرت شعیبؑ کو کہا تھا کہ يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ (ھود: ۹۲) اے شعیب! تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔

ب۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"قرآن مجید کے سب معنے سمجھنے کی ہمیں تکلیف نہیں دی گئی ...... مقطعاتِ قرآنی ایسے حروف یا الفاظ ہیں جو اہلِ عرب کی اصطلاح میں کسی معنے کے لئے موضوع نہیں۔"

(علم الکلام ترجمہ اردو الاقتصاد فی الاعتقاد ص۵)

غُثْمُ غُثْمُ غُثْمُ حضرت اقدس علیہ السلام کا کوئی الہام نہیں ہے۔ بلکہ غَثَمَ غَثَمَ غَثَمَ لَهٗ ہے اور اس کے معنی ہیں اس کو مال یکدم دیا گیا۔ الہام کے ساتھ ترجمہ بھی الہام ہوا ہے۔ الہام کے یہ الفاظ ہیں۔ غَثَمَ غَثَمَ غَثَمَ لَهٗ دُفِعَ اِلَيْهِ مِنْ مَّالِهٖ دَفْعَةً (تذکرہ ص۳۱۱) دیا گیا اسکو مال اُسکا۔ لغت میں ہے:۔ غَثَمَ لَهٗ۔ دَفَعَ دَفْعَةً جَيِّدَةً مِّنَ الْمَالِ (منجد زیر لفظ غثم) کہ غثم کے معنے ہیں اسکو یکدم مال دیا گیا۔

پھر عربی انگریزی ڈکشنری "الفرائد الدریۃ" میں لکھا ہے:۔

غَثْمَ۔ To give at onec any one.

یکدم کسی کو مال دینا۔ پس یہ الہام بے معنے نہیں۔ اور تمہارا اسکو غُثُم غُثُم پڑھنا ایسا ہی ہے جیسے کوئی بدزبان دشمنِ اسلام اَلٓمّٓ کو اُلُم اُلُم پڑھ کر اس پر تمسخر اڑاتے۔

نیز دیکھو لسان العرب میں لکھا ہے:۔ غَثَمَ لَهٗ مِنَ الْمَالِ غُثْمَةً۔ اِذَا دَفَعَ لَهٗ دَفْعَةً گویا غَثَمَ لَهٗ کے معنے لفظاً لفظاً لغت میں وہی ہیں جو حضرت اقدسؑ کے الہام میں ہیں۔

نیز دیکھو اقرب الموارد۔

۲۔ "ایک ہفتہ تک کوئی باقی نہ رہیگا"

بے معنی ہے

جواب:۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔ "اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ (الحج:۴۸)" کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ایک دن انسانوں کے ہزار سال کے برابر ہے اور انجیل میں بھی ہے۔ "یہ خاص بات تم پر پوشیدہ نہ رہے کہ خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے اور ہزار برس ایک دن کے برابر۔ خداوند اپنے وعدہ میں دیر نہیں کرتا" (پطرس ۳/۸)

۱۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے بتایا کہ دُنیا کی عمر سات ہزار سال ہے اور سات ہزار سال کے بعد دنیا پر قیامت آجائیگی۔ چنانچہ حجج الکرامہ ص۳۸ پر لکھا ہے:۔

"در بعض روایات آمده که عمرِ دُنیا ہفت ہزار سال است۔ پس بس۔ چنانچہ حکیم ترمذی در نوارد اُصول در حدیث طویل ۔۔۔۔۔ باسناد خود تا ابوہریرہؓ روایت کرده که فرمود رسول خدا صلعم ۔۔۔۔۔ مدتِ دُنیا از روزیکہ مخلوق شده تا آں روز که فنا شد بماند و آں ہفت ہزار سال ست ۔۔۔۔۔ وانس بن مالک گفته که فرمود رسول خدا صلعم ۔۔۔۔ عمرِ دُنیا ہفت ہزار سال است اَخْرَجَهٗ ابن عساکر فی تاریخه (نیز دیلمی و ابن عساکر) مرفوعاً از انس روایت کرده که عمرِ دُنیا ہفت روز است، لیکن بطریق صحیح از ابن عباسؓ آمده که دنیا ہفت روز است و ہر روز ہزار سال۔" (حجج الکرامہ ص۳۹)

۲۔ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس الہام کی تشریح بہ تفصیل بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ اس الہام کے متعلق حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:۔

"اور دنیا کی عمر بھی ایک ہفتہ تبلائی گئی ہے۔ اس جگہ ہفتہ سے مراد سات ہزار سال ہیں۔ ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ جیساکہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ اِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (الحج:۴۸)" (بدر ۲۸ فروری ۱۹۰۷ء)

۳۔ دنیا کی عمر سات ہزار سال کے متعلق تفصیلی بحث دیکھو تحفہ گولڑویہ و براہین احمدیہ حصہ پنجم۔

٭٭٭

۳۔ "پہلے بیہوشی پھر غشی پھر موت"

بے معنی الہام ہے

جواب :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں :۔

"۳۰ ر جون ۱۸۹۹ء کو مجھے یہ الہام ہوا۔ "پہلے بیہوشی پھر غشی، پھر موت" ساتھ ہی اس کے یہ تفہیم ہوئی کہ یہ الہام ایک مخلص دوست کے متعلق ہے جس کی موت سے ہمیں رنج پہنچے گا۔ چنانچہ اپنی جماعت کے بہت سے لوگوں کو یہ الہام سُنایا گیا۔ اور الحکم ۳۰ ر جون ۱۸۹۹ء میں درج ہوکر شائع کیا گیا۔ پھر آخر جولائی ۱۸۹۹ء میں ہمارے ایک نہایت مخلص دوست یعنی ڈاکٹر محمد بوڑے خان اسسٹنٹ سرجن ایک ناگہانی موت سے قصور میں گذر گئے۔ اوّل بے ہوش رہے۔ پھر یکدفعہ غشی طاری ہوگئی پھر اس ناپائیدار دُنیا سے کوچ کیا اور ان کی موت اور اس الہام میں صرف بیس بائیس دن کا فرق تھا۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۳ و ۲۱۴ و نزول المسیح صفحہ ۲۳۱)

۴۔ "موت ۱۳ ر ماہ حال کو۔ ایک دم میں دم رخصت ہوا پیٹ پھٹ گیا"

سوال :۔ کس کا؟

جواب :۔ یہ الہام ۵ ر شعبان ۱۳۲۴ھ کو ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔ "مجھ کو ۳۰ ر جولائی ۱۹۰۶ء میں اور بعد اس کے کئی تاریخوں میں وحی الٰہی کے ذریعہ بتایا گیا کہ ایک شخص اس جماعت سے ایک دم رخصت ہوجائیگا اور پیٹ پھٹ جائیگا۔ اور شعبان کے مہینہ میں وہ فوت ہوجائیگا چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق شعبان ۱۳۲۴ھ میں میاں صاحب نور مہاجر جو صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی جماعت میں سے تھا۔ یکدفعہ ایک دم پیٹ پھٹنے کے ساتھ مر گیا۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۴)

۵۔ "ایلی اوس"

جواب :۔ "ایلی" کا ترجمہ ہے "اے خدا!" اور "اوس" کا ترجمہ ہے انعام۔ عطیہ۔ المنجد میں ہے :۔ اَسَ ۔ اَوْسًا وَ اِیَاسًا : اَعْطٰی ۔ عَوَّضَ ۔ اَلْاَوْسُ : اَلْعَطِیَّۃُ (المنجد) کہ "اس۔ اوسًا" کے معنے ہیں۔ اُس نے انعام دیا۔ معاوضہ دیا۔ "اوس" کے معنے ہیں "عطیہ" اور یہی معنے "الفرائد الدریہ" میں بھی مذکور ہیں۔ پس "ایلی اوس" کے معنے ہونگے۔ اے میرے خدا! مجھ پر انعام کر۔ مجھے اجر دے۔

۶۔ ھُوشَعْنَا نَعْسًا

جواب :۔ ۱ :۔ ھُوشَعْنَا کے معنے ہیں "کرم کر کے نجات دے"۔

"اے خداوند میں منت کرتا ہوں کہ نجات بخشیئے" (دیکھو زبور $\frac{118}{25}$)

ب۔انجیل مطبوعہ ۱۹۲۸ء میں ہے۔"ابن داوٗد کو ھُوَشَعْنَا۔" اور اس آیت میں ھُوَشَعْنَا پرحاشیہ میں لکھا ہے۔اس کے معنے ہیں کرم کرکے نجات دے۔" (متی ۲۱/۹)

ج۔ نَعِسًا کا ترجمہ عبرانی میں ہے granted (قبول ہوئی) گویا ھُوَشَعْنَا میں جو دُعا تھی۔ نَعِسًا کے لفظ میں ساتھ ہی اس کی قبولیت بھی الہامًا بتادی گئی۔

۲۔خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اِس الہام کا ترجمہ تحریر فرمادیا ہے:۔

"جیساکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔"ھُوَشَعْنَا نَعِسَا" ترجمہ: اے خدا! مَیں دُعا کرتا ہوں کہ مجھے نجات بخش اور مشکلات سے رہائی فرما۔ہم نے نجات دی۔یہ دونوں فقرے عبرانی زبان میں ہیں۔اور یہ ایک پیشگوئی ہے۔جو دُعا کی صورت میں کی گئی۔اور پھر دُعا کا قبول ہونا ظاہر کیا گیا۔اور اس کا حاصل مطلب یہ ہے کہ جو موجودہ مشکلات ہیں۔یعنی تنہائی۔بے کسی۔ناداری۔کسی آئندہ زمانہ میں وہ دُور کردی جائیں گی۔چنانچہ ۲۵ برس کے بعد یہ پیشگوئی پوری ہوتی۔اور اس زمانہ میں ان مشکلات کا نام نہ رہا۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۵)

۷۔"آسمان مٹھی بھر رہ گیا"

جواب:۔ اس الہام کا مطلب یہ ہے کہ عنقریب آسمان سے قہری نشان ظاہر ہونگے۔

ع ۔ آسماں اے غافلو اب آگ برسانے کو ہے (المسیح الموعود)

نیز حضرت اقدس علیہ السلام نے جنگ یورپ کی پیشگوئی کرتے ہوتے بھی فرمایا:۔

اک نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربّانی نشاں
آسماں حملے کرے گا کھینچ کر اپنی کٹار (براہین احمدیہ حصہ پنجم)

۸۔"ایک دانہ کس کس نے کھانا"

جواب(۱) یہ الہام ۸ رفروری ۱۹۰۶ء کا ہے۔اس کے سیاق میں جو الہامات ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

"زمین کہتی ہے یَا نَبِیَّ اللّٰہِ کُنْتُ لَا اَعْرِفُكَ یُخْرِجُ ھَمُّہٗ وَغَمُّہٗ دَوْحَۃَ اِسْمٰعِیْلَ فَاَخْفِھَا حَتّٰی یَخْرُجَ۔ ایک دانہ کس کس نے کھانا۔" (بدر جلد ۲ صفحہ ۲ والحکم جلد ۱۰ صفحہ ۵ ملا وتذکرہ صفحہ ۵۳۹) زمین کہتی ہے۔اے نبی اللہ! مَیں تجھے نہیں پہچانتی تھی۔اِس کا (مسیح موعود کا) ھم اور غم اسمٰعیل کے درخت کو اُگانے کا موجب ہوگا۔پس اس کو پوشیدہ رکھ۔یہاں تک کہ وہ ظاہر ہوجاتے۔ایک دانہ کس کس نے کھانا۔ظاہر ہے کہ یہاں دانہ سے مراد دوحۃ اسمٰعیل یعنی اسمٰعیل کے درخت کا دانہ ہے۔یعنی وہ غم اور قوم کا درد جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں تھا وہ بطور بیج کے ہوکر ایک دن اسمٰعیل کا عظیم الشان درخت بن جائیگا۔یعنی شوکتِ اسلام کے ظہور کا موجب ہوگا۔اور تمام دُنیا اس سے برکت پائے گی۔غرضیکہ یہ غم جس کو آج اکیلا خدا کا مسیح کھارہا ہے ایک

دن رحمت و برکت کا موجب بنکر ثمردار درخت بن جائیگا اور پھر سب دُنیا اس پھل کو کھائیگی۔ یہ ہے وہ "دانہ جسے کس کس نے کھانا"

(۲) یہ دانہ قرآن مجید بھی ہوسکتا ہے کہ باوجود اس قدر مختصر ہونے کے پھر بھی تمام دُنیا کے لیے رُوحانی غذا بن کر انکی بھوک کو مٹاتا ہے کیونکہ اسمٰعیل کے درخت (یعنی شوکتِ سلسلہ محمدیہ) کا سب سے اونچا اور خوبصورت پھل یہی قرآن مجید ہے۔

۹۔ پچیس دن یا پچیس دن تک [۲۵]

جواب :۔ یہ الہام ۷ رمارچ ۱۹۰۷ء کا ہے (دیکھو بدر جلد ۶ ۱۱/۷ صہ ۳ والحکم جلد ۱۱ ۹ بحوالہ تذکرہ صہ ۶۹۳) حضرت اقدس علیہ السلام نے اسی دن اسکی تشریح میں فرمایا تھا :۔

"ایک ہولناک یا تعجب انگیز واقعہ ہوگا" (بدر ۱۴ رمارچ صہ ۳ ۱۹۰۷ء)

چنانچہ اس الہام سے پورے پچیسویں دن یعنی ۳۱ رمارچ ۱۹۰۷ء کو (اِس الہام کے شائع ہو چکنے کے کئی دن بعد) ایک پرہیبت آتشین گولہ آسمان پر سے مختلف شہروں میں گرتا ہوا نظر آیا۔ چنانچہ لاہور کے مشہور انگریزی اخبار سول اینڈ ملٹری گزٹ نے بھی اس پر لکھا۔ کئی نامہ نگاروں نے ہمیں اس شہاب کے متعلق خطوط لکھے جو اتوار (۳۱ رمارچ) کی شام کو پونے پانچ بجے کے قریب دیکھا گیا۔ تو اس کے پیچھے ایک بہت لمبی دوہری دھار ایسی تھی جیسے دھواں ہوتا ہے۔ (سول اینڈ ملٹری گزٹ ۲ راپریل ۱۹۰۷ء)

نوٹ :۔ الہام "ایسوسی ایشن" میں جماعت احمدیہ کے قیام کی پیشگوئی ہے۔

۱۰۔ الہام "مضر صحت"

(الحکم جلد ۹ ۲۱ ۱۷ رجون ۱۹۰۵ء صہ ۱)

میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محنت شاقہ و شب بیداری کا ذکر ہے اور الہام "آثارِ صحت" میں ایک آدمی کی بحالیٔ صحت کی خبر دی گئی ہے جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰة والسلام نے اس دن دُعا فرمائی تھی۔ ("آثار صحت" دیکھو بدر جلد ۲ صہ ۱۹ ۸ رمئی ۱۹۰۳ء صہ ۱۲۳)

۱۱۔ زندگی کے فیشن سے دُور جا پڑے ہیں

جواب : اس کے ساتھ ایک اور الہام بھی ہے فَسَحِّقْهُمْ تَسْحِيقًا (دیکھو تذکرہ صہ ۴۹۲) جس کی تشریح میں حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی دُعا کا ذکر کیا ہے۔ کہ اے خدا! اپنے دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دُعا کی قبولیت اس الہام میں فرمائی۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں یہ الہام ہوا۔ طاعون کا دور دورہ ہوا اور لاکھوں دشمن ہلاک ہوئے۔ تعیین تو اس صورت میں کی جاتی اگر ایک دو دشمنوں نے ہلاک ہونا ہوتا۔

۱۲۔ شَرُّ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ

الجواب:۔ یہ الہام بدر جلد ۱ نمبر ۵ ۲۵؍مئی ۱۹۰۵ء صفحہ ۲ الحکم جلد ۹ نمبر ۱۸ صفحہ ۱ ۲۴؍مئی ۱۹۰۵ء پر بھی ہے۔ اور ساتھ ہی درج ہے کہ شیخ رحمت اللہ صاحب لاہوری (جو بعد میں پیغامی پارٹی کے رکن ہو گئے تھے) کے لئے حضرت اقدسؑ نے دعا فرمائی تو الہام ہوا۔ شَرُّ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔ یعنی شرارت ان لوگوں کی جن پر تو نے انعام کیا۔ اس الہام میں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ وہی لوگ جن پر حضرت اقدسؑ کی طرف سے بے شمار مہربانیاں ہوئی تھیں ایک وقت آئے گا کہ حضورؑ کی شان میں استخفاف کر کے حضورؑ کے مشن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کریں گے۔ چنانچہ فتنہ غیر مبائعین اٹھا اور شیخ رحمت اللہ صاحب ان کے رکن رکین بن گئے۔

۱۳۔ "لاہور میں ایک بے شرم ہے"

الجواب:۔ یہ الہام ۱۴؍مارچ ۱۹۰۷ء کا ہے اور بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ ۱۴؍مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ و الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ ۱۷؍مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱ و تذکرہ صفحہ ۶۹۱ پر درج ہے۔ اس کی تشریح کے لیے ضروری ہے کہ اس کے ساتھ کے الہامات بھی درج کئے جائیں۔

"لاہور میں ایک بے شرم ہے وَیْلٌ لَّکَ وَلِاِفْکِکَ اِنِّیْ نُعِیْتُ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ایک امتحان ہے۔ بعض اس میں پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑ دیئے جائیں گے اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَیُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا۔"

ترجمہ:۔ لاہور میں ایک بے شرم ہے۔ اے بے شرم! تجھ پر اور تیرے جھوٹ پر لعنت۔ میں نے ایک شخص کی وفات کی خبر دی۔ بے شک میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا اور کوئی خدا نہیں۔ خدا سچوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ ایک امتحان ہے۔ بعض اس میں پکڑے جائیں گے اور بعض چھوڑ دیئے جائیں گے۔ اے اہل بیت! خدا نے ارادہ کیا ہے کہ تمہاری پلیدی کو دور کرے اور تمہیں پاک کرے۔

یہ سب الہامات ۱۴؍مارچ کے ہیں۔ ان میں مندرجہ ذیل امور کی خبر دی گئی ہے:۔

۱۔ کوئی شخص فوت ہوگا۔

۲۔ اس دن ایک بہت بڑا فتنہ ہوگا۔

۳۔ اس فتنہ میں دو فریق ہو جائیں گے (ایک فریق پکڑا جائیگا دوسرا چھوڑا جائیگا) اور دونوں اپنے مقصد کی کامیابی کے لئے کوشش کرینگے۔

۴۔ وہ فریق جو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیگا سچا ہوگا۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔

۵۔ اس فتنہ میں کوئی شخص جس کا تعلق لاہور سے ہوگا۔ انتہائی بے شرمی کا اظہار کریگا۔ اور ایسا طرزِ عمل اختیار کریگا جس میں کذب بیانی اور دھوکا سے کام لیا گیا ہوگا۔

۶۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہل بیت یعنی حضورؑ کی بیوی اور بچوں کے خلاف بھی وہ فتنہ اٹھایا جائیگا

لیکن خدا تعالیٰ انکو ان حملوں سے محفوظ رکھے گا۔

۷۔ وہ لاہور کا "بے شرم" اپنی بہتان طرازی سے اپنی "بے شرمی" کا ثبوت کسی شخص کی وفات سے پہلے دے چکا ہوگا۔ یعنی وفات بعد میں ہوگی مگر اس سے قبل وہ جھوٹ وغیرہ کا واقعہ ہو چکا ہوگا۔ کیونکہ لاہور میں ایک بے شرم اور اس کے جھوٹ کا ذکر الہام میں پہلے ہے اور اس کے بعد وفات کا ذکر ہے۔

اب دیکھ لو یہ سب پیشگوئیاں کس عظیم الشان طور پر پوری ہوئیں۔ ۱۴ر مارچ کے دن یہ الہام ہوا تھا اور عین ۱۴ر مارچ ۱۹۱۴ء کو یعنی الہام ہی کی تاریخ کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ کی وفات حسرت آیات ہوئی اور "اِنِّی نُعَیْتُ" کا الہام پورا ہوا (کہ میں نے کسی کے فوت ہونے کی خبر دی) آپ کی وفات سے قبل خفیہ طور پر مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے لاہوری پارٹی کے امیر نے ایک ٹریکیٹ لکھ کر اور طبع کرا کے اس انتظار میں رکھا ہوا تھا کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ فوت ہو جائیں اُس وقت اس کو تقسیم کیا جائیگا۔ اس ٹریکیٹ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم اور وصیت کے متعلق انتہائی کذب آفرینی سے کام لیا گیا تھا۔ وہ ٹریکیٹ ۱۴ر مارچ کو حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی وفات کے دن تقسیم کیا گیا جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ ایک خطرناک "امتحان" میں پڑ گئی۔ دو فریق ہو گئے۔ مولوی محمد علی صاحب اور آپ کا لاہوری فریق آئندہ کے لئے خلافت کو مٹانا چاہتے تھے۔ اور اس کوشش میں تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کا کوئی جانشین منتخب نہ کیا جائے۔ مگر دوسری طرف ایک دوسرا فریق تھا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم اور حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ کی وصیت کے مطابق انتخاب خلافت کو ضروری قرار دیتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اہلِ بیت بھی اسی دوسرے گروہ کے ہمخیال تھے۔ چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرا گروہ کامیاب ہوگیا اور "لاہوری" فریق ناکام ہوا۔

حضرت سیدنا مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خلیفہ منتخب ہوئے۔ صادقین کو حمایت الٰہی حاصل ہوئی اور اہلِ بیت پر جو الزامات لگائے جاتے تھے اُن کی تطہیر کا وعدہ پورا ہوا۔ غرضیکہ یہ سب پیشگوئیاں عظیم الشان طور پر پوری ہوئیں۔ جو صداقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر زبردست گواہ ہیں۔ اس قدر تفصیل اور لبط کے باوجود بھی اگر کسی کو "لاہور میں ایک بے شرم ہے" کا مطلب سمجھ میں نہ آئے تو اس کا کیا علاج؟

۱۴۔ ایک امتحان ہے بعض اس میں پکڑے جائینگے"

اس کی تفصیل مندرجہ بالا اعتراض کے جواب میں دیکھیں۔

۱۵۔ "جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے"

جواب :۔ یہ الہام ۱۲ر اپریل ۱۹۰۶ء کا ہے اور اس سے پہلا الہام "اے بسا خانہ دشمن کہ تو ویراں کردی" ہے۔ یہ دونوں الہامات الحکم جلد ۱۰ نمبر ۱۳ صہ مورخہ ۱۴ر اپریل ۱۹۰۶ء میں درج ہیں اور ساتھ ہی یہ بھی لکھا ہے

کہ یہ طاعون کے متعلق ہیں۔ پس اِن کا مطلب واضح ہے۔

۱۶۔ "لوگ آتے اور دعویٰ کر بیٹھے۔ شیرِ خدا نے اُن کو پکڑا"

جواب:۔ یہ الہام اپنے ساتھ کے سابقہ الہامات سے متعلق ہے جو درج ذیل ہیں:۔
"آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ تھا۔ اُسی طرف خدا تعالیٰ تھا جدھر آپ تھے۔ آسمان پر دیکھنے والوں کو ایک رائی برابر غم نہیں ہوتا۔ خدا تیرے سب کام درست کر دیگا۔ اور تیری مرادیں تجھے دے گا رب الافواج اِس طرف توجہ کریگا۔ اگر مسیح ناصری کی طرف دیکھا جاتے تو معلوم ہوگا کہ اس جگہ اس سے برکات کم نہیں ہیں اور مجھے آگ سے مت ڈراؤ۔ کیونکہ آگ ہماری غلام بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔ لوگ آتے اور دعویٰ کر بیٹھے۔ شیرِ خدا نے انکو پکڑا۔ شیرِ خدا نے فتح پائی۔"

(اربعین نمبر۳ صفحہ ۳۸ و تذکرہ صفحہ ۳۷۰ تا صفحہ ۳۷۲)

اِن الہامات میں انگریزوں کے ساتھ جماعتِ احمدیہ کے اچھے تعلقات کو لفظ "تھا" (صیغہ ماضی) کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے جس کے معنے یہ ہیں کہ ایک زمانہ آئیگا جبکہ ان تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو گی۔ اور موجودہ خوشگوار تعلقات ایک دن داستانِ "عہد گذشتہ" اور حکایات ماضی بنکر رہ جائیں گے۔ ایک نہایت اہم اور تعجب انگیز تغیر ہو گا۔ حکومت کی فوجیں اور احرار کے ادعاتے باطل جماعت احمدیہ کو "غم" میں ڈالیں گے مگر خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے جس طرح مسیح ناصری اور اس کی جماعت کو باوجود اس کے کہ حکومتِ وقت بھی اُن کے خلاف ہو گئی تھی۔ یہودی بھی اُن کے خلاف سازش کر کے متحد ہو گئے تھے پھر بھی کامیاب و کامران کیا تھا۔ اسی طرح اب بھی وہ جماعت احمدیہ کی مدد کریگا اور اپنی بے پناہ آسمانی فوجوں سے جماعت کو منصور و مظفر بناتے گا۔ اِسی ضمن میں احرار اور دوسرے مخالفینِ احمدیت کی لاف و گزاف اور تعلّیوں کا ذکر کر کے فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے دعویٰ کر دیا کہ وہ احمدیت کو کچل کے رکھدینگے مگر خدا تعالیٰ کا شیر (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز) انتہائی دلیری اور شجاعت اور اولوالعزمی کے ساتھ ان کا مقابلہ کرے گا اور ان کو شکست فاش دیگا۔

اب دیکھ لو یہ کتنی عظیم الشان پیشگوئیاں ہیں جو آج سے ۵۰ سال قبل کی گئیں۔ اور پھر یہ کسقدر خارق عادت طور پر پوری ہوئیں۔ اور احرار کو کسقدر شکستِ فاش نصیب ہوئی۔ ع

کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

۱۷۔ اُعْطِيْتُ صِفَتَ الْاِفْنَاءِ وَالْاِحْيَاءِ

الجواب:۔ ۱۔ حضرت اقدسؑ کا دعویٰ مسیح موعود ہونے کا تھا۔ پہلے مسیح کی صفت "احیاء موتیٰ" کو تو تم بھی مانتے ہو۔ مگر اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتے ہو۔ پھر مسیح محمدیؐ پر اعتراض کیوں؟ کیا پہلے مسیح کا قول قرآن مجید میں درج نہیں کہ "اُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ" کہ میں اللہ کے حکم سے مُردے زندہ کرتا ہوں اور حضرت اقدس

علیہ السلام بھی فرماتے ہیں کہ:۔ "اُعْطِیْتُ صِفَتَ الْاِفْنَاءِ وَالْاِحْیَاءِ مِنْ رَّبِّ الْفَعَّالِ" کہ مجھے رب قادر کی طرف سے مارنے اور زندہ کرنے کی صفت دی گئی ہے پھر اس پر اعتراض کیوں؟

۲۔ ہاں اگر کہو کہ "مردے زندہ کرنا" تو بیشک شانِ مسیحیت ہے مگر مارنے کی صفت تو پہلے مسیح میں نہ تھی؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مسیح محمدیؐ کو اللہ تعالےٰ نے دونوں صفتوں سے متصف فرمایا ہے جیسا کہ مسیح موعود کی صفت "اہلاک" کا ذکر حدیثِ نبویؐ میں بھی ہے کہ مسیح موعود کے دم سے دشمن ہلاک ہونگے۔ چنانچہ لکھا ہے:۔ "فَلَا یَحِلُّ لِکَافِرٍ یَجِدُ مِنْ رِّیْحِ نَفْسِہٖ اِلَّا مَاتَ"

(مسلم و مرقاۃ (ملا علی قاریؒ) جلدہ صفحہ ۱۹۷ و مشکوٰۃ صفحہ ۴۷۳ مطبع اصح المطابع باب العلامات بین یدی الساعۃ)

کہ جس کافر تک مسیح کا دم پہنچے گا۔ وہ ہلاک ہو جائیگا۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سینکڑوں دشمن لیکھرام۔ آتھم۔ ڈوئی۔ سعد اللہ لدھیانوی وغیرہ آپ کے دم سے ہلاک ہوتے۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جس ارشاد کا تم نے حوالہ دیا ہے وہ خطبہ الہامیہ میں ہے اور اسی خطبہ الہامیہ میں اس سے ذرا آگے چل کر حضرت اقدس علیہ السلام نے خود ہی اس کی تشریح کر دی ہے کہ مارنے اور زندہ کرنے سے کیا مراد ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

اِیْذَائِیْ سِنَانٌ مُّذَرَّبٌ۔ وَدُعَائِیْ دَوَاءٌ مُّجَرَّبٌ۔ اُرِیْ قَوْمًا جَلَالًا۔ وَقَوْمًا اٰخَرِیْنَ جَمَالًا۔ وَبِیَدِیْ حَرْبَۃٌ اُبِیْدُ بِھَا عَادَاتِ الظُّلْمِ وَالذُّنُوْبِ۔ وَفِی الْاُخْرٰی شَرْبَۃٌ اُعِیْدُ بِھَا حَیَاۃَ الْقُلُوْبِ۔ فَاْسٌ لِّلْاِفْنَاءِ۔ وَاَنْفَاسٌ لِّلْاِحْیَاءِ۔ (خطبہ الہامیہ صفحہ ۶۲)

ترجمہ:۔ "مجھے تکلیف دینا ایک تیز نیزہ ہے اور میری دُعا ایک مجرب دوا ہے۔ میں ایک قوم کو اپنا جلال دکھاتا ہوں اور دوسری قوم کو جمال دکھاتا ہوں اور میرے ایک ہاتھ میں ایک ہتھیار ہے جسکے ساتھ میں ظلم اور گناہ کی عادتوں کو ہلاک کرتا ہوں۔ اور دوسرے ہاتھ میں ایک شربت ہے جس سے میں دلوں کو دوبارہ زندہ کرتا ہوں۔ گویا ایک کلہاڑی فنا کرنے کے لیے ہے اور دم زندہ کرنے کے لیے۔"

اب دیکھو حضرت اقدس علیہ السلام نے اسی خطبہ الہامیہ میں زندہ کرنے اور مارنے کی صفت کی کس خوبی سے تشریح فرما دی ہے کہ مارنے سے مُراد کفر، گناہ اور ظلم کو مارنا ہے اور زندہ کرنے سے مراد رُوحانیت عطا کرکے دلوں کو زندگی بخشنا ہے۔ جیسا کہ پہلا مسیح کرتا تھا۔ نہ پہلے مسیح نے حقیقی مُردے زندہ کئے اور نہ دوسرے مسیح نے ایسا کیا اور نہ خدا کے سوا کوئی جسمانی مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ ہاں رُوحانی طور پر انبیاء علیہم السلام میں یہ صفت پائی جاتی ہے اور اسی کا اظہار محولہ عبارت میں کیا گیا ہے۔

۴۲۔ مرزا صاحب کو شیطانی الہام ہوتے تھے

جواب:۔ ۱۔ قرآن مجید میں ہے:۔ "تَنَزَّلُ عَلٰی کُلِّ اَفَّاکٍ اَثِیْمٍ" (الشعراء: ۲۲۳) کہ شیطانی الہامات بدکار اور جھوٹے لوگوں کو ہوا کرتے ہیں۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا معاملہ اسکے

برعکس ہے۔ حضورؑ نے تذکرۃ الشہادتین ص۶۲ پر چیلنج دیا ہے کہ "تم کوئی عیب افتراء جھوٹ یا دغا کا میری پہلی زندگی پر نہیں لگا سکتے ...... کون تم میں ہے جو میری سوانح زندگی میں نکتہ چینی کر سکتا ہے"۔ اور پھر حضرت اقدسؑ کی پاکیزہ زندگی کی مولوی محمد حسین بٹالوی جیسا شدید دشمن بھی گواہی دے چکا ہے۔

۲۔ "اَكْثَرُهُمْ كَاذِبُوْنَ" کہ شیطانی الہامات اکثر جھوٹے ہوتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اکثر پیشگوئیاں پوری ہوئیں جن پر تم کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔ بلکہ خاموشی سے اُن کے صدق پر مہر تصدیق ثبت کرتے ہو۔

۳۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "انجام آتھم" کے ص۵۱ میں اپنے الہامات کے خدائی ہونے پر غیر احمدی علماء کو "مباہلہ" کا چیلنج دیا ہے۔ تم اس وقت کیوں مقابلہ پر نہ آتے۔

۴۔ تم تو ہر نبی پر القائے شیطانی ہو جانے کے قائل ہو۔ یہاں تک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی تمہارے مولویوں نے مانا ہے کہ آپ کو (نعوذ باللہ) شیطانی الہام ہوا۔ اس لیے اگر حضرت مرزا صاحبؑ پر بھی یہی بہتان باندھو۔ تو معذور ہو۔ "قَدْ قَرَءَ النَّبِيُّ صَلْعَمْ فِيْ سُوْرَةِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِّنْ قُرَيْشٍ بَعْدَ "اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى" (النجم: ۲۰،۲۱) بِاِلْقَاءِ الشَّيْطَانِ عَلٰى لِسَانِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهٖ بِهٖ۔ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔ فَفَرِحُوْا بِذٰلِكَ۔" (جلالین مجتبائی ص۲۸۲)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین قریش کی ایک مجلس میں سورۃ النجم کی آیات۔ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى (النجم: ۲۰) کے آگے القاء شیطانی کے باعث یہ پڑھ دیا۔ "تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى" کہ یہ بہت عظیم الشان بُت ہیں۔ اور قیامت کو ان کی شفاعت کی توقع رکھنی چاہیئے۔ بُتوں کی یہ تعریف سُن کر مشرک بہت خوش ہوتے۔ اس کے آگے لکھا ہے کہ جبرائیل آئے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ الہام الٰہی نہیں بلکہ شیطانی القاء ہے۔

تمہارے اکثر مفسرین نے مَا مِنْ نَّبِيٍّ وَّلَا رَسُوْلٍ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْ اُمْنِيَّتِهٖ (الحج: ۵۳) کا ترجمہ یہی کیا ہے کہ ہر نبی کو القاء شیطانی ہوتا رہا ہے اور سورۃ النجم کی تفسیر میں انہوں نے مندرجہ بالا فضول اور لچر قصہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا ہے (استغفر اللہ العیاذ باللہ)

تفسیر حسینی جلد ۲ ص۸۳ مترجم اُردو زیر آیت وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّا اِذَا تَمَنّٰى (الحج: ۵۳) لکھا ہے:۔

"جیسے ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تلاوت کرتے تھے تو اوس شیطان نے جسے ابیض کہتے ہیں آپ کی آواز بنا کر یہ کلمات پڑھ دیئے۔ شعر

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى

اُس وقت جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ نجم پڑھتے تھے اور یہاں تک پہنچے کہ وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى"

پس تم لوگ جو تمام نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی القائے شیطانی سے پاک نہیں سمجھتے بحالیکہ آپ کی محبت کا دم بھرتے ہو تو حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کو اگر (نعوذ باللہ) شیطانی الہام پانے والا کہدو تو کیا گلہ ہو سکتا ہے ؟ ؎

مجھ کو کیا تم سے گلہ ہو کہ مرے دشمن ہو
جب یونہی کرتے چلے آئے ہو تم پیروں سے

۴۴۔ غیر زبانوں میں الہامات

مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (ابراہیم : ۵)

جواب ۱۔(ا)۔ اِس آیت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ نبی کو "الہام" اُس کی قوم کی زبان میں ہوتا ہے مفسرین نے اس کے یہ معنے کئے ہیں۔

"اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ اَیْ مُتَكَلِّمًا بِلُغَةِ مَنْ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ مِنَ الْاُمَمِ" (روح المعانی جلد۴ صـ۲۰۹) کہ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ کا یہ مطلب ہے کہ وہ نبی اُس قوم کی زبان بولا کرتا ہے جس کی طرف وہ مبعوث ہوتا تھا۔

(ب) اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ اِلَّا مُتَكَلِّمًا بِلُغَتِهِمْ (تفسیر مدارک التنزیل زیر آیت ما ارسلنا من رسول الخ و برحاشیہ خازن جلد۳ صـ۸۲) کہ نبی اپنی قوم کی زبان بولا کرتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی پنجابی اور اردو ہی بولتے تھے۔

۲۔ اس آیت میں گذشتہ انبیاء کا ذکر ہے جیسا کہ لفظ "اَرْسَلْنَا" بصیغہ ماضی سے ثابت ہے۔ اور دوسرا قرینہ اِن معنوں کی تائید میں "قَوْمِهٖ" کا لفظ ہے کیونکہ گذشتہ انبیاء علیہم السلام مخصوص قوموں کی طرف مبعوث ہوتے تھے۔ مگر جو نبی کسی خاص قوم کی طرف مبعوث نہ ہو بلکہ تمام قوموں کی طرف مبعوث ہو وہ اس آیت میں شامل نہیں ہو سکتا۔ اگر قوم سے نبی کی قومیت رکھنے والے لوگ مراد لو جیسا کہ آنحضرتؐ کے ساتھ قریش تھے۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ آنحضرتؐ کا سارا قرآن کریم قریش کی زبان میں الہام نہیں ہوا۔ جیسا کہ آیت اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ (طٰہٰ : ۶۴) قریش کی زبان میں اِنَّ هٰذَيْنِ چاہیئے تھی۔

۳۔ اگر کہو کہ اِس آیت میں نبی کا اس قوم کی زبان میں الہام ہونا ہی مراد ہے، خواہ لفظ الہام اس آیت میں موجود ہو یا نہ ہو تو بھی یہ غلط ہے، کیونکہ قرآن میں حضرت سلیمانؑ کے متعلق ہے عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (النمل : ۱۷) کہ حضرت سلیمانؑ کہتے ہیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے پرندہ کی بولی سکھائی۔ گویا ان کو کوتوں، چیلوں، کبوتروں، بٹیروں، ہُدہُدوں اور تمام دیگر جانوروں کی زبان میں الہام ہوا۔ آخر انگریزی، عربی، فارسی وغیرہ تو انسانوں ہی کی زبانیں ہیں جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہام ہوا، مگر "کائیں کائیں" تو انسانوں کی زبان نہیں۔ اس میں بھی اگر نبی کو الہام ہو سکتا ہے تو یہاں کیا اعتراض ہے ؟ آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی زبان سکھانے کے لئے اس کے قواعد اور اس کے الفاظ بھی بتاتے ہونگے۔ فلا اعتراض)۔

نوٹ ۱۔ یہ کہنا کہ عَلَّمْنَا کے لفظ میں طبعی فہم و تفہیم ہی داخل ہے، پلہ چھوڑانے کے لئے کافی نہیں، کیونکہ مَآ اَرْسَلْنَا والی آیت زیر بحث میں بھی تو "الہام" کا لفظ نہیں۔ وہاں بھی طبعی فہم و تفہیم کیوں مراد نہ لیجاتے؟ یعنی وہ الہام جو محض طبعی فہم و تفہیم کے لیئے ہوں وہ تو نبی کی اپنی زبان میں ہوں مگر جو دوسری قوموں کی ہدایت کے لئے ہوں وہ مختلف زبانوں میں ہوسکتے ہیں۔

۲۔ یہ کہنا کہ حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی زبان والے الہام ہوتے تھے وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے نہ تھے۔ محض دھوکہ دہی ہے۔ کیونکہ خواہ وہ کسی کی ہدایت کے لئے ہوتے تھے، سوال تو یہ ہے کہ کیا وہ حضرت سلیمانؑ کی اپنی زبان تھی یا نہیں؟ کیا وہ انکی قوم کی زبان تھی؟ نہیں ہرگز نہیں۔ پس تمہاری تاویل سے ثابت ہوگیا کہ مَآ اَرْسَلْنَا والی آیت کا مطلب وہ نہیں جو تم بیان کرتے ہو۔ بلکہ یہ ہے کہ ہر نبی اپنی قوم کی زبان بولتا تھا تاکہ تبلیغ و اشاعت کے لئے شاگرد تیار کرسکے۔ اس کے الہامات کی زبان کا وہاں ذکر ہی نہیں۔ نیز یہ کہ یہ آیت آنحضرتؐ سے پہلے انبیاء کے متعلق ہے۔ فَافْهَمْ

۳۔ حضرت مسیح موعودؑ انگریزی زبان کا ایک لفظ بھی نہ جانتے تھے مگر پھر بھی آپ پر اس زبان میں الہام ہونا ایک معجزہ ہے خصوصاً اس حالت میں کہ قادیان میں بھی کوئی انگریزی زبان دان اس وقت موجود نہ تھا۔ یہ دلیل اُن لوگوں کو دی گئی ہے جو الہام کو مُلہم کے دماغی خیالات قرار دیتے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ الہام میں نبی کے اپنے خیالات کو دخل نہیں ہوتا بلکہ الہام ایسی زبان میں بھی نازل ہوسکتا ہے جن کو مُلہم خود بھی نہ جانتا ہو۔ پھر اکثر اس الہام کے معنی خدا تعالیٰ خود ہی ملہم کو بتا دیتا ہے جلد یا بدیر۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود کے ساتھ ہوا۔

۴۔ اور ہم نے یہ جو لکھا کہ مَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ میں آنحضرتؐ سے پہلے انبیاء کا ذکر ہے کیونکہ وہ خاص خاص قوموں کی طرف رسول ہو کر آتے تھے اس کی تائید حدیث سے بھی ہوتی ہے چنانچہ مشکوٰۃ فضائل نبویؐ کے ضمن میں ایک حدیث ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی فَضَّلَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَی الْاَنْبِيَاءِ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ...... وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ۔ فَاَرْسَلَهُ اللّٰهُ اِلَی الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ (مشکوٰۃ کتاب الفتن باب فضائل نبینا صلعم فصل الثالث ص۵۱۵۔ مطبوعہ مجتبائی و قیومی کانپور) کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ انبیاء کی نسبت فرمایا: "ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس کی قوم کی زبان کے ساتھ تاکہ ان کے سامنے کھول کر بیان کرسکے"۔ مگر ہمارے نبی کریمؐ کی نسبت فرمایا "ہم نے آپ کو تمام انسانوں کی طرف بھیجا ہے"۔ گویا آپ کو اللہ تعالیٰ نے جن و انس کی طرف رسول کرکے بھیجا۔ هٰذَا الْحَدِيْثُ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ (مستدرک الحاکم مطبوعہ حیدرآباد جلد ۲ ص۳۵۰) کہ یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی سند مضبوط ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے چار باتیں ثابت ہوئیں:۔

۱- وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ والی آیت گزشتہ انبیاء کے متعلق ہے۔
۲- آنحضرت صلعم اس آیت میں شامل نہیں صرف حضورؐ سے پہلے رسول شامل ہیں۔
۳- قوم سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی ہدایت کے لئے وہ نبی آتے۔
۴- آنحضرتؐ کی قوم تمام دُنیا ہے کیونکہ آپ تمام دُنیا کی طرف بھیجے گئے۔

پس اِس آیت میں حضرت مسیح موعودؑ بھی شامل نہیں کیونکہ آپ بھی کسی خاص قوم کی طرف نہیں بلکہ ساری دُنیا کی طرف آئے تھے۔

غیر احمدی:۔"حضرت مرزا صاحبؑ نے چشمہ معرفت ص۲۰۹ میں لکھا ہے:"یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان کی اصلی زبان تو اَور ہو اور الہام اس کو کسی اور زبان میں ہو جسکو وہ سمجھ بھی نہیں سکتا کیونکہ اس میں تکلیف مالایطاق ہے۔"

جواب:۔ خدا کے لئے دھوکہ نہ دو، وہاں چشمہ معرفت میں یہ کہاں لکھا ہے کہ"ملہم" جس زبان کو نہ سمجھتا ہو اس میں اس کو الہام نہیں ہو سکتا۔ وہاں تو ذکر یہ ہے کہ آریہ کہتے ہیں کہ الہامی کتاب اس زبان میں نازل ہونی چاہیئے جو کسی انسان کی زبان نہ ہو تاکہ ایشور جی مہاراج"نا انصاف نہ ٹھہریں۔ یہی وجہ ہے کہ وید سنسکرت میں نازل ہوتے جو کہیں بولی نہیں جاتی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس سوال کا جواب دیا ہے کہ یہ بالکل غیر معقول اور بیہودہ امر ہے کہ انسان (نہ کہ ملہم کی) زبان تو کوئی اور ہو اور الہام اسکو کسی اور زبان میں ہو جس کو کوئی (انسان) سمجھتا ہی نہ ہو کیونکہ یہ تکلیف"مالایُطاق" ہے کیونکہ اس کو ملہم کسی دوسرے سے بھی سمجھ نہیں سکتا، لیکن اگر کسی ایسی زبان میں الہام ہو جو انسانی زبان ہو وہ"تکلیف مالایطاق" نہیں کیونکہ اگر ملہم خود اس زبان کو نہیں جانتا تو دوسروں سے معلوم کر سکتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے اس مضمون کو بیان فرماتے ہوئے ص۲۱۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ مجھے مختلف زبانوں میں الہامات ہوتے ہیں۔

نوٹ:۔ اِس سوال کے جواب کے لیے چشمہ معرفت ص۲۰۸ تا ص۲۱۱ کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اس دھوکا کا علم اصل عبارت کو پڑھنے سے ہی ہو سکتا ہے۔

۴۵۔"بعض الہامات مرزا صاحبؑ سمجھ نہ سکے اور بعض کے غلط معنی سمجھے"

جواب:۔ حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

۱:"انبیاء اور ملہمین صرف وحی کی سچائی کے ذمہ وار ہوتے ہیں، اپنے اجتہاد کے خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماخوذ نہیں ہو سکتے، کیونکہ وہ انکی اپنی رائے ہے نہ کہ خدا کا کلام۔" (اعجاز احمدیؑ ص۳)

"اصل بات یہ ہے کہ جس یقین کو نبی کے دل میں اس کی نبوت کے بارے میں بٹھایا جاتا ہے وہ دلائل تو آفتاب کی طرح چمک اُٹھتے ہیں اور اسقدر تواتر سے جمع ہوتے ہیں کہ وہ امر بدیہی ہو جاتا ہے اور پھر بعض دوسری جزئیات میں اگر اجتہاد کی غلطی ہو بھی تو اس یقین کو مضر نہیں ہوتی، جیساکہ جو چیزیں انسان کے نزدیک لائی جائیں اور آنکھوں کے قریب کی جائیں تو انسان کی آنکھ ان کو پہچاننے میں غلطی نہیں کھاتی اور قطعاً حکم دیتی ہے،

کہ یہ فلاں چیز ہے اور اس مقدار کی ہے اور وہ صحیح ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی چیز قریب نہ لائی جائے اور مثلاً نصف میل یا پاؤ میل سے کسی انسان کو پوچھا جائے کہ وہ سفید شئے کیا ہے تو ممکن ہے کہ ایک سفید کپڑے والے انسان کو ایک سفید گھوڑا خیال کرے، یا ایک سفید گھوڑے کو انسان سمجھ لے۔ پس ایسا ہی نبیوں اور رسولوں کو انکے دعویٰ اور انکی تعلیموں کے متعلق بہت نزدیک سے دکھایا جاتا ہے اور اس میں اسقدر تواتر ہوتا ہے جس میں کچھ شک باقی نہیں رہتا، لیکن بعض جزوی امور جو اہم مقاصد میں سے نہیں ہوتے انکو نظر کشفی دُور سے دیکھتی ہے اور ان میں کچھ تواتر نہیں ہوتا۔ اس لئے کبھی ان تشخیص میں دھوکہ بھی کھالیتی ہے۔" (اعجاز احمدی ص۲۶)

۲۔ حدیث میں ہے۔ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَيْتُ فِي الْمَنَامِ إِنِّيْ أُهَاجِرُ مِنْ مَكَّةَ إِلٰی أَرْضٍ بِهَا نَخْلٌ فَذَهَبَ وَهْلِيْ إِلٰی أَنَّهَا الْيَمَامَةُ أَوْهَجَرٌ فَإِذَا هِيَ الْمَدِيْنَةُ يَثْرِبُ۔

(بخاری بَابُ هِجْرَةِ النَّبِيِّ وَأَصْحَابِهِ إِلَى الْمَدِيْنَةِ ص۲۰ وَكِتَابُ الْحِيَلِ بَابُ إِذَا رَأَى بَقَرًا تُنْحَرُ جلد۴ ص۱۳۳)

ترجمہ:۔ حضرت ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مکہ سے ایک ایسی زمین کی طرف ہجرت کر رہا ہوں جہاں کہ بہت کھجوریں ہیں۔ پس میرا خیال اس طرف گیا کہ وہ یمامہ ہے۔ یا ہجر، مگر دراصل وہ تھا مدینہ (یثرب)۔ حالانکہ رُءْيَا النَّبِيِّ وَحْيٌ (بخاری جلد ا ص۲ وجلد ۳ ص۱۴۸ حاشیہ) نبیؐ کی رؤیا وحی ہوتی ہے۔ چنانچہ بخاری میں رؤیائے نبویؐ کو وحی میں شامل کیا گیا ہے اَوَّلُ مَا بُدِئَ بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرُّؤْيَاءِ الصَّادِقَةُ (بخاری جلد۲ ص۱۳۷ باب التفسیر) کہ آنحضرتؐ کو وحی میں سب سے پہلے رؤیا صادقہ شروع ہوئیں۔

۳۔ آنحضرتؐ نے اپنی ازواج سے فرمایا۔ اَسْرَعُكُنَّ لَحُوْقًا بِيْ اَطْوَلُكُنَّ يَدًا یعنی تم میں سے سب سے پہلے میری وفات کے بعد جو آکر مجھ سے اگلے جہان میں ملے گی وہ وہ ہے جس کے ہاتھ تم سب سے زیادہ لمبے ہیں۔ بیویوں نے حضورؐ کے سامنے اپنے اپنے ہاتھ ناپے تو ہاتھ لمبے حضرت سودہؓ کے تھے، مگر وفات سب سے پہلے حضرت زینبؓ نے پائی جس سے معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے مراد ظاہری ہاتھوں کا لمبا ہونا نہ تھا بلکہ سخاوت کرنے والی مراد تھی۔"

(بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۱۶۵ مطبع اصح المطابع باب الانفاق)

۴۔ قرآن کریم میں بھی حضرت نوحؑ کا واقعہ مذکور ہے۔ وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا إِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ (ھود: ۳۸) کہ خدا تعالیٰ نے حضرت نوحؑ کو وحی کی اور حکم دیا کہ تُو ہمارے حکم سے ایک کشتی بنا، تو ظالموں کے متعلق ہم سے کوئی بات نہ کرنا کیونکہ وہ ضرور غرق ہو جائیں گے۔

پھر فرمایا۔ قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ (ھود: ۴۱) کہ ہم نے کہا کہ اے نوحؑ! اس کشتی میں سوار کر ہر ایک

جوڑے میں سے دو دو اور اپنے "اہل" کو بھی بجز اسکے جسکے متعلق پہلے ہم کہہ چکے ہیں اور مومنوں کو بھی۔ پس جب طوفان تلاطم خیز آیا اور حضرت نوحؑ کا بیٹا (جو ظالم تھا اور جس کے متعلق حکم تھا اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ (ھود : ۴۱) کہ اس کو کشتی میں نہ بٹھانا) جب وہ ڈوبنے لگا تو نَادٰى نُوحُ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يٰبُنَيَّ ارْكَبْ مَّعَنَا (ھود : ۴۳) حضرت نوحؑ نے اس کو آواز دی اور کہا کہ اے بیٹا! آ ہمارے ساتھ کشتی میں سوار ہو جا، مگر وہ نہ آیا اور ڈوب گیا۔ اس پر حضرت نوحؑ خدا تعالیٰ کو کہتے ہیں وَنَادٰى نُوحٌ رَّبَّهُ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِي مِنْ اَهْلِي وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِينَ ○ قَالَ يٰنُوحُ اِنَّهُ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْئَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ اِنِّي اَعِظُكَ اَنْ تَكُونَ مِنَ الْجٰهِلِينَ (ھود : ۴۶، ۴۷) اور پکارا نوحؑ نے اپنے رب کو اور کہا اے اللہ! میرا بیٹا تو میرے اہل میں سے تھا اور تیرا وعدہ تو سچا (ہوتا) ہے اور تو (تو) احکم الحاکمین ہے (یعنی سب سے زیادہ سچا فیصلہ کرنے والا ہے)۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اے نوحؑ! وہ تیرے "اہل" میں سے نہیں تھا کیونکہ اس کے عمل اچھے نہ تھے۔ پس تو مجھ سے ایسی بات کے متعلق گفتگو نہ کر جس کا تجھ کو علم نہیں۔ مَیں تجھ کو نصیحت کرتا ہوں کہ تو جاہلوں میں سے نہ بن۔

اِن آیات سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ نبی ایک وقت تک وحی کے سمجھنے میں غلطی کر سکتا ہے ہاں خدا تعالیٰ اس کو غلطی پر قائم نہیں رکھتا جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے بھی فرمایا ہے۔

اگر سوال ہو کہ حضرت نوحؑ کتنا عرصہ تک اس اجتہادی غلطی میں مبتلا رہے تو اس کے لیے تفسیر حسینی کا ملاحظہ کرنا چاہیئے۔ لکھا ہے:۔

"حضرت نوح علیہ السلام کو جب یہ الہام ہوا لَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُونَ ○ تو اس کے بعد انہوں نے وہ درخت بویا جس کی لکڑی سے کشتی بنائی گئی۔ وہ درخت بیس۲۰ سال میں مکمل ہوا۔ اسے کاٹ کر حضرت نوحؑ دو سال تک وہ کشتی بناتے رہے۔ چالیس دن رات طوفان نے جوش مارا اور کشتی طوفان میں چھ ماہ تک رہی۔ گویا اصل "اہل" والے الہام کے نازل ہونے سے لیکر کشتی سے اترنے تک کم از کم ½ ۲۲ سال ہوتے ہیں۔

(تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ۱ صفحہ ۴۶۳، صفحہ ۴۶۴ سورۃ ہود ع ۴ پ ۱۲)

د۔ پھر اہل سنت والجماعت کے عقائد کی مشہور و معروف کتاب نبراس شرح الشرح العقائد نسفی صفحہ ۳۹۲ میں لکھا ہے:۔

اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ يَجْتَهِدُ فَيَكُونُ خَطَأً كَمَا ذَكَرَهُ الْاُصُولِيُّونَ وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشَاوِرُ الصَّحَابَةَ فِيمَا لَمْ يُوحَ اِلَيْهِ وَهُمْ يُرَاجِعُونَهُ فِي ذٰلِكَ وَفِي الْحَدِيثِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَدَّثْتُكُمْ عَنِ اللّٰهِ سُبْحٰنَهُ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِي فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَاُصِيبُ۔ کہ آنحضرتؐ

کبھی کبھی اجتہاد بھی کرتے تھے اور کبھی وہ غلط بھی ہو جاتا تھا، جیسا کہ اُصولیوں نے لکھا ہے اور ان اُمور میں جن کے متعلق آپ پر وحی نازل نہ ہوتی ہوتی آپ اپنے صحابہ سے مشورہ لیا کرتے تھے اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جو بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہوں تو وہ درست ہوتی ہے (یعنی اس میں غلطی کا امکان نہیں)، ہاں جو بات میں اس وحی الٰہی کی تشریح میں اپنی طرف سے کہوں تو یاد رکھو کہ میں بھی انسان ہوں، اجتہاد میں غلطی بھی کرتا ہوں اور درست اجتہاد بھی۔

۴۶۔ نبی کا الہام بھول جانا

حضرت مرزا صاحبؑ اپنے بعض الہامات بھول گئے۔

جواب ۱۔ وحی دو قسم کی ہوتی ہے۔ (۱) جو لوگوں کے لئے بطور نشان اور بغرضِ ہدایت نازل ہوتی ہے۔ (۲) نبی کی اپنی ذات کے متعلق ہوتی ہے اور اس کا لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اوّل الذکر قسم کی وحی نبی کو بھول نہیں سکتی، ہاں دوسری قسم کی وحی بعض دفعہ خدا تعالیٰ اپنی خاص حکمت کے ماتحت نبی کے لوحِ دل سے محو فرما دیتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰىٓ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ (الاعلیٰ: ۷، ۸) کہ اے نبی ہم تیرے سامنے قرآن مجید پڑھیں گے اس کو مت بھولنا سوائے اس کے جس کو خدا تعالیٰ خود بھلانا چاہتا ہے۔

۲۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ (الرعد: ۴۰) کہ خدا تعالیٰ جس وحی کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے مضبوط کر کے دل میں ثبت کر دیتا ہے۔

۳۔ بخاری میں ہے عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَقْرَءُ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ لَقَدْ اَذْكَرَنِيْ كَذَا وَكَذَا اٰيَةً اَسْقَطْتُهُنَّ مِنْ سُوْرَةِ كَذَا وَكَذَا۔ (بخاری کتاب الشہادات باب شہادۃ الاعمیٰ و امرنا جلد ۲ صفحہ ۲۳ مصری)
کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسولِ خدا نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوتے سُنا، تو آپؐ نے فرمایا۔ اللہ اس پر رحمت کرے، اس نے فلاں فلاں سورۃ کی فلاں فلاں آیت جو مَیں بھول چکا تھا مجھے یاد دلادی۔

۴۔ یہ ضروری نہیں کہ جو وحی نبی پر نازل ہو وہ سب لوگوں تک پہنچائی جائے۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ کئی ایسے الہامات آنحضرتؐ کو ہوتے جو قرآن مجید میں من وعن مذکور نہیں جیسے وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ (الانفال: ۸) وہ اصل وعدہ قرآن میں کہاں ہے؟ نیز آیت اِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ (التحریم: ۴)، مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ (الحشر: ۶)

۵۔ بخاری میں ہے۔ فَقَالَ اعْتَكَفْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ فَخَرَجَ صُبْحَةَ عِشْرِيْنَ فَخَطَبَنَا فَقَالَ اِنِّيْ اُرِيْتُ لَيْلَةَ الْقَدْرِ ثُمَّ اُنْسِيْتُهَا اَوْ نَسِيْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِي الْوِتْرِ (بخاری کتاب باب

الصلوٰۃ والتراویح - باب التماس لیلۃ القدر فی السبع الاواخر جلد ۱ صفحہ ۲۲۵) حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ ہم نے آنحضرتؐ کے ہمراہ رمضان کے درمیانی عشرہ میں اعتکاف کیا۔ پھر آپ بیسویں تاریخ کی صبح کو باہر تشریف لاتے اور ہم سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مجھے لیلۃ القدر دکھائی گئی تھی مگر پھر مجھ سے بھلا دی گئی۔ یا یہ فرمایا کہ "میں بھول گیا" پس اب تم اسکو (رمضان کے) آخری عشرہ کی طاق راتوں میں تلاش کرو۔

۶۔ بخاری میں اس سے بھی زیادہ واضح حدیث اس باب میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت ہے کہ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيُخْبِرَنَا بِلَيْلَةِ الْقَدْرِ فَتَلَاحَى فُلَانٌ وَ فُلَانٌ فَرُفِعَتْ وَعَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ خَيْرًا لَّكُمْ (بخاری کتاب التراویح باب رفع معرفۃ لیلۃ القدر - جلد ۱ صفحہ ۲۵۵ مصری) کہ آنحضرتؐ ایکدن ہمیں لیلۃ القدر کا پتہ بتانے کے لئے باہر تشریف لاتے تو (آپؐ نے دیکھا کہ) مسلمانوں میں سے دو آدمی آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں باہر آیا تھا کہ تم کو لیلۃ القدر بتاؤں کہ فلاں فلاں دو آدمی آپس میں جھگڑے، اس لئے (لیلۃ القدر) مجھے بھلا دی گئی، اور قریب تھا کہ اس کا علم تمہارے لئے مفید ہوتا۔ یا یہ کہ اس کا بھول جانا تمہارے لئے مفید ہو۔

حصہ سوم

پیشگوئیوں پر اعتراضات کے جوابات

۱۔ پیشگوئی متعلقہ مرزا احمد بیگ وغیرہ

خدا تعالےٰ کی سُنّت قدیمہ:۔ جب کوئی قوم اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مستحق ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اس قوم کو عذاب نازل کرنے سے قبل آخری اتمام حجت کے طور پر ایک حکم دیا کرتا ہے کبھی وہ حکم اپنی ذات میں نہایت معمولی ہوتا ہے مگر اس کی خلاف ورزی "اونٹ کی پیٹھ پر آخری تنکا" ثابت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالےٰ اسی قانون کو ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا (بنی اسرائیل: ۱۷) کہ جب ہم کسی بستی کو تباہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو اسکے خوشحال لوگوں کو ایک حکم دیتے ہیں جس کی وہ نافرمانی کرتے ہیں۔ پس ان پر فردِ جُرم لگ جاتا ہے اور ہم انکو بالکل تباہ و برباد کر دیتے ہیں۔

چنانچہ اسی قسم کی اتمامِ حجت کی ایک مثال سورۃ الشمس میں بیان فرمائی ہے۔ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ نَاقَةَ اللّٰهِ وَسُقْيٰهَا ه فَكَذَّبُوْهُ فَعَقَرُوْهَا فَدَمْدَمَ عَلَيْهِمْ رَبُّهُمْ بِذَنْۢبِهِمْ فَسَوّٰىهَا (الشمس: ۱۴: ۱۵) پس قوم ثمود سے اللہ تعالیٰ کے نبی (صالحؑ) نے فرمایا کہ خدا کی اس اونٹنی کا خیال رکھو، اور اس کا پانی بند نہ کرو۔ پس انہوں نے اس کا انکار کیا اور انہوں نے اونٹنی کے پاؤں کاٹ دیئے۔ پس ان کو خدا تعالیٰ نے ان کے گناہ اور نافرمانی کے باعث ہلاک کر دیا۔

پس یہی سنت الٰہیہ تھی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قریبی رشتہ داروں کے ساتھ معاملہ کیا۔ وہ لوگ (جیسا کہ تفصیل آگے آئیگی) خدا تعالےٰ کے منکر، آنحضرتؐ اور قرآن کے دشمن تھے، ہندو تہذیب اور ہندوانہ رسوم کا ان پر گہرا اثر تھا جس طرح ہندوؤں کے ہاں اپنی گوت اور خاندان میں نکاح ناجائز سمجھا جاتا ہے اسی طرح وہ لوگ (مرزا احمد بیگ وغیرہ) بھی یہ خیال کرتے تھے کہ اسلام نے جو چچا، ماموں اور خالہ کی لڑکی کے ساتھ نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔ یہ نہایت قابل اعتراض ہے، وہ لوگ کہا کرتے تھے کہ مندرجہ بالا رشتوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا حقیقی ہمشیرہ کے ساتھ نکاح کرنے کے مترادف ہے۔ اس لئے آنحضرتؐ نے جو اپنی پھوپھی کی لڑکی (حضرت زینبؓ) سے نکاح کیا وہ

بھی ناجائز تھا۔ سو خدا تعالےٰ نے ان کی بدکرداریوں اور نافرمانیوں کے باعث (جن کی تفصیل آگے آئے گی) انکو قوم صالحؑ کی طرح ایک آخری حکم دیا کہ وہ (احمد بیگ) اپنی لڑکی کا نکاح حضرت مسیح موعودؑ سے کردیں گے تو یہ نکاح قرآن مجید کی آیت کُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ : ۱۱۹) کے مطابق (کہ صادقین کے ساتھ تعلق پیدا کرو) موجب رحمت اور برکت ہوگا۔

۲۔ چونکہ حضرت اقدس کا رشتہ ان لوگوں کے ساتھ اسی قسم کا تھا جس میں ہندووانہ رسوم کے ماتحت باہمی نکاح کو وہ بُرا سمجھتے تھے، اس لئے خدا تعالیٰ نے خصوصیت سے اسی امر کو چُنا۔ جس طرح آنحضرتؐ کے زینبؓ (مطلقۂ زیدؓ) کے ساتھ نکاح کے متعلق خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ لِکَیْلَا یَکُوْنَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ حَرَجٌ فِیْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِیَآئِهِمْ اِذَا قَضَوْا مِنْهُنَّ وَطَرًا (الاحزاب : ۳۸) کہ ہم نے یہ نکاح کیا تاکہ مومن اپنے مُتبنّوں کی مطلقہ بیویوں کے ساتھ نکاح کرنے کو بُرا نہ سمجھیں۔

گویا اس بدرسم کو مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کا حضرت زینبؓ سے نکاح کیا۔ بعینہٖ یہاں جگہ بھی اِسی امر کو چُنا، تا ان کی اصلاح ہو اور یہ خیالاتِ فاسدہ ان کے دماغ سے نکل جائیں۔

۳۔ تیسری حکمت اس میں یہ تھی کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو انکی اصلاح مقصود تھی اور تاریخ اسلامی سے ثابت ہے کہ بعض اوقات نبی کے ساتھ جسمانی رشتہ لڑکی کے خاندان کی اصلاح کا موجب ہوجاتا ہے جیساکہ اُم حبیبہؓ بنت ابوسفیان اور سودہؓ بنت زمعہؓ کے آنحضرتؐ کے نکاح میں آجانے کی وجہ سے ان کے خاندان حلقہ بگوشِ اسلام ہوگئے اس لئے خدا تعالیٰ نے اتمام حجت کے لئے یہی آخری حکم مرزا احمد بیگ وغیرہ کو دیا۔

مخالفین انبیاء کا شیوۂ تکذیب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی ایک عظیم الشان پیشگوئی تھی جو اپنی تمام شروط کے ساتھ لفظاً لفظاً پوری ہوگئی، جیساکہ خود حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اور ہم نے سلطان محمد کے بارے میں اس کی موت کی وجہ تاخیر علیحدہ اشتہار میں ایسے طور پر ثابت کردی ہے جس کے قبول کرنے سے کسی ایمان دار کو عذر نہیں ہوگا اور بے ایمان جو چاہے سو کہے یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ پیشگوئی اپنی تمام عظمتوں کے ساتھ پوری ہوگئی جس سے کوئی دانشمند انکار نہیں کرسکتا۔"
(انوار الاسلام صفحہ ۲)

نوٹ:۔ بعض اُن لوگوں کو جن کو حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں کا علم نہیں خاکسار پر طعن کیا ہے کہ گویا یہ دعویٰ کہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی خاکسار کی ایجاد ہے جیساکہ مولوی ثناء اللہ جس نے اس پاکٹ بک کی نقل کرکے ایک اشتہاری پاکٹ بک "ثنائی پاکٹ بک" کے نام سے شائع کی ہے اس کے صفحہ ۹۲ پر یہی اعتراض لکھا ہے حالانکہ یہ محض اس کی لاعلمی کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ میرا دعویٰ نہیں۔ بلکہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ ہے۔ (خادم)

اہلِ بصیرت نے اس پیشگوئی کو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت وحقانیت کی ایک دلیل سمجھا۔ اس خاندان سے تعلق رکھنے والے بیسیوں آدمی حلقہ بگوشِ احمدیت ہوتے مگر "عُلَمَاءُ ھُمْ" اپنے شیوہ استہزاء وتمسخر سے باز نہ آتے۔

خداتعالیٰ نے قرآن کریم میں آنحضرتؐ کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا زَوَّجْنٰکَھَا (الاحزاب: ۳۸) کہ جب زیدؓ نے حضرت زینبؓ کو طلاق دیدی تو ہم نے آپ کے ساتھ آسمان پر نکاح پڑھ دیا۔

یہی لفظ زَوَّجْنٰکَھَا کا حضرت مسیح موعودؑ کو خداتعالیٰ نے محمدیؑ بیگم کے متعلق فرمایا۔ وہاں شرائط کے تحقق کے باعث حضرت زینبؓ کا نکاح ہوگیا۔ مگر پھر بھی مخالفین اس پر اعتراض کرنے سے باز نہ آئے اور آج تک اس کے متعلق ہرزہ سرائی کرتے رہتے ہیں۔ یہاں شرائط کے عدم تحقق کے باعث محمدی بیگم کا نکاح نہ ہوا، تو اس پر بھی مخالفین اعتراضات کرنے میں پیش پیش ہیں۔ غرضیکہ نکاح کا ہونا یا نہ ہونا باعث اعتراض نہیں بلکہ اس کا باعث درحقیقت وہ فطری بغض ہے جو روزِ ازل سے معاندین ومکذبین کے شامل رہا ہے۔

چنانچہ ہم محمدیؑ بیگم کے ساتھ متعلقہ پیشگوئی کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ درج ذیل کر کے اہل بصیرت حضرات سے اپیل کرتے ہیں، اگر وہ خدا کے لئے انصاف وخداترسی کے ساتھ اس پیشگوئی پر نظر ڈالیں گے تو ان پر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے گا کہ نہ صرف یہ کہ اس پیشگوئی پر مخالفین کی طرف سے جس قدر اعتراضات کئے جاتے ہیں وہ سراسر باطل ہیں، بلکہ یہ بھی کہ یہ پیشگوئی بعینہٖ اسی طرح جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کو بیان فرمایا تھا، پوری ہوئی۔ وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ۔

مخالف عُلماء کی غلط بیانیاں

مخالف علماء اس پیشگوئی پر اعتراض کرنے کے لئے ہمیشہ صداقت وانصاف کو بالائے طاق رکھ کر یہ کہا کرتے ہیں کہ مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ محمدی بیگم کے ساتھ میرا نکاح ہو جائیگا، اگر میرا نکاح محمدی بیگم سے نہ ہوا تو میں جھوٹا ہو جاؤں گا اور" بد سے بدتر ٹھہروں گا۔" چونکہ مرزا صاحب کا نکاح محمدی بیگم سے نہیں ہوا لہٰذا مرزا صاحب جھوٹے ہیں۔ (نعوذ باللہ)

یہ وہ طریق ہے کہ جس سے وہ اس پیشگوئی کو پیش کر کے عوام کو دھوکا دیتے ہیں۔ حالانکہ خُدا شاہد ہے کہ یہ سب جھوٹ ہے۔ افتراء اور دھوکا ہے۔ اگر حضرت مسیح موعودؑ نے اسی طرح پیشگوئی فرمائی ہوتی تو غیر احمدی علماء کا اعتراض درست ہوتا۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ مخالف علماء ہمیشہ اصل واقعات کو حذف کر کے بیحد تحریف کے ساتھ پیش کر کے لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

پیشگوئی کی غرض و غایت

اس پیشگوئی کے سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے اس کی اصل غرض و غایت کو بیان کر دیا جاتے۔

حضرت مسیح موعودؑ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

" إِنَّ اللّٰهَ رَأَى أَبْنَاءَ عَمِّيْ وَغَيْرَهُمْ مِنْ شُعُوْبِ أَبِيْ وَأُمِّيْ الْمَغْمُوْرِيْنَ فِي الْمُهْلِكَاتِ وَالْمُسْتَغْرِقِيْنَ فِي السَّيِّئَاتِ مِنَ الرُّسُوْمِ الْقَبِيْحَةِ وَالْعَقَائِدِ الْبَاطِلَةِ وَالْبِدْعَاتِ وَرَآهُمْ مُنْقَادِيْنَ لِجَذَبَاتِ النَّفْسِ وَاسْتِيْفَاءِ الشَّهْوَاتِ وَالْمُنْكِرِيْنَ لِوُجُوْدِ اللّٰهِ وَمِنَ الْمُفْسِدِيْنَ۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۶ مطبوعہ ۱۸۹۳ء)

کہ خدا تعالیٰ نے میرے چچیرے بھائیوں اور دوسرے رشتہ داروں۔۔۔ (احمد بیگ وغیرہ) کو مہلک خیالات و اعمال میں مبتلاء اور رسومِ قبیحہ، عقایدِ باطلہ اور بدعات میں مستغرق پایا، اور انکو دیکھا کہ وہ اپنے نفسانی جذبات کے لحاظ سے پیروانِ جذبات و شہواتِ نفسانیہ ہیں۔ اور نیز یہ کہ وہ وجود خداوندی کے منکر اور فسادی ہیں۔"

اس کے آگے یہاں تک فرمایا۔ وَكَانُوْا أَشَدَّ كُفْرًا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْمُنْكِرِيْنَ بِقَضَاءِ اللّٰهِ وَقَدْرِهٖ مِنَ الدَّهْرِيِّيْنَ۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۶) کہ وہ لوگ خدا اور رسولؐ کے پکے منکر اور قضا و قدر کے نہ ماننے والے بلکہ دہریہ تھے۔

اِن کی بے دینی اور دہریت کا پوری طرح علم مندرجہ ذیل واقعہ سے ہوسکتا ہے جو حضرت مسیح موعودؑ نے آئینہ کمالاتِ اسلام میں تحریر فرمایا ہے:۔

فَاتَّفَقَ ذَاتَ لَيْلَةٍ إِنِّيْ كُنْتُ جَالِسًا فِيْ بَيْتِيْ إِذْ جَاءَنِيْ رَجُلٌ بَاكِيًا فَفَزِعْتُ مِنْ بُكَائِهٖ فَقُلْتُ أَجَاءَكَ نَعْيُ مَوْتٍ قَالَ بَلْ أَعْظَمُ مِنْهُ إِنِّيْ كُنْتُ جَالِسًا عِنْدَ هٰؤُلَاءِ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَنْ دِيْنِ اللّٰهِ فَسَبَّ أَحَدُهُمْ رَسُوْلَ اللّٰهِ سَبًّا شَدِيْدًا غَلِيْظًا مَا سَمِعْتُ قَبْلَهٗ مِنْ فَمِ كَافِرٍ وَرَأَيْتُهُمْ أَنَّهُمْ يَجْعَلُوْنَ الْقُرْآنَ تَحْتَ أَقْدَامِهِمْ وَيَتَكَلَّمُوْنَ بِكَلِمَاتٍ يَرْتَعِدُ اللِّسَانُ مِنْ نَقْلِهَا۔ وَيَقُوْلُوْنَ أَنَّ وُجُوْدَ الْبَارِيْ لَيْسَ بِشَيْءٍ وَمَا مِنْ إِلٰهٍ فِي الْعَالَمِ إِنْ هُوَ إِلَّا كِذْبُ الْمُفْتَرِيْنَ قُلْتُ أَوَلَمْ حَذَّرْتُكَ مِنْ مُجَالَسَتِهِمْ فَاتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تَقْعُدْ مَعَهُمْ وَكُنْ مِنَ التَّائِبِيْنَ۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۸)

یعنی ایک رات ایسا اتفاق ہوا کہ ایک شخص میرے پاس روتا ہوا آیا، میں اس کے رونے کو دیکھ کر خائف ہوا اور اس سے پوچھا کہ تم کو کسی کے مرنے کی اطلاع ملی ہے؟ اس نے کہا نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ! میں ان لوگوں کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو دینِ خداوندی سے مُرتد ہو چکے، پس ان میں سے ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت گندی گالی دی، ایسی گالی کہ اس سے پہلے میں نے کسی کافر کے

منہ سے بھی نہیں سنی تھی اور میں نے انہیں دیکھا کہ وہ قرآن مجید کو اپنے پاؤں کے نیچے روندتے ہیں اور ایسے کلمات بولتے ہیں کہ زبان بھی ان کو نقل کرنے سے گندی ہوتی ہے اور وہ کہتے ہیں کہ خدا کا وجود کوئی چیز نہیں اور یہ کہ دُنیا میں کوئی معبود نہیں، یہ صرف ایک جھوٹ ہے جو مفتریوں نے بولا۔ میں نے اسے کہا کہ کیا میں نے تمہیں ان کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں کیا تھا؟ پس خدا سے ڈرو اور آیندہ ان کے پاس کبھی نہ بیٹھا کرو اور توبہ کرو۔

وَكَانُوْا يَسْتَهْزِءُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ (قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ) اَنَّ الْقُرْاٰنَ مِنْ مُفْتَرَيَاتِ مُحَمَّدٍ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) وَكَانُوْا مِنَ الْمُرْتَدِّيْنَ۔ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۸)

کہ وہ خدا و رسولؐ پر تمسخر کرتے اور کہتے تھے کہ قرآن نعوذ باللہ آنحضرتؐ کا افتراء ہے اور وہ مُرتد تھے۔

غرضیکہ اُن لوگوں کی یہ کیفیت تھی جب کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مامور من اللہ ہونے کا دعویٰ فرمایا۔ ایسے لوگوں کے لئے جو خدا کی ہستی ہی کے سرے سے منکر تھے۔ ایسا دعویٰ اور زیادہ استہزاء اور تمسخر کا محرک ہوا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ نہایت بے باکی اور شرارت کے ساتھ سلوک کرنا شروع کیا اور کہا۔ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۸)

کہ اگر (مرزا صاحبؑ) سچا ہے تو کوئی نشان ہمیں دکھائے۔

حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں کہ فَكَتَبُوْا كِتَابًا كَانَ فِيْهِ سَبُّ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسَبُّ كَلَامِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاِنْكَارُ وُجُوْدِ الْبَارِيْ عَزَّ اِسْمُهٗ وَمَعَ ذٰلِكَ طَلَبُوْا فِيْهِ اٰيَاتِ صِدْقِيْ مِنِّيْ وَاٰيَاتِ وُجُوْدِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَاَرْسَلُوْا كِتَابَهُمْ فِي الْاٰفَاقِ وَالْاَقْطَارِ اَعَانُوْا بِهَا كَفَرَةَ الْهِنْدِ وَعَتَوْا عُتُوًّا كَبِيْرًا (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۸)

انہوں نے ایک خط لکھا جس میں آنحضرتؐ اور قرآن مجید کو گالیاں دی ہوئی تھیں اور خدا تعالیٰ کی ہستی کے لیے نشان طلب کیا ہوا تھا اور انہوں نے اپنا یہ خط آفاق و اقطار میں شائع کیا اور ہندوستان کے دوسرے غیر مسلموں (عیسائیوں) نے اس میں انکی بہت مدد کی اور انہوں نے انتہائی سرکشی کی۔

یہ خط اخبار چشمہ نور اگست ۱۸۸۵ء میں شائع ہوا تھا۔

اُن کی اس انتہائی شوخی اور مطالبہ نشان پر حضرت مسیح موعودؑ نے خدا تعالیٰ سے دُعا فرمائی جس کا ذکر حضور نے آئینہ کمالات اسلام کے ص۵۶۹ پر بدیں الفاظ شروع فرمایا:

وَقُلْتُ يَا رَبِّ۔ يَا رَبِّ انْصُرْ عَبْدَكَ وَاخْذُلْ اَعْدَاءَكَ الخ کہ میں نے کہا اے میرے خدا! اے میرے خدا!! اپنے بندے کی مدد فرما اور اپنے دشمنوں کو ذلیل کر۔

اس کے جواب میں خدا تعالیٰ کی طرف سے حضورؑ کو الہاماً وہ نشان دیا گیا جس کے لئے وہ لوگ اس قدر بے تاب ہو رہے تھے۔ چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

اِنِّيْ رَاَيْتُ عِصْيَانَهُمْ وَطُغْيَانَهُمْ فَسَوْفَ اَضْرِبُهُمْ بِاَنْوَاعِ الْاٰفَاتِ اُبِيْدُهُمْ مِنْ تَحْتِ السَّمٰوٰتِ وَسَتَنْظُرُ مَا اَفْعَلُ بِهِمْ وَكُنَّا عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قٰدِرِيْنَ۔ اِنِّيْ اَجْعَلُ

نِسَاءَھُمْ اَرَامِلَ وَ اَبْنَاءَھُمْ یَتَامٰی وَ بُیُوْتَھُمْ خَرِبَۃً لِیَذُوْقُوْا طَعْمَ مَا قَالُوْا وَمَا کَتَسَبُوْا وَلٰکِنْ لَا اُھْلِکُھُمْ دَفْعَۃً وَّاحِدَۃً بَلْ قَلِیْلاً قَلِیْلاً لَعَلَّھُمْ یَرْجِعُوْنَ وَیَکُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِیْنَ۔ اِنَّ لَعْنَتِیْ نَازِلَۃٌ عَلَیْھِمْ وَ عَلٰی جُدْرَانِ بُیُوْتِھِمْ وَ عَلٰی صَغِیْرِھِمْ وَکَبِیْرِھِمْ وَنِسَاءِھِمْ وَرِجَالِھِمْ وَنَزِیْلِھِمُ الَّذِیْ دَخَلَ اَبْوَابَھُمْ وَکُلُّھُمْ کَانُوْا مَلْعُوْنِیْنَ۔ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۹)

کہ میں نے انکی بدکرداری اور سرکشی دیکھی پس میں عنقریب انکو مختلف قسم کی آفات سے ماروں گا اور ان کو زیر آسمان ہلاک کروں گا۔ اور عنقریب تُو دیکھے گا کہ میں ان کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہوں۔ اور ہم ہر ایک چیز پر قادر ہیں۔ میں ان کی عورتوں کو بیوائیں، انکے بچوں کو یتیم اور انکے گھروں کو ویران کردونگا تاکہ وہ اپنے کئے کی سزا پائیں لیکن میں انکو یکدم ہلاک نہیں کرونگا بلکہ آہستہ آہستہ تاکہ وہ رجوع کریں اور توبہ کرنے والوں میں سے ہوجائیں اور میری لعنت ان پر اور ان کے گھر کی چار دیواری پر اور ان کے بڑوں اور ان کے چھوٹوں پر اور ان کی عورتوں اور ان کے مردوں پر اور ان کے مہمانوں پر جو ان کے گھروں میں اُتریں نازل ہونے والی ہے اور وہ سب کے سب ملعون ہوں گے۔

پیشگوئی کی مزید تفصیل

مندرجہ بالا عبارت میں صاف طور پر بتایا گیا تھا کہ خدا ان کی عورتوں کو بیوائیں اور ان کے بچوں کو یتیم کردے گا۔ مگر اس کے ساتھ ہی توبہ اور رجوع کی شرط بھی مذکور ہے کہ خدا تعالےٰ انکو یکدم ہلاک نہیں کریگا تاکہ اگر وہ توبہ کرلیں تو بچ جائیں۔

اُن عورتوں کو بیوائیں اور بچوں کے یتیم بننے کی تفصیل حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس طرح بیان فرمائی ہے کہ اگر مرزا احمد بیگ اپنی دختر کلاں (محمدی بیگم) کا رشتہ حضرت مسیح موعود سے کردے تو وہ اور اس کا خاندان اسی طرح روحانی برکات سے حصہ پائیگا جس طرح اُم حبیبہؓ بنت ابوسفیان اور سودہؓ بنت زمعہ نے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آکر اپنے قبیلہ اور خاندان کو پہنچایا۔ (کہ انکے خاندان اور قبیلے ان کے نکاحوں کے باعث اسلام میں داخل ہوگئے)۔

الہام الٰہی نے ساتھ ہی یہ بھی بتادیا کہ وہ اپنی اندرونی حالت (جس کا ذکر اوپر آچکا ہے) کے باعث ہرگز یہ رشتہ نہیں کریگا اور اس صورت میں جس دن وہ کسی اَور شخص سے اس کا نکاح کردیگا اس کے بعد تین سال کے عرصہ میں اور جس شخص سے اس لڑکی کا نکاح ہوگا وہ اڑھائی (۲½) سال کے عرصہ میں ہلاک ہو جائیگا اور لڑکی بیوہ ہونے کے بعد نکاح میں آئے گی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اپنے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

"اس خدائے قادر حکیم مطلق نے مجھ سے فرمایا کہ اس شخص (احمد بیگ) کی دُختر کلاں کے نکاح کے لئے سلسلہ جنبانی کر اور انکو کہدے کہ تمام سلوک اور مروت تم سے اس شرط سے

کیا جائیگا۔ اور یہ نکاح تمہارے لیے موجب برکت اور ایک رحمت کا نشان ہوگا اور تمام رحمتوں اور برکتوں سے حصہ پاؤ گے جو اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں درج ہیں، لیکن اگر نکاح سے انحراف کیا تو اس لڑکی کا انجام نہایت ہی برا ہوگا اور جس کسی دوسرے شخص سے بیاہی جائے گی وہ روز نکاح سے اڑہائی سال تک اور والد اس دختر کا تین سال تک فوت ہو جائیگا۔"

(آئینہ کمالات اسلام ص۲۸۶)

الہام الٰہی نے ساتھ ہی ایک اور بات بتادی کہ اول مرزا احمد بیگ اپنی لڑکی کا نکاح ضرور کسی دوسری جگہ کردیگا۔ چنانچہ اس کے لئے الہامات یہ ہیں:۔

كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ وَيَرُدُّهَا اِلَيْكَ ۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۲۸۶)

یعنی انہوں نے ہمارے نشانوں کو جھٹلایا اور ان کے ساتھ تمسخر واستہزاء کیا۔ خدا تعالیٰ انجام کار اس لڑکی کو تمہاری طرف واپس لائیگا۔

یہ دونوں الہامات بتارہے ہیں کہ لڑکی کا رشتہ ضرور کسی دوسری جگہ ہوجائیگا۔ وہ لوگ اس نشان الٰہی کی تکذیب کرینگے اور لڑکی کا دوسری جگہ نکاح کردیں گے۔ دوسرا الہام تو صریح طور پر بتا رہا ہے کہ نکاح ضرور دوسری جگہ ہوگا۔ "واپس لانا" (يَرُدُّهَا) کا لفظ اس پر صریح نص ہے۔ اس کے ساتھ دوسری بات یہ بھی بتادی گئی کہ احمد بیگ اور اس کے داماد وغیرہ کی ہلاکت توبہ اور رجوع نہ کرنے کی صورت میں ہوگی۔

لَا اُهْلِكُهُمْ دَفْعَةً وَاحِدَةً بَلْ قَلِيْلًا قَلِيْلًا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ وَيَكُوْنُوْنَ مِنَ التَّوَّابِيْنَ۔ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۶۹) کہ میں ان کو یکدم ہلاک نہ کروں گا، بلکہ آہستہ آہستہ تاکہ وہ رجوع کریں اور توبہ کرنے والوں میں سے ہوجائیں۔

۲۔ اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا اُن پر بلا پر بلا نازل کریگا۔ یہانتک کہ وہ نابود ہوجائیں گے، انکے گھر بیواؤں سے بھر جائیں گے اور انکی دیواروں پر غضب نازل ہوگا، لیکن اگر وہ رجوع کریں گے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کریگا۔

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر مارچ ۱۸۸۶ء مشمولہ آئینہ کمالات اسلام)

دونوں عبارتیں بالکل واضح ہیں اور کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ صاف طور پر ان میں توبہ کی شرط مذکور ہے اور بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں پر (جن کی ہلاکت کی پیشگوئی تھی) اگر وہ توبہ نہ کریں اور رجوع نہ لائیں گے تو عذاب نازل ہوگا، لیکن اگر وہ رجوع کریں گے تو خدا رحم کے ساتھ ان پر رجوع کریگا۔

۳۔ تیسرا ثبوت اس امر کا کہ پیشگوئی میں توبہ کی شرط مذکور تھی حضرت مسیح موعودؑ کے مندرجہ ذیل الہامات ہیں جو حضور نے اس پیشگوئی کے متعلق شائع فرمائے۔

رَاَيْتُ هٰذِهِ الْمَرْاَةَ وَاَثَرُ الْبُكَاءِ عَلٰى وَجْهِهَا فَقُلْتُ اَيَّتُهَا الْمَرْاَةُ تُوْبِيْ تُوْبِيْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ وَالْمُصِيْبَةُ نَازِلَةٌ عَلَيْكِ۔ يَمُوْتُ وَيَبْقٰى مِنْهُ كِلَابٌ

مُتَعَدِّدَةٌ - (اشتہار ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء۔ حاشیہ و تبلیغ رسالت جلد ۱ ص۱۲۰) کہ میں نے اس عورت (محمدی بیگم کی نانی) کو (کشفی حالت میں) دیکھا اور رونے کے آثار اس کے چہرے سے ظاہر تھے۔ پس میں نے اس سے کہا کہ اے عورت توبہ کر! توبہ کر! کیونکہ بلا تیری اولاد پر ہے اور مصیبت تجھ پر نازل ہونے والی ہے ایک مرد مر جائے گا اور اس کی طرف کتے باقی رہ جائیں گے۔

ان الہامات میں تُوْبِيْ تُوْبِيْ کے الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ وہ مصیبت جو اس خاندان پر آنے والی تھی وہ توبہ سے ٹل سکتی تھی اور تُوْبِيْ تُوْبِيْ میں محمدی بیگم کی نانی کو مخاطب کرنے سے خدا تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ اس انذاری پیشگوئی میں "توبہ" کا دروازہ بہت وسیع ہے۔ کبیرہ گناہوں کو چھوڑ کر جو دوسرے صغیرہ گناہ ہوتے ہیں، ان کے لئے ایک آدمی کی دعا سے دوسرے کے گناہ معاف ہو سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ التحیات میں یہ دعا سکھائی گئی ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ کہ اے ہمارے رب! مجھے اور میرے والدین کو بخش۔

اسی طرح سے اپنی ذریت کے لیے بھی دعا سکھلائی گئی۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ کہ اے اللہ! مجھے اور میری ذریت (اولاد) کو بھی نماز کا قائم کرنیوالا بنا۔

غرضیکہ تُوْبِيْ تُوْبِيْ میں محمدی بیگم کی نانی کو مخاطب کر کے بتایا گیا ہے کہ اس پیشگوئی میں جو توبہ کی شرط لگائی گئی ہے تو اس کے لیئے دروازہ بہت کھلا ہے یہانتک کہ "نانی" کی دعا اور استغفار سے نواسی کی مصیبت ٹل سکتی ہے چہ جائیکہ وہ خود توبہ اور استغفار کریں پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اصل پیشگوئی یہ نہ تھی کہ "محمدی بیگم میرے نکاح میں آجائیگی" بلکہ پیشگوئی یہ تھی کہ احمد بیگ اور سلطان محمد اگر توبہ نہ کرینگے (دیکھو مندرجہ بالا اقتباس نمبر ۲۔ از اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء) تو تین اور اڑھائی سال کے عرصہ میں ہلاک ہوجائیں گے اور انکی ہلاکت کے بعد محمدی بیگم "بیوہ ہوکر" حضرتؑ کے نکاح میں آئے گی۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے خود اسی اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں صاف طور پر تحریر فرمادیا ہے:۔

"خدا تعالیٰ نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کی ہے کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ نام ہے اگر وہ اپنی بڑی لڑکی اس عاجز کو نہیں دیگا تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہوجائیگا اور وہ جو اس سے نکاح کریگا روز نکاح سے اڑھائی برس کے عرصہ میں فوت ہوجائیگا اور آخر وہ عورت میرے نکاح میں آئے گی۔"

۲۔ اس سے بھی واضح حوالہ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ محمدی بیگم کا حضرتؑ کے نکاح میں آنا، احمد بیگ اور سلطان محمد دونوں کی موت پر موقوف تھا، یہ ہے:۔

يَمُوْتُ بَعْلُهَا وَاَبُوْهَا اِلٰى ثَلَاثِ سَنَةٍ مِنْ يَوْمِ النِّكَاحِ ثُمَّ نَرُدُّهَا اِلَيْكَ بَعْدَ مَوْتِهِمَا (کرامات الصادقین آخری ٹائیٹل پیج) کہ اس کا خاوند اور باپ یوم نکاح سے تین سال کے عرصہ میں مرجائیں گے اور ان دونوں کی موت کے بعد ہم اس عورت کو تیری طرف واپس لائیں گے۔

۲۔ اس سے بھی واضح حوالہ جس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ نکاح کی پیشگوئی اصل پیشگوئی نہ تھی، بلکہ اصل پیشگوئی احمد بیگ اور سلطان محمد کی ہلاکت تھی، یہ ہے:۔

كَانَ اَصْلُ الْمَقْصُوْدِ الْاِهْلَاكَ وَتَعْلَمُ اَنَّهُ هُوَ الْمِلَاكُ وَاِمَّا تَزْوِيْجُهَا اِيَّايَ بَعْدَ اِهْلَاكِ الْهَالِكِيْنَ وَالْهَالِكَاتِ فَهُوَ لِاِعْظَامِ الْاٰيَةِ فِيْ عَيْنِ الْمَخْلُوْقَاتِ

(انجام آتھم ص۲۱۱) کہ میری پیشگوئی کا اصل مقصد تو (ان دونوں) کا ہلاک کرنا تھا اور اس عورت کا میرے نکاح میں آنا انکی موت کے بعد ہے، اور وہ بھی محض نشان کی عظمت کو لوگوں کی نظر میں بڑھانے کے لئے نہ کہ اصل مقصود۔

غرضیکہ یہ ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی اصل پیشگوئی یہ تھی کہ مرزا سلطان محمد اور احمد بیگ "اگر توبہ نہ کریں گے" تو تین سال کے عرصہ میں فوت ہو جائیں گے اور انکی وفات کے بعد "محمدی بیگم حضرت کے نکاح میں آئے گی۔

یہاں پر طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ کو یہ بتایا کہ احمد بیگ اور سلطان محمد اگر توبہ نہ کریں گے تو تین برس کے عرصہ میں ہلاک ہوں گے جب خدا نے توبہ کی شرط لگا دی ہے تو اب سوال یہ ہے کہ کیا وہ اس شرط سے فائدہ اُٹھائیں گے یا نہیں؟ اور اگر اُٹھائیں گے تو کس حد تک؟ کیونکہ خدا تعالیٰ تو عالم الغیب ہے اس کو تو معلوم تھا کہ احمد بیگ اور سلطان محمد توبہ کی شرط سے فائدہ اُٹھائیں گے یا نہیں؟

تو اس سوال کا جواب تُوْبِيْ تُوْبِيْ والے الہام کے ساتھ ہی اگلے الفاظ میں دیا ہے۔ فرمایا:۔

تُوْبِيْ تُوْبِيْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ وَالْمُصِيْبَةُ نَازِلَةٌ عَلَيْكِ يَمُوْتُ وَيَبْقٰى مِنْهُ كِلَابٌ مُتَعَدِّدَةٌ۔

(تتمہ اشتہار ۱۰ جولائی۔ حاشیہ اشتہار ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء و تبلیغ رسالت ص۱۲۴ جلد ۱ حاشیہ)۔

یعنی اے عورت! توبہ کر، توبہ کر، تجھ پر اور تیری لڑکی کی لڑکی پر عذاب نازل ہونے والا ہے (ان دونوں مردوں میں سے احمد بیگ اور سلطان محمد میں سے) ایک مرد ہی مریگا (یعنی وہ توبہ نہیں کرے گا لیکن دوسرا توبہ کر کے شرط سے فائدہ اُٹھائیگا اور نہیں مرے گا (اور اس طرح سے عورت بیوہ نہ ہوگی نہ ہی نکاح ہوگا) اور کُتّے بھونکتے رہ جائیں گے" کہ کیوں نکاح نہیں ہوا۔ یعنی بے وجہ اعتراض کرتے رہیں گے۔

اس الہام میں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ احمد بیگ اور سلطان محمد میں سے ایک شخص توبہ کی شرط سے فائدہ نہیں اُٹھائے گا اور اس کی موت ہوگی اور دوسرا شخص اس شرط سے فائدہ اٹھا کر بچ جائے گا۔

"يَمُوْتُ" واحد مضارع مذکر کا صیغہ ہے جس کا ترجمہ یہ ہے کہ "ایک مرد مرے گا" خادم

اب ہم مندرجہ بالا بحث میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ درحقیقت حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی یہ تھی۔

۱۔ احمد بیگ ضرور اپنی لڑکی کا نکاح کسی دوسرے شخص سے کر دیگا۔ (یَرُدُّھَا اِلَیْکَ)۔
۲۔ نکاح کرنے کے بعد "اگر توبہ نہ کریں گے" تو تین سال کے عرصہ میں احمد بیگ اور اس کا داماد مرجائینگے اور اندریں صورت لڑکی بیوہ ہو کر میرے نکاح میں آتے گی۔ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء وضمیمہ ریاض ہند امرتسر مارچ ۱۸۸۶ء)
۳۔ توبہ کی شرط سے دونوں میں سے ایک فائدہ نہیں اُٹھاتے اور مرجائیگا۔ (یَمُوْتُ)
۴۔ دوسرا شخص اس شرط سے فائدہ اٹھائیگا اور توبہ کر کے بچ جاتے گا (یَمُوْتُ) کیونکہ دونوں میں سے ایک نے مرنا ہے۔
۵۔ لڑکی بیوہ نہ ہوگی۔ (نتیجہ شق چہارم)
۶۔ اس وجہ سے نکاح نہ ہوگا (کیونکہ نکاح بیوہ ہونیکے بعد ہی ہونا تھا۔ (انجام آتھم ص۲۱۶)
۷۔ اور وہ لوگ جو ہر حالت میں زبان نکالنے کے عادی ہیں (جنکو قرآن کریم نے اعراف ع۲۲ میں یَلْھَثْ کے لفظ سے یاد کیا ہے) وہ اس پر اعتراض کرتے رہیں گے۔ (یَبْقٰی مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ)۔

پیشگوئی پوری ہوگئی

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی مندرجہ بالا اُمور پر مشتمل تھی۔ آؤ اب ذرا واقعات پر نگاہ ڈالیں اور دیکھیں کہ کیا خدا کے مسیح موعودؑ کی بیان فرمودہ باتیں پوری ہوئیں یا نہ؟ واقعات نے بتا دیا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جس طرح پیشگوئی کی تھی، حرف بحرف اسی طرح پوری ہوئی:۔
۱۔ احمد بیگ نے محمدی بیگم کا نکاح ۷۔ اپریل ۱۸۹۲ء کو مرزا سلطان محمد سے کر دیا۔
۲۔ احمد بیگ نے توبہ کی شرط سے فائدہ نہ اُٹھایا اور روزِ نکاح سے پانچ مہینے اور ۲۴ دن بعد یعنی ۳۰۔ ستمبر ۱۸۹۲ء کو فوت ہوگیا اور یَمُوْتُ والے الہام کا ایک پہلو پورا ہوگیا۔
۳۔ سلطان محمد نے "توبہ" کی شرط سے پیشگوئی کے مطابق فائدہ اُٹھایا اور توبہ کر کے بچ گیا (یَمُوْتُ کا دوسرا پہلو بھی پورا ہوگیا)۔
۴۔ چونکہ سلطان محمد توبہ کی شرط سے فائدہ اُٹھا کر بچ گیا اس لئے محمدی بیگم بیوہ نہ ہوئی۔
۵۔ چونکہ بیوہ نہ ہوئی اس لئے نکاح بھی نہ ہوا (کیونکہ نکاح بیوہ ہونے کے بعد ہونا تھا)
(انجام آتھم ص۲۱۶)
۶۔ معترضین آج تک اعتراض کرتے اور اپنی مخصوص ہرزہ سرائی سے باز نہیں آتے اور خود بخود یَبْقٰی مِنْہُ کِلَابٌ مُتَعَدِّدَۃٌ والے الہام کو پورا کرتے ہیں۔
غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس طریق سے پیشگوئی فرمائی تھی، بعینہٖ اسی طرح پوری ہوئی ہم بیان کر چکے ہیں کہ پیشگوئی میں "توبہ" کی شرط تھی، محمدی بیگم کا حضرت کے نکاح میں آنا تین سال میں سلطان محمد اور احمد بیگ کی موت پر موقوف تھا اور ان دونوں کا تین سال میں مرنا ان کے توبہ نہ کرنے پر موقوف تھا

سلطان محمد نے "توبہ" کی، وہ تین سال میں نہ مرا۔ محمدی بیگم بیوہ نہ ہوئی، لہٰذا نکاح نہ ہو۔ اِذَا فَاتَ الشَّرْطُ فَاتَ الْمَشْرُوْطُ۔

ہمارے تمام بیان کا انحصار صرف دو باتوں پر ہے:۔

۱۔ پیشگوئی میں توبہ کی شرط موجود تھی۔

۲۔ سلطان محمد نے "توبہ" کی شرط سے فائدہ اُٹھایا۔

اگر یہ دونوں باتیں ثابت ہوں تو پھر کسی منصف مزاج اور حق پسند انسان کو اس پیشگوئی پر کوئی معمولی سے معمولی اعتراض بھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جاتے کہ محمدی بیگم کا نکاح حضرت مسیح موعودؑ سے صرف اس صورت میں ہونا تھا کہ سلطان محمد توبہ نہ کرے اور تین سال میں مرجاتے اور پھر یہ بھی ثابت کر دیا جاتے کہ سلطان محمد نے فی الواقعہ توبہ کی اور اس وجہ سے تین سال میں مرنے سے بچ گیا تو بات بالکل صاف ہوتی ہے۔ سو اس بات کا ثبوت کہ اصل پیشگوئی میں توبہ کی شرط موجود تھی ہم پچھلے صفحات میں تفصیلاً آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۶۹ و اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء و الہام تُوْبِيْ تُوْبِيْ فَإِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ درج کرکے دے آئے ہیں۔ اس موقعہ پر حضرت مسیح موعودؑ کی دو اور تحریریں درج کرتے ہیں:۔

۱۔ مَا كَانَ الْهَامُ فِيْ هٰذِهِ الْمُقَدَّمَةِ اِلَّا وَكَانَ مَعَهٗ شَرْطٌ (انجام آتھم ص۲۲۳) کہ اس پیشگوئی کے متعلق مجھے ایک بھی ایسا الہام نہیں ہوا کہ جس میں شرط مذکور نہ ہو۔

۲۔ "اور بعض نادان کہتے ہیں کہ احمد بیگ کے داماد کی نسبت پیشگوئی پوری نہیں ہوئی اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ پیشگوئی شرطی تھی اور اس میں خدا تعالیٰ کی وحی اس کی منکوحہ کی نانی کو مخاطب کرکے یہ تھی تُوْبِيْ تُوْبِيْ فَإِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰى عَقِبِكِ۔ یعنی اے عورت توبہ کر، توبہ کر! کہ تیری لڑکی کی لڑکی پر بلا آنے والی ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۷)

سُلطان محمد کی توبہ کا ثبوت

اب صرف اس امر کا ثبوت دینا ہمارے ذمہ باقی رہا کہ مرزا سلطان محمد نے توبہ کی اور فی الواقعہ پیشگوئی کی اس شرط سے فائدہ اُٹھایا؟ سو یاد رہے کہ اس کی توبہ کے پانچ ثبوت ہیں:۔

۱۔ سب سے پہلا ثبوت اس امر کا کہ سلطان محمد نے توبہ کی فطرتِ انسانی ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ جب دو انسانوں کے متعلق ایک ہی حالت میں سے گزرنے کی پیشگوئی ہو اور ان دونوں میں سے ایک پر بعینہٖ پیشگوئی کے مطابق حالت طاری ہو جاتے تو دوسرے کو بھی یقین ہو جائیگا کہ میری بھی یہی کیفیت ہونے والی ہے۔ زید اگر عمرؔ اور بکرؔ سے یہ کہے کہ تم دونوں دو گھنٹہ کے اندر کوئیں میں گر کر مرجاؤ گے۔ اب اگر ایک ہی گھنٹہ بعد عمرؔ واقعی کوئیں میں گر کر مرجاتے تو طبعاً و فطرتاً بکرؔ کو اپنی موت کا یقین ہو جائیگا۔

پس جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ اور سلطان محمد دونوں کی موت کی پیشگوئی کی تھی، اور احمد بیگ عین میعاد مقررہ کے اندر حسب پیشگوئی مرگیا تو سلطان محمد پر خوف طاری ہونا اور اس کا

توبہ واستغفار کی طرف رجوع کرنا یقینی اور لازمی امر تھا۔ چنانچہ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

(الف) "سو ایک دانا سوچ سکتا ہے کہ احمد بیگ کے مرنے کے بعد جس کی موت پیشگوئی کا ایک جزو تھی دوسری جزو والے کا کیا حال ہوا ہوگا؟ گویا وہ جیتا ہی مرگیا ہوگا۔ چنانچہ اس کے بزرگوں کی طرف سے دو خط ہمیں بھی پہنچے، جو ایک حکیم صاحب باشندہ لاہور کے ہاتھ سے لکھے ہوئے تھے، جن میں انہوں نے اپنی توبہ اور استغفار کا حال لکھا تھا اور ان تمام قرائن کو دیکھ کر ہمیں یقین ہوگیا تھا کہ تاریخ وفات سلطان محمد قائم نہیں رہ سکتی۔" (اشتہار ۶ ستمبر ۱۸۹۴ء صفحہ ۳)

(ب) "اور جب احمد بیگ فوت ہوگیا تو اس کی بیوہ عورت اور دیگر پس ماندگان کی کمر ٹوٹ گئی۔ وہ دُعا اور تضرع کی طرف بہ دل متوجہ ہوگئے! جیسا کہ سُنا گیا ہے کہ اب تک احمد بیگ کے داماد کی والدہ کا کلیجہ اپنے حال پر نہیں آیا۔ سو خدا دیکھتا ہے کہ وہ شوخیوں میں کب آگے قدم رکھتے ہیں۔ پس اسی وقت وعدہ اس کا پورا ہوگا۔" (حجۃ اللہ صفحہ ۱۱ مطبوعہ ۲۶ مئی ۱۸۹۷ء)

۲۔ سلطان محمد کی توبہ کا دوسرا ثبوت اس کا مندرجہ ذیل تحریری اور دستخطی بیان ہے۔

انبالہ چھاؤنی۔ ۱۲/۳/ ۲۰

برادرم سلمۂ!

نوازشنامہ آپ کا پہنچا۔ یاد آوری کا مشکور ہوں۔ مَیں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک بزرگ، اسلام کا خدمتگذار، شریف النفس خدا یاد پہلے بھی اور اب بھی خیال کر رہا ہوں۔ مجھے ان کے مُریدوں سے کسی قسم کی مخالفت نہیں ہے، بلکہ افسوس کرتا ہوں کہ چند ایک امورات کی وجہ سے ان کی زندگی میں ان کا شرف حاصل نہ کر سکا۔

نیازمند سلطان محمد از انبالہ

رسالہ نمبر ۹"

(ان کا اصل خط عکسی اگلے صفحہ پر دیکھیں)

مندرجہ بالا الفاظ اگر کسی عام آدمی نے لکھے ہوں، تو کوئی اہم بات نہ ہو مگر سلطان محمد جس کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے موت اور اس کی بیوہ کے اپنے نکاح میں آنے کی پیشگوئی کی تھی اور اپنی متعدد کتب واشتہارات میں اس کا ذکر بھی فرمایا تھا، اس کو تو حضرت مسیح موعودؑ سے طبعاً انتہائی دشمنی اور عناد ہونا چاہیئے تھا۔ علاوہ ازیں حضرت اقدسؑ بار بار تحریر فرما رہے تھے کہ سلطان محمد نے توبہ کی ہے اور وہ خود تو اس امر کو جانتا تھا کہ اس نے توبہ کی ہے یا نہیں؟ اگر فی الواقعہ اس نے توبہ نہ کی تھی تو وہ جانتا تھا کہ حضرت صاحب نعوذ باللہ سچ نہیں فرما رہے تو ایسے شخص کے قلم سے یہ نکلنا کہ "مَیں جناب مرزا جی صاحب مرحوم کو نیک بزرگ" وغیرہ سمجھتا ہوں، اگر معجزہ نہیں تو اور کیا ہے؟

۳۔ تیسرا ثبوت سلطان محمد کی توبہ کرنے کا اس کا اپنا بیان ہے۔

"میرے خسر جناب مرزا احمد بیگ صاحب واقع میں عین پیشگوئی کے مطابق

فوت ہوئے، مگر خدا تعالیٰ غفور الرحیم بھی ہے، اپنے دوسرے بندوں کی بھی سنتا اور رحم کرتا ہے..... میں ایمان سے کہتا ہوں کہ یہ نکاح والی پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے بھی شک و شبہ کا باعث نہیں ہوئی۔ باقی رہی بیعت کی بات، سو میں قسمیہ کہتا ہوں کہ جو ایمان اور اعتقاد مجھے حضرت مرزا صاحبؑ پر ہے میرا خیال ہے کہ آپ کو بھی جو بیعت کر چکے ہیں اتنا نہیں ہوگا..... باقی میرے دل کی حالت کا اس سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ اس پیشگوئی کے وقت آریوں نے لیکھرام کی وجہ سے اور عیسائیوں نے آتھم کی وجہ سے مجھے لاکھ لاکھ روپیہ دینا چاہا، تا میں کسی طرح مرزا صاحبؑ پر نالش کروں۔ اگر میں وہ روپیہ لے لیتا تو امیر کبیر بن سکتا تھا۔ مگر وہی ایمان اور اعتقاد تھا جس نے مجھے اس فعل سے روکا۔" (الفضل 9/14 جون 1921ء)

۴۔ چوتھا ثبوت سلطان محمد صاحب کی توبہ کا وہ تحریری بیان ہے جو انکے صاحبزادہ برادرم محمد اسحٰق بیگ صاحب نے اخبار الفضل میں شائع کرایا:۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احباب کرام! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

پیشتر اس کے کہ میں اپنا اصل مدعا ظاہر کروں، یہ عرض کر دینا چاہتا ہوں کہ واللہ میں کسی لالچ یا دنیوی غرض یا کسی دباؤ کے ماتحت جماعت احمدیہ میں داخل نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ماتحت ایک لمبے عرصہ کی تحقیق حق کے بعد اس بات پر ایمان لایا ہوں کہ حضرت مرزا صاحبؑ اپنے ہر دعویٰ میں صادق اور مامور من اللہ ہیں۔ اور اپنے قول و فعل میں ایسے صادق ثابت ہوتے ہیں کہ کسی حق شناس کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا۔ آپ کی تمام پیشگوئیاں ٹھیک ٹھیک پوری ہوئیں۔ یہ الگ سوال ہے کہ بعض لوگ تعصب یا نہ سمجھنے کی وجہ سے بعض پیشگوئیوں کو پیش کر کے عوام کو دھوکا دیتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ مثلاً ان میں سے ایک پیشگوئی مرزا احمد بیگ صاحب وغیرہ کے متعلق ہے اس پیشگوئی کو ہر جگہ پیش کر کے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اس کا پورا ہونا ثابت کرو۔ حالانکہ وہ بھی صفائی کے ساتھ پوری ہو گئی۔ میں اس پیشگوئی کے متعلق ذکر کرنے سے پیشتر یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ یہ ایک انذاری پیشگوئی تھی اور ایسی انذاری پیشگوئیاں خدا تعالیٰ اپنے نبی کے ذریعہ اس لیے کرایا کرتا ہے کہ جن کے متعلق ہوں ان کی اصلاح ہو جاتے چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا کہ ہم انبیاء کو نشانات اس لئے دیتے ہیں کہ لوگ ڈر جائیں۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اصل بیان فرما دیا ہے کہ ایسی انذاری پیشگوئیاں لوگوں کی اصلاح کی غرض سے کی جاتی ہیں جب وہ قوم اللہ تعالیٰ سے ڈر جاتے اور اپنی صلاحیت

کی طرف رجوع کرے تو اللہ تعالیٰ اپنا معلق عذاب بھی ٹال دیتا ہے، جیساکہ حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ نیز حضرت موسیٰ کی قوم کے حالات وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ سے ظاہر ہے۔ اس صورت میں انذاری پیشگوئی کا لفظی طور پر پورا ہونا ضروری نہیں ہوتا۔ یہی نقشہ یہاں نظر آتا ہے کہ جب مرزا صاحبؑ کی قوم اور رشتہ داروں نے گستاخی کی، یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی ہستی سے انکار کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن پاک ہتک کی اور اشتہار دے دیا کہ ہمیں کوئی نشان دکھایا جائے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے مامور کے ذریعہ پیشگوئی فرمائی۔ اس پیشگوئی کے مطابق میرے نانا جان مرزا احمد بیگ صاحب ہلاک ہو گئے، اور باقی خاندان ڈر کر اصلاح کی طرف متوجہ ہو گیا۔ جس کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اکثر نے احمدیت قبول کر لی۔ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ غفور الرحیم کے ماتحت قہر کو رحم میں بدل دیا۔

مَیں پھر زور دار الفاظ میں اعلان کرتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی یہ پیشگوئی بھی پوری ہو گئی۔

مَیں اُن لوگوں سے جن کو احمدیت قبول کرنے میں یہ پیشگوئی حائل ہے عرض کرتا ہوں کہ وہ مسیح الزمان پر ایمان لے آئیں۔ مَیں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں، یہ وہی مسیح موعود ہیں جن کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیشگوئی فرمائی تھی اور ان کا انکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا ہی درست فرمایا ہے ؎

؎ صدق سے میری طرف آؤ اسی میں خیر ہے
ہیں درندے ہر طرف مَیں عافیت کا ہوں حصار
اِک زماں کے بعد اب آئی ہے یہ ٹھنڈی ہوا
پھر خدا جانے کہ کب آویں یہ دن اور یہ بہار

خاکسار مرزا محمد اسحٰق بیگ، پٹی ضلع لاہور۔ حال وارد چک ۱۶۵ ۲ ب ی"

(منقول از الفضل ۲۶ر فروری ۱۹۳۲ء صفحہ ۹)

۵۔ پانچواں ثبوت مرزا سلطان محمد صاحب کی توبہ کا وہ چیلنج ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے معترض علماء کو دیا۔ فرمایا:۔

"فیصلہ تو آسان ہے۔ سو اگر جلدی کرنا ہے تو احمد بیگ کے داماد سلطان محمد سے کہو کہ تکذیب کا اشتہار دے۔ پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے، اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو مَیں جھوٹا ہوں۔"

اور ضرور ہے کہ یہ وعید کی موت اس سے تھمی رہے جب تک وہ گھڑی نہ آجائے کہ اسکو بے باک کردے

سو اگر جلدی کرتا ہے تو اُٹھو اور اس کو بے باک اور مکذب بناؤ اور اس سے اشتہار دلاؤ اور خدا کی قدرت کا تماشہ دیکھو۔" (انجام آتھم حاشیہ ص۳۲)

اِس اعلان کو شائع ہوتے پچاس سال گزر گئے اور حضرت مسیح موعودؑ اس اعلان کے بعد بارہ سال تک زندہ رہے مگر کوئی مخالف مولوی مرزا سلطان محمد سے تکذیب کا اشتہار نہ دلا سکا۔

پس مندرجہ بالا پانچ دلائل سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ مرزا سلطان محمد نے پیشگوئی کے مطابق توبہ کی اور اس وجہ سے تین سالہ میعاد کے اندر فوت نہ ہوتے، محمدی بیگم بیوہ نہ ہوتی اور اس لیے نکاح نہ ہوا۔ (اذا فات الشرط فات المشروط)

اور ان سب امور کا نتیجہ یہ ہوا کہ "کلاب متعددہ" نے مختلف مواقع پر اپنی بدگوئی کی عادت کے مطابق حضرت اقدسؑ کی اس پیشگوئی پر تمسخر اور استہزاء کیا اور حضورؑ کی یہ پیشگوئی اپنی پوری شان کے ساتھ پوری ہوئی۔ حضرت مسیح موعودؑ نے بے شک ازالہ اوہام اور اپنی دوسری کتابوں میں زور دیا ہے کہ میرا نکاح محمدی بیگم سے ہو جائیگا اور بڑی متحدیانہ عبارتیں تحریر فرمائی ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ نکاح کب ہوگا؟ ظاہر ہے کہ جب سلطان محمد کی موت پر وہ بیوہ ہو جاتے گی۔ سلطان محمد کی توبہ کب ہوگی؟ اگر وہ توبہ کریگا؟"

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ہر عبارت جو مخالف مولوی پیش کرتے ہیں درست ہے اور ہمیں مسلم ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ پیشگوئی کے بعد اگر سلطان محمد توبہ نہ کرتا اور پھر بھی زندہ رہتا اور نکاح نہ ہوتا، تو حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی پر اعتراض ہو سکتا تھا، مگر یہاں تو نکاح سلطان محمد کی عدم توبہ کے ساتھ مشروط تھا۔ اس لیے جس قدر عبارات نکاح کے متعلق ہیں وہ بھی سلطان محمد کے توبہ نہ کرنے کیساتھ مشروط ہیں۔

بیعت کیوں نہ کی؟

بعض غیر احمدی کہا کرتے ہیں کہ سلطان محمد نے توبہ کرلی تو کیا ہوا۔ بات تو جب تھی کہ وہ بیعت کر لیتا۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ پیشگوئی ۱۸۸۶ء سے لیکر ۱۸۸۸ء تک مکمل ہوئی اور توبہ کی شرط بھی ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء اور ۱۵ جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں ہے اس زمانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کا دعویٰ نہ تو نبی ہونے کا تھا، نہ مسیح موعود اور مہدی ہونے کا، نہ ہی آپ اُس وقت بیعت لیتے تھے بلکہ جو شخص بیعت کرنے آتا حضور "لَسْتُ بِمَأْمُوْرٍ" (کہ میں مامور نہیں ہوں) کہہ کر انکار کر دیتے تھے (بیعت ۱۸۸۹ء میں ہوئی) نہ اس زمانہ میں احمدی غیر احمدی کا سوال تھا۔ کیونکہ حضورؑ نے اپنی جماعت کا نام "مسلمان فرقہ احمدیہ" ۱۹۰۱ء میں رکھا۔ پس توبہ کی شرط سے مراد ہرگز ہرگز "بیعت" یا نبوت مسیحیت و مہدویت کا اقرار یا احمدی ہونا نہ تھا۔ اس زمانے میں حضرت کا دعویٰ صرف اسقدر تھا کہ "میں اسلام کا خدمتگذار ہوں۔" (آئینہ کمالات اسلام ص۲۶۵) اور اسی بات کا احمد بیگ و سلطان محمد کو انکار تھا۔ اب سلطان محمد کے خط کو دیکھ لو، اس میں اس نے حضرت کو "اسلام کا خدمت گذار" تسلیم کیا ہے۔ نیز "خدا یاد" کہہ کر خدا کی ہستی کا بھی اقرار کر لیا ہے اور "شریف النفس" کہہ کر تسلیم کر لیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی یہ پیشگوئی ہرگز ہرگز نفسانیت

کے جوش کے ماتحت نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان تھا جس کی تکمیل میں حضرت نے اس کو شائع کیا۔ پس اگر سلطان محمد کو اس پیشگوئی کی صداقت میں ذرہ بھر بھی شبہ ہوتا تو حضرت مسیح موعودؑ کو "اسلام کا خدمتگذار" اور "شریف النفس" اور "خدا یاد" نہ کہتا۔ پس جس جس چیز کا پیشگوئی کی اشاعت کے وقت ان لوگوں کو انکار تھا، بعینہٖ انہی امور کا اقرار اس خط میں موجود ہے۔ پس سلطان محمد نے مکمل توبہ کی ہے۔ بیعت وغیرہ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تقدیرِ مُبرم

حضرت مسیح موعودؑ نے انجام آتھم میں نکاح کو "تقدیرِ مُبرم" قرار دیا ہے مگر حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات کی رُو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر بعض حالات اور شرائط کے ساتھ مشروط ہونے کی صورت میں تقدیرِ مُبرم بنتی ہے اور جب تک وہ شرط یا شرائط پوری نہ ہوں اس وقت تک اس تقدیر کے "قطعی مُبرم" ہونے کا تحقق نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ آتھم کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

۱:۔ "اب آتھم صاحب قسم کھا لیویں تو وعدہ ایکسال قطعی اور یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیرِ مُبرم ہے۔" (ضیاء الحق ص۱۱)

گویا آتھم کی موت تقدیر مبرم اس صورت میں ہوگی جبکہ وہ قسم کھائیگا۔ قسم نہ کھانے کی صورت میں تقدیرِ مُبرم نہ ہوگی پس جس طرح اس "تقدیرِ مُبرم" کے ساتھ "قسم کھانے" کی شرط ہے اسی طرح محمدی بیگم کے نکاح میں سلطان محمد کی عدم توبہ کی شرط ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات سے اوپر ثابت کیا جا چکا ہے۔

۲۔ تقدیر مبرم کا دُعا اور صدقہ سے ٹل جانا احادیثِ نبویہؐ سے بھی ثابت ہے چنانچہ حدیث میں ہے، اَکْثِرْ مِنَ الدُّعَآءِ فَاِنَّ الدُّعَآءَ یَرُدُّ الْقَضَاءَ الْمُبْرَمَ (کنز العمال جلد ۱ ص۱۱ کتاب الصواب)، نیز دیکھو جامع الصغیر للسیوطی مصری جلد ۱ ص۵۴ باب الالف) کہ کثرت سے دُعا کرو، کیونکہ دُعا تقدیر مبرم کو بھی ٹال دیتی ہے۔

۳۔ رُوِیَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الصَّدَقَۃَ لَتَدْفَعُ الْبَلَآءَ الْمُبْرَمَ النَّازِلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ (روض الریاحین۔ برحاشیہ قصص الانبیاء ص۳۶۳)

کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ صدقہ بلاء مبرم کو بھی جو آسمان سے نازل ہونے والی ہو روک دیتا ہے۔

۴۔ اَلدُّعَاءُ جُنْدٌ مِنْ اَجْنَادِ اللّٰہِ مُجَنَّدَۃٌ یَرُدُّ الْقَضَآءَ بَعْدَ اَنْ یُبْرَمَ۔

(فردوس الاخبار دیلمی ص۱۱ آخری سطر، و جامع الصغیر للسیوطی جلد ۲ ص۱۱ باب الاوّل)

دُعا خدا تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر جرار ہے جو قضاء کو اس کے مُبرم ہونے کے بعد بھی ٹلا دیتی ہے۔

۵۔ روح البیان جلد ۱ ص۲۵ مطبوعہ مصر پر بھی قضاء مُبرم کے ٹلنے کا ذکر ہے۔

۶۔ حضرت مسیح موعودؑ کا یہی مذہب تھا کہ قضاء مبرم دُعا اور صدقہ سے ٹل سکتی ہے اور جہاں حضور

نے یہ لکھا ہے کہ "یہ تقدیر مُبرم جوٹل نہیں سکتی" تو اس کا مطلب صرف اسقدر ہے کہ توبہ اور دعا کے بغیر ٹل نہیں سکتی۔ جیساکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ (النسآء:۴۹)
کہ اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشے گا اس گناہ کو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے اور اس گناہ کے سوا باقی جس کو چاہے بخشدے۔

مگر دوسری جگہ فرمایا۔ قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِیْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ (الزمر:۵۴)
کہدے اے میرے بندو! جنہوں نے گناہ کیا، تم خدا کی رحمت سے نا اُمید مت ہو، اللہ تعالیٰ سب گناہوں کو بخشدیگا، اور وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اس آیت میں جملہ گناہوں کے معاف کرنے کا ذکر ہے۔ پس تطبیق کی صورت یہی ہے کہ شرک کے گناہ کی معافی کو توبہ کی شرط سے مشروط کیا جائے۔ یعنی سورۃ نساء کی مندرجہ بالا آیت کا یہ مطلب لیا جائے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو بغیر توبہ کے نہیں بخشے گا۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ نے جہاں تقدیر مُبرم کے نہ ٹلنے کا ذکر فرمایا ہے وہاں بھی مراد بصورت عدم دُعا اور توبہ ہی ہے نہ کہ مطلقاً۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی ص۲۱۹ پر تحریر فرمایا ہے کہ:۔

جب مَیں نے عبدالرحیم خلف حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی صحت یابی کے لئے دُعا کی تو معلوم ہوا کہ تقدیر مُبرم کی طرح ہے مگر جب زیادہ تضرع اور ابتہال سے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس تقدیر کو ٹلا دیا اور عبدالرحیم اچھا ہوگیا۔ پس معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعود کے نزدیک مُبرم قسم کی تقدیر بھی دُعا اور توجہ سے ٹل سکتی ہے۔

ثناء اللہ (امرتسری) کا خط

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے ہزاروں جتن کر کے اہلِ حدیث مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۲۴ء میں حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے سولہ سال بعد ایک غیر مصدقہ تحریر مرزا سلطان محمد کی طرف منسوب کر کے شائع کی۔ ہماری طرف سے مطالبہ کیا گیا کہ یا تو اصل تحریر ہمیں دکھائی جائے یا اس کا عکس شائع کیا جائے (جس طرح ہم نے کیا ہے) تاکہ پبلک پر اصل حقیقت واضح ہو، مگر اپنی موت تک مولوی صاحب ہمارے اس مطالبہ سے عہدہ برآ نہیں ہوسکے۔ نیز اگر ایسی کوئی تحریر ہو بھی تو وہ قابل اعتناء نہیں اور "مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید" کی مصداق ہے کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج کے الفاظ یہ ہیں: "پھر اس کے بعد جو میعاد خدا تعالیٰ مقرر کرے اگر اس سے اس کی موت تجاوز کرے تو مَیں جھوٹا ہوں"۔ (انجام آتھم ص۳۲ حاشیہ)

پس اس عبارت کے پیش نظر سلطان محمد کی کسی ایسی تحریر کا حضرت اقدسؑ کی زندگی میں شائع ہونا ضروری تھا۔

مقدمہ "دیوار" میں حضرت کا بیان

بعض غیر احمدی مولوی، حضرت مسیح موعودؑ کے بیان مقدمہ گورداسپور متعلقہ دیوار سے یہ الفاظ پیش کر کے عوام کو مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ حضرت نے فرمایا: "میرے ساتھ اس کا نکاح ہوگا۔" "امید کیا مجھے یقین ہے۔"

حقیقت یہ ہے کہ وہ لوگ بیہودیانہ تحریف سے حضرتؑ کے درمیانی الفاظ حذف کر دیا کرتے ہیں۔ اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"میرے ساتھ اس کا بیاہ ضرور ہوگا جیسا کہ پیشگوئی میں ہے وہ سلطان محمد سے بیاہی گئی جیسا کہ پیشگوئی میں تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک وقت آتا ہے کہ عجیب اثر پڑیگا۔ پیشگوئی کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے اور یہی پیشگوئی تھی کہ وہ دوسرے کے ساتھ بیاہی جائیگی اس لڑکی کے باپ کے مرنے اور خاوند کے مرنے کی پیشگوئی شرطی تھی اور شرط توبہ اور رجوع الی اللہ تھی۔ لڑکی کے باپ نے توبہ نہ کی، اس لئے وہ بعد نکاح چند مہینوں کے اندر مر گیا۔ اور پیشگوئی کی دوسری جزو پوری ہو گئی، اس کا خوف اس کے خاندان پر پڑا خصوصاً شوہر پر پڑا، جو پیشگوئی کا ایک جزو تھا۔ انہوں نے توبہ کی۔ چنانچہ اس کے رشتہ داروں اور عزیزوں کے خط بھی آئے۔ عورت اب تک زندہ ہے۔"

(الحکم ۱۰/۱ اگست ۱۹۰۱ء صفحہ ۱۴ و صفحہ ۱۵ جلد ۲ نمبر ۲۹ بیان حضرت مسیح موعودؑ)

نکاح فسخ یا تاخیر میں؟

حضرت مسیح موعودؑ نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے کہ "نکاح فسخ ہوگیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔" اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ اگر سلطان محمد اپنی توبہ پر قائم رہے اور بیباکی کر کے تکذیب کا اشتہار نہ دے تو اس صورت میں وہ حضرت کی زندگی میں نہیں مرے گا اور محمدی بیگم کا نکاح حضرت سے نہیں ہوگا۔ (فسخ ہوگیا) لیکن اگر انجام آتھم والے چیلنج کے جواب میں اس نے حضرت کی زندگی میں تکذیب کا اشتہار دے دیا تو پھر خدا کی مقرر کردہ میعاد کے اندر اندر مر جائیگا اور محمدی بیگم حضرت کے نکاح میں آجائے گی۔ اندریں صورت نکاح "تاخیر" میں پڑا متصور ہوگا۔ یہی معنی ہیں حضرت مسیح موعودؑ کی عبارت بَلِ الْاَمْرُ قَائِمٌ عَلٰی حَالِہٖ کے کہ سلطان محمد کی توبہ سے کلی طور پر معاملہ ختم نہیں ہوگیا اور وعیدی موت اس سے ہمیشہ کے لئے نہیں ٹل گئی بلکہ اب بھی اس کے سر پر "تھمی" ہوئی کھڑی ہے جس وقت وہ تکذیب کریگا اسی وقت خداتعالیٰ کی مقررہ میعاد کے اندر پکڑا جائے گا۔ غرضیکہ حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات اس پیشگوئی کے متعلق بالکل صاف اور واضح ہیں۔

زَوَّجْنَاکَھَا

یہ الہام درحقیقت قرآن مجید کی ایک آیت ہے فَلَمَّا قَضٰی زَیْدٌ مِّنْھَا وَطَرًا

زَوَّجْنٰكَهَا (الاحزاب: ۳۸) کہ ہم نے آنحضرتؐ کا نکاح زینبؓ کے ساتھ اس کے مطلقہ ہونے کے بعد کر دیا۔

حضرت کو یہی الہام محمدی بیگم کے متعلق ہوا۔ پس اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سلطان محمد کی بیوہ ہونے کے بعد ہم نے آپ سے اس کا نکاح کر دیا۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعودؑ نے اس الہام کو انجام آتھم ص۶۰ پر درج کر کے اس کا مندرجہ ذیل ترجمہ فرمایا ہے :۔

"بعد واپسی کے ہم نے نکاح کر دیا"

یعنی سلطان محمد کی موت پر یَرُدُّهَا اِلَیْكَ کا دوسرا مفہوم جب پورا ہوگا، تو اس وقت خدا تعالےٰ نے نکاح پڑھ دیا ہے۔

۲۔ حضرت مسیح موعودؑ نے اس کو اور واضح فرمایا ہے :۔

"اور یہ امر کہ الہام میں یہ بتایا گیا تھا کہ اس عورت کا نکاح آسمان پر میرے ساتھ پڑھا گیا ہے یہ درست ہے، مگر جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں اس نکاح کے ظہور کے لئے جو آسمان پر پڑھا گیا خدا کی طرف سے ایک شرط بھی تھی جو اسی وقت شائع کی گئی تھی اور وہ یہ ہے۔ اَیَّتُهَا الْمَرْأَةُ تُوْبِیْ تُوْبِیْ فَاِنَّ الْبَلَاءَ عَلٰی عَقِبِكِ۔ پس جب اُن لوگوں نے اس شرط کو پورا کر دیا تو نکاح فسخ ہو گیا یا تاخیر میں پڑ گیا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۳۲) اس فسخ یا تاخیر کی تشریح اوپر گزر چکی ہے۔

۳۔ حدیث میں آتا ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا :۔

اَخْرَجَ الطَّبْرَانِیُّ وَابْنُ عَسَاكِرَ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِخَدِیْجَةَ اَمَا شَعُرْتِ اِنَّ اللّٰهَ زَوَّجَنِیْ مَرْیَمَ اِبْنَتَ عِمْرٰنَ وَكَلْثُوْمَ اُخْتَ مُوْسٰی وَامْرَأَةَ فِرْعَوْنَ قَالَتْ هَنِیْئًا لَكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ (فتح البیان جلد ۷ ص۱۰ و فردوس الاخبار دیلمی ص۲۵۱) کہ طبرانی اور ابن عساکرؒ نے ابو امامہؓ سے روایت کیا ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ اے خدیجہؓ! کیا تجھے معلوم نہیں کہ خدا نے میرا نکاح پڑھ دیا ہے عیسٰیؑ کی ماں مریمؑ، موسٰیؑ کی بہن کلثومؑ اور فرعون کی بیوی آسیہؓ کے ساتھ۔ حضرت خدیجہؓ نے فرمایا! یا رسول اللہ آپکو مبارک ہو۔

اس حدیث کے الفاظ میں بھی زَوَّجَنِیْ اسی طرح ماضی ہے جس طرح زَوَّجْنٰكَهَا میں ہے۔ غیر احمدی علماء کے نزدیک آنحضرتؐ کو یہ الہام ہونے کے بعد بھی کہ حضرت زینبؓ آپکی بیوی ہیں پھر بھی آپ حضرت زیدؓ سے فرماتے رہے کہ زینبؓ کو بیوی بنا کر رکھو اور اسے طلاق نہ دو۔ جلالین میں آتا ہے :۔

اَنَّهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَادَ اَنْ یُزَوِّجَهَا زَیْدًا فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ ثُمَّ اِنَّهَا رَضِیَتْ بِهٖ فَتَزَوَّجَهَا اِیَّاهُ ثُمَّ اَعْلَمَ اللّٰهُ نَبِیَّهٗ بَعْدُ اَنَّهَا مِنْ اَزْوَاجِهٖ فَكَانَ یَسْتَحْیِیْ اَنْ یَّاْمُرَهٗ بِطَلَاقِهَا وَكَانَ لَا یَزَالُ بَیْنَ زَیْدٍ وَزَیْنَبَ مَا یَكُوْنُ بَیْنَ النَّاسِ فَاَمَرَهٗ اَنْ یُّمْسِكَ عَلَیْهِ زَوْجَتَهٗ وَكَانَ یَخْشَی النَّاسَ اَنْ یَّعِیْبُوْا عَلَیْهِ۔

(جلالین مع کمالین مجتبائی ص۳۵۳ حاشیہ)

یعنی آنحضرتؐ نے ارادہ فرمایا کہ زینبؓ کا نکاح زیدؓ کے ساتھ کر دیں لیکن پہلے حضرت زینبؓ نے کراہت کی، پھر بعد میں راضی ہو گئیں پس ان دونوں کی شادی ہو گئی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو بتا دیا کہ زینبؓ آپکی بیویوں میں سے ہے۔ پس آنحضرتؐ شرماتے تھے اس بات سے کہ زیدؓ کو حکم دیں کہ وہ زینبؓ کو طلاق دیدے اور اس عرصہ میں زینبؓ اور زیدؓ میں میاں بیوی کے تعلقات قائم رہے پس آنحضرتؐ نے زیدؓ کو حکم دیا کہ وہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھے، اور آپؐ ڈرتے تھے کہ لوگ آپ پر الزام نہ لگائیں۔

اس حوالہ سے تمسخر اور استہزاء کا بھی جو بعض بدزبان مخالف کیا کرتے ہیں جواب ہو گیا کہ خدا کی طرف سے آنحضرتؐ کو علم ہو چکنے کے باوجود کہ زینبؓ آپؐ کی بیوی ہے پھر بھی وہ ایک عرصہ تک زیدؓ کے پاس رہیں۔

پیشگوئی کے نتائج

اس پیشگوئی کے بعد مندرجہ ذیل اصحاب اسی خاندان میں سے سلسلہ احمدیہ میں داخل ہو گئے :۔

۱۔ اہلیہ مرزا احمد بیگ صاحب (والدہ محمدی بیگم) یہ موصیہ تھیں۔
۲۔ ہمشیرہ محمدی بیگم۔
۳۔ مرزا محمد احسن بیگ جو مرزا احمد بیگ کے داماد ہیں، اور اہلیہ مرزا احمد بیگ کے بھانجے ہیں۔
۴۔ عنایت بیگم ہمشیرہ محمدی بیگم۔
۵۔ مرزا محمد بیگ صاحب پسر مرزا احمد بیگ صاحب۔
۶۔ مرزا محمود بیگ صاحب پوتا " " "
۷۔ دختر مرزا نظام دین اور ان کے گھر کے سب افراد احمدی ہیں۔
۸۔ مرزا گل محمد پسر مرزا نظام دین صاحب۔
۹۔ اہلیہ مرزا غلام قادر صاحب (موصیہ تھیں)
۱۰۔ محمودہ بیگم ہمشیرہ محمدی بیگم۔
۱۱۔ مرزا محمد اسحاق بیگ صاحب ابن مرزا سلطان محمد صاحب پٹی۔

یہ وہ افراد ہیں جو خاص طور پر اس خاندان کے ساتھ تعلق رکھنے والے ہیں اور یہ سب کے سب اس نکاح والی پیشگوئی کے بعد ہی داخل سلسلہ احمدیہ ہوتے ہیں۔ پیشگوئی میں اگر کوئی امر قابل اعتراض ہوتا تو پہلے ان لوگوں کو اس پر اعتراض کرنا چاہیئے تھا۔ مگر وہ لوگ جو اس کے متعلق سب سے بڑھکر مقام غیرت پر ہو سکتے تھے ایمان لاتے ہیں اور خود مرزا سلطان محمد صاحب کہتے ہیں کہ "میں ایمان سے کہتا ہوں کہ یہ پیشگوئی میرے لئے کسی قسم کے شک وشبہ کا باعث نہیں ہوئی۔"

اِن حالات میں ان مخالف مولویوں کا اس پر اعتراض کرنا صاف طور پر یَمُوْتُ وَیَبْقٰی مِنْهُ کِلَابٌ مُّتَعَدِّدَةٌ کے الہام کو پورا کرنا ہے اور اس کے سوا ان لوگوں کا اور کوئی مقصد نہیں۔

***

پیشگوئی کی غرض

باقی رہا استہزاء اور مذاق، اور یہ کہنا کہ نعوذ باللہ یہ پیشگوئی کسی نفسانی خواہش کے ماتحت کی گئی تھی۔ ایسے امور ہیں کہ جنکا جواب کوئی مہذب انسان دینے کے لئے تیار نہیں ہو سکتا۔

پیشگوئی کی غرض وغایت ہم ابتداء میں نہایت واضح طور پر بیان کر آتے ہیں کہ ان لوگوں کی مذہبی اور عملی حالت اس نشان کا باعث بنی۔ چنانچہ مولوی محمد یعقوب مصنف عشرہ کاملہ جیسا دشمن اپنی کتاب تحقیق لاثانی میں لکھتا ہے:۔

(۱) "مرزا صاحب کی اس پیشگوئی کی بنیاد بھی تکذیب ہی ہے۔ جیسا کہ نکاح آسمانی کے متعلق ان کا پہلا الہام ہے كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَكَانُوْا بِهَا يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ (تحقیق لاثانی ص۱۱)

لیکن اگر مولوی لوگ ان روشن واقعات کے باوجود بھی یہی کہتے جائیں کہ یہ پیشگوئی نفسانی تھی تو ان پر کوئی تعجب نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اگر یہ لوگ خدا کے اس برگزیدہ نبی پر جس کو یہ نہیں مانتے اس قسم کے حملے کریں تو معذور ہیں خصوصاً جبکہ ان لوگوں کے ہاتھوں سے وہ مقدس انبیاء علیہم السلام بھی جن کو یہ لوگ بھی نبی مانتے ہیں اور انکی عزت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، نہیں بچ سکے۔ اور تو اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کی اُمت میں سے ہونے اور جن کا کلمہ پڑھنے کے یہ لوگ مدعی ہیں، ان کے متعلق علماء نے یہ لکھا ہے:۔

اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ زَيْنَبَ وَ ذٰلِكَ اَنَّهٗ رَاٰهَا بَعْدَ مَا اَنْكَحَهَا زَيْدًا فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ وَ قَالَ سُبْحٰنَ اللّٰهِ مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ۔ (بیضاوی زیر آیت اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ اور کمالین برحاشیہ جلالین ص۳۵۵) کہ نعوذ باللہ آنحضرتؐ نے زینبؓ کو دیکھا اس وقت کہ اس کا زیدؓ کے ساتھ نکاح ہو چکا تھا پس آپ کے دل میں انکی محبت پیدا ہو گئی اور فرمایا۔ پاک ہے وہ اللہ جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔

(۲) حضرت یوسف جن کی بریت کے لئے ایک سورۃ قرآن مجید میں نازل ہوئی انکے متعلق لکھتے ہیں:

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ قَصَدَتْ مُخَالَطَتَهٗ وَهَمَّ بِهَا قَصَدَ مُخَالَطَتَهَا لِمَيْلِ الطَّبْعِ بِالشَّهْوٰتِ الْغَيْرِ الْاِخْتِيَارِيِّ۔ (جامع البیان ص۲۰۳ نیز جلالین مجتبائی ص۱۹۰)

کہ نعوذ باللہ حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی زلیخا سے زنا کا ارادہ کیا۔

(۳) حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق ان مفسرین نے لکھا ہے۔

طَلَبَ امْرَاَةَ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ غَيْرُهَا وَ تَزَوَّجَهَا وَ دَخَلَ بِهَا (جلالین مجتبائی ص۳۷۹ حاشیہ) کہ حضرت داؤدؑ نے ایک شخص (اوریاہ) نامی کی بیوی لے لی۔ اور اپنی سو بیویاں کیں۔ (نعوذ باللہ من شرور ہم)۔

(۴) اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق اسی جلالین کے ص۳۸۰ پر لکھا ہے کہ آپ ایک عورت پر عاشق ہو گئے اور پھر اس سے نکاح کر لیا (معاذ اللہ)

غرضیکہ پہلے انبیاء کے متعلق بھی یہی بے ہودہ گوئی رہی ہے اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق معاندین وہی شیوہ اختیار کریں تو انہیں معذور سمجھنا چاہیئے۔

بہو کو طلاق دِلوانا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیشک احمد بیگ وغیرہ کو لکھا تھا کہ اگر تم یہ رشتہ نہ دوگے تو میں اپنے بیٹے فضل احمد سے کہہ کر تمہاری لڑکی کو طلاق دلوادوں گا، مگر اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں کیونکہ شریعتِ اسلامی کے متعلق خسر کو حق حاصل ہے کہ اگر وہ چاہے تو اپنے بیٹے کو حکم دیکر طلاق دلوا سکتا ہے، خواہ بیٹا رضامند ہو یا نہ ہو۔ چنانچہ حدیث میں ہے:۔

(۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ كَانَتْ تَحْتِيْ اِمْرَأَةٌ اُحِبُّهَا وَكَانَ اَبِيْ يَكْرَهُهَا فَاَمَرَنِيْ اَنْ اُطَلِّقَهَا فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا عَبْدَ اللّٰهِ ابْنَ عُمَرَ طَلِّقْ اِمْرَأَتَكَ (ترمذی کتاب الطلاق ومشکوٰۃ مجتبائی ص۴۲۱ باب الشفعۃ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میری ایک بیوی تھی جس سے مجھے محبت تھی لیکن میرے باپ (حضرت عمرؓ) اس سے نفرت کرتے تھے، پس انہوں نے مجھے حکم دیا کہ میں اسے طلاق دیدوں، مگر میں نے انکار کیا۔ پھر میں نے آنحضرتؐ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ اے عبداللہ بن عمرؓ اپنی بیوی کو طلاق دے دو۔

(ب) اَلطَّلَاقُ لِرِضَاءِ الْوَالِدَيْنِ فَهُوَ جَائِزٌ (مشکوٰۃ ص۴۲۱ مطبع حیدری)

کہ اپنے والدین کی خواہش کی تعمیل میں طلاق دینا جائز ہے۔

(ج) بخاری شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مکہ میں حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوڑ آئے اور ان کے وہاں پر جوان ہو جانے کے بعد مکہ گئے تو حضرت اسمٰعیلؑ گھر پر نہ تھے، انکی بیوی گھر پر تھی۔ آپ اس سے باتیں کرتے رہے اور جاتی دفعہ انکی بیوی سے کہہ گئے کہ جب اسمٰعیل گھر آئیں تو انہیں میرا السلام علیکم کہہ دینا اور کہنا کہ غَيِّرْ عَتَبَةَ بَابِكَ کہ اپنے دروازے کی دہلیز کو بدل دو۔ جب حضرت اسمٰعیلؑ گھر آئے تو ان کی بیوی نے حضرت ابراہیمؑ کا پیغام دیا تو حضرت اسمٰعیلؑ نے فرمایا ذَاكَ اَبِيْ وَقَدْ اَمَرَنِيْ اَنْ اُفَارِقَكِ اَلْحِقِيْ بِاَهْلِكِ۔ فَطَلَّقَهَا وَتَزَوَّجَ مِنْهُمْ اُخْرٰى (بخاری جلد ۲ ص۱۴۲ کتاب بدء الخلق باب یزفون النسلان فی المشی۔ مطبع الہیہ مصر و جلد ۲ ص۱۵۴ مطبع عثمانیہ مصر و تجرید بخاری مترجم اُردو شائع کردہ فیروز اینڈ سنز مطبوعہ ۱۳۴۱ھ لاہور جلد ۲ ص۱۳۷ و ص۱۳۸) کہ وہ میرے والد (ابراہیمؑ) تھے اور وہ مجھے یہ حکم دے گئے ہیں کہ میں تجھے طلاق دیدوں، پس تو اپنے والدین کے پاس چلی جا۔ پس آپ نے اسے طلاق دیدی اور بنو جرہم کی اور ایک عورت سے شادی کرلی۔

۲۔ قرآن مجید میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ لَا تَرْكَنُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ (ھود: ۱۱۴) کہ ظالم لوگوں کے ساتھ تعلقات نہ رکھو ورنہ تم کو بھی عذاب پہنچ جائیگا۔

پس حضرت مسیح موعودؑ نے اگر اپنے بیٹے کو انبیاء گزشتہ کی سنت پر عمل کرکے ان لوگوں سے قطع تعلق

کرنے کی ہدایت کی جو خدا اور اس کے رسولؐ کے دشمن اور دہریہ تھے تو اپنے فرض کو ادا کیا۔

۴۔ حضرت مسیح موعودؑ کو خصوصاً اس معاملہ میں یہ الہام ہوا تھا کہ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ قَطَعُوْا تَعَلُّقَهُمْ مِنْهُمْ وَ بَعُدُوْا مِنْ مَجَالِسِهِمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنَ الْمَرْحُوْمِیْنَ (آئینہ کمالات اسلام ۵۷۲) کہ سوائے ان لوگوں کے جو ایمان لاتے اور نیک کام کرتے اور ان سے قطع تعلق کیا اور انکی مجالس سے دُور رہے، پس ان پر رحم کیا جائیگا (باقی ان سب پر عذاب نازل ہوگا)۔ پس حضرت مسیح موعودؑ کو وَ قَطَعُوْا تَعَلُّقَهُمْ مِنْهُمْ پر عمل کرنا چاہتے تھے۔

کوشش کیوں کی گئی؟

باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ اگر وعدہ خدا کی طرف سے تھا تو پھر اس کو پورا کرنے کے لئے کوشش کیوں کی گئی اور دوسرے فریق کے بعض لوگوں کو خطوط کیوں لکھے گئے؟

جواب:۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ وہ جن لوگوں سے وعدہ فرماتا ہے انکی مدد اسی صورت میں فرمایا کرتا ہے جب وہ خود بھی جہانتک ممکن ہو سکے اس وعدہ الٰہی کے پورا کرنے میں کوشش کریں مثلاً آنحضرتؐ کے ساتھ فتح کا وعدہ تھا، مگر کیا حضورؐ نے جنگ کے لئے تیاری نہیں فرمائی، کیا لشکر تیار نہیں کیا؟ حضرت یوسفؑ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ وہ انکو کامیاب وکامران کرے گا۔ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا۔ پھر بھی حضرت یوسفؑ نے جیلخانہ میں سے ایک مشرک شخص سے سفارش کروائی اور اسے کہا کہ اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ (یوسف: ۴۳) کہ بادشاہ کے سامنے میرا ذکر کرنا۔

آنحضرتؐ سے وعدہ تھا کہ تمام عرب مسلمان ہوگا۔ پھر کیا حضورؐ نے تبلیغ کا کام بند کردیا تھا؟

پس رعایتِ اسباب ضروری ہے، نیز اتمام حجت کی غرض سے بھی حضرت مسیح موعودؑ کا ان لوگوں کو خطوط لکھنا ضروری تھا۔ کیونکہ اگر بصورت عدم توبہ ان پر عذاب آتا، تو وہ کہہ سکتے تھے کہ ہمیں اس پیشگوئی کا علم ہی نہ تھا، اس لئے ہم بے قصور ہیں۔ خود حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"..... یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ احمد بیگ کی لڑکی کے لئے طرح طرح کی اُمید دینے سے کیوں کوشش کی گئی۔ نہیں سمجھتے کہ وہ کوشش اسی غرض سے تھی کہ وہ تقدیر اس طور سے ملتوی ہو جائے اور وہ عذاب ٹل جائے۔ یہی کوشش عبداللہ آتھم اور لیکھرام سے بھی کی گئی تھی۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ پیشگوئی کے پورا کرنے کے لئے کوئی جائز کوشش کرنا حرام ہے۔ ذرا غور اور حیا سے سوچو کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن شریف میں یہ وعدہ نہیں دیا گیا کہ عرب کی بُت پرستی نابود ہو جائے گی؟ اور بجائے بُت پرستی کے اسلام قائم ہوگا اور وہ دن آئیگا کہ خانہ کعبہ کی کنجیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہونگی اور خدا یہ سب کچھ آپ کریگا مگر پھر بھی اسلام کی اشاعت کے لئے ایسی کوشش ہوئی جس کی تفصیل کی ضرورت نہیں۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۶)

"بستر عیش"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ الہام ہرگز محمدی بیگم والی پیشگوئی کے متعلق نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ اس کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے :-

۱- یہ الہام حضرت مسیح موعودؑ ہی کے متعلق نہیں بلکہ آپ کی مقدس جماعت بھی اس الہام میں مخاطب ہے :-

۲- یہ الہام اس دنیوی زندگی کے متعلق نہیں بلکہ آخرت کے متعلق ہے۔ چنانچہ یہ الہام مکمل طور پر یوں ہے :-

"۵ دسمبر ۱۹۰۵ء - بَلَاءٌ وَّ اَنْوَارٌ - بستر عیش - خوش باش کہ عاقبت نکو خواہد بود - فَبُشْرٰی لِلْمُؤْمِنِیْنَ (پس مومنوں کے لیے بشارت ہے)۔"

(البدر جلد ۲ صفحہ ۶ کالم ۲ و البشریٰ جلد ۲ صفحہ ۱۲۳)

فارسی الہام صاف طور پر بتا رہا ہے کہ یہ "عاقبت" کے متعلق ہے۔ عربی الہام بتا رہا ہے کہ اس میں جماعت احمدیہ بھی مخاطب ہے۔

۳- لفظ "عیش" بھی ہمارا مؤید ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ کہ حقیقی زندگی (عیش) آخرت ہی کی ہے۔

۴- قرآن مجید میں اہل جنت کے متعلق ہے مُتَّکِئِیْنَ عَلٰی فُرُشٍ بَطَآئِنُهَا مِنْ اِسْتَبْرَقٍ (الرحمٰن : ۵۵) کہ تکیہ لگاتے ہونگے بستروں پر جن کے استر گاڑھے ریشم کے ہونگے۔

۵- اَلْفِرَاشُ مَا یُفْرَشُ وَیُنَامُ عَلَیْهِ (المنجد صفحہ ۶۲۴) وہ جو بچھایا جائے اور اس پر سویا جائے گویا جنت کی عیش (زندگی) میں ہر مومن کا "بستر" ہوگا۔ پس الہام "بستر عیش" میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔

بِکْرٌ وَّ ثَیِّبٌ

(یعنی کنواری اور بیوہ)

جواب :- یہ الہام جیسا کہ خود حضرت مسیح موعودؑ نے تحریر فرمایا ہے حضرت ام المومنینؓ کے نکاح کے متعلق تھا (دیکھو نزول المسیح حاشیہ صفحہ ۱۴۶) جس کا مطلب یہ تھا کہ آپ حضرتؑ کے گھر میں کنواری ہونگی جب آئیں گی۔ مگر بیوہ رہجائیں گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا (بتایا یہ گیا تھا کہ حضرتؑ کی وفات کے بعد بھی زندہ رہیں گی اور حضورؑ کی زندگی میں فوت نہ ہوں گی) محمدی بیگم کی یہ پیشگوئی چونکہ عدم توبہ اور اس کے نتیجہ میں ہلاکت سلطان محمد سے مشروط تھی، اس لئے اس کے عدم تحقق کے باعث یہ الہام بجائے اس رنگ میں پورا ہونے کے دوسرے رنگ میں جیسا کہ اوپر ذکر ہوا پورا ہوگیا۔

وعید کا ٹلنا

ہم اس مضمون کے شروع میں یہ ثابت کر چکے ہیں کہ محمدی بیگم والی پیشگوئی میں توبہ کی شرط تھی، اور سلطان محمد نے اس شرط سے فائدہ اٹھایا، لیکن اگر پیشگوئی میں توبہ کی شرط نہ بھی ہوتی تو بھی یہ وعیدی پیشگوئی تھی اور خدا تعالیٰ کی سنتِ قدیمہ کے مطابق سلطان محمد کا توبہ و استغفار سے تین سال کے عرصہ میں بچ جانا کوئی غیر ممکن امر نہ تھا۔ چنانچہ :۔

۱۔ خدا تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ (الانفال: ۳۴) کہ خدا تعالیٰ استغفار کرنیوالوں پر عذاب نازل نہیں کرتا۔

۲۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا تھا۔ اَنَّ اَجَلَكُمْ اَرْبَعُوْنَ لَيْلَةً۔ کہ تمہاری زندگی بس ۴۰ راتیں ہیں۔ اس میں کوئی شرط توبہ وغیرہ کی مذکور نہیں تھی، مگر وہ لوگ بہت ڈرے۔ توبہ و استغفار کی فَتَضَرَّعُوْا اِلَى اللّٰهِ فَرَحِمَهُمْ وَكَشَفَ عَنْهُمْ۔

(تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۲ و فتح البیان جلد ۸ صفحہ ۹۱ و تفسیر ابن جریر جلد ۱۱ صفحہ ۱۱۸ حاشیہ)

کہ وہ لوگ خدا کے سامنے گڑگڑائے۔ پس خدا تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور ان پر سے عذاب کو ٹلا دیا۔

۳۔ روح المعانی میں خلفِ وعید کے متعلق لکھا ہے :۔

اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَزَّ وَجَلَّ يَجُوْزُ اَنْ يُّخْلِفَ الْوَعِيْدَ وَاِنِ امْتَنَعَ اَنْ يُّخْلِفَ الْوَعْدَ وَبِهٰذَا وَرَدَتِ السُّنَّةُ۔ فَفِيْ حَدِيْثِ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ وَعَدَهُ اللّٰهُ عَلٰى عَمَلِهٖ ثَوَابًا فَهُوَ مُنْجِزٌ لَهٗ وَمَنْ اَوْعَدَهٗ عَلٰى عَمَلِهٖ عِقَابًا فَهُوَ بِالْخِيَارِ وَمِنْ اَدْعِيَةِ الْاَئِمَّةِ الصَّادِقِيْنَ يَا مَنْ اِذَا وَعَدَ وَفٰى وَاِذَا تَوَعَّدَ عَفٰى۔ (روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۸ مصری) کہ خدا تعالیٰ کے لئے جائز ہے کہ وہ وعید (عذاب کی پیشگوئی میں) تخلف کرے، اگرچہ وعدہ میں تخلف ممتنع ہے اور احادیث سے بھی یہ ثابت ہے، جیسا کہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اگر خدا تعالیٰ کسی سے انعام (ثواب) کا وعدہ کرے تو اسے ضرور پورا کرتا ہے۔ ہاں عذاب (وعید) کی صورت میں وہ مختار ہے، کبھی سزا دیتا ہے کبھی نہیں۔ اور ائمہ صادقین کی دعاؤں میں سے ایک یہ ہے کہ "اے وہ اللہ جب تو وعدہ کرے تو پورا کرے اور جب ڈرائے (وعید کرے) تو معاف فرماتے"

۴۔ اَنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ الْمَشْهُوْرَ فِي الْجَوَابِ اَنَّ اٰيَاتِ الْوَعْدِ مُطْلَقَةٌ وَاٰيَاتِ الْوَعِيْدِ وَاِنْ وَرَدَتْ مُطْلَقَةً حُذِفَ قَيْدُهَا لِيَزِيْدَ التَّخْوِيْفَ (روح المعانی جلد ۴ صفحہ ۱۹۰ مصری) کہ وعدہ ہمیشہ مطلق (اور غیر مشروط) ہوتا ہے اور (وعید) خواہ وہ بظاہر غیر مشروط ہی کیوں نہ ہو پھر بھی اس میں کوئی نہ کوئی شرط حذف کر دی گئی ہوتی ہے تاکہ خوف زیادہ بڑھ جائے۔

۵۔ حضرت علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ وَعِنْدِيْ جَمِيْعُ الْوَعِيْدَاتِ مَشْرُوْطَةٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ فَلَا يَلْزَمُ مِنْ تَرْكِهٖ دُخُوْلُ الْكِذْبِ فِيْ كَلَامِ اللّٰهِ۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۰۶)

مصری) کہ میرے نزدیک تمام وعیدی پیشگوئیوں میں یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے معاف نہ کر دیا تب پوری ہو گی۔ پس اگر وعید پورا نہ ہو تو اس سے خدا کے کلام کا جھوٹا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔

۶۔ تفسیر بیضاوی میں ہے۔ بِاَنَّ وَعِیْدَ الْفُسَّاقِ مَشْرُوْطٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ۔ (بیضاوی تفسیر آل عمران ع زیر آیت اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ) کہ خدا تعالیٰ کافروں کے متعلق عذاب کی پیشگوئی کرتا ہے۔ تو ہمیشہ اس میں مخفی طور پر یہ شرط ہوتی ہے کہ اگر خدا تعالیٰ نے معاف نہ کر دیا تو عذاب آئے گا۔

۷۔ مسلّم الثبوت صـ۲۸ ـ اِنَّ الْاِیْعَادَ فِیْ کَلَامِہٖ تَعَالٰی مُقَیَّدٌ بِعَدَمِ الْعَفْوِ کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہر وعید میں عدم عفو کی شرط ہوتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں کہ حضرت صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ آنحضرتؐ کی پیشگوئی یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ نکاح محمدی بیگم کے متعلق ہے۔ تو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے کہ:۔

۱۔ نکاح محمدی بیگم حضرت اقدس کی پیشگوئی کے مطابق سلطان محمد کی موت بصورتِ عدم توبہ کے ساتھ مشروط تھا، لہٰذا آنحضرتؐ کی پیشگوئی کو بھی شرائط بالا کے ساتھ مشروط تسلیم کرنا پڑے گا۔ پس بوجہ عدم تحقق شرائط آنحضرتؐ کی یہ پیشگوئی محمدی بیگم کے نکاح کے ساتھ پوری ہونے کے بجائے دوسرے رنگ میں پوری ہو گئی۔ یعنی وہ "موعود" اولاد حضرت اقدسؑ کو اس دوسرے نکاح سے عطا کی گئی جو حضرت اُمّ المومنینؓ کے ساتھ ہوا۔

۲۔ چنانچہ یہ ہمارا اپنا خیال نہیں بلکہ خود حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

"کئی برس پہلے خبر دی گئی تھی، یعنی مجھے بشارت دی گئی تھی کہ تمہاری شادی خاندانِ سادات میں ہو گی اور اس میں سے اولاد ہو گی، تا کہ پیشگوئی حدیث یَتَزَوَّجُ وَیُوْلَدُ لَہٗ پوری ہو جاتے۔ یہ حدیث اشارت کر رہی ہے کہ مسیح موعود کو خاندانِ سیادت سے تعلق دامادی ہوگا۔ کیونکہ مسیح موعود کا تعلق جس سے وعدہ یُوْلَدُ لَہٗ کے موافق صالح اور نیک اولاد پیدا ہو، اعلیٰ اور طیّب خاندان سے چاہیئے۔ اور وہ خاندان سادات ہے۔"

(اربعین نمبر ۲ صفحہ ۳۶ حاشیہ آخری سطر)

ایک سوال

ایک سوال یہ ہو سکتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مرزا احمد بیگ کی موت کی تین سال کی میعاد اور سلطان محمد کی موت کے لئے ۲½ سال کی میعاد مقرر فرمائی تھی جس سے بادیٔ النظر میں ہی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سلطان محمد کو مرنا چاہیئے تھا۔

ا۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعودؑ کا سلطان محمد کے لئے اڑھائی سال اور مرزا احمد بیگ کے لئے تین سال کی میعاد مقرر فرمانا ہر اہل بصیرت انسان کے لئے حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت اور راستبازی کی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ احمد بیگ عمر کے لحاظ سے بڑا تھا اور اس کا داماد جوان۔ طبعی طور پر احمد بیگ کی موت کے متعلق یہ خیال کیا جا سکتا تھا کہ وہ سلطان محمد سے پہلے مرے گا۔ اور اگر حضرت مسیح موعود اپنی طرف سے اندازہ لگا کر پیشگوئی کرتے تو احمد بیگ کی وفات کے لئے سلطان محمد سے کم میعاد مقرر فرماتے، لیکن الہام میں ایسا نہیں۔ بلکہ احمد بیگ کے لئے تین سال اور سلطان محمد کے لئے اڑھائی سال کا وعدہ کیا گیا۔ پس اس سے یہ ثابت ہوا کہ یہ پیشگوئی انسانی دماغ کا اختراع نہ تھا۔

دوسرا امر جو اس میعاد کے تعین سے معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ یہ پیشگوئی جذباتِ انسانی کے نتیجہ میں نہیں کی گئی تھی کیونکہ زیادہ قصور احمد بیگ کا تھا اور وہ مستہزءین اور مکفرین کے گروہ میں شامل تھا۔ نیز رشتہ کے لئے اسی کے ساتھ سلسلہ جنبانی کیا گیا تھا، اور یہ سب کچھ اسی کے انکار کا نتیجہ تھا۔ اور اگر جذباتِ انسانیہ کا کوئی اثر ہو سکتا تھا تو یہی کہ حضرت مسیح موعود طبعاً احمد بیگ کی میعاد کم مقرر فرماتے مگر واقعہ اس کے خلاف ہوا جس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ یہ پیشگوئی جذبات کا نتیجہ نہ تھی بلکہ جس طرح خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کو اطلاع دی اسی طرح سے شائع فرما دیا۔

۲۔ پیشگوئی میں زیادہ سے زیادہ مدت بتائی گئی تھی۔ پس اگر احمد بیگ اور سلطان محمد اپنی اسی حالت پر بدستور قائم رہتے جس حالت میں کہ وہ پیشگوئی کرنے کے وقت تھے تو ان کی موت کی میعاد علی الترتیب تین و اڑھائی سال ہوتی۔ مگر احمد بیگ اپنی پہلی حالت پر قائم نہ رہا اور لڑکی کا نکاح کر دینے کے بعد اور زیادہ شوخ ہو گیا، اس لئے وہ میعاد مقررہ کے اندر بہت ہی جلد پکڑا گیا۔ بخلاف سلطان محمد کے کہ اس نے اصلاح کی اور توبہ و استغفار کی طرف رجوع کیا۔ کَمَا مَرَّ۔

یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے احمد بیگ کی میعاد تین سال مقرر کر کے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا تھا کہ یہ زیادہ سے زیادہ مہلت ہے جو احمد بیگ کو دی جاتی ہے۔ اگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھائے گا۔ تو تین سال سے بہت پہلے جلد ہی مر جائے گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ نے احمد بیگ کو جو خط ۱۳۰۴ھ میں لکھا تھا۔ اس میں حضور نے تحریر فرمایا تھا۔

وَاٰخِرُ الْمَصَائِبِ مَوْتُكَ فَتَمُوْتُ بَعْدَ النِّكَاحِ اِلٰى ثَلَاثِ سِنِيْنَ بَلْ مَوْتُكَ قَرِيْبٌ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۷۳) کہ تیرے خاندان پر جو آخری مصیبت آئے گی وہ تیری موت ہو گی۔ تو روزِ نکاح سے تین سال کے عرصہ میں مر جائے گا بلکہ تیری موت اس سے بھی قریب ہے۔

ب۔ حضرت مسیح موعود اپنے اشتہار ۲۰ اپریل ۱۸۸۶ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"خدا نے اس عاجز کے مخالف اور منکر رشتہ داروں کے حق میں نشان کے طور پر یہ پیشگوئی ظاہر کی ہے کہ ان میں سے جو ایک شخص احمد بیگ ہے اگر وہ اپنی لڑکی اس عاجز کو نہیں دے گا تو تین برس کے عرصہ تک بلکہ اس سے قریب فوت ہو جائیگا۔" (حاشیہ اشتہار ۲۰ اپریل ۱۸۸۶ء ضمیمہ اخبار ریاض ہند امرتسر مارچ

۱۸۸۶ء مشمولہ آئینہ کمالاتِ اسلام)۔

مندرجہ بالا دونوں حوالہ جات میں حضرت اقدسؑ نے صراحت فرمادی ہے کہ احمد بیگ کو اگر وہ زیادہ شوخی نہ کرے تو زیادہ سے زیادہ تین سال مہلت مل سکتی ہے، لیکن وہ شوخی کر کے جلدی فوت ہو جائے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک قابلِ غور امر!

مندرجہ بالا عربی عبارت از آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۷۲ میں سے فقرہ اٰخِرُ الْمَصَائِبِ مَوْتُکَ (کہ تیرے خاندان پر جو آخری مصیبت آئیگی وہ تیری موت ہوگی) خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ کیونکہ اس میں بھی ایک زبردست پیشگوئی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے احمد بیگ کو بتادیا تھا کہ خدا تعالیٰ نے یوں مقدر فرمایا ہے کہ اس کی موت کو اس کے خاندان کے لیے "آخری مصیبت" بنائے، اور اس کے بعد پھر کوئی مصیبت اِس خاندان پر اس پیشگوئی کے ماتحت نہ آئے۔ اس لئے احمد بیگ کی موت جب ۱۸۹۲ء میں ہوگئی، تو "آخر المصائب موتک" کے مطابق ضروری تھا کہ سلطان محمد اس کے بعد فوت نہ ہو۔

غرضیکہ احمد بیگ کی موت کا واقعہ ہو جانا اور پیشگوئی کے مطابق واقع ہو جانا اس پیشگوئی کے عظیم الشان نتائج کی خوشخبری دیتا تھا جو اس خاندان کے اکثر افراد کے حلقہ بگوشِ احمدیت ہونے کی صورت میں نمودار ہوئے۔ اور اس طرح سے یہ پیشگوئی اس خاندان کے اس مطالبہ فَلْيَأْتِنَا بِاٰيَةٍ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ (اگر یہ سچا ہے تو نشان دکھائے) کے جواب میں ایک زبردست نشان ثابت ہوئی جس نے ان لوگوں کی جو دہریت اور ارتداد کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، کایا پلٹ دی اور انکو خدا کے پیارے مسیح موعودؑ کی شناخت اور قبولیت کی روشنی سے منور کردیا۔ دہریت کی جگہ اسلام نے اور ارتداد کی جگہ تعلق و محبت رسولؐ نے لے لی۔ اور یہی وہ عظیم الشان تغیر ہے جسے دنیا میں پیدا کرنے کے لئے خدا تعالیٰ کے تمام انبیاء تشریف لائے اور جس کی جھلک خدا نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رشتہ داروں میں اس پیشگوئی کے ذریعہ دکھائی۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

۱۔ "کسقدر میرے دعوے کی تائید میں مجھ سے نشان ظاہر ہوئے اور جو کچھ کہا جاتا ہے کہ فلاں پیشگوئی پوری نہیں ہوئی۔ یہ محض افتراء ہے۔ بلکہ تمام پیشگوئیاں پوری ہوگئیں اور میری کسی پیشگوئی پر ایسا اعتراض نہیں ہو سکتا جو پہلے نبیوں کی پیشگوئیوں پر جاہل اور بے ایمان لوگ نہیں کر چکے"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۲۹)

۲۔ "اے نادان! اول تعصب کا پردہ اپنی آنکھوں پر سے اُٹھا، تب تجھے معلوم ہو جائیگا کہ سب پیشگوئیاں پوری ہوگئیں۔ خدا تعالیٰ کی نصرت ایک تُند اور تیز دریا کی طرح مخالفوں پر حملہ کر رہی ہے، پر افسوس کہ ان لوگوں کو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا۔ زمین نے نشان دکھائے اور آسمان نے بھی، اور دوستوں میں

بھی نشان ظاہر ہوتے اور دشمنوں میں بھی۔ مگر اندھے لوگوں کے نزدیک ابھی کوئی نشان ظاہر نہیں ہوا، لیکن خدا اس کام کو ناتمام نہیں چھوڑے گا جب تک وہ پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھلا دے۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۷)

۳۔ ایک یہ بھی ان کا اعتراض ہے کہ پیشگوئیاں پوری نہیں ہوئیں۔ اس اعتراض کے جواب میں تو صرف اسی قدر لکھنا کافی ہے کہ لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ۔ اگر وہ میری کتابوں کو غور سے دیکھتے یا میری جماعت کے اہل علم و واقفیت سے دریافت کرتے تو معلوم ہوتا کہ کئی ہزار پیشگوئیاں اب تک پوری ہو چکی ہیں اور ان پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے صرف ایک دو گواہ نہیں۔ بلکہ ہزارہا انسان گواہ ہیں۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۷)

۴۔"ایک دو اور پیشگوئیوں پر بھی اعتراض کرتے ہیں کہ وہ پوری نہیں ہوئیں۔ مگر یہ سراسر ان کا افترا ہے اور صحیح اور واقعی یہی بات ہے کہ میری کوئی ایسی پیشگوئی نہیں کہ جو پوری نہیں ہوگئی۔ اگر کسی کے دل میں شک ہو تو سیدھی نیت سے ہمارے پاس آجاتے اور بالمواجہ کوئی اعتراض کرے، اگر شافی کافی جواب نہ سنے تو ہم ہر ایک تاوان کے سزاوار ہو سکتے ہیں۔" (حقیقت المہدی ص۴)

۲- ڈاکٹر عبدالحکیم مُرتد والی پیشگوئی

اپنی وفات کے متعلق حضرت مسیح موعودؑ کے الہامات

جواب:-

۱- "دسمبر ۱۹۰۵ء میں اپنی وفات سے اڑھائی سال قبل حضرت اقدسؑ نے "الوصیت" شائع فرمائی اس کے صفحہ ۲ پر یہ الہامات درج ہیں۔ "قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّرُ" (تیری وفات کا وقتِ مقررہ آگیا ہے) "قَلَّ مِیْعَادُ رَبِّکَ" (تیرے رب کی طرف سے بہت کم وقت باقی رہ گیا ہے) "بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں"

۲- ریویو دسمبر ۱۹۰۵ء صفحہ ۴۸۰ میں ہے- رؤیا (خواب)، ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے، لیکن بہت مصفّٰی اور مقطر پانی ہے۔ اس کے ساتھ الہام تھا "آبِ زندگی"

اس میں "دو تین گھونٹ" زندگی کا پانی اس میں باقی رہنا مذکور ہے اور اس کے پورے اڑھائی سال بعد حضورؑ فوت ہوتے۔ گویا کل میعاد تین سال بتائی گئی جس کو بعد میں عبدالحکیم نے چُرا کر اپنے نام سے شائع کیا۔ جیسا کہ آگے آتے گا۔

۳- ۲۰ر فروری ۱۹۰۷ء - "لاہور سے ایک افسوسناک خبر آئی" اور انتقال ذہن لاہور کی طرف ہوا ہے (ماہ مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۲ الہامات حضرت مسیح موعودؑ) "ان کی لاش کفن میں لپیٹ کر لاتے ہیں" (بدر جلد ۶ نمبر ۱۱ ۲۸ر مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ و الحکم جلد ۱۱ نمبر ۹ ۱۷ر مارچ ۱۹۰۷ء صفحہ ۱)- (ریویو آف ریلیجنز جلد ۶ نمبر ۳)

۴- ۲ر دسمبر ۱۹۰۷ء :- "بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید" ۲۷ کو ایک واقعہ (ہمارے متعلق) "اَللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی" (یعنی اللہ ہی سب سے بہتر اور باقی رہنے والا ہے)۔

حضورؑ کی وفات کی یہ "افسوسناک خبر" لاہور کی طرف سے آئی اور حضورؑ ۲۷ر مئی ۱۹۰۸ء کو کفن میں لپیٹ کر قادیان لائے گئے۔

۵- ۷ر مارچ ۱۹۰۸ء: "ماتم کدہ" اس کے بعد غنودگی میں دیکھا کہ "ایک جنازہ آتا ہے"

عبدالحکیم مُرتد کی پیشگوئی

حضرت مسیح موعودؑ نے جب "الوصیت" شائع فرمادی اور اپنا وہ رؤیا بھی شائع فرمادیا جس میں حضورؑ کی عمر "دو تین سال" بتائی گئی تھی تو اس کے پورے سات مہینے بعد عبدالحکیم مُرتد نے ۱۲ر جولائی ۱۹۰۶ء کو لکھا:-

سہ سالہ پیشگوئی

"مرزا مسرف، کذّاب اور عیّار ہے۔ صادق کے سامنے شریر فنا ہو جائے گا اور اس کی میعاد تین سال بتائی گئی ہے" (کانا دجال صفحہ ۴۸ و اعلان الحق)-

اتمام الحجۃ۔ رسالہ المسیح الدجال و تکملہ ص۴۳)

حضرت مسیح موعود کا جواب

اس کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ۱۶ راگست ۱۹۰۶ء کو اشتہار مشمولہ حقیقۃ الوحی ص۴۰۹ ص۴۱۱ "خدا سچے کا حامی ہو" (حقیقۃ الوحی ص۴۰۹ روحانی جلد ۲۲) شائع فرمایا، اور اس میں خدا کا یہ الہام درج کیا۔ خدا کے مقبولوں میں قبولیت کے نمونے اور علامتیں ہوتی ہیں" اور وہ سلامتی کے شہزادے کہلاتے ہیں "ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا" فرشتوں کی کھینچی ہوئی تلوار تیرے آگے ہے۔ پر تُو نے وقت کو نہ پہچانا۔ نہ دیکھا نہ جانا" رَبِّ فَرِّقْ بَيْنَ صَادِقٍ وَكَاذِبٍ وَ اَنْتَ تَرٰى كُلَّ مُصْلِحٍ وَصَادِقٍ (حقیقۃ الوحی ص۴۱۱ رُوحانی خزائن جلد ۲۲) (یعنی اے رب سچے اور جھوٹے میں فرق کر کے دکھلا دے۔ اور تو ہر مصلح اور سچے کو جانتا ہے)۔

پہلی پیشگوئی منسوخ اور ۱۴ ماہیہ نئی پیشگوئی

عبدالحکیم مُرتد "شجرۂ خبیثہ" تھا جو مَالَهَا مِنْ قَرَارٍ کے مطابق اپنی بات پر قائم نہ رہا اور اپنی سہ سالہ پیشگوئی کو بدیں الفاظ منسوخ کرتے ہوئے لکھا:۔ "اللہ تعالےٰ نے اس کی شوخیوں اور نافرمانیوں کی سزا میں سہ سالہ میعاد میں سے جو ۱۱ر جولائی ۱۹۰۹ء کو پوری ہوتی تھی دس مہینے اور گیارہ دن کم کر دیئے اور مجھے یکم جولائی ۱۹۰۷ء کو الہاماً فرمایا کہ "مرزا آج سے چودہ ماہ تک بہ سزائے موت ہاویہ میں گرایا جائیگا"

(رسالہ اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ ص۶ مولفہ عبدالحکیم مُرتد)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

اس کے جواب میں حضورؑ نے ۵ رنومبر ۱۹۰۷ء کو "تبصرہ" نامی اشتہار شائع فرمایا "اپنے دشمن کو کہدے کہ خدا تجھ سے مؤاخذہ لے گا اور مَیں تیری عمر کو بھی بڑھاؤں گا۔ یعنی دشمن جو کہتا ہے کہ صرف جولائی ۱۹۰۷ء سے ۱۴ مہینے تک تیری عمر کے دن رہ گئے ہیں۔ یا ایسا ہی جو دوسرے دشمن پیشگوئی کرتے ہیں۔ ان سب کو مَیں جھوٹا کرونگا اور تیری عمر کو بڑھاؤں گا۔ تا معلوم ہو کہ مَیں خدا ہوں اور ہر ایک امر میرے اختیار میں ہے"

(مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص۵۹۱ و بدر ص۴۶ جلد ۶ ص۳ تا ص۶ ۱۰ رنومبر ۱۹۰۷ء)

نوٹ:۔ اس الہام میں لفظ "جھوٹا کروں گا" اور "عمر کو بڑھاؤں گا" خاص طور پر قابلِ غور ہیں کیونکہ "بڑھاؤں گا" کا لفظ بتاتا ہے کہ حضورؑ کی تاریخ وفات تو حضرت کے اپنے الہامات کے مطابق یکم ستمبر ۱۹۰۸ء سے پہلے ہی تھی مگر محض دشمن کو "جھوٹا" کرنے کی غرض سے خدا تعالیٰ اس کو "بڑھانے" کی پیشگوئی کرتا ہے۔ گویا عمر بڑھانا محض دشمن کو "جھوٹا" کرنے کی غرض سے ہے اور بس۔

۱۴ چودہ ماہیہ پیشگوئی بھی منسوخ

چودہ ماہ والی پیشگوئی کے مطابق میعاد پیشگوئی یکم ستمبر ۱۹۰۸ء نکلتی تھی مگر تبصرہ کے شائع ہونے کے بعد مُرتد ڈاکٹر نے اس میں اور تبدیلی

کردی اور لکھا:۔

۱۔ "الہام ۱۶ر فروری ۱۹۰۸ئہ۔ مرزا ۲۱ر ساون سمت ۱۹۶۵ (مطابق ۴ر اگست ۱۹۰۸ئہ) تک ہلاک ہوجائیگا۔" (اعلان الحق و اتمام الحجۃ ۲۶)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

جب عبدالحکیم مُرتد نے ۱۶ر فروری ۱۹۰۸ئہ کو ۴ر اگست ۱۹۰۸ئہ تک والی پیشگوئی شائع کی تو اس وقت حضرت اقدسؑ چشمۂ معرفت لکھ رہے تھے۔ حضور نے اس کی یہ پیشگوئی چشمہ معرفت میں نقل فرمائی اور تحریر فرمایا:۔ "مَیں اس کے شر سے محفوظ رہوں گا۔" (چشمۂ معرفت ص۳۲۲ ایڈیشن اول)

۴ر اگست والی پیشگوئی بھی منسوخ

مگر عبدالحکیم مُرتد اس پر بھی قائم نہ رہا اور لکھا کہ:۔ "مگر کسی طرح اس (حضرت مسیح موعودؑ) کی بیباکی اور سرکشی میں کمی نہ ہوئی، مرزائیوں کا ارتداد اور کفر بے حد بڑھتا گیا جس کی تفصیل "کانا دجّال" کے مطالعہ سے ظاہر ہوگی۔ ایک موقعہ پر بے اختیار میری زبان سے یہ بد دعا نکلی، اے خدا اِس ظالم کو جلد غارت کر۔ اے خُدا اس بدمعاش (خاکش بدہن۔ خادم) کو جلد غارت کر۔ اس لئے ۴ر اگست ۱۹۰۸ئہ مطابق ۲۱ر ساون سمت ۱۹۶۵ تک کی میعاد بھی منسوخ کی گئی۔" (اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ ص۹)

۲۔ پھر اپنے ۸ر مئی ۱۹۰۸ئہ کے خط میں لکھتا ہے:۔

"مرزا قادیانی کے متعلق میرے جدید الہامات شائع کرکے ممنون فرماویں:۔

(۱) مرزا ۲۱ر ساون سمت ۱۹۶۵ (۴ر اگست ۱۹۰۸ئہ) کو مرض مہلک میں مبتلا ہوکر ہلاک ہوجائے گا۔

(۲) مرزا کے کنبہ میں ایک بڑی معرکۃ الآرا عورت مرجائیگی۔

(پیسہ اخبار ۱۹۰۸ئہ ۱۵ر مئی و اہلحدیث ۱۵ر مئی ۱۹۰۸ئہ)

گویا اب اس نے ۴ر اگست ۱۹۰۸ئہ کی تعیین کردی۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عمر بڑھانے کی ضرورت نہ رہی۔ آپ ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ئہ کو فوت ہوتے اور اس کے "شر سے محفوظ" رہے وہ "جھوٹا" ہوگیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی اپنی پیشگوئیوں کے مطابق ۲۷ کو حضورؑ کا جنازہ لاہور سے قادیان کی طرف لایا گیا اور حضور دارالامان میں مدفون ہوتے۔

"کو" کی صحت کا ثبوت

۱۔ "۴ر اگست تک" والا "الہام" ۱۶ر فروری ۱۹۰۸ئہ کا ہے (اعلان الحق و تکملہ و اتمام الحجۃ ص۸)

مگر ۴ر اگست "کو" والا "الہام" مئی کے پہلے ہفتہ کا ہے۔ (دیکھو اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ ص۳۲ سطر ۱۸)۔

۲۔ "تک" والا "الہام" "جدید" نہیں بلکہ تین مہینے کا پُرانا "الہام" تھا۔ ۸ رمئی کو اس نے "کو" والا "الہام" لکھا ہے اور اس کو "جدید" قرار دیا ہے اور خود اقرار کیا ہے کہ مئی ۱۹۰۸ء میں مجھے "کو" والا الہام ہوا تھا۔ (دیکھو اعلان الحق وغیرہ صہ ۳۲)

۳۔ دوسرا الہام جو "معرکۃ الآراء عورت" کی موت کے متعلق ہے وہ ۸ رمئی ۱۹۰۸ء کا ہے، یعنی اس دن کا جس دن اس نے یہ "الہام" بغرضِ اشاعت اخبارات میں بھی بھیجا ہے۔ (اعلان الحق صفحہ ۸ آخری سطر) مگر "تک" والے الہام کے ساتھ "معرکہ الارا عورت" کی موت کا ذکر نہیں۔

۴۔ عبدالحکیم مُرتد نے خود اقرار کیا ہے جیسا کہ اوپر درج ہو چکا ہے کہ "۴ راگست تک والی میعاد منسوخ کی گئی۔" (اعلان الحق وغیرہ صفحہ ۹)

عبدالحکیم مُرتد جھوٹا ہو گیا

مولوی ثناء اللہ امرت سری کی شہادت

"ہم خدا لگتی کہنے سے رُک نہیں سکتے کہ ڈاکٹر صاحب اگر اسی پر بس کرتے یعنی ۱۴ ماہیہ پیشگوئی کر کے مرزا کی موت کی تاریخ مقرر نہ کر دیتے، جیسا کہ انہوں نے کیا۔ چنانچہ ۱۵ رمئی ۱۹۰۸ء کے اہلحدیث میں انکے الہامات درج ہیں کہ ۲۱ ر ساون یعنی ۴ راگست کو مرزا مرے گا تو آج وہ اعتراض نہ ہوتا جو معزز ایڈیٹر پیسہ اخبار نے ڈاکٹر صاحب کے اس الہام پر چبھتا ہوا کیا ہے کہ "۲۱ ر ساون کو" کی بجائے "۲۱ ر ساون تک" ہوتا تو خوب ہوتا۔" (اہلحدیث ۱۲ رجون ۱۹۰۸ء)

ضروری نوٹ:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیشک "تبصرہ" میں لکھا ہے کہ میرا دشمن میری آنکھوں کے سامنے ہی اصحاب فیل کی طرح نیست و نابود ہو جائیگا۔ مگر (اوّل) یہ حضرت اقدس کا اپنا اجتہاد ہے، الہام تو جو حضورؑ کو ہوا وہ وہی درج ہے:۔ "اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ (سورۃ الفیل:۲) حضرت نے "تَرَ" کے لفظ سے یہ استعمال فرمایا ہے کہ گویا وہ میری آنکھوں کے سامنے ہی ہلاک ہو جائیگا۔ حالانکہ یہ آیت قرآن مجید میں جہاں آتی ہے وہاں آنحضرتؐ کو اصحاب فیل کی تباہی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے مخاطب کرتی ہے اور "اَلَمْ تَرَ کے الفاظ اس موقعہ پر مستعمل ہوتے ہیں۔ جب کہ اصحاب فیل کی تباہی کا واقعہ آنحضرتؐ نے اپنی آنکھوں سے اپنی زندگی میں نہیں دیکھا بلکہ وہ آپ کی ولادت سے بھی قبل ہو چکا تھا۔ اسی طرح اس الہام میں بھی حضرت مسیح موعودؑ کو بتایا گیا تھا کہ عبدالحکیم پر جو عذاب آئے گا آپ اپنی زندگی میں اس کو نہیں دیکھ سکیں گے جس طرح اصحاب فیل کی تباہی کو آنحضرتؐ نے نہ دیکھا تھا۔ اور نبی کے اجتہاد سے یہ ممکن ہے جیسا کہ نبراس شرح الشرح عقاید نسفی صہ ۳۹۲ میں ہے كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْتَهِدُ وَيَكُوْنُ خَطَأً كَمَا ذَكَرَهُ الْاُصُوْلِيُّوْنَ---- وَفِيْ حَدِيْثٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَدَّثْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا اَقُوْلُ

فِيْهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ فَاِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُكُمْ اُخْطِئُ وَاُصِيْبُ" کہ آنحضرتؐ بعض اوقات اجتہاد کرتے تھے تو وہ غلط بھی ہوتا تھا، جیسا کہ اُصولیوں نے لکھا ہے اور حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ جو بات تو میں کہوں کہ خدا نے کہی ہے تو وہ بالکل درست اور حق ہو گی۔ مگر جو بات اس کی تشریح کرتے ہوئے میں اپنی طرف سے کہوں ضروری نہیں کہ درست ہی ہو۔ کیونکہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں، کبھی درست بات بتاتا ہوں اور کبھی مجھ سے بھی خطا ہو جاتی ہے۔ (مفصل دیکھو صفحہ ۴۹، پاکٹ بک ہذا)۔

(دوم) حضرت مسیح موعودؑ کی یہ سب تحریرات عبد الحکیم مُرتد کی پیشگوئیوں کے بالمقابل ہیں۔ جب اس نے اپنی طرف سے شرائط کو تبدیل کر دیا تو حضرت کے جوابات بھی بحال نہ رہے۔ تم الزام تو اس صورت میں دیتے کہ وہ اپنی بات پر قائم رہتا اور پھر حضرت پر اسے اعتراض کرنے کا موقعہ ملتا۔ حضرت کی غرض تو "رَبِّ فَرِّقْ بَيْنَ صَادِقٍ وَكَاذِبٍ" کی تھی۔ کیا سچے جھوٹے میں فرق نہیں ہُوا؟ کیا حضرت "اس کے شر سے محفوظ" نہیں رہے؟ اور اس کو خدا تعالیٰ نے جھوٹا نہیں کیا؟ اور پھر کیا وہ ۱۹۱۹ء میں پھیپھڑے کی مرض (سل) سے ہلاک نہیں ہوا؟ اور وہ فرشتوں کی کھچی ہوئی تلوار سے مَسْلُول نہیں کیا گیا؟ اگر یہ سب واقعات سچے ہیں اور یقیناً سچے ہیں تو حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت میں کون سے شک و شبہ کی گنجائش ہے؟

۳۔ مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ

سوال :۔ مرزا صاحب نے مولوی ثناء اللہ کی موت کی پیشگوئی کی ؟

جواب :۔ یہ افتراء ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہرگز ثناء اللہ کی موت کی پیشگوئی نہیں کی چنانچہ آپ اشتہار "آخری فیصلہ" میں لکھتے ہیں۔ "یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں" (مجموعہ اشتہارات جلد سوم صفحہ ۵۷۹ مطبوعہ الشرکۃ الاسلامیہ ۱۵ را پریل ۱۹۰۷ء) کوئی مخالف حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کسی تحریر سے یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ حضور نے ثناء اللہ کے متعلق حضور کی زندگی میں مرنے کی پیشگوئی کی تھی۔ ہاں اس کو دعوتِ مباہلہ دی تھی جس کی تفصیل درج ذیل ہے :۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "انجام آتھم" میں تمام علماء، گدی نشینوں اور پیروں کو "آخری فیصلہ" (مباہلہ) کی دعوت دی۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں :۔ وَ اٰخِرُ الْعِلَاجِ خُرُوْجُكُمْ اِلٰى بَرَازِ الْمُبَاهَلَةِ..... هٰذَا اٰخِرُ حِيَلٍ اَرَدْنَاهُ فِيْ هٰذَا الْبَابِ (انجام آتھم صفحہ ۱۶۵ مطبع ضیاء الاسلام قادیان) کہ آخری علاج تمہارے لئے میدانِ مباہلہ میں نکلنا ہے ...... اور یہی آخری طریق فیصلہ ہے جس کا ہم نے ارادہ کیا ہے۔

اس دعوتِ مباہلہ میں آپ نے فرمایا کہ فریقین ایک دوسرے کے حق میں بد دُعا کریں کہ فریقین میں سے جو فریق جھوٹا ہے، اے خُدا تو اس کو ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دُکھ کی مار میں مبتلا کر کسی کو اندھا کر دے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگِ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر۔

(انجام آتھم صفحہ ۶۶ مطبوعہ مطبع ضیاء الاسلام قادیان)

اور اس کے بعد لکھا :۔

"گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو اور نہ توہین و تکفیر کو چھوڑے اور نہ ٹھٹھا کرنے والوں کی مجلسوں سے الگ ہو۔"

(ایضاً صفحہ ۶۷)

اس رسالہ کے مخاطبین میں سے مولوی ثناء اللہ کا نمبر ۱۱ تھا۔ مولوی صاحب نے اس چیلنج کا کچھ جواب نہ دیا، اور اپنی مُہرِ خاموشی سے اس جری اللہ فی حلل الانبیاء کی صداقت پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی، لیکن جب ہر طرف سے ان پر دباؤ ڈالا گیا تو اُس بد قسمت جانور کی طرح جو شیر کو دیکھ کر انتہائی بدحواسی سے خود ہی اس پر حملہ کر بیٹھتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مباہلہ پر آمادگی ظاہر کی۔ جسکے جواب میں حضرت اقدسؑ نے لکھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا جواب

"مولوی ثناء اللہ امرتسری کی دستخطی تحریر میں نے دیکھی ہے جس میں وہ یہ درخواست کرتا ہے کہ میں اس طور کے فیصلہ کے لئے بہ دل خواہش مند ہوں، کہ فریقین یعنی میں اور وہ یہ دُعا کریں کہ جو شخص ہم دونوں میں سے جھوٹا ہے وہ سچے کی زندگی میں مرجاتے۔"

(اعجاز احمدی صلا پہلا ایڈیشن)

"اب اس پر قائم رہیں تو بات ہے۔"

اعجاز احمدی ص۱۴ ایڈیشن اول

ثنائی حیلہ جوئی

"چونکہ یہ خاکسار نہ واقع میں اور نہ آپ کی طرح نبی یا رسول یا ابن اللہ یا الہامی ہے، اس لئے ایسے مقابلہ کی جرأت نہیں کر سکتا ...... میں افسوس کرتا ہوں کہ مجھے ان باتوں پر جرأت نہیں۔"

(الہامات مرزا ص۸۵ طبع دوم وص۱۱۱ طبع ششم)

لیکن جب پھر ہر طرف سے لعن طعن ہوئی تو لکھا:-

ثناء اللہ کی دوبارہ آمادگی

"البتہ آیت ثانیہ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ ...... ثم نبتھل .... سورۃ آل عمران: ۶۲) پر عمل کرنے کے لئے ہم تیار ہیں۔ میں اب بھی ایسے مباہلہ کے لئے تیار ہوں جو آیت مرقومہ سے ثابت ہوتا ہے جسے مرزا صاحب نے خود تسلیم کیا ہے۔"

(اہلحدیث ۲۲ر جون ۱۹۰۶ء ص۱۴)

"مرزائیو! سچے ہو تو آؤ اور اپنے گورو کو ساتھ لاؤ۔ وہی میدان عیدگاہ امرتسر تیار ہے جہاں تم پہلے صوفی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کرکے آسمانی ذلت اٹھا چکے ہو (جھوٹ ہے وہاں ہرگز کوئی ایسا مباہلہ نہیں ہوا۔ جس میں فریقین نے ایک دوسرے کے حق میں بددعا کی ہو۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے کوئی بددُعا نہیں کی تھی، خادم) اور انہیں ہمارے سامنے لاؤ جس نے ہمیں رسالہ انجام آتھم میں مباہلہ کیلئے دعوت دی ہے کیونکہ جب تک پیغمبر جی سے فیصلہ نہ ہو، سب اُمت کے لئے کافی نہیں ہوسکتا۔"

(اہلحدیث ۲۹ر مارچ ص۱۰ ۱۹۰۷ء)

مولوی ثناء اللہ صاحب کی یہ تحریر ۲۹ر مارچ ۱۹۰۷ء کی ہے مگر اس سے کچھ دن قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام حقیقۃ الوحی میں (جو اُس وقت زیر تصنیف تھی) یہ تحریر فرما چکے تھے کہ "میں بخوشی قبول کروں گا، اگر وہ (ثناء اللہ) مجھ سے درخواست مباہلہ کریں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۳ و روحانی خزائن جلد ۲۲ ص۴۶۲)

"مباہلہ کی درخواست کرے۔" (ایضاً ص۳۳) و (ایضاً ص۴۶۵)

حضرت تتمہ کی یہ تحریر ۲۰ر فروری ۱۹۰۷ء کی ہے جیسا کہ تتمہ حقیقۃ الوحی کے ص۳۶ سطر ۱ سے معلوم

ہوتا ہے ۔اس تحریر سے ظاہر ہے کہ حضرت کا ارادہ یہ تھا کہ اب اگر مولوی ثناء اللہ مباہلہ پر آمادگی ظاہر کرے تو اسے بھاگنے نہ دیا جائے ۔چنانچہ جب اس نے ۲۹ر مارچ ۱۹۰۷ء کو دعوتِ مباہلہ دی (جو اوپر درج ہو چکی ہے) تو حضرت کی طرف سے مندرجہ ذیل جواب بدر ۴ر اپریل ۱۹۰۷ء میں دیا گیا لیکن مولوی ثناء اللہ پھر فرار کی راہ اختیار کرنے لگا ، جیسا کہ اس کے جواب میں مندرجہ اہل حدیث ۱۹ر اپریل ۱۹۰۷ء سے ظاہر ہے ۔تو اس کے جواب کی اشاعت سے قبل ہی اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؑ کو اس کے ارادہ سے مطلع فرمادیا اور حضور نے ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء کا اشتہار آخری فیصلہ شائع فرمادیا تاکہ ثناء اللہ کے لئے گول مول کرکے "ٹلنے کی گنجائش ہی نہ رہے اور وہ مجبور ہو کر تصرف الٰہی کے ماتحت موت کو اپنے سر پر سوار دیکھتے ہوئے اپنے ہاتھ سے لکھدے کہ" تمہاری یہ تحریر مجھے منظور نہیں ، اور نہ کوئی دانا اس کو منظور کرسکتا ہے ۔" (اخبار اہل حدیث ۲۶ر اپریل ۱۹۰۷ء) چنانچہ اس کی تفصیل درج ذیل کیجاتی ہے :۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جواب

"مولوی ثناء اللہ صاحب کو بشارت دیتا ہوں کہ مرزا صاحبؑ نے ان کے اس چیلنج کو منظور کر لیا ہے۔ بیشک (آپ) قسم کھا کر بیان کریں کہ یہ شخص (حضرت مسیح موعودؑ) اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے اور بیشک یہ بات کہیں کہ اگر میں اس بات میں جھوٹا ہوں تو لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ ۔ مباہلہ کی بنیاد جس آیت قرآنی پر ہے اس میں تو صرف لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ آیا ہے ۔"

(اخبار بدر ۴ر اپریل ۱۹۰۷ء)

ثنائی فرار

"میں نے آپ کو مباہلہ کے لئے نہیں بُلایا ، میں نے تو قسم کھانے پر آمادگی ظاہر کی ہے مگر آپ اس کو مُباہلہ کہتے ہیں ۔حالانکہ مباہلہ اس کو کہتے ہیں جو فریقین مقابلہ پر قسمیں کھائیں ۔میں نے حلف اُٹھانا کہا ہے ۔ مباہلہ نہیں کہا ۔قسم اور ہے مباہلہ اَور ہے ۔" (اہلحدیث ۱۹ر اپریل ۱۹۰۷ء ص۴)

ابھی یہ ثنائی فرار معرضِ ظہور میں نہیں آیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جو علیم وخبیر ہے اپنے مسیح موعودؑ کو اس کی اطلاع دیکر اپنے شکار کو دُنیا کے سامنے شرمندہ کرنے کے لئے ایک طریق کی تحریک فرمائی۔ چنانچہ اس کے مطابق حضور نے آخری اتمام حجت کے طور پر ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء کو اپنی طرف سے "دُعاءِ مباہلہ" مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے ساتھ "آخری فیصلہ" کے عنوان سے شائع فرمادی جس میں اپنی طرف سے دُعا فرمائی کہ خدا تعالیٰ سچے کی زندگی میں جھوٹے کو ہلاک کردے اور بالآخر لکھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اس اشتہار کو اہلحدیث میں شائع فرماکر "جو چاہیں اس کے نیچے لکھدیں ، اب فیصلہ خُدا کے ہاتھ میں ہے ۔"

مولوی ثناء اللہ نے اس اشتہار کو اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء میں شائع کیا اور اس کے نیچے یہ لکھا:۔

"اوّل۔ اس دُعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی، اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا۔"
(اخبار اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء)

"تمہاری یہ تحریر کسی صورت میں بھی فیصلہ کُن نہیں ہو سکتی۔" (ایضاً)

"میرا مقابلہ تو آپ سے ہے۔ اگر مَیں مر گیا تو میرے مرنے سے اَور لوگوں پر کیا حجت ہو سکتی ہے۔"

"خُدا کے رسول چونکہ رحیم کریم ہوتے ہیں اور ان کی ہر وقت یہی خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شخص ہلاکت میں نہ پڑے مگر اب کیوں آپ میری ہلاکت کی دُعا کرتے ہیں۔"

"خُدا تعالیٰ جھوٹے، دغاباز، مفسد اور نافرمان لوگوں کو لمبی عمریں دیا کرتا ہے تا کہ وہ اس مہلت میں اَور بھی بُرے کام کرلیں۔"

نوٹ:۔ یہ آخری عبارت نائب ایڈیٹر کی طرف سے لکھی گئی مگر مولوی ثناء اللہ نے اس کی تصدیق کی اور لکھا کہ "مَیں اس کو صحیح جانتا ہوں۔" (اہلحدیث ۳۱ جولائی ۱۹۰۷ء)

"مختصر یہ کہ..... یہ تحریر تمہاری مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے۔"
(اقتباسات از اہلحدیث ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء صفحہ ۵، ۶)

مولوی ثناء اللہ پھر لکھتا ہے:۔

"آنحضرت صلعم باوجود سچا نبی ہونے کے مسیلمہ کذاب سے پہلے انتقال فرما گئے، اور مسیلمہ باوجود کاذب ہونے کے صادق سے پیچھے مرا۔"
(مرقع قادیانی اگست ۱۹۰۷ء ص ۹)

"کوئی ایسی نشانی دکھاؤ جو ہم بھی دیکھ کر عبرت حاصل کریں، مر گئے تو کیا دیکھیں گے اور کیا ہدایت پائیں گے۔"
(اخبار وطن امرتسر ۲۶ اپریل ۱۹۰۷ء ص ۱۱)

پس چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اپنی پرانی عادت کے مطابق نجران کے عیسائیوں کی سنت پر عمل کرتے ہوئے مُباہلہ سے فرار اختیار کیا، اس لئے مباہلہ نہ ہوا اور ثناء اللہ کو خدا تعالیٰ نے اس کے تسلیم کردہ اُصول کے رو سے "جھوٹے، دغاباز، مفسد اور نافرمان" لوگوں کی طرح لمبی عمر دی اور اسے حضرت مسیح موعودؑ کے پیچھے زندہ رکھ کر "مسیلمہ کذاب" ثابت کر دیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار "مسودہ مُباہلہ" ہے جس طرح قرآن مجید کی آیت مباہلہ میں لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (سورۃ آل عمران: ۶۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے "مسودہ مباہلہ" تھی۔ وہاں چونکہ عیسائی بھاگ گئے اس لئے مباہلہ نہ ہوا اور وہ نہ مرے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ لَمَا حَالَ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارٰى كُلِّهِمْ حَتّٰى يَهْلِكُوْا (تفسیر کبیر لفخر الرازی جلد ۸ ص ۸۵ مصری مطبوعہ ۱۹۳۸ء پہلا ایڈیشن) اگر عیسائی مباہلہ کر لیتے اور آنحضرتؐ کی طرح لعنة الله على الكاذبين

کہدیتے تو ان میں سے ہر ایک ایک سال کے اندر ہلاک ہو جاتا۔ اسی طرح ہم بھی کہتے ہیں کہ اگر مولوی ثناء اللہ بھی حضرت مسیح موعودؑ کے مقابلہ میں میدانِ مباہلہ سے بھاگ نہ جاتا۔ اور حضرت کی خواہش کے مطابق وہی بددعا کرتا تو یقیناً ہلاک ہوجاتا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے خود تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"اگر اس چیلنج پر وہ (ثناء اللہ) مستعد ہوتے کہ کاذب صادق کے پہلے مرجاتے تو ضرور وہ پہلے مریں گے" (اعجاز احمدی ص۳۷)

پس جس طرح وہاں پر نجران کے عیسائیوں کا فرار "خدائی فیصلہ بروئے مباہلہ" کے رستہ میں روک ثابت ہوا۔ یہاں بھی ثناء اللہ کا مندرجہ بالا فرار اس کو ہلاکت سے بچا لیا۔ نہ حضرت مسیح موعودؑ آنحضرتؐ سے بڑے ہیں اور نہ مولوی ثناء اللہ نجران کے عیسائیوں سے بڑا ہے۔

اشتہار آخری فیصلہ مسودۂ مباہلہ تھا

۱۔ خود مولوی ثناء اللہ لکھتا ہے:۔ "کرشن قادیانی نے ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء کو میرے ساتھ مباہلہ کا اشتہار شائع کیا تھا" (مرقع قادیانی جون ۱۹۰۸ء ص۱۸)

۲۔ "آج تک مرزا صاحب نے کسی مخالف سے ایسا کھلا مباہلہ نہیں کیا تھا بلکہ ہمیشہ گول مول رکھا کرتے تھے" (اشتہار مرزا قادیانی کا انتقال اور اس کا نتیجہ شائع کردہ ثناء اللہ ۱۲ر مئی ۱۹۰۸ء)

۳۔ حضرت مسیح موعودؑ کے اشتہار کا عنوان ہے۔ مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ" (مجموعہ اشتہارات جلد سوم ص۵۷۹ از الشرکۃ الاسلامیہ) اور مولوی ثناء اللہ کے نزدیک "آخری فیصلہ" مباہلہ ہی ہوتا ہے جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:۔

"ایسے لوگوں کو جو کسی دلیل کو نہ جانیں، کسی علمی بات کو نہ سمجھیں بغرض "بدرا بدر باید رسانید کہہ دے کہ آؤ ایک آخری فیصلہ بھی سنو، ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے، اپنی بیٹیاں اور تمہاری بیٹیاں، اپنے بھائی بند نزدیکی اور تمہارے بھائی بند نزدیکی بلائیں۔ پھر عاجزی سے جھوٹوں پر خدا کی لعنت کریں۔ خدا خود فیصلہ دنیا میں ہی کردے گا"

(تفسیر ثنائی جلد ا صفحہ ۲۲۲، ۲۲۳ ادارہ ترجمان السنۃ ۷ ایبک روڈ انار کلی لاہور)

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک بھی یہ دعا تے مباہلہ ہی تھی جیسا کہ حضور فرماتے ہیں:۔

"مباہلہ بھی ایک آخری فیصلہ ہوتا ہے۔ آنحضرتؐ نے بھی نصاریٰ کو مباہلہ کے واسطے طلب کیا تھا۔ مگر ان میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی" (بدر ۱۷ر مئی ۱۹۰۶ء)

۵۔ حضرت اقدسؑ نے بعینہٖ "آخری فیصلہ" والی دعا کے مطابق ایک اشتہار ۲۱ر نومبر ۱۸۹۸ء کو مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ کے متعلق شائع فرمایا تھا۔ اس کے متعلق حضور فرماتے ہیں:۔

"۲۱ر نومبر ۱۸۹۸ء کا ہمارا اشتہار جو مباھلہ کے رنگ میں شیخ محمد حسین اور اس کے دو ہمراز رفیقوں کے مقابل پر نکلا ہے وہ صرف ایک دعا ہے" (راز حقیقت صفحہ ب اشتہار ۳۰ر نومبر ۱۸۹۸ء)

"اب یہ اشتہار ۱۵؍ نومبر ۱۸۹۸ء "ایک آخری فیصلہ ہے چاہیئے کہ ہر ایک طالب صادق صبر سے انتظار کرے"
(راز حقیقت ص۱۴)

گویا حضرتؑ نے اس اشتہار کو جو "مباہلہ" کے رنگ میں ہے ایک "دُعا" پر مشتمل تھا "آخری فیصلہ" قرار دے کر بتا دیا ہے کہ حضور کے نزدیک "آخری فیصلہ سے مراد مباہلہ ہی ہوتا ہے"۔
(مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص۵۸)

حضور تحریر فرماتے ہیں "کیونکہ جب کسی طرح جھگڑا فیصلہ نہ ہو سکے تو آخری طریق خُدا کا فیصلہ ہے جس کو مباہلہ کہتے ہیں"۔

(تبلیغ رسالت جلد ۷ ص۵۲ نیز مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص۵۸)

(۶) حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک صرف اور صرف مُباہلہ کی صورت میں جھوٹا سچے کی زندگی میں مرتا ہے، جیسا کہ حضور تحریر فرماتے ہیں۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ جھوٹا سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے۔ ہم نے تو اپنی تصانیف میں ایسا ہی لکھا، ہم نے تو یہ لکھا ہے کہ مُباہلہ کرنے والوں میں سے جو جھوٹا ہو وہ سچے کی زندگی میں مرجاتا ہے کیا آنحضرتؐ کے سب اعداء ان کی زندگی میں ہلاک ہو گئے تھے ہزاروں اعداء آپ کی وفات کے بعد زندہ رہے۔ ہاں جھوٹا مباہلہ کرنے والا سچے کی زندگی میں ہلاک ہوا کرتا ہے۔ ایسے ہی ہمارے مخالف بھی ہمارے مرنے کے بعد زندہ رہیں گے۔ ہم تو ایسی باتیں سُنکر حیران ہو جاتے ہیں، دیکھو ہماری باتوں کو کیسے اُلٹ پلٹ کر کے پیش کیا جاتا ہے اور تحریف کرنے میں وہ کمال کیا ہے کہ یہودیوں کے بھی کان کاٹ دیے ہیں۔ کیا کسی نبی، ولی، قطب، غوث کے زمانہ میں ایسا ہوا کہ سب اعداء مر گئے ہوں، بلکہ کافر منافق باقی رہ گئے تھے، ہاں اتنی بات صحیح ہے کہ سچے کے ساتھ جو جھوٹے مباہلہ کرتے ہیں تو وہ سچے کی زندگی میں ہلاک ہوتے ہیں، ایسے اعتراض کرنے والے سے پوچھیں کہ ہم نے کہاں لکھا ہے کہ بغیر مباہلہ کرنے کے ہی جھوٹے سچے کی زندگی میں تباہ اور ہلاک ہو جاتے ہیں، وہ جگہ تو نکالو جہاں یہ لکھا ہے"۔
(الحکم ۱۰؍ اکتوبر ۱۹۰۷ء ص۹)

۷۔ ثناء اللہ اگر اس کو اشتہار مباہلہ نہ سمجھتا تھا تو اس کے جواب میں یہ کیوں لکھا تھا کہ "اس دُعا کی منظوری مجھ سے نہیں لی، اور بغیر میری منظوری کے اس کو شائع کر دیا"۔ (اخبار اہل حدیث ۲۶؍ اپریل ۱۹۰۷ء) کیونکہ ظاہر ہے کہ یکطرفہ بد دُعا کے لئے دوسرے کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ منظوری یا عدم منظوری کا سوال صرف اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ یہ دُعائے مباہلہ ہو۔

۸۔ عنوان اشتہار ہے "مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ" (مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص۵۷۹ از الشرکۃ الاسلامیہ) "ساتھ" کا لفظ صاف طور پر بتا رہا ہے کہ یہ یکطرفہ دُعا نہیں بلکہ دونوں فریقوں کی رضامندی کا سوال ہے۔ اگر یکطرفہ دُعا ہوتی تو "مولوی ثناء اللہ صاحب کے متعلق آخری فیصلہ" ہونا چاہیئے تھا۔ مجسٹریٹ جب فیصلہ کرتا ہے تو "زید یا بکر کے متعلق" فیصلہ کرتا ہے لیکن جب یہ کہا جاتا ہے کہ "زید نے بکر کے ساتھ فیصلہ کیا" تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ زید اور بکر دونوں کی رضامندی سے یہ فیصلہ ہوا۔ اگر ایک فریق بھی

نارضامند ہو تو اندریں صورت وہ فیصلہ قائم نہ رہے گا۔ پس چونکہ مولوی ثناء اللہ اس فیصلہ پر رضامند نہ ہوا اور لکھا کہ
"یہ تحریر مجھے منظور نہیں اور نہ کوئی دانا اسے منظور کر سکتا ہے"۔ (اخبار اہلحدیث ۲۶ر اپریل ۱۹۰۷ء)
تو وہ دُعا "فیصلہ" نہ رہی۔ اسی وجہ سے ثناء اللہ نے بھی لکھا تھا کہ :۔
"یہ دُعا فیصلہ کُن نہیں ہو سکتی"۔

۹۔ حضرت اقدسؑ کا لکھنا کہ "جو چاہیں اس کے نیچے لکھدیں"۔ (مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۵۶۹۔ اشتہار مرقومہ ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء مولوی ثناء اللہ کے ساتھ آخری فیصلہ") صاف طور پر بتاتا ہے کہ حضرت اس مسودۂ مباہلہ کو مکمل اسی صورت میں سمجھتے تھے جب ثناء اللہ بھی اس کے نیچے اپنی منظوری لکھدے۔ ورنہ اگر یکطرفہ دُعا ہوتی تو اس کے نیچے ثناء اللہ کے لکھنے یا نہ لکھنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔

۱۰۔ حضرت اقدسؑ کا لکھنا کہ "اس تمام مضمون کو اپنے پرچہ میں چھاپ دیں"۔ (مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۵۶۹ مرقومہ ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء) صاف طور پر ثابت کرتا ہے کہ حضرت کا منشاء یہی تھا کہ ثناء اللہ کے ہاتھ سے حضور کی دُعا اور اپنی تصدیق دونوں ایک ہی جگہ جمع ہو جائیں۔ تا مسودہ مباہلہ مکمل ہو کر ثناء اللہ کا خاتمہ کر دے۔

۱۱۔ مولوی ثناء اللہ خود لکھتا ہے :۔
"مرزا جی نے میرے ساتھ مُباہلہ کا ایک طولانی اشتہار دیا"۔ (مرقع قادیانی دسمبر ۱۹۰۷ء صفحہ ۳)

۱۲۔ "وہ (حضرت مسیح موعودؑ) اپنے اشتہار مباہلہ ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء میں چیخ اُٹھا تھا کہ اہلحدیث نے میری عمارت کو ہلا دیا ہے"۔ (اہلحدیث ۱۹ر جون ۱۹۰۸ء)

۱۳۔ حضورؑ لکھتے ہیں :۔
"میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام ہو جاتا ہے"۔

اور ہم ابھی حضرتؑ کے ملفوظات (از الحکم ۱۰ر اکتوبر ۱۹۰۷ء) سے دکھا چکے ہیں کہ یہ اصل صرف اور صرف مُباہلہ ہی کی صورت میں ہوتا ہے۔

۱۴۔ حضرت اقدسؑ نے اپنے اس اشتہار میں جو انجام جھوٹے کا تحریر فرمایا ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو انجام آتھم میں حضرتؑ نے جھوٹا مُباہلہ کرنیوالے کا تحریر فرمایا ہے۔ دیکھیں انجام آتھم صفحہ ۶۵ تا ۶۲، نیز دیکھیں صفحہ ۱۶۵۔

۱۵۔ مولوی ثناء اللہ لکھتا ہے۔ "مرزائیو! کسی نبی نے بھی اس طرح اپنے مخالفوں کو اس طریق سے فیصلہ کے لئے بُلایا ہے؟ بتلاؤ تو انعام لو"۔ (اہلحدیث ۲۶ر اپریل ۱۹۰۷ء)

اگر حضورؑ کا اشتہار ۱۵ر اپریل ۱۹۰۷ء (مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۵۶۹) محض یکطرفہ بددُعا تھی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں جو پہلے انبیاء میں نہ ملتی ہو اور جس کا ثناء اللہ کو انکار ہو جیسا کہ وہ لکھتا ہے :۔

"اس قسم کے واقعات بیشمار ملتے ہیں جن میں حضرات انبیاء علیہم السلام نے مخالفوں پر بد دعائیں کیں"
(روئداد مباحثہ لدھیانہ ص۹۶)

پس مولوی ثناء اللہ کے مطالبہ کا مطلب صرف یہی ہے کہ انبیاءؑ جب مباہلہ کے لئے بلاتے ہیں تو پہلے اپنے مخالفوں کی منظوری لے لیتے ہیں۔ یہاں پر حضرت نے ثناء اللہ کی بغیر منظوری کے اسکو شائع کر دیا۔ پس ثناء اللہ اس طریق کار کی مثال مانگتا تھا نہ کہ محض بد دعا کی۔ کیونکہ اس کے لئے منظوری کی ضرورت نہیں۔

ثنائی عذرات

ثناء اللہ کو عذر ہے کہ مباہلہ کے لئے شرط یہ تھی کہ حقیقۃ الوحی شائع ہونے اور ثناء اللہ کو بذریعہ رجسٹری بھیجنے کے بعد مباہلہ ہوگا۔ اب حضرت اقدسؑ نے حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے قبل ہی اسکو کیوں شائع کر دیا؟

سو اس کا جواب یہ ہے کہ ثناء اللہ نے اپنے اخبار اہلحدیث ۲۹ر مارچ ۱۹۰۷ء میں جب چیلنج مباہلہ دیا تو حضرتؑ نے اس کو مہلت دینا ہی پسند فرمایا کہ " باوجود اسقدر شوخیوں اور دلآزاریوں کے جو ثناء اللہ سے ہمیشہ ظہور میں آتی ہیں حضرت اقدس نے پھر بھی اس پر رحم کرکے فرمایا ہے کہ یہ مباہلہ چند روز کے بعد ہو جبکہ ہماری کتاب حقیقۃ الوحی چھپ کر شائع ہو جائے۔ (بدر ۴ر اپریل ۱۹۰۷ء ص۴ کالم ۲) لیکن چونکہ ثناء اللہ نے ۱۹ر اپریل ۱۹۰۷ء ص۴ کے اہلحدیث میں پھر فرار اختیار کر لینا تھا (جس کا حوالہ اوپر ذکر ہو چکا ہے ص۴۸۲) اور خدا تعالیٰ کو اس کا علم تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ۱۵ر اپریل ہی کو اس کے فرار کے شائع ہونے سے پہلے ہی دعا مباہلہ لکھنے کی ہدایت فرما دی، چنانچہ حضرت فرماتے ہیں:۔

" ثناء اللہ کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے یہ دراصل ہماری طرف سے نہیں بلکہ خدا ہی کی طرف سے اس کی بنیاد رکھی گئی ہے" (بدر ۲۵ر اپریل ۱۹۰۷ء ص۷ کالم ۲)

حضرت اقدسؑ کا ثناء اللہ سے کوئی "معاہدہ" نہ تھا کہ حقیقۃ الوحی چھپنے تک مباہلہ نہ ہوگا۔ یہ صرف حضورؑ کا اپنا ارادہ تھا بوجہ رحم کے۔ ثناء اللہ نے اس تجویز کی منظوری کا اعلان نہیں کیا تھا کہ وہ "معاہدہ" کی صورت اختیار کر لیتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت کے ارادہ کو (بوجہ اس فرار کے جو ثناء اللہ کرنیوالا تھا) بدل دیا۔ اس بات کا ثناء اللہ کے لئے کوئی فرق نہ تھا کہ مباہلہ حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے پہلے ہو یا بعد میں۔ کیونکہ وہ تو ۲۹ر مارچ ۱۹۰۷ء ص۱ کے اہلحدیث میں مباہلہ پر آمادگی ظاہر کر چکا تھا۔ اب مباہلہ حقیقۃ الوحی کے چھپنے سے قبل ہو یا بعد میں یہ حضرتؑ کی مرضی پر موقوف تھا۔ حضورؑ کا ارادہ کتاب کے چھپنے کے بعد مباہلہ کرنے کا تھا، تا ثناء اللہ کو ایک اور موقعہ دیا جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ثناء اللہ کی بدنیتی کو دیکھ کر فوراً حضرتؑ کے ارادہ کو بدل دیا پس ثناء اللہ کا اعتراض کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

ایڈیٹر صاحب بدر کی تحریر

باقی رہا مولوی ثناء اللہ کا یہ کہنا کہ بدر ۱۳ر جون ۱۹۰۸ء صلا کالم ۱ میں ایڈیٹر صاحب بدر نے لکھا ہے کہ مُباہلہ قرار نہیں پایا، تو اس کا جواب یہ ہے اول مولوی ثناء اللہ خود مانتا ہے کہ یہ تحریر ایڈیٹر صاحب بدر کی اپنی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "بے نور بدر کے ایڈیٹر نے کمال ایمانداری سے اپنا جواب تو شائع کر دیا" (مرقع قادیانی نومبر ۱۹۰۸ء ص۲۲۲)۔ (ب) خود ایڈیٹر صاحب مفتی محمد صادق صاحب اخبار بدر کا بیان ہے کہ یہ تحریر ان کی اپنی طرف سے تھی، حضور (مسیح موعودؑ) کے حکم یا علم سے نہیں لکھی گئی، جیسا کہ وہ لکھتے ہیں:۔

"اخبار بدر مورخہ ۱۳ر جون ۱۹۰۸ء ص۲ کالم ۱ میں جو نوٹ بعنوان نقل خط بنام مولوی ثناء اللہ صاحب شائع ہوا ہے، یہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کے مطالبہ حقیقۃ الوحی کا جواب ہے جو مَیں نے خود لکھا تھا اور یہ میرے ہی الفاظ ہیں۔ کیونکہ حضرت اقدسؑ نے اس کے متعلق کوئی ہدایت نہ دی تھی، مَیں نے اپنی طرف سے جواب لکھ دیا تھا اس بیان کی اشاعت مناسب ہے تاکہ کوئی شخص اس نوٹ کو حضرتؑ کی طرف منسوب کر کے مغالطہ نہ دے سکے۔" (تجلیات رحمانیہ ص۱۶۷ باراول از قلم ابوالعطاء اللہ دتہ جالندھری مطبوعہ دسمبر ۱۹۳۱ء)

جیسا کہ ہم اوپر ثابت کر چکے ہیں حضرت مسیح موعودؑ اس اشتہار کو دُعائے مباہلہ سمجھتے ہیں اور خود مولوی ثناء اللہ بھی اس کو دُعائے مباہلہ ہی قرار دیتا تھا تو اس کے بالمقابل ایڈیٹر صاحب بدر کی تحریر حجت نہیں ہو سکتی، جیسا کہ خود اہلحدیث حدیث کے مقابلہ میں کسی صحابی بلکہ حضرت علیؓ کی تفسیر تک کو نہیں مانتے۔

(اہلحدیث ۲ر اکتوبر ۱۹۳۱ء ص۱۲ کالم ۱ زیر عنوان "اقتداء اہل حدیث")

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اَیَّدَہُ اللہُ تعالیٰ کی تحریر

مولوی ثناء اللہ یہ کہا کرتا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے موقعہ پر جو مضمون "محمود اور خدائی مسیح کے دشمنوں کا مقابلہ" بعنوان "صادقوں کی روشنی" شائع کیا اس میں لکھا ہے کہ "یہ دُعا دُعائے مباہلہ نہیں تھی۔ اب تم کیوں اس کو مُباہلہ کی دُعا قرار دیتے ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صریحاً دھوکہ ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ اشتہار "آخری فیصلہ" دعائے مباہلہ نہ تھا۔ کیونکہ مباہلہ تو اس صورت میں ہوتا کہ ثناء اللہ بھی بالمقابل قسم کھاتا یا دُعا کرتا۔ مگر چونکہ اس نے بالمقابل دُعا نہیں کی اس لئے مباہلہ نہیں ہوا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اسی مضمون میں صفائی اور صراحت کے ساتھ اس مجوزہ طریق کار کو "مباہلہ" قرار دیا ہے اور پھر ثناء اللہ کے انکار کا ذکر کر کے فرمایا ہے کہ مباہلہ نہیں ہوا۔ چنانچہ چند اقتباسات اس مضمون سے یہاں درج کئے جاتے ہیں:۔

(۱) "یہ ایک فیصلہ کا طریق تھا جس سے جھوٹے اور سچے میں فرق ہو جاتے اور اس کی غرض سوائے اس

کے کچھ نہ تھی کہ حق اور باطل میں کچھ ایسا امتیاز پیدا ہو جاتے کہ ایک گروہ بنی نوع انسان کا اصل واقعات کی تہ تک پہنچ جاتے اور شرافت اور نیکی کا مقتضا یہ تھا کہ مولوی ثناء اللہ اس دُعا کو پڑھ کر اپنے اخبار میں شائع کر دیتا کہ ہاں مجھ کو یہ فیصلہ منظور ہے مگر جیسا کہ مَیں پہلے لکھ آیا ہوں اس کو سوائے ہوشیاری اور چالاکی کے اور کسی بات سے تعلق ہی نہیں ۔ اور اگر وہ ایسا کرتا تو خدا تعالیٰ اپنی قدرت دکھلاتا اور ثناء اللہ اپنی تمام گندہ دہانیوں کا مزہ چکھ لیتا اور اُسے معلوم ہو جاتا کہ ایک ذات پاک ایسی بھی ہے جو جھوٹوں اور سچوں میں فرق کر دکھلاتی ہے اور وہ جو بدی اور بد ذاتی کرتا ہے اپنے کئے کی سزا کو پہنچتا ہے اور شریر اپنی شرارت کی وجہ سے پکڑا جاتا ہے۔ مگر جبکہ برخلاف اس کے اس نے اس فیصلہ سے بھی انکار کیا اور لکھدیا کہ مجھ کو یہ فیصلہ منظور نہیں تو آج جبکہ حضرت صاحبؑ فوت ہو گئے ہیں اس کا یہ دعویٰ کرنا کہ میرے ساتھ مباہلہ کرنے کی وجہ سے فوت ہوئے ہیں اور یہ میری سچائی کی دلیل ہے، کہاں تک انصاف پر مبنی ہے ؟"

(تشحیذ الاذہان جلد ۳ نمبر ۶، ۷ صفحہ ۵۸، ۵۹ بابت ماہ جون، جولائی ۱۹۰۸ء
زیر عنوان محمود اور محمدی مسیح کے دشمنوں کا مقابلہ باب دوئم مولوی ثناء اللہ امرتسری)

(۲) " یہ جان بوجھ کر حضرتؑ کی وفات کو اس دُعا کی بناء پر قرار دیتا ہے کیونکہ باوجود اقرار کرنے کے کہ مَیں نے انکار کر دیا تھا پھر اپنی سچائی ظاہر کرتا ہے۔ کیا یہ اتنی بات سمجھنے سے بھی قاصر ہے کہ اس مباہلہ یا دُعا کی ضرورت تو سچے اور جھوٹے کے فیصلہ کے لئے تھی۔" (ایضاً صفحہ ۶۳)

(۳) " اُس وقت تو سچائی کے رُعب میں آ کر اس نے حیلہ بازی سے اپنا سر عذابِ الٰہی کے نیچے سے نکالنا چاہا۔ مگر جبکہ اس کے انکارِ مُباہلہ سے وہ عذاب اور طرح سے بدل گیا تو اس نے اس منسوخ شدہ فیصلہ کو پھر دوہرانا شروع کر دیا۔" (ایضاً صفحہ ۶۴)

مندرجہ بالا تینوں اقتباسات سے صاف طور پر عیاں ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اشتہار ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء کو مسودہ اور دُعائے مُباہلہ ہی قرار دیا ہے اور ثناء اللہ کے انکار کو انکارِ مُباہلہ کے لقب سے موسوم کیا ہے۔ پس ثناء اللہ کا یہ کہنا کہ حضرتؑ نے اس کو دُعائے مُباہلہ قرار نہیں دیا سرتاسر دھوکہ ہے۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے حافظ محمد حسن مرحوم اہلحدیث لاہور کے مطالبہ کے جواب میں مندرجہ ذیل حلفی بیان دیا:۔

"مَیں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر جان کر شہادت دیتا ہوں کہ مجھے کامل یقین ہے کہ اگر مولوی ثناء اللہ صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مقابلہ پر اس اعلان کے مطابق آتے جو آپ نے مولوی ثناء اللہ صاحب کے خلاف ۱۹۰۷ء میں کیا تھا تو وہ ضرور ہلاک ہوتے، اور مجھے یہ یقین ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر جو مَیں نے مضمون لکھا تھا اس میں بھی لکھ چکا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب کے ساتھ آخری فیصلہ کے متعلق جو کچھ حضرت مسیح موعودؑ نے لکھا تھا وہ دُعاء مُباہلہ تھی۔ پس چونکہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے اس کے مقابل پر دُعا نہیں کی بلکہ اس کے مطابق فیصلہ چاہنے سے انکار کر دیا وہ مباہلہ کی صورت میں تبدیل نہ ہوئی اور مولوی صاحب عذاب سے ایک مدت کے لئے بچ گئے۔ میری اس تحریر

کے شاہد میری کتاب "صادقوں کی روشنی" از حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی (ایڈیشن اول ۲ر جولائی ۱۹۰۸ء شائع شدہ) کے یہ فقرات ہیں :۔

"مگر جب کہ اس کے انکارِ مباہلہ سے وہ عذاب اور طرح سے بدل گیا تو اس نے منسوخ شدہ فیصلہ کو پھر دُہرانا شروع کر دیا۔" نیز "اگر وہ ایسا کرتا تو خداوند تعالیٰ اپنی قدرت دکھلاتا اور ثناء اللہ اپنی گندہ دہانیوں کا مزہ چکھ لیتا۔" (صادقوں کی روشنی صٓ۳) غرض میرا یہ ہمیشہ سے یقین ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی دُعا دُعاءِ مُباہلہ تھی لیکن بوجہ اس کے کہ مولوی صاحب نے اس کے قبول کرنے سے انکار کیا وہ دُعا مُباہلہ نہیں تھی اور اللہ تعالیٰ نے عذاب کے طریق کو بدل دیا۔"

خاکسار

مرزا محمود احمد ۱۶ ۳/۳۱

جُملہ خبریّہ

مولوی ثناء اللہ صاحب کہا کرتے ہیں کہ "آخری فیصلہ" (مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صٓ۵۷۹ از الشرکۃ الاسلامیہ) کے اشتہار میں سب جُملے خبریّہ ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ اشتہار بطور پیشگوئی کے ہے۔ نیز حضرت کا الہام ہے اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (الہام مورخہ ۱۴ر اپریل ۱۹۰۷ء۔ تذکرہ صٓ۸۱ ایڈیشن سوم ۱۹۶۹ء از الشرکۃ الاسلامیہ، مطبوعہ بدر جلد ۶ نٓ۱۶ ۱۸ر اپریل ۱۹۰۷ء صٓ۳ و الحکم جلد ۱۱ نٓ۱۳ ۱۷ر اپریل ۱۹۰۷ء صٓ۲)

۱۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب حضرتؑ نے اس میں صاف طور پر لکھدیا ہے کہ "یہ کسی الہام یا وحی کی بناء پر پیشگوئی نہیں محض دعا کے طور پر میں نے فیصلہ چاہا ہے۔" پھر اس کو کس طرح پیشگوئی قرار دیا جا سکتا ہے؟ اور پھر "دُعا" کو "جملہ خبریہ" قرار دینا بھی ثناء اللہ جیسے "عالم" کے سوا اور کسی کا کام نہیں کیونکہ "دعا" کبھی جملہ خبریہ نہیں ہو سکتا بلکہ وہ ہمیشہ "جملہ انشائیہ" ہوتا ہے۔

۲۔ حضرتؑ کا الہام اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ ...... اگر فرض کر لیا جائے کہ وہ اسی دُعا کے متعلق ہے تو پھر بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ جیسا کہ ہم ثابت کر آئے ہیں کہ یہ دُعائے مباہلہ تھی جس کا نتیجہ اس صورت میں نکلنا تھا کہ فریقین اس پر متفق ہو جاتے اور اس کی منظوری کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ اگر فریق ثانی نے اس طریق فیصلہ کو منظور کر لیا تو یقیناً یقیناً وہ ہلاک ہو جائے گا۔ جیسا کہ آنحضرتؐ نے نجران کے مغرور عیسائیوں کے متعلق فرمایا ہے کہ لَوْ تَمَّ الْحَوْلُ عَلَى النَّصَارٰی كُلِّهِمْ حَتّٰی یَهْلِكُوْا (تفسیر کبیر للامام الفخر الرازی صٓ۸۵ جلد ۸ مصری نیا ایڈیشن ۱۹۳۸ء زیر آیت ۶۲ سورۃ آل عمران صٓ۶۹۹) گویا آنحضرتؐ کی طرف سے جو دُعا لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ (آل عمران: ۶۲) قرآن مجید میں مذکور ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرما لیا۔ اور اگر عیسائی اس طریق فیصلہ کو منظور کر لیتے تو وہ یقیناً یقیناً ہلاک ہو جاتے۔

لطیفہ۔ ثناء اللہ :۔ آپ لوگ تو مجھ کو ابوجہل کہا کرتے ہیں۔ خدا نے مرزا صاحب کی دُعا کے اثر کو ابوجہل کی خواہش کے مطابق کیوں بدل دیا؟ ابوجہل تو آنحضرتؐ سے پہلے مر گیا تھا۔

احمدی :۔ اگر محض یہ دُعا ہوتی تو نہ ٹلتی۔ وہ دُعائے مُباہلہ تھی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کے قانون کے مطابق سچے کے بالمقابل جھوٹے فریق کی منظوری بھی ضروری ہے (جس کی تفصیل اوپر مذکور ہے) لیکن ابوجہل اوّل نے تو بددُعا کی تھی کہ اے اللہ اگر آنحضرتؐ سچے ہیں تو مجھ کو ہلاک کر۔ اس سے وہ ہلاک ہو گیا تم بھی ذرا اسی قسم کی بددُعا کرو، پھر اگر بچ جاؤ تو ہم تمہیں "ابوجہل" نہیں کہیں گے۔ تم "ابوجہل" کے لقب پر فخر کیا کرتے ہو، ذرا ابوجہل کی مماثلت کو پورا بھی کرو تو بات ہے۔ بددُعا کرکے پھر بچ کر یہ ثابت کیوں نہیں کر دیتے کہ درحقیقت تم ابوجہل نہیں ہو؟

ایک اور ثبوت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات تک مولوی ثناء اللہ اشتہار آخری فیصلہ کو "دُعائے مباہلہ" اور "مسودہ مُباہلہ" ہی سمجھتا رہا۔ چنانچہ اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء (تاریخ دُعا) سے ایک سال کا عرصہ گزر گیا تو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات سے چند دن پہلے اپنے ایک مضمون میں جو مُرقع قادیانی میں پہلی جون کو چھپا لکھتا ہے :۔

"مرزائی جماعت کے جوشیلے ممبرو! اب کس وقت کے منتظر ہو۔ تمہارے پیر مغاں کی مقرر کردہ مُباہلہ کی میعاد کا زمانہ تو گزر گیا۔"

(مرقع قادیانی یکم جون ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۸)

گویا وہ اس اشتہار کو دُعا مُباہلہ ہی قرار دیتا ہے، مگر کہتا ہے کہ دیکھو میں ایک سال میں نہیں مرا اور نہ مرزا صاحب فوت ہوتے۔ لہٰذا وہ دُعا بے اثر گئی لیکن جب بعد ازاں حضورؑ فوت ہو گئے تو جھٹ کہنے لگ گیا کہ مُباہلہ کے نتیجہ میں مرزا صاحبؑ فوت ہوتے ہیں۔ اس پر جب اسے پکڑا گیا کہ مُباہلہ تو اس صورت میں ہوتا کہ تم بھی اس کا اقرار کرکے بددُعا کرتے، تو (اپنی غلطی محسوس کرتے ہوتے) جھٹ پینترا بدلا۔ اور اب یہ کہتا ہے کہ وہ مُباہلہ کی دُعا نہیں تھی، بلکہ یک طرفہ دُعا تھی۔ سچ ہے جیسا کہ حضرت فرماتے ہیں ؎

بدگمانی نے تمہیں مجنون و اندھا کر دیا
ورنہ تھے میری صداقت پر براہیں بیشمار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۰۱ و درثمین اُردو صفحہ ۱۲۰)

۴۔ اپنی عمر کے متعلق پیشگوئی

حضرت مسیح موعودؑ کو خدا تعالیٰ نے فرمایا۔ ثَمَانِيْنَ حَوْلًا اَوْ قَرِيْبًا مِّنْ ذٰلِكَ (الہام ۱۸۶۵ء۔ تذکرہ صفحہ ۳۹۰، از الشرکۃ اسلامیہ) کہ تیری عمر اسی برس یا اس کے قریب ہوگی۔ حضورؑ فرماتے ہیں: "جو ظاہر الفاظ وحی کے وعدہ کے متعلق ہیں وہ تو چوہتر اور چھیاسی کے اندر اندر عمر کی تعیین کرتے ہیں۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۷ حاشیہ)

پھر حضورؑ کو الہام ہوا:۔

"اسّی یا اس پر پانچ چار زیادہ یا پانچ چار کم"

(حقیقۃ الوحی ص۹۶)

چنانچہ اس پیشگوئی کے مطابق حضرت مسیح موعودؑ ساڑھے پچھتر (۷۵½) سال کی عمر میں فوت ہوئے۔

طرزِ تحقیق

کسی کی عمر کا ٹھیک حساب لگانے کے لئے دو باتوں کا علم ضروری ہے:۔

(۱) تاریخ پیدائش۔ (۲) تاریخ وفات۔ حضرت اقدسؑ کی تاریخ وفات ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء ہے۔ مگر حضور کی تاریخ پیدائش حضرت کی کسی کتاب میں درج نہیں۔ کیونکہ حضورؑ کی پیدائش جس زمانہ میں ہوئی اس میں پیدائش کی یاد داشت رکھنے کا دستور نہ تھا اور نہ کوئی سرکاری رجسٹر تھے جن میں اس کا اندراج ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ محض اندازوں کے باعث حضرت صاحبؑ کی عمر کے متعلق متعدد تحریرات میں مختلف اندازے لکھے ہوتے ہیں۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"عمر کا اصل اندازہ تو خدا تعالیٰ کو معلوم ہے مگر جہاں تک مجھے معلوم ہے اب اس وقت جو سن ہجری ۱۳۲۳ھ ہے میری عمر ستّر برس کے قریب ہے۔ واللہ اعلم۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۳)

پس معلوم ہوا کہ حضور کی تاریخ پیدائش محفوظ نہیں۔ بایں بعض ایسے قرائن اور تعیینیں حضرتؑ کے ملفوظات میں موجود ہیں جن سے صحیح اور پکا اور پختہ علم حضور کی تاریخ پیدائش کا ہو جاتا ہے۔ چنانچہ از رُوئے حساب حضور کی تاریخ پیدائش ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء بروز جمعہ ثابت ہوتی ہے جس کے لئے جو دلائل ہیں ان کو درج ذیل کیا جاتا ہے۔

اندازہ عمر میں اختلاف

لیکن پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ عمر کے اندازہ میں اختلاف کوئی قابل اعتراض چیز نہیں۔ ایسا اختلاف ابتداء سے ہی چلا آتا ہے۔ چنانچہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر کے اندازے میں بھی اختلاف ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"بعض ساٹھ (۶۰) برس کی اور بعض باسٹھ (۶۲) برس چھ مہینے کی اور بعض پینسٹھ (۶۵) برس کی کہتے ہیں۔ مگر ارباب تحقیق تریسٹھ (۶۳) برس لکھتے ہیں۔"

(احوال الانبیاء فی تفریح الاذکیاء باب تتمہ در احوال جناب رسالتماب جلد ۲ ص۳۳۰)

اب دیکھو کہ باوجود اس کے کہ آنحضرتؐ کی پیدائش کے تمام حالات محفوظ ہیں پھر بھی حضور کی تاریخ

ولادت کے متعلق اختلاف ہے اور یہ محض اندازہ کے باعث ہے۔ پس اسی قسم کا اختلاف حضرت اقدسؑ کی عمر کے متعلق بھی ہے۔ اور مختلف مقامات پر محض اندازاً عمر لکھی گئی ہے جو حساب کرکے اور گن کر نہیں بتائی گئی، جیسے عام طریق ہے کہ عمر کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے کہا کرتے ہیں کہ فلاں کی عمر ۶۰ - ۷۰ کی ہوگی۔ وہ ۷۰ - ۸۰ کا ہے میری عمر ۴۰ - ۴۵ سال کی ہے۔ اب خواہ ۵ - ۱۰ سال کا اختلاف کتنا اہم ہو پھر بھی طریق کلام یہی ہے۔ پس محض اسی قسم کے اندازہ کو بطور دلیل پیش کرنا اور "تناقض" قرار دے کر اس پر اعتراض کرنا نادانی ہے۔

تاریخ پیدائش کی تعیین

ہم نے حضرتؑ کی جو تاریخ ولادت لکھی ہے اس کے لئے مندرجہ ذیل دلائل ہیں

حضرت مسیح موعودؑ تحریر فرماتے ہیں:۔

(۱) "عاجز بروز جمعہ چاند کی چودہویں تاریخ میں پیدا ہوا ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ صـ۱۱۱ حاشیہ طبع اول)

(۲) "میری پیدائش کا مہینہ پھاگن تھا۔ چاند کی چودہویں تاریخ تھی، جمعہ کا دن تھا اور پچھلی رات کا وقت تھا۔"

(ذکر حبیب از مفتی محمد صادق صاحب صـ۲۳۸ و صـ۲۳۹)

اب مندرجہ بالا قطعی اور یقینی تعیین سے کہ جس میں کسی غلطی یا غلط فہمی کی گنجائش نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تاریخ پیدائش کا از روئے حساب معلوم کرنا نہایت آسان ہے کیونکہ پھاگن کے مہینہ میں جمعہ کا دن اور چاند کی چودہویں تاریخ مندرجہ ذیل سالوں میں جمع ہوئیں:۔

(تفصیل اگلے صفحہ پر ملاحظہ ہو)

تاریخ انگریزی	تاریخ اسلامی (چاند)	دن	تاریخ ہندی	
۱۴ر فروری ۱۸۳۱ء	۲۰ر شعبان ۱۲۴۶ھ	جمعہ	۷ر پھاگن ۱۸۸۸ بکرم	تقویم عمری ایک سو پچیس برس کی جنتری ص۱۰۱ مرتبہ میاں معراج الدین عمر معراج منزل نولکھا لاہور
۱۷ر فروری ۱۸۳۲ء	۱۴ر رمضان ۱۲۴۷ھ	جمعہ	یکم پھاگن ۱۸۸۸ بکرم	〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۱۰۳ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۱۸ر فروری ۱۸۳۳ء	۱۷ر رمضان ۱۲۴۸ھ	جمعہ	۴ر پھاگن ۱۸۸۹ بکرم	〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۱۰۵ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۲۸ر فروری ۱۸۳۴ء	۱۸ر شوال ۱۲۴۹ھ	جمعہ	۵ر پھاگن ۱۸۹۰ بکرم	〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۱۰۷ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء	۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ	جمعہ	یکم پھاگن ۱۸۹۱ بکرم	〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۱۰۹ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۲۵ر فروری ۱۸۳۶ء	۱۷ر شوال ۱۲۵۱ھ	جمعہ	۳ر پھاگن ۱۸۹۲ بکرم	〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۱۱۱ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۲۴ر فروری ۱۸۳۷ء	۱۸ر ذیقعد ۱۲۵۲ھ	جمعہ	۴ر پھاگن ۱۸۹۳ بکرم	〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۱۱۳ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۹ر فروری ۱۸۳۸ء	۲۰ر ذیقعد ۱۲۵۳ھ	جمعہ	۷ر پھاگن ۱۸۹۴ بکرم	〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۱۱۵ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
یکم فروری ۱۸۳۹ء	۱۵ر ذیقعد ۱۲۵۴ھ	جمعہ	۳ر پھاگن ۱۸۹۵ بکرم	〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۱۱۷ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃
۲۱ر فروری ۱۸۴۰ء	۱۶ر ذی الحج ۱۲۵۵ھ	جمعہ	۴ر پھاگن ۱۸۹۶ بکرم	〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۱۱۹ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

(التوفیقات الالہامیہ مصری از محمد مختار پاشا مصری صفحہ ۶۲۴ وصفحہ ۶۲۸) 〃 〃 〃 〃 〃 ص۱۰۱ تا ص۱۱۹ 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃

۱۷ر فروری ۱۸۳۲ء - ۱۴ر رمضان ۱۲۴۷ھ جمعہ - یکم پھاگن ۱۸۸۸ بکرمی (التوفیقات الالہامیہ از محمد مختار پاشا مصری ص۶۲۴)

۲۱ر فروری ۱۸۴۰ء - ۱۶ر ذی الحج ۱۲۵۵ھ جمعہ - ۴ پھاگن ۱۸۹۶ بکرمی (〃 〃 〃 〃 〃 〃 ص۶۲۸)

(دیکھو توفیقاتِ الہامیہ مصری و تقویم عمری ہندی)

اِس نقشہ سے صاف طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ماہ پھاگن میں جمعہ کو چاند کی چودھویں تاریخ صرف دو سالوں میں آئی۔ (۱) ۱۷ فروری ۱۸۳۲ء۔ (۲) ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ ہجری۔

اب حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری تحریرات کو دیکھیں تو بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہی تاریخ درست ہے۔

"یہ عجیب امر ہے اور میں اسکو خدا تعالیٰ کا ایک نشان سمجھتا ہوں کہ ٹھیک بارہ سو نوے ۱۲۹۰ ہجری میں خدا تعالیٰ کی طرف سے یہ عاجز شرفِ مکالمہ و مخاطبہ پا چکا تھا۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۹۹ پہلا ایڈیشن)

گویا ٹھیک ۱۲۹۰ھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر سلسلہ وحی والہام شروع ہوا اس وقت حضورؑ کی عمر کتنی تھی؟ فرماتے ہیں:۔

جب میری عمر چالیس برس تک پہنچی تو خدا تعالیٰ نے اپنے الہام اور کلام سے مجھے مشرف کیا۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۶۸ پہلا ایڈیشن)

پھر دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

تھا برس چالیس کا مَیں اس مسافر خانہ میں
جبکہ مَیں نے وحیِ ربانی سے پایا افتخار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۰۵)

پس ثابت ہوا کہ ۱۲۹۰ھ میں حضورؑ کی عمر ۴۰ برس کی تھی۔ ۱۲۹۰ — ۴۰ = ۱۲۵۰ پس حضور کی پیدائش کا سال ۱۲۵۰ھ ثابت ہوا۔

غرضیکہ مندرجہ بالا تحقیق کی رو سے قطعی اور یقینی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت اقدسؑ کی تاریخ ولادت ۱۴ شوال ۱۲۵۰ھ مطابق ۱۳ فروری ۱۸۳۵ء بروز جمعہ ہے۔ حضرت کی وفات ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ہوئی۔ اب ۱۳۲۶ — ۱۲۵۰ = ۷۶ سال۔ گویا حضورؑ کی عمر ۷۵ سال ۶ مہینے اور ۱۰ دن ہوئی۔ جو عین پیشگوئی کے مطابق ہے۔

ایک دھوکا

بعض مخالفین حضرت اقدسؑ کی بعض ایسی تحریرات پیش کر کے دھوکا دیا کرتے ہیں جن میں حضورؑ نے تحریر فرمایا ہے کہ مَیں چودھویں صدی کے سر پر آیا اور اس سے مراد ۱۳۰۰ھ لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ غلط ہے "صدی کے سر" سے مراد صدی کے پہلے سال کے شروع ہونے سے دس سال پہلے یا ۱۰، ۲۰ سال بعد تک کا زمانہ ہوتا ہے، یعنی جب پہلی صدی کے ۸۰، ۹۰ سال گزر جاتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ اگلی صدی کا سرا آ پہنچا ہے۔ اور جب اگلی صدی میں سے ۱۰، ۱۵ سال گزر جاتے ہیں تب بھی وہ اس صدی کا سر ہی کہلاتا ہے کیونکہ یہی طریق کلام ہے کہ جب حساب دہاکوں کا ہو تو کسور حذف ہو جاتی ہیں۔ یعنی

ایک سے ۹ تک اور جب حساب صدیوں کا ہو تو اس کی کسور دہاکے ہوتے ہیں جو حذف کر دیئے جاتے ہیں اور ہزاروں کے حساب میں کسور صدیاں ہوتی ہیں۔ چنانچہ دیکھو لو آنحضرتؐ نے فرمایا تھا۔ اَخْبَرَنِیْ اِنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ عَاشَ عِشْرِیْنَ وَمِائَۃَ سَنَۃٍ وَلَا اَرَانِیْ اِلَّا ذَاہِبًا عَلٰی رَأْسِ السِّتِّیْنَ (حجج الکرامہ ص۴۲۸ از نواب محمد صدیق حسن خانصاحب) کہ میں ۶۰ برس کے سر پر پہنچوں گا۔ اب حضورؐ کی عمر پورے ۶۰ سال کی نہیں تھی بلکہ ۶۳، ۶۵ سال تھی۔ جیساکہ (احوال الانبیاء جلد ۲ ص۳۳) کے حوالہ سے اوپر درج ہو چکا ہے اب ۶۳ یا ۶۵ کو بھی ۶۰ کا "سر" ہی کہیں گے کیونکہ اہل عرب میں کسور حذف کر دیئے جاتے ہیں۔

۲۔ اسی طرح سے نبراس شرح عقاید نسفی ص۵۸۵ پر ہے وَجَاءَ فِیْ رِوَایَۃٍ اَنَّہٗ یَمْکُثُ خَمْسًا وَّاَرْبَعِیْنَ ۔۔۔۔۔ فَلَا یُنَافِیْہِ حَدِیْثُ اَرْبَعِیْنَ لِاَنَّ الشَّیْئَ کَثِیْرًا مَا یُحْذَفُ "کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ امام مہدی ۴۵ برس زندہ رہے گا۔ یہ دوسری حدیث کے جس میں ۴۰ برس آتا ہے خلاف نہیں کیونکہ عام طور پر کسور کو دہاکوں میں سے حذف کر دیا جاتا ہے۔

۳۔ نواب صدیق حسن خانصاحب لکھتے ہیں:۔

"اولیتِ مائۃ تابست وپنج سال از آغاز ہر مائۃ محتمل ست" بلکہ تا نصف مائۃ" (حجج الکرامہ ص۱۳۴)

"کہ صدی کے سر سے مراد صدی کے شروع ہونے سے ۲۵ سال تک بلکہ ۵۰ سال تک ہو سکتی ہے"۔ غرضیکہ حضرت اقدسؑ نے جس جس جگہ چودہویں صدی کے "سر" پر اپنا ظاہر ہونا یا آنا لکھا ہے، تو اس سے مراد ۱۲۹۰ھ ہی ہے نہ کہ ٹھیک ٹھیک ۱۳۰۰ھ۔ پس اس دھوکہ سے بچنا چاہیئے۔

دیگر اندازے

جیساکہ اوپر درج ہوا حضرت اقدسؑ کی تاریخ پیدائش کی تعیین ہو جانے کے باعث حضرتؑ کی عمر ٹھیک ٹھیک معلوم ہو گئی کہ عین پیشگوئی کے مطابق تھی، لیکن چونکہ بعض تحریرات مخالفین اس قسم کی پیش کیا کرتے ہیں جن میں محض اندازہ کی بناء پر عمر بیان کی گئی ہے اور وہ بوجہ اندازے ہونے کے حجت اور دلیل نہیں بن سکتے۔ لیکن یہ بتانے کے لئے کہ محض اندازے کی بناء پر جو عمر بتائی جاتے وہ قطعی اور یقینی نہیں ہوتی۔ خود حضرت اقدسؑ کی بعض تحریرات پیش کی جاتی ہیں جن سے حضرت اقدسؑ کی عمر حضورؑ کی تاریخ وفات تک ۷۴ اور ۷۶ کے درمیان ہی ثابت ہوتی ہے:۔

۱۔ "میری طرف سے ۲۳ راگست ۱۹۰۳ء کو ڈوئی کے مقابل پر انگریزی میں یہ اشتہار شائع ہوا تھا، جس میں یہ فقرہ ہے کہ میں عمر میں ستر برس کے قریب ہوں اور ڈوئی جیساکہ وہ بیان کرتا ہے پچاس برس کا جوان ہے"۔ (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۷۷ حاشیہ و مجموعہ اشتہارات جلد سوم ص۵۶۴)

گویا ۲۳ راگست ۱۹۰۳ء کو حضرتؑ کی عمر ۷۰ برس کے قریب تھی اس کے ۵ سال بعد ۱۹۰۸ء میں حضورؑ فوت ہوئے، تو بوقت وفات آپ کی عمر ۷۵ برس کے قریب ثابت ہوتی اور قمری لحاظ سے ۷۷ برس۔

۲۔ د۔ "مجھے دکھلاؤ کہ آتھم کہاں ہے؟ اس کی عمر تو میری عمر کے برابر تھی یعنی قریب ۶۴ سال کے۔ اگر شک ہو تو اس کی پنشن کے کاغذات دفتر سرکاری میں دیکھ لو۔" (اعجاز احمدی ص۳)

ب۔ "آتھم کی عمر قریباً میرے برابر تھی۔"

(انجام آتھم صفحہ ۷)

ج۔ "مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷ رجولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروز پور فوت ہوگئے۔"

(انجام آتھم ص۱)

گویا حضرتؑ کی عمر بوقت وفات ۶۴ + ۱۲ = ۷۶۔ گویا قریباً ۷۶ سال ہوئی۔

نوٹ:۔ بعض لوگ اخبار بدر ۸ راگست ۱۹۰۴ء ص۵ کالم ۳ کا حوالہ دیکر یہ مغالطہ دیا کرتے ہیں کہ گویا اس حوالہ میں "حضرت مرزا صاحب (مسیح موعودؑ) نے کتاب اعجاز احمدی کی تصنیف کے وقت جو آپ کی عمر تھی، اس کا مقابلہ عبداللہ آتھم کی عمر سے کیا ہے۔" (بدر ۸ راگست ۱۹۰۴ء ص۵ کالم ۳) حالانکہ خوب اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیئے کہ یہ بالکل غلط ہے۔ حضرت اقدسؑ کی ایک دوسری تحریر اس بات کو بالکل واضح کر دیتی ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ آتھم کی زندگی ہی میں آتھم کو مخاطب کرکے فرماتے ہیں کہ "اگر آپ چونسٹھ (۶۴) برس کے ہیں، تو میری عمر بھی قریباً ساٹھ (۶۰) کے ہو چکی۔"

(اشتہار ۵ راکتوبر ۱۸۹۴ء منقول از تبلیغ رسالت جلد ۳ ص۱۶۰ بار اوّل۔ مجموعہ اشتہارات جلد ۲)

گویا اس حساب سے ۱۸۹۴ء میں حضرتؑ کی عمر قریباً ۶۰ تھی، اس کے ۱۴ سال بعد ۱۹۰۸ء میں آپ فوت ہوئے۔ ۶۰ + ۱۴ = ۷۴ اور قمری ۷۶۔ گویا حضرت مسیح موعودؑ کی عمر عبداللہ آتھم کی عمر کے مطابق حساب کی رُو سے کم سے کم ۷۴ سال بنتی ہے جو عین پیشگوئی کے مطابق ہے۔ اس حوالہ سے یہ بھی ثابت ہوگیا ہے کہ ۱۹۰۲ء میں اعجاز احمدی کی تصنیف کے وقت آپ کی عمر قریباً ۶۸ سال تھی نہ کہ ۶۴ سال، جیسا کہ مخالفین بدر کی عبارت پیش کرکے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔

۳۔ حضرت اقدسؑ اپنی کتاب نصرۃ الحق ۱۹۰۵ء ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۷ میں یہ تحریر فرما کر خدا نے مجھے بتایا کہ میری عمر ۸۰ سے پانچ سال کم و بیش ہوگی۔ فرماتے ہیں:۔ "اب میری عمر ستّر برس کے قریب ہے۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۷) اس کے تین سال بعد آپ فوت ہوئے۔ تو اس لحاظ سے آپکی عمر ۷۳ سال کے قریب اور قمری لحاظ سے ۷۵ سال کے قریب ثابت ہوئی۔

مخالفین کی شہادت

۱۔ ظفر علی خان آف زمیندار کے والد مولوی سراج الدین صاحب نے حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر لکھا:۔

"مرزا غلام احمد صاحب ۱۸۶۰ء یا ۱۸۶۱ء کے قریب سیالکوٹ میں محرر تھے اس وقت آپ کی عمر ۲۲، ۲۴ سال کی ہوگی۔ اور ہم چشم دید شہادت سے کہہ سکتے ہیں کہ جوانی میں بھی نہایت صالح اور متقی بزرگ تھے۔"

(اخبار زمیندار ۸ رجون ۱۹۰۸ء ص۸ بحوالہ عسلِ مصفّی جلد ۲ ص۱۳۴)

۲۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری:۔ "مرزا صاحب..... کہہ چکے ہیں کہ میری موت عنقریب ۸۰ سال سے

کچھ نیچے اوپر ہے جس کے سب زینے غالباً آپ طے کرچکے ہیں۔" (اہلحدیث ۳ رمئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۳ کالم ۲)
اس تحریر کے پورا ایک سال بعد حضور فوت ہوتے۔

۳۔ "چنانچہ خود مرزا کی عمر بقول اس کے ۷۵ سال کی ہوئی۔"

(اہلحدیث ۲۱ رجولائی ۱۹۰۸ء صفحہ ۳ کالم ۲)

۴۔ "مرزا صاحب رسالہ اعجاز احمدی میں عبداللہ آتھم ..... عیسائی کی بابت لکھتے ہیں۔" اسکی عمر تو میری عمر کے برابر تھی، یعنی قریب ۶۴ سال کے" (اعجاز احمدی صفحہ ۳)۔ اس عبارت سے پایا جاتا ہے کہ عبداللہ آتھم کی موت کے وقت مرزا صاحب کی عمر ۶۴ سال کی تھی۔ آیئے اب ہم تحقیق کریں کہ آتھم کب مرا تھا؟ شکر ہے کہ اس کی موت کی تاریخ بھی مرزا صاحب کی تحریروں میں پائی جاتی ہے۔ مرزا صاحب رسالہ انجام آتھم ص۱ روحانی خزائن جلد ۱۱ ص۱ پر لکھتے ہیں۔ "چونکہ مسٹر عبداللہ آتھم صاحب ۲۷ رجولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروز پور فوت ہوگئے ہیں۔" اس عبارت سے معلوم ہوا کہ ۱۸۹۶ء میں مرزا صاحب کی عمر ۶۴ سال کے قریب تھی بہت خوب! آیئے اب یہ معلوم کریں کہ آج ۱۹۰۸ء میں ۱۸۹۶ء کو گزرے ہوئے کے سال ہوتے۔ ہمارے حساب میں (اگر کوئی مرزائی غلطی نہ نکالے تو) گیارہ سال ہوتے ہیں۔ بہت اچھا ۶۴ کے ساتھ ۱۱ کو ملانے سے ۷۵ سال ہوتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ مرزا صاحب کی عمر آجکل ۷۵ سال ہے۔" (مرقع قادیانی فروری ۱۹۰۸ء صفحہ ۱۲)
گویا فروری ۱۹۰۸ء میں حضرت کی عمر بقول ثناء اللہ ۷۵ سال تھی، اس کے تین مہینے بعد حضور فوت ہوتے تو حضرت کی عمر بہرحال مذکورہ بالا عمر سے زیادہ ہی ہوگی، کم تو نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ اب ثناء اللہ اور دوسرے دشمن کہتے ہیں۔

۵۔ "جو شخص ستر برس سے متجاوز ہو (جیسے خود بدولت (مرزا صاحبؑ۔ خادم) بھی ہیں۔"

{ تفسیر ثنائی مطبوعہ ۱۸۹۹ء حاشیہ ۲ برآیت اِنِّیْ مُتَوَفِّیْکَ
(آل عمران: ۵۶) جلد دوم ص۱۴۲ وطبع دوم صفحہ ۹۰ }

گویا ۱۸۹۹ء میں حضرت کی عمر ۷۰ سال سے زیادہ تھی، ۱۹۰۸ء میں یعنی ۹ سال بعد آپ فوت ہوئے، تو اس حساب سے حضور کی عمر ۷۹ سال سے زیادہ ثابت ہوتی۔

۶۔ مولوی محمد حسین بٹالوی رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۱۵ نمبر ۸ ص۱۹۱ ۱۸۹۳ء میں حضرت کے متعلق سخت غصہ میں آکر لکھتا ہے:۔ "۶۳ برس کا تو وہ ہوچکا ہے۔" اس کے بعد حضرت اقدس ۱۴ برس زندہ رہے گویا ۶۳ + ۱۴ = ۷۷ سال ہوئی اور یہ امر خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی عمر کے متعلق مولوی محمد حسین بٹالوی کی یہ شہادت جو اس نے حضرتؑ کی وفات سے قبل دی۔ بمقابلہ مخالفین سب سے زیادہ قابل استناد ہے، کیونکہ وہ حضرت کا بچپن سے دوست اور ہم مکتب بھی تھا۔ چنانچہ وہ خود لکھتا ہے۔
"مؤلف براہین احمدیہ کے حالات وخیالات سے جسقدر ہم واقف ہیں ہمارے معاصرین سے ایسے واقف کم نکلیں گے۔ مؤلف صاحب ہمارے ہم وطن ہیں بلکہ اوائل عمر کے (جب ہم قطبی وشرح ملا پڑھا کرتے تھے) ہمارے ہم مکتب بھی۔" (اشاعت السنۃ جلد ۷ نمبر ۶ تا ۱۱ بابت سال ۱۸۸۴ء ص۱۶۹ ص۱۷۰)

ایک اعتراض اور اسکا جواب

بعض مخالفین نے اعتراض کیا ہے کہ جب حضرت اقدسؑ کی تاریخ پیدائش ہی معلوم نہیں تو پھر عمر کی پیشگوئی دلیل صداقت کیونکر ہوسکتی ہے کیونکہ اس کا صدق وکذب معلوم نہیں ہوسکتا۔

جواب ۱۔ اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدسؑ ہی کے ملفوظات میں ایسے قرائن جمع کرا دیئے تھے کہ جن سے تاریخ پیدائش معلوم ہوکر تم پر حجت ہوسکتی تھی۔ چنانچہ اب جبکہ تاریخ پیدائش تحقیق کے روسے معین ہوگئی تو تمہارا اعتراض بھی ساتھ ہی اُڑ گیا۔

۲۔ اس کا دوسرا جواب یہ ہے کہ فرض کرو کہ تاریخ پیدائش معین نہ بھی ہوتی۔ پھر بھی یہ پیشگوئی دلیل صداقت تھی۔ وہ اس طرح سے کہ:۔

(۱) مخالفینِ احمدیت مثلاً مولوی ثناء اللہ امرتسری و مولوی محمد حسین بٹالوی وغیرہ کی شہادت غیر احمدیوں پر حجت ہے۔

(۲) یہ بات کہ حضورؑ کی عمر چہتر ۷۴ اور چھیاسی ۸۶ کے درمیان ہوگی، الہام الٰہی کی بناء پر معلوم ہوئی۔ اب حضرت اقدسؑ کی وفات کے متعلق بھی الہاماتِ الٰہی بکثرت موجود ہیں جن کے عین مطابق حضور فوت ہوئے۔ مثلاً

ا: حضرت مسیح موعود علیہ السلام دسمبر ۱۹۰۵ء میں الوصیت شائع فرماتے ہیں اور اس میں لکھتے ہیں کہ مجھے الہام ہوا۔ جَاءَ وَقْتُكَ ۔ قَرُبَ اَجَلُكَ الْمُقَدَّرُ (الوصیت صفحہ ۳ مطبوعہ ۱۹۰۵ء)

یعنی تیرا وقتِ وفات قریب آگیا۔ اور تیری عمر کی میعاد جو مقرر کی گئی تھی اس کے پورا ہونے کا وقت آگیا۔ گویا اللہ تعالیٰ نے صاف بتا دیا کہ ۷۴ سال سے متجاوز عمر پانے کی جو پیشگوئی حضور نے کی تھی اسکے مطابق حضور کی عمر پوری ہوگئی۔ اب تم اس کو الہام مانو یا نہ مانو، بہر حال اتنا تو تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ حضرت مسیح موعودؑ کے نزدیک تو آپ کی وفات عین پیشگوئی کے مطابق ۷۴ اور ۸۶ سال کے اندر اندر ہوئی۔

ب: پھر حضور فرماتے ہیں:۔

رؤیا:۔ "ایک کوری ٹنڈ میں کچھ پانی مجھے دیا گیا ہے۔ پانی صرف دو تین گھونٹ باقی اس میں رہ گیا ہے، لیکن بہت مصفّٰی اور مقطر پانی ہے اس کے ساتھ الہام تھا۔ آبِ زندگی"

{ ریویو آف ریلیجنز اردو جلد ۴ نمبر ۱۱ صفحہ ۴۸۰ ماہ دسمبر ۱۹۰۵ء
و تذکرہ صفحہ ۵۷۳ ایڈیشن سوم مطبوعہ ۱۹۶۹ء الشرکۃ الاسلامیہ ربوہ }

اس میں "دو تین گھونٹ" زندگی کا پانی باقی رہنا بتایا گیا ہے سو اس کے مطابق پورے اڑھائی سال بعد حضرت اقدسؑ فوت ہوئے۔ غرضیکہ جس ملہم نے یہ بتایا کہ آپ کی عمر ۷۴۔ ۸۶ کے درمیان ہوگی اسی ملہم نے وفات کے قریب بتا دیا کہ وہ میعاد اب قریب الاختتام ہے اور اب اس میں دو تین سال رہ گئے ہیں۔ سو اس کے مطابق عین ۷۵ ½ سال کی عمر میں حضورؑ کی وفات ہوئی۔

ایک شُبہ کا ازالہ

بعض مخالفین یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ الہام جو "یا - یا" کا لفظ آتا ہے کہ "اسی سال" یا اس سے چار پانچ سال کم یا چار پانچ سال زیادہ - یہ متکلم کے دل میں شک اور شبہ پر دلالت کرتا ہے۔ کیا اللہ تعالیٰ کو صحیح علم نہ تھا؟

الجواب ۱:- اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تو صحیح صحیح معلوم تھا۔ لیکن عمر کی تعیین کر کے اس کو معیّن طور پر ظاہر کرنا مناسب نہ تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ عبدالحکیم مُرتد اور ثناء اللہ جیسے دشمنوں کے ساتھ حضرت اقدسؑ کا مقابلہ ہوگا اور حضورؑ کی وفات کے متعلق منگھڑت پیشگوئیاں شائع کر دیں گے اور اس طرح سے حق مشتبہ ہو جائیگا۔ چنانچہ عبدالحکیم مُرتد نے اسی "دو تین گھونٹ پانی" والے رؤیا کے شائع ہونے پر جھٹ تین سال کی میعاد لگا کر پیشگوئی کر دی۔ سو اللہ تعالیٰ کی حکمت نے بجائے کوئی سال وفات کے لئے معین کرنے کے آپ کی عمر کی پہلی اور آخری حد بتا دی تاکہ مخالفین کو جھوٹا کرنے کی گنجائش رہے اسی طرح مولوی ثناء اللہ کے ساتھ "آخری فیصلہ" (مجموعہ اشتہارات جلد ۳ صفحہ ۵۷۹ از الشرکۃ الاسلامیہ) بھی حضورؑ نے تحریر فرمایا، اب مولوی ثناء اللہ اگر مباہلہ پر آمادہ ہوتے تو یقیناً اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؑ کو اور عمر دیتا! اور مولوی ثناء اللہ صاحب کو حضورؑ کی زندگی ہی میں موت دیتا۔ پس "یا - یا" کے الفاظ سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ملہم کو شبہ ہے بلکہ اس کے برعکس یہ معلوم ہوتا ہے کہ ملہم کو حضرتؑ کی وفات سے ۲۰ سال قبل ہی آپؑ کی وفات کے قریب کے حالات کا علم تھا کہ دشمن کس طرح آپ کے الہامات سے پیشگوئیاں اُڑا کر حضور علیہ السلام کی وفات کو اپنی پیشگوئی کا نتیجہ قرار دیکر حق کو مشتبہ کرنے کی ناپاک کوشش کریں گے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے نَزِیْدُ عُمْرَکَ (بدر جلد ۲ نمبر ۴۳ ، ۲۵ اکتوبر ۱۹۰۶ء صفحہ ۳) کے الہام کے لئے بھی گنجائش رکھ لی۔

۲ - "یا - یا" کا لفظ کئی دفعہ خدا تعالیٰ کے کلام میں بھی آجایا کرتا ہے اور اس میں کوئی حکمت ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں بھی آیا ہے۔ اِمَّا نُرِیَنَّکَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُھُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّکَ (سورۃ یونس: ۴۷) کہ اے نبی! یا تو ہم آپ کو آپ کی بعض پیشگوئیاں پوری ہوتی دکھا دیں گے یا آپ کو وفات دے دیں گے۔

۳۔ قرآن مجید میں ہے:۔ "وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰہِ اِمَّا یُعَذِّبُھُمْ وَ اِمَّا یَتُوْبُ عَلَیْھِمْ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔" (سورۃ توبۃ: ۱۰۶)

کہ کچھ اور بھی ہیں (یعنی وہ تین صحابہؓ کعبؓ بن مالک۔ ہلال بن امیہؓ اور مرارۃ بن الربیعؓ جو جنگ تبوک میں جانے سے پیچھے رہ گئے تھے۔

خدا تعالیٰ کے حکم کی انتظار میں جن کا معاملہ تاخیر میں ڈالا گیا تھا اللہ تعالیٰ اُن کو عذاب دیگا یا معاف فرما دیگا۔ اللہ تعالیٰ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

اس آیت میں بھی " یا - یا " آیا ہے۔ اس کے متعلق تفسیر حسینی میں لکھا ہے :- " یا عذاب کریگا اللہ اُن پر اگر وہ گناہ پر اڑے رہیں گے اور یا توبہ دیگا انہیں اگر نادم ہونگے اس کام سے۔ یہ تردید یعنی " یہ یا یہ " کہنا بندوں کے واسطے ہے۔ ورنہ اللہ کے نزدیک تردید نہیں " (تفسیر قادری مترجم ص۱ جلد ۱ و تفسیر حسینی فارسی جلد ۱ ص۲۶۹ زیر آیت وَ اٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ ---- سورۃ توبہ ۱۰۶) یعنی اللہ تعالیٰ کو نتیجہ کا علم تھا۔ مگر اللہ تعالیٰ چونکہ لوگوں کو تردد میں رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے " یا " کا لفظ استعمال کیا گیا۔

یہی حال یہاں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ عبدالحکیم اور الٰہی بخش وغیرہ دشمنوں سے حضرت مسیح موعود کے وقتِ وفات کو مصلحتاً مخفی رکھنا چاہتا تھا۔ تاکہ وہ کوئی جھوٹی پیشگوئی بنا کر حق کو مشتبہ نہ کر سکیں اس لئے " اَوْ " کا لفظ رکھا گیا۔ پس محض لفظ " یا " کی بنا پر اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا نادانی ہے۔

نوٹ ۱۔ یہ بالکل غلط ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الحکم جلد ۷ نمبر ۴۶، ۴۷ ص۱۵ کالم ۲ مورخہ ۱۷ - ۲۴ دسمبر ۱۹۰۳ء میں یہ فرمایا ہے کہ میں نے کسی بزرگ سے دُعا کروا کے ۱۵ سال عمر بڑھوائی ہے اور اب میری عمر ۹۵ سال ہو گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قطعاً عمر کا ۹۵ سال ہونا نہیں فرمایا۔ بلکہ ایک " خواب " کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور خواب تعبیر طلب ہے۔ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سونے کے کنگن پہننے کا خواب۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب۔

(۲) مردان علی صاحب حیدر آبادی نے ۵ سال اپنی عمر کے کاٹ کر حضرتؑ کے پیش کئے تو یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرتؑ نے اُسے قبول فرما لیا تھا۔ کوئی شخص اپنی عمر کاٹ کر دوسرے کو نہیں دے سکتا ورنہ صحابہؓ اپنی زندگیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دیتے۔ مردان علی صاحب نے اپنے اخلاص کا اظہار اس طریق سے کیا۔ وہ حوالہ دکھاؤ جس میں حضرتؑ نے یہ فرمایا ہو کہ میں نے مردان علی صاحب کی پیشکش کو منظور کر لیا۔

(۳) مولوی عبدالکریم صاحب سے حضرت اقدسؑ کا خواب میں اصرار سے اپنی اس قدر عمر پانے کے لئے جو حضورؑ کی جماعت کو مستحکم کرنے کے لئے کافی ہو۔ دُعا کرانا۔ مگر حضرت مولوی صاحب مرحوم کا دُعا نہ کرنا اور بجائے دُعا کے ہاتھ اوپر اُٹھا کر اکیس اکیس کہتے جانا (دیکھو تذکرہ ایڈیشن اول ص۵۲۸) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کی ایک دلیل ہے اور وہ اس طرح سے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کی زبان سے بتایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنی جماعت کے استحکام کے لئے کل ۲۱ سال ملیں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام نے بیعت ۱۳۰۶ھ کے اوائل میں لی ہے اور وفات ۱۳۲۶ھ میں ہوئی۔ گویا آپ بیعت کے بعد ۲۱ سال تک اپنے سلسلہ کو مستحکم فرما کر تشریف لے گئے۔

عمرِ دُنیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت

مرزا صاحب کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب ہزار ہفتم سے گیارہ سال قبل پیدا ہوتے اور گیارہ برس کے اندر ہی آپ فوت ہوتے کیونکہ آپ کی وفات کے قریب کی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ ابھی ہزار ششم

ختم نہیں ہوا۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۱ حاشیہ نمبر ۲ مطبوعہ ستمبر ۱۹۰۲ء)

الجواب:۔ اس کے جواب کے لئے مندرجہ ذیل حوالہ جات یاد رکھنے چاہئیں:۔

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۱ حاشیہ مطبوعہ ستمبر ۱۹۰۲ء پر یہ لکھا ہے:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام سے قمری حساب کے رُو سے ۴۷۳۹ برس بعد میں مبعوث ہوئے .... آدم صفی اللہ کی پیدائش کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت تک یہی مدت گذری تھی یعنی ۴۷۳۹ برس بحساب قمری۔"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۱ حاشیہ مطبوعہ ستمبر ۱۹۰۲ء)

اِن دونوں حوالوں میں "بعثت"۔ "وقت" اور "زمانہ" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش یا چالیس برس کی عمر نہیں۔ بلکہ "وفات نبویؐ" ہے۔ جیسا کہ حضرت اقدس علیہ السلام محولہ بالا عبارتوں کے آگے چلکر فرماتے ہیں:۔

"حضرت آدم علیہ السلام سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک عصر تک جو عہد نبوت ہے ......
۴۷۳۹ برس ابتدائے دنیا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روزِ وفات تک قمری حساب سے ہیں۔"

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۴ مطبوعہ ستمبر ۱۹۰۲ء)

"اس حساب کی رُو سے میری پیدائش اس وقت ہوئی جب چھ ہزار برس میں سے گیارہ برس رہتے تھے۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۴ حاشیہ ۲ مطبوعہ ستمبر ۱۹۰۲ء)

۲۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو تحریر فرمایا ہے کہ مسیح موعودؑ کی "بعثت" ہزار ششم کے آخر میں ہوئی۔ (تحفہ گولڑویہ تقطیع کلاں حاشیہ صفحہ ۴)

اِس عبارت میں مسیح موعود کی "بعثت" سے مراد ماموریت نہیں بلکہ "پیدائش" ہے جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ "پیدائش مسیح موعود ہزار ششم کے آخر میں ہے۔"

[تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۸۵ و حاشیہ طبع سوم۔ نیز دیکھو لیکچر سیالکوٹ صفحہ ۶ ایڈیشن اول نومبر ۱۹۰۴ء، حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۰۱ سطر ۳ و ازالہ اوہام صفحہ ۶۸۱ ایڈیشن اول۔]

۳۔ تحفہ گولڑویہ سے ہی ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں ہی ہزار ششم ختم ہو گیا بلکہ ہفتم میں سے بھی نصف صدی سے زائد آپ کی زندگی میں گذر چکی تھی۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

"مدت ہوئی کہ ہزار ششم گذر گیا اور اب قریباً پچاسواں سال اُس پر زیادہ جا رہا ہے اور اب دُنیا ہزار ہفتم کو بسر کر رہی ہے۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۵ حاشیہ ایڈیشن اول مطبوعہ ۱۹۰۲ء)

۴۔ چشمہ مسیحی ۱۹۰۶ء ایڈیشن اول صفحہ ب میں جو حضورؑ نے چھٹے ہزار کو جاری مانا ہے تو اسکا باعث یہ ہے کہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۴ پر جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کی وفات تک ۴۷۳۹ برس تحریر فرماتے ہیں تو یہ قرآنی حساب یعنی سورہ والعصر کے حروفِ ابجد کی بنا پر ہے۔ ورنہ عام مروجہ اور مشہور تاریخیں جو عیسائیوں کے حساب کے مطابق ہیں۔ اُن کی رُو سے آدم علیہ السلام سے لیکر آنحضرت صلعم کی

وفات تک ۶۳۶۴ برس بنتے ہیں۔ (تحفہ گولڑویہ ص۱۵۵ ایڈیشن اول مطبوعہ ۱۹۰۲ء) "عیسائیوں کے حساب سے جس پر تمام مدار بائبل کا رکھا گیا ہے ۶۳۶۴ برس ہیں یعنی حضرت آدمؑ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے آخیر زمانہ تک ۶۳۶۴ برس"۔ اس حساب سے ۱۹۰۶ء (۱۳۲۴ھ) میں ۹۶۰ برس بنتے ہیں۔ یعنی ابھی چھٹا ہزار ہی جاری ثابت ہوتا ہے۔ پس چشمۂ مسیحی میں حضرت اقدسؑ نے عیسائیوں کا یہی مروجہ حساب مراد لیا ہے۔ سورۃ العصر کے حروف ابجد والا حساب مراد نہیں۔

(نیز دیکھو حقیقۃ الوحی ص۲۰۱ ایڈیشن اول)

اِسی طرح حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"چونکہ عرب کی عادت میں یہ داخل ہے کہ وہ کسور کو حساب سے ساقط رکھتے ہیں اور مخل مطلب نہیں سمجھتے۔ اس لئے ممکن ہے کہ سات ہزار سے اسقدر زیادہ بھی ہو جائے جو آٹھ ہزار تک نہ پہنچے مثلاً دو تین سو برس اور زیادہ ہو جائیں۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۵۳، ۱۵۴ حاشیہ ایڈیشن اول)

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اہلِ عرب کے جس قاعدہ کا ذکر کیا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے:۔

وَجَاءَ فِيْ رِوَايَةٍ اِنَّهٗ يَمْكُثُ خَمْسًا وَّ اَرْبَعِيْنَ ..... فَلَا يُنَافِيْهِ حَدِيْثُ اَرْبَعِيْنَ لِاَنَّ النَّيِّفَ كَثِيْرًا مَا يُحْذَفُ عَنِ الْعَشَرَاتِ۔

(نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی از علامہ محمد عبدالعزیز الفرھاروی صفحہ ۵۸۰)

کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ مسیح موعود دُنیا میں ۴۵ سال رہے گا (مشکوٰۃ المصابیح کتاب الفتن باب نزول عیسیٰؑ فصل ۳) ..... پس یہ روایت اس حدیث کے مخالف نہیں ہے جس میں آتا ہے کہ وہ چالیس سال تک رہیگا (درِ منثور جلد ۲ ص۲۴۲ زیر آیت۔ ان من اھل الکتاب ۱۶۰ سورۃ النساء) کیونکہ عام طور پر کسر دہاکوں سے حذف کر دی جاتی ہے۔

پس اِس لحاظ سے بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عبارت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا۔

د۔ منظور محمد صاحب کے ہاں بیٹا

اعتراض:۔ حضرت مرزا صاحب نے فرمایا تھا کہ میاں منظور صاحب کے گھر بیٹا ہو گا جس کا نام بشیر الدولہ اور عالم کباب وغیرہ ہو گا۔ (تذکرہ ایڈیشن سوم ص۵۹۵ و ص۶۲۶)

جواب:۔ حضرت اقدسؑ کے اصل الفاظ درج کئے جاتے ہیں:۔

"۱۹ فروری ۱۹۰۶ء کو رؤیا دیکھا کہ منظور محمد صاحب کے ہاں لڑکا پیدا ہوا ہے اور دریافت کرتے ہیں کہ اس لڑکے کا کیا نام رکھا جائے۔ تب خواب سے حالت الہام کی طرف چلی گئی۔ اور یہ الہام ہوا۔ "بشیر الدولہ" فرمایا کئی آدمیوں کے واسطے دُعا کی جاتی ہے۔ معلوم نہیں کہ منظور محمد کے لفظ سے کس کی طرف اشارہ ہے۔"

(بدر جلد ۲ ۸ مورخہ ۲۳ فروری ۱۹۰۶ء ص۲ و مکاشفات ص۴۶ و تذکرہ ص۵۶۴ حاشیہ ایڈیشن اول)

پس حضرت اقدسؑ نے صاف فرمادیا ہے کہ منظور محمد کی تعیین نہیں کی جاسکتی۔اور نہ الہاماً تعیین کی گئی۔اور حضرت اقدسؑ نے ضروری قرار نہیں دیا کہ منظور محمد سے مراد میاں منظور محمد صاحب ہی ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ خواب ہے اور خواب میں نام صفات کے لحاظ سے بتاتے جاتے ہیں۔پس منظور محمد سے وہ شخص مراد ہے جو محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا سب سے زیادہ منظور نظر اور محبوب ہے ہاں ہاں جس کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "اِسْمُہٗ اِسْمِیْ" (اقتراب الساعۃ ص۶۱ مطبوعہ نول کشور) کا ارشاد فرمایا۔وہی جس کو آپ نے اپنا سلام دیا۔پس وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے خادم حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی ہیں جنہوں نے فرمایا:"مَنْ فَرَّقَ بَیْنِیْ وَبَیْنَ الْمُصْطَفٰی فَمَا عَرَفَنِیْ وَمَا رَاٰی" (خطبہ الہامیہ ص۱۷۱ ایڈیشن اول) پس اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا کے ذریعے یہ خبر دی تھی کہ وہ "کلمۃ اللہ" اور سلسلہ احمدیہ کی اقبال مندی کا نشان عنقریب اپنی عظیم الشان صفات کے ساتھ دُنیا پر ظاہر ہونے والا ہے اور اس کی وہ موعودہ صفات جو ۱۹۰۶ء تک دُنیا کی نظر سے مخفی تھیں اب ان کے ظہور کا وقت قریب آگیا ہے۔چنانچہ ۱۹۰۶ء ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اپنے سنِ بلوغ کو پہنچے۔اور آپ نے رسالہ "تشحیذ الاذہان" جاری فرمایا جس کی خوبیوں کا اعتراف مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے کو بھی کرنا پڑا۔۱۹۱۴ء میں ۲۵ سال کی عمر میں آپ خلیفۃ المسیح ہوتے۔ اور اسی سال زلزلہ عظیمہ کی پیشگوئی جنگ عظیم کی صورت میں پوری ہوئی۔

(تذکرہ ایڈیشن سوم صفحہ ۵۹۹)

ایک اور ثبوت

پھر حضرت اقدسؑ کے اس صریح ارشاد کے علاوہ کہ "معلوم نہیں منظور محمد کے لفظ سے کس طرف اشارہ ہے"۔(تذکرہ ص۵۹۸) بعض اور بھی قرائن ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ "عالم کباب" (ایضاً ص۶۲۶) لڑکے سے مراد حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہی ہیں نہ کوئی اور۔

ا۔ "عالم کباب" لڑکے کے مندرجہ ذیل نام اور صفات بیان کی گئی ہیں :۔

(۱) کلمۃ اللہ ۔ کلمۃ العزیز

(۲) بشیر الدولہ

(۳) ناصر الدین ۔ فاتح الدین ۔ شادی خاں

(۴) ھٰذَا یَوْمٌ مُّبَارَکٌ (تذکرہ ایڈیشن سوم ص۶۲۶)

حضرت اقدس علیہ السلام نے ان کی تشریح بھی فرمائی ہے :۔

(۱) "بشیر الدولہ سے یہ مراد ہے کہ وہ ہماری دولت اور اقبال کے لیے بشارت دینے والا ہوگا۔اس کے پیدا ہونے کے بعد (یا اس کے ہوش سنبھالنے کے بعد) زلزلہ عظیمہ" کی پیشگوئی اور دوسری پیشگوئیاں ظہور میں آئیں گی۔اور گروہ کثیر مخلوقات کا ہماری طرف رجوع کرے گا۔اور عظیم الشان فتح ظہور میں

آتے گی۔" (تذکرہ ایڈیشن سوم ص۶۲۲)

(۲) "عالم کباب" سے یہ مراد ہے کہ اس کے پیدا ہونے کے بعد چند ماہ تک یا جب تک کہ وہ اپنی بُرائی بھلائی شناخت کرے۔ دُنیا پر ایک سخت تباہی آئیگی ..... اِس وجہ سے اس کا نام عالم کباب رکھا گیا۔"
(تذکرہ ایڈیشن سوم ص۶۲۲)

غرضیکہ "عالم کباب" کی صفت بشیرالدولہ اور ناصرالدین اور کلمۃ اللہ اور فاتح الدین سے سلسلہ کی ترقی کی بشارت ہے۔ اب دیکھئے بعینہٖ یہی صفات اور نام حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ المصلح موعود کے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ "وہ کلمۃ اللہ ہے۔" (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و تذکرہ ص۱۴۱)

۲۔ "بشیرالدین"

۳۔ "وہ دُنیا میں آئیگا اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا ..... وہ جلد جلد بڑھے گا بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا اور زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی۔" (تذکرہ ایڈیشن سوم ص۱۴۱)

۴۔ "فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔" (" " " ص۱۳۹)

اب دیکھ لیجئے کہ بشیرالدولہ کے بالمقابل "بشیرالدین" "کلمۃ اللہ اور کلمۃ العزیز کے بالمقابل کلمۃ اللہ" مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانی کے نام ہیں۔ جماعت کی ترقی کے متعلق بعینہٖ ایک ہی قسم کے الفاظ دونوں کے متعلق ہیں۔ "عالم کباب" کا نام "فاتح الدین" ہے۔ تو مصلح موعود کو "فتح" کی کلید قرار دیا گیا ہے۔ اگر "عالم کباب" کی آمد کو "هٰذَا یَوْمٌ مُّبَارَكٌ" کہا ہے تو مصلح موعود کی بشارت میں "دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ" (تذکرہ ص۱۳۹) فرمایا ہے اور اگر "عالم کباب" کی یہ تشریح فرماتی ہے کہ وہ مخالفین و معاندین کے لئے عذابِ الٰہی کا موجب ہوگا نیز فرمایا کہ وہ لڑکا نیکوں کے لئے اور اس سلسلہ کے لئے ایک سعد ستارہ ہوگا۔ مگر بدوں کے لئے اس کے برخلاف ہوگا۔" (تذکرہ ایڈیشن سوم ص۵۶۵ و ص۶۲۲)

تو بعینہٖ اِسی طرح مصلح موعود کے متعلق فرمایا ہے کہ "تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجاوے اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جاتے ..... اور مجرموں کی راہ ظاہر ہوجاتے ..... جس کا نزول بہت مُبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔"
(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و تذکرہ ص۱۳۹ تا ص۱۴۲)

غرضیکہ دونوں کے نام اور صفات ایک ہی ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ یہ دونوں پیشگوئیاں ایک ہی وجود کے متعلق ہیں۔

ایک اعتراض

بعض لوگ ریویو اور بدر کے حوالہ سے ایک ڈائری پیش کیا کرتے ہیں کہ گویا حضرت اقدس علیہ السلام

نے الہاماً منظور محمد کی تعیین فرمادی ہے اور اپنے قلم سے لکھا ہے کہ مجھے الہام ہوا ہے کہ وہ لڑکا میاں منظور محمد صاحب کے ہاں اُن کی بیوی محمدی بیگم کے پیٹ سے پیدا ہوگا۔

جواب :۔ محمدیہ پاکٹ بک مصنف کا یہ لکھنا کہ ڈائری محولہ از ریویو جون ۱۹۰۶ء حضرت اقدسؑ کے قلم سے لکھی گئی۔ (محمدیہ پاکٹ بک ص۳۲ تا ص۳۷) محض جہالت ہے۔ وہ حضرت صاحبؑ کی تحریر نہیں۔ بلکہ ڈائری نویس نے محض اپنی یادداشت کی بناپر تحریر کر کے طبع کرائی ہے۔ وہ ڈائری مندرجہ ذیل وجوہ کی بناء پر قابل قبول نہیں۔

۱۔ وہ ڈائری حضرت اقدسؑ کی تصریح مندرجہ بدر جلد ۲ ش۶ و مکاشفات از محمد منظور الٰہی جنجوعہ احمدی جون ۱۹۱۳ء ص۳۹ و ریویو مارچ ۱۹۰۶ء ص۱۲۲ والحکم جلد ۱۰ ش۷ ۲۴ فروری ۱۹۰۶ء ص۱ کالم ۴ کے خلاف ہے جس کا حوالہ اوپر درج ہوچکا ہے کہ "معلوم نہیں منظور محمد سے کس کی طرف اشارہ ہے۔"

۲۔ حضرت اقدسؑ کی دوسری ڈائریوں سے صاف طور پر معلوم ہوجاتا ہے کہ مخالفین کی محولہ ڈائری ریویو جلد ۵ ش۶ ص۲۴۳، ص۲۴۴ جون ۱۹۰۶ء نیز بدر جلد ۲ ش۲۴ ۱۴ جون ۱۹۰۶ء ص۲ محض ڈائری نویس کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ حضرت اقدسؑ نے فرمایا :۔

"بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوا ہے کہ میاں منظور محمد صاحب کے گھر میں یعنی محمدی بیگم کا ایک لڑکا ہوگا۔"

حالانکہ الحکم جلد ۱۰ ش۲۰ پرچہ ۱۰ جون ۱۹۰۶ء ص۱ کالم ۲ میں جو حضرت اقدس علیہ السلام کے الفاظ لکھے ہیں وہ یہ ہیں :۔

"یہ ہر دو نام بذریعہ الہام الٰہی معلوم ہوتے۔" اسی طرح الحکم جلد ۱۰ ش۲۲ ۲۴ جون ۱۹۰۶ء ص۱ کالم ۱ و بدر جلد ۲ ش۲۵ ۲۱ جون ۱۹۰۶ء ص۳ پر لکھا ہے :۔

"میاں منظور محمد کے اس بیٹے کے نام جو بطور نشان ہوگا بذریعہ الہام الٰہی مفصلہ ذیل معلوم ہوتے ہیں :۔

پس ثابت ہوا کہ دراصل الہام الٰہی سے صرف اس لڑکے کے نام ہی معلوم ہوتے تھے، یہ امر کہ وہ لڑکا منظور محمد کے گھر ان کی بیوی محمدی بیگم کے پیٹ سے پیدا ہوگا یہ تعیین الہامی نہیں ہے (ڈائری نویس نے اِس فرق کو نہ سمجھنے کے باعث بجائے یہ لکھنے کے کہ "میاں منظور محمد صاحب کے گھر جو لڑکا پیدا ہوگا بذریعہ الہام معلوم ہوا کہ اس کے دو نام ہونگے" لفظ "الہام الٰہی" کو فقرہ کے شروع میں رکھدیا ہے جس سے مضمون بگڑ کر وہ مفہوم بن گیا ہے جو حضرت اقدس کے دوسرے ملفوظات اور واقعات کے صریحاً خلاف ہے۔ پس دوسری ڈائریوں سے ریویو والی ڈائری (جس کا مخالف نے حوالہ دیا ہے) مردود ثابت ہوئی۔ اس سے جماعت احمدیہ کے خلاف حجت نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ وہ حضرت اقدس کی تحریر نہیں بلکہ حاضرین مجلس میں سے کسی کی اپنی یادداشت کی بناپر لکھی ہوئی تحریر ہے جس میں غلط فہمی یا الفاظ کا اِدھر اُدھر ہوجانا کوئی مشکل امر نہیں۔

حقیقۃ الوحی کا حوالہ

حضرت اقدس علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے کہ اُس لڑکے کا پیدا ہونا معرض التوا میں پڑگیا۔ کیونکہ حضورؑ نے دُعا فرمائی تھی کہ رَبِّ اَخِّرْ وَقْتَ ھٰذَا (حقیقۃ الوحی ص۹۸، ص۱۰۱) اے اللہ! زلزلہ میں تاخیر ڈال دے اور اللہ تعالیٰ نے حضورؑ کو بتا دیا کہ "اَخَّرَہُ اللّٰہُ اِلٰی وَقْتٍ مُّسَمًّی" (ایضاً ص۱۰۱) کہ اللہ تعالیٰ نے زلزلہ کو کسی اور وقت پر ٹال دیا۔

حقیقۃ الوحی ص۹۸، ص۱۰۱ کے حوالہ میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ زلزلہ اسی وقت ظاہر ہوگا جبکہ "عالم کباب" ظاہر ہو جائیگا۔"

۱۔ باقی رہا تمہارا یہ کہنا کہ "منظور محمد" اور "محمدی بیگم" کا لفظ موجود ہے۔ پھر ان سے کوئی دوسرا کیونکر مراد ہو سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سوال علم دین سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ تمام دُنیا کے خزانوں کی کنجیاں وُضِعَتْ فِیْ یَدَیَّ (بخاری کتاب الرؤیا والتعبیر باب المفاتیح فی الید جلد۴ ص۔ مطبع الخیریہ مصر) کہ وہ چابیاں میرے ہاتھ میں رکھی گئیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کی کنجیاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں حاصل نہیں ہوئیں۔ بلکہ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں یہ ملک فتح ہوئے۔ پس اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد حضرت عمرؓ ہو سکتے ہیں۔ تو منظور محمد سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کیوں نہیں ہو سکتے؟ جو حقیقی اور اصلی منظور محمدؐ ہیں۔

۲۔ پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے خواب میں اگر چاند سے مراد حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ اور سورج سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام اور ستاروں سے مراد بھائی ہو سکتے ہیں حالانکہ صریح لفظ چاند سورج اور ستاروں کا موجود ہے تو پھر اس خواب میں منظور محمد کی تعبیر کیوں نہیں ہو سکتی۔

۳۔ اسی طرح لکھا ہے:۔ قَالَ السُّہَیْلِیُّ قَالَ اَھْلُ التَّعْبِیْرِ رَاٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْمَنَامِ اُسَیْدَ بْنَ اَبِی الْعِیْصِ وَالِیًا عَلٰی مَکَّۃَ مُسْلِمًا فَمَاتَ عَلَی الْکُفْرِ وَکَانَتِ الرُّؤْیَا لِوَلَدِہٖ عَتَّابٍ اَسْلَمَ۔

(تاریخ الخمیس جلد۲ ص۔ پہلا ایڈیشن مطبوعہ ۱۳۰۲ھ)

یعنی سُہیلی کہتے ہیں کہ اہل تعبیر کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اسید بن ابی العیص کو خواب میں دیکھا کہ وہ مسلمان ہو گیا اور مکہ شریف کا گورنر بنا ہوا ہے۔ لیکن اسید مذکور بغیر مسلمان ہوئے مر گیا لیکن یہ خواب اس کے بیٹے عتاب کے حق میں نکلی۔ پس اگر اسید کافر سے مراد عتاب مسلمان بھی ہو سکتا ہے تو ایک مومن کی جگہ دوسرا اس سے اعلیٰ مومن کیوں نہیں ہو سکتا؟

انبیاء کی ذمہ واری

قرآن مجید اور احادیث نبویؐ اور اقوال آئمہ سلف سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے۔ اور انبیاء اور خدا تعالیٰ کے مامورین صرف اور صرف اس چیز کی صحت کے لئے جواب دہ ہوتے ہیں کہ جو انکو اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام ہوتی ہے۔ وہ اپنے اجتہاد کے ذمہ وار نہیں ہوتے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"مَا حَدَّثْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ سُبْحَانَهُ فَهُوَ حَقٌّ وَمَا قُلْتُ فِيْهِ مِنْ قِبَلِ نَفْسِيْ فَإِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ أُخْطِئُ وَ أُصِيْبُ۔
(ترمذی۔ ابواب الصلوٰۃ۔ باب ماجاء فی وصف حدیث ...۔ الصلوٰۃ،

نبراس شرح الشرح العقائد النسفی صفحہ ۲۹۲) یعنی جو بات میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہوں وہ حق ہے۔ مگر جو اس کی تشریح میں اپنی طرف سے کروں اس کے متعلق یاد رکھو کہ میں انسان ہوں کبھی میرا خیال درست ہوگا اور کبھی نادرست۔

اسی طرح لکھا ہے:۔ "إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ يَجْتَهِدُ فَيَكُوْنُ خَطَاءً۔

(نبراس شرح الشرح عقائد النسفی صفحہ ۲۹۲) کہ آنحضرت صلعم کئی دفعہ اپنی وحی کی تعبیر یا تشریح اپنی طرف سے فرماتے تھے تو بعض دفعہ غلط بھی ہوتی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"انبیاء اور ملہمین صرف وحی کی سچائی کے ذمہ وار ہوتے ہیں اپنے اجتہاد کے خلاف واقعہ نکلنے سے وہ ماخوذ نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ وہ اپنی رائے ہے۔ نہ خدا کا کلام۔" (اعجاز احمدی پہلا ایڈیشن صفحہ ...)

پس جبکہ واقعات اور حضرت اقدسؑ کے دوسرے اقوال سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی۔ کہ اس پیشگوئی کے مصداق حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہیں اور حضور کی سوا کسی شخص کے لئے پیشگوئی نہ تھی۔ تو پھر بھی ایک ڈائری کو (جس کی صحت اور محفوظیت مسلم نہیں) پیش کر کے اعتراض کرتے جانا طریق انصاف نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر کسی خاص پہلو پر پیشگوئی کا ظہور نہ ہو۔ اور کسی دوسرے پہلو پر ظاہر ہو جائے اور اصل امر جو اس پیشگوئی کا خارق عادت ہونا ہے۔ وہ دوسرے پہلو میں بھی پایا جائے۔ اور واقعہ کے ظہور کے بعد ہر ایک عقلمند کو سمجھ آ جائے کہ یہی صحیح معنے پیشگوئی کے ہیں۔ جو واقعہ نے اپنے ظہور سے کھول دیئے ہیں۔ تو اس پیشگوئی کی عظمت اور وقعت میں کچھ بھی فرق نہیں آتا۔ اور اس پر ناحق نکتہ چینی کرنا شرارت اور بے ایمانی اور ہٹ دھرمی ہے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ضمیمہ مطبوعہ دسمبر ۱۹۰۸ء صفحہ ۹)

ولادتِ معنوی

بعض مخالف کہا کرتے ہیں کہ ۱۹۰۰ء میں جب یہ پیشگوئی حضرت صاحب نے کی۔ اس وقت حضرت

خلیفۃ المسیح الثانی پیدا ہو چکے تھے۔

الجواب:- تو اس کا جواب یہ ہے کہ الہام میں "ولادت" سے ولادتِ جسمانی مُراد نہیں۔ بلکہ ولادتِ معنوی مراد ہے۔ جیسا کہ امام الشیخ سہروردی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں:-

یَصِیْرُ الْمُرِیْدُ جُزْءَ الشَّیْخِ کَمَا اَنَّ الْوَلَدَ جُزْءُ الْوَالِدِ فِی الْوِلَادَۃِ الطَّبْعِیَّۃِ وَ تَصِیْرُ هٰذِہِ الْوِلَادَۃُ اٰنِفًا وِلَادَۃً مَعْنَوِیَّۃً کَمَا وَرَدَ عَنْ عِیْسٰی صَلٰوۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ "لَنْ یَّلِجَ مَلَکُوْتَ السَّمَآءِ مَنْ لَمْ یُوْلَدْ مَرَّتَیْنِ فَبِالْوِلَادَۃِ الْاُوْلٰی یَصِیْرُ لَہٗ اِرْتِبَاطٌ بِعَالَمِ الْمُلْکِ وَ بِهٰذِہِ الْوِلَادَۃِ یَصِیْرُ لَہٗ اِرْتِبَاطٌ بِالْمَلَکُوْتِ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی" وَکَذٰلِکَ نُرِیْ اِبْرَاهِیْمَ مَلَکُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِیَکُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ" وَصِرْفُ الْیَقِیْنِ الْکَمَالِ یَحْصُلُ فِیْ هٰذِہِ الْوِلَادَۃِ۔ وَبِهٰذِہِ الْوِلَادَۃِ یَسْتَحِقُّ مِیْرَاثُ الْاَنْبِیَآءِ مَا وُلِدَ"

(عوارف المعارف جلد ۱ ص۴۵ مطبوعہ الوہبیۃ البہیہ قاہرہ مصر شعبان ۱۲۹۲ھ)

یعنی مرید اپنے پیر کے جسم کا حصّہ بن جاتا ہے جس طرح بیٹا اپنے باپ کا ولادتِ طبعی میں۔ مُرید کا یہ پیدا ہونا حقیقی پیدا ہونا نہیں بلکہ معنوی اور استعاری طور پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ انھوں نے فرمایا۔ کہ کوئی شخص خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دو دفعہ پیدا نہ ہو۔ ولادتِ طبعی (حقیقی) میں انسان کا تعلق دُنیا سے ہوتا ہے۔ مگر ولادتِ معنوی میں اسکا تعلق آسمان (ملکوت اعلیٰ) سے ہوتا ہے۔ یہی معنے اس آیت کے ہیں۔ کہ ہم نے اسی طرح ابراہیم کو ملکوتِ سماوی وارضی دکھائیں تاکہ وہ یقین کرے۔ دراصل حقیقی اور کامل یقین اسی ولادتِ معنوی سے ہی حاصل ہوتا ہے اور اسی ولادت کے باعث انسان وراثتِ انبیاء کا مستحق ہو جاتا ہے اور جس شخص کو وراثتِ انبیاء نہ ملی وہ پیدا نہ ہوا"

پس اس پیشگوئی میں بھی "ولادت" سے مراد طبعی ولادت نہیں، بلکہ ولادتِ معنوی ہے۔ جو انسان کو انبیاء کا وارث بناتی ہے۔ سو یہ عجیب بات ہے کہ ۱۹۰۶ء میں ہی حضرت اقدس علیہ السلام نے اُس لڑکے کی پیدائش معنوی کی پیشگوئی فرمائی۔ ۱۹۰۶ء ہی میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے رسالہ تشحیذ الاذہان جاری فرمایا جس سے حضور کے کمالاتِ دینیہ و رُوحانیہ کا اظہار شروع ہوا اور "سلطان القلم" کی وراثتِ حقیقی کا تمغہ آپ کو ملا۔

پھر ۱۹۱۴ء میں حضور ایدہ اللہ اپنے معنوی بلوغ کو پہنچکر اور سریر آرائے خلافت ہو کر کامل و مکمل طور پر "عالم کباب" کا مصداق ہے۔ جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔

۶۔ قادیان میں طاعون

اعتراض:- مرزا صاحب نے کہا تھا کہ قادیان میں ہرگز طاعون نہیں آئیگی۔ یہ پیشگوئی غلط نکلی۔

الجواب:۔ یہ بالکل جھوٹ ہے کہ حضرت اقدسؑ نے قادیان میں طاعون کا آنا ممنوع قرار دیا ہے بلکہ حضرت اقدس علیہ السلام نے تو فرمایا ہے کہ قادیان میں طاعون آئے گی تو سہی مگر طاعون جارف یعنی جھاڑو دینے والی طاعون نہیں آئے گی۔ چنانچہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام دافع البلاء میں فرماتے ہیں:۔

۱۔ "ہم دعویٰ سے لکھتے ہیں کہ قادیان میں کبھی طاعون جارف نہیں پڑیگی جو گاؤں کو ویران کرنیوالی اور کھا جانے والی ہوتی ہے۔" (دافع البلاء ص۵ ایڈیشن اول ۱۹۰۲ء)

۲۔ پھر فرماتے ہیں:۔

"مَیں قادیان کو اس تباہی سے محفوظ رکھونگا خصوصاً ایسی تباہی سے کہ لوگ کتوں کی طرح طاعون کی وجہ سے مریں۔ یہاں تک کہ بھاگنے اور منتشر ہونے کی نوبت آوے۔" (ایضاً ص۱۰)

۳۔ "کچھ حرج نہیں کہ انسانی برداشت کی حد تک کبھی قادیان میں بھی کوئی واردات شاذ و نادر طور پر ہو جائے جو بربادی بخش نہ ہو۔ اور موجب فرار و انتشار نہ ہو۔ کیونکہ شاذ و نادر معدوم کا حکم رکھتا ہے۔" (ایضاً ص۵)

۴۔ "اِنَّهٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ اس کے یہ معنے ہیں کہ خدا تعالیٰ کسی قدر عذاب کے بعد اس گاؤں کو اپنی پناہ میں لے لیگا۔ یہ معنی نہیں کہ ہرگز اس میں طاعون نہیں آئیگی۔ اٰوٰی کا لفظ عربی زبان میں اُس پناہ دینے کو کہتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی حد تک مصیبت رسیدہ ہو کر پھر امن میں آجاتا ہے۔"

(حقیقۃ الوحی ص۲۳۲ پہلا ایڈیشن ۱۵ مئی ۱۹۰۷ء)

"اٰوٰی کا لفظ زبانِ عرب میں ایسے موقع پر استعمال ہوتا ہے کہ جب کسی شخص کو کسی قدر مصیبت یا ابتلاء کے بعد اپنی پناہ میں لیا جاتے اور کثرتِ مصائب اور تلف ہونے سے بچایا جاتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اَلَمْ یَجِدْكَ یَتِیْمًا فَاٰوٰی۔" (الضحیٰ: ۷) اسی طرح تمام قرآن شریف میں "اٰوٰی" لفظ ایسے ہی موقعوں پر استعمال ہوا ہے کہ جہاں کسی شخص یا کسی قوم کو کسی قدر تکلیف کے بعد آرام دیا گیا۔" (تذکرۃ الشہادتین ص۶ حاشیہ طبع اول ۱۹۰۳ء)

پس ان پیشگوئیوں کے مطابق قادیان کو ایک دفعہ "کسی قدر" عذاب کے بعد اپنی امان میں لے لیا گیا اور اسی کو حضرت اقدس علیہ السلام نے صرف قادیان ہی کی نسبت سے "طاعون زور پر تھا" قرار دیا ہے (حقیقۃ الوحی ص۸۴) چنانچہ خود دوسری جگہ حقیقۃ الوحی ص۲۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

"صرف ایک دفعہ کسی قدر شدت سے طاعون قادیان میں آئی۔"

ع

وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ

پس قادیان میں کبھی بھی طاعونِ جارف نہیں آئی جو بربادی افگن ہوتی ہے۔ ہاں حضرت اقدس علیہ السلام نے اعلان فرمایا تھا۔ "اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ۔ اُحَافِظُكَ خَاصَّۃً۔" (تذکرہ ایڈیشن سوم ص۴۲۴، ص۴۲۸) کہ تیرے گھر کی چار دیواری میں رہنے والے طاعون سے محفوظ رہیں گے اور تیری تو خاص حفاظت کی جائیگی (خواہ چار دیواری کے اندر ہوں یا باہر) چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے

ببانگِ دہل اعلان فرمایا:۔

"میرا یہی نشان ہے کہ ہر ایک مخالف خواہ وہ امروہہ میں رہتا ہے اور خواہ امرتسر میں اور خواہ دہلی میں اور خواہ کلکتہ میں اور خواہ لاہور میں اور خواہ گولڑہ میں اور خواہ بٹالہ میں۔ اگر وہ قسم کھا کر کہے گا کہ اس کا فلاں مقام طاعون سے پاک رہیگا۔ تو ضرور وہ مقام طاعون میں گرفتار کیا جائیگا۔ کیونکہ اس نے خدا تعالیٰ کے مقابل پر گستاخی کی۔" (دافع البلاء ص۱۱)

چنانچہ چراغ دین جمونی ہلاک ہوا۔ تفصیل دیکھو حقیقۃ الوحی ص۳۸۸ تا ص۳۹۲ میں پھر اس چیلنج کو کوئی اور منظور نہ کرسکا۔ لہٰذا حضرتؑ کی صداقت ثابت ہوئی۔

۷۔ محمد حسین بٹالوی کا ایمان

حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ محمد حسین بٹالوی ایمان لائیگا مگر وہ ایمان نہیں لایا؟
(اعجاز احمدی ضمیمہ نزول المسیح مطبوعہ ۱۵ر نومبر ۱۹۰۲ء)

الجواب ۱:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے محمد حسین بٹالوی کو فرعون قرار دیا ہے۔ دیکھو براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۶۴، ۶۵، ۶۶۔

پھر فرماتے ہیں:۔ "فرعون سے مراد محمد حسین ہے۔ خدا تعالیٰ کی طرف سے ایک کشف ظاہر کر رہا ہے کہ وہ بالآخر ایمان لائیگا۔ مگر مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایمان فرعون کی طرح صرف اسی قدر ہوگا کہ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ (یونس:۹۱) یا پرہیزگار لوگوں کی طرح۔ (واللہ اعلم)۔" (استفتاء۔ اردو ص۲۲ حاشیہ مطبوعہ ۱۲ر مئی ۱۸۹۷ء)

فرعون کے ایمان لانے کا واقعہ جس کی طرف حضرت اقدس علیہ السلام نے محولہ بالا عبارت میں اشارہ فرمایا ہے۔ قرآن مجید سورۃ یونس آیت ۹۱ میں ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا۔ تو اس نے آواز دی کہ:۔

"اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ" (یونس)

کہ میں ایمان لایا کہ وہی ایک خدا ہے جس پر بنی اسرائیل ایمان لاتے اور میں مسلمان ہوں۔ اب فرعون کے ایمان لانے کا بجز خدا تعالیٰ کی شہادت کے اور کون انسان گواہ ہے۔ بعینہٖ اسی طرح محمد حسین کے ایمان کا بھی خدا کا الہام گواہ ہے۔ اب کوئی آریہ یا عیسائی تم سے فرعون کے ایمان لانے کا ثبوت پوچھے تو جو جواب تم اس کو دو گے وہی جواب ہماری طرف سے سمجھ لو۔

جواب ۲:۔ حضرت اقدس علیہ السلام کی پیشگوئی میں تھا۔ "اِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ یُؤْمِنُ بِاِیْمَانِیْ" (تذکرہ ایڈیشن سوم ص۵۱) کہ مولوی محمد حسین بٹالوی میرا مومن ہونا مان لے گا۔ چنانچہ یہ پیشگوئی پوری ہوگئی۔ کیونکہ مولوی محمد حسین بٹالوی اول المکفرین نے ۱۹۱۳ء میں لالہ دیوکی نندن صاحب مجسٹریٹ درجہ اول وزیرآباد کی عدالت میں مقدمہ نمبر ۱۳۰۰ میں حلفاً بیان کیا کہ "میں احمدی جماعت کو مسلمان سمجھتا ہوں"۔

اب بتاؤ حضرت اقدس علیہ السلام کی زندگی میں کسی کو یہ وہم بھی ہو سکتا تھا کہ کسی وقت یہی مولوی محمد حسین

جو سب سے پہلے فتویٰ کفر دینے والا ہے۔ خود حضرت اقدسؑ اور آپ کی جماعت کو مسلمان سمجھنے لگ جائیگا۔

۸۔ عبداللہ آتھم

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ حقیقی اور سچا مذہب خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے اور یہ کہ موجودہ عیسائیت کسی صورت میں بھی اُس مذہب کی قائمقام نہیں ہو سکتی جو حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے پاک ہاتھوں سے قائم ہوا تھا۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو عیسائیت پر کُھلا کھلا غلبہ عطا کیا۔

عیسائیوں نے اپنے نمائندہ ڈپٹی عبداللہ آتھم کو جون ۱۸۹۳ء میں خدا کے مسیح موعودؑ کے بالمقابل کھڑا کیا۔ جب اُس پر دلائل بیّنہ اور براہین قاطعہ کی رُو سے کامل طور پر حجت ہو چکی تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خُدائے بزرگ و برتر سے اطلاع پاکر اعلان فرمایا کہ ڈپٹی عبداللہ آتھم نے ہمارے آقا و سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ "دجّال" (اندرونۂ بائیبل از پادری عبداللہ آتھم ڈپٹی ۱۸۹۳ء) کہا ہے۔ اس لئے اِس جرم کی پاداش میں خدا تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا ہے کہ "اگر وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے" تو پندرہ ماہ کے عرصہ میں ہاویہ میں گرایا جائیگا اور اس سے یہ ثابت ہوگا کہ خدا تعالیٰ کو اپنے پیارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے بے انتہا غیرت ہے اور یہ کہ اس کے نزدیک سچا دین صرف اور صرف اسلام ہے۔ خدا کے پیارے مسیح موعودؑ کی یہ ہیبت ناک پیشگوئی شائع کر دی گئی اور اس میں آتھم کو ہلاکت سے بچنے کا طریق بھی بتلا دیا گیا۔ کہ اگر وہ حق کی طرف رجوع کرے گا تو اس ہلاکت سے بچ جائیگا۔

پیشگوئی کا شائع ہونا تھا کہ ڈپٹی آتھم کے لئے جس ہاویہ کی پیشگوئی کی گئی تھی۔ اُس کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ وہ توبہ اور استغفار، دُعا اور رجوع میں لگ گیا۔ وہ اس گستاخی کے لئے جو اُس نے پاکبازوں کے سردار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کی تھی روتا اور گڑگڑاتا رہا۔ وہ برابر پندرہ ماہ تک انتہائی پریشانی سراسیمگی اور بدحواسی کے ساتھ در بدر پھرتا رہا۔ وہی عیسائیت جس کی اشاعت اور تبلیغ (اس پیشگوئی سے قبل) اس کی غذا تھی اب اس کو موت کا پیالہ نظر آتی تھی۔ وہی اسلام اور بانیٔ اسلام جن کی تردید کرنا اور جن کو گالیاں دینا وہ اپنی زندگی کا مقصد سمجھتا تھا اب اس کی نظر میں اس قدر قابلِ اعتراض و تردید نظر نہ آتے تھے۔

وہی عبداللہ آتھم جس کے لئے ایک دن بھی عیسائیت کی تبلیغ اور اسلام کی تردید کے بغیر گذارنا غیر ممکن تھا متواتر پندرہ مہینے ایک غیر منقطع سکوت اور لامتناہی خاموشی کے ساتھ شہر بشہر پھرتا رہا اور ایک حرف بھی اپنی زبان سے اسلام یا بانیٔ اسلام کے خلاف نہیں نکالا۔

یہ معنی خیز خاموشی۔ حیرت انگیز سکوت اور عبرت ناک سراسیمگی اسلام اور خدا کے مسیح موعودؑ کی صداقت پر زبردست دلیل تھی اور اس طرح سے عبداللہ آتھم کا پندرہ ماہ کا عرصہ گذارنا سعید الفطرت انسانوں کے لئے یقیناً یقیناً خدا کے زبردست مگر متدلی ہاتھ کی کرشمہ نمائی کا زبردست ثبوت تھا۔ مگر نور کے دشمنوں نے

اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور اپنی شرمندگی کو مٹانے کے لئے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ عبداللہ آتھم نے درحقیقت رجوع نہیں کیا تھا اور یہ کہ خدا کے مسیح موعود کی پیشگوئی نعوذ باللہ جھوٹی نکلی۔ خدا کا مسیح موعود ایک دفعہ پھر خدا کی طرف سے حجت باہرہ اور دلائل بیّنہ کی تلوار ہاتھ میں لے کر میدان میں نکلا۔ اور عبداللہ آتھم ہی کے ذریعہ ایک دوسرے نشان سے صاف اور واضح طور پر اس بات پر مہر ثبت کر دی کہ سچا اور حقیقی دین خدا کے نزدیک اسلام ہی ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے پے در پے اشتہارات شائع کئے۔ کہ اگر تم لوگ اس دعویٰ میں سچے ہو کہ عبداللہ آتھم نے رجوع نہیں کیا۔ تو تم اُسے کہو کہ وہ حلف اُٹھا کر کہہ دے کہ میں نے حق کی طرف رجوع نہیں کیا۔ اگر اس حلف کے بعد وہ ایک سال تک زندہ رہ جائے تو میں جھوٹا ہوں۔ آپ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ چار ہزار روپیہ کا انعامی اشتہار شائع کیا۔ اور یہ بھی لکھ دیا کہ عبداللہ آتھم ہرگز قسم نہیں کھائیگا۔ کیونکہ اُس سے زیادہ اس بات کو کوئی نہیں جانتا کہ اس نے فی الحقیقت حق کی طرف رجوع کیا، لیکن اگر اب آتھم عیسائیوں کے اِس قول کی تردید نہ کرے اور نہ قسم کھاتے تو بھی وہ عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔ چنانچہ حضرتِ مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:-

"اس ہماری تحریر سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ جو ہونا تھا وہ ہو چکا اور آگے کچھ نہیں۔"

(انوار الاسلام صفحہ ۱۵ پہلا ایڈیشن)

"اب اگر آتھم صاحب قسم کھا لیں تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں۔ اور تقدیر مبرم ہے اور اگر قسم نہ کھائیں تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مُجرم کو بے سزا نہیں چھوڑیگا جس نے حق کا اخفا کر کے دُنیا کو دھوکا دینا چاہا ...... اور وہ دن نزدیک ہیں دُور نہیں۔"

(اشتہار انعامی چار ہزار روپیہ صفحہ ۱۱ ۲۷ر اکتوبر ۱۸۹۴ء)

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ "وہ دن" جو عبداللہ آتھم کی سزا دہی کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ وہ بہت "نزدیک" تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اشتہار پر ابھی سات ماہ نہیں گذرے تھے کہ آتھم ۲۷ر جولائی ۱۸۹۶ء کو بمقام فیروزپور راہیٔ ملکِ عدم ہوا۔

خدا تعالیٰ نے آتھم کے ذریعہ سے اسلام اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر زندگی اور موت کے دو نشان ظاہر فرماتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے آتھم نے پندرہ ماہ کے عرصہ میں "زندگی" پائی اور اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے نشان کو چُھپانے کے نتیجہ میں اُسے "موت" حاصل ہوئی۔ اور اس نشان میں اِس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعتِ حقیقی زندگی بخشتی ہے۔ اور آپ کی مخالفت ایک موت کا پیالہ ہے جس کا پینے والا رُوحانی موت سے بچ نہیں سکتا۔

۹۔ محمد حسین کی ذلت

مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ محمد حسین ذلیل ہوگا۔ یہ پیشگوئی پوری نہ ہوئی۔

الجواب:۔ محمد حسین پر کئی ذلتیں آئیں۔ تفصیل کے لئے دیکھو کتاب "بطالوی کا انجام" مصنفہ جناب میر قاسم علی صاحب۔ اجمالاً یہاں کچھ لکھا جاتا ہے۔

۱۔ محمد حسین نے حضرت اقدس علیہ السلام پر اس وجہ سے فتویٰ کفر لگایا کہ آپ گویا مہدی خونی کے قائل نہیں۔ مگر بعد میں اُس نے خود گورنمنٹ سے زمین حاصل کرنے کی غرض سے بطور خوشامد یہ لکھا کہ کوئی ایسا جنگ اور جہاد کرنے والا مہدی نہیں آئیگا۔ اور یہ کہ اس مہدی کے بارے میں جس قدر حدیثیں ہیں سب موضوع اور ضعیف ہیں۔ چنانچہ اس نے ۱۴ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو ایک انگریزی فہرست شائع کی۔ جس میں مہدی کی آمد کا انکار کیا۔ اس پر غیر احمدی علماء ہی سے حضرت اقدسؑ نے خونی مہدی کے منکر کے متعلق فتویٰ کفر حاصل کر لیا۔ پس محمد حسین اپنے مسلمات کے رُو سے ذلیل ہوا۔

(تفصیل دیکھو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اشتہار ۷ر جنوری ۱۸۹۹ء)

۲۔ محمد حسین نے حضرت اقدسؑ کے الہام "عَ تَعْجَبُ لِاَمْرِیْ" (تذکرہ ایڈیشن سوم صفحہ ۳۲۶) پر نحوی اعتراض کیا تھا کہ عجب کا صلہ لام نہیں آتا۔ اس کے جواب میں حضرت اقدس علیہ السلام نے احادیث کتب لغت اور اشعار عرب کے کلام سے عجب کے صلہ لام کی مثالیں شائع کیں تو محمد حسین نے خود اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔ اور اپنی خفت کو یہ کہکر مٹانا چاہا۔ کہ مَیں نے کہا تھا۔ کہ قرآن میں "عجب" کا "من" صلہ آیا ہے۔ (الہامات مرزا مصنفہ ثناء اللہ امرتسری صفحہ ۸۳)

۳۔ محمد حسین نے خونی مہدی کا انکار کرکے گورنمنٹ سے زمین حاصل کی۔ اور بخاری میں ہے کہ جس گھر میں ہل داخل ہوجاتا ہے وہ ذلیل ہوجاتا ہے۔ "عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ الْبَاھِلِیِّ قَالَ وَرَاٰی سِکَّۃً وَّشَیْئًا مِّنْ اٰلَۃِ الْحَرْثِ فَقَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَدْخُلُ ھٰذَا بَیْتَ قَوْمٍ اِلَّا اُدْخِلَہُ الذُّلُّ" (بخاری کتاب الوکالۃ باب ما یحذر من العواقب جلد ۲ صفحہ ۲۱ مصری و مشکوٰۃ باب المساقاۃ و المزارعۃ مطبع اصح المطابع صفحہ ۲۵۷) حضرت ابو امامہ باہلیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے ہل کا ایک پھل اور کھیتی کرانے کا ایک آلہ دیکھا۔ تو فرمایا کہ مَیں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ یہ جس قوم کے گھر میں داخل ہوتا ہے اُس میں ذلت آجاتی ہے۔ محمد حسین بٹالوی کا عالم اور غیر زمیندار ہوکر "اَخْلَدَ اِلَی الْاَرْضِ" کا مصداق بننا یقیناً حدیث کے الفاظ میں اس کے لئے ذلیل ہونا تھا، لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے گھر میں "ہل" کو داخل نہیں کیا بلکہ حضورؑ تو پیدا ہی زمیندار خاندان میں ہوتے تھے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی مندرجہ ابوداؤد "حَارِثٌ حَرَّاثٌ" (ابوداؤد کتاب المہدی بحوالہ مشکوٰۃ مطبع نظامی دہلی صفحہ ۴۷۱ باب شرائط الساعۃ) والی پوری ہوئی۔ اس لیے آپ کے لئے یہ موجب ذلت نہیں۔

نوٹ :۔ یاد رہے کہ یہاں حدیث میں صرف ان لوگوں کا ذکر ہے جو تجارت یا دوسرے پیشے چھوڑ کر اور غیر زمیندار ہوکر زمیندار بننے کی کوشش کرتے ہیں نیز اس زمینداری کا ذکر ہے جو انسان کو دنیا داری میں مشغول کر دے اور اپنے مذہبی عقائد سے منحرف کرائے۔ جیسا کہ محمد حسین کے ساتھ ہوا ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امام مہدی کو بھی زمیندار قرار دیکر بتادیا کہ زمینداری بُرا پیشہ نہیں۔

۱۰۔ نَافِلَةً لَّکَ

مرزا صاحب نے پیشگوئی کی تھی کہ ایک اور بیٹا مبارک احمد کے بعد پیدا ہوگا مگر وہ پیدا نہ ہوا۔

الجواب :۔ حضرت اقدسؑ نے خود اس الہام کی تشریح فرمادی ہے :۔ "چند روز ہوتے الہام ہوا تھا۔ "اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّكَ" ممکن ہے کہ اس کی تعبیر ہو کہ محمود کے ہاں لڑکا پیدا ہو کیونکہ "نافلة" پوتے کو بھی کہتے ہیں۔ یا بشارت کسی اور وقت تک موقوف ہو"

(الحکم جلد ۱۰ ۔ ۱۰ اپریل ۱۹۰۶ء صا وتذکرہ ایڈیشن سوم ص۶۰۷)

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام حقیقۃ الوحی میں فرماتے ہیں :۔

"اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ نَافِلَةً لَّكَ۔ ہم ایک لڑکے کی تجھے بشارت دیتے ہیں۔ جو تیرا پوتا ہوگا"

(حقیقۃ الوحی ص۹۵ ایڈیشن اول)

پس وہ نَافِلَةٌ جس کی بشارت دی گئی تھی صاحبزادہ حافظ مرزا ناصر احمد صاحب مولوی فاضل فرزند اکبر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ہیں۔ وَالْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰہِ۔

اسی طرح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی اور حضور کے بھائیوں کے کئی ایک اور صاحبزادے ہیں۔ گویا دشمنوں کے ابتر ہونے کے مقابلہ میں حضرت اقدس علیہ السلام کو پوتوں تک کی بشارت دی گئی۔

نوٹ :۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے "پسر خامس" کی بھی پیشگوئی فرمائی تھی۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے الہام بَشَّرَنِيْ بِخَامِسٍ (یعنی پسر خامس) سے مراد پوتا لیا ہے۔

(دیکھو حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۸، ۲۱۹ ایڈیشن اول)

تحریرات پر اعتراضات

۱۔ شاعر ہونا

قرآن مجید میں ہے :۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ نیز "اَلشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ" (الشعرآء : ۲۲۵) نبی شاعر نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب شاعر تھے۔

الجواب (۱) بیشک قرآن مجید میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شاعر نہ تھے اور قرآن مجید نے شاعر کی تعریف بھی کر دی ہے۔ فرمایا:" اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَا لَا یَفْعَلُوْنَ" (سورۃ الشعراء : ۲۲۶، ۲۲۷) کہ کیا تو نہیں دیکھتا کہ شاعر ہر وادی میں سرگردان پھرتے ہیں یعنی ہوائی گھوڑے دوڑاتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ کرتے نہیں۔ گویا شاعر وہ ہے۔

۱۔ جو ہوائی گھوڑے دوڑاتے۔ خیالی پلاؤ پکاتے۔

۲۔ اس کے قول اور فعل میں مطابقت نہ ہو۔

فرمایا:" مَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ" (یٰس : ۷۰) ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوائی گھوڑے دوڑانا اور محض باتیں بنانا نہیں سکھایا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں۔

اور (۲) لُغت میں ہے:۔ وَقَوْلُهٗ تَعَالٰی حِکَایَةً عَنِ الْکُفَّارِ بَلِ افْتَرَاهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ وَقَوْلُهٗ شَاعِرٌ مَجْنُوْنٌ..... لَمْ یَقْصِدُوْا هٰذَا الْمَقْصِدَ فِیْمَا رَمَوْهُ بِهٖ وَذٰلِكَ اَنَّهٗ ظَاهِرٌ مِنَ الْکَلَامِ اَنَّهٗ لَیْسَ عَلٰی اَسَالِیْبِ الشِّعْرِ وَلَا یَخْفٰی ذَالِكَ عَلَی الْاَغْتَامِ مِنَ الْعَجَمِ فَضْلًا عَنْ بُلَغَاءِ الْعَرَبِ وَاِنَّمَا رَمَوْهُ بِالْکَذِبِ فَاِنَّ الشِّعْرَ یُعَبَّرُ بِهٖ عَنِ الْکَذِبِ وَالشَّاعِرُ الْکَاذِبُ...... قِیْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَکْذَبُهٗ۔

(مفردات راغب صفحہ ۲۶۲، ۲۶۳ زیر لفظ شعر مصری)

کہ قرآن مجید میں جو یہ آتا ہے کہ کافر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور مجنون کہتے ہیں۔ اس سے مراد کافروں کی کلام موزوں کہنا نہ تھی۔ بلکہ جس بات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کیا جاتا تھا وہ اور تھی کیونکہ قرآن کا نثر ہونا تو ایسی بات ہے کہ کلام سے خود ہی ظاہر ہے (کہ یہ شعروں کی طرز پر نہیں) اور یہ امر ایک عام آدمی پر بھی مخفی نہیں رہ سکتا چہ جائیکہ بلغاء عرب نثر اور نظم میں تمیز نہ کر سکتے ہوں۔ پس اصل بات یہ ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولنے کا الزام لگایا تھا کیونکہ شعر سے مراد "جھوٹ" لی جاتی ہے اور شاعر کے معنے ہیں" کاذب" (جھوٹا) عربی ضرب المثل ہے کہ سب سے اچھا شعر وہ

ہے جس میں سب سے زیادہ جھوٹ ہو۔

(۳) منطق کے امام علامہ شریفؒ کہتے ہیں۔ وَالشِّعْرُ ۔۔۔۔ اِنَّ مَدَارَہٗ عَلَی الْاَکَاذِیْبِ وَمِنْ ثَمَّۃٍ قِیْلَ اَحْسَنُ الشِّعْرِ اَکْذَبُہٗ (الحاشیۃ الکبری علی شرح المطالع ص۲۳ مصری) کہ شعر کا مدار جھوٹ پر ہوتا ہے۔ اور ضرب المثل میں ہے کہ سب سے اچھا وہ شعر ہے جس میں بہت جھوٹ ہو۔

(۴) قرآن مجید میں ہے۔ "وَمَا عَلَّمْنٰہُ الشِّعْرَ" (یٰس : ۷۰) کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو شعر نہیں سکھایا۔ اب اگر "شعر" سے مراد کلام موزوں لیا جاتے۔ تو یہ غلط ہے۔ کیونکہ قرآن جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سکھایا گیا ہے۔ اس میں کلام موزوں بھی ہے جیساکہ یہ آیت :۔

جَآءَ الْحَقُّ وَزَھَقَ الْبَاطِلُ ۔ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَھُوْقًا (بنی اسرائیل : ۸۲)

(۵) حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ حنین کے موقعہ پر فرمایا :۔

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

(بخاری کتاب المغازی باب قول اللہ تعالیٰ وَیَوْمَ حُنَیْنٍ جلد ۳ ص۴۱ مصری)

"کہ میں نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ اور میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔"

اب وزن کے لحاظ سے یہ بحر رجز مخروف ہے اور قافیہ بھی ملتا ہے۔

(۶) پھر حدیث شریف میں ہے کہ ایک جنگ کے موقعہ پر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگلی پر زخم آگیا تو آپ نے اس انگلی کو مخاطب کرکے یہ شعر پڑھا ؎

ھَلْ اَنْتِ اِلَّا اِصْبَعٌ دَمِیْتِ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَا لَقِیْتِ

(بخاری کتاب الجہاد والسیر باب من ینکب او یُطعن فی سبیل اللہ جلد ۲ ص۸۶ مصری)

"کہ سوائے اس کے نہیں کہ تو ایک انگلی ہے جس میں سے کہ خون بہہ رہا ہے اور یہ جو کچھ تجھے ہوا خدا کی راہ میں ہوا۔ ہے۔"

اب یہ بھی کلام موزوں ہے۔ پس اگر شعر سے مراد کلامِ موزوں لیا جاتے تو یہ بالبداہت باطل ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اس کی زد پڑتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ شعر سے مراد جھوٹ ہی ہے پس نفس شعر بلحاظ کلام موزوں کے بُری چیز نہیں۔ ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شعر نہ کہتے اور نہ پڑھتے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

(درثمین اردو نیا ایڈیشن ص۸۳)

نیز حضرت اقدس علیہ السلام کا الہام ہے :۔

"درکلامِ تو چیزے ست کہ شعراء را دراں دخلے نیست"

(تذکرہ ص۵۹۵ و ص۶۵۴ ایڈیشن سوم)

۲۔ غلط حوالے اور جھوٹے الزامات

مرزا صاحب نے اپنی کتابوں میں بعض حوالے غلط دیتے ہیں۔ مثلاً "ھٰذَا خَلِیْفَةُ اللّٰہِ الْمَھْدِیُّ" بخاری میں نہیں ہے۔

الجواب:۔ نبی کو ہم سہو اور نسیان سے پاک نہیں مانتے۔

۱۔ قرآن میں ہے:۔ فَنَسِیَ (طٰہٰ: ۱۱۶) کہ آدم بھول گیا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق نَسِیَا حُوْتَھُمَا" (الکہف: ۶۲) کہ وہ مچھلی بھول گئے اور آگے لکھا ہے کہ شیطان نے انہیں بھلا دیا۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ" (الکہف: ۱۱۱) نیز اُصِیْبُ وَاُخْطِیُٔ" (نبراس شرح الشرح لعقائد نسفی صفحہ ۳۹۲) کہ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں۔ بعض دفعہ خطا کرتا ہوں۔

۲۔ بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عشاء یا عصر کی نماز پڑھائی اور دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دیا۔ "وَرَجُلٌ یَدْعُوْہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذُوالْیَدَیْنِ فَقَالَ اَنَسِیْتَ اَمْ قُصِرَتْ فَقَالَ لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ قَالَ بَلٰی قَدْ نَسِیْتَ فَصَلّٰی رَکْعَتَیْنِ۔" دوسری روایت میں ہے فَقَالَ اَکَمَا یَقُوْلُ ذُوالْیَدَیْنِ فَقَالُوْا نَعَمْ۔ فَتَقَدَّمَ۔ فَصَلّٰی مَا تَرَکَ۔" (بخاری کتاب الصلوٰۃ باب من یکبر فی السجدۃ السھو جلد ا صفحہ ۱۴۱ و باب تشبیک الاصابع فی المسجد جلد ا صفحہ ۶۴ مصری) کہ ایک شخص وہاں موجود تھا جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ذوالیدین کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ اُس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ بھول گئے ہیں یا نماز قصر کر کے حضورؐ نے پڑھی ہے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہ تو میں بھولا ہوں اور نہ نماز قصر کی گئی ہے۔ اِس پر اُس صحابیؓ نے جواب دیا کہ حضورؐ بھول گئے ہیں۔" دوسری روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی صحابہؓ سے پوچھا کہ کیا ذوالیدین ٹھیک کہتا ہے؟ تو سب نے جواب دیا کہ ہاں! وہ ٹھیک کہتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ رُو کھڑے ہوتے اور دو رکعتیں جو آپ نے چھوڑ دی تھیں پڑھیں اور بعد میں سجدہ سہو بھی کیا۔

(نیز دیکھو صحیح مسلم کتاب الصلاۃ باب السھو فی الصلاۃ والسجود لہٗ جلد ا صفحہ ۲۱۵ مصری)

اَب کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول "لَمْ اَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ" کو کوئی جھوٹ قرار دے سکتا ہے ہرگز نہیں۔

۴۔ صحیح ترمذی کتاب المناقب میں ہے۔ عَنْ اُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَہٗ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَمَرَنِیْ اَنْ اَقْرَءَ عَلَیْکَ الْقُرْاٰنَ فَقَرَءَ عَلَیْہِ لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا (سورۃ البینہ: ۲) وَقَرَءَ فِیْھَا اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّةُ الْمُسْلِمَةُ وَلَا الْیَھُوْدِیَّةُ وَلَا النَّصْرَانِیَّةُ وَلَا الْمَجُوْسِیَّةُ مَنْ یَّعْمَلْ خَیْرًا فَلَنْ یُّکْفَرَہٗ وَلَوْ اَنَّ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیًا مِّنْ مَّالٍ لَابْتَغٰی اِلَیْہِ ثَانِیًا وَلَوْ کَانَ لَہٗ ثَانِیًا لَابْتَغٰی اِلَیْہِ ثَالِثًا وَلَا یَمْلَاُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ وَیَتُوْبُ اللّٰہُ عَلٰی مَنْ تَابَ اِلَی اللّٰہِ

هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ (ترمذی ابواب مناقب فی فضل ابی ابن کعب جلد ۲ ص ۲۲۹ مجتبائی) کہ حضرت ابی کعبؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھ کو قرآن پڑھ کے سناؤں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے "لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا" والی سورۃ پڑھی اور اُس میں یہ بھی پڑھا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں دین صرف خالص اسلام ہے نہ یہودیت۔ نہ نصرانیت اور نہ مجوسیت۔ پس جو اچھا کام کرے اُس کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ اور اگر بنی آدم (انسان) کے لیے ایک وادی مال و دولت سے بھری ہوتی تو ضرور وہ ایک دوسری وادی چاہتا۔ اور اگر اُس کو دوسری وادی بھی مل جاتی تو وہ تیسری کی تلاش کرتا اور انسان کے پیٹ کو سوائے مٹی کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی۔ اور خدا تعالیٰ توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور یہ حدیث صحیح ہے۔"

اب اس حدیث سے یہ پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنَّ الَّذِیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْحَنِیْفِیَّۃُ الْمُسْلِمَۃُ الخ کو قرآن مجید لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا والی سورۃ کی آیات قرار دیا ہے ذرا کوئی مولوی صاحب لَمْ یَکُنِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا والی سورۃ میں تو کجا سارے قرآن میں سے کسی جگہ سے نکال کر دکھائیں۔

نوٹ ۱۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ "یہ آیات" منسوخ ہوگئی ہیں۔ کیونکہ یہ بات کہ خدا کے نزدیک دین حنفیۃ المسلمہ ہے اور یہ کہ انسان بڑا حریص ہے۔ یہ سب اخبار ہیں نہ کہ احکام۔ اور اس پر سب غیر احمدی علماء کا اتفاق ہے کہ اخبار میں نسخ جائز نہیں۔

۲۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ اب خدا کے نزدیک دین "حنفیۃ المسلمہ" نہیں بلکہ یہودیت اور نصرانیت ہوگیا ہے؟

۳۔ ان آیات کی ناسخ کونسی آیت ہے جس کی وجہ سے یہ آیات منسوخ ہوگئی ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ حدیث مذکورہ بالا میں لفظ "قَرَءَ فِیْھَا" ہے یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۃ میں یہ عبارت پڑھی تھی اس کو سورۃ کی تفسیر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ورنہ "قَالَ فِیْھَا" کہنا چاہیئے تھا۔

۴۔ علامہ سعدالدین تفتازانی۔ ملا خسرو، ملا عبدالحکیم ان تینوں نے لکھا ہے کہ حدیث تَکْثُرُ لَکُمُ الْاَحَادِیْثُ بَعْدِیْ بخاری میں ہے۔ حالانکہ یہ حدیث موجودہ بخاری میں نہیں ہے۔

(توضیح شرح تلویح جلد ۱ ص ۳۶۱)

اسی طرح سے حدیث خَیْرُ السُّوْدَانِ ثَلَاثَۃٌ لُقْمَانُ وَبِلَالٌ وَمُھْجِعٌ مَوْلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ رَوَاہُ الْبُخَارِیُّ فِیْ صَحِیْحِہٖ۔ عَنْ وَاثِلَۃَ ابْنِ الْاَسْقَعِ بِہٖ مَرْفُوْعًا کَذَا ذَکَرَہٗ ابْنُ الرَّبِیْعِ لٰکِنْ قَوْلُ الْبُخَارِیِّ سَھْوٌ قَلَمٍ اَمَّا مِنَ النَّاقِلِ اَوْ مِنَ الْمُصَنِّفِ فَاِنَّ الْحَدِیْثَ لَیْسَ فِی الْبُخَارِیِّ۔"

(موضوعات کبیر از مولانا علی القاری۔ ص ۴۰ طبع ثانی ۱۳۴۶ھ مطبع مجتبائی دہلی)

کہ حدیث سوڈان کے بہترین آدمی تین ہیں یعنی (۱) لقمان (۲) بلال (۳) مہجع جو آنحضرت صلعم کے غلام

تھے۔ یہ حدیث بخاری میں واثلہ بن الاسقع رضی سے مرفوعاً مروی ہے۔ حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن ربیع کا یہ کہنا کہ یہ حدیث بخاری میں ہے یہ یا تو مصنّف کا سہو قلم ہے اور یا کاتب کا۔ کیونکہ یہ حدیث بخاری میں نہیں ہے۔

وہ مولوی جو "هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ" (ابن ماجہ جلد ۲۔ کتاب الفتن باب خروج المہدی مطبوعہ ص۳۶۷) والی حدیث کے بخاری میں نہ ملنے پر حضرت مسیح موعودؑ پر کاذب ہونے کا الزام لگاتے ہیں کیا وہ اپنے علامہ سعد الدین تفتازانی۔ ملّا و علامہ خسرو۔ ملا عبد الحکیم اور علامہ ابن الربیع کو بھی کاذب کہینگے؟

۴۔ امام بیہقیؒ کی کتاب "الاسماء والصفات" میں لکھا ہے کہ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ فِيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ وَ اِمَامُكُمْ مِنْكُمْ رواہ البخاری کہ بخاری میں ہے کہ كَيْفَ اَنْتُمْ اِذَا نَزَلَ ...... مِنَ السَّمَاءِ۔ حالانکہ قطعاً بخاری میں مِنَ السَّمَاءِ کا لفظ نہیں۔

(وَهٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب شہادۃ القرآن ص۴۱ ایڈیشن اول میں جو یہ لکھا ہے کہ یہ حدیث بخاری میں ہے۔ اس کے متعلق بھی ہم وہی جواب دیتے ہیں جو حضرت ملا علی قاریؒ نے امام ابن الربیع کی طرف سے دیا تھا۔ وَلٰكِنْ قَوْلُ الْبُخَارِيِّ سَهْوُ قَلَمٍ اَمَّا مِنَ النَّاقِلِ اَوْ مِنَ الْمُصَنِّفِ" (موضوعات کبیر ص۵۹) کہ یہ قول کہ یہ حدیث بخاری میں ہے یا تو سہو کتابت ہے یا سبقتِ قلم مصنّف۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں صاف طور پر فرما دیا ہے:۔

"اور میں کہتا ہوں کہ مہدی کی خبریں ضعف سے خالی نہیں ہیں اسی وجہ سے امامین حدیث (بخاری و مسلم۔ خادم) نے انکو نہیں لیا۔" (ازالہ اوہام ص۵۱۸ ایڈیشن اول حصہ دوم)

گویا بخاری و مسلم میں مہدی کے متعلق احادیث نہیں ہیں اور ظاہر ہے کہ "هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ" (آسمان سے آواز آنا کہ یہ خدا کا خلیفہ مہدی ہے) بہر حال مہدی کے متعلق ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے صاف بیان کے مطابق یہ حدیث بخاری میں نہیں۔ ہاں یہ حدیث اسی طرح صحیح ہے جس طرح بخاری کی دوسری احادیث کیونکہ كَذَا ذَكَرَهُ السُّيُوْطِيُّ وَفِي الزَّوَائِدِ، هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِيْحٌ۔ رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔ وَرَوَاهُ الْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرِكِ وَقَالَ صَحِيْحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ" (ابن ماجہ کتاب الفتن باب خروج المہدی جلد ۲ ص۲۶۹ حاشیہ مطبوعہ مصر) کہ حدیث "هٰذَا خَلِيْفَةُ اللّٰهِ الْمَهْدِيُّ" کو امام سیوطیؒ نے بھی ذکر کیا ہے اور زوائد میں ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں اس کو امام حاکمؒ نے مستدرک کتاب التواریخ باب تذکرۃ الانبیاء هبوط عیسیٰ و اشاعۃ الاسلام میں درج کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق بھی صحیح ہے۔ نیز یہ حدیث ابو نعیم اور تلخیص المتشابہ و حجج الکرامہ ص۳۶۶ پر درج ہے۔

بھلا تم لوگ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر جھوٹ بولنے کا الزام لگا سکتے ہو۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو تم بھی نبی مانتے ہو اور جنکے متعلق قرآن مجید میں ہے صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (سورۃ مریم : ۴۲) کہ وہ سچ بولنے والے نبی تھے تم انکے متعلق بھی یہ کہتے اور مانتے ہو کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے۔

بخاری میں ہے:۔ "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاهِیْمُ اِلَّا ثَلَاثًا ...... عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاهِیْمُ عَلَیْهِ السَّلَامُ اِلَّا ثَلَاثَ کَذِبَاتٍ۔" (بخاری کتاب بدء الخلق باب قول اللہ تعالٰے واتخذ اللہ ابراہیم خلیلاً جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ مطبوعہ مطبع الٰہیہ و مشکوٰۃ مطبع نظامی صفحہ ۴۲۲ باب بدء الخلق و ذکر الانبیاء علیہم السلام پہلی فصل نیز مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ کتاب الفضائل باب فضل ابراہیم خلیل اللہ مطبوعہ مطبعۃ العامرہ) کہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی جھوٹ نہ بولا مگر تین جھوٹ۔

۲۔ صحیح ترمذی میں ہے:۔ "عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَمْ یَکْذِبْ اِبْرَاهِیْمُ فِیْ شَیْءٍ قَطُّ اِلَّا فِیْ ثَلَاثٍ قَوْلُهٗ اِنِّیْ سَقِیْمٌ وَلَمْ یَکُنْ سَقِیْمًا وَقَوْلُهٗ لِسَارَةَ اُخْتِیْ وَقَوْلُهٗ بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ ..... هٰذَا حَدِیْثٌ حَسَنٌ صَحِیْحٌ۔" (ترمذی کتاب التفسیر سورۃ الانبیاء جلد ۲ صفحہ ۱۳۶ مجتبائی و صفحہ ۱۶۳ مطبع احمدی)

کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کبھی کسی چیز میں جھوٹ نہ بولا۔ مگر صرف تین موقعوں پر۔ ان کا کہنا کہ میں بیمار ہوں۔ حالانکہ وہ بیمار نہ تھے۔ پھر ان کا کہنا کہ یہ بت اُن کے بڑے بُت نے توڑے ہیں۔ اور ان کا اپنی بیوی سارہ کو کہنا کہ یہ میری بہن ہے ..... یہ حدیث صحیح ہے۔

۳۔ بخاری میں ہے کہ قیامت کے دن جب سخت گھبراہٹ طاری ہوگی اور لوگ بھاگے بھاگے سب انبیاء کے پاس جائیں گے کہ وہ اُن کی خدا تعالیٰ کے حضور شفاعت کریں۔ تو سب انکار کر دیں گے جب وہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جائیں گے تو "فَیَقُوْلُ لَهُمْ اِنَّ رَبِّیْ قَدْ غَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ مِثْلَهٗ وَلَنْ یَغْضَبَ بَعْدَهٗ مِثْلَهٗ وَاِنِّیْ قَدْ کُنْتُ کَذَبْتُ ثَلَاثَ کَذِبَاتٍ فَذَکَرَهُنَّ اَبُوْحَیَّانَ فِی الْحَدِیْثِ نَفْسِیْ نَفْسِیْ نَفْسِیْ اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ۔"

بخاری کتاب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل باب ذریۃ من حملنا مع نوح (سورۃ مریم ۵۸) جلد ۲ صفحہ ۹۳ مصری)

حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کو جواب دینگے کہ میرا رب آج سخت غصہ میں ہے کہ اس سے قبل کبھی اتنا غضبناک نہ ہوا تھا اور نہ آج کے بعد کبھی ایسا غضبناک ہوگا اور میں نے تین جھوٹ بولے تھے (ابوحیان نے ایک حدیث میں ان تینوں جھوٹوں کی تفصیل دی ہے) پس مجھے تو اپنے نفس کی فکر ہے۔ تم میرے سوا کسی اور کے پاس جاؤ۔

جس نبی کو قرآن کریم سچا کہتا ہے۔ تم اس کے متعلق کہتے ہو کہ اُس نے نعوذ باللہ تین جھوٹ بولے۔ گویا تمہارے نزدیک جھوٹ بولنا معیار صداقت ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اگر تم اعتراض کرو۔ تو تم معذور ہو ؎

مجھ کو کیا تم سے گلہ ہو کہ مرے دشمن ہو
جب یونہی کرتے چلے آتے ہو تم پیروں سے

۲- قرآن و حدیث میں طاعون

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ قرآن وحدیث میں طاعون کی پیشگوئی ہے۔ یہ جھوٹ ہے؟

الجواب ۱- قرآن مجید میں ہے:- اِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَیْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ (النمل : ۸۳) کہ جب ان پر اتمام حجت ہو جائیگی تو ہم اُن کے لئے زمین سے ایک کیڑا نکالیں گے جو ان کو کاٹے گا۔ کیونکہ لوگ خدا کی آیات پر یقین نہیں کرتے تھے۔ تُكَلِّمُهُمْ کے معنے کاٹنے کے ہی ہیں۔ جیسا کہ لغت کی کتاب منجد میں ہے۔

كَلَّمَهُ تَكْلِيْمًا: جَرَحَهُ یعنی اس نے اس کو زخم لگایا۔

كَلَمَ..... كَلْمًا کے معنے بھی زخم لگانے کے ہیں۔

۲- بخاری میں ہے:- "عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ كَلْمٍ يُكْلَمُهُ الْمُسْلِمُ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ يَكُوْنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَهَيْئَتِهَا" (بخاری کتاب الوضوء باب مَا يَقَعُ مِنَ النجاسات جلد ا صفحہ ۳۵ مصری) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر ایک زخم جو کسی مسلم کو خدا کی راہ میں لگے قیامت کے دن اپنی اسی حالت میں ہوگا۔

چنانچہ طاعون کا کیڑا انسانوں کو کاٹتا ہے جس سے طاعون ہوتی ہے۔

حدیث صحیح مسلم میں ہے:- "فَيَرْغَبُ نَبِيُّ اللهِ عِيْسٰى وَاَصْحَابُهٗ فَيُرْسِلُ اللهُ عَلَيْهِمُ النَّغَفَ فِيْ رِقَابِهِمْ فَيُصْبِحُوْنَ فَرْسٰى كَمَوْتِ نَفْسٍ وَّاحِدَةٍ" (مسلم جلد ۲ کتاب الفتن صفحہ ۲۷۷ مصری باب ذکر صفت الدجال وَمَا مَعَهٗ ومسلم شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۴۰۱ و صفحہ ۴۰۲ مند) پس خدا کا نبی مسیح موعود اور اس کے صحابی متوجہ ہونگے اور خدا تعالیٰ اُن کے مخالفوں کی گردنوں میں ایک پھوڑا (طاعون) ظاہر کریگا۔ پس وہ صبح کو ایک آدمی کی موت کی طرح ہو جائیں گے۔ (نغف کے معنے پھوڑا اور طاعون ہے دیکھو عربی ڈکشنری مصنف LANE جلد ۸ صفحہ ۲۸۱۵ وضمیمہ صفحہ ۳۰۳۶)

۳- بحار الانوار میں ہے:- "قُدَّامُ الْقَائِمِ مَوْتَانِ مَوْتٌ اَحْمَرُ وَمَوْتٌ اَبْيَضُ الْمَوْتُ الْاَحْمَرُ السَّيْفُ وَالْمَوْتُ الْاَبْيَضُ الطَّاعُوْنُ" (بحار الانوار مصنف باقر محمد تقی محمد ایران جلد ۱۳ صفحہ ۱۵۶) کہ امام مہدیؑ کی علامات میں ہے کہ اس کے سامنے دو قسم کی موتیں ہونگی۔ پہلی سُرخ موت اور دوسری سفید موت۔ پس سُرخ موت تو تلوار (لڑائی) ہے اور سفید موت طاعون ہے۔

۴- مندرجہ بالا جواب میں جو ہم نے قرآن مجید کی آیت اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ (النمل : ۸۳) کا یہ ترجمہ کیا ہے کہ اُس زمانہ میں ایک کیڑا نکلے گا جو اُن کو کاٹے گا۔ اس کی تائید بحار الانوار کے مندرجہ ذیل حوالہ سے بھی ہوتی ہے۔ "ثُمَّ قَالَ (ابو عبد اللہ امام حسینؑ) وَقَرَءَ تُكَلِّمُهُمْ مِنَ الْكَلْمِ وَهُوَ الْجَرْحُ وَالْمُرَادُ بِهِ الْوَسْمُ" یعنی امام باقرؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی مندرجہ بالا دَآبَّةُ الْاَرْضِ والی آیت کے متعلق حضرت امام حسینؑ نے فرمایا کہ اس آیت میں تُكَلِّمُهُمْ سے مراد یہ ہے کہ وہ کیڑا اُن کو

کاٹے گا اور زخم پہنچائے گا۔" (بحار الانوار جلد ۱۴ صفحہ ۲۳۲ و نیز دیکھو اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۹۷)

خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی کتب میں قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا حوالہ دیا ہے۔ چنانچہ حضور فرماتے ہیں :۔

"خدا تعالیٰ کی کتابوں میں بہت تصریح سے بیان کیا گیا ہے کہ مسیح موعود کے زمانہ میں ضرور طاعون پڑیگی اور اس مری کا انجیل میں بھی ذکر ہے اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا (بنی اسرائیل، ۵۹) یعنی کوئی بستی ایسی نہیں ہو گی جس کو ہم کچھ مدت پہلے قیامت سے یعنی آخری زمانہ میں جو مسیح موعود کا زمانہ ہے ہلاک نہ کردیں یا عذاب میں مبتلا نہ کریں۔"

(نزول المسیح صفحہ ۱۱ پہلا ایڈیشن)

"یہی طاعون ہے اور یہی وہ دابۃ الارض ہے جس کی نسبت قرآن شریف میں وعدہ تھا کہ آخری زمانہ میں ہم اُس کو نکالیں گے اور وہ لوگوں کو اس لیے کاٹے گا کہ وہ ہمارے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (النمل: ۸۳) اور جب مسیح موعود کے بھیجنے سے حجت ان پر پوری ہو جائیگی۔ تو ہم زمین میں سے ایک جانور نکال کھڑا کریں گے وہ لوگوں کو کاٹے گا اور زخمی کریگا اس لئے کہ لوگ خدا کے نشانوں پر ایمان نہیں لاتے تھے۔"

(دیکھو سورۃ النمل الجزو نمبر ۲۰۔ نزول المسیح صفحہ ۳۸ پہلا ایڈیشن)

"یہ جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا کہ وہ دابۃ الارض یعنی طاعون کا کیڑا زمین میں سے نکلیگا۔ اس میں یہی بھید ہے کہ تا وہ اس بات کی طرف اشارہ کرے کہ وہ اس وقت نکلے گا کہ جب مسلمان اور اُن کے علماء زمین کی طرف جُھک کر خود دابۃ الارض بن جائیں گے۔ ہم اپنی بعض کتابوں میں یہ لکھ آئے ہیں کہ اُس زمانہ کے ایسے مولوی اور سجادہ نشین جو متقی نہیں ہیں اور زمین کی طرف جھکے ہوتے ہیں یہ دابۃ الارض ہیں۔ اور اب ہم نے اس رسالہ میں یہ لکھا ہے کہ دابۃ الارض طاعون کا کیڑا ہے۔ ان دونوں بیانوں میں کوئی شخص تناقض نہ سمجھے قرآن شریف ذو المعارف ہے اور کئی وجوہ سے اس کے معنے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کی ضد نہیں۔"

(نزول المسیح صفحہ ۴۳ پہلا ایڈیشن)

"یاد رہے کہ اہل سنت کی صحیح مسلم اور دوسری کتابوں اور شیعہ کی کتاب اکمال الدین مصنفہ ابی جعفر محمد بن علی ۳۸۱ھ نجف میں بتصریح لکھا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں طاعون پڑیگی بلکہ اکمال الدین جو شیعہ کی بہت معتبر کتاب ہے اس کے صفحہ ۳۴۸ میں لکھا ہے کہ یہ بھی اُس کے ظہور کی ایک نشانی ہے کہ قبل اس کے کہ قائم ہو یعنی عام طور پر قبول کیا جائے۔ دُنیا میں سخت طاعون پڑے گی۔"

(نزول المسیح صفحہ ۱ ، صفحہ ۱۹ ایڈیشن اول)

۴۔ تورات و انجیل میں طاعون کی پیشگوئی

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ تورات اور انجیل (زکریا ۱۴/۱۲ پرانا عہد نامہ) میں طاعون کی پیشگوئی ہے یہ جھوٹ ہے۔

جواب :۔ جھوٹ نہیں۔ بلکہ تمہاری اپنی بدقسمتی ہے کہ بے وجہ نبی کے منکر ہو گئے ہو۔ انجیل متی کا حوالہ حضرتؑ نے دیا ہے اور یہ حوالہ درست ہے۔ انجیل مطبوعہ ۱۸۵۷ء میں متی ۲۴/۸ پر مذکور ہے کہ مسیح کی ایک نشانی مری کا پڑنا بھی ہے، لیکن بعد میں عیسائیوں نے اس کو متی ۲۴/۸ سے نکال دیا ہے یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ (نساء : ۴۶) لیکن اگر تم نے مزید تسلی کرنی ہو تو انجیل لوقا ۲۱/۱۰ پر جو ۱۹۲۸ء میں چھپی ہے اُس میں بھی موجود ہے۔ جابجا کال اور مری پڑے گی۔" (تفصیل دیکھو زیر عنوان "مسیح کی آمد ثانی کی علامات" پاکٹ بک ہذا)

تورات :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تورات میں بھی طاعون کی پیشگوئی کا ذکر کیا ہے (کشتی نوح ص۵ پہلا ایڈیشن ۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء) چنانچہ اس کے لئے زکریا ۱۴/۱۲ دیکھو اور انگریزی بائیبل مطبوعہ آکسفورڈ یونیورسٹی پریس ۱۸۹۵ء ص۱۰۰۱ میں تو لفظ پلیگ (PLAGUE) بھی موجود ہے۔

"And this shall be the plague where with the Lord will smite all the people."

(زکریا ۱۴/۱۲)

یعنی یہ پلیگ ہوگی جس سے خدا تعالیٰ خدا کے گھر کے خلاف لڑائی کرنے والوں کو ہلاک کریگا۔

نوٹ :۔ (۱) بائبل کے اس حوالہ میں جو لفظ "پلیگ" استعمال ہوا ہے اس کا ترجمہ طاعون ہی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہو انگریزی عربی ڈکشنری موسومہ بہ "القاموس العصری انکلیزی عربی مؤلفہ الیاس انطون ص۴۸۹ جہاں لکھا ہے۔ طاعون PLAGUE یعنی پلیگ کے معنے طاعون ہے۔

۲۔ اسی طرح عربی سے انگریزی اور فارسی سے انگریزی ڈکشنریوں میں لفظ "طاعون" کا ترجمہ پلیگ اور Pestilences لکھا ہے اور عجیب بات یہ ہے کہ لفظ پلیگ تو تورات زکریا ۱۴/۱۲ میں آتا ہے اور لفظ Pestilences مسیح کی آمدِ ثانی کی علامات میں لوقا ۲۱/۱۱ میں ہے۔

(دیکھو "مسیح کی آمدِ ثانی کی علامات" پاکٹ بک ہذا)

نیز حضرت اقدسؑ نے متی ۲۴/۸ کا حوالہ دیا ہے جو انگریزی انجیل متی ۲۴/۸ میں اب بھی موجود ہے اور جیسا کہ ثابت ہوا ہر دو لفظوں کا ترجمہ طاعون ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو بائیبل کا حوالہ درست دیا ہے۔ ذرا لگتے ہاتھ "اِسْمُهٗۤ اَحْمَدُ" (سورۃ الصف : ۷) اور اَلنَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ۔ (الاعراف : ۱۵۸) کے مطابق تورات اور انجیل سے "احمد" کا نام اور ایک "اُمّی نبی" کی پیشگوئی نکال دینا تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ انجیل و تورات محرّفہ سے اگر کوئی حوالہ نہ ملے تو یہ مصنف کی غلطی نہیں۔ بلکہ عیسائیوں کی ہشیاری کا نتیجہ ہے کہ وہ ہر دس سال کے بعد

انجیل کو تبدیل کر دیتے ہیں۔ (دیکھو مضمون "تحریف بائیبل" پاکٹ بک ہذا)

۵۔ غلام دستگیر قصوری کا مُباہلہ

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ غلام دستگیر قصوری نے بد دُعا کی تھی۔ یہ جھُوٹ ہے۔ اُس کے ساتھ کوئی مباہلہ نہ ہوا تھا۔

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انجام آتھم ص۶۶ پر جن علماء کو مُباہلہ کے لیے مقابل پر بُلایا ہے اور اپنی طرف سے اُن کے لیے بد دُعا کر دی ہے اُن میں مولوی غلام دستگیر کا نام بھی ہے (انجام آتھم ص۷۰ ایڈیشن اوّل) اس کے بالمقابل ان میں سے جو شخص بھی بد دُعا کریگا۔ اس کا مُباہلہ حضرتؑ کے ساتھ متحقق ہو جائے گا چنانچہ مولوی غلام دستگیر قصوری نے بد دُعا کی۔ "اَللّٰهُمَّ یَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ یَا مَالِكَ الْمُلْكِ جیسا کہ تُو نے ایک عالم ربانی حضرت محمد طاہر مؤلف مجمع بحار الانوار کی دُعا اور سعی سے اُس مہدی کاذب اور جعلی مسیح کا بیڑا غرق کیا (جو ان کے زمانہ میں پیدا ہوا تھا) ویسا ہی دُعا اور التجا۔ اس فقیر قصوری کی ہے۔ جو سچے دل سے تیرے دین متین کی تائید میں حتی الوسع ساعی ہے کہ تُو مرزا قادیانی اور اُس کے حواریوں کو توبۃ النصوح کی توفیق عطا فرما۔ اور اگر یہ مقدر نہیں تو اُن کو مورد اِس آیت قرآنی کا بنا "فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (الانعام ۴۶:) اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّبِالْاِجَابَةِ جَدِیْرٌ تَبَالَهٗ وَلِاَتْبَاعِهٖ"

(فتح رحمانی بہ دفع کید کادیانی (درحیات طبع احمدی ۱۳۱۵ھ) مؤلفہ غلام دستگیر قصوری ص۲۶ و ص۲۷ ونیز حقیقۃ الوحی ص۲۴۱ پہلا ایڈیشن)

۶۔ مولوی محمد اسمٰعیل علیگڑھی کی بد دُعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی ص۳۳ پہلا ایڈیشن حاشیہ پر لکھا ہے:۔

"مولوی اسمٰعیل نے اپنے ایک رسالہ میں میری موت کے لیے بد دُعا کی تھی۔ پھر بعد اس بد دُعا کے جلد مر گیا اور اس کی بد دُعا اسی پر پڑ گئی۔"

جواب:۔ تم نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کیوں یہ حوالہ طلب نہ کیا۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ تم کو اصل بات کا علم ہے۔ بات یہ تھی کہ مولوی اسمٰعیل علیگڑھی نے ایک کتاب لکھی جس میں یہ بد دُعا تھی۔ ابھی وہ کتاب چھپ رہی تھی کہ علیگڑھی مر گیا۔ مولویوں نے اس کی کتاب میں سے وہ سب بد دُعائیں نکال ڈالیں۔ تا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت پر گواہ نہ بن جائے۔ وہ کتاب جو ابھی زیر طبع تھی مولوی عبداللہ صاحب سنوری نے دیکھی تھی اور انہوں نے اس کے متعلق شہادت بھی دی تھی کہ اس کتاب کا سائز "فتح اسلام" (مؤلفہ حضرت مسیح موعودؑ) کا سائز تھا۔ اگر اُس نے کوئی ایسی بد دُعا نہ کی تھی تو تم نے حضرت مسیح موعودؑ سے کیوں حوالہ نہ مانگا۔ تمہاری تحریف کی تو یہ حالت ہے کہ شرح فقہ اکبر مطبوعہ مصر کے ص۹۹ پر "لَوْ كَانَ مُوْسٰی حَیًّا" لکھ دیا ہے، تا کہ کسی طرح عیسٰی علیہ السلام کی وفات ثابت نہ ہو۔ ع کچھ تو لوگو خُدا سے شرماؤ

۷۔ حدیث سو سال کے بعد قیامت آجائیگی اِسکا حوالہ دو

جواب:۔ یہ حدیث متعدد کُتب حدیث میں ہے ۔ (۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ لَمَّا رَجَعْنَا مِنْ تَبُوْكٍ سَئَالَ رَجُلٌ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلْعَمْ فَقَالَ مَتَى السَّاعَةُ فَقَالَ لَا یَاْتِیْ عَلَى النَّاسِ مِائَةُ سَنَةٍ وَعَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ نَفْسٌ مَنْفُوْسَةٌ الْیَوْمَ" (معجم صغیر طبرانی ص۱۵ مطبوعہ مطبع انصاری دہلی)۔ ابو سعیدؓ کہتے ہیں۔ کہ جب ہم جنگ تبوک سے واپس آئے تو ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ قیامت کب ہوگی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام بنی آدم پر سو سال نہ گذرے گا۔ مگر آج کے زندوں میں سے ایک بھی روئے زمین پر نہ ہوگا۔ یاد رہے کہ سائل کا سوال قیامت کے متعلق ہے۔

(۲) فَقَالَ اَرَأَیْتَکُمْ لَیْلَتَکُمْ هٰذِهٖ عَلٰى رَأْسِ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا یَبْقٰى مِمَّنْ هُوَ عَلٰى ظَهْرِ الْاَرْضِ اَحَدٌ" (ترمذی کتاب الفتن جلد ۲ ص۴۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آج کی اس رات سے سو سال نہ گذرے گا کہ روئے زمین کے موجودہ زندوں میں سے کوئی باقی نہ رہے گا۔

(۳) اس حدیث پر یہ حاشیہ لکھا ہے:۔ "اِنَّ الْغَالِبَ عَلٰى اَعْمَارِهِمْ اَنْ لَا تَتَجَاوَزَ ذٰلِكَ الْاَمْرُ الَّذِیْ اَشَارَ اِلَیْهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَیَکُوْنُ قِیَامَةُ اَهْلِ ذٰلِكَ الْعَصْرِ قَدْ قَامَتْ" (ترمذی ابواب الفتن باب حاشیہ جلد ۲ ص۴۹ مجتبائی)

کہ اُن کی عمر کے لئے غالب امر یہی تھا کہ وہ اس مدت سے جس کی تعیین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی تجاوز نہ کریں۔ پس اس زمانہ کے تمام لوگوں پر قیامت آگئی۔

(۴) صحیح مسلم میں ہے۔ "مَا مِنْ نَفْسٍ مَنْفُوْسَةٍ اَلْیَوْمَ یَاْتِیْ عَلَیْهَا مِائَةُ سَنَةٍ وَهِیَ حَیَّةٌ" (کنز العمال جلد ۷ ص۱۸۰ و مسلم کتاب الفتن باب قرب الساعۃ) یعنی "سو سال نہیں گذرے گا کہ آج کے زندوں میں سے کوئی بھی زندہ جان باقی نہ ہوگی"

(۵) مولوی ثناء اللہ امرتسری لکھتا ہے:۔ "آنحضرت فداہ امی وابی نے فوت ہوتے وقت فرمایا تھا کہ جو جاندار زمین پر ہیں۔ آج سے سو سال تک کوئی بھی زندہ نہ رہے گا" (تفسیر ثنائی جلد ۲ ص۱۰۵)

۸۔ "دجال" یا "رجال"

اعتراض:۔ مرزا صاحب نے تحفہ گولڑویہ ص۱۳ طبع اوّل میں یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالٌ یَخْتَلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ کو حدیث قرار دیا ہے اور یہ "دَجَّال" نہیں۔ بلکہ "رجال" ر کے ساتھ ہے۔

الجواب ا۔ یہ "دَجَّال" دال کے ساتھ ہی ہے۔ چنانچہ کنز العمال جلد ۷ ص۸ مطبوعہ دائرہ المعارف نظامیہ حیدر آباد دکن میں "دال" ہی کے ساتھ ہے۔

۲۔ قلمی نسخہ میں بھی "دال" ہی کے ساتھ ہے۔ چنانچہ مولینا مخدوم بیگ صاحب نائب شیخ الحدیث لکھتے

ہیں ۔ (کنز العمال مطبوعہ دائرۃ المعارف جلد سابع صہ) یَخْرُجُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُ یَخْتِلُوْنَ الدُّنْیَا بِالدِّیْنِ الخ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قلمی نسخہ میں دجّال بالدال صاف طور پر لکھا ہے۔

(مخدوم بیگ عفی عنہ مدرس مدرسہ نظامیہ منقول از تجلیات رحمانیہ صہ ۹۲)

۹۔ قرآنی پیشگوئی دربارہ تکفیر مسیح موعودؑ

بعض غیر احمدی مولوی یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں یہ پیشگوئی ہے کہ جب مسیح موعود آئے گا تو اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا۔ یہ جھوٹ ہے۔

الجواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن آیات قرآنی سے استنباط فرما کر یہ تحریر فرمایا ہے کہ مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگے گا حضورؑ نے اپنی تحریرات میں اُن آیات کا حوالہ بھی دیا ہے۔

۱۔ "قرآن نے بہت سی امثال بیان کر کے ہمارے ذہن نشین کر دیا ہے کہ وضع عالم دَوری ہے اور نیکوں اور بدوں کی جماعتیں ہمیشہ بروزی طور پر دُنیا میں آتی رہتی ہیں۔ وہ یہودی جو حضرت مسیح علیہ السلام کے وقت میں موجود تھے۔ خدا نے دُعا غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ سکھلا کر اشارہ فرما دیا کہ وہ بروزی طور پر اس اُمت میں بھی آنے والے ہیں۔ تا بروزی طور پر وہ بھی اس مسیح موعود کو ایذاء دیں جو اس امت میں بروزی طور پر آنے والا ہے۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں صہ ۱۵۹)

۲۔ "وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَاسِقُوْنَ (سورۃ النور: ۵۶)...... پس اِس آیت سے سمجھا جاتا ہے کہ مسیح موعود کی بھی تکفیر ہو گی۔ کیونکہ وہ خلافت کے اِس آخری نکتہ پر ہے۔"

(تحفہ گولڑویہ حاشیہ صہ ۶۲ طبع اوّل)

۳۔ نیز دیکھو تحفہ گولڑویہ صفحہ ۵۶، ۱۰۳، ۱۳۶ طبع اوّل

۴۔ مفصل و مزید بحث دیکھو پاکٹ بک صہ ... پر۔

۱۰۔ مفتری جلد پکڑا جاتا ہے

اعتراض:۔ حضرت نے لکھا ہے:۔ "دیکھو خدا تعالیٰ قرآن کریم میں صاف فرماتا ہے کہ جو میرے پر افتراء کرے۔ اس سے بڑھ کر کوئی ظالم نہیں اور میں جلد مفتری کو پکڑتا ہوں۔" (نشان آسمانی صہ ۳۱)...... "حالانکہ قرآن پاک میں کہیں نہیں لکھا کہ میں مفتری کو جلد ہلاک کرتا ہوں۔ بلکہ اس کے اُلٹ ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ فِی الدُّنْیَا" (یونس: ۷۰، ۷۱)

(محمدیہ پاکٹ بک صہ ۱۵۱ و صہ ۱۴۲ مطبوعہ یکم مارچ ۱۹۳۵ء)

الجواب:۔ (۱) افتراء علی اللہ کرنے والے کو پکڑنے کے متعلق الٰہی قانون پر ہم نے مفصل بحث صداقت حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری دلیل کے ضمن میں کر دی ہے (دیکھو پاکٹ بک ہذا صہ ۲۲۵)

(۲) مگر اس جگہ جو آیت تم نے پیش کی ہے اس کے مفہوم کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے۔
مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا سے مراد معترض نے غالباً "لمبی مہلت" لی ہے تبھی تو اس کو "جلد پکڑے جانے" کے "اُلٹ" قرار دیا ہے۔ حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے۔ تم خود اپنی محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۲۷۲ و صفحہ ۲۴۷ مطبوعہ ۱۹۳۵ء پر اپنے ہاتھ کاٹ چکے ہو۔ جہاں پر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت نقل کی ہے:۔
"إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُونَ - مَتَاعٌ قَلِيلٌ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ" (النحل: ۱۱۷-۱۱۸) اور خود ہی یہ ترجمہ بھی کیا ہے۔ "تحقیق مفتری نجات نہیں پائیں گے انہیں نفع تھوڑا ہے۔ عذاب دردناک"۔ گویا پہلی آیت میں جو صرف "مَتَاعٌ" کا لفظ تھا جس سے تم نے مغالطہ دینا چاہا کہ گویا مفتری کو "لمبی مہلت" ملتی ہے۔ اس آیت نے صاف کر دیا کہ "مَتَاعٌ قَلِيلٌ" کہ لمبی مہلت نہیں بلکہ "تھوڑی مہلت" ملتی ہے۔
ہاں تمہارا یہ کہنا کہ ۲۳ برس کی مہلت کو "جلد" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۲۴۹) کیونکر قرار دیا جاتا ہے اور کیا ۲۳ سال کا "جلد" ہوتا ہے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ۲۳ برس تو زیادہ سے زیادہ مہلت ہے جس تک کسی صورت میں بھی کوئی مفتری نہیں پہنچ سکتا۔ اور سچے کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے خواہ سو سال جیئے۔ مگر ہاں بعض دفعہ ۲۳ سال کیا ۱۴۰۰ سال کا "جلد" ہوا کرتا ہے۔ ملاحظہ ہو:۔
۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔ أَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ (ابن ماجہ کتاب الفتن باب اشراط الساعة مصری جلد دوم حدیث ۴۰۴۰) "کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں جس طرح دو جڑی ہوئی انگلیاں۔ مگر ۱۳۷۲ سال گذر گئے ابھی تک وہ "جلد" ختم نہیں ہوا۔
۲۔ ہاں سنو! قرآن مجید میں ہے:۔ اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ (القمر: ۲) کہ قیامت "قریب" آگئی اور چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ۱۴۰۰ سال گذرنے کو آتے مگر ابھی تک قیامت نہ آئی۔ فرمایئے یہ "جلد" کتنا طویل ہو گیا۔

۱۱۔ انبیاء گذشتہ کے کشوف

حضرت مرزا صاحب نے اربعین ۲ صفحہ ۲۳ طبع اول میں لکھا ہے کہ "اسلام کے موجودہ ضعف اور دشمنوں کے متواتر حملوں نے ضرورت ثابت کی۔ اور اولیاء گذشتہ کے کشوف نے اس بات پر قطعی مہر لگا دی کہ وہ چودہویں صدی کے سر پر پیدا ہو گا"۔ کسی نبی کے کشف کا حوالہ دو؟
جواب:۔ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "اربعین ۲" یا کسی دوسری کتاب میں اس ضمن میں "انبیاء گذشتہ" کا لفظ نہیں لکھا بلکہ "اولیاء گذشتہ" لکھا ہے۔ چنانچہ اصل اربعین (جو حضرت اقدس کے زمانہ میں چھپی ہے) اس کے دونوں ایڈیشنوں میں علی الترتیب صفحہ ۲۳ و صفحہ ۲۵ پر "اولیاء گذشتہ" ہی کا لفظ ہے۔ ہاں اربعین ۲ کے ایک نئے ایڈیشن میں جو بک ڈپو نے شائع کیا ہے کاتب کی غلطی سے لفظ "اولیاء" کی بجائے "انبیاء" لکھا گیا ہے۔ وہ حجت نہیں۔ تمہیں شرم آنی چاہیئے

کہ محض کتابت کی غلطیوں کی بناء پر مخلوق خدا کو دھوکا دیکر حق کے راستہ میں روکاوٹیں پیدا کرتے ہو۔ حالانکہ تم کو بارہا مناظرات میں اربعین ۲ ایڈیشن اوّل علیحدہ ۲۳ اور مجموعہ ۱ و ۲ ۲۵ سے لفظ "اولیاء" دکھایا بھی جا چکا ہے۔

۱۱-۳ انبیاء گذشتہ کی پیشگوئی

حضرت مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ہر نبی نے مسیح موعود کی آمد کی خبر دی ہے۔ اسکا حوالہ دو؟

الجواب ۱۔ بخاری شریف میں ہے:۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا بُعِثَ نَبِیٌّ اِلَّا اَنْذَرَ اُمَّتَہُ الْاَعْوَرَ الْکَذَّابَ (بخاری کتاب الفتن باب ذکر الدجال جلد ۲ ۱۴۳ مطبع البہیہ مصر) کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی نبی ایسا نہیں گذرا جس نے اپنی اُمت کو دجال سے نہ ڈرایا ہو۔"

پس جہاں تمام انبیاء دجال کا ذکر کرتے رہے ضروری ہے کہ اس کے قاتل مسیح موعود کا بھی اس کے ساتھ ہی ذکر کرتے رہے ہوں۔

۲۔ ذرا مہربانی کرکے پہلے تمام نبیوں کی کتابوں سے "کانے دجال" کا ذکر نکال کر دکھا دو۔ ہم وہیں سے مسیح موعود کی آمد کی پیشگوئی بھی نکال دیں گے۔

۳۔ ہم نے ذکر کیا ہے کہ یہ کس طرح ممکن ہے کہ انبیاء گذشتہ اپنی اُمتوں کے سامنے دجال کی آمد کا ذکر تو کریں مگر اس کے قاتل مسیح موعود کا ذکر نہ کریں۔ اس کی تائید دلائل النبوت کے مندرجہ ذیل حوالہ سے ہوتی ہے۔

"عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ------ قَالَ (مُوْسٰی) یَا رَبِّ اِنِّیْ اَجِدُ فِی الْاَلْوَاحِ اُمَّۃً یُؤْتُوْنَ الْعِلْمَ الْاَوَّلَ وَالْاٰخِرَ فَیَقْتُلُوْنَ قُرُوْنَ الضَّلَالَۃِ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَاجْعَلْھَا اُمَّتِیْ قَالَ تِلْکَ اُمَّۃُ اَحْمَدَ"

(دلائل النبوۃ لابی نعیم احمد بن عبد اللہ الاصبہانی مطبوعہ ۱۳۲۰ھ جلد ۱ صفحہ ۱۲ نیا ایڈیشن ۶۷)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کی کہ اے اللہ! میں نے اپنی الواح میں لکھا دیکھا ہے کہ ایک ایسی قوم ہوگی جن کو اگلا اور پچھلا سب علم دیا جائیگا۔ اور وہ گمراہی کی طاقتوں یعنی "دجال" کو قتل کریں گے۔ اے خدا! میری اُمت کو وہ قوم بنا دے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا کہ "نہیں" وہ قوم تو احمد کی جماعت ہے۔

اس روایت میں دجال کے خروج اور مسیح موعود کی بعثت کو علت و معلول اور لازم و ملزوم قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دجال کا مقابلہ کرنے والی جماعت "احمد" کے ساتھ تعلق رکھنے والی ہوگی۔ یعنی "جماعت احمدیہ" کہلائے گی۔

۱۳- مکتوبات کا حوالہ

بعض مخالفین کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی صفہ ۳۹ طبع اوّل پر جو حوالہ مکتوبات کا دیا ہے کہ جس پر کثرت سے اُمورِ غیبیہ ظاہر ہوں۔ وہ نبی ہوتا ہے۔ یہ غلط ہے۔ مکتوبات میں لفظ نبی نہیں بلکہ محدث کا ہے۔

الجواب:- مکتوباتِ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کی زبان فارسی ہے مگر حضرتِ اقدس علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی صفہ ۳۹ پر اُردو عبارت لکھی ہے پس حضرت اقدس علیہ السلام نے مکتوبات کی اصل عبارت نقل نہیں فرمائی۔ بلکہ مکتوبات کی کسی عبارت کا مفہوم درج فرمایا ہے اور مکتوبات میں ایسی عبارت موجود ہے جس کا مفہوم وہی ہے۔ جو حضرت اقدس علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی میں تحریر فرمایا ہے چنانچہ وہ عبارت درج ذیل کی جاتی ہے:-

متشابہاتِ قرآنی نیز از ظاہر مصروف اند و بر تاویل محمول قال اللہ تعالیٰ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللهُ یعنی تاویل آں متشابہ را ہیچ کس نمے داند مگر خدائے عزوجل پس معلوم شد کہ متشابہ نزد خدائے جل و علا نیز محمول بر تاویل ست و از ظاہر مصروف و علمائے راسخین را نیز از علم ایں تاویل نصیبے عطا می فرماند۔ چنانچہ بر علم غیب کہ مخصوص بادست سبحانہٗ خاص رسل را اطلاع می بخشد آں تاویل را خیال نکنی کہ در رنگِ تاویل "ید" ست بقدرت و تاویل "وجہ" بذات حاشا وکلا آں تاویل از اسرار است کہ بہ اخص خواص علم آں عطا می فرمایند۔"

(مکتوبات امام ربانیؒ جلد ا صفہ ۴۴۶ مطبع نولکشور مکتوب نمبر ۳۱۰)

یعنی قرآن مجید کے متشابہات بھی ظاہری معنی سے پھر کر محمول بر تاویل ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ اُن کی تاویل سوائے خدا کے اور کوئی نہیں جانتا۔ پس معلوم ہوا کہ متشابہات خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بھی محمول بر تاویل ہیں اور اُن کے ظاہری معنے مراد نہیں اور خدائے تعالیٰ علمائے راسخین کو بھی اس علم کی تاویل سے حصہ عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ اس سے بڑھ کر علمِ غیب جو خدا تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اس کی اطلاع صرف رسولوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔ اس تاویل کو ویسی نہ سمجھنا چاہیئے۔ جیسی کہ "ہاتھ" سے مراد "قدرت" اور "وجہ" سے مراد "ذاتِ الٰہی" ہے۔ حاشا وکلا ایسا نہیں۔ بلکہ اس تاویل کا علم تو وہ اپنے خاص الخاص بندوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔

اِس عبارت میں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے بتصریح تحریر فرمایا ہے کہ اسرارِ قرآنی کو اللہ تعالےٰ اپنے الہام سے خواصِ اُمت پر کھولتا ہے مگر جن کو اپنے مخصوص علمِ غیب سے اطلاع دیتا ہے وہ "رسول" ہوتے ہیں۔ پس تمہارا اعتراض بے محل ہے۔

☆

۱۴۔ تفسیر ثنائی اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

حضرت نے حمامۃ البشریٰ صفحہ ۴۷ طبع اول میں تفسیر ثنائی (از مولانا ثناء اللہ پانی پتی) کے حوالہ سے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی درایت کمزور تھی۔ حالانکہ تفسیر ثنائی مصنفہ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری میں یہ کہیں نہیں ملتا۔

الجواب :- تجاہل عارفانہ سے کام نہ لو۔ تفسیر ثنائی سے مراد مولوی ثناء اللہ امرتسری کی نام نہاد تفسیر نہیں۔ بلکہ جناب مولانا ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی مشہور و معروف تفسیر ہے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام دوسری جگہ معترض کی محولہ کتاب (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۲۲۴ طبع اول) سے کئی سال پہلے تصریح فرما چکے ہیں۔

قَالَ صَاحِبُ التَّفْسِيْرِ الْمَظْهَرِيِّ اَنَّ اَبَا هُرَيْرَةَ صَحَابِيٌّ جَلِيْلُ الْقَدْرِ وَلٰكِنَّهُ اَخْطَاءَ فِيْ هٰذَا التَّاْوِيْلِ۔ (حمامۃ البشریٰ صفحہ ۴۷ طبع اول)

کہ مصنف تفسیر مظہری نے لکھا ہے کہ گو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں لیکن انہوں نے "اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ" والی آیت میں اپنی طرف سے تاویل کرنے میں غلطی کھائی ہے۔ پس حضرت اقدس علیہ السلام نے جس تفسیر کا حوالہ دیا ہے وہ مولوی ثناء اللہ امرتسری کی تفسیر نہیں بلکہ "تفسیر مظہری" مؤلفہ جناب مولوی ثناء اللہ صاحب پانی پتی ہے۔ اس تفسیر میں بعینہٖ آیت محولہ "وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ" کے نیچے لکھا ہے :-

"تَاْوِيْلُ الْاٰيَةِ بِاِرْجَاعِ الضَّمِيْرِ الثَّانِيْ اِلٰى عِيْسٰى مَمْنُوْعٌ۔ اِنَّمَا هُوَ زَعْمٌ مِّنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ لَيْسَ ذٰلِكَ فِيْ شَيْءٍ فِي الْاَحَادِيْثِ الْمَرْفُوْعَةِ وَكَيْفَ يَصِحُّ هٰذَا التَّاوِيْلُ مَعَ اَنَّ كَلِمَةَ "اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ" شَامِلٌ لِلْمَوْجُوْدِيْنَ فِيْ زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ...... وَلَا وَجْهَ اَنْ يُّرَادَ بِهٖ فَرِيْقٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ يُوْجَدُوْنَ حِيْنَ نُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ" (تفسیر مظہری تفسیر سورۃ النساء زیر آیت و ان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ (النساء: ۱۶۰))

یعنی آیت اِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ میں قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ضمیر کو عیسیٰ علیہ السلام کی طرف پھیرنا ممنوع ہے (حضرت ابوہریرہؓ نے اس سے حضرت عیسیٰؑ مراد لئے ہیں تو) یہ حضرت ابوہریرہؓ کا اپنا زعم ہے جس کی تصدیق کسی حدیث سے نہیں ہوتی اور ان کا یہ خیال درست ہو کیونکر سکتا ہے جبکہ کلمہ "ان مِّن" میں تمام وہ لوگ بھی شامل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ (اور اس بات کی کوئی وجہ نہیں کہ اس سے مراد صرف وہ یہودی لئے جائیں جو حضرت عیسیٰ کے نزول کے وقت موجود ہونگے۔

❁

۱۵۔ حضرت ابوہریرہؓ کا اجتہاد

باقی عبارت محوّلہ میں حضرت اقدس علیہ السلام نے حضرت ابوہریرہؓ کے اجتہاد کو جو مردود قرار دیا ہے تو یہ درست ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

۱۔ اُصولِ حدیث کی مستند کتاب اصول شاشی (علامہ نظام الدین اسحاق بن ابراہیم الشاشی میں ہے:۔

"اَلْقِسْمُ الثَّانِیْ مِنَ الرُّوَاۃِ ھُمُ الْمَعْرُوْفُوْنَ بِالْحِفْظِ وَالْعَدَالَۃِ دُوْنَ الْاِجْتِھَادِ وَالْفَتْوٰی کَاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَاَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ" (اصول شاشی طبع اوّل ص۷۵ مع شرح از محمد فیض الحسن مطبوعہ کانپور ص۷۵) کہ راویوں میں سے دوسری قسم کے راوی وہ ہیں جو حافظہ اور دیانتداری کے لحاظ سے تو مشہور ہیں۔ اجتہاد اور فتویٰ کے لحاظ سے قابلِ اعتبار نہیں۔ جیسے ابوہریرہؓ اور انس بن مالکؓ۔

۲۔ عَنْ اَبِیْ حَسَّانٍ اَنَّ رَجُلَیْنِ دَخَلَا عَلٰی عَائِشَۃَ فَحَدَّثَھَا اَنَّ اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلطِّیَرَۃُ فِی الْمَرْءَۃِ وَالْفَرَسِ وَالدَّارِ فَغَضِبَتْ غَضَبًا شَدِیْدًا فَقَالَتْ مَا قَالَہٗ اِنَّمَا قَالَ کَانَ اَھْلُ الْجَاھِلِیَّۃِ یَتَطَیَّرُوْنَ مِنْ ذَالِکَ" (اصول الشاشی مَاثَبَتَ بِالسُّنَّۃِ ص۲۹) کہ دو شخص حضرت عائشہؓ کے پاس آئے اور کہا کہ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ عورت۔ گھوڑے اور گھر میں بدشگونی ہوتی ہے۔ اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سخت ناراض ہوئیں اور فرمایا کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعاً نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے تو یہ فرمایا تھا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ ان کو بدشگون سمجھتے تھے۔

۳۔ حضرت ابوہریرہؓ بے شک روزہ دار کے حق میں فتویٰ دیتے تھے کہ صبح ہونے سے پہلے غسل کر چکے اور عائشہ صدیقہؓ کی روایت چونکہ مرفوع ہے۔ اس لیے بحکم اُصول حدیث وہ مقدم ہے۔ کیونکہ شارع علیہ السلام کا فعل ہے اور ابوہریرہؓ کا فتویٰ اُن کا اجتہادی ہے"

(اہلحدیث ۱۸ر جولائی ۱۹۳۰ء)

۴۔ فقہاء میں بعض اس بات کے قائل ہیں کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا۔ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا۔ اگر یہ صحیح ہو تو اس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائیگا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت ابوہریرہؓ کو ضعیف الروایت نہیں سمجھتے تھے لیکن چونکہ اُن کے نزدیک یہ روایت درایت کے خلاف تھی اس لیے انہوں نے تسلیم نہیں کی اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے میں غلطی ہو گئی"

(اہلحدیث ۲۲ر نومبر ۱۹۲۹ء)

۱۶۔ مبارک احمد کی وفات کی پیشگوئی

صاجزادہ مبارک احمد کی وفات پرحضرت مرزا صاحب نے لکھا تھا کہ اس کی وفات کے متعلق مَیں پہلے سے پیشگوئی کرچکا ہوں کہ وہ بچپن میں فوت ہو جائیگا (تریاق القلوب طبع اوّل ص۴۰ حاشیہ) یہ جھوٹ ہے (نعوذ باللہ)

جواب :۔ مبارک احمد کی وفات پرحضرت اقدس علیہ السلام نے جو کچھ فرمایا۔ اسی حوالہ میں موجود ہے۔ "اللہ تعالیٰ نے اُس کی پیدائش کے ساتھ ہی موت کی خبر دے رکھی تھی۔ تریاق القلوب ص۴۰ مطبوعہ ۱۹۰۲ء میں لکھا ہے۔" اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ" تذکرہ چوتھا ایڈیشن ص۳۳۴) مگر قبل از وقت ذہول رہتا ہے اور ذہن منتقل نہیں ہوا کرتا۔" (الحکم جلد ۱۱ ۲۴/۳۹ ستمبر ۱۹۰۷ء ص۵)

۱۔ تریاق القلوب ص۴۰ (جس کا حوالہ حضرتؑ نے دیا ہے) اُس میں ہے۔

" اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ۔" کہ مَیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور اُسی کی طرف چلا جاؤنگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تریاق القلوب میں اس الہام کو مع ترجمہ درج فرما کر اپنی طرف سے لکھتے ہیں :۔" اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لڑکا چھوٹی عمر میں فوت ہو جائیگا۔ یا یہ رجوع بحق ہوگا۔

(تریاق القلوب ص۴۰ طبع اوّل ۱۹۰۲ء)

۲۔ ۱۸ نومبر ۱۹۰۶ء :۔ "دیکھا کہ ہمارے باغ (بہشتی مقبرہ) میں کچھ لوگ ایک جڑھ لگا رہے ہیں ساتھ ہی الہام ہوا "مبارک"۔ (الحکم جلد ۱۰ ۲۴/۴۰ نومبر ۱۹۰۶ء ص۱)

۳۔" خواب میں دیکھا کہ ایک عورت کو تین روپے دے رہا ہوں اور اس سے کہتا ہوں کہ کفن کے لئے مَیں آپ دُونگا۔ گویا کوئی مر گیا ہے۔ اُس کی تجہیز و تکفین کے لئے تیاری ہے۔"

(الحکم جلد ۱۱ ۳۱/۲۷ جولائی ۱۹۰۷ء ص۳)

حضرت صاجزادہ مرزا مبارک احمد صاحب ۱۶ ستمبر ۱۹۰۷ء کو فوت ہوئے۔

۴۔" مَیں نے خواب میں دیکھا کہ ایک گڑھا قبر کے اندازہ کی مانند ہے اور ہمیں معلوم ہوا ہے کہ اس میں ایک سانپ ہے۔ اور پھر ایسا خیال آیا کہ وہ سانپ گڑھے میں سے نکل کر کسی طرف بھاگ گیا ہے اس خیال کے بعد مبارک احمد نے اس گڑھے میں قدم رکھا۔ اس کے قدم رکھنے کے وقت محسوس ہوا کہ وہ سانپ ابھی گڑھے میں ہے۔ اور سانپ نے حرکت کی۔"

(الحکم جلد ۱۱ ۱۷/۶ فروری ۱۹۰۷ء ص۱)

۵۔" اِنَّ خَبَرَ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَاقِعٌ " کہ اللہ نے جو خبر بتلائی تھی وہ واقع ہونے والی ہے۔ فرمایا:۔ کسی پیشگوئی کے ظہور کا وقت آگیا ہے۔۔۔۔۔ ایک بڑا ستارہ ٹوٹا ہے۔"

(الحکم جلد ۱۱ ۲۴/۲۸ اگست ۱۹۰۷ء ص۳)

٭

۱۷۔ کَانَ فِی الْھِنْدِ نَبِیًّا

ا۔ مرزا صاحب نے چشمۂ معرفت ضمیمہ ص۱۰ میں حدیث لکھی ہے کہ "کَانَ فِی الْھِنْدِ نَبِیًّا اَسْوَدَ اللَّوْنِ اِسْمُہٗ کَاھِنًا" اس کا حوالہ دو۔

ب۔ مرزا صاحب نے ایسے شخص کو نبی کہا ہے جس کا قرآن میں نام نہیں۔

الجواب:۔ (ا) یہ حدیث "تاریخ ہمدان دیلمی باب الکاف میں ہے۔

(ب) قرآن مجید میں ہے ا۔ "وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا" (النحل: ۳۷) کہ ہم نے ہر قوم میں نبی بھیجے ہیں۔

۲۔ وَ اِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ (فاطر: ۲۵)

۳۔ وَ لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ (الرعد: ۸)

پس ان آیات سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ نزولِ قرآنِ مجید کے قبل بھی ہندوستان میں کوئی نبی ہو چکا ہے۔

(ج) باقی رہا اُن کو نبی قرار دینا جس کا نام قرآن مجید میں بطور نبی نہ لکھا ہوا ہو تو آپ ہی کے علماء نے مندرجہ ذیل بزرگوں کو نبی کیسے قرار دیا۔

۱۔ ذوالقرنین نبی تھا۔ (تفسیر کبیر امام رازی جلد ۵ ص۵۰۲)

حالانکہ قرآن مجید میں کہیں نہیں لکھا کہ ذوالقرنین نبی تھا۔

۲۔ خضر (تفسیر کبیر جلد ۵ ص۳۷) حالانکہ قرآن مجید میں خضر کا نام تک نہیں۔

۳۔ لقمان۔ (ابن جریر جلد ۲۱ ص۴۳ مصری)

۴۔ "فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ" والی آیت سورۃ یٰسین کے متعلق مفسرین نے (خصوصاً حضرت ابن عباسؓ نے) (۱) یوحنا (۲) پولس (۳) شمعون کو "ھُمْ رُسُلُ اللّٰہِ" کہا ہے (روح المعانی جلد ۷ ص۲۰۲)۔

۵۔ خالد بن سنان نبی تھا (جمل لابی البقاء جلد ۱ ص۲۹۹ و تفسیر حسینی جلد ۱ ص۱۲۹)

۶۔ نیز مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی نے بھی کرشن کو نبی مانا ہے (دیکھو دھرم پرچار ص۸ و مباحثہ شاہجہان پور ص۳۱)

۱۸۔ این مشت خاک را گر نہ بخشم چہ کنم

مرزا صاحب نے لکھا ہے (البدر جلد ۲ ص۱ مورخہ ۲ جنوری ۱۹۰۳ء ص۸) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فارسی زبان میں مندرجہ بالا الہام ہوا۔ اس کا حوالہ دو؟

جواب:۔ یہ حدیث کتاب کوثر النبیؐ باب الفاء میں ہے جو قادیان کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

باقی رہا نبی کو غیر زبان میں الہام ہونا۔ تو اس کا جواب بالتفصیل الہامات پر اعتراضات کے جواب میں گذر چکا ہے۔

۱۹۔ طاعون کے وقت شہر سے نکلنا

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ حدیث میں ہے جس شہر میں وبا ہو۔ اس شہر کے لوگ بلا توقف شہر سے باہر نکل آئیں۔ (ریویو جلد ۶ نمبر ۹ ماہ ستمبر ۱۹۰۷ء ص ۳۶۵)

جواب:۔ (الف) "یَا اَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ هٰذَا الطَّاعُوْنَ رِجْسٌ فَتَفَرَّقُوْا عَنْهُ فِی الشِّعَابِ" اے لوگو! یہ طاعون نہایت خبیث ہے۔ پس تم گھاٹیوں اور میدانوں میں پھیل جاؤ۔ (قول عمرو بن عبسہ کنز العمال جلد ۲ ص ۲۲۴ بڑی تختی والی)

(ب) قرآن مجید میں ہے۔ وَاَحْیَیْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّیْتًا (ق ۱۲) پس شہر یا گاؤں کی ملحقہ زمینیں شہر ہی میں شامل ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو منع فرمایا ہے۔ وہ شہر سے باہر نکلنے سے ہے۔ اِس امر سے منع نہیں فرمایا کہ شہر یا گاؤں کی ملحقہ اراضیات میں بھی نہ جایا جائے۔

۲۰۔ چاند سورج کو دو دفعہ گرہن

حضرت مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی ص ۱۹۵ طبع اوّل میں لکھا ہے کہ حدیث میں ہے کہ مہدی کے وقت میں کسوف خسوف رمضان دو دفعہ ہوگا۔ چنانچہ امریکہ اور ہندوستان میں دو دفعہ یہ کسوف خسوف ہوا۔ جو میری صداقت کی دلیل ہے۔ حدیث وکتاب کا حوالہ دو جہاں دو مرتبہ خسوف کا ذکر ہو۔

الجواب:۔ اس کے حوالہ کے لئے دیکھو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۴۔

"پیش ازیں کہ ماہ رمضان گذشتہ باشد۔ دو دے دو کسوف شمس وقمر شدہ باشد۔ انتہی و در اشاعت گفتہ دو بار در رمضان خسوف قمر شود۔" ؎

وَکَمْ نَدِمْتَ عَلٰی مَاکُنْتَ قُلْتَ بِهٖ
وَمَا نَدِمْتَ عَلٰی مَالَمْ تَکُنْ تَقُلِ

۲۱۔ معیارِ طہارت

حضرت مرزا صاحب نے اپنے ایک مکتوب محررہ ۲۵ ر نومبر ۱۹۰۳ء میں جو الفضل ۲۲ ر فروری ۱۹۲۴ء ص ۹ میں شائع ہوا صحابہؓ کے متعلق لکھا ہے کہ "وہ کپڑے پر منی گرتی تھی تو خشک ہونے کے بعد اُس کو جھاڑ دیتے تھے۔۔۔۔ ایسے کنوئیں سے پانی پیتے تھے جس میں حیض کے لتے پڑتے تھے۔۔۔۔ عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھالیتے تھے حالانکہ مشہور تھا کہ سوّر کی چربی اس میں پڑتی ہے۔۔۔۔ کسی مرض کے وقت اونٹ کا پیشاب بھی پی لیتے تھے۔ (اخبار الفضل قادیان ۲۲ ر فروری ۱۹۲۴ء ص ۹) اِن امُور کا ثبوت دو؟

جواب:۔ یہ سب امور حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ ثابت کرنے کے لئے تحریر فرماتے ہیں کہ محض شک اور شبہ کی بناء پر آدمی کو غسل کرنے اور کپڑے دھونے کا وہم نہیں کرنا چاہیئے چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام اسی خط میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"اسی طرح شک وشبہ میں پڑنا بہت منع ہے۔شیطان کا کام ہے جو ایسے وسوسے ڈالتا رہتا ہے۔ ہرگز وسوسہ میں نہیں پڑنا چاہیئے گناہ ہے اور یاد رہے کہ شک کے ساتھ غسل واجب نہیں ہوتا اور نہ صرف شک سے کوئی چیز پلید ہو سکتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ وہمیوں کی طرح ہر وقت کپڑا صاف نہیں کرتے تھے۔" (اخبار الفضل قادیان ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء ص ۹)

اس کے بعد آپ نے وہ مثالیں درج فرمائی ہیں جن کا حوالہ معترض نے دیا ہے۔ باقی رہا ان امور کا جن حضورؑ نے ذکر فرمایا ثبوت ۔ تو سنو:۔

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی سمجھے کہ اُسے رات کو احتلام ہوا تھا مگر تری نہ دیکھے تو اُسے غسل کے متعلق کیا حکم ہے؟ حضور صلعم نے فرمایا کہ اُس پر غسل نہیں ہے۔ (منتقیٰ لابن تیمیہ ص ۲۵)

۲۔ کُنْتُ اُفْرِکُ الْمَنِیَّ مِنْ ثَوْبِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَابِسًا (منتقیٰ لابن تیمیہ ص) یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے پر سے خشک شدہ منی کھرچ دیتی تھی۔

۳۔ حضرت ابوسعید الخدریؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا ہم بئر بضاعۃ کے پانی سے وضو کر لیا کریں۔ تو حضور صلعم نے فرمایا اَلْمَاءُ طَھُوْرٌ لَایُنَجِّسُہٗ شَیْءٌ کہ یہ پانی پاک ہے پلید نہیں۔ پس بیشک وضو کر لیا کرو۔ حالانکہ وہیں پر لکھا ہے:۔

"ھِیَ بِئْرٌ تُلْقٰی فِیْھَا الْحِیَضُ وَلُحُوْمُ الْکِلَابِ" کہ یہ وہ کنواں تھا جس میں خون حیض اور کتوں کا گوشت پڑتا تھا۔ وہیں پر ابو داؤد کی روایت کے حوالہ سے یہ بھی لکھا ہے کہ اس کنوئیں کا پانی صحابہ پی بھی لیا کرتے تھے۔ (منتقیٰ مؤلفہ ابن تیمیہ ص ۴)

۴۔ عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھانے میں کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے:۔ "وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ" (المائدہ ۶:۲) کہ عیسائیوں اور یہودیوں کے ہاتھ کا یا اُن کا بنا ہوا کھانا حلال ہے۔ باقی رہا اس کے متعلق یہ مشہور ہونا کہ اس میں سؤر کی چربی ہوتی تھی۔ تو اس متعلق حضرت اقدس علیہ السلام کا مکمل فقرہ یوں ہے:۔

"عیسائیوں کے ہاتھ کا پنیر کھا لیتے تھے۔ حالانکہ مشہور تھا کہ اس میں سؤر کی چربی پڑتی ہے اصول یہ تھا کہ جب تک یقین نہ ہو ہر ایک چیز پاک ہے۔ محض شک سے کوئی چیز پلید نہیں ہو جاتی۔"

(اخبار الفضل قادیان ۲۲ فروری ۱۹۲۴ء ص ۹ مکتوب محررہ ۲۵ نومبر ۱۹۰۳ء)

پس یہ کہنا کہ اس پنیر میں فی الواقعہ سؤر کی چربی ہوتی تھی حضرت اقدس علیہ السلام پر افتراء ہے حضرت اقدسؑ نے تو یہ فرمایا ہے کہ بات غلط طور پر لوگ مشہور کرتے ہیں۔ مگر چونکہ یہ بات غلط تھی اور صحابہؓ کے

علم کے رُو سے بھی اس پنیر میں سوٴر کی چربی نہ ہوتی تھی۔ اس لئے وہ اس کو استعمال کر لیتے تھے۔ غرضیکہ اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔ اور صحابہؓ کا یہ فعل قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیت کے عین مطابق تھا، لیکن ممکن ہے کہ معترض کی تسلی بغیر حوالے کے نہ ہو۔ اس لئے مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں:۔

ا۔ "وَجُوْخٌ اِشْتَهَرَ عَمَلُهٗ بِشَحْمِ الْخِنْزِيْرِ وَجُبْنٌ شَامِيٌّ اِشْتَهَرَ عَمَلُهٗ بِالْفَحْتِ الْخِنْزِيْرِ وَقَدْ جَآءَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جُبْنَةٌ مِنْ عِنْدِهِمْ فَاَكَلَ مِنْهَا وَلَمْ يَسْئَلْ عَنْ ذَالِكَ۔ ذَكَرَهٗ شَيْخُنَا فِيْ شَرْحِ الْمِنْهَاجِ"

(فتح المعین شرح قرۃ العین مصنفہ علامہ شیخ زین الدین بن عبد العزیز مطبوعہ ۱۳۱۱ھ صفحہ ۱۴۲ باب الصلوٰۃ)

ب۔ جوخ جو مشہور ہے بنانا اس کا ساتھ چربی سوٴر کے۔ اور پنیر شام کا جو مشہور ہے بنانا اس کا ساتھ مایۂ سوٴر کے۔ اور آیا جناب سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پنیر اُن کے پاس سے۔ پس کھایا آنحضرت صلعم نے اُس سے۔ اور نہ پوچھا اُس سے۔"

(رسالہ اظہارِ حق در باب "جواز طعام اہلِ کتاب" شائع کردہ خان احمد شاہ صاحب قائمقام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر ہوشیار پور مطبوعہ مطبع اتالیق ہند لاہور صفحہ ۱۶ جس پر مولوی سید نذیر حسین دہلوی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی۔ مولوی عبد الحکیم کلانوری، مولوی غلام علی قصوری اور دیگر علماء ہند کے دستخط و مواہیر ثبت ہیں مطبوعہ ۱۸۷۵ء)

۵۔ حضرت اُمِّ قیس بنت محصن اپنا ایک شیر خوار بچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لائیں۔ بچہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ لکھا ہے کہ "فَدَعَا بِمَآءٍ فَنَضَحَهٗ عَلَيْهِ وَلَمْ يَغْسِلْهُ" (منتقیٰ مؤلفہ ابن تیمیہ صفحہ ۶) کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی منگایا اور اپنے کپڑے پر اُس کا چھینٹا دیا۔ مگر کپڑے کو نہ دھویا۔

۶۔ "عکل یا عرینہ کے چند مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے مدینہ میں بباعث ناموافقت آب وہوا وہ بیمار ہو گئے۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکو اونٹوں کا پیشاب اور اونٹنیوں کا دودھ پینے کا حکم دیا۔" (منتقیٰ مؤلفہ ابن تیمیہ صفحہ ۹)

غرضیکہ حضرت اقدس علیہ السلام نے جو اس ضمن میں تحریر فرمایا ہے۔ اس میں کسی شک و شبہ کی یا اعتراض کی گنجائش نہیں۔

۲۲۔ تورات کے چار سو نبی

اعتراض:۔ حضرت مرزا صاحب نے ازالہ اوہام حصہ دوم صفحہ ۶۲۹ طبع اوّل میں لکھا ہے کہ تورات میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبیوں کو شیطانی الہام ہوا تھا۔ ۱۔ سلاطین باب ۲۲ آیت ۶ تا ۱۹۔ تورات میں ہرگز یہ نہیں لکھا۔ بلکہ وہاں تو یہ لکھا ہے کہ وہ بعل بُت کے پجاری تھے۔

(۱۔ سلاطین باب ۱۶ آیت ۳۱، ۲۔ سلاطین باب ۱۰ آیت ۱۹)

الجواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جن چار سو نبیوں کا ذکر فرمایا ہے وہ جھوٹے نبی نہیں تھے۔ اور نہ وہ بعل بُت کے پجاری تھے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود تورات کا حوالہ دیا ہے۔

"مجموعہ تورات میں سے سلاطین اول باب بائیس[۲۲] آیت ۶، ۱۹، ۲۲ میں لکھا ہے کہ ایک بادشاہ کے وقت میں چار سو نبی نے اُس کی فتح کے بارے میں پیشگوئی کی اور وہ جھوٹے نکلے اور بادشاہ کو شکست آئی۔"

(ازالہ اوہام طبع سوم صفحہ ۲۵۷ وطبع اول صفحہ ۶۲۹)

مگر جو جھوٹے نبی بعل بُت کے پجاری تھے اُن کا ذکر باب ۲۲ میں نہیں بلکہ ۱۶ میں ہے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حوالہ باب ۲۲ کا دیا ہے۔ نہ کہ باب ۱۶ کا۔

۲۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے فرمایا ہے:۔

"بائبل میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ چار سو نبی کو شیطانی الہام ہوا تھا...... اور ایک پیغمبر جس کو جبرائیل سے الہام ملا تھا...... سو یہ خوشخبری سچی نکلی۔ مگر اس چار سو نبی کی پیشگوئی جھوٹی ظاہر ہوئی۔"

(ضرورت الامام صفحہ ۱۷، ۱۸ طبع اول قادیان ستمبر ۱۸۹۸ء)

اور یہ سب کچھ ۱۔ سلاطین باب ۲۲ آیت ۵ تا ۲۸ میں لکھا ہوا موجود ہے۔ اور یہوسفط نے شاہِ اسرائیل سے کہا۔ آج کے دن خداوند (نہ کہ بعل۔ خادم) کی مرضی الہام سے دریافت کیجئے۔ تب شاہِ اسرائیل نے اُس روز نبیوں کو جو چار سو کے قریب تھے اکٹھا کیا۔ اور اُن سے پوچھا۔ پھر یہوسفط بولا۔ اِن کے سوا خداوند کا کوئی نبی ہے؟ (اس کے بعد لکھا ہے کہ میکایاہ نبی کو بلایا گیا۔ خادم) اُس نے (میکایاہ نے) جواب میں کہا...... دیکھ خداوند تیرے نے اِن سب نبیوں کے مُنہ میں جھوٹی رُوح ڈالی ہے اور خداوند ہی نے تیری بابت (مجھ کو) خبر دی ہے۔" (۱۔ سلاطین باب ۲۲)

غرض باب ۲۲ والے نبی بعل والے نبی نہیں ہیں۔ بعل والے نبیوں کا ذکر باب ۱۶ میں الگ طور پر درج ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔ اور ان کی تعداد چار سو نہیں بلکہ چار سو پچاس تھی۔ (۱۔ سلاطین ۱۸/۲۲) پس حضرت اقدس علیہ السلام نے ان کا ذکر نہیں فرمایا۔

۳۔ جہاں تک حوالہ کا تعلق تھا وہ گذر چکا، لیکن ہمیں حیرت ہے کہ تورات کے ان نبیوں پر شیطانی الہام کے ذکر سے تم اتنا کیوں چمکتے ہو جبکہ تم ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی مانتے ہو کہ ایک دفعہ آپؐ کو بھی شیطانی الہام ہو گیا تھا (نعوذ باللہ) دیکھو جلالین مجتبائی صفحہ ۲۸۲ وزرقانی شرح مواہب الدنیہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۰ مفصل بحث کے لئے دیکھو پاکٹ بک ہذا مضمون حضرات انبیاء علیہم السلام پر غیر احمدی علماء کے بہتانات" آخری حصہ)۔

۲۳۔ وعدہ خلافی

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ کا اشتہار دیا۔ لوگوں سے روپے لئے کہ تین سو دلائل (براہین احمدیہ حصہ

پنجم دیباچہ ص۵) لکھوں گا۔ مگر سب روپیہ کھا گئے۔ اور دلائل شائع نہ کئے۔ جس سے قومی نقصان ہوا۔ اور وعدہ خلافی بھی۔

الجواب:۔ اس اعتراض کے تین حصّے ہیں۔

(۱) وعدہ خلافی (۲) روپیہ (۳) قومی نقصان۔

یعنی اگر وہ دلائل شائع ہوتے۔ تو اُن سے بہت فائدہ پہنچتا۔ سو وعدہ خلافی کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنا ارادہ تو فی الواقع تین سو دلائل براہین احمدیہ نامی کتاب ہی میں لکھنے کا تھا۔ مگر ابھی چار حصّے ہی لکھنے پاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مامور فرما دیا۔ اور اُس سے زیادہ عظیم الشان کام کی طرف متوجہ کر دیا۔ اس لئے حضورؑ کو مجبورًا براہین احمدیہ کی تالیف کا کام چھوڑنا پڑا۔ اور یہ بات اہلِ اسلام کے ہاں مسلّم ہے کہ حالات کے تبدیل ہونے کے ساتھ وعدہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومن مَردوں اور مومن عورتوں کے ساتھ جنّت کا وعدہ کرتا ہے۔ اب اگر ایک مومن مُرتد ہو جائے تو گو پہلے خدا کا اُس کے ساتھ وعدہ جنّت کا تھا مگر اب وہ دوزخ کے وعدہ کا مستحق ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر ایک ہندو بعد میں مسلمان ہو جائے تو گو اُس کے ساتھ پہلے وعدہ جہنّم کا تھا۔ مگر اب تبدیلیٔ حالات کی وجہ سے وہ جنّت کا مستحق بن جائے گا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تبدیلیٔ حالات کا ذکر براہین احمدیہ حصہ چہارم کے ٹائیٹل پیج کے آخری صفحہ پر زیر عنوان "ہم اور ہماری کتاب" فرمایا ہے۔

۲۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات آنے کا وعدہ کر گئے۔ مگر حسبِ وعدہ نہ آئے۔ دوسرے دن جب آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دریافت فرمایا:" لَقَدْ كُنْتَ وَعَدْتَنِيْ اَنْ تَلْقَانِيْ فِي الْبَارِحَةِ قَالَ اَجَلْ وَلٰكِنَّا لَا نَدْخُلُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ۔" (مشکوٰۃ کتاب التصاویر ص۳۸۵ مجتبائی)

کہ آپ تو کل آنے کا وعدہ کر گئے تھے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں وعدہ تو کر گئے تھے مگر ہم ایسے مکان میں داخل نہیں ہوا کرتے جس میں کُتّا یا صورت ہو۔

۳۔ عَنْ مُجَاهِدٍ اَنَّهٗ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لِقُرَيْشٍ اِسْأَلُوْهُ عَنِ الرُّوْحِ وَعَنْ اَصْحَابِ الْكَهْفِ وَ ذِي الْقَرْنَيْنِ فَسْئَلُوْهُ فَقَالَ اِئْتُوْنِيْ غَدًا اُخْبِرُكُمْ وَلَمْ يَسْتَثْنِ فَاَبْطَاَ عَنْهُ الْوَحْيُ بِضْعَةَ عَشَرَ يَوْمًا حَتّٰى شَقَّ عَلَيْهِ وَكَذَّبَتْهُ قُرَيْشٌ۔"

(تفسیر کمالین برحاشیہ جلالین ص۲۴۱ مجتبائی)

مجاہد سے روایت ہے کہ ایک دفعہ یہودیوں نے قریش سے کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رُوح اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کرو۔ پس انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کل آنا۔ مَیں تم کو بتاؤں گا۔ اِس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی استثناء نہ کی یعنی آپ نے انشاء اللہ بھی نہ فرمایا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قریبًا عشرہ تک وحی رُکی رہی۔ یہاں تک کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ امر شاق گذرا۔ اور آنحضرت صلعم کو قریش نے جھوٹا آدمی قرار دیا۔ (نعوذ باللہ)

دوسرا سوال براہین احمدیہ کا روپیہ:۔ اس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اعلان پڑھو:۔

" ایسے لوگ جو آیندہ کسی وقت جلد یا بدیر اپنے روپیہ کو یاد کرکے اس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کرنے کو تیار ہیں۔ یا اُن کے دل میں بھی بدظنی پیدا ہوسکتی ہے۔ وہ براہِ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھ کو بذریعہ خط مطلع فرما دیں اور میں اُن کا روپیہ واپس کرنے کے لئے یہ انتظام کرونگا کہ ایسے شہر میں یا اُن کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کردونگا کہ تا چاروں حصّے کتاب کے لیکر روپیہ اُن کے حوالے کرے اور میں ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور دُشنام دہی کو بھی محض للہ بخشتا ہوں کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لئے قیامت میں پکڑا جاتے اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدارِ کتاب فوت ہوگیا ہو اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملی ہو۔ تو چاہیئے کہ وارث چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصلی وارث وہی ہے وہ خط میری طرف بھیجدے۔ تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیجدیا جائیگا" (تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۳۵، ۳۶ نیز دیکھو اربعین ۴ صت ۲۸ پر حضرت اقدسؑ کا عام اشتہار و تبلیغ رسالت جلد ۷ صت ۸۸ اشتہار یکم مئی ۱۸۹۳ء و کتاب ایام الصلح صت ۱۷۱) اس بات کا ثبوت کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے محض اعلان پر ہی اکتفا نہیں فرمایا بلکہ اس کے مطابق عملی طور پر روپیہ واپس بھی کیا دشمنِ سلسلہ ڈاکٹر عبدالحکیم خان کا مندرجہ ذیل معاندانہ بیان ہے:۔

"پوری قیمت وصول کرکے اور سوا سو آدمیوں کو قیمت واپس دیکر کُل کی طرف سے اپنے آپ کو فارغ البال سمجھا جاتے" (الذکر الحکیم صت ۶۔ کانا دجال صت ۴۴ آخری سطر)

گویا شدید سے شدید دشمن بھی تسلیم کرتا ہے کہ قیمت واپس دی گئی گو وہ اپنے دجالانہ فریب سے حق کو چھپانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تاہم حق بات اس کے قلم سے نکل گئی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں:۔

۱۔ "پس جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں اکثر نے گالیاں بھی دیں اور اپنی قیمت بھی واپس لی" (دیباچہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم صت ۷)

۲۔ "ہم نے .... دو مرتبہ اشتہار دے دیا کہ جو شخص براہین احمدیہ کی قیمت واپس لینا چاہے وہ ہماری کتابیں ہمارے حوالے کرے اور اپنی قیمت لے لے۔ چنانچہ وہ تمام لوگ جو اس قسم کی جہالت اپنے اندر رکھتے تھے انہوں نے کتابیں بھیجدیں اور قیمت واپس لے لی۔ اور بعض نے تو کتابوں کو بہت خراب کرکے بھیجا۔ مگر پھر بھی ہم نے قیمت دے دی۔ ..... خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ ایسے دنی طبع لوگوں سے خدا تعالیٰ نے ہم کو فراغت بخشی"

(تبلیغ رسالت جلد ۷ صت ۸۵ و ایام الصلح طبع اول صت ۱۷۳ و طبع ثانی صت ۱۹۸)

باقی رہا تیسرا سوال کہ تین سو دلائل لکھتے تو اسلام کو فائدہ ہوتا تو اس کا جواب یہ ہے کہ براہینِ احمدیہ

کے پہلے چار حصّوں میں حضرت اقدس علیہ السلام نے اسلام کی صداقت پر دو قسم کے دلائل دیئے ہیں۔

۱۔ اعلیٰ تعلیمات ۲۔ زندہ معجزات

اور حقیقت یہ ہے کہ یہی دونوں ہزارہا دلائل پر حاوی ہیں۔ چنانچہ خود حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تحریر فرمایا ہے:۔

"مَیں نے پہلے ارادہ کیا تھا کہ اثبات حقیقت اسلام کے لئے تین سو دلیل براہین احمدیہ میں لکھوں لیکن جب مَیں نے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ یہ دو قسم کے دلائل ہزارہا نشانوں کے قائمقام ہیں۔ پس خدا نے میرے دل کو اس ارادہ سے پھیر دیا۔ اور مذکورہ بالا دلائل کے لکھنے کے لئے مجھے شرح صدر عنایت کیا۔" (دیباچہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم ص۵)

نیز حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی متعدد کُتب میں جو اسّی سے بھی زیادہ ہیں ان میں صداقتِ اسلام کے تین سو سے بھی زائد دلائل بیان فرما دیئے ہیں۔ اگر غیر احمدی علماء مقابل پر آئیں تو ہم ان کتابوں میں سے وہ دلائل نکال کر دکھا سکتے ہیں۔

۲۴۔ پانچ پچاس کے برابر

مرزا صاحب نے براہین احمدیہ حصہ پنجم دیباچہ ص۷ پر لکھا ہے کہ مَیں نے براہین احمدیہ کے پچاس حصے لکھنے کا ارادہ کیا تھا۔ مگر اب صرف پانچ ہی لکھتا ہوں۔ پانچ بھی پچاس ہی کے برابر ہیں۔ صرف ایک نقطے کا فرق ہے۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو پانچ کو پچاس کے برابر قرار دیا ہے تو یہ حساب اپنی طرف سے نہیں لگایا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا بتایا ہوا حساب ہے۔ اگر اعتبار نہ ہو تو بخاری کی یہ حدیث پڑھو۔

"فَقَالَ ہِیَ خَمْسٌ وَ ہِیَ خَمْسُوْنَ (بخاری کتاب الصلوٰۃ پہلی حدیث جلد ا ص۵ مصری) کہ معراج کی رات جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورہ سے پچاس نمازوں میں تخفیف کرانے کے لئے آخری مرتبہ اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتے تو خدا تعالیٰ نے فرمایا "لیجیئے یہ پانچ! یہ پچاس ہیں۔"

اور مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ میں حدیث معراج کے یہ الفاظ ہیں:۔

"قَالَ ھٰذِہٖ خَمْسُ صَلٰوۃٍ بِکُلِّ وَاحِدٍ عَشْرٌ فَھٰذِہٖ خَمْسُوْنَ صَلٰوۃً" (مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ حدیث معراج) کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا یہ پانچ نمازیں ہیں۔ ہر ایک دس کے برابر ہے۔ پس یہ پچاس نمازیں ہو گئیں۔ فلا اعتراض۔

۲۵۔ مبالغہ کا الزام

مرزا صاحب نے مبالغے کئے ہیں۔ لکھا ہے کہ میرے شائع کردہ اشتہارات ساٹھ ہزار کے قریب ہیں۔

اربعین ۳ صفحہ ۲۹ طبع اول۔ اور میری کتابیں پچاس الماریوں (تریاق القلوب صفحہ ۱۵ طبع اول) میں سما سکتی ہیں؟

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اربعین ۳ صفحہ ۲۹ کی محولہ عبارت میں یہ نہیں لکھا کہ مَیں نے ساٹھ ہزار اشتہار تحریر یا تصنیف کیا ہے۔ بلکہ لکھا ہے کہ "شائع" کیا ہے جس کے معنے یہ ہیں۔ کہ اربعین کی تحریر (سن ۱۹۰۱ء) تک جسقدر اشتہارات حضور علیہ السلام نے شائع فرماتے تھے اُن کی "مجموعی تعدادِ اشاعت" ساٹھ ہزار کے قریب تھی۔ جو درست ہے۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کل اشتہارات جو میر قاسم علی صاحب کو دستیاب ہو سکے وہ ۲۶۱ ہیں۔ میر صاحب نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ تبلیغ رسالت میں مطبوعہ اشتہارات کے سوا اور کوئی اشتہار حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا شائع کردہ نہیں۔ ان مطبوعہ اشتہارات میں سے اکثر اشتہارات کی "تعداد اشاعت" سات سات سو ہے۔ جیساکہ اُن میں سے بعض اشتہارات کے آخر میں درج ہے۔

(تبلیغ رسالت جلد ۷ صفحہ ۵، صفحہ ۸ وجلد ۸ صفحہ ۳۸، صفحہ ۴۶ جلد ۱۰ صفحہ ۸)

بعض اشتہارات کی تعداد اشاعت چھ ہزار بھی ہے (تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۹۲) اور بعض کی تین ہزار (جلد ۸ صفحہ ۵۵) اور بعض کی دو ہزار (جلد ۷ صفحہ ۴۸) اور بعض کی چودہ صد (جلد ۷ صفحہ ۵۵) اور بعض کی ایک ہزار بھی ہے (جلد ۷ صفحہ ۸۸)

غرضیکہ "تعداد اشاعت" اشتہارات کی مختلف ہے۔ اگر فی اشتہار تین صد اوسط سمجھ لی جائے اور اس حساب سے تبلیغ رسالت میں مجموعہ ۲۶۱ اشتہارات کی تعداد اشاعت ۷۸۳۰۰ بنتی ہے اور اربعین ۱۵ دسمبر سن ۱۹۰۱ء تک ۲۲۶ اشتہارات کی تعدادِ اشاعت ۶۷۸۰۰ بنتی ہے جس کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے "ساٹھ ہزار" کے قریب قرار دیا ہے۔

اِسی طرح اپنی کتب کی تصنیف کے لحاظ سے تعداد حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تمہاری محولہ تریاق القلوب صفحہ ۱۵ کی عبارت میں نہیں بتائی۔ بلکہ حضور علیہ السلام نے اپنے رسائل اور کتب کی اشاعت کے لحاظ سے تعداد مدنظر رکھ کر تحریر فرمایا ہے کہ

"اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھی کی جائیں تو پچاس الماریاں اُن سے بھر سکتی ہیں۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۱۵ طبع اول)

اور یہ درست ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تصنیف کردہ کتب کی تعداد خود مصنف محمدیہ پاکٹ بک نے بھی اسی تسلیم کی ہے۔ جن میں سے براہین احمدیہ۔ تحفہ گولڑویہ۔ ازالہ اوہام۔ آئینہ کمالات اسلام۔ حقیقۃ الوحی۔ چشمہ معرفت جیسی ضخیم کتابیں لکھی ہیں جن کی تعداد اشاعت ۲۹۰۰ (نزول المسیح) تذکرۃ الشہادتین ۸۰۰۔ تریاق القلوب ۷۰۰۔ ایام الصلح ۷۰۰۔ اربعین ۷۰۰۔ براہین احمدیہ حصہ پنجم ۱۶۰۰ وغیرہ ہیں۔ پس اِن کتب کے جملہ نسخوں کو اگر الماریوں میں رکھا جائے تو پچاس سے زائد الماریاں بھر سکتی ہیں۔ لہٰذا کوئی مبالغہ نہیں۔

اسی طرح اپنے نشانات کی تعداد کے بارے میں جو حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات ہیں۔ اُن میں بھی کوئی مبالغہ نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو اپنے نشانات کی تعداد دس لاکھ قرار دی ہے

اس کی تشریح بھی خود ہی فرمائی ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"یہ سات قسم کے نشان ہیں۔ جن میں سے ہر ایک نشان ہزارہا نشانوں کا جامع ہے۔ مثلاً یہ پیشگوئی کہ "یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" جس کے معنے یہ ہیں کہ ہر ایک جگہ سے اور دور دراز ملکوں سے نقد اور جنس کی امداد آئے گی۔ اور خطوط بھی آئیں گے۔ اب اس صورت میں ہر ایک جگہ سے جو اب تک کوئی روپیہ آتا ہے یا پارچات یا دوسرے ہدیے آتے ہیں یہ سب بجائے خود ایک ایک نشان ہیں۔ کیونکہ ایسے وقت میں ان باتوں کی خبر دی گئی تھی جبکہ انسانی عقل اس کثرت مدد کو دور از قیاس و محال سمجھتی تھی۔

ایسا ہی یہ دوسری پیشگوئی یعنی یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ"۔۔۔۔۔ اس زمانہ میں یہ پیشگوئی بھی پوری ہوگئی۔ چنانچہ اب تک کئی لاکھ انسان قادیان میں آچکے ہیں۔ اور اگر خطوط بھی اس کے ساتھ شامل کئے جائیں۔۔۔۔۔ تو شاید یہ اندازہ کروڑ تک پہنچ جائے گا۔ مگر ہم صرف مالی مدد اور بیعت کنندوں کی آمد پر کفایت کرکے ان نشانوں کو تخمیناً دس لاکھ نشان قرار دیتے ہیں۔ بے حیا انسان کی زبان کو قابو میں لانا تو کسی نبی کے لئے ممکن نہیں ہوا۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۵۶ طبع اوّل)

پس نشانات کی تعداد کے متعلق حضور علیہ السلام کی تحریرات میں مختلف طریق سے اندازہ لگایا گیا ہے مبالغہ نہیں ہے۔

اسی طرح کشتی نوح کی محولہ عبارت کہ

"دیکھو زمین پر ہر روز خدا کے حکم سے ایک ساعت میں کروڑہا انسان مر جاتے ہیں۔"

(کشتی نوح ص۳۷ طبع اوّل)

یہ محاورۂ زبان ہے جو کثرت کے اظہار کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ گنتی کے معنوں میں استعمال نہیں ہوتا۔ تمہارے جیسا عقلمند تو قرآن مجید کی آیت "مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی" پڑھ کر ان اندھوں کے لیے "سرمۂ تریاق چشم" تجویز کرنے بیٹھ جائے گا۔ یا کفار کے لئے شَرُّ الْبَرِیَّةِ (البینہ: ۷) کا لفظ دیکھ کر ان کے فی الواقعہ جانور ہونے کا تصور کرلیگا؟

یہ تو تھا حقیقی جواب۔ لیکن ذرا یہ تو بتاؤ کہ "لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَةِ (بخاری کتاب الرقاق حدیث نمبر۱) کے کیا معنے ہیں؟ کیا تم اور تمہارے سب لواحقین "مردہ" ہو؟ کیا دنیا کے جملہ انسانوں میں سے ایک بھی زندہ نہیں ہے؟ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو فرماتے ہیں کہ یہ زندگی ہی نہیں ہے۔

پھر ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَلْاَئِمَّةُ مِنْ قُرَیْشٍ (مسند احمد بن حنبل کتاب ۳ حدیث ۱۲۹) کہ امام اور امیر کے لئے قریشی النسل ہونا ضروری ہے۔ پھر فرمایا: لَا یَزَالُ هٰذَا الْاَمْرُ فِیْ هٰذَا الْحَیِّ مِنْ قُرَیْشٍ (بخاری کتاب الاحکام باب الامراء من قریش) یعنی امیر کا قریشی ہونا ضروری ہے۔

مگر دوسری جگہ فرماتے ہیں :۔

"اِسْمَعُوْا وَ اَطِيْعُوْا وَاِنِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ "

(بخاری کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ للامام)

سوان ہر دو اقوال کو نقل کر کے ابن خلدون لکھتا ہے :۔

" قَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَاِنْ وُلِّيَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ ذُوْ زَبِيْبَةٍ وَهٰذَا لَا تَقُوْمُ بِهٖ حُجَّةٌ فِيْ ذَالِكَ فَاِنَّهٗ خَرَجَ مَخْرَجَ التَّمْثِيْلِ وَالْفَرْضِ لِلْمُبَالِغَةِ فِيْ اِيْجَابِ السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ "

(مقدمہ ابن خلدون مصری صفحہ ۱۶۲ فصل الخامس والعشرون فی معنی الخلافۃ والامامۃ)

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ اگر تم پر کوئی حبشی بھی حکمران بنایا جائے تو تم پر فرض ہے کہ تم اس کی اطاعت کرو۔ اس امر کی حجت نہیں ہو سکتا کہ امیر کے لئے قریشی النسل ہونا ضروری نہیں۔ کیونکہ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اطاعت اور فرمانبرداری پر زور دینے کے لئے تمثیل اور مبالغہ سے کام لیا ہے۔

پس ثابت ہوا کہ کسی چیز پر زور دینے کے لئے مبالغہ سنّت نبویؐ ہے۔ پس تمہارا اعتراض باطل ہو گیا۔

تمہارے جیسا معترض تو شاید قرآن مجید کی آیت " وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ " (الاعراف : ۴۱) کو پڑھ کر ایسی سوئی کی تلاش میں نکل کھڑا ہو کہ جس کے ناکے میں سے اونٹ گذر سکے۔ اور نہ مل سکنے پر قرآن مجید پر مبالغہ آمیزی کا الزام لگانے لگ جاتے۔

اسی طرح حدیث شریف مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ " (مسلم کتاب الایمان ۱۰۱) اور دوسری مثالیں بھی پیش کی جا سکتی ہیں۔

۲۶۔ تناقضات

اعتراض ۱۔ حضرت مرزا صاحب کے اقوال میں تناقض ہے ؟

جواب :۔ حضرت مرزا صاحب علیہ السلام کے اقوال میں کوئی تناقض نہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ نبی پہلے ایک بات اپنی طرف سے کہے۔ مگر اس کے بعد خدا تعالیٰ اس کو بتا دے کہ یہ بات غلط ہے اور درست اس طرح ہے۔ تو دوسرا قول نبی کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ہو گا۔ لہٰذا تناقض نہ ہوا۔ تناقض کے لئے ضروری ہے کہ ایک ہی شخص کے اپنے دو اقوال میں تضاد ہو۔

۲۔ قرآن مجید میں ہے :۔

لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (النساء : ۸۳)

کہ اگر یہ خدا تعالیٰ کا کلام نہ ہوتا۔ بلکہ خدا کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا۔ تو اس میں اختلاف ہوتا۔

پس ثابت ہوا کہ کلام اللہ کے سوا باقی سب کے کلام میں اختلاف ہونا چاہیئے۔

نبی بھی انسان ہے اور وہ بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ : ۱۱۵) کی دُعا کرتا ہے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کی کہ اے اللہ! میرا علم بڑھا۔ پس جو کلام نبی خدا کے بتاتے ہوتے علم سے پہلے کریگا وہ ہوسکتا ہے کہ اس کلام کے مخالف ہو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُسے دیا جائے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا قول قرآن مجید میں ہے کہ:۔

"اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَھْلِیْ" (ھود : ۴۶) کہ یقیناً میرا بیٹا میرے اہل میں سے ہے۔

مگر خدا تعالیٰ نے فرمایا:۔

"اِنَّہٗ لَیْسَ مِنْ اَھْلِکَ" (سورۃ ھود : ۴۷) کہ وہ یقیناً آپ کے اہل میں سے نہیں ہے۔

اب اس وحی الٰہی کے بعد اگر حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو اہل میں شمار نہ کریں (جیسا کہ واقعہ ہے) تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ پہلا قول حضرت نوح علیہ السلام کا اپنا خیال تھا۔ مگر دوسرا قول خدا کے بتاتے ہوتے علم کی بناء پر ہے ہاں الہام الٰہی میں اختلاف نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ علیم کل ہستی کی طرف سے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرماتا ہے:۔

"وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ" (النساء : ۱۱۴) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ علم دیا ہے جو پہلے آپ کو نہ تھا۔ اب ظاہر ہے کہ آپ کے زمانہ قبل از علم کے کلام اور زمانہ بعد از علم کے کلام میں اختلاف ہونا ضروری ہے۔ مگر یہ امر آپ کی نبوت کے منافی نہیں بلکہ ایک لحاظ سے دلیلِ صداقت ہے۔ کیونکہ یہ عدم تصنّع پر دلالت کرتا ہے۔

اسی قسم کا اختلاف وفاتِ مسیح کے مسئلہ کے متعلق ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے پہلے اپنا خیال براہین احمدیہ ہر چہار حصص صفحہ ۳۶۱ حاشیہ صفحہ ۵۲ درحاشیہ طبع اوّل میں لکھ دیا، لیکن بعد میں جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر منکشف فرمایا۔ وہ بھی کچھ براہین احمدیہ اور کچھ بعد کی تحریرات میں درج فرمادیا۔ اب ظاہر ہے کہ وہ پہلا قول جس میں حضرت مسیح ناصریؑ کو زندہ قرار دیا گیا ہے۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ہے۔ مگر جس میں ان کو وفات یافتہ قرار دیا گیا ہے (کشتی نوح صفحہ ۱۹ طبع اوّل)، وہ اللہ تعالیٰ کا ہے۔ پس ان میں تناقض نہ ہوا۔

۲۔ مندرجہ بالا قسم کی مثالیں حدیث میں بھی ہیں:۔

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ "لَا تُخَیِّرُوْنِیْ عَلٰی مُوْسٰی" بخاری فی الخصومات باب ما ذکر فی الاشخاص والخصومۃ بین المسلم والیہودی جلد ۲ صفحہ ۳۳ مصری)۔ کہ مجھ کو موسیٰؑ سے اچھا نہ کہو۔

پھر فرماتے ہیں:۔

"مَنْ قَالَ اَنَا خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی فَقَدْ کَذَبَ" (بخاری کتاب التفسیر تفسیر زیر آیت اِنَّا اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ کَمَا اَوْحَیْنَا اِلٰی نُوْحٍ ... یونس ۱۷ سورۃ نساء جلد ۳ صفحہ ۴۸ مصری) کہ جو یہ کہے کہ میں یونسؑ بن متی سے افضل ہوں وہ جھوٹا ہے۔

مسلم شریف کی حدیث میں آتا ہے:۔ "جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَاخَیْرَ الْبَرِیَّۃِ! فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاکَ اِبْرَاھِیْمُ عَلَیْہِ السَّلَامُ۔" (مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۰ کتاب الفتن واشراط الساعۃ) کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس آیا۔ اور حضور صلعم کو مخاطب کر کے کہا۔ اے تمام انسانوں سے افضل! اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "وہ تو ابراہیم علیہ السلام ہیں"۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام تمام انسانوں سے افضل ہیں نہ کہ میں۔"

مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۶ باب المفاخرۃ والعصبیۃ فصل الاول مطبع اصح المطابع پر اس حدیث کی شرح میں حضرت ملا علی قاری لکھتے ہیں:۔ قَوْلُہٗ ذَاکَ اِبْرَاھِیْمُ قِیْلَ ذَاکَ تَوَاضُعٌ مِنْہُ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقِیْلَ کَانَ قَبْلَ عِلْمِہٖ بِاَنَّہٗ سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ اصح المطابع صفحہ ۴۱۶ حاشیہ ۸) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمانا کہ "وہ ابراہیم ہے"۔ کہا گیا ہے کہ حضور کا یہ فرمانا ازراہِ انکسار تھا۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضور صلعم نے جب یہ فرمایا تھا اس وقت تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور صلعم کو ابھی یہ اطلاع نہ ملی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب انسانوں سے افضل ہیں۔ بعد میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَنَا سَیِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (ترمذی ابواب التفسیر سورۃ بنی اسرائیل ابواب المناقب) (کہ میں تمام انسانوں کا سردار ہوں اور یہ فخر نہیں ہے) اَنَا سَیِّدُ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ اصح المطابع صفحہ ۵۱۱ باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم) میں قیامت کے روز تمام انسانوں کا سردار ہونگا۔ پھر فرمایا:۔ "اَنَا اِمَامُ النَّبِیِّیْنَ"۔ "اَنَا سَیِّدُ النَّبِیِّیْنَ (فردوس الاخبار دیلمی صفحہ ۴۳ جلد ۳ نیا ایڈیشن) میں تمام نبیوں کا امام ہوں۔ میں تمام نبیوں کا سردار ہوں۔

۴۔ اس ضمن میں حُجَّۃُ اللّٰہِ الْبَالِغَۃُ (حضرت سید شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی) کا مندرجہ ذیل حوالہ فیصلہ کن ہے:۔

اِعْلَمْ اَنَّ النَّسْخَ قِسْمَانِ اَحَدُھُمَا اَنْ یَّنْظُرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْاِرْتِفَاقَاتِ اَوْ وُجُوْہِ الطَّاعَاتِ فَیَضْبِطُھَا بِوُجُوْہِ الضَّبْطِ عَلٰی قَوَانِیْنِ التَّشْرِیْعِ وَھُوَ اِجْتِھَادُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَا یُقَرِّرُہُ اللّٰہُ بَلْ یَکْشِفُ عَلَیْہِ مَا قَضَی اللّٰہُ فِی الْمَسْئَلَۃِ مِنَ الْحُکْمِ اِمَّا بِنُزُوْلِ الْقُرْاٰنِ حَسَبَ ذَالِکَ اَوْ تَغَیُّرِ اِجْتِھَادِہٖ اِلٰی ذٰلِکَ وَتَقْرِیْرِہٖ عَلَیْہِ مِثَالُ الْاَوَّلِ مَا اَمَرَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاِسْتِقْبَالِ قِبَلَ بَیْتِ الْمُقَدَّسِ ثُمَّ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِنَسْخِہٖ وَمِثَالُ الثَّانِیْ اَنَّہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنِ الْاِنْتِبَاذِ اِلَّا فِی السِّقَاءِ ثُمَّ اَبَاحَ لَھُمْ اِنْتِبَاذَ فِیْ کُلِّ اٰنِیَۃٍ ...... وَعَلٰی ھٰذَا التَّخْرِیْجِ ھٰذَا مِثَالُ الْاِخْتِلَافِ الْحُکْمِ حَسَبَ اِخْتِلَافِ الْمَظَنَّاتِ وَفِیْ ھٰذَا الْقِسْمِ قَوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَلَامِیْ لَا یَنْسَخُ کَلَامَ اللّٰہِ وَکَلَامُ اللّٰہِ یَنْسَخُ کَلَامِیْ۔ (حجۃ اللہ البالغہ مترجم جلد ۱ صفحہ ۲۳۷ و صفحہ ۲۳۸ باب اسباب النسخ)

اس عربی عبارت کا ترجمہ بھی اُسی کتاب سے نقل کیا جاتا ہے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی فرماتے ہیں :-

"جاننا چاہیئے کہ نسخ کی دو قسمیں ہیں (۱) یہ کہ پیغمبر (صلعم) امور نافع اور عبادات کے طریقوں میں خوض کر کے شریعت کے قوانین کے ڈھنگ پر اُن کو کر دیتے ہیں۔ ایسا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اجتہاد سے ہوا کرتا ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ اس حکم (اجتہاد) کو باقی نہیں رکھتا۔ بلکہ اس حکم کو آنحضرت صلعم پر ظاہر کر دیتا ہے۔ جو خدا نے اس مسئلہ کے متعلق قرار دیا ہے اس حکم کا اظہار یوں ہوتا ہے کہ قرآن میں وہ وارد کیا جاتے یا اس طرح پر کہ آنحضرت صلعم کے اجتہاد ہی میں تبدیل ہو جاتے اور دوسرا اجتہاد آپ کے ذہن میں قرار پا جاتے۔ پہلی صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے نماز میں بیت المقدس کی طرف مُنہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ پھر قرآن میں اس حکم کی منسوخیت نازل ہوئی اور دوسری صورت کی مثال یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے بجز چھاگل کے ہر برتن میں نبیذ بنانے سے ممانعت کر دی تھی۔ پھر ہر ایک برتن میں نبیذ بنانا لوگوں کے لئے جائز کر دیا۔ اس توجیہہ کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ موقعوں کے بدلنے سے حکم بدل جایا کرتا ہے۔ اسی قسم کے متعلق آپ نے فرمایا کہ میرا کلام، کلام الٰہی کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ اور کلام الٰہی میرے کلام کو منسوخ کرتا ہے۔"

{ کتاب حجۃ اللہ البالغہ مع اُردو ترجمہ المسمٰی بہ شموس اللہ البازغہ
مطبوعہ مطبع حمایت اسلام پریس لاہور جلد ۱ صفحہ ۲۳۷ و صفحہ ۲۳۸ باب ۴۷ }

اس عبارت میں جو دوسری قسم نسخ کی بیان ہوئی ہے وہ خاص طور پر قابلِ غور ہے۔ کیونکہ اس میں ضروری نہیں کہ وحی کے ذریعہ نبی کے پہلے حکم کو منسوخ کیا جاتے۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ کا تصرف قلب ملہم پر ہی ایسا ہو سکتا ہے۔ کہ وہ اپنے پہلے اجتہاد کو منسوخ کر دے۔ مگر یہ پھر بھی تناقض نہ ہوگا کیونکہ پہلا خیال ملہَم کا اپنا تھا۔ مگر دوسرا خیال خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

۵۔ حدیث شریف میں ہے :۔ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْسَخُ حَدِيْثَهٗ بَعْضُهٗ بَعْضًا (مسلم جلد ۱ کتاب الطہارت فی الحیض) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک قول سے اپنے ایک گذشتہ قول کو منسوخ کر دیتے تھے۔

۶۔ بعض اوقات نبی اپنے اجتہاد اور خیال سے اپنی وحی یا الہام کے ایک معنے بیان کرتا ہے مگر بعد میں واقعات سے اس کے دوسرے معنے ظاہر ہو جاتے ہیں۔ جو وحی الٰہی کے تو مطابق ہوتے ہیں مگر نبی کے اپنے خیال یا اجتہاد کے مطابق نہیں ہوتے۔ مثلاً حدیث شریف میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ آپ کی ہجرت ایسے شہر کی طرف ہوگی۔ جہاں بہت کھجوریں ہیں۔ آپ (صلعم) نے سمجھا کہ اس سے مُراد یمامہ یا ہجر ہیں۔ لیکن وہ درحقیقت مدینہ شریف تھا۔ جیسا کہ بعد کے واقعات سے معلوم ہوا۔

(بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۴۳ مصری)

۷۔ بعض دفعہ تحقیقات کے بعد نبی کی رائے بدل جاتی ہے۔ مثلاً بخاری شریف میں حدیث ہے کہ:

"اَتَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَنِیْ حَارِثَۃَ فَقَالَ اَرٰکُمْ یَا بَنِیْ حَارِثَۃَ قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ ثُمَّ الْتَفَتَ فَقَالَ بَلْ اَنْتُمْ فِیْہِ"

(بخاری کتاب الحج باب حرم مدینہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۱ مصری ۔ و تجرید بخاری مترجم اُردو مع متن حصہ اول صفحہ ۳۵۶)

یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک قبیلہ بنو حارث کے ہاں گئے اور فرمایا کہ بنی حارثہ! میرا خیال ہے کہ "تم لوگ حرم سے باہر نکل گئے ہو" پھر حضور (صلعم) نے اِدھر اُدھر دیکھا اور فرمایا "نہیں تم حرم کے اندر ہی ہو"۔

اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے خیال کہ "قَدْ خَرَجْتُمْ مِنَ الْحَرَمِ" اور دوسرے خیال کہ "بَلْ اَنْتُمْ فِیْہِ" میں تناقض ہے یا نہیں؟ یہ اسی طرح کا تناقض ہے کہ جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پہلے ایک انگریز مؤرخ کی تحقیق کے پیشِ نظر مسیح ناصری علیہ السلام کی قبر شام میں لکھی، لیکن بعد میں تحقیقات اور الہام الٰہی سے معلوم ہوا کہ قبر مسیح کشمیر میں ہے۔ تب آپ نے پہلے خیال کی تردید کر دی۔

نوٹ:۔ مندرجہ بالا حدیث کے جواب میں یہ کہنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے جو بنو حارثہ کو حرم سے باہر قرار دیا تو "یہ ظن اور گمان کے تحت فرمایا" (محمدیہ پاکٹ بک صفحہ ۱۷۲) محض دفع الوقتی ہے۔ کیونکہ ہمارا مقصود صرف یہ دکھانا ہے کہ بعض اوقات نبی ایک خیال کا اظہار کرتا ہے مگر بعد میں تحقیق سے وہ خیال غلط ثابت ہونے پر نبی اُس کی تردید کر دیتا ہے اور یہ امر خلافِ نبوت نہیں۔

۸۔ حدیث میں ہے کہ:۔

"کَانَ یُحِبُّ مُوَافَقَۃَ اَھْلِ الْکِتَابِ فِیْمَا لَمْ یُؤْمَرْ بِہٖ"

(مسلم کتاب الفضائل جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ مصر)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن تمام اُمور میں یہود اور نصاریٰ کی موافقت کرتے تھے جن کے متعلق خود حضور صلعم کو کوئی حکم نہ ملا تھا۔

۹۔ قرآن مجید کی آیات کے متعلق بھی مخالفینِ اسلام نے اعتراض کیا ہے کہ ان میں اختلاف ہے جماعتِ احمدیہ تو خدا کے فضل سے نہ قرآنِ مجید میں تناقض اور اختلاف کی قائل ہے۔ نہ ناسخ منسوخ فی القرآن کو ہم مانتے ہیں۔ لیکن ان اعتراضات کے وزنی ہونے کا یہ ثبوت ہے کہ تم لوگوں نے تنگ آکر اور لاجواب ہو کر یہ تسلیم کر لیا کہ قرآن مجید کی بعض آیات بعض کی ناسخ ہیں۔ گویا جن آیات کے مضمون میں اختلاف نظر آیا اور جن میں باہم تطبیق نہ ہو سکی۔ اُن میں سے جو پہلے نازل ہوئی وہ منسوخ اور جو بعد میں نازل ہوئی وہ اُس کی ناسخ قرار دی۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں:۔

"عَلٰی مَا حَرَّرْتُ لَا تَتَعَیَّنُ النَّسْخُ اِلَّا فِیْ خَمْسِ مَوَاضِعَ" (الفوز الکبیر صفحہ ۲۱۸) کہ میری تحریر کی رُو سے قرآنِ مجید کی صرف پانچ آیات منسوخ ثابت ہوتی ہیں۔

قرآن مجید کی منسوخ قرار دی جانے والی آیات میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

(۱) یَآ اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْھُمُ الْاَدْبَارَ۔
(الانفال : ۱۶) (تفسیر قادری مترجم جلد ۱ صفحہ ۳۶۹)

(۲) "اِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ" (الانفال : ۶۶)
(تفسیر قادری جلد ۱ صفحہ ۳۰۴)

(دیگر آیات کے لئے دیکھو تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۳۶۹ و صفحہ ۲۵۳)

پس تم لوگوں کے منہ سے (جو قرآن مجید میں بھی اختلاف اور تناقض کے قائل ہیں) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے اقوال میں تناقض کا الزام کچھ بھلا معلوم نہیں دیتا۔

۱۰۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں :۔

"آپ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے لوگوں کی مشرکانہ عادت دیکھ کر قبرستان کی زیارت سے منع فرمایا۔ بعد اصلاح اجازت دے دی۔ اور اُن کے بخل کو مٹانے کی غرض سے قربانیوں کے گوشت تین روز سے زائد رکھنے سے منع کر دیا تھا۔ جس کی بعد میں اجازت دے دی۔ ایسا ہی شراب کے برتنوں میں کھانا پینا منع کیا تھا۔ مگر بعد میں اُن کے استعمال کی اجازت بخشی۔"

(تفسیر ثنائی مولفہ مولوی ثناء اللہ امرتسری جلد ۱ صفحہ ۱۳۳ حاشیہ)

۱۱۔ ہم ضمن ۹ میں اشارہ کر آئے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات کے متعلق بھی منکرینِ اسلام نے تمہاری طرح یہ کہہ کر اِن میں اختلاف ہے اپنی بد باطنی کا ثبوت دیا ہے۔ چنانچہ پنڈت دیانند بانی آریہ سماج اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش میں لکھتا ہے :۔

"کہیں خدا کو محیطِ کل لکھا ہے اور کہیں محدود المکان۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن ایک شخص کا بنایا ہوا نہیں ہے بلکہ بہت لوگوں کا بنایا ہوا ہے۔" (ستیارتھ باب ۱۴ دفعہ ۶۲ صفحہ ۴۳۰)

"کہیں قرآن میں لکھا ہے کہ اونچی آواز سے اپنے پروردگار کو پکارو۔ اور کہیں لکھا ہے کہ دھیمی آواز سے خدا کو یاد کرو۔ اب کہیئے کونسی بات سچی اور کونسی جھوٹی ہے۔ ایک دوسرے کے متضاد باتیں پاگلوں کی بکواس کی مانند ہوتی ہیں۔" (ستیارتھ پرکاش باب ۱۴ دفعہ ۵، صفحہ ۴۳۲)

چنانچہ چند آیاتِ قرآنی بطور نمونہ لکھی جاتی ہیں۔ جن میں تمہارے جیسے بد باطن دشمنوں کو اپنی کوتاہ فہمی سے تناقض اور اختلاف معلوم ہوتا ہے :۔

(۱) یَآ اَیُّہَا النَّبِیُّ جَاھِدِ الْکُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ وَاغْلُظْ عَلَیْھِمْ (التوبہ : ۷۳)
یعنی اے نبی! کافروں اور منافقوں سے جہاد کر۔ اور اُن پر سختی کر۔
اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے : "لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" (البقرۃ : ۲۵۷) کہ دین میں جبر جائز نہیں۔

(۲) "وَوَجَدَکَ ضَآلًّا فَھَدٰی" (الضحٰی : ۸) کہ اے نبی! ہم نے آپ کو "ضال" پایا اور ہدایت دی۔ مگر دوسری جگہ فرمایا : "مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی (النجم : ۳) کہ آنحضرت صلعم "ضال"

نہیں ہوتے۔

نوٹ:۔ محمدیہ پاکٹ بک کے مصنف نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ پہلی آیت میں "ضال" بمعنی گمراہ نہیں. بلکہ "طالب خیر" اور متلاشی کے معنوں میں ہے. مگر دوسری آیت میں بمعنی "گمراہ" ہے۔اس کے متعلق یاد رکھنا چاہیئے کہ اِس سے ثابت ہوگیا کہ بعض دفعہ دو عبارتوں میں ایک ہی لفظ کا استعمال ایک جگہ بصورت ایجاب مگر دوسری جگہ بصورت سلب ہوتا ہے. مگر اس لفظ کے مختلف معانی ہونے کے باعث دونوں جگہ اِس کے دو الگ الگ مفہوم ہوتے ہیں۔ لہٰذا اِن میں تناقض قرار دینا تمہارے جیسے "سیاہ باطن" انسانوں ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح حضرت اقدس علیہ السلام کی تحریرات میں مسیح یا انجیل یا نبوت کے الفاظ دو مختلف مفہوموں کے لحاظ سے استعمال ہوتے ہیں کسی جگہ مسیح سے مراد انجیلی یسوع ہے اور کسی جگہ قرآنی مسیح علیہ السلام. اِسی طرح کسی جگہ انجیل سے مُراد مُحرّف و مبدل انجیل ہے اور کسی جگہ اصل انجیل جو مسیح علیہ السلام پر نازل ہوئی تھی۔ کسی جگہ نبوت سے مراد تشریعی براہ راست نبوت ہے (اور اس کی اپنے متعلق نفی فرمائی ہے) مگر دوسری جگہ نبوت سے مراد بالواسطہ غیر تشریعی نبوت ہے (اور اس کو اپنے وجود میں تسلیم فرمایا ہے) پس ایسی تحریرات کو متناقض اور متخالف قرار دینا بھی انتہائی سیہ باطنی ہے۔ (خادم)

(۳) اللہ تعالیٰ ایک جگہ فرماتا ہے:۔ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ (الانفال : ۳) کہ جب مومنوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو اُن کے دل جوش مارنے لگ جاتے ہیں۔ مگر دوسری جگہ فرمایا:۔ "اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد : ۲۹) کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دل میں سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔

(۴) ایک جگہ فرمایا: "اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى" (الضحٰی : ۷) کہ اے نبی! ہم نے تجھے یتیم پایا اور تجھے اپنی پناہ میں لے لیا۔ مگر دوسری جگہ فرمایا:۔ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ۔ (سورۃ بنی اسرائیل ۲۴) کہ تو اپنے والدین کو اُف تک نہ کہہ۔

(۵) ایک جگہ فرمایا:۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ..... فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً۔ (النسآء : ۴) کہ دو دو چار چار بیویاں کر لو۔ اور اگر تمہیں ڈر ہو کہ تم عدل نہ کر سکو گے۔ تو پھر ایک ہی کرو۔ مگر دوسری جگہ فرمایا:۔ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْآ اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ (النساء : ۱۳۰) کہ تم ہرگز اپنی بیویوں میں انصاف نہیں کر سکو گے۔ خواہ تم کتنی خواہش کرو۔

غرضیکہ اور بھی بہت سی آیات ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ گو بظاہر ان میں اختلاف اور تناقض معلوم ہوتا ہے۔ مگر درحقیقت تناقض نہیں کیونکہ ہمارے نزدیک اِن میں تناقض کی وحدتیں پائی نہیں جاتیں۔ ہر ایک ان میں سے مختلف مواقع پر مختلف حالات کے لحاظ سے مختلف مضامین کی حامل ہیں۔ لہٰذا بوجہ عدم تحقق وحدت اِن میں تناقض نہیں بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال بھی درحقیقت کوئی تناقض یا اختلاف نہیں۔ مگر جس طرح دشمنانِ اسلام نے قرآن مجید پر تناقض

اور اختلاف کا جھوٹا الزام لگایا تھا۔ اسی طرح دشمنانِ احمدیت نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال کے متعلق تناقض کا الزام لگایا ہے پس تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ (البقرة : ۱۱۹) کے مطابق دونوں اعتراض کنندگان غلطی پر ہیں۔ نہ قرآن مجید میں اختلاف اور نہ خادم قرآن حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں حقیقی تناقض ہے۔

اب ہم ذیل میں اُن مقامات کو لیتے ہیں جن کو پیش کر کے مخالفین حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقوال میں تناقض ثابت کرنے کی ناکام کوشش کیا کرتے ہیں۔

تناقض کی تعریف

لیکن قبل اس کے کہ ہم مفصل بحث کریں۔ تناقض کی تعریف از روئے منطق درج کرتے ہیں۔ مشہور شعر ہیں ؎

در تناقض ہشت وحدت شرط داں ‌ ؎ ‌ وحدتِ موضوع و محمول و مکاں
وحدتِ شرط و اضافت۔ جزو کل ‌ ؎ ‌ قوت و فعل است در آخر زماں

یعنی موضوع۔ محمول۔ مکان۔ شرط۔ اضافت۔ جزو کل اور بالقوۃ و بالفعل اور زمانہ کے لحاظ سے اگر دو قضیے متفق ہوں۔ مگر اُن میں ایجاب و سلب کا اختلاف بلحاظِ حکم اور موجبہ میں کیفیت اور محصورہ میں کمیت کا اختلاف ہو تو وہ دونوں قضیے متناقض کہلائیں گے۔

۲۷۔ کسی سے قرآن پڑھنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب "ایام الصلح" اُردو کے صفحہ ۱۴۷ طبع اوّل پر تحریر فرمایا ہے :۔

"کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ مَیں نے کسی انسان سے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے"

لیکن دوسری جگہ کتاب البریہ صفحہ ۱۴۹ پر رقم فرماتے ہیں :۔

"جب میں چھ سات سال کا تھا تو ایک فارسی خوان معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں"

(کتاب البریہ و روحانی خزائن جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۰ حاشیہ)

جواب :۔ اس کے متعلق گذارش یہ ہے کہ اعتراض کرتے وقت علمائے بنی اسرائیل کے نقشِ قدم پر چلتے ہوتے از راہ تحریف ایام الصلح صفحہ ۱۴۷ کی نصف عبارت پیش کرتے ہیں۔ اصل حقیقت کو واضح کرنے کے لیے عبارت متنازعہ کا مکمل فقرہ درج ذیل ہے :۔

"سو آنے والے کا نام جو "مہدی" رکھا گیا۔ سو اس میں یہ اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علم دین خدا سے ہی حاصل کریگا اور قرآن اور حدیث میں کسی اُستاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو مَیں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا

یہی حال ہے۔ کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ میں نے کسی انسان سے قرآن، حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے۔ پس یہی مہدویت ہے جو نبوتِ محمدیہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہوئی ہے اور اسرارِ دین بلاواسطہ میرے پر کھولے گئے"۔ (ایامِ الصلح ص۱۴۷ طبع اول)

معترض کی پیش کردہ عبارت کے سیاق میں "علم دین" اور سیاق میں "اسرارِ دین" کے الفاظ صاف طور پر مذکور ہیں۔ جن سے ہر اہلِ انصاف پر یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس عبارت میں قرآن کریم کے ناظرہ پڑھنے کا سوال نہیں۔ بلکہ اسکے معانی و مطالب، حقائق و معارف کے سیکھنے کا سوال ہے اور عبارت کا مطلب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے والے موعود کا نام جو مہدی رکھا۔ تو وہ اس لحاظ سے ہے کہ وہ علوم و اسرارِ دین کسی انسان سے نہیں سیکھیگا۔ گویا حقائق و معارف قرآن مجید میں اُس کا کوئی اُستاد نہیں ہوگا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس لحاظ سے میرا بھی کوئی اُستاد نہیں جس سے میں نے "علم دین" یا "اسرار دین" کی تعلیم پائی ہو اور ظاہر ہے کہ قرآنِ مجید کے الفاظ کا بلا ترجمہ و تشریح کسی شخص سے پڑھنا۔ علم و اسرارِ دین سیکھنے کے مترادف نہیں ہے کیونکہ "الفاظِ قرآن" اور "علم قرآن" میں خود قرآن مجید نے فرق کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" (سورۃ الجمعہ : ۳) کہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا ہے۔ آپ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیات (یعنی الفاظ قرآن) پڑھتے، اُن کا تزکیہ نفس کرتے اور اُن کو کتاب (یعنی قرآن مجید) اور حکمت کا "علم" بھی دیتے ہیں۔

اس آیت میں يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ کے الفاظ میں "الفاظِ قرآن" کا ذکر فرمایا ہے اور يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ فرما کر قرآن مجید کے مطالب و معانی اور حقائق و معارف کا تذکرہ فرمایا ہے پس مندرجہ بالا آیت سے صاف طور پر ثابت ہو گیا کہ صرف "قرآن کا پڑھنا" علمِ قرآن حاصل کرنا نہیں ہے۔ یا یوں کہو کہ الفاظِ قرآن کے کسی شخص سے پڑھنے کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ علم دین بھی اس شخص سے حاصل کیا گیا۔

دوسری عبارت جو معترضین کتاب البریہ ص۱۴۹ حاشیہ سے پیش کرتے ہیں۔ اس میں صرف اس قدر ذکر ہے کہ چھ برس کی عمر میں ایک اُستاد سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قرآن مجید پڑھا۔ اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ حضور نے "علم دین" یا "اسرار دین" یا قرآن مجید کے حقائق و معارف یا معانی و مطالب کسی شخص سے پڑھے تا یہ خیال ہو سکے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ کتاب البریہ کی عبارت میں چھ برس کی عمر میں ایک اُستاد سے قرآن مجید ناظرہ پڑھنے کا ذکر ہے اور ایامِ الصلح ص۱۴۷ کی عبارت میں کسی شخص سے قرآن مجید کے مطالب و معارف سیکھنے کی نفی کی گئی ہے۔ گویا جس چیز کی نفی ہے وہ اَور ہے اور دوسری جگہ جس چیز کا اثبات ہے وہ اَور ہے۔

ایک شُبہ اور اُس کا ازالہ

ممکن ہے کوئی معترض یہ کہے کہ سیاق و سباق دیکھنے کی کیا ضرورت ہے دونوں عبارتوں میں قرآنِ مجید ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ہم تو دونوں جگہ اس کے ایک ہی معنے لیں گے۔ اس شبہ کا جواب یہ ہے۔ کہ یہ بالکل ممکن ہے کہ ایک جگہ ایک لفظ بول کر نفی کی ہو۔ اور دوسری جگہ اسی لفظ کا استعمال کر کے اس کا اثبات کیا گیا ہو۔ مگر اس کے باوجود مفہوم اس لفظ کا دونو جگہ مختلف ہو۔ بغرض تشریح دو مثالیں لکھتا ہوں۔

ایک مثال

۱۔ قرآن مجید کی رو سے بحالت روزہ بیوی سے مباشرت ممنوع ہے۔ مگر بخاری، مسلم و مشکوٰۃ تینوں میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ ذیل روایت درج ہے:۔ عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَ النَّبِيُّ صلعم يُقَبِّلُ وَيُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ وَكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاِرْبِهٖ۔

(بخاری جلد ا کتاب الصوم باب المباشرۃ للصائم و مشکوٰۃ ص۱۷۶ مطبع اصح المطابع باب تنزیہ الصوم و تجرید بخاری جلد ا صفحہ ۳۷۰)

کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں ازواج کے بوسے لیا کرتے تھے۔ اور اُن سے مباشرت کرتے تھے۔ اس حالت میں کہ آپ کا روزہ ہوتا تھا، مگر آپ اپنی خواہش پر تم سب سے زیادہ قابو رکھتے تھے۔

اب کیا قرآن کریم کے حکم لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ (البقرۃ: ۱۸۸) کو مندرجہ بالا روایت کے الفاظ يُبَاشِرُ وَهُوَ صَائِمٌ کے بالمقابل رکھ کر کوئی ایماندار شخص یہ کہنے کی جرأت کر سکتا ہے کہ دونوں جگہ ایک ہی چیز کی نفی اور ایک ہی چیز کا اثبات کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث مندرجہ بالا میں "مباشرت" سے مراد مجامعت نہیں۔ بلکہ محض عورت کے قریب ہونا ہے اور اس پر قرینہ اسی روایت کا اگلا جملہ وَكَانَ اَمْلَكَكُمْ لِاِرْبِهٖ ہے، لیکن اس کے برعکس قرآن مجید میں لفظ مباشرت آیا ہے وہاں اس سے مراد "مجامعت" ہے۔ پس گو دونوں جگہ لفظ ایک ہی استعمال ہوا ہے مگر اس کا مفہوم دونوں جگہ مختلف ہے اور سیاق و سباق عبارت سے ہمارے لئے اس فرق کا سمجھنا نہایت آسان ہے۔

دوسری مثال

قرآن مجید میں ہی ہے۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى (النجم: ۳) کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم "ضالّ" نہیں ہوتے اور نہ راہ راست سے بھٹکے، لیکن دوسری جگہ فرمایا۔ وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى (الضحیٰ: ۸) کہ اے رسول! ہم نے آپ کو "ضال" پایا اور آپ کو ہدایت دی۔

دونوں جگہ "ضالّ" ہی کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ ایک جگہ اس کی نفی کی گئی ہے مگر دوسری جگہ اس کا اثبات ہے، کیا کوئی ایماندار کہہ سکتا ہے کہ ان دونوں عبارتوں میں تناقض ہے۔ ہرگز نہیں، کیونکہ ہر اہلِ علم دونوں عبارتوں کے سیاق و سباق سے سمجھ سکتا ہے کہ دونوں جگہ لفظ "ضالّ" ایک معنے میں استعمال نہیں ہوا۔ بلکہ دونوں جگہ اس کا مفہوم مختلف ہے۔ ایک جگہ اگر "گمراہ" مراد ہے اور اُس کی نفی ہے۔ تو دوسری طرف تلاش کرنے والا قرار دینا مقصود ہے اور اس امر کا اثبات ہے۔ پس ہمارے مخالفین کا یہ کہہ کر جان چھڑانے کی کوشش کرنا کہ لفظ دونوں جگہ ایک ہی ہے سیاق و سباق عبارت دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔" حد درجہ کی ناانصافی ہے۔

قرآنِ کریم کا ترجمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی سے نہیں پڑھا

ہم معترض کی پیش کردہ دونوں عبارتوں پر اُن کے سیاق و سباق کے لحاظ سے جب غور کرتے ہیں۔ تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ کتاب البریہ صفحہ ۱۴۹ کی عبارت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ ذکر فرمایا ہے، کہ میری چھ سات سال کی عمر میں میرے والد صاحب نے میرے لئے ایک اُستاد مقرر کیا۔ جن سے میں نے قرآن مجید پڑھا۔ اور ہر عقلمند انسان بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ چھ سات سال کے عرصہ میں بچہ قرآن مجید کے معانی و مطالب اور حقائق و معارف سمجھنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتا۔ پس یہ امر تسلیم ہی نہیں کیا جا سکتا کہ حضرت کے والد بزرگوار نے چھ سات سال کی عمر کے بچہ کو معارفِ قرآنیہ سکھانے کے لئے ایک اُستاد مقرر کیا ہو۔ پس اس عبارت میں چھ سات سال کی عمر کا قرینہ ہی اس امر کا کافی ثبوت ہے کہ حضورؑ نے اس حوالہ میں قرآن مجید کے مجرّد الفاظ کا اُستاد سے پڑھنا تسلیم فرمایا ہے۔ مگر حضورؑ کی کسی تحریر سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قرآن مجید کا ترجمہ یا قرآنی مطالب بھی حضورؑ نے خدا کے سوا کسی اُستاد سے پڑھے ہوں۔ اِس کے بالمقابل معترض کی پیش کردہ عبارت از "ایام الصلح" صفحہ ۱۴۷ طبع اوّل میں حضرتؑ نے صاف لفظوں میں یہ فرمایا ہے۔ علمِ دین اور "اسرارِ دین" کے لحاظ سے قرآن مجید کسی سے نہیں پڑھا۔ اور یہ حقیقت ہے جس کی نفی کسی دوسری عبارت میں نہیں کی گئی۔

اس امر کے ثبوت میں کہ "ایام الصلح" کی عبارت میں قرآن مجید کے الفاظ کا ذکر نہیں۔ بلکہ قرآن مجید کے معانی و مطالب کے کسی انسان سے سیکھنے کی نفی ہے۔ ہم ایام الصلح کی عبارت کا سیاق و سباق اور اس کا مضمون دیکھتے ہیں۔ ایام الصلح کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس موقعہ پر اپنے دعویٰ مہدویت کی صداقت کے دلائل کے ضمن میں ایک دلیل ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

(ث) "آنے والے کا نام جو مہدی رکھا گیا ہے۔ سو اس میں یہی اشارہ ہے کہ وہ آنے والا علمِ دین خدا سے ہی حاصل کریگا اور قرآن اور حدیث میں کسی اُستاد کا شاگرد نہیں ہوگا۔ سو میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرا یہی حال ہے کوئی ثابت نہیں کر سکتا کہ کسی شخص سے میں نے قرآن یا حدیث یا تفسیر کا ایک سبق بھی پڑھا ہے پس یہی مہدویت ہے جو نبوتِ محمدیہ کے منہاج پر مجھے حاصل ہوئی ہے اور اسرارِ دین بلا واسطہ مجھ پر کھولے گئے ہیں۔"
(ایام الصلح صفحہ ۱۴۷ طبع اوّل)

(ب) اس مضمون پر بحث کرتے ہوتے ذرا آگے چل کر فرماتے ہیں :-

"مہدویت سے مُراد وہ بے انتہا معارفِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ اور علمی برکات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر واسطہ کسی اُستاد کے علمِ دین کے متعلق سکھاتے گئے"

(ایام الصلح ص۱۴۹ طبع اوّل)

اس عبارت میں بعینہٖ وہی مضمون ہے جو معترض کی پیش کردہ عبارت میں ہے اور اس کے ساتھ ہی اس میں ان الفاظ کی مکمل تشریح بھی موجود ہے جن کے اجمال سے معترض نے ناجائز فائدہ اُٹھانے کی ناکام کوشش کی ہے۔

(ج) اگلے صفحہ پر اسی مضمون کو مندرجہ ذیل الفاظ میں مکرر بیان فرمایا ہے۔

رُوحانی اور غیر فانی برکتیں جو ہدایتِ کاملہ اور قوتِ ایمانی کے عطا کرنے اور معارف اور لطائف اور اسرارِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ کے سکھانے سے مُراد ہے۔ ان کے پانے کے لحاظ سے وہ مہدی کہلائیگا"

(ایام الصلح ص۱۵۰ طبع اوّل)

اس عبارت میں بھی "مہدویت" کی تعریف کو دہرایا گیا ہے۔ "معارف"۔ "لطائف" اور اسرارِ الٰہیہ اور علوم حکمیہ" کے الفاظ اس بات کی قطعی دلیل ہیں کہ معترض کی پیش کردہ ص۱۴۷ والی عبارت میں بھی انہی امور کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کے الفاظ پڑھنے کا ذکر نہیں۔ جیساکہ اِس عبارت میں "علم دین اور اسرار دین" کے الفاظ اس پر گواہی دے رہے ہیں اور جن کے متعلق اوپر لکھا جا چکا ہے۔

(د) اسی دلیل کو اور زیادہ وضاحت سے بیان کرتے ہوتے ص۱۵۶ پر حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں :-

"ہزارہا اسرارِ علمِ دین کُھل گئے۔ قرآنی معارف اور حقائق ظاہر ہوتے۔ کیا ان باتوں کا پہلے نشان تھا؟"

اس عبارت میں بھی حضورؑ نے جن چیزوں کے خدا تعالیٰ سے سیکھنے کا ذکر فرمایا ہے وہ قرآنی معارف وحقائق ہیں۔ نہ کہ الفاظ قرآنی!

(ہ) آگے چل کر بطورِ نتیجہ تحریر فرماتے ہیں :- "سو میری کتابوں میں اُن برکات کا نمونہ بہت کچھ موجود ہے۔ براہین احمدیہ سے لے کر آج تک جسقدر متفرق کتابوں میں اسرارِ اور نکاتِ دین خدا تعالیٰ نے میری زبان پر باوجود نہ ہونے کسی اُستاد کے جاری کئے ہیں ۔۔۔۔ اُس کی نظیر اگر موجود ہے تو کوئی صاحب پیش کریں"

(ایام الصلح ص۱۵۸ طبع اوّل)

(د) پھر فرماتے ہیں :-

"جو دینی اور قرآنی معارف، حقائق اور اسرار مع لوازم بلاغت وفصاحت کے مَیں لکھ سکتا ہوں۔ دوسرا ہرگز نہیں لکھ سکتا۔ اگر ایک دُنیا جمع ہو کر میرے اس امتحان کے لیے آتے تو مجھے غالب پاتے گی"

(ایضاً ص۱۵۹ و ایضاً ص۱۴۷)

(ز) اس عبارت پر حاشیہ لکھتے ہیں :- "مہوتسو کے جلسہ میں بھی اس کا امتحان ہو چکا ہے"

(ایضاً حاشیہ)

(۳) اسی طرح صلا پر بھی حقائق و معارف اور نکات اور اسرارِ شریعت کے الفاظ موجود ہیں غرضیکہ "ایام الصلح" کے مندرجہ بالا اقتباسات سے جو سب کے سب معترضین کی پیش کردہ عبارت کے ساتھ ملحق ہیں یہ امر روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کسی انسان سے جس چیز کے پڑھنے کی نفی فرمائی ہے۔ وہ قرآنی الفاظ نہیں بلکہ حقائق و معارف قرآنیہ ہیں۔ حضرت اقدسؑ نے "ایام الصلح" یا کسی اور کتاب میں ایک جگہ بھی یہ تحریر نہیں فرمایا کہ مَیں نے قرآن مجید ناظرہ بھی کسی شخص سے نہیں پڑھا۔ نہ یہ چیلنج دیا ہے کہ مَیں استاد نہ ہونے کے باوجود قرآن مجید کے الفاظ اچھی طرح پڑھ سکتا ہوں۔ اور یہ کہ فنِ قرأت میں میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ہاں حضورؑ نے یہ دعویٰ ضرور فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے حقائق و معارف، مطالب اور نکات حضورؑ کے الہام "اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنُ" (تذکرہ صلا ایڈیشن سوم) کے مطابق حضور کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوئے اور اس لحاظ سے یقیناً حضور علیہ السلام نے قرآن مجید کسی انسان سے نہیں پڑھا۔ اور اسی امر کا دعویٰ حضور علیہ السلام نے ایام الصلح صلا پر بھی کیا ہے۔ جس کو معاندین جماعت احمدیہ انتہائی ناانصافی سے بطور اعتراض پیش کر کے ناواقف لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں ؎

وَمِنْ تَلْبِیْسِھِمْ قَدْ حَرَّفُوا الْاَلْفَاظَ تَفْسِیْرًا
وَقَدْ بَانَتْ ضَلَالَتُھُمْ وَلَوْ اَلْقَوْا مَعَاذِیْرًا (المسیح الموعودؑ)

(نور الحق جلد اوّل صلا طبع اوّل)

۲۸۔ حضرت مسیحؑ کی چڑیوں کی پرواز

مرزا صاحب نے آئینہ کمالات اسلام صلا طبع اوّل میں لکھا ہے کہ حضرت مسیحؑ کی چڑیوں کا پرواز قرآن مجید سے ثابت ہے، لیکن ازالہ اوہام صلا طبع اوّل حاشیہ پر لکھا ہے کہ پرواز ثابت نہیں؟

جواب:۔ اصل عبارتیں درج ذیل ہیں:۔

"اِس فن (علم الترب) کے ذریعہ سے ایک جماد میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ جانداروں کی طرح چلنے لگتا ہے۔ تو پھر اگر اس میں پرواز بھی ہو۔ تو بعید کیا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہیئے کہ ایسا جانور جو مٹی یا لکڑی وغیرہ سے بنایا جاتے اور عمل الترب سے اپنی رُوح کی گرمی اُس کو پہنچائی جاوے۔ وہ درحقیقت زندہ نہیں ہوتا۔ بلکہ بدستور بے جان اور جماد ہوتا ہے۔ صرف عامل کی روح کی گرمی بارود کی طرح اس کو جنبش میں لاتی ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ ان پرندوں کا پرواز کرنا قرآن شریف سے ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا ہلنا اور جنبش کرنا بھی بپایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا۔ اور نہ درحقیقت اُن کا زندہ ہو جانا ثابت ہوتا ہے۔" (ازالہ اوہام صلا حاشیہ طبع اوّل)

آئینہ کمالاتِ اسلام کی عبارت مندرجہ ذیل ہے:۔

"حضرت مسیحؑ کی چڑیاں باوجودیکہ معجزہ کے طور پر اُن کا پرواز قرآن کریم سے ثابت ہے۔ مگر پھر بھی مٹی کی مٹی ہی تھیں اور کہیں خدا تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندہ بھی ہو گئیں۔" (صلا طبع اوّل ۱۸۹۳ء)

پس کوئی اختلاف نہیں۔ کیونکہ انکار حقیقی زندگی کے ساتھ سچ مچ کے پرواز کا ہے اور اقرار غیر حقیقی اور عارضی پرواز کا۔

۲۹۔ مُریدوں کی تعداد

مرزا صاحب نے پہلے اپنے مُریدوں کی تعداد پانچ ہزار (انجام آتھم ص۶۴) بیان کی، لیکن جب ایک سال کے بعد ہی انکم ٹیکس کا سوال ہوا۔ تو جھٹ لکھ دیا کہ میرے مریدوں کی تعداد دو صد ہے۔
(ضرورت الامام ص۴۳ طبع اوّل)

جواب:۔ پہلی تعداد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مُریدوں کی عورتوں اور بچوں سمیت مجموعی لکھی ہے اور دوسری "ضرورت الامام ص۴۳ طبع اوّل" والی تعداد صرف چندہ دینے والوں کی ہے۔ اس میں چندہ نہ دینے والے بچے اور عورتیں شامل نہیں ہیں۔ کیا اس فہرست میں حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ وغیرہ کے نام بھی درج ہیں؟ ظاہر ہے کہ مؤخر الذکر موقعہ پر سوال آمدنی کا تھا اور وہی لسٹ مطلوب تھی جو ان لوگوں کی ہو جو خود کماتے اور چندہ دیتے ہیں۔ پس جب مجسٹریٹ نے ان لوگوں کی لسٹ طلب کی جو چندہ دیتے تھے۔ تو کیا اس کے جواب میں ان لوگوں کی فہرست دے دی جاتی جو چندہ نہیں دیتے تھے؟

بریں عقل و دانش بباید گریست

۳۰۔ مُنکرین پر فتوائے کُفر

اعتراض:۔ مرزا صاحب تریاق القلوب ص۱۳۰ طبع اوّل متن و حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ:۔
"میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی کافر یا دجال نہیں ہو سکتا۔" مگر عبد الحکیم مُرتد کو لکھتے ہیں کہ جس شخص کو میری دعوت پہنچی ہے اور وہ مجھے نہیں مانتا وہ مسلمان نہیں ہے؟

جواب ا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس اعتراض کا مفصل جواب حقیقۃ الوحی ص۱۶۵ تا ص۱۹ طبع اوّل پر دیا ہے۔ وہاں سے دیکھا جائے۔

۲۔ پہلی عبارت میں لکھا ہے کہ میرے دعویٰ کے انکار سے کوئی کافر نہیں ہوتا۔ کیونکہ "اپنے دعوے کے انکار کرنے والے کو کافر کہنا"..... انہی نبیوں کی شان ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی طرف سے نئی شریعت لاتے ہیں۔ گویا صرف تشریعی نبی کا انکار کُفر ہے۔ اب حقیقۃ الوحی میں حضرت نے اپنے دعویٰ کے متعلق لکھا ہے کہ:۔

"جو مجھے نہیں مانتا۔ خُدا اور رسول کو بھی نہیں مانتا۔ کیونکہ میری نسبت خدا اور رسول کی پیشگوئی موجود ہے:
(حقیقۃ الوحی ص۱۶۳ طبع اوّل)
"جو شخص خدا اور رسول کے بیان کو نہیں مانتا.... تو وہ مومن کیونکر ہو سکتا ہے؟" (ایضاً ص۱۶۳)

پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انکار خواہ اپنی ذات میں کفر نہ ہو۔ مگر بوجہ اسکے کہ آپ کا انکار نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (جو تشریعی نبی ہیں) کے انکار کو مستلزم ہے لہٰذا کفر ہے۔ پس دونوں عبارتوں میں کوئی تناقض نہیں۔ کیونکہ "تریاق القلوب" صفحہ ۱۳۰ طبع اوّل کی عبارت میں بتایا گیا ہے کہ غیر تشریعی انبیاء کا انکار بالذات کفر نہیں ہوتا۔ اور حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۶۳ طبع اوّل کی عبارت میں بتایا گیا ہے کہ چونکہ غیر تشریعی نبی کا انکار مستلزم ہوتا ہے۔ تشریعی نبی کے انکار کو اس لیے وہ بالواسطہ کفر ہے۔

۲۱۔ تشریعی نبوت کا دعویٰ

حضرت مرزا صاحب نے اپنی متعدد تصانیف میں تحریر فرمایا ہے کہ میں غیر تشریعی نبی ہوں۔ صاحب شریعت نہیں۔ مگر اربعین ۴ صفحہ ۶ طبع اوّل متن و حاشیہ پر لکھا ہے کہ میں صاحب شریعت نبی ہوں۔

جواب:۔ سراسر افتراء ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے ہرگز اربعین چھوڑ کسی اور کتاب میں بھی تحریر نہیں فرمایا۔ کہ میں تشریعی نبی ہوں بلکہ حضور علیہ السلام نے اپنی آخری تحریر میں بھی شدت کے ساتھ اس الزام کی تردید فرمائی ہے۔ جیسا کہ فرماتے ہیں:۔

"یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ میں اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن کریم کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں سمجھتا۔ اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں۔ یہ الزام میرے پر صحیح نہیں۔ بلکہ ایسا دعویٰ میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ ہمیشہ سے اپنی ہر ایک کتاب میں یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے۔" (اخبار عام ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

سو جو حوالہ تم اربعین ۴ صفحہ ۶ طبع اوّل متن و حاشیہ سے پیش کرتے ہو۔ اس میں ہرگز یہ نہیں لکھا ہوا کہ میں تشریعی نبی ہوں۔ آپ نے تو مخالفین کو ملزم کرنے کے لئے لَوْ تَقَوَّلَ کی بحث کے ضمن میں تحریر فرمایا ہے کہ اگر کہو کہ لَوْ تَقَوَّلَ والا ۲۳ سالہ معیار تشریعی انبیاء کے متعلق ہے تو یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ پھر معترض کو مزید ملزم اور لاجواب کرنے کے لئے کہتے ہیں کہ:

"تمہاری مراد "صاحب شریعت" سے کیا ہے اگر کہو "صاحب شریعت" سے مراد وہ ہے جس کی وحی میں امر اور نہی ہو تو اس تعریف کی رُو سے بھی ہمارے مخالف ملزم ہیں۔ کیونکہ میری وحی میں امر بھی ہیں اور نہی بھی۔"

گویا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مخالفین کو محض "اس تعریف کے رو سے" ملزم کیا ہے۔ نہ یہ کہ صاحب شریعت نبی کی تعریف اپنی مسلمہ پیش کی ہے۔ چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام نے اس کے آگے جو اپنی وحی ہو پیش کی ہے۔

"قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ" (سورۃ النور: ۳۱)

(اربعین ۴ صفحہ ۶ طبع اوّل)

یہ قرآن مجید کی آیت ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام پر "تجدید" کے رنگ میں نازل ہوئی ہے۔ پس حضرت اقدس علیہ السلام کی وحی قرآنی شریعت کی "تجدید" کر کے از سرِ نو اس کو دُنیا میں شائع کرنے کے لئے ہے بمستقل طور پر اُس میں نہ کوئی نئے اوامر ہیں نہ نواہی۔ پس آپ کا دعویٰ "صاحب شریعت" ہونے کا نہ ہوا۔ بلکہ شریعت کے مجدد ہونے کا ہوا۔

چنانچہ اسی ص۶ اربعین ۴ طبع اول دسمبر ۱۹۰۰ء کے حاشیہ پر حضرت اقدس علیہ السلام نے صاف طور پر تحریر فرما دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے امر اور نہی میری وحی میں "تجدید" کے رنگ میں نازل فرمائے ہیں۔

اب ظاہر ہے کہ صاحب شریعت نبی اُس کو کہتے ہیں جس کی وحی میں نئے اوامر اور نئے نواہی ہوں۔ جو پہلی شریعت کے اوامر و نواہی کو منسوخ کرنے والے ہوں۔ مگر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وحی میں ہرگز ایسا نہیں۔

لہٰذا یہ کہنا کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے تشریعی نبوت کا دعویٰ کیا ہے محض افترا اور بہتان ہے کہاں الزامی جواب جو حضرت اقدس علیہ السلام نے محولہ عبارت میں دیا ہے۔ اور کہاں اپنی طرف سے اپنا ایک عقیدہ بیان کرنا ہے ؎

کہا ہم نے جو دل کا درد تم اسکو گلہ سمجھے
تصدق اس سمجھ کے مرحبا سمجھے تو کیا سمجھے

۲۲۔ دعوائے نبوت اور اسکی نفی

اس کے متعلق ہم مفصل بحث مسئلہ ختم نبوت کے ضمن میں کر آئے ہیں۔ وہاں سے ملاحظہ ہو۔

۲۳۔ یسوع کی مذمت اور حضرت مسیح کی تعریف

۱۔ اس کے متعلق بحث دیکھو مضمون "قرآنی مسیح اور انجیلی یسوع" پاکٹ بک ہذا۔

۲۔ ہم اصولی طور پر تناقضات کے مضمون کے شروع میں ص۵۴۳ تا ص۵۵ پاکٹ بک ہذا پر ثابت کر آتے ہیں کہ محض ایک لفظ کے دو جگہ استعمال ہونے اور اس کے ایجاب و سلب سے تناقض ثابت نہیں ہوتا۔ جہاں یسوع کی مذمت ہے اور اُس کی تعلیم کو ناقص قرار دیا گیا ہے۔ وہاں عیسائیوں کے بالمقابل انجیلی مسلمات پر اعتراض کیا ہے اور جہاں مسیح، عیسیٰ یا یسوع کی تعریف کی ہے۔ وہاں اسلامی تعلیم کے لحاظ سے اہلِ اسلام کو مخاطب کیا ہے۔ پس دونوں عبارتوں میں تناقض نہیں۔ اسی طرح حاشیہ ضمیمہ انجام آتھم ص۵ پر جو ایک شریر کے جسم میں "یسوع" کی رُوح قرار دی ہے وہاں "انجیلی یسوع" مراد ہے۔ مگر تحفہ قیصریہ ص۱۲ تا ص۲۱ طبع اول میں حقیقی اور اسلامی مسیح مراد ہیں۔ لہٰذا کوئی تناقض نہیں ہے۔

٭٭٭٭٭

۲۴ - حیاتِ مسیح میں اختلاف

مسیح کی زندگی اور موت اور دوبارہ نزول کے متعلق مفصل بحث مسئلہ وفاتِ مسیح کے ضمن میں (پاکٹ بُک ہذا) ملاحظہ ہو۔

۲۵ - مسیح کی بادشاہت

مسیح کی بادشاہت کی جو تاویل حضرت اقدس نے براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۰ طبع اوّل پر کی ہے وہ حضور کی اپنی طرف سے ہے جو اسلامی نقطۂ نگاہ ہے اور اعجاز احمدی ص۱۳ و ص۱۴ پر حضرت نے یہودیوں کا اعتراض نقل کیا ہے وہ اپنی طرف سے نہیں۔ ظاہر ہے کہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۰ والی تاویل میں حضرت صاحب نے اپنی طرف سے "بادشاہت" کو "آسمانی بادشاہت" قرار دے کر حضرت مسیح کی اجتہادی غلطی تسلیم فرمائی ہے اب یہ تاویل یہودی معترضین پر حجت نہیں۔ نہ ان کو مسلّم ہے اسی وجہ سے اعجاز احمدی ص۱۳ طبع اوّل پر حضرت صاحب نے اپنے مخالفین کو کہا ہے کہ بتاؤ یہودیوں کو ان اعتراضات کا تم کیا جواب دے سکتے ہو۔ پس دونوں عبارتوں میں کوئی تناقض نہ ہوا۔

۲۶ - سخت کلامی کا الزام

مرزا صاحب نے مولویوں کو گالیاں دی ہیں۔ مثلاً "اے بدذات فرقۂ مولویاں" (انجام آتھم)

الجواب ا۔ حضرت مرزا صاحب نے ہرگز ہرگز شریف اور مہذب مولویوں یا دوسرے مسلمانوں کو گالی نہیں دی۔ یہ محض احراریوں کی شرانگیزی ہے کہ وہ عوام الناس اور شریف علماء کو ہمارے خلاف اشتعال دلانے کی غرض سے اصل عبارات کو ان کے سیاق و سباق سے علیحدہ کر کے اور کانٹ چھانٹ کر پیش کر کے کہتے ہیں کہ مرزا صاحب نے تمام مسلمانوں کو گالیاں دی ہیں۔ حالانکہ حضرت مرزا صاحب کی اُن تحریرات کے مخاطب وہ چند گنتی کے مولوی۔ پادری یا پنڈت تھے جو حضرت صاحب کو نہایت فحش اور ننگی گالیاں دیتے تھے چنانچہ انہوں نے حضرت صاحب اور حضور کے اہلِ بیت کے گندے اور توہین آمیز کارٹون بھی بنا کر شائع کئے ان کی گالیوں کی کسی قدر تفصیل حضرت صاحب کی کتاب کتاب البریہ ص۱۲۳ تا ص۱۳۳ اور کشف الغطاء ص۱۵ تا ص۳۱ میں موجود ہے۔

ان لوگوں میں محمد بخش جعفر زٹلی۔ شیخ محمد حسین ۔ سعد اللہ لدھیانوی اور عبدالحق امرتسری۔ خاص طور پر گالیاں دینے میں پیش پیش تھے۔ سعد اللہ لدھیانوی کی صرف ایک نظم بعنوان "نظم حقانی مسمّٰی بہ سرائرِ کادیانی" میں حضرت صاحب کی نسبت "روسیاہ بے شرم۔ احمق۔ بھانڈ۔ یاوہ گو۔ غبی۔ بدمعاش۔ لالچی جھوٹا۔ کافر۔ دجّال۔ حمار۔ وغیرہ الفاظ موجود ہیں۔ اسی طرح رسالہ اعلان الحق و اتمام الحجۃ و تکملہ ص۳ پر آپ کی نسبت "حرامزدہ" کا لفظ بھی استعمال کیا گیا ہے۔

پس حضرت مرزا صاحب کے سخت الفاظ اس قسم کے بدزبان لوگوں کی نسبت بطور جواب کے ہیں لیکن تعجب ہے کہ وہ معدودے چند مخصوص لوگ جو ان تحریرات کے اصل مخاطب تھے۔ عرصہ ہوا فوت بھی ہو چکے اور آج ان کا نام لیوا بھی کوئی باقی نہیں، لیکن احراری آج سے ۶۰، ۷۰ برس پہلے کی شائع شدہ تحریریں پیش کر کے موجودہ لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ یہ تحریرات تمہارے متعلق ہیں۔ حالانکہ بسا اوقات یہ خود احراری اور اُن کے سامعین وہ لوگ ہوتے ہیں جو اُن تحریروں کی اشاعت کے وقت ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

۲- پھر یہ بات تو ہر شخص تسلیم کریگا کہ اس قسم کی گندی اور فحش گالیاں جیسی حضرت صاحب کے مخالفین نے آپ کو دیں سُنکر کوئی شریف یا نیک فطرت انسان ان گالیاں دینے والوں کو پسندیدگی کی نگاہ سے کبھی نہیں دیکھ سکتا۔ پس اگر ایسے لوگوں کی نسبت حضرت صاحب نے جوابی طور پر بظاہر سخت الفاظ استعمال فرمائے ہوں تو بموجب ارشاد خداوندی لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ (النسآء: ۱۴۹) حضرت صاحب کی کسی تحریر کو بھی سخت یا نامناسب نہیں کہا جاسکتا۔

۳- پھر حضرت صاحب نے ان گالیاں دینے والے گندے دشمنوں کو بھی کوئی گالی نہیں دی بلکہ آپ نے ان کی نسبت جو کچھ فرمایا۔ دراصل وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کا بڑا نرم ترجمہ کیا ہے۔ حدیث میں ہے۔ عُلَمَآءُ هُمْ شَرٌّ مَّنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَآءِ (مشکوٰۃ کتاب العلم مطبع احمدی ص۳۸) کہ وہ علماء آسمان کے نیچے بدترین مخلوق ہوں گے۔ گویا اگر آسمان کے نیچے بدذات بھی رہتے ہیں تو فرمایا شَرٌّ هُمْ یعنی ان سے بھی وہ بدتر ہونگے۔ پس حضرت نے تو نرم الفاظ استعمال فرماتے ہیں ورنہ آنحضرت صلعم نے تو تفضیل کل کا صیغہ بولا ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرما دیا ہے "لَيْسَ كَلَامُنَا هٰذَا فِيْ اَخْيَارِهِمْ بَلْ فِيْ اَشْرَارِهِمْ" (الہدیٰ ص۶۸ حاشیہ) کہ ہم نے جو کچھ لکھا ہے یہ صرف شریر علماء کی نسبت لکھا ہے ورنہ غیر احمدیوں میں سے جو علماء شریر نہیں۔ ہم نے ان کی نسبت یہ نہیں لکھا۔ فرماتے ہیں :-

(۴) "نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ هَتْكِ الْعُلَمَآءِ الصَّالِحِيْنَ وَقَدْحِ الشُّرَفَآءِ الْمُهَذَّبِيْنَ سَوَآءٌ كَانُوْا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ اَوِ الْمَسِيْحِيِّيْنَ اَوِ الْاٰرِيَةِ" (لُجّۃ النور ص۶۲ طبع اول) ہم نیک علماء کی ہتک اور شرفاء کی توہین سے خدا کی پناہ مانگتے ہیں۔ خواہ ایسے لوگ مسلمان ہوں یا عیسائی یا آریہ۔

(۵) صرف وہی لوگ ہمارے مخاطب ہیں خواہ وہ بگفتن مسلمان کہلاتے یا عیسائی ہیں جو حدِ اعتدال سے بڑھ گئے ہیں اور ہماری ذاتیات پر گالی اور بدگوئی سے حملہ کرتے یا ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بزرگ میں توہین اور ہتک آمیز باتیں منہ پر لاتے اور اپنی کتابوں میں شائع کرتے ہیں۔ سو ہماری اس کتاب اور دوسری کتابوں میں کوئی لفظ یا کوئی اشارہ ایسے معزز لوگوں کی طرف نہیں ہے جو بدزبانی اور کمینگی کے طریق کو اختیار نہیں کرتے۔ (اشتہار مشمولہ ایام الصلح ص۲ اُردو ٹائیٹل و تبلیغ رسالت جلد ۷ ص۲۷)

❖

علماء کی حالت اور غیر احمدی گواہیاں

۱۔ نواب نور الحسن خاں صاحب آف بھوپال لکھتے ہیں:"اب اسلام کا صرف نام، قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے ..... علماء اس اُمت کے بدتر اُن کے ہیں جو نیچے زمین کے ہیں۔ انہیں سے فتنے نکلتے ہیں۔ انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں۔" (اقتراب الساعۃ صـ۱۲)

۲۔" اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علماء سوء کہ طالب دنیا باشند"

(الفوز الکبیر صـ۱۰ مصنفہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی)

۳۔ آج کل تھرڈ کلاس مولوی جو ذرہ ذرہ بات پر عدم جواز اقتداء کا فتویٰ دیا کرتے ہیں۔ سوانکی بابت بہت عرصہ ہوا فیصلہ ہو چکا ہے ؎

هَلْ اَفْسَدَ النَّاسَ اِلَّا الْمُلُوْكُ ۔ وَعُلَمَاءُ سُوْءٍ وَرُهْبَانُهَا

(اہلحدیث ۷ رجون ۱۹۱۲ء)

شعر کا مطلب یہ ہے کہ کیا بادشاہوں۔ علماء سوء اور رہبان کے سوا کسی اور چیز نے لوگوں کو خراب کیا ہے؟

۴۔ افسوس ہے ان مولویوں پر جن کو ہم ہادی رہبر ورثۃ الانبیاء سمجھتے ہیں۔ ان میں یہ نفسانیت یہ شیطنت بھری ہوئی ہے۔ تو پھر شیطان کو کس لئے بُرا بھلا کہنا چاہیئے۔ (اہلحدیث ۱۷ نومبر ۱۹۱۱ء)

۵۔"مولوی اب طالب جیفۂ دُنیا ہوگئے۔ وارثِ علم پیمبر کا پتہ لگتا نہیں۔"

(اہلحدیث ۳ رمئی ۱۹۱۲ء)

۶۔"بعینہٖ وہی عقائد باطلہ جن کی تغلیط کے لئے خدا نے ہزارہا انبیاء بھیجے تھے۔ ان نام کے مسلمانوں نے اختیار کر لئے ہیں۔" (تفسیر ثنائی از مولوی ثناء اللہ امرتسری جلد ۱ صـ۹۷)

۷۔"نام کے بنی اسرائیل تو آنکھوں سے اوجھل ہوگئے اور صفحۂ دُنیا سے نام غلط کی طرح مٹ گئے۔ مگر آہ! کام کے بنی اسرائیل اب بھی موجود و ترقی پذیر ہیں۔ ہم نے سجادہ نشینی کا فخر حاصل کیا اور عنان اسرائیلی ہاتھ میں لے لی اور اپنا گھوڑا گھوڑ دوڑ میں بنی اسرائیل سے بھی آگے بڑھا دیا۔ صادق اور مصدوق فداہ ابی وامی رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل ہماری اس شہ سواری اور گوئے سبقت کی پیش بری کی ان الفاظ میں پیشگوئی فرمائی تھی۔ کہ یقیناً میری اُمت کے بھی لوگ ہوبہو بنی اسرائیل کی طرح افعال بد میں منہمک ہونگے۔ حتیٰ کہ اگر ان میں سے کسی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہوگا تو میری اُمت میں بھی ماں سے زنا کرنے والے افراد موجود ہونگے واقعہ یہ ہے کہ آج ہم مدعیٔ اہلحدیث بھی حذو النعل بالنعل بنی اسرائیل کی طرح ہر معاملہ میں مصلحت دُور اندیشی ضرورت وقت و بالیسی۔ زر پرستی۔ کاسہ لیسی۔ خوشامد و چاپلوسی کو معبودِ حق سمجھ کر اسی کی پوجا کرنے لگے۔"

(اہلحدیث ۲۵ ستمبر ۱۹۳۱ء صـ۱۱)

۸۔ مشکوٰۃ صـ۳۰ میں حضرت علیؓ سے ایک حدیث مروی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا کہ لوگوں پر

عنقریب ایسا زمانہ آئیگا کہ اسلام کا نام رہ جائے گا۔ اور قرآن کا رسم خط۔ اُس وقت مولوی آسمان کے تلے بدترین مخلوق ہوں گے (اقتراب الساعۃ ص۱۲) سارا فتنہ و فساد انہی کی طرف سے ہوگا۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آجکل وہی زمانہ آگیا ہے۔

(اہل حدیث ۲۵ راپریل ۱۹۳۰ء ص۵)

۹۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری لکھتے ہیں :-

"قرآن مجید میں یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے کہ کچھ حصہ کتاب کو مانتے ہیں اور کچھ نہیں مانتے افسوس ہے کہ آج ہم اہلحدیثوں میں بالخصوص یہ عیب پایا جاتا ہے"۔ (اہلحدیث ۱۹ اپریل ۱۹۰۷ء ص۹)

گالی اور سخت کلامی میں فرق

۱۔ گالی اور ہے اور اظہار واقعہ اور چیز۔ اگر کوئی شخص جو خود اندھا ہو اور دوسرے کو کانا کہے۔ تو دوسرے آدمی کا حق ہے کہ اُسے کہے کہ میں تو کانا نہیں۔ چونکہ تم اندھے ہو۔ اس لئے تمہیں میری آنکھ نظر نہیں آتی اب یہ اظہار واقعہ ہے مگر گالی نہیں۔ خود قرآن مجید نے اپنے منکروں کو شَرُّ الْبَرِيَّةِ (البینۃ:۷) (بدترین مخلوق)۔ کَالْاَنْعَامِ (الاعراف : ۱۸۰) (چوپائیوں کی طرح) قرار دیا ہے بلکہ زَنِيْمٌ (القلم:۱۴) (حرامزادہ) بھی قرار دیا ہے۔

نوٹ:۔ ا۔ زَنِيْمٌ کے معنی ہیں حرامزادہ دیکھو تفسیر کبیر لامام رازی زیر آیت لَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ (القلم : ۱۱) جلد ۸ ص۲۶۵ مطبوعہ مصر فَالْحَاصِلُ اِنَّ الزَّنِيْمَ هُوَ وَلَدُ الزِّنَا۔ یعنی نتیجہ یہ نکلا کہ "زنیم" ولدالزنا کو کہتے ہیں۔

ب۔ تفسیر حسینی قادری مترجم اردو جلد ۲ ص۵۶۴ پر سورۃ نٓ و سورۃ القلم : ۱۴ عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ میں "زنیم" کا ترجمہ یہ لکھا ہے۔

"زنیم" حرامزادہ نطفہ ناتحقیق کہ اس کا باپ معلوم نہیں۔

ج۔ "زنیم" کے معنی عربی لغات فیروزی ص۱۴۰ پر "حرامزادہ" درج ہیں۔

د۔ اَلْمُنْجِدُ (لغت کی کتاب) میں زنیم کے معنی لکھے ہیں "اَللَّئِيْمُ" ص۲۰۱ اور "اَللَّئِيْمُ" کے معنی اسی لغت میں ص۵۱۱ پر "اَلدَّنِيُّ الْاَصْلِ" یعنی "بداصل" لکھے ہیں۔

ر الفرائد الدریۃ عربی انگریزی ڈکشنری FALLONS انگریزی و اُردو ڈکشنری میں بھی زنیم کے معنی " IGNOBLE " درج ہیں جس کے معنی ولدالحرام یا بداصل کے ہیں۔

۲۔ بخاری میں ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفارِ مکہ کا سفیر عُروہ بن مسعود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کر رہا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ نے اُسے مخاطب کرکے کہا :-

"اُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ" (بخاری کتاب الشروط۔ باب الشروط فی الجهاد والمصالحۃ جلد ۲ ص۸۱ مصری و تجرید بخاری مترجم اُردو شائع کردہ مولوی فیروزالدین اینڈ سنز لاہور جلد ۲ ص۱۲)

"حضرت ابوبکرؓ نے عروہ سے کہا کہ لات کی شرمگاہ چوس (یہ عرب میں نہایت سخت گالی سمجھی جاتی تھی) یاد رہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے یہ الفاظ آنحضرت صلعم کی موجودگی میں فرماتے مگر حضور صلعم نے انہیں منع نہیں فرمایا بلکہ خاموش رہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ وہ شخص حضرت ابوبکرؓ سے نہیں۔ بلکہ آنحضرتؐ سے باتیں کر رہا تھا اور اس نے آنحضرت صلعم کو گالی نہیں دی تھی۔ بلکہ صرف اتنا کہا تھا کہ اے محمدؐ! یہ مسلمان اگر ذرا سی بھی تیز لڑائی ہوئی تو آپ کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ اس پر حضرت ابوبکرؓ نے اُمْصُصْ بِبَظْرِ اللَّاتِ کہا آنحضرت صلعم حضرت ابوبکرؓ کے فقرے کو بھی سُن رہے تھے۔ مگر آپ نے حضرت ابوبکر صدیق کو منع نہیں فرمایا۔

۳۔ گو مندرجہ بالا حدیث "حدیثِ تقریر" کا درجہ رکھتی ہے۔ مگر پھر بھی ایک اور حدیث درج کی جاتی ہے۔ "عَنْ اُبَیِّ ابْنِ کَعْبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ تَعَزَّا بِعَزَاءِ الْجَاہِلِیَّۃِ فَاَعِضُّوْہُ بِھَنِ اَبِیْہِ وَلَا تَکْنُوْا۔" (مشکوٰۃ کتاب الآداب المفاخرۃ و العصبیہ صفحہ ۳۵۶ مطبع انصاری دہلی) اس حدیث کا اُردو ترجمہ اَلْمُنْتَقَطَاتُ شرح مشکوٰۃ درج کیا جاتا ہے۔ روایت ہے ابی بن کعبؓ سے کہ کہا۔ سُنا میں نے رسول اللہ صلعم سے فرماتے تھے جو کوئی کہ نسبت کرے ساتھ نسبت جاہلیت کے۔ پس کٹواؤ اسکو ستر باپ اس کے کا اور کنایہ نہ کرو یعنی یوں کہو کہ اپنے باپ کا ستر کاٹ کر اپنے منہ میں لے لے۔ اس حدیث میں نہایت تشدید ہے فخر بالاباء پر اور حقیقت میں اپنی قوم کی بڑائی کرنا عبث ہے

(المشکوٰۃ بالمنتقطات جلد ۳ صفحہ ۲۷۱ مطبوعہ احمدی ۱۳۲۱ھ)۔

۴۔ مُلا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"اَلْعَضُّ اَخْذُ الشَّیْءِ بِالْاَسْنَانِ بِھَنِ اَبِیْہِ بِفَتْحِ الْھَاءِ وَتَخْفِیْفِ النُّوْنِ کِنَایَۃٌ عَنِ الْفَرْجِ اَیْ قُوْلُوْا لَہٗ۔ اُعْضُضْ بِذَکَرِ اَبِیْکَ وَ اَیْرِہٖ اَوْ فَرْجِہٖ وَلَا تَکْنُوْا بِذِکْرِ الْھَنِ مِنَ الْاَیْرِ بَلْ صَرِّحُوْا لَہٗ۔" (مرقاۃ برحاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۳۵۶ مطبع انصاری) کہ عَضّ کے معنی ہیں کسی چیز کا دانتوں سے پکڑنا۔۔۔۔ الخ۔ غیر احمدی علماء نے حضرت مسیح موعودؑ کو جو گالیاں دیں۔ ان کے لکھنے کی ضرورت نہیں۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ عبدالحکیم مُرتد نے اپنے رسالہ "اعلان الحق" صفحہ ۳ میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپ کی جماعت کو "حرامزدہ" لکھا ہے (لَعْنَتُ اللّٰہِ عَلٰی مَنْ قَالَ مِثْلَ ذٰلِکَ خادم) نیز محمد علی بوپڑی نے اپنے رسالہ "صوتِ ربانی بر سر دجال قادیانی" میں بھی یہی لفظ لکھا ہے۔

۲۷۔ ذُرِّیَّۃُ الْبَغَایَا

(آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۴۹ طبع اول ۱۸۹۳ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے قطعاً غیر احمدیوں کو ذُرِّیَّۃُ الْبَغَایَا نہیں کہا۔ بوجوہاتِ ذیل:۔

جواب ۱۔ آئینہ کمالات اسلام کی اشاعت تک تو حضرت غیر احمدیوں کو کافر بھی نہیں کہتے تھے۔ چہ جائیکہ ذُرِّیَّۃُ الْبَغَایَا کہتے۔ آپ کی طرف سے جوابِ فتویٰ حقیقۃ الوحی ۱۵ ؍مئی ۱۹۰۷ء صفحہ ۱۲۰، ۱۲۱ طبع اول

میں شائع ہوا ہے۔

۲۔ اس عبارت میں حضور نے اپنی خدمات اسلامی کا ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے۔ قَدْ حُبِّبَ اِلَیَّ مُنْذُ دَنَوْتُ الْعِشْرِیْنَ اَنْ اَنْصُرَ الدِّیْنَ وَ اُجَادِلَ الْبَرَاهِمَةَ وَ الْقِسِّیْسِیْنَ۔ کہ جب میں بیس سال کا ہوا تبھی سے میری یہ خواہش رہی کہ میں آریوں اور عیسائیوں کے ساتھ مقابلہ کروں چنانچہ میں نے براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ اور آئینہ کمالات اسلام وغیرہ کتابیں لکھیں جو اسلام کی تائید میں ہیں۔ کُلُّ مُسْلِمٍ (آئینہ کمالات اسلام ص۵۴۷) (یعنی ہر مسلمان) ان کتابوں کو بنظر استحسان دیکھتا۔ اور ان کے معارف سے مستفید ہوتا اور میری دعوت اسلام کی تائید کرتا ہے مگر ذُرِّیَّۃُ البغایا جن کے دلوں پر خدا نے مہر کردی ہے وہ ان کے مخالف ہیں۔ چنانچہ براہین احمدیہ اور سرمہ چشم آریہ کے جواب میں لیکھرام آریہ نے خبطِ احمدیہ اور "تکذیب براہین احمدیہ" شائع کیں مگر مسلمان حضرت کی تائید میں تھے۔ چنانچہ محمد حسین بٹالوی نے براہین پر ریویو (رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۷ ص۱۴۹) لکھا۔ مسلم بک ڈپو لاہور نے سرمہ چشم آریہ (پر مولوی محمد حسین بٹالوی کا تبصرہ اشاعۃ السنۃ جلد ۹ صفحہ ۱۴۹ تا ۱۵۸ شائع ہوا) کو اپنے خرچ پر شائع کیا۔

۳۔ اس امر کا ثبوت کہ آئینہ کمالاتِ اسلام کی محولہ بالا عبارت میں غیر احمدی مسلمانوں کو مخاطب نہیں کیا گیا یہ ہے کہ حضرت صاحب نے اسی آئینہ کمالات اسلام میں جس کے ص۵۴۷ کا تم نے حوالہ دیا ہے ص۵۳۵ پر ملکہ وکٹوریہ آنجہانی قیصرۂ ہند کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ وَفِیْ اٰخِرِ کَلَامِیْ اَنْصَحُ لَکِ یَا قَیْصَرَةُ خَالِصًا لِلّٰهِ وَهُوَ اِنَّ الْمُسْلِمِیْنَ عَضُدُكِ الْخَاصُّ وَلَهُمْ فِیْ مُلْكِكِ خُصُوْصِیَّةٌ تَفْهَمِیْنَهَا فَانْظُرِیْ اِلَی الْمُسْلِمِیْنَ بِنَظْرٍ خَاصٍّ وَاَقِرِّیْ اَعْیُنَهُمْ وَاَلِّفِیْ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ وَاجْعَلِیْ اَکْثَرَهُمْ مِنَ الَّذِیْنَ یُقَرَّبُوْنَ التَّفْضِیْلَ التَّفْضِیْلَ اَلتَّخْصِیْصَ اَلتَّخْصِیْصَ۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۳۵)

یعنی اے ملکہ میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ مسلمان تیرا بازو ہیں۔ پس تو ان کی طرف نظرِ خاص سے دیکھ۔ اور ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک پہنچا اور ان کی تالیف قلوب کر اور ان کو اپنا مقرب بنا۔ اور بڑے سے بڑے خاص عہدے مسلمانوں کو دے۔

غرضیکہ اسی آئینہ کمالات اسلام میں مخالفین کی پیش کردہ عبادت سے پہلے تو یہ لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ساتھ نرمی کا برتاؤ اور ان کی تالیف قلوب لازمی ہے پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ اسی جگہ انکے متعلق ایسے الفاظ استعمال کئے گئے ہوں جو ان کی دل شکنی کا باعث ہوں۔

۴۔ علاوہ ازیں ذُرِّیَّۃُ الْبَغَایَا والی عبارت میں الفاظ یعنی یَقْبَلُنِیْ وَیُصَدِّقُ دَعْوَتِیْ۔ (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۵۴۷) کہ مجھے قبول کرتا اور میری دعوت کی تصدیق کرتا ہے تو اس جگہ دعوت سے مراد دعوت الی الاسلام اور اسی کا قبول کرنا ہے۔ ملاحظہ ہو آئینہ کمالات اسلام ص۳۸۹)۔

فرماتے ہیں:۔

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ اِنِّیْ عَاشِقُ الْاِسْلَامِ وَفِدَاءُ حَضْرَۃِ خَیْرِ الْاَنَامِ وَغُلَامُ اَحْمَدِ ن الْمُصْطَفٰی حُبِّبَ اِلَیَّ مُنْذُ صَبَوْتُ اِلَی الشَّبَابِ ..... اَنْ اَدْعُوَا الْمُخَالِفِیْنَ اِلٰی دِیْنِ اللّٰہِ الْاَجْلٰی. فَاَرْسَلْتُ اِلٰی کُلِّ مُخَالِفٍ کِتَابًا وَدَعَوْتُ اِلَی الْاِسْلَامِ شَیْخًا وَشَابًّا ۔"

(آئینہ کمالاتِ اسلام ص۳۸۸ وص۳۸۹)

اس عبارت کا فارسی ترجمہ آئینہ کمالات اسلام کے ص۳۹۳ وص۳۹۴ حاشیہ میں حسبِ ذیل درج ہے۔

"خدا تعالیٰ خوب میداند کہ من عاشق اسلام و فدائے حضرت سید انام و غلام احمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) میباشم۔ از عنفوانِ وقتے کہ بالغ بستن شباب و موفق بتالیف کتاب شدہ ام۔ دوستدار آں بودہ ام کہ مخالفین را بسوئے دینِ روشنِ خدا دعوت کنم۔ بنا برآں بسوئے ہر مخالفے مکتوبے فرستادم و جوان و پیر را ندائے قبولِ اسلام در دادم ۔"

"یعنی خدا کی قسم! میں عاشق اسلام اور فدائے حضرت خیر الانام ہوں اور حضرت احمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ اور جب سے میں جوان ہوا اور مجھے کتاب لکھنے کی توفیق ملی میری یہی دلی خواہش رہی کہ میں اللہ تعالیٰ کے روشن دین کی طرف مخالفین کو دعوت دوں چنانچہ میں نے ہر ایک مخالف کی طرف مکتوب روانہ کیا اور چھوٹے بڑے کو اسلام کی طرف دعوت دی ۔"

یہ عبارت آئینہ کمالاتِ اسلام کے صفحہ ۳۸۸، ۳۸۹ کی ہے اور مخالفین کی پیش کردہ "ذریۃ البغایا" والی عبارت صفحہ ۵۴۷، ۵۴۸ پر ہے جو ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے :۔ وَقَدْ حُبِّبَ اِلَیَّ مُنْذُ دَنَوْتُ الْعِشْرِیْنَ اَنْ اَنْصُرَ الدِّیْنَ وَاُجَادِلَ الْبَرَاھِمَۃَ وَالْقِسِّیْسِیْنَ وَقَدْ اَلَّفْتُ فِیْ ھٰذِہِ الْمُنَاظَرَاتِ مُصَنَّفَاتٍ عَدِیْدَۃً ۔" (جس کا ترجمہ پچھلے صفحہ پر دیا جا چکا ہے) اب ان دونوں عبارتوں کا مقابلہ کر کے دیکھ لو بالکل ایک ہی مضمون ہے۔ پس ثابت ہوا کہ ص۵۴۸ پر لفظ "دعوتی" میں جس "دعوت" کا ذکر ہے وہ ص۳۸۹ پر مذکور "دعوتِ اسلام" ہی ہے نیز دیکھو ازالہ اوہام حصہ اول خورد ص۱۱۲ حاشیہ۔

۵۔ تاج العروس میں ہے اَلْبَغِیُّ اَلْاَمَۃُ فَاجِرَۃً کَانَتْ اَوْغَیْرَ فَاجِرَۃٍ ۔ کہ بغی کے معنی لونڈی کے ہیں۔ خواہ وہ بدکار نہ ہو۔ تب بھی یہ لفظ اس پر بولا جاتا ہے۔ اَلْبَغِیَّۃُ فِی الْوَلَدِ نَقِیْضُ الرُّشْدِ وَیُقَالُ ھُوَ ابْنُ بَغِیَّۃٍ (تاج العروس) اگر کسی کو یہ کہنا کہ وہ ابن بغیہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہدایت سے دُور ہے کیونکہ لفظ "بغیۃ" رُشد" یعنی صلاحیت کا مخالف ہے۔ گویا ذُرِّیَّۃُ الْبَغَایَا کا ترجمہ ہوگا "ہدایت سے دُور"۔

۶۔ حضرت مسیح موعودؑ نے خود ابن البغاء کا ترجمہ "سرکش انسان" کیا ہے۔ سعد اللہ لدھیانوی کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ میں نے اپنے قصیدہ انجام آتھم میں اس کے متعلق لکھا تھا ؎

اٰذَیْتَنِیْ خُبْثًا فَلَسْتُ بِصَادِقٍ   اِنْ لَّمْ تَمُتْ بِالْخِزْیِ یَا ابْنَ بِغَاءِ

(انجام آتھم ص۲۸۲)

"یعنی خباثت سے تُو نے مجھے ایذاء دی ہے۔ پس اگر تُو اب رسوائی سے ہلاک نہ ہوا تو میں اپنے دعوے میں سچا نہ ٹھہرونگا اے سرکش انسان"۔ الحکم جلد ۱۱ ء بابت ۲۴ فروری ۱۹۰۷ء صہ ۱۳ معلوم ہوا کہ "ابن البغاء" کا ترجمہ "سرکش انسان" ہے۔ نہ کہ کنجری کا بیٹا اور اس سے وہ اعتراض بھی دُور ہو گیا۔ جو بعض غیر احمدی انجام آتھم و رُوحانی خزائن جلد ۱۱ صہ ۲۸۲ کے عربی قصیدہ کے فارسی ترجمہ سے "اے نسل بدکاراں" کے الفاظ پیش کر کے کرتے ہیں کیونکہ انجام آتھم کی عربی عبارت کے نیچے جو ترجمہ ہے، وہ مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی کا ہے۔ مگر ہمارا پیش کردہ ترجمہ خود حضرت مسیح موعودؑ کا بیان فرمودہ ہے جو بہر حال مقدم ہے۔

۷۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ:۔ مَنْ شَہِدَ عَلَیْھَا بِالزِّنَا فَھُوَ وَلَدُ الزِّنَا (کتاب الوصیت صہ ۳۹ مطبوعہ حیدر آباد) کہ جو حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگائے وہ حرامزادہ ہے اس موقعہ پر جو حل طلب معمہ ہے وہ یہ کہ حضرت عائشہؓ پر تہمتِ زنا لگانے سے ایک انسان کی اپنی ولادت پر جو سالہا سال پہلے واقعہ ہو چکی ہو) کس طرح اثر پڑتا ہے؟ مَا ھُوَ جَوَابُکُمْ فَھُوَ جَوَابُنَا۔

۸۔ شیعوں کی معتبر ترین کتاب کافی کلینی کے حصہ سوم موسومہ بہ فروع کافی مطبوعہ نولکشور لکھنؤ کے آخری حصہ یعنی کتاب الروضہ صہ ۱۳۵ میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ حَمْزَۃَ عَنْ اَبِیْ جَعْفَرَ عَلَیْہِ السَّلَامُ قَالَ قُلْتُ لَہٗ اِنَّ بَعْضَ اَصْحَابِنَا یَفْتَرُوْنَ وَیَقْذِفُوْنَ مَنْ خَالَفَھُمْ فَقَالَ اَلْکَفُّ عَنْھُمْ اَجْمَلُ ثُمَّ قَالَ وَاللّٰہِ یَا اَبَا حَمْزَۃَ اِنَّ النَّاسَ کُلَّھُمْ اَوْلَادُ الْبَغَایَا مَا خَلَا شِیْعَتَنَا۔ ابوحمزہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام باقرؓ سے کہا کہ بعض لوگ اپنے مخالفین پر کئی کئی طرح کے بہتان لگاتے اور افتراء کرتے ہیں آپ نے فرمایا ایسے لوگوں سے بچکر رہنا اچھا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا۔ اے ابوحمزہ خدا کی قسم! ہمارے شیعوں کے سوا باقی تمام لوگ اولادِ بغایا ہیں۔

۹۔ حضرت امام جعفر صادقؓ کا مندرجہ ذیل قول بھی ملاحظہ ہو"مَنْ اَحَبَّنَا کَانَ نُطْفَۃَ الْعَبْدِ وَمَنْ اَبْغَضَنَا کَانَ نُطْفَۃَ الشَّیْطَانِ" (فروغ کافی جلد ۲ کتاب النکاح صہ ۲۱۶ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ) کہ جو شخص ہمارے ساتھ محبت کرتا ہے وہ تو اچھے آدمی کا نطفہ ہے مگر وہ جو ہم سے عداوت رکھتا ہے وہ نُطفہ شیطان ہے"۔

اب ایک طرف امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ پڑھو۔ کہ حضرت عائشہؓ پر زنا کی تہمت لگانے والے سب حرامزادے ہیں اور دوسری طرف حضرت امام باقرؓ کا فتویٰ پڑھو کہ سوائے شیعوں کے باقی سب لوگ اولادِ بغایا ہیں اور ہم سے نفرت کرنے والے شیطان کا نطفہ ہیں۔ پھر بتاؤ اگر ان الفاظ کا لفظی ترجمہ کیا جاتے۔ تو ان فقرات کے کوئی معنی بنتے ہیں؟ اور اس طرح روئے زمین کا کوئی انسان ولدالزنا ہونے سے بچ سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

۱۰۔ چنانچہ احراریوں کا سرکاری آرگن اخبار "مجاہد" لاہور ۴ مارچ ۱۹۳۶ء مندرجہ بالا حوالجات از "فروغ کافی" کے جواب میں رقمطراز ہے:۔

ولد البغایا۔ ابن الحرام اور ولد الحرام۔ ابن الحلال۔ بنت الحلال وغیرہ یہ سب عرب کا اور ساری دُنیا کا محاورہ ہے۔ جو شخص نیکوکاری کو ترک کر کے بدکاری کی طرف جاتا ہے اس کو باوجودیکہ اس کا حسب ونسب درست ہو۔ صرف اعمال کی وجہ سے ابن الحرام۔ ولد الحرام کہتے ہیں۔ اس کے خلاف جو نیکوکار ہوتے ہیں۔ ان کو ابن الحلال کہتے ہیں۔ اندریں حالات امام علیہ السلام کا اپنے مخالفین کو "اولاد بغایا" کہنا بجا اور درست ہے۔" (اخبار مجاہد لاہور ۴ر مارچ ۱۹۳۶ء)

پس آئینہ کمالاتِ اسلام وغیرہ کی عبارات میں بھی مراد ہدایت سے دُور یا سرکش یا بدفطرت انسان ہی ہیں۔ نہ کہ ولد الزنا یا حرامزادے!

۱۱۔ حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کی نسبت لکھا ہے: "ایک دفعہ لڑکے گیند کھیل رہے تھے تو اتفاقاً گیند اُچھل کر مجلس میں آپڑا۔ کسی کو جا کر لانے کی جرأت نہ ہوئی۔ آخر ایک لڑکا گستاخانہ اندر آیا اور گیند اُٹھا کر لے گیا۔ آپ (حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ) نے دیکھ کر فرمایا کہ شاید یہ لڑکا حلال زادہ نہیں ہے۔ چنانچہ دریافت پر ایسا ہی معلوم ہوا۔ لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو کیسے معلوم ہوگیا؟ فرمایا! اگر یہ حلال زادہ ہوتا تو اس میں شرم وحیا ہوتی۔"

(تذکرۃ اولیاء۔ باب اٹھارھواں۔ مترجم اُردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز بار سوم صفحہ ۱۲۶)

ثابت ہوا کہ جس میں شرم وحیا نہ ہو وہ "حلال زادہ" نہیں ہوتا۔

۲۸۔ جنگل کے سُوّر

إِنَّ الْعِدَا صَارُوْا خَنَازِيْرَ الْفَلَا
وَنِسَاءُهُمْ مِنْ دُوْنِهِنَّ الْاَكْلُبُ

(نجم الہدیٰ صفحہ ۱۰ طبع اوّل)

جواب:۔ یہ عام خطاب نہیں بلکہ صرف ان دشمنوں کو ہے جو گندی گالیاں دیتے تھے۔ خواہ وہ مرد ہوں۔ خواہ عورتیں۔ چنانچہ اس کا اگلا شعر ہے ؎

سَبُّوْا وَمَا اَدْرِیْ لِاَیِّ جَرِیْمَۃٍ (ایضاً)

کہ وہ مجھ کو گالیاں دیتے ہیں اور مَیں نہیں جانتا کہ وہ کیوں اور کس جُرم کے بدلے گالیاں دیتے ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

۱۔ "دُشنام دہی اور چیز ہے اور بیان واقعہ کا گو وہ کیسا ہی تلخ اور سخت ہو دوسری شے ہے۔ ہر ایک محقق اور حق گو کا فرض ہوتا ہے کہ سچی بات کو پورے پورے طور پر مخالف گم گشتہ کے کانوں تک پہنچا دیوے پھر اگر وہ سچ کو سُن کر افروختہ ہو تو ہُوا کرے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۲ طبع اوّل)

ب۔ مخالفوں کے مقابل پر تحریری مباحثات میں کسی قدر میرے الفاظ میں سختی استعمال میں آئی تھی لیکن وہ ابتدائی طور پر سختی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تمام تحریریں نہایت سخت حملوں کے جواب میں لکھی گئی ہیں مخالفوں

کہ الفاظ ایسے سخت اور دُشنام دہی کے رنگ میں تھے جن کے مقابل پر کسی قدر سختی مصلحت تھی۔ اسکا ثبوت اُس مقابلہ سے ہوتا ہے۔ جو مَیں نے اپنی کتابوں اور مخالفوں کی کتابوں کے سخت الفاظ اکٹھے کرکے کتاب مثل مقدمہ مطبوعہ کے ساتھ شامل کئے ہیں جن کا نام مَیں نے "کتاب البریّہ" رکھا ہے اور بایں ہمہ مَیں نے ابھی بیان کیا ہے کہ میرے سخت الفاظ جوابی طور پر ہیں۔ ابتداء سختی کی مخالفوں کی طرف سے ہے اور میں مخالفوں کے سخت الفاظ پر بھی صبر کر سکتا تھا۔ لیکن دو مصلحت کے سبب سے مَیں نے جواب دینا مناسب سمجھا تھا۔ اوّل یہ کہ تاکہ مخالف لوگ اپنے سخت الفاظ کا سختی میں جواب پاکر اپنی روش بدلالیں۔ اور آئندہ تہذیب سے گفتگو کریں۔ دوم یہ کہ مخالفوں کی نہایت ہتک آمیز اور غصہ دلانے والی تحریروں سے عام مسلمان جوش میں نہ آئیں اور سخت الفاظ کا جواب بھی کسی قدر سخت پاکر اپنی پر جوش طبیعتوں کو اس طرح سمجھالیں۔ کہ اس طرف سے سخت الفاظ استعمال ہوتے تو ہماری طرف سے بھی کسی قدر سختی کے ساتھ انکو جواب مل گیا۔ اور اس طرح وہ وحشیانہ انتقاموں سے دست کش رہیں ..... یہ بات بالکل سچ ہے۔ کہ اگر سخت الفاظ کے مقابل پر دوسری قوم کی طرف سے کچھ سخت الفاظ استعمال نہ ہوں تو ممکن ہے۔ اس قوم کے جاہلوں کا غیظ وغضب کوئی اور راہ اختیار کرے۔ مظلوموں کے بخارات نکلنے کے لئے یہ ایک حکمتِ عملی ہے کہ وہ بھی مباحثات میں سخت حملوں کا سخت جواب دیں۔

(کتاب البریہ صلا، صلا) نیز دیکھو ازالہ اوہام ص۲۴، ص۲۵ طبع اوّل، تقطیع کلاں ص۱ طبع اوّل حصہ اوّل، کتاب البریہ ص۹۳ طبع اوّل ص۱۱۱ تا ص۱۱۱ تبلیغ رسالت جلد ۶ ص۹۳ و تتمہ حقیقۃ الوحی ص۲ تا ص۲۳ طبع اوّل)

۲۹۔ مُبارک احمد کا قبل از ولادت بولنا

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ میرے بچے مبارک احمد نے اپنی والدہ کے شکم میں باتیں کیں۔

جواب ۱۔ مبارک احمد کے جس کلام کا ذکر تریاق القلوب ص۳۹ و ص۴۰ طبع اوّل پر ہے وہ براہ راست بچے کا کلام نہیں۔ بلکہ الہام الٰہی ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو فرمایا کہ "اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰہِ وَ اُصِیْبُہٗ (تذکرہ ایڈیشن سوم ص۳۳۴) (یعنی مَیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہوں اور جلد ہی خُدا کی طرف واپس چلا جاؤں گا) یہ الفاظ اللہ تعالیٰ نے حضور کو مبارک احمد کی ولادت سے پہلے الہام کئے اور یہ کلام حکایتاً مبارک احمد کی طرف سے تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی آیت "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کہ خدا تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی طرف سے یہ الفاظ الہام کئے ہیں۔ پس اسی طرح چونکہ الہامی فقرہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ کلام مبارک احمد کی طرف سے کیا تھا اور جملہ کا متکلم بالواسطہ مبارک احمد تھا۔ اس لئے حضرت اقدس نے استعارۃً لکھا ہے کہ گویا اس کے بچے ہی نے باتیں کیں۔ یہ قول صاحبزادہ مبارک احمد کا ایسا ہی ہے جیسے قرآن مجید سورۃ آل عمران رکوع ۵ میں ہے کہ جب فرشتہ حضرت مریمؑ کے پاس حضرت مسیحؑ کی ولادت کی بشارت لے کر آیا۔ تو اس بشارت کے ساتھ ہی اَنِّیْ قَدْ جِئْتُکُمْ بِاٰیَۃٍ مِّنْ رَّبِّکُمْ (آل عمران: ۵۰)

شروع ہو جاتا ہے دکر میں آیا ہوں تمہاری طرف۔ خُدا کی طرف سے نشان لے کر، مختصر یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر کی رو سے وہ آواز مبارک احمد کی طرف سے نہ آتی تھی۔ بلکہ الہامی کلام میں اللہ تعالیٰ نے حکایتاً اس کی طرف سے کلام کیا تھا۔

۲۔ لیکن تمہارے ہاں تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایک دفعہ حضرت "پیرانِ پیر" سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی والدہ نے آپ سے کچھ بات کہی تو اس کے جواب میں آپ نے فرمایا۔ اے اماں! کیا تجھے یاد نہیں کہ جب میں تیرے پیٹ میں تھا۔ تو ان دنوں ایک سائل فقیر بھیک مانگنے تیرے دروازہ پر آیا۔ تو اسے ایک شیر کھانے کے لئے دوڑا تھا۔ جس سے ڈر کر وہ سائل بھاگ گیا تھا۔ کیا تجھے معلوم نہیں کہ وہ شیر میں ہی تھا؟ (گلدستہ کرامات صفحہ ۲۱۵)

۳۔ لو اور سنو! بحار الانوار جلد ۱۰ میں علامہ مجلسی علیہ الرحمۃ مصباح الانوار سے اور امالی شیخ صادق سے روایت کرتے ہیں جس کے ترجمے پر اکتفا کی جاتی ہے۔

"مفضل ابن عمر بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ جناب سیدہ (حضرت فاطمہؓ۔ خادم) کی ولادت کس طرح ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ جب خدیجہؓ سے جناب رسول اللہ نے شادی کی تو مکہ کی عورتوں نے انہیں چھوڑ دیا۔ نہ وہ اُن کے پاس آتی تھیں۔ نہ ان کو سلام کرتی تھیں اور نہ کسی اور عورت کو ان کے پاس آنے دیتی تھیں۔ اس بات سے جناب خدیجہؓ کو بہت دہشت ہوئی۔ اور ادھر جناب رسولؐ اللہ کی طرف سے بھی خوف دامن گیر تھا۔ اس حالت میں جناب سیدہ کا حمل قرار پایا۔ جناب سیدہ۔ خدیجہؓ سے باتیں کیا کرتی تھیں اور انہیں تسلی و دلاسا دیتی رہتی تھیں۔ اور صبر کی تلقین فرماتی تھیں۔ خدیجہؓ نے رسولؐ اللہ سے یہ بات چھپا رکھی تھی۔ ایک روز رسولؐ اللہ تشریف لائے تو آپؐ نے سنا کہ خدیجہؓ جناب فاطمہؓ سے باتیں کر رہی ہیں پوچھا! یہ کس سے باتیں کرتی ہیں خدیجہؓ نے عرض کیا کہ یہ بچہ جو میرے شکم میں ہے مجھ سے باتیں کرتا ہے اور میری وحشت کو دُور کرتا ہے آپؐ نے فرمایا، "اے خدیجہؓ۔ جبرئیلؑ نے مجھے بشارت دی ہے کہ یہ بچہ لڑکی ہے۔"

(سیرۃ الفاطمہ یعنی سوانح عمری حضرت سیدہ صلوٰۃ اللہ علیہا (تصنیف سید حکیم ذاکر حسین صاحب مترجم نہج البلاغہ مطبوعہ ۱۹۲۱ء صفحہ ۲۹، صفحہ ۳۰)

۴۰۔ بکرے کا دُودھ

سُرمہ چشم آریہ صفحہ ۵ طبع اوّل میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ مظفر گڑھ میں ایک بکرے نے اڑھائی سیر دُودھ دیا۔

جواب ۱۔ امام ابن جوزی فرماتے ہیں:۔ نُبْعِثَ بِهٖ اِلَى الْخَلِيْفَةِ الْمُقْتَدِرِ وَ اُهْدِيَ مَعَهٗ تَيْسًا لَهٗ ضَرْعٌ يُحْلَبُ لَبَنًا حَكَاهُ الصَّوْلِيُّ وَابْنُ كَثِيْرٍ (حجج الکرامہ صفحہ ۲۵۹) کہ ایک لمبے قد کا آدمی خلیفہ مقتدر کے پاس بھیجا گیا اور اس کے ساتھ ہی ایک بکرا بھی ہدیۃً بھیجا گیا اس بکرے

کے تھن تھے اور وہ دُودھ دیتا تھا۔ اس واقعہ کو صولی اور حافظ ابن کثیر نے بیان کیا ہے۔

ب۔ مولوی شبلی نعمانی لکھتے ہیں:۔ "جہانگیر کا جانور خانہ حقیقت میں ایک عجائب خانہ تھا۔ اس میں ایسے بھی بہت سے جانور تھے۔ جن کی خلقت غیر معمولی خلقت تھی۔ ان میں ایک بکرا تھا جو بقدر ایک پیالہ کے دُودھ دیتا تھا۔" (مقالات شبلی ص۹ نیز توزک جہانگیری ص۲۲)

نوٹ:۔ جماعت احمدیہ آنبہ ضلع شیخوپورہ نے خاص طور پر ایک دُودھ دینے والا بکرا خریدا تھا اور مولوی صاحبان کے لئے "الفضل" میں اشتہار دیا گیا تھا کہ وہ اس بکرے کو دیکھ کر تسلی کر لیں۔۔۔۔ ۲۸ نومبر ۱۹۳۴ء تک وہ بکرا جماعت کے پاس موجود رہا۔ (خادم)

ج۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔ "۳۱۳ھ میں ایک خچر نے بچہ جنا۔"

(تاریخ الخلفاء مترجم اُردو ص۴۲۴)

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ہم وفاتِ مسیح کے اس لئے قائل نہیں۔ کہ گویا ہمارے نزدیک خدا کسی کو زندہ رکھنے پر قادر نہیں۔ بلکہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ عیسیٰؑ فوت ہو چکے ہیں اور یہ کہ کوئی انسان آسمان پر نہیں جا سکتا۔ چونکہ خدا تعالیٰ جھوٹ نہیں بول سکتا اور نہ وعدہ خلافی کر سکتا ہے۔ اس لئے عیسیٰ بھی زندہ نہیں رہ سکتے نیز اگر "اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (البقرۃ:۲۱) کا وہ مفہوم درست ہو جو تم لوگ لیتے ہو تو ذرا یہ تو بتا دو کہ کیا خدا اگر چاہے تو اپنے جیسا ایک خدا بنا سکتا ہے؟ یاد رکھنا کہ خدا غیر مخلوق اور قدیم ہے اور جو پیدا ہوگا وہ بہر حال مخلوق ہوگا۔

۴۱۔ عورت مرد ہو گئی

سرمہ چشم آریہ ص۱۵ میں مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ ایک مرد نے اپنے بچہ کو اپنا دودھ پلایا۔

الجواب ۱۔ حجج الکرامہ میں لکھا ہے۔ وَفِیْ سَنَۃِ ۲۶۶ھ اَحْضَرَ وَالِیْ لَاشْمُوْنِیْنَ اِلَی الْاَمِیْرِ مِنْجَکَ بِنْتًا عُمُرُھَا خَمْسَ عَشَرَ سَنَۃً فَذَکَرَ اَنَّھَا لَمْ تَزَلْ بِنْتًا اِلٰی ھٰذِہِ الْغَایَۃِ فَاشْتَدَّ الْفَرَجُ وَظَھَرَ لَھَا ذَکَرٌ وَاُنْثَیَانِ وَاحْتَلَمَتْ فَشَاھَدُوْھَا وَسَمُّوْھَا مُحَمَّدًا وَلِھٰذِہِ الْقَضِیَّۃِ نَظِیْرٌ ذَکَرَھَا ابْنُ کَثِیْرٍ فِیْ تَارِیْخِہٖ وَقَالَ الْحَافِظُ ابْنُ حَجَرٍ وَقَعَ فِیْ عَصْرِنَا نَظِیْرُ ذٰلِکَ فِیْ سَنَۃِ ۸۴۲ھ (حجج الکرامہ ص۲۹۳ سطر۱) کہ ۲۶۶ھ میں والی اشمونین نے امیر منجک کے سامنے ایک لڑکی پیش کی۔ جس کی عمر پندرہ سال کی تھی اور اس نے ذکر کیا۔ کہ وہ اب تک تو لڑکی رہی۔ مگر بعد میں اس کی شرمگاہ مفقود ہو گئی اور اعضاء مردمی ظاہر ہو گئے۔ پھر وہ محتلم ہوئی اور انہوں نے یہ سب باتیں اس میں مشاہدہ کیں اور اس کا نام محمد رکھا اور اسی قسم کا ایک اور واقعہ بھی ہے جس کو ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے اور حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ ہمارے زمانہ میں ۸۴۲ھ میں اسی قسم کا ایک واقعہ ظہور میں آیا ہے۔

۲۔ حضرت امام سیوطیؒ لکھتے ہیں:۔ کہ المعتضد باللہ ابوالفتح خلیفہ بنوعباس کے عہد خلافت میں:۔

"۵۴۲ھ ہجری میں طرابلس میں ایک لڑکی تھی جس کا نام نفیسہ تھا۔ تین مردوں سے اس کا نکاح ہوا مگر کوئی اس پر قادر نہ ہو سکا۔۔۔۔جب اس کی عمر پندرہ برس کی ہوئی اُس کے پستان غائب ہو گئے اور پھر اُس کی شرمگاہ سے گوشت بلند ہونا شروع ہوا اور بڑھتے بڑھتے مرد کا آلۂ تناسل بن گیا اور خصیتین بھی ظاہر ہو گئے۔"

(تاریخ الخلفاء مصنفہ حضرت امام سیوطی باب المستنجد باللہ ابوالفتح۔ منقول از محبوب العلماء ترجمہ اُردو تاریخ الخلفاء۔ مطبوعہ پبلک پرنٹنگ پریس لاہور (ترجمہ کردہ مولوی محمد بشیر صاحب صدیقی) مولوی فاضل علی پوری صفحہ ۶۰۰)

۴۲۔ مرزا صاحب نے بد دُعائیں دیں

الجواب:۔ ۱۔ قرآن مجید سے حضرت نوحؑ کی بد دُعا سورۃ نوح میں پڑھو۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْأَرْضِ مِنَ الْكَافِرِينَ دَيَّارًا (نوح: ۲۷) کہ میرے رب! زمین پر ایک بھی کافر نہ چھوڑیو۔ (۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ اللعالمین ہیں انہوں نے بھی بد دعا کی۔ بخاری شریف میں ہے: "قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ فَشَقَّ عَلَيْهِمْ إِذْ دَعَا عَلَيْهِمْ ..... ثُمَّ سَمّٰى اَللّٰهُمَّ عَلَيْكَ بِأَبِي جَهْلٍ وَعَلَيْكَ بِعُتْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ وَ شَيْبَةَ بْنِ رَبِيْعَةَ۔" (بخاری کتاب الوضوء باب اذا اُلقِیَ عَلٰی ظَهْرِ الْمُصَلّی جلد ۱ صفحہ ۳۸) کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ کہ اے اللہ قریش کو ضرور ہلاک کر۔ آپؐ نے یہ تین مرتبہ فرمایا۔ پس قریش پر یہ شاق گذرا کیونکہ آپ نے ان کو بد دُعا دی تھی۔۔۔۔ پھر آنحضرت صلعم نے نام لے کر فرمایا۔ اے اللہ! ابو جہل کو ضرور ہلاک کر۔ اے اللہ! عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کو ہلاک کر (۳) اسی طرح قریش ہی کے متعلق آنحضرت صلعم کی بد دعا کا ذکر بخاری جلد ۱ کتاب الاذان باب یہوی بالتکبیر صفحہ ۹۹ مطبع الہیہ مصر میں بھی ہے:۔

"عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ يَرْفَعُ رَأْسَهٗ يَقُوْلُ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ فَيَقُوْلُ.... اَللّٰهُمَّ اشْدُدْ وَطْأَتَكَ عَلٰى مُضَرَ وَاجْعَلْهَا عَلَيْهِمْ سِنِيْنَ كَسِنِيْ يُوْسُفَ وَأَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ مِنْ مُضَرَ مُخَالِفُوْنَ لَهٗ۔" حدیث ہذا کا اُردو ترجمہ تجرید البخاری مترجم اُردو سے نقل کیا جاتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب رکوع سے اپنا سر اُٹھاتے تو سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ دونوں کہتے تھے۔۔۔۔ اے اللہ اپنی گرفت قبیلہ مضر پر سخت کر دے۔ اور ان پر قحط سالیاں ڈال دے جیسے یوسفؑ کے عہد کی قحط سالیاں تھیں۔ اس زمانہ میں قبیلہ مضر کے مشرقی لوگ آپ کے مخالف تھے۔"

(تجرید البخاری مترجم جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ شائع کردہ مولوی فیروزالدین اینڈ سنز لاہور)

(۴) بخاری شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی سُلیم کے بعض آدمیوں کو قبیلہ بنی عامر کی طرف بغرض سفارت و تبلیغ بھیجا۔ مگر انہوں نے دھوکہ سے قتل کر دیا صرف ایک لنگڑے صحابی بچ گئے اس واقعہ کی خبر جب آنحضرتؐ کو ملی تو آپؐ چالیس۴۰ دن تک قبیلہ بنی عامر کے لیے بد دُعا فرماتے رہے۔

" فَدَعَا عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا عَلٰى رِعْلٍ وَّ ذَكْوَانَ وَبَنِيْ لِحْيَانَ وَ بَنِيْ عَصَيَّةَ الَّذِيْنَ عَصَوُا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ "

(بخاری باب الحُوْرُ الْعِيْنِ وَصِفَتُهُنَّ و تجرید البخاری مطبوعہ فیروز الدین اینڈ سنز لاہور حصہ دوم ۳۵ و ۳۶)

ترجمہ:۔ پھر آپؐ نے چالیس دن تک قبیلہ رعل اور ذکوان اور بنی لحیان بنی عصیہ (کے لوگوں) پر جنہوں نے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی نافرمانی کی تھی بد دعا کی۔

(۵) بخاری شریف جلد ا ۹۹ کتاب الاذان باب فصل اللّٰھم ربنا لك الحمد مطبع الیہ مصر میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بَعْدَ مَا يَقُوْلُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ فَيَدْعُوْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَيَلْعَنُ الْكُفَّارَ" یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر روز نماز میں بعد از رکوع سمع اللہ لمن حمدہ کہنے کے بعد بالا لتزام مسلمانوں کے حق میں دُعا فرماتے تھے اور کافروں پر لعنت بھیجا کرتے تھے۔

۴۳۔ انگریز کی خوشامد کا الزام

مجلس احرار کی طرف سے بار بار الزام لگایا جاتا ہے کہ حضرت بانیٔ جماعت احمدیہ علیہ السلام نے انگریز کی خوشامد کی اور اس غرض سے تریاق القلوب۔ کتاب البریہ۔ نور الحق اور تبلیغ رسالت کے حوالجات پیش کئے جاتے ہیں۔ ذیل کی سطور میں اُن کے اِس الزام کا کسی قدر تفصیل سے جواب عرض کیا گیا ہے۔

خوشامد کی تعریف

افسوس ہے کہ معترضین حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام پر خوشامد کا الزام لگاتے وقت ایک ذرہ بھی خدا کا خوف نہیں کرتے کیونکہ اوّل تو آپ کی تحریرات کے اُس حصہ پر جس میں انگریزی حکومت کے ماتحت مذہبی آزادی حکومت کی مذہبی اُمور میں غیر جانبداری اور قیام امن و انصاف کے لیے عادلانہ قوانین کے نفاذ کی تعریف کی گئی ہے۔ لفظ "خوشامد" کا اطلاق نہیں ہو سکتا ظاہر ہے کہ برمحل سچی تعریف کو "خوشامد" نہیں کہہ سکتے۔ بلکہ "خوشامد" جھوٹی تعریف کو کہتے ہیں جو کسی نفع کے حصول کی غرض سے کی جائے۔ پس حضرت مرزا صاحب پر انگریز کی خوشامد کا الزام لگانے والوں پر لازم ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ آپ نے انگریزی حکومت کے بارے میں جو تعریفی الفاظ استعمال فرمائے وہ حقیقت پر مبنی نہ تھے بلکہ خلافِ واقعات تھے اور یہ کہ آپ نے انگریز سے فلاں نفع حاصل کیا، لیکن ہم یہ بات پورے وثوق اور کامل تحدی سے کہہ سکتے ہیں اور مخالف سے مخالف بھی ضرور یہ اقرار کرنے پر مجبور ہوگا کہ حضرت مرزا صاحب نے انگریزی حکومت کے دَور میں مذہبی آزادی۔ تبلیغ کی آزادی اور قیام امن و انصاف کی جو تعریف فرمائی۔ وہ بالکل درست تھی۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ جو مذہبی آزادی انگریزی

نظام کے ماتحت رعایا کو حاصل تھی۔ اس کی مثال موجودہ زمانہ میں کسی اور حکومت میں پائی نہیں جاتی۔

حضرت سید احمد بریلوی کے ارشادات

چنانچہ حضرت سید احمد بریلوی مجدد صدی سیزدہم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی انگریزی حکومت کے اس قابل تعریف پہلو کی بیحد تعریف فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:۔

ا۔ "سرکار انگریزی کہ او مسلمان رعایائے خود را برائے ادائے فرضِ مذہبی شان آزادی بخشیدہ است۔" (سوانح احمدی مصنفہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری ص۱۱۱)

ب۔ سرکار انگریزی مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی۔ اور نہ ان کو فرضِ مذہبی اور عبادتِ لازمی سے روکتی ہے۔ ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کو تیار رہے۔"
(سوانح احمدی ص۴۵)

ج۔ "سید صاحب (حضرت سید احمد بریلوی) رحمۃ اللہ علیہ کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا۔ وہ اس آزاد عملداری کو اپنی عملداری سمجھتے تھے۔" (ایضاً ص۱۳۹)

د۔ حضرت مولانا سید اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ انگریزی حکومت کے متعلق فرماتے ہیں:۔
"ایسی بے رُو و ریا، اور غیر متعصب سرکار کے خلاف کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں۔"
(سوانح احمدی ص۵۷)

غرضیکہ ان ہر دو قابلِ فخر مجاہد ہستیوں نے بھی انگریزی حکومت کی بعینہٖ وہی تعریف کی جو حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے کی۔ بلکہ حضرت سید احمد بریلویؒ تو حکومت انگریزی کو "اپنی ہی عملداری" سمجھتے تھے کیا احراری شعبدہ باز جوشِ خطابت میں ان بزرگانِ اسلام پر بھی "انگریزی حکومت کی خوشامد" کا الزام لگائیں گے؟

پس یہ حقیقت ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے انگریزی قوم کے حق میں جو کچھ لکھا وہ بطور خوشامد نہیں بلکہ مبنی بر صداقت تھا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

ا۔ "بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب "المنار" نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں رہتا ہے۔ اس لئے جہاد کی ممانعت کرتا ہے یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر میں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا۔ تو میں بار بار کیوں کہتا کہ عیسٰی بن مریم صلیب سے نجات پا کر اپنی طبعی موت سے بمقام سری نگر مر گیا اور نہ وہ خدا تھا۔ نہ خدا کا بیٹا۔ کیا انگریز مذہبی جوش رکھنے والے میرے اس فقرہ سے ناراض نہیں ہونگے؟ پس سنو اے نادانو! میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دین اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کیلئے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔ قرآن شریف کی رُو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے۔"
(کشتی نوح حاشیہ ص۶۸)

۲۔"یہ گورنمنٹ مسلمانوں کے خونوں اور مالوں کی حمایت کرتی ہے اور ہر ایک ظالم کے حملہ سے ان کو بچاتی ہے..... میں نے یہ کام گورنمنٹ سے ڈر کر نہیں کیا اور نہ اس کے کسی انعام کا امیدوار ہو کر کیا ہے بلکہ یہ کام محض للہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق کیا ہے۔"
(نور الحق حصہ اوّل ص۲۹، ص۳۱ طبع اوّل)

۳۔ بیشک جیسا کہ خدا نے میرے پر ظاہر کیا صرف اسلام کو دُنیا میں سچا مذہب سمجھتا ہوں، لیکن اسلام کی سچی پابندی اسی میں دیکھتا ہوں کہ ایسی گورنمنٹ جو در حقیقت محسن اور مسلمانوں کے خون و مال کی محافظ ہے اس کی سچی اطاعت کی جائے۔ میں گورنمنٹ سے ان باتوں کے ذریعہ سے کوئی انعام نہیں چاہتا۔ میں اس سے درخواست نہیں کرتا کہ اس خیر خواہی کی پاداش میں میرا کوئی لڑکا کسی معزز عہدہ پر ہو جائے۔"
(اشتہار ۱۲ر اکتوبر ۱۸۹۹ء تبلیغ رسالت جلد ۸ ص۴۹)

۴۔"میری طبیعت نے کبھی نہیں چاہا کہ اپنی متواتر خدمات کا اپنے حکام کے پاس ذکر بھی کروں۔ کیونکہ میں نے کسی صلہ اور انعام کی خواہش سے نہیں بلکہ ایک حق بات کو ظاہر کرنا اپنا فرض سمجھا۔"
(تبلیغ رسالت جلد ۷، ص۱۰)

۵۔"میں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا۔ جیسا کہ نادان لوگ خیال کرتے ہیں کہ اس سے کوئی صلہ چاہتا ہوں۔ بلکہ میں انصاف اور ایمان کی رُو سے اپنا فرض دیکھتا ہوں کہ اس گورنمنٹ کا شکریہ ادا کروں۔"
(تبلیغ رسالت جلد ۱۰ ص۱۲۳)

آپ یا آپ کی اولاد نے حکومت سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا!

ان تحریرات سے واضح ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ نے انگریز کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا وہ کسی لالچ یا طمع یا خوف کے زیر اثر نہیں تھا اور یہ محض دعویٰ ہی نہیں بلکہ اس کو واقعات کی تائید بھی حاصل ہے۔ کیونکہ یہ امر واقعہ ہے اور کوئی بڑے سے بڑا دشمن بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ حضرت مرزا صاحب یا حضور کے خلفاء میں سے کسی نے گورنمنٹ سے کوئی مربعہ یا جاگیر حاصل کی یا کوئی خطاب حاصل کیا۔ بلکہ امر واقعہ یہ ہے کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کے خلاف عیسائی پادریوں نے اور بعض اوقات حکومت کے بعض کارندوں نے بھی آپ اور آپ کی جماعت کو نقصان پہنچانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا پس جب یہ ثابت ہے کہ حضور نے کوئی مادی فائدہ گورنمنٹ انگریزی سے حاصل نہیں کیا۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ آپ نے انگریزی حکومت کی غیر جانبداری اور امن پسندی اور مذہب میں عدم مداخلت کی پالیسی کے حق میں جو کچھ لکھا وہ مبنی بر حقیقت تھا۔ تو پھر آپ پر "خوشامد" کا الزام لگانا محض تعصب اور تحکم نہیں تو اور کیا ہے؟

زور دار الفاظ میں تعریف کی وجہ

اس جگہ ایک سوال ہو سکتا ہے کہ گو یہ درست ہے کہ جو کچھ حضرت مرزا صاحب نے انگریزی حکومت کے حق میں لکھا وہ

خلاف واقعہ نہ تھا، لیکن پھر بھی حضرت مرزا صاحب کو اس قدر زور سے بار بار انگریز کی تعریف کرنے کی ضرورت کیا تھی ؟ آپ خاموش بھی رہ سکتے تھے ۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ وسوسہ صرف ان ہی لوگوں کے دل میں پیدا ہو سکتا ہے جن کو اُس پس منظر کا علم نہیں جس میں وہ تحریرات لکھی گئیں۔

پس منظر

اس ضمن میں سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ۱۸۵۷ء کے سانحہ کے حالات اور تفصیلات کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے وہ زمانہ کسقدر ابتلاء اور مصائب کا زمانہ تھا ۔ وہ تحریک ہندوؤں کی اُٹھائی ہوئی تھی، لیکن اس کو جنگِ آزادی کا نام دیا گیا اور یہ اثر پیدا کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس میں ہندوستانی مسلمان بھی من حیث القوم پسِ پردہ شامل ہیں سلطنتِ مُغلیہ کے زوال کے بعد انگریزوں نے زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی تھی ۔ اس لئے نئی حکومت کے دل میں متقدم حکومت کے ہم قوم لوگوں کے بارے میں شکوک و شُبہات کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا اس پر ۱۸۵۷ء کا حادثہ مستزاد تھا ۔ دوسری طرف ہندو قوم تھی جو تعلیم و تربیت ۔ صنعت و حرفت ۔ سیاست و اقتصاد ۔ غرضیکہ ہر شعبۂ زندگی میں مسلمانوں پر فوقیت رکھتے تھے ۔ مسلمانوں کا انہوں نے معاشرتی بائیکاٹ کر رکھا تھا وہ مسلمانوں کے سیاسی زوال سے فائدہ اُٹھا کر مسلمانوں کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کے منصوبے سوچ رہے تھے ۔ یہ دَور ہندوستانی مسلمانوں کے لئے نازک ترین دَور تھا ۔ پنجاب میں انگریزی تسلط سے پہلے سکھ دَور کے جبر و استبداد اور وحشیانہ مظالم کی داستان حد درجہ المناک ہے ۔ مسلمانوں کو اُس زمانہ میں انتہائی صبر آزما حالات میں سے گذرنا پڑا ۔ انہیں جبراً ہندو یا سکھ بنایا گیا ۔ اذانیں حکماً ممنوع قرار دی گئیں مسلمان عورتوں کی عصمت دری مسلمانوں کا قتل اور ان کے ساز و سامان کی لوٹ مار سکھوں کا روز مرہ کا مشغلہ تھا ۔ سکھوں کے انہی بے پناہ مظالم کے باعث مجدد صدی سیزدہم (تیرھویں[۱۳]) حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان کے خلاف علمِ جہاد بلند کرنا پڑا تھا ۔

پس ایک طرف ہندو قوم کی ریشہ دوانیاں ۔ مسلمانوں کا اقتصادی بائیکاٹ ۔ مسلمانوں پر اُن کا علمی سیاسی اور اقتصادی تفوّق اور ان کو ہندوستان سے نکال باہر کرنے کے منصوبے اور اس کے ساتھ ساتھ سکھوں کے جبر و استبداد اور وحشیانہ مظالم کے لرزہ خیز واقعات تھے ان حالات میں انگریزی دَورِ حکومت شروع ہوا ۔ انگریزوں نے اپنی حکومت کی ابتدا اس اعلان سے کی کہ رعایا کے مذہبی معاملات میں نہ صرف حکومت کی طرف سے کوئی مداخلت ہوگی ۔ بلکہ دوسری قوموں کی طرف سے بھی ایک دوسرے کے مذہبی معاملات میں مداخلت کو برداشت نہیں کیا جائیگا ۔ ایسے قانون بنا دیئے گئے جن کے نتیجہ میں رعایا کے باہمی تنازعات کا فیصلہ عدل و انصاف سے ہونے لگا ۔ ہندوؤں اور سکھوں کی مسلمانوں کے خلاف ریشہ دوانیوں کے آگے حکومت حائل ہو گئی اور سکھوں کے جبر و استبداد سے بالخصوص پنجابی مسلمانوں کو اس طرح نجات مل گئی گویا وہ ایک دہکتے ہوئے تنور سے یکدم باہر نکل آتے ۔

قرآن مجید کی واضح ہدایت

ایک طرف دو مشرک قومیں (ہندو اور سکھ) مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھیں ۔ تو دوسری طرف ایک عیسائی حکومت تھی جس کیساتھ

تعاون یا عدم تعاون کا مسلمانوں کو فیصلہ کرنا تھا۔ ان حالات میں مسلمانوں کے لئے قرآن مجید کی اس تعلیم پر عمل کرنے کے سوا اور کوئی چارہ کار نہ تھا کہ لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى (المائدۃ : ۸۳) ترجمہ:- یقیناً یقیناً تو دیکھے گا کہ مسلمانوں کے بدترین دشمن یہودی اور مشرک ہیں اور یقیناً یقیناً تُو دیکھے گا کہ دوستی اور محبت کے لحاظ سے سب سے زیادہ مسلمانوں کے قریب عیسائی کہلانے والے ہیں۔

اس واضح حکم میں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی گئی تھی کہ یہود یا ہنود اگر ایک طرف ہوں اور دوسری طرف عیسائی ہوں تو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنی دوستی اور مودۃ کا ہاتھ عیسائیوں کی طرف بڑھائیں چنانچہ عملاً یہی مسلمانوں نے کیا اور ہمیں یقین ہے کہ اگر یہ قرآنی تعلیم مشعلِ راہ نہ بھی ہوتی تو پھر بھی مسلمانوں کا مفاد اسی میں تھا۔ اور یہی حالات کا اقتضاء تھا کہ ہندوؤں اور سکھوں کے مقابلہ میں انگریزوں کے ساتھ تعاون کرتے اور انگریزوں کی مذہبی رواداری سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھاتے ہوئے ہندوؤں کے تباہ کن منصوبوں سے محفوظ رہ کر اپنی پُرامن تبلیغی مساعی کے ذریعہ سے اپنی تعداد کو بڑھانے کی کوشش کرتے۔ بعد کے حالات کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ انگریزی عملداری کے ابتداء میں مسلمانوں کی تعداد برِعظیم ہند و پاکستان میں ایک کروڑ کے قریب تھی، لیکن انگریزوں کے انخلاء (۱۹۴۷ء) کے وقت مسلمانوں کی تعداد دس کروڑ تھی۔ گویا تین صدیوں کی اسلامی حکومت کے دوران میں جس قدر مسلمانوں کی تعداد تھی۔ صرف ایک صدی سے بھی کم زمانے میں اس سے دس گنا بڑھ گئی۔ چنانچہ سرسید احمد خاں صاحب علیگڑھی، مولانا شبلی نعمانی۔ نواب محسن الملک بہادر نواب صدیق حسن خاں اور دوسری عظیم الشان شخصیتوں نے دورِ اول میں اور قائداعظم محمد علی جناح نے دورِ آخر میں ہندو کی غلامی پر انگریز کے ساتھ تعاون کو ترجیح دی۔ اور مندرجہ بالا قرآنی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے انگریزوں کی طرف دستِ تعاون بڑھایا۔ سرسید مرحوم نے انگریزی حکومت کو مسلمانوں کی وفاداری کا یقین دلانے کیلئے متعدد کُتب و رسائل تصنیف کئے۔ مسلمانوں کی مغربی علوم میں ترقی کیلئے شبانہ روز کوششیں کیں جن کا نمونہ علیگڑھ یونیورسٹی کی صورت میں موجود ہے۔ چنانچہ احمدیت کے ذلیل ترین معاند اخبار "زمیندار" لاہور کو بھی یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ "ان دنوں سیاست کا تقاضا یہی تھا کہ انگریز کی حمایت کی جاتی۔"

(زمیندار ۵۲/۱۱/۷ ۲ صفحہ ۳ کالم ۵)

مہدی سوڈانی

پھر یہ بات بھی مدِنظر رکھنی ضروری ہے کہ مہدی سوڈانی کی تحریک ۱۸۷۹ء اور اس کے برطانوی حکومت کے ساتھ تصادم کے باعث انگریزی قوم کے دل و دماغ پر یہ چیز گہرے طور پر نقش ہو چکی تھی۔ کہ ہر مہدویت کے علمبردار کے لئے ضروری ہے کہ وہ تیغ و سناں کو ہاتھ میں لے کر غیر مسلموں کو قتل کرے۔

حضرت مرزا صاحب کا دعویٰ مہدویت

یہی وہ دَور تھا جس میں حضرت مرزا صاحب نے اللہ تعالیٰ کی وحی سے مامور ہو کر مسیح اور مہدی موعود ہونے کا دعویٰ کیا۔ قرآنی تعلیم کے پیشِ نظر آپ اگرچہ حکومت انگریزی کے ساتھ تعاون اور وفاداری کو ضروری سمجھتے تھے، لیکن بدقسمتی سے دَورِ انحطاط کے مسلمان علماء نے مہدیؑ موعود کا یہ غلط تصوّر دنیا کے سامنے پیش کر رکھا تھا کہ وہ آتے ہی جنگ و پیکار کا علم بلند کر دیگا اور ہاتھ میں تلوار لے کر غیر مسلموں کو قتل کریگا اور بزورِ شمشیر اسلامی حکومت قائم کردیگا۔ اس لئے اور مہدی سوڈانی کا تازہ واقعہ اس کا ایک بیّن ثبوت تھا اس لئے جب آپ نے امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا تو ضروری تھا کہ انگریزی حکومت آپ اور آپ کی تحریک کو شک و شبہ کی نگاہ سے دیکھتی، لیکن اس پر مستزاد یہ ہوا کہ مخالف علماء نے جہاں ایک طرف اولیاء اُمّت کی پیشگوئیوں کے عین مطابق (کہ امام مہدی پر علماء تے وقت کُفر کا فتویٰ دیں گے) آپ پر کفر کا فتویٰ لگا کر مسلمانوں میں آپ کے خلاف اشتعال پھیلایا۔ تو دوسری طرف حکومت انگریزی کو بھی یہ کہہ کر اُکسایا۔ کہ یہ شخص امام مہدی ہونے کا دعویدار ہے۔ در پردہ حکومت کا دشمن ہے اور اندر ہی اندر ایک ایسی جماعت تیار کر رہا ہے۔ جو طاقت پکڑتے ہی انگریزی حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیگی۔ پھر نہ صرف یہ کہ یہ جھوٹا پراپیگنڈہ مخالف علماء کی طرف سے کیا گیا۔ بلکہ عیسائی پادریوں کی طرف سے بھی حکومت کے سامنے اور پریس میں بار بار یہ الزام لگایا گیا کہ یہ شخص مہدی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا ارادہ یہ ہے کہ خفیہ طور پر ایک فوج تیار کر کے گورنمنٹ انگریزی کے خلاف مناسب موقع پر اعلان جنگ کر دے۔ دراصل یہ شخص اور اس کی جماعت حکومت انگریزی کے "غدار" ہیں۔ اور ان کا وجود انگریزی حکومت کیلئے سخت خطرناک ہے۔ چونکہ یہ الزامات محض بے بنیاد اور بے حقیقت تھے اس سبب سے حضرت مرزا صاحب کے لئے ضروری تھا کہ اُن کی پر زور الفاظ میں تردید فرما کر حقیقتِ حال کو آشکارا کرتے۔

تعریفی عبارتیں بطور "ذبّ" تھیں نہ بطور "مدح"

پس تعریفی الفاظ بطور مدح نہ تھے بلکہ بطور "ذبّ" یعنی بغرض رفع التباس تھے۔

۱۔ اس کی مثال قرآن مجید میں بھی موجود ہے۔ قرآن مجید میں حضرت مریمؑ کی عفت اور عصمت کی بار بار اور زوردار الفاظ میں تعریف بیان کی گئی ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ ماجدہ اور حضور کی مقدس صاحبزادی حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی عفت اور عصمت کا قرآن مجید میں خصوصیت سے ذکر نہیں کیا گیا۔ حالانکہ وہ اپنی عفت اور عصمت کے لحاظ سے حضرت مریمؑ سے کسی رنگ میں بھی کم نہیں ہیں بلکہ حضرت فاطمۃ الزہرا اپنے مدارج عظمت کے لحاظ سے حضرت مریمؑ سے افضل ہیں۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد "فَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ أَهْلِ الْجَنَّةِ"۔

(بخاری کتاب المناقب باب مناقب قرابۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و منقبۃ فاطمۃؓ جلد ۲ صفحہ ۱۹)

۲۔ لیکن ظاہر ہے کہ حضرت مریمؑ صدیقہ کی پاکیزگی اور عفت وعصمت کا قرآن مجید میں بار بار زور دار الفاظ میں ذکر ہونا اور ان کے مقابل پر حضرت فاطمۃ الزہرا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ ماجدہ کا قرآن مجید میں ذکر نہ ہونا ہرگز ہرگز اس امر پر دلالت نہیں کرتا کہ حضرت مریمؑ کو ان پر کوئی فضیلت حاصل تھی۔ کیونکہ حضرت مریمؑ پر زنا اور بدکاری کی تہمت لگی۔ اس لئے ان کی بریّت اور رفع التباس کے لئے بطور "ذب" ان کی تعریف کی ضرورت تھی۔ مگر چونکہ حضرت فاطمۃ الزہرا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدۂ ماجدہ پر ایسا کوئی الزام نہ تھا۔ اس لئے باوجود ان کی عظمتِ شان کے اُن کی تعریف و توصیف کی ضرورت نہ تھی۔ بعینہٖ اسی طرح چونکہ حضرت مرزا صاحب پر آپ کے مخالفین کی طرف سے آپ کے دعوئے مہدویت کے باعث حکومت سے غداری اور اس کے خلاف تلوار کی لڑائی کی خفیہ تیاریوں کا الزام تھا۔ اس لئے ضروری تھا کہ اظہارِ حقیقت کے لئے زور دار الفاظ میں ان الزامات کی تردید کی جاتی۔

احراریوں کی پیش کردہ عبارتوں پر تفصیلی بحث

سول اینڈ ملٹری گزٹ (جو انگریزی حکومت کا ایک مشہور آرگن تھا) کی اشاعت ستمبر ۱ اکتوبر ۱۸۹۴ء میں ایک مضمون شائع ہُوا۔ جس میں لکھا گیا کہ یہ "شخص گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ اور مخالفانہ ارادے اپنے دل میں رکھتا ہے۔" چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے اس مضمون کا ذکر اپنے اشتہار ۱۰ ر دسمبر ۱۸۹۴ء مطبوعہ تبلیغ رسالت جلد ۳ ص ۱۹۲، ص ۱۹۳ میں کرکے اس کی تردید فرمائی ہے۔ یہی وہ اشتہار ہے جس کی جوابی عبارتوں کا حوالہ احراری معترضین دیا کرتے ہیں، لیکن بددیانتی سے اس اشتہار کی مندرجہ ذیل ابتدائی سطور کو حذف کر دیتے ہیں۔

"سول ملٹری گزٹ کے پرچہ ستمبر یا اکتوبر ۱۸۹۴ء میں میری نسبت ایک غلط اور خلاف واقعہ رائے شائع کی گئی جس کی غلطی گورنمنٹ پر کھولنا ضروری ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ صاحب راقم نے اپنی غلط فہمی یا کسی اہل غرض کے دھوکہ دینے سے ایسا اپنے دل میں میری نسبت سمجھ لیا ہے کہ گورنمنٹ انگریزی کا بدخواہ اور مخالفانہ ارادے اپنے دل میں رکھتا ہوں، لیکن یہ خیال ان کا سراسر باطل اور دور از انصاف ہے۔"۔۔۔۔۔

"سکھوں کے زمانہ میں ہمارے دین اور دنیا دونوں پر مصیبتیں تھیں ۔۔۔۔۔ ان مصیبتوں سے اس گورنمنٹ کے عہد دولت نے ایکدم ہمیں چھوڑا دیا ۔۔۔۔۔ اور ہم نے اگر کسی کتاب میں پادریوں کا نام دجّال لکھا ہے یا اپنے تئیں مسیح موعود قرار دیا ہے تو اس کے وہ معنی مراد نہیں جو بعض ہمارے مخالف مسلمان سمجھتے ہیں۔ ہم کسی ایسے دجّال کے قائل نہیں جو اپنا کفر بڑھانے کے لیے خونریزیاں کرے اور نہ کسی ایسے مسیح اور مہدی کے قائل ہیں جو تلوار کے ذریعہ سے دین کی ترقی کرے یہ اس زمانہ کے بعض کوتہ اندیش مسلمانوں کی غلطیاں ہیں جو کسی خونی مہدی یا خونی مسیح کے منتظر ہیں۔ چاہیئے کہ گورنمنٹ ہماری کتابوں کو دیکھے کہ کسقدر ہم اس اعتقاد کے دشمن ہیں۔"

"مجھے افسوس ہے کہ سول ملٹری گزٹ کے ایڈیٹر کو ان واقعات کی کچھ بھی اطلاع ہوتی تو وہ ایسی تحریر جو انصاف اور سچائی کے برخلاف ہے ہرگز شائع نہ کرتا۔" (تبلیغ رسالت جلد ۳ ص ۱۹۲ تا ص ۱۹۹) علاوہ ازیں

شیخ محمد حسین بٹالوی نے کئی رسائل شائع کیے جن میں یہ لکھا ہے کہ یہ شخص گورنمنٹ انگریزی کا "باغی" ہے چنانچہ اس کا ذکر حضرت مرزا صاحب نے مختلف کتب اور اشتہارات میں کیا ہے۔ چند عبارتیں ملاحظہ ہوں۔

د۔ "چونکہ شیخ محمد حسین بٹالوی اور دوسرے خود غرض مخالف واقعات صحیحہ کو چھپا کر عام لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ ایسے ہی دھوکوں سے متاثر ہو کر بعض انگریزی اخبارات جن کو واقعات صحیحہ نہیں مل سکے ہماری نسبت اور ہماری جماعت کی نسبت بے بنیاد باتیں شائع کرتے ہیں۔ سو ہم اس اشتہار کے ذریعہ سے اپنی محسن گورنمنٹ اور پبلک پر یہ بات ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ہنگامہ اور فتنہ کے طریقوں سے بالکل متنفر ہیں۔"

(اشتہار ۲۷ فروری ۱۸۹۵ء تبلیغ رسالت جلد ۴ صا)

پھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو مخاطب کر کے لکھتے ہیں:۔

ب۔ "آپ نے جو میرے حق میں گورنمنٹ کے باغی ہونے کا لفظ استعمال کیا ہے یہ شاید اس لیے کیا ہے کہ آپ جانتے ہیں کہ نالش اور استغاثہ کرنے کی میری عادت نہیں ورنہ آپ ایسے صریح جھوٹ سے ضرور بچتے۔"

(تبلیغ رسالت ۴ ص۴۵) نیز دیکھو تبلیغ رسالت جلد ۲ ص۹۲)

۴۴۔ تریاق القلوب کی پچاس الماریوں والی عبارت

اسی طرح احراری معترضین تریاق القلوب ص۱۵ کی عبارت بھی خوشامد کے الزام کی تائید میں پیش کیا کرتے ہیں۔ اس میں سے "پچاس الماریوں" کے الفاظ کو خاص زور سے پیش کرتے ہیں۔ لیکن جو شخص اصل کتاب نکال کر اس میں سے یہ عبارتیں پڑھے گا اسے فی الفور معلوم ہو جائیگا کہ حضرت مرزا صاحبؑ نے وہاں بھی انگریزی حکومت کی تائید میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ بطور "ذب" کے ہے۔ یعنی مخالفین کے الزام "بغاوت" کی تردید میں لکھا ہے۔ چنانچہ تریاق القلوب ص۱۵ کی وہ عبارت جسے احراری معترضین پیش کرتے ہیں۔ اس سے پہلے یہ الفاظ ہیں:۔

"اور تم میں سے جو ملازمت پیشہ ہیں وہ اس کوشش میں ہیں کہ مجھے اس محسن سلطنت کا باغی ٹھہراتے ہیں میں سنتا ہوں کہ ہمیشہ خلافِ واقعہ خبریں میری نسبت پہنچانے کے لئے ہر طرح سے کوشش کی جاتی ہے حالانکہ آپ لوگوں کو خوب معلوم ہے کہ میں باغیانہ طریق کا آدمی نہیں ہوں۔" (تریاق القلوب ص۱۵)

اس کے آگے وہ عبارت شروع ہوتی ہے جس کا حوالہ احراری معترضین دیا کرتے ہیں۔

نور الحق حصہ اوّل کی عبارت

احراری معترضین نور الحق حصہ اول کے ص۳۰ و ص۳۱ کا حوالہ بھی اس الزام کی تائید میں پیش کرتے ہیں لیکن جو شخص کتاب نور الحق کا ص۲۴ پڑھیگا اس کو علم ہو جائے گا کہ یہ عبارتیں بھی پادری عماد الدین کی طرف سے عائد شدہ الزام بغاوت کے جواب میں لکھی گئیں۔ چنانچہ حضورؑ ملکہ وکٹوریہ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:۔

"ایک شخص نے ایسے لوگوں میں سے جو اسلام سے نکل کر عیسائی ہو گئے ہیں۔ یعنی ایک عیسائی جو اپنے تئیں پادری عماد الدین کے نام سے موسوم کرتا ہے۔ ایک کتاب ان دنوں میں عوام کو دھوکہ دینے کے لئے تالیف

کی ہے اور اس کا نام تَودِین الاقوال رکھا ہے اور اس میں ایک خالص افتراء کے طور پر میرے بعض حالات لکھے ہیں۔ اور بیان کیا ہے کہ یہ شخص ایک مفسد آدمی اور گورنمنٹ کا دشمن ہے اور مجھے اس کے طریق چال چلن میں بغاوت کی نشانیاں دکھائی دیتی ہیں۔ اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ایسے ایسے کام کرے گا اور وہ مخالفوں میں سے ہے ...... اب ہم گورنمنٹ عالیہ کو ان باتوں کی اصل حقیقت سے مطلع کرتے ہیں جو ہم پر اس نے افتراء کیں اور گمان کیا کہ ہم دولتِ برطانیہ کے بدخواہ ہیں" (نورالحق جلد ا طبع اوّل ص۲۴ و ص۲۵)

اس کے آگے وہ عبارتیں شروع ہوتی ہیں جو احراری معترضین پیش کرتے ہیں، لیکن ص۳۱ طبع اوّل کی عبارت کو نقل کرنے میں یہ صریح تحریف اور بد دیانتی کرتے ہیں کہ درمیان سے یہ عبارت حذف کر دیتے ہیں:۔

" اور مَیں نے یہ کام (گورنمنٹ سے تعاون کرنے کی تلقین) گورنمنٹ سے ڈر کر نہیں کیا۔ اور نہ اس کے کسی انعام کا امیدوار ہو کر کیا ہے" (نورالحق جلد ا ص۳۱ طبع اوّل)

پس ظاہر ہے کہ حضرت مرزا صاحب کی یہ سب عبارتیں بھی دشمن کے جھوٹے الزام کی تردید میں ہیں نہ کہ بطور "خوشامد" جیساکہ احراری معترضین ظاہر کرتے ہیں۔

کتاب البریہ کی عبارت

اب ہم کتاب البریہ ص۳ کی عبارت کو لیتے ہیں جو احراری معترضین کی طرف سے بار بار پیش کی جاتی ہے، وہ ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے:۔

" یہ بھی ذکر کے لائق ہے کہ ڈاکٹر کلارک صاحب نے اپنے بیان میں کہیں اشارۃً اور کہیں صراحتہً میری نسبت بیان کیا ہے کہ گویا میرا وجود گورنمنٹ کے لئے خطرناک ہے" (کتاب البریہ ص۳)

یاد رہے کہ پادری مارٹن کلارک ایک بہت بڑا عیسائی پادری تھا، اور انگریز حکام اس کی عزت کرتے تھے، اس نے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ پر اقدامِ قتل کا ایک جھوٹا استغاثہ دائر کیا تھا۔ اس مقدمہ کے دَوران میں اس نے بطور مستغیث عدالت میں جو بیان دیا اس میں یہ کہا تھا کہ بانی سلسلہ احمدیہ انگریزوں کا باغی ہے اور اس کا وجود انگریزوں کے لئے خطرناک ہے۔

"خود کاشتہ پودہ" والی عبارت

آخری عبارت جو احراریوں کی طرف سے اس الزام کی تائید میں پیش کی جاتی ہے اشتہار ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء مندرجہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۱۹ کی ہے یہ اشتہار تبلیغ رسالت ص۷ سے شروع ہو کر ص۲۸ پر ختم ہوتا ہے۔ اس اشتہار کے ص۱۹ کے حوالہ سے احراری "خود کاشتہ پودہ" کا لفظ اپنے سیاق و سباق سے الگ کر کے پیش کرتے ہیں۔ اس الزام کا مفصل جواب تو آگے آتا ہے، لیکن اس جگہ یہ بتانا مقصود ہے کہ معترضین اس عبارت کو بھی پیش کرتے وقت دیانت سے کام نہیں لیتے اور اپنی پیش کردہ عبارت سے اوپر کی مندرجہ ذیل عبارت حذف کر جاتے ہیں۔

"مجھے متواتر اس بات کی خبر ملی ہے کہ بعض حاسد بد اندیش جو بوجہ اختلاف عقیدہ یا کسی اور وجہ سے مجھ سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں یا جو میرے دوستوں کی نسبت خلاف واقعہ امور گورنمنٹ کے معزز حکام تک پہنچاتے ہیں اس لئے اندیشہ ہے کہ ان کی ہر روز کی مفتریانہ کارروائیوں سے گورنمنٹ عالیہ کے دل میں بدگمانی پیدا ہو"...... "اس بات کا علاج تو غیر ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کا منہ بند کیا جائے کہ جو اختلاف مذہبی کی وجہ سے یا نفسانی حسد اور بغض اور کسی ذاتی غرض کے سبب سے جھوٹی مخبری پر کمربستہ ہو جاتے ہیں"

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۱۹)

علاوہ ازیں اس اشتہار کے شروع ہی میں اس اشتہار کی اشاعت کی غرض ان الفاظ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"بسا اوقات ایسے نئے فرقہ (جماعت احمدیہ) کے دشمن اور خود غرض جن کی عداوت اور مخالفت ہر ایک نئے فرقہ کے لئے ضروری ہے۔گورنمنٹ میں خلاف واقع خبریں پہنچاتے ہیں اور مفتریانہ مخبریوں سے گورنمنٹ کو پریشانی میں ڈالتے ہیں۔پس چونکہ گورنمنٹ عالم الغیب نہیں ہے۔اس لئے ممکن ہے کہ گورنمنٹ عالیہ ایسی مخبریوں کی کثرت کی وجہ سے کسی قدر بدظنی پیدا کرے یا بدظنی کی طرف مائل ہو۔لہٰذا گورنمنٹ عالیہ کی اطلاع کے لیے چند ضروری امور ذیل میں لکھتا ہوں" (تبلیغ رسالت جلد ۷ ص۳ سطر ۱)

غرضیکہ اس اشتہار کی اشاعت کے لئے بھی یہی ضرورت پیش آئی تھی کہ مخالفین نے گورنمنٹ کو بانئ سلسلہ احمدیہ اور حضور کی جماعت کے خلاف یہ کہہ کر بدظن کرنا چاہا تھا کہ یہ لوگ گورنمنٹ کے باغی ہیں۔ احراریوں کی پیش کردہ تمام عبارتوں کو ان کے محولہ اصل مقام سے نکال کر دیکھ لو۔ہر جگہ یہی ذکر ہوگا کہ چونکہ مخالفوں نے مجھ پر حکومت سے بغاوت کا جھوٹا الزام لگایا گیا ہے اس لئے میں ان کی تردید میں یہ لکھتا ہوں کہ یہ الزام محض جھوٹا اور بے بنیاد ہے اور میں درحقیقت گورنمنٹ کا خیر خواہ ہوں۔

پس حضرت مرزا صاحب نے جس جس جگہ انگریزی حکومت کی تعریف کی ہے وہ تعریف بطور "مدح" نہیں بلکہ بطور "ذب" کے ہے یعنی رفع التباس کے لئے ہے جس طرح قرآن مجید میں حضرت مریم کی عصمت و پاکیزگی کا بالخصوص ذکر بطور مدح نہیں بلکہ بطور "ذب" کے ہے۔

ہجرت حبشہ کی مثال

اس کی ایک اور واضح مثال تاریخ اسلامی میں ہجرت حبشہ کی صورت میں موجود ہے حبشہ میں عیسائی حکومت تھی۔مکہ میں مشرکوں کے مظالم نے مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکوں کے استبداد پر عیسائی حکومت کو ترجیح دیتے ہوئے صحابہؓ کو اپنی بعثت کے پانچویں سال حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی ہدایت فرمائی۔سیرت ابن ہشام میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے۔

"جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شدت بلا کو ملاحظہ فرمایا جو ان کے اصحاب پر کفاروں کی طرف سے نازل ہوئی تھی اگرچہ خود حضور بباعث حفاظت الٰہی اور آپ کے چچا ابو طالب کے سبب سے مشرکوں کی ایذا رسانی سے محفوظ تھے مگر ممکن نہ تھا کہ اپنے اصحاب کو بھی محفوظ رکھ سکتے۔اس واسطے آپؐ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم ملک حبش میں چلے جاؤ تو بہتر ہے کیونکہ وہاں کا بادشاہ کسی پر ظلم نہیں کرتا اور وہ صدق

اور راستی کی سرزمین ہے۔"

(سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور ۱۹۱۵ء صفحہ ۱۰۶)

پس حضور کے حکم کے مطابق مسلمان ایک مشرک نظام سے نکل کر ایک عیسائی حکومت کے سایہ میں جاکر آباد ہوگئے۔ ظاہر ہے کہ وہ وہاں حاکم ہو کر نہیں بلکہ محکوم ہو کر رہنے کے لئے گئے تھے اور فی الواقعہ محکوم ہو کر ہی رہے۔

ان مہاجرین میں علاوہ بہت سے دیگر صحابہ اور صحابیات کے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفرؓ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا حضرت اسماء رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت جعفرؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابوحذیفہؓ، حضرت ابوموسےٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو عبیدہؓ بن جراح اور حضرت اُمّ المومنین اُمّ سلمہؓ رضی اللہ عنہا جیسے جلیل القدر صحابہ اور صحابیات شامل تھیں۔

حضرت اُمّ المومنین اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ "جب ہم حبشہ میں تھے۔ نجاشی بادشاہ حبش کے پاس تو ہم بہت امن سے تھے۔ کوئی بُرائی کی بات ہمارے سننے میں نہ آتی تھی اور ہم اپنے دین کے کام بخوبی انجام دیتے تھے پس قریش نے اپنے میں سے دو بہادر شخصوں کو جو عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن عاص ہیں۔ نجاشی کے پاس مکہ کی عمدہ عمدہ چیزیں تحفہ کے واسطے دے کر روانہ کیا۔ پس یہ دونوں شخص نجاشی کے پاس آئے اور پہلے اس کے ارکان سلطنت سے مل کر ان کو تحفے اور ہدیے دیتے اور اُن سے کہا کہ ہمارے شہر سے چند جاہل نوعمر لوگ اپنا قدیمی دین و مذہب ترک کر کے یہاں چلے آئے ہیں اور تمہارے دین میں بھی داخل نہیں ہوتے ہیں اور ایک ایسا نیا مذہب اختیار کیا ہے کہ جس کو نہ ہم جانتے ہیں نہ تم جانتے ہو۔ اب ہم بادشاہ کے پاس اس واسطے آتے ہیں کہ ان لوگوں کو بادشاہ ہمارے ساتھ روانہ کر دے ...... پھر اُن دونوں نے وہ ہدیے جو بادشاہ کے واسطے لاتے تھے۔ اس کے حضور میں پیش کئے۔ اس نے قبول کئے۔ پھر اُن سے گفتگو کی انہوں نے عرض کیا اے بادشاہ! ہماری قوم میں سے چند نوعمر جہلا اپنے قومی مذہب کو ترک کر کے یہاں چلے آئے ہیں اور آپ کا مذہب بھی اختیار نہیں کیا ہے ایک ایسے نئے مذہب کے پیرو ہوتے ہیں جس کو نہ ہم جانتے ہیں۔ نہ آپ جانتے ہیں ...... آپ ان کو ہمارے ساتھ روانہ کر دیں۔ نجاشی کے افسرانِ سلطنت اور علماءِ مذہب نے بھی ان دونوں کے قول کی تائید کی ...... نجاشی بادشاہ حبش ...... نے کہا۔ مَیں اُن سے اِن دونوں شخصوں کے قول کی نسبت دریافت کرتا ہوں کہ وہ کیا کہتے ہیں؟ اگر واقعی یہی بات ہے جو یہ دونوں کہتے ہیں تو مَیں ان کو اِن کے حوالے کر دوں گا۔ اور اُن کی قوم کے پاس بھیج دونگا اور اگر کوئی اور بات ہے تو نہ بھیجوں گا۔ حضرت اُمّ سلمہ فرماتی ہیں کہ پھر نجاشی نے اصحابِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کو بلوایا ..... جب یہ لوگ (صحابہؓ) پہنچے۔ نجاشی نے اُن سے کہا۔ وہ کونسا دین ہے جو تم نے اختیار کیا ہے اور اپنی قوم کا مذہب چھوڑ دیا۔ اور کسی اَور مذہب میں بھی داخل نہیں ہوتے۔ اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں۔ صحابہ میں سے حضرت جعفرؓ بن ابی طالب نے گفتگو کی اور عرض کیا کہ اے بادشاہ! ہم لوگ اہلِ جاہلیت تھے۔ بُتوں کی پرستش ہمارا مذہب تھا

مُردار خوری ہم کرتے تھے۔ فواحش اور گناہ کا ارتکاب ہمارا وطیرہ تھا۔ قطع رحم اور پڑوس کی حق تلفی اور ظلم و ستم کو ہم نے جائز رکھا تھا۔ جو زبردست ہوتا وہ کمزور کو کھا جاتا۔ پس ہم ایسی ہی ذلیل حالت میں تھے جو اللہ نے ہم پر کرم کیا اور اپنا رسول ہم میں ارسال فرمایا۔۔۔۔ ہماری قوم نے اس دینِ حق کے اختیار کرنے پر ہم کو تکلیفیں پہنچائیں اور ہم کو ستایا تاکہ ہم اس دین کو ترک کر دیں۔ اور بُتوں کی پرستش اختیار کریں اور جس طرح افعال خبیثہ کو وہ حلال سمجھتے ہیں۔ ہم بھی حلال سمجھیں۔ پس جب اُن کا ظلم حد سے زیادہ ہوا اور انہوں نے ہمارا وہاں رہنا دشوار کر دیا۔ ہم وہاں سے نکل کھڑے ہوئے اور آپ کے ملک کو ہم نے پسند کیا اور آپ کے پڑوس کی ہم نے رغبت کی اور اے بادشاہ ہم کو امید ہوئی کہ یہاں ہم ظلم سے محفوظ رہیں گے۔ نجاشی نے جعفرؓ سے پوچھا۔ کہ جو کچھ تمہارے نبی پر نازل ہوتا ہے اس میں سے کچھ تمہارے پاس ہے؟ یعنی تم کو یاد ہے۔ جعفرؓ نے کہا ہاں یاد ہے۔ نجاشی نے کہا پڑھو۔ پس جعفرؓ نے سورۃ مریم شروع کی۔"

(سیرۃ ابن ہشام مترجم اُردو ص۱۱۱ و ص۱۱۲ جلد ۲)

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے نجاشی کے دربار میں سورۃ مریم بھی صرف آیت ذَالِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ (مریم: ۳۵ ع۲) تک پڑھی تھی۔ (دیکھو تفسیر مدارک التنزیل مصنفہ امام نسفی جلد ۱ ص۲۲۱ مطبع السعادۃ مصر زیر آیت ذَالِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا الخ سورۃ المائدہ: ۸۳ ع۱۱ پ۷ رکوع آخری)

ایک قابلِ غور سوال

اب یہاں ایک قابلِ غور سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب نجاشی نے قرآن مجید سُننے کی فرمائش کی تو حضرت جعفرؓ نے سارے قرآن مجید میں سے سورۃ مریم کو کیوں منتخب کیا؟ ظاہر ہے کہ سورۃ مریم قرآن مجید کی پہلی سورۃ نہیں تھی۔ حضرت جعفرؓ سورۃ فاتحہ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ الکہف بھی پڑھ کر سُنا سکتے تھے۔ جو ہجرت حبشہ سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اور ان تینوں سورتوں میں عیسائیت کا بالخصوص ذکر ہے۔ سورۃ فاتحہ کی آخری آیت "غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ" میں یہود اور نصاریٰ کی دینی اتباع سے بچنے کی دُعا سکھائی گئی ہے اور سورۃ بنی اسرائیل اور کہف میں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت کرنے کے علاوہ عیسائی قوم کی تباہی کی بھی خبر دی گئی ہے۔ پس اگر محض قرآن شریف کے سُنانے کا سوال تھا تو پھر اوّل تو حضرت جعفرؓ کو سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیئے تھی کیونکہ وہ اُمّ القرآن ہے اور سارے قرآن مجید کا خلاصہ ہے، لیکن سورۃ مریم قرآن مجید کا خلاصہ نہیں۔ پھر اگر عیسائیت کے متعلق اسلامی نظریہ کا بیان مقصود تھا۔ تو سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ کہف سے بڑھ کر اور کوئی بہتر انتخاب نہ ہو سکتا تھا، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حضرت جعفرؓ نے نجاشی کے دربار میں پڑھنے کے لئے سورۃ مریم کو منتخب فرمایا۔ اور اس میں سے بھی دو رکوع بھی پورے نہیں بلکہ قریباً ۱½ رکوع کی تلاوت کی جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپؑ کی والدہ حضرت مریمؑ کی تعریف و توصیف بیان کی گئی ہے اور جس حصہ میں عیسائیت کے بارے میں کوئی اختلافی عقیدہ بیان نہیں کیا گیا۔ پھر حضرت جعفرؓ خاص طور پر آیت ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ (مریم: ۳۵)

پر آکر رُک جاتے ہیں جس سے اگلی آیت یہ ہے۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ (مریم: ۳۶) کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے کہ وہ کسی کو اپنا بیٹا بناتے وہ اس سے پاک ہے۔ اس آیت میں ابنیتِ مسیح کی نفی کی گئی ہے اور عیسائیت کے ساتھ سب سے بڑا اختلافی مسئلہ بیان کرکے اگلی آیات میں عیسائیوں کی تباہی اور اسلامی حکومت کے قیام کی پیش گوئی کی گئی ہے، لیکن حضرت جعفرؓ مصلحتاً پچھلی آیت پر آکر رک جاتے ہیں اور صرف اسی حصہ پر اکتفا کرتے ہیں جس کے سننے سے ہر ایک عیسائی کا دل خوش ہوتا ہے۔

پھر یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ وفد قریش کا اعتراض تو یہ تھا کہ یہ لوگ ایک نئے دین کے متبع ہیں جو عیسائیت سے مختلف ہے اور نجاشی نے بھی یہی اعلان کیا تھا کہ اگر اُن کا یہ دعویٰ درست ثابت ہوا تو میں مسلمانوں کو قریش کے حوالے کردونگا۔ اور اسی دعویٰ کی تائید یا تردید حضرت جعفرؓ سے مطلوب تھی لیکن انہوں نے جو آیات تلاوت فرمائیں۔ اُن سے کسی رنگ میں بھی وفدِ قریش کے دعویٰ کی نہ تائید ہوتی ہے نہ تردید پھر کیا وجہ ہے کہ حضرت جعفرؓ نے اس موقعہ پر بجائے یہ کہنے کے کہ ہاں یہ درست ہے کہ ہم ایک نئے دین کے علمبردار ہیں اور ایک نئی شریعت کے حامل ہیں جس نے توراۃ اور انجیل کو منسوخ کردیا ہے ہم حضرت مسیح کے ابن اللہ ہونے کے عقیدہ کو ایک جھوٹا اور مشرکانہ عقیدہ سمجھتے اور عیسائی مذہب کو ایک محرّف و مبدّل اور غلط مذہب سمجھتے ہیں۔ اور یہ کہ ہمارا نبی صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ بلکہ تمام انبیاء گذشتہ سے ہر لحاظ سے افضل ہے آپ نے سورۃ مریم کی صرف وہ آیات تلاوت فرمائیں جن میں حضرت مسیحؑ اور حضرت مریمؑ کا تقدس اور پاکیزگی بیان کی گئی ہے، لیکن ان سب سوالوں کا جواب یہی ہے کہ چونکہ وفد قریش کا مقصد تحقیق حق نہیں تھا۔ بلکہ احرالیوں کی طرح محض اشتعال انگیزی تھا اور وہ اختلافی امور میں بحث کو الجھا کر نجاشی، اس کے درباریوں، اور عیسائی درباریوں اور عیسائی پادریوں کو (جو اُس وقت دربار میں حاضر تھے) مسلمانوں کے خلاف بھڑکانا چاہتے تھے۔ اس لئے حضرت جعفرؓ نے ان کی اس شرانگیز اور مفسدانہ سکیم کو ناکام بنانے کے لئے بجائے اختلافی امور میں الجھنے کے قرآن مجید کی اُس تعلیم پر زور دیا جس میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان کوئی اختلاف نہیں۔ اسی طرح انہوں نے نجاشی کی حکومت کی (جو ایک غیر مسلم نصرانی حکومت تھی) جو تعریف کی وہ سراسر درست اور حق تھی اور بطور "ذب" یعنی بغرض رفع التباس تھی۔ اس لئے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اور نہ اس کو "خوشامد" کہا جاسکتا ہے۔ نیز نجاشی کی حکومت کی تعریف اس وجہ سے بھی "خوشامد" نہیں کہلاسکتی کہ قریش مکہ کے جبر و استبداد اور ظلم و تعدی اور احیاء فی الدین کے مقابلہ میں حبشہ کی عیسائی حکومت کے اندر مذہبی آزادی اور عدل و انصاف کا دَور تھا۔ پس اس تقابل کے نتیجہ میں حضرت جعفرؓ اور دیگر مہاجر صحابہ کے دل میں جنہوں نے قریش مکہ کے بھڑکاتے ہوئے جلتے تنور سے نکل کر حبشہ کی عیسائی حکومت کے ماتحت امن و امان اور سکون و آرام پایا تھا۔ نجاشی کے لئے جذبات تشکر و امتنان کا پیدا ہونا ایک طبعی امر تھا اور پھر نجاشی کے سامنے اُن جذبات کا اظہار بموجب حکم "مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللّٰهَ" (ابو داؤد۔ کتاب الادب۔ ترمذی کتاب البر) ضروری تھا۔

انگریزی حکومت کی تعریف سکھوں کے ظلم وستم سے تقابل کے باعث تھی

بعینہٖ اسی طرح حضرت مرزا صاحب کے زمانے میں بھی جب بعض مخالف علماء اور پادریوں نے حکومت وقت کو آپ اور آپ کی جماعت کے خلاف بھڑکانے کی کوشش کی اور آپ پر "باغی" ہونے کا جھوٹا الزام لگایا تو ضروری تھا کہ حضرت مرزا صاحب اِس الزام کی تردید پُر زور الفاظ میں کرتے اور حکومت کو اپنے اُن جذبات امتنان سے اطلاع دیتے جو سکھوں کے وحشیانہ مظالم سے نجات حاصل ہونے کے بعد انگریزی حکومت کے پُرامن دور میں آجانے کے باعث آپ کے دل میں موجود تھے۔

حضرت مرزا صاحب کی تحریرات

چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے اپنی اُن تحریرات میں جن میں آپ نے انگریزی حکومت کی امن پسندانہ پالیسی کی تعریف فرمائی ہے بار بار اس پہلو کا ذکر فرمایا ہے۔

فرماتے ہیں:۔

ا۔ "مسلمانوں کو ابھی تک وہ زمانہ نہیں بھولا جبکہ وہ سکھوں کی قوم کے ہاتھوں ایک دہکتے ہوئے تنور میں مبتلا تھے اور اُن کے دستِ تعدی سے نہ صرف مسلمانوں کی دُنیا ہی تباہ تھی بلکہ ان کے دین کی حالت اس سے بھی بدتر تھی۔ دینی فرائض کا ادا کرنا تو درکنار بعض اذانِ نماز کہنے پر جان سے مارے جاتے تھے۔ ایسی حالتِ زار میں اللہ تعالیٰ نے دُور سے اس مبارک گورنمنٹ کو ہماری نجات کیلئے ابرِ رحمت کی طرح بھیج دیا۔ جس نے آن کر نہ صرف اُن ظالموں کے پنجہ سے بچایا۔ بلکہ ہر طرح کا امن قائم کرکے ہر قسم کے سامان آسائش مہیا کئے۔ اور مذہبی آزادی یہاں تک دی کہ ہم بلادریغ اپنے دینِ متین کی اشاعت نہایت خوش اسلوبی سے کر سکتے ہیں۔" (اشتہار ۱۰ر جولائی ۱۹۰۰ء تبلیغ رسالت جلد ۹ صہ ۲/۱)

ب۔ "رہی یہ بات کہ اُس (شیخ محمد حسین بٹالوی) نے مجھے گورنمنٹ انگریزی کا باغی قرار دیا۔ سو خدا تعالیٰ کے فضل سے اُمید رکھتا ہوں کہ عنقریب گورنمنٹ پر بھی یہ بات کھل جائے گی کہ ہم دونوں میں سے کس کی باغیانہ کارروائیاں ہیں ...... اگر یہ گورنمنٹ ہمارے دین کی محافظ نہیں تو پھر کیونکر شریروں کے حملوں سے محفوظ ہیں۔ کیا یہ امر کسی پر پوشیدہ ہے کہ سکھوں کے وقت میں ہمارے دینی اُمور کی کیا حالت تھی اور کیسے ایک بانگ نماز کے سُننے سے بھی مسلمانوں کے خون بہائے جاتے تھے۔ کسی مسلمان مولوی کی مجال نہ تھی۔ کہ ایک ہندو کو مسلمان کر سکے۔" (اشتہار ۲۷ر دسمبر ۱۸۹۸ء تبلیغ رسالت جلد ۷ صہ ۶۸)

پھر فرماتے ہیں:۔

ج۔ "اُن احسانات کا شکر کرنا ہم پر واجب ہے جو سکھوں کے زوال کے بعد ہی خدا تعالیٰ کے فضل نے اس مہربان گورنمنٹ کے ہاتھ سے ہمارے نصیب کئے ...... اگرچہ گورنمنٹ کی عنایات سے ہر ایک کو اشاعت مذہب کے لئے آزادی ملی ہے۔ لیکن اگر سوچ کر دیکھا جائے تو اس آزادی کا پورا پورا فائدہ

محض مسلمان اُٹھا سکتے ہیں اور اگر عمداً فائدہ نہ اُٹھائیں تو اُن کی بدقسمتی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ گورنمنٹ نے ...
کسی کو اپنے اصولوں کی اشاعت سے نہیں روکا، لیکن جن مذہبوں میں سچائی کی قوت اور طاقت نہیں کیونکر ان
مذہبوں کے واعظ اپنی ایسی باتوں کو وعظ کے وقت دلوں میں جما سکتے ہیں؟ ...... اس لئے مسلمانوں کو نہایت
ہی گورنمنٹ کا شکرگزار ہونا چاہیئے کہ گورنمنٹ کے اس قانون کا وہی اکیلے فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔"

(اشتہار ۲۲ر ستمبر ۱۸۹۵ء تبلیغ رسالت جلد ۴ صفحہ ۳۰-۳۲ (نیز ملاحظہ ہو تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۱۹۴)

تنور سے نکلکر دھوپ میں

پس مطابق مقولہ ؎

وَبِضِدِّهَا تَتَبَیَّنُ الْاَشْیَاءُ

انگریزی نظامِ حکومت قابلِ تعریف تھا، لیکن اس لئے نہیں کہ وہ اپنی ذات میں آئیڈیل نظام تھا۔ بلکہ اس لئے کہ اپنے پیشرو سکھ نظام کے مسلمانوں پر ننگِ انسانیت مظالم اور جبر و استبداد کے مقابلہ میں اس نظام کی مذہبی رواداری اور شہری حقوق میں عدل و انصاف کا قیام عمدہ اور لائق شکریہ تھا۔ مسلمانانِ ہند کی مثال اُس شخص کی سی تھی جو بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں پڑا جل رہا ہے اور اُس کو کوئی ہاتھ اُس آگ میں سے نکال کر دھوپ میں ڈال دے۔ اب اگرچہ وہ شخص دھوپ میں ہے، لیکن آگ کے شعلوں کی تپش کے تصوّر سے وہ اُس ہاتھ کو رحمتِ خداوندی جان کر اس کا شکریہ ادا کریگا اور اگر ایسا نہ کرے تو کافرِ نعمت ہوگا۔ پھر یہ جذباتِ تشکر اُسی طرح کے تھے جس طرح مہاجرین حبشہ نے قریش مکہ کے جبر و استبداد کے مقابلہ میں حبشہ کے عیسائی نظام کو ایک فضلِ خداوندی اور نعمت غیر مترقبہ سمجھا۔ یہاں تک کہ دشمنوں کے مقابلہ میں نجاشی کی کامیابی اور کامرانی کے لیے صحابہ رو رو کر دُعائیں بھی کرتے رہے چنانچہ حضرت اُم المومنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں :۔

" ہم نے وہاں (حبشہ میں) نہایت اطمینان سے زندگانی بسر کی۔ پھر تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ نجاشی کی سلطنت میں کوئی دعویدار پیدا ہوا اور اس نے نجاشی پر لشکرکشی کی۔ فرماتی ہیں۔ اس خبر کو سُن کر ہم لوگ بہت رنجیدہ ہوئے اور یہ خیال کیا کہ اگر خدانخواستہ وہ مُدعی غالب ہوا۔ تو نا معلوم ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے؟ فرماتی ہیں۔ نجاشی بھی اپنا لشکر لے کر اُس کے مقابلہ کو گیا اور دریائے نیل کے اُس پار جنگ واقع ہوئی۔ فرماتی ہیں۔ صحابہ نے آپس میں کہا۔ کوئی ایسا شخص ہو جو دریا کے پار جا کر جنگ کی خبر لائے ...... زبیر بن عوامؓ نے کہا۔ مَیں جاتا ہوں۔ صحابہ نے ایک مشک میں ہُوا بھر کے ان کے حوالے کی اور وہ اُس کو سینے کے تلے دبا کر تیرتے ہوئے دریا کے پار گئے۔ اور وہاں سے سب حال تحقیق کرکے واپس آئے۔ فرماتی ہیں۔ ہم یہاں نجاشی کی فتح کے واسطے نہایت تضرع و زاری کے ساتھ خدا سے دُعا مانگ رہے تھے کہ اتنے میں زبیر بن عوامؓ واپس آئے اور کہا کہ اے صحابہ! تم کو خوشخبری ہو کہ نجاشی کی فتح ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے اس کے دشمن کو ہلاک کیا۔ فرماتی ہیں۔ پھر تو نجاشی کی سلطنت خوب مستحکم ہوگئی اور جب تک ہم وہاں رہے نہایت چین اور آرام سے

رہے۔ یہاں تک کہ پھر حضورؐ کی خدمت میں مکہ میں حاضر ہوتے“

(سیرت ابن ہشام مترجم اُردو ص۱۱۳ جلد ۲)

پس اگر کوئی انصاف پسند اور غیر متعصب انسان سکھ نظام کے صبر آزما دَور، ۱۸۵۷ء کے سانحہ اور اس کے بعد کے تاریخی حالات کو مدِنظر رکھ کر ان عبارات کو پڑھے اور اس امر کو بھی پیش نظر رکھے کہ وہ تحریرات مخالفین کی طرف سے انگریزی گورنمنٹ کا باغی ہونے کے جھوٹے الزام کی تردید میں ضرورتاً لکھی گئی تھیں۔ تو وہ کبھی ان کو محل اعتراض قرار نہیں دے سکتا۔

تصویر کا دوسرا رُخ

پھر یہ امر بھی لائق توجہ ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے انگریز کی جتنی بھی تعریف کی ہے وہ صرف مادّی اور دنیوی اُمور میں اُس کی قابل تعریف خوبیوں کی ہے، لیکن جہاں تک دینی اور رُوحانی پہلو کا تعلق ہے۔ آپ نے انتہائی صفائی کے ساتھ لگی لپٹی رکھے بغیر بے خوف ہوکر اس کی انتہائی مذمت کی ہے اور آپ نے کبھی اس امر کی پرواہ نہیں کی۔ کہ انگریز آپ کی ان تحریرات سے ناراض ہوتا ہے یا نہیں؟

آپنے انگریز کو دجّال قرار دیا

چنانچہ آپ وہ پہلے انسان ہیں جس نے انگریزی قوم کو ”دجّال موعود“ قرار دیا اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی اس امر میں اختلاف نہیں کر سکتا۔ کہ عربی زبان میں ”دجّال“ سے زیادہ ذلیل نام اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ آپنے دعویٰ مسیحیت کے بعد جو سب سے پہلی کتاب ”ازالہ اوہام“ لکھی اسی میں آپ نے بدلائل بیّنہ یہ ثابت کیا کہ احادیثِ نبویؐ میں جس دجّال کے آخری زمانہ میں ظہور کی خبر دی گئی تھی۔ وہ یہی انگریز قوم ہے آپ نے ریل گاڑی کو ”خرِ دجّال“ قرار دیا۔ کیونکہ احادیثِ نبویؐ اور روایات میں جو علامات ”دجّال“ اور اس کے گدھے کی بتائی گئی تھیں وہ انگریز اور اُن کی ایجاد کردہ ریل گاڑی میں پائی جاتی تھیں۔

دجّال کے کانا ہونیکی تشریح

احادیثِ نبوی میں یہ بتایا گیا تھا کہ ”دجّال“ دائیں آنکھ سے کانا ہوگا، لیکن اُس کی بائیں آنکھ کی نظر غیر معمولی طور پر تیز ہوگی۔ اور اس کی تشریح علماء گذشتہ نے یہ کی تھی کہ دائیں آنکھ سے دین اور بائیں آنکھ سے دُنیا مراد ہے۔ دائیں آنکھ سے دجّال کے کانا ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین اور رُوحانیت سے یکسر بے بہرہ ہوگا، لیکن اُس کی بائیں آنکھ کے اچھا اور عمدہ ہونے بلکہ بموجب حدیث مسند احمد (باب خروجِ دجّال) بروایت ابنِ عباس ”کَاَنَّہٗ کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ“ (چمکتے ستارے کی طرح) ہونے سے مراد یہ تھی کہ وہ دنیوی اور مادّی امور میں بہت ترقی کرے گا اور دنیوی نقطۂ نگاہ سے اُس کے کام قابلِ تعریف ہوں گے۔ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے ہمیشہ اپنی تحریرات میں انگریزوں کے ان دونوں پہلوؤں کو مدِنظر رکھا یعنی انکے دُنیوی نظام

کے قابلِ تعریف حصّہ کو سراہا، لیکن دینی اور رُوحانی امور میں ان کی ضلالت وگمراہی کی سخت سے سخت الفاظ میں مذمت کی۔

خرِ دجال کی علامات

پھر خرِ دجال کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی تھی کہ وہ ایک ایسی سواری ہوگی جو آگ اور پانی کے یکجا بند کرنے سے (بھاپ سے) چلے گی۔

تَخْرُجُ نَارٌ مِنْ حَبْسِ سَيْلٍ تَسِيْرُ مَطِيْئَةَ الْاِبِلِ تَسِيْرُ بِالنَّهَارِ وَتُقِيْمُ بِاللَّيْلِ مَنْ اَدْرَكَتْهُ اَكَلَتْهُ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَاَبُوْ يَعْلٰى وَالْبَغَوِيُّ وَالْبَاوَرْدِيُّ وَابْنُ قَانِعٍ وَابْنُ حِبَّانَ وَالطَّبْرَانِيُّ وَالْحَاكِمُ وَابْنُ نُعَيْمٍ وَالْبَيْهَقِيُّ۔

(کنز العمال باب منتخب علامات کبریٰ قیامت ومسک العارف ص۵۱)

ترجمہ:۔ "وہ سواری پانی اور آگ کے بند کرنے سے اونٹوں کی طرح چلے گی۔ کبھی دن کو چلے گی اور رات کو ٹھہریگی۔ اور کبھی دن کو بھی اور رات کو بھی چلے گی۔ جو اس کے پاس جائے گا۔ اُسے اپنے اندر نگل جائیگی"۔
پھر لکھا تھا:۔

"رَكَبٌ ذَوَاتُ السُّرُوْجِ وَالْفُرُوْجِ" (بحار الانوار جلد ۱۳ ص۵۳)

کہ وہ ایسی سواری ہوگی جس میں بہت سے چراغ روشن ہونگے اور اس کے اندر بہت سے دروازے اور کھڑکیاں ہونگی۔

حدیث میں اُسے گدھا قرار دیا گیا ہے۔ لَهُ حِمَارٌ مَا بَيْنَ عَرْضِ اُذُنَيْهِ اَرْبَعِيْنَ بَاعًا۔ رَوَاهُ الْحَاكِمُ وَابْنُ عَسَاكِرٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ (کنز العمال جلد ۷ ص۲۰۰ واقتراب الساعۃ ص۱۲۴)

کہ دجال کے ساتھ گدھا ہوگا جس کے دونوں کانوں کا درمیانی فاصلہ چالیس باع ہوگا۔ پس ایسا گدھا جس کے دو کانوں کے درمیان ستر اسّی گز کا فاصلہ ہوگا آگ اور پانی کے بند کرنے سے چلے اور جس کے اندر بہت سے چراغ روشن ہوں۔ کھڑکیاں اور دروازے ہوں اور لوگوں اور سامان کو اپنے پیٹ کے اندر ڈال لے گدھی کا بچہ تو ہو نہیں سکتا وہ یقیناً ریل گاڑی ہی ہے۔

انگریز کو ماجوج قرار دیا

پھر حضرت مرزا صاحب نے نہ صرف یہ کہ انگریزی قوم کو "دجال" قرار دیا۔ بلکہ ان کو "ماجوج" بھی ثابت کیا اور فرمایا کہ آخری زمانہ میں جو یاجوج اور ماجوج نامی دو خطرناک قوموں کے خروج کی پیش گوئی قرآن شریف اور حدیث میں کی گئی ہے وہ روس اور انگریز۔ یعنی یاجوج سے مراد روسی قوم اور ماجوج سے مراد انگریز قوم ہے۔ (دیکھو ازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۱ء ص۵۰۲ طبع اوّل)

پس حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے انگریزوں کو "دجال" اور "ماجوج" قرار دیکر

اُن کی رُوحانی اور دینی لحاظ سے مکروہ شکل کو اس کے اصلی رنگ میں دُنیا کے سامنے پیش کیا۔

دو نہریں انگریز کے پاس دینی اور دنیوی نقطۂ نگاہ سے دو نہریں تھیں۔ وہ ہندوستان میں سیاسی تفوق کے باعث دنیوی حکومت کرنا چاہتا تھا اور دینی نقطۂ نگاہ سے وہ اہلِ ہند کو نوکِ شمشیر سے نہیں بلکہ تبلیغ ترغیب و تحریص وغیرہ ذرائع سے عیسائی بنانا چاہتا تھا۔ ہندوستانی عوام اور مسلمان انگریزوں کی تبلیغی مساعی کی طرف تو کوئی توجہ ہی نہ کرتے تھے اور نہ اسکے خطرہ کو محسوس کرتے تھے ECCLESIASTICAL DEPARTMENT کو جو انگریزی حکومت کا ایک شعبہ تھا۔ اور جس کی سرپرستی میں تمام مشنری نظام چل رہا تھا مسلمانوں نے کبھی بھی درخورِ اعتناء نہیں سمجھا اور نہ اس کے خلاف کبھی آواز اُٹھائی۔ انہوں نے اگر کبھی کوئی آواز اُٹھائی تو وہ انگریزوں کے سیاسی تفوق اور اقتدار کے خلاف تھی۔ گویا انگریز کی پیش کردہ دو نہروں (دینی اور دنیوی سرگرمیوں) میں سے اکثر مسلمانوں نے دینی نہر کو کبھی محلِ اعتراض نہ ٹھہرایا، لیکن دنیوی نہر کو اپنے لئے ناقابلِ برداشت قرار دیتے ہوئے انگریز کے سیاسی و دنیوی اقتدار کو قبول کرنا اپنے لئے موت سمجھا۔ حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمثیلی زبان میں یہ ہدایت فرمائی تھی:۔

"مَعَهُ نَهْرَانِ تَجْرِيَانِ اَحَدُهُمَا رَأْيَ الْعَيْنِ مَاءٌ اَبْيَضُ وَالْاٰخَرُ رَأْيَ الْعَيْنِ نَارٌ تَاجِجُ فَاَمَّا اَدْرَكَنَّ وَاحِدٌ مِّنْكُمْ فَلْيَاْتِ النَّهْرَ الَّذِيْ يَرَاهُ نَارًا ثُمَّ لِيُغْمِضْ ثُمَّ لِيُطَاطِئْ رَأْسَهٗ فَلْيَشْرَبْ مِنْهُ فَاِنَّهٗ مَاءٌ بَارِدٌ۔ رَوَاهُ اَحْمَدُ وَالْبَيْهَقِيُّ وَاَبُوْدَاؤُدَ عَنْ حُذَيْفَةَ وَاَبِيْ مَسْعُوْدٍ مَعًا۔

(کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۹۵، ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۹۵ کتاب الملاحم باب خروج الدجال و اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۳۵)

کہ دجال اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ دو جاری رہنے والی نہریں ہونگی۔ ایک تو بظاہر سفید پانی کی نظر آنے والی ہوگی اور دوسری بظاہر شعلہ بار آگ نظر آئیگی۔ پس جو تم میں سے دجال کا زمانہ پاتے تو اُسے چاہیئے کہ وہ اس نہر پر جائے جو بظاہر آگ نظر آنے والی ہوگی۔ پھر کلی کرے۔ پھر سر نیچا کرکے پانی سر پر ڈالے اور پی لے۔ کیونکہ وہ ٹھنڈا پانی ہوگا۔

حدیث کی تشریح

اس حدیث میں بھی دراصل اُس دوسری تمثیل ہی کو نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ دجال کی دو آنکھوں میں سے ایک کی بصارت تیز تر ہوگی، لیکن دوسری آنکھ نابینا ہوگی۔ پس مندرجہ بالا حدیث میں بھی دو نہروں سے مراد دجال کی دینی اور دنیوی تحریکیں ہی ہیں۔ اور حضور کا منشا یہ ہے۔ کہ جہاں تک اُس کی دینی اور مذہبی کارروائیوں کا تعلق ہے مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ اُن سے اغماض نہ برتیں بلکہ پورے زور سے ان کا مقابلہ کریں اور دینِ اسلام کا روحانی تفوق بدلائل تو یہ دجال کے مذہب پر ثابت کریں، لیکن جہاں تک اس کی دنیوی کوششوں کا تعلق ہے گو اس وجہ سے کہ اس نے نام کی مسلمان منفی حکومت سے ہندوستان کی زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہوگی مسلمان اُس کے سیاسی اقتدار کے

آگے جھکنے کو اپنے لئے آگ میں کودنا تصور کریں گے۔ پھر بھی اس نظام کے ساتھ تعاون کرنے ہی میں مسلمانوں کا فائدہ مضمر ہوگا۔ اِسی لئے حضورؐ نے فرمایا کہ" دجال کے اس پانی کو سر نیچا کر کے اپنے سر پر ڈال لینا، یعنی اس کی حکومت کو قبول کر لینا اور" فَلْيَشْرِبْ مِنْهُ" کا مطلب یہ تھا کہ اس کے ساتھ تعاون کرنا۔

جیسا کہ ابتدائی سطور میں بتایا جا چکا ہے کہ ۱۸۵۷ء کے سانحہ کے بعد کے حالات کا طبعی اقتضاء یہی تھا کہ مشرکین یعنی ہندوؤں اور سکھوں کے مقابلہ میں مسلمانان ہند نصرانی حکومت کو ترجیح دیتے اور ہندو کی جاری کردہ تحریک عدم تعاون میں شامل نہ ہوتے۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے کسی خوشامد کے خیال سے نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تعمیل میں جہاں تک انگریز کی دنیوی سیاست کا تعلق تھا اُس کی حکومت کو جو آپ کے مامور ہونے سے بیسیوں سال پہلے قائم اور استوار ہو چکی تھی اور جس نے سکھوں کے مظالم کا قلع قمع کر کے مسلمانوں کے لئے مذہبی اور معاشرتی آزادی کا اعلان کر دیا تھا۔ اور جس نے دنیوی علم و فنون کا راستہ مسلمانوں کیلئے کھولا تھا۔ اپنے تعاون کا یقین دلاتے، لیکن جہاں تک انگریز کی پیشکردہ دوسری نہر (عیسائیت کی تبلیغ) کا تعلق ہے آپ نے دوسرے مسلمانوں کی طرح اس سے اغماض نہیں کرتا بلکہ تن تنہا اس کا دلیرانہ مقابلہ کیا۔ اور اس بات کی قطعاً پروا نہ کی کہ انگریز آپ کی عیسائیت کے خلاف کوششوں سے ناراض ہوتا ہے یا نہیں۔

آپ نے انگریز کے خدا کو مُردہ ثابت کیا

آپ نے عیسائیت کے مقابلہ میں جو سب سے زبردست اور فیصلہ کُن حربہ استعمال فرمایا۔ وہ انگریزوں کے "خدا" مسیح ناصری کی وفات کا مسئلہ تھا۔ آپ نے بدلائل قویہ ثابت کیا کہ مسیح ناصری وفات پا چکے ہیں اور سری نگر محلہ خان یار میں مدفون ہیں۔

آپ نے کوئی کتاب بھی ایسی تصنیف نہیں فرمائی جس میں اس مسئلہ پر زور نہ دیا ہو۔ احراری معترضین "پچاس الماریوں" کا بار بار ذکر کرتے ہیں، لیکن اِن کتابوں میں نصرانیت کے جھوٹا اور ناقابل قبول مذہب ہونے کے بارے میں جو دلائل قویہ مذکور ہیں۔ ان کا کیوں ذکر نہیں کرتے ؟ کیا یہ انگریز کی خوشامد کا نتیجہ تھا کہ :۔

۱۔ آپ نے انگریز کو دجال قرار دیا۔

۲۔ آپ نے انگریز کو ماجوج ثابت کیا۔

۳۔ آپ نے انگریز کے خدا کی وفات بدلائل قویہ ثابت کر کے صلیب کو توڑ دیا۔

۴۔ آپ نے امریکہ اور انگلستان میں تبلیغی لٹریچر شائع کیا اور کئی انگریزوں اور امریکنوں کو حلقہ عیسائیت سے نکال کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زنجیر غلامی میں جکڑ دیا۔

ملکہ وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام دی

اس ضمن میں یہ امر خاص طور پر قابل توجہ ہے کہ آپ کے زمانہ میں ہندوستان میں اور تمام دُنیا میں چالیس کروڑ

مسلمان موجود تھے۔ کئی اسلامی سلطنتیں موجود تھیں، لاکھوں کی تعداد میں علماء بھی موجود تھے، مصر میں، دیوبند میں فرنگی محل میں۔ بریلی میں۔ سہارن پور میں۔ دہلی میں، لکھنؤ وغیرہ میں ہزاروں اسلامی ادارے تھے۔ بڑے بڑے مسلمان نواب اور بادشاہ موجود تھے، لیکن کیا یہ امر تعجب خیز نہیں کہ ان کروڑوں مسلمانوں میں سے سوائے بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے کسی ایک کو بھی یہ توفیق نصیب نہ ہوئی کہ ملکہ وکٹوریہ کو دعوتِ اسلام دے سکے۔ یا بیرونی عیسائی ممالک میں تبلیغِ اسلام کا فریضہ ادا کرے؟

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ ملکہ وکٹوریہ کو مخاطب کر کے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس (خدا) نے مجھے اس بات پر بھی اطلاع دی ہے کہ درحقیقت یسوع مسیح خدا کے نہایت پیارے اور نیک بندوں میں سے ہے۔۔۔۔ لیکن جیسا کہ گمان کیا گیا ہے۔ خدا نہیں ہے۔"

(تحفہ قیصریہ صفحہ ۲۰، ۲۱ طبع اوّل)

"میرا شوق مجھے بیتاب کر رہا ہے کہ میں اُن آسمانی نشانوں کی حضرت عالی قیصرۂ ہند میں اطلاع دوں میں حضرت یسوع مسیح کی طرف سے ایک سچے سفیر کی حیثیت میں کھڑا ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ جو کچھ آجکل عیسائیت کے بارے میں سکھایا جاتا ہے۔ یہ حضرت یسوع مسیح کی حقیقی تعلیم نہیں ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اگر حضرت مسیح دُنیا میں پھر آتے۔ تو وہ اس تعلیم کو شناخت نہ کر سکتے۔"

(تحفہ قیصریہ صفحہ ۲۷۲-۲۷۳)

اِس میں کچھ شک نہیں کہ قرآن نے اُن باریک پہلوؤں کا لحاظ کیا ہے جو انجیل نے نہیں کیا۔۔۔۔ اسی طرح قرآن عمیق حکمتوں سے پُر ہے اور ہر ایک تعلیم میں انجیل کی نسبت حقیقی نیکی کے سکھلانے کے لیے آگے قدم رکھتا ہے۔ بالخصوص سچے اور غیر متغیر خدا کے دیکھنے کا چراغ تو قرآن ہی کے ہاتھ میں ہے اگر وہ (قرآن) دنیا میں نہ آیا ہوتا تو خدا جانے دُنیا میں مخلوق پرستی کا عدد کس نمبر تک پہنچ جاتا۔ سو شکر کا مقام ہے کہ خدا کی وحدانیت جو زمین سے گم ہو گئی تھی دوبارہ پھر قائم ہو گئی۔"

(تحفۂ قیصریہ صفحہ ۳۰ طبع اول)

پھر اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے ہیں:۔

" اے قادر و توانا!۔۔۔۔ قیصرۂ ہند کو مخلوق پرستی کی تاریکی سے چھڑا کر "لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پر اس کا خاتمہ کر۔"

(اشتہار ۲۵ جون ۱۸۹۷ء تبلیغ رسالت جلد ۶ صفحہ ۱۳۲)

غرضیکہ حضرت بانیٔ سلسلۂ احمدیہ نے جہاں انگریزی حکومت کے اس پہلو کی تعریف کی کہ وہ دین میں مداخلت نہیں کرتی اور رعایا کے مختلف الخیال اور مختلف العقیدہ عناصر کے مابین عدل و انصاف کی پالیسی پر عمل کرتی ہے وہاں آپ نے اُس کے دینی اور رُوحانی پہلو کے خلاف سب سے پہلے عَلَمِ جہاد بلند کیا اور اس شان سے کیا کہ اس میدان میں آپ کے سوا ساری دُنیا کے مسلمانوں میں سے ایک شخص بھی نظر نہیں آتا۔

پس جس طرح باوجود اس امر کے کہ شراب "اُمُّ الْخَبَائِثِ" ہے یعنی بدترین چیز ہے قرآن مجید میں

اللہ تعالیٰ نے جہاں اس کی برائیوں کی مذمت فرمائی ہے۔ وہاں اس کی خوبیوں کا اعتراف بھی فرمایا ہے اسی طرح حضرت مرزا صاحب نے انگریزوں کے اچھے اور قابل تعریف کاموں کو جہاں سراہا ہے وہاں انکے بُرے اور قابلِ نفرت و اصلاح کاموں کی پُرزور مذمت بھی فرمائی ہے۔

خلاصہ کلام خلاصہ کلام یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب میں انگریزی دَور کی تعریف میں جو کچھ لکھا گیا ہے۔ اُس کو سمجھنے کے لئے سکھوں کے جبر و استبداد اور اُنکے وحشیانہ مظالم کی طویل داستان ۱۸۵۷ء کا سانحہ اور اس کے ماسبق و مابعد کا تاریخی پس منظر، مسلمانوں کی مذہبی و رُوحانی، تعلیمی و اقتصادی حالت کا علم ہونا ضروری ہے اور یہ بات بھی یاد رکھنی ضروری ہے کہ وہ سب تحریرات جو مخالفین کی طرف سے پیش کی جاتی ہیں۔ مخالفین کی طرف سے عائد کردہ بغاوت کے جھوٹے الزام کے جواب میں بطور "ذب" ہیں۔ پھر یہ کہ حضور علیہ السلام یا حضورؑ کی جماعت یا اولاد نے انگریزی حکومت سے ایک کوڑی کا بھی نفع حاصل نہیں کیا۔ نہ کوئی جاگیر لی، نہ خطاب، نہ مربعے۔ بلکہ جو حق بات تھی اُسکا ضرورتاً اظہار کیا گیا۔

پھر یہ ضروری پہلو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہیئے کہ جہاں حضرت مرزا صاحب نے انگریزی قوم کی دُنیوی اور مادی ترقیات کے لیے اُن کی تعریف کی ہے وہاں اُن کے رُوحانی اور مذہبی نقائص کی اس سے زیادہ زور کے ساتھ مذمت بھی فرمائی ہے (اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عربی نظم مندرجہ نور الحق حصّہ اوّل ص۹۲ تا ص۹۹ طبع اوّل و درثمین عربی ص۱۰۹ یا ص۱۱۸ بھی ملاحظہ فرمائیں جس میں حضرت نے اللہ تعالیٰ سے ہندوستان میں عیسائیوں کے غلبہ اور تسلط کے خلاف فریاد کرکے اُن کی تباہی اور ہلاکت کے لیے بددُعا فرمائی ہے)۔

۴۵- خود کاشتہ پودہ کا الزام

مرزا صاحب نے اپنے مکتوب ۲۴ رفروری ۱۸۹۸ء بنام لیفٹیننٹ گورنر بہادر پنجاب میں لکھا ہے کہ جماعت احمدیہ انگریزوں کا "خود کاشتہ پودا" زیر گذارش ۵ مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص۲۱ ہے۔

جواب: (۱) جھوٹ ہے۔ حضرت اقدس علیہ السلام نے ہرگز ہرگز جماعت احمدیہ کو انگریزوں کا "خود کاشتہ پودا" قرار نہیں دیا۔ اگر یہ ثابت کردو کہ حضرت اقدسؑ نے اپنی جماعت کو انگریزوں کا "خود کاشتہ پودہ" قرار دیا ہے تو منہ مانگا انعام لو۔

(۲) حضرت اقدس علیہ السلام کا یہ مکتوب کوئی مخفی یا پوشیدہ دستاویز نہیں ہے جو تمہارے ہاتھ لگ گئی ہے، بلکہ حضرت اقدسؑ نے خود اِس مکتوب کو طبع کرا کے اشتہار کی صورت میں بکثرت پبلک میں تقسیم کرایا تھا اور پھر حضورؑ کی وفات پر وہ اشتہار تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۱۹، ص۲۰ پر طبع ہوا۔

(۳) اس مکتوب میں حضرت اقدس علیہ السلام نے "خود کاشتہ پودہ" کا لفظ حضرت کے خاندان کی دیرینہ خدمات کے پیش نظر اس خاندان کی نسبت استعمال فرمایا ہے۔ نہ کہ جماعت احمدیہ کے متعلق چنانچہ حضورؑ تحریر فرماتے ہیں

"مجھے متواتر اس بات کی خبر ملی ہے کہ بعض حاسد بداندیش جو بوجہ اختلاف عقیدہ یا کسی اور وجہ سے مجھ سے بغض اور عداوت رکھتے ہیں یا جو میرے دوستوں کے دشمن ہیں میری نسبت اور میرے دوستوں کی نسبت خلافِ واقعہ اُمور گورنمنٹ کے معزز حکام تک پہنچاتے ہیں۔ اس لئے اندیشہ ہے کہ اُن کی ہر روز کی مفتریانہ کارروائیوں سے گورنمنٹ عالیہ کے دل میں بدگمانی پیدا ہو کر وہ تمام جانفشانیاں پچاس سالہ میرے والد مرحوم مرزا غلام مرتضیٰ اور میرے حقیقی بھائی مرزا غلام قادر مرحوم کی جنکا تذکرہ سرکاری چٹھیات اور سر لیپل گریفن کی کتاب "رئیسانِ پنجاب" میں ہے۔ نیز میرے قلم کی وہ خدمات جو میری اٹھارہ سال کی تصنیفات سے ظاہر ہیں سب کی سب ضائع اور برباد ہو جائیں اور خدانخواستہ سرکار انگریزی اپنے قدیم وفادار اور خیرخواہ خاندان کی نسبت کوئی تکدرِ خاطر اپنے دل میں پیدا کرے اس بات کا علاج تو غیر ممکن ہے کہ ایسے لوگوں کا مُنہ بند کیا جائے کہ جو اختلافات مذہبی کی وجہ سے یا نفسانی حسد اور بغض اور کسی ذاتی غرض کے سبب سے جھوٹی مخبری پر کمربستہ ہو جاتے ہیں التماس ہے کہ سرکارِ دولتمدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس برس کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار جانثار خاندان ثابت کر چکی ہے۔ اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سے سرکار انگریزی کے پکے خیرخواہ اور خدمتگذار ہیں۔ اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم اور احتیاط اور تحقیق اور توجہ سے کام لے۔"

(تبلیغ رسالت جلد ہفتم ص۱۹، ص۲۰ و مجموعہ اشتہارات جلد ۳ ص۲۱)

عبارت مندرجہ بالا صاف ہے اور کسی تشریح کی محتاج نہیں۔ اس میں حضرت اقدسؑ نے جماعتِ احمدیہ یا اپنے دعاوی کو سرکار کا "خود کاشتہ پودہ" قرار نہیں دیا، بلکہ یہ لفظ اپنے خاندان کی گذشتہ خدمات کے متعلق استعمال فرمایا ہے ورنہ اپنے دعاوی کی نسبت تو حضرت اقدسؑ نے اسی خط میں صاف طور پر لیفٹیننٹ گورنر کو مخاطب کر کے فرمایا ہے کہ مَیں نے دعوٰے خُدا کے حکم سے اُس کی وحی اور الہام سے مشرف ہو کر کیا ہے۔ ملاحظہ ہو تبلیغ رسالت جلد ۷ ص۱ سطر ۶ "خدا تعالیٰ نے مجھے بصیرت بخشی اور اپنے پاس سے مجھے ہدایت فرمائی۔"

نوٹ:۔ اس سلسلہ میں تفصیل مزید "انگریز کی خوشامد کے الزام" کے جواب میں گذر چکی ہے جہاں یہ بتایا گیا ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ اشتہار مخالفین کے اِس الزام کے جواب میں بطور "ذب" یعنی بغرضِ رفعِ التباس شائع فرمایا تھا۔ نہ کہ بطور مدح! مخالفین نے حضرت اقدس علیہ السلام پر گورنمنٹ کا باغی اور "غدار" ہونے کا الزام لگایا تھا۔ یہ الزام لگانے والے صرف مذہبی مخالف ہی نہیں بلکہ حضرت کے خاندانی اور ذاتی دشمن بھی تھے۔ جیسا کہ اسی "خود کاشتہ پودہ" والی مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے۔

۴۔ حضرت اقدسؑ کی ساری عمر عیسائیت کے استیصال میں گذری آپ وہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے انگریزوں اور دوسری یورپین اقوام اور پادریوں کو کھلے الفاظ میں ۱۸۹۰ء میں (یعنی اس مکتوب سے آٹھ سال پہلے) "دجال" قرار دیا۔ انجیلی تعلیم اور انجیلی یسوع کی وہ خبر لی کہ ممکن نہیں کہ اِس کو پڑھ کر عیسائی خوش ہو۔ پس یہ کہنا کہ وہ حکومتِ انگریزی جسکا مذہب عیسائیت ہے اور جو لاکھوں روپیہ چرچ کے ذریعہ تبلیغ عیسائیت

میں صرف کرتی ہے۔ اس نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو عیسائیت کی تردید اور استیصال کے لئے سازش کر کے کھڑا کیا۔ انتہائی شرارت اور کذب بیانی ہے۔

۵۔ اگر بقول تمہارے حضرت اقدسؑ نے مسیحیت اور مہدویت کا دعویٰ انگریز کی "سازش" سے کیا تھا اور آپ اس کے "ایجنٹ" تھے تو پھر آپ کو مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے باعث یہ خوف کس طرح ہو سکتا تھا کہ گورنمنٹ کے دل میں بدگمانی پیدا ہو گی۔ پس جیسا کہ اس عبارت کے لفظ "خاندان" سے ثابت ہے حضرت اقدسؑ کا اشارہ اسی اشتہار کے ص۱۱ کی مندرجہ ذیل عبارت کے مضمون کی طرف ہے۔

"ہمارا خاندان سکھوں کے ایام میں ایک سخت عذاب میں تھا اور نہ صرف یہی تھا کہ انہوں نے ظلم سے ہماری ریاست کو تباہ کیا اور ہمارے صدہا دیہات اپنے قبضہ میں کئے بلکہ ہماری اور تمام پنجاب کے مسلمانوں کی دینی آزادی کو بھی روک دیا۔ ایک مسلمان کو بانگ نماز پر بھی مارے جانے کا اندیشہ تھا۔ چہ جائیکہ اور رسوم عبادت آزادی سے بجا لا سکتے۔ پس یہ اس گورنمنٹِ محسنہ کا احسان تھا کہ ہم نے اس جلتے ہوتے تنور سے خلاصی پائی۔" (ص۱۱ سطر۱)

پس اس تمام عبارت میں حضرت اقدسؑ اپنے خاندان کی تباہ شدہ جاگیر اور پھر اس کے ایک نہایت ہی قلیل حصہ کی انگریزی حکومت کے زمانے میں واگذاری کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں نہ کہ اپنی جماعت کی طرف۔

۶۔ حضرت اقدس علیہ السلام یا آپ کی اولاد نے انگریز سے کونسا مربعہ یا جاگیر حاصل کی یا خطاب لیا۔

۷۔ اگر "خود کاشتہ پودہ" سے مراد تم جماعت احمدیہ لیتے ہو اور یہ الزام لگاتے ہوئے کہ حضرت مرزا صاحب سے دعویٰ مسیحیت و مہدویت سازش کر کے انگریز نے کروایا تھا تو اس بات کا جواب دو کہ (۱) انگریز نے دعوے تو کرا دیا مگر ۱۸۹۴ء میں حدیث (دار قطنی از امام محمد باقرؒ ص۱۸۸) کی پیشگوئی کے عین مطابق چاند اور سورج کو رمضان کے مہینہ میں مقررہ تاریخوں پر گرہن بھی انگریز نے لگا دیا تھا؟

(ب) ستارہ ذوالسنین بھی انگریز نے نکالا تھا؟

(ج) حضرت مرزا صاحب سے طاعون کے آنے سے قبل بطور پیشگوئی اشتہار بھی انگریز نے شائع کروایا۔ اور پھر انگریز ہی طاعون بھی لے آیا۔

(د) سعد اللہ لدھیانوی اور اُس کا بیٹا بھی انگریز ہی کی کوشش سے ابتر رہے؟

(ہ) احمد بیگ ہوشیار پوری کو محرقہ تپ بھی انگریز نے چڑھایا اور پیشگوئی کی میعاد کے اندر مار بھی دیا۔

(و) حضرت کی پیشگوئیوں کے عین مطابق کانگڑہ کا اور مابعد بہار اور کوئٹہ کا زلزلہ بھی انگریز ہی کی سازش کا نتیجہ تھا؟

(ز) ؎ "زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار"

کی پیشگوئی بھی انگریز ہی نے پوری کر دی؟

(ح) یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ وَیَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ

کا الہامی وعدہ بھی انگریز ہی نے پورا کیا؟

(ط) "اعجاز احمدی" اور "اعجاز المسیح" کی معجزانہ تحدی کے مقابلہ میں مخالف علماء - انگریز ہی کے ایما - پر مقابلہ سے ساکت اور خاموش رہے ؟

(ی) غلام دستگیر قصوری - رُسل بابا امرتسری - محمد اسمٰعیل علی گڑھی - چراغدین جمونی - فقیر مرزا آف دو المیال شبھ چنتک آریہ اخبار کا عملہ - دیانند وغیرہ مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کو پورا کرنے کے لئے انگریز ہی نے مارے -

غرضیکہ حضرت اقدس علیہ السلام کی تائید میں زمین نے بھی نشان ظاہر کئے اور آسمان نے بھی - پس "خود کاشتہ پودہ" کی عبارت سے مراد حضرت کا دعویٰ یا جماعت لینا صریحاً بد دیانتی ہے -

(ک) پھر یہ عجیب بات ہے کہ انگریز نے حضرت مرزا صاحب سے تو کہا کہ تم عین چودہویں صدی کے سر پر دعویٰ مجددیت کر دو اور خود کو حدیث مجدد کا مصداق قرار دے دو - اور اُدھر اللہ تعالیٰ سے بھی سازش کر لی کہ کسی سچے مجدد کو چودہویں صدی میں نہ آنے دے حالانکہ حضرت مرزا صاحب نے اعلان فرمایا :-

"ہائے ! یہ قوم نہیں سوچتی کہ اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہیں تھا تو کیوں عین صدی کے سر پر اس کی بنیاد ڈالی گئی اور پھر کوئی بتلا نہ سکا کہ تم جھوٹے ہو اور سچا فلاں آدمی ہے"

(ضمیمہ اربعین نمبر ۳، ۴ صـ۲ طبع اول)

"افسوس ان لوگوں کی حالتوں پر - ان لوگوں نے خدا اور رسول کے فرمودہ کی کچھ بھی عزت نہ کی اور صدی پر بھی سترہ برس (اور اب ۷۰ برس - خادم) گذر گئے - مگر اُن کا مجدد اب تک کسی غار میں پوشیدہ بیٹھا ہے مجھ سے یہ لوگ کیوں بخل کرتے ہیں - اگر خدا نہ چاہتا - تو میں نہ آتا -"

(اربعین ۳ صـ۱۳ طبع اول)

۴۶ - تنسیخِ جہاد کا الزام

مجلس احرار نے اپنے مذموم مقاصد کی تکمیل کے لئے جماعتِ احمدیہ کے خلاف جو اشتعال انگیزی اور افتراء پردازی کی مہم شروع کر رکھی ہے - اس کی ریڑھ کی ہڈی یہ اعتراض ہے کہ جماعتِ احمدیہ جہاد کی منکر ہے - اور یہ کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جہاد کو قیامت تک منسوخ قرار دیکر اسلام کے ایک بہت بڑے رُکن کا انکار کیا ہے -

بعض علماء کا نظریہ

یہ الزام کسقدر بے بنیاد اور دُور از حقیقت ہے اس کا صحیح اندازہ تو مندرجہ ذیل سطور کے مطالعہ سے ہو سکے گا، لیکن قبل اس کے کہ ہم اس مسئلہ کی حقیقت پر تفصیلی بحث کریں یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ حضرت مرزا صاحب سے ماقبل و مابعد دیگر علماء کی اصطلاح میں لفظ "جہاد" سے مُراد کیا تھی ؟ کیونکہ اس سے ہمیں اُس پس منظر کا علم ہو سکے گا جس میں حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ نے جہاد کے بارے میں صحیح اسلامی نظریہ کو واضح فرمایا - نیز یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ اِس نقطۂ نگاہ

کی وضاحت کی ضرورت کیوں پیش آئی تھی؟

سو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ماقبل یا بعد علماء کا ایک طبقہ ایسا تھا جس کے نزدیک "جہاد" کا نظریہ ہرگز وہ نہیں تھا جو آجکل کے عام مسلمانوں کا ہے۔ کیونکہ یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ اسلامی اصطلاح میں غیر مسلموں کے خلاف جارحانہ اقدام کا نام "جہاد" نہیں بلکہ "مدافعانہ جنگ" کو جہاد کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، لیکن قارئین کے لیے یہ امر یقیناً باعث تعجب ہوگا کہ بعض اسلامی علماء کے نزدیک غیر مسلموں کو بزورِ شمشیر مسلمان بنانے کا نام "جہاد" تھا۔ اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل تحریرات قابلِ ملاحظہ ہیں:۔

۱۔ تمام شرائع میں سے کامل ترین وہ شریعت ہے جس میں جہاد کا حکم پایا جائے۔ اس واسطے خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں کا اوامر و نواہی کے ساتھ مکلف کرنا ایسا ہے جیسے ایک شخص کے غلام مریض ہو رہے ہیں اور اُس نے اپنے خاص لوگوں میں سے ایک شخص کو حکم دیا کہ ان کو کوئی دوا پلائے۔ پھر اگر وہ شخص انکو مجبور کر کے اُن کے مُنہ میں دوا ڈالے تو یہ بات نامناسب نہ ہوگی۔ مگر رحمت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اول اُن غلاموں سے اس دوا کے فوائد بیان کرے تاکہ خوشی کے ساتھ اُس دوا کو پی لیں۔ اور نیز اس دوا میں کوئی شیریں چیز مثلاً شہد شامل کر دے۔ تاکہ رغبتِ طبعی اور نیز رغبتِ عقلی اس کی مُعین ہو جائے۔ پھر اکثر لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ریاستوں کی محبت اور اُن کا شوق اور شہواتِ دُنیہ اور اخلاقِ سبعی اور وساوسِ شیطانی اُن پر غالب ہوتے ہیں اور اُن کے آباؤ اجداد کے رسوم انکے قلوب میں مرتکز ہو جاتے ہیں۔ تو ان فوائد پر وہ کان نہیں دھرتے اور جس چیز کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم فرمایا ہے اس میں وہ فکر نہیں کرتے اور نہ اُس کی خوبی میں انکو غور ہوتا ہے۔ تو ان کے حق میں رحمت کا مقتضیٰ یہ نہیں ہے کہ صرف اثباتِ حجت کا ان پر اقتصار نہ کیا جائے بلکہ رحمت اُنکے حق میں یہی ہے کہ اُن پر جبر کیا جائے۔ تاکہ خواہ مخواہ ایمان اُن پر ڈالا جائے جس طرح تلخ دوا کے پلانے پر مجبور کیا جاتا ہے۔"

(حجۃ اللہ البالغہ مترجم اُردو مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور جلد ۲ صفحہ ۴۰۷، ۴۰۸)

۲۔ مشہور مصنف ایم۔ اسلم لکھتے ہیں:۔

خلیفۂ وقت کا سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام تھا یعنی خدا اور اُس کے رسول کا مقدس پیغام خدا کی مخلوق تک پہنچانا اور انہیں دعوتِ اسلام دینا جب کسی حکمران کو دعوتِ اسلام دی جاتی ہے تو دو شرطیں پیش کی جاتیں۔ ایک یہ کہ مسلمان ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ اگر مسلمان نہیں ہوتے تو جزیہ دو۔ اور دونوں شرطیں نہ مانی جاتیں تو پھر مجاہدین اسلام کو اُن سرکشوں کا بھُرکس نکالنے کا حکم ملتا۔ اور اس کا نام جہاد ہے۔"

(حزب مجاہد ص۳۵)

۳۔ واضح ہو کہ اہل اسلام کے ہاں کتب احادیث اور فقہ میں جہاد کی صورت یوں لکھی ہے کہ پہلے کفار کو موعظہ حسنہ سُنا کر اسلام کی طرف دعوت کی جائے۔ اگر مان گئے تو بہتر نہیں تو کفارِ عرب سے بباعثِ شدتِ کفر اور بُت پرستی اُنکے ایمان یا قتل کے سوا کچھ نہ مانا جائے۔" (صیانۃ الانسان مطبوعہ مطبع مصطفائی

لاہور ۱۸۷۳ء۔ ص۲۳۶ مصنفہ ولی اللہ صاحب لاہوری)

۴۔ سابق علماء تو الگ رہے۔ اب تک مولوی ابوالاعلیٰ مودودی صاحب اس بیسویں صدی کے نصف آخر میں بھی یہی عقیدہ رکھتے اور اسی کی اشاعت کر رہے ہیں۔ ملاحظہ ہو:۔

"یہی تھی پالیسی جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے بعد خلفائے راشدین نے عمل کیا۔ عرب جہاں مسلم پارٹی پیدا ہوئی سب سے پہلے اسلامی حکومت کے زیرِ نگین کیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطراف کے ممالک کو اپنے اُصول اور مسلک کی طرف دعوت دی مگر اس کا انتظار نہ کیا کہ یہ دعوت قبول کی جاتی ہے یا نہیں بلکہ قوت حاصل کرتے ہی رومی سلطنت سے تصادم شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پارٹی کے لیڈر ہوئے تو انہوں نے روم اور ایران دونوں کی غیر اسلامی حکومتوں پر حملہ کیا اور پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس حملہ کو کامیابی کے آخری مراحل تک پہنچایا۔" (رسالہ جہاد فی سبیل اللہ مصنفہ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی ص۲۸، ص۲۹)

اِن اقتباسات کو پڑھ کر ہر دردِ دل رکھنے والے سعید الفطرت مسلمان کا سر ندامت کے ساتھ جُھک جاتا ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ جبر و اکراہ کا یہ نظریہ اُس مقدس ترین وجود کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے جو تمام نسلِ انسانی کے لئے پیامِ امن و سلامتی لیکر آیا۔ جس نے اپنی مقدس حیات کا ایک ایک لمحہ ظُلم و تشدّد اور جبر و اکراہ کو دُنیا سے مٹانے کے لئے وقف کر دیا۔ جس رحمۃ للعٰلمین (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) نے نسلِ انسانی کو "لَاۤ اِکۡرَاہَ فِی الدِّیۡنِ" کا امن بخش اور حیات آفرین پیغام سُنایا اور جو خود عمر بھر اپنے دشمنوں کے ظلم و ستم اور جبر و تشدد کا نشانہ بنا رہا۔ مگر خود کسی انسان بلکہ حیوان پر بھی ظُلم نہیں کیا۔ عیسائی۔ ہندو اور دیگر دشمنانِ اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیرت انگیز معجزانہ کامیابی و کامرانی کو داغدار کرنے کے لئے یہ الزام لگاتے چلے آئے ہیں کہ اسلام اپنی صداقت اور حقانیت کے اثر سے نہیں بلکہ تلوار کے زور سے پھیلا ہے۔ لیکن ایک غیر جانبدار اور صحیح الدماغ محقق دشمنانِ اسلام اور مقدس بانی کو بدنام کرنے کی نیت سے ایسا کہتا ہے۔ لیکن جب مسلمانوں کے اپنے "علماء" خود ہی یہ اعلان کرنے لگیں کہ اسلام کی تعلیم کو بزورِ شمشیر منوانا اور غیر مسلموں کو بہ جبر و اکراہ حلقہ بگوشِ اسلام کرنا عین تعلیم اسلام ہے اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے خلفائے راشدین کا طرزِ عمل بھی یہی رہا ہے اور وہ غیر مسلموں کو اُن کی مرضی کے خلاف جبر و اکراہ سے مسلمان بنایا کرتے تھے۔ تو پھر حقیقی اسلام کے علمبرداروں کے ہاتھ میں غیر مسلموں کے مقابلہ میں رہ ہی کیا جاتا ہے ؎

گر مسیحا دشمنِ جاں ہو تو کیونکر ہو علاج ؟
کون رہبر ہو سکے جو خضر بہکانے لگے ؟

یہ ظالمانہ اور جارحانہ "جہاد کا" منگھڑت اور خلافِ اسلام نظریہ (جو آج تک مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اور اُن کے ہم خیال علماء کے ہاں رائج ہے) تبلیغ و اشاعت اسلام کے رستہ میں ایک زبردست روک ثابت ہو رہا ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس غلط نظریہ کی پُر زور تردید کی جائے۔ تا اسلام کا خوبصورت اور منوّر چہرہ داغدار نہ ہونے پائے۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس غلط نظریہ کی کماحقہ تردید فرمائی اور یہی وہ جارحانہ لڑائی AGGRESSION ہے جس کے بارے میں حضورؑ نے بار بار تحریر فرمایا ہے کہ اسلام میں جائز نہیں اور نہ اس قسم کی لڑائی کرنے کی مسلمانوں کو اجازت ہے۔

"موقوف" اور "التوا" کے معنے

اِس مختصر تمہید کے بعد اب ہم احرار کے اصل اعتراض کو لیتے ہیں۔معترضین کی طرف سے عام طور پر اس الزام کی تائید میں تحفۂ گولڑویہ ملا وضمیمہ طبع اول۔ اربعین ۴ صا طبع اول اور حقیقۃ المہدی کے حوالجات پیش کئے جاتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان محولہ بالا مقامات پر کسی جگہ بھی "اسلامی جہاد" کے قیامت تک منسوخ ہونے کا ذکر نہیں ہے۔ تحفۂ گولڑویہ میں "التواء" اور مؤخرالذکر مقام پر "موقوف" کا لفظ ہے اور ظاہر ہے کہ لفظ "التوا" اور "موقوف" دونوں ہم معنے ہیں اور ان کا مفہوم عارضی طور پر کسی کام کو دوسرے وقت پر ڈال دینا ہوتا ہے۔ ہمیشہ کے لئے ختم ہونا یا منسوخ ہوجانا اِس سے مراد نہیں ہوتا۔

لفظ "وقف" یا "وقفہ" کے معنے ہی دو کلاموں کے درمیانی عارضی "سکون" اور "ٹھہرنے" کے ہیں۔ قرآن مجید کی آیات کے درمیان بھی "وقف" آتا ہے مگر کیا وقف کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اِس کے آگے کوئی آیت نہیں؟ عربی میں "وَقَفَ بِفُلَانٍ" کے معنے ہیں۔ "اُس نے فلاں کا انتظار کیا" اور "وَقَفَ عَلٰی حَضُوْرِ فُلَانٍ" کے معنے ہیں۔ "اُس نے فلاں کے آنے تک کام ملتوی رکھا۔"

"اَوْقَفَ وَتَوَقَّفَ عَنْ کے معنی ہیں "ملتوی کرنا"

"وَقْفَہ" کے معنی ہیں "اسٹیشن" "ٹھہراؤ" اور "موقوف" کے معنی ہیں "ٹھہرا ہوا" (تسہیل العربیہ) نیز ملاحظہ ہو "الفرائد الدریہ" جس میں لکھا ہے وَقَفَ عَلَی الْکَلِمَۃِ (پڑھتے پڑھتے تھوڑی دیر کے لئے ٹھہرنا)۔

وَقَفَ بِفُلَانٍ ۔کسی کا انتظار کرنا ۔

اَوْقَفَ وَتَوَقَّفَ عَنْ کے معنی ہیں کسی معاملہ کو دوسرے وقت تک اُٹھا رکھنا ۔

پس موقوف کے معنی "ملتوی کے ہیں نہ کہ ہمیشہ کے لئے منسوخ ہو جانے کے ؟ اندریں صورت معترضین کا مسیح موعود علیہ السلام پر "منسوخیِ جہاد" کا الزام لگانا کیونکر درست ہوسکتا ہے ؟

قرآنِ مجید کا کوئی لفظ منسوخ نہیں ہوسکتا

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضور کے تتبع میں تمام احمدی قرآن مجید کے ہر ہر لفظ اور ہر ہر حرف کو ناقابلِ تنسیخ یقین کرتے ہیں ہمارا ایمان ہے کہ قرآن مجید کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوسکتا۔ پس قرآن مجید اور حدیثِ صحیح میں جہاد کے بارے میں جو احکام ہیں۔ احمدی ان پر دل وجان سے ایمان لاتے ہیں اور ان پر عمل کرنے کے لئے دل وجان سے تیار ہیں۔ قرآن مجید نے جہاد بالسیف کے بارے میں جو حکم دیا ہے وہ ان الفاظ میں ہے کہ "اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا (سورۃ الحج : ۴۰)

یعنی مومنوں کے ساتھ کفار دین کے باعث جنگ شروع کریں تو جوابی طور پر مومن تلوار کے مقابلہ میں تلوار اُٹھائیں۔

جماعتِ احمدیہ جہاد بالسیف کی قائل ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اسّی کُتب میں کسی ایک جگہ بھی یہ تحریر نہیں فرمایا کہ اگر کفار کی طرف سے تلوار اُٹھائی جاتے تب بھی جوابی طور پر تلوار نہ اُٹھائی جاتے۔ یا یہ کہ قرآن مجید کی یہ یا دوسری آیات دربارہ جہاد منسوخ ہیں۔ حضورؑ نے تو صاف الفاظ میں تحریر فرمایا ہے وَاُمِرْنَا اَنْ نَعُدَّ لِلْکَافِرِیْنَ کَمَا یَعُدُّوْنَ لَنَا وَلَا نَرْفَعُ الْحُسَامَ قَبْلَ اَنْ نُقْتَلَ بِالْحُسَامِ۔

(حقیقۃ المہدی صفحہ ۲۸ طبع اول)

کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم کافروں کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں جیسا کہ وہ ہمارے ساتھ کرتے ہیں اور جب تک وہ ہم پر تلوار نہ اُٹھائیں ہم بھی اُس وقت تک ان پر تلوار نہ اُٹھائیں۔

یاد رہے کہ یہ عبارت اسی حقیقۃ المہدی کی ہے جس کے صفحہ کا حوالہ معترضین دیتے ہیں۔ اس عبارت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کفار کی تلوار کے مقابلہ میں تلوار اُٹھانے کے مسئلہ کے قائل ہیں اور قرآنی حکم دربارۂ جہاد کو ہرگز منسوخ نہیں سمجھتے۔ بلکہ لفظ "اُمِرْنَا" فرما کر اس امر کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ ہم اس امر کے لئے مامور ہیں کہ اگر کفار اسلام کے خلاف تلوار اُٹھائیں گے تو ہم بھی جوابی طور پر ان کے ساتھ تلوار سے جہاد کریں گے۔ پس معترضین کے پیش کردہ حوالہ میں جو لفظ "موقوف" استعمال ہوا ہے تو اس کے صرف یہی معنی ہیں کہ چونکہ اس وقت کفار کی طرف سے اسلام کے خلاف تلوار نہیں اُٹھائی جا رہی اس لئے قرآنی تعلیم کی رُو سے اِس وقت مسلمانوں کے لیے تلوار اُٹھانا "موقوف" ہے۔ اُس وقت تک کہ کفار تلوار اُٹھائیں۔ کیونکہ از روئے قرآن و حدیث "جہاد بالسیف" مشروط ہے۔ کفار کی طرف سے تلوار کے اُٹھائے جانے کے ساتھ۔ پس شرط کے عدم تحقق کے باعث مشروط (جہاد بالسیف) بھی کبھی متحقق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اس عبارت کے شروع میں یہ الفاظ ہیں۔ رُفِعَتْ هٰذِهِ السُّنَّةُ بِرَفْعِ اَسْبَابِهَا فِیْ هٰذِهِ الْاَیَّامِ (حقیقۃ المہدی صفحہ ۲۸ طبع اول) یعنی تلوار کے جہاد کی شرائط کے پائے نہ جانے کے باعث موجودہ ایام میں تلوار کا جہاد نہیں ہو رہا۔ حضور تحفہ گولڑویہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ "اِنَّ وُجُوْهَ الْجِهَادِ مَعْدُوْمَةٌ فِیْ هٰذَا الزَّمَنِ وَفِیْ هٰذِهِ الْبِلَادِ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۱ طبع اول عربی حصّہ) یعنی جہاد اس لئے نہیں ہو سکتا کیونکہ اِس وقت اور اِس ملک میں جہاد کی شرائط پائی نہیں جاتیں۔" پھر تحفہ گولڑویہ صفحہ ۲۶، صفحہ ۲۷ طبع اول میں جہاں ممانعت جہاد کا فتویٰ دیا ہے۔ وہاں تحریر فرمایا ہے:۔

اب چھوڑ دو جہاد کا اے دوستو خیال — دیں کیلئے حرام ہے اب جنگ اور قتال

فرما چکا ہے سیدِ کونینِ مصطفےٰ — عیسیٰ مسیح کر دیگا جنگوں کا التوا

ان اشعار میں "اب" اور "التواء" کے الفاظ صاف طور پر اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ جہاد کا حکم قیامت تک کے لئے منسوخ نہیں بلکہ بوقت "موجودہ" عدم تحقق شرائط کے باعث "جہاد" عملاً ملتوی ہے اور وہ بھی حضور صاحب کی اپنی ذاتی رائے یا فتویٰ سے نہیں۔ بلکہ خود حضرت شارع علیہ السلام کی حدیث صحیح مندرجہ بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ علیہ السلام کی سند کی بنا پر۔

پھر حضور تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمۂ اسلام میں کوشش کریں مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دینِ متین اسلام کی خوبیاں دُنیا میں پھیلائیں یہی جہاد ہے جب تک کہ خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دُنیا میں ظاہر کرے۔"

(مکتوب بنام حضرت ناصر نواب صاحب مندرجہ رسالہ درود شریف صلا مؤلفہ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ہلالپوری)

آخری الفاظ صاف طور پر بتا رہے ہیں کہ تلوار کے جہاد کی ممانعت ابدی نہیں۔ بلکہ عارضی ہے اور جب دوسری صورت ظاہر ہوگی۔ یعنی کفار کی طرف سے اسلام کے خلاف تلوار اُٹھائی جائیگی اُس وقت تلوار کے ساتھ جہاد کرنا واجب ہوگا۔ پس یہ ثابت ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اسلامی تعلیم دربارۂ جہاد کو ہرگز منسوخ نہیں کیا بلکہ اس پر عمل کیا۔ کیونکہ قرآنِ مجید سے جہاد کی دو ہی صورتیں ثابت ہیں:۔

اوّل۔ قرآن مجید کی تعلیم اور اُس کی خوبیاں دُنیا میں پھیلانا جیسا کہ سورۃ فرقان میں ہے۔ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيرًا (الفرقان: ۵۳)۔ یعنی قرآن مجید کو دُنیا کے سامنے پیش کر، یہی جہاد کبیر ہے مکتوب مندرجہ رسالہ "درود شریف صلا" کی عبارت میں اسی پہلی صورت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ آجکل تو قرآن مجید میں بیان شدہ پہلی قسم کے جہاد کی شرائط موجود ہیں۔ اس لئے آج کل یہی جہاد ہے جس کا کرنا ازروئے تعلیم اسلام واجب ہے اور جب دوسری قسم کی شرائط پیدا ہو جائیں گی۔ اس وقت دوسری قسم جہاد (یعنی تلوار کے ساتھ مدافعانہ جنگ پر) عمل کرنا ضروری ہوگا۔

ظاہر ہے کہ "جہاد" کے معنی اسلامی اصطلاح میں صرف تلوار کے ساتھ جنگ کرنے ہی کے نہیں۔ بلکہ اسلامی تعلیم پر عمل کرنے اور عمل کی تلقین کرنے کے بھی ہیں۔ احراری معترضین جماعت احمدیہ پر اعتراض کرتے وقت صرف "جہاد" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور ان کی مراد اس سے صرف جہاد سیفی ہوتا ہے اس مغالطہ کی حقیقت قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت پر نظر ڈالنے سے واضح ہو جاتی ہے۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ (التوبہ: ۷۳) کہ اے نبیؐ کفار اور منافقین کے ساتھ جہاد کر۔ ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں کے ساتھ "جہاد" کرنے کا حکم آجانے کے باوجود منافقوں کے خلاف کبھی تلوار نہیں اُٹھائی۔ بلکہ اُن کے ساتھ ہمیشہ حسنِ سلوک فرمایا۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن ابی بن سلول کو (جو رئیس المنافقین تھا) اپنے جُبّہ مبارک میں دفن فرمایا۔ پس تسلیم کرنا پڑیگا کہ جہاد کے معنی صرف تلوار ہی کے ساتھ لڑائی کے نہیں ہوتے بلکہ تبلیغ و تذکیر کے ذریعہ کفار اور منافقین کی باطنی و روحانی اصلاح کی کوشش کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔

شرعی حکم کی تنسیخ اور فتویٰ میں فرق

احراری معترضین اپنے جوش خطابت میں ہمیشہ یہ کہا کرتے ہیں کہ "منسوخیٔ جہاد مستقل کفر ہے"۔
گویا اُن کے نزدیک اگر کوئی شخص حضرت مرزا صاحب کی طرح یہ فتویٰ دے کہ چونکہ آج کل دشمنان دین اسلام کے بالمقابل تلوار نہیں اُٹھاتے اس لئے تعلیم اسلامی کے رُو سے ان کے ساتھ تلوار کا جہاد جائز نہیں۔ تو ایسا فتویٰ دینے والا فرضیت جہاد کا مُنکر ہونے کے باعث خارج از اسلام سمجھا جائے گا۔
ہر عقلمند سمجھ سکتا ہے کہ اس طریق کو جاری کرنے کے نتیجہ میں کوئی مفتی بھی فتویٰ کُفر سے بچ نہیں سکتا۔
کیونکہ اگر اس طریق تکفیر کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ایسے شخص کو بھی جو ایک غیر صاحب نصاب شخص کے بارے میں یہ فتویٰ دیتا ہے کہ اس پر زکوٰۃ فرض نہیں" فرضیت زکوٰۃ کا منکر" قرار دیکر خارج از اسلام تسلیم کرنا پڑے گا۔

دُور کیوں جائیں سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا شعر ہے:۔

فَمَا وَجَبَتْ عَلَیَّ زَکٰوۃُ مَالٍ
وَھَلْ یَجِبُ الزَّکٰوۃُ عَلَی الْجَوَادِ

مجھ پر زکوٰۃِ مال واجب نہیں کیونکہ بخشش کرنے والے سخی پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔
(کشف المحجوب مصنفہ حضرت داتا گنج بخشؒ مترجم اُردو صفحہ ۳۶۴)

پس کس قدر ظلم ہے کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ جنہوں نے کبھی یہ نہیں فرمایا کہ قرآن مجید اور احادیث صحیحہ میں تو جہاد بالسیف کا حکم موجود ہے لیکن میں اُن آیات اور احادیث کو منسوخ کرتا ہوں بلکہ صرف اسقدر فرمایا کہ قرآن مجید اور حدیث میں خدا اور رسول کا حکم یہ ہے کہ جب تک مخالفین اسلام کی طرف سے اسلام کے خلاف تلوار نہ اُٹھائی جائے اُن کے ساتھ جہاد بالسیف کرنا جائز نہیں اور چونکہ موجودہ وقت میں مخالفین اسلام کی طرف سے تلوار نہیں اُٹھائی جا رہی۔ اس لئے اس وقت جہاد بالسیف کرنے کی از روئے قرآن وحدیث اجازت نہیں، احراری معترضین ان کے خلاف "فرضیت جہاد" کے انکار کا جھوٹا الزام لگاتے ہیں۔

حضرت سید احمد بریلوی کا انگریز کے خلاف جہاد نہ کرنے کا فتویٰ

پھر اگر محض اس فتویٰ کی بنا پر کہ انگریز کے خلاف جہاد بالسیف از روئے تعلیم اسلامی جائز نہیں۔ اگر حضرت مرزا صاحب اور جماعتِ احمدیہ کی تکفیر کو درست تسلیم کیا جائے تو تیرھویں صدی کے مجدد حضرت سید احمد بریلوی اور ان کے خلیفہ حضرت اسمٰعیل شہید پر بھی یہی فتویٰ عاید ہو گا۔ کیونکہ ان ہر دو بزرگوں نے بھی (جن کو احراری بھی اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں) انگریزی حکومت کے خلاف [illegible] جہاد کا بعینہٖ وہی فتویٰ دیا ہے جو ان کے بعد حضرت مرزا صاحبؑ نے دیا۔

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کی شخصیت

یاد رہے کہ حضرت سید احمد بریلوی اور اسمٰعیل شہیدؒ کے فتاویٰ اُس کتاب سے نقل کئے گئے ہیں جو مولانا محمد جعفر صاحب تھانیسری کی تصنیف ہے اور مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری وہ بزرگ ہیں جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک میں شامل تھے اور بقول مولانا غلام رسول صاحب مہرؔ:۔

"مولوی محمد جعفر صاحب کا گھر کئی برس تک سید صاحب کے مجاہدین کے لئے چندہ بھیجنے کا ایک مرکز بنا رہا۔ اسی بنا پر وہ گرفتار ہوئے انگریزوں نے ان پر مقدمہ چلایا اور پھانسی کی سزا دی۔ جائیداد ضبط کرلی یہ سزا اس لئے حبسِ دوام میں تبدیل ہوئی کہ مولوی صاحب کے لئے پھانسی پر جان دے دینا آسان تھا اور انگریز چاہتے تھے کہ انہیں قید کی مصیبتوں میں مبتلا رکھ کر زیادہ سے زیادہ ایذا پہنچائیں۔"

"مولوی محمد جعفر صاحب نے سرکار انگریزی کی مخالفت ہی کے باعث اٹھارہ سال جزائر انڈیمان میں بسر کئے ان کی جائیداد ضبط ہوئی اور جو تکلیفیں اُٹھائیں ان کے بیان کا یہ موقع نہیں وہ ان کارناموں کی وجہ سے عظیم تھے۔" (احراری اخبار آزاد لاہور ۱۲ر اکتوبر ۱۹۵۲ء جلد ۲ کالم ۳-۱)

پس مولوی محمد جعفر صاحب وہ انسان تھے جن کو انگریز کی خوشامد کی کوئی ضرورت نہ تھی علاوہ ازیں "سوانح احمدی" اس زمانہ میں لکھی گئی جبکہ سید احمد صاحب بریلویؒ کو دیکھنے والے اور اُن سے ملنے والے لوگ زندہ موجود تھے۔ اگر یہ روایات درست نہ ہوتیں تو اُسی وقت اُن کی تردید میں ضرور وہ لوگ آواز بلند کرتے اُس وقت اصل دستاویزات محوّلہ ابھی موجود تھیں۔ اس لئے ان پر جرح و تنقید کا وقت وہی تھا۔ پھر یہ کتاب اُس وقت لکھی گئی جبکہ جماعت احمدیہ کا کوئی وجود ہی نہ تھا اور حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا فتویٰ دربارۂ ممانعت جہاد (۱۹۰۲ء) ہی موجود تھا۔ پس یہ تحریرات امر متنازعہ فیہ سے بہت عرصہ پہلے کی ہیں۔

مولانا غلام رسول صاحب مہرؔ یا کسی اور بزرگ کا جس کو حضرت سید احمد بریلوی اور سید اسمٰعیل صاحب شہید کے مندرجہ بالا فتاویٰ سے اختلاف ہو۔ اکتوبر ۱۹۵۲ء میں یعنی حضرت سید احمد صاحب بریلوی کی شہادت کے ایک سو اکیس[۱۲۱] اور کتاب کی تحریر کے ساٹھ ستر سال بعد ان روایات کی صحت پر اعتراض کرنا کسی طرح بھی ان کی صحت و اصالت پر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہر اہلِ علم اور انصاف پسند انسان کے نزدیک ان روایات کو غلط ثابت کرنے کا بارِ ثبوت بہرحال اس شخص پر ہوگا۔ جو ان قدیم اور سید صاحب شہیدؒ کے قریب ترین زمانہ میں تحریر شدہ شہادتوں کے غلط ہونے کا ادّعا کرتا ہے۔ کیونکہ اگر ایسا نہ ہو تو پھر کسی بھی پُرانے واقعہ کا اثبات ممکن نہ رہے گا۔ مثلاً اگر کوئی معترض قرآن مجید۔ احادیث اور تاریخ اسلامی میں درج شدہ واقعات کا یہ کہکر انکار کردے کہ جب تک اصل گواہ اور ان کی شہادتیں میرے سامنے پیش نہ کی جائیں میں ان کی صحت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں اور یہ بھی کہے کہ ان روایات کو درست ثابت کرنے کا بارِ ثبوت اُس شخص پر ہے جو اُن روایات کو درست قرار دیتا ہے تو ہر اہلِ علم و عقل کے نزدیک ایسے معترض کا اعتراض درخورِ اعتنا نہ ہوگا۔ کیونکہ ان روایات کی صحت و اصالت پر اعتراض کرنے کا وقت وہ تھا

جب وہ احاطۂ تحریر میں لائی گئیں۔ لیکن اگر اُس وقت کسی شخص نے ان پر اعتراض نہیں کیا اور نہ اُن کے خلاف کوئی آواز اُٹھائی پھر ایک لمبا زمانہ گذر جانے کے بعد جبکہ اصل شواہد اور دستاویزات مُرورِ زمانہ کے باعث ناپید ہو چکی ہوں) اعتراض بے حقیقت ہو کر رہ جاتا ہے جب تک کہ ایسا معترض اپنی تائید میں ناقابلِ تردید ثبوت اور دلائل پیش نہ کرے۔ پس آج جبکہ حضرت سید احمد شہید اور حضرت اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہما کے یہ فتاویٰ جماعت احمدیہ کی تائید میں پیش کئے گئے ہیں کسی اختلافِ رائے رکھنے والے بزرگ کا اعتراض ہرگز قابلِ اعتناء قرار نہیں دیا جا سکتا۔ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری کی نسبت حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک اور سیرت نگار مولانا ابوالحسن صاحب ندوی لکھتے ہیں:۔

"سید صاحب کے بہت بڑے تذکرہ نگار اور واقفِ حال تھے۔ آپ سید صاحب کے خلفاء سے بیعت اور سید صاحب کے نہایت سچے اور پُرجوش معتقد تھے اور آپ کی کتاب (سوانح احمدی خادم) سب سے زیادہ مکمل اور مقبول و مشہور ہے۔" (سیرت سید احمد شہید صا و ص۲۳)

اسی طرح نواب صدیق حسن خاں صاحب بھوپالی لکھتے ہیں:۔

"سید احمد شاہ صاحب ساکن نصیر آباد بریلی میں ایک شخص تھے وہ کلکتہ گئے تھے اور ہزاروں مسلمان فوج انگریزی کے اُن کے مُرید ہو گئے۔ مگر انہوں نے کبھی یہ ارادہ ساتھ سرکار انگریزی کے ظاہر نہیں کیا اور نہ سرکار نے اُن سے کچھ تعرض کیا۔" (ترجمان وہابیہ ص۲۵)

اس شہادت سے یہ ثابت ہوا کہ جو کچھ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری نے لکھا وہ بالکل صحیح اور درست تھا۔

یاد رہے کہ حضرت سید احمد بریلویؒ اور سید اسمٰعیل شہید وہ بزرگ ہیں جو ہندوستان خیلِ مجاہدین کے سردار اور اول المجاہدین تھے۔ جنہوں نے یو۔ پی سے اُٹھ کر پنجاب کی سکھ حکومت کے خلاف سرحد پار کر کے افغانستان کی طرف سے حملہ آور ہو کر سالہا سال تلوار کے ساتھ جہاد کیا اور عین میدانِ جہاد میں شہید ہوتے انہوں نے سکھ حکومت کے خلاف یہ جہاد محض اس وجہ سے کیا کہ سکھ دین میں جبر کر رہے تھے۔ اس لئے اسلامی تعلیم کے رُو سے سکھوں کے خلاف عَلَمِ جہاد بلند کرنا ضروری تھا، لیکن ان ہر دو بزرگوں نے عمر بھر کبھی انگریزی حکومت کے ساتھ جہاد نہیں کیا۔ بلکہ اس کے برعکس صاف صاف لفظوں میں یہ فتویٰ دیا کہ:۔

(۱) "نہ با کسے از اُمرائِ مسلمین منازعت داریم۔ نہ از رؤسائے مومنین مخالفت۔ با کفارِ لیام مقابلہ داریم۔ نہ با مدعیانِ اسلام صرف باد رازمُوئیان جویان مقابلہ ایم۔ نہ با کلمہ گویان ونہ اسلام جویان۔ ونہ بہ سرکار انگریزی کہ اُو مسلمان رعایائے خود را برائے ادائے فرض مذہبی شان آزادی بخشیدہ است۔"

(مکتوب حضرت سید احمد بریلویؒ "سوانح احمدی" ص۱۱۵ مصنفہ مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری)

یعنی ہم کسی مسلمان امیر سے جنگ یا پیکار کرنا نہیں چاہتے صرف کفار لیئم سے مقابلہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم مدعیان اسلام سے بھی جنگ نہیں کرنا چاہتے صرف لمبے بالوں والوں (سکھوں) سے مقابلہ کرنے کے خواہشمند ہیں۔ کلمہ گویوں یا مسلمان کہلانے والوں یا سرکار انگریزی سے کہ جس نے اپنی مسلمان رعایا کو مذہبی فرائض کی

ادائیگی کے لئے کامل آزادی دے رکھی ہے۔ ہم جنگ نہیں کرنا چاہتے۔

یہ تیرہویں صدی کے مجدد کا فتویٰ ہے جس کو تمام اہلِ حدیث اور اہلِ سنت واہلِ دیوبند اوراحراری اپنا بزرگ خیال کرتے ہیں یہ ان کا اپنا تحریر فرمودہ فتویٰ ہے اس کے الفاظ "نا سرکار انگریزی کہ مسلمان رعایائے خود را براستہ اداے فرض مذہبی شان آزادی بخشیدہ است" دوبارہ ملاحظہ فرمائیں۔

کیا بعینہٖ یہ وہی فتویٰ نہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دیا ہے اور جس کی بناء پر آپ کو جہاد کا منکر قرار دیا جا رہا ہے ؟ پس انگریزی حکومت کے خلاف عدم جہاد بالسیف کے فتویٰ میں حضرت مرزا صاحب منفرد نہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ حضرت سید احمد بریلوی شہید رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل ہیں۔ پس اگر گورنمنٹ انگریزی کے ساتھ تلوار کے ساتھ جہاد کرنے کی ممانعت کا فتویٰ آپ کے نزدیک "بذاتِ خود کفر ہے" تو

ع۔ ایں گناہیست کہ در شہر شما نیز کنند

(ب) حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے مندرجہ بالا مکتوب کے علاوہ آپ کا تفصیلی فتویٰ دربارۂ ممانعت جہاد ملاحظہ فرمائیں۔ لکھا ہے :-

"جب آپ رحمۃ اللہ علیہ سکھوں سے جہاد کرنے تشریف لے جاتے تھے، کسی شخص نے آپؒ سے پوچھا کہ آپؒ اتنی دُور سکھوں پر جہاد کرنے کو کیوں جاتے ہو۔ انگریز پر جو اس ملک پر حاکم ہیں اور دینِ اسلام سے کیا منکر نہیں ہیں۔ گھر کے گھر میں اُن سے جہاد کر کے ملک ہندوستان لے لو۔ یہاں لاکھوں آدمی آپ کا شریک اور مددگار ہو جائیگا کیونکہ سینکڑوں کوس سفر کر کے سکھوں کے ملک سے پار ہو کر افغانستان جانا اور وہاں برسوں رہ کر سکھوں سے جہاد کرنا یہ ایک ایسا امر محال ہے جس کو ہم لوگ نہیں کر سکتے۔ سید صاحب نے جواب دیا کہ :

کسی کا ملک چھین کر ہم بادشاہت کرنا نہیں چاہتے۔ انگریزوں کا یا سکھوں کا ملک لینا ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ سکھوں سے جہاد کرنے کی قدرتی یہ وجہ ہے کہ وہ ہمارے برادرانِ اسلام پر ظلم کرتے ہیں۔ اور اذان وغیرہ فرائض مذہبی کو ادا کرنے سے مزاحم ہوتے ہیں اور سرکار انگریزی گو منکر اسلام ہے مگر مسلمانوں پر کچھ ظلم اور تعدی نہیں کرتی۔ اور نہ ان کو فرض مذہبی اور عبادت لازمی سے روکتی ہے ہم ان کے ملک میں علانیہ وعظ کہتے ہیں اور ترویج مذہب کرتے ہیں۔ وہ کبھی مانع اور مزاحم نہیں ہوتی بلکہ اگر کوئی ہم پر زیادتی کرتا ہے تو اس کو سزا دینے کے لئے تیار ہے ہمارا اصل کام اشاعت توحیدِ الٰہی اور احیاء سُننِ سید المرسلین ہے سو ہم بلا روک ٹوک اس ملک میں کرتے ہیں۔ پھر ہم سرکار انگریزی پر کس سبب سے جہاد کریں اور خلاف اصولِ مذہب طرفین کا خون بلا سبب گراویں۔

یہ جواب باصواب سُن کر سائل خاموش ہو گیا اور اصل غرض جہاد کی سمجھ لی۔"

(سوانح احمدی ص۵۷)

(ج) "سید صاحب ہر گھڑی اور ہر ساعت جہاد اور قتال کا ارادہ کرتے رہتے تھے اور سرکار انگریزی گو کافر تھی مگر اس کی مسلمان رعایا کی آزادی اور سرکار انگریزی کی بے رُو ورعایائی اور بوجہ موجودگی حالات کے

ہماری شریعت کے شرائط سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کو مانع تھیں اس واسطے ان کو منظور ہوا کہ اقوام سکھ پنجاب پر جو نہایت ظالم اور احکامات شریعت کی حارج اور مانع تھیں جہاد کیا جاتے۔"
(سوانح احمدی صفحہ ۴۵)

(د) یہ تو تھا فتویٰ حضرت سید احمد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا اب آپ کے خلیفہ حضرت سید اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ بھی ملاحظہ فرمائیں۔ لکھا ہے:۔
"اثناء قیام کلکتہ میں جب ایک روز مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید وعظ فرما رہے تھے ایک شخص نے مولانا سے یہ فتویٰ پوچھا کہ سرکار انگریزی پر جہاد کرنا درست ہے یا کہ نہیں؟
اس کے جواب میں مولانا نے فرمایا کہ ایسی بے روو ریاء اور غیر متعصب سرکار پر کسی طرح بھی جہاد کرنا درست نہیں ہے اس وقت پنجاب کے سکھوں کا ظلم اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ ز لازم ہے کہ) ان پر جہاد کیا جائے۔"
(سوانح احمدی صفحہ ۵۷)

(ھ) "سید صاحب (سید احمد بریلوی) کا سرکار انگریزی سے جہاد کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں تھا وہ اس آزاد عملداری کو اپنی ہی عمل داری سمجھتے تھے۔" (سوانح احمدی صفحہ ۱۳۹)

مندرجہ بالا فتاویٰ کو پڑھنے کے بعد ہر صاحب انصاف سمجھ سکتا ہے کہ انگریزی حکومت کے خلاف جہاد بالسیف نہ کرنے کا حکم ایسا ہے جس پر تیرھویں اور چودھویں صدی کے مجددین کا اتفاق ہے پھر اس کے خلاف اگر کوئی دوسرا شخص معترض ہو تو اس کے اعتراض کو کیا وقعت دی جاسکتی ہے؟

پھر یاد رہے کہ حضرت سید احمد بریلویؒ اور حضرت مولانا محمد اسمٰعیل شہید وہ بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی زندگیاں جہاد بالسیف کیلئے وقف کردی ہوئی تھیں وہ سکھوں کے خلاف علم جہاد بلند کرتے ہوئے "مِنۡهُمۡ مَّنۡ قَضٰى نَحۡبَهٗ" (الاحزاب: ۲۴) کے مصداق ہوکر میدان جہاد میں شہید ہوگئے۔ اس لیے ان بزرگان نے حکومت انگریزی کے خلاف تلوار نہ اٹھانے کا جو فتویٰ صادر کیا اس کی صحت اور درستی میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔

حضرت مرزا صاحبؑ کا فتویٰ

حضرت مرزا صاحبؑ نے ممانعت جہاد کا جو فتویٰ دیا ہے وہ بعینہٖ وہی ہے جو حضرت سید احمد بریلویؒ اور ان کے خلیفہ سید اسمٰعیل شہیدؒ نے دیا تھا اور آپ کے بھی بعینہٖ وہی دلائل ہیں جو ان بزرگان کے ہیں۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

ا۔ "نادان مولوی نہیں جانتے کہ جہاد کے واسطے شرائط ہیں۔ سکھا شاہی لوٹ مار کا نام جہاد نہیں اور رعیت کو اپنی محافظ گورنمنٹ کے ساتھ کسی طور سے جہاد درست نہیں۔" (تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۹۴)

ب۔ پھر فرماتے ہیں:۔
"بعض نادان مجھ پر اعتراض کرتے ہیں۔ جیسا کہ صاحب المنار نے بھی کیا ہے کہ یہ شخص انگریزوں کے ملک میں

رہتا ہے۔ اس لیے جہاد کی ممانعت کرتا ہے۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ اگر مَیں جھوٹ سے اس گورنمنٹ کو خوش کرنا چاہتا تو مَیں بار بار کیوں کہتا۔ کہ عیسیٰ بن مریم صلیب سے نجات پاکر اپنی طبعی موت سے بمقام سرینگر مرگیا۔ اور نہ وہ خدا تھا۔ نہ خدا کا بیٹا۔ کیا انگریز مذہبی جوش رکھنے والے میرے اس فقرہ سے مجھ سے بیزار نہیں ہو گئے۔ پس سنو اے نادانو! مَیں اس گورنمنٹ کی کوئی خوشامد نہیں کرتا۔ بلکہ اصل بات یہ ہے کہ ایسی گورنمنٹ سے جو دینِ اسلام اور دینی رسوم پر کچھ دست اندازی نہیں کرتی۔ اور نہ اپنے دین کو ترقی دینے کے لیے ہم پر تلوار چلاتی ہے۔ قرآنِ شریف کی رُو سے مذہبی جنگ کرنا حرام ہے۔ کیونکہ وہ کوئی مذہبی جہاد نہیں کرتی۔" (کشتی نوح حاشیہ ص۶۸ طبع اوّل)

ج۔ پھر فرماتے ہیں:۔

" جاننا چاہیئے کہ قرآن شریف یوں ہی لڑائی کے لیے حُکم نہیں فرماتا۔ بلکہ صرف ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کا حکم فرماتا ہے جو خدا تعالیٰ کے بندوں کو اس پر ایمان لانے سے روکیں اور اس بات سے روکیں کہ وہ خدا تعالیٰ کے حکموں پر کاربند ہوں اور اُس کی عبادت کریں۔۔۔۔۔۔ اور ان لوگوں کے ساتھ لڑنے کیلئے حُکم فرماتا ہے جو مسلمانوں سے بے وجہ لڑتے ہیں اور مومنوں کو ان کے گھروں اور وطنوں سے نکالتے ہیں اور خلق اللہ کو جبراً اپنے دین میں داخل کرتے ہیں اور دین اسلام کو نابود کرنا چاہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر خُدا تعالیٰ کا غضب ہے اور مومنوں پر واجب ہے جو ان سے لڑیں اگر وہ باز نہ آویں۔"

(نور الحق حصہ اوّل ص۴۵ طبع اوّل)

د۔ "شریعت اسلام کا یہ واضح مسئلہ ہے جس پر تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ ایسی سلطنت سے لڑائی اور جہاد کرنا جس کے زیر سایہ مسلمان لوگ امن اور عافیت اور آزادی سے زندگی بسر کرتے ہیں۔۔۔۔ قطعی حرام ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد ۱ ص۶۵)

ہ۔ "اس زمانے کے نیم مُلا فی الفور کہہ دیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبراً مسلمان کرنے کے لیے تلوار اُٹھائی تھی اور ان ہی شبہات میں ناسمجھ پادری گرفتار ہیں۔ مگر اس سے زیادہ کوئی جھوٹی بات نہیں ہوگی کہ یہ جبر اور تعدی کا الزام اُس دین پر لگایا جائے جس کی پہلی ہدایت یہی ہے کہ

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ

یعنی دین میں جبر نہیں چاہیئے بلکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بزرگ صحابہ کی لڑائیاں یا تو اس لیے تھیں کہ کفار کے حملہ سے اپنے تئیں بچایا جائے اور یا اس لئے تھیں کہ امن قائم کیا جائے اور جو لوگ تلوار سے دین کو روکنا چاہتے ہیں۔ ان کو تلوار سے پیچھے ہٹایا جائے مگر اب کون مخالفوں میں سے دین کے لیے تلوار اُٹھاتا ہے اور مسلمان ہونے والے کو کون روکتا ہے اور مساجد میں نماز پڑھنے اور بانگ دینے سے کون منع کرتا ہے۔ پس اگر ایسے امن کے وقت میں ایسا مسیح ظاہر ہو کہ وہ امن کی قدر نہیں کرتا۔ بلکہ خواہ نخواہ مذہب کے لیے تلوار سے لوگوں کو قتل کرنا چاہتا ہے تو مَیں خدا تعالیٰ کی قسم کھا کر

کہتا ہوں کہ بلاشبہ ایسا شخص جھوٹا۔ کذاب مفتری اور ہرگز سچا مسیح نہیں مجھے تم خواہ قبول کرو یا نہ کرو مگر میں تم پر رحم کر کے تمہیں سیدھی راہ بتلاتا ہوں کہ ایسے اعتقاد میں سخت غلطی پر ہو لاٹھی اور تلوار سے ہرگز ہرگز دین دلوں میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور آپ لوگوں کے پاس ان بیہودہ خیالات پر دلیل بھی کوئی نہیں۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب نزول عیسیٰ ابن مریم میں مسیح موعودؑ کی شان میں صاف حدیث موجود ہے کہ "یَضَعُ الْحَرْبَ" یعنی مسیح موعودؑ لڑائی نہیں کریگا۔ تو پھر کیسے تعجب کی بات ہے۔ کہ ایک طرف تو آپ لوگ اپنے مُنہ سے کہتے ہیں کہ صحیح بخاری قرآن شریف کے بعد اصح الکتب ہے اور دوسری طرف صحیح بخاری کے مقابل پر ایسی حدیثوں پر عقیدہ کر بیٹھتے ہیں کہ جو صریح بخاری کی حدیث کے منافی پڑی ہیں۔ چاہیئے تھا کہ اگر کروڑ ایسی کتاب ہوتی تب بھی اس کی پرواہ نہ کرتے کیونکہ ان کا مضمون نہ صرف صحیح بخاری کی حدیث کے منافی بلکہ قرآن شریف سے بھی صریح مخالف ہے۔"

(تریاق القلوب ایڈیشن اول ص۱۱ چھوٹی تقطیع)

د۔ "تمام سچے مسلمان جو دُنیا میں گذرے کبھی اُن کا یہ عقیدہ نہیں ہوا کہ اسلام کو تلوار سے پھیلانا چاہیئے بلکہ ہمیشہ اسلام اپنی ذاتی خوبیوں کی وجہ سے دُنیا میں پھیلا ہے۔ پس جو لوگ مسلمان کہلا کر صرف یہی بات جانتے ہیں کہ اسلام کو تلوار سے پھیلانا چاہیئے وہ اسلام کی ذاتی خوبیوں کے معترف نہیں ہیں اور اُن کی کارروائی درندوں کی کارروائی سے مشابہ ہے۔"

(تریاق القلوب حاشیہ ص۳۵ ایڈیشن دوم وص۲۱ حاشیہ طبع اوّل)

کیا ان عبارتوں سے صاف طور پر ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت مرزا صاحب اپنے وقت میں "حرمت جہاد" کا فتویٰ قرآن مجید اور حدیث نبویؐ کی بناء پر دے رہے ہیں نہ کہ اسلامی حکم کو منسوخ قرار دے کر؟

علاوہ ازیں تریاق القلوب کے مؤخر الذکر حوالجات سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے جس نظریۂ جہاد کی مخالفت فرمائی ہے وہ غیر مسلموں کو جبراً مسلمان بنانے کا وہ غلط تصوّر ہے جو مولوی ابوالاعلیٰ مودودی جیسے علماء کہلانے والے ابتدا سے لوگوں کے سامنے پیش کرتے چلے آتے ہیں اور جن کا ذکر مضمون ہذا کی ابتدائی سطور میں کسی قدر تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔

ز۔ پھر حضرت مرزا صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہم نے سارا قرآن شریف تدبّر سے دیکھا مگر نیکی کی جگہ بدی کرنے کی تعلیم کہیں نہیں پائی ہاں یہ سچ ہے کہ اس گورنمنٹ کی قوم مذہب کے بارے میں نہایت غلطی پر ہے وہ اس روشنی کے زمانے میں ایک انسان کو خدا بنا رہے ہیں اور عاجز مسکین کو ربّ العالمین کا لقب دے رہے ہیں مگر اس صورت میں تو وہ اور بھی رحم کے لائق اور راہ دکھانے کے محتاج ہیں کیونکہ وہ بالکل صراط مستقیم کو بھول گئے اور دُور جا پڑے ہیں ہمکو چاہیئے کہ ان کے لیے جناب الٰہی میں دُعا کریں کہ اے خداوند قادر ذوالجلال انکو ہدایت بخش اور انکے دلوں کو توحید کے لیے کھولدے اور سچائی کی طرف پھیر دے تا وہ تیرے سچے اور کامل نبی اور تیری کتاب کو شناخت کر لیں اور دینِ اسلام اُن کا مذہب ہو جاوے، ہاں پادریوں کے فتنے حد سے بڑھ گئے

ہیں اور اُن کی مذہبی گورنمنٹ ایک بہت شور ڈال رہی ہے مگر ان کے فتنے تلوار کے نہیں ہیں قلم کے فتنے ہیں سو اے مسلمانو! تم بھی قلم سے انکا مقابلہ کرو۔ خدا تعالیٰ کا منشاء قرآن شریف میں صاف پایا جاتا ہے کہ قلم کے مقابل پر قلم ہے اور تلوار کے مقابل پر تلوار۔ مگر کہیں نہیں سُنا گیا کہ کسی عیسائی پادری نے دین کے لئے تلوار بھی اُٹھائی۔ پھر تلوار کی تدبیریں کرنا۔ قرآن کریم کو چھوڑنا ہے۔" (تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۹۳)

کیا مرزا صاحب نے قیامت تک جہاد کو منسوخ کیا

پس اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے یہ فتویٰ دیا ہے کہ مَیں قرآن مجید کی آیات دربارۂ جہاد بالسیف کو منسوخ کرتا ہوں اور یہ حکم دیتا ہوں کہ اب خواہ دین میں جبر ہو اور مخالفین اسلام دین کے خلاف تلوار اُٹھائیں پھر بھی ان کے ساتھ جہاد بالسیف حرام ہے تو ہم اس کو چیلنج کرتے ہیں کہ حضرت مرزا صاحب یا آپ کے کسی خلیفہ کی کسی تحریر سے اس مضمون کا کوئی ایک حوالہ ہی پیش کرے۔ حضرت مرزا صاحب نے ہرگز قرآن مجید کے کسی حکم کو منسوخ نہیں کیا۔ نہ آپ ایسا کر سکتے تھے۔ آپ کا دعویٰ تو یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر یہ وحی ہوئی ہے۔" يُحْيِ الدِّيْنَ وَيُقِيْمُ الشَّرِيْعَةَ (تذکرہ ایڈیشن ۲ صفحہ) کہ مسیح موعود کو اس لیے بھیجا گیا ہے کہ وہ احیاء دین اور اقامت شریعت... کرے۔

پس آپ نے ہرگز کسی اسلامی حکم کو منسوخ نہیں کیا۔ آپ تو ناسخ والمنسوخ فی القرآن کے بھی قائل نہ تھے۔ حالانکہ تمام غیر احمدی علماء اب تک ناسخ ومنسوخ فی القرآن کا مسئلہ مانتے ہیں۔

احمدی جماعت ہرگز جہاد کو منسوخ نہیں سمجھتی۔ نہ سیفی جہاد کی منکر ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اگر دین میں جبر ہو اور اسلام کے خلاف تلوار اُٹھائی جائے تو جہاد بالسیف فرض ہو جاتا ہے اور جس وقت تحقق شرائط کے باعث جہاد فرض ہو جائے۔ پھر اُس میں کوتاہی کرنے والا قابل مؤاخذ ہوتا ہے۔ اس بارے میں حضرت مرزا صاحب کی تحریرات کے حوالے قبل ازیں نقل کئے جا چکے ہیں۔ پس اصل سوال یہ نہیں کہ مرزا صاحب نے کیا فی الواقعہ جہاد کو منسوخ کیا بلکہ سوال یہ ہے کہ کیا فی الحقیقت حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں انگریزی حکومت کے خلاف جہاد بالسیف کرنا از روئے تعلیم اسلام فرض تھا یا نہیں۔ کیا مرزا صاحب کے زمانہ میں جہاد بالسیف کی شرائط موجود تھیں یا نہیں؟ اگر شرائط موجود نہیں تھیں تو جہاد بالسیف یقیناً فرض نہیں تھا۔ پھر حضرت مرزا صاحب پر کوئی اعتراض نہیں رہتا۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب کا فتویٰ درست تھا۔ لیکن اگر یہ کہا جائے کہ اُس زمانہ میں شرائطِ جہاد متحقق تھیں اور جہاد بالسیف فرض تھا۔ تو اس کے جواب میں حضرت سید احمد بریلویؒ اور حضرت سید اسمٰعیل شہیدؒ کے فتاویٰ اوپر نقل کئے جا چکے ہیں۔ ان کی تائید میں اہلحدیث کے ایک بہت بڑے رہنما نواب نورالحسن خانصاحب آف بھوپال کا فتویٰ جو انہوں نے انگریزی حکومت کے خلاف جہاد کے بارے میں اپنی مشہور ومعروف کتاب " اقتراب الساعۃ" ۱۸۹۳ء میں تحریر کیا۔ درج کیا جاتا ہے:-

" اس تیرہ سو برس میں کوئی ایسا فتنہ نہیں ہوا جس کی خبر حدیث میں اوّل سے درج نہ ہو۔ جو لوگ اس علم

سے ناواقف ہیں۔ وہی فتویٰ جہاد کا ہر فتنہ کے حق میں دیتے ہیں۔ ورنہ دُنیا میں مدت سے صورت جہاد کی پائی نہیں جاتی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ حکم جہاد کا اسلام میں نہیں ہے یا تھا مگر اب منسوخ ہوگیا ہے۔ بلکہ یہ کہتے ہیں کہ اس زمانے کی لڑائی بھڑائی خواہ مسلمان و کافر میں ہو۔ یا! ہم مسلمانوں کے مشکل ہے جہادِ شرعی ٹھہر سکے۔" (اقتراب الساعۃ صث)

لیکن اگر احراری معترضین کے لئے یہ فتاوے تسلی بخش نہ ہوں تو پھر ایک اور سوال پیدا ہوتا ہے جس کا حل کرنا ضروری ہوگا۔

فیصلہ کا آسان طریق

حدیث شریف میں ہے کہ "لَا یُجْمِعُ اُمَّتِیْ عَلٰی ضَلَالَۃٍ" یعنی میری اُمت کبھی گمراہی پر اجماع نہیں کرسکتی۔ (ترمذی باب فی لزوم الجماعۃ مطبع الاسلام دہلی ص۳۶)

پھر صحیحین کی حدیث "لَا یَزَالُ ..... اُمَّتِیْ قَائِمَۃً بِاَمْرِ اللّٰہِ (مشکوٰۃ باب ثواب ہذہ الامۃ مطبع اصح المطابع ص۵۸۳) یہ حدیث لَا یَزَالُ طَائِفَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْصُوْرِیْنَ لَا یَضُرُّھُمْ مَنْ خَذَلَھُمْ حَتّٰی یَقُوْمَ السَّاعَۃُ (ترمذی کتاب الفتن: باب وحدیث بحوالہ مشکوٰۃ ص۵۸۴) کہ قیامت تک میری اُمت میں ہر وقت اور ہر زمانہ میں ایک گروہ حق پر قائم رہنے والوں کا موجود رہیگا۔ جو اسلامی تعلیم پر صحیح طور پر عمل کرنے والا ہوگا۔

نیز حدیث بخاری لَا یَزَالُ طَائِفَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ ظَاھِرِیْنَ عَلَی الْحَقِّ (بخاری کتاب الاعتصام بالکتاب والسنّۃ باب ہذا جلد ۴ ص۱۸۹ مصری)

قرآن مجید کی آیت کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ" (التوبہ: ۱۱۹) سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ صادقین کا گروہ ہر وقت دُنیا میں موجود رہتا ہے جن کی معیت کا ہر طالب حق کو حکم دیا گیا۔

ابو داؤد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:۔ لَا تَزَالُ طَائِفَۃٌ مِنْ اُمَّتِیْ عَلَی الْحَقِّ

(ابو داؤد جلد ۲ کتاب الفتن ص۱۰۰ مطبع نول کشور)

پھر ایک اور حدیث میں ہے:۔ تَفْتَرِقُ اُمَّتِیْ عَلٰی ثَلَاثٍ وَّسَبْعِیْنَ مِلَّۃً کُلُّھُمْ فِی النَّارِ اِلَّا مِلَّۃً وَّاحِدَۃً وَقَالُوْا مَنْ ھُمْ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ

(مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنّۃ مطبع اصح المطابع ص۳۰)

کہ میری اُمت کے تہتر فرقے ہونگے۔ وہ سب ناری ہونگے۔ سوائے ایک فرقہ کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! جنتی فرقہ کون ہے؟ تو حضورؐ نے فرمایا۔ وہ فرقہ وہ ہوگا جو میرے اور میرے اصحاب کے نقشِ قدم پر چلنے والا ہوگا۔

قرآن مجید اور احادیث کے مندرجہ بالا حوالجات سے قطعی طور پر یہ ثابت ہے کہ قیامت تک ہر وقت اور ہر زمانہ میں سچے اور خالص مسلمانوں کی کوئی نہ کوئی جماعت ضرور مسلمانوں میں موجود رہے گی۔

اس وقت یہ بحث نہیں کہ زمانہ زیر بحث میں وہ جماعت کونسی تھی؟ بہر حال یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں کوئی نہ کوئی جماعت موجود ضرور تھی۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں حکومت انگریزی کے خلاف جہاد بالسیف فرض تھا اور شریعت اسلامی کے رو سے ایسے جہاد کی شرائط متحقق تھیں۔ تو پھر اُس "جنتی فرقہ" اور اُس حق پر قائم ہونے والی جماعت نے کیوں انگریزوں کے خلاف "جہاد" نہ کیا اور تمام اُمتِ محمدیہ کا اِس "ضلالت" پر کیونکر "اجماع" ہوگیا؟ جیسا کہ مولوی ظفر علی آف زمیندار" لکھتے ہیں:۔

"جہاد یہی نہیں کہ انسان تلوار اُٹھا کر میدانِ جنگ میں نکل کھڑا ہو۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ تقریر سے تحریر سے۔ سفر حضر ہر طرح سے جد وجہد کرے۔ ہندوستانیوں کا اُصول جہاد بے تشدد جدوجہد ہے اس پر تمام ہندوستانیوں کا اتفاق ہے۔" (اخبار زمیندار ۱۴ جون ۱۹۳۶ء)

پس حضرت مرزا صاحب کے زمانہ میں مسلمانوں کے کسی ایک فرقہ کا بھی انگریزوں کے ساتھ جہاد بالسیف نہ کرنا اس بات کی ناقابل تردید دلیل ہے کہ اس زمانہ میں فی الواقعہ جہاد بالسیف فرض نہ تھا۔ کیونکہ یہ سب فرقوں کو مسلّم ہے کہ جس وقت جہاد بالسیف فرض ہوجاتے۔ اُس وقت جہاد سے (سوائے بیمار بوڑھے اور معذور کے) تخلّف کرنے والا گمراہ اور جہنمی ہوتا ہے اور کبھی ناجی نہیں ہوسکتا۔ پس یا تو تمام اسلامی فرقوں کو جن میں اہلحدیث۔ اہلسنت اور شیعہ سب شامل ہیں خارج از اسلام قرار دیں۔ کیونکہ انہوں نے فریضۂ جہاد سے اُس وقت تخلف کیا۔ جبکہ از روئے قرآن مجید اُن پر جہاد بالسیف فرض تھا اور یا یہ تسلیم کریں کہ حضرت مرزا صاحب کا فتویٰ دربارہ ممانعتِ جہاد درست تھا اور مَیں سمجھتا ہوں کہ آخر الذکر نتیجہ ہی صحیح ہے۔ کیونکہ ممانعتِ جہاد کے فتوے کی بنا پر مرزا صاحب علیہ السلام کو کافر کہتے کہتے تمام عالم اسلامی کو خارج از اسلام تسلیم کرنا پڑتا ہے۔

مسئلہ جہاد کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں

یہ امر بھی واضح کر دینا ضروری ہے کہ مسئلہ جہاد کے بارے میں اس وقت احمدی جماعت اور غیر احمدی حضرات کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے کہ:۔

ع "عیسیٰ مسیح کر دیگا جنگوں کا التوا"

(تحفہ گولڑویہ صٓ۲۷ چھوٹی تقطیع طبع اول)

اِس میں جہاد بالسیف ایک وقت تک "ملتوی" کرنے کا اعلان کیا گیا ہے اور ایک دوسرے مقام پر تحریر فرمایا:۔

"اِس زمانہ میں جہاد روحانی صورت سے رنگ پکڑ گیا ہے اور اس زمانہ کا جہاد یہی ہے کہ اعلائے کلمۂ اسلام میں کوشش کریں۔ مخالفوں کے الزامات کا جواب دیں۔ دین متین اسلام کی خوبیاں دُنیا میں پھیلائیں یہی جہاد ہے جبتک کہ خدا تعالیٰ کوئی دوسری صورت دُنیا میں ظاہر کرے۔" (مکتوب بنام میر ناصر نواب صاحب

منذرجہ رسالہ درود شریف صفحہ ۱۶۶ مؤلفہ حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب ہلال پوری)

حضرت امام جماعت احمدیہ کا اعلانِ دربارہ "جہاد"

یہاں پر یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ اس امر کا علم کیونکر ہو گا کہ اب "التوا" کا زمانہ ختم ہو چکا ہے اور یہ کہ اب جہاد کی "دوسری صورت" ظاہر ہو چکی ہے ؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد سلسلۂ خلافت موجود ہے اور یہ کام اب خلیفۂ وقت کا ہے کہ وہ اس "التوا" کے زمانہ کے ختم ہونے کا اعلان کرے۔ چنانچہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے مجلس شوریٰ جماعتِ احمدیہ منعقدہ ستمبر ۱۹۴۷ء بمقام رتن باغ لاہور میں تمام نمائیندگان جماعتہائے احمدیہ کے سامنے اعلان فرمایا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس تلوار کے جہاد کے "التوا" کا اعلان حسب ارشادِ نبویؐ یَضَعُ الْحَرْبَ (بخاری) فرمایا تھا۔ اب اس "التوا" کا زمانہ ختم ہو رہا ہے اور جماعت احمدیہ کے افراد کو چاہیئے کہ وہ تلوار کے جہاد کے لئے تیاری کریں تاکہ جب وقتِ جہاد آئے تو سب اُس میں شمولیت کے قابل ہوں پھر اس کے بعد جب محاذِ کشمیر پر عملاً جنگ کرنے کا وقت آیا۔ تو مولوی ابوالاعلیٰ مودودی اور دوسرے علماء کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہو گیا۔ کہ آیا کشمیر کی جنگِ آزادی شرعاً جہاد ہے یا نہیں۔ مولوی ابوالاعلیٰ مودودی نے کہا کہ یہ جہاد نہیں۔ اسی طرح احراری لیڈر سید عنایت اللہ شاہ بخاری خطیب مسجد کالری گیٹ گجرات نے بھی کہا کہ جو لوگ محاذِ کشمیر پر جا رہے ہیں "حرام موت" مر رہے ہیں لیکن جماعت احمدیہ نے بجائے اس اصطلاحی بحث میں پڑ کر وقت ضائع کرنے کے فی الفور میدانِ عمل میں آ کر اس محاذ پر "فرقان فورس" کی شکل میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور یہ ثابت کر دیا کہ جب بھی ملک وملت کے لئے تلوار کے ساتھ جنگ کرنے کا وقت آئے جماعت احمدیہ احراریوں کی طرح "زبانی جمع خرچ" نہیں کرتی بلکہ اس میں عملاً حصہ لیتی ہے اور درحقیقت یہی وہ عملی فضیلت ہے جو جماعت احمدیہ کو اپنے مخالفین پر حاصل ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ جماعت احمدیہ کے افراد نے "فرقان فورس" کی تنظیم کے ماتحت محاذِ جنگ میں محض رضاکارانہ طور پر حصہ لیا۔ کسی قسم کی تنخواہ حکومت سے وصول نہیں کی۔ بلکہ ہزاروں احمدی نوجوان اپنے اپنے کاروبار چھوڑ چھاڑ کر رضاکارانہ طور پر محاذِ جنگ پر گئے۔ حکومت پاکستان اور پاکستان کی بہترین خدمات سرانجام دیتے رہے۔ اُنکی ان شاندار خدمات کے لیے پاکستانی افواج کے کمانڈر انچیف اور دیگر ذمہ وار حکامِ پاکستان نے جماعت احمدیہ کا خاص طور پر شکریہ ادا لیا۔ فالحمد للّٰہ علیٰ ذالك۔

حضرت امام جماعت احمدیہ ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے صرف مجلسِ شوریٰ ہی کے موقعہ پر اس "التوا" کے بارے میں اعلان نہیں فرمایا بلکہ مابعد اپنے کلام میں بھی اس کا ذکر فرمایا جو الفضل میں شائع ہو چکا ہے حضور فرماتے ہیں ؎

ہو چکا ہے ختم اب چکر تری تقدیر کا — سونے والے اُٹھ کہ وقت آیا ہے اب تدبیر کا
کاغذی جامے کو پھینک اور آہنی زرہیں پہن — وقت اب جاتا رہا ہے شوخیٔ تحریر کا
مدتوں کھیلا گیا ہے لعل و گوہر سے عدو — اَب دکھا دے تو ذرا جوہر اُسے شمشیر کا
پیٹ کے دھندوں کو چھوڑ اور قوم کے فکروں میں پڑ — ہاتھ میں شمشیر لے عاشق نہ بن کفگیر کا

ہو چکی مشقِ ستم اپنوں کے سینوں پر بہت
اب ہو دشمن کی طرف رُخ خنجر و شمشیر کا

(اخبار الفضل جلد ۲ لاہور پاکستان ۱۴؍ جولائی ۱۹۴۸ء)

غرضیکہ اب اس مسئلہ کے بارے میں قطعاً کوئی اختلاف باقی نہیں ہے۔ مگر افسوس ہے کہ احراری اور اُن کے ہم نوا اب تک محض عوام کو دھوکہ دیکر جماعت احمدیہ کے خلاف مشتعل کرنے کی غرض سے جماعت احمدیہ پر یہ جھوٹا الزام لگاتے چلے جاتے ہیں کہ نعوذ باللہ جماعت احمدیہ جہاد کی منکر ہے۔

محاذِ کشمیر پر احمدی نوجوان اور احراری بوکھلاہٹ

پھر یہ عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو احراری فتنہ پرداز ہمارے خلاف یہ جھوٹا پروپیگنڈا کرتے ہیں کہ یہ لوگ جہاد کے منکر ہیں۔ مگر دوسری طرف جب جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کو عملاً برسر پیکار دیکھتے ہیں تو یوں گوہر افشاں ہوتے ہیں:۔

"مَیں اِن مرزائیوں سے پوچھتا ہوں۔ جب کشمیر کی حسین وادی ڈوگرہ شاہی کے پنجہ استبداد کا شکار تھی اس خطہ کشمیر جنت نظیر کی عزت و آبرو لوٹی جا رہی تھی۔ ہندوستان اور کشمیری مسلمانوں کے درمیان معرکۃ الآرا جنگ جاری تھی۔ اسلام اور کُفر کی ٹکر تھی اُس وقت مرزائی کشمیر میں کس پوزیشن سے تشریف لے گئے تھے؟ ...... جب کہ دُنیائے اسلام کے تمام جلیل القدر علماء، اور حجاز سے لیکر پاکستان کے آخری کونے تک کے تمام مفتیانِ دین نے واضح الفاظ میں جہاد کشمیر کے سلسلہ میں فتوے صادر کئے بیانات اور تقریروں کے ذریعہ اس جہاد کی اہمیت بیان کی تو کیا اُس وقت اُمتِ مرزائیہ کے موجودہ ڈکٹیٹر مرزا بشیر الدین صاحب محمود نے مرزا غلام احمد کے اس خلافِ جہاد فتوے کی تردید کرتے ہوئے مرزائی جماعت کے اراکین کی غلط فہمی دُور کی؟"

"جب مرزائیوں کے نام نہاد نبی نے ہمیشہ کے لئے جہاد کو حرام قرار دیدیا ہے تو کیا کشمیر میں محض مسلمانوں کی آنکھوں میں دُھول جھونکنے اور انہیں دھوکا دینے کی غرض سے تشریف لے گئے تھے؟"

{تقریر شیخ حسام الدین احراری ملتان کانفرنس دیکھو "آزاد" کا کانفرنس نمبر ۲۶ دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱۰ کالم ۴}

جہاں تک جماعت احمدیہ کی پوزیشن کا تعلق ہے وہ تو اوپر واضح کی جا چکی ہے کہ احمدی جماعت ہرگز جہاد کی منکر نہیں ہے اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بانی سلسلہ احمدیہ نے "ہمیشہ کے لئے جہاد کو حرام قرار دیا" یہ محض احمدی جماعت پر بہتان ہے جس کی احمدی جماعت سابقہ پچاس سال سے تردید کرتی چلی آئی ہے۔ مگر احراری افتراء پردازی بدستور جاری ہے۔

اوپر حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (موجودہ امام جماعت احمدیہ) کے ارشادات اور اعلان بھی درج ہو چکے ہیں جن میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ اب وہ "التواء" کا زمانہ ختم ہو رہا ہے۔ اس لئے اب احمدی جماعت اگر کسی جہاد میں شریک ہوتی ہے تو وہ احمدیت کی تعلیم کے عین مطابق ہے۔

احراریوں سے ایک سوال

البتہ حسام الدین احراری کے مندرجہ بالا اعلان کی بناء پر ایک حل طلب سوال پیدا ہوتا ہے۔ اور وہ یہ کہ یہ تو آپ نے تسلیم کر لیا ہے کہ "جبکہ دنیائے اسلام کے تمام جلیل القدر علماء اور حجاز سے لیکر پاکستان کے آخری کونے تک کے تمام مفتیانِ دین نے واضح الفاظ میں جہاد کشمیر کے سلسلہ میں فتوے صادر کئے بیانات اور تقریروں کے ذریعہ اس جہاد کی اہمیت بیان کی"۔ تو احمدی جماعت کے نوجوان محاذِ کشمیر پر پہنچ گئے اور مہاراجہ کی فوجوں کے خلاف نبرد آزما ہوئے، لیکن سوال یہ ہے کہ "اسلام کے ان تمام جلیل القدر علماء" کے فتاویٰ کا مجلسِ احرار اور ان کے امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری پر کیا اثر ہوا؟ کیا مجلس احرار نے "جیوشِ احرار" محاذِ کشمیر پر بھیجے؟ کیا اُن کے امیر شریعت نے ان "جلیل القدر علماء" کے فتاویٰ کے ساتھ عملاً اظہارِ اتفاق کیا؟ ۱۹۵۰ء کے سیلاب کے موقعہ پر جس طرح احراری اخبار "آزاد" کے کالم کے کالم احراری رضاکاروں کو نمائشی "دعوتِ عمل" دینے میں سیاہ ہوتے رہے کیا ایک کالم بھی اس فتویٰ جہاد کی اہمیت بیان کرنے میں صرف کیا گیا؟

کیا یہ حقیقت نہیں کہ احرار کے مایۂ ناز لیڈر سید عنایت اللہ شاہ بخاری گجراتی نے "اسلام کے جلیل القدر علماء" کے بالمقابل گجرات میں یہ فتویٰ دیا کہ جو لوگ محاذِ کشمیر پر جا کر شہید ہو رہے ہیں وہ حرام موت مر رہے ہیں اور کیا اس فتوے کی بدولت اس احراری لیڈر کو سیفٹی ایکٹ کی دفعہ ۳ کے ماتحت جیل کی ہوائیں کھانی پڑی تھیں؟ کیا سید عطاء اللہ شاہ صاحب کے "جواں سال" صاحبزادگان میں سے کسی کو بھی یہ سعادت نصیب ہوئی کہ وہ محاذِ کشمیر پر جا کر "اس جہاد" میں شریک ہو سکتا یا کیا احرار کے "سالارِ اعلیٰ" یا نائب سالارِ اعلیٰ" یا "آزاد" کے ایم اے فائنل میں سے کسی کو اس "جہاد" میں اس "اسلام اور کفر کی ٹکر" میں شامل ہونے کی سعادت نصیب ہوئی؟ اس وقت "جیوشِ احرار" کہاں تھے؟ "وہ سُرخ پوش احراری نوجوان اور اُن کا وہ فوجی بینڈ" کہاں تھا؟ جبکا مظاہرہ "یوم تشکر" کے موقعہ پر لاہور کے گلی کوچوں اور سڑکوں پر کیا گیا تھا؟ وہ اور بینڈ بجانے والے "جہاد کشمیر" کے موقعہ پر کیا موت کی نیند سو رہے تھے؟ احمدی جماعت کے وہ نوجوان جنہوں نے اپنی تعلیم۔ اپنے کاروبار اور اپنی کھیتی باڑی کو ترک کر کے کشمیر کے محاذ پر جا کر اپنی جانیں قوم و ملک کی خدمت

کے لیے پیش کیں اور کوئی تنخواہ نہیں لی۔ کوئی صلہ نہیں مانگا۔ جنہوں نے اپنی جوانمردی اور شجاعت کے باعث ایک چپہ بھر زمین پر بھی دشمن کا قبضہ نہیں ہونے دیا۔ اُن پر تو تم اعتراض کرتے ہو، لیکن تمہارا اپنا یہ حال ہے کہ جس وقت یہ احمدی نوجوان ڈوگرہ فوج کی توپوں اور ہوائی جہازوں کی بم باری کے سامنے سینے تان کر کھڑے تھے اور هَلْ مِنْ مُبَارِزٍ کا نعرہ لگا رہے تھے اس وقت تم لوگ چوہوں کی طرح اپنے بلوں میں گھسے بیٹھے تھے۔

دھوکہ باز کون ہے؟

احراری معترض کہتا ہے کہ "احمدی نوجوان محاذِ کشمیر پر لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے گئے تھے۔" اخبار آزاد کا کانفرنس نمبر ۲۱ر دسمبر ۱۹۵۰ء صفحہ ۱ کالم ۲۔ لیکن یہ نادان نہیں جانتا کہ دھوکہ باز انسان اپنی جان کی بازی کھیل کر لوگوں کو دھوکہ نہیں دیا کرتا۔ احمدی نوجوانوں نے اگر دھوکہ دینا ہوتا تو کبھی محاذِ کشمیر پر نہ جاتے۔ قرآن مجید اس پر شاہد ہے کہ منافق کبھی حقیقی جنگ میں نہیں جاتا۔ وہ ہمیشہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہنے میں ہی اپنی عافیت سمجھتا ہے۔ پس اگر احمدی نوجوانوں نے دھوکہ دینا ہوتا تو وہ بجائے محاذِ کشمیر پر جانے کے احراریوں کی طرح خاموشی کے ساتھ ملتان اور شجاع آباد میں بیٹھ کر یہ وقت گذار دیتے پس دھوکہ باز وہ احمدی نوجوان نہیں تھے جن میں سے بعض نے مِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهٗ (الاحزاب: ۲۴) کے مطابق اپنی جانیں محاذِ کشمیر پر جان آفرین کے سپرد کر دیں اور باقی مِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ (الاحزاب: ۲۴) کے مصداق ہوئے۔ دھوکہ باز وہ لوگ ہیں جو خود تو اپنے اہل و عیال میں بیٹھ کر آرام اور تنعم کی زندگی بسر کرتے رہے لیکن آج اُن احمدی نوجوانوں پر زبانِ طعن دراز کر رہے ہیں جنہوں نے ملک و قوم کی بہترین خدمات سرانجام دیں۔ جن کی خدمات کو حکومتِ پاکستان کے تمام ذمہ دار افسروں نے سراہا۔ آہ! اِن گفتار کے غازیوں کو "کردار" کے غازیوں پر زبان طعن دراز کرتے ہوئے ایک ذرہ بھی شرم محسوس نہیں ہوتی۔

اسلامی جہاد کی اقسام

تعلیم اسلامی کے رو سے جہاد کی ۲ قسمیں ہیں:۔

۱۔ جہادِ کبیر یا جہاد اکبر ۲۔ جہادِ صغیر یا جہاد اصغر

قرآن مجید کے رُو سے جہاد کبیر سے مراد قرآن مجید کے احکام کی تبلیغ اور اُن پر عمل کرنا اور کرانا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:۔

وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا (الفرقان: ۵۵) یعنی اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قرآن مجید کے ساتھ جہاد کر۔ یعنی قرآن مجید کی تبلیغ و اشاعت کر۔

احادیث میں جہاد کے معنی

اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل احادیث بھی قابلِ توجہ ہیں:۔

۱۔ بخاری شریف میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"اَفْضَلُ الْجِهَادِ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ۔"

(بخاری جلد ۲ صفحہ ۹۰ مصری کتاب الجہاد والیسر باب فضل الجہاد والسیر)

۲۔"كَلِمَةُ حَقٍّ عِنْدَ سُلْطَانٍ جَائِرٍ اَلْجِهَادُ الْاَكْبَرُ"

(مشکوٰۃ و نیز نسائی کتاب البیعۃ صفحہ ۶۴۸ مطبع نظامیہ)

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک جنگ سے واپس مدینہ تشریف لاتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" (رد المحتار علی الدر المختار جلد ۳ صفحہ ۲۳۵)

کہ ہم چھوٹے جہاد (یعنی جنگ) سے فارغ ہو کر جہاد اکبر (بڑے جہاد) یعنی اقامتِ دین و تبلیغ و اشاعتِ اسلام و اصلاحِ عمل میں مشغول ہونے کے لئے جا رہے ہیں۔

پس "جہادِ اکبر" تبلیغ و اقامتِ دین ہے اور جہادِ اصغر تلوار کی لڑائی ہے۔ جماعتِ احمدیہ کے دورِ اوّل یعنی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی مندرجہ بخاری شریف (يَضَعُ الْحَرْبَ) کے مطابق جماعت احمدیہ کے لئے جہادِ کبیر یعنی اقامت و اشاعت اسلام و اصلاح عمل مقدر تھا۔ سو جماعت نے یہ جہاد اکبر اس شان سے کیا کہ اس وقت روئے زمین پر کسی اور جماعت میں اس کی مثال نہیں مل سکتی۔ اسی طرح جب دَورِ ثانی میں "جہادِ صغیر" کا حکم ملے گا تو انشاء اللہ العزیز جماعت احمدیہ اس میدان میں بھی عدیم النظیر کارہائے نمایاں سرانجام دیگی، لیکن اس کے بالمقابل احراریوں کا کیا حال ہے؟ نہ ان کے لیے "جہادِ کبیر" میں حصہ لینا مقدر ہے اور نہ "جہادِ صغیر" میں۔ جہادِ کبیر یعنی تبلیغ و اشاعتِ اسلام و اصلاح عمل کے میدان میں ان کی مساعی محض صفر ہیں۔ پھر کس طرح اُمید کی جائے کہ جب ان کے لئے جہادِ سیفی کا حکم آ جائیگا تو وہ جان کی قربانی کے میدان میں ثابت قدم نکلیں گے؟ افسوس ہے! بقول ڈاکٹر سر محمد اقبال آج کا ملا "فی سبیل اللہ جہاد" تو کر نہیں سکتا۔ البتہ "فی سبیل اللہ فساد" کے لئے ہر وقت تیار ہے۔

(نعوذ باللہ من شرور ہذہ الطائفۃ)

دیگر علماء کی شہادتیں

اس امر کے مزید ثبوت کے طور پر کہ جہاد اکبر تبلیغ و اقامتِ دین و اصلاح نفس ہی کا دوسرا نام ہے چند علماء کے اقوال ذیل میں درج ہیں:۔

۱۔ تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اُردو جلد ۱ صفحہ ۴۲ زیر آیت "يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ (التوبۃ: ۱۲۳) لکھا ہے:۔

"حق تعالیٰ مسلمانوں کو پاس (نزدیک۔ خادم) کے کافروں سے قتال کرنے کا حکم فرماتا ہے۔ اور کوئی دشمن نفسِ امارہ کفرانِ نعمت کرنے والے سے بدتر نہیں ہے اور سب دشمنوں سے زیادہ تیرے قریب وہی ہے کہ اَعْدٰى عَدُوِّكَ نَفْسُكَ الَّتِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ (بڑا دشمن تیرا نفس ہے جو تیرے دونوں پہلوؤں کے درمیان ہے) تو اُس سے قتال میں مشغول ہونا کہ جہادِ اکبر ہے۔ ادنیٰ اور انسب معلوم ہوتا ہے اور مثنوی

مولانا روم علیہ الرحمۃ میں اسی کی طرف اشارہ ہے ؎

اے شہاں کشتیم ما خصم برون ماند از و خصمی بتر در اندرون
قَدْ رَجَعْنَا مِنْ جِهَادِ الْاَصْغَرِیم ایں زماں اندر جہادِ اکبریم
سہل شیرے واں کہ صفہا بشکند شیر آں را داں کہ خود را بشکند

(تفسیر قادری موسوم بہ حسینی جلد ا صفحہ ۴۲ مترجم اردو زیر آیت بالا سورۃ توبہ : ۱۲۳)

۲۔ اس زمانہ میں ملحدین کے ساتھ بحث و مناظرہ کرنا ہی جہاد ہے "

(تفسیر حقانی طبع ششم جلد ۴ صفحہ ۲۱۳)

حضرت داتا گنج بخش کا ارشاد

۳۔ حضرت داتا گنج بخش ہجویریؒ اپنی کتاب "کشف المحجوب" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔ اَلْمُجَاهِدُ مَنْ جَاهَدَ نَفْسَهٗ فِی اللّٰهِ (ترمذی کتاب فضائل الجہاد) یعنی مجاہد وہ شخص ہے جس نے راہِ خدا میں اپنے نفس سے جہاد کیا یعنی خدا تعالیٰ کے راضی کرنے کو نفسانی خواہشوں کو روکا اور یہ بھی حضرتؐ نے فرمایا ہے رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔ یعنی ہم نے چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف رجوع کیا یعنی غزا میں فی سبیل اللہ قتل ہونا یہ چھوٹا جہاد سمجھا گیا۔ اور اپنے نفسانی خواہشوں کا توڑنا بڑا جہاد قرار پایا۔ قِيلَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا الْجِهَادُ الْاَكْبَرُ قَالَ اَلَا وَهِيَ مُجَاهَدَةُ النَّفْسِ (الرد المختار علی الدّر المختار جلد ۳ صفحہ ۲۳۵) یعنی پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! جہاد اکبر کیا ہے فرمایا کہ یہ نفس پر قہر کرنا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نفس پر قہر کرنے کو جہاد پر فضیلت فرمائی۔ اس لئے کہ اس میں زیادہ رنج ہوتا ہے کیونکہ وہ جہاد خواہش پر چلنا ہوتا ہے اور مجاہدہ اس کا قہر کرنا۔ پس تجھے خدا عزت فرماتے مجاہدۂ نفس اور اس کے سیاست کا طریق واضح اور ظاہر ہے جو کہ سب دینوں اور مذہبوں میں عمدہ ہے۔۔۔۔۔ سب انبیاء کا آنا اور شریعت کا ثبوت اور کتابوں کا نازل ہونا اور تکلیف کے سب احکام مجاہدہ ہے"

{ کشف المحجوب مترجم اردو شائع کردہ شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین ۱۳۲۲ھ صفحہ ۲۲۱ تا صفحہ ۲۲۳
کشف المحجوب فارسی صفحہ ۲۱۴ }

۴۔ یہی عقیدہ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے (ملاحظہ ہو تذکرۃ الاولیاء مصنفہ شیخ فرید الدین عطار باب ۲۷ مترجم اردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز صفحہ ۱۹۷)

۵۔ مولوی ابوالکلام آزاد اپنے رسالہ "مسئلہ خلافت و جزیرۂ عرب" میں لکھتے ہیں:۔

"جہاد کی حقیقت کی نسبت سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ جہاد کے معنے صرف لڑنے کے ہیں۔ مخالفینِ اسلام بھی اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے۔ حالانکہ ایسا سمجھنا اس عظیم الشان مقدس حکم کی وسعت کو بالکل محدود کر دینا ہے۔ جہاد کے معنے کمال درجہ کوشش کرنے کے ہیں۔ قرآن و سنت

کی اصطلاح میں اُس کمال سعی کو جو ذاتی اغراض کی جگہ حق پرستی اور سچائی کی راہ میں کی جائے جہاد کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ سعی زبان سے بھی ہے۔ حال سے بھی ہے۔ صرفِ وقت و عمر سے بھی ہے محنت اور تکالیف برداشت کرنے سے بھی ہے اور دشمنوں کے مقابلہ میں لڑنے اور اپنا خون بہانے میں بھی ہے جس سعی کی ضرورت ہو۔ اور جو سعی جس کے امکان میں ہو اُس پر فرض ہے اور جہاد فی سبیل اللہ میں لغت اور شرع دونوں اعتبار سے داخل۔ یہ بات نہیں ہے کہ جہاد سے مقصود مجرد لڑائی ہی ہو۔ سورۃ فرقان آیت ۵۲ میں ہے:۔ فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا" یعنی کافروں کے مقابلہ میں کمال درجہ جہاد کرو۔ سورۃ فرقان بالاتفاق مکی ہے اور معلوم ہے کہ جہاد بالسیف یعنی لڑائی کا حکم ہجرت مدینہ کے بعد ہوا۔ پس اس زندگی میں کونسا جہاد تھا جس کا اس آیت میں حکم دیا جا رہا ہے، جہاد بالسیف تو ہو نہیں سکتا۔ یقیناً وہ حق کی استقامت اور اس کی راہ میں تمام مصیبتیں اور شدتیں جھیل لینے کا نام تھا۔ ......اسی پر "جہاد کبیر" کا اطلاق ہوا۔ اسی طرح منافقوں کے ساتھ بھی جہاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ حالانکہ منافق تو خود اسلام کے ماتحت مقہورانہ و محکومانہ زندگی بسر کر رہے تھے۔ جنگ و جدال کی ضرورت ہی نہ تھی اور نہ اُن سے جنگ کی گئی۔ سو یہ جہاد بھی تبلیغ حق اور اتمام حجت و مقاومتِ فساد کا جہاد تھا جو قلب و زبان سے تعلق رکھتا ہے۔...... لڑائی کے الگ کر دینے کے بعد بھی حقیقتِ جہاد باقی رہتی ہے۔"

(مسئلہ خلافت و جزیرۃ عرب صفحہ ۱۰۶ تا صفحہ ۱۰۹)

۶۔ مولوی ظفر علی صاحب آف "زمیندار" لکھتے ہیں:۔

"جہاد یہی نہیں کہ انسان تلوار اُٹھا کر میدانِ جنگ میں نکل کھڑا ہو بلکہ یہ بھی ہے کہ تقریر سے، تحریر سے سفر، حضر ہر طرح سے جدوجہد کرے۔ ہندوستان کا اُصولِ جہاد بے تشدد جدوجہد ہے۔ اس پر تمام ہندوستانیوں کا اتفاق ہے۔"

"اسلام نے جب کبھی جہاد (جہاد بالسیف۔ خادمؔ) کی اجازت دی ہے مخصوص حالات میں دی ہے۔ جہاد ملک گیری کی ہوس کا ذریعہ تکمیل نہیں ہے...... اس کے لئے امارت شرط ہے اسلامی حکومت کا نظام شرط ہے۔ دشمنوں کی پیشقدمی اور ابتداء شرط ہے۔ اتنی شرطوں کے ساتھ جو مسلمان خدا کی راہ میں نکلتا ہے۔ اُس کو کوئی شخص مطعون نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر مسلمانوں نے اپنی حکومت و سلطنت کے زمانہ میں کبھی ملک گیری کے لئے توسیع مملکت کے لئے اقوام و امم کو غلام بنانے کے لئے تلوار اُٹھائی ہے تو اس کو "جہاد" سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

(زمیندار ۱۴ ر جون ۱۹۳۶ء)

پھر مولوی ظفر علی صاحب لکھتے ہیں:۔

"حضرت نوح علیہ السلام کا جوشِ تبلیغ، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی...... حضرت عیسٰی علیہ السلام کا جمال، حضرت داؤد علیہ السلام کا نغمہ۔ حکماء کی تصانیف۔ علماء کے مجاہدے اور زاہدوں کی شب زندہ داریاں سب کی سب جہاد ہی کی مختلف صورتیں تھیں۔"

مختصر یہ کہ اِس آیت (وَجَاهِدْهُمْ بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا الفرقان ۵۳) میں جَاهِدْ

سے مُراد یہ ہے کہ کافروں کو وعظ و نصیحت کر۔ اور انہیں دعوت و تبلیغ کر کے سمجھا۔ امام فخر الدین رازیؒ نے اپنی مشہور تفسیر کبیر میں یونہی روشنی ڈالی ہے۔" (زمیندار ۵ ۱۲ر جون ۱۹۳۶ء)

۷۔ مولانا سید سلیمان صاحب ندوی لکھتے ہیں:۔

"جہاد کے معنے عموماً قتال اور لڑائی کے سمجھے جاتے ہیں۔ مگر مفہوم کی یہ تنگی قطعاً غلط ہے۔۔۔۔ اس کے معنے محنت اور کوشش کے ہیں۔ اس کے قریب قریب اس کے اصطلاحی معنے بھی ہیں۔ یعنی حق کی بلندی اور اشاعت اور حفاظت کے لئے ہر ایک قسم کی جدوجہد کرنا۔ قربانی اور ایثار گوارا کرنا اور ان تمام جسمانی و مالی و دماغی قوتوں کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو ملی ہیں۔ اُس کی راہ میں صرف کرنا۔ یہانتک کہ اس کے لئے اپنی اور اپنے عزیز و اقارب کی۔ اہل عیال کی خاندان کی۔ قوم کی جان تک کو قربان کر دینا اور حق کے مخالفوں اور دشمنوں کی کوششوں کو توڑنا انکی تدبیروں کو رائیگاں کرنا۔ اُن کے حملوں کو روکنا۔ اور اس کے لئے جنگ کے میدان میں اگر اُن سے لڑنا پڑے تو اسکے لئے بھی پوری طرح تیار رہنا بھی جہاد ہے۔"

افسوس ہے کہ مخالفوں نے اتنے اہم اور اتنے ضروری اور وسیع مفہوم کو جس کے بغیر دنیا میں کوئی تحریک نہ سرسبز ہوئی، نہ ہو سکتی ہے صرف دین کے دشمنوں کے ساتھ جنگ کے تنگ میدان میں محصور کر دیا۔ یہاں ایک شُبہ کا ازالہ کرنا ضروری ہے کہ اکثر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ "جہاد" اور "قتال" دونوں ہم معنی ہیں حالانکہ ایسا نہیں۔۔۔۔۔ بلکہ ان دونوں میں عام و خاص کی نسبت ہے، یعنی ہر جہاد قتال نہیں بلکہ جہاد کی مختلف قسموں میں سے ایک قتال اور دشمنوں کے ساتھ لڑنا بھی ہے۔"

(سیرت النبی جلد پنجم صفحہ ۲۹۹، ۳۰۰)

۸۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کبیر کا حوالہ جو اوپر دیا گیا ہے وہ درج ذیل ہے۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

وَ اَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰى "وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا" فَقَالَ بَعْضُهُمُ الْمُرَادُ بَذْلُ الْجُهْدِ فِي الْاَدَاءِ وَالدُّعَاءِ وَ قَالَ بَعْضُهُمُ الْمُرَادُ الْقِتَالُ وَ قَالَ اٰخَرُوْنَ كِلَاهُمَا۔ وَ الْاَقْرَبُ الْاَوَّلُ لِاَنَّ السُّوْرَةَ مَكِّيَّةٌ وَ الْاَمْرُ بِالْقِتَالِ وَرَدَ بَعْدَ الْهِجْرَةِ بِزَمَانٍ۔" (تفسیر کبیر امام رازی جلد ۶ صفحہ ۴۹۱ مصری)

یعنی بعض علماء نے کہا ہے کہ اس آیت میں جہاد سے مراد دُعا اور اصلاح کی کوشش ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد جنگ ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس سے دونوں باتیں مراد ہیں لیکن صحیح معنے پہلے ہی ہیں۔ کیونکہ یہ سورۃ مکی ہے اور جنگ کا حکم ہجرت کے ایک لمبا زمانہ بعد نازل ہوا تھا۔

۹۔ تفسیر ابی السعود میں آیت مندرجہ بالا کی تفسیر میں لکھا ہے:۔

"وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ" اَلْقُرْاٰنَ بِتِلَاوَةِ مَا فِيْ تَضَاعِيْفِهٖ مِنَ الْقَوَارِعِ وَ الزَّوَاجِرِ وَ الْمَوَاعِظِ وَ تَذْكِيْرِ اَحْوَالِ الْاُمَمِ الْمُكَذِّبَةِ "جِهَادًا كَبِيْرًا" فَاِنَّ

دَعْوَةً كُلِّ الْعَالَمِيْنَ عَلَى الْوَجْهِ الْمَذْكُوْرِ جِهَادٌ كَبِيْرٌ۔

(تفسیر ابی السعود برحاشیہ تفسیر کبیر امام رازی جلد ۶ صفحہ ۴۹۵ مصری)

"یعنی بہ سے مُراد قرآن ہے۔ تُو کافروں کے ساتھ جہاد کر۔ یعنی قرآن مجید اُن کو پڑھ کر سُنا۔ اور اس میں جو تنبیہات و عذابات ہیں۔ اُن سے اور نیز سابقہ انبیاء کی مکذب اُمتوں کے بدانجام کی جو خبریں ہیں ان کو سُنا کر اُن کو درس عبرت دے۔ یہی جہاد کبیر ہے۔ کیونکہ مندرجہ بالا طریق پر تمام دُنیا کے لوگوں کو تبلیغ و دعوت کا کام کرنا واقعی بہت بڑا جہاد ہے۔"

۱۰۔ تفسیر جلالین میں آیت بالا کے نیچے لکھا ہے:۔

"وَجَاهِدْهُمْ بِهِ اَیِ الْقُرْاٰنِ جِهَادًا كَبِيْرًا" (تفسیر جلالین مصری صفحہ ۲۸۰)

یعنی کافروں سے جہاد کبیر کر۔ یعنی قرآن کو پیش کرنے کے ذریعہ سے۔

خلاصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں "جہاد کبیر" ہی مقدر تھا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی تھی کہ يَضَعُ الْحَرْبَ یعنی مسیح موعود آئیگا تو وہ جہاد بالسیف کو ملتوی کر دیگا (بخاری)۔ چنانچہ تفسیر قادری حسینی مترجم اُردو جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ میں مرقوم ہے:۔

حَتّٰى تَضَعَ الْحَرْبُ اَوْزَارَهَا یہاں تک کہ رکھ دیں لڑائی والے ہتھیار اپنے۔ سب جگہ دین اسلام پہنچ جاتے اور قتال کا حکم باقی نہ رہے اور یہ بات حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت ہوگی۔"

(تفسیر قادری المعروف حسینی مترجم اردو جلد ۲ صفحہ ۴۳۵ سورۃ محمد)

لیکن جنگ کے بند ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں تھا کہ اب اس کے بعد کبھی تلوار کی جنگ ہو ہی نہیں سکتی۔ خواہ دشمن اسلام کے خلاف تلوار اُٹھائیں۔

پس ہم اعلان کرتے ہیں کہ ہم ہرگز جہادِ بالسیف کو حرام اور ناجائز نہیں سمجھتے اور نہ ہی قرآن مجید کی آیات دربارۂ جہاد بالسیف کو منسوخ سمجھتے ہیں۔ بلکہ ہمارا اعلان ہے کہ اسلام میں جن شرائط کے ماتحت جہاد بالسیف فرض ہوگا۔ اگر وہ آج متحقق ہوں تو آج بھی ہم جہاد بالسیف کرنے کے لئے تیار ہیں۔ پس ظالم اور جھوٹا ہے وہ شخص جو یہ کہکر جماعت احمدیہ کے خلاف لوگوں کو مشتعل کرتا ہے کہ احمدی جماعت جہاد کی منکر ہے۔

پھر ہمارے اس اعلان کے بعد بھی جو شخص اس کذب بیانی اور جھوٹے پروپیگنڈا سے باز نہیں آتا اُسے اللہ تعالیٰ کے غضب سے ڈرنا چاہیئے۔ کیونکہ کسی شخص کا عقیدہ وہی سمجھا جاتا ہے۔ جو وہ خود بیان کرے نہ وہ جو اس کا دشمن اس کی طرف منسوب کرے پھر یہ عجیب بات ہے کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ ہم جہاد کے منکر نہیں ہیں۔ اور ہمارا عقیدہ ہے کہ جہاد بالسیف کا اسلامی حکم منسوخ نہیں مگر دشمن یہ کہتا ہے کہ نہیں تم جہاد کو منسوخ سمجھتے ہو۔ کیا کوئی عقلمند انسان ہمارے دشمنوں کی اس سینہ زوری اور تحکم کو مبنی برانصاف قرار دے سکتا ہے؟

۴۷۔ "کرم خاکی ہوں" کا جواب

بعض بدزبان احراری حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اِس شعر کے نہایت گندے اور شرمناک معنے بیان کرکے اپنی بدفطرتی اور ڈھٹائی کا ثبوت دیتے ہیں۔ سو اس کے جواب میں یاد رکھنا چاہیئے۔

جوابِ :۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ دُعائی نہیں ہے۔ بلکہ دراصل یہ شعر حضرت داؤد علیہ السلام کا ہے جس کا حضرت اقدس علیہ السلام نے اُردو میں ترجمہ فرمایا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی یہ مناجات زبور میں موجود ہے۔ ملاحظہ ہو:۔

"پر مَیں تو کیڑا ہوں۔ انسان نہیں۔ آدمیوں میں انگشت نما ہوں اور لوگوں میں حقیر" (ایڈیشن ۱۹۵۱ء صفحہ ۵۳۹)

انگریزی بائیبل کے الفاظ یہ ہیں :۔

But I am a worm, and no man, a reproach of men and despised of the people.

اس کا لفظی ترجمہ حضرت اقدس علیہ السلام کا زیر نظر شعر ہے :۔

کرم خاکی ہوں مرے پیارے نہ آدم زاد ہوں
ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

اگر یہ بدزبان احراری حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوتے تو یقیناً حضرت داؤد علیہ السلام کا مندرجہ بالا شعر اپنی "احرار کا نفرسوں" میں پڑھکر حضرت داؤد علیہ السلام پر بھی بعینہٖ وہی پھبتیاں کستے۔ جو آجکل حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کستے ہیں۔

نوٹ :۔ زبور کا حوالہ حجت ہے۔ بوجوہات ذیل :۔

ا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے کہ جب تک تورات یا زبور کے کسی فرمودہ کے خلاف اللہ تعالیٰ کا تازہ حکم نازل نہ ہوتا۔ اس کو درست اور واجب العمل سمجھتے۔ كَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ (مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ مطبوعہ مصر) یہی اصل حضرت شاہ ولی اللہؒ محدث دہلوی نے اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ جلد ۲ صفحہ ۳۰۲ پر بھی ذکر فرمایا ہے۔

ب۔ حدیث نبویؐ میں ہے :۔

"حَدِّثُوْا عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ وَلَا حَرَجَ"

(ترمذی کتاب العلم باب ماجاء فی الحدیث عن بنی اسرائیل صفحہ ۲۳۹ مطبع احمدی ۱۲۶۶ھ وبخاری ومسند امام احمد وجامع الصغیر للسیوطی مصری جلد ۱ صفحہ ۱۳۶ باب الحدود ومشکوٰۃ کتاب العلم کی پہلی حدیث صفحہ ۳۲ مطبع اصح المطابع)

ترمذی میں اس حدیث کے آگے لکھا ہے :۔ "هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ" ۔ نیز امام سیوطیؒ نے بھی لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے (حوالہ مذکورہ بالا) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ بنی اسرائیل سے بے شک روایت لے لو۔ اس میں کوئی حرج نہیں۔ چنانچہ صحابہؓ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین نے تورات اور زبور سے بے شمار روایات لی ہیں۔ اور دیگر علمائے اُمت نے بھی۔

جوابؔ ۔ یہ الفاظ انسانوں کو مخاطب کر کے نہیں بلکہ بطور مناجات و دُعا اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے عرض کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ اس سے اگلے اور پچھلے اشعار سے۔ نیز خود اس شعر میں "میرے پیارے" کے الفاظ سے ظاہر ہے ؎

اے خدا اے کارساز و عیب پوش و کردگار — اے میرے پیارے مرے محسن میرے پروردگار
کس طرح تیرا کروں اے ذوالمنن شکر و سپاس — وہ زباں لاؤں کہاں سے جس سے ہو یہ کاروبار
بدگمانوں سے بچایا تُو نے خود بن کر گواہ — کر دیا دشمن کو اک حملہ سے مغلوب اور خوار
تیرے کاموں سے مجھے حیرت ہے اے میرے کریم — کس عمل پر مجھ کو دی ہے خلعت قرب و جوار
کرمِ خاکی ہوں میرے پیارے نہ آدم زاد ہوں — ہوں بشر کی جائے نفرت اور انسانوں کی عار

یہ سراسر فضل و احساں ہے کہ مَیں آیا پسند
ورنہ درگاہ میں تیری کچھ کم نہ تھے خدمتگذار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۷ طبع اوّل)

پس یہ دعا ہے اور مناجات میں اللہ تعالیٰ کی مافوق التصور ہستی کے بالمقابل انتہائی تذلل و انکسار اختیار کرنا انبیاء و صلحاء کا شیوہ ہے اور اس پر اعتراض کرنا بدبختوں کا کام ہے اور دُعا کا مفہوم یہ ہے کہ اے خدا! میرے دشمن مجھے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مجھ سے عار محسوس کرتے ہیں۔ گویا میں اُن کی نظروں میں انسان بھی نہیں ہوں۔ چنانچہ اس نظم کا ایک اور شعر ہے ؎

کس کے آگے ہم کہیں اس دردِ دل کا ماجرا
اُن کو ہے ملنے سے نفرت بات سُننا درکنار (ایضاً ص۹۹)

جوابؔ ۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنی دُعا میں اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں :۔

"اِلٰهِىْ! اَنَا عَبْدٌ ذَلِيْلٌ" ۔ (تفسیر کبیر امام رازیؒ جلد ۶ ص۱۸۱ مطبوعہ مصر)

"اے خدا! مَیں ذلیل انسان ہوں۔"

لیکن اگر کوئی شخص اس مناجات کی بناء پر حضرت ایوب علیہ السلام کو انہی الفاظ سے مخاطب کرے تو اس سے بڑھ کر بدبخت اور کون ہو سکتا ہے۔

جوابؔ ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دُعا ملاحظہ ہو :۔

"قُلِ اللّٰهُمَّ اِنِّىْ ضَعِيْفٌ فَقَوِّنِىْ وَاِنِّىْ ذَلِيْلٌ فَاَعِزَّنِىْ وَاِنِّىْ فَقِيْرٌ فَارْزُقْنِىْ" ۔

(مستدرک امام حاکم بحوالہ جامع الصغیر امام سیوطی جلد ۱ باب القاف مصری ص۸۳)

یعنی کہ اے خدا! میں کمزور ہوں تو مجھے طاقت دے۔ میں ذلیل ہوں مجھے عزت اور غلبہ عطا فرما۔ میں فقیر ہوں۔ مجھے رزق دے۔ (آمین)

جوابؑ۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ تَسْمَعُ کَلَامِیْ وَ تَرٰی مَکَانِیْ وَتَعْلَمُ سِرِّیْ وَعَلَانِیَتِیْ وَلَا یَخْفٰی عَلَیْکَ شَیْئٌ مِنْ اَمْرِیْ وَ اَنَا الْبَائِسُ الْفَقِیْرُ۔۔۔۔ وَ اَبْتَھِلُ اِلَیْکَ اِبْتِھَالَ الْمُذْنِبِ الذَّلِیْلِ وَ اَدْعُوْکَ دُعَوَا الْخَائِفِ الضَّرِیْرِ۔

(الطبرانی بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی جلد ۱ ص۵۹ مصری باب الالف)

"یعنی اے اللہ! تو میرے کلام کو سنتا اور میرے مکان کو دیکھتا ہے تو میرے مخفی اور ظاہر کا علم رکھتا ہے میرے کام میں سے کوئی چیز تجھ سے مخفی نہیں ہے اور میں مفلس اور محتاج ہوں۔۔۔۔ اور میں تیرے حضور میں ایک گنہگار ذلیل کی طرح گڑگڑاتا ہوں اور ایک خائف نابینا کی سی دعا کرتا ہوں۔"

چونکہ یہ خدا کے بندے کی اپنے خالق کے حضور مناجات ہے اس لیے اس میں جتنا بھی تذلل و انکسار زیادہ ہوگا۔ دعا کرنیوالے کی علومرتبت پر دلیل ہوگا نہ کہ محلِ اعتراض۔

جوابؑ۔ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:۔

"میں نے حدیث شریف پڑھی ہے جس میں جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ زمانہ آخر میں مخلوق کا نیک گمان اس شخص کے متعلق ہوگا جو سب سے بدتر ہوگا اور وعظ بیان کرے گا۔ چنانچہ میں نے اپنے آپ کو سب سے بدترین دیکھا۔ اس لئے آنحضرت صلعم کا ارشاد سچا ہونے کی وجہ سے وعظ بیان کرتا ہوں۔"

{ تذکرۃ الاولیاء شیخ فریدالدین عطارؒ باب ۲۵ در بیان حضرت جنید بغدادیؒ مترجم اردو مطبع علمی پرنٹنگ پریس ص۱۲۷۔ ظہیر الاصفیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء جلال پرنٹنگ پریس لاہور ص۳۰۲ }

حضرت داتا گنج بخشؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں تحریر فرماتے ہیں:۔

جوابؑ۔ داؤد طائی رحمۃ اللہ علیہ امام صاحب (امام جعفر صادقؒ) کے پاس آئے اور کہا۔ اے رسول اللہ کے بیٹے! مجھے کوئی نصیحت فرماؤ کیونکہ میرا دل سیاہ ہوگیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے ابا سلمان! آپ اپنے زمانہ کے زاہد ہیں آپ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے، داؤد طائی نے فرمایا کہ اے فرزندِ پیغمبر خداوند تعالیٰ نے آپ کو سب خلقت پر فضیلت بخشی ہے آپ کو سب کے لئے نصیحت کرنا واجب ہے امام صاحب نے فرمایا کہ اے ابا سلمان! میں ڈرتا ہوں کہ قیامت کو میرا دادا بزرگوار مجھے گرفت کرے کہ تو نے حقِ متابعت ادا نہیں کیا اور یہ کام نسب سے صحیح اور نسب سے قوی نہیں ہوتا۔۔۔۔ داؤد طائی رونے لگے اور کہا کہ اے خداوندِ عزوجل! جس کا خمیر نبوت کے پانی سے ہے اور اس کی طبیعت کی ترکیب دلائل روشن سے ہے اور جس کا دادا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور ماں بتول فاطمۃ الزہرا ہے اسکے سامنے داؤد کون ہوتا ہے۔ جو اپنے معاملہ پر غرہ ہو۔ یہ بھی انہیں سے روایت ہے کہ ایک روز اپنے غلاموں میں بیٹھے تھے اور ان سے کہتے تھے کہ آؤ ہم بیعت کریں یعنی عہد کریں کہ قیامت کے دن جو شخص ہم میں سے نجات پائے وہ سب کی شفاعت کرے اوروں نے کہا کہ اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے! آپ

کو ہماری شفاعت کی کیا پروا ہے، کیونکہ آپ کے جد مبارک سب خلقت کے شفیع ہیں۔ امام صاحب (امام جعفر صادقؒ) نے کہا کہ میں اپنے فعلوں کے ساتھ شرم رکھتا ہوں کہ دادا بزرگوار کو کس طرح منہ دکھاؤنگا اور یہ سب اپنے نفس کی عیب گیری ہے۔ اور یہ صفت کامل صفتوں سے ہے اور سب باریاب جناب الہٰی کے انبیاء اور اولیاء اور رسول اسی صفت پر ہوئے ہیں۔"

(کشف المحجوب ترجمہ اردو باب چھٹا مطبوعہ مطبع عزیزی ۱۳۳۲ھ صفحہ ۹۱)

جواب - خدا کے نیک بندوں سے انکسار تذلل کا اظہار صرف اللہ تعالیٰ کے حضور دعا کرتے وقت ہی نہیں بلکہ مناسب موقعہ پر دوسرے انسانوں کے سامنے بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ خلیفۃ المسلمین حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھا ہے:۔

"اِنَّ اَعْرَابِیًّا جَآءَ اِلٰی اَبِیْ بَکْرٍ فَقَالَ اَ اَنْتَ خَلِیْفَۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ! قَالَ لَا اَنَا الْخَالِفَۃُ بَعْدَہٗ"

(نہایہ مطبوعہ مصر صفحہ ۵۶ و منتخب کنز العمال بر حاشیہ مسند احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۶۱)

یعنی ایک اعرابی نے حضرت ابوبکرؓ سے پوچھا کہ کیا آپ خلیفہ رسول صلعم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں تو "خالفہ" ہوں۔ اور "خالفہ" کے معنے مجمع البحار الانوار جلد ا صفحہ ۳۴۷ میں اَلَّذِیْ لَا خَیْرَ فِیْہِ لکھے ہیں۔ یعنی وہ جس میں کوئی بھلائی نہ ہو۔ اب احراریوں کی طرح شیعہ بھی حضرت ابوبکرؓ کے اس منکسرانہ فقرہ کو اڑاتے پھرتے ہیں۔ (دیکھو کلمۃ الحق مباحثہ جلالپور جٹاں از حافظ روشن علی صاحب صفحہ ۲)

جواب - خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں:۔

ا۔ اِنَّ الْمُھَیْمِنَ لَا یُحِبُّ تَکَبُّرًا ٭ مِنْ خَلْقِہِ الضُّعَفَاءِ دُوْدِ فَنَاءِ

(انجام آتھم صفحہ ۲۷۱)

کہ خدا تعالیٰ اپنی مخلوق سے جو ضعیف اور کیڑے ہیں۔ تکبر پسند نہیں کرتا۔

اس شعر میں حضور علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں تمام مخلوق کو کیڑے اور کرم خاکی قرار دیا ہے اور تکبر سے اظہارِ نفرت فرمایا ہے۔

ب:۔ پھر فرماتے ہیں ؎

وَمَا نَحْنُ اِلَّا کَالْفَتِیْلِ مَذَلَّۃً ٭ بِاَعْیُنِہِمْ بَلْ مِنْہُ اَدْنٰی وَ اَحْقَرُ

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۱۳ طبع اول)

ترجمہ:۔ کہ ہم اپنے مخالفوں کی نظر میں ایک ریشہ خرما کی طرح ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ حقیر اور ذلیل ہیں۔

ج:۔ پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس آیت میں اُن نادان موحدوں کا رد ہے جو یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسرے انبیاء پر فضیلتِ کلی ثابت نہیں اور ضعیف حدیثوں کو پیش کر کے کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا ہے کہ مجھ کو یونس بن متّٰی سے بھی زیادہ فضیلت دی جاتے یہ نادان نہیں سمجھتے کہ ۔۔۔۔۔ وہ بطور انکسار اور تذلل ہے جو ہمیشہ ہمارے سید صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی ہر ایک

بات کا ایک موقعہ اور محل ہوتا ہے۔ اگر کوئی صالح اپنے خط میں احقر العباد اللہ لکھے تو اس سے یہ نتیجہ نکالنا کہ یہ شخص درحقیقت تمام دنیا، یہاں تک کہ تمام بُت پرستوں اور تمام فاسقوں سے بدتر ہے اور خود اقرار کرتا ہے کہ وہ احقر العباد اللہ ہے۔ کس قدر نادانی اور شرارتِ نفس ہے۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۱۹۳)

۴۸۔ عدالت میں معاہدہ

حضرت مرزا صاحب نے مجسٹریٹ سے ڈر کر عدالت میں لکھدیا کہ مَیں کوئی ایسی پیشگوئی جو کسی کی موت کے متعلق ہو بغیر فریقِ ثانی کی اجازت کے شائع نہ کروں گا۔

جواب:۔ حضرت اقدس علیہ السلام کا طریق ابتداء ہی سے یہ تھا کہ حضورؑ کسی کی موت کی پیشگوئی بغیر اس فریق کی اپنی خواہش اور اجازت کے شائع نہ فرمایا کرتے تھے۔ یہ معاہدہ بعدالت ایم ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور میں ۲۴ر فروری ۱۸۹۹ء کو ہوا (مجموعہ اشتہارات جلد۳ ص۱۳۴) جس کا تم حوالہ دیتے ہو۔ مگر ۱۸۸۶ء میں یعنی اس معاہدہ سے ۱۳ سال قبل حضرت اقدس علیہ السلام نے لیکھرام پشاوری و اندرمن مرادآبادی کے متعلق جب اپنی مشہور انذاری پیشگوئی شائع فرمانے کا ارادہ فرمایا۔ تو اُن سے کہا کہ اگر تم چاہو تو مَیں تمہارے قضا و قدر کے متعلق جو علم اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے اس کو شائع کر دوں۔ اس پر اندرمن مرادآبادی کی طرف سے کوئی جواب نہ ملا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے اس کی موت کے متعلق پیشگوئی شائع نہ فرمائی۔ ہاں لیکھرام نے اجازت دی۔ سو اس کی موت کی چھ سالہ پیشگوئی حضورؑ نے شائع فرما دی۔ پھر جو اس کا انجام ہوا وہ سب کو معلوم ہے۔

چنانچہ حضرت اقدس علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں یعنی معاہدہ عدالت سے ۱۳ سال پہلے تحریر فرماتے ہیں:۔

"اگر کسی صاحب پر کوئی ایسی پیشگوئی شاق گذرے تو وہ مجاز ہیں کہ یکم مارچ ۱۸۸۶ء سے یا اس تاریخ سے جو کسی اخبار میں پہلی دفعہ یہ مضمون شائع ہو ٹھیک دو ہفتہ کے اندر اپنی دستخطی تحریر سے مجھے اطلاع دیں۔ تا وہ پیشگوئی جس کے ظہور سے وہ ڈرتے ہیں اندراجِ رسالہ سے علیحدہ رکھی جاتے۔ اور موجب دلآزاری سمجھ کر کسی کو اس پر مطلع نہ کیا جاوے اور کسی کو اُس کے وقتِ ظہور سے خبر نہ دی جائے۔"

(اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء و تبلیغ رسالت جلد ۱ ص۵۸)

پھر حضورؑ عدالت ڈوئی والے معاہدہ کا ذکر کر کے فرماتے ہیں:۔

"یہ ایسے دستخط نہیں ہیں۔ جن سے ہمارے کاروبار میں کچھ بھی حرج ہو۔ بلکہ مدت ہوئی کہ مَیں کتاب انجام آتھم کے صفحہ آخیر میں بتصریح اشتہار دے چکا ہوں کہ ہم آئندہ ان لوگوں کو مخاطب نہیں کریں گے جب تک کہ خود ان کی طرف سے تحریک نہ ہو۔ بلکہ اس بارے میں ایک الہام بھی شائع کر چکا ہوں جو میری کتاب آئینہ کمالاتِ اسلام ص۲۹۴ میں درج ہے ۔۔۔۔۔۔ مجھے یہ بھی افسوس ہے کہ ان لوگوں نے محض شرارت سے یہ بھی مشہور کیا ہے کہ اب الہام کے شائع کرنے کی ممانعت ہو گئی اور ہنسی سے کہا کہ اب الہام کے

دروازے بند ہو گئے۔ مگر ذرا حیا کو کام میں لا کر سوچیں کہ اگر الہام کے دروازے بند ہو گئے تھے تو میری بعد کی تالیفات میں کیوں الہام شائع ہوتے؟ اسی کتاب تریاق القلوب کو دیکھیں کہ کیا اس میں الہام کم ہیں"۔

(تریاق القلوب کلاں ص۸۶ حاشیہ و خورد ص۱۶۱ و ص۱۶۲ حاشیہ طبع اول)

پھر اس معاہدہ سے چھ سال قبل حضورؑ نے تحریر فرمایا:۔

'اس عاجز نے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء میں اندرمن مراد آبادی اور لیکھرام پشاوری کو اس بات کی دعوت دی تھی کہ اگر وہ خواہشمند ہوں تو ان کی قضا و قدر کی نسبت بعض پیشگوئیاں شائع کی جائیں سو اس اشتہار کے بعد "اندرمن" نے تو اعراض کیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد فوت ہو گیا۔ لیکن لیکھرام نے بڑی دلیری سے ایک کارڈ اس عاجز کی طرف روانہ کیا۔ کہ میری نسبت جو پیشگوئی چاہو شائع کر دو۔ میری طرف سے اجازت ہے"۔ (اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء نیز تذکرہ ص۳۲۱ طبع سوم، تبلیغ رسالت جلد ۳ صفحہ ۴)

اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے اشتہار ۲۰ جنوری ۱۸۹۹ء یعنی عدالت میں معاہدہ زیر اعتراض کرنے۔ (۲۴ فروری ۱۸۹۹ء) سے ایک ماہ قبل تحریر فرماتے ہیں:۔

"کہ میرا ابتداء ہی سے یہ طریق ہے کہ میں نے کبھی کوئی انذاری پیشگوئی بغیر رضامندی مصداق پیشگوئی کے شائع نہیں کی"۔ (تبلیغ رسالت جلد ۸ ص۲۸)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا طریق ابتداء ہی سے یہ تھا کہ ابتداء اپنی طرف سے نہ کرتے تھے بلکہ فریق مخالف کی رضامندی حاصل کر کے اس کو شائع فرماتے تھے۔ اُس وقت عدالت کا معاہدہ تو کوئی نہ تھا۔ پس جب سالہا سال بعد عدالت میں یہی طریق فیصلہ قرار پایا تو حضورؑ نے اس کو اپنے سابقہ طرزِ عمل کے مطابق پا کر اس کا اقرار کر لیا جس میں خوف کا کوئی دخل نہ تھا۔ اگر مجسٹریٹ کسی شخص سے یہ کہے کہ تم سچ بولنے یا نماز پڑھنے کا اقرار کرو۔ اس پر ایک ایسے شخص کا اقرار جو پہلے ہی سچ بولتا اور نماز پڑھتا ہو۔ بزدلی یا ڈرنے پر محمول نہ ہو گا بعینہٖ اسی طرح حضرت اقدس علیہ السلام کا اقرار آپ کے سابقہ طرزِ عمل کے عین مطابق ہونے کے باعث محلِ اعتراض نہیں ہو سکتا۔

جوابؒ۔ لیکن تم ذرا مندرجہ ذیل امور کے متعلق بھی اپنے رائے کا اظہار کرو۔ بخاری میں ہے:۔

عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْجَدَارِ مِنَ الْبَيْتِ قَالَ نَعَمْ..... قُلْتُ فَمَا شَأْنُ بَابِهٖ مُرْتَفِعًا۔ قَالَ فَعَلَ ذَالِكَ قَوْمُكِ لِيُدْخِلُوْا مَنْ شَاؤُوْا وَيَمْنَعُوْا مَنْ شَاؤُوْا وَلَوْلَا اَنَّ قَوْمَكِ حَدِيْثٌ عَهْدُهُمْ بِالْجَاهِلِيَّةِ فَاَخَافُ اَنْ يُنْكِرَ قُلُوْبُهُمْ اَنْ اُدْخِلَ الْجَدْرَ فِي الْبَيْتِ وَاَنْ اُلْصِقَ بَابَهٗ بِالْاَرْضِ۔

(بخاری کتاب الحج باب فضل مکة وبُنْيَانِهَا وآیت سورة البقرہ ۱۲۶ تا ۱۲۹)

ترجمہ:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلعم سے کعبہ کی دیوار کے متعلق دریافت کیا کہ کیا وہ بھی کعبہ میں داخل ہے تو آپ نے فرمایا "ہاں"..... پھر میں نے عرض کی کہ دروازہ کی کیا کیفیت ہے

یہ اس قدر اونچا کیوں ہے ؟ آپ نے فرمایا۔ یہ تمہاری قوم نے اس لئے کیا کہ جسے چاہیں کعبہ میں داخل کریں اور جس کو چاہیں روک دیں۔ اگر تمہاری قوم کا زمانہ جاہلیت کے قریب نہ ہوتا اور مجھے اس بات کا خوف نہ ہوتا کہ وہ اس کو بُرا منائیں گے۔ تو میں ضرور دیوار کو کعبہ میں داخل کر دیتا۔ اور اس کے دروازے کو زمین سے ملا دیتا۔"

اسی طرح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کی دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر تیری قوم جاہلیت کے قریب نہ ہوتی تو کعبہ کو گرا کر اس کے دو دروازے بناتا۔ ایک شرقی دروازہ اور ایک غربی دروازہ۔" (تجرید بخاری مترجم اردو جلد ۱ صفحہ ۳۲۲ و نیز دیکھو جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۰۴ مجتبائی)

اِس میں عوام کے "خوف" سے دیوار کعبہ کے متعلق نہایت مفید خواہش کی تکمیل سے کنارہ کشی کی گئی ہے۔

جواب:۔ صلح حدیبیہ کا واقعہ سب کو معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لفظ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور رسول اللہ کٹوا دیا اور اس شرط پر صلح کی کہ اگر کوئی غیر مسلموں میں سے مسلمان ہو کر ہمارے پاس آئے گا تو ہم اس کو واپس کر دیں گے، لیکن اگر کوئی مسلمان مُرتد ہو کر کافروں کے پاس چلا جائے تو وہ اُسے واپس نہ کریں۔ نیز یہ کہ طواف کعبہ بھی اس سال نہ ہو گا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ کے بعد واپس چلے گئے۔ یہ واقعہ بخاری و مسلم میں موجود ہے اور مشکوٰۃ کتاب الصلح صفحہ ۳۵۳ و ۳۵۴ مطبع اصح المطابع۔ تجرید بخاری مترجم اردو جلد ۲ صفحہ ۱۶ میں بھی ہے، لیکن اس جگہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مندرجہ ذیل الفاظ درج کئے جاتے ہیں جو لکھا ہے کہ آپ نے صلحنامہ کی تحریر کے وقت کہے لکھا ہے:۔

"وَثَبَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَاَتَى اَبَا بَكْرٍ۔ فَقَالَ يَا اَبَا بَكْرٍ اَلَيْسَ بِرَسُوْلِ اللهِ قَالَ بَلٰى قَالَ اَوَلَسْنَا بِالْمُسْلِمِيْنَ قَالَ بَلٰى قَالَ اَوَلَيْسُوْا بِالْمُشْرِكِيْنَ قَالَ بَلٰى قَالَ فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ يَا عُمَرُ اِلْزَمْ غَرْزَهٗ فَاِنِّيْ اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللهِ۔ قَالَ عُمَرُ وَاَنَا اَشْهَدُ اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللهِ ثُمَّ اَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ! أَ لَسْتَ بِرَسُوْلِ اللهِ؟ قَالَ بَلٰى! قَالَ اَوَلَسْنَا بِالْمُسْلِمِيْنَ قَالَ بَلٰى! قَالَ اَوَلَيْسُوْا بِالْمُشْرِكِيْنَ؟ قَالَ بَلٰى! قَالَ فَعَلَامَ نُعْطِي الدَّنِيَّةَ فِيْ دِيْنِنَا"

(سیرۃ ابن ہشام عربی جلد ۲ صفحہ ۱۷۹ واقعہ حدیبیہ)

ترجمہ:۔ حضرت عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ بڑی تیزی سے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور اُن سے کہا۔ اے ابوبکرؓ! کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خُدا کے رسول نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا ہاں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ انہوں نے کہا۔ ہیں! پھر حضرت عمرؓ نے کہا، کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ انہوں نے جواب دیا۔ ہاں! پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ پھر کیا وجہ ہے

کہ ہم اِن کے ساتھ ایسی شرائط پر صلح کریں جس میں ہمارے دین کی ہتک ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا۔ اسے عمرؓ ! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رکاب پکڑے رہ۔ کیونکہ مَیں شہادت دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ حضرت عمرؓ نے کہا۔ مَیں بھی شہادت دیتا ہوں کہ حضورؐ اللہ کے رسول ہیں۔ اِس کے بعد حضرت عمرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور کہا۔ اے رسول اللہ! کیا آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں؟ حضور صلعم نے فرمایا۔ ہاں ہوں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا ہم مسلمان نہیں ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں ہیں۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا۔ کیا وہ لوگ مشرک نہیں ہیں؟ حضورؐ نے فرمایا! ہاں ہیں! تو اس پر حضرت عمرؓ نے کہا پھر ہم کیوں دب کر صلح کریں۔ جس سے ہمارے دین کی ہتک ہو۔

اب دیکھو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس طرزِ عمل کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا جلیل القدر انسان بھی "دب کر صلح کرنا" اور اپنی ہتک قرار دیتا ہے۔ لیکن کیا فی الحقیقت یہ ایسا ہی تھا۔ نہیں ہرگز نہیں۔

بعینہٖ اسی طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اقرار بھی تم کو بزدلی نظر آتا ہے۔ مگر اہلِ بصیرت اس کو بھی حضرت اقدسؑ کی فتح سمجھتے ہیں کیونکہ اس معاہدہ کے رُو سے مولوی محمد حسین بٹالوی اوّل المکفرین نے اپنا فتویٔ کفر واپس لے لیا تھا۔ (تفصیل کے لیے دیکھو تریاق صفحہ ۱۳ طبع اوّل)

جواب نمبر ۲۔ اوپر بتایا جا چکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو کچھ معاہدہ میں تحریر فرمایا۔ وہ ہرگز عدالت کے ڈر یا خوف کے باعث نہیں تھا۔ لیکن قرآن مجید میں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ دربارِ فرعون میں خوف زدہ ہو گئے۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی (طٰہٰ : ۶۸) کہ موسیٰ علیہ السلام ساحروں کی رسیاں اور سوٹیاں سانپ کی طرح دوڑتی دیکھ کر خوفزدہ ہو گئے۔

اِسی طرح دربارِ فرعون میں جانے سے پہلے بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام خوف کھاتے اور ڈرتے تھے قرآن مجید میں ہے:۔

"قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی" (طٰہٰ : ۴۶) کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے کہا۔ اے ہمارے رب ہم اِس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں فرعون ہم پر زیادتی نہ کرے یا ہمارے مقابلہ میں نہ اُٹھ کھڑا ہو۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ قَتَلْتُ مِنْهُمْ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ یَّقْتُلُوْنِ (القصص : ۳۴) کہ اے میرے رب! مَیں نے فرعونیوں کا ایک آدمی قتل کیا ہوا ہے۔ اس لئے مجھے ڈر ہے کہ وہ کہیں مجھ کو قتل نہ کر دیں۔ پس میری بجائے میرے بھائی ہارون کو دربار فرعون میں بھجوا دیجئے۔

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

اُنْظُرْ اِلٰی مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ کَیْفَ کَانَ یَخَافُ مِنْ فِرْعَوْنَ وَعَسْکَرِهٖ (تفسیر کبیر جلد ۸ صفحہ ۲ آخری سطر زیر آیت انا اعطینٰک الکوثر۔ سورۃ الکوثر ۲) یعنی موسیٰ کی طرف دیکھ کر وہ فرعون اور اس کے لشکر سے کس قدر خوفزدہ تھے۔

امام رازی پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِنَّ ذٰلِکَ الْخَوْفُ مِنْ لَوَازِمِ الْبَشَرِیَّۃِ کَمَا اَنَّ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ کَانَ یَخَافُ فِرْعَوْنَ مَعَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی کَانَ یَاْمُرُہٗ بِالذَّھَابِ اِلَیْہِ مِرَارًا (تفسیر کبیر جلد ۶ ص۴۵ زیر آیت قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یَا مُوْسٰی۔ سورۃ طٰہٰ : ۳۷) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا خوف لوازم بشریت میں سے تھا جس طرح موسیٰ علیہ السلام فرعون سے ڈرتے تھے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انکو بار بار فرعون کے پاس جانے کا حکم بھی دیا تھا۔

جوابٖ۔ پھر کیا ۲۰ر فروری ۱۸۹۹ء کے اس معاہدہ کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے کوئی انذاری پیشگوئی شائع نہیں فرمائی؟ اس کے بعد غلام دستگیر قصوری، محی الدین لکھوکے، چراغ الدین جمونی، سعداللہ لدھیانوی۔ ڈوئی امریکن۔ الٰہی بخش اکونٹنٹ وغیرہ ہلاک ہوتے اور ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض کی ہلاکت بد دُعا اور بعض کی حضرت اقدس کی پیشگوئی کے نتیجہ میں ہوئی۔

پس معاہدۂ عدالت الہام الٰہی میں روک نہیں ہوا۔ بلکہ وہ ایسے طریق پر تھا کہ جس پر حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام ابتدائے دعویٰ ہی سے عمل پیرا تھے۔

۴۹۔ جغرافیہ دانی پر اعتراض

مرزا صاحب نے لکھا ہے:۔

"قادیان لاہور سے گوشہ مغرب اور جنوب میں واقع ہے۔" (تریاق القلوب ص۲ مشمولہ آخر)

جواب:۔ دراصل فقرہ بالا میں لفظ "سے" کاتب کی غلطی سے بجائے "قادیان" اور "لاہور" کے درمیان لکھا جانے کے "لاہور" کے بعد لکھا گیا ہے جس سے مضمون بگڑ گیا ہے اصل فقرہ یوں تھا۔

"قادیان سے لاہور گوشہ مغرب اور جنوب میں واقع ہے۔"

اور یہی درست ہے۔ اس بات کا ثبوت کہ یہ غلطی مصنف کی نہیں بلکہ کاتب کی ہے یہ ہے کہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب "ستارۂ قیصریہ" کے پہلے صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"قادیان ...... جو لاہور سے تخمیناً بفاصلہ ستر میل مشرق اور شمال کے گوشہ میں واقع اور گورداسپورہ کے ضلع میں ہے۔" (ستارۂ قیصریہ ص۱)

ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو قادیان کی سمت لاہور سے معلوم تھی۔ ہاں اگر کاتب کو معلوم نہ ہو تو اس کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔

۵۰۔ معراج

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ معراج جسمانی نہ تھا بلکہ رُوحانی تھا۔

الجواب:۔ (۱) بخاری میں معراج کی حدیث کے آخر میں ہے:۔

وَاسْتَيْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" (بخاری کتاب التوحید باب قولہ وکلم اللہ موسیٰ تکلیماً جلد ۴ ص۱۱۹ مصری) کہ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہو گئے اور آپ مسجد حرام میں تھے۔
کیا آسمان سے اُترنے والا آدمی بیدار ہوا کرتا ہے یا سویا ہوا؟

(۲) حضرت معاویہؓ۔ حضرت عائشہؓ۔ حضرت خدیجہؓ۔ حضرت حسن بصریؒ۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ حضرت امام ابن قیمؒ۔ یہ سب معراج روحانی کے قائل تھے۔ چنانچہ تفسیر کشاف مصنفہ ابوالقاسم الزمخشری متوفی ۵۲۸ھ میں ہے۔

"وَاخْتُلِفَ فِي اِنَّهُ كَانَ فِي الْيَقْظَةِ اَمْ فِي الْمَنَامِ۔ فَعَنْ عَائِشَةَؓ اَنَّهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ مَا فُقِدَ جَسَدُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنْ عُرِجَ بِرُوْحِهٖ وَعَنِ الْحَسَنِ كَانَ فِي الْمَنَامِ رُؤْيَا رَاٰهُ صَلْعَمْ"

(تفسیر کشاف تفسیر سورۃ بنی اسرائیل آیت ۱ جلد ۲ ص۶۴۷ مصری)

کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ معراج بیداری کی حالت میں ہوا یا سوتے ہوتے پس حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ آپ نے فرمایا۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جسم یہاں سے گم نہیں ہوا۔ بلکہ آپ کی روح اُٹھائی گئی تھی اور حضرت معاویہؓ نے بھی فرمایا کہ آپ کی روح اُٹھائی گئی اور حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ معراج نیند کی حالت میں ایک خواب تھا جسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا۔ حضرت عائشہؓ کا قول وغیرہ (زاد المعاد مصنفہ حافظ ابن قیم جلد ۱ ص۳۰۱ و تفسیر کبیر جلد ۵ ص۲۵۸ و سیرت ابن ہشام جلد ۱ ص۲۶۵ مطبوعہ لندن۔ ابن جریر جلد ۱۵ ص۱۳ و حجۃ اللہ البالغہ مصنفہ حضرت شاہ ولی اللہ باب الاسراء و تذکرۃ الملوک ص۱۳ و شرح شفا ملا علی قاری جلد ۱ ص۴۰۳ و شہاب علی الشفا۔ جلد ۲ ص۲۸۹ و تفسیر خازن جلد ۴ ص۱۱ و اقارہ جلد ۲ ص۲۴۲ میں درج ہے)۔

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت عائشہؓ کی شہادت خواہ عینی نہ بھی ہو پھر بھی قابلِ قبول ہے۔ کیونکہ انہوں نے حلف اُٹھا کر بیان کی ہے۔ نیز اس کے متعلق لکھا ہے:۔ فَاِذَا لَمْ تُشَاهِدْ ذَالِكَ عَائِشَةُ دَلَّ عَلٰى اَنَّهَا حَدَّثَتْ عَنْ غَيْرِهَا مِنَ الصَّحَابَةِ فَحَدِيْثُهَا مِنْ مُرْسَلَاتِ الصَّحَابَةِ فَهُوَ صَحِيْحٌ اَيْضًا (شہاب علی الشفا جلد ۲ ص۲۰۵) کہ جبکہ حضرت عائشہؓ نے یہ واقعہ خود نہیں دیکھا۔ تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہؓ نے روایت اپنے علاوہ کسی صحابی سے لی ہے پس اندریں صورت یہ حدیث مرسلات صحابہؓ سے ہوگی جو وہ بھی صحیح ہے۔ پس حضرت عائشہؓ کی شہادت سب سے زیادہ وزن دار ہے اور اُن کا حلف اُٹھانا بتاتا ہے کہ غالباً انہوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات معلوم کی ہوگی۔ ورنہ پورے وثوق کے بغیر قسم نہیں اُٹھائی جاسکتی۔ پس جبکہ معراج کے جسمانی یا روحانی ہونے کا مسئلہ ابتداء ہی سے اختلافی ہے۔ پھر کیا اعتراض؟

۵۱ - حج بند

مرزا صاحب نے حقیقۃ الوحی میں لکھا ہے کہ خدا نے میرے وقت میں حج بند کر دیا ہے۔ اب کوئی حج کی ضرورت نہیں ہے۔

جواب: ۱۔ یہ جھوٹ ہے۔ حقیقۃ الوحی کیا کسی کتاب سے دکھا دو تو انعام لو۔

۲۔ حضرتؑ نے تو حقیقۃ الوحی میں یہ لکھا ہے کہ بعض حدیثوں میں آیا ہے کہ مسیح موعود کے وقت میں حج کسی مدت تک روک دیا جائے گا۔ چنانچہ میرے زمانہ میں ایک دفعہ سخت بیماری پڑنے کی وجہ سے ایک سال ۱۸۹۹-۱۹۰۰ء کے لیے روک دیا گیا تھا۔ بس۔ حضرت اقدسؑ نے قطعاً یہ نہیں فرمایا کہ خدا نے اب حج کے فریضہ کو منسوخ کر دیا ہے۔ (نعوذ باللہ)

(دیکھو حقیقۃ الوحی ص۱۹۵ طبع اول)

۳۔ "جس پر حج فرض ہو چکا ہے اور کوئی مانع نہیں وہ حج کرے۔" (کشتی نوح ص۱۴ طبع اول)

۴۔ حدیث جس کی طرف حضرت اقدسؑ نے اشارہ فرمایا ہے۔ منتخب کنز العمال جلد ۶ ص۱۳ پر ہے:۔

لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰی لَا یُحَجَّ الْبَیْتُ رَوَاہُ اَبُوْ یَعْلٰی وَالْحَاکِمُ۔

۵۔ اقتراب الساعۃ صفحہ ۲۸، ۲۹ طبع اول مطبوعہ مفید عام پریس پر مندرجہ بالا حدیث کا علامات قیامت میں بدیں الفاظ ذکر ہے۔

"اٹھائیسویں علامت بند ہو جانا راہِ حج کا اور اٹھائے جانا حجرِ اسود کا کعبہ معظمہ سے ہے حدیث ابی سعید میں مرفوعاً آیا ہے۔ قیامت قائم نہ ہوگی یہاں تک کہ گھر کا حج نہ ہوگا۔ رواہ الحاکم وصححہ والبزار و ابو یعلیٰ و ابن حبان ...... یہ دونوں کام ہو چکے۔ حج بھی بند ہوا۔ رکن کو بھی قرامطہ لے گئے۔ سنہ ۳۲۰ھ سے لیکر ۳۲۷ھ تک بسبب فتنہ قرامطہ بغداد سے حج بند ہو گیا۔"

گویا حج بند ہونے سے مراد عارضی طور پر رُکنا ہے۔

۵۲ - تقدیر اور ملائکہ کوئی نہیں

(ازالہ اوہام ٹائیٹل پیج)

جواب:۔ جھوٹ ہے۔ "ازالہ اوہام" کے ٹائیٹل پیج چھوڑ حضرت اقدسؑ کی کسی کتاب میں بھی تقدیر اور ملائکہ کا انکار نہیں۔ بلکہ حضرت اقدسؑ نے تو بار بار خدا تعالیٰ کی تقدیر اور ملائکہ کا اقرار کیا ہے ؎

قبضۂ تقدیر میں دل ہیں اگر چاہے خدا — پھیر دے میری طرف آ جائیں پھر بے اختیار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۸ طبع اول)

پھر فرمایا:۔

ع تری باتوں کے فرشتے بھی نہیں ہیں رازدار

(ایضاً)

۵ اے مری جاں کی پنہ فوجِ ملائک کو اُتار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۱۱۹ طبع اوّل)

۶۔ "ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق۔ اور روزِ حساب حق اور جنّت حق اور جہنم حق ہے۔" (ایام الصلح صـ۸۶ طبع اوّل)

۵۳۔ قرآن میں گالیاں بھری ہیں

جواب:۔ سفید جھوٹ ہے۔ حضرتؑ نے تو لکھا ہے کہ اگر ہر وہ بات جو قدرے سخت ہو خواہ وہ امرِ واقعہ ہو۔ گالی ہے تو پھر ماننا پڑیگا کہ قرآن میں گالیاں ہیں (ازالہ اوہام صـ۱۴ چھوٹی تقطیع طبع اوّل) کیونکہ قرآن مجید تو کافروں کے سب پردے کھول کر رکھ دیتا ہے۔ اسے گالی قرار دینا خود حماقت ہے کیونکہ اظہارِ واقعہ اور چیز ہے اور گالی اور۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو شرطی طور پر لکھا ہے نہ کہ مطلق۔

۵۴۔ خُدا کی طاقتیں تیندوے کے جال کی طرح

(توضیح مرام طبع اوّل صـ۷۵)

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ : ۱۲)

جواب:۔ خدا تعالیٰ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ کا مصداق تو ضرور ہے۔ مگر اُس کی بعض صفات کو بیان کرنے کے لئے اگر دنیوی مثال نہ دی جائے تو کہاں سے دی جائے۔ خود قرآن مجید نے مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (النور : ۳۶) فرمایا ہے۔ یعنی خُدا کے نُور کی مثال ایک قندیل کی طرح ہے جس طرح نُورِ خداوندی کی مثال مشکوٰۃ سے دی جاسکتی ہے۔ بعینہٖ اِسی طرح خدا کی صفات کا ایک ہی وقت میں مختلف اوقات اور مختلف مقامات میں اثر پذیر ہونا بھی تیندوے کے جال والی مثال سے بیان کیا جاسکتا ہے۔

۵۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ دربارہ ولادت مسیح علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عقیدہ یہی تھا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور خدا کے فضل سے یہی جماعت احمدیہ کا عقیدہ ہے اہلِ پیغام کے عقیدہ کے ہم ذمہ دار نہیں اور نہ وہ لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم کی پرواہ کرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب سے چند حوالجات لکھے جاتے ہیں۔ (۱) هُوَ خَلْقُ عِيْسٰى مِنْ غَيْرِ اَبٍ بِالْقُدْرَةِ الْمُجَرَّدَةِ۔ (مواہب الرحمٰن صـ۷۰ طبع اوّل) اور وہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰیؑ خدا تعالےٰ کی قدرتِ مجردہ سے بے باپ پیدا ہوئے۔

(۲) "كَذَالِكَ تَوَلُّدُ عِيْسٰى مِنْ دُوْنِ الْاَبِ" (مواہب الرحمٰن ص۲۰ طبع اول) اسی طرح سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بے باپ پیدا ہونا ہے۔

(۳) "اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام یوسف نجار کے نطفہ سے پیدا ہوتے وہ جہالت کی وجہ سے حقیقت کو نہیں جانتے"۔ (ترجمہ عربی مواہب الرحمٰن ص۷۲ طبع اول)

(۴) کشتی نوح ص۴۵ طبع اول۔ مریم صدیقہؓ...... نے پارسائی کی"۔

(۵) "مَن عجب تر از مسیح بے پدر"

(درثمین فارسی ص۱۱۴)

(۶) تحفہ گولڑویہ ص۲، ص۶۳، ص۹۸ حاشیہ ص۱۵ حاشیہ ص۱۲ طبع اول۔

۵۶۔ نبی کی ہر دُعا قبول نہیں ہوتی

مرزا صاحب نے مبارک احمد اور مولوی عبد الکریم صاحب کی صحت کیلئے دُعائیں کیں، مگر قبول نہ ہوئیں اور وہ فوت ہوگئے۔

الجواب ا۔ ضروری نہیں کہ نبی کی ہر دُعا قبول ہو۔ (۱) صحیح ترمذی میں ہے۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ اِنِّیْ سَأَلْتُ اللّٰهَ فِیْهَا ثَلَاثًا فَاَعْطَانِیْ ثِنْتَیْنِ وَمَنَعَنِیْ وَاحِدَةً (ترمذی باب الفتن جلد ۲ ص۴۰ مجتبائی) کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے تین دُعائیں کیں جن میں سے خدا نے دو منظور کرلیں اور ایک نامنظور کردی۔ وہ نامنظور دُعا یہ تھی۔ "سَأَلْتُهٗ اَنْ لَّا یُذِیْقَ بَعْضُهُمْ بَأْسَ بَعْضٍ فَمَنَعَنِیْهَا" (ایضاً نیز مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین ص۵۱۳ مطبع اصح المطابع) کہ میں نے دُعا کی کہ میری اُمت کا ایک حصہ دوسرے حصہ سے نہ لڑے۔ مگر خدا نے منظور نہ کی۔

۲۔ "اِسْتَأْذَنْتُ رَبِّیْ اَنْ اَسْتَغْفِرَ لِاُمِّیْ فَلَمْ یَأْذَنْ لِیْ" (مسلم کتاب الجنائز جلد ا ص۳۵۹ پہلا ایڈیشن مصری) کہ میں نے خدا تعالیٰ سے دُعا کی کہ مجھے اپنی والدہ کے لئے استغفار کرنے کی اجازت دی جاتے مگر خدا تعالیٰ نے مجھے اجازت نہ دی۔

(نیز دیکھو تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ا ص۴۱۵ مطبع مجیدی کانپور ۱۹۳۰ء)

۳۔ حضرت ابو حامد محمد امام غزالیؒ اپنی کتاب اَلْاِقْتِصَادُ فِی الْاِعْتِقَادِ باب دوم "القدرت" میں فرماتے ہیں:۔

"کئی دفعہ یہ بات ہوئی ہے کہ انبیاء علیہم السلام نے خدا سے دُعائیں مانگیں اور ان کو اپنی دُعائیں قبول ہونیکا بھی یقین تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے کسی مصلحت کی وجہ سے اُن کو قبول نہ کیا"۔

(اُردو ترجمہ علم الکلام ص۵۸ پہلا ایڈیشن)

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی دُعاؤں کی قبولیت کی تفصیل حقیقۃ الوحی ص۱۸۰ و ص۳۲۱ و آسمانی فیصلہ ص۱۸، ص۱۹ طبع سوم پر بیان فرمائی ہے۔

۵۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر دعویٰ افضیلت کا الزام

ا۔ "ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تین ہزار معجزات ظہور میں آئے۔" (تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۱ طبع اوّل)
ب۔ "اُس نے میری تصدیق کے لئے بڑے بڑے نشانات ظاہر کئے جو تین لاکھ تک پہنچتے ہیں۔"
(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۶۸)

الجواب: (۱) "تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۱" باستثناء قرآن کریم (۲) نزول المسیح صفحہ ۸۴
ایک جلسہ کرو اور ہمارے معجزات اور پیشگوئیاں سنو۔ اور ہمارے گواہوں کی شہادت رویت جو حلفی شہادت ہوگی۔ قلمبند کرتے جاؤ۔ اور پھر اگر آپ لوگوں کے لئے ممکن ہو تو باستثناء۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دُنیا میں کسی نبی یا ولی کے معجزات کو اُن کے مقابل پیش کرو۔"
(نزول المسیح صفحہ ۸۴ طبع اوّل)

(۳) ایک معجزہ کئی نشانوں پر مشتمل ہو سکتا ہے۔ مگر ایک نشان کئی معجزوں پر مشتمل نہیں ہوتا۔
(۴) حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔
"اُس نے میرا دعوےٰ ثابت کرنے کے لئے اس قدر معجزات دکھائے ہیں کہ بہت ہی کم نبی ایسے آئے ہیں جنہوں نے اِسقدر معجزات دکھائے ہوں۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اُس نے اسقدر معجزات کا دریا رواں کر دیا ہے کہ باستثناء۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی تمام انبیاء علیہم السلام میں ان کا ثبوت اس کثرت کے ساتھ قطعی اور یقینی طور پر محال ہے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۳۶ طبع اوّل)

پھر فرماتے ہیں:۔
"کسی نبی سے اِسقدر معجزات ظاہر نہیں ہوئے جسقدر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے۔۔۔۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اب تک ظہور میں آرہے ہیں اور قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے جو کچھ میری تائید میں ظاہر ہوتا ہے دراصل وہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔" (ایضاً صفحہ ۳۵)

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات سے کئی لاکھ زیادہ ہیں
اب اگر یہ سوال ہو کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلعم کے تین ہزار معجزات کیوں لکھے ہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ "تین ہزار معجزات" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کل معجزات نہیں بلکہ یہ صرف وہ معجزات ہیں جو صحابہ رضوان اللہ علیہم کے سامنے ظاہر ہوئے۔ چنانچہ خود حضرت مسیح موعود علیہ السلام لکھتے ہیں:۔
"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو چاروں طرف سے چمک رہے ہیں۔ وہ کیونکر چھپ سکتے ہیں صرف وہ معجزات جو صحابہؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں وہ تین ہزار معجزہ ہے اور پیشگوئیاں تو دس ہزار سے بھی زیادہ ہونگی۔ جو اپنے وقتوں پر پوری ہوگئیں اور ہوتی جاتی ہیں۔ ماسوائے اس کے بعض معجزات اور پیشگوئیاں قرآن شریف کی ایسی ہیں کہ ہمارے لئے بھی اس زمانہ میں محسوس و مشہود کا حکم رکھتی ہیں۔ اور کوئی اس سے انکار نہیں کر سکتا۔" (تصدیق النبی صفحہ ۲ مرتبہ فخرالدین ملتانی از تحریرات حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

پس ثابت ہوا کہ د۔ "تین ہزار معجزات" سے مراد صرف اسقدر معجزات ہیں جو صحابہؓ کی شہادتوں سے ثابت ہیں۔

ب ۔ پیشگوئیاں ان معجزات میں شامل نہیں۔

ج ۔ وہ پیشگوئیاں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں پوری ہوئیں۔ وہ علاوہ ان تین ہزار معجزات کے دس ہزار سے زیادہ تھیں۔

د۔ آپ کی پیشگوئیاں اور معجزات قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے لہٰذا اِن کو گنا ہی نہیں جا سکتا۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :-

"کراماتِ اولیاء سب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں۔"

(کشف المحجوب مترجم اُردو شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز علمی پریس ص۲۵۷)

پس اندریں حالات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے "نشانات" جن میں اکثر پیشگوئیاں بھی شامل ہیں۔ اگر تین لاکھ کی بجائے دس لاکھ بھی ہوں پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے ان کی کوئی نسبت ہی نہیں ٹھہرتی۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں :-

'یہ سہولتِ کامل (نشر و اشاعت کی) پہلے کسی نبی یا رسول کو ہرگز نہیں دی گئی مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اِس سے باہر ہیں۔ کیونکہ جو کچھ مجھے دیا گیا وہ اُنہیں کا ہے۔"

(نزول المسیح ص۲۳ حاشیہ طبع اول)

اِن عبارات میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنے نشانات و معجزات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ تو یہ کسرِ نفسی کے طور پر نہیں بلکہ امر واقع ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے بعض نشانات جو حقیقۃ الوحی ص۱۹۳ طبع اوّل سے آخیر کتاب تک لکھے ہیں۔ اگر ان کو بغور دیکھا جائے تو وہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نشانات اور معجزات ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً حقیقۃ الوحی ص۱۹۳ پر پہلا نشان حضرت اقدس علیہ السلام نے حدیث مجدّدین کو قرار دیا ہے۔ کہ ہر صدی پر مجدّدین آنے کی پیشگوئی میری صداقت کا نشان ہے۔ اب یہ پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے اور اس کا چودھویں صدی کے سر پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات میں پورا ہونا جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان ہے وہاں اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔

اسی طرح حقیقۃ الوحی ص۱۹۴ پر حدیث کسوف و خسوف رمضان۔ صحیح دار قطنی ص۱۸۸ کو حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی صداقت کا دوسرا نشان قرار دیا ہے اور درحقیقت یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی ہے اور اس کا ۱۸۹۴ء میں حضرت اقدس علیہ السلام کے زمانہ میں پورا ہونا۔ جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا نشان ہے۔ وہاں اس سے بڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس حقیقۃ الوحی ص۱۹۵ پر ایک نشان ستارہ ذوالسنین کے نکلنے کی پیشگوئی اور اُس کا

حضرت اقدس علیہ السلام کے وقت میں پورا ہونا۔ ستارہ ذوالسنین نکلنے کی پیشگوئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے جو حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۲ پر درج ہے۔ پس یہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نشان ہے۔ غرضیکہ اسی طرح پانچواں۔ چھٹا۔ ساتواں ھَلُمَّ جَرًّا۔ نشان حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنی صداقت پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی پیشگوئیوں کو قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"مَیں ہمیشہ تعجب کی نگاہ سے دیکھتا ہوں کہ یہ عربی نبی جس کا نام محمدؐ ہے (ہزار ہزار درود اور سلام اس پر) یہ کس عالی مرتبہ کا نبی ہے۔ اُس کے عالی مقام کا انتہا معلوم نہیں ہو سکتا۔ اور اس کی تاثیرِ قدسی کا اندازہ کرنا انسان کا کام نہیں۔ افسوس کہ جیسا حق شناخت کا ہے اُس کے مرتبہ کو شناخت نہیں کیا گیا۔ وہ توحید جو دُنیا سے گم ہو چکی تھی وہی ایک پہلوان ہے جو دوبارہ اس کو دُنیا میں لایا۔ اُس نے خدا سے نہایت درجہ محبت کی اور انتہائی درجہ پر بنی نوع کی ہمدردی میں اس کی جان گداز ہوئی۔ اس لئے خدا نے جو اُس کے دل کے راز کا واقف تھا اس کو تمام انبیاء اور تمام اوّلین وآخرین پر فضیلت بخشی۔ اور اُسکی مُرادیں اُس کی زندگی میں اُس کو دیں۔ وہی ہے جو سرچشمہ ہر ایک فیض کا ہے اور وہ شخص جو بغیر اقرار افاضہ اُسکے کے کسی فضیلت کا دعوےٰ کرتا ہے وہ انسان نہیں بلکہ ذریّتِ شیطان ہے کیونکہ ہر ایک فضیلت کی کُنجی اس کو دی گئی ہے اور ہر ایک معرفت کا خزانہ اُس کو عطا کیا گیا ہے۔ جو اُس کے ذریعہ سے نہیں پاتا وہ محروم ازلی ہے۔ ہم کیا چیز ہیں۔ اور ہماری حقیقت کیا ہے۔ ہم کافر نعمت ہونگے۔ اگر اس بات کا اقرار نہ کریں کہ توحیدِ حقیقی ہم نے اُسی نبیؐ کے ذریعہ سے پائی اور زندہ خُدا کی شناخت اُسی کامل نبی کے ذریعہ سے اور اُس کے نُور سے ملی ہے اور خُدا کے مکالمات اور مخاطبات کا شرف بھی جس سے ہم اُس کا چہرہ دیکھتے ہیں۔ اُسی بزرگ نبیؐ کے ذریعہ سے ہمیں میسّر آیا ہے۔ اُس آفتاب ہدایت کی شعاع دھوپ کی طرح ہم پر پڑتی ہے اور اُسی وقت تک ہم منوّر رہ سکتے ہیں جب تک کہ ہم اُس کے مقابل پر کھڑے ہیں۔"

(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۱۵، صفحہ ۱۱۶ طبع اوّل)

غرضیکہ اِن حقائق کے پیش نظر یہ کہنا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے نشانات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرار دیئے ہیں۔ انتہائی بددیانتی اور شرارت ہے۔ خصوصاً جبکہ حضرت اقدسؑ کا دعویٰ ہی یہ ہے "كُلُّ بَرَكَةٍ مِّنْ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَتَبَارَكَ مَنْ عَلَّمَ وَتَعَلَّمَ" کہ مَیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شاگرد ہوں۔ اور ہر ایک برکت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاک وجود سے ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۶ طبع اوّل عربی حصہ)

نیز فرمایا:۔

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اُس کا ہے محمدؐ دِلبر مرا یہی ہے
اُس نُور پر فدا ہوں، اُس کا ہی میں ہوا ہوں
وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

(درثمین اُردو صفحہ ۸۲، صفحہ ۸۴)

(۶) جیساکہ ثابت کیا جاچکا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا دعویٰ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہونے کا ہے، لیکن حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی عظیم شخصیت کا اقرار حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے بھی (کشف المحجوب مترجم اُردو صفحہ ۱۲۲ مطبوعہ دین محمدی پریس) پر فرمایا ہے۔ تفصیل ملاحظہ ہو۔ الہامات پر اعتراضات کا جواب زیر عنوان "حجر اسود منم" کے جواب میں۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ کی نسبت لکھا ہے :۔

"بایزید سے لوگوں نے کہا کہ قیامت کے دن ساری خلقت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے تلے جمع ہوگی۔ تو فرمایا: قسم خدا کی میرا لِوَاء (جھنڈا) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لِوَاء سے زیادہ ہے کہ خلائق اور پیغمبر میرے جھنڈے کے نیچے ہونگے۔ مجھ جیسا نہ آسمان میں پائیں گے نہ زمین میں۔"

اس کے آگے حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"جب کوئی شخص ایسا ہے تو....... اُسکو زبانِ حق حاصل ہوگی اور کہنے والا بھی حق ہوگا۔ اُس کا بولنا حق کا بولنا ہوگا۔ تو ضرور حق بایزید کی زبان سے کہتا ہے کہ میرا لِوَاء محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لِوَاء سے برتر ہے۔ جب یہ روا ہے کہ "اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ" (طٰہٰ : ۱۵) ایک درخت سے ظاہر ہو۔ تو یہ بھی روا ہے کہ "لِوَائِیْ اَعْظَمُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ اور سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمُ شَانِیْ" بایزید سے ظاہر ہو۔"
(ظہیر الاصفیاء اُردو ترجمہ تذکرۃ الاولیاء۔ باب چودھواں صفحہ ۱۵۹ و تذکرۃ الاولیاء اُردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز صفحہ ۱۳۰)

(۷) اِس سلسلہ میں مزید حوالجات ملاحظہ ہوں مضمون ختم نبوت کے آخر میں "شرک فی الرسالۃ" کا نعرہ بلند کرنے والوں سے ایک سوال۔

۵۸۔ میرے لئے دو گرہن

مرزا صاحب نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک نشان گرہن کا ظاہر ہوا تھا اور میرے لئے دو کا۔

لَہٗ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ وَاِنَّ لِیْ غَسَا الْقَمَرَانِ الْمُشْرِقَانِ اَتُنْکِرُ

الجواب :۔ مفصل طور پر پچھلے اعتراض کے جواب میں گذر چکا ہے کہ خسوف وکسوف کا نشان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی مندرجہ دار قطنی صفحہ ۱۸۸ کے مطابق ۱۸۹۴ء کے رمضان میں ظاہر ہوا اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ اِنَّ لِمَھْدِیِّنَا اٰیَتَیْنِ کہ ہمارے مہدی کے لیے یہ دو نشان ہونگے۔ پس ان دو نشانوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی کے مطابق ظاہر ہونا سب سے پہلے تو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کا نشان ہے۔ پس یہ دو نشان جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے بھی دو نشان ہوتے۔ ایک نشان شق القمر کا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ظاہر ہوا۔ وہ ان دو کے علاوہ ہے غرضیکہ

درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت کے یہ تین نشان ہیں اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کے اس کے بالمقابل دو نشان۔

اب اگر کوئی کہے کہ پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ہی نشان اور اپنے دو نشان لکھے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام اس قصیدہ میں اپنے مخالف علماء۔ مولوی ثناء اللہ وغیرہ کو مخاطب فرما رہے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ مخالف مولوی تو یہ نہیں مانتے کہ حدیث مذکور کسوف وخسوف مندرجہ سُنن دار قطنی ص۱۸۸ کے مطابق ۱۸۹۴ء میں چاند اور سُورج کو گرہن لگا۔ وہ تو اِس کو حدیث ہی قرار نہیں دیتے بلکہ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ کا قول قرار دیتے ہیں۔ گویا اُن کے نزدیک یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشگوئی نہ تھی جو پوری ہوئی بلکہ یا تو کسی جھوٹے راوی کی پیشگوئی تھی یا زیادہ سے زیادہ امام محمد باقرؒ کی۔ پس بخیال غیراحمدیاں آنحضرت صلعم کی تائید میں ایک ہی نشان شق القمر کا ہوا۔ لہٰذا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُن کو الزامی طور پر کہا کہ آنحضرت صلعم کی تائید میں ایک نشان تھا اور میری تائید میں دو نشان۔ ورنہ حضرت صاحب کے نزدیک تو "جو کچھ ہماری تائید میں ظاہر ہوتا ہے دراصل وہ سب آنحضرت صلعم کے معجزات ہیں" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۳۵ طبع اول) یہی حقیقت ہے۔

باقی رہا محمدیہ پاکٹ بک کے مصنف کا ص۲۵۵ پر لکھنا کہ "لَہٗ خَسَفَ الْقَمَرُ الْمُنِیْرُ" کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کے زمانہ میں صرف "چاند گرہن" ہوا تھا اور چاند کے دو ٹکڑے نہ ہوئے تھے محض جہالت ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں خَسَفَ کے معنے ٹوٹنے۔ سوراخ دار ہونے کے بھی ہیں۔ اور گرہن لگنے کے بھی۔ پس "اعجاز احمدی" کے شعر میں جہاں آنحضرت صلعم کے لئے یہ لفظ استعمال ہوا وہاں اس کے معنے اِنْشَقَّ الْقَمَرُ ہی کے ہیں اور جہاں حضرت مسیح موعود کے لیے استعمال ہوا وہاں اسکے معنے محض گرہن کے ہیں جیسا کہ واقعہ میں ہوا تھا۔ "شق القمر" کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مذہب "سرمہ چشم آریہ" نیز چشمہ معرفت حصہ دوم ص۲۱ طبع اول پر صاف طور پر مذکور ہے کہ آنحضرت صلعم کی انگلی کے اشارے سے چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے۔

نوٹ:۔ بعض غیراحمدی قاضی اکمل صاحب کا یہ شعر ؎

محمدؐ پھر اُتر آئے ہیں ہم میں
اور آگے سے ہیں بڑھکر اپنی شان میں

(اخبار پیغام صلح لاہور مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۱۶ء)

پیش کیا کرتے ہیں۔ سو یاد رکھنا چاہیئے کہ سیدنا حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اس شعر کی نسبت تحریر فرمایا ہے کہ "الفاظ ناپسندیدہ اور بے ادبی کے ہیں۔"

(الفضل ۱۹ اگست ۱۹۳۴ء ص۵ جلد ۲۲ ص۲۲)

اسی طرح ڈاکٹر شاہنواز صاحب کے ایک مضمون شائع شدہ ریویو آف ریلیجنز کا ایک فقرہ کہ "حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کا ذہنی ارتقاء آنحضرت صلعم سے زیادہ تھا " پیش کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ سیدنا حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ڈاکٹر صاحب موصوف کے اس نتیجہ کو "غلط" قرار دیا ہے اور ان الفاظ کو نامناسب اور قابلِ اعتراض قرار دیا ہے۔

(الفضل ۲۲/۸ جلد ۲۲ مورخہ ۱۹ راگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۵)

۵۹ - صد حسین است در گریبانم

الجواب:- (۱) اس شعر میں حضرت اقدسؑ نے اپنی فضیلت یا اپنے مقام کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اپنی تکالیف کا ذکر فرمایا ہے جیسا کہ مصرع اول میں ہے ع

کربلائے است سیر ہر آنم

(۲) "گریبان" بمعنی "جیب" نہیں ہوا کرتا بلکہ گریبان کے نیچے تو انسان کا اپنا وجود خصوصاً دل زیادہ قریب ہوتا ہے۔ پس شعر کا مطلب یہ ہے کہ ہر وقت میں کربلا کے میدان اور شہادتِ حسین کا خیال ذہنی اور حالی طور پر رکھتا ہوں۔ گویا میرے دل میں سو حسین کے لئے جگہ ہے پس یہ اظہارِ محبت ہے۔

(۳) حضرت اقدسؑ نے اپنی اور اپنے معتقدین کی تکالیف اور کابل کے شہداء کے پیشِ نظر یہ فرمایا ہے۔

(۴) گو اس شعر میں حضرت اقدسؑ نے حضرت امام حسینؓ پر اپنی فضیلت کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ اپنی تکالیف کو بیان فرمایا ہے۔ مگر تاہم ہمارا ایمان ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نبی ہیں اور نبی بہر حال ایک غیر نبی سے افضل ہے۔ بھلا تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مسیح موعود حضرت امام حسینؓ سے بڑا ہوگا یا چھوٹا؟

(۵) امام محمد بن سیرینؒ کی روایت حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶ میں درج ہے۔

"تَكُوْنُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ خَلِيْفَةٌ خَيْرًا مِنْ اَبِيْ بَكْرٍ وَعُمَرَ" (حجج الکرامہ صفحہ ۳۸۶) کہ اس امت میں ایک خلیفہ ہوگا جو حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ سے افضل ہوگا۔ نیز دیکھو اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۰۱۔ "ابن سیرین سے مروی ہے کہ مہدی بہتر ہیں ابی بکرؓ و عمرؓ سے کہا۔ کیا اُن سے وہ بہتر ہونگے؟ کہا! لگتا ہے کہ بعض انبیاء سے بھی بہتر ہوں۔" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۱۰۱ مطبوعہ ۱۳۰۱ھ)

(۶) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تو صرف اسی قدر لکھا ہے۔ "صد حسین است در گریبانم"۔ تمہارے معنی ہی مان لئے جائیں تو پھر بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ حضرت سید عبد القادر جیلانی پیرانِ پیرؒ فرماتے ہیں۔ لَيْسَ فِيْ جُبَّتِيْ سِوَى اللّٰهِ (مکتوبات امام ربانی مجدد الف ثانی جلد ۱ صفحہ ۲۴۴ مکتوب ۲۵۲) کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہزار امام حسینؓ بھی اللہ کے برابر نہیں ہو سکتے۔ فرمائیے حضرت پیرانِ پیر پر آپ کیا فتویٰ لگاتے ہیں؟

(۷) حضرت پیرانِ پیر فرماتے ہیں:- "اَلْمَهْدِيُّ الَّذِيْ يَجِيْءُ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ فَاِنَّهٗ يَكُوْنُ فِي الْاَحْكَامِ الشَّرْعِيَّةِ تَابِعًا لِمُحَمَّدٍ صلعم وَفِي الْمَعَارِفِ وَالْعُلُوْمِ وَالْحَقِيْقَةِ تَكُوْنُ جَمِيْعُ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ تَابِعِيْنَ لَهٗ كُلُّهُمْ لِاَنَّ بَاطِنَهٗ

بَاطِنُ مُحَمَّدٍ صلعم (شرح فصوص الحکم مطبعۃ الزاہر مصریہ صفحہ ۵۲،۵۱) کہ امام مہدی علیہ السلام جو آخری زمانہ میں ہونگے۔ چونکہ وہ احکام شرعی میں آنحضرت صلعم کے تابع ہونگے۔ اس لئے معارف اور علوم اور حقیقت میں تمام کے تمام ولی اور نبی اس کے تابع ہونگے۔ کیونکہ اس کا باطن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن ہوگا۔

(۸) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس شعر سے حضرت امام حسینؓ کی توہین ہرگز مقصود نہیں ہوسکتی کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

"کوئی انسان حسینؓ جیسے یا حضرت عیسیٰؑ جیسے راستباز پر بدزبانی کرکے ایک رات بھی زندہ نہیں رہ سکتا اور وعید مَنْ عَادٰی لِیْ وَلِیًّا فَقَدْ اٰذَنْتُہٗ بِالْحَرْبِ۔ دست بدست اُس کو پکڑ لیتا ہے۔" (اعجاز احمدی صفحہ ۳۵ طبع اوّل) نیز مفصل دیکھو حضورؑ کا اشتہار ۸ راکتوبر ۱۹۰۵ء و تبلیغ رسالت جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۴، ۱۰۵۔

۶۰۔ ہر رسولے نہاں بہ پیرا ہنم

جواب:۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔ "لَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ" (مکتوبات امام ربانی جلد ۱ صفحہ ۲۴۴) کہ میرے پیراہن میں اللہ کے سوا اور کچھ نہیں۔ نیز رسالہ صراط مستقیم حضرت اسمٰعیل شہید صفحہ ۱۳، ۱۴۔

۶۱۔ منم محمدؐ و احمد کہ مجتبیٰ باشد

الجواب ۱۔ حضرت پیران پیر سید عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں:۔ "میں اپنے جدِ امجد کے قدم پر ہوں نہ اُٹھایا کوئی قدم آنحضرت صلعم نے کسی مقام سے کہ نہ رکھا میں نے قدم اپنا اس جگہ پر۔" روایت شیخ شہاب الدین سہروردی۔ (کتاب بہجۃ الاسرار بحوالہ گلدستہ کرامات تالیف ۱۲۷۷ھ مطبوعہ نولکشور صفحہ ۱۱۲)

۲۔ پھر فرماتے ہیں:۔ ھٰذَا وُجُوْدُ جَدِّیْ صلعم لَا وُجُوْدُ عَبْدِ الْقَادِرِ (کتاب مناقب تاج الاولیاء مطبوعہ مصر صفحہ ۳۵ و گلدستہ کرامات صفحہ ۱) کہ یہ عبدالقادر کا وجود نہیں بلکہ محمدؐ کا وجود ہے۔

۳۔ اِنَّ بَاطِنَہٗ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ صلعم (شرح فصوص الحکم مطبعۃ الزاہر مصریہ صفحہ ۵۲،۵۱) کہ مہدی کا باطن محمد صلعم کا باطن ہوگا۔ (یہ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کا قول ہے) پس اگر ایک غیر نبی کے اس قسم کے اقوال تمہارے نزدیک محلِ اعتراض نہیں تو ایک نبی کے اقوال پر تمہارا اعتراض مضحکہ خیز ہے۔

۴۔ حضرت اسمٰعیل شہیدؒ صراط مستقیم صفحہ ۱۳، ۱۴ پر فرماتے ہیں:۔

"چوں امواج جذب وکشش رحمانی نفسِ کاملہ ایں طالب را در قعر لجج بحار احدیت فرو میکشد۔ زمزمہ اَنَا الْحَقُّ وَلَیْسَ فِیْ جُبَّتِیْ سِوَی اللّٰہِ ازاں سر برے زند کہ کلام ہدایت التیام کُنْتُ سَمْعَہُ الَّذِیْ یَسْمَعُ بِہٖ الخ...... وزنہار دریں معاملہ تعجب نہ نمائی و بانکار پیش نہ آئی۔ زیرا کہ چوں از نارِ وادی مقدس ندا، اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ سر برزد۔ اگر از نفسِ کاملہ کہ اشرف موجودات

است و نمونۂ حضرت ذات است۔ آواز انا الحق برآید محل تعجب نیست"۔

۵۔ امام مہدی کی علامات میں ہے :۔ یَقُوْلُ یَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ۔۔۔۔ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ یَنْظُرَ اِلٰی مُحَمَّدٍ۔۔۔۔۔ فَهَا اَنَا ذَا مُحَمَّدٌ (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲) یعنی امام مہدی کہے گا اے لوگو! تم میں سے جو کوئی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا چاہتا ہے وہ سن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں۔ گویا "منم محمدؐ و احمد کہ مجتبیٰ باشد" کہنا مہدویت کی علامت ہے نہ کہ محل اعتراض!

(مکمل حوالہ دیکھو پاکٹ بک ہذا صفحہ ۶۴۲)

۶۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے :۔

"کسی نے پوچھا عرش کیا ہے؟ فرمایا! "میں ہوں" پوچھا کرسی کیا ہے؟ فرمایا "میں ہوں" پوچھا لوح کیا ہے؟ فرمایا "میں" کہا خدائے عزّ وجلّ کے برگزیدہ بندے ہیں۔ ابراہیمؑ۔ موسیٰ۔ عیسیٰؑ۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا "سب میں ہوں" (ظہیر الاصفیاء ترجمہ اردو تذکرۃ الاولیاء۔ چودھواں باب صفحہ ۱۵۴، صفحہ ۱۵۵ و تذکرۃ الاولیاء۔ اردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز بار سوم صفحہ ۱۲۸ مزید تفصیل ملاحظہ ہو۔ آنحضرت صلعم پر دعویٰ فضیلت کے الزام کے جواب میں صفحہ ۶۳۳)۔

۶۲۔ حضرت فاطمہؓ کی ران پر سر رکھنا

مرزا صاحب نے یہ لکھ کر کہ میں نے خواب میں حضرت فاطمہؓ کی ران پر سر رکھا۔ حضرت فاطمہؓ کی توہین کی ہے۔

جواب ا۔ تمہاری دھوکہ دہی اور تحریف کو طشت از بام کرنے کے لئے حضرت مسیح موعود کی اصل عبارت نقل کی جاتی ہے :۔ "کشف۔۔۔۔۔ دیکھا تھا کہ حضرات پنجتن سید الکونین حسنینؓ فاطمۃ الزہرا اور علیؓ عین بیداری میں آئے اور حضرت فاطمہؓ نے کمال محبت اور مادرانہ عطوفت کے رنگ میں اس عاجز کا سر اپنی ران پر رکھ لیا۔۔۔ غرض میرے وجود میں ایک حصہ اسرائیلی ہے اور ایک حصہ فاطمی"۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱۹ طبع اول)

گویا حضرت مسیح موعود علیہ السلام یہ ثابت فرما رہے ہیں کہ حضورؑ حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہیں اور عبارت میں "مادرانہ عطوفت" کا لفظ بھی موجود ہے۔

ب۔ دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں :۔ "ایک کشف میں۔۔۔۔۔ میرا سر بیٹوں کی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ران پر ہے"۔ (نزول المسیح حاشیہ در حاشیہ صفحہ ۴۲ طبع اول)

ج : "مادرِ مہربان کی طرح" (براہین احمدیہ حصہ چہارم صفحہ ۵۰۳ حاشیہ در حاشیہ)

اب دیکھو ان عبارتوں میں کسقدر صراحت کے ساتھ اپنے آپ کو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔

جواب ۲۔ لیکن ذرا حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ کے اس کشف کی تعبیر کر دینا :۔

قَالَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ رَأَیْتُ فِی الْمَنَامِ کَاَنِّیْ فِیْ حِجْرِ عَائِشَةَ اُمِّ الْمُؤْمِنِیْنَ رَضِیَ اللّٰهُ

مِنْهَا وَ اَنَا اَرْضِعُ ثَدْيَهَا الْاَيْمَنَ ثُمَّ اَخْرَجْتُ ثَدْيَهَا الْاَيْسَرَ فَرَضَعْتُهٗ فَدَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلْعَمْ " (قلائد الجواہر فی مناقب الشیخ عبدالقادر صاحب جیلانیؒ مطبوعہ مصر ص۵۸ سطر ۸)

فرمایا حضرت سید عبدالقادر جیلانی نے خواب میں دیکھا کہ میں حضرت عائشہؓ کی گود میں ہوں اور اُن کے دائیں پستان کو چوس رہا ہوں۔ پھر میں نے بایاں پستان باہر نکالا اور اس کو چوسا پس اس وقت آنحضرت صلعم اندر تشریف لے آتے "

بتایئے! حضرت عائشہؓ کی توہین تو نہیں ہوئی۔ یاد رہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے کوئی اولاد نہیں ہوئی اور حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی جسمانی رشتہ (مثلاً نسل حضرت عائشہؓ سے ہونا وغیرہ) حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے نہ تھا، لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی نسل سے ہونے کے باعث ان کے فرزند تھے۔ خادمؔ

جوابؔ۔ دیوبندیوں کے معلّم ولی اللہ مولوی حسین علی دیوبندی آف واں بھچراں ضلع میانوالی اپنی کتاب بُلْغَةُ الْحَيْرَانِ ص۸ تتمہ پر لکھتے ہیں:۔ "رَأَيْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَانَقَنِيْ وَ ذَهَبَ بِيْ فِيْ مُعَانَقَتِهٖ عَلَى الصِّرَاطِ (اَیْ پُلِ صراط) ..... وَرَأَيْتُ اَنَّهٗ يُسْقُطُ فَاَمْسَكْتُهٗ وَ اَعْصَمْتُهٗ عَنِ السُّقُوْطِ" (بُلْغَةُ الحیران مطبوعہ حمایت اسلام پریس لاہور بار اوّل آخری حصہ کتاب کا ص۸) یعنی میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلعم نے میرے ساتھ معانقہ فرمایا اور معانقہ ہی کی حالت میں پُل صراط کی طرف چل پڑے۔ میں نے دیکھا کہ حضورؐ گرنے لگے ہیں۔ پس میں نے آپؐ کو پکڑ لیا اور گرنے سے بچا لیا"

لیکن یہ پڑھ کر بھی احراری حضرات جوش میں نہیں آتے۔

جوابؔ۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا ایک رؤیا درج ذیل ہے:۔

"ایک رات میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی استخوان مبارک (ہڈیاں۔ خادمؔ) لحد میں جمع کر رہے ہیں۔ اُن میں سے بعض کو پسند کرتے ہیں اور بعض کو ناپسند چنانچہ خواب کی ہیبت سے بیدار ہوتے" (تذکرۃ الاولیاء اُردو باب اٹھارہواں ص۱۲۶ نیز کشف المحجوب مصنفہ حضرت داتا گنج بخشؒ مترجم اُردو ص۱۰۶ سطر ۷) حوالجات ۴۲،۴۳ کے پیش نظر سید عطاء اللہ بخاری امیر شریعت احرار کا یہ قول بھی ملاحظہ فرمادیں:۔

"خدا کو جو جی میں آتے کہو مگر محمدؐ کے متعلق سوچ لینا۔ یہ معاملہ عقل و خرد کا نہیں بلکہ عشق کا ہے پھر یہ نہیں دیکھا جائیگا کہ قانون کیا کہتا ہے پھر جو ہونا ہوگا وہ ہو جائیگا اور جو ہوگا وہ دیکھا جائیگا"

(تقریر سید عطاء اللہ بخاری بر موقعہ احرار کانفرنس لاہور مطبوعہ آزاد ۴ نومبر ۱۹۴۹ء ص۲)

لیکن تعجب ہے کہ احمدیوں کے خلاف تو بنی فاطمہ میں سے آنے والے مہدی کے اس رویاء پر کہ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے اس کو فی الواقع اپنا بیٹا خیال فرمایا۔ اشتعال انگیزی کو انتہا تک پہنچا رہے ہیں لیکن مولوی حسین علی کے پُل صراط والے رؤیا کو پڑھنے سننے پر بھی اُن کی جھوٹی غیرت جوش میں نہیں آتی۔ بلکہ اس کو رحمۃ اللہ علیہ سے ملقب کہہ کر پکارتے ہیں۔ یاد رہے مولوی حسین علی مذکور کو دیوبندی علماء اپنا بزرگ تسلیم کرتے ہیں اسی

طرح حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے رؤیا کی تاویل کرتے ہیں اور اس کو ظاہر پر محمول کرکے اشتعال انگیزی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ان کا عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر اب تک بجنسہٖ محفوظ ہے استخوانِ مبارک کے انتخاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا۔ سچ ہے ؎

گرچہ جُرم عشق غیروں پر بھی ثابت تھا ولے
قتل کرنا تھا ہمیں۔ ہم ہی گنہگاروں میں تھے (میر تقی میر)

۶۳۔ مَیں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں

حضرت مرزا صاحب فرماتے ہیں :۔

مَیں کبھی آدم، کبھی موسیٰ، کبھی یعقوب ہوں نیز ابراہیم ہوں نسلیں ہیں میری بیشمار

الجواب:۔ ۱۔ اس شعر سے مراد یہ ہے کہ ان انبیاءؑ کی کوئی نہ کوئی صفت حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ آپ جامع جمیع صفات انبیاء ہیں چنانچہ خود حضرتؑ اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"مَیں آدمؑ ہوں۔ مَیں نوحؑ ہوں۔ مَیں ابراہیمؑ ہوں۔ مَیں اسحٰقؑ ہوں۔۔۔۔۔۔ سو ضرور ہے کہ ہر ایک نبی کی شان مجھ میں پائی جاوے اور ہر ایک نبی کی ایک صفت کا میرے ذریعے سے ظہور ہو۔"

(تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ ۸۵)

۲۔ بحار الانوار میں امام باقرؒ فرماتے ہیں :۔

"يَقُوْلُ (الْمَهْدِيُّ) يَا مَعْشَرَ الْخَلَائِقِ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى اِبْرَاهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ فَهَا اَنَا ذَا اِبْرَاهِيْمُ وَاِسْمٰعِيْلُ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مُوْسٰى وَيُوْشَعَ فَهَا اَنَا ذَا مُوْسٰى وَيُوْشَعُ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى عِيْسٰى وَ شَمْعُوْنَ فَهَا اَنَا ذَا عِيْسٰى وَشَمْعُوْنَ اَلَا وَمَنْ اَرَادَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مُحَمَّدٍ وَ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ فَهَا اَنَا ذَا مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمِيْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ۔"

(بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۲)

"یعنی امام مہدی کہے گا کہ اے لوگو! اگر تم میں سے کوئی ابراہیمؑ۔ اسمٰعیلؑ کو دیکھنا چاہتا ہے تو سُن لے کہ مَیں ہی ابراہیم و اسمٰعیل ہوں۔ اور اگر تم میں سے موسیٰؑ و یوشعؑ کو دیکھنا چاہے تو سُن لے کہ مَیں ہی موسیٰ اور یوشع ہوں اور اگر تم میں سے کوئی عیسیٰؑ و شمعونؑ کو دیکھنا چاہتا ہے تو سُن لے کہ عیسیٰ اور شمعون میں ہوں اور اگر کوئی تم میں سے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین علیؓ کو دیکھنا چاہتا ہے تو سُن لے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور امیر المومنین مَیں ہوں۔"

۳۔ پھر فرماتے ہیں :۔

"قَوْلُهٗ فَهَا اَنَا ذَا اٰدَمُ يَعْنِيْ فِيْ عِلْمِهٖ وَفَضْلِهٖ وَاَخْلَاقِهٖ۔" (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۲۰۹)

امام مہدی کا یہ فرمانا کہ میں آدم ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ آدم کے تمام فضل اور اخلاق مجھ میں پائے جاتے ہیں۔ غرضیکہ ؎

میں کبھی آدمؑ کبھی موسیٰؑ کبھی یعقوبؑ ہوں نیز ابراہیمؑ ہوں نسلیں ہیں میری بیشمار

کہنا امام مہدی کی علامت ہے اور حضرت اقدسؑ میں اس علامت کا پایا جانا آپؑ کی صداقت کی دلیل ہے۔ نہ کہ جائے اعتراض۔

۴۔ امام مہدی کی تو خیر یہ علامت تھی، لیکن ابو یزید بسطامیؒ کی تو یہ علامت نہ تھی مگر فرماتے ہیں:۔

"پوچھا کہتے ہیں ابراہیم۔ موسیٰ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، فرمایا "میں ہوں" جو شخص حق تعالیٰ میں محو ہو جاتا ہے وہ حق بن جاتا ہے اور جو کچھ ہے حق ہے ایسی صورت میں وہ سب کچھ ہو تو کوئی تعجب کا مقام نہیں۔"

(تذکرۃ الاولیاء مصنفہ حضرت شیخ فرید الدین عطارؒ چودھواں باب صہ ۱۲۸)

۶۴۔ غارِ ثور کی خستہ حالت

حضرت مرزا صاحب نے یہ لکھا کہ غارِ ثور جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ لی تھی نہایت خستہ حالت میں تھی اس میں جانوروں کا میلا پڑا ہوا تھا آنحضرتؐ کی توہین کی ہے؟

جواب (۱) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہرگز توہین نہیں کی بلکہ یہ فرمایا ہے کہ ہمارے لئے غیرت کا مقام ہے کہ ہم اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو یہ مانیں کہ حضورؐ کو جب دشمنوں نے مارنا چاہا تو خدا تعالیٰ نے آپؐ کو مکہ سے رات کی تاریکی میں ہجرت کا حکم دیا اور پھر ایک نہایت گندے غار میں آپ کو پناہ دی مگر جب مسیح کے دشمنوں نے ان کو مارنا چاہا تو خدا ان کو آسمان پر اٹھا کر لے گیا۔

(ب) غارِ ثور کی خستہ حالت کے متعلق حضرت اقدسؑ نے جو کچھ لکھا وہ درست ہے ملاحظہ ہو:۔

"صدیق رضی اللہ عنہ چوں دید کہ پائے مبارک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مجروح گشت۔ آنحضرتؐ را برگردن نیشاند و گفت یا رسول اللہ! اینجا توقف کن تا اول من دریں غار درآیم کہ شب است تاریک و غار خالی از حشرات نمے باشد تا از اشکِ دیدہ منزلت را آب زنم و بجاروب مژہ مسکنت را [illegible]یم پس صدیق اکبر ایں گفت و در غار آمد غارے دید بس خراب شدہ و مدتے کسے آنجا نرسیدہ و عہد بعید روئے بہیچ نزیلے نہ دیدہ و بر مثالِ سجلات زلات عصاۃ سیاہ و تاریک گشتہ و مانند بیت الاحزانِ محروماں بے سامان گشتہ و در غایتِ ضیق و ناہمواری چوں اکباد عشاق پُر از حیات و عقارب۔ پس ابوبکرؓ جامہ در برداشت پارہ پارہ کردہ و بدستِ مبارک خود دراں تاریکی یک یک سوراخ را تفحص کردہ بہ پارۂ آں جا محکم میکرد۔ پس ابوبکرؓ براں طریقہ تمام سوراخہا مسدود ساخت۔ مگر یک سوراخ کہ جامۂ او بداں وفا نہ کرد و پاشنۂ پائے خود را بآنجا فشرد۔ و آنچہ در خدمتگاری دست میداد پیش مے برد۔ بعد ازاں حضرت رسالت را (صلی اللہ علیہ وسلم) استدعا نمود "آقا در غار در آمد"۔ (معارج النبوۃ رکن ۴ صفحہ ۶، ۷)

پھر لکھتے ہیں:۔

"پاتہائے مبارک آں سرورؐ مجروح شد۔ ابوبکر صدیق اُورا بر دوشِ خود داشت و بہ درِ غار سانید و نخست خود در غار آمد تا آفتے ومکروہے بآنحضرت نرسد و ہوام درآں غار مسکن داشتند پس باندروں رفت و بہ نشست او احتیاط کرد و حجرہ تاریک بود۔ ہر سُوراخ کہ یافت وصلہ از جامہ خود کہ بر و قیمتی بود پارہ می ساخت و سوراخ بآں مضبوط ہے کرد و یک سوراخ ماند کہ جامہ بآں وفا نہ کرد۔ پاشنۂ پائے خود بآں محکم گردانید۔ پس گفت یارسول اللہ! درآ۔ حضرت درآمد"

(مدراج النبوۃ جلد ۲ صفحہ ۸۲ مصنفہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی)

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحفہ گولڑویہ ص۱۱۱ پر غارِ ثور کی جس خستہ وخراب حالت کا نقشہ کھینچا ہے وہ بالکل درست ہے باقی تمہارا یہ کہہ کر دھوکہ دینا کہ ص۱۱۳ تحفہ گولڑویہ میں حضرتؑ نے نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقبرہ کا ذکر فرمایا ہے۔ انتہائی شرارت ہے کیونکہ حضورؐ کا روضہ حجرہ عائشہؓ میں تھا۔ یعنی وہ مکان تھا جس میں حضورؐ اپنی زندگی میں خود رہتے تھے۔ کیا وہ غیر آباد تھا؟

۶۵۔ حضرت مریمؑ کی توہین کا الزام

مرزا صاحب نے چشمۂ مسیحی کے صفحہ ۲۵ تا ۲۸ طبع اول پر حضرت مریم پر نعوذ باللہ تہمت لگائی۔

جواب:۔ یہ جھوٹ ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت مریم پر زنا کا الزام لگایا ہے اور یہ بھی جھوٹ ہے کہ حضرتؑ نے اپنی طرف سے انکے یوسف نجار کیساتھ نکاح پر کوئی اعتراض کیا ہے یہ اعتراض کہ حضرت مریمؑ نے باوجود ہیکل کی خدمت کا عہد کرنے کے حمل کے سات مہینے بعد یوسف کے ساتھ نکاح کیوں کر لیا۔ یہ حضرت مسیح موعود کا اعتراض نہیں بلکہ انجیل کی تعلیم کی رُو سے یہودیوں کا اعتراض ہے جس کو حضرت مسیح موعودؑ نے عیسائیوں کے بالمقابل درج کیا ہے۔ "یہ لوگ (عیسائی۔ خادمؔ) اپنے گریبان میں مُنہ نہیں ڈالتے اور نہیں دیکھتے کہ انجیل کسقدر اعتراضات کا نشانہ ہے دیکھو یہ کسقدر اعتراض ہے کہ مریم کو ہیکل کی نذر کر دیا گیا۔ تاکہ وہ ہمیشہ بیت المقدس کی خادمہ ہو" الخ

(چشمہ مسیحی ص۲۵ تا ص۲۸ طبع اول)

گویا یہ اعتراض انجیل پر وارد ہوتا ہے مگر قرآنی تعلیم پر یہ اعتراض نہیں پڑتا۔ کیونکہ اس اعتراض کو نقل کر کے حضرت مسیح موعودؑ نے اس کے ساتھ ہی فرما دیا ہے۔ "ہم قرآن شریف کی رُو سے یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ حمل محض خدا کی قدرت سے تھا۔" (ایضاً ص۲۷)

باقی رہا حضرت مریم کا خدا تعالیٰ کی قدرت مجردہ سے حاملہ ہو جانے کے بعد یوسف سے نکاح کر لینا۔ یہ کوئی ناجائز فعل نہیں ہے اور اس کے لئے تاریخی طور پر ثبوت موجود ہے چنانچہ تاریخ کی مشہور و معروف کتاب الکامل ابن اثیر میں لکھا ہے:۔

"قَدْ ذَكَرْنَا حَالَ مَرْيَمَ فِيْ خِدْمَةِ الْكَنِيْسَةِ وَكَانَتْ هِيَ وَابْنُ عَمِّهَا يُوْسُفُ

بْنُ یَعْقُوبَ بْنَ مَاثَانِ النَّجَّارُ یَلِیَانِ لِخِدْمَةِ الْکَنِیْسَةِ وَکَانَ یُوْسُفُ حَکِیْمًا نَجَّارًا یَعْمَلُ بِیَدِہٖ وَیَتَصَدَّقُ بِذٰلِکَ وَقَالَتِ النَّصَارٰی اَنَّ مَرْیَمَ کَانَ قَدْ تَزَوَّجَهَا یُوْسُفُ ابْنُ عَمِّهَا اِلَّا اَنَّهٗ لَمْ یَقْرَبْهَا اِلَّا بَعْدَ رَفْعِ الْمَسِیْحِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَ کَانَتْ مَرْیَمُ اِذَا نَفِدَ مَاءُهَا وَ مَاءُ یُوْسُفَ بْنِ عَمِّهَا اَخَذَ کُلُّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا قُلَّتَهٗ وَانْطَلَقَ اِلَی الْمَغَارَةِ الَّتِیْ فِیْهَا الْمَاءُ یَسْتَعْذِبَانِ مِنْهُ ثُمَّ یَرْجِعَانِ اِلَی الْکَنِیْسَةِ فَلَمَّا کَانَ الْیَوْمُ الَّذِیْ لَقِیَهَا فِیْهِ جِبْرَائِیْلُ نَفِدَ مَاءُهَا فَقَالَتْ لِیُوْسُفَ لِیَذْهَبَ مَعَهَا اِلَی الْمَاءِ فَقَالَ عِنْدِیْ مِنَ الْمَاءِ مَا یَکْفِیْنِیْ اِلٰی غَدٍ فَاَخَذَتْ قُلَّتَهَا وَانْطَلَقَتْ وَحْدَهَا حَتّٰی دَخَلَتِ الْمَغَارَةَ فَوَجَدَتْ جِبْرَائِیْلَ۔"

(تاریخ کامل ابن اثیر جلد ا صہ ۱۲۱)

ترجمہ:۔ حضرت مریمؑ کے کلیسہ کی خدمت کا حال ہم نے اُوپر ذکر کر دیا ہے۔ مریم اور اس کے چچا کا بیٹا یوسف بن یعقوب بن ماثان نجّار۔ دونوں کلیسہ کی خدمت پر متقرر تھے اور یوسف حکیم اور ترکھان تھا۔ جو اپنے ہاتھوں سے کام کرکے صدقہ دیا کرتا تھا اور عیسائی کہتے ہیں کہ مریم سے اس کے چچا کے بیٹے یوسف نے نکاح کر لیا ہوا تھا، لیکن حضرت عیسٰیؑ کے رفع کے بعد تک وہ حضرت مریمؑ کے نزدیک نہیں گیا تھا۔ واللہ اعلم! اور مریمؑ اور یوسف کے مشکیزے کا پانی جب ختم ہو جاتا تو وہ دونوں اپنا اپنا برتن لینے اور اس غار میں جاتے جہاں پانی تھا۔ اور وہاں سے پانی لے کر واپس گرجا میں آجاتے تھے، لیکن جس دن حضرت جبرئیلؑ حضرت مریمؑ سے ملے اس دن حضرت مریم کا پانی ختم ہو گیا تھا اور انہوں نے یوسف سے کہا کہ وہ ان کے ساتھ پانی لینے چلے مگر اس نے جواب دیا میرے پاس ہنوز پانی ہے جو کل تک کفایت کرے گا۔ پس مریم نے اپنا برتن لیا اور اکیلی چل پڑی۔ یہاں تک کہ غار میں داخل ہوئی اور وہاں پر انہوں نے جبرائیل کو دیکھا۔"

◎

حصہ پنجم

حضرتؑ کی ذات پر اعتراضات

۱۔ ابنِ مریمؑ کیسے ہوئے

اعتراض:۔ مرزا صاحب ابن مریم کس طرح ہو گئے آپ کی والدہ کا نام تو چراغ بی بی تھا۔

جواب:۔ (۱) اِطْلَاقُ اِسْمِ الشَّیْءِ عَلٰی مَا یُشَابِہُہٗ فِیْ اَکْثَرِ خَوَاصِہٖ جَائِزٌ حَسَنٌ۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۸۹) کہ ایک چیز کا نام دوسری چیز کو (جو اکثر خواص میں اس سے ملتی ہو) دینا جائز ہے۔

(۲) اسم عَلَم بھی بطور مجاز دوسرے کے لئے بولا جاتا ہے چنانچہ بلاغت کی کتاب تلخیص المفتاح صفحہ ۵۹، ۶۰ میں لکھا ہے:۔ "وَلَا تَکُوْنُ عَلَمًا..... اِلَّا اِذَا تَضَمَّنَ نَوْعُ وَصْفِیَّۃٍ کَحَاتِمٍ" کہ علم استعارہ استعمال نہیں ہوتا ہاں جب کوئی صفت پائی جائے تب اسم علم بھی استعمال ہو سکتا ہے جیسے حاتم ہے۔ (از محمد عبد الرحمٰن قزوینی خطیب جامع دمشق)

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "مَنْ اَحَبَّ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی عِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ فِیْ زُھْدِہٖ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی اَبِی الدَّرْدَاءِ" (منصب امامت صفحہ ۵۳ مصنفہ سید اسمٰعیل شہیدؒ) کہ تم میں سے جو شخص عیسیٰ بن مریم کو زہد کی حالت میں دیکھنا چاہے وہ حضرت ابو درداء کو دیکھے۔

(۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج مطہرات کو "یوسف والیاں" قرار دیا ہے چنانچہ بخاری شریف میں ہے اِنَّکُنَّ لَاَنْتُنَّ صَوَاحِبُ یُوْسُفَ۔

(بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اہل العلم صفحہ ۹۹ و جلد ۱ صفحہ ۹۲ و صفحہ ۹۳ مطبع الہیہ مصر)

اس کا ترجمہ تجرید بخاری مترجم اردو سے نقل کیا جاتا ہے "چنانچہ حفصہؓ نے عرض کی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ٹھہرو بیشک یقیناً تم لوگ یوسف کی ہمنشین عورتیں ہو" (تجرید جلد ۱ صفحہ ۹۰)

نوٹ:۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ صَوَاحِبُ جمع ہے صَاحِبَۃٌ کی جس کے معنی ہیں "بیوی" جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "اَنّٰی یَکُوْنُ لَہٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَکُنْ لَّہٗ صَاحِبَۃٌ" (الانعام: ۱۰۲) کہ خدا کا بیٹا کیسے ہو سکتا ہے جبکہ اس کی بیوی کوئی نہیں ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی ازواج مطہرات کو صَوَاحِبُ یُوْسُفَ قرار دینے کے کیا معنی ہوئے۔

(۵) حضرت خواجہ میر درد دہلوی فرماتے ہیں:۔

اللہُ! اللہُ! ہر انسان بقدرتِ کاملہ حق تعالیٰ عیسیٰؑ وقتِ خویش است و ہر دم اُو را برائے خود معاملہ نفسِ عیسوی در پیش است۔ (رسالہ درد مطبع شاہجہانی بھوپال صفحہ ۲۱)

(۶) شیخ معین الدین اجمیریؒ فرماتے ہیں ؎

دمبدم رُوح القدس اندر معینے میدمد
من نے گویم مگر من عیسیٰؑ ثانی شدم

(دیوان خواجہ معین الدین چشتیؒ صفحہ ۱۶ بحوالہ عسل مصفّٰی جلد ۱ صفحہ ۶۲۳)

(۷) ابن مریم ہونے کے متعلق تفصیلی بحث الہامات پر اعتراضات کے جواب زیر عنوان "ابن مریم بننے کی حقیقت" پاکٹ بک ہذا صفحہ ۶۴۰ تا ۶۴۴ پر ملاحظہ ہو۔

۲۔ کسرِ صلیب

مسیح موعودؑ نے تو آکر کسرِ صلیب کرنی تھی؟

جواب ا۔ علامہ بدرالدین رحمۃ اللہ علیہ شارح صحیح بخاری نے لکھا ہے۔ "فُتِحَ لِیْ هُنَا مَعْنًی مِنَ الْفَیْضِ الْاِلٰهِیِّ وَهُوَ اَنَّ الْمُرَادَ مِنْ کَسْرِ الصَّلِیْبِ اِظْهَارُ کَذِبِ النَّصَارٰی" (عینی شرح بخاری جلد ۵ صفحہ ۵۸۴ مصری) کہ مجھ کو اس مقام پر فیضِ الٰہی سے الہاماً یہ بتایا گیا ہے کہ کسرِ صلیب سے مراد عیسائیت کو جھوٹا ثابت کرنا ہے۔

ب۔ حضرت حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں:۔

"اَیْ یُبْطِلُ دِیْنَ النَّصْرَانِیَّةِ" (فتح الباری شرح صحیح بخاری جلد ۶ صفحہ ۳۵)

یعنی کسرِ صلیب کا مطلب دینِ عیسائیت کا ابطال ہے۔

ج۔ حضرت مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی کسرِ صلیب کے یہی معنی کئے ہیں لکھتے ہیں۔ "اَیْ یُبْطِلُ النَّصْرَانِیَّةَ (مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۲۲۱) یعنی مسیح موعود نصرانیت کو جھُوٹا ثابت کرے گا۔

د۔ علامہ نووی نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔

(دیکھو نووی شرح مسلم جلد ۱ صفحہ ۸۷ کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ بن مریم)

ھ۔ "یُرِیْدُ اَبْطَالًا لِشَرِیْعَةِ النَّصَارٰی" (مجمع بحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۲۵۷) کہ کسرِ صلیب کا مطلب عیسائیت کا ابطال ہے۔

و۔ باقی رہا یہ کہنا کہ حضرت مرزا صاحب نے اپنے زمانہ ہی میں عیسائیت کو نیست و نابود کیوں نہیں کر دیا؟ تو سنو!۔

جواب (۱) قرآن مجید میں ہے۔ "جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ کَانَ زَهُوْقًا (بنی اسرائیل: ۸۲) کہ حق (قرآن) آیا اور باطل (کفر) بھاگ گیا اور باطل بھاگنے ہی والا ہے۔ اب قرآن مجید کے آنے سے جس طرح دُنیا سے باطل بھاگ گیا ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کے آنے سے عیسائیت بھی تباہ ہو چکی ہے۔

(۲) اصل بات وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بیان فرمائی۔ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ (الانفال: ۴۳ ع ۵) کہ ہلاک وہ ہوا جو دلائل سے مغلوب ہوا۔

(۳) حدیث میں بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ" (بخاری کتاب المناقب باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ باب فضائل النبی ص۵۱۵ اصح المطابع) کہ میں ماحی ہوں یعنی اللہ تعالیٰ میرے ذریعہ کفر کو دنیا سے مٹا دے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث ہوتے ۱۴۰۲ برس گزر گئے کیا ظاہری طور پر کفر دنیا سے مٹ گیا؟ پھر اس جگہ اتنے بیتاب ہونے کا کیا باعث ہے۔

۴۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے غلبۂ اسلام کا ہونا اپنے زمانہ میں قرار دیا ہے اور "زمانہ" کے متعلق حضرت فرماتے ہیں:-

الف۔ "مسیح موعود کا زمانہ اس حد تک ہے جس حد تک اس کے دیکھنے والے یا دیکھنے والوں کے دیکھنے والے اور یا پھر دیکھنے والوں کے دیکھنے والے دنیا میں پائے جائیں گے اور اس کی تعلیم پر قائم رہیں گے غرض قرونِ ثلاثہ کا ہونا برعایت منہاج نبوۃ ضروری ہے۔"

(تریاق القلوب ص۱۵۳ حاشیہ تقطیع کلاں و ص۲۹۹ حاشیہ تقطیع خورد)

ب۔ "یاد رکھو کہ کوئی آسمان سے نہیں اترے گا ہمارے سب مخالف جو اب زندہ موجود ہیں وہ تمام مریں گے اور کوئی ان میں سے عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا اور پھر ان کی اولاد جو باقی رہے گی وہ بھی مریگی اور ان میں سے بھی کوئی آدمی عیسیٰ بن مریم کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گا۔ اور پھر اولاد کی اولاد مرے گی اور وہ بھی مریم کے بیٹے کو آسمان سے اترتے نہیں دیکھے گی تب خدا ان کے دلوں میں گھبراہٹ ڈالے گا کہ زمانہ صلیب کے غلبہ کا بھی گزر گیا اور دنیا دوسرے رنگ میں آگئی۔ مگر مریم کا بیٹا عیسیٰ اب تک آسمان سے نہ اترا۔ تب دانشمند یک دفعہ اس عقیدہ سے بیزار ہو جائیں گے اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسیٰ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے اور دنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا اور ایک ہی پیشوا۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔"

(تذکرۃ الشہادتین ص۶۵ طبع اول ۱۹۰۳ء بڑی تقطیع ص۶۵)

ج۔ "خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ ان کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو دنیا میں وہ پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس کی تخم ریزی انہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے، لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا۔" (الوصیت ص۶ طبع اول)

د۔ "پوری ترقی دین کی کسی نبی کی عین حیات میں نہیں ہوئی۔ بلکہ انبیاء کا یہ کام تھا کہ انہوں نے ترقی کا کسی قدر نمونہ دکھلا دیا اور پھر بعد ان کے ترقیاں ظہور میں آئیں۔..... سو میں خیال کرتا ہوں کہ

میری نسبت بھی ایسا ہی ہوگا۔" (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۳ طبع اول)

۵۔ "مسیح موعود صرف اس جنگ رُوحانی کی تحریک کے لئے آیا، ضرور نہیں کہ اس کے رُوبرُو ہی اس کی تکمیل بھی ہو بلکہ یہ تخم جو زمین میں بویا گیا۔ آہستہ آہستہ نشوونما پاتے گا۔ یہاں تک کہ خدا کے پاک وعدوں کے موافق ایک دن یہ ایک بڑا درخت ہوجائے گا۔ اور تمام سچائی کے بھوکے اور پیاسے اس کے سایہ کے نیچے آرام کریں گے۔ دلوں سے باطل کی محبت اُٹھ جائے گی گویا باطل مرجائے گا اور ہر ایک سینہ میں سچائی کی رُوح پیدا ہوگی۔ اُس روز وہ سب نوشتے پورے ہوجائیںگے جن میں لکھا ہے کہ زمین سمندر کی طرح سچائی سے بھر جائے گی۔ مگر یہ سب کچھ جیسا کہ سنت اللہ ہے تدریجاً ہوگا اس تدریجی ترقی کے لیے مسیح موعودؑ کا زندہ ہونا ضروری نہیں۔ بلکہ خدا کا زندہ ہونا کافی ہوگا۔ یہی خداتعالیٰ کی قدیم سُنّت ہے اور الٰہی سُنّتوں میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ پس ایسا آدمی سخت جاہل ہوگا کہ جو مسیح موعودؑ کی وفات کے وقت اعتراض کرے کہ وہ کیا کر گیا؟ کیونکہ اگرچہ یک دفعہ نہیں مگر انجام کار وہ تمام بیج جو مسیح موعودؑ نے بویا تدریجی طور پر بڑھنا شروع کریگا اور دلوں کو اپنی طرف کھینچے گا۔ یہاں تک کہ ایک دائرہ کی طرح دُنیا میں پھیل جائے گا۔"

(ایام الصلح ایڈیشن اول صفحہ ۱۱۶ و ایڈیشن دوم صفحہ ۶۷ بڑی تقطیع)

جماعتِ احمدیہ کی خدمات کا اقرار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو عظیم الشان خدمتِ اسلام کرنے والی جماعت اپنے پیچھے چھوڑی۔ یہی "کسر صلیب" کا مفہوم ہے جماعت احمدیہ کو ایسے صحیح عقائد دیئے۔ خصوصاً مسئلہ وفاتِ مسیح اور پھر دلائل کا وہ بے بہا خزانہ دیا کہ عیسائی مناظرین کی جرأت نہیں کہ احمدی مناظرین کے بالمقابل میدان میں کھڑے ہوسکیں۔ پھر لنڈن میں مسجد بنانا اور اس کے مینار سے مرکز کفر و شرک میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا نعرہ بلند کرنا یہ بھی جماعت احمدیہ ہی کے حصہ میں آیا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ذیل میں چند اقتباسات مخالفین سلسلہ کی تحریرات سے درج کئے جاتے ہیں۔ جن میں انہوں نے جماعت احمدیہ کی خدمات اسلامی کا خصوصاً معرکہ شدھی کے متعلق خدمات کا اقرار کیا ہے۔

۱۔ مولوی ظفر علی آف زمیندار لکھتے ہیں:۔

"مسلمانانِ جماعت احمدیہ اسلام کی انمول خدمت کر رہے ہیں جو ایثار۔ کمربستگی۔ نیک نیتی اور توکل علی اللہ ان کی جانب سے ظہور میں آیا ہے۔ وہ اگر ہندوستان کے موجودہ زمانہ میں بے مثال نہیں تو بے انداز عزت اور قدردانی کے قابل ضرور ہے جہاں ہمارے مشہور پیر اور سجادہ نشین حضرات بے حس وحرکت پڑے ہیں۔ اس اولوالعزم جماعت نے عظیم الشان خدمتِ اسلام کرکے دکھا دی۔"

(زمیندار ۲۴ جون ۱۹۲۳ء)

۲۔ مولانا محمد علی صاحب جوہر، برادر مولانا شوکت علی صاحب مرحوم لکھتے ہیں :۔

" ناشکر گزاری ہوگی۔ اگر جناب مرزا بشیر الدین محمود احمد اور ان کی اس منظم جماعت کا ذکر ان سطور میں نہ کریں۔ جنہوں نے اپنی تمام تر توجہات بلا اختلاف عقیدہ تمام مسلمانوں کی بہبودی کے لیے وقف کر دی ہیں۔ یہ حضرات اس وقت اگر ایک جانب مسلمانوں کی سیاسیات میں دلچسپی لے رہے ہیں تو دوسری طرف تبلیغ اور مسلمانوں کی تنظیم اور تجارت میں بھی انتہائی جدوجہد سے منہمک ہیں۔ اور وہ وقت دُور نہیں جبکہ اسلام کے اس منظم فرقہ کا طرزِ عمل سوادِ اعظم اسلام کے لئے بالعموم اور ان اشخاص کے لئے بالخصوص جو بسم اللہ کے گنبدوں میں بیٹھ کر خدمت اسلام کے بلند بانگ و در باطن ہیچ دعاوی کے خوگر ہیں مشعلِ راہ ثابت ہوگا۔" (اخبار ہمدرد دہلی ۲۶ ستمبر ۱۹۲۷ء)

۳۔ " احمدی بھائیوں نے جس خلوص جس ایثار جس خوشی اور جس ہمدردی سے اس کام میں حصہ لیا ہے وہ اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس پر فخر کرے۔" (زمیندار ۱۸ اپریل ۱۹۲۳ء)

۴۔ جماعت احمدیہ نے خصوصیت کے ساتھ آریہ خیالات پر بہت بڑی ضرب لگائی ہے اور جماعت احمدیہ جس ایثار اور درد سے تبلیغ اور اشاعت اسلام کی کوشش کرتی ہے وہ اس زمانہ میں دوسری جماعتوں میں نظر نہیں آتی۔" (اخبار مشرق ۱۵ مارچ ۱۹۲۳ء)

۵۔ " اس وقت ہندوستان میں جتنے فرقے مسلمانوں میں ہیں سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا ہندوؤں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں صرف ایک احمدی جماعت ہے جو قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جماعت سے مرعوب نہیں ہے اور خالص اسلامی خدمات سرانجام دے رہی ہے۔" (اخبار مشرق گورکھ پور ۲۳ ستمبر ۱۹۲۷ء)

۶۔ " گھر بیٹھ کر احمدیوں کو بُرا بھلا کہہ لینا نہایت آسان ہے، لیکن اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ یہی ایک جماعت ہے جس نے اپنے مبلغین انگلستان اور امریکہ یورپین ممالک میں بھیج رکھے ہیں۔ کیا ندوۃ العلماء دیوبند فرنگی محل اور دوسرے علمی اور دینی مرکزوں سے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ بھی تبلیغ و اشاعت حق کی سعادت میں حصہ لیں کیا ہندوستان میں ایسے متمول مسلمان نہیں ہیں جو چاہیں تو بلا دقت ایک ایک مشن کا خرچ اس طرح سے دے سکتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہے، لیکن افسوس کہ عزیمت کا فقدان ہے فضول جھگڑوں میں وقت ضائع کرنا اور ایک دوسرے کی پگڑی اُچھالنا آج کے مسلمانوں کا شعار ہو چکا ہے۔"

(زمیندار ۱۷ دسمبر ۱۹۲۷ء)

۷۔ جناب مولنا عبد الحلیم صاحب شرر فرماتے ہیں :۔

" احمدی مسلک شریعتِ محمدیہ کو اسی قوت اور شان سے قائم رکھ کر اس کی مزید تبلیغ و اشاعت کرتا ہے خلاصہ یہ کہ بابیت اسلام کے مٹانے کو آئی ہے اور احمدیت اسلام کو قوت دینے کے لئے اور اسی کی برکت ہے کہ باوجود چند اختلافات کے احمدی فرقہ اسلام کی سچی اور پُر جوش خدمت ادا کرتے ہیں جو دوسرے مسلمان نہیں کرتے۔" (رسالہ دلگداز بابت ماہ جون ۱۹۰۶ء)

۲۔ جماعت احمدیہ کے اخلاق پر الزام

بعض لوگ شہادۃ القرآن کے حوالہ سے کہا کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کی بہت مذمت کی ہے۔ پس آپ کے آنے کا اثر کیا ہوا؟

جواب:۔ شہادۃ القرآن حضرت اقدس کے ابتدائے دعوے کی تصنیف ہے جبکہ ابھی سلسلۂ بیعت شروع ہوتے دو تین سال کا عرصہ ہوا تھا۔ پس ظاہر ہے کہ وہ لوگ جو غیر احمدیت کی حالت سے نکل کر اس سلسلہ میں داخل ہوئے تھے اُن کی وہ پُرانی بیماری یکدم تو دُور نہ ہو سکتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تربیت کے عظیم الشان اثر کا اندازہ ابتدائی سالوں میں کرنا نادانی ہے لازم ہے کہ حضرت کی وفات کے قریب احمدیوں کی اخلاقی حالت کا مقابلہ ان کی ابتدائے دعویٰ مسیح موعود کی اخلاقی حالت کے ساتھ کیا جائے تو اس میں زمین آسمان کا فرق نکلے گا۔

بیشک حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ابتدائے دعویٰ میں بعض مریدین کی بد اخلاقی کا ذکر فرما کر ان کو اصلاح کی طرف توجہ دلائی جس طرح ایک شفیق اور محسن باپ اپنے بیٹوں کی خطا کاریوں پر ان کو سرزنش بھی کرتا ہے لیکن کیا اس کے بعد ان لوگوں نے اپنی اصلاح نہیں کر لی تھی؟ اور کیا حضرت نے بعد میں اپنی جماعت کی حیرت انگیز اخلاقی و روحانی ترقی کا ذکر نہیں فرمایا؟ "اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ" (البقرۃ: ۸۶) لو سنو!

۱۔ "افسوس کہ ہماری جماعت کی ایمانداری اور اخلاص پر اعتراض کرنے والے دیانت اور راستبازی سے کام نہیں لیتے۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۱۶۸)

۲۔ پھر اپنی جماعت کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔
"اکثر ان میں صدہا نیک بخت ہیں"۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۰، صفحہ ۲۲۹ طبع اوّل)

۳۔ میرے لئے یہ عمل کافی ہے کہ ہزارہا آدمیوں نے میرے ہاتھ پر اپنے طرح طرح کے گناہوں سے توبہ کی ہے اور ہزارہا لوگوں میں بعدِ بیعت میں نے ایسی تبدیلی پائی ہے کہ جب تک خدا کا ہاتھ کسی کو صاف نہ کرے۔ ہرگز ایسا صاف نہیں ہو سکتا اور میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ میرے ہزارہا صادق اور وفادار مُرید بیعت کے بعد ایسی پاک تبدیلی حاصل کر چکے ہیں کہ ایک ایک فرد اُن میں بجائے ایک ایک نشان کے ہے۔" (ایضاً صفحہ ۲۳۸)

۴۔ ہزارہا انسان خدا نے ایسے پیدا کئے کہ جن کے دلوں میں اُس نے میری محبت بھر دی۔ بعض نے میرے لئے جان دیدی اور بعض نے اپنی مالی تباہی میرے لئے منظور کی اور بعض میرے لئے اپنے وطنوں سے نکالے گئے اور دُکھ دیئے گئے اور ستائے گئے اور ہزارہا ایسے ہیں کہ وہ اپنے نفس کی حاجات پر مجھے مقدم رکھ کر اپنے عزیز مال میرے آگے رکھتے ہیں اور میں دیکھتا ہوں کہ ان کے دل محبت سے پُر ہیں اور بہتیرے ایسے ہیں کہ اگر میں کہوں کہ اپنے مالوں سے بکلی دست بردار ہو جائیں یا اپنی جانوں

کو میرے لیے فدا کر دیں۔ تو وہ طیار ہیں جب میں اس درجہ کا صدق اور ارادت اکثر افراد اپنی جماعت میں پاتا ہوں۔ تو بے اختیار مجھے کہنا پڑتا ہے کہ اے میرے قادر خدا! درحقیقت ذرہ ذرہ پر تیرا تصرف ہے، تو نے ان دلوں کو ایسے پر آشوب زمانہ میں میری طرف کھینچا اور ان کو استقامت بخشی یہ تیری قدرت کا نشان عظیم الشان ہے۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۲۲۸، ص ۲۲۹ طبع اوّل)

۵۔ "میں حلفاً کہہ سکتا ہوں کہ کم از کم ایک لاکھ آدمی میری جماعت میں ایسے ہیں جو سچے دل سے میرے پر ایمان لاتے اور اعمال صالحہ بجا لاتے ہیں۔ اور باتیں سننے کے وقت ایسے روتے ہیں کہ ان کے گریبان تر ہو جاتے ہیں۔ میں اپنے ہزار ہا بیعت کنندگان میں اس قدر تبدیلی دیکھتا ہوں کہ موسیٰ نبی کے پیرو ان سے جو ان کی زندگی میں اُن پر ایمان لائے تھے۔ ہزار ہا درجہ ان کو بہتر خیال کرتا ہوں۔ اور ان کے چہروں پر اصحابہ کے اعتقاد اور صلاحیت کا نور پاتا ہوں شاذ و نادر کے طور پر اگر کوئی اپنے فطرتی نقص کی وجہ سے صلاحیت میں کم رہا ہو تو وہ شاذ و نادر میں داخل ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ میری جماعت نے جس قدر نیکی اور صلاحیت میں ترقی کی ہے۔ یہ بھی ایک معجزہ ہے..... پھر بھی میں ہمیشہ ان کو اور ترقیات کے لئے ترغیب دیتا ہوں اور ان کی نیکیاں ان کو نہیں سناتا مگر دل میں خوش ہوں۔"

(الذکر الحکیم ۲ ص ۱۶ ص ۱۷ وسیرۃ المہدی حصہ اوّل ص ۴۶ مصنفہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے)

۶۔ "میں دیکھتا ہوں کہ میری بیعت کرنے والوں میں دن بدن صلاحیت اور تقویٰ ترقی پذیر ہے ...... میں اکثر کو دیکھتا ہوں کہ سجدہ میں روتے اور تہجد میں تضرّع کرتے ہیں۔ ناپاک دل کے لوگ ان کو کافر کہتے ہیں اور وہ اسلام کا جگر اور دل ہیں۔"

(ضمیمہ انجام آتھم ص ۳۱ ۱۸۹۶ء زیر عنوان "نواں امر")

۷۔ "میں خدا تعالیٰ کا شکر کرتا ہوں کہ اس نے مجھے ایک مخلص اور وفادار جماعت عطا کی ہے۔ میں دیکھتا ہوں کہ جس کام اور مقصد کے لئے میں ان کو بلاتا ہوں نہایت تیزی اور جوش کے ساتھ ایک دوسرے سے پہلے اپنی ہمت اور توفیق کے موافق آگے بڑھتا ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ ان میں صدق اور اخلاص پایا جاتا ہے میری طرف سے کسی امر کا اشارہ ہوتا ہے اور وہ تعمیل کے لئے تیار۔ حقیقت میں کوئی قوم اور جماعت تیار نہیں ہو سکتی جب تک اس میں اپنے امام کی اطاعت اور اتباع کے واسطے اسی قسم کا جوش اور اخلاص اور وفا کا مادہ نہ ہو۔"

(الحکم جلد ۸ نمبر ۲۵، ۲۶ ص ۲ کالم ۲ ۳۱ جولائی و ۱۰ اگست ۱۹۰۴ء)

۸۔ وَأَشْكُرُ اللّٰهَ عَلٰى مَا أَعْطَانِيْ جَمَاعَةً أُخْرٰى مِنَ الْأَصْدِقَاءِ وَالْأَتْقِيَاءِ مِنَ الْعُلَمَاءِ وَالصُّلَحَاءِ الْعُرَفَاءِ الَّذِيْنَ رُفِعَتِ الْأَسْتَارُ مِنْ عُيُوْنِهِمْ وَمُلِئَ الصِّدْقُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ يَنْظُرُوْنَ الْحَقَّ وَيَعْرِفُوْنَهُ وَيَسْعَوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَمْشُوْنَ كَالْعَمِيْنَ۔ وَقَدْ خُصُّوْا بِبَاصِرَةِ تَهْتَانِ الْحَقِّ وَوَابِلِ الْعِرْفَانِ وَرُضِعُوْا ثَدْيَ لِبَانِهِ وَأُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمْ وَجْهَ اللّٰهِ...... وَشَرَحَ اللّٰهُ صُدُوْرَهُمْ وَفَتَحَ أَعْيُنَهُمْ وَآذَانَهُمْ وَسَقَاهُمْ كَأْسَ الْعَارِفِيْنَ۔" (حمامۃ البشریٰ ص ۷ طبع اوّل تقطیع کلاں)

پس شہادۃ القرآن صفحہ ۹۵ تا صفحہ ۱۰۴ کے زمانہ کی تحریر سے (جو اوائل دعویٰ کا زمانہ ہے) تمسک کرکے جماعت احمدیہ کے اخلاق اور رُوحانیت پر حملہ کرنا بد دیانتی ہے اور اس کی مثال تو ایسی ہی ہے کہ تمہارے جیسا کوئی عقلمند کسی طبیب یا ڈاکٹر کے مطب یا ہسپتال میں نوآمد مریضوں کو دیکھ کر فوراً کہہ اُٹھے کہ یہ طبیب یا ڈاکٹر تو بڑا نا قابل ہے کیونکہ اس کے پاس جس قدر مریض ہیں ان میں سے ایک بھی تندرست نہیں حالانکہ کسی معالج کی اہلیت یا عدمِ اہلیت کے اندازہ کیلئے اسکے نووارد مریضوں کو نہیں دیکھا جاتا۔ بلکہ ان لوگوں کی حالت کو دیکھا جاتا ہے جو کافی عرصہ اس کے زیر علاج رہ چکے ہوں۔

۴۔ مسیح کا جائے نزول

مسیح نے تو منارہ دمشقی پر نازل ہونا تھا! (مسلم کتاب الفتن۔ ۱۱۰)

الجواب:۔ منارہ والی حدیث پر علامہ سندی نے یہ حاشیہ لکھا ہے:۔

"وَقَدْ وَرَدَ فِيْ بَعْضِ الْاَحَادِيْثِ اَنَّ عِيْسٰى يَنْزِلُ بِبَيْتِ الْمُقَدَّسِ وَفِيْ رِوَايَةٍ بِالْاُرْدُنِ وَفِيْ رِوَايَةٍ بِعَسْكَرِ الْمُسْلِمِيْنَ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ (حاشیہ ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۲۶۵ مصری و مرقاۃ المفاتیح جلد ۵ صفحہ ۱۹۷) کہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں نازل ہونگے اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اُردن میں نازل ہونگے اور ایک روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں، خدا جانے درست بات کونسی ہے۔" پس جہاں مسیح نازل ہوا وہی درست اور صحیح ہے۔

۵۔ مہدی کا بنی فاطمہؓ میں ہونا

حدیث میں ہے کہ مہدی حضرت فاطمہؓ کی اولاد سے ہوگا۔

جواب ۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی بنی فاطمہؓ میں سے ہیں۔ کیونکہ آپ کی بعض دادیاں سادات میں سے تھیں چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"یہ بات میرے اجداد کی تاریخ سے ثابت ہے کہ ایک دادی ہماری شریف خاندان سادات سے اور بنی فاطمہ سے تھی۔" (ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ صفحہ ۱۵ نیز دیکھو تحفہ گولڑویہ صفحہ ۳۱)

اگر کہو نسل ماں کی طرف سے نہیں بلکہ باپ کی طرف سے چلتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ قاعدہ عام خاندانوں میں ہو تو ہو۔ مگر خاندان سادات میں ابتدا ہی سے نسل لڑکی کی طرف سے چلتی ہے کیونکہ اس خاندان کی نسل حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے چلی تھی۔

۲۔ مخالفین کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر یہ اعتراض ہونا کہ آپ بنی فاطمہ سے نہیں ہیں۔ بذاتِ خود حضرت کی صداقت کی دلیل ہے کیونکہ لکھا ہے۔ يُقَالُ لَهٗ لَسْنَا نَعْرِفُكَ وَلَسْتَ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ كَمَا قَالَ الْمُشْرِكُوْنَ لِمُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۴) کہ امام مہدی کو اس کے مخالف کہیں گے کہ ہم نہیں جانتے کہ تو کون ہے کیونکہ تو حضرت فاطمہؓ کی نسل سے

نہیں ہے۔ (امام محمد باقرؒ فرماتے ہیں کہ ان کا یہ اعتراض ایسا ہی بودا اور ناقابل اعتنا ہوگا، جیسا کہ آنحضرت صلعم پر مشرکین مکہ کی طرف سے جس قدر اعتراضات کئے گئے وہ ناقابل اعتنا تھے۔

۲۔ احادیث میں مہدی کے نسب کے متعلق اس قدر اختلاف ہے کہ اس بناء پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلاف حجت نہیں پکڑی جا سکتی۔ ملاحظہ ہو:۔

ا۔ اَلْمَهْدِيُّ مِنْ عِتْرَتِيْ مِنْ وُلْدِ فَاطِمَةَ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۸۶) کہ مہدی بنی فاطمہ میں سے ہوگا۔

ب۔ سَيَخْرُجُ مِنْ صُلْبِهٖ رَجُلٌ يُسَمّٰى بِاسْمِ نَبِيِّكُمْ يُشَابِهُهٗ فِي الْخُلُقِ وَلَا فِي الْخَلْقِ ثُمَّ ذَكَرَ قِصَّةَ يَمْلَأُ الْاَرْضَ عَدْلًا اَخْرَجَهٗ اَبُوْ دَاؤُدَ۔ (نجم الثاقب صفحہ ۹ جلد ۲) کہ حضرت حسنؓ کی نسل سے وہ پیدا ہوگا جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور جس کے کام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کام ہوں گے اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا۔“

ج۔ ”اِنَّ الْمَهْدِيَّ مِنْ وُلْدِ الْحُسَيْنِ“ رواہ ابن عساکر عَنْ جَابِرٍ (نجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۱۹۳) کہ مہدی امام حسین کی اولاد سے ہوگا۔

د۔ قَالَ يَا عَمِّ اَمَا شَعُرْتَ اِنَّ الْمَهْدِيَّ مِنْ وُلْدِكَ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۵۲ وکنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۷۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عباس! کیا آپ کو معلوم نہیں کہ مہدی آپ کی اولاد سے ہوگا۔

گویا مہدی حضرت عباس کی نسل سے ہوگا۔

ذ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ شخص جو زمین کو عدل و انصاف سے بھر دیگا۔ میری نسل سے ہوگا۔“ (تاریخ الخلفاء صفحہ ۱۵۵) غرضیکہ امام مہدی کے متعلق اس بارے میں بہت اختلاف ہے اور صحیح بات وہی ہے جو اس روایت میں ہے کہ اُبَشِّرُكُمْ بِالْمَهْدِيِّ يُبْعَثُ فِيْ اُمَّتِيْ عَلٰى اِخْتِلَافٍ مِنَ النَّاسِ وَ زَلَازِلَ (نجم الثاقب جلد ۲ صفحہ ۱۱۲) کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تم کو مہدی کی خوشخبری دیتا ہوں جو میری اُمت سے ہوگا اور وہ ایسے زمانہ میں مبعوث ہوگا جب کہ لوگوں میں بہت اختلاف عقاید ہوگا اور زلزلے آئیں گے۔

۶۔ مہدی کا مکہ میں پیدا ہونا

امام مہدی نے تو مکہ میں پیدا ہو کر مدینہ سے ظاہر ہونا تھا۔

جواب ا۔ اس معاملہ میں بھی روایات میں شدید اختلاف ہے ملاحظہ ہو۔ ”اَنْ يَّخْرُجَ مِنْ تِهَامَةَ“ (جواہر الاسرار صفحہ ۵۶) کہ مہدی تہامہ سے ظاہر ہوگا۔

ب۔ يَخْرُجُ الْمَهْدِيُّ مِنَ الْقَرْيَةِ يُقَالُ لَهَا كَدْعَةُ“ (جواہر الاسرار صفحہ ۵۶) کہ امام مہدی ایک گاؤں سے ظاہر ہوگا جس کا نام کدعہ ہوگا۔ اور اس کے پاس ایک مطبوعہ کتاب ہوگی جس میں اس کے ۳۱۳ اصحاب کے نام ہوں گے۔ (یہ کتاب جس میں حضرت اقدس کے ۳۱۳ اصحاب کے نام ہیں انجام آتھم

ص۴۱ تا ص۴۴ ہے۔ (خادم)
مہدی کدعہ نامی گاؤں میں پیدا ہوگا۔ (حجج الکرامہ ص۳۵۸)
ج۔ "یَخْرُجُ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ هَارِبًا اِلٰی مَکَّةَ" (ابوداؤد کتاب المہدی جلد۴ ص۱۰۷)
"یعنی وہ مدینہ سے ظاہر ہوکر مکہ کی طرف جاتے گا"

۷۔ مولد میں اختلاف

ا۔ مہدی کا مولد بلادِ مغرب ہے۔ (حجج الکرامہ ص۳۵۶ تا ص۳۵۸، اقتراب الساعة ص۶۲)
ب۔ "تولدِ اُو در مکۂ معظمہ باشد" (رسالہ مہدی مصنفہ علی متقی)
ج۔ مسند احمد بن حنبلؒ باب خروج مہدی میں ہے کہ "مہدی خُراسان کی طرف سے آتے گا"
د۔ "مہدی حجاز سے آتے گا اور دمشق کی طرف جائیگا" (حجج الکرامہ ص۳۵۸) غرضیکہ اس معاملہ میں بھی اختلاف ہے درست وہی روایت ہے جس میں مہدی کے کدعہ نامی گاؤں سے ظاہر ہونے کا ذکر ہے۔ جو لفظ قادیان کی بدلی ہوئی صورت ہے بوجہ عدم احتیاط رواۃ۔

۸۔ مہدی کا نام محمدؐ ہونا

مہدی کا نام محمدؐ ان کے والد کا نام عبداللہ اور ان کی والدہ کا نام آمنہ ہوگا؟
جواب ۱۔ یہ روایت ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی عاصم بن ابی النجود ہے جو ضعیف ہے عاصم بن ابی النجود کے متعلق مفصل بحث مسئلہ حیات مسیح کے ضمن میں حضرت ابن عباس کی تفسیر متعلقہ آیت اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ میں گزر چکی ہے وہاں سے دیکھی جاتے (پاکٹ بک ہذا ص۲۱۵)
۲۔ ابنِ خلدون نے اس روایت پر نہایت مبسوط بحث کرکے ثابت کیا ہے کہ یہ روایت ضعیف ہے (مقدمہ ابنِ خلدون مطبوعہ مصر ص۲۶۱ و مترجم اردو مطبع حمیدیہ لاہور ۱۹۱۰ء حصہ دوم ص۲۱۲)
۳۔ یہ روایت خلیفہ مہدی عباسی کو خوش کرنے کے لیے وضع کی گئی تھی۔ کیونکہ اس کا نام محمد اور اس کے باپ کا نام عبداللہ تھا اور مہدی لقب تھا۔ چنانچہ امام سیوطیؒ نے اس روایت کا اطلاق اسی مہدی عباسی پر کیا ہے ملاحظہ ہو۔ تاریخ الخلفاء باب ذکر مہدیؒ اردو ترجمہ موسومہ بہ محبوب العلماء مطبوعہ پبلک پرنٹنگ پریس لاہور ص۴۲۱)
۴۔ بربنائے تسلیم یہ استعارہ کے رنگ میں تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ امام مہدی کا وجود اپنے آقا اور مطاع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ نہ ہوگا جیساکہ حضرت غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اِنَّ بَاطِنَهٗ بَاطِنُ مُحَمَّدٍ (شرح فصوص الحکم ص۵۱، ۵۲ مطبعۃ الزاہریہ مصریہ)
کہ مہدی کا باطن محمد صلعم کا باطن ہوگا۔
۵۔ مہدی کے نام کے متعلق بھی روایات میں اختلاف ہے۔

د۔ مہدی کا نام محمد ہوگا۔ (اقتراب الساعۃ ص۶۱)

ب۔ مہدی کا نام احمد ہوگا۔ (" " ") چنانچہ لکھا ہے :۔

"اکثر روایتوں میں اُس کا نام محمدؐ آیا ہے بعض میں احمد بتایا ہے۔"

ج۔ مہدی کا نام عیسٰی ہوگا۔ (جواہر الاسرار ص۶۸)

یہ اختلاف بتاتا ہے کہ مہدی کے یہ نام بطور صفات کے ہیں نہ کہ ظاہری نام۔

۹۔ صاحب شریعت ہونا

نبی کے لئے تو صاحب شریعت ہونا ضروری ہے۔ مگر مرزا صاحب صاحبِ شریعت نہ تھے۔

جواب:۔ صاحب شریعت ہونا ضروری نہیں۔

۱۔ قرآن مجید میں ہے:۔

"اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا" (المائدہ: ۴۵) کہ ہم نے تورات نازل کی اس میں ہدایت اور نُور تھا اور انبیاء (بنی اسرائیل) جو تورات کو مانتے تھے وہ سب فیصلے تورات ہی سے کیا کرتے تھے۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت امام رازیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"يُرِيْدُ النَّبِيِّيْنَ الَّذِيْنَ كَانُوْا بَعْدَ مُوْسٰى وَذٰلِكَ اِنَّ اللهَ تَعَالٰى بَعَثَ فِيْ بَنِيْٓ اِسْرَآئِيْلَ اُلُوْفًا مِنَ الْاَنْبِيَآءِ لَيْسَ مَعَهُمْ كِتَابٌ اِنَّمَا بَعَثَهُمْ بِاِقَامَةِ التَّوْرَاةِ۔" (تفسیر کبیر جلد ۳ ص۶۰۲ مصری)

یعنی اس آیت میں نبیوں سے مراد وہ نبی ہیں جو موسٰیؑ کے بعد مبعوث ہوئے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی ایسے مبعوث فرمائے جن کے پاس کوئی کتاب نہ تھی بلکہ وہ محض تورات ہی کو قائم کرنے کی غرض سے مبعوث کئے گئے تھے۔

۲۔ دوسرے مقامات پر امام رازیؒ نے بالوضاحت تحریر فرمایا ہے:۔

فَجَمِيْعُ الْاَنْبِيَآءِ مَا اُوْتُوا الْكِتَابَ وَاِنَّمَآ اُوْتِيَ بَعْضُهُمْ (تفسیر کبیر جلد ۲ ص۶۳۲ مصری زیر آیت وَاِذْ اَخَذَ اللهُ مِيْثَاقَ النَّبِيِّيْنَ۔ آل عمران: ۸۲) کہ تمام انبیاء کو کتاب نہیں ملی تھی۔ بلکہ ان میں سے صرف بعض انبیاء کو کتاب ملی تھی۔

۳۔ حضرت امام رازیؒ حضرت اسحٰق۔ یعقوب۔ ایوب۔ یونس۔ ہارون۔ داؤد اور سلیمان علیہم السلام کے نام لکھ کر تحریر فرماتے ہیں:۔

"لِاَنَّهُمْ مَا جَآؤُا بِكِتَابٍ نَاسِخٍ (تفسیر کبیر جلد ۶ ص۲۳۳ زیر آیت "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ" سورۃ الحج: ۵۳)

علامہ ابو السعود تحریر فرماتے ہیں:۔

وَالنَّبِيُّ..... مَنْ بَعْثُهٗ لِتَقْرِيْرِ شَرِيْعَةٍ سَابِقَةٍ كَاَنْبِيَاءِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ الَّذِيْنَ كَانُوْا بَيْنَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى عَلَيْهِمُ السَّلَامُ۔ (تفسیر ابی السعود برحاشیہ تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۲۵۵)

یعنی نبی وہ ہوتا ہے جس کی بعثت کی غرض محض سابق شریعت کو قائم کرنا ہوتی ہے جس طرح کہ وہ تمام انبیاء تھے جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے درمیان مبعوث ہوئے۔

۵۔ اَنَّ الرَّسُوْلَ لَا يَجِبُ اَنْ يَكُوْنَ صَاحِبَ شَرِيْعَةٍ جَدِيْدَةٍ (مُسْتَقِلَّةٍ) فَاِنَّ اَوْلَادَ اِبْرَاهِيْمَ كَانُوْا عَلٰى شَرِيْعَتِهٖ۔ (روح المعانی جلد ۵ صفحہ ۱۸۶)

یعنی رسول کے لئے ضروری نہیں کہ وہ نئی شریعت لانے والا ہو۔ کیونکہ حضرت ابراہیم کی اولاد میں جو نبی آئے وہ سب ابراہیم کی شریعت پر تھے۔

غیر احمدی:۔ قرآن مجید میں ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ (الانعام: ۹۰) پس ہر نبی کا صاحب کتاب ہونا ضروری ہے۔

جواب:۔ اس آیت کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہر نبی کے لیے فرداً فرداً مستقل جدید کتاب لیکر نازل ہونا ضروری ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر نبی کسی نہ کسی مُنزَل من اللہ کتاب کی طرف لوگوں کو دعوت دے کر اس کتاب کے ذریعہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے خواہ وہ کتاب اللہ تعالیٰ نے خود اس پر نازل فرمائی ہو یا اس سے کسی پہلے نبی پر نازل ہوئی ہو۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں حوالجات ذیل:۔

۱۔ حضرت امام رازیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

الف۔ اِنَّ جَمِيْعَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ اُوْتُوا الْكِتَابَ بِمَعْنٰى كَوْنِهٖ مُهْتَدِيًا بِهٖ دَاعِيًا اِلَى الْعَمَلِ بِهٖ وَاِنْ لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ۔ زیر آیت اذ اخذ اللہ میثاق النبیین (سورۃ آل عمران: ۸۲) کہ ہر نبی کو ان معنوں میں کتاب دی گئی ہے کسی نہ کسی کتاب کے ذریعہ سے رُشد و ہدایت کا کام کرتا اور اس پر عمل کرنے کی لوگوں کو دعوت دیتا تھا۔ اگرچہ وہ کتاب خود اس پر نازل نہ ہوئی ہو۔

ب۔ امام رازیؒ آیت اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

وَيَحْتَمِلُ اَنْ يَكُوْنَ الْمُرَادُ مِنْهُ اَنْ يُؤْتِيَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فَهْمًا تَامًّا بِمَا فِي الْكِتَابِ وَعِلْمًا مُحِيْطًا بِحَقَائِقِهٖ وَاَسْرَارِهٖ وَهٰذَا هُوَ الْاَوْلٰى لِاَنَّ الْاَنْبِيَاءَ الثَّمَانِيَةَ عَشَرَ الْمَذْكُوْرِيْنَ مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى كُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ كِتَابًا۔

(تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۲۵)

یعنی اس ایتاء کتاب کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی کو کتاب کے حقائق و معارف و اسرار و رموز کا کامل علم عطا فرماتا ہے اور یہی معنی زیادہ صحیح ہیں کیونکہ قرآن مجید میں جن اٹھارہ انبیاء کا ذکر ہے اُن میں سے ہر ایک پر الگ الگ کتاب نازل نہیں کی ہوئی تھی۔

۲۔ تفسیر بیضاوی میں ہے:۔

وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ۔ يُرِيْدُ بِهِ الْجِنْسَ وَلَا يُرِيْدُ بِهٖ اَنَّهٗ اُنْزِلَ مَعَ كُلِّ

وَاحِدٍ كِتَابًا يَخُصُّهُ فَإِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ كِتَابًا يَخُصُّهُمْ وَإِنَّمَا كَانُوا يَأْخُذُوْنَ بِكُتُبِ مَنْ قَبْلَهُمْ" (تفسیر بیضاوی زیر آیت مذکور جلد ا صفحہ ۱۰۵ مطبع احمدی دہلی)

اس آیت میں لفظ کتاب بطور جنس استعمال ہوا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر ایک نبی کو الگ الگ خاص کتاب دی گئی۔ کیونکہ انبیاء میں سے اکثریت ان کی ہے جن کے پاس کوئی ان کی مخصوص کتاب نہ تھی۔ بلکہ وہ اپنے سے پہلے نبی کی کتاب سے ہی احکام اخذ کرتے تھے۔

۳۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

حضرت سلیمان علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔"

(تذکرۃ الاولیاء باب چھٹا ذکر حضرت حسن بصریؒ صفحہ ۴۶ اردو ترجمہ)

۴۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں :۔

"أَوْ يَكُوْنُ نَظْمَ مَا تَقْتَضِي بِقَوْمٍ مِنِ اسْتِمْرَارِ دَوْلَةٍ أَوْ دِيْنٍ يَقْتَضِي بَعْثَ مُجَدِّدٍ كَدَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَجَمِيْعِ أَنْبِيَاءِ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ (حجۃ اللہ البالغہ حصہ اوّل صفحہ ۱۵۹ مترجم اُردو حمایت اسلام پریس لاہور) یعنی انبیاءؑ کی دوسری قسم وہ ہے کہ جو ایسے وقت میں مبعوث کئے جاتے ہیں جبکہ پہلے نبی کے ذریعہ سے قائم شدہ نظام کو جاری رکھنے کے لئے تجدید کی ضرورت کے لئے ایک مجدد کو مبعوث کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت داؤد اور سلیمانؑ اور بنی اسرائیل کے تمام انبیاء۔"

۵۔ تفسیر حسینی میں لکھا ہے :۔

"ایک کتاب جس کا نام زبور تھا اور اُس میں حق تعالیٰ کی ثنا تھی فقط۔ اوامر و نواہی کچھ نہ تھے۔ بلکہ حضرت داؤد کی شریعت وہی توریت کی شریعت تھی۔"

(تفسیر قادری حسینی جلد ا مترجم اردو صفحہ ۲۰۳ زیر آیت وَاٰتَيْنَا دَاوُدَ زَبُوْرًا۔ سورہ نساء: ۱۶۴)

۶۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت جو لِأُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ (اٰل عمران: ۵۱) آیا ہے تو اس سے مراد یہ نہیں ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کوئی نئی شریعت لائے تھے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود کے علماء نے از خود جن حلال چیزوں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ حضرت عیسیٰؑ نے ان کے بارے میں توراۃ کے اصل حکم کو بحال فرما کر توریت ہی کو قائم کیا۔ چنانچہ لکھا ہے :۔

إِنَّ الْأَحْبَارَ كَانُوْا قَدْ وَضَعُوْا مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِهِمْ شَرَائِعَ بَاطِلَةً وَنَسَبُوْهَا إِلَى مُوْسَى فَجَاءَ عِيْسَى عَلَيْهِمَا السَّلَامُ وَرَفَعَهَا وَأَبْطَلَهَا وَأَعَادَ الْأَمْرَ إِلَى مَا كَانَ فِيْ زَمَنِ مُوْسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ۔"

(تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۶۸۲ مطبوعہ مصر زیر آیت لِأُحِلَّ لَكُمْ اٰل عمران: ۱۶۴)

یعنی یہود کے علماء نے بعض احکام باطل آپ ہی اپنے پاس سے وضع کر کے ان کو موسیٰؑ کی طرف منسوب کر رکھا تھا۔ پس عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ انہوں نے اُن غلط احکام کو قائم نہ رہنے دیا، بلکہ ان کو باطل قرار دیکر سابق اصل حکم کو برقرار رکھا جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔"

۷۔ حضرت محی الدین ابن عربی تحریر فرماتے ہیں:۔

"نبی کبھی صاحب شریعت ہوتا ہے جیسے رُسل علیہم السلام ہیں اور کبھی صاحب شریعت جدید نہیں ہوتا ہے بلکہ پہلی ہی شریعت میں اُس کے حقائق کو اُن کی استعداد کے موافق تعلیم کرتا ہے جیسے بنی اسرائیل کے انبیاء ہیں"۔ (فصوص الحکم مقدمہ فصل ۱۲ نبوت و رسالت کے بیان میں مترجم اُردو ۳۲)

۸۔ **عقلی دلیل**

یہ دعویٰ کہ ہر نبی کے لئے نئی شریعت کا لانا ضروری ہے اور یہ کہ جب تک پہلے نبی کے احکام کو منسوخ کرکے نیا حکم نہ لاتے کوئی شخص نبی نہیں ہو سکتا۔ اس قدر خلاف عقل ہے کہ کوئی شخص جیسے تاریخ انبیاء کا علم ہو اپنی زبان سے یہ دعویٰ نکال نہیں سکتا۔ کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ ایک ہی وقت میں اور ایک ہی قوم اور شہر بلکہ ایک ہی مکان میں بعض دفعہ دو دو تین تین بلکہ چار چار اور اس سے زیادہ بھی نبی ہوتے رہے ہیں مثلاً حضرت موسیٰ و ہارون۔ ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق۔ یعقوب اور یوسف۔ داؤد و سلیمان۔ حضرت زکریا و یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام۔

پس اگر ہر نبی کے لئے جدید شریعت کا لانا ضروری ہو تو پھر یہ مضحکہ خیز صورت تسلیم کرنی پڑیگی کہ ایک ہی شہر میں ایک نبی نماز ظہر کے وقت یہ اعلان کرتا ہے کہ پانچ نمازیں فرض ہیں تو عصر کے وقت دوسرا نبی یہ اعلان کر رہا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا ہے اب چار ہے نمازیں فرض ہو گئی ہیں۔ اس طرح تو مذہب مذہب نہیں رہے گا بلکہ تماشہ بن کے رہ جائے گا۔

۹۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ (الانعام : ۹۰) کی تفسیر میں علامہ شہاب الدین فرماتے ہیں:۔

اَلْمُرَادُ بِإِيتَائِهِ التَّفْهِيمُ التَّامُّ بِمَا فِيهِ مِنَ الْحَقَائِقِ وَالتَّمْكِينِ مِنَ الْإِحَاطَةِ بِالْجَلَائِلِ وَالدَّقَائِقِ أَعَمُّ مِنْ أَنْ يَكُونَ ذٰلِكَ بِالْإِنْزَالِ ابْتِدَاءً ۔۔۔۔۔۔۔ فَإِنَّ مِمَّنْ ذُكِرَ مَنْ لَمْ يُنْزَلْ عَلَيْهِ كِتَابٌ مُعَيَّنٌ۔

(تفسیر ابی السعود برحاشیہ تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ مصر۔ رُوح المعانی جلد ۲ صفحہ ۵۲۱)

کہ اس سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو پوری پوری تفہیم عطا کرے گا۔ ان حقائق اور دقائق کی جو اس کتاب میں ہیں عام اس سے کہ ان کو کوئی خاص کتاب دی جاتے کیونکہ وہ انبیاء جن کا قرآن میں ذکر ہے ان میں سے کئی ایسے ہیں جن پر کوئی کتاب معیّن نازل نہیں ہوئی۔

(نیز دیکھو تذکرۃ الاولیاء ذکر حضرت حبیب عجمیؒ انوار الاذکیا صفحہ ۶۵ چھٹا باب)

۱۰۔ آیت أَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ کے نیچے لکھا ہے "لَا مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمْ عَلَى الْإِطْلَاقِ إِذْ لَمْ يَكُنْ لِبَعْضِهِمْ كِتَابٌ وَإِنَّمَا كَانُوا يَأْخُذُونَ بِكُتُبِ مَنْ قَبْلَهُمْ"

(روح البیان جلد ۱ صفحہ ۳۳ و برحاشیہ تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۳۰۶)

یعنی اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہر ایک نبی کو الگ الگ کتاب دی گئی تھی کیونکہ ایسے انبیاء بھی ہوتے ہیں جن کے پاس اپنی کتاب کوئی نہ تھی پہلے نبی کی کتاب سے ہی وہ استنباط کیا کرتے تھے۔ و

اِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ ۔ (آل عمران: ۸۲)

۱۱۔ وَالْمُرَادُ بِالنَّبِیِّیْنَ الَّذِیْنَ بُعِثُوْا مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ وَذٰلِکَ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی بَعَثَ فِیْ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اُلُوْفًا مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ وَلَیْسَ مَعَھُمْ کِتَابٌ اِنَّمَا بُعِثُوْا بِاِقَامَۃِ التَّوْرَاۃِ وَاَحْکَامِھَا۔ (تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۲۶ نیز جلد ۱ صفحہ ۲۱۳ مصری زیر آیت یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ ۔ (المائدہ: ۴۵)

کہ آیت "یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ" میں نبیوں سے مراد وہ نبی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہوئے اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں ہزاروں نبی ایسے بھیجے کہ جن کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ بلکہ وہ محض توراۃ اور اس کے حکموں کو قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوتے تھے۔

۱۲۔ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی لکھتے ہیں:۔

"یعنی پھر ان کے بعد اور رسولوں کو (جو کہ صاحب شریعت مستقلہ نہ تھے) یکے بعد دیگرے بھیجتے رہے اور ان کے بعد عیسیٰ بن مریم کو بھیجا۔" (حمائل مترجم اشرف علی تھانوی مطبوعہ دہلی زیر آیت ثُمَّ قَفَّیْنَا عَلٰٓی اٰثَارِھِمْ بِرُسُلِنَا وَقَفَّیْنَا بِعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ۔ (الحدید: ۲۸)

۱۳۔ یَحْکُمُ بِھَا النَّبِیُّوْنَ الَّذِیْنَ اَسْلَمُوْا کے نیچے لکھا ہے:۔

"اوپر ذکر تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء بھیجے جو ہمیشہ احکام تورات کی حکم برداری میں خود بھی لگے رہتے اور بنی اسرائیل کے عابدوں اور عالموں کو بھی ان کی تاکید کرتے۔ ان آیتوں میں فرمایا کہ ان انبیاء بنی اسرائیل کے قدم بقدم سب انبیاء بنی اسرائیل تھے اور آخر پر اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ بن مریم کو تورات کے احکام کی تصدیق و نگرانی کے لئے بھیجا۔"

(حمائل مترجم اشرف علی سورۃ المائدہ آیت: ۴۵)

کُفر کا فتوےٰ

۱۔ کفر کا فتویٰ مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ لگا؟

جواب ۱۔ ضرور تھا کہ ایسا ہی ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے۔ یٰحَسْرَۃً عَلَی الْعِبَادِ مَا یَاْتِیْھِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ (یٰسین: ۳۱)

۲۔ وَاِذَا خَرَجَ ھٰذَا الْاِمَامُ الْمَھْدِیُّ فَلَیْسَ لَہٗ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ اِلَّا الْفُقَھَاءُ خَاصَّۃً فَاِنَّہٗ لَا یَبْقٰی لَھُمْ رِیَاسَۃٌ وَلَا تَمْیِیْزٌ مِّنَ الْعَامَّۃِ (فتوحات مکیہ جلد ۳ صفحہ ۳۳۴)

کہ جب امام مہدی آئیں گے تو اس کے سب سے زیادہ شدید دشمن اس زمانہ کے علماء اور فقہاء ہوں گے۔ کیونکہ اگر مہدی کو مان لیں تو ان کی عوام پر برتری اور ان پر امتیاز باقی نہ رہے گا۔

۳۔ "علماء وقت کہ خوگرِ تقلیدِ فقہا و اقتدائے مشائخ و آبائے خود باشند گویند کہ ایں شخص خانہ برانداز دین و ملتِ ماست و بمخالفت برخیزند۔ بحسب عادتِ خود۔ حکم بتکفیر و تضلیل وے کنند۔"
(حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳)

۴۔ حدیث "عُلَمَاءُ هُمْ شَرٌّ مَنْ تَحْتَ اَدِيْمِ السَّمَاءِ" (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل سوم) سے بھی یہی پتہ چلتا ہے۔ نیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ امام مہدی کو میرا سلام کہنا (دُرِّ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ و بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۸۳ مطبوعہ ایران) یہ بھی بتاتا ہے کہ آنحضرتؐ کو معلوم تھا کہ ایسے لوگ بھی موجود ہوں گے جو مہدی پر لعنت بھیجیں گے۔

اور اس کے تریاق کے طور پر آنحضرت صلعم نے اُسے اپنا سلام بھیجا ہے (تفصیل دیکھو تحفہ گولڑویہ صفحہ ۴۳ حاشیہ)

۵۔ امام ربانی مجدد الف ثانی فرماتے ہیں کہ جب مسیح موعود آئیگا تو "علماء ظواہر مجتہدات او را علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام از کمال دِقت وغموض ماخذ، انکار نمایند ومخالفِ کتاب وسنّت دانند"۔ (مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی ۱۳۳۲ھ حصہ ۷ مکتوب ۵۵ صفحہ ۱۴ مطبوعہ روز بازار پریس امرتسر)

یعنی علماء ظواہر حضرت مسیح موعودؑ کے اجتہادات کا انکار کریں گے اور ان کو قرآن مجید اور سنّت نبوی کے خلاف قرار دیں گے کیونکہ وہ بباعث دقیق ہونے اور اُن کے مآخذ کے مخفی ہونے کے مولوی کی سمجھ سے بلند و بالا ہوں گے۔

۶۔ یہی حال مہدی علیہ السلام کا ہوگا۔ اگر وہ آگئے تو سارے مقلد بھائی اُن کے جانی دشمن بن جائیں گے اور اُن کے قتل کی فکر میں ہونگے کہیں گے کہ یہ شخص تو ہمارے دین کو بگاڑتا ہے"۔

(اقتراب الساعۃ صفحہ ۲۲۴)

۷۔ پھر لکھا ہے:۔ "اُن (امام مہدی) کے دشمن علماء اہل اجتہاد ہونگے اس لئے کہ ان کو دیکھیں گے کہ خلافِ مذہب آئمہ حکم کرتے ہیں۔۔۔۔ اُن (امام مہدی) کا دشمن کُھلم کُھلا کوئی نہ ہوگا مگر یہی فقہ والے بالخصوص کیونکہ اُن کی ریاست باقی نہ رہے گی۔ عام لوگوں سے کچھ امتیاز نہ ہوگا" (اقتراب الساعۃ صفحہ ۹۵)

۸۔ علماء کا "حربہ تکفیر" ملاحظہ ہو پاکٹ بک ہذا صفحہ ...)

۱۱۔ کسی کا شاگرد ہونا

اعتراض:۔ نبی کسی کا شاگرد نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب شاگرد رہے۔

جواب:۔ (۱) قرآن مجید:۔ موسیٰ علیہ السلام۔ ایک بندۂ خدا (خضر) سے کہتے ہیں:۔

" قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا (الکہف: ۶۷)

یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اُن سے کہا کہ کیا میں آپ کی اس امر میں پیروی کروں کہ آپ مجھے وہ علم پڑھائیں جو آپ کو سکھایا گیا ہے؟

اگر نبی کا کسی سے علم سیکھنا منافیٔ نبوت ہے تو کیا حضرت موسیٰؑ نے اپنی نبوت سے دستبردار ہونے کے لئے یہ تدبیر نکالی تھی؟

(۲) تمہارا یہ من گھڑت قاعدہ کہ نبی کسی کا شاگرد نہیں ہوتا۔ کہاں لکھا ہے؟ قرآن و حدیث کا ایک ہی

حوالہ پیش کرو ورنہ اپنی جہالت کا ماتم کرو!

(۳) حدیث میں ہے:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نسبت فرماتے ہیں۔ اِذَا كَانَ بِهَا اَهْلُ اَبْيَاتٍ مِنْهُمْ وَ شَبَّ الْغُلَامُ وَتَعَلَّمَ الْعَرَبِيَّةَ مِنْهُمْ۔

(بخاری کتاب الانبیاء باب ۷۰۹ باب يَزِفُّونَ النَّسَلَانِ فِي الْمَشْيِ جلد ۲ صفحہ ۱۳۷ مطبع الہیہ مصر و جلد ۳ صفحہ ۱۵۲ مطبع عثمانیہ مصر و تجرید۔ بخاری مترجم اردو مع اصل متن عربی مرتبہ مولوی فیروز الدین اینڈ سنز لاہور ۱۳۴۱ھ جلد ۲ صفحہ ۱۳۷ ترجمہ از تجرید بخاری۔)

"یہاں تک کہ جس وقت اُن (بنو جرہم۔ خادم) میں سے کچھ گھر والے (چشمۂ زمزم کے اردگرد۔ جمع خادم) ہوگئے اور وہ بچہ (حضرت اسمٰعیلؑ۔ خادم) جوان ہوا اور اُس نے اُن سے عربی زبان سیکھی۔"

(۴) حضرت اُبی بن کعب سے مروی ہے کہ آنحضرت صلعم نے قصۂ موسیٰ و خضر کے سلسلہ میں فرمایا:۔

"قَالَ جِئْتُ لِتُعَلِّمَنِيْ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔" (بخاری کتاب الانبیاء۔ حدیث الخضر مع موسیٰ علیہما السلام جلد ۲ مصری۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل۔ باب مِنْ فَضَائِلِ خِضِرٍ جلد ۲ صفحہ ۲۷۰ مطبع افضل المطابع دہلی ۱۳۱۹ھ)

یعنی حضرت موسیٰؑ نے خضر سے کہا کہ میں آپ کے پاس اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ مجھے اُس علم میں سے کچھ پڑھائیں جو آپ کو دیا گیا ہے۔"

(۵) تفسیر:۔ اس حدیث کی شرح میں علامہ نووی تحریر فرماتے ہیں:۔

اِسْتَدَلَّ الْعُلَمَاءُ بِسُؤَالِ مُوْسَى السَّبِيْلَ اِلٰى لِقَاءِ الْخَضِرِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِمَا وَسَلَّمَ عَلٰى اِسْتِحْبَابِ الرِّحْلَةِ فِيْ طَلَبِ الْعِلْمِ وَ اِسْتِحْبَابِ الْاِسْتِكْثَارِ مِنْهُ وَ اِنَّهٗ يَسْتَحِبُّ لِلْعَالِمِ وَ اِنْ كَانَ مِنَ الْعِلْمِ بِمَحَلٍّ عَظِيْمٍ اَنْ يَاْخُذَهٗ مِمَّنْ هُوَ اَعْلَمُ مِنْهُ وَيَسْعٰى اِلَيْهِ فِيْ تَحْصِيْلِهٖ وَفِيْهِ فَضِيْلَةُ طَلَبِ الْعِلْمِ۔" (حاشیہ النووی علی مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۰)

یعنی موسیٰ علیہ السلام کے خضر کی ملاقات کی درخواست کرنے سے علماء نے اس بات کی دلیل لی ہے کہ طلبِ علم کے لئے سفر کرنا اور حصولِ علم کے لئے بار بار درخواست کرنا جائز ہے نیز یہ کہ اگرچہ کوئی خود کتنا ہی بڑا صاحب علم کیوں نہ ہو پھر بھی اُس کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنے سے زیادہ علم رکھنے والے سے علم حاصل کرے اور حصولِ علم کی غرض سے کوشش کرکے اس کے پاس جائے نیز اس سے علم کے سیکھنے کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔

(۶) تفسیر سعیدی ترجمہ اُردو تفسیر قادری حسینی جلد ۲ صفحہ ۱۵ میں ہے:۔

"رسول ایسا چاہیئے کہ جن کی طرف بھیجا گیا ہے اُن سے اصول و فروعِ دین کا عالم زیادہ ہو جو اُن کی طرف لایا ہے اور جو علم اس قبیل سے نہیں اُس کی تعلیم اُمورِ نبوت کے منافی نہیں اور اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْيَاكُمْ" اس قول کا مؤید ہے۔ (جلد اول صفحہ ۹۱۳۔ سورۃ الکہف: ۶۶، ۶۷)

(۷) تفسیر بیضاوی میں ہے:۔

وَلَا يُنَافِيْ نُبُوَّتَهٗ وَكَوْنَهٗ صَاحِبَ شَرِيْعَةٍ اَنْ يَتَعَلَّمَ مِنْ غَيْرِهٖ مَالَمْ يَكُنْ

شَرْطاً فِي اَبْوَابِ الدِّيْنِ" (بیضاوی زیرآیت هَلْ اَتَّبِعُكَ۔الخ سورۃ کھف ۶۷ ‏صہ ۳۹۶ مطبع احمدی و ۳۵۸ مطبع مجتبائی ۱۳۲۶ھ) یعنی حضرت موسیٰ کا کسی غیر سے ایسا علم سیکھنا جو اُمورِ دین میں سے نہ ہو۔ اُن کی نبوت اور اُن کے صاحب شریعت ہونے کے منافی نہیں ہے (یعنی نہ صرف نبی بلکہ صاحب شریعت نبی بھی دوسرے علوم میں دوسروں کا شاگرد ہو سکتا ہے۔

(۸) تفسیر الجلالین الکمالین از علامہ جلال الدین السیوطی میں زیرآیت الکھف: ۱۷ لکھا ہے:۔

فَقَبِلَ مُوْسیٰ شَرْطَهٗ رِعَايَةً لِاَدَبِ الْمُتَعَلِّمِ مَعَ الْعَالِمِ (صہ ۲۳۵ مطبوعہ مصر۔ زیرآیت حَتّٰى اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا (سورۃ الکہف: ۷۱) کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خضر کی پیش کردہ شرط اُسی طرح قبول کر لی جس طرح ایک شاگرد اپنے اُستاد کی شرط کو کمالِ ادب سے قبول کیا کرتا ہے۔

(۹) یاد رہے کہ خضر کے نبی ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ جلالین میں ہے:۔

نُبُوَّةً فِي قَوْلٍ وَ وِلَايَةً فِي آخَرَ وَعَلَيْهِ اَكْثَرُ الْعُلَمَاءِ۔

(جلالین حوالہ مذکور صہ ۲۳۴ مصری نیز دیکھو حاشیہ نووی علی المسلم جلد ۲ صہ ۲۶۹)

یعنی علماء کی اکثریت اس طرف ہے کہ خضر نبی نہیں بلکہ ولی تھے۔

۱۲۔کیا کوئی نبی لکھا پڑھا نہیں ہو سکتا

غیر احمدی:۔ "آج تک کوئی نبی لکھا پڑھا نہیں آیا اور نہ کسی نبی نے کوئی کتاب لکھی"۔

جواب:۔ ایسا کہنا صریح جہالت ہے کیونکہ "اُمّی" ہونا تو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ اگر ہر نبی ہی "اُمّی" ہو تو پھر آپ کی یہ خصوصیت کیونکر ہوئی؟

اور پھر اَلنَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ (الاعراف: ۱۵۸) فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ چنانچہ لکھا ہے:۔

۱۔ پڑھا لکھا ہونا منصب نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰؑ کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑھے لکھے تھے، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہ سرِ نبوت کی تفصیل شرح اور علوم باطنی کے سب سے بڑے راز دان تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی تعلیم کے سوا کسی غیر کی تعلیم کا منت کش بنانا گوارا نہ فرمایا۔

چنانچہ گذشتہ آسمانی کتب میں بھی اُمّی کے لقب کے ساتھ آپ کی بشارتیں دی ہیں۔ (تاریخ القرآن مصنفہ حافظ محمد اسلم صاحب جے۔ راج۔ پوری مکتبہ جامعہ نئی دہلی صہ ۱۳ و صہ ۱۴ باختلاف الفاظ مطبوعہ مطبع فیض عام علی گڑھ ۱۳۲۶ھ زیرعنوان "تمہید" صہ ۵)

۲۔ تفسیر حسینی میں ہے۔

"حضرت موسیٰ اور حضرت داؤد علیہما السلام پر کتاب جو ایک بار اُتری تو وہ لکھتے پڑھتے تھے اور ہمارے حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ اجمعین اُمّی تھے"۔ (تفسیر حسینی مترجم اُردو جلد ۲ صہ ۱۴۰ زیرآیت

وَرَتَّلْنَاہُ تَرْتِيْلاً (الفرقان: ۳۳)

۳۔ بیضاوی میں آیت مندرجہ بالا (الفرقان: ۳۳) کے ماتحت لکھا ہے:۔

"وَكَذَالِكَ اَنْزَلْنَاهُ مُفَرَّقًا لِنُقَوِّيَ بِتَفْرِيْقِهٖ فُؤَادَكَ عَلٰى حِفْظِهٖ وَفَهْمِهٖ لِاَنَّ حَالَهٗ يُخَالِفُ حَالَ مُوْسٰى وَدَاوُدَ وَعِيْسٰى حَيْثُ كَانَ اُمِّيًا وَكَانُوْا يَكْتُبُوْنَ"۔ (بیضاوی مطبوعہ مطبع احمدی دہلی جلد ۲ صفحہ ۹۶)

یعنی ہم نے ایسے ہی قرآن مجید کو بیک وقت نازل کرنے کی بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا ہے تاکہ ہم تیرے دل کو اس سے مضبوط کریں اور تو اُسے بآسانی یاد رکھ سکے اور سمجھ سکے۔ یہ اس لیے ہوا کہ آنحضرت صلعم کا حال موسیٰ۔ داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام سے مختلف تھا بدیں وجہ کہ آپؐ "اُمّی" تھے مگر موسیٰ داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام لکھے پڑھے ہوئے تھے۔

۴۔ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"اِنَّهٗ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ يَكُنْ مِنْ اَهْلِ الْقِرَاءَةِ وَالْكِتَابَةِ فَلَوْ نُزِّلَ عَلَيْهِ ذٰلِكَ جُمْلَةً وَّاحِدَةً كَانَ لَا يَضْبِطُهٗ وَلَجَازَ عَلَيْهِ الْغَلَطُ وَالسَّهْوُ وَاِنَّمَا نَزَلَتِ التَّوْرَاةُ جُمْلَةً لِاَنَّهَا مَكْتُوْبَةٌ يَقْرَءُهَا مُوْسٰى"

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۴۷۲ مطبوعہ مطبع اول۔ نیا ایڈیشن جلد ۲۴ صفحہ ۷۹ مصر زیر آیت بالا الفرقان: ۳۳)

یعنی آنحضرت صلعم لکھے پڑھے ہوئے نہیں تھے۔ پس اگر آپؐ پر قرآن مجید ایک ہی مرتبہ سارا نازل ہو جاتا تو آپ اسے محفوظ نہ رکھ سکتے اور اس میں غلطیاں اور سہو جائز ہو جاتا، لیکن تورات جو بیک وقت نازل ہو گئی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ لکھی لکھائی تھی اور حضرت موسیٰؑ پڑھنا جانتے تھے۔"

۵۔ حدیث نبویؐ میں ہے:۔

اَوَّلُ مَنْ خَطَّ بِالْقَلَمِ اِدْرِيْسُ (مسند امام احمد بن حنبلؒ بحوالہ کنوز الحقائق فی احادیث خیر الخلائق مصنفہ امام عبد الرؤف المناوی باب الالف برحاشیہ جامع الصغیر مطبوعہ مصر جلد ا صفحہ ۸۹)

کہ سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے قلم سے لکھنا شروع کیا۔

۶۔ سیرۃ ابن ہشام میں ہے:۔

"یہی ادریس پیغمبر ہیں اور انہی کو پہلے نبوت ملی اور انہی نے قلم سے لکھنا ایجاد کیا" (سیرۃ ابن ہشام مترجم اردو جلد ا صفحہ ا مطبوعہ رفاہ عام سٹیم پریس لاہور و مطبوعہ مطبع جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن ۱۳۶۰ھ)

احراری امیر شریعت:۔ اگر نبی کسی سے پڑھے تو پھر اُستاد کبھی کبھی اس کے کان بھی کھینچے گا۔ اُسے مار بھی پڑے گی۔ بڑا ہو کر پھر کس طرح اُن کے سامنے سر اُٹھا سکے گا۔

جواب ا۔ ہر طالب علم ضروری تو نہیں کہ تمہارے جیسا ہو۔ بعض ہونہار اور نیک طالب علم ایسے بھی ہوتے ہیں جو کبھی بھی اُستاد سے مار پٹنے تک نوبت نہیں آنے دیتے بلکہ اُستاد اُن کی عزت کرتے ہیں، لیکن اگر محض احتمال اور فرضی قیاس آرائی پر بنیاد رکھنا جائز ہو تو پھر تو یہ بھی کہو کہ کسی نبی کا باپ۔ ماں۔ بڑا بھائی۔ دادا چچا

کوئی نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ بچپن میں ان بزرگان میں سے کسی نہ کسی کے ہاتھوں کان کھنچوانے اور مار پٹنے کا خطرہ اور احتمال ہے۔ خیر یہ تو بچپن میں مار کھانے کا قصہ ہے۔ لیکن قرآن مجید میں تو لکھا ہے کہ ایک نبی نے بڑے ہو کر بلکہ نبی بن کر اپنے چھوٹے بھائی موسیٰؑ سے ڈاڑھی اور سر کے بال نچواتے ملاحظہ ہو:۔

وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ يَجُرُّهٗٓ اِلَيْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِيْ وَ كَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ فَلَا تُشْمِتْ بِيَ الْاَعْدَآءَ " (الاعراف: ۱۵۱) کہ موسیٰؑ نے (غصہ کی حالت میں) اپنے بھائی (ہارونؑ) کا سر پکڑ کر اسے اپنی طرف جھٹکا دیا تو حضرت ہارونؑ نے کہا "اے میری ماں کے بیٹے! مجھے قوم نے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ وہ مجھے قتل کر دیتے پس تو دشمنوں کو خوشی نہ دکھا۔ نیز ملاحظہ ہو سورۃ طٰہٰ : ۹۵۔

" قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ (سورۃ طٰہٰ : ۹۵) کہ اے میری ماں کے بیٹے! میری ڈاڑھی اور میرے سر کے بال) نہ پکڑ! مگر باوجود اس شماتتِ اعداء اور مار پیٹ کے ہارون نبی کے نبی ہی رہے یہ تو قرآن ہے مگر یہاں احراری امیر شریعت کی عقل کے رُو سے کوئی نبی پڑھا لکھا نہیں ہو سکتا۔ محض اس خوف سے کہ کہیں بچپن میں اُستاد سے مار نہ کھا بیٹھے پھر بڑا ہو کر کیا کریگا؟

۲۔ پھر حضرت مسیح موعودؑ کے اساتذہ تو ہمیشہ آپ کی عزت کرتے تھے اور ہرگز ثابت نہیں کہ حضور کو کسی اُستاد نے کبھی ایک دفعہ بھی مارا ہو۔ پس محض فرضی احتمالات و قیاسات پر اعتراضات کی بنیاد رکھنا اور واقعات کو نظر انداز کر دینا کسی معقول انسان کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔

۱۳۔ نبی کا نام مرکب نہیں ہوتا۔ مرزا صاحب کا نام مرکب تھا؟

الجواب:۔ ۱۔ یہ معیار کہاں لکھا ہے۔ بھلا نام کے مرکب یا مفرد ہونے کا نبوت کے ساتھ کیا تعلق؟

۲۔ قرآن مجید میں ہے۔ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا (آل عمران: ۴۶) اس آیت میں فرشتے نے حضرت عیسیٰؑ کا نام "اِسْمُهُ مَسِيْحُ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ" بتایا ہے جو مرکب ہے۔

۳۔ "اسمٰعیل" بھی مرکب ہے۔ اِسْمَعْ اور اِیل جس کا ترجمہ ہے "سُن لی" اللہ نے میری! یعنی اللہ نے میری دُعا سُن لی۔

۱۴۔ حج کرنا

الجواب ۱۔ حج کے لئے بعض شرائط ہیں (۱) رستہ میں امن ہو۔ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا۔ (آل عمران: ۹۸) (۲) صحت ہو۔ (۳) بوڑھے والدین نہ ہوں (دیکھو تفسیر کبیر امام رازی جلد ۳ صـ۱۶، صـ۱۷ مطبوعہ مصر۔ نیز دیکھو کشف المحجوب مصنفہ داتا گنج بخشؒ مترجم اُردو صـ۲۷۳ ناشران کتب برکت علی اینڈ سنز لاہور)

لے مالابد منہ اُردو صـ۹۶

جن کی خدمت اس پر فرض ہو یا چھوٹی اولاد نہ ہو۔ جس کی تربیت اس پر فرض ہو حضرت مسیح موعود علیہ السلام میں تینوں شرائط نہ پائی جاتی تھیں۔ لاہور گئے۔ رستہ میں قتل کرنے کے لئے لوگ بیٹھ گئے امرتسر اور سیالکوٹ میں گئے مخالفین نے اینٹیں ماریں۔ دہلی گئے وہاں آپ پر حملہ کیا گیا اور مکہ میں تو حضرت پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا تھا۔ پس آپ پر حج کے لئے جانا فرض نہ تھا۔ کیونکہ حج صرف اس حالت میں ہو سکتا ہے کہ رستہ میں امن ہو۔ خود آنحضرت صلعم نے حدیبیہ کے سال حج نہیں کیا۔ محض اس وجہ سے کہ کفار مانع ہوتے۔

۲۔ آپ کو دوران سر اور ذیابیطس کی دو بیماریاں تھیں۔ ۳۔ آپ کے والد بزرگوار آپ کے سر پر چالیس سال کی عمر تک زندہ رہے اور اس کے بعد اولاد تھی۔

۴۔ تذکرۃ الاولیاء میں ہے "ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے ارادہ حج کا کیا۔ جب میں بغداد پہنچا تو حضرت ابوحازم مکیؒ کے پاس گیا۔ میں نے اُن کو سوتے پایا۔ میں نے تھوڑی دیر صبر کیا۔ جب آپ بیدار ہوتے تو فرمانے لگے کہ میں نے اس وقت حضرت پیغمبر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ آنحضرت صلعم نے مجھ کو تیرے لئے پیغام دیا اور فرمایا کہ کہہ دو اپنی ماں کے حقوق کی نگہداشت کرے کہ اس کے لئے وہی بہتر ہے حج کرنے سے۔ اب تُو لوٹ جا۔ اور اس کے دل کی رضا طلب کر۔ میں واپس پھرا اور مکہ معظمہ نہ گیا۔" (تذکرۃ الاولیاء۔ ذکر ابوحازم مکیؒ باب ۲۷ ص۶۸ انوار الاذکیا اردو ترجمہ ظہیر الاصفیاء ص۵۰)

بھلا ایک ماں کی خدمت تو حج سے بہتر ہے پھر اسلام (جس پر ہزاروں مائیں قربان کی جاسکتی ہیں) کی خدمت کرنا کیوں حج سے بہتر نہیں۔

۵۔ "فَجَاءَتْ اِمْرَاءَةٌ مِنْ خَثْعَمٍ.... فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فَرِيْضَةَ اللّٰهِ عَلٰى عِبَادِهٖ فِي الْحَجِّ اَدْرَكَتْ اَبِيْ شَيْخًا كَبِيْرًا لَا يَثْبُتُ عَلَى الرَّاحِلَةِ اَفَاَحُجُّ عَنْهُ قَالَ نَعَمْ" (بخاری کتاب الحج باب وجوب الحج وفضلہ پہلی حدیث جلد ۱ ص۱۴۲)

خثعم قبیلہ کی ایک عورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا یا رسول اللہ میرا باپ بہت بوڑھا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا فریضہ حج فرض ہو گیا ہے وہ بوجہ بڑھاپا اونٹ پر بیٹھ نہیں سکتا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کر لوں آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ ہاں۔ یہی حدیث مسلم کتاب الحج مع شرح نووی جلد ۱ ص۴۳۱ میں بھی ہے۔

۶۔ "عَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبِيْ مَاتَ وَلَمْ يَحُجَّ اَفَاَحُجُّ قَالَ اَرَاَيْتَ لَوْ كَانَ عَلٰى اَبِيْكَ دَيْنٌ اَكُنْتَ قَاضِيَهٗ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَدَيْنُ اللّٰهِ اَحَقُّ" (نسائی مناسک حج ۷، ۱۱، ۱۲ جلد ۲ ص۵ مطبوعہ مصر)

حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عکرمہؓ نے بیان کیا کہ ایک شخص نے آنحضرت صلعم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہ میرا باپ فوت ہو گیا اور اس نے حج نہیں کیا۔ کیا میں اس کی طرف سے حج کروں؟ فرمایا کیا اگر تیرے باپ پر کوئی قرضہ ہوتا تو تُو اس کو ادا کرتا؟ اس نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا پھر اللہ کا قرضہ زیادہ قابل ادائیگی ہے یعنی اس کو ادا کر دو۔ حضرت مسیح موعودؑ کی طرف سے بھی حج بدل کرایا گیا اور حضرت

حافظ احمد اللہ صاحب مرحومؒ نے فریضۂ حج ادا کیا۔

فَجِّ الرَّوْحَاءِ

آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ مسیح موعود حج کرے گا اور فَجِّ الرَّوْحَاءِ سے عمرہ کرے گا۔ آنحضرتؐ نے مسیح موعودؑ کو حج کرتے دیکھا ہے۔

الجواب ۱۔ آنحضرت صلعم نے دجّال کو بھی حج کرتے دیکھا ہے کیا دجّال بھی حاجی ہوگا؟ "رَجُلٌ يَطُوفُ بِالْبَيْتِ فَقُلْتُ مَنْ هٰذَا قَالُوا الْمَسِيحُ الدَّجَّالُ"۔

(بخاری کتاب بدء الخلق کتاب الانبیاء باب واذکر فی الکتاب مریم جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مطبع البہیہ مصر)

کہ آنحضرت صلعم فرماتے ہیں کہ میں نے ایک آدمی کو کعبہ کا طواف کرتے دیکھا آپ نے پوچھا یہ کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ دجّال ہے باقی رہی حدیث لَيُهِلَّنَّ ابْنُ مَرْيَمَ بِفَجِّ الرَّوْحَاءِ حَاجًّا أَوْ مُعْتَمِرًا أَوْ لَيَثْنِيَنَّهُمَا۔ (صحیح مسلم۔ کتاب الحج) تو یاد رکھنا چاہیئے کہ (۱) حدیث کے الفاظ میں او۔ او۔ او۔ کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ آنحضرتؐ کے اصل الفاظ محفوظ نہیں ہیں یہ روایت سند کے لحاظ سے بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کا ایک راوی محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ہے اس کے متعلق لکھا ہے "قَالَ أَبُو الزِّنَادِ كُنَّا نَكْتُبُ الْحَلَالَ وَالْحَرَامَ وَكَانَ ابْنُ شِهَابٍ يَكْتُبُ كُلَّمَا سَمِعَ"۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۴۸) کہ ابوالزناد نے کہا ہے کہ ہم تو حلال اور حرام کی بابت حدیث جمع کرتے تھے مگر ابن شہاب جو سنتا تھا لکھ لیتا تھا پس وہ حجت نہیں ہے اور ابوداؤد کہتے ہیں کہ "قَدْ رَوَى مِائَتَيْنِ عَنْ غَيْرِ الثِّقَاتِ کہ زہری کی روایت کردہ روایتوں میں دو صد کے قریب روایتیں غیر ثقہ راویوں سے مروی ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۴۴۹) نیز اس کے متعلق علامہ ذہبی کی رائے یہ ہے کہ كَانَ يُدَلِّسُ فِي النَّادِرِ۔ (میزان الاعتدال مطبع انوار محمدی جلد ۲ صفحہ ۴۳۸)۔

اسی طرح حدیث کا دوسرا راوی سعید بن منصور بن شعبۃ الخراسانی ابوعثمان ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ إِذَا رَأَى فِي كِتَابِهِ خَطَأً لَمْ يَرْجِعْ عَنْهُ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۹۰) و (میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۳۸۵) یعنی یہ راوی اتنا ضدی تھا۔ اگر اپنی تحریر کردہ حدیث میں کوئی غلطی بھی دیکھتا تھا تو اپنی غلطی سے رجوع نہ کرتا تھا۔ اسی طرح دوسری سند میں سعد بن عبدالرحمٰن الفہمی بھی ہے جس نے یہ روایت زہری سے لی ہے اس کے متعلق لکھا ہے کہ "وَهُوَ دُوْنَهُمْ فِي الزُّهْرِيِّ"۔۔۔۔ فِي حَدِيثِهِ عَنِ الزُّهْرِيِّ بَعْضُ الْاِضْطِرَابِ (تہذیب التہذیب جلد ۴ صفحہ ۴۶۲) کہ لیث کی جو روایت زہری سے ہو وہ مشکوک ہوتی ہے۔ پس روایت متنازعہ بھی مشکوک ہے۔ تیسرے طریقہ میں حرملہ بن یحییٰ بن عبداللہ بھی ضعیف ہے۔ ابوحاتم اس کے متعلق کہتے ہیں کہ "لَا يُحْتَجُّ بِهِ" کہ اس کا قول حجت نہیں نیز یہ روایت اس راوی نے ابن وہب سے لی ہے۔ حالانکہ یہ ثابت ہے کہ ان دونوں کے درمیان دشمنی تھی پس یہ روایت حجت نہیں۔" (تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۲۲۹)

مختصر یہ کہ یہ روایت ضعیف ہے اور اس میں زہری کی تدلیس اور لیث کا اضطراب اور حرملہ کی عدم ثقاہت کا دخل ہے۔ لہٰذا حجت نہیں۔

۲۔ فَجِّ الرَّوْحَاءِ کوئی میقات نہیں چنانچہ (ا) فج بمعنے طریق است و ہر دو را امکانیست مابین مدینہ طیبہ رو وادی صغرا در راہِ مکہ مکرمہ (حج الکرامہ صفحہ ۳۲۹ بزبان فارسی) پس ثابت ہوا کہ یہ میقات نہیں۔ (ب) لَيْسَ بِمِيْقَاتٍ (اکمال الاکمال شرح مسلم جلد ۳ صفحہ ۳۹۵) کہ فج روحاء کوئی میقات نہیں۔ (ج) لغت کی کتاب قاموس میں ہے اَلرَّوْحَاءُ بَيْنَ الْحَرَمَيْنِ عَلٰى ثَلَاثِيْنَ وَ اَرْبَعِيْنَ مِيْلاً مِنَ الْمَدِيْنَةِ (قاموس جلد ۳ صفحہ ۲۳۲) کہ رَوحاء حرمین کے درمیان مدینہ سے تیس چالیس میل کے فاصلہ پر ہے۔ پس یہ نہ میقات ہے اور نہ میقات کے بالمقابل۔

۳۔ مسلم کی ایک دوسری حدیث اس حدیث کی شرح کرتی ہے۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سِرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلعم بَيْنَ مَكَّةَ وَالْمَدِيْنَةِ فَمَرَرْنَا بِوَادٍ فَقَالَ اَيُّ وَادٍ هٰذَا؟ فَقَالُوْا وَادِ الْاَزْرَقِ قَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى مُوْسٰى (فَذَكَرَ مِنْ لَوْنِهٖ وَ شَعْرِهٖ شَيْئًا) وَاضِعًا اَصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ جُؤَارًا اِلَى اللّٰهِ بِالتَّلْبِيَةِ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِيْ فَقَالَ ثُمَّ سِرْنَا حَتّٰى اَتَيْنَا عَلٰى ثَنِيَّةٍ فَقَالَ اَيُّ ثَنِيَّةٍ هٰذِهٖ؟ فَقَالُوْا هَرْشٰى ..... فَقَالَ كَاَنِّيْ اَنْظُرُ اِلٰى يُوْنُسَ عَلٰى نَاقَةٍ حَمْرَاءَ عَلَيْهِ جُبَّةُ صُوْفٍ مَارًّا بِهٰذَا الْوَادِيْ مُلَبِّيًا۔ (مسلم بحوالہ مشکوٰۃ صفحہ ۵۰۹ مجتبائی)

حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ ہم ایک دن مکہ اور مدینہ کے درمیان گئے۔ پس ہم ایک وادی سے گذرے آنحضرت صلعم نے پوچھا یہ کونسی وادی ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ وادی ارزق۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا۔ گویا میں موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ رہا ہوں (پھر آنحضرت صلعم نے حضرت موسیٰؑ کے رنگ اور بالوں کا کچھ ذکر کیا) انہوں نے اپنی انگلیاں دونوں کانوں میں ڈالی ہوئی ہیں اور وہ اس وادی سے گزرتے ہوئے لبیک کہہ رہے ہیں راوی کہتا ہے کہ پھر ہم آگے چلے۔ یہاں تک کہ ہم ایک ٹیلے پر پہنچے۔ آنحضرتؐ نے پوچھا یہ کونسا ٹیلا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہرشے ٹیلہ ہے آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ گویا میں یونسؑ کو ایک سرخ اونٹنی پر سوار ایک صُوف کا جبہ پہنے ہوئے اس وادی سے گذرتے ہوئے اور لبیک کہتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔"

معلوم ہوا کہ جس طرح کشفی حالت میں آنحضرت صلعم نے ان انبیاء کو تلبیہ کہتے ہوئے دیکھا اسی طرح وادی فج الروحاء میں احرام باندھے ہوئے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو دیکھا۔

۴۔ چنانچہ تصوف کی مشہور کتاب التعرف کی شرح میں الوابراہیم اسمٰعیل بن محمد بن عبداللہ المستملی لکھتے ہیں۔ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰى عَنِ النَّبِيِّ صلعم اَنَّهٗ مَرَّ بِالصَّخْرَةِ مِنَ الرَّوْحَاءِ سَبْعُوْنَ نَبِيًّا حُفَاةً عَلَيْهِمُ الْعَبَاءُ يَطُوْفُوْنَ الْبَيْتَ الْعَتِيْقَ (شرح التعرف صک) کہ ابوموسیٰ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ میں نے روحاء کے مقام پر ایک چٹان کے پاس گذشتہ ستر نبیوں کو ننگے پاؤں

چادریں اوڑھے کعبہ کا طواف کرتے دیکھا ہے۔ پس اسی فج الروحاء کے مقام پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے۔

۵۔ پس اس کشف کی تعبیر ہوگی اور تعبیر یہ ہے "وَأَنْ رَأَىٰ أَنَّهُ حَجَّ أَوِ اعْتَمَرَ فَإِنَّهُ يَعِيْشُ عَيْشًا طَوِيْلًا وَ تُقْبَلُ أُمُوْرُهُ (تعطیر الانام فی تعبیر الاعلام جلد ۱ صفحہ ۱۱۵ باب الحاء) یعنی جو شخص یہ دیکھے کہ اس نے حج یا عمرہ کیا ہے۔ پس اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ لمبی عمر پائیگا اور اس کی مرادیں پوری ہونگی۔

۶۔ وَ مَنْ رَأَىٰ فَعَلَ شَيْئًا مِنَ الْمَنَاسِكِ فَهُوَ خَيْرٌ عَلٰى كُلِّ حَالٍ وَ قِيْلَ إِنَّ الْاِحْرَامَ تَجَرُّدٌ لِّلْعِبَادَةِ اَوْ خُرُوْجٌ مِنَ الذُّنُوْبِ...... فَإِنَّهُ يَدُلُّ عَلٰى حُصُوْلِ رَحْمَةٍ۔

(کتاب الاشارات فی علم العبارات باب ۱۰ صفحہ ۲۱ برحاشیہ تعطیر الانام جلد ۲ باب الصاد)

کہ اگر کوئی شخص دیکھے کہ اس نے حج کے مناسک میں سے کوئی ادا کیا ہے۔ تو یہ بہرحال اچھا ہے اور کہا گیا ہے کہ احرام باندھنا (خواب میں) صرف عبادت کے لئے یا گناہوں سے نکلنے کے لئے خاص ہے۔ کیونکہ یہ حصولِ رحمت پر دلالت کرتا ہے۔

۷۔ وَمَنْ رَأىٰ كَأَنَّهُ خَارِجٌ إِلَى الْحَجِّ فِي وَقْتِهِ...... فَإِنْ كَانَ مَغْمُوْمًا فُرِجَ عَنْهُ .... فَإِنْ رَأىٰ كَأَنَّهُ يُلَبِّيْ فِي الْحَرَمِ فَإِنَّهُ يَظْفَرُ بِعَدُوِّهٖ وَ يَأْمَنُ خَوْفَ الْغَالِبِ"

(منتخب الکلام فی تفسیر الاحلام لامام محمد بن سیرین باب ۱۴ صفحہ ۳۷ برحاشیہ تعطیر الانام باب الباء جلد ۱ صفحہ ۳۷)

کہ خواب میں جو شخص یہ دیکھے کہ حج کے ایام میں حج کے لئے جا رہا ہے پس اگر تو اس کو کوئی خوف ہے تو وہ امن پائیگا اور اگر وہ ہدایت یافتہ نہیں تو ہدایت پائیگا اور اگر وہ مغموم ہے تو غم دُور ہوگا اور اگر کوئی خواب میں دیکھے کہ وہ احرام کی حالت میں لبیک کہہ رہا ہے۔ پس وہ کامیاب ہو جائے گا اور خوف سے امن میں ہو جائے گا۔

۸۔ اور یہاں ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ دجّال کافر ہے اس کا طواف سے کیا کام؟ جواب اس کا یہ دیا ہے علماء نے کہ یہ آنحضرتؐ کے مکاشفات سے ہے خواب میں تعبیر اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلعم کو دکھایا۔ روز ہوگا کہ عیسیٰؑ گرد دین کے پھریں گے واسطے قائم کرنے دین کے اور درستی کرنے خلل و فساد کے اور دجّال بھی پھرے گا گرد دین کے بقصد خلل و فساد ڈالنے کے دین میں کَذَا قَالَ الطِّيْبِيُّ۔

(مظاہر حق شرح مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۲۶۳ و مرقاۃ شرح مشکوٰۃ جلد ۴ صفحہ ۲۱۱۔ مجمع البحار الانوار جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ و برحاشیہ مشکوٰۃ صفحہ ۴۰۵ مطبع نظامی۔)

۹۔ "لَيُبَطِّئَنَّ" کا مضارع اس حدیث میں مولوی ثناء اللہ امرتسری کے ترجمہ قرآن کو مدنظر رکھتے ہوئے حال کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مولوی صاحب مذکور نے آیت وَ إِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ (النساء: ۷۳) کا ترجمہ کوئی تم میں سے سُستی کرتا ہے" کیا ہے

(دیکھو تفسیر ثنائی تفسیر سورۃ نساء زیر آیت وَ إِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ)۔

***

۱۵۔ مرزا صاحب سے تو خدا کا وعدہ حفاظت تھا۔ پھر کیا ڈر تھا؟

جواب ۱۔ "وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدہ: ۶۷) کا وعدہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی تھا۔ اور یہ وعدہ ابتدائے نبوت میں ہوا تھا۔" (دُرِّ منثور جلد ۲ صفحہ ۲۹۸)
پھر حضرت ہجرت کے لئے رات کو نکلے اور غارِ ثور میں چھپنے کی کیا ضرورت تھی؟ نیز دُرِّ منثور میں ہے کہ "كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلْعَمْ اِذَا خَرَجَ بَعَثَ مَعَهٗ اَبُوْ طَالِب مَنْ يَكْلُؤُهٗ" نیز دیکھو ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان جلد ۳ صفحہ ۳۵۷ و بحر محیط جلد ۳ صفحہ ۵۳۰ مطبوعہ مصر) کہ رسول خدا صلعم جب کہیں جاتے تو حضرت ابوطالب کسی آدمی کو بطور حفاظت ساتھ بھیج دیتے تھے۔ نیز اگر یہ کہو کہ مرزا صاحب نے پنج بنا اسلام بھی پورے نہ کئے تو تم یہ بتاؤ کہ نبیوں کے سردار آنحضرت صلعم نے پانچ بنا اسلام کو پورا کیا ہے؟ آپؐ کا زکوٰۃ دینا ثابت کرو۔ نیز حضرت علیؓ کا۔

۲۔ جنگِ بدر کے موقعہ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ پہنی فَلَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ الدِّرْعَ (بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۱۱) کہ بدر کی جنگ کے موقعہ پر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زرہ بکتر پہنے ہوتے دیکھا۔

۳۔ تفسیر حسینی میں لکھا ہے:۔
"تفسیر وسیط میں محمد بن کعب قرظی سے منقول ہے کہ لیلۃ العقبہ میں پچھتر آدمی اہلِ مدینہ میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کرتے تھے۔ عبداللہ بن رواحہؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ وہ شرط کریجئے جو خدا اور رسول کے واسطے آپ چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے واسطے میں یہ شرط کرتا ہوں کہ اسی کی عبادت کرو اور اس کا شریک نہ ٹھہراؤ اور اپنے واسطے یہ شرط کرتا ہوں کہ ان چیزوں سے میری حفاظت کرو جن سے اپنی جانوں اور مالوں کی حفاظت کرتے ہو۔"
(تفسیر قادری مترجم جلد ۱ صفحہ ۴۱۳ و صفحہ ۴۱۴ زیر آیت اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ سورۃ توبہ: ۱۱۱)

۱۶۔ مرزا صاحب نے ملازمت کی

الجواب:۔ بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا كُنْتُ اَرْعَاهَا عَلٰى قَرَارِيْطَ لِاَهْلِ مَكَّةَ (بخاری کتاب الاجارۃ باب رعی الغنم جلد ۲ صفحہ ۳۲ مصری) کہ میں چند قیراط لے کر کفارِ مکہ کی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ نیز قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کا اپنے خسر کی بکریاں چرانا پڑھو۔

۱۷۔ چندہ لیتے تھے؟

حضرت مرزا صاحب چندہ لیتے ہیں۔ حالانکہ مہدی نے تو مال بانٹنا تھا یہاں تک کہ کوئی قبول کرنے والا باقی نہیں رہے گا۔

جواب ۱۔ مولویوں کو پیسوں کی خاص طور پر فکر ہوتی ہے حدیث میں "یَفِیْضُ الْمَالُ" ہے (دیکھو ترمذی مجتبائی) یعنی اس زمانہ میں دولت اور مال زیادہ ہوگا۔ جیسا کہ اب ہے۔

۲۔ اگر "یَفِیْضُ الْمَالُ" (ترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی نزول عیسیٰ بن مریم) کو صحیح سمجھ کر یہ معنے کئے جائیں کہ مسیح موعودؑ آ کر مال تقسیم کرے گا۔ مگر کوئی اسے قبول نہیں کرے گا تو اس سے مراد دنیوی مال و دولت تو ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ ترمذی شریف کی ایک اور صحیح حدیث میں ہے:۔

"لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیًا مِّنْ مَالٍ لَابْتَغٰی عَلَیْهِ ثَانِیًا وَلَوْ کَانَ لَهٗ ثَانِیًا لَابْتَغٰی عَلَیْهِ ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ"

(ترمذی کتاب المناقب ابی ابن کعب جلد ۲ صفحہ ۲۲۵ مجتبائی)

"اگر انسان کو ایک وادی مال و دولت سے بھرپور مل جائے تو اس پر بھی وہ ضرور دوسری وادی کا آرزومند ہوگا اور جب اس کو دوسری وادی بھی حاصل ہو جائے تو اس پر بھی وہ تیسری وادی کا خواہشمند ہوگا۔ اور (سچ تو یہ ہے کہ) کہ انسان کے پیٹ کو سوائے خاک کے اور کوئی چیز نہیں بھر سکتی (یعنی قبر ہی میں جا کر اس کی حرص مٹتی ہے)۔"

پس یہ کس طرح ممکن ہے کہ مہدی کے وقت میں یہ انسانی فطرت بدل جائے اور آنحضرت صلعم کا یہ فرمان غلط ہو جائے۔ پس مہدی کے مال بانٹنے سے مراد وہ علوم آسمانی اور حقائق و معارف کا خزانہ ہے جو مسیح موعودؑ نے لوگوں کو دیا اور جس کو تمہارے جیسے بدقسمت قبول نہیں کرتے۔

۳۔ اس مال سے مراد وہ متعدد انعامات ہیں جو آپ نے اپنی مختلف کتابوں کے جواب لکھنے والوں کے لئے مقرر فرمائے۔ مگر کسی کو ان کے قبول کرنے کی جرأت نہیں ہوئی۔

۴۔ قرآن مجید میں ہے:۔ اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَةً۔ (المجادلة: ۱۳) کہ اے مسلمانو! جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مشورہ کرنے جاؤ۔ تو کچھ چندہ بھی لے جایا کرو۔

(ب) "اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ (التوبہ: ۱۱۱) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے اُن کے مال اور اُن کی جانیں خرید کر اس کے عوض ان کو جنت دے دیا ہے۔

(ج) قرآن مجید میں سینکڑوں آیات انفاق فی سبیل اللہ کے متعلق ہیں۔

۵۔ الزامی جواب

بخاری میں ایک نہایت دلچسپ حدیث ہے جس کے مطابق :۔ حضرت ابوسعید خدری سے روایت ہے کہ بعض صحابہؓ کسی گاؤں میں بحالت سفر ٹھہرے اور اہل گاؤں سے دعوت طلب کی، مگر ان لوگوں نے مہمانی سے انکار کیا۔ اتنے میں اس قبیلہ کے سردار کو سانپ نے ڈس لیا۔ سب علاج کئے لیکن فائدہ نہ

ہوا۔ کسی نے انہیں کہا کہ گاؤں سے باہر جو لوگ (صحابہ) ٹھہرے ہوتے ہیں ان سے پوچھو۔ شاید ان میں سے کسی کو کوئی علاج معلوم ہو۔ چنانچہ جب وہ لوگ صحابہ کے پاس آئے تو ایک صحابی نے کہا ہاں میں دَم کرنا جانتا ہوں۔ مگر چونکہ تم لوگوں نے ہمیں مہمانی دینے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لیے اب بلا اُجرت علاج نہیں کروں گا۔ اس پر ان لوگوں کے ساتھ ان کا معاوضہ چند بھیڑیں، بکریاں مقرر ہوا۔ اس صحابی نے قبیلہ کے سردار پر "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" پڑھ کر دَم کیا جس سے وہ یکدم اچھا ہو گیا۔ اور اس صحابی کو گاؤں والوں نے معاوضہ ادا کر دیا اس پر باقی صحابہ نے کہا کہ اس معاوضہ میں ہمارا بھی حق ہے پس ہمارا حصّہ بانٹ دو مگر وہ صحابی جنہوں نے دَم کیا تھا کہتے تھے کہ چونکہ دَم میں نے کیا ہے اس لئے یہ میرا ذاتی حق ہے کسی دوسرے کا اس میں حصّہ یا دخل نہیں۔ اس پر یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرت صلعم کے پاس چلتے ہیں۔ جو فیصلہ حضورؐ کریں۔ آخر وہ سب اصحاب آنحضرت صلعم کے حضور پیش ہوتے حضور صلعم نے سب واقعہ سُنا۔ پھر اس دَم کرنے والے صحابی سے مخاطب ہو کر فرمایا:-

"وَمَا یُدْرِیْكَ اَنَّهَا رُقْیَةٌ" ثُمَّ قَالَ قَدْ اَصَبْتُمْ اَقْسِمُوْا وَاضْرِبُوْا لِیْ مَعَکُمْ سَهْمًا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

(بخاری کتاب الاجارۃ جلد ۲ صفحہ ۲۳ مطبع الیہ مصر و تجرید بخاری مترجم اُردو حصّہ اوّل صفحہ ۴۳۸)۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "تم کو کیسے معلوم ہوا کہ (سورۃ فاتحہ سے) جھاڑ پھونک یا دَم کیا جاتا ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا تم نے اچھا کیا اب اس کو بانٹ لو اور اپنے ساتھ میرا حصّہ بھی لگا دو" یہ کہہ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مُسکرائے۔

سوال یہ ہے کہ (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا حصّہ کیوں نکلوایا۔ (۲) مُسکراتے کیوں تھے؟

۶- اسی طرح بخاری کتاب الوکالۃ باب الوکالۃ فی قضاء الدیون جلد ۲ صفحہ ۲۶ مطبع الیہ مصر اور تجرید بخاری مترجم اُردو حصّہ اوّل صفحہ ۴۳۳ پر ہے کہ آنحضرت صلعم سے ایک شخص نے اپنا سابقہ قرض طلب کیا اور آپؐ سے جھگڑا کر کے سخت کلامی کی جس پر صحابہ اسے مارنے لگے مگر آنحضرتؐ نے صحابہ کو اس سے منع فرمایا مگر اپنا قرض صحابہؓ سے ادا کروایا۔

۱۸۔ مراق

مرزا صاحب نے لکھا ہے۔ مجھے مراق ہے (بدر جلد ۲ ۲۳ صفحہ ۵ کالم ۲ ، ۷ جون ۱۹۰۶ء) اور مراق کا ترجمہ ہے ہسٹیریا بقول مرزا بشیر احمد صاحب (سیرۃ المہدی جلد ۱ صفحہ ۱۳) اور جس کو ہسٹیریا ہو، وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ بقول ڈاکٹر شاہ نواز خاں صاحب اسسٹنٹ سرجن جہلم (ریویو آف ریلیجنز جلد ۲۵ جلد ۸ صفحہ ۱۱-۱۲ و ۲۹۲ اگست ۱۹۲۶ء) پس ثابت ہوا مرزا صاحب نبی نہ تھے ان کو کاٹا لیپسی CATALEPSY کا مرض تھا۔ (رسالہ مراق مرزا مؤلفہ حبیب اللہ صفحہ ۲)

جواب:- (۱) خدا کے انبیاء کو ہمیشہ مجنون ہی کہا جاتا ہے۔ قرآن میں کہا ہے اَئِنَّا لَتَارِکُوْا

أَئِنَّا لَتَارِكُوا آلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُونٍ (سورۃ الصّٰفّٰت: ۳۷)

(۲) سب انبیاء کے سردار آنحضرت صلعم کے بدباطن دشمنوں نے آپ کے متعلق بھی یہی بکواس کی تھی۔ چنانچہ ملاحظہ ہو کتاب "A Contribution to the Islamic Civilisation"

(By Von Kremer Page 180-185)

اصل الفاظ یہ ہیں:۔

"Our acquatance with the fable, later on repeated with a pecular zeal that Mohammad invented the story of intercourse with Gebriel in order to allay the anxiety of Khadeeja for the epileptic fits with which he was seized.

ii Gribert of noget writes, Mohammad however was seized with epileptic fits and Khadeeja and alarmed at this malady hastened to the hermit for an explanation. She was thereupon answered that the apparent epilepsy was only the condition in which Mohammad was honoured with divine revelation."

(۳) حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ مجھ کو مراق ہے یہ غلط ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو "مراق" تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کو "دورانِ سر" یعنی "سر درد" کا مرض ضرور تھا اور حضرتؑ نے اپنی قریباً ہر ایک کتاب میں اس کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر حضور نے ایک مقام پر بھی اس کا نام مراق نہیں رکھا۔ بدر ۷ رجون ۱۹۰۶ء جس کا حوالہ معترضین نے دیا ہے وہ حضرت کی تحریر نہیں بلکہ ڈائری ہے اور ڈائری حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر کے بالمقابل اور خلاف ہونے کی صورت میں حجت نہیں۔ پس اگر "مراق" کے لفظ سے مراد "مالیخولیا" ہے تو یہ حضرت کی تحریرات کے سراسر خلاف ہے لہٰذا قابلِ قبول نہیں۔ حضرت نے جب صدہا مرتبہ اسی بیماری کا نام اپنی تحریرات میں "دوران سر" تحریر فرمایا ہے اور ایک جگہ بھی "مراق" نہیں لکھا تو ڈائری اس کے خلاف پیش نہیں ہو سکتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔ "ایسا ہی خدا تعالیٰ یہ بھی جانتا تھا کہ اگر کوئی خبیث مرض دامنگیر ہو جائے۔ جیسا کہ جذام اور جنون اور اندھا ہونا اور مرگی۔ تو اس سے یہ لوگ نتیجہ نکالیں گے کہ اس پر غضبِ الٰہی ہو گیا۔ اس لئے پہلے سے اس نے مجھے براہینِ احمدیہ میں بشارت دی کہ ہر ایک خبیث عارضہ سے تجھے محفوظ رکھونگا اور اپنی نعمت تجھ پر پوری کروں گا۔"

(اربعین ۳ صفحہ ۴ حاشیہ)

۴۔الزامی جواب

تم لوگ تو ہمیشہ خدا کے نبیوں کے متعلق ایسی ایسی باتیں گھڑتے ہی رہتے ہو جس نے انہیں خللِ دماغ کا مریض تسلیم کرنا پڑے۔ حضرت مرزا صاحب کے تو تم دشمن ہو مگر تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی لحاظ نہیں کیا۔ یہاں تک کہ آپ کے متعلق لکھدیا کہ آپؐ پر جادو کا اثر ہوگیا اور آپؐ کی یہ حالت ہوگئی کہ آپ سمجھتے تھے کہ مَیں نے فلاں کام کیا ہے۔ حالانکہ آپ نے نہ کیا ہوتا تھا۔ (گویا نعوذ باللہ حواس قائم نہ رہے تھے) چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:۔

"عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا قَالَتْ سُحِرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَانَ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ أَنَّهُ يَفْعَلُ الشَّيْئَ وَمَا يَفْعَلُهُ"

(بخاری کتاب بدء الخلق باب فی ابلیس جنودہ تجرید بخاری از علامہ حسین بن مبارک زبیدی ۸۹۳ھ فیروز الدین اینڈ سنز لاہور)

ترجمہ از تجرید بخاری:۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا گیا (اس سے) آپ کو خیال ہوتا کہ ایک کام کیا ہے۔ حالانکہ آپ نے اس کو کیا نہ ہوتا۔"

پھر باوجود ان روایات کے حضرت مسیح موعودؑ پر اعتراض کرو تو معذور ہو کیونکہ یرقان کے مریض کو ہر چیز زرد ہی نظر آتی ہے۔ باقی رہا "دورانِ سر" اور اس پر مذاق اوّل تو اس لئے کہ مسلم کتاب الفتن واشراط الساعة باب خروج الدجال ونزول مسیح جلد ۲ مصری کی حدیث میں ہے کہ مسیح موعودؑ دو زرد چادریں پہنے ہوئے ہوگا یہ آپ کی صداقت کی دلیل ہے اور اس لئے بھی کہ ڈاکٹری کی رو سے دورانِ سر دماغ کے اعلیٰ ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

"The subjects of Migraine are nearly always of an active capable and intelligant type."

(Price's Text Book of Medicine --- Page : 1502)

"یعنی دورانِ سر کے مریض قریباً ہمیشہ قابل اور عالی دماغ آدمی ہوتے ہیں۔"

باقی رہا سائل کا طرزِ استدلال۔ سو وہ خود ہی اس کی غلطی پر گواہ ہے۔ حضور نے کب کہا ہے کہ مجھے ہسٹیریا ہے حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے بیشک حضرت اُمّ المومنین کی زبانی ہسٹیریا کا لفظ بولا ہے، مگر (اوّل) آپ کوئی ڈاکٹر نہیں ہیں کہ جو ترجمہ دوران سر کا کیا ہے وہ درست ہو اور نہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ہسٹیریا کا مرض تھا۔ پس تیسرا حوالہ جو معترض نے نقل کیا ہے وہ بھی بے فائدہ ہے نہ حضرت اپنی نسبت ہسٹیریا تسلیم کرتے ہیں نہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ہسٹیریا کا ترجمہ مالیخولیا کرتے یا سمجھتے ہیں۔ پس مخالف کا استدلال قطعاً باطل ہے۔ ڈاکٹر شاہ نواز خاں صاحب نے محولہ بالا رسالہ میں طبّی نقطۂ نگاہ سے ثابت کر دیا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کو قطعاً ہسٹیریا نہ تھا ہم نے جو انگریزی عبارتیں (VON KREMER) کی نقل کی ہیں ان میں وہ آنحضرت صلعم کی نسبت (EPILEPSY) کا لفظ استعمال

کرتا ہے اور لطف یہ کہ مولوی ثناء اللہ نے حضرت مسیح موعودؑ کی نسبت (CATALEPSY) کا لفظ استعمال کیا ہے اور انگریزی ڈکشنری میں دونوں کا ترجمہ ایک ہی بتایا گیا ہے۔ "تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ" (البقرہ ۱۱۹:)

نوٹ :- اسی کتاب کے صفحہ ۱۸۵ و صفحہ ۱۸۶ پر VON KREMER (فان کریمر) نے آنحضرتؐ کی وفات کے متعلق ایسی گندی اور ناقابل بیان فحش نویسی کی ہے کہ ہم اسے یہاں انگریزی میں بھی نقل نہیں کر سکتے ان غیراحمدیوں کو جو حضرت مسیح موعودؑ کی وفات کے متعلق فحش کلامی کیا کرتے ہیں اس سے سبق حاصل کرنا چاہیئے۔ وہ اس قدر دلآزار ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کے متعلق جو کچھ غیراحمدی کہا کرتے ہیں وہ دسواں حصہ بھی اس تحریر کے مقابلہ میں دل آزار نہیں۔

۱۹۔ مبہی دوائیاں

مرزا صاحب قوتِ باہ کی دوائیاں کھایا کرتے تھے۔

جواب :- قرآن مجید میں ہے "قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (الکھف : ۱۱۱) کہ کہہ دے کہ میں بھی تمہاری طرح کا انسان ہوں۔ بوجہ بشریت تمام بشریت کے تقاضے (جو گناہ نہ ہوں) انبیاء کے ساتھ ہوتے ہیں۔ کوئی نبی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلعم کے متعلق بھی اسی قسم کے واقعات ہیں:-

۱۔ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور و معروف کتاب کیمیائے سعادت" میں فرماتے ہیں:-

"اور غرائب اخبار میں منقول ہے کہ حضور صلعم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ میں ضعفِ شہوت دیکھا تو جبرائیل نے مجھے ہریسہ کھانے کو کہا اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضورؐ کی نو عورتیں تھیں اور وہ تمام عالم پر حرام ہو چکی تھیں اور اُن کی اُمید تمام جہان سے منقطع ہو چکی تھی۔" (کیمیائے سعادت مترجم اُردو از ملک عنایت اللہ صاحب پروفیسر مشن کالج مطبوعہ دین محمدی پریس۔ رکن سوم مہلکات میں اصل پیٹ اور شرمگاہ کی خواہش کے علاج میں صفحہ ۲۷۰)

نوٹ :- کیمیائے سعادت کے فارسی ایڈیشن مطبع نولکشور کے صفحہ ۲۶۸ پر یہ روایت درج ہے

۲۔ "ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرائیل سے اپنی قوتِ باہ کا شکوہ کیا۔ جبرئیلؑ نے کہا تم ہریسہ کھایا کرو کہ اس میں قوت چالیس مردوں کی رکھی ہے۔"

۳۔ "انس بن مالک کہتے ہیں کہ فرمایا حضرتؐ نے کہ تم خضاب کیا کرو حنا کا کہ حنا قوتِ باہ پیدا کرتی ...... ان حدیثات کو غایت الاحکام فی صناعت الاحکام نجم الدین بن اللبودی ۶۶۰ھ والے نے بیان کیا ہے۔"

(طب نبوی شائع کردہ ملک دین محمد اینڈ سنز صفحہ ۲۲)

۴۔ تم لوگوں نے تو حضرت یحیٰی علیہ السلام کے متعلق اپنی تفاسیر میں لکھا ہے کہ وہ "حصور" تھے۔ ان معنوں میں کہ ان میں قوتِ باہ مطلقاً مفقود تھی۔ (اس سے زیادہ بیان کرنا قرین مصلحت نہیں۔ خادم)

دیکھو تفسیر ابن کثیر جلد ا تفسیر زیر آیت سَیِّداً وَّحَصُوْراً (آل عمران : ۴۰)

۵۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لکھا ہے :" وَکَانَ النِّسَاءُ وَالطِّیْبُ اَحَبَّ شَیْئٍ اِلَیْهِ وَکَانَ یَطُوْفُ عَلٰی نِسَائِهٖ فِی اللَّیْلَةِ الْوَاحِدَةِ وَکَانَ قَدْ اُعْطِیَ قُوَّةَ ثَلٰثِیْنَ فِی الْجِمَاعِ وَغَیْرِهٖ " (زاد المعاد جلد ا ص۳۹ مطبع نظامی کانپور)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویاں اور خوشبو بہت پیاری تھی اور آپؐ اپنی سب بیویوں کے پاس ایک ہی رات میں ہو آیا کرتے تھے اور حال یہ تھا کہ آپ کو جماع وغیرہ کے لحاظ سے تیس۳۰ مردوں کی قوت عطا ہوئی تھی۔

۶۔" کَانَ یَطُوْفُ عَلٰی جَمِیْعِ نِسَاءِهٖ فِیْ لَیْلَةٍ بِغُسْلٍ وَّاحِدٍ " (مسند امام احمد بن حنبل، بخاری کتاب الغسل، مسلم۔ ابو داؤد۔ ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ و جامع الصغیر امام سیوطی جلد ۲ ص۱۱۸ مصری۔ تجرید بخاری مترجم اُردو شائع کردہ فیروز اینڈ سنز ۱۳۴۱ھ جلد ا ص۵۹) ترجمہ از تجرید بخاری بحوالہ مذکورہ بالا:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے پاس (ایک ہی غسل میں۔ خادم) ایک ہی ساعت کے اندر رات اور دن میں دورہ کر لیتے تھے اور وہ گیارہ تھیں (ایک روایت میں آیا ہے کہ وہ نو تھیں) انسؓ سے پوچھا گیا کہ آپؐ ان سب کی طاقت رکھتے تھے ؟ وہ بولے ہم تو کہا کرتے تھے کہ آپ کو تیس۳۰ مردوں کی قوت دی گئی ہے۔

۷۔ ایک اور حدیث میں ہے:" اَتَانِیْ جِبْرَئِیْلُ بِقِدْرٍ فَاَکَلْتُ مِنْهَا فَاُعْطِیْتُ قُوَّةَ اَرْبَعِیْنَ رَجُلاً فِی الْجِمَاعِ " (جامع الصغیر للسیوطی مصری باب الالف الہمزہ جلد ا ص۵)

یعنی جبرئیل میرے پاس ایک مٹی کی ہنڈیا لائے۔ سو میں نے اس میں سے کھایا تو مجھے جماع میں چالیس مردوں کی قوت دی گئی"

۹۔ ایک اور روایت میں ہے :۔

"اُعْطِیْتُ قُوَّةَ ثَلاَثِیْنَ رَجُلاً فِی الْبِضَاعِ " (فردوس الاخبار دیلمی بحوالہ کنوز الحقائق فی احادیث خیر الخلائق باب الالف برحاشیہ جامع الصغیر باب الالف مصری جلد ا ص۳۷) کہ مجھے جماع میں تیس مردوں کی قوت دی گئی ہے"

۹۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک ہی رات میں ۱۰۰ بیویوں سے مجامعت کی۔

(مسند امام احمد بن حنبل۔ بخاری، مسلم، نسائی بحوالہ جامع الصغیر للسیوطی حرف الکاف مصری جلد ۲ ص۸۵)

۲۰۔ ٹانک وائن

مرزا صاحب نے حکیم محمد حسین صاحب قریشی مرحوم کی معرفت ٹانک وائن منگوائی ؟

جواب ا۔ ٹانک وائن شراب نہیں ہوتی۔ بلکہ ایک دوائی ہے جو مختلف قسم کی بیماریوں خصوصاً بچہ پیدا ہونے کے بعد زچہ کے لئے مفید ہے۔ چنانچہ مشہور کتاب "MATERIA MEDICA OF PHARACAUTICAL COMBINATIONS AND SPECIALITIES"

میں جو علم اجزاء و خواص الادویہ کی کتاب ہے "ٹانک وائین" کے متعلق لکھا ہے۔

("Restorative after childs birth prophylactic against malarial fevers, anaemia, anorexia" Page 197)

کہ ٹانک وائین بچہ کی ولادت کے بعد زچہ کی بحالی طاقت کے لئے مفید ہے نیز ملیریا کے زہر کو زائل کرنے اور کمی خون اور بھوک نہ لگنے کے لئے بھی مفید ہے۔ اب جب ہم حضرت اقدس کے محولہ خط کو جس میں ٹانک وائین کا ذکر ہوا ہے پڑھتے ہیں تو اس میں کہیں بھی حضور نے اس کے متعلق یہ نہیں لکھا کہ میں نے اسے خود استعمال کرنا ہے حضرت اقدس خاندانی حکیم بھی تھے اور اکثر غریب بیماروں کو بعض اوقات نہایت قیمتی ادویہ اپنی گرہ سے دے دیا کرتے تھے۔ لہٰذا محض دوائی منگوانے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ اسے حضور نے خود استعمال فرمایا۔ انتہائی بغض کا نتیجہ ہوگا۔

(۲) ہاں اس خط کے ساتھ ملحق خط میں حضرت اقدس نے اپنے گھر میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کی ولادت کا ذکر فرما کر بعض دوائیں طلب فرمائی ہیں پس ٹانک وائین بھی غالباً زچہ ہی کے لئے منگوائی گئی کیونکہ یہ دوائی اسی موقعہ پر استعمال کی جاتی ہے۔ پس اندریں حالات بلا وجہ زبانِ طعن دراز کرنا انتہائی بدبختی ہے خصوصاً جبکہ ہم ثابت کر آتے ہیں کہ یہ شراب نہیں بلکہ ایک دوائی کا نام ہے اور اس کا مزید ثبوت یہ ہے کہ یہ دوائی کسی شراب فروش کی دکان سے نہیں ملتی۔ بلکہ انگریزی دوائی فروشوں کی دکان پر سے ملتی ہے۔

پس یہ ثابت ہے کہ ٹانک وائین شراب نہیں بلکہ دوائی ہے اور وہ دوائی بھی حضرت نے خود استعمال نہیں فرمائی، لیکن غیر احمدیوں کے نزدیک تو خالص شراب کا استعمال بھی مندرجہ ذیل صورتوں میں جائز ہے ملاحظہ ہو:۔

۱۔ "شراب میں تھوڑی سی ترشی آجاتے تو پینا حلال ہے"

(فتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیری مطبع نولکشور بار دوم ۱۹۰۱ء جلد ۴ صفحہ ۴۰۶)

۲۔ "گیہوں و جو و شہد و جوار کی شراب حلال ہے"

(عین الہدایہ ترجمہ ہدایہ جلد ۴ صفحہ ۳۹۵ مطبوعہ نولکشور بار اوّل ۱۸۹۶ء)

۳۔ "چھوارے و منقّی کی شراب حلال ہے"

(مزدوری ترجمہ قدوری صفحہ ۲۴۳ مطبع مجتبائی دہلی بار دوم ۱۹۰۸ء)

۴۔ "جس نے شراب کے نو پیالے پیئے اور نشہ نہ ہوا۔ اور پھر دسواں پیا اور نشہ ہوگیا تو یہ دسواں پیالہ حرام ہے۔ پہلے نو پیالے نہیں"

(غایۃ الاوطار ترجمہ درِّ مختار جلد ۴ صفحہ ۲۶۴ مطبع نولکشور بار چہارم ۱۹۰۰ء)

۵۔ "پیاسے کو شراب پینا ضرورتاً جائز ہے" (ایضاً جلد ۱ صفحہ ۱۰۶)

۶۔ "جو گوشت شراب میں پکایا گیا ہو۔ وہ تین بار جوش دینے اور خشک کرنے سے پاک ہو جاتا ہے" (ایضاً صفحہ ۱۰۱)

وفتاویٰ ہندیہ ترجمہ فتاویٰ عالمگیری ص۵ جلد ۱ و ص۱۳۲، ص۴۹، منقول از حقیقۃ الفقہ الموسومہ بہ الاسم التاریخی افاضات الجدیدہ محبوب المطابع برقی پریس دہلی مصنفہ الحاج الحافظ مولوی محمد یوسف صاحب جے پوری بر صفحات ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۶۹، ۱۷۰ حصہ اول)

۷۔ علاوہ ازیں شرح وقایہ میں لکھا ہے کہ "جو کوئی چیز مسکر مخلوط ہووے تو بناء بر مذہب امام صاحب درست ہے۔" (شرح وقایہ جلد ۴ ص۵۹ وکتاب الاشربہ آخری سطر مترجم اُردو۔ موسومہ بہ نورالہدایہ جلد ۴ ص۲۱۱ مطبوعہ مطبع نظامی کانپور) اور ظاہر ہے کہ دوائی ٹانک وائین بھی مخلوط ہی کی صورت زیادہ سے زیادہ ہوسکتی ہے نہ اس سے زیادہ۔

۸۔ پھر لکھا ہے: (ا) "شراب بقدر سُکر کے حرام ہے یہ مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔"
(شرح وقایہ جلد ۴ اُردو ترجمہ ص۵۷)

ب۔ "اور جائز ہے سرکہ بنانا خمر کا۔" (نورالہدایہ ترجمہ اُردو شرح وقایہ جلد ۴ ص۵۸ سطر ۹)

ج۔ اسی طرح نبیذ کھجور کا یا انگور خشک کا جب تھوڑا سا پکا لیا جاتے۔ اگرچہ اس میں شدت ہوجاتے، لیکن ان تینوں کا اس مقدار تک پینا درست ہے کہ نشہ نہ کرے اور لہو وطرب کے قصد سے نہ پئے۔ بلکہ قوت کے لئے استعمال کرے۔" (نورالہدایہ ترجمہ اُردو شرح وقایہ جلد ۴ ص۵۸)

د۔ "نسائی نے مثلث کی حلت کو حضرت عمرؓ سے روایت کیا۔ امام صاحب کے نزدیک صرف آخر کا پیالہ ہے جس سے نشہ ہوا۔" (نورالہدایہ ترجمہ اُردو شرح وقایہ جلد ۴ ص۵۸)

ر۔ "اور مکروہ ہے خمر (شراب) کی تلچھٹ کا پینا اور اس کو کنگھی میں مل کر بالوں کو لگانا لیکن تلچھٹ کا پینے والا جب تک مست نہ ہووے تو اس کو حد نہ لگے گی۔" (ایضاً ص۵۸)

۲۱۔ ریشمی کپڑے اور کستوری

"مرزا صاحب نے اپنے ایک مُرید کو لکھا کہ میری لڑکی مبارکہ کے لئے ریشمی کُرتا چاہیئے جس کی قیمت چھ روپے سے زائد نہ ہو اور گوٹا لگا ہوا ہو۔"

(خطوط امام بنام غلام ص۵ مجموعہ مکتوبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام بنام حکیم محمد حسین صاحب قریشی لاہور) نیز کستوری استعمال کیا کرتے تھے۔

جواب:۔ کستوری کا استعمال ذیابیطس کی بیماری کے لئے بطور علاج کے تھا اور ہم نے آج تک قرآن مجید، حدیث یا کسی دوسری فقہ کی کتاب میں یہ نہیں پڑھا کہ کستوری حرام ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ یَاأَیُّھَا الرُّسُلُ کُلُوْا مِنَ الطَّیِّبَاتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا (المومنون: ۵۲) کہ اے رسولو! جو پاک چیزیں ہیں وہ کھاؤ اور نیک کام کرو۔

باقی رہا مبارکہ کے لئے ریشمی کُرتا اور گوٹا لگا ہوا تو عورتوں کے لئے یہ دونو چیزیں اسلامی شریعت کی رُو سے حلال ہیں۔ ہاں اگر یہ اعتراض ہو کہ خدا کے محبوبوں کو اچھی پوشاکوں اور اچھے کھانوں سے

کوئی تعلق نہیں ہوتا تو اس کا جواب سُن لو!

ا۔ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مشک اور عنبر استعمال کرتے تھے"۔

(سیرۃ النبیؐ شبلی نعمانی حصہ اول جلد ۲ صفحہ ۱۶۲)

۲۔ ابوداؤد میں ہے کہ:۔" ایک صحابی پر کسی حروری نے اعتراض کیا کہ تم نے قیمتی حُلّہ کیوں پہنا۔ تو انہوں نے جواب میں کہا۔ مَیں نے آنحضرت صلعم کے جسم پر قیمتی لباس دیکھا ہے"۔ (ابوداؤد ص۵۵۹ مصری)

۳۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

" روایت ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو۲ من کستوری ایک ہی مرتبہ پانی میں ڈال دی اور اپنے اور اپنے بالوں کے اوپر مل دی"۔ (کشف المحجوب مترجم اُردو ص۳۶۹ بخشش اور سخاوت کے بیان میں)

۴۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ڈاڑھی میں زعفران لگایا کرتے تھے:۔

"كَانَ يَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَةَ وَيُصَفِّرُ لِحْيَتَهُ بِالْوَرْسِ وَالزَّعْفَرَانَ"

(بخاری۔ مسلم۔ ابوداؤد۔ بحوالہ جامع الصغیر مصنفہ امام سیوطی مصری جلد ۲ ص۱۲۱)

" کہ آنحضرت صلعم رنگے ہوئے چمڑے کی جوتی پہنتے تھے اور ہندوستانی زعفران اور دوسرے زعفران سے داڑھی کو رنگا کرتے تھے"۔

۵۔ "حضرت عثمانؓ نے اپنے دانتوں کو سونے کے تار سے باندھ رکھا تھا"۔

(تاریخ الخلفاء مصنفہ امام سیوطی مترجم اُردو ص۱۸۹ ذکر حضرت عثمانؓ)

۶۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ "پیران پیر" جن کا دعویٰ ہے کہ " مَیں اپنے جدِ امجد کے قدم پر ہوں نہ اُٹھایا کوئی قدم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مقام سے کہ نہ رکھا مَیں نے اپنا قدم اس جگہ پر"۔

(گلدستہ کرامات ص۵ روایات شیخ شہاب الدین سہروردی مطبع مجتبائی دہلی)

نیز فرماتے ہیں کہ:۔" هٰذَا وُجُوْدُ جَدِّيْ مُحَمَّدٌ صَلْعَمْ لَا وُجُوْدُ عَبْدِالْقَادِرِ" (الفئاص۱) کہ یہ میرا وجود نہیں بلکہ میرے نانا آنحضرت صلعم کا وجود ہے۔ ان کے کپڑوں کی یہ کیفیت تھی۔

(۱) "جناب فیض مآب ملائک رکاب محبوب سبحانی قدس اللہ سرہٗ نہایت مقبول وضع اور خوش پوشاک رہتے تھے اور جسم مبارک کے کپڑے بھی ایسے بیش قیمت اور گراں بہا ہوتے تھے کہ ایک گز کپڑا دس دینار کو خریدا جاتا تھا بلکہ ایک دفعہ عمامہ کرامت شمامہ جناب غوثیہ کا ستر ہزار دینار کو خریدا گیا تھا"۔

(گلدستہ کرامات ص۱۲ مطبع مجتبائی، مناقب چہل وسوم دربیان بعض مخزن کرامات مطبع افتخار دہلی ص۸)

(ب) جناب غوث الاعظم نعلین (جوتیاں)، قَدَمَيْنِ شَرِيْفَيْنِ اپنے کی اس قدر بیش قیمت پہنا کرتے تھے کہ وہ نعلین یاقوت سُرخ اور زمرد سبز سے مرصع ہوا کرتی تھیں اور نیچے کے تلووں میں انکے میخیں چاندی اور سونے کی جڑی ہوئی تھیں اور کبھی ایسا اتفاق نہیں ہوتا تھا کہ آپ نے کوئی نعلین آٹھ دن سے زیادہ اپنے پائے مبارک میں پہنی ہوں"۔ (گلدستہ کرامات ص۱۲ مطبع مجتبائی مناقب چہل وچہارم در تعریف نعلین مطبع افتخار دہلی ص۸)

(ج) اور کبھی کوئی پوشاک ایک روز سے زیادہ آپ کے بدن شریف پر نہیں رہتی تھی اور سوداگر اور تجار

اقالیم دُور و دراز سے پارچات عمدہ اور لباس ہائے بیش قیمت آپ کے واسطے لایا کرتے تھے .... اشیائے معطر سے آپ کو بہت شوق تھا کہ ہنگام مصروفیت عبادت جسم شریف اور لباس کو اس قدر عطر لگایا جاتا تھا کہ تمام مکان عالیشان مدرسہ معطر ہو جاتا تھا اور اکثر یہ شعر آپ کی زبان حق ترجمان پر رہتا تھا ؎

ہزار بار بشویم دہن ز عطر و گلاب　　　ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

(گلدستہ کرامات ص۲۱ مطبع مجتبائی)

۷۔ "حضرت امام جعفر صادق نے اعلیٰ لباس زیب تن کیا"

(تذکرۃ الاولیاء مترجم اُردو پہلا باب ص۱۵ شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز علمی پرنٹنگ پریس)

نیز محبوبان الٰہی کے اعلیٰ لباس کے پہننے کی حکمت ملاحظہ فرمائیں (کشف المحجوب مترجم اردو ص۴۲) لیکن حضرت مسیح موعودؑ کا لباس تو بالکل سادہ ہوتا تھا جس کا تم بھی انکار نہیں کر سکتے۔

۲۲۔ طبیعت کی سادگی اور محویت

غیر احمدی :۔ حضرت مرزا صاحب بعض اوقات ایک پاؤں کا جوتا دوسرے میں پہن لیتے تھے۔ کبھی قمیص کے بٹن نیچے اوپر لگا لیتے تھے عام طور پر لوگوں کے نام بھول جاتے تھے۔ کیا اس قسم کا شخص بھی مقرب بارگاہ الٰہی ہو سکتا ہے ؟

جواب :۔ یہی تو مقربان بارگاہ الٰہی کی علامت ہے کہ اُن کو انقطاع الی اللہ کی وہ حالت میسر ہوتی ہے جس سے دُنیا دار لوگ بکلی محروم ہوتے ہیں اُن کی یہ محویت اس لئے ہوتی ہے کہ ان کو دُنیا اور اس کے دھندوں کی طرف توجہ کرنے کے لیے وقت ہی نہیں ملتا۔ کیونکہ وہ دن رات اپنے خالق کی طرف سے مفوضہ فرائض کی سرانجام دہی میں مصروف رہتے ہیں ان کو دُنیا اور دُنیا کے دھندوں میں قطعاً انہماک نہیں ہوتا کیونکہ وہ دنیا میں نہیں ہوتے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں : ؎

ہم تو بستے ہیں فلک پر اس زمیں کو کیا کریں
آسماں کے رہنے والوں کو زمیں سے کیا نقار　　　(درثمین اُردو، ص۸۲)

۱۔ حدیث نبوی صلعم میں ہے کہ آنحضرت صلعم نے بھی فرمایا: اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ: (کنز العمال جلد ۱۱ ص۴۶۵ نیا ایڈیشن) یعنی دنیا میری نہیں بلکہ تمہاری ہے اور تم ہی اپنی دنیا کے اُمور کو مجھ سے زیادہ سمجھتے ہو۔ (نیز دیکھیں مسلم کتاب الفضائل باب وجوب امتثال عن انسؓ و عائشہؓ)

۲۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں :۔ "حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ہمکو ہدایت فرمائی ہے کہ دُنیا اور دُنیا کی چیزوں کے جاتے رہنے میں خطرہ نہیں ان کی طرف دل مشغول نہ کرنا چاہیئے کیونکہ جب تُو فانی کی طرف مشغول ہوگا تو باقی سے در پردہ رہیگا جبکہ نفس اور دُنیا طالب کے واسطے حق سے حجاب ہوتا ہے اسلیئے دوستانِ خداوند عزّ و جل نے اِس سے مونہہ موڑا ہے۔"　　　(کشف المحجوب مترجم اُردو ص۵۵)

پھر فرماتے ہیں :۔

"ایک گروہ نے لباس کے ہونے یا نہ ہونے میں تکلف نہیں کیا۔ اگر خداوند تعالیٰ نے اُن کو گدڑی دی تو پہن لی۔ اور اگر قبا دی تو بھی پہن لی۔ اور اگر ننگا رکھا تو بھی ننگے رہے اور مَیں کہ علی عثمان جلالی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہوں اس طریق کو میں نے پسند کیا ہے اور اپنا لباس پہننے میں ایسا ہی کیا ہے۔"
(کشف المحجوب مترجم اُردو صفحہ ۵۰، ۵۷ چوتھا باب فصل سوم)

۴۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:۔

ا۔ حضرت حبیب عجمی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں حضرت شیخ فرید الدین عطار تحریر فرماتے ہیں:۔

"تیس سال تک ایک کنیز آپ کے پاس رہی، لیکن آپ نے اُس کا منہ تک نہ دیکھا۔ آپ نے اُس لونڈی کو مخاطب کرکے فرمایا۔ اِن تیس سال کی مدت میں مجھکو یہ مجال نہ تھی کہ خدا کے سوا کسی اور کی طرف دھیان کروں۔ اس وجہ سے تیری طرف متوجہ نہ ہو سکا۔" (تذکرۃ الاولیاء۔ اردو ترجمہ صفحہ ۳۷ شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز)

(ب) حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت لکھا ہے:۔

"آپ کے استغراق کا یہ عالم تھا کہ ایک مُرید کو جو بیس سال سے ایکدم کے لئے آپ سے جُدا نہ ہوا تھا جب بُلاتے تو اُس سے اُس کا نام دریافت فرماتے ایک دن اُس مُرید نے عرض کی کہ حضرت! شاید آپ مذاق میں ایسا کہتے ہیں اور ہر روز میرا نام دریافت فرماتے ہیں۔ فرمایا کہ مَیں مذاق نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام نے تمام مخلوق کو میرے ذہن سے فراموش کر دیا ہے۔ اگرچہ مَیں تیرا نام یاد کرتا ہوں لیکن پھر بھول جاتا ہوں۔" (تذکرۃ الاولیاء۔ اُردو صفحہ ۱۱۹ باب چودھواں شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز)

ج۔ حضرت داوٗد طائی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھا ہے:۔

"ایک دفعہ ایک شخص نے آپ کے پاس جاکر کہا کہ آپ کے مکان کی چھت ٹوٹ گئی ہے، گر پڑیگی۔ فرمایا۔ بیس سال ہوتے مَیں نے چھت کو نہیں دیکھا۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ خلقت سے کیوں نہیں ملتے؟ فرمایا اگر اپنے آپ سے فراغت ہو تو دوسروں کے پاس بیٹھوں۔"
(تذکرۃ الاولیاء اُردو صفحہ ۱۵۴ اکیسواں باب شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز)

د۔ حضرت سفیان ثوریؒ کی نسبت لکھا ہے:۔

"ایک دفعہ آپ نے ایک کپڑا اُلٹا پہن لیا۔ لوگوں نے کہا کہ سیدھا کرکے پہنو مگر آپ نے نہ کیا اور فرمایا کہ یہ کپڑا مَیں نے خدا کی خاطر پہنا ہے۔ خلقت کی خاطر اس کو بدلنا نہیں چاہتا۔"
(تذکرۃ الاولیاء اردو صفحہ ۱۴۳ سولھواں باب شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز)

۲۳۔ پردہ کے عدم احترام کا الزام

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب کے سامنے نامحرم عورتیں چلتی پھرتی رہتی تھیں بلکہ ایک ضعیفہ عورت "بانو" نام نے ایک مرتبہ آپ کے رضائی کے اوپر سے پاؤں دبائے۔

جواب:۔ اس اعتراض کی بنیاد حضرت مسیح موعودؑ یا حضورؑ کے خلفاء کی کسی تحریر پر نہیں بلکہ زبانی روایات

پر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ حجت صرف حضرت مسیح موعودؑ یا حضورؑ کے خلفاء کی تحریرات ہیں۔ حضرت اقدسؑ کی اپنی تحریرات کے برخلاف کوئی ڈائری یا کسی اور کا قول یا روایت ہرگز حجت نہیں۔ احراری معترضین اس سلسلہ میں جس قدر روایات پیش کرتے ہیں وہ سب ایسی کتابوں کی ہیں جن کی غلطی یا خطا سے منزّہ ہونے کا دعویٰ خود ان کے مؤلفین یا مرتبین کو بھی نہیں ہے۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی تالیف "سیرۃ المہدی" بھی اس سے مستثنیٰ نہیں جیسا کہ خود حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اُس کے دیباچہ میں تحریر فرمایا ہے:۔

و۔ اس سے یہ مراد نہیں کہ مَیں اِن روایات کی تفصیل کے متعلق بھی صحت کا یقین رکھتا ہوں مَیں سمجھتا ہوں کہ ہمارے ملک میں جو روایت کا طریق ہے اور جو روایات کے متعلق لوگوں کے حافظہ کی حالت ہے وہ مجھے ایسا خیال کرنے سے مانع ہے۔ (سیرت المہدی حصہ اول عرض حال صفحہ ب ۱۴ر نومبر ۱۹۳۵ء)

پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

"میرا مقصود یہ رہا ہے کہ روایت کے سب پہلو واضح ہو جائیں تاکہ اول تو اگر کوئی کمزوری ہے تو وہ ظاہر ہو جائے۔" (ایضاً صفحہ ج)

پھر فرماتے ہیں:۔ "مَیں الفاظ روایت کی صحت کا دعویدار نہیں ہوں۔" (ایضاً صـ۱)

علاوہ ازیں سیرت المہدی حصہ سوم کے شروع میں عرض حال صـ۱ کے عنوان کے ماتحت حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے حصہ اول کی کئی روایات کی غلطیاں بیان فرمائی ہیں نیز خود حصہ سوم کی بعض روایات کے بارے میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔ "اگر یہ روایت درست ہے"۔ (مثلاً دیکھیں حصہ سوم صفحہ ۲۲، ۲۶ ۵۰۔ ۵۵۔ ۱۳۸) اسی طرح صـ۶۴ پر بھی درج کردہ روایت کی صحت کے بارے میں شک کا اظہار فرمایا ہے، اسی طرح صـ۱۳۹ پر روایت نمبر ۶ کے بھی ایک اہم حصہ کو "مغالطہ" کا نتیجہ قرار دیا ہے۔

ب۔ خود سیرت المہدی حصہ سوم صـ۱۵ روایت نمبر ۴۷۷ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام غیر محرم عورتوں سے لمس سے پرہیز فرماتے تھے۔

پس ضروری ہے کہ مباحثات میں استدلال کی بنیاد صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضورؑ کے خلفاء کی تحریرات پر رکھی جائے نہ کہ روایات پر۔

۲۔ جہاں تک شریعتِ اسلامی کی تعلیم کا سوال ہے قرآن مجید نے ایسے مَردوں یا عورتوں کو جو "غَیْرُ اُولِی الْاِرْبَۃِ" (یعنی شہوانی جذبات سے خالی) ہوں۔ مثلاً بوڑھے اور بوڑھیاں یا خدا کے صالح اور پاک بندے ایک دوسرے سے پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا۔ چنانچہ (۱) قرآن مجید میں سورۃ نور آیت: ۳۲ رکوع ۴ میں جہاں پردے کے احکام ہیں وہاں وَالتّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ کے الفاظ موجود ہیں جن کو پردے کے حکم سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

و۔ اس کی تفسیر میں حضرت امام رازی تفسیر کبیر میں تحریر فرماتے ہیں:۔

اَوْ شُیُوْخٌ صُلَحَاءُ اِذَا کَانُوْا مَعَھُنَّ غَضُّوْا اَبْصَارَھُمْ ... وَقَالَ بَعْضُھُمْ اَلشَّیْخُ وَسَائِرُ مَنْ لَا شَھْوَۃَ لَہٗ۔" (تفسیر کبیر جلد ۶ صـ۳۹۱ مطبوعہ مصر)

یعنی ایسے صالح بوڑھے جو عورتوں کی معیت کے وقت غضِ بصر کرنے والے ہوں یا تمام بوڑھے اور ایسے تمام لوگ جو شہوت سے پاک ہوں۔

ب۔ تفسیر بیضاوی جلد ۲ ص۹۷ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی میں اس (النور: ۳۲) کی تفسیر میں لکھا ہے "ھم الشیوخ الھم" یعنی اس سے مراد معمر بوڑھے ہیں۔

ج۔ تفسیر حسینی میں ہے:۔ "بے شہوت والے مردوں میں سے یعنی وہ مرد جو کھانا مانگنے گھروں میں آتے ہیں اور عورتوں سے کچھ حاجت نہیں رکھتے یعنی اُن سے شہوت کا دغدغہ نہیں جیسے بہت بوڑھا۔" (تفسیر حسینی قادری مترجم اردو جلد ۳ ص۱۱۷ مطبوعہ نولکشور لکھنو)

۳۔ احادیثِ نبویہ کی روشنی میں:۔ ا۔ عَنْ اَنَسِ ابْنِ مَالِكٍ يَقُوْلُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ عَلٰى اُمِّ حَرَامٍ بِنْتِ مِلْحَانَ فَتُطْعِمُهُ وَكَانَتْ تَحْتَ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ فَاَطْعَمَتْهُ وَجَعَلَتْ تَفْلِيْ رَأْسَهٗ فَنَامَ ثُمَّ اسْتَيْقَظَ يَضْحَكُ۔ (الادب المفرد)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اُم حرام بنت ملحان کے گھر جایا کرتے تھے۔ تو وہ حضورؐ کو کھانا پیش کرتیں (وہ حضرت عبادہ بن صامت کی زوجہ تھیں) حضرت اُم حرامؓ نے حضورؐ کو کھانا کھلایا اور حضورؐ کے سر سے جوئیں نکالنے لگیں۔ آنحضرت صلعم سو گئے اور پھر مسکراتے ہوئے بیدار ہو گئے۔

ب۔ اسی طرح الادب المفرد میں ہے کہ حضرت سعدؓ کے بازو کی رگ میں غزوہ احزاب کے موقعہ پر زخم آگیا۔ تو اُن کو مدینہ میں رفیدہ نامی ایک عورت کے پاس اس کے گھر میں رکھا گیا۔ وہ اُن کا علاج اور مرہم پٹی کرتی تھیں۔ خود آنحضرت صلعم بھی صبح و شام اس عورت کے ہاں سعدؓ کی عیادت کے لئے تشریف لے جاتے رہے۔

ج۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ آنحضرت صلعم کے ساتھ ایک ہی برتن میں حلوہ کھا رہی تھیں کہ حضرت عمرؓ بھی تشریف لے آئے اور آنحضرت صلعم کے ارشاد کی تعمیل میں کھانے میں ان کے ساتھ ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ "فَاَصَابَتْ يَدُهٗ اِصْبَعِيْ" کہ اس اثنا میں حضرت عمرؓ کا ہاتھ میری اُنگلی کے ساتھ چھُو گیا۔ (الادب المفرد)

د۔ بخاری میں ہے:۔ عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكُنْ يَدْخُلُ بَيْتًا بِالْمَدِيْنَةِ غَيْرَ بَيْتِ اُمِّ سُلَيْمٍ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهٖ فَقِيْلَ لَهٗ قَالَ اِنِّيْ اَرْحَمُهَا قُتِلَ اَخُوْهَا مَعِيْ۔ (بخاری) حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کے گھروں کے علاوہ سارے مدینہ میں صرف اُم سلیمؓ کے گھر میں بالالتزام تشریف لے جاتے تھے۔ بعض لوگوں نے حضورؐ سے اس کا سبب دریافت کیا تو حضورؐ نے فرمایا کہ اُم سلیمؓ کا بھائی میرے ہمراہ لڑتا ہوا شہید ہو گیا تھا۔ اس لیے میرے دل میں اُم سلیمؓ کے لیے خاص رحم ہے۔ (ص۲۱)

۵۔ صحیح مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضورؐ کے بعد ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما

حضرت زید بن ثابتؓ کی بیوی اُمِّ اُمیَن کے ہاں اُن کی ملاقات کے لیے جایا کرتے تھے۔ غرضیکہ بیسیوں حوالے اس قسم کے موجود ہیں۔

د۔ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی زائدہ نام باندی کی حدیث مشہور ہے کہ ایک روز پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی اور آپ کو سلام کیا۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے زائدہ! کیوں میرے پاس دیر سے آئی ہو۔ تو موفقہ ہے اور میں تجھ سے محبت رکھتا ہوں۔"

(کشف المحجوب مترجم اُردو ص۲۶۱ شائع کردہ شیخ الٰہی بخش محمد جلال الدین مطبوعہ ۱۳۱۴ھ باب معجزات وکرامات کا فرق)

ز۔ حضرت داتا صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔ فقیہوں کا اتفاق ہے کہ جب راگ ورنگ موجود نہ ہوں اور آوازوں کے سُننے سے بُری نیت ظاہر نہ ہو تب اُس کا سُننا مُباح ہے اور اس پر بہت آثار واخبار لاتے ہیں۔ جیسے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:۔

"قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِيْ جَارِيَةٌ تَغَنِّيْ فَاسْتَأْذَنَ عُمَرُ فَلَمَّا احَسَّتْهُ وَسَمِعَتْ حِسَّهُ فَرَّتْ فَلَمَّا دَخَلَ عُمَرُ تَبَسَّمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ عُمَرُ مَا اَضْحَكَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! قَالَ كَانَتْ عِنْدَنَا جَارِيَةٌ تَغَنِّيْ فَلَمَّا سَمِعَتْ حِسَّكَ فَرَّتْ فَقَالَ عُمَرُ فَلَا اَبْرَحُ حَتّٰى اَسْمَعَ مَا سَمِعَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلعم فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْمَعُ۔"

ترجمہ:۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا ہے۔ میرے پاس ایک لونڈی گا رہی تھی۔ اتنے میں حضرت عمرؓ نے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ جب اُس لونڈی نے معلوم کیا اور اُن کے آنے کی آواز سُنی تو بھاگ گئی۔ پھر جب حضرت عمرؓ اندر داخل ہوتے حضرت رسول اللہ صلعم مُسکراتے۔ تب حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! آپ کس بات پر ہنستے ہیں؟ حضرتؐ نے فرمایا کہ ہمارے پاس لونڈی گا رہی تھی جب اُس نے آپ کی آواز سُنی تو بھاگی۔ پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ میں نہیں چھوڑونگا جب تک کہ حضرتؐ کا سُنا ہوا نہ سنوں۔ پھر رسول اللہ صلعم نے اُس کو بُلایا۔ تب وہ آکر گانے میں مصروف ہوئی اور رسول اللہ صلعم سُنتے تھے اور اکثر صحابہ نے ایسی روایت بیان کی ہے۔" (کشف المحجوب مترجم اُردو ص۴۶۲، لحن اور آواز سننے کا باب ص۴۶۹، ص۴۷۰)

۴۔ اولیاء اُمت کی مثالیں

ا۔ حضرت داتا گنج بخشؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"جوانمردوں کا سپاہی اور خُراسان کا آفتاب ابو حامد احمد بن خضرویہ بلخی رحمۃ اللہ علیہ حال بلند اور اشرافِ وقت سے خاص تھا اور اپنے زمانہ میں قوم کا پیشوا اور خاص ۔۔۔۔۔ اور فاطمہ جو اُس کی زوجہ تھی طریقت میں اُس کی بڑی شان تھی ۔۔۔۔۔ جب احمدؒ کو بایزیدؒ کی زیارت کا قصد ہوا۔ فاطمہؓ نے بھی انکے ساتھ اتفاق کیا۔ جب بایزیدؒ کے پاس آئے تو مُنہ سے پردہ اُٹھایا اور گستاخانہ کلام شروع کی۔ احمدؒ کو اس سے تعجب ہوا

اور اُس کے دل میں غیرت نے جوش مارا۔ اور کہا۔ اے فاطمہ! یہ کیا گستاخی ہے؟ جو آج تُو نے بایزیدؒ سے کی ہے۔ مجھے بتانی چاہیئے۔ فاطمہؒ نے کہا کہ اس سبب سے کہ تُو میری طبیعت کا محرم ہے۔ مَیں تجھ سے خواہش نفسانی کو پہنچتی ہوں اور اُس سے خُدا سے ملتی ہوں۔ اور کہا کہ اس پر یہ دلیل ہے کہ وہ میری صحبت کی پرواہ نہیں رکھتا اور تُو میرا محتاج صحبت ہے۔ وہ ہمیشہ ابو یزیدؒ کے ساتھ شوخی کرتی۔ تاآنکہ ایک روز بایزیدؒ نے فاطمہ کا ہاتھ دیکھا کہ حنا سے رنگین ہے۔ پوچھا کہ اے فاطمہ! تُو نے ہاتھ پر حنا کیوں لگائی ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ اے بایزید! جب تک تُو نے میرے ہاتھ اور حنا کو نہیں دیکھا تھا مجھے تجھ سے خوشی تھی۔ اب کہ تیری نظر مجھ پر پڑی پھر صحبت ہماری حرام ہوگئی۔۔۔۔۔۔ ابو یزیدؒ نے کہا۔ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلٰی رَجُلٍ مِّنَ الرِّجَالِ مَخْبُوْءٌ تَحْتَ لِبَاسِ النِّسَاءِ فَلْیَنْظُرْ اِلٰی فَاطِمَةَ رَضِیَ اللہُ عَنْھَا۔ یعنی جو کسی مرد کو عورتوں کے لباس میں چھپا ہوا دیکھنا چاہے تو اُس کو کہا کہ فاطمہ کی طرف دیکھے۔ اور ابو حفص حداد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے۔ لَوْلَا اَحْمَدُ خِضْرَوِیَةٌ مَا ظَھَرَتِ الْفُتُوَّةُ۔ یعنی اگر احمد بن خضرویہ نہ ہوتا تو جوانمردی اور مروت پیدا نہ ہوتی۔"

(کشف المحجوب مترجم اُردو ص۱۳۸ برکت علی اینڈ سنز)

ب۔ حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"آپ (حضرت احمد خضرویہؒ) کی بیوی اُمرائے بلخ میں سے تھی۔ اور وہ بھی طریقت میں بے نظیر تھیں۔ آپ کے نکاح میں آتے ہی انہوں نے ترکِ دُنیا کو اپنا شغل کیا اور ریاضت مجاہدہ میں مصروف ہوگئیں اور کمال حاصل کیا۔ حضرت بایزید بسطامیؒ سے بے تکلفانہ گفتگو رہا کرتی تھی۔ آپ کے دل میں بہت غیرت آئی۔ کہ بیوی نے بایزیدؒ کے سامنے پردہ کیوں نہ کیا، لیکن بیوی نے کہا کہ تم میری طبیعت کے محرم ہو اور تم سے مَیں اپنی خواہش تک پہنچونگی، لیکن بایزید طریقت کے محرم ہیں۔ اِن سے خدا تک پہنچوں گی۔"

{ تذکرۃ الاولیاء۔ ذکر احمد خضرویہؒ باب ۲۴ مترجم اُردو شائع کردہ شیخ برکت علی اینڈ سنز بار سوم ص۱۸۳ و ظہیر الاصفیاء۔ ص۲۷۳ مطبوعہ ۱۹۱۷ء اردو ترجمہ تذکرۃ الاولیاء }

ج۔ حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابوبکر شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک دن شیخ (حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ) کے گھر میں گئے۔ آپ کی اہلیہ شانہ کر رہی تھیں۔ شبلیؒ نے شانہ چھیننا چاہا۔ آپ کی اہلیہ نے پردہ کرنا چاہا مگر شیخ (جنیدؒ) نے فرمایا کہ نہ سر ڈھکو نہ پردہ کرو کیونکہ یہ اپنے آپ میں نہیں ہیں۔ اِن لوگوں کو کچھ خبر نہیں۔"

(ایضاً ص۲۹۵ ذکر ابوبکر شبلی باب ۸۰ وایضاً ص۵۲۴)

د۔ ایک دفعہ (شبلیؒ) علی الصبح باہر گئے۔ تو ایک نوخیز حسین عورت کو ننگے سر دیکھا۔ آپ نے کہا کہ "اے گُل! سر بہ پوش" (یعنی اے پھول! اپنے سر کو ڈھک لے) عورت نے جواب دیا کہ یا شیخ! گُل سر نمے پوشد (پھول اپنا سر نہیں ڈھانکتا ہے) عورت کا یہ جواب سُنکر نعرہ مارا اور بے ہوش ہوگئے۔"

(تذکرۃ الاولیاء۔ باب ۸۰ ص۲۹۹ اردو ترجمہ ایڈیشن مذکور شائع کردہ شیخ غلام علی اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور)

ھ۔ حضرت عطار رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں :۔

"حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک رات ہم رالعہ (بصری رحمۃ اللہ علیہا۔ خادم) کی خدمت میں گئے۔ آپ نماز پڑھنے کے لیے کھڑی ہوئیں اور صبح تک نماز میں معروف رہیں۔ میں دوسرے گوشے میں ذکر الٰہی میں مصروف رہا۔ صبح آپ (رالعہ رحمۃ اللہ علیہا) نے فرمایا کہ اس بات کا کس طرح شکریہ ادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے رات بھر ہم کو نماز کی توفیق بخشی۔" (تذکرۃ الاولیاء۔ باب ۹ ص۶۳)

د۔ "خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن رالعہ (بصری رحمۃ اللہ علیہا) کے ہاں تھا۔ حقیقت اور طریقت کی باتیں ہو رہی تھیں، لیکن ہم دونوں میں سے کسی کے دل میں بھی مرد یا عورت ہونے کا خیال تک بھی نہ آیا۔ لیکن جب میں وہاں سے واپس ہوا تو اپنے آپ کو مفلس اور اُن کو مخلص پایا۔" (ایضاً باب ۹ صفحہ ۵۶، ۵۷)

ز۔ خواجہ حسن (بصری رحمۃ اللہ علیہ۔ خادم) نے ایک دفعہ آپ (حضرت رالعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا خادم) سے دریافت کیا کہ کیا تم کو شوہر کی رغبت نہیں ؟ فرمایا کہ عقدِ نکاح جسم پر ہوتا ہے۔ اور یہاں میرا وجود ہی نہیں۔ میں مالک کی مملوک ہوں مالک سے پوچھو۔" (ایضاً ص۵۷)

ح۔ "ایک رات خواجہ حسن (بصری رحمۃ اللہ علیہ) اپنے چند رفیقوں کے ہمراہ حضرت رالعہ (بصری رحمۃ اللہ علیہا) کے ہاں تشریف لے گئے، لیکن وہاں چراغ نہ تھا۔ اور خواجہ حسن (بصری رحمۃ اللہ علیہ) کو چراغ کی ضرورت تھی۔ چنانچہ رالعہ (رحمۃ اللہ علیہا) نے اپنی انگلی پر پھونک ماری جس سے انگلی فوراً روشن ہو گئی اور صبح تک چراغ کا کام دیتی رہی۔ اگر کوئی اعتراض کرے کہ یہ کس طرح ممکن ہے؟ تو میں کہوں گا کہ جو شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کرتا ہے اُس کو اِس کرامت سے ضرور حصہ ملیگا۔" (ایضاً)

ط۔ ایک دفعہ چند آدمی آپ (حضرت رالعہ بصریؒ) کے پاس آئے۔ دیکھا کہ گوشت کو دانتوں سے کاٹ رہی ہیں۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس چھری نہیں ہے ؟ فرمایا کہ جدائی کے خوف سے میں نے کبھی چھری نہیں رکھی۔" (ایضاً ص۶۰)

ی۔ "حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ عصر کی نماز کے بعد آپ (حضرت رالعہ بصری رحمۃ اللہ علیہا) کی خدمت میں گیا۔ آپ اس وقت کچھ پکانا چاہتی تھیں اور گوشت ہانڈی میں ڈال دیا تھا۔ آپ کی توجہ گفتگو میں پڑ گئی اور ہانڈی کا خیال نہ رہا۔" (ایضاً ص۶۳)

(۵)۔ بانو والی روایت مندرجہ "سیرت المہدیؑ" کے بارے میں مندرجہ بالا جوابات کے علاوہ مندرجہ ذیل باتیں بھی قابلِ توجہ ہیں :۔

ا۔ وہ ایک بوڑھی بیوہ تھی۔ اور اس کے اَرذل العمر تک پہنچ چکنے کا ثبوت خود روایت کا نفسِ مضمون ہے۔

ب۔ جسم کے مَس کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ روایت کے اندر ہی سردی کے موسم اور رضائی کا ذکر موجود ہے کہ وہ رضائی کے اوپر سے دبا رہی تھی۔

ج حضرت ام المومنین رضی اللہ عنہا اور دیگر گھر کے لوگ موجود تھے اور بانو مذکورہ کی سادگی پر ہنس رہے تھے۔

مگر حدیث ۲ مندرجہ بالا دوبارہ مطالعہ فرما لیتے۔ سر کو سہلانے یا اس سے جوئیں نکالنے کیلئے سر کو چھونا بہرحال ضروری ہے۔ (پاکٹ بک صفحہ ۶۸۳)

۲۴۔ عدم احترام رمضان کا الزام

غیر احمدی:۔ حضرت مرزا صاحب نے امرتسر میں رمضان کے ایام میں تقریر کرتے ہوئے چائے پی لی اور رمضان کا احترام نہ کیا۔

جواب:۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام امرتسر میں مسافر تھے۔ اس لئے بموجب شریعت آپ پر روزہ رکھنا فرض نہ تھا۔ ملاحظہ ہو:۔

قرآن مجید: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ" (البقرہ: ۱۸۵) کہ بیمار اور مسافر بجائے رمضان میں روزہ رکھنے کے بعد میں روزہ رکھ کر گنتی پوری کرے۔

حدیث: حدیث شریف میں ہے:۔

ا۔ "إِنَّ اللهَ وَضَعَ عَنِ الْمُسَافِرِ الصَّوْمَ وَشَطْرَ الصَّلٰوةِ"

(مسند امام احمد بن حنبل جلد ۴ صفحہ ۳۴۷ مصری۔ ابوداؤد کتاب الصیام باب من اختار الفطر مطبع نول کشور صفحہ ۲۶۹)

یعنی اللہ تعالیٰ مسافر پر سے روزے اور نصف نماز کا حکم اٹھا دیا ہے۔

ب۔ "صَائِمُ رَمَضَانَ فِي السَّفَرِ كَالْمُفْطِرِ فِي الْحَضَرِ"

(ابن ماجہ مصری جلد ۱ صفحہ ۵۳۲ وحدیث ۱۶۶۶ جامع الصغیر للسیوطی باب القاد جلد ۲ صفحہ ۴۳ مطبوعہ مصر)

ترجمہ:۔ رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنے والا مسافر ویسا ہی ہے۔ جیسا حضر میں روزہ نہ رکھنے والا۔

نوٹ:۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ حدیث نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

ج۔ "عَلَيْكُمْ بِرُخْصَةِ اللهِ الَّتِي رَخَّصَ لَكُمْ"

مسلم کتاب الصیام باب جواز الصوم والفطر فی شہر رمضان مطبع افضل المطابع صفحہ ۳۵۶

یعنی تم پر خدا کی دی ہوئی رخصتوں پر عمل کرنا ضروری ہے۔

د۔ "لَيْسَ مِنَ الْبِرِّ الصِّيَامُ فِي السَّفَرِ"

(مسلم ایضاً و بخاری کتاب الصیام باب قول النبی صلعم لمن ظلل علیہ الخ جلد ۱ صفحہ ۲۲۵ مطبع عثمانیہ مصر و تجرید بخاری مترجم اردو شائع کردہ مولوی فیروز الدین اینڈ سنز ۱۳۴۱ھ جلد ۱ صفحہ ۳۸۲ و صفحہ ۶۰۰)

یعنی سفر کی حالت میں روزہ رکھنا نیکی نہیں ہے۔

ہ۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ

اَلْمَدِیْنَۃِ اِلٰی مَکَّۃَ فَصَامَ حَتّٰی بَلَغَ عُسْفَانَ ثُمَّ دَعَا بِمَاءٍ فَرَفَعَہٗ اِلٰی یَدَیْہِ لِیَرَاہُ النَّاسُ فَاَفْطَرَ حَتّٰی قَدِمَ مَکَّۃَ وَ ذَالِکَ فِیْ رَمَضَانَ"

(بخاری کتاب الصیام باب مَنْ اَفْطَرَ فِی السَّفَرِ لِیَرَاہُ النَّاسُ ۔ مسلم کتاب الصیام ص۳۵۶)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے روزہ رکھ کر مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ مقام عسفان پر پہنچکر حضور صلعم نے پانی منگوایا۔ اور پھر پانی کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اِس غرض سے اونچا اُٹھایا کہ سب لوگ آپؐ کو پانی پیتے ہوئے دیکھ لیں۔ پھر آپؐ نے روزہ توڑ دیا اور یہ واقعہ رمضان کے مہینہ میں ہوا۔

نوٹ :۔ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کے سفر کا ہے۔ اس حدیث پر علماء نے بہت طول و طویل بحثیں کی ہیں۔ بعض علماء کا خیال یہ ہے۔ "اِنَّہٗ خَرَجَ مِنَ الْمَدِیْنَۃِ فَلَمَّا بَلَغَ کُرَاعَ الْغَمِیْمِ فِیْ یَوْمِہٖ اَفْطَرَ فِیْ نَہَارِہٖ وَاسْتَدَلَّ بِہٖ ھٰذَا الْقَائِلُ عَلٰی اَنَّہٗ اِذَا سَافَرَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ صَائِمًا لَہٗ اَنْ یُّفْطِرَ فِیْ یَوْمِہٖ"

(مسلم مطبوعہ افضل المطابع دہلی ۱۳۴۹ھ کتاب الصوم ص۳۵۵ حاشیہ نووی)

"یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس روز مدینہ سے روانہ ہوئے اُسی روز اُس مقام پر پہنچ کر دن کے وقت ہی روزہ توڑ ڈالا۔ اور اس سے ان لوگوں نے یہ استدلال کیا ہے کہ جو شخص طلوعِ فجر کے بعد روزہ رکھ کر سفر پر نکلے اُس پر واجب ہے کہ وہ دن ہی میں روزہ توڑ دے۔"

لیکن جن علماء نے اس استدلال سے اختلاف کیا ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ "لَا یَجُوْزُ الْفِطْرُ فِیْ ذَالِکَ الْیَوْمِ وَاِنَّمَا یَجُوْزُ لِمَنْ طَلَعَ عَلَیْہِ الْفَجْرُ فِی السَّفَرِ" (ایضاً)

یعنی روزہ کی حالت میں سفر پر نکلنے والے کے لئے اُس دن روزہ رکھنا جائز نہیں بلکہ اس حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر سفر کی حالت میں صبح طلوع کرے تو مسافر کے لئے جائز ہے کہ روزہ نہ رکھے۔

مطلب یہ ہے کہ اس خیال کے علماء کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو رمضان کے مہینے میں دن کے وقت تمام لوگوں کو دکھا کر پانی پیا تھا۔ وہ سفر کا پہلا دن نہیں بلکہ دوسرا دن تھا۔ اور آپ نے دوسرے دن روزہ نہیں رکھا تھا۔

یہاں ہمیں علماء کے اس اختلاف میں پڑنے کی ضرورت نہیں جو بات بہر حال ثابت ہے اور جس سے کسی عقیدہ یا خیال کے عالم کو بھی اختلاف نہیں ہوسکتا وہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کے مہینہ میں سفر کی حالت میں نہ صرف یہ کہ روزہ نہیں رکھا بلکہ تمام لوگوں کو دکھا کر دن کے وقت پانی پیا۔ اس حدیث کے الفاظ "فَرَفَعَہٗ اِلٰی یَدَیْہِ لِیَرَاہُ النَّاسُ" اِس ضمن میں بالکل واضح ہیں۔ یہاں تک کہ امام بخاریؒ نے تو باب کا عنوان ہی "مَنْ اَفْطَرَ فِی السَّفَرِ لِیَرَاہُ النَّاسُ" رکھا ہے۔ یعنی وہ شخص جو رمضان میں لوگوں کو دکھا کر کھانا کھاتے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس سنت سے قطعی طور پر یہ بات ثابت ہوجاتی ہے کہ

اگر کوئی مسافر رمضان میں عام لوگوں کے سامنے کھائے پیئے تو اس میں کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں اور اس پر "عدم احترام رمضان" کا خود ساختہ نعرہ لگانا ہرگز جائز نہیں۔

درحقیقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی امرتسر میں اپنے آقا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اِسی سُنّت پر عمل فرمایا۔ اور لوگوں کے سامنے سفر کی حالت میں چائے پی لی۔

یہ اعتراض کرنے والے احراری اگر سفرِ حدیبیہ کے وقت مقام عُسفان پر موجود ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اعتراض کرنے سے باز نہ آتے۔

د۔ "مَنْ لَمْ يَقْبَلْ رُخْصَةَ اللهِ كَانَ عَلَيْهِ مِنَ الْإِثْمِ مِثْلُ جِبَالِ عَرَفَةَ"

(مسند احمد بن حنبلؒ۔ بحوالہ جامع الصغیر للسیوطیؒ باب المیم جلد ۲ صفحہ ۱۸۱ مطبوعہ مصر)

"یعنی جو کوئی اللہ کی دی ہوئی رخصتوں سے فائدہ نہیں اُٹھاتا۔ اُس پر عرفہ پہاڑ کے برابر گناہ ہے۔"

ز۔ اوپر بخاری اور مسلم کی متفق علیہ حدیث سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ پیش کیا جا چکا ہے۔ اب اُمّتِ محمدیہ کے مایۂ ناز ولی اللہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیے۔

یاد رہے کہ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ اس شان کے بزرگ ہیں کہ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کی نسبت فرمایا ہے:۔

"اَبُوْ يَزِيْدَ مِنَّا بِمَنْزِلَةِ جِبْرِيْلَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ" یعنی ابو یزیدؒ ہمارے (اولیاء اُمت کے) درمیان ایسا ہے جیسا کہ جبرائیل فرشتوں میں۔

(کشف المحجوب مصنفہ حضرت داتا گنج بخشؒ مترجم اُردو صفحہ ۱۲۲)

علاوہ ازیں خود حضرت داتا گنج بخشؒ صاحب نے حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر کئی ماہ تک مجاورت بھی کی۔ چنانچہ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"مَیں کہ علی عثمان جلالی رحمۃ اللہ علیہ کا بیٹا ہوں ایک وقت مجھے مشکل پیش آئی اور مَیں نے بہت کوشش کی اِس اُمید پر کہ مشکل حل ہو جائے گی۔ مگر حل نہ ہوئی۔ اس سے پہلے مجھے اِس قسم کی مشکل پیش آئی تھی اور مَیں شیخ ابو یزیدؒ کی قبر پر مجاور رہا تھا۔ تا آنکہ مشکل حل ہوئی۔ اس مرتبہ بھی مَیں نے وہاں کا ارادہ کیا اور تین مہینے اُس کی قبر پر مجاور ہوا تھا اور ہر روز تین مرتبہ غسل اور تیس مرتبہ وضو کرتا تھا۔"

(کشف المحجوب چوتھا باب "ملامت میں" مترجم اُردو صفحہ ۷۰، ۷۱)

اب حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بھی حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سُنیئے:۔

"ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ ..... حجاز سے آ رہے تھے اور شہر رَے میں یہ چرچا ہوا کہ بایزیدؒ آتے ہیں شہر کے لوگ استقبال کو گئے۔ تاکہ ادب اور تعظیم سے اُن کو لائیں۔ ابو یزیدؒ اُن کی خاطر داری میں مشغول ہوتے۔ اور راہِ حق سے رہ کر پریشان ہوتے اور جب بازار میں آتے تو آستین سے ایک روٹی نکال کر

کھانے لگے اور یہ ماجرا رمضان مبارک میں ہوا۔ سب لوگ اس سے برگشتہ اور بے اعتقاد ہوتے اور انکو اکیلا چھوڑ دیا۔ پھر ابویزیدؒ نے اُس مُرید سے جواُن کے ساتھ تھا کہا کہ "تُونے دیکھا ہے کہ مَیں نے شریعت مبارک کے ایک مسئلہ پر عمل کیا۔ سب خلقت نے مجھے ردّ کیا"۔

{ کشف المحجوب ص۶۹ "ملامت کا بیان" چوتھا باب مترجم اُردو ۔ یہی واقعہ تذکرۃ الاولیاء اُردو ص۱۰۰ باب چودھواں اور ظہیر الاصفیاء ترجمہ اُردو تذکرۃ الاولیاء شائع کردہ حاجی چراغدین سراجدین جلال پرنٹنگ پریس بارسوم ص۱۳۵ ۱۹۱۷ء پر بھی درج ہے۔ }

۳۔ ظہیر الاصفیاء اُردو ترجمہ تذکرۃ الاولیاء میں حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک واقعہ درج ہے کہ آپ نے رمضان کے مہینہ میں عین بازار میں پانی پیا۔ (باب ۲۹ ص۱۷۵)

۲۵۔ بہشتی مقبرہ

۱۔ قرآن مجید میں ہے :۔

"اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ"۔

(سورۃ توبہ :۱۱۱) یعنی اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے ساتھ یہ سودا کیا ہے کہ اُن کی جانیں اور اُن کے مال لے لئے ہیں۔ اور اُن کے بدلے انکو "جنت" دی ہے۔

۲۔ اسی طرح سورۃ صف آیت ۱۱، ۱۲ رکوع ۲ میں "احمد رسولؐ" کے متبعین کو بالخصوص مخاطب کرکے فرمایا :۔

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ھَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنْجِیْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَیُدْخِلْکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ" (سورۃ الصف : ۱۱ تا ۱۳)

اِس آیت میں اُن مومنوں کے لئے جو ایمان اور عملی صورت میں مالی وجانی قربانیاں کرنے والے ہوں جنت کا وعدہ دیا گیا ہے۔

۳۔ کُتِبَ عَلَیْکُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَکُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَکَ خَیْرَا ۨالْوَصِیَّۃُ لِلْوَالِدَیْنِ وَالْاَقْرَبِیْنَ بِالْمَعْرُوْفِ حَقًّا عَلَی الْمُتَّقِیْنَ (البقرہ : ۱۸۱)

یعنی تم میں سے جب کسی کو موت آوے۔ اس حالت میں کہ وہ مال بطور ترکہ چھوڑنے والا ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہ معروف کے مطابق والدین اور اقربین کو وصیت کر جاتے۔

۴۔ شریعتِ اسلامیہ میں بموجب ارشادِ نبوی صلعم مندرجہ بخاری شریف کتاب الوصایا اپنی متروکہ جائیداد کے ⅓ حصہ کے بارے میں ہر شخص کو وصیت کرنے کا حق ہے۔

۵۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تحریر فرماتے ہیں :۔

"کوئی یہ خیال نہ کرے کہ صرف اس قبرستان میں داخل ہونے سے کوئی بہشتی کیونکر ہو سکتا ہے؟ کیونکہ یہ مطلب نہیں ہے کہ یہ زمین کسی کو بہشتی کر دیگی۔ بلکہ خدا تعالٰے کے کلام کا یہ مطلب ہے کہ صرف بہشتی ہی اِس میں دفن کیا جائے گا۔"

(الوصیت حاشیہ صٓ۱۹ طبع اوّل۔ رُوحانی خزائن جلد ۲۰ صٓ۳۲۱ حاشیہ)

۴۔ لیکن بایں ہمہ مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں:۔

ا۔ مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ مِثْلُ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرَقَ۔

(مستدرک امام حاکمؒ۔ بحوالہ جامع الصغیر للسیوطیؒ جلد ۲ صٓ۱۵۵ باب المیم و تجرید الاحادیث از علامہ مناوی صٓ۳۰۷)

کہ میرے اہلِ بیت کی مثال نوح کی کشتی کی سی ہے۔ جو کوئی اِس کشتی پر سوار ہو گا نجات پائیگا اور جو اُن سے پیچھے ہٹے گا۔ وہ غرق ہو جائے گا۔

ب:۔ حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تذکرۃ الاولیاء میں حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت تحریر فرماتے ہیں:۔

"لوگوں نے پوچھا۔ آپ کی مسجد اور دوسری مسجدوں میں کیا فرق ہے؟ فرمایا۔ بروئے شریعت سب یکساں ہیں۔ مگر بروئے معرفت اِس مسجد میں بہت طول ہے۔ مَیں دیکھتا ہوں کہ دوسری مسجدوں میں سے ایک نُور نکل کر آسمان کی طرف جاتا ہے۔ مگر اس مسجد پر ایک نُور کا قُبّہ بنا ہوا ہے اور آسمان سے نُورِ الٰہی اس طرف آتا ہے۔ فرماتے ہیں۔ ایک روز ندا سُنی۔ کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص تمہاری مسجد میں آئے گا۔ اُس پر دوزخ حرام کر دی جائے گی۔"

(تذکرۃ الاولیاء باب ۷۷ اردو ترجمہ شائع کردہ برکت علی اینڈ سنز لاہور بار سوم صٓ۲۹۴)

نوٹ:۔ یاد رہے کہ حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ وہ بزرگ ہیں جن کے بارے میں حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"شرف اہلِ زمانہ اور اپنے زمانہ میں یگانہ ابوالحسن علی بن احمد الخرقانی رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے مشائخ میں سے ہوتے ہیں۔ اور اُن کے زمانے میں سب اولیاء اُن کی تعریف کرتے تھے۔۔۔۔۔۔ اور اُستاد ابوالقاسم عبدالکریم قشیری رحمۃ اللہ علیہ سے مَیں نے سُنا ہے کہ جب ولایت خرقان میں آیا تو اُس پیر (یعنی ابوالحسن خرقانیؒ۔ خادم) کے دبدبہ کے باعث میری فصاحت تمام ہوئی اور عبارت نہ رہی اور مَیں نے خیال کیا کہ مَیں ولایت سے جُدا ہو گیا ہوں۔"

(کشف المحجوب مترجم اُردو شائع کردہ شیخ الٰہی بخش و محمد جلال الدین ۱۳۲۲ھ صٓ۱۸۳ باب چھٹا)

ج۔ حضرت ابونصر سراج رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت حضرت فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"فرماتے ہیں کہ جو جنازہ میری قبر کے پاس سے گذرے گا۔ اُس کی مغفرت ہو گی"

(تذکرۃ الاولیاء ایڈیشن متذکرہ بالا صـ۳۰۰ باب ۴۹)

د۔ تذکرۃ الاولیاء میں حضرت ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ محمود غزنوی کی ایک گفتگو کا حال ان الفاظ میں مذکور ہے:۔

"محمود نے کہا کہ بایزید (رحمۃ اللہ علیہ) کی نسبت کچھ فرمائیں۔ آپ (حضرت ابوالحسن خرقانیؒ) نے کہا۔ کہ بایزیدؒ نے فرمایا ہے کہ جس نے مجھ کو دیکھا وہ شفاعت سے بے خوف ہو گیا۔ محمود نے کہا۔ کہ کیا بایزیدؒ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر ہیں ؟ ابوجہل اور ابولہب نے انکو دیکھا۔ مگر اُن کی شفاعت نہ کی گئی ؟ فرمایا۔ کہ ادب کرو۔ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے اُن کے چاروں صحابہ کرامؓ کے اور کسی نے نہ دیکھا۔ اِس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَتَرٰهُمْ يَنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ " (سورۃ اعراف آیت ۱۹۹ رکوع ۲۴)۔ محمود کو یہ بات پسند آئی "

{ تذکرۃ الاولیاء مترجم اُردو باب ۷۰ صـ۴۷۹ ظہیر الاصفیاء ترجمہ اُردو
تذکرۃ الاولیاء باب ۷۰ صـ۴۸۱ مطبوعہ شیخ چراغدین سراجدین کشمیری بازار لاہور }

۲۶۔ دن میں سو سو دفعہ پیشاب

مرزا صاحب نے اربعین ۴ صـ۴ و صـ۵ طبع اول میں لکھا ہے کہ مجھے دن میں بعض دفعہ سو سو دفعہ پیشاب آ جاتا ہے۔ مرزا صاحب نماز کس وقت پڑھتے ہوں گے ؟

جواب :۔ یہ تو "بعض" مواقع کا ذکر ہے۔ ورنہ عام طور پر حضرت اقدسؑ کو ۱۵، ۲۰ مرتبہ پیشاب آتا تھا۔ (حقیقۃ الوحی صـ۳۶۴ و نسیم دعوت صـ۶۹ طبع اول)

نماز کے متعلق تمہیں اتنی فکر کی ضرورت نہیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کے ساتھ ہی ذکر فرمایا ہے:۔

"وہ بیماری ذیابیطس ہے۔ کہ ایک مدت سے دامن گیر ہے اور بسا اوقات سَو سَو دفعہ رات کو اور دن کو پیشاب آتا ہے اور اسقدر پیشاب سے جس قدر عوارض ضعف وغیرہ ہوتے ہیں۔ وہ سب میرے شامل حال رہتے ہیں۔ بسا اوقات میرا یہ حال ہوتا ہے کہ نماز کے لیے جب زینہ چڑھ کر اوپر جاتا ہوں تو مجھے اپنی ظاہر حالت پر اُمید نہیں ہوتی کہ زینہ کی ایک سیڑھی سے دوسری سیڑھی پر پاؤں رکھنے تک مَیں زندہ رہوں گا" (اربعین ۴ صـ۴، صـ۵ طبع اول)

باقی رہا کثرت پیشاب اور اُس پر مضحکہ تو اِس کے جواب میں ذرا مندرجہ ذیل حوالہ جات پڑھ لو:۔

ا۔ حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ابتلاء کی تفصیل دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

عَدُوُّ اللّٰہِ سَرِیْعًا فَوَجَدَ اَیُّوْبَ عَلَیْہِ السَّلَامُ سَاجِدًا لِلّٰہِ تَعَالٰی فَاَتَاہُ مِنْ قِبَلِ الْاَرْضِ فَنَفَخَ فِیْ مَنْخَرِہٖ نَفْخَۃً اِشْتَعَلَ مِنْہَا جَسَدُہٗ وَخَرَجَ بِہٖ مِنْ فَرْقِہٖ اِلٰی قَدَمِہٖ ثَالِیْلُ وَقَدْ وَقَعَتْ فِیْہِ حِکَّۃٌ لَا یَمْلِکُہَا وَکَانَ یَحِکُّ بِاَظْفَارِہٖ حَتّٰی سَقَطَتْ اَظْفَارُہٗ ثُمَّ حَکَّہَا بِالْمُسُوْحِ الْخُشْنَۃِ ثُمَّ حَکَّہَا بِالْفَخَّارِ وَالْحِجَارَۃِ وَلَمْ یَزَلْ یَحُکُّہَا حَتّٰی تَقَطَّعَ لَحْمُہٗ وَتَغَیَّرَ وَنَتَنَ فَاَخْرَجَہٗ اَہْلُ الْقَرْیَۃِ وَجَعَلُوْہُ عَلٰی کُنَاسَۃٍ وَجَعَلُوْا لَہٗ عَرِیْشًا وَرَفَضَہُ النَّاسُ کُلُّہُمْ غَیْرُ امْرَءَتِہٖ ...... اِنَّ اَیُّوْبَ عَلَیْہِ السَّلَامُ اَقْبَلَ عَلَی اللّٰہِ تَعَالٰی مُسْتَغِیْثًا مُتَضَرِّعًا اِلَیْہِ ۔ فَقَالَ یَارَبِّ لِاَیِّ شَیْءٍ خَلَقْتَنِیْ ...... الوالی یَالَیْتَنِیْ کُنْتُ عَرَفْتُ الذَّنْبَ الَّذِیْ اَذْنَبْتُہٗ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ عَمِلْتُ حَتّٰی صَرَفْتَ وَجْہَکَ الْکَرِیْمَ عَنِّیْ ..... اِلٰہِیْ اَنَا عَبْدٌ ذَلِیْلٌ اِنْ اَحْسَنْتُ فَالْمَنُّ لَکَ وَاِنْ اَسَاْتُ فَبِیَدِکَ عُقُوْبَتِیْ ...... اِلٰہِیْ تَقَطَّعَتْ اَصَابِعِیْ وَتَسَاقَطَتْ لَہَوَاتِیْ وَتَنَاثَرَ شَعْرِیْ وَذَہَبَ الْمَالُ وَصِرْتُ اَسْاَلُ اللُّقْمَۃَ فَیُطْعِمُنِیْ مَنْ یَمُنُّ بِہَا عَلَیَّ وَیُعَیِّرُنِیْ بِفَقْرِیْ وَہَلَاکِ اَوْلَادِیْ ..... وَرَوَی ابْنُ شِہَابٍ عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَیُّوْبَ عَلَیْہِ السَّلَامُ بَقِیَ فِی الْبَلَاءِ ثَمَانِیَ عَشَرَۃَ سَنَۃً فَرَفَضَہُ الْقَرِیْبُ وَالْبَعِیْدُ اِلَّا رَجُلَیْنِ مِنْ اِخْوَانِہٖ ۔

{ تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۸۰، ۱۸۱ طبع اول مطبوعہ مصر زیر آیت وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ ۔ سورۃ انبیاء ۲۱ م ۸ رکوع }

ترجمہ :- یعنی دشمن خدا (ابلیس) لپک کر حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس پہنچا۔ دیکھا تو حضرت ایوب علیہ السلام سجدے میں گرے ہوتے تھے۔ پس شیطان نے زمین کی طرف سے اُس کی ناک میں پھونک ماری جس سے آپ کے جسم پر سر سے پاؤں تک زخم ہوگئے اور اُن میں ناقابل برداشت کھجلی شروع ہوگئی۔ حضرت ایوب علیہ السلام اپنے ناخنوں سے کھجلاتے رہے۔ یہاں تک کہ آپ کے ناخن جھڑ گئے پھر اُسے کھردرے کمبل سے جسم کو کھجلاتے رہے۔ پھر مٹی کے ٹھیکروں اور پتھروں وغیرہ سے کھجلاتے رہے۔ یہاں تک کہ اُن کے جسم کا گوشت علیحدہ ہوگیا اور اُس میں بدبو پڑ گئی۔ پس گاؤں والوں نے آپکو باہر نکال کر ایک رُوڑی پر ڈال دیا۔ اور ایک چھوٹا سا عریش اُن کو بنا دیا۔ آپ کی بیوی کے سوا باقی سب لوگوں نے آپ سے علیحدگی اختیار کرلی ...... حضرت ایوب علیہ السلام نے درگاہِ خداوندی میں نہایت تضرع سے یہ دُعا کی کہ اے میرے رب! مجھے تُونے کس لئے پیدا کیا تھا؟ اے کاش! مَیں حیض کا چیتھڑا ہوتا کہ میری ماں اُسے باہر پھینک دیتی۔ اے کاش! مجھے اس گناہ کا علم ہوسکتا جو مجھ سے سرزد ہوا۔ اور اس عمل کا پتہ لگ سکتا جس کی پاداش میں تُونے اپنی توجہ مجھ سے ہٹالی ...... الٰہی

مَیں ایک ذلیل انسان ہوں۔ اگر تُو مجھ پر مہربانی فرماتے تو یہ تیرا احسان ہے اور اگر تکلیف دینا چاہے تو تُو میری سزا دہی پر قادر ہے ...... الٰہی میری انگلیاں جھڑ گئی ہیں۔ اور میرے حلق کا کوا بھی گر چکا ہے۔ میرے سب بال جھڑ گئے ہیں۔ میرا مال بھی ضائع ہو چکا ہے اور میرا یہ حال ہو گیا ہے کہ مَیں لقمے کے لیے سوال کرتا ہوں تو کوئی مہربان مجھے کھلا دیتا ہے اور میری غربت اور میری اولاد کی ہلاکت پر مجھے طعنہ دیتا ہے ...... ابن شہاب حضرت انس رضی اللہ تعالےٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ حضرت ایّوب علیہ السلام اس مصیبت میں اٹھارہ[۱۸] سال تک مبتلا رہے۔ یہاں تک کہ سوائے دو بھائیوں کے باقی سب دُور و نزدیک کے لوگوں نے آپ سے علیحدگی اختیار کر لی۔"

۴۔ تفسیر حسینی المعروف قادری میں ہے :۔

"حقیقت یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے انواع و اقسام کی مصیبتیں اُن (حضرت ایّوب علیہ السلام) پر مقدر فرمائیں۔ تو بلائیں اُن پر ٹوٹ پڑیں غرضیکہ اُن کے اونٹ بجلی گرنے سے ہلاک ہوتے اور بکریاں بھیا آنے سے ڈوبیں۔ اور کھیتی کو آندھی نے پراگندہ کر دیا۔ اور سات بیٹے۔ تین بیٹیاں دیوار کے نیچے دب کر مر گئے۔ اور ان کے جسم مبارک پر زخم پڑ گئے۔ اور متعفن ہوتے اور اُن میں کیڑے پڑ گئے۔ جو لوگ اُن پر ایمان لائے تھے۔ سب مُرتد ہو گئے۔ جس گاؤں اور جس مقام میں حضرت ایّوب علیہ السلام جاتے وہاں سے وہ مُرتد لوگ انہیں نکال دیتے۔

اُن کی بی بی رحیمہ نام ...... حضرت ایّوب علیہ السلام کی خدمت میں رہیں۔ سات برس۔ سات مہینے سات دن۔ سات ساعت حضرت ایّوب علیہ السلام اِس بلا میں مبتلا رہے اور بعضوں نے تیرہ[۱۳] یا اٹھارہ[۱۸] برس بھی کہے ہیں ...... عشرات حمیدی میں لکھا ہے کہ جو لوگ حضرت ایّوب علیہ السلام پر ایمان لائے تھے۔ اُن میں سے بعض نے کہا کہ اگر اِن میں کچھ بھی بھلائی ہوتی تو اِس بَلا میں مبتلا نہ ہوتے۔

اس سخت کلام نے اُن کے دلِ مبارک کو زخمی کر دیا۔ اور انھوں نے جناب الٰہی میں اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ (الانبیاء : ۸۴) عرض کیا۔ یا اسقدر ضعیف و ناتواں ہو گئے تھے کہ فرض نماز اور عرض و نیاز کے واسطے کھڑے نہ ہو سکتے تھے تو یہ بات اُن کی زبان پر آئی۔ یا کیڑوں نے دل و زبان میں نقصان پہنچانے کا ارادہ کیا۔ یہ دونوں عضو توحید اور تمجید کے محل ہیں۔ اِنکے ضائع ہونے سے ڈر کر یہ کلمہ زبان پر لائے۔ یا اُن کی بی بی تمام تہیدستی اور بے چارگی کی وجہ سے اپنے گیسو بیچ کر اُن کے واسطے کھانا لائیں۔ ایّوب علیہ السلام نے اس حال سے مطلع ہو کر اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ کی آواز نکالی۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ اُن کے جسم مبارک میں جو کیڑے پڑتے تھے۔ اُن میں سے ایک کیڑا زمین پر گرا اور جلتی ہوئی خاک میں تڑپنے لگا۔ تو حضرت ایّوب علیہ السلام نے اُسے اُٹھا کر پھر اسی جگہ پر رکھ دیا۔ چونکہ یہ کام اختیار سے واقع ہوا۔ تو اُس نے ایسا کاٹا کہ ایّوب علیہ السلام تاب نہ لا سکے اور یہ کلمہ اُن کی زبان پر جاری ہوا۔" (تفسیر حسینی مترجم اُردو الموسومہ بہ تفسیر قادری جلد ۲ صفحہ ۶۴ مطبع نولکشور زیر آیت

رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" (سورۃ انبیاء: ۸۴)

۳۔ حضرت ابواسحٰق ابراہیم بن احمد الخواص رحمۃ اللہ علیہ (جن کو حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ نے "سرہنگ متوکلان اور سالارِ مستسلمان" قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اِن کا توکل میں بڑا شاندار اور بلند درجہ تھا اس کے نشان اور کرامتیں بہت ہیں" (کشف المحجوب مترجم اردو ص۱۴۳) اِن کی نسبت حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:۔

"آخر عمر میں آپ کو دستوں کی بیماری لگ گئی۔ دن رات میں ساٹھ بار غسل کرتے۔ جب حاجت سے فارغ ہوتے غسل کر لیتے۔"

(تذکرۃ الاولیاء مترجم اردو باب ۵۱ مطبع علمی پرنٹنگ پریس صفحہ ۳۰۳ و ۳۰۴ و کشف المحجوب اردو ص۳۲۸)

۴۔ یہی حضرت ابراہیم الخواص رحمۃ اللہ علیہ اپنا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"ایک روز میں نواحیٔ شام میں جا رہا تھا۔ تو انار کے درخت دیکھے۔ میرے نفس نے انار کی آرزو کی۔ مگر چونکہ تُرش تھے۔ اس لئے میں نے نہ کھائے۔ جنگل میں پہنچ کر ایک شخص کو دیکھا کہ بے دست و پا اور ضعیف ہے۔ اُس کے بدن میں کیڑے پڑ گئے ہیں۔ اور بھڑیں اُس کو کاٹ رہی ہیں۔ مجھ کو اُس پر شفقت آئی اور کہا۔ کہ اگر تُو کہے تو میں تیرے لئے دُعا کروں۔ تاکہ اِس بَلا سے تُو رہائی پاتے۔ جواب دیا۔ "میں نہیں چاہتا۔" میں نے پوچھا۔ کیوں؟ جواب دیا۔" اس واسطے کہ مجھے عافیت پسند ہے اور اُس کو بَلا۔ مگر میں اُس کی پسند کو اپنی پسند پر ترجیح دیتا ہوں۔" میں نے کہا۔ اگر تم چاہو کہ ان بھڑوں کو میں تم سے علیحدہ رکھوں۔ جواب دیا۔" اے خواص! اپنے آپ سے شیریں انار کی آرزو علیحدہ رکھو۔ تو میری سلامتی چاہنا اپنے لئے ایسا دل چاہو جو کچھ آرزو نہ کرے۔" میں نے کہا۔ کہ تم نے کیسے جانا کہ میں خواص ہوں اور انارِ شیریں کی آرزو رکھتا ہوں"؟ جواب دیا۔" جو حق تعالیٰ کو پہچانتا ہے اُس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رہتی۔" میں نے کہا۔" تمہاری حالت اِن بھڑوں اور کیڑوں کے ساتھ کیا ہے"؟ جواب دیا۔" میری بھڑیں ڈنگ مارتی ہیں اور کیڑے کھاتے ہیں۔ مگر جب وہ ایسا ہی چاہتا ہے تو بہت اچھا ہے۔"

(ظہیر الاصفیاء۔ ترجمہ اُردو تذکرۃ الاولیاء۔ باب ۸۱ شائع کردہ حاجی چراغدین سراجدین لاہور بار سوم صفحہ ۴۹۶، ۴۹۷)

۵۔ حضرت پیرانِ پیر، غوث الاعظم سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے:۔

"ایک دفعہ آپ کو کچھ خلل اسہال کا ہوا اور رات بھر باون مرتبہ اتفاق جانے بیت الخلاء کا عمل میں آیا .... تو آپ نے باون مرتبہ ہی غسل تازہ کیا۔"

(گلدستۂ کرامات ص۳۶۳، نیز کتاب مناقب تاج الاولیاء مطبوعہ مصر ص۳۶)

۲۷۔ تصویر کھنچوانا

مرزا صاحب نے فوٹو کھنچوائی۔ حالانکہ لکھا ہے۔" كُلُّ مُصَوِّرٍ فِی النَّارِ۔"

جواب :- (۱) تمہارے پیش کردہ کُلیّہ میں سے تو خدا تعالیٰ بھی مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ حالانکہ قرآن مجید میں ہے کہ وہ "مُصَوِّرٌ" ہے۔ جیسا کہ فرمایا :۔ "هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ"۔ (سورۃ الحشر : ۲۵)

(۲) قرآن مجید میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل کے متعلق لکھا ہے :۔

ا۔ "يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ ؕ اِعْمَلُوْٓا اٰلَ دَاوٗدَ شُكْرًا" (سورۃ سبا : ۱۴)

ب۔ اِن آیات کا ترجمہ تفسیر حسینی الموسومہ بہ قادری میں مندرجہ ذیل ہے :۔

"کام بناتے تھے جن سلیمان (علیہ السلام) کے واسطے جو چاہتے تھے سلیمانؑ۔ دَر اور دالان اچھے اور دیواریں خوب ..... اور بناتے تھے مُورتیں۔ اور فرشتوں اور انبیاء علیہم السلام کی صورتیں اِس وضع پر کہ جس پر نہ کر عبادت کے وقت رہتے تھے۔ تاکہ لوگ اُن تصویروں کو دیکھ کر اسی صورت میں عبادت کریں۔ اور بناتے تھے حضرت سلیمان (علیہ السلام) کے واسطے لکڑی وغیرہ سے کاسے۔ بڑے حوضوں کے مثل اور دیگیں اونچی اونچی ...... کہا ہم نے کہ نیک کام کرو۔ اے آلِ داؤد! واسطے شکر ان نعمتوں کے کہ ثابت ہیں۔" (تفسیر قادری المعروف تفسیر حسینی اُردو جلد ۲ صفحہ ۲۷۹)

ج۔ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں :۔

"اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى اَنْزَلَ عَلٰى اٰدَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ تَابُوْتًا فِيْهِ صُوَرُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ اَوْلَادِهٖ فَتَوَارَثَهٗ اَوْلَادُ اٰدَمَ اِلٰى اَنْ وَصَلَ اِلٰى يَعْقُوْبَ"

(تفسیر کبیر امام رازیؒ جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ مصری)

"یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام پر ایک "تابوت" نازل فرمایا جس میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں ہونے والے سب نبیوں کی تصویریں تھیں۔ پس وہ صندوق اولادِ آدمؑ میں بطور ورثہ چلتا چلا آیا یہاں تک کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا۔"

د۔ تفسیر بیضاوی میں "تابوت سکینۃ" (سورۃ البقرہ : ۲۵۰) کی تشریح میں لکھا ہے :۔

"قِيْلَ صُوَرُ الْاَنْبِيَاءِ مِنْ اٰدَمَ اِلٰى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقِيْلَ اَلتَّابُوْتُ هُوَ الْقَلْبُ" (بیضاوی جلد ۱ صفحہ ۱۱ مطبع احمدی)

یعنی آدم علیہ السلام سے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاء علیہم السلام کی تصویریں اس صندوق میں تھیں اور بعض نے کہا ہے کہ تابوت سے مراد دل ہے۔

(۳) اسی طرح سورۃ البقرہ : ۲۵۰ رکوع ۳۲ کی آیت :۔

"اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ" کی تفسیر میں لکھا ہے :۔

"تابوتِ سکینۃ ایک صندوق تھا کہ سب انبیاء علیہم السلام کی تصویریں اُس میں بنی ہوئی تھیں۔"

(تفسیر قادری ترجمہ اُردو تفسیر حسینی جلد ۱ صفحہ ۶۲)

(۴) اصل بات یہ ہے کہ "تصویر" اور "فوٹو" میں باریک امتیاز ہے۔ ممنوع "تصویر" ہے فوٹو نہیں

تصویر سے مُراد اُبھری ہوئی صورت" یعنی "بُت" ہے۔ فوٹو درحقیقت "تصویر" نہیں بلکہ "عکس" ہوتا ہے اور فوٹو گرافی کو "عکاسی" کہتے ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل تشریح درج ہے :۔

"اِنَّهٗ قَالَ لَا تَدْخُلُ الْمَلَائِكَةُ بَيْتًا فِيْهِ كَلْبٌ وَلَا صُوْرَةٌ يُرِيْدُ التَّمَاثِيْلَ الَّتِيْ فِيْهَا الْاَرْوَاحُ"
(بخاری جلد ۳ صث مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ مصر)

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو یہ فرمایا کہ فرشتے اُس مکان میں داخل نہیں ہوتے جس میں کُتا یا تصویر ہو۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مراد لفظ "تصویر" سے وہ بُت ہیں جن کے بارے میں مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اِن میں رُوحیں ہیں۔

(۵) حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود اس اعتراض کا مفصل جواب براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۳، ۱۹۴ پر تحریر فرمایا ہے۔ وہاں سے دیکھا جائے۔

۲۸۔ وفات

مرزا صاحب کی وفات ہیضہ سے ہوئی۔ سیرت مسیح موعودؑ مؤلفہ حضرت مرزا محمود احمد صاحب کے آخری صفحہ پر لکھا ہے کہ وفات کے قریب آپ کو دست آئے۔

جواب :۔ دستوں کا آنا ہیضہ کو مستلزم نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو تو دستوں کی پُرانی بیماری تھی۔ چنانچہ ۱۹۰۳ء میں یعنی اپنی وفات سے چھ سال قبل حضرت اقدسؑ اپنی کتاب "تذکرۃ الشہادتین" صث پر تحریر فرماتے ہیں کہ مجھے دستوں کی پُرانی بیماری ہے۔ نیز الزامی جواب کے لیے کتاب

مصنفہ فان کریمر مثا پڑھو۔ یہ کتاب پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے۔

۲۹۔ نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے

حدیث میں ہے "مَا قُبِضَ نَبِيٌّ اِلَّا دُفِنَ حَيْثُ يُقْبَضُ" مگر مرزا صاحب فوت لاہور میں ہوئے اور دفن قادیان میں۔

جواب (ا) :۔ یہ حدیث ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کا راوی الحسین بن عبداللہ جس کے متعلق لکھا ہے۔
تَرَكَهٗ اَحْمَدُ بْنُ الْحَنْبَلِ وَعَلِيُّ ابْنُ الْمَدِيْنِيِّ وَالنَّسَائِيُّ وَقَالَ الْبُخَارِيُّ يُقَالُ: اَنَّهٗ كَانَ يَتَّهِمُ بِالزَّنْدِقَةِ"
(حاشیہ علامہ سندی بر ابن ماجہ صث ۲۵۶ مصری)

یعنی امام احمد بن حنبلؒ اور علی ابن المدینیؒ اور نسائیؒ نے اِس راوی کو ترک کیا ہے اور امام بخاری نے کہا ہے کہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زندیق ہے۔

(ب) یہ حدیث کنز العمال میں بھی ہے۔ وہاں لکھا ہے "لَمْ يُقْبَرْ نَبِيٌّ اِلَّا حَيْثُ يَمُوْتُ"

(حم عن ابی بکرؓ) وَ فِیْهِ اِنْقِطَاعٌ (کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۱۲) کہ نبی جہاں مرتا ہے وہیں قبر میں رکھا جاتا ہے اس حدیث میں انقطاع ہے۔ گویا ناقابلِ قبول ہے۔

(ج) "وَ قَدْ رُوِیَ اَنَّ الْاَنْبِیَاءَ یُدْفَنُوْنَ حَیْثُ یُقْبَضُوْنَ کَمَا رَوٰی ذَالِكَ ابْنُ مَاجَةَ بِاَسْنَادٍ فِیْهِ حُسَیْنُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْهَاشِمِیُّ وَ هُوَ اَضْعَفُ"۔ (نیل الاوطار جلد ۲ صفحہ ۲۵) کہ مروی ہے کہ انبیاء۔ جہاں فوت ہوں وہاں مدفون بھی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابن ماجہ نے اسکو روایت کیا ہے۔ اس سند سے جس میں حسین بن عبداللہ ہاشمی ہے جو کہ اول درجہ کا ضعیف راوی ہے۔

(د) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:۔

"رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ وَقَالَ غَرِیْبٌ وَ فِیْ اِسْنَادِهٖ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِیْ بَکْرِ الْمُلَیْکِیُّ یُضَعَّفُ"۔ (مرقاۃ جلد ۵ صفحہ ۴۹۱ شرح مشکوٰۃ)

کہ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور ساتھ ہی کہا ہے کہ حدیث غریب ہے اور اس سند میں عبدالرحمٰن بن ملیکی ہے جو ضعیف ہے۔

نوٹ:۱۔ یہ روایت ترمذی ابواب الجنائز صفحہ ۱۲۱ میں ہے اور اس کے آگے ہی لکھا ہے کہ اس حدیث کا راوی عبدالرحمٰن بن ابی بکر ملیکی ضعیف ہے۔ نیز عبدالرحمٰن بن ابی بکر الملیکی کے بارے میں تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۱۴۶ پر لکھا ہے کہ وہ ضعیف "مَتْرُوْكُ الْحَدِیْثِ" "لَیْسَ بِثِقَةٍ" "لَا یُتَابَعُ فِیْ حَدِیْثِهٖ" "لَیْسَ بِشَیْءٍ" "لَیْسَ بِقَوِیٍّ"۔ علاوہ ازیں اس روایت کا ایک اور راوی ابو معاویہ (محمد بن خازم الضریر الکوفی) ہے اس کی نسبت لکھا ہے کہ "اَبُوْ مُعَاوِیَةَ الضَّرِیْرُ فِیْ غَیْرِ حَدِیْثِ الْاَعْمَشِ مُضْطَرِبٌ لَا یَحْفَظُهَا حِفْظًا جَیِّدًا" (تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۱۳۷، ۱۳۸)

۲۔ تم لوگ ایک حدیث پیش کیا کرتے ہو کہ "یُدْفَنُ مَعِیْ فِیْ قَبْرِیْ" (مشکوٰۃ کتاب الفتن باب نزول عیسیٰ علیہ السلام فصل ۳) پس اگر یہ درست ہے کہ نبی جہاں فوت ہوتا ہے وہیں دفن ہوتا ہے تو بتاؤ۔ کیا عیسیٰؑ بوقتِ وفات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک میں داخل ہو کر آنحضرتؐ کی قبر پر لیٹ جائیں گے۔

۳۔ ایک حدیث بھی اس کی تردید کرتی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:۔

"وَقَدْ جَاءَ اَنَّ عِیْسٰی بَعْدَ لَبْثِهٖ فِی الْاَرْضِ یَحُجُّ وَ یَعُوْدُ فَیَمُوْتُ بَیْنَ مَکَّةَ وَالْمَدِیْنَةِ فَیُحْمَلُ اِلَی الْمَدِیْنَةِ فَیُدْفَنُ فِی الْحُجْرَةِ الشَّرِیْفَةِ"۔ (مرقاۃ بر حاشیہ مشکوٰۃ مجتبائی صفحہ ۵۱۵ کتاب الفتن) کہ ایک حدیث میں آیا ہے کہ عیسیٰؑ زمین میں اپنی عمر کا زمانہ گذار کر حج کرنے جائیں گے اور پھر واپس آئیں گے اور مکہ اور مدینہ کے درمیان فوت ہونگے اور پھر وہاں سے مدینہ کی طرف ان کو اٹھا کر لے جایا جائیگا اور پھر آنحضرت صلعم کے حجرہ میں دفن کیا جائیگا۔

۴۔ یہ روایت واقعات کے بھی خلاف ہے۔

"رُوِیَ اَنَّ یَعْقُوْبَ عَلَیْهِ السَّلَامُ مَاتَ بِمِصْرَ فَحُمِلَ اِلٰی اَرْضِ الشَّامِ مِنْ مِصْرَ وَ مُوْسٰی عَلَیْهِ السَّلَامُ حَمَلَ تَابُوْتَ یُوْسُفَ بَعْدَ مَا اَتٰی عَلَیْهِ زَمَانٌ اِلٰی اَرْضِ الشَّامِ مِنْ

مِصْرَ" (بحرالرائق شرح کنزالدقائق از شیخ اسمٰعیل حقی البروسوی متوفی ۱۱۳۷ھ جلد ۲ صفحہ ۲۱ مصری۔ نیز روح البیان جلد ا صفحہ ۲۸۵)

کہ روایت ہے حضرت یعقوب علیہ السلام مصر میں فوت ہوئے۔ پس وہ مصر سے ارض شام کی طرف اُٹھا کر لائے گئے اور موسیٰ علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام کا تابوت بہت مدت گذرنے کے بعد شام میں لائے۔ (نیز شمائل ترمذی حاشیہ علا صفحہ ۲۸ مصری)

۵۔ تفسیر حسینی میں لکھا ہے:۔

"یوسف صدیق علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ بنی اسرائیل جب تک اُن (حضرت یوسف علیہ السلام خادم) کا تابُوت اپنے ساتھ نہ لے چلیں گے۔ مصر کے باہر نہ جاسکیں گے۔ اور ان لوگوں میں سے کسی کو خبر نہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام کہاں دفن ہیں؟ پس خود حضرت موسیٰ علیہ السلام ندا کرتے تھے کہ جو کوئی مجھے حضرت یوسف علیہ السلام کے صندوق کا پتہ دے وہ جو مُراد چاہے لے۔ قوم بھر میں سے ایک بڑھیا بڑی عمر کی بولی۔ کہ اِس شرط سے مَیں بتاتی ہوں کہ بہشت میں حضرت موسیٰؑ کی بی بی ہوں۔ اور اِسی شرط پر اُس نے بتایا۔ کہ وہ صندوق دریائے نیل کے گڑھے میں ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام اُس کے نکالنے میں مشغول ہوئے۔ جب چاند آدھے آسمان پر پہنچا تو اپنا کام کرکے راہ لی۔"

(تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ۲ صفحہ ۱۹۵ زیر آیت وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْۤ - الشعراء ۵۳ رکوع ۴)

۳۰۔ "يُدْفَنُ مَعِيْ فِيْ قَبْرِيْ"

جواب:۔ اِس کا مُفصّل جواب "حیاتِ مسیح کی تیرھوؔیں دلیل" کے جواب مندرجہ صفحہ ۲۳۱ پاکٹ بک ہذا پر ملاحظہ فرمائیں۔

۳۱۔ وراثت

غیر احمدی:۔ (۱) بخاری میں ہے کہ نبیوں کا ورثہ نہیں ہوتا لیکن مرزا صاحب کا ورثہ تھا۔ (۲) مرزا صاحب نے لڑکیوں کو ورثہ دینے کی مسلمانوں کو تلقین نہیں کی اور نہ آپ کی لڑکیوں کو ورثہ ملا۔

پہلے سوال کا جواب (۱) اُسی بخاری میں جہاں آنحضرت صلعم کی حدیث انبیاء کے ورثہ نہ ہونے والی درج ہے۔ وہیں پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی مندرجہ ذیل تشریح بھی درج ہے:۔

"يُرِيْدُ بِذَالِكَ نَفْسَهٗ" (بخاری کتاب المغازی باب حدیث بنی نضیر جلد ۳ صفحہ ۱۱ مطبع عثمانیہ مصر نیز تجرید بخاری مترجم اُردو جلد ۲ صفحہ ۲۴۵ روایت ۲۳۵ قصہ بنو نضیر) یعنی آنحضرت صلعم کی اس سے مراد صرف اپنا وجود تھا۔ باقی انبیاء کی وراثت کے متعلق بیان کرنا مقصود نہ تھا۔

(۲) قرآن مجید سے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی اس تشریح کی تائید ہوتی ہے کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیاء کا ورثہ ان کے ورثاء نے لیا اور انبیاء نے بھی اپنے باپ کا ورثہ لیا۔ ملاحظہ ہو۔

ا۔ حضرت داؤد علیہ السلام خدا کے نبی اور بادشاہ تھے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے بیٹے حضرت

سلیمان علیہ السلام آپ کے وارث ہوئے۔ تخت کے بھی اور نبوت کے بھی۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَرِثَ سُلَیْمَانُ دَاوُدَ (النمل: ۱۷) کہ حضرت سلیمان علیہ السلام وارث ہوئے حضرت داؤدؑ کے گویا نبی (سلیمانؑ) نے ورثہ لیا؛ ور نبی (داؤد) کا ورثہ اُن کے وارث نے حاصل بھی کیا۔ چنانچہ حضرت امام رازیؒ تحریر فرماتے ہیں:۔

"قَالَ قَتَادَةُ وَرِثَ اللّٰهُ تَعَالٰی سُلَیْمَانَ مِنْ دَاوُدَ مُلْکَهٗ وَ نُبُوَّتَهٗ"

(تفسیر کبیر جلد ۶ صفحہ ۱۵۱ سطر ۲۲ مطبوعہ مصر زیر آیت وَدَاوُدَ وَسُلَیْمَانَ اِذْ یَحْکُمَانِ فِی الْحَرْثِ سورۃ الانبیاء آیت ۷۹)

یعنی حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمانؑ کو حضرت داؤدؑ کا اُن کی حکومت اور نبوت دونوں کا وارث کیا۔ پس حضرت سلیمانؑ باوجود نبی ہونے کے اپنے باپ حضرت داؤدؑ نبی کے دنیوی و دینی جسمانی و روحانی میراث کے پانے والے ہوئے۔ سلیمان نے ہزار گھوڑا ورثہ میں پایا۔

(قصص الانبیاء مصنفہ عبدالواحد صفحہ ۲۰۵، تفسیر خازن و معالم التنزیل)

ب۔ اسی طرح حضرت امام رازیؒ کی تفسیر کبیر جلد ۲ صفحہ ۴۳۶ مطبوعہ مصر پر لکھا ہے کہ بنی اسرائیل کا "تابوتِ سکینہ" حضرت آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا گیا اُس میں سب نبیوں کی تصویریں تھیں اور وہ اولادِ آدم میں بطور ورثہ منتقل ہوتے ہوتے حضرت یعقوبؑ تک پہنچا (اصل عبارت ملاحظہ ہو زیر عنوان "تصویر کھنچوانا" صفحہ ۶۹۶ پاکٹ بک ہذا۔

ثابت ہوا کہ یہ صندوق حضرت اسحاقؑ کی وفات کے بعد ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام نے ورثہ میں پایا۔

ج۔ حضرت زکریاؑ نے خُدا سے دُعا کی کہ اے خُدا! مجھے بیٹا عطا کر جو "یَرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ" (مریم: ۷) کہ وہ بیٹا میرا اور یعقوبؑ کے گھرانے کا وارث ہو۔ اِنَّ الْمُرَادَ مِنْ وِرَاثَةِ الْمَالِ (الوذی جلد ۲ صفحہ ۹۲)

دوسرے سوال کا جواب:۔ تمہارا یہ کہنا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی بیٹیوں کو ورثہ نہیں ملا۔ سفید جھوٹ ہے۔ کاغذاتِ مال اس امر کے گواہ ہیں کہ حضرت اقدس کی دونوں بیٹیوں کو شریعتِ اسلام کے عین مطابق پورا پورا حصہ دیا گیا اور وہ اپنے اپنے حصوں پر قابض ہیں۔ یُوں ہی اپنے پاس سے گھڑ گھڑ کے جھُوٹے اعتراض کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ نیز دیکھو کتاب حضرت مسیح موعودؑ کے کارنامے صفحہ ۱۱۱۔ باقی رہا یہ سوال کہ حضرت مسیح موعودؑ نے مسلمانوں کو یہ تعلیم دی یا نہیں کہ لڑکیوں کو ورثہ دینا چاہیئے تو اس کا جواب یقیناً اثبات میں ہے۔ مندرجہ ذیل حوالجات ملاحظہ ہوں:۔

۱۔ عام تعلیم کہ قرآن مجید کے تمام حکموں پر عمل کرو۔ (کشتی نوح صفحہ ۲۴، صفحہ ۲۵ طبع اوّل و ایام الصلح صفحہ ۸۶، صفحہ ۸۵)

۲۔ خاص مسئلہ وراثت یا لڑکیوں کو حصہ دینے کے متعلق۔ (چشمۂ معرفت دوسرا حصہ صفحہ ۲۰۳)

۳۔ فاسقہ کے حقِ وراثت کے متعلق فتویٰ (بدر جلد ۶ نمبر ۳۹ صفحہ ۶ کالم نمبر ۳ مورخہ ۲۶ ستمبر ۱۹۰۷ء و فتاویٰ

احمدیہ جلد ۲ صہ ۱۴)

۴۔ بیوی کی وفات پر مہر شرعی حصص کے ساتھ تقسیم کیا جاتے۔ (فتاوی احمدیہ جلد ۲ صہ ۱۲، صہ ۱۳)

۵۔ نیز دیکھو آریہ دھرم صہ ۱ تا صہ ۳ طبع اوّل و مجموعہ اشتہارات جلد ا صہ ۱۴۳ تا صہ ۱۸۸ ۱۸۸۸ء

۶۔ "ورثہ کے متعلق ..... قرآن مجید نے مرد سے عورت کا حصہ نصف رکھا ہے اس میں بھید یہ ہے کہ نصف اس کو والدین سے ترکہ میں مل جاتا ہے اور باقی نصف وہ اپنے سسرال میں جالیتی ہے۔"
(الحکم جلد ۱۲ ۲۲ ۲۶ رمارچ ۱۹۰۸ء صہ کالم ۳)

غیر احمدی:۔ حضرت اماں جانؓ نے آپؑ کی وفات کے بعد وراثت میں سے کیوں حصہ نہ لیا؟

جواب:۔ بربنائے تسلیم۔ اپنے حق کو اپنی مرضی اور خوشی سے ترک کر دینا اعلیٰ اخلاق میں سے ہے، نہ کہ قابلِ اعتراض۔ مثال ملاحظہ ہو:۔ حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"ابو مجاہد سے مروی ہے کہ ابو قحافہ رضی اللہ عنہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والد ماجد) نے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی میراث سے حصہ شرعی نہیں لیا۔ بلکہ اپنے پوتے ہی کو دیدیا۔ آپ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد چھ مہینے اور چند یوم تک ہی زندہ رہے۔"

{ تاریخ الخلفاء مترجم اُردو موسومہ بہ محبوب العلماء شائع کردہ ملک غلام محمد اینڈ سنز کشمیری بازار لاہور مطبوعہ مطبع پبلک پرنٹنگ پریس صہ ۱۰۴ فصل وفات ابوبکرؓ }

ایک ناقابلِ تردید ثبوت:۔ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ قیام پاکستان سے پہلے بلکہ ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء تک پنجاب کے تمام اضلاع میں مُغل قوم کے تمام افراد شریعت کی بجائے "رواجِ زمیندارہ" کے پابند تھے مگر "رواجِ عام" پنجاب کی مشہور و معروف اور مستند ترین کتاب

The Digest of Customary Law

(پنجاب کا رواجِ زمیندارہ)

مصنفہ **Sir W.H. Rattigan** (سر ڈبلیو۔ ایچ۔ ریٹیگن) کے گیارھویں ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۲۹ء کے صہ ۱۸ پر لکھا ہے:۔

The family of the Mughal Barlas of Qadian, Tehsil Batala, is governed by Muhammadan Law.

"یعنی قادیان کا مغل برلاس خاندان رواجِ زمیندارہ کا نہیں بلکہ قانونِ شریعت کا پابند ہے۔"

اب دیکھنا چاہیئے کہ پنجاب کے تمام مُغلوں میں سے صرف قادیان کے اس مغل خاندان کو شریعت کے پابند ہونے کا فخر کیونکر حاصل ہوگیا؟ جبکہ حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت سے قبل یہ خاندان بھی دوسرے مغل خاندانوں کی طرح رواجِ زمیندارہ ہی کا پابند تھا؟ تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ ہی کے "احیائے شریعت" کے عظیم الشان کارنامہ کا ایک پہلو ہے پس بجائے اس کے کہ حضرت کے اس کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا

حاسدِ بد بیں اب بھی اعتراض کرنے سے باز نہیں آتا۔ یہ حقیقت ہے کہ حضور کی بعثت سے قبل حضور کا خاندانِ شریعت کی بجائے رواج کا پابند تھا اور یہ بھی حقیقت ہے کہ حضور کی بعثت کے بعد یہ خاندان دتمام باقی مغل خاندانوں سے بالکل منفرد ہو کر شریعت کا پابند ہو گیا، کیا یہ تغیر مرزا کمال دین اور نظام دین کی کوششوں کے نتیجہ میں ہُوا؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر ماننا پڑیگا کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی قوتِ قدسیہ کا نتیجہ تھا کہ "ابنائے فارس" نے ابد تک کے لئے احیائے شریعت کا عَلَم اپنے ہاتھوں میں تھام لیا۔

ع کافی ہے سوچنے کو اگر اہل کوئی ہے

۴۴۔ ایک بیٹے کے دو باپ یا ایک بیوی کے دو خاوند

احراری مقررین اپنے جوشِ خطابت میں جو جی میں آئے احمدیت کے خلاف اناپ شناپ کہتے چلے جاتے ہیں۔ اس قسم کی بے سروپا باتوں میں سے ایک احسان احمد شجاع آبادی کے الفاظ میں یہ ہے:-

"ایک نبی کی اُمّت کے ۷۰ فرقے ہو سکتے ہیں، لیکن جس طرح ایک بیوی کے دو خاوند نہیں ہو سکتے، اِسی طرح ایک قوم کے بیک وقت دو پیغمبر نہیں ہو سکتے۔"

(تقریر شجاع آبادی احراری مندرجہ اخبار "تعمیر نو" گجرات تبلیغ نمبر ۵ دسمبر ۱۹۴۹ء صفحہ ۷ کالم ۲)

احراری مقررین کے اس قسم کے لغو اعتراضات کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے اور خیال آتا ہے کہ خدایا! کیا یہ لوگ فی الحقیقت اپنی ان باتوں کو درست بھی سمجھتے ہیں؟ یا کیا ان لوگوں کا مبلغ علم اسی حد تک محدود ہے کہ "جس طرح ایک بیوی کے دو خاوند نہیں ہو سکتے اسی طرح ایک قوم کے بیک وقت دو پیغمبر نہیں ہو سکتے۔" کیا ان لوگوں کو اتنا بھی علم نہیں کہ بنی اسرائیل میں بیک وقت حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ دو نبی تھے؟ حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ بیک وقت نبی تھے، حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ بیک وقت نبی تھے۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ اور حضرت اسحٰق علیہ السلام بیک وقت نبی تھے۔ پھر یہ لوگ کس بنا پر یہ کہنے کی جراءت کرتے ہیں کہ کسی قوم میں بیک وقت دو پیغمبر نہیں ہو سکتے؟ اور کس عقل کی بنا پر یہ لوگ "ایک بیوی کے دو خاوند" یا "ایک بیٹے کے دو باپ" کی بے معنے مثال پیش کرتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارونؑ کے بیک وقت ایک ہی قوم میں نبی ہونے سے کوئی حرج واقعہ نہیں ہوتا۔ کیونکہ اگرچہ وہ دونوں براہِ راست نبی تھے، لیکن چونکہ شریعت موسیٰ علیہ السلام کی تھی اور حضرت ہارونؑ اُن کے تابع تھے۔ اس لئے نہ باپوں والی مثال ان پر صادق آتی ہے۔ نہ دو خاوندوں والی!

لیکن حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ پر تو یہ مثال کسی طور پر بھی صادق نہیں آسکتی کیونکہ حضرت مرزا صاحب۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی طرح براہِ راست نبی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے "اُمتی" اور غلام ہیں۔ کلمہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہے شریعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہے اور مسیح موعودؑ کا مقام صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام اور نائب کا ہے باپ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں اور مسیح موعودؑ آپ کا رُوحانی فرزند ہے یاد رہے کہ حضرتِ بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی شرائط بیعت میں آپ کے ساتھ جس تعلق کے قیام کا عہد لیا جاتا ہے اس

کے الفاظ یہ ہیں کہ اس عاجز سے تعلق اخوت رکھے گا" گویا جماعت احمدیہ کے افراد کا تعلق بانی سلسلہ احمدیہ کیساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے "اخوت" کا ہے کیونکہ اُن کا رُوحانی باپ حضرت محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ پس اندھا ہے وہ دشمن جو یہ اعتراض کرتا ہے کہ احمدیوں کے عقائد کے رُو سے دو باپ ماننے پڑتے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ارشاد فرماتے ہیں:۔

مے خانہ وہی ساقی بھی وہی پھر اس میں کہاں غیرت کا محل
ہے دشمن خود بھینگا جس کو آتے ہیں نظر خمخانے دو

(کلام محمود ص۱۵۴)

پھر فرماتے ہیں:۔

شاگرد نے جو پایا اُستاد کی دولت ہے   احمد کو محمد سے تم کیسے جدا سمجھے

(کلام محمود ص۱۴۴)

ہمارا ایمان ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ اس وجہ سے آپ "ابوالانبیاء" یعنی تمام اگلے اور پچھلے نبیوں کے باپ ہیں قیامت تک حضور ہی کی ابوّت چلے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام محض حضورؐ کے نائب اور روحانی فرزند کا ہے۔ اے کاش احراری معترضین کے دل میں خدا کا خوف ہو اور موت کا دن اُن کو یاد ہو جب اُس احکم الحاکمین کے سامنے حاضر ہو کر اپنے تمام اقوال و اعمال کے لیے جواب دہ ہونا ہو گا۔ اُس وقت یہ "جوش خطابت" یہ زبان کی چالاکیاں اور یہ اشتعال انگیز نعرے کام نہیں آئیں گے۔

۴۳۔ کیا نبی کے آنے سے قوم بدل جاتی ہے!

مولوی محمد علی صاحب احراری بھی ایک دُور کی کوڑی لاتے ہیں۔ آپ نے ہر مقام پر ہر احرار کانفرنس میں یہ نیا "علمی نکتہ" پیش کیا ہے کہ چونکہ قوم نبی سے بنتی ہے اس لیے ہر نئے نبی کے آنے پر اس کی قوم کا نام بھی بدل جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے یہودی کہلاتے تھے۔ مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے تو جن یہودیوں نے اُن کو مان لیا۔ وہ یہودی نہ رہے بلکہ "عیسائی" ہو گئے۔ پھر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو جن عیسائیوں نے حضور کے دعویٰ کو قبول کر لیا وہ عیسائی نہ رہے بلکہ "مسلمان" کہلانے لگے۔ بعینہٖ اسی طرح اب مرزا صاحب کے ماننے والے "مسلمان" نہیں کہلا سکتے۔ اُن کو احمدی یا قادیانی کہا جائیگا کیونکہ انہوں نے ایک نیا نبی تسلیم کر لیا ہے۔

یہ ہے وہ مائیہ ناز اعتراض کہ جب گجرات احرار کانفرنس منعقدہ ۲۰ نومبر ۱۹۴۹ء کے موقع پر مولوی محمد علی احراری نے اسے بیان کیا تو "امیر شریعت احرار" نے اُچھل اُچھل کر اس نئے "نکتہ" پر انہیں دل کھول کر داد دی۔ بلکہ یہاں تک کہا "جا میں نے تجھے سارے ارمان بخش دیئے"۔ پھر مولوی محمد علی احراری نے ہر مقام پر یہی اعتراض دہرایا اور قریباً ہر جگہ "امیر شریعت احرار" نے اسی انداز میں انہیں داد علم و عقل کے

ساتھ یہی ڈرامہ دُہرایا۔

اب آیئے! اس اعتراض کا تجزیہ کریں اور دیکھیں اس میں کس قدر صداقت اور سچائی ہے۔

پہلا مغالطہ:۔ اس مزعومہ دلیل میں پہلا مغالطہ تو یہ دیا گیا ہے کہ گویا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد پہلا نبی جو آیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان قریباً چودہ سو سال کا فاصلہ ہے اس عرصہ میں بنی اسرائیل میں ہزاروں انبیاء آتے۔ حضرت یوشع بن نون۔ داؤد۔ سلیمان۔ حزقیل۔ سموئیل۔ یوئیل۔ ملاکی۔ ایلیاہ۔ میکاہ۔ عزرا۔ وغیرہ ہزاروں نبی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ایک ہی قوم بنی اسرائیل میں آتے۔ پس اگر یہ بات درست ہے کہ قوم نبی سے بنتی ہے اور نئے نبی کے آنے سے قوم بدل جاتی ہے تو پھر مولوی محمد علی صاحب احراری اور اُن کے اس "نکتہ" پر عش عش کر اُٹھنے والے احراری امیر شریعت بتائیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ان کے بھائی ہارون جو نبی تھے تو اُن کے ذریعہ سے کونسی "نئی قوم" معرضِ وجود میں آئی تھی اور ان کے ماننے والوں کا نام کیا رکھا گیا تھا؟ پھر اُن کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پہلے خلیفہ حضرت یوشع علیہ السلام بن نون کے نبی ہونے پر جو نئی قوم پیدا ہوئی تھی وہ کونسی تھی؟ اور اس کا کیا نام تھا؟ اسی طرح اُن کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کے ذریعہ کونسی نئی قوم بنی تھی! پھر ان کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے کس قوم کی تشکیل فرمائی تھی اُن کی قوموں کے کیا کیا نام تھے؟ خود احراری معترض کو بھی مسلّم ہے کہ موسےٰ کی قوم کا نام یہودی تھا اور یہ نام قائم رہا جب تک کہ عیسیٰ علیہ السلام نہیں آگئے۔ تب جا کر بقول معترض اس قوم کا نام بدلا اگر قوم نبی سے بنتی ہے اور نئے نبی کے آنے سے پہلے نبی کی قوم کا نام بدل جاتا ہے تو پھر کیوں اس قوم کا نام چودہ سو سال تک نہ بدلا؟ اور اگر اُس وقت باوجود اس کے کہ بقول قرآنِ مجید "ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا (المومنون: ۴۵) "وَقَفَّيْنَا مِنْ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ" (البقرۃ: ۸۸) کہ اللہ تعالیٰ نے پے بہ پے اور قدم بقدم رسول بھیجے مگر پھر بھی اس قوم کا نام نہ بدلا۔ تو اب کیوں نام بدل جائیگا؟ حقیقت یہ ہے کہ یا تو یہ لوگ علم دین سے بکلی بے بہرہ ہیں جو ایسی مضحکہ خیز باتیں کرتے ہیں کہ ایک طالب علم بھی دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑے اور یا جان بوجھ کر مغالطہ آفرینی کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرنا چاہتے ہیں۔

دوسرا مغالطہ:۔ احراری معترض نے دوسرا مغالطہ یہ دیا ہے کہ گویا "یہودی" اس قوم کا نام ہوا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی۔ حالانکہ تاریخ کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہودی حضرت موسےٰ علیہ السلام کی بعثت سے پہلے بھی موجود تھے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام خود اپنی نبوت سے پہلے بھی یہودی تھے پولوس رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے باوجود خود کو "یہودی" قرار دیتا ہے۔ (دیکھو اعمال باب ۲۲ آیت ۳)

کیونکہ "یہودی" "مذہب" نہیں بلکہ نسل ہے آج اس وقت دُنیا میں لاکھوں عیسائی موجود ہیں جو نسلاً یہودی ہیں! پس احراری معترض کلیہ کہنا کہ موسیٰ کے ماننے والے "یہودی" کہلاتے اور حضرت عیسیٰؑ کے ماننے والے

عیسائی بالبداہت باطل ہے۔

تیسرا مغالطہ:۔ احراری معترض نے تیسرا مغالطہ یہ دیا ہے کہ گویا "مسلمان" کا نام اور لقب صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مسلمانوں کو آپ پر ایمان لانے کے باعث دیا گیا۔ حالانکہ قرآن مجید سے صاف پتہ لگتا ہے کہ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والوں کا نام "مسلم" تھا۔ قرآن مجید میں ہے۔

ا۔ مَا كَانَ إِبْرَاهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا۔ (آل عمران: ۶۸) کہ ابراہیم نہ یہودی تھا نہ عیسائی بلکہ خالص "مسلمان" تھا۔

ب۔ وَوَصَّىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعْقُوبُ يَا بَنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمُ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُّسْلِمُونَ۔ (البقرۃ: ۱۳۳) کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کو یہ وصیت کی کہ خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے دین (اسلام) کو چُن لیا ہے۔ پس تم پر ایسی حالت میں موت آئے۔ جبکہ تم مسلمان ہو۔

ج۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی دُعا قرآن مجید میں ہے:۔
رَبِّ ..... تَوَفَّنِي مُسْلِمًا وَأَلْحِقْنِي بِالصَّالِحِينَ۔ (یوسف: ۱۰۲)
کہ اے میرے خدا! مجھے "مسلمان" ہونے کی حالت میں وفات دے اور مجھے صالحین کیساتھ ملا دے۔

د۔ موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کا نام بھی "مسلم" ہی تھا۔ قرآن مجید میں ہے کہ جب فرعون غرق ہونے لگا تو اس نے کہا۔

"قَالَ آمَنتُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا الَّذِي آمَنَتْ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمِينَ (یونس: ۹۱) کہ میں ایمان لاتا ہوں کہ اُس خدا کے سوا اور کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لاتے ہیں اور میں مسلمانوں میں سے ہوں۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کا نام "یہودی" تھا تو فرعون کو یہ کہنا چاہیئے تھا کہ میں "یہودی" ہوتا ہوں نہ یہ کہ "مسلمان" ہوتا ہوں۔

ھ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ماننے والوں کا نام بھی "مسلمان" ہی تھا۔ ملاحظہ ہو قرآن مجید میں ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کو جو خط لکھا۔ اس میں لکھا۔ "أَلَّا تَعْلُوا عَلَيَّ وَأْتُونِي مُسْلِمِينَ (النمل: ۳۲) کہ میرے بالمقابل سرکشی نہ کرو اور میرے پاس "مسلمان" ہو کر آجاؤ۔

و۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں کا نام بھی "مسلمان" ہی تھا۔ قرآن مجید میں ہے:۔
"فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ اللَّهِ فَاشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ" (آل عمران: ۵۳) کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ ان کے مخالفین ان کی نبوت کے انکار پر مُصر ہیں تو انہوں نے اعلان کیا کہ خدا کے دین کا مددگار کون ہے؟ حواریوں نے عرض کیا کہ ہم خدا کے دین کے انصار ہیں۔ پس اے عیسیٰ آپ گواہ رہیں کہ ہم "مسلمان" ہیں پس قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک ہر سچے نبی کے پیروں کا نام "مسلمان" ہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ

اِلَّا سَلَامُ" (آل عمران : ۲۰) خدا کے نزدیک صحیح اور درست ایک ہی مذہب ہے جس کا نام اسلام ہے پس خدا کی طرف سے جو بھی نبی آئیگا وہ خدا کے دین "اسلام" ہی کی طرف انسانوں کو دعوت دیگا اور اس کے ماننے والوں کا نام "مسلم" ہی ہوگا۔

۴۴۔ حضرت مرزا صاحب کے ماننے والوں کا کیا نام رکھا گیا

احراری معترض نے یہ مغالطہ بھی دیا ہے کہ خود حضرت مرزا صاحب نے اپنی جماعت کا نام "مسلمان" نہیں رکھا بلکہ "احمدی" رکھا۔ اور مردم شماری کے کاغذوں میں بھی جماعت کو "احمدی" کا نام لکھانے کی ہدایت کی حالانکہ یہ محض تلبیس اور جھوٹ ہے۔ کیونکہ حضرت مرزا صاحب نے ہرگز اپنی جماعت کا نام محض "جماعتِ احمدیہ" یا اپنے ماننے والوں کا نام محض "احمدی" نہیں رکھا۔ اور نہ اپنی جماعت کو محض "احمدی" نام مردم شماری کے کاغذوں میں لکھانے کی ہدایت فرمائی جس اشتہار میں حضرت مرزا صاحب نے اپنی جماعت کا نام تحریر فرمایا ہے وہ ۴ نومبر ۱۹۰۰ء کو شائع ہوا اور تبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۱۸ تا ۹۱ پر موجود ہے اس میں حضور تحریر فرماتے ہیں :۔

"یاد رہے کہ مسلمانوں کے فرقوں میں سے یہ فرقہ جس کا خدا نے مجھے امام اور پیشوا اور رہبر مقرر فرمایا ہے ایک بڑا امتیازی نشان اپنے ساتھ رکھتا ہے۔" (مجموعہ اشتہارات جلد ۲ صفحہ ۳۵۷)

"اور وہ نام جو اس سلسلہ کے لیے موزوں ہے جس کو ہم اپنے لئے اور اپنی جماعت کیلئے پسند کرتے ہیں وہ نام مسلمان فرقہ احمدیہ ہے اور جائز ہے کہ اس کو احمدی مذہب کے مسلمان کے نام سے بھی پکاریں۔ یہی نام ہے جس کے لیے ہم گورنمنٹ میں درخواست کرتے ہیں کہ اسی نام سے اپنے کاغذات اور مخاطبات میں اس فرقہ کو موسوم کرے یعنی "مسلمان فرقہ احمدیہ"۔ (مجموعہ اشتہارات جلد ۲ صفحہ ۳۶۴، ۳۶۵)

"اس فرقہ کا نام "مسلمان فرقہ احمدیہ" اس لیے رکھا گیا ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دو نام تھے "ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلم دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلم"۔

(دیکھو اشتہار ۴ نومبر ۱۹۰۰ء وتبلیغ رسالت جلد ۹ صفحہ ۹۰، ۹۱)

پس جو شخص یہ کہتا ہے کہ حضرت مرزا صاحب نے خود اپنی جماعت کے لیے لفظ "مسلمان" کو ترک کر دیا ہے وہ جان بوجھ کر لوگوں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ جماعت احمدیہ مسلمان فرقوں میں سے ایک فرقہ ہے جس طرح دوسرے تمام فرقوں کے علیحدہ علیحدہ امتیازی نام ہیں۔ مثلاً "اہلسنت والجماعت" "حنفی" یا "اہلحدیث" یا شیعہ وغیرہ اسی طرح اس فرقہ کا بھی "احمدی" نام ہے، لیکن جس طرح باقی سب فرقے "اسلام" کے فرقے ہی ہیں۔ بلکہ اصل اور حقیقی اسلام کے حامل ہونے کے مدعی ہیں۔ اسی طرح اس فرقہ کا بھی دعویٰ ہے کہ اصل اور حقیقی اسلام اسی فرقہ میں ہے۔

حربۂ تکفیر

اسلامی فرقوں کے ایک دوسرے کے خلاف فتاویٰ تکفیر:۔

مسیح موعود پر کفر کا فتویٰ لگے گا

① فتوحاتِ مکیہ جلد ۳ صفحہ ۳۷۴ ② حجج الکرامہ صفحہ ۳۶۳ ③ مکتوبات امام ربانی جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ مکتوب ۵۵ ④ اقتراب الساعۃ صفحہ ۹۵ و صفحہ ۲۲۴

مندرجہ بالا حوالجات کی اصل عبارات ملاحظہ فرمائیں پاکٹ بک ہٰذا صفحہ ۶۶۰ تا صفحہ ۶۶۱

(۱) شیعہ کافر ہیں

اہل سنت کے بزرگان و علماء نے بالاتفاق شیعوں پر کفر کا فتویٰ دیا ہے۔ ملاحظہ ہوں حوالجات ذیل:۔

۱۔ دربارِ رسالت سے:۔ "اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ اِنَّہٗ سَیَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ ..... یُقَالُ لَھُمُ الرَّافِضَۃُ فَاِنْ لَقِیْتَھُمْ فَاقْتُلْھُمْ قَاتَلَھُمُ اللّٰہُ اِنَّھُمْ مُشْرِکُوْنَ" (رواہُ الامامُ الھادی یحیٰی بن الحسین امام الیمن فی کتابہ الاحکام سلسلاً بآبائہ الکرام من عندہ الیٰ عند الحسن ابن علی ابن ابی طالب ..... و ہو الامام العظیم الذی صار علماً یُقتدیٰ بمذہبہ فی غالب الدیار الیمنیۃ۔ سراج الوہاج جلد ۲ صفحہ ۵۰۵)۔

یعنی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آخری زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جس کو "رافضی" کرکے پکارا جائیگا۔ تم اُن کو قتل کرو کیونکہ وہ مشرک ہیں۔

(۲) دربار غوث الاعظم سے:۔ "عَلَیْھِمْ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَسَائِرِ خَلْقِہٖ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ..... لِاَنَّھُمْ بَالَغُوْا فِیْ غُلُوِّھِمْ وَمَرَدُوْا عَلَی الْکُفْرِ وَتَرَکُوا الْاِسْلَامَ وَفَارَقُوا الْاِیْمَانَ وَجَحَدُوا الْاِلٰہَ وَالرُّسُلَ وَالتَّنْزِیْلَ۔"
(غنیۃ الطالبین۔ مصنفہ حضرت پیرانِ پیر غوث الاعظم جیلانیؒ مع زبدۃ السالکین صفحہ ۱۵۶)

اس عبارت کا ترجمہ "تحفہ دستگیر ترجمہ اُردو غنیۃ الطالبین" سے نقل کیا جاتا ہے:۔

"ان پر خدا کی اور تمام فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت تاقیامت ہے خدا ان کا نام و نشان اس جہان سے مٹا ڈالے اور ان کی بستیوں کو زمین سے دُور کرے اور اُن میں زمین پر پھرنے والا کوئی باقی نہ رہے۔ کیونکہ یہ لوگ اپنے غلو میں بہت بڑھ گئے ہیں۔ کفر پر جم گئے ہیں۔ اسلام کو چھوڑ بیٹھے ہیں خداوند کریم اور قرآن اور تمام پیغمبروں کو نہیں مانتے جو لوگ ایسی باتیں کرتے ہیں خدا ان سے اپنی پناہ میں رکھے۔"

(غنیۃ الطالبین مترجم اردو المعروف بہ تحفۂ دستگیر شائع کردہ ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور صفحہ ۱۳۱)

ب۔ پھر حضرت غوث الاعظم تحریر فرماتے ہیں:۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میرے اصحاب کو گالی نہ دو۔ پس جس شخص نے میرے اصحاب کو گالی دی اس پر خدا کی لعنت ہے۔۔۔۔۔۔ اور آخر زمانہ میں ایک گروہ پیدا ہوگا کہ وہ اصحابوں کے رُتبہ کو کم کریگا۔ خبردار تم نے ہرگز ان کے ساتھ کھانا پینا نہیں۔ ہرگز ان کے ساتھ نکاح کرنا کرانا نہیں اور ان کے ساتھ نماز بھی نہ پڑھنی اور ان پر نماز جنازہ بھی نہ پڑھنی "۔

(غنیۃ الطالبین مترجم اردو صنہ ۱۲ بعنوان محمد مصطفےٰ صلعم کی اُمت کی فضیلت اور بزرگی)

۳۔ امام ربانی مجدد الف ثانی :۔ "بدترین جمیع فرقِ مبتدعان جماعہ اندکہ باصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام بغض دارند۔ اللہ تعالیٰ در قرآن مجید خود ایشاں را کفاری نامد۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ قرآن و شریعت لازم مے آید۔ قرآن جمع حضرت عثمان است علیہ الرضوان اگر عثمان مطعون است قرآن ہم مطعون است اَعَاذَنَا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ عَمَّا يَعْتَقِدُ الزَّنَادِقَةُ "۔

(مکتوباتِ امام ربانی جلد ا صنہ مکتوب پنجاہ وچہارم ۔)

(ب) بدترین فرق شیعہ شنیعہ وحوالہ مذکورہ بالا صفحہ ۲۷)

"یعنی تمام بدعتیوں سے بدترین جماعت شیعوں کی ہے جوکہ اصحاب پیغمبر علیہ السلام سے بُغض رکھتے ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان کا نام کافر رکھا ہے جیسا کہ فرماتا ہے۔ لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ" (الفتح ۳۰) صحابہ قرآن و شریعت کی تبلیغ کرنے والے تھے۔ پس اگر صحابہ پر طعن کیا جائے تو قرآن و شریعت پر طعن لازم آتا ہے۔ قرآن مجید حضرت عثمان کا جمع کیا ہوا ہے پس اگر عثمان پر طعن کیا جاتے تو قرآن پر طعن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہم کو ان زندیقوں کے عقاید سے بچاتے رکھے۔ آمین"

(ب) تمام فرقوں سے بدترین فرقہ شیعہ شنیعہ ہے۔

(مکتوبات امام ربانی جلد ا دفتر اول حصہ دوم صنہ ۲۷ مکتوب ۵۴ مطبوعہ مجددی پریس امرتسر ۱۳۳۸ھ)

گویا صرف دربار رسالت ہی سے نہیں بلکہ دربار خداوندی سے بھی شیعوں کی تکفیر کا فتویٰ بقول امام ربانی مجدد الف ثانی صادر ہو چکا ہے۔

۴۔ دربار عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ سے :۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے :۔

"اَلرَّافِضِيُّ إِذَا كَانَ يَسُبُّ الشَّيْخَيْنِ وَيَلْعَنُهُمَا وَالْعِيَاذُ بِاللّٰهِ فَهُوَ كَافِرٌ ۔۔۔۔۔۔ مَنْ اَنْكَرَ اِمَامَةَ اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَهُوَ كَافِرٌ۔۔۔ وَكَذَالِكَ مَنْ اَنْكَرَ خِلَافَةَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ ۔۔۔۔ وَهٰؤُلَاءِ الْقَوْمُ خَارِجُوْنَ عَنْ مِلَّةِ الْاِسْلَامِ وَاَحْكَامُهُمْ اَحْكَامُ الْمُرْتَدِيْنَ كَذَا فِي الظَّهِيْرِيَّةِ "۔

(فتاویٰ عالمگیری مرتبہ بحکم شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیر جلد ۲ صنہ ۲۶۳)

یعنی رافضی۔ جوکہ حضرت ابوبکر و عمرؓ کو گالی دے یا اُن پر لعنت کرے۔ وہ کافر ہے۔۔۔۔۔ اور جو حضرت ابوبکرؓ کی امامت سے انکار کرے وہ بھی کافر ہے اسی طرح جو حضرت عمرؓ کی خلافت کا منکر ہو وہ

بھی کافر ہے۔۔۔۔۔۔ یہ لوگ دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ اور مُرتد ہیں۔ ان پر مُرتدوں کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔ ایسا ہی ظہیریہ میں لکھا ہوا ہے"

نوٹ:۔ حضرت اورنگ زیب عالمگیر کے زمانۂ حکومت میں تمام اہل سنت والجماعت علماء نے متفقہ طور پر شیعوں کے کفر پر اجماع کر کے شیعوں کو مُرتد اور کافر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا اور حکومتِ وقت سے ان کو "غیر مسلم اقلیت" قرار دلوایا۔ مولوی کفایت حسین اور وہ دوسرے سادہ لوح شیعہ جو آج احراریوں کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں۔ ذرا تاریخ کے اوراق کی ورق گردانی کریں اور اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ کے علماء کے فتاویٰ اور حکومت کے دباؤ کے ماتحت شیعوں کی قابلِ رحم حالت کو اگر ایک دفعہ یاد کر کے "آنچہ برخود مپسندی بر دیگراں نیز مپسند" کے مقولہ کو پیش نظر رکھیں تو یقین ہے کہ اُن کا ضمیر اُن کو ضرور ملامت کرے بشرطیکہ ضمیر کی آواز ابھی باقی ہو اور قَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰهَا (الشمس: ۸) کی کیفیت نہ طاری ہو چکی ہو۔ خادم

۵۔ قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی:۔ "جو شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ صحابہؓ آپس میں بغض اور دشمنی رکھتے تھے وہ شخص قرآن کا منکر ہے اور جو شخص اُن (صحابہؓ) کے ساتھ بُغض اور خفگی رکھتا ہے قرآن میں اُس کو کافر کہا گیا ہے۔ چنانچہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ" (الفتح: ۳۰) (ما لابُدّ منهُ۔ مترجم اُردو شائع کردہ ملک دین محمد اینڈ سنز مطبوعہ دین محمدی الیکٹرک پریس لاہور صا۔ فصل نعت جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم)

۶۔ علماء اہل حدیث کا فتویٰ شیعوں کے بارے میں:۔ ۱۔ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی:۔ "شیعہ پانچ مذاہب کفار کا مجموعہ اور خلاصہ ہیں۔ یعنی یہود۔ نصاریٰ۔ مجوس۔ صابئین۔ ہندو" (تحفہ اثنا عشریہ قلمی ص۵۰۲ نیز صفحات ذیل:۔ صفحہ ۵/۶/۵۶/۲، ۵۰۱، ۵۰۳ وصفحہ ۵۰۴)

ب۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب آف بھوپال:۔ "روئے زمین پر جسقدر فرقہ خبیثہ موجود ہے وہ کسی ایک اصحاب رسول اللہ کو کافر کہہ کر کافر ہو گیا ہے۔ جب وہ اصحاب رسول اللہ کو کافر کہتے ہیں تو کس طرح کافر نہیں۔ یہ اسلام کے دشمن ہیں۔ جو ان کو کافر نہیں کہتا وہ بھی کافر ہے"

(سراج الوہاج جلد ۲ ص۵۵۶ ص۵۵۵)

۷۔ اہلسنت والجماعت کے متعدد علماء نے اپنے دستخطوں اور مہروں سے شیعوں کے خلاف مندرجہ ذیل فتویٰ کفر صادر کیا۔

"فرقہ امامیہ منکرِ خلافتِ صدیق اند و در کتب فقہ مسطور است کہ ہر کہ انکارِ خلافتِ حضرت صدیق نماید منکر اجماع قطع گشت و کافر شد۔۔۔۔۔ پس در حق ایشاں نیز حکم کفار جاری است"

(ردِّ تبرا ص۳، جواب استفتاء ص۱)

۲ - اہلسنت والجماعت کے خلاف شیعوں کا فتویٰ کفر

ا۔ "اہلسنت یہود و نصاریٰ سے بدتر ہیں۔" (تحفہ اثنا عشریہ قلمی ص۴۷ نیز حدیقۃ شہدا ص۶۵)

ب۔ اگر کسی سُنّی کے جنازہ پر شیعہ حاضر ہو اور نماز جنازہ پڑھنی پڑ جائے تو میّت کے حق میں یہ دُعا کرے۔

"اَللّٰھُمَّ اَمْلَأْ جَوْفَہٗ نَارًا وَ قَبْرَہٗ نَارًا وَ سَلِّطْ عَلَیْہِ الْحَیَّاتِ وَالْعَقَارِبَ"

(جامع العباسی در بیان نماز واجب سُنّت باب دوم فصل ۸ ہشتم)

یعنی اے اللہ! اس کے پیٹ اور قبر کو آگ سے بھر دے! اور اس پر سانپ اور بچھو مسلط کر دے۔"

اہلحدیث کا اہلسنت پر فتویٰ کفر

ا۔ "چاروں اماموں کے پیرو اور چاروں طریقوں کے متبع یعنی حنفی۔ شافعی۔ مالکی۔ حنبلی اور چشتیہ و قادریہ و نقشبندیہ و مجددیہ سب لوگ کافر ہیں۔"

(جامع الشواہد ص۲ بحوالہ الاعتصام السنۃ مطبوعہ کانپور صفحہ ۷۰، ۸)

ب۔ "کذب کو قرآن و حدیث میں برابر شرک کے رکھا ہے۔ اس لیے مقلدین پر اطلاق لفظ مشرکین کا تقلید پر اطلاق لفظ شرک کا کیا جاتا ہے دُنیا میں آج کل اکثر لوگ یہی مقلد پیشہ ہیں۔ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَ ھُمْ مُّشْرِکُوْنَ۔ (یوسف، ۱۰۷) یہ آیت ان پر بخوبی صادق آتی ہے۔"

(اقتراب الساعۃ ص۱۶ از نور الحسن خان ۱۳۰۱ھ)

ج۔ "کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیانِ شرع متین اِن مسائل میں (اوّل) یا شیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً لِلّٰہ کا حاضر و ناظر جان کر وِرد کرنا جائز ہے یا نہ اور اس ورد کا پڑھنے والا کیا ہے؟

الجواب:۔ "جس کا یہ عقیدہ ہے وہ مشرک ہے جو شخص مجوّز اور مفتی ان اُمور کا ہے وہ رأس المشرکین ہے۔ اُس کے پیچھے نماز درست نہیں اور اس طرح کا اعتقاد رکھنے والا چاروں مذہب میں کافر اور مشرک ہے۔" (مجموعہ فتاویٰ ص۵۲ مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور)

د۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس امر میں کہ یہ گروہ مقلدین جو ایک ہی امام کی تقلید کرتے ہیں۔ اہل سنت والجماعت میں داخل ہیں یا نہیں؟ اور ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ اور ان کو اپنی مسجد میں آنے دینا اور اُن کے ساتھ مخالطت اور مجالست جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ بیشک نماز پیچھے ایسے مقلدین کے جائز نہ ہوگی کہ ان کے عقاید اور اعمال مخالف اہل سنت والجماعۃ ہیں۔ بلکہ بعض عقیدے اور عمل موجب شرک اور بعض مفسد نماز ہیں۔ ایسے مقلدوں کو اپنی مسجدوں میں آنے دینا شرعاً درست نہیں۔" (مجموعہ فتاویٰ صفحہ ۵۴، ۵۵ مطبع صدیقی لاہور)

۳- اہلحدیث کے خلاف اہلسنت کا فتویٰ

ستر علماء اہلسنت والجماعتہ کا فتویٰ :-

۱- فرقہ غیر مقلدین جن کی علامت ظاہری اس ملک میں آمین بالجہر اور رفع یدین اور نماز میں سینے پر ہاتھ باندھنا اور امام کے پیچھے الحمد پڑھنا ہے۔ اہلسنت سے خارج ہیں اور مثل دیگر فرق مقلد رافضی وخارجی وغیرہا کے ہیں۔ ان کے پیچھے نماز درست نہیں۔ ان سے مخالطت اور مجالست کرنا اور ان کو اپنی خوشی سے مسجد میں آنے دینا شرعاً ممنوع ہے۔"

(جامع الشواہد فی اخراج الوہابیین عن المساجد صفحہ ۲ تا ۸ بحوالہ کتاب العتصام السنتہ مطبوعہ کانپور ص۸)

ب۔ "تقلید کو حرام اور مقلدین کو مشرک کہنے والا شرعاً کافر بلکہ مرتد ہوا۔"

(انتظام المساجد باخراج اہل الفتن عن المساجد ص۶ مصنفہ مولوی محمد لدھیانوی)

ج۔ "غیر مقلدین سب بیدین پکے شیاطین۔ پورے ملاعین ہیں۔"

(چابک لیث بر اہلحدیث مصنفہ مولوی محمد ظہیر حسین اعظم گڈہی ص۳۴، ص۳۵)

د۔ علماء اور مفتیانِ وقت پر لازم ہے کہ بمجرد مسموع ہونے ایسے امر کے اس کے کفر اور ارتداد کے فتویٰ میں تردد نہ کریں۔ ورنہ زمرۂ مرتدین میں یہ بھی داخل ہونگے۔"

(انتظام المساجد باخراج اہل الفتن عن المساجد ص۶)

ہ۔ "جو باوصف اطلاع احوال اُن میں سے کسی کا معتقد ہو تو ابلیس کا بندہ جہنم کا کندہ ہے اور ان سفہاء اور اُن کے نظراء تمام خبثاء جو شخص ۔۔۔ ان ملحدوں کی حمایت اور مروت و رعایت کرے ان کی ان باتوں کی تصدیق و تحسین و توجیہ و تاویل کرے وہ عدو خدا، دشمنِ مصطفیٰ ہے۔"

(چابک لیث ص۳۴، ص۳۵)

۴- دیوبندی کافر و مرتد

۱۔ "وَبِالْجُمْلَةِ هٰؤُلَاءِ الطَّوَائِفُ كُلُّهُمْ كُفَّارٌ مُرْتَدُّوْنَ خَارِجُوْنَ عَنِ الْإِسْلَامِ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ"

"حُسَامُ الْحَرَمَيْنِ عَلٰى منحر الكفر والمَيْنِ" مع سلیس ترجمہ اردو مسمیٰ مبین احکام و تصدیقات اعلام ۱۳۴۵ھ مطبوعہ بریلی۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۲۶ھ بار اول۔ مصنفہ مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی ص۲۳)

یعنی یہ سب گروہ (یعنی گنگوہیہ۔ تھانویہ۔ نانوتویہ و دیوبندیہ وغیرہ) اجماع اسلام کے رُو سے کفار اور مرتد اور دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔ (یاد رہے کہ مندرجہ بالا عربی عبارت اصل کتاب کے ص۲۴ پر ہے اور اُردو ترجمہ ص۲۵ پر۔ خادم)

اس کتاب میں مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے (جو کہ فرقہ حنفیہ بریلویہ کے بانی تھے اور

مولوی ابوالحسنات صاحب صدر جمیعت العلماء پاکستان اوران کے والد مولوی دیدار علی مرحوم کے پیر ہیں) اپنا اور علماء حرمین شریفین کا متفقہ فتویٰ ان کے دستخطوں اور مہروں کے ساتھ شائع کیا ہے جس میں جماعتِ احمدیہ کے علاوہ دیو بندیوں کے تمام گروپوں کو بھی کافر و مُرتد قرار دیا گیا ہے۔ کتاب مذکور کے ٹائیٹل پیج پر لکھا ہے:۔

"جس میں مسلمانوں کو آفتاب کی طرح روشن کر دکھایا کہ طوائف قادیانیہ۔ گنگوہیہ وتھانویہ ونانوتویہ و دیوبندیہ وامثالہم نے خدا اور رسول کی شان کو کیا کچھ گھٹایا۔ علمائے حرمین شریفین نے باجماعِ اُمّت ان سب کو زندیق و مُرتد فرمایا۔ ان کو مولوی درکنار مسلمان جاننے یا ان کے پاس بیٹھنے اُن سے بات کرنے کو زہر وحرام وتباہ کن اسلام بتایا۔"

گویا اس فتویٰ میں مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی۔ مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی اوران کے مریدوں اور دیگر تمام دیوبندی خیال کے لوگوں کو" باجماعِ اُمّت" کافر و مُرتد اور دائرہ اسلام سے خارج ثابت کیا گیا ہے اوران کی تکفیر وتفسیق کو احمدی جماعت کی تکفیر وتفسیق سے ممیز نہیں کیا۔ بلکہ ایک ہی رنگ میں بیان کیا ہے اور جیسا" اجماعِ اُمّت" ایک کے خلاف ہے ویسا ہی دوسرے کے بھی خلاف ہے۔ پس آج تعجب ہے کہ مولوی عبدالحامد بدایونی اور نام نہاد جمیعۃ العلماء پاکستان کے صدر نے اپنے پیر اور علماء حرمین شریفین کے ان متفقہ فتاویٰ اور اجماعِ اُمّت کے خلاف ایک نیا امتیاز کہاں سے پیدا کر دیا ہے۔

ب۔ پھر احمد رضا خانصاحب بریلوی نے محمد قاسم نانوتوی مولوی اشرف علی تھانوی اور مولوی محمود الحسن وغیرہ دیوبندی مولویوں کی نسبت لکھا ہے۔

"یہ قطعاً مُرتد و کافر ہیں اوران کا ارتداد و کُفر اشد درجہ تک پہنچ چکا ہے۔ ایسا کہ جو ان مُرتدوں اور کافروں کے ارتداد وکفر میں شک کرے وہ بھی انہی جیسا مُرتد و کافر ہے۔۔۔۔۔ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا تو ذکر ہی کیا اپنے پیچھے بھی انہیں نماز نہ پڑھنے دیں۔۔۔۔ جو ان کو کافر نہ کہے گا وہ خود کافر ہوجائیگا اوراس کی عورت اُس کے عقد سے باہر ہوجائے گی اور جو اولاد ہوگی حرامی ہوگی اور ازروئے شریعت ترکہ نہ پائیگی۔" (فتویٰ مذکورہ بالا)

۵۔ حنفی بریلویوں پر دیوبندیوں کا فتویٰ

(ا) "مولوی احمد رضا خان بریلوی اوران کے ہم خیال کافر۔ اکفر۔ دجالِ مائتہ حاضرہ۔ مُرتد۔ خارج از اسلام"
(ردّ التکفیر علی الفحّاش الشّنظیر مصنفہ مولوی سید محمد مرتضیٰ دیوبندی مطبوعہ شمس المطابع مراد آباد شعبان ۱۳۴۲ھ)

ب:۔ فتاویٰ رشیدیہ (رشید احمد گنگوہی) حصہ سوم بار اول صہ ۳۲ میں ہے:۔

"جو شخص رسول اللہ صلعم کے عالم الغیب ہونے کا معتقد ہے سادات حنفیہ کے نزدیک قطعاً

مشرک و کافر ہے ...... شامی نے ردّ المختار کی کتاب الارتداد میں صاف طور پر ایسے عقیدہ رکھنے والے کی تکفیر کی ہے اور جو یہ کہتے ہیں کہ علمِ غیب بجمیع اشیاء آنحضرت کو ذاتی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ہے۔ سو محض باطل اور خرافات میں سے ہے "۔

اس فتویٰ پر بہت سے علماء دیوبند کی مہریں ہیں جن میں مولوی محمود الحسن دیوبندی بھی ہیں۔

ج:۔ لیکن سید انور شاہ صاحب دیوبندی کا فتویٰ بایں الفاظ درج ہے:۔

"بڑا تعجب ہے جو زمرۂ علماء میں ہو کر ایسے شخص کی تکفیر میں تردد کرے۔ اور قطعاً اس کو کافر نہ کہے بھلا کوئی عالم کہہ سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کی بتلائی سے بھی بعض چیزوں کی خبر نہ ہو ہرگز نہیں۔ بڑا فتور تو وہ شخص برپا کر رہا ہے جو ہر جگہ یہ کہتا پھرتا ہے کہ آپ کو جمیع اشیاء کا علم دیدیا گیا ہے حالانکہ یہ صریح شرک ہے اور تمام فقہاء متفق اللفظ ایسے شخص کی تکفیر کرتے ہیں۔ یہ شخص کس دلیل سے حجت پکڑتا ہے۔ حالانکہ یہ تمام احادیث کے مخالف ہے "۔

(اکفار الملحدین فی ضروریات الدین)

د:۔ سوال:۔ جو شخص رسول اللہ صلعم کو غیب دان جانے اس کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ از بندہ رشید احمد گنگوہی:۔ "جو شخص رسول اللہ صلعم کو علمِ غیب جو خاصہ حق تعالیٰ ہے ثابت کرتا ہے اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ لِاَنّہٗ کفر (درالمختار)

(فتاویٰ رشیدیہ حصہ سوم ص۱۱۳، نیا ایڈیشن جنوری ۱۹۹۱ء سعید کمپنی ص۶۴ و ص۶۵)

نوٹ: مندرجہ بالا تمام فتاویٰ دربارۂ جماعتِ حنفیہ بریلویہ مولوی حسین علی آف واں بھچراں کی تصنیف بُلغَۃُ الحَیرَانِ کے آخر میں بطور تتمہ ص۱ تا ص۴ تک یکجائی شائع شدہ موجود ہیں)

ھ۔ مولوی مرتضیٰ حسن "ناظم تعلیم دیوبند" کا فتویٰ بریلویوں کے خلاف انکے ان عقائد باطلہ پر مطلع ہو کر بھی انہیں کافر و مُرتد ملعون جہنمی نہ کہنے والا بھی ویسا ہی مُرتد کافر ہے پھر اس کو جو ایسا نہ سمجھے وہ بھی ایسا ہی ہے "۔ (اخبار وکیل امرتسر ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۷ء)

و۔ "کوکب الیمانی علی اولادِ الزوانی ..... ان کتابوں میں ثابت کیا گیا ہے کہ ایسے عقاید والے کافر ہیں۔ ان کا نکاح کوئی نہیں سب زانی ہیں"۔ (بُلغۃ الحیران آخر میں تتمہ ص۳ و ص۴)

۶۔ سر سید احمد خان پر فتوےٰ کفر

ا۔ "اس شخص کی اعانت کرنی اور اس سے علاقہ اور رابطہ پیدا کرنا ہرگز درست نہیں۔ اصل میں یہ شخص شاگرد مولوی نذیر حسین وہابی بنگالی دہلوی غیر مقلد کا ہے۔ یہ شخص بہ سبب تکذیب آیاتِ قرآنی کے مُرتد ہو کر ملعونِ ابدی ہوا اور مُرتد ہوا۔ ایسا مُرتد کہ بلا قبولِ اسلام اسلامی عملداری میں جزیہ دیکر بھی نہیں رہ سکتا، مگر اہل کتاب اور ہنود وغیرہ جزیہ دیکر اسلامی عملداری میں رہ سکتے ہیں۔ گویا نہایت سخت کافر و مُرتد ہے "۔ (انتظام المساجد ص۱۳ تا ص۱۵ مصنفہ مولوی محمد لدھیانوی)

ب۔ مولانا الطاف حسین حالی لکھتے ہیں :۔

"سرسید کو" ملحد۔ لامذہب۔ کرسٹان۔ نیچری۔ دہریہ۔ کافر۔ دجال اور کیا کیا خطاب دیئے گئے ان کے کفر کے فتووں پر شہر شہر اور قصبہ قصبہ کے مولویوں سے مُہریں اور دستخط کراتے گئے۔ یہاں تک کہ جو لوگ سرسید کی تکفیر پر سکوت اختیار کرتے تھے۔ ان کی بھی تکفیر ہونے لگی۔"

(حیاتِ جاوید حصہ دوم ص۲۷۵ پانی پتی ۱۹۰۲ء)

ج۔ مکۂ معظمہ کے مذاہب اربعہ کے مفتیوں نے جو فتویٰ سرسید احمد خاں پر لگایا۔ وہ یہ ہے :۔

"یہ شخص ضالّ اور مُضل ہے بلکہ وہ ابلیس لعین کا خلیفہ ہے کہ مسلمانوں کے اغوا کا ارادہ رکھتا ہے اور اس کا فتنہ یہود و نصاریٰ کے فتنے سے بھی بڑھ کر ہے خُدا اس کو سمجھے۔۔۔۔۔ ضرب اور حبس سے اس کی تادیب کرنی چاہیئے۔" (ایضاً)

علماء مدینہ کا فتویٰ :۔

"اگر اس شخص نے گرفتاری سے پہلے توبہ کرلی۔۔۔۔ تو قتل نہ کیا جائے ورنہ اس کا قتل واجب ہے دین کی حفاظت کے لیے اور وُلاۃ امر پر واجب ہے کہ ایسا کریں۔" (ایضاً)

د۔ علیگڑھ یونیورسٹی کے متعلق علماء حرمین شریفین کا فتویٰ :۔

"یہ مدرسہ جس کو خُدا برباد اور اُس کے بانی کو ہلاک کرے اس کی اعانت جائز نہیں۔ اگر یہ مدرسہ بن کر تیار ہو جائے تو اس کو منہدم کرنا اور اس کے مددگاروں سے سخت انتقام لینا واجب ہے۔"

(حیاتِ جاوید مصنفہ مولانا حالی جلد ۲ ص۲۸۵ مطبوعہ بار اوّل)

نوٹ :۔ احباب علماء کے فتاویٰ تکفیر کی زیادہ تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمائیں مقدمۂ بہاولپور ص۱۵۷ و نیز رسالہ "حربۂ تکفیر اور علمائے زمانہ" مطبوعہ قادیان ۱۹۳۳ء۔ خلاصہ کلام صرف اس قدر ہے کہ مسلمان کہلانے والے فرقوں میں سے ایک فرقہ بھی ایسا نہیں ہے جس پر باقی ۷۲ فرقوں نے متفقہ طور پر کُفر کا فتویٰ نہ دیا۔

۷۔ دیگر کلمات کفریہ

ا۔ "اگر یوں کہے کہ آسمان پر میرا خدا ہے اور زمین پر تُو ہے تو کافر ہوگا۔"

(مالابدمنہ مترجم اُردو شائع کردہ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور ص۸۹ و فارسی نسخہ ص۱۴۶ مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۰ھ)

ب۔ "اگر کوئی بدوں گواہ کے نکاح کرے اور کہے کہ خُدا اور رسول کو گواہ کیا۔ یا کہے کہ فرشتوں کو گواہ کیا میں نے تو کافر ہوگا۔" (ایضاً)

ج۔ "اگر کہے کہ روزی خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے لیکن بندے سے ڈھونڈھ لینا چاہیئے تو کافر ہوگا۔" (ایضاً)

د۔ "اگر کہے کہ فلانا اگر نبی ہوگا تب بھی اس پر ایمان نہ لاؤں گا تو کافر ہوگا۔" (ایضاً)

"اگر کوئی شخص گناہ کرے خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ اور دوسرا شخص اُسے کہے کہ توبہ کر اور وہ کہے کہ میں نے

کیا کیا ہے جو توبہ کروں تو کافر ہوگا۔ (مالا بدمنہ مترجم اُردو شائع کردہ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور صفحہ ۸۹)

د۔ "اگر کوئی کہے کہ مجھ کو علم کی مجلس سے کیا کام یا کہے کہ جن باتوں کو علماء کہتے ہیں اُن کو کون کر سکتا ہے ..... تو کافر ہوگا۔" (ایضاً صفحہ ۹۳)

ذ۔ "روافض جو کہتے ہیں کہ پیغمبرؐ نے دشمنوں کے خوف سے خدا تعالیٰ کے بعض احکام کو نہیں پہنچایا یہ کفر ہے۔" (ایضاً صفحہ ۹۳)

احراریات

احراری کیا ہیں؟

۱۔ "پنجاب میں چند پنجابیوں نے ایک انجمن قائم کر رکھی ہے جسے مجلس احرار کہتے ہیں یہ مجلس غالباً دُنیا بھر میں سب سے پہلی انجمن ہے جس کا کوئی اُصول و عقیدہ نہیں ہے اگر پہلے اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی گئی تو اب سمجھ لیجئے کہ اگر کوئی احراری شیخ حسام الدین بن کر اسٹیج پر آجاتے اور مجلس احرار کی دف بجا بجا کر کانگرس کے گیت گانے لگے تو وہ احرار کا صدر ہوگا۔ اگر کوئی چودھری افضل حق کے نام سے اخباری زبان میں چلاتے کہ کانگرسی لیڈر سرمایہ دار ہیں اور سرمایہ داری کی تخریب مجلس احرار کے مقصد میں شامل ہے تو وہ متفکر احرار کہلائیگا گویا کانگرس کا ہواخواہ بھی قائدِ احرار ہے اور کانگرس پر لعنتیں بھیجنے والا بھی زعیمِ احرار ہے اب بتائیے کہ احرار بذاتِ خود کیا ہیں۔" (روزنامہ "زمیندار" ۲ر جولائی ۱۹۴۱ء)

۲۔ "'حُر' بمعنی آزاد عربی زبان کا لفظ ہے اس کی جمع احرار ہے پنجاب میں ایک جماعت قائم ہوئی تھی، اس کا صدر مقام لاہور رہا ہے شروع شروع میں یہ نقال جماعت تھی تحریک کشمیر ختم ہوئی تو اس کی عملی سرگرمیاں بھی ختم ہوگئیں۔ مگر دفتر باقاعدہ رہا اور احکام برابر جاری ہوتے رہے لیکن نصب العین کوئی نہ تھا۔ اور نہ کوئی لائحہ عمل، اس لیے جملہ احکام ہوائی توپیں ثابت ہوئیں۔ نصب العین پوچھو تو کوئی نہیں۔ صرف لکیر کے فقیر ہیں اور لفظ "احرار" کی مالا جپ رہے ہیں کوئی پوچھے کہ کانگرسی ہو تو کہتے ہیں کانگرسی کیا ہیں ___؟ کانگرسیوں کے کرتا دھرتا مہاتما گاندھی یہی غنیمت سمجھتے ہیں کہ زیر سایہ برطانیہ کم از کم سول اتھارٹی ہی مل جاتے۔ مگر ہم مکمل آزادی چاہتے ہیں کوئی پوچھے کہ لیگی ہو تو کہتے ہیں نہیں۔ ہم تو سارے ہندوستان پر حکومتِ الٰہیہ چاہتے ہیں۔ اگر کوئی سر پھرا کہہ دے کہ کچھ کر کے بھی دکھائیے تو فرماتے ہیں کہ ہندو قوم ساری کانگرس کے ساتھ ہے اور مسلمان قوم تمام کی تمام لیگ سے جاملی ہے ہم کریں تو کیا کریں؟" (روزنامہ زمیندار ۲۱ر فروری ۱۹۴۹ء)

۳۔ "آٹھ اور آٹھ سولہ دن ہوتے کہ پنجاب میں ایک نئی پارٹی نے جنم لیا ہے قارئین کرام اس چُوں چُوں کے مربّے سے بخوبی واقف ہونگے کہ اس میں کون کون اُتو باٹے اکٹھے ہوتے ہیں۔ ..... اس کا نام ہے مجلس احرار۔ یہ جماعت معرضِ ظہور میں کیوں آئی اس کا جواب دینا ضروری ہے اس کے شرکا۔ وہ لوگ ہیں جو کبھی ملی کانگرس کے دامن سے وابستہ تھے اور ان کے باپو گاندھی جی مہاراج

کی کرپا سے انہیں بھوجن اور پوشن مل جایا کرتا تھا لیکن جہاں کانگرس کا کام تمام ہوا۔ کانگرس سے انہیں طلاق مل گئی اور ان کا روزینہ بند ہوگیا۔ کانگرس سے الگ ہوکر ان کے پاس سوائے ازیں کوئی چارہ کار نہ تھا کہ پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے کوئی نیا پھندا پھیلائیں۔ لہٰذا انہوں نے "مجلس احرار اسلام" کی طرح ڈالی .... عوام حیران ہیں کہ آخر ان احراریوں کو کیا ہوگیا جو یکدم مہاراجہ (کشمیر) کے اشارے پر ناچنے لگ گئے! کسی نے خوب کہا ہے کہ

اے زر تو خدا نیست ولیکن بخدا ستار العیوب و قاضی الحاجاتی

ان کی بلا سے قوم جہنم میں جائے یا کسی گھاٹی میں گرے انہیں اپنے حلوے مانڈے سے کام ہے۔"

(سیاست ۱۵ ستمبر ۱۹۳۱ء صـ۳)

احراری اور ان کا امیر شریعت

۴۔ "احرار تبلیغ کے وسائل اختیار نہیں کرتے جو اسوہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رُو سے اور قرآن الحکیم کی تعلیم کے مطابق ہمیں اختیار کرنا چاہیئے بلکہ قادیانیوں کو اور نہ صرف ان کو بلکہ ہر اس شخص کو جو دیانتداری کیساتھ ان سے اختلاف رکھتا ہے غلیظ گالیاں دیتے ہیں۔ اس لحاظ سے بدترین مجرم وہ شخص ہے جس کو یہ لوگ "امیر شریعت" کہتے ہیں۔ سید عطاء اللہ شاہ احراری (ان کو بخاری کہنا ساداتِ بخارا کی توہین ہے) عامیانہ مذاق کا آدمی ہے وہ بازاری گالیاں دینے میں مشاق ہے اسی لیے عام آدمی ان کی "تقریر" کو گھنٹوں اسی طرح ذوق و شوق سے سنتے ہیں جس طرح وہ میراثیوں اور ڈوموں کی گندی کہانیوں کو سنتے رہے ہیں.. ..... عطاء اللہ احراری کا وجود علماء کی جماعت کے لئے رسوا کرنے والا ہے۔"

(سیاست ۱۸ جون ۱۹۳۵ء صـ۳)

۵۔ مولوی ظفر علی آف زمیندار بزبانِ امیر شریعت احرار کہتے ہیں:۔

اِک طفلِ پری رُو کی شریعت فگنی نے کل رات نکالا میرے تقویٰ کا دِوالا
مَیں دین کا پُتلا ہوں وہ دُنیا کی ہے مُورت اُس شوخ کے نخرے میں مرا گرم مسالا

{ لاہور۔ ۲۶ دسمبر ۱۹۳۶ء چمنستان یعنی مجموعہ کلام مولوی ظفر علی خاں
صـ۹۶ مطبوعہ پبلشرز یونائیٹڈ لاہور ۱۹۴۴ء بار اول }

مجلسِ احرار انگریز کا خود کاشتہ پودا

۶۔ مولوی ظفر علی خاں لکھتے ہیں:۔

"آج مسجد شہید گنج کے مسئلہ میں احرار کی غلط روش پر دوسرے مسلمانوں کی طرف سے اعتراض ہونے پر انگریزی حکومت احرار کی سپر بن رہی ہے اور حکومت کے اعلیٰ افسر حکم دیتے ہیں کہ احرار کے جلسوں میں کوئی گڑبڑ پیدا نہ کی جاتے تو کیا اس بدیہی الانتاج منطقی شکل سے یہی نتیجہ نہیں نکلتا کہ مجلس احرار حکومت کا خود کاشتہ پودا ہے؟ جس کی آبیاری کرنا اور جسے صرصر حوادث سے بچانا حکومت اپنے ذمہ ہمت پر فرض سمجھتی ہے۔"

(روزنامہ زمیندار۔ ۳۱۔ اگست ۱۹۳۵ء)

۷۔ مولوی ظفر علی صاحب اپنے احباب کی ایک شاعرانہ مجلس کا تذکرہ لکھتے ہیں :۔

"ایک دوسرے صاحب نے فرمایا کہ احرار کے متعلق ایک شعر ضرور ہونا چاہیئے کیا آپ کو معلوم نہیں کہ احرار کی شریعت کے امیر مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے امروہہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سُوّر ہیں اور سُوّر کھانے والے ہیں"

اَوْکَمَا قَالَ۔ پھر میرٹھ میں مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی صدر مجلس احرار اس قدر جوش میں آئے کہ دانت پیستے جاتے تھے۔غصّے میں آکر ہونٹ چباتے جاتے تھے اور فرماتے جاتے تھے کہ:۔

"دس ہزار جینا اور شوکت اور ظفر جواہر لعل کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں"

اِس پر مَیں نے یاروں کی فرمائش یُوں پوری کی ؎

کیا کہوں آپ سے کیا ہیں احرار کوئی لُچّا ہے اور کوئی لُقّہ

("چمنستان" مجموعہ منظومات ظفر علی صاحب ص۱۶۵)

۸۔ گالیاں دے جُھوٹ بول احرار کی ٹولی میں مل
نکتہ یوں ہی ہو سکے گا حل سیاسیات کا (ایضاً ص۹۲)

۹۔ آج اسلام اگر ہند میں ہے خوار و ذلیل
تو یہ سب ذلت اسی طبقۂ غدار سے ہے (ایضاً ص۴)

۱۰۔ چمنستان صفحہ ۲۳۲ پر ظفر علی خاں لکھتے ہیں :۔

"مَیں نے صدر مجلس احرار سے دریافت کیا کہ بندہ پرور! آپ خاکساروں کے کیوں مخالف ہیں؟ پٹیل۔نہرو۔بوس۔گاندھی کے خلاف کیوں یلغار نہیں کرتے اس کے جواب میں صدر مجلس احرار کی زبان سے جن حقائق کا انکشاف فرمایا گیا ہے وہ آج بھی ملّت کو تفکّر و تدبّر کی دعوت دیتے ہیں"

مولانا ظفر علی خان فرماتے ہیں ؎

پَل رہے ہیں اُن کے چندوں پر مگر احرارِ ہند
پھر ہوں کیوں وہ اپنے ہی پروردگاروں کے خلاف (ایضاً ص۲۳۲)

نیز ؎
نرالی وضع کا مومن ہے طبقۂ احرار
کہ سر جُھکا ہوا مشرک کے آستاں پر ہے (ایضاً ص۱۶۸)

۱۱۔ تقسیم برّاعظم ہندو پاکستان کے موقعہ پر مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا اس میں ہمارے خون کا قطرہ قطرہ مجلس احرار اسلام اور اس کے زعماء کی بیدردی اور لاپرواہی کی داستان ہے ہمارے خون کی واحد ذمہ داری مجلس احرار کے سر ہے اور بس" (زمیندار ۳۱ جنوری ۱۹۴۸ء)

۱۲۔ خود مفکر احرار چوہدری افضل حق کہتے ہیں :۔

"باسی کڑھی کے اُبال کی طرح ہم اُٹھتے ہیں اور پیشاب کی جھاگ کی طرح بیٹھ جاتے ہیں"

(زمزم لاہور ۱۹ئ ۱۵)

۱۴۔ "مجلس احرار ٹھگوں کی ٹولی اور چوروں کی جمعیت ہے"۔ (اخبار احسان لاہور ۲۶/۲/۴۵)

۱۴۔ "احرار کے نام سے کسی کو منسوب کرنا ذلت اور تحقیر کے مترادف ہے"۔

(اخبار "نوجوان افغان" ہری پور (ہزارہ) ۱۷/۶/۴۷)

احراری لیڈروں کے اپنے اقوال

۱۔ قائداعظم کی نسبت

"مسٹر جناح نے ایک بے درد وحشت پسند کی طرح ہمارے درمیان ایک بم پھینکا ہے جس سے انتشار اور ابتری پیدا ہو گئی ہے حالانکہ آج متحدہ عمل (یعنی کانگرس اور ہندوؤں کے ساتھ اتحاد۔ ناقل) وقت کی سب سے بڑی ضرورت تھی۔ کٹر قوم پرست جناح اوّل درجہ کا فرقہ پرست بن چکا ہے ہمیں اس سوال پر اچھی طرح سوچ بچار کرنی چاہیئے۔ مسٹر جناح کی زیر قیادت مسلم لیگ نے تقسیم ہند کی جو قرارداد منظور کی ہے اُسے اگر کلیتہً شر انگیز نہیں کہا جا سکتا تو کم از کم اسے مصلحتِ وقت کے خلاف ضرور کہا جا سکتا ہے یہ اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ ہندوستانی سیاست ایک سخت مرض میں مبتلا ہے۔ جناح ایک ہوشیار سیاست دان ہے اور اُس نے ہندوستان کی دو بڑی قوموں کی چپقلش سے پورا فائدہ اُٹھایا ہے اور زخم پر پھاہا رکھنے کی بجائے خنجر سے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرنا مناسب سمجھا ہے"۔

{ "پاکستان اور اچھوت" مصنفہ مفکر احرار چوہدری افضل حق زیر عنوان "مسئلہ"
ص۵ شائع کردہ مکتبہ اُردو لاہور مرکنٹائل پریس لاہور }

۲۔ "گاندھی جناح سمجھوتہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ مہاتما گاندھی جتنا جھکتے جائیں گے۔ مسٹر جناح اپنے مطالبات کو زیادہ کرتے جائینگے۔ مسٹر جناح اُن کی مسلم لیگ اور مطالبۂ پاکستان۔ ہندوستان کی آزادی کی راہ میں ایک روڑا ہے کانگرس کے اثر اور بڑھتی ہوئی طاقت کو زائل کرنے کیلئے حکومتِ (انگریزی نے خود مسلم لیگ کو طاقت بخشی۔ لیگی وزارتیں مسٹر جناح اور آل انڈیا مسلم لیگ سب انگریز کے اشارے پر ناچ رہے ہیں۔ چونکہ انگریز ہندوستان کو کچھ دینا نہیں چاہتا۔ اس لئے مسٹر جناح نے اُن کے اشارے پر مطالبۂ پاکستان پیش کر دیا۔ دراصل پاکستان حاصل کرنے کے لئے مسٹر جناح نے مطالبۂ پاکستان پیش نہیں کیا یہ صرف ہندوستان کی غلامی کی زنجیروں کو اور مضبوط کرنے کے لئے پیش کیا گیا ہے اس لیے یہ ناممکن ہے کہ مسٹر جناح اور گاندھی جی میں صلح ہو جاتے"۔

(احراری لیڈروں سے نمائندہ پریس کا انٹرویو ملاپ جالندھر ۱۲ اگست سنہ ۱۹۴۲ء)

۳۔ "احرار اس پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں"۔ (تقریر چوہدری افضل حق یکم دسمبر سنہ ۱۹۴۱ء صدارتی خطبہ ڈسٹرکٹ احرار کانفرنس قصور۔ منقول از خطبات احرار ص۸۳ مطبوعہ بار اوّل سنہ ۱۹۴۴ء مرتبہ شورش کاشمیری)

۴۔ قائد اعظم کو احرار نے "کافر اعظم" اور دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا۔"

{ "حیات محمد علی جناح" مؤلفہ رئیس احمد جعفری ص۹۱ طبع بمبئی ۱۹۴۶ء اور مسٹر جناح کا اسلام ص۸ شائع کردہ جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام نیز ہفت روزہ چٹان لاہور مورخہ ۱۱/۶ }

۵۔ صدر مجلس احرار نے قیام پاکستان سے پہلے کہا:۔

"مسلم لیگ نے ہمیشہ آزادی کی راہ میں روڑے اٹکائے۔ ملک آزاد ہونے پر مسٹر جناح اور دوسرے لیگی لیڈروں پر مقدمہ چلایا جائیگا۔" (روزنامہ جنگ کراچی۔ استقلال نمبر ۴۹ء)

۶۔ "ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا نام نہاد رہنما ایک پارسی عورت کو حلقہ زوجیت میں لینے کے لئے حلفیہ اقرار نامہ کے ذریعہ مسلمان ہونے سے انکار کرتا ہے اور آج تک کلمہ توحید پڑھ کر مسلمان نہیں ہوا۔ لیکن پھر بھی مسلمانوں کا قائد اعظم۔"

(رسالہ مسٹر جناح کا اسلام ص۱ شائع کردہ جنرل سیکرٹری مجلس احرار اسلام و ہفت روزہ چٹان لاہور ۶ نومبر ۱۹۵۰ء)

۷۔ "ہم لیگ کو دام فرنگ سمجھ کر دُور ہی رہنا چاہتے ہیں۔" (خطبات احرار ص۲۲)

۸۔ "پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو ۱۹۴۰ء سے مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے۔" (احراری اخبار آزاد کا اداریہ ۹ نومبر ۴۹ء)

۹۔ "ہمیں پاکستان اور اکھنڈ ہندوستان کے دام فریب میں نہ پھنساؤ۔" (خطبات احرار ص۱۰ بار اول)

۱۰۔ "قومی بوجھ بجھکڑ ایسے حال میں شمالی ہند کو پاکستان بنا رہے ہیں۔" (" " ص۴۱)

۱۱۔ سیالکوٹ میں احراری امیر شریعت سے کسی نے سوال کیا کہ آپ لوگ قادیانیوں کے پیچھے تو لٹھ لئے پھرتے ہیں لیکن کیمونزم کے خلاف کیوں کچھ نہیں کہتے حالانکہ کیمونزم سراسر دہریت ہے تو اس سوال کا مندرجہ ذیل جواب احراری امیر شریعت نے دیا:۔

"کیمونزم کی ٹکر امپریلزم سے ہے کُفر کُفر سے لڑتا ہے اسلام سے اُس کا کیا مقابلہ اور مقابلہ تو تب ہو کہ اسلام کہیں موجود ہو؟ ہم نے اسلام کے نام سے جو کچھ اختیار کر رکھا ہے وہ تو صریح کُفر ہے ہمارے دل دین کی سمجھ سے عاری۔ ہماری آنکھیں بصیرت سے ناآشنا کان سچی بات سننے سے گریزاں

بیدلی ہائے تماشا کہ نہ عبرت ہے نہ ذوق بیکسی ہائے تمنا کہ نہ دُنیا ہے نہ دیں

مَیں کیمونزم سے کیوں ٹکراؤں؟ وہ کونسا اسلام ہے جس پر کیمونزم ضربیں لگا رہا ہے۔ ہمارا اسلام ۔

بُتوں سے تجھ کو تمنا خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟

یہ اسلام جو ہم نے اختیار کر رکھا ہے کیا یہی اسلام ہے جو نبی نے سکھلایا تھا۔ کیا ہماری رفتار۔ ہماری گفتار۔ کردار میں وہی دین ہے جو خدا نے نازل کیا تھا؟ ۔۔۔۔۔۔ مَیں کہتا ہوں کہ گورنری سے گداگری تک مجھے ایک بات ہی بتلاؤ جو کہ قرآن اور اسلام کے مطابق ہوتی ہو ۔۔۔۔ فکر کج۔ دماغ پریشان۔ احکام الٰہی سے انکار اور پھر اصرار۔ سکندر حیات نے کالرہ بل بنوایا کہ جائداد کا وارث بڑا لڑکا ہے اور لڑکیاں حصہ دار

نہیں قرآن کے ۱/۲ ۱ رکوع کے انکار کے باوجود بھی ہم مسلمان اور پھر اس اسلام کو کمیونزم سے خطرہ ؟ (لیکن بقول احراری مذکور اس اسلام کو احمدیت سے ضرور خطرہ ہے ؟ خادم) کاش اسلام کا کہیں نظارہ ہوتا کوئی بستی ہوتی جہاں اسلام بستا۔ ہمارا تو سارا نظام کفر ہے۔ قرآن کے مقابلہ میں ہم نے ابلیس کے دامن میں پناہ لے رکھی ہے قرآن صرف تعویذ کے لیے قسم کھانے کے لیے ہے۔"

(تقریر عطاء اللہ شاہ بخاری سیالکوٹ احرار کانفرنس منقول از "آزاد" (احراری اخبار) ۹، دسمبر ۱۹۴۹ء)

۱۲۔ "احراری امیر شریعت نے کہا کہ قائد اعظم سے ملاقات کی درخواست کرتے ہوئے میں نے "قائد اعظم کے جوتوں پر اپنی سفید داڑھی رکھی اور کہا میری ٹوپی لے جا کر ان کے قدموں میں رکھ دو" مگر قائد اعظم نے ملاقات کی اجازت نہ دی۔"
(احراری اخبار آزاد لاہور جلد ۷ ص۵۳ مورخہ ۱۴ /۴ /۴۹)

۱۳۔ "احرار اب تبلیغی جماعت ہے اس کا ملکی الیکشن یا سیاست سے کوئی تعلق نہیں مرزائیت کی تردید اور ختم نبوت کا بیان یہ ہمارا فرض تھا۔ ہم نے اپنے فرض کو چھوڑ کر سیاست کے کانٹوں کو ہاتھ میں لے لیا خدا نے ہمیں سزا دی اور الحمد للہ اب ہم سیاست سے تائب ہو چکے ہیں اور پھر اپنے اصل مقام پر آتے ہیں۔" (تقریر عطاء اللہ بخاری۔ لاہور کانفرنس آزاد ۳۰ اپریل ۱۹۵۰ء ص۵)

۱۴۔ لیکن :۔

"آج ہمارے ہاتھ اقتدار سے خالی اور ہمارے جیب و دامان اختیار سے تہی ہیں ..... ہم نے ٹھنڈے دل اور پر سکون دماغ سے غور کرنے کے بعد یہ فیصلہ کر لیا ہے کہ..... جس طبقہ جس پارٹی کے ہاتھ میں اقتدار ہے اس سے الجھا نہ جائے ..... ہم نے ایک شہری۔ ایک انسان ایک مسلمان اور ایک سیاسی گروپ کی حیثیت سے اپنے فرائض کو سمجھتے ہوئے فیصلہ کر دیا کہ برسر اقتدار پارٹی کے لئے سنگِ راہ نہ بنیں۔"

"ہم نے دسمبر ۱۹۴۸ء میں حزب مخالف بنانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ مگر اقتدار کی مسند پر بیٹھنے والے گروپ نے اسے درست نہ سمجھا..... اس لئے ہم نے فیصلہ کیا کہ اس رستہ کو ان کے لئے کھلا چھوڑ دیا جائے۔"

(تقریر احسان احمد شجاع آبادی احراری سیالکوٹ احرار کانفرنس آزاد لاہور ۹، دسمبر ۱۹۴۹ء)

۱۵۔ چوہدری افضل حق احراریوں کو یوں مخاطب کرتے ہیں :۔

"انتہا درجہ کے تنگ دل اور متعصب فرقہ پرست۔ تمہیں فرقہ پرست کہیں گے ان کی پرواہ نہ کرو۔ کتوں کو بھونکتا چھوڑ دو۔ کاروانِ احرار کو اپنی منزل کی طرف چلنے دو احرار کا وطن لیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں ہے۔"
(خطباتِ احرار ص۹۹ بار اول ۱۹۴۴ء)

۱۶۔ "سرمایہ دار نظام میں گھس کر کامیاب حملہ کیسا مشکل ہے ؟ باوجود اس کے کہ ہم نے لیگ میں دو دفعہ گھسنے کی کوشش کی۔ تاکہ اس پر قبضہ جمائیں دونوں دفعہ قاعدے اور قانون نئے بنا دیئے گئے۔ تاکہ ہم بیکار ہو جائیں۔"
(تقریر چوہدری افضل حق "خطباتِ احرار" ص۹۵ بار اول ۱۹۴۴ء)

۱۷۔ سید عطاء اللہ بخاری نے لیسرور کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے قائد اعظم کو مخاطب کر کے کہا۔

"تم کہتے ہو کہ ہم نے پاکستان بنانا ہے۔ مَیں کہتا ہوں کہ اب تک کسی ماں نے کوئی ایسا بچہ نہیں جنا جو پاکستان بنانا تو کجا پاکستان کی "پ" کا ایک نقطہ بھی بنا سکے"۔

(روزنامہ جدید نظام لاہور۔ استقلال نمبر ۱۹۵۰ء در رپورٹ تحقیقاتی عدالت اردو صفحہ ۲۷۴)

۱۸۔ مسلم لیگ حکومتِ انگریزی کا خود کاشتہ پودا:۔

"ہندوستان کے نام نہاد مسلمانوں کی راتیں عام مدتوں ان لوگوں (مسلم لیگ۔ خادم) کی طرف دار رہی جو بلحاظ ضمیر مردہ تھے اور بلحاظ ضمیر حکومتِ انگلشیہ کے خود کاشتہ پودے تھے"۔ (احرار آرگن اخبار "افضل" سہارنپور مورخہ ۵ ستمبر ۱۴)

سچ ہے بقول مولوی ظفر علی خان ؎

پنجاب کے احرار اسلام کے غدار

(زمیندار ۱۰ اگست ۱۹۳۵ء ٹائیٹل پیج)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب سے چند اقتباسات

۱۔ آریہ سماج کی ہلاکت کی پیشگوئی

۱۔ "اور یہ خیال مت کرو کہ آریہ یعنی ہندو دیانندی مذہب والے کچھ چیز ہیں وہ صرف اس زنبور کی طرح ہیں جس میں بجز نیش زنی کے اور کچھ نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ توحید کیا چیز ہے؟ اور رُوحانیت سے سراسر بے نصیب ہیں۔ عیب چینی کرنا اور خدا تعالیٰ کے پاک رسولوں کو گالیاں دینا ان کا کام ہے اور بڑا کمال ان کا یہی ہے کہ شیطانی وساوس سے اعتراضات کے ذخیرے جمع کر رہے ہیں۔ تقویٰ اور طہارت کی رُوح اُن میں نہیں۔ یاد رکھو کہ بغیر رُوحانیت کے کوئی مذہب چل نہیں سکتا اور مذہب بغیر رُوحانیت کے کچھ بھی چیز نہیں۔ جس مذہب میں رُوحانیت نہیں اور جس مذہب میں خدا کے ساتھ مکالمہ کا تعلق نہیں اور صدق و صفا کی رُوح نہیں اور آسمانی کشش اس کے ساتھ نہیں اور فوق العادت تبدیلی کا نمونہ اس کے پاس نہیں وہ مذہب مُردہ ہے۔ اس سے مت ڈرو۔ ابھی تم میں سے لاکھوں اور کروڑوں انسان زندہ ہوں گے کہ اس مذہب کو نابود ہوتے دیکھ لو گے۔ کیونکہ یہ مذہب آریہ کا زمین سے ہے نہ آسمان سے اور زمین کی باتیں پیش کرتا ہے نہ آسمان کی۔ پس تم خوش ہو اور خوشی سے اُچھلو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے"۔

("تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۵ صفحہ ۶۶ مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

زلازل کے متعلق عام پیشگوئی

"یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے پس یقیناً سمجھو کہ جیسا کہ پیشگوئی کے مطابق امریکہ میں زلزلے آئے ایسا ہی یورپ میں بھی آئے اور نیز ایشیا کے مختلف مقامات میں آئیں گے اور بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہونگے اور اس قدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اس موت سے پرند چرند بھی باہر نہیں ہونگے اور زمین پر اس قدر تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائیں گے، کہ گویا

ان میں کبھی آبادی نہ تھی اور اس کے ساتھ اور بھی آفاتِ زمین اور آسمان میں ہولناک صورت میں پیدا ہونگی یہانتک
ہر ایک عقلمند کی نظر میں وہ باتیں غیر معمولی ہو جائینگی۔ اور ہیئت و فلسفہ کی کتابوں کے کسی صفحہ پر ان کا پتہ نہیں
ملے گا۔ تب انسانوں میں اضطراب پیدا ہوگا کہ یہ کیا ہونے والا ہے؟ اور بہتیرے نجات پائیں گے اور بہتیرے
ہلاک ہو جائیں گے وہ دن نزدیک ہیں بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں کہ دُنیا ایک قیامت کا نظارہ
دیکھے گی اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہونگی۔ کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے یہ
اس لیے کہ نوعِ انسان نے خدا کی پرستش چھوڑ دی ہے اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دُنیا
پر ہی گر گئے ہیں اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی۔ پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب
کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے۔ جیسا کہ خدا نے فرمایا ہے وَمَا كُنَّا
مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل : ۱۶) اور توبہ کرنے والے امان پائیں گے اور وہ جو
بلا سے پہلے ڈرتے ہیں ان پر رحم کیا جائے گا۔ کیا تم خیال کرتے ہو کہ تم ان زلزلوں سے امن میں رہو گے یا تم
اپنی تدبیروں سے اپنے تئیں بچا سکتے ہو؟ ہرگز نہیں۔ انسانی کاموں کا اس دن خاتمہ ہوگا یہ خیال مت کرو کہ
امریکہ وغیرہ میں سخت زلزلے آئے اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید ان سے
زیادہ مصیبت کا منہ دیکھو گے۔

اے یورپ! تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا! تو بھی محفوظ نہیں اور اے جزائر کے رہنے والو!
کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں
وہ واحد یگانہ ایک مدت تک خاموش رہا اور اس کی آنکھوں کے سامنے مکروہ کام کئے گئے اور وہ چُپ رہا
مگر اب وہ ہیبت کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائیگا جس کے کان سُننے کے ہوں سُنے کہ وہ وقت دُور نہیں۔ میں
نے کوشش کی کہ خدا کی امان کے نیچے سب کو جمع کروں پر ضرور تھا کہ تقدیر کے نوشتے پورے ہوتے۔ میں
سچ سچ کہتا ہوں کہ اس ملک کی نوبت بھی قریب آتی جاتی ہے۔ نوحؑ کا زمانہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آ
جائے گا اور لوطؑ کی زمین کا واقعہ تم بچشم خود دیکھ لوگے۔ مگر خدا غضب میں دھیما ہے۔ توبہ کرو۔ تا کہ تم پر رحم کیا
جائے جو خدا کو چھوڑتا ہے وہ ایک کیڑا ہے۔ نہ کہ آدمی۔ اور جو اس سے نہیں ڈرتا وہ مُردہ ہے نہ کہ زندہ۔"
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۶، ۲۵۷)

عالمگیر جنگ ۲ و ۳ کی پیشگوئی

"ایسا ہی یاجوج ماجوج کا حال بھی سمجھ لیجئے! یہ
دونوں پُرانی قومیں ہیں جو پہلے زمانوں میں کُھلے طور پر غالب نہیں ہو سکیں اور ان کی حالت میں ضعف رہا لیکن
خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ آخری زمانہ میں یہ دونوں قومیں خروج کرینگی یعنی اپنی جلالی قوت کے ساتھ خروج کرینگی
جیسا کہ سورۃ کہف آیت ۱۰۰ میں فرماتا ہے" وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ یعنی یہ
دونوں قومیں دوسروں کو مغلوب کر کے پھر ایک دوسرے پر حملہ کریں گی۔ اور جس کو خدا تعالیٰ چاہے گا فتح دیگا
چونکہ ان دونوں قوموں سے مراد انگریز اور روس ہیں اس لیے ہر ایک سعادت مند مسلمان کو دُعا کرنی چاہیئے کہ
اُس وقت انگریزوں کی فتح ہو۔" (ازالہ اوہام مطبوعہ ۱۸۹۱ء حصہ دوم صفحہ ۵۰۸، ۵۰۹)

۱- "ہر ایک قوم اپنے مذہب کی حمایت میں اُٹھے گی اور جس طرح ایک موج دوسری موج پر پڑتی ہے ایک دوسرے پر حملہ کریں گے اتنے میں آسمان پر قرنا پھونکی جاتے گی یعنی آسمان کا خدا مسیح موعود کو مبعوث فرما کر ایک تیسری قوم کو پیدا کر دیگا اور ان کی مدد کیلئے بڑے بڑے نشان دکھلائے گا۔ یہاں تک کہ تمام سعید لوگوں کو ایک مذہب یعنی اسلام پر جمع کر دیگا۔ اور وہ مسیح کی آواز سنیں گے اور اس کی طرف دوڑیں گے تب ایک ہی چوپان اور ایک ہی گلہ ہوگا اور وہ دن بڑے سخت ہوں گے اور خدا ہیبت ناک نشانوں کے ساتھ اپنا چہرہ دکھلائیگا۔"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۸۲، ۸۳ و ۹۶)

مسئلہ وفاتِ مسیح کے متعلق پیشگوئی :- "ہر ایک مخالف یقین رکھے کہ اپنے وقت پر وہ جان کندن کی حالت تک پہنچے گا اور مرے گا مگر حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا یہ بھی میری ایک پیشگوئی ہے جس کی سچائی کا ہر ایک مخالف اپنے مرنے کے وقت گواہ ہو گا جس قدر مولوی اور مُلّاں ہیں اور ہر ایک اہلِ عناد جو میرے مخالف کچھ لکھتا ہے وہ سب یاد رکھیں کہ اس اُمید سے وہ نامراد مریں گے کہ حضرت عیسیٰ کو آسمان سے اُترتے دیکھ لیں وہ ہرگز ان کو اُترتے نہیں دیکھیں گے یہاں تک کہ بیمار ہو کر غرغرہ کی حالت تک پہنچ جائیں گے اور نہایت تلخی سے اس دُنیا کو چھوڑیں گے کیا یہ پیش گوئی نہیں۔ کیا وہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ پوری نہیں ہو گی؟ ضرور پوری ہو گی۔ پھر اگر ان کی اولاد ہو گی تو وہ بھی یاد رکھیں کہ اس طرح وہ بھی نامراد مریں گے اور کوئی شخص آسمان سے نہیں اُترے گا اور اگر پھر اولاد کی اولاد ہو گی تو وہ بھی اس نامرادی سے حصہ لیں گے اور کوئی ان میں سے حضرت عیسیٰؑ کو آسمان سے اُترتے نہیں دیکھے گا۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۱۹۵)

ذاتی تجربہ "چونکہ ہر ایک شخص کی حالت ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اس لئے ہم اپنے ذاتی تجربہ کی بنا پر کہہ سکتے ہیں کہ جن لوگوں نے ہمارے مقابل پر تقویٰ کو ضائع کیا اور راستی سے دشمنی کی۔ وہ نہایت خطرناک حالت میں ہیں اور اگر وہ اس بدسیرت میں اور بھی ترقی کریں اور رفتہ رفتہ کھلے کھلے طور پر قرآن مجید سے مُنہ پھیر لیں تو اُن سے کیا تعجب ہے۔"

(ایام الصلح صفحہ ۸۳، ۸۴ و ایڈیشن ۱۳۴۹ھ صفحہ ۹۲)

اہلبیت حضرت مسیح موعودؑ کی پاکیزگی د:- "سو چونکہ خدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا اور اس میں سے وہ شخص پیدا کریگا جو آسمانی رُوح اپنے اندر رکھتا ہو گا اس لئے اس نے پسند کیا کہ اس خاندان (خاندان میر ناصر نواب صاحب) کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے دُنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلا دے اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہر بانو تھا اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہو گی اس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے یہ تفاؤل کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان

کی مدد کے نیے میرے آیندہ خاندان کی بنیاد ڈالی ہے یہ خدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اس کی پیش گوئی مخفی ہوتی ہے۔"

(تریاق القلوب تقطیع کلاں ص۶۵ و نزول المسیح ص۱۴۷)

ب:۔ "مجھے اس الہام میں ایک نئی بیوی کا وعدہ دیا اور اس الہام میں اشارہ کیا کہ وہ تیرے لیے مُبارک ہوگی۔ اور تو اُس کے لیے مُبارک ہوگا۔ اور مریمؑ کی طرح اُس سے تجھے پاک اولاد دی جائے گی۔ سو جیسا کہ وعدہ دیا گیا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا۔" (تریاق القلوب تقطیع کلاں ص۳۴ و خورد ص۱۴۱)

ج:۔ "یاد رہے کہ یہ شخص (بٹالوی) بدگوئی میں حد سے بڑھ گیا تھا جس شخص کو اس کی گندی تحریروں پر علم ہوگا جو میری نسبت اور میرے اہلِ بیت آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت اس شیخ بے ادب تیز مزاج نے سراسر ظلم اور ناحق پسندی کی خصلت سے اشاعت السنہ میں شائع کی ہیں۔۔۔۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ہر ایک شریف جس کی فطرت میں نقص نہ ہو اور جس کے نیک گوہر میں کوئی کھوٹ نہ ہو اور جس کے نجیب الطرفین ہونے میں کچھ خلل نہ ہو وہ کبھی اس بات پر راضی نہیں ہوگا کہ معزز شرفاء کے بارے میں اور سادات کی شان میں اور ان پاکدامن خاتونوں کی نسبت جو خاندان نبوت میں سے اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں ایسی گندی گالیاں اور ناپاکی سے بھرے افتراء مُنہ پر لاوے۔"

(تریاق القلوب تقطیع کلاں ص۸)

د:۔ "جن عظیم الشان لوگوں کو بڑے بڑے عظیم ذمہ واریوں کے کام ملتے ہیں اور بعض اوقات خدا تعالیٰ سے حکم پاکر خضر کی طرح ایسے کام بھی ان کو کرنے پڑتے ہیں جن سے ایک کوتہ بین شخص کی نظر میں وہ بعض اخلاقی حالتوں میں یا معاشرتی طریقوں میں قابلِ ملامت ٹھہرتے ہیں۔ ان کے دشمنوں کی باتوں کی طرف دیکھ کر ہرگز بدظن نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ اندھے دشمنوں نے کسی نبی اور رسول کو اپنی نکتہ چینی سے مستثنیٰ نہیں رکھا۔ مثلاً وہ موسیٰ مردِ خدا جس کی نسبت توراۃ میں آیا ہے کہ وہ زمین کے تمام باشندوں سے زیادہ تر حلیم اور امین ہے مخالفوں نے اس پر یہ اعتراض کئے کہ گویا وہ نعوذ باللہ نہایت درجہ کا سخت دل اور خونی انسان تھا۔۔۔۔ ایسا ہی حضرت مسیحؑ پر بھی ان کے دشمنوں نے اعتراض کیا ہے کہ وہ تقویٰ کے پابند نہ تھے۔۔۔۔ ایسا ہی عیسائیوں نے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت اور تقویٰ اور امانت پر اعتراض کئے ہیں۔۔۔۔ اور ایسا ہی روافض نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی عفت اور امانت اور دیانت اور عدالت پر انواع واقسام کے عیب لگائے ہیں۔۔۔۔ اور ایسا ہی خوارج حضرت علیؓ کو فاسق قرار دیتے ہیں۔ تو اس جگہ طبعاً یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جبکہ صدیق کے لیے تقویٰ اور امانت اور دیانت شرط ہے تو۔۔۔ کیوں خدا نے ان کے حالات کو عوام کی نظر میں مشتبہ کر دیا۔۔۔۔ حالانکہ دُنیا میں بہت سے ایسے لوگ بھی پائے جاتے ہیں کہ نہ رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں نہ نبی ہونے کا۔ اور نہ اپنے تئیں ولی اور امام اور خلیفۃ المسلمین کہلاتے ہیں۔ لیکن بایں ہمہ کوئی اعتراض ان کے چال چلن اور زندگی پر نہیں ہوتا تو اس سوال کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے ایسا کیا کہ تا اپنے خاص مقبولوں اور محبوبوں کو بدبخت شتابکاروں سے جن کی عادت بدگمانی ہے مخفی

رکھے. جیساکہ تو دوجود اُمکا اِس قسم کی بدظنی کرنے والوں سے مخفی ہے..... وہ قصہ جو قرآن شریف میں حضرت آدم صفی اللہ کی نسبت مذکور ہے..... اپنے اندر یہ پیشگوئی مخفی رکھتا ہے کہ اہل کمال کی ہمیشہ نکتہ چینی ہوا کریگی. خدا تعالیٰ نے اسی غرض سے خضر کا قصہ بھی قرآن شریف میں لکھا ہے. تا لوگوں کو معلوم ہو کہ ایک شخص ناحق خون کرکے اور تیمیوں کے مال کو عمداً نقصان پہنچا کر پھر خدا تعالیٰ کے نزدیک بزرگ اور برگزیدہ ہے. ہاں اس سوال کا جواب دینا باقی رہا. اس طرح بد امان اُٹھ جاتا ہے اور شریر انسانوں کے لیے ایک بہانہ ہاتھ آجاتا ہے..... اس اشکال کا جواب یہی ہے کہ ایسے اعتراضات صرف بدظنی سے پیدا ہوتے ہیں اگر کوئی حق کا طالب اور متقی طبع ہے تو اس کے لئے مناسب طریق یہ ہے کہ ان کاموں پر اپنی رائے ظاہر نہ کرے جو متشابہات میں سے اور بطور شاذ و نادر ہیں کیونکہ شاذ و نادر میں کئی وجوہ پیدا ہو سکتے ہیں..... اور نہیں جانتے کہ یہ متشابہات کا پہلو جو شاذ و نادر کے طور پر پاک لوگوں میں پایا جاتا ہے یہ شریر انسانوں کے امتحان کے لیے رکھا گیا ہے اگر خدا تعالیٰ چاہتا تو اپنے پاک بندوں کا طریق اور عمل ہر ایک پہلو سے ایسا صاف اور روشن دکھلاتا کہ شریر انسان کو اعتراض کی گنجائش نہ ہوتی. مگر خدا تعالیٰ نے ایسا نہ کیا تا وہ خبیث طبع انسانوں کا خبث ظاہر کرے. نبیوں اور رسولوں اور اولیاء کے کارناموں میں ہزارہا نمونے ان کی تقویٰ اور طہارت اور امانت اور دیانت اور صدق اور پاس عہد کے ہوتے ہیں اور خود خدا تعالےٰ کی تائیدات ان کی پاک باطنی کی گواہ ہوتی ہیں لیکن شریر انسان ان نمونوں کو نہیں دیکھتا اور بدی کی تلاش میں رہتا ہے آخر..... ہلاکت کی راہ اختیار کرکے جہنم میں جاتا ہے"

(تریاق القلوب حاشیہ صـ۱۲۴ تا صـ۱۲۶ تقطیع کلاں و صـ۲۴۹ صـ۲۵۲ تقطیع خورد)

ھ:- اس اندھی دُنیا میں جس قدر خدا کے ماموروں اور نبیوں اور رسولوں کی نسبت نکتہ چینیاں ہوتی ہیں اور جس قدر ان کی شان اور اعمال کی نسبت اعتراض اور بدگمانیاں ہوتی ہیں..... وہ دنیا میں کسی کی نسبت نہیں ہوتی اور خدا نے ایسا ہی ارادہ کیا ہے تا ان کو بدبخت لوگوں کی نظر سے مخفی رکھے اور وہ ان کی نظر میں جائے اعتراض ٹھہر جائیں. کیونکہ وہ ایک دولت عظمیٰ ہیں اور دولت عظمیٰ کو نا اہلوں سے پوشیدہ رکھنا بہتر ہے اسی وجہ سے خدا تعالیٰ ان کو جو شقی ازلی ہیں. اس برگزیدہ گروہ کی نسبت طرح طرح کے شبہات ڈال دیتا ہے. تا وہ دولت قبول سے محروم رہ جائیں. یہ سنت اللہ ان لوگوں کی نسبت ہے جو خدا تعالیٰ کی طرف سے امام اور رسول اور نبی ہوکر آتے ہیں..... پس چونکہ تہمتوں کا معقول طور پر جواب دینا ایک نظری امر تھا اور نظری امور کا فیصلہ مشکل ہوتا ہے اور تاریک طبع لوگ اس سے تسلی نہیں پکڑتے. اس لئے خدا تعالیٰ نے نظری راہ کو اختیار نہیں کیا اور نشانوں کی راہ اختیار کی اور اپنے نبیوں کی بریت کیلئے اپنے تائیدی نشانوں اور عظیم الشان نصرتوں کو کافی سمجھا کیونکہ ہر ایک غبی اور پلید بھی بآسانی سمجھ سکتا ہے کہ اگر وہ نعوذ باللہ ایسے ہی نفسانی آدمی اور مفتری اور ناپاک طبع ہوتے تو ممکن نہ تھا کہ ان کی نصرت کے لئے ایسے بڑے بڑے نشان دکھلائے جاتے"

(براہین احمدیہ حصہ پنجم صـ۸)

و:- "حضرت موسیٰ پر بھی زنا کی تہمت لگی تھی"

(تریاق القلوب طبع اوّل صـ۹۸ حاشیہ و طبع ثانی صـ۱۹۱ حاشیہ)

"حضرت موسیٰ پر الزام لگانے والے بنی اسرائیل ہی تھے"۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۹۶)

کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائینگے

ز:۔"مَیں دیکھتا ہوں کہ ابھی تک ظاہری بیعت کرنے والے بہت ایسے ہیں کہ نیک ظنی کا مادہ بھی ہنوز اُن میں کامل نہیں اور ایک کمزور بچہ کی طرح ہر ایک ابتلاء کے وقت ٹھوکر کھاتے ہیں اور بعض بدقسمت ایسے ہیں کہ شریر لوگوں کی باتوں سے جلد متاثر ہو جاتے ہیں اور بدگمانی کی طرف ایسے دوڑتے ہیں جیسے کُتا مُردار کی طرف۔ پس میں کیونکر کہوں کہ وہ حقیقی طور پر بیعت میں داخل ہیں مجھے وقتاً فوقتاً ایسے آدمیوں کا علم بھی دیا جاتا ہے۔ مگر اذن نہیں دیا جاتا کہ ان کو مطلع کروں کئی چھوٹے ہیں جو بڑے کئے جائینگے اور کئی بڑے ہیں جو چھوٹے کئے جائیں گے۔ پس مقام خوف ہے"۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۸۵)

ح:۔ مولوی محمد علی صاحب کو رؤیا میں کہا:

"آپ بھی صالح تھے اور نیک ارادے رکھتے تھے آؤ ہمارے ساتھ بیٹھ جاؤ"۔

(بدر جلد ۳ نمبر ۲۹ ص۴ یکم اگست ۱۹۰۴ء۔ تذکرہ ایڈیشن چہارم ص۵۱۸)

ط:۔"آپ کے ساتھ انگریزوں کا نرمی کے ساتھ ہاتھ تھا اسی طرف خدا تعالیٰ تھا جو آپ تھے۔ آسمان پر دیکھنے والوں کو ایک رائی برابر غم نہیں ہوتا"۔ (اربعین نمبر ۲ ص۳۵ و تذکرہ ص۳۷۱)

مخالفین سے خطاب اور اپنے دعویٰ پر استقامت

ا:۔"ٹھٹھا کرو جس قدر چاہو۔ گالیاں دو جس قدر چاہو اور ایذاء اور تکلیف دہی کے منصوبے سوچو جس قدر چاہو اور میرے استیصال کے لیے ہر قسم کی تدبیریں اور مکر سوچو۔ جس قدر چاہو۔ پھر یاد رکھو کہ عنقریب خدا تمہیں دکھلا دیگا کہ اُس کا ہاتھ غالب ہے"۔

(اربعین نمبر ۴ ص ۔ و ضمیمہ تحفہ گولڑویہ ص۱۱)

ب:۔"دُنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے یہ ان لوگوں کی غلطی ہے اور سراسر بدقسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ مَیں وہ درخت ہوں جس کو مالکِ حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے...... اے لوگو! تم یقیناً سمجھ لو کہ میرے ساتھ وہ ہاتھ ہے جو اخیر وقت تک مجھ سے وفا کریگا اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کیلئے دُعائیں کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گھس جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں۔ تب بھی خدا ہرگز تمہاری دُعا نہیں سُنے گا اور نہیں رُکے گا جب تک کہ وہ اپنے کام کو پورا نہ کرلے..... پس اپنی جانوں پر ظلم مت کرو۔ کاذبوں کے اور مُنہ ہوتے ہیں اور صادقوں کے اور۔ خُدا کسی امر کو فیصلہ کے بغیر نہیں چھوڑتا..... جس طرح خدا نے پہلے ماموریں اور منکرین میں آخر ایک دن فیصلہ کر دیا۔ اسی طرح وہ اِس وقت بھی فیصلہ کریگا۔ خدا کے ماموریں کے

آنے کے لیے بھی ایک موسم ہوتے ہیں اور پھر جانے کے لیے بھی ایک موسم۔ پس یقیناً سمجھو کہ میں نہ بے موسم آیا ہوں اور نہ بے موسم جاؤں گا خدا سے مت لڑو! یہ تمہارا کام نہیں کہ مجھے تباہ کر دو۔"

(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۸، ۹)

ج ۱۔ "مخالف لوگ عبث میں اپنے تئیں تباہ کر رہے ہیں میں وہ پودا نہیں ہوں کہ ان کے ہاتھ سے اُکھڑ سکوں۔ اگر ان کے پہلے اور ان کے پچھلے اور ان کے زندے اور ان کے مُردے تمام جمع ہو جائیں اور میرے مارنے کے لیے دُعائیں کریں تو میرا خدا اُن تمام دُعاؤں کو لعنت کی شکل میں بنا کر ان کے مُنہ پر ماریگا۔ دیکھو صدہا دانشمند آدمی آپ لوگوں کی جماعت میں سے نکل کر ہماری جماعت سے ملتے جاتے ہیں۔ آسمان پر ایک شور برپا ہے اور فرشتے پاک دلوں کو کھینچ کر اس طرف لا رہے ہیں اب اس آسمانی کارروائی کو کیا انسان روک سکتا ہے بھلا اگر کچھ طاقت ہے تو روکو۔ وہ تمام مکر و فریب جو نبیوں کے مخالف کرتے رہے ہیں وہ سب کرو اور کوئی تدبیر اُٹھا نہ رکھو ناخنوں تک زور لگاؤ۔ اتنی بد دُعائیں کرو۔ کہ موت تک پہنچ جاؤ پھر دیکھو کہ کیا بگاڑ سکتے ہو؟ خدا کے آسمانی نشان بارش کی طرح برس رہے ہیں مگر بدقسمت انسان دُور سے اعتراض کرتے ہیں۔ جن دلوں پر مہریں ہیں ان کا ہم کیا علاج کریں؟ اے خُدا! تو اِس اُمت پر رحم کر۔"

(ضمیمہ اربعین ۳-۴ ص بعنوان "دردِ دل سے ایک دعوت قوم کو"۔)

د ۱۔ "اگرچہ ایک فرد بھی ساتھ نہ رہے اور سب چھوڑ چھاڑ کر اپنا اپنا راہ لیں۔ تب بھی مجھے کچھ خوف نہیں۔ مَیں جانتا ہوں کہ خدا تعالیٰ میرے ساتھ ہے اگر مَیں پیسا جاؤں اور کُچلا جاؤں اور ایک ذرّے سے بھی حقیر تر ہو جاؤں اور ہر ایک طرف سے ایذاء اور گالی اور لعنت دیکھوں تب بھی مَیں آخر فتحیاب ہوں گا۔ مجھ کو کوئی نہیں جانتا مگر وہ جو میرے ساتھ ہے مَیں ہرگز ضائع نہیں ہو سکتا۔ دشمنوں کی کوششیں عبث ہیں اور حاسدوں کے منصوبے لاحاصل ہیں۔

اے نادانو! اور اندھو! مجھ سے پہلے کون صادق ضائع ہوا جو مَیں ضائع ہو جاؤں گا۔ کس سچے وفادار کو خدا نے ذلّت کے ساتھ ہلاک کر دیا۔ جو مجھے ہلاک کرے گا؟ یقیناً یاد رکھو اور کان کھول کر سُنو کہ میری رُوح ہلاک ہونے والی روح نہیں۔ اور میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں مجھے وہ ہمّت اور صدق بخشا گیا ہے جس کے آگے پہاڑ ہیچ ہیں مَیں کسی کی پرواہ نہیں کرتا۔ مَیں اکیلا تھا اور اکیلا رہنے پر ناراض نہیں، کیا خُدا مجھے چھوڑ دیگا کبھی نہیں چھوڑے گا۔ کیا وہ مجھے ضائع کر دیگا؟ کبھی نہیں ضائع کریگا دشمن ذلیل ہوں گے اور حاسد شرمندہ! اور خدا اپنے بندے کو ہر میدان میں فتح دیگا۔ مَیں اس کے ساتھ وہ میرے ساتھ ہے۔ کوئی چیز ہمارا پیوند توڑ نہیں سکتی اور مجھے اُس کی عزت اور جلال کی قسم ہے کہ مجھے دنیا اور آخرت میں اِس سے زیادہ کوئی چیز بھی پیاری نہیں کہ اُس کے دین کی عظمت ظاہر ہو اُس کا جلال چمکے اور اُس کا بول بالا ہو۔ کسی ابتلا سے اُس کے فضل کے ساتھ مجھے خوف نہیں۔ اگرچہ ایک ابتلا نہیں کروڑ ابتلا۔ ہوں۔ ابتلاؤں کے میدان میں اور دکھوں کے جنگل میں مجھے طاقت دی گئی ہے ؎

من نہ آنستم کہ روزِ جنگ بینی پُشت من
آں منم کاندر میانِ خاک وخوں بینی سرے

پس اگر کوئی میرے قدم پر چلنا نہیں چاہتا تو مجھ سے الگ ہو جائے مجھے کیا معلوم ہے کہ ابھی کون کون سے ہولناک جنگل اور پُرخار بادیہ درپیش ہیں۔ جن کو مَیں نے طے کرنا ہے پس جن لوگوں کے نازک پَیر ہیں وہ کیوں میرے ساتھ مصیبت اُٹھاتے ہیں جو میرے ہیں وہ مجھ سے جُدا نہیں ہو سکتے نہ مصیبت سے نہ لوگوں کے سَبّ وشتم سے نہ آسمانی ابتلاؤں اور آزمائشوں سے اور جو میرے نہیں وہ عبث دوستی کا دم مارتے ہیں۔ کیونکہ وہ عنقریب الگ کئے جائیں گے اور اُن کا پچھلا حال ان کے پہلے سے بدتر ہوگا کیا ہم زلزلوں سے ڈر سکتے ہیں؟ کیا ہم اپنے پیارے خدا کی کسی آزمائش سے جُدا ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں ہو سکتے مگر محض اُس کے فضل اور رحمت سے پس جو جُدا ہونے والے ہیں جُدا ہو جائیں۔ ان کو وداع کا سلام!" (انوار الاسلام صفحہ ۲۱، ۲۲)

ھ:۔ "ہائے یہ قوم نہیں سوچتی کہ اگر یہ کاروبار خدا کی طرف سے نہیں تھا تو کیوں عین صدی کے سر پر اس کی بنیاد ڈالی گئی اور پھر کوئی بتلا نہ سکا۔ کہ تم جھوٹے ہو اور سچا فلاں آدمی ہے"
(اربعین ۲ صفحہ ۲)

و:۔ "مجھے اس خدائے کریم وعزیز کی قسم ہے جو جھوٹ کا دشمن اور مفتری کا نیست ونابود کرنے والا ہے کہ مَیں اُس کی طرف سے ہوں اور اس کے بھیجنے سے عین وقت پر آیا ہوں اور اُس کے حکم سے کھڑا ہوا ہوں اور وہ میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے اور وہ مجھے ضائع نہیں کریگا اور نہ میری جماعت کو تباہی میں ڈالے گا جب تک وہ اپنا تمام کام پورا نہ کرلے جس کا اُس نے ارادہ کیا ہے"

(اربعین ۲ صفحہ ۲)

"یہ سلسلہ آسمان سے قائم ہوا ہے۔ تم خدا سے مت لڑو تم اس کو نابود نہیں کر سکتے اِس کا ہمیشہ بول بالا ہے۔۔۔۔۔ اپنے نفسوں پر ظلم مت کرو اور اس سلسلہ کو بے قدری سے نہ دیکھو جو خدا کی طرف سے تمہاری اصلاح کے لیے پیدا ہوا۔ اور یقیناً سمجھو کہ اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا اور کوئی پوشیدہ ہاتھ اس کے ساتھ نہ ہوتا تو یہ سلسلہ کب کا تباہ ہو جاتا اور ایسا مفتری ایسی جلدی ہلاک ہو جاتا کہ اب اُسکی ہڈیوں کا بھی پتہ نہ ملتا۔ سو اپنی مخالفت کے کاروبار میں نظر ثانی کرو۔ کم سے کم یہ تو سوچو کہ شاید غلطی ہو گئی ہو اور شاید یہ لڑائی تمہاری خدا سے ہو" (اربعین ۴ صفحہ ۲۱)

"اگر یہ علماء موجود نہ ہوتے تو اب تک تمام باشندے اِس مُلک کے جو مسلمان کہلاتے ہیں سب مجھے قبول کر لیتے۔ پس تمام منکروں کا گناہ اِن لوگوں کی گردن پر ہے یہ لوگ راستبازی کے محل میں نہ تو خود داخل ہوتے ہیں نہ کم فہم لوگوں کو داخل ہونے دیتے ہیں۔ کیا کیا مکر ہیں جو کر رہے ہیں اور کیا کیا منصوبے ہیں جو اندر ہی اندر ان کے گھروں میں ہو رہے ہیں۔ مگر کیا وہ خدا پر غالب آجائیں گے اور کیا وہ اس قادرِ مطلق کے ارادہ کو روک دیں گے۔ جو تمام نبیوں کی زبانی ظاہر کیا گیا ہے؟ وہ اس ملک کے شریر امیروں اور بدقسمت

دولتمند دُنیا داروں پر بھروسہ رکھتے ہیں مگر خدا کی نظر میں وہ کیا ہیں؟ صرف ایک مرے ہوئے کیڑے۔"
(تذکرۃ الشہادتین ص۶۴)

"مجھے ایسی حالت سے ہزار دفعہ مرنا بہتر ہے کہ وہ جو اپنے حُسن وجمال کے ساتھ میرے پر ظاہر ہوا ہے، مَیں اُس سے برگشتہ ہو جاؤں یہ دُنیا کی زندگی کب تک اور یہ دُنیا کے لوگ مجھ سے کیا وفاداری کریں گے تا مَیں اِن کے لیے اُس یارِ عزیز کو چھوڑ دوں۔..... مجھے ڈراتے ہیں اور دھمکیاں دیتے ہیں، لیکن مجھے اُسی عزیز کی قسم ہے جس کو مَیں نے شناخت کر لیا ہے کہ مَیں اِن لوگوں کی دھمکیوں کو کچھ بھی چیز نہیں سمجھتا۔ مجھے اُس کے ساتھ غم بہتر ہے۔ بہ نسبت اس کے کہ دوسرے کے ساتھ خوشی ہو مجھے اُس کے ساتھ موت بہتر ہے۔ بہ نسبت اِس کے کہ اُس کو چھوڑ کر لمبی عمر ہو۔ جس طرح آپ لوگ دن کو دیکھ کر رات نہیں کہہ سکتے اسی طرح وہ نُور جو مجھے دکھایا گیا۔ مَیں اُس کو تاریکی نہیں خیال کر سکتا۔"

(براہینِ احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۰)

"مخالف چاہتے ہیں کہ مَیں نابود ہو جاؤں اور اُن کا کوئی ایسا داؤ چل جائے کہ میرا نام ونشان نہ رہے مگر وہ اِن خواہشوں میں نامُراد رہیں گے اور نامرادی میں مریں گے اور بہتیرے ان میں سے ہمارے دیکھتے دیکھتے مر گئے اور قبروں میں حسرتیں لے گئے مگر خدا میری تمام مرادیں پُوری کریگا۔ یہ نادان نہیں جانتے کہ جب میں اپنی طرف سے نہیں۔ بلکہ خدا کی طرف سے اس جنگ میں مشغول ہوں تو مَیں کیوں ضائع ہونے لگا اور کون ہے جو مجھے نقصان پہنچا سکے۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۵)

حضرات انبیاء علیہم السّلام پر غیر احمدی علماء کے بہتانات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تو یہ لوگ دشمن ہیں اس لئے اگر ان کے متعلق قابلِ شرم باتیں کہیں تو معذور ہیں۔ مگر اُن انبیاءؑ کی نسبت بھی جن کو یہ خود مانتے ہیں یہ لوگ شرارت سے باز نہیں آتے۔ یہاں تک کہ تمام نبیوں کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جن کی اُمت ہونے کا دعویٰ کرتے اور جن کا کلمہ پڑھتے ہیں اُن پر بھی الزامات لگاتے وقت انہیں شرم نہیں آتی۔

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کے تین جھوٹ

اس کا ذکر کذبات میں آچکا ہے "لَمْ يَكْذِبْ اِبْرَاهِيْمُ فِيْ شَيْءٍ قَطُّ اِلَّا فِيْ ثَلَاثٍ" هٰذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ

(ترمذی جلد ۲ ص۱۳۶ مجتبائی۔ نیز مطبع احمدی ترمذی جلد ۲ ص۱۶۳ و بخاری جلد ۲ ص۱۳۶ مطبوعہ مجتبائی)

یعنی حضرت ابراہیمؑ نے صرف تین جھوٹ بولے!

۲۔ حضرتِ آدم علیہ السلام

حضرت آدم علیہ السلام نے شرک کیا (تفسیر محمدی زیرِ آیت فَلَمَّا اٰتٰهُمَا اعراف: ۱۹۱ جلالین و معالم التنزیل)

"جب حوّا علیہا السلام حاملہ ہوئیں۔ تو ابلیس ایک نامعلوم صورت پر حوّا علیہا السلام کے سامنے ظاہر ہوا اور بولا۔ کہ تیرے پیٹ میں کیا چیز ہے حوّا علیہا السلام بولیں کہ مجھے نہیں معلوم۔ ابلیس نے کہا۔ شاید منہ

یا کان یا نتھنے سے نکلے یا تیرا پیٹ پھاڑ کر نکالیں۔ حضرت حوّا ڈریں اور یہ ماجرا حضرت آدم علیہ السلام سے بیان کیا۔ حضرت آدم علیہ السلام بھی خوفزدہ ہوئے پھر ابلیس دوسری صورت پر ان کے سامنے ظاہر ہوا، اور ان کے رنج کا سبب پوچھا۔ ان دونوں نے حال بیان کیا۔ ابلیس بولا کہ رنج نہ کرو۔ میں اسم اعظم جانتا ہوں اور مستجاب الدعوات ہوں خدا سے دُعا کرتا ہوں کہ اس حمل کو تمہارے مثل خوبصورت اور درست خلقت کرے اور آسانی کے ساتھ یہ تیرے پیٹ سے نکلے بشرطیکہ اُس کا نام عبدالحارث رکھو اور ابلیس کا نام ملائکہ میں حارث تھا۔ حوّا علیہا السلام نے اُس کا یہ فریب مان لیا۔ پھر جب عطا کیا خُدا نے اُن کو فرزند صالح جسم و تندرست اور حوّا نے واسطے خدا کے ایک شرکت والا۔ نام میں شریک کیا عبادت میں نہیں یعنی عبداللہ کے بدلے عبدالحارث نام رکھا۔"

(تفسیر قادری موسومہ بہ تفسیر حسینی جلد اص ۳۵۱ آخری سطر مترجم اُردو)

۳۔ حضرت یوسف علیہ السلام

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ تَصَدَتْ مُخَالِطَتَهٗ وَهَمَّ بِهَا تَصَدَ مُخَالِطَتَهَا لِمَيْلِ الطَّبْعِ وَالشَّهْوَةِ الْغَيْرِ الْاِخْتِيَارِيِّ"

(جامع البیان ص ۲۰۰ وجلالین مع کمالین ص ۱۹۰ مجتبائی ۱۳۰۰ھ)

کہ اس عورت (زلیخا) نے حضرت یوسفؑ سے زنا کا ارادہ کیا۔ اور حضرت یوسفؑ نے بھی نعوذ باللہ اُس کے ساتھ میلان طبع اور شہوت غیر اختیاری کے باعث زنا کا ارادہ کیا۔

۴۔ حضرت داوٗد علیہ السلام

"لِتَنْبِيْهِ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلٰى مَا وَقَعَ مِنْهُ وَكَانَ لَهٗ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ اِمْرَءَةً وَطَلَبَ اِمْرَءَةَ شَخْصٍ لَيْسَ لَهٗ غَيْرُهَا وَتَزَوَّجَهَا وَدَخَلَ بِهَا"

(جلالین مع کمالین ص ۳۷۹)

کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داوٗد علیہ السلام کو تنبیہہ کی اس وجہ سے کہ حضرت داوٗدؑ کی ۹۹ بیویاں تھیں۔ انہوں نے ایک اور شخص (جس کے پاس صرف ایک ہی بیوی تھی) سے اُس کی بیوی لیکر خود نکاح کر لیا۔

۵۔ حضرت سلیمان علیہ السلام

"وَذٰلِكَ لِتَزَوَّجِهٖ بِاِمْرَاَةٍ هَوَاهَا (اَحَبَّهَا)

(جلالین مجتبائی ص ۳۸۰)

کہ خدا حضرت سلیمانؑ سے ناراض ہوا کیونکہ اُنہوں نے ایک عورت کو اپنی بیوی بنا لیا۔ جس سے آپ کو عشق ہو گیا تھا۔ (نیز دیکھو تفسیر معالم تنزیل۔ تفسیر محمدیؐ سورۃ صٓ و جامع البیان جزء ۲۳ ص ۹۵)

۶۔ حضرت ادریس علیہ السلام

جھوٹ بول کر جنت میں داخل ہو گئے مگر پھر واپس نہ نکلے۔

(معالم التنزیل و تفسیر محمدیؐ زیر آیت "وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا" مریم: ۵۸)

۷۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

۱۔ زَيْنَبُ وَذٰلِكَ اَنَّهٗ رَاٰهَا بَعْدَ مَا اَنْكَحَهَا زَيْدٌ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ وَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ وَسَمِعَتْ زَيْنَبُ بِتَسْبِيْحِهٖ وَذَكَرَتْ لِزَيْدٍ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِهٖ كَرَاهَةُ صُحْبَتِهَا وَاَتَى النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَقَالَ اُرِيْدُ اَنْ اُفَارِقَ صَاحِبَتِيْ قَالَ مَا رَاَيْتَ مِنْهَا قَالَ

وَاللهِ مَا رَأَيْتُ مِنْهَا إِلَّا خَيْراً وَلٰكِنَّهَا لِشَرَفِهَا۔"

(تفسیر بیضاوی جلد ۴ صفحہ ۱۶۳ تفسیر سورۃ احزاب : ۳۸ اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ)

کہ یہ آیت (اَمْسِكْ عَلَيْكَ زَوْجَكَ) زینبؓ کے متعلق ہے اور وہ اس طرح سے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلعم نے زینب کو دیکھا۔ اس کے بعد کہ آپ نے زینب کا نکاح زید سے کر دیا ہوا تھا۔ پس آپ کے دل میں (نعوذ باللہ) زینب کا عشق ہو گیا اور آپ نے فرمایا "سُبْحَانَ اللهِ مُقَلِّبُ الْقُلُوْبِ" کہ پاک ہے وہ اللہ جو دلوں کو پھیر دیتا ہے۔ زینب نے آپ کی یہ تسبیح سن لی اور زید سے ذکر کر دیا۔ پس زید کے دل میں زینب کے ساتھ صحبت کے متعلق کراہت پیدا ہو گئی اور وہ آنحضرت صلعم کے پاس آیا۔ اور آ کر کہا کہ میں اپنی بیوی سے علیحدہ ہونا چاہتا ہوں۔ آنحضرتؐ نے پوچھا۔ کیا تجھ کو اس میں کوئی عیب نظر آتا ہے۔ زید نے کہا۔ بخدا نہیں۔ اس میں مجھے کوئی گناہ نظر نہیں آیا یہ تو محض حضرت زینب کے شرف اور عظمت کی وجہ سے ہے۔ آنحضرتؐ نے یہ سنکر فرمایا۔ کہ اپنی بیوی کو اپنے پاس رکھ۔

ب:- "قَالَ مُقَاتِلُ اَنَّهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى زَيْداً يَوْماً فَطَلَبَهُ فَاَبْصَرَ زَيْنَبَ نَائِمَةً وَكَانَتْ بَيْضَاءَ جَمِيْلَةً جَسِيْمَةً مِنْ اَتَمِّ نِسَاءِ قُرَيْشٍ۔" (اکمالین برحاشیہ جلالین صفحہ ۳۵۳ مجتبائی) کہ مقاتل نے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلعم ایک دن زید کے گھر گئے اور وہاں پر زینب کو سوتے ہوئے دیکھا اور وہ گوری حسین اور جسیم تھی قریش کی تمام حسین ترین عورتوں میں سے۔

ج:- آنحضرت صلعم کو (نعوذ باللہ) شیطانی الہام ہوا۔ قَدْ قَرَءَ النَّبِيُّ صَلَّى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ سُوْرَةِ النَّجْمِ بِمَجْلِسٍ مِنْ قُرَيْشٍ بَعْدَ اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى بِاِلْقَاءِ الشَّيْطَانِ عَلٰى لِسَانِهٖ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ عِلْمِهٖ بِهٖ "تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى" فَفَرِحُوْا بِذٰلِكَ۔

(جلالین مجتبائی صفحہ ۲۸۲ مطبوعہ ۱۳۰۶ھ تفسیر زیر آیت سورۃ النجم: ۲۰)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشرکین قریش کی ایک مجلس میں سورۃ النجم کی آیات اَفَرَاَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى کے آگے القائے شیطانی سے لاعلمی میں یہ پڑھ دیا۔ کہ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى کہ یہ تینوں بت بڑی عظمت اور شان والے ہیں اور قیامت کو بھی ان کی شفاعت کی امید رکھنی چاہیئے۔ بتوں کی یہ تعریف سنکر مشرک بہت خوش ہوتے۔ اس کے آگے لکھا ہے کہ بعد میں جبرائیل آئے اور انہوں نے آنحضرت صلعم کو بتایا کہ یہ الہام الٰہی نہیں بلکہ شیطانی القاء تھا۔ اس روایت کی سند کے متعلق مندرجہ ذیل حوالہ کافی ہے۔

"نَبَّهَ عَلٰى ثُبُوْتِ اَصْلِهَا شَيْخُ الْاِسْلَامِ اَبُوْحَاتِمٍ الْحَافِظُ الْكَبِيْرُ اِبْنُ حَافِظِ الشَّهِيْرِ (والطبری) مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيْرٍ (وَابْنُ الْمُنْذِرِ- وَمِنْ طُرُقٍ عَنْ شُعْبَةَ) عَنْ اَبِيْ بِشْرٍ جَعْفَرِ ابْنِ اَيَاسٍ عَنْ سَعِيْدِ ابْنِ ۔۔۔۔ قَالَ قَرَءَ رَسُوْلُ اللهِ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ وَالنَّجْمِ فَلَمَّا بَلَغَ۔ الخ"

(زرقانی شرح مواہب اللدنیہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۰ مطبوعہ ازہریہ پریس مصر ۱۳۲۵ھ مصنفہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی)

نیز تفسیر حسینی مترجم اردو جلد ۲ صفحہ ۸۴ زیر آیت وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ (سورۃ حج: ۵۲) میں لکھا ہے۔

"ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب تلاوت کرتے تھے تو اوس شیطان نے جسے "ابیض" کہتے ہیں آپ کی آواز بناکر یہ کلمات پڑھ دیئے۔ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى"

د :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جادو چل گیا۔

"سُحِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى كَانَ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ اَنَّهٗ كَانَ يَفْعَلُ الشَّيْءَ وَمَا فَعَلَهٗ" (بخاری جلد ۴ صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴ مصری کتاب الطب باب السحر)

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسحور ہو گئے۔ یہاں تک کہ اُن کو خیال ہوتا تھا کہ میں نے فلاں کام کیا ہے۔ حالانکہ انہوں نے وہ کام کیا نہیں ہوتا تھا۔

صحابہؓ کی توہین

مسجد نبویؐ میں (آیت حجاب کے نازل ہونے سے پہلے) ایک خوبصورت سفید رنگ کی عورت نماز پڑھنے کے لئے آئی۔ تو صحابی بے اختیار ہو کر اُس کو تاڑنے لگے۔ جو پچھلی صف میں تھے اُنکی خواہش تھی کہ آگے آجائیں۔ اور جو اگلی صف میں تھے وہ اس صف میں ملنے کے لئے پیچھے آنا چاہتے تھے پھر نماز شروع ہوئی۔ تو اگلی صف والے صحابی جب رکوع میں جاتے تھے تو اپنی بغلوں کے نیچے سے اُس عورت کو دیکھتے تھے اِس پر سورۃ حجر رکوع ۲ کی یہ آیت نازل ہوئی کہ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ کہ ہم اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی۔ یہ حدیث مستدرک حاکم میں بھی ہے اور اس کے آگے لکھا ہے۔ هٰذَا حَدِيْثٌ صَحِيْحُ الْاِسْنَادِ (مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۳۵۳ مطبوعہ حیدرآباد) راوی نوح بن قیس قَالَ الذَّهَبِيُّ صَحِيْحٌ هُوَ صَدُوْقٌ۔ خَرَّجَ لَهٗ مُسْلِمٌ۔ کہ راوی نوح بن قیس ثقہ اور سچا ہے اور اس سے مسلم نے روایت لی ہے۔

ب۔ عمر بن غزیہ رضی اللہ عنہ خرمے بیچتے تھے۔ ایک عورت خوبصورت خرمے مول لینے آئی۔ تو اُس سے کہا کہ میرے گھر کے اندر بہت خوب خرمے ہیں۔ جب وہ عورت گھر کے اندر آئی تو عمر بن غزیہ نے اُس کا بوسہ لے لیا اور فوراً نادم ہو کر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس شریف میں حاضر ہوتے اور رو کر گذرا ہوا حال عرض کیا۔ تو یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئٰتِ۔

(سورہ ہود: ۱۱۵ رکوع ۱۰ پارہ ۱۲ - نیز دیکھو تفسیر قادری موسومہ بتفسیر حسینی مترجم اُردو صفحہ ۴۲۱ جلد ۱)

ج :- پھر لکھا ہے :-

"قریش کا قافلہ بہت اسباب لئے ہوئے شام سے پھرا۔ ابوسفیان اور بعض رؤسائے عرب اس قافلے کے سردار تھے۔ جبریل علیہ السلام آئے اور حضرت صلعم کو خبر دی اور آپ نے مسلمانوں سے یہ حال بیان

کیا۔ قافلہ میں بہت بہت مال اور غلہ حاصل کرنے کے سبب سے مائل ہوئے کہ راہ پر چل کر قافلہ مارلیں۔ پھر اسی قصد سے مدینہ سے باہر آتے۔

(تفسیر حسینی جلد اصفحہ ۳۵۵ زیرآیت کَمَا اَخرجك الخ سورۃ انفال : ۶۱)

د۔ جنگ بدر کے ذکر میں سورۃ انفال رکوع ۲ کی پہلی آیت اِذْ یُغَشِّیْکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَۃً (الانفال ۱۱) کی تفسیر میں لکھا ہے :۔

"حق تعالیٰ نے صحابہؓ پر اونگھ غالب کردی اور اُس نیند میں اکثر صحابہؓ کو احتلام ہوگیا۔ صبح ہی شیطان ملعون نے وسوسہ دینا شروع کیا کہ تم لوگوں کو نماز پڑھنی چاہیئے اور بعضے بے وضو ہو اور بعضے نجس اور پانی تمہارے پاس ہے نہیں۔۔۔۔ حق تعالیٰ نے بر محل پانی برسادیا۔ چنانچہ فرماتا ہے وَیُنَزِّلُ عَلَیْکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّیُطَهِّرَکُمْ بِهٖ" الانفال: ۱۲۔ (ایضاً صفحہ ۳۵۹)

دیوبندیوں کی توہینِ رسالت

ذ۔ مولوی رشید احمد گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں :۔

"الحاصل غور کرنا چاہیئے کہ شیطان ملک الموت کا حال دیکھکر علم محیط زمین کا۔ فخر عالم (صلعم) کو خلاف نصوصِ قطعیہ کے بلا دلیل محض قیاس فاسدہ سے ثابت کرنا شرک نہیں تو کونسا ایمان کا حصہ ہے۔ شیطان اور ملک الموت کو یہ وسعت نص سے ثابت ہوئی۔ فخر عالم (صلعم) کی وسعتِ علمی کی کونسی نص قطعی ہے ؟"

(براہین قاطعہ حاشیہ صفحہ ۵۱ تا ۵۲ مطبع کتب خانہ امدادیہ دیوبند ۱۳۲۹ھ مطبوعہ ہاشمی پریس)

یعنی شیطان کا علم محیطِ زمین نص سے ثابت ہے مگر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ثابت نہیں۔

ب :۔ نماز کے دوران میں :۔

"زنا کے وسوسے سے اپنی بیوی کی مجامعت کا خیال بہتر ہے اور شیخ یا اُسی جیسے اور بزرگوں کی طرف خواہ جناب رسالتمآبؐ ہی ہوں اپنی ہمت کو لگا دینا اپنے بیل اور گدھے کی صورت میں مستغرق ہونے سے زیادہ بُرا ہے۔"

(صراطِ مستقیم صفحہ ۸۶ تا صفحہ ۸۹ مترجم اُردو بار دوم مطبوعہ جید پریس دہلی مصنفہ مولانا محمد اسمٰعیل شہید دہلوی)

چار سوال اہلِ پیغام سے

اہلِ پیغام کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ نبی اور رسول نہ تھے اور یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ کی کُتب میں جو اپنی نسبت نبوت غیر تشریعی کا دعویٰ پایا جاتا ہے۔ اس سے مراد صرف محدثیت اور مجددیت ہے نہ کہ نبوت۔ کیونکہ آنحضرت صلعم کے بعد نبوت کا دروازہ بند ہے۔ اس پر ہماری طرف سے چار لاینحل سوالات ہیں جو مختلف مواقع پر کئے جاتے رہے ہیں۔

پہلا سوال :۔ یہ کہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

"شریعت والا نبی کوئی نہیں آسکتا۔ اور بغیر شریعت کے نبی ہو سکتا ہے۔"

(تجلیات الٰہیہ ص۲۰)

اس حوالہ سے صاف طور پر ثابت ہوا کہ "نبوت تشریعی" اور "نبوت غیر تشریعی" آپس میں نقیضین ہیں جن کا اجتماع کسی صورت میں ممکن نہیں۔ گویا دوسرے لفظوں میں یوں کہنا چاہیئے کہ "نبوت تشریعی" اور "نبوت غیر تشریعی" کا کسی ایک شخص میں ایک ہی وقت میں جمع ہونا غیر ممکن ہے۔ پس جو شخص تشریعی نبی ہوگا اس کے لیے ممکن نہیں کہ اس کے ساتھ ہی وہ غیر تشریعی نبی بھی ہو۔ پس اہلِ پیغام کے عقیدہ کے مطابق "غیر تشریعی نبی" سے مراد مجدد اور محدث لی جائے تو نتیجہ یہ نکلے گا۔ کہ تشریعی نبی مجدد یا محدث نہیں ہو سکتا کیونکہ تشریعی نبوت نقیض ہے غیر تشریعی نبوت کی اور غیر تشریعی نبوت سے مراد مجددیت اور محدثیت ہے بقول اہلِ پیغام۔ پس تشریعی نبوت نقیض ہوئی مجددیت اور محدثیت کی۔ دونوں چیزوں کا ایک وقت میں اجتماع محال اور غیر ممکن ٹھہرا۔ نتیجہ صاف ہے کہ تشریعی نبی کا مجدد یا محدث ہونا محال ہے۔ حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُتب سے صاف طور پر ثابت ہے کہ ہر تشریعی نبی محدث ہوتا ہے اور مجدد بھی اور اس طرح سے مجددیت اور محدثیت ہمیشہ تشریعی نبی کے ساتھ جمع ہوتی ہیں جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (جو تشریعی نبی تھے) کی نسبت تحریر فرمایا ہے:۔

"پس ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اظہار سچائی کے لیے ایک مجدد اعظم تھے۔"

(لیکچر سیالکوٹ ص۶)

پس اگر اہلِ پیغام کے خیال کے مطابق غیر تشریعی نبوت سے مراد مجددیت اور محدثیت لی جائے تو اجتماع نقیضین لازم آتا ہے۔ جو محال ہے اور جو مستلزم محال ہو۔ وہ بھی محال اور باطل ہوتا ہے۔ پس غیر تشریعی نبوت سے مراد مجددیت اور محدثیت لینا علمی اور عقلی طور پر محال اور باطل ہے۔ فَتَدَبَّرُوْا اَیُّهَا الْعَاقِلُوْنَ ۔

پس ماننا پڑیگا کہ غیر تشریعی نبوت سے مراد ہرگز ہرگز مجددیت اور محدثیت نہیں ہے بلکہ اس سے وہ نبوت مراد ہے جو بغیر کتاب کے ہو اور یہ ظاہر ہے کہ ایک نبی ایک ہی وقت میں شریعت لانیوالا

اور نہ لانے والا نہیں ہوسکتا۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مقام حضورؑ کی اپنی تحریرات کے رُو سے مجددیت اور محدثیت کے اوپر والا مقام ہے جو مقام نبوت ہے۔ وَھُوَ الْمُرَادُ۔

یہ ایک علمی سوال ہے جو سالہا سال سے غیر مبایع مبلغین اور مناظرین کے سامنے پیش ہوتا رہا ہے۔ مگر وہ اس کا کوئی حل نہیں کر سکے۔

دوسرا سوال :۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں :۔

"خدا نے اِس اُمت میں سے مسیح موعود بھیجا جو اُس پہلے مسیح سے اپنی تمام شان میں بہت بڑھ کر ہے۔" (ریویو جلد ا صفحہ ۴۷۸ و حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۸)

اس حوالہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح ناصریؑ پر اپنی کُلی فضیلت کا دعویٰ کیا ہے اِس کے متعلق ہمارا اہلِ پیغام سے یہ سوال ہے کہ :۔

ا۔ کیا ایک غیر نبی کو نبی پر "کُلی فضیلت" ہوسکتی ہے ؟ جواب معہ حوالہ اور عبارت ہونا چاہیئے

ب :۔ اِس ضمن میں خاص طور پر قابلِ غور امر یہ ہے کہ ایک نبی کی سب سے بڑی شان "شانِ نبوت" ہی ہوتی ہے۔ باقی تمام شانیں اُس کے بعد اور اُس کے ماتحت ہوتی ہیں پس یہ تو ممکن ہے کہ کسی غیر نبی کو نبی پر جزوی فضیلت حاصل ہو۔ مگر یہ ممکن نہیں کہ ایک غیر نبی (جس کو شانِ نبوت ملی ہی نہیں) وہ ایک نبی پر شانِ نبوت میں بھی صرف بڑھ کر ہی نہ ہو بلکہ "بہت بڑھ کر" ہو ؟

تو دوسرا سوال اِس حوالہ کے متعلق یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام "نبی" نہیں تھے تو آپ حضرت مسیح ناصری علیہ السلام سے "شانِ نبوت" میں کیونکر بڑھ کر ہیں ؟ ہاں ایک بات جواب دیتے وقت مدِنظر رکھنی چاہیئے اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۴۹، ۱۵۰ میں یہ تسلیم فرما لیا ہے کہ محولہ بالا عبارت میں حضرت مسیح ناصریؑ پر جزوی فضیلت سے بڑھ کر آپ کو دعویٰ ہے اس لئے اِس عبارت کا کوئی ایسا مفہوم بیان کرنے کی کوشش کرنا جس سے صرف جزوی فضیلت کا دعویٰ نکلتا ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تشریح کے صریح خلاف ہوگا۔ اور اس لیے ناقابلِ قبول ہے۔

اِس ضمن میں یہ بھی مدِنظر رہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسیح ناصری پر اپنی فضیلت کو آیت تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (البقرۃ : ۲۵۴) کے ماتحت قرار دیا ہے۔
(حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۲)

نیز آپ نے "فطرتی استعدادوں کے لحاظ سے بھی اپنے آپکو مسیح سے افضل" قرار دیا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۵۴)
"کارناموں" کے لحاظ سے بھی اپنے آپ کو افضل بتایا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۵۵)
پھر جلال اور قوی نشانوں کے لحاظ سے بھی اپنے آپ کو افضل قرار دیا ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۵۱)
پھر "معارف" اور "معرفت" میں بھی مسیح ناصریؑ پر اپنی فضیلت بتائی ہے۔ (ایضاً صفحہ ۱۵۱ و صفحہ ۱۵۲)
اور یہ بھی حضورؑ نے فرمایا ہے کہ "میرے دل پر جو خدا تعالیٰ کی تجلی ہوئی۔ وہ مسیح پر نہیں ہوئی (ایضاً صفحہ ۱۵۴)

غرضیکہ نبوت کے تمام اجزاء میں آپ مسیح ناصری سے افضل ہیں حضور علیہ السلام نے نزول المسیح حاشیہ ص۳ تا ص۳ پر اپنے آپ میں "شانِ نبوت" بھی تسلیم فرمائی ہے۔ غرضیکہ مسیح ناصری پر کلی فضیلت حضورؑ کی "نبوت" کا ناقابلِ تردید ثبوت ہے۔

تیسرا سوال:۔ وہی وزنی پتھر ہے جو پچھلے تیس۳۰ سال سے اہلِ پیغام کے مقاصدِ مذمومہ کے آگے سدِ راہ ہے اور جس کو باوجود ایڑی چوٹی کا زور لگانے سے ہلا نہیں سکے۔ یعنی حقیقۃ الوحی کا صفحہ ۳۹۱۔

"غرض اس حصہ کثیر وحی الٰہی اور اُمورِ غیبیہ میں اِس امت میں سے میں ہی ایک فردِ مخصوص ہوں۔ اور جسقدر مجھ سے پہلے اولیاء اور ابدال اور اقطاب اس اُمت میں سے گذر چکے ہیں۔ اُن کو یہ حصہ کثیر اِس نعمت کا نہیں دیا گیا۔ پس اِس وجہ سے نبی کا نام پانے کے لئے میں ہی مخصوص کیا گیا۔ اور دوسرے تمام لوگ اِس نام کے مستحق نہیں۔ کیونکہ کثرتِ وحی اور کثرت امورِ غیبیہ اس میں شرط ہے اور وہ شرط اُن میں پائی نہیں جاتی"

اِس عبارت کے متعلق ہمارا سوال یہ ہے کہ اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعد کی تحریرات میں بمطابق اشتہار فروری ۱۸۹۲ء نبی بمعنی محدث ہی ہے اور ۱۹۰۱ء کی بعد کی تحریرات میں بجائے نبی کے لفظ کے محدث کا لفظ سمجھنا چاہیئے۔ تو حقیقۃ الوحی ص۳۹۱ کی مندرجہ بالا عبارت میں "نبی" کی بجائے "محدث" کا لفظ لگا کر عبارت کا مفہوم شائع فرمائیں۔ جو ہر اہل انصاف کی عقل کے مطابق یہ بنے گا کہ ۱۳۰۰ سال میں محدث کا نام پانے کے لئے صرف حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی مخصوص ہوتے اور آپ سے پہلے کوئی محدث اِس اُمت میں نہیں گذرا۔

اس ضمن میں دوسرا حل طلب امر یہ ہے کہ بقول مولوی محمد علی صاحب "نبی" ہونا اور ہے اور "نبی کا نام پانا" شئے دیگر ہے۔ اُن کے نزدیک "نبی کا نام پانے سے کوئی شخص فی الواقعہ نبی نہیں بن جاتا۔ تو جب حقیقۃ الوحی کی مندرجہ بالا عبارت میں "نبی" کی جگہ "محدث" کا لفظ لگایا جائیگا۔ تو عبارت یوں بن جائیگی "پس محدث کا نام پانے کے لیئے میں ہی مخصوص کیا گیا" اِس سے مولوی محمد علی صاحب کی تحریرات کی روشنی میں یہ نتیجہ نکلے گا:۔

۱۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام صرف محدث کا نام پانے والے ہیں حقیقی طور پر محدث بھی نہیں ہیں۔
۲۔ اُمتِ محمدیہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوا کوئی غیر حقیقی محدث بھی نہیں ہوا۔ چہ جائیکہ اصلی محدث!

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ مصلح موعود ہیں

چوتھا سوال:۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء (مجموعہ اشتہارات جلد ا ص۱۰۱) میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملیگا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ذریت و نسل ہوگا۔ خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اُس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔ اُس کو مقدس رُوح دی گئی اور وہ رِجس سے پاک ہے وہ نور اللہ ہے مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔ اُس کیساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئیگا۔ وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا وہ دُنیا میں آئیگا۔ اور اپنے مسیحی نفس اور رُوح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا۔ وہ کلمۃ اللہ ہے۔ کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین اور فہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جائیگا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اِس کے معنے سمجھ میں نہیں آتے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند۔ مظہر الحق والعلاء۔ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلالِ الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نُور آتا ہے نُور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اُس میں اپنی رُوح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائیگا۔ اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائیگا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔"

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء صـ۳ و مجموعہ اشتہارات جلد ۱ صـ۱۰۱)

پھر فرماتے ہیں:۔

"اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر یہ ظاہر کیا کہ ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء کی پیشگوئی حقیقت میں دو سعید لڑکوں کے پیدا ہونے پر مشتمل تھی اور اس عبارت تک کہ "مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے" پہلے بشیر کی نسبت پیشگوئی ہے جو رُوحانی طور پر نزولِ رحمت کا موجب ہوا اور اس کے بعد کی عبارت دوسرے بشیر کی نسبت ہے۔"

(سبز اشتہار حاشیہ صـ۷، صـ۱۸ مطبوعہ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

"بذریعہ الہام صاف طور پر کُھل گیا ہے کہ..... مصلح موعود کے حق میں جو پیشگوئی ہے وہ اس عبارت سے شروع ہوتی ہے کہ "اُس کے ساتھ فضل ہے جو اُس کے آنے کے ساتھ آئیگا" پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا۔ اور دوسرا نام اس کا محمود اور تیسرا نام اُس کا بشیر ثانی بھی ہے اور ایک الہام میں اُس کا نام فضل عمر ظاہر کیا گیا ہے۔" (ایضاً صـ۲۱ سطر ۱۳)

۹ سالہ میعاد:۔ "ایسا لڑکا بموجب وعدۂ الٰہی ۹ برس کے عرصہ تک ضرور پیدا ہوگا خواہ جلد ہو خواہ دیر سے، بہر حال اِس عرصہ کے اندر پیدا ہو جائیگا۔"

(اشتہار ۲۲ مارچ ۱۸۸۶ء و مجموعہ اشتہارات جلد ۱ صـ۱۱۳)

سبز اشتہار صـ۲۱ حاشیہ کی عبارت اوپر نقل ہو چکی ہے جس میں درج ہے کہ مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں فضل رکھا گیا۔ نیز دوسرا نام اُس کا محمود اور تیسرا نام اُس کا بشیر ثانی بھی ہے۔ اب "بشیر ثانی" کے متعلق دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائیگا۔ جس کا نام محمود بھی ہے۔"
(سبز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ص۷ حاشیہ)

"خدا تعالیٰ دوسرا بشیر بھیجے گا۔ جیسا کہ بشیر اول کی موت سے پہلے ۱۰ر جولائی ۱۸۸۸ء کے اشتہار میں اُس کے بارے میں پیشگوئی کی گئی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے مجھ پر ظاہر کیا کہ ایک دوسرا بشیر تمہیں دیا جائیگا جس کا نام محمود بھی ہے۔ وہ اپنے کاموں میں اولوالعزم نکلے گا۔ یخلق اللّٰہ مَا یشآء۔"

(سبز اشتہار ص۱۷ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

"دوسرا لڑکا جس کی نسبت الہام نے بیان کیا کہ دوسرا بشیر دیا جائیگا جس کا دوسرا نام محمود ہے اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا، مگر خدا تعالیٰ کے وعدے کے مطابق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا۔ زمین آسمان ٹل سکتے ہیں۔ پر اس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔ نادان اُس کے الہامات پر ہنستا ہے اور احمق اُس کی پاک بشارتوں پر ٹھٹھا کرتا ہے۔ کیونکہ آخری دن اُس کی نظر سے پوشیدہ ہے اور انجام کار اُس کی آنکھوں سے چھپا ہوا ہے۔"
(سبز اشتہار حاشیہ ص۸ یکم دسمبر ۱۸۸۸ء)

مصلح موعودؓ کی پیدائش

پیشگوئی مندرجہ اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء کے مطابق پہلے بشیر اول مندرجہ ۷ر اگست ۱۸۸۷ء کو پیدا ہوا۔ اور نومبر ۱۸۸۸ء میں فوت ہوگیا۔ اور بشیر ثانی مصلح موعود مورخہ ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو پیدا ہوا اور اُس کا ذکر حضرت اقدس علیہ السلام نے اپنے اشتہار تکمیل تبلیغ مورخہ ۱۲ر جون ۱۸۸۹ء میں فرمایا:۔

"خدائے عزّوجلّ نے جیسا کہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء و اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے اپنے لطف وکرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اوّل کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا۔ جس کا نام محمود بھی ہوگا اور اس عاجز کو مخاطب کرکے فرمایا تھا کہ وہ اولوالعزم ہوگا۔ اور حُسن واحسان میں تیرا نظیر ہوگا۔ وہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سو آج ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء میں مطابق ۹ر جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ روز شنبہ میں اِس عاجز کے گھر میں بفضلہٖ تعالیٰ ایک لڑکا پیدا ہوگیا ہے جس کا نام بالفعل محض تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود رکھا گیا ہے۔ اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائیگی۔"
(مجموعہ اشتہارات جلد اص۱۹۱)

"کامل انکشاف کے بعد کی اطلاع"

۱۔ اسی خیال اور انتظار میں "سراج منیر" کے چھاپنے میں توقف کی گئی تھی تا جب اچھی طرح الہامی طور پر لڑکے کی حقیقت کھل جائے۔ تب اُسکا مفصل اور مبسوط حال لکھا جائے۔" (سبز اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء، ص۲)

کتاب سراج منیر میں لکھتے ہیں:۔

"پانچویں پیشگوئی مَیں نے اپنے لڑکے محمود کی پیدائش کی نسبت کی تھی کہ وہ اب پیدا ہوگا اور اُس کا نام محمود

رکھا جائیگا۔ اور اس پیشگوئی کی اشاعت کے لئے سبز ورق کے اشتہار شائع کئے گئے تھے۔ جواب تک موجود ہیں اور ہزاروں آدمیوں میں تقسیم ہوئے تھے۔ چنانچہ وہ لڑکا پیشگوئی کی میعاد میں پیدا ہوا۔ اور اب نویں سال میں ہے۔" (سراج منیر ص۳۴)

"سبز اشتہار میں صریح لفظوں میں بلا توقف لڑکا پیدا ہونے کا وعدہ تھا سو محمود پیدا ہوگیا۔ کسقدر یہ پیشگوئی عظیم الشان ہے۔ خدا کا خوف ہے تو پاک دل سے سوچو۔" (سراج منیر ص۳۴ حاشیہ)

۲۔ "محمود جو میرا بڑا لڑکا ہے۔ اُس کی پیدائش کی نسبت اس سبز اشتہار میں صریح پیشگوئی معہ محمود کے نام کے موجود ہے جو پہلے لڑکے کی وفات کے بارے میں شائع کیا گیا تھا جو رسالہ کی طرح کئی ورق کا اشتہار سبز رنگ کے ورقوں پر ہے۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۱۵ ۱۸۹۶ء)

۳۔ (ا) "میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے ابھی وہ پیدا نہیں ہوا تھا۔ جو کشفی طور پر اُس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی تھی اور میں نے مسجد کی دیوار پر اُس کا نام لکھا ہوا پایا۔ کہ محمود۔ تب میں نے اِس پیشگوئی کے شائع کرنے کے لیے سبز رنگ کے ورقوں پر ایک اشتہار چھاپا جس کی تاریخ اشاعت یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے۔" (تریاق القلوب ص۴۰ ۱۸۹۷ء نشان ص۲۲)

(ب) "محمود جو میرا بڑا بیٹا ہے اس کے پیدا ہونے کے بارے میں اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء میں اور نیز یکم دسمبر ۱۸۸۸ء کو جو سبز رنگ کے کاغذ پر چھاپا گیا تھا۔ پیشگوئی کی گئی۔ اور سبز رنگ کے اشتہار میں یہ بھی لکھا گیا تھا۔ کہ اُس پیدا ہونے والے لڑکے کا نام محمود رکھا جائیگا۔ اور یہ اشتہار محمود کے پیدا ہونے سے پہلے ہی لاکھوں انسانوں میں شائع کیا گیا۔۔۔۔ پھر جبکہ اس پیشگوئی کی شہرت بذریعہ اشتہارات کامل درجہ پر پہنچ گئی اور مسلمانوں اور عیسائیوں اور ہندوؤں میں سے کوئی بھی فرقہ نہ رہا جو اس سے بے خبر ہو تب خدا کے فضل اور رحم سے ۱۲ جنوری ۱۸۸۹ء کو ۹ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ میں بروز شنبہ محمود پیدا ہوا اور اُس کے پیدا ہونے کی میں نے اُس اشتہار میں خبر دی ہے جس کے عنوان میں "تکمیلِ تبلیغ" موٹی قلم سے لکھا ہوا ہے جس میں بیعت کی دس شرائط مندرج ہیں اور اُس کے ص۴ پر یہ الہام پسرِ موعود کی نسبت ہے ۔

اے فخرِ رُسل قربِ تو معلومم شد دیر آمدۂ ز راہِ دُور آمدۂ !

(تریاق القلوب ص۴۲)

۴۔ (ا) "میرے سبز اشتہار کے ساتویں صفحہ میں ایک دوسرے لڑکے کے پیدا ہونے کے بارے میں یہ بشارت ہے کہ دوسرا بشیر دیا جائے گا جس کا دوسرا نام محمود ہے۔ وہ اگرچہ اب تک جو یکم دسمبر ۱۸۸۸ء ہے پیدا نہیں ہوا۔ مگر خدا تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنی میعاد کے اندر ضرور پیدا ہوگا زمین آسمان ٹل سکتے ہیں۔ پر اُس کے وعدوں کا ٹلنا ممکن نہیں۔" یہ ہے عبارت اشتہار سبز کے ص۷ کی جس کے مطابق جنوری ۱۸۸۹ء میں لڑکا پیدا ہوا جس کا نام محمود ہے۔ اور اب تک بفضلہ تعالیٰ زندہ موجود ہے اور سترھویں سال میں ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۳۶)

(ب) "چونتیسواں نشان یہ ہے کہ میرا ایک لڑکا فوت ہو گیا تھا۔ اور مخالفوں نے جیسا کہ اُن کی عادت ہے۔ اس لڑکے کے مرنے پر بڑی خوشی ظاہر کی تھی۔ تب خدا نے مجھے بشارت دیکر فرمایا کہ اس کے عوض میں جلد ایک لڑکا پیدا ہوگا جس کا نام محمود ہوگا۔ اور اُس کا نام ایک دیوار پر لکھا ہوا مجھے دکھایا گیا۔ تب میں نے ایک سبز رنگ کے اشتہار میں ہزارہا موافقوں اور مخالفوں میں یہ پیشگوئی شائع کی۔ اور ابھی ستر دن پہلے لڑکے کی موت پر نہیں گذرے تھے کہ یہ لڑکا پیدا ہو گیا۔ اور اس کا نام محمود رکھا گیا۔"

(حقیقۃ الوحی ص ۲۱۷)

غرضیکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاف اور واضح الفاظ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو "مصلح موعود" قرار دیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کا دعویٰ

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے آپ کو غیر مشروط طور پر اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء و سبز اشتہار کی پیشگوئی کا مصداق اور مصلح موعود قرار دیا ہے۔ (الفضل ۲۷ فروری ۱۹۳۷ء جلد ۲۵ ص ۶ کالم ۳) پر حضرت ایدہ اللہ تعالیٰ کی ڈائری شائع ہو چکی ہے۔ جس میں خاکسار خادم کے سوال کے جواب میں حضور نے اپنے آپ کو "مصلح موعود" کی پیشگوئی کا مصداق قرار دیا۔ یہ ڈائری بعد تحریر حضرت اقدس کو دکھا کر شائع کی گئی۔ بعد ازاں ۱۹۴۴ء (الفضل ۲۴ فروری، ۱۵ مارچ ۱۹۴۴ء) میں حضور نے الہام الٰہی کی بنا پر مصلح موعود ہونے کا دعویٰ فرمایا۔

ایک شُبہ اور اُس کا ازالہ

حضرت اقدس علیہ السلام نے تریاق القلوب میں صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کو "تین کو چار کرنے والا" مطابق اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء قرار دیا ہے۔

جواب:۔ (۱) تین کو چار کرنے والا کے الہام میں اشارۃً چار لڑکوں کی پیدائش کا ذکر ہے۔ سو مبارک احمد بھی بوجہ اُن میں سے ایک ہونے کے اِس کا مصداق ہے لیکن حضرت اقدس علیہ السلام نے یہ کہیں نہیں فرمایا کہ وہ مصلح موعود ہے۔

۲۔ مبارک احمد کی ولادت کے متعلق حضرت اقدس علیہ السلام کو ۱۸۸۳ء اور ۱۸۸۶ء میں علیحدہ رویاء اور الہامات کے ذریعہ علم دیا گیا تھا۔ پس تریاق القلوب ص ۴۱ ، ۴۳ نیز انجام آتھم ص ۱۸۲ ، ۱۸۳ کی عبارت میں اُنہی رویاء اور کشوف کی طرف اشارہ ہے۔

فرماتے ہیں:۔

(۱) "۱۸۸۳ء میں مجھ کو الہام ہوا تھا کہ "تین کو چار کرنے والا مبارک"۔۔۔۔۔۔ اس کی نسبت تفہیم یہ ہوئی تھی کہ اللہ تعالیٰ اس دوسری بیوی سے چار لڑکے مجھے دیگا اور چوتھے کا نام مبارک ہوگا۔" (نزول المسیح ص ۱۹۹)

ب۔ "شاید چار ماہ کا عرصہ ہوا ہے کہ...... ایک کشفی عالم میں چار پھل مجھے دیئے گئے تین ان میں سے تو آم کے پھل تھے۔ مگر ایک پھل سبز رنگ بہت بڑا تھا۔ وہ اس جہان کے پھلوں سے مشابہ نہیں تھا۔ ..... کچھ شک نہیں کہ پھلوں سے مراد اولاد ہے۔"

(مکتوب بنام حضرت خلیفۃ اول رضی اللہ عنہ مورخہ ۸ر جون ۱۸۸۶ء مطبوعہ الحکم ۱۷ر جون ۱۹۰۳ء صفحہ ۱۶)

گویا یہ رویا قریباً جنوری یا فروری ۱۸۸۶ء میں ہوا۔ اور ہر دو عبارات کی رُو سے مبارک احمد کے متعلق۔ نیز چار بیٹوں کے متعلق الگ الہام "تین کو چار" کرنے کا بھی تھا۔ مگر اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اُس کو مصلح موعود قرار دیا جاتے؟ کیا کہیں یہ لکھا ہے کہ سوائے مصلح موعود کے کوئی اور "تین کو چار کرنے والا" نہیں ہو سکتا؟

مبارک احمد "نو سالہ میعاد کے اندر" پیدا نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ اُس کی تاریخ پیدائش ۱۴ر جون ۱۸۹۹ء ہے۔ گویا نو سالہ میعاد ختم ہونے کے چار سال بعد وہ پیدا ہوا۔ اس لئے اس کے متعلق تو یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ مصلح موعود ہے۔

"تین کو چار کرنے والا" کی جو صفت مصلح موعود کی بیان کی گئی ہے۔ وہ الگ ہے۔ وہ اکیلی صفت نہیں بلکہ اُس کے ساتھ بیسیوں دوسری علامات ہیں۔ جو مبارک احمد مرحوم میں پائی نہ جاتی تھیں اور حضرت اقدس علیہ السلام کو خود مبارک احمد کی ولادت سے بھی پہلے معلوم تھا کہ وہ چھوٹی عمر میں فوت ہو جائیگا

(ملاحظہ ہو پاکٹ بک ہذا صفحہ ۵۳۲)

پس حضرت اقدس علیہ السلام کے ذہن میں یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ مبارک احمد مصلح موعود ہے۔

امرِ واقعہ

جب ہم امرِ واقعہ کے لحاظ سے دیکھتے ہیں۔ تو یہ عقدہ بالکل حل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ مطلقاً حضرت اقدس علیہ السلام کے بیٹوں میں سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی "مصلح موعود" ہی چوتھے بیٹے ہیں۔ (۱) حضرت مرزا سلطان احمد صاحب (۲) فضل احمد (۳) بشیر اوّل (۴) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ۔ پس اس لحاظ سے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی مطلقاً بلا شرط تین کو چار کرنے والے ہوتے، لیکن مرزا مبارک احمد نہ تو مطلقاً حضرت اقدس علیہ السلام کے چوتھے لڑکے تھے۔ کیونکہ اس لحاظ سے وہ ساتویں تھے۔ نہ وہ صرف دوسری بیوی کے لڑکوں میں سے ہی چوتھے تھے۔ کیونکہ اس لحاظ سے وہ پانچویں تھے۔ (۱) بشیر اوّل (۲) حضرت خلیفۃ المسیح الثانی (۳) مرزا بشیر احمد صاحب (۴) مرزا شریف احمد صاحب (۵) مرزا مبارک احمد۔ ہاں دوسری بیوی کے زندہ بچوں میں سے وہ چوتھے تھے۔ اور اسی لحاظ سے اُن کا ذکر حضرت اقدس علیہ السلام نے تریاق القلوب میں فرمایا ہے، لیکن اشتہار ۲۰ر فروری ۱۸۸۶ء میں نہ تو "دوسری بیوی" کی قید ہے اور نہ "زندہ بچوں" کی شرط ہے۔ پس بلا شرط و قید اگر کوئی "تین کو چار" کرنے والا ہے تو وہ صرف اور صرف حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ہیں جو نو برس کے عرصہ میں

میعاد پیشگوئی کے اندر پیدا ہوتے۔ حضور عمر پانے والے اور خلیفہ ثانی بھی ہو گئے اور دیگر صفات مصلح موعود کا ظہور بھی حضور کی ذات میں ہوا۔ پس حضور ہی بلاشبہ مصلح موعود ہیں۔

◎

نبوّتِ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام

از تحریرات خود

۱۔ پگٹ جو انگلستان کا ایک جھوٹا مدعی نبوت تھا۔ اِس کے خلاف اشتہار لکھا۔ اور اُس کے آخر میں جس جگہ راقمِ مضمون کا نام لکھا جاتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ الفاظ لکھے :۔

The Prophet Mirza Ghulam Ahmad.

یعنی "النبی مرزا غلام احمد" (ذکر حبیب صفحہ ۱۰۱ از مفتی محمد صادق صاحب)

۲۔ "اس اُمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی برکت سے ہزارہا اولیاء ہوتے ہیں۔ اور ایک وہ بھی ہوا۔ جو اُمتی بھی ہے اور نبی بھی۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۸ حاشیہ)

۳۔ "آنے والے مسیح موعودؑ کا حدیثوں سے پتہ لگتا ہے۔ اُس کا انہیں حدیثوں میں یہ نشان دیا گیا ہے کہ وہ نبی بھی ہوگا اور اُمتی بھی۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۹)

۴۔ "سو مَیں نے محض خدا کے فضل سے نہ اپنے کسی ہنر سے اس نعمت سے کامل حصہ پایا ہے جو مجھ سے پہلے نبیوں اور رسولوں اور خدا کے برگزیدوں کو دی گئی تھی۔" (ایضاً صفحہ ۶۲)

۵۔ "خدا تعالیٰ نے مجھے تمام انبیاء علیہم السلام کا مظہر ٹھہرایا ہے اور تمام نبیوں کے نام میری طرف منسوب کئے ہیں۔ مَیں آدمؑ ہوں۔ مَیں شیثؑ ہوں۔ مَیں نوحؑ ہوں۔ مَیں ابراہیمؑ ہوں۔ مَیں اسحٰقؑ ہوں۔ مَیں موسیٰؑ ہوں۔ مَیں اسمٰعیلؑ ہوں۔ مَیں یعقوبؑ ہوں۔ مَیں یوسفؑ ہوں۔ مَیں موسیٰؑ ہوں۔ مَیں داؤدؑ ہوں۔ مَیں عیسیٰؑ ہوں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کا مَیں مظہرِ اتم ہوں۔ یعنی ظلی طور پر محمدؐ اور احمدؐ ہوں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۷۲ حاشیہ)

۶۔ "(الہام) يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا۔ (ترجمہ از حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام) اُس دن زمین اپنی باتیں بیان کرے گی کہ کیا اُس پر گذرا۔ خدا اس کے لئے اپنے رسول پر وحی نازل کریگا کہ یہ مصیبت پیش آئی ہے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۹۲)

۷۔ "خدا کی مہر نے یہ کام کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا اِس درجہ کو پہنچا کہ ایک پہلو سے وہ اُمتی ہے۔ اور ایک پہلو سے نبی۔" (حقیقۃ الوحی حاشیہ صفحہ ۹۶)

۸۔ اور خود حدیثیں پڑھتے ہیں۔ جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت میں

بنی اسرائیلی نبیوں کے مشابہ لوگ پیدا ہونگے اور ایک ایسا ہوگا کہ ایک پہلو سے نبی ہوگا اور ایک پہلو سے اُمتی وہی مسیح موعود کہلا ئیگا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۰۱ حاشیہ)

۹۔ "خدا تعالیٰ کی مصلحت اور حکمت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے افاضۂ روحانیہ کا کمال ثابت کرنے کے لیئے یہ مرتبہ بخشا ہے کہ آپ کے فیض کی برکت سے مجھے نبوت کے مقام تک پہنچایا۔" (ایضاً ص۱۵۴ حاشیہ)

۱۰۔ "پس اِس میں کیا شک ہے کہ میری پیشگوئیوں کے بعد دُنیا میں زلزلوں اور دوسری آفات کا سلسلہ شروع ہوجانا میری سچائی کے لیئے ایک نشان ہے۔ یاد رہے کہ خُدا کے رسول کی خواہ کسی حصۂ زمین میں تکذیب ہو۔ مگر اس تکذیب کے وقت دوسرے مجرم بھی پکڑے جاتے ہیں۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۶۱)

۱۱۔ "اور کانگڑہ اور بھاگسو کے پہاڑ کے صدہا آدمی زلزلے سے ہلاک ہوگئے۔ اِن کا کیا قصور تھا۔ انہوں نے کونسی تکذیب کی تھی ؟ سو یاد رہے کہ جب خدا کے کسی مُرسل کی تکذیب کی جاتی ہے خواہ وہ تکذیب کوئی خاص قوم کرے۔ یا کسی خاص حصۂ زمین میں ہو مگر خدا تعالیٰ کی غیرت عام عذاب نازل کرتی ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۶۲)

۱۲۔ "اور اس امتحان کے بعد اگر فریق مخالف کا غلبہ رہا اور میرا غلبہ نہ ہوا۔ تو مَیں کاذب ٹھہرونگا ورنہ قوم پر لازم ہوگا کہ خدا تعالیٰ سے ڈر کر آئندہ طریق تکذیب اور انکار کو چھوڑ دیں۔ اور خدا کے مرسل کا مقابلہ کرکے اپنی عاقبت خراب نہ کریں۔" (ایضاً ص۲۸۶)

۱۳۔ "نبی کا نام پانے کے لیے مَیں ہی مخصوص کیا گیا اور دوسرے تمام لوگ اِس نام کے مستحق نہیں۔" (ایضاً ص۳۹۱)

۱۴۔ "پس خدا تعالیٰ نے اپنی سنّت کے مطابق ایک نبی کے مبعوث ہونے تک وہ عذاب ملتوی رکھا۔ اور جب وہ نبی مبعوث ہوگیا ۔۔۔۔ تب وہ وقت آگیا کہ اُن کو اپنے جرائم کی سزا دی جاتے۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۵۲)

۱۵۔ "مَیں اُس خدا کی قسم کھاکر کہتا ہوں جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ اُسی نے مجھے بھیجا ہے اور اُسی نے میرا نام نبی رکھا ہے۔" (ایضاً ص۶۸)

۱۶۔ "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل ۱۶) پس اِس سے بھی آخری زمانہ میں ایک رسول کا مبعوث ہونا ظاہر ہوتا ہے اور وہی مسیح موعود ہے۔" (ایضاً ص۶۵)

۱۷۔ "وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ (الجمعہ ۴) ۔۔۔۔ یہ آیت آخری زمانہ میں ایک نبی ظاہر ہونے کی نسبت ایک پیشگوئی ہے۔" (ایضاً ص۶۶)

۱۸۔ "صریح طور پر نبی کا خطاب مجھے دیا گیا۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۵۰)

۱۹۔ "جبکہ مَیں نے یہ ثابت کر دیا کہ مسیح ابن مریمؑ فوت ہوگیا ہے اور آنے والا مسیح مَیں ہوں تو

اس صورت میں جو شخص پہلے مسیح کو افضل سمجھتا ہے۔ اس کو نصوص حدیثیہ اور قرآنیہ سے ثابت کرنا چاہیئے کہ آنے والا مسیح کچھ چیز ہی نہیں۔ نہ نبی کہلا سکتا ہے نہ حَکَمْ جو کچھ ہے پہلا ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۱۵۵)

۲۰۔ "میں مسیح موعود ہوں اور وہی ہوں جس کا نام سرورِ انبیاءؐ نے نبی اللہ رکھا ہے۔"
(نزول المسیح ص۴۸)

۲۱۔ "میں رسول اور نبی ہوں۔ یعنی باعتبار ظلیت کاملہ کے۔ میں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدیؐ نبوت کا کامل انعکاس ہے۔" (نزول المسیح حاشیہ ص۳)

۲۲۔ "ایسا ہی خدا تعالیٰ نے اور اُس کے پاک رسول نے بھی مسیح موعود کا نام نبیؔ اور رسولؔ رکھا ہے، اور تمام خدا تعالیٰ کے نبیوں نے اُس کی تعریف کی ہے اور اُس کو تمام انبیاء کی صفاتِ کاملہ کا مظہر ٹھہرایا ہے۔" (نزول المسیح ص۴۸)

۲۳۔ "اس فیصلہ کے کرنے کے لیے خدا آسمان سے قرنا میں اپنی آواز پھونکے گا۔ وہ قرنا کیا ہے؟ وہ اُس کا نبی ہوگا۔" (چشمۂ معرفت ص۳۱۸ دوسرا حصہ خصوصیتِ اسلام)

۲۴۔ "اس طرح پر میں خدا کی کتاب میں عیسٰی بن مریم کہلایا۔ چونکہ مریم ایک اُمتی فرد ہے اور عیسٰی ایک نبی ہے۔ پس میرا نام مریم اور عیسٰی رکھنے سے یہ ظاہر کیا گیا۔ کہ میں اُمتی بھی ہوں اور نبی بھی۔"
(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۸۹)

۲۵۔ "خدا نے نہ چاہا کہ اپنے رسول کو بغیر گواہی چھوڑے۔۔۔۔ قادیان کو اس کی خوفناک تباہی سے محفوظ رکھیگا۔ کیونکہ یہ اُس کے رسول کا تخت گاہ ہے۔" (دافع البلاء ص۹، ص۱۱)

"سچا خدا وہی خُدا ہے جس نے قادیان میں اپنا رسول بھیجا۔" (ایضاً ص۱۱)

۲۶۔ "ایک صاحب پر ایک مخالف کی طرف سے یہ اعتراض پیش ہوا کہ جس سے تم نے بعیت کی ہے۔ وہ نبی اور رسول ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کا جواب محض انکار کے الفاظ میں دیا گیا۔ حالانکہ ایسا جواب صحیح نہیں ہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص۱)

۲۷۔ "میں جبکہ اس مدت تک ڈیڑھ سو پیشگوئی کے قریب خدا کی طرف سے پاکر بچشم خود دیکھ چکا ہوں۔ کہ صاف طور پر پوری ہوگئیں۔ تو میں اپنی نسبت نبیؔ یا رسولؔ کے نام سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔"
(ایضاً ص۶)

۲۸۔ "اس واسطہ کو ملحوظ رکھ کر اور اُس میں ہوکر اور اس کے نام محمدؐ و احمدؐ میں مسمّٰی ہوکر میں رسولؔ بھی ہوں اور نبیؔ بھی ہوں۔" (ایضاً ص۸)

۲۹۔ "میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔"
(آخری خط حضرت اقدسؑ مندرجہ اخبار عام لاہور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

۳۰۔ "میں صرف اِسی وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنے ہیں کہ خُدا سے الہام پاکر بکثرت پیشگوئی کرنے والا اور بغیر کثرت کے یہ معنے تحقیق نہیں ہو سکتے۔" (ایضاً)

۴۱۔ "ہمارا دعویٰ ہے کہ ہم رسولؔ اور نبی ہیں۔ دراصل یہ نزاع لفظی ہے خداتعالیٰ جس کے ساتھ ایسا مکالمہ مخاطبہ کرے جو بلحاظ کمیت وکیفیت دوسروں سے بڑھ کر ہو۔ اور اُس میں پیشگوئیاں بھی کثرت سے ہوں اُسے "نبی" کہتے ہیں۔ یہ تعریف ہم پر صادق آتی ہے۔ پس ہم نبی ہیں۔"

(بدرؔ ۵ رمارچ ۱۹۰۸ء جلد ۷، ۹ ص۲ کالم ۱)

۴۲۔ "پس اسی بنا پر خدا نے میرا نام نبی رکھا ہے کہ اِس زمانہ میں کثرتِ مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور کثرتِ اطلاع بر علومِ غیب صرف مجھے ہی عطا کی گئی ہے۔"

(آخری خط حضرت اقدسؑ مندرجہ اخبار عام لاہور ۲۶ر مئی ۱۹۰۸ء)

۴۳۔ جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے۔ تو مَیں کیونکر انکار کر سکتا ہوں۔ مَیں اِس پر قائم ہوں اس وقت تک جو اِس دُنیا سے گذر جاؤں۔" (ایضاً)

۴۴۔ "مَیں نبی ہوں اور اُمتی بھی ہوں۔ تاکہ ہمارے سید و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنیوالا مسیح اُمتی بھی ہوگا اور نبی بھی ہوگا۔" (ایضاً)

۴۵۔ "یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ جب آسمان سے مقرر ہو کر ایک نبی یا رسول آتا ہے تو اُس نبی کی برکت سے عام طور پر ایک نور حسب مراتب استعدادات آسمان سے نازل ہوتا ہے۔ اور انتشارِ رُوحانیت ظہور میں آتا ہے۔ تب ہر ایک شخص خوابوں کے دیکھنے میں ترقی کرتا ہے۔ اور الہام کی استعداد رکھنے والے الہام پاتے ہیں۔ اور رُوحانی اُمور میں عقلیں بھی تیز ہو جاتی ہیں کیونکہ جیسا کہ جب بارش ہوتی ہے۔ ہر ایک زمین اُس سے کچھ نہ کچھ حصّہ لیتی ہے۔ ایسا ہی اس وقت ہوتا ہے جب رسول کے بھیجنے سے بہار کا زمانہ آتا ہے۔ تب اُن ساری برکتوں کا موجب دراصل وہ رسول ہوتا ہے اور جسقدر لوگوں کو خوابیں یا الہام ہوتے ہیں دراصل اُن کے کھلنے کا دروازہ رسول ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اُس کے ساتھ دُنیا میں ایک تبدیلی واقعہ ہوتی ہے اور آسمان سے عام طور پر ایک روشنی اُترتی ہے۔ جس سے ہر ایک شخص حسب استعداد حصّہ لیتا ہے۔ وہی روشنی خواب اور الہام کا موجب ہو جاتی ہے اور نادان خیال کرتا ہے کہ میرے ہنر سے ایسا ہوا ہے مگر وہ چشمہ الہام اور خواب کا صرف اُس نبی کی برکت سے دُنیا پر کھولا جاتا ہے۔ اور اُس کا زمانہ ایک لیلۃ القدر کا زمانہ ہوتا ہے جس میں فرشتے اُترتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ (القدر:۵) جب سے خدا نے دُنیا پیدا کی یہی قانونِ قدرت ہے۔" (حقیقۃ الوحی ص۶۵ حاشیہ)

۴۶۔ "اسجگہ صُور کے لفظ سے مراد مسیح موعود ہے۔ کیونکہ خدا کے نبی اُس کی صُور ہوتے ہیں۔"

(چشمہ معرفت ص۸۰)

۴۷۔ "کبھی نبی کی وحی خبرِ واحد کی طرح ہوتی ہے اور معذالک مجمل ہوتی ہے اور کبھی وحی ایک امر میں کثرت سے اور واضح ہوتی ہے۔ ... پس مَیں اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ کبھی میری وحی بھی خبر واحد کی طرح ہو اور مجمل ہو۔" (لیکچر سیالکوٹ ص۵۵، ص۵۶)

۳۸۔"اس زمانہ میں خدا نے چاہا کہ جسقدر نیک اور راستباز مقدس نبی گذر چکے ہیں۔ایک ہی شخص کے وجود میں اُن کے نمونے ظاہر کئے جائیں۔سو وہ مَیں ہوں۔اِسی طرح اِس زمانہ میں تمام بدوں کے نمونے بھی ظاہر ہوتے۔فرعون ہو یا وہ یہود ہوں جنہوں نے حضرت مسیح کو صلیب پر چڑھایا۔یا ابوجہل ہو۔سب کی مثالیں اس وقت موجود ہیں۔" (براہین احمدیہ حصہ پنجم صفحہ ۹۰)

۳۹۔"ایمان درحقیقت وہی ایمان ہے جو خدا کے رسول کو شناخت کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ہاں جو شخص سرسری طور پر رسول کا تابع ہو گیا اور اُس کو شناخت نہیں کیا اور اُس کے انوار سے مطلع نہیں ہوا اُس کا ایمان بھی کچھ چیز نہیں اور آخر وہ ضرور مُرتد ہو گا۔جیسا کہ مسیلمہ کذاب اور عبداللہ بن سرح اور عبیداللہ بن جحش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں۔اور یہودا اسکریوطی اور پانسو اور عیسائی مُرتد۔حضرت عیسیٰؑ کے زمانہ میں۔اور جموں والا چراغدین اور عبدالحکیم خان ہمارے اس زمانہ میں مُرتد ہوتے۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۵۹)

۴۰۔"سخت عذاب بغیر نبی قائم ہونے کے آتا ہی نہیں۔جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:۱۶) پھر یہ کیا بات ہے کہ ایک طرف تو طاعون ملک کو کھا رہی ہے اور دوسری طرف ہیبت ناک زلزلے پیچھا نہیں چھوڑتے۔اے غافلو! تلاش تو کرو۔شاید تم میں خدا کی طرف سے کوئی نبی قائم ہو گیا ہو۔جس کی تم تکذیب کر رہے ہو۔" (تجلیات الٰہیہ صفحہ ۸ و صفحہ ۹)

پیغامی یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نبی بنا کر بھیجے۔اور ایک وقت تک آپ کو پتہ نہ لگے کہ مَیں نبی ہوں؟

جواب:۔ حضرت اقدسؑ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"اُس وقت مجھے مسیح موعود ٹھہرایا گیا کہ جب کہ مجھے بھی خبر نہیں تھی کہ مَیں مسیح موعودؑ ہوں۔" (تریاق القلوب کلاں صفحہ ۶۹ خورد صفحہ ۱۳۷)

غیر مبائعین کی پیشکردہ عبارتوں کا صحیح مفہوم

۱۔"جس جس جگہ مَیں نے نبوّت یا رسالت سے انکار کیا ہے صرف اِن معنوں سے کیا ہے کہ مَیں مستقل طور پر کوئی شریعت لانے والا نہیں ہوں۔اور نہ مَیں مستقل طور پر نبی ہوں۔مگر اِن معنوں سے کہ مَیں نے اپنے رسولِ مقتدا سے باطنی فیوض حاصل کر کے اور اپنے لیے اُس کا نام پا کر اُس کے واسطہ سے خُدا کی طرف سے علمِ غیب پایا ہے رسول اور نبی ہوں۔مگر بغیر کسی جدید شریعت کے۔اِس طور کا نبی کہلانے سے مَیں نے کبھی انکار نہیں کیا۔بلکہ انہی معنوں سے خدا نے مجھے نبی اور رسول کر کے پکارا ہے۔سو اب بھی مَیں اِن معنوں سے نبی اور رسول ہونے سے انکار نہیں کرتا اور میرا یہ قول ؎

"من نیستم رسول و نیاوردہ ام کتاب"

اِسکے معنی صرف اِسقدر ہیں کہ مَیں صاحب شریعت نہیں ہوں " (ایک غلطی کا ازالہ صلا)

۲۔ " یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا مَیں ایسی نبوّت کا دعویٰ کرتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور جس کے یہ معنے ہیں کہ مَیں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا ہی سمجھتا ہوں جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور جس کے یہ معنے ہیں کہ مَیں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا ہی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا اور اپنا علیحدہ کلمہ اور علیحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعتِ اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام میرے پر صحیح نہیں ہے۔ بلکہ ایسا دعویٰ نبوّت کا میرے نزدیک کُفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ سے یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوّت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے ۔۔۔۔ اُس (خدا) نے میرا نام نبی رکھا ہے سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں اور اگر مَیں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہوگا اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے تو مَیں کیونکر انکار کرسکتا ہوں۔ مَیں اس پر قائم ہوں اُس وقت تک جو اِس دُنیا سے گذر جاؤں۔ مگر مَیں اِن معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا مَیں اِسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں۔ یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جُوئے کے نیچے ہے جو قرآن شریف نے پیش کیا اور کسی کی مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کرسکے "۔

(حضرت اقدسؑ کا آخری خط محررہ ۲۳ رمئی ۱۹۰۸ء مطبوعہ اخبار عام لاہور ۲۶ رمئی ۱۹۰۸ء)

۳۔ " شریعت لانیوالا نبی کوئی نہیں آسکتا اور بغیر شریعت کے نبی ہوسکتا ہے "۔ (تجلیات الٰہیہ ص۲۰)

۴۔ " اس نکتہ کو یاد رکھو کہ مَیں رسول اور نبی نہیں ہوں۔ یعنی باعتبار نئی شریعت اور نئے دعوے اور نئے نام کے۔ اور مَیں رسول اور نبی ہوں یعنی باعتبار ظلیّتِ کاملہ کے۔ مَیں وہ آئینہ ہوں جس میں محمدی شکل اور محمدی نبوّت کا کامل انعکاس ہے "۔ (نزول المسیح حاشیہ ص۳)

نبوت کی تعریف

۱۔ " نبی کے حقیقی معنوں پر غور نہیں کی گئی۔ نبی کے معنے صرف یہ ہیں کہ خدا سے بذریعہ وحی خبر پانے والا ہو۔ اور شرفِ مکالمہ اور مخاطبہ الٰہیہ سے مشرف ہو۔ شریعت کا لانا اُس کیلئے ضروری نہیں اور نہ یہ ضروری ہے کہ صاحب شریعت رسول کا مُتبع نہ ہو "۔ (ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۱۳۸)

۲۔ خدا کی اصطلاح

" خدا کی اصطلاح ہے جو کثرتِ مکالمات و مخاطبات کا نام اس نے نبوت رکھا ہے۔ یعنی ایسے مکالمات جس میں اکثر غیب کی خبریں دی گئی ہوں "۔

(چشمہ معرفت ص۳۲۵ دوسرا حصہ خصوصیت اسلام)

(ب) اے نادانو! ۔۔۔۔ آپ لوگ جس امر کا نام مکالمہ مخاطبہ رکھتے ہیں۔ مَیں اُس کی کثرت کا نام بموجب

حکمِ الٰہی نبوت رکھتا ہوں۔" (تتمہ حقیقۃ الوحی ص۶۸)

۳۔ نبیوں کی اصطلاح "جبکہ وہ مکالمہ مخاطبہ اپنی کیفیت اور کمیّت کے رُو سے کمال درجہ تک پہنچ جائے اور اُس میں کوئی کثافت اور کمی باقی نہ ہو۔ اور کُھلے طور پر امورِ غیبیہ پر مشتمل ہو تو وہی دوسرے لفظوں میں نبوت کے نام سے موسوم ہوتا ہے جس پر تمام نبیوں کا اتفاق ہے۔" (الوصیت ص۱۲)

۴۔ قرآن شریف کی اصطلاح جس کے ہاتھ پر اخبارِ غیبیہ منجانب اللہ ظاہر ہونگے بالضرور اُس پر مطابق آیت لَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ۔ جن: ۲۷، ۲۸۔ خادم) کے مفہوم نبی کا صادق آئے گا۔" (ایک غلطی کا ازالہ ص۴)

محدث نہیں

ا۔ "اگر خدا تعالیٰ سے غیب کی خبریں پانے والا نبی کا نام نہیں رکھتا تو پھر بتلاؤ کس نام سے اُسے پکارا جائے؟ اگر کہو کہ اُس کا نام محدث رکھنا چاہیئے۔ تو مَیں کہتا ہوں کہ تحدیث کے معنے کسی لُغت کی کتاب میں اظہارِ غیب نہیں ہے۔ مگر نبوت کے معنے اظہارِ امرِ غیب ہے۔" (ایضاً ص۵)

ب۔ قرآن شریف بجز نبی بلکہ رسول ہونے کے دوسروں پر علومِ غیب کا دروازہ بند کرتا ہے جیسا کہ آیت لَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے ظاہر ہے۔ پس مصفّیٰ غیب پانے کے لیے نبی ہونا ضروری ہوا۔" (ایضاً ص۴)

ج۔ "آیت لَا یُظْهِرُ عَلٰى غَیْبِهٖ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ ایسی کُھلی کُھلی پیشگوئی صرف خُدا کے مُرسلوں کو دی جاتی ہے۔" (حجۃ اللہ ص۱)

۵۔ اسلامی اصطلاح ا۔ "خدا کی طرف سے کلام پاکر جو غیب پر مشتمل زبردست پیشگوئیاں ہوں مخلوق کو پہنچا دے خدا اور اسلامی اصطلاح میں نبی کہلاتا ہے۔" (ایضاً ص۲۱۲)

ب۔ "ایسے لوگوں کو اصطلاحِ اسلام میں نبی اور رسول اور محدث کہتے ہیں اور وہ خدا کے پاک مکالمات اور مخاطبات سے مشرف ہوتے ہیں۔ اور خوارق اُن کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہیں اور اکثر دُعائیں اُن کی قبول ہوتی ہیں۔ اور اپنی دُعاؤں میں خدا تعالیٰ سے بکثرت جواب پاتے ہیں۔" (لیکچر سیالکوٹ ص۲۰)

۶۔ مذاہب سابقہ کی اصطلاح "یہ ضرور یاد رکھو کہ اِس اُمّت کے لیے وعدہ ہے کہ وہ ہر ایک ایسے انعام پائے گی جو پہلے نبی اور صدیق پاچکے ہیں۔ پس منجملہ اُن انعامات کے وہ نبوتیں اور پیشگوئیاں ہیں جن کے رُو سے انبیاء علیہم السلام نبی کہلاتے رہے۔" (ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ ص۵)

۷۔ہماری اصطلاح

" میرے نزدیک نبی اُسی کو کہتے ہیں جس پر خدا کا کلام یقینی وقطعی بکثرت نازل ہو جو غیب پر مشتمل ہو۔ (تجلیات الٰہیہ صـ۲)

ب:" ہم خدا کے اُن کلمات کو جو نبوّت یعنی پیشگوئیوں پر مشتمل ہوں نبوّت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور ایسا شخص جسکو بکثرت ایسی پیشگوئیاں بذریعہ وحی دی جائیں اس کا نام نبی رکھتے ہیں۔" (ایضاً)

۸۔اس تعریف کا انکار نادانی ہے

ہمارے مخالف مسلمان مکالمۃ الٰہیہ کے قائل ہیں لیکن اپنی نادانی سے ایسے مکالمات کو جو بکثرت پیشگوئیوں پر مشتمل ہوں نبوّت کے نام سے موسوم نہیں کرتے۔" (چشمہ معرفت صـ۱۸۰، صـ۱۸۱)

۹۔" خدا نے اس بات کو (میری صداقت) ثابت کرنے کے لئے مجھے اسقدر نشان دیئے کہ اگر وہ ہزار نبی پر بھی تقسیم کئے جائیں تو اُن کی بھی ان سے نبوّت ثابت ہو سکتی ہے۔" (ایضاً صـ۳۱۷)

دیگر اصطلاحات کا مفہوم

۱۔ظلّی نبی :۔" ظلّی نبوّت جس کے معنے ہیں کہ محض فیضِ محمدیؐ سے وحی پانا۔"

(حقیقۃ الوحی صـ۲۸ و ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ صـ۵)

" اس موہبت کے لئے محض بروز اور ظلّیت اور فنافی الرسول کا دروازہ کُھلا ہے۔"

(ایک غلطی کا ازالہ حاشیہ صـ۵)

۲۔اُمّتی نبی :۔" جب تک اُس کو اُمّتی بھی نہ کہا جائے جسکے یہ معنے ہیں کہ ہر ایک انعام اُس نے آنحضرت صلعم کی پیروی سے پایا ہے نہ براہِ راست۔" (تجلیات الٰہیہ حاشیہ صـ۹)

۳۔مستقل نبوّت:۔" بنی اسرائیل میں اگرچہ بہت نبی آئے مگر اُن کی نبوّت موسیٰؑ کی پیروی کا نتیجہ نہ تھا۔ بلکہ وہ نبوّتیں براہِ راست خدا کی ایک موہبت تھیں حضرت موسیٰؑ کی پیروی کا اس میں ذرہ کچھ دخل نہ تھا۔ اسی وجہ سے میری طرح اُن کا یہ نام نہ ہوا کہ ایک پہلو سے نبی اور ایک پہلو سے اُمّتی بلکہ وہ انبیاء مستقل نبی کہلائے اور براہِ راست اُن کو منصبِ نبوّت ملا۔"

(حقیقۃ الوحی حاشیہ صـ۹۷)

ب۔ حضرت کا آخری خط مورخہ ۲۳ مئی ۱۹۰۸ء مطبوعہ اخبار عام لاہور ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء)

۴۔حقیقی نبوّت:۔" لیکن وہ شخص غلطی کرتا ہے جو ایسا سمجھتا ہے کہ اس نبوّت یا رسالت سے مراد حقیقی نبوّت اور رسالت ہے جس سے انسان خود صاحبِ شریعت کہلاتا ہے۔" (مکتوب حضرت مسیح موعودؑ بنام مولوی محمد علی صاحب ۱۷ اگست ۱۸۹۹ء بر صفحہ النبوۃ فی الاسلام مصنفہ مولوی محمد علی صاحب ضمیمہ صـ۱۹۲)۔

ب۔" وَمَنْ قَالَ بَعْدَ رَسُوْلِنَا وَسَيِّدِنَا اِنِّيْ نَبِيٌّ وَرَسُوْلٌ عَلٰى وَجْهِ الْحَقِيْقَةِ وَ الْاِفْتِرَاءِ وَتَرْكِ الْقُرْاٰنِ وَاَحْكَامِ الشَّرِيْعَةِ الْغَرَّاءِ فَهُوَ كَافِرٌ كَذَّابٌ۔ غرض ہمار

مذہب یہی ہے کہ جو شخص حقیقی طور پر نبوت کا دعویٰ کرتا اور آنحضرت صلعم کے دامنِ فیوض سے اپنے تئیں الگ کرکے اور اُس پاک سرچشمہ سے جُدا ہو کر براہِ راست نبی اللہ بننا چاہتا ہے تو وہ مُلحد بے دین ہے اور غالباً ایسا شخص اپنا کوئی نیا کلمہ بنائیگا اور عبادات میں کوئی نئی طرز پیدا کریگا اور احکام میں کچھ تغیر و تبدّل کر دیگا پس بلاشبہ وہ مسیلمہ کذّاب کا بھائی ہے اور اس کے کافر ہونے میں کچھ شک نہیں۔ ایسے خبیث کی نسبت کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ وہ قرآن شریف کو مانتا ہے۔" (انجام آتھم صـ۲۷، صـ۲۸ حاشیہ)

۵۔ مجازی نبی :۔ "سُمِّيْتُ نَبِيًّا مِنَ اللّٰهِ عَلٰى طَرِيْقِ الْمَجَازِ لَا عَلٰى وَجْهِ الْحَقِيْقَةِ فَلَا تَهِيْجُ هٰهُنَا غَيْرَةُ اللّٰهِ وَلَا غَيْرَةُ رَسُوْلِهٖ فَاِنِّيْ اُرَبّٰى تَحْتَ جَنَاحِ النَّبِيِّ وَقَدَمِيْ هٰذِهٖ تَحْتَ الْاَقْدَامِ النَّبَوِيَّةِ (ضمیمہ حقیقۃ الوحی۔ الاستفتاء صـ۶۵)

یعنی میرا نام اللہ تعالیٰ نے نبی حقیقی معنوں میں نہیں بلکہ مجازی معنوں میں رکھا ہے۔ پس اس سے اللہ اور رسولؐ کی غیرت جوش میں نہیں آتی کیونکہ میں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پروں کے نیچے پرورش پائی ہے اور میرا یہ قدم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقدام مبارک کے نیچے ہے۔

پس اس عبارت سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ "مجازی نبوت" کا لفظ "حقیقی نبوت" کے بالمقابل بایں معنی استعمال ہوا ہے کہ میں آنحضرت صلعم کے ماتحت اور حضورؐ کے فیض سے نبوت پانیوالا ہوں یعنی غیر تشریعی بالواسطہ نبی ہوں۔ گویا "مجازی نبوت" کے معنے ہیں "غیر تشریعی بالواسطہ نبوت"۔

ب۔ جیسا کہ اوپر بیان ہوا "مجازی نبی" کا لفظ "حقیقی نبی" کے بالمقابل استعمال ہوا ہے۔ پس اصطلاح میں جو مفہوم "حقیقی نبی" کا ہے اُس کے اُلٹ مفہوم "مجازی نبی" کا سمجھا جا سکتا ہے۔

اوپر ضمن ۴ میں "حقیقی نبی" کی اصطلاح کا مفہوم حضرت اقدسؑ کی تحریرات سے صاحب شریعت اور براہِ راست نبوت پانیوالا ثابت کیا گیا ہے۔ پس "مجازی نبی" کا مفہوم اس کے بالمقابل "غیر تشریعی بالواسطہ نبی" ہی ہو سکتا ہے نہ کہ غیر نبی۔

ج :۔ عام اصطلاح میں بھی لفظ "مجازی" کوئی مستقل لفظ نہیں بلکہ ہمیشہ لفظ حقیقی کے بالمقابل استعمال ہوتا ہے اور ہمیشہ "حقیقت" سے "مجاز" کا پتہ لگایا جاتا ہے۔ نہ کہ مجاز سے حقیقت کا۔ چنانچہ لکھا ہے :۔ "اَمَّا الْحَقِيْقَةُ فَاسْمٌ لِكُلِّ لَفْظٍ اُرِيْدَ بِهٖ مَا وُضِعَ لَهٗ ..... وَالْمُرَادُ بِالْوَضْعِ تَعْيِيْنُهٗ لِلْمَعْنٰى بِحَيْثُ يَدُلُّ عَلَيْهِ مِنْ غَيْرِ قَرِيْنَةٍ فَاِنْ كَانَ ذٰلِكَ التَّعْيِيْنُ مِنْ جِهَةِ وَاضِعِ اللُّغَةِ فَوَضْعٌ لُغَوِيٌّ۔ وَاِنْ كَانَ مِنَ الشَّارِعِ فَوَضْعٌ شَرْعِيٌّ۔ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ مَخْصُوْصٍ فَوَضْعٌ عُرْفِيٌّ خَاصٌّ۔ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ غَيْرِ مُعَيَّنٍ فَوَضْعٌ عُرْفِيٌّ عَامٌّ وَالْمُعْتَبَرُ فِي الْحَقِيْقَةِ هُوَ الْوَضْعُ لِشَيْءٍ مِنَ الْاَوْضَاعِ الْمَذْكُوْرَةِ وَفِي الْمَجَازِ عَدَمُهٗ۔" (کتاب نور الانوار باب بحث الحقیقت والمجاز صـ۵ شرح المنار)

یعنی حقیقت اُس لفظ کو کہتے ہیں جس سے مراد وہی معنے لئے گئے ہوں جسکے لئے وہ مقرر کیا گیا ہو..... اور "وضع" یعنی مقرر کرنے سے مُراد یہ ہے کہ اُس لفظ سے کسی قرینہ کے بغیر وہ معنے سمجھے جاتے ہوں۔ اب اگر یہ تعیین لُغت

بنانے والے کی طرف سے ہو اُسے "وضع لغوی" کہتے ہیں اور اگر یہ تعیین شریعت نے کی ہو تو اُسے "وضع شرعی" کہینگے اور اگر یہ تعیین کسی خاص جماعت نے کی ہو تو اُسے "وضع عرفی خاص" کہینگے اور اگر عرفِ عام سے یہ تعیین ہو تو اُسے "وضع عرفی عام" کہتے ہیں اور مجاز میں انہی تعیینوں کا عدم مراد ہے۔

اب ظاہر ہے کہ ان چاروں اوضاع (یعنی وضع لغوی، وضع شرعی، وضع عرفی خاص اور وضع عرفی عام) میں سے حضرت مسیح موعودؑ کی تحریرات میں لفظ "حقیقی نبی" "وضع عرفی خاص" کے طور پر ہی استعمال ہوا ہے۔ یعنی یہ حضورؑ اور حضورؑ کی جماعت کی ایک خاص وضع کردہ اصطلاح ہے جس کا مفہوم حضرت اقدسؑ نے "تشریعی براہِ راست نبوت" بیان فرمایا ہے۔ پس "مجازی نبی" کی اصطلاح بھی اُسکے بالمقابل "وضع عرفی خاص" ہونے کی جہت سے "غیر تشریعی بالواسطہ نبی" کے معنوں میں ثابت ہوئی۔

د۔ اس امر کی مزید مثالیں کہ لفظ مجاز ہمیشہ "حقیقت" کا عکس ہوتا ہے درج ذیل ہیں۔ ڈاکٹر سر محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:۔

وجودِ افراد کا مجازی ہے ہستی قوم ہے حقیقی ؛ فدا ہو ملت پہ یعنی آتش زنِ طلسمِ مجاز ہو جا
(بانگِ درا۔ پیامِ عشق صفحہ ۱۳۹)

مَیں نے کہا کہ موت کے پردے میں ہے حیات ؛ پوشیدہ جس طرح ہو حقیقت مجاز میں
(بانگ درا۔ شمع اور شاعر صفحہ ۲۲)

اشعار بالا میں ڈاکٹر صاحب نے قوم کے وجود کو "حقیقی" قرار دیکر اُس کے بالمقابل "افراد" کے وجود کو "مجازی" قرار دیا ہے، لیکن کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ افرادِ قوم "موجود" ہی نہیں؟ یا اُن کا درحقیقت کوئی وجود پایا ہی نہیں جاتا؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں۔ بلکہ آپ نے صرف قوم کے وجود کے بالمقابل افراد کے وجود کو مجازی قرار دیا ہے نہ کہ مطلقاً۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ نے خود کو مطلقاً "مجازی نبی" قرار نہیں دیا۔ بلکہ "حقیقی نبی" یعنی اپنے آقا و مطاع آنحضرت صلعم کے بالمقابل جو صاحبِ شریعت ہیں اپنے آپ کو مجازی نبی کہا ہے پس چونکہ آپ کی خاص اصطلاح (مندرجہ بالا) میں "حقیقی نبی" سے مراد صاحبِ شریعت براہِ راست نبی ہے اس لیے "مجازی نبی" کے معنے آپکی اصطلاح میں صرف غیر تشریعی بالواسطہ نبی ہونگے۔

۶۔ نبوتِ تامہ:۔ "اَلْحَدِیْثُ یَدُلُّ عَلٰی اَنَّ النُّبُوَّۃَ التَّامَّۃَ الْحَامِلَۃَ لِوَحْیِ الشَّرِیْعَۃِ قَدِ انْقَطَعَتْ"

ترجمہ:۔ مذکورہ حدیث بتا رہی ہے کہ نبوتِ تامہ جو وحی شریعت والی ہوتی ہے منقطع ہے۔
(توضیح مرام صفحہ ۱۹)

تمت بالخیر